بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ

لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ○ سورۃ الحجر (آیت: ۷۲)

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ○ سورۃ الم نشرح (آیت: ۴)

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ○ سورۃ التوبۃ (آیت: ۱۲۸)

حصہ اوّل

سیرتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قابلِ قدر اور عظیم تالیف
اُمّت کے اکابر مؤرخین اور اربابِ سِیَر کے عُلوم کا جوہر

سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

از افاضات
حضرت العلامہ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

الطاف اینڈ سنز
پی. او بکس نمبر ۵۸۸۲ کراچی ۷۴۰۰۰ پاکستان. فیکس ۷۵۱۲۷۷۴-۲۱-(۹۲)
ALTAF & SONS

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللہ تعالٰی

لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ○ سورۃ الحجر (آیت: ۷۲)

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ○ سورۃ الم نشرح (آیت: ۴)

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ○ سورۃ التوبۃ (آیت: ۱۲۸)

سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قابلِ قدر اور عظیم تالیف
اُمت کے اکابر مؤرخین اور اربابِ سیر کے علوم کا جوہر

سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حصہ اوّل

از افاضات
حضرت العلامہ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

الطاف اینڈ سنز
پی۔او بکس نمبر ۵۸۸۲ کراچی ۷۴۰۰۰ پاکستان۔ فیکس ۷۵۱۲۷۷۴-۲۱ (۹۲)

حصہ اوّل

نام کتاب ——————— سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مصنف ——————— حضرت العلامہ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

ملنے کے پتے

صدیقی ٹرسٹ

صدیقی ہاؤس، المنظر اپارٹمنٹس، 458، گارڈن ایسٹ،
پی۔او۔ بکس۔609 کراچی-74800 پاکستان، فیکس: (021)7228823

مکتبہ المعارف

دارالعلوم الحسینیہ

شہداد پور، سندھ پاکستان۔ فون: 02232 41376

رئیسہ الجامعۃ الاسلامیۃ لبنات الاسلام

جامعہ اسلامیہ اسٹریٹ
فوارہ چوک گجرات، پاکستان
فون: 525710 - 510015 (0433)

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K,
QARI ABDUR RASHID TEYLOR
119-121- HALLIWELL ROAD,
BOLTON. BL 13NE, U.K.
TEL / FAX : 01204 - 389080, MOB : 07930 - 464843

MOULANA MUSA KARMADI, LONDON, U.K,
Mobile : 07710 - 407175

HAFIZ SULEMAN, U.K,
DEWSBURY - MOB : 07773 - 514324

DARUL ULOOM AL MADANIA, U.S.A.
182, SOBIESKI ST. BUFFALO, NY. 14212
TEL : (0716) 892-2606. FAX : (0716) 892-6621,
E-mail : office@madania.org

AN-NOOR ISLAMIC BOOKS, CANADA.
YAKOOB S. NAIKIWALA
2680 LAWRENCE AVE. # 201,
SCARBOROUGH, ONT. MIP 4Y4 (CANADA)
TEL : (001) 416 - 759-6185, FAX : (001) 416 - 267-4192

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین سیرۃ المصطفےٰ حصہ اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین سیرت المصطفیٰ حصہ دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین سیرۃ المصطفٰے حصہ سوم

مضمون	صفحہ

بحمدہ تعالیٰ سیرت المصطفیٰ کی فہرست ختم ہوئی و للہ الحمد اولاً و آخراً

کلماتِ بابرکات

حکیم الامت مجدد الملت قطب الارشاد حضرت مولانا الشاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْعَلِیِّ الْحَکِیْمِ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی نَبِیِّہٖ ذِی الْخُلُقِ الْعَظِیْمِ احقر اشرف علی تھانوی عنہ عرض رسا ہے کہ میں نے کتاب سیرۃ المصطفیٰ ﷺ کے مقاماتِ ذیل خود فاضل مؤلف یعنی جامع کمالاتِ علمیہ عملیہ مولوی حافظ محمد ادریس کاندھلوی سلمہ اللہ تعالیٰ کی زبان سے سُنے جس کے سُننے کے وقت بالکل یہ منظر سامنے تھا ؎

یَزِیْدُكَ وَجْهُهٗ حُسْنًا
إِذَا مَا زِدْتَهٗ نَظَرًا

وہ مقامات یہ ہیں۔ اوّل دیباچہ کتاب۔ ثانی، بدء الوحی کا بیان جس میں رؤیا صالحہ کے جزو نبوت ہونے پر کلام کیا ہے اور اس کے اسرار و حکم۔ ثالث، دربار نجاشی میں حضرت جعفرؓ کی تقریر۔ رابع اصحاب صفہ کا بیان۔ خامس، حضرات انبیاء علیہم السلام کی نزاہت قبل نبوت بھی۔ سیر کے جتنے ضروری حقوق و لوازم ہیں، ماشاء اللہ ان کو خاص طور پر پورا کیا گیا ہے۔ جزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

کسی کسی جگہ احقر نے خفیف خفیف مشورے بھی دیئے ہیں جن کو فاضل مؤلف بشاشت سے

قبول کیا جوان کے انصاف اور اخلاص کی واضح دلیل ہے۔ اَللّٰھم زِدفَزِد۔ کتاب کا عنوان ومعنون ایسا دلکش اور اس کا مصداق ہے ؎

زِ فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ مے نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

کہ اگر میرے پاس وقت اور قوت ہوتی تو اس کو اوّل سے آخر تک سنتا مگر ضعف وضیق وقت سے یہ آرزو پوری نہ کر سکا۔ اُمید ہے کہ بقیہ کتاب بھی ان شاء اللہ تعالیٰ وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی کی مظہر ہوگی۔

اب میں اس توشیح کو ایک خاص مشورہ اور ایک عام مشورہ اور ایک دعا پر ختم کرتا ہوں۔ خاص مشورہ جس کے مخاطب فاضل مؤلف ہیں یہ ہے کہ مقاماتِ مذکورہ بالا میں سے مقام خامس پر میرے رسالہ "حسن التفہیم" لمقولہ سیدنا ابراہیم کا (جو امداد الفتاوی کا جزو ہو کر اس کے حصہ خامسہ کے صفحہ ۴۰۸ تا صفحہ ۴۱۲ پر اشرف المطابع میں شائع ہوا ہے) بعینہٖ یا ملخصاً اضافہ کر دیا جاوے کہ اس کی ایک مفید تائید ہے۔

عام مشورہ جس کے مخاطب عام ناظرین ہیں یہ ہیں کہ کوئی شخص جو اُردو کی بھی ضروری استعداد رکھتا ہو کتاب مذکور کے درس یا مطالعہ سے محروم نہ رہے جس کا ایک اجمل اور اسہل فائدہ یہ ہے کہ اس سے اپنے آقا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ضروری معرفت ہوگی اور اس معرفت سے بہ لزوم عادی آپ کی محبت اور اس محبت سے حسب وعدۂ صادقہ جنت میں آپ کی معیت نصیب ہوگی اور اس کے نعمت عظمٰی ہونے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔

اور دعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف کو ظاہری و باطنی و دنیوی و اخروی برکات عطا فرماوے اور کتاب کو مقبول و نافع فرماوے۔ فقط آمین ثم آمین۔

اشرف علی

از تھانہ بھون ۹ شوال ۱۳۵۰ھ

*

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ وَالۡعَاقِبَةُ لِلۡمُتَّقِيۡنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ الۡاَنۡبِيَاءِ وَالۡمُرۡسَلِيۡنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ وَاَزۡوَاجِهٖ وَذُرِّيَّاتِهٖ اَجۡمَعِيۡنَ۔

اَمَّا بَعۡدُ بندۂ گنہگار محمد ادریس کاندھلوی کان اللہ لہٗ وکان ہو للہ اہل اسلام کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ ایک مسلمان اور مومن کے لیے اپنا جاننا ضروری نہیں جتنا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جاننا ضروری ہے جو شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں جانتا وہ اپنے ایمان اور اسلام کو کیسے جان سکتا ہے۔ مومن اپنے وجودِ ایمانی میں سراسر وجودِ پیغمبر کا محتاج ہے۔ عیاذاً باللہ اگر وجودِ پیغمبر سے قطع نظر کر لی جائے تو ایک لمحہ کے لیے بھی مومن کا وجودِ ایمانی باقی نہیں رہ سکتا۔ اسی وجہ سے ارشاد ہے۔

اَلنَّبِيُّ اَوۡلٰى بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ [1] — نبی، مومنین کے حق میں ان کی جان سے بھی زیادہ قریب ہے۔

کیونکہ مومن کا وجودِ ایمانی آفتابِ نبوت کا ایک معمولی سا عکس اور پرتو ہے اور ظاہر ہے کہ پرتو کو جو قرب اور تعلق اپنے اصل منبع یعنی آفتاب سے ہو سکتا ہے وہ آئینہ سے نہیں ہو سکتا۔ مومن کو جو ایمان پہونچتا ہے وہ نبی کے واسطہ سے پہونچتا ہے۔ معلوم ہُوا کہ ایمان نبی سے قریب ہے اور مومن سے بعید ہے۔ اس لیے کہ نبی ایمان کے ساتھ متصف بالذات ہے اور مومن ایمان کے ساتھ متصف بالعرض

---

[1] الاحزاب، آیۃ : ۶

ہے۔ لہٰذا ضروری ہُوا کہ مومن اپنے اور اپنے ایمان کے جاننے سے پہلے اپنے نبیؐ کی سیرت کو جانے تاکہ اسی راستے پر چلے اور دوسروں کو بھی اس پر چلنے کی دعوت دے حق جل و علا نے سورۂ ہود میں ابتدا سے انتہا تک انبیاء و مرسلین کے حالات اور واقعات ذکر فرمائے۔ اخیر میں اس کی حکمت بیان فرمائی کہ ہم نے انبیاء و مرسلین کے حالات کیوں بیان کیے۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ج وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (۱)	اور ہم آپ کے سامنے انبیاء کے واقعات بیان کرتے ہیں جس سے آپ کے قلب کو قوت اور سکون عطا کریں اور ان واقعات کے ضمن میں اہل ایمان کے لیے حق اور حقیقت اور موعظت اور نصیحت اور تذکیر اور یاددہانی سامنے آجائے۔

یعنی تاکہ ان واقعات سے تمہارے قلوب کو سکون اور اطمینان کا درجہ حاصل ہو اور تمہارے دل ایمان پر، قائم اور ثابت ہو جائیں اور حق تم پر واضح ہو جائے اور ان کو سن کر عبرت اور نصیحت حاصل کرو بلکہ قرآن کریم کی بہت سی سورتیں انہیں انبیاء کے نام سے موسوم ہیں جن کی سیرت اُس سورت میں بیان کی گئی ہے۔ جیسے سورۂ یونس اور سورۂ ہود اور سورۂ یوسف اور سورۂ ابراہیم وغیر ذلک اور سورۂ لقمان اور سورۂ کہف حضرت لقمان اور اصحاب کہف کے نام سے موسوم ہوئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء اور علماء و صلحاء کی سیرت اور تاریخ لکھنا کس درجہ اہم اور ضروری ہے سیرت سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات کا علم ہوگا اور اس کے ساتھ ساتھ حضورؐ کے صحابہؓ کے فضائل و کمالات معلوم ہوں گے جس سے ایمان میں زیادتی اور قوت پیدا ہو گی اور بہت سی آیات اور احادیث کے معانی معلوم ہوں گے اور جو لوگ ایمان نہیں رکھتے وہ اگر سیرت کو پڑھیں گے تو ان کے حق میں سیرت کا

---

(۱) ہود: آیۃ - ۱۲۰

علم دعوتِ ایمان اور دعوت الی الحق کا ذریعہ ہوگا۔ اقوام نے اپنے انبیاء کی اور قوموں نے اپنے سادات اور کبراء کی سیرتیں اور تاریخیں لکھیں مگر سب ناتمام۔ جن قوموں کا یہ حال ہو کہ جس کو وہ صحیفۂ آسمانی اور کتابِ ربانی سمجھتے ہوں۔ وہی ان کے پاس محفوظ نہ ہو اور یہ تک معلوم نہ ہو کہ کس پر اترا اور کب اترا اور کہاں اترا اور کس طرح اترا اور جس کو وہ اپنا مقتدا اور پیشوا سمجھتے ہوں اُس کی قبر تک کا نشان بھی ان کو معلوم نہ ہو وہ اپنے اس مقتدا کی مکمل سیرت اور سوانح حیات کہاں پیش کر سکتے ہیں۔ پوری زندگی کے حالات اور واقعات تو بڑی چیز ہیں وہ اپنے پیشوا کا ایک کلمہ بھی ایسا نہیں پیش کر سکتے جس کی سند اُن کے پیشوا تک متصل اور مسلسل ہو۔

بحمد اللہ یہ شرف صرف امتِ محمدیہ (علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ والف الف تحیۃ) کو حاصل ہے۔ کہ وہ اپنے پیغمبر کے ہر قول اور ہر فعل کو متصل اور مسلسل سند کے ساتھ پیش کرتی ہے۔ یہی اور صرف یہی ایک امت ہے کہ اپنے نبی سے متصل ہے۔ عہدِ نبوت سے لے کر اس وقت تک کوئی لمحہ اور کوئی لحظہ ایسا نہیں گذرا کہ جس میں یہ امت اپنے نبی سے منقطع ہوئی ہو۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل سیرت تو پوری حدیث ہے لیکن متقدمین کی اصطلاح میں فقط غزوات اور سرایا کے حالات اور واقعات کے مجموعہ کو سیرت کہتے تھے۔ حدیث آٹھ علوم کے مجموعہ کا نام ہے اور سیرت اُس کا ایک جزء ہے ؂

سیر آداب وتفسیر وعقائد
فتن اشراط واحکام ومناقب

لیکن اس زمانہ میں سیرت کا اطلاق سوانح عمری پر کیا جاتا ہے۔

محدثین نے جرح و تعدیل کے جو قواعد مقرر کیے اور صحیح و سقیم کے پہچاننے کا جو معیار قائم کیا وہ بلا کسی تفریق اور تخصیص کے سب جگہ ملحوظ رکھا گیا اور تمام حدیثیں خواہ احکام سے متعلق ہوں یا مغازی اور مناقب سے سب اُسی معیار سے جانچی گئیں البتہ جن حدیثوں پر دین کا دارو مدار تھا جیسے عقائد اور حلال و حرام محدثین نے اُن کے قبول کرنے میں زیادہ تشدد سے کام لیا اور جن حدیثوں پر دین کا دارو مدار نہ تھا جیسے فضائل اور مناقب وہاں کسی قدر وسعت اور سہولت سے کام لیا گیا اس لیے کہ وہاں کوئی عمل مقصود نہیں محض علم مقصود ہے۔ اس لیے ایسے مقام پر توسیع ہی مناسب ہے چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ سے مروی ہے:۔

اِذَا رَوَیْنَا فِی الْحَلَالِ وَ الْحَرَامِ تَشَدَّدْنَا وَاِذَا رَوَیْنَا فِی الْفَضَائِلِ تَسَاهَلْنَا۔	جب ہم حلال و حرام کے بارے میں روایت کرتے ہیں تو تشدد کرتے ہیں اور جب فضائل و مناقب کے بارے میں روایت کرتے ہیں تو نرمی کرتے ہیں۔

الحاصل صحت اور ضعف کا جو معیار اور جو ضابطہ احادیثِ احکام میں ہے وہی مغازی اور سیر میں ہے۔ اسی ضابطہ سے سب احادیث کو جانچا جاتا ہے اور اسی کے مطابق بلا تفریق صحیح اور ضعیف کا حکم لگایا جاتا ہے۔

جن محدثین نے اپنی کتاب میں صحت کا التزام کیا انھوں نے ہر قسم کی حدیثوں کو خواہ احکام کی ہوں یا مغازی اور مناقب کی، سب کو صحیح طور پر جمع کیا جیسے صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور صحیح ابن خزیمہ اور منتقی ابن جارود اور صحیح ابن حبان، ان کتابوں میں سیرت اور مناقب کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے اور سب صحیح ہے۔

اور جن محدثین نے اپنی کتاب میں صحت کا التزام نہیں کیا اُن کا مقصد یہ

تھا کہ حدیث کا ذخیرہ جمع ہو جائے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بھی منقول ہوا ہے وہ سب ایک بار محفوظ ہو جائے بعد میں اس کی تنقیح کر لی جائے گی اس لیے کہ جب سند موجود ہے تو پھر اُس کو جرح وتعدیل کی کسوٹی پر، پرکھنا کیا مشکل ہے۔ الغرض ان حضرات نے حدیث کے جمع کرنے کا پُورا اہتمام کیا اور اس کی کوشش کی کہ کوئی حدیث جمع ہونے سے رہ نہ جائے۔

حضرات محدثین نے جہاں ایک طرف جرح وتعدیل کے اصول مقرر فرمائے تاکہ کوئی غلط بات ذاتِ نبویؐ کی طرف منسوب نہ ہو جائے کِذب علی النبی اگرچہ متعمدًا نہ ہو تب بھی کذب اور خطا ضرور ہے اسی طرح محدثین نے دوسری طرف یہ احتیاط کی کہ جو روایت اُن کو ملی بلاکم وکاست سند کے ساتھ اُس کو درجِ کتاب کر دیا تاکہ ذاتِ نبویؐ کے متعلق کوئی علم مخفی نہ رہ جائے اور کوئی کلمہ جو آپؐ کی زبانِ مبارک سے نکلا ہو وہ گم نہ ہونے پائے اور یہ سند اگرچہ مستند نہ ہو لیکن ممکن ہے کہ یہ روایت کسی دوسری سند سے منقول ہو جائے تو تعددِ سند اور اختلافِ طرق کو دیکھ کر آیندہ کے اہلِ علم اس کا خود فیصلہ کر لیں گے کہ یہ روایت کس درجہ مستند ہے۔ بہت سی صحیح روایتیں متعدد طرق سے مروی ہونے کی وجہ سے حدِ تواتر اور شہرت کو پہنچ گئیں۔ لہٰذا جن محدثین نے رطب ویابس روایات کو جمع کیا وہ بے احتیاطی نہیں بلکہ:۔

بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً یعنی مجھ سے جو سنو وہ پہونچاؤ اگرچہ وہ ایک کلمہ ہی ہو کے اعتبار سے غایت درجہ کی احتیاط ہے۔ نیز بسا اوقات ضعیف روایتوں میں کوئی لفظ ایسا نکل آتا ہے جس سے صحیح حدیث کی مراد واضح ہو جاتی ہے اور حدیثِ صحیح میں جو متعدد معانی کا احتمال تھا۔ وہ اس لفظ کی زیادتی سے زائل ہو جاتا ہے اور مرادِ نبویؐ متعین ہو جاتی ہے۔ پھر یہ کہ حضراتِ محدثین نے

اُن روایات کے درج کتاب کرنے میں اپنی عقل اور درایت کو دخل نہیں دیا اگر متعارض روایتیں ملیں تو اسی تعارض کے ساتھ اُن کو درج فرما دیا۔ اس لیے کہ بسا اوقات ظاہر نظر میں دو آیتیں یا دو روایتیں متعارض معلوم ہوتی ہیں مگر جس شخص کو اللہ نے دین کی سمجھ دی ہو اُس کی نظر میں تعارض نہیں ہوتا۔ وہ اُن دونوں روایتوں کو خداداد نورِ فہم اور فراست سے علیحدہ علیحدہ دیکھتا ہے۔ بلکہ وہی شخص جو ایک زمانہ تک ان دونوں روایتوں کو متعارض سمجھتا تھا جب اس کے قلب پر من جانب اللہ کسی نور کا پرتوہ پڑتا ہے تو اسی وقت آنکھیں کھل جاتی ہیں اور دونوں روایتوں کا فرق نظر آجاتا ہے اور سمجھ میں آجاتا ہے کہ یہ تمام اختلاف اور تعارض میرے فہم میں تھا۔ حدیثوں میں کوئی تعارض اور اختلاف نہ تھا۔

حضرت مولانا محمد قاسم رحمہ اللہ الاجوبۃ الکاملہ میں فرماتے ہیں کہ:۔

"حدیث کی کتابیں تین قسم کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ مصنف اپنی کتاب میں یہ التزام کرے کہ صحیح حدیث کے سوا اور کسی قسم کی حدیث بیان نہ کرے جیسے بخاری شریف اور صحیح مسلم وغیرہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے نسخۂ طبیب کہ اس میں جو ہے وہ بیمار کیلئے مفید ہے اور ایک صورت یہ ہے کہ صحیح اور ضعیف ہر قسم کی حدیثیں لاتے ہیں، پر صحیح کو جدا بتلا دیتے ہیں اور ضعیف کو جدا ضعیف کہہ جاتے ہیں۔ جیسے ترمذی شریف کہ اس میں کسی حدیث کو لکھ کر کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور کسی کو ضعیف کہہ جاتے ہیں۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے اکثر کتبِ طب میں ادویہ مفردہ، مرکبہ، نافع، مضر سب لکھتے ہیں، پر اس کے ساتھ یہ لکھ دیتے ہیں کہ یہ دوا نافع

ہے اور یہ مضر سو کتب طب میں دیکھ کر، کوئی نادان بھی دوا استعمال نہیں کرتا۔ ایسے ہی احادیثِ ضعیفہ کو کتب احادیث میں دیکھ کر استدلال کرنا عاقل[1] کا کام نہیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ مصنف اپنی کتاب میں موضوعات یا احادیثِ ضعیفہ کو جمع کر دے اور غرض اس التزام سے یہ ہو کہ دین داران سادہ لوح ان احادیث کو غیر معتبر سمجھ کر عمل کرنے سے باز رہیں۔ یہ کتاب ایسی ہے جیسے طبیب پرہیز کی چیزوں کی تفصیل لکھ کر حوالہ کر دے تاکہ کل کے دن کوئی دھوکا نہ کھاوے۔ موضوعات ابن جوزی وغیرہ سب اسی قسم کی ہیں۔" انتہیٰ کلامہ رحمہ اللہ تعالیٰ (۲)

غزوات اور سرایا کے اسباب وعلل کے متعلق اگر کوئی روایت ملی تو اس کو بھی ضرور لے لیا مگر اپنی رائے اور قیاس کو اس میں دخل نہیں کیا تاکہ روایت کے ساتھ رائے مخلوط نہ ہو جائے۔ اگر خدانخواستہ یہ حضرات بھی یورپین مورخوں کی طرح اسباب وعلل سے بحث کرتے تو وہ روایت، روایت نہ رہتی بلکہ اُن کی خیالی اور قیاسی تحقیقوں کا مجموعہ ہو جاتا۔ علماء متاخرین نے اس جمع شدہ ذخیرہ کی تحقیق اور تنقیح کرکے یہ بتلا دیا کہ فلاں روایت صحیح ہے اور فلاں موضوع۔ جو شخص عیون الاثر اور زاد المعاد اور زرقانی شرح مواہب کا مطالعہ کرے گا۔ اُس کو بخوبی یہ معلوم ہو جائے گا کہ محدثین نے اپنی تحقیق اور تنقیح کو سب جگہ یکساں طور پر جاری رکھا۔ اپنی تحقیق اور تنقیح کو احادیثِ احکام کے ساتھ مخصوص نہیں کیا۔ آج کل ایک بدعت، درایت کی نمودار ہوئی ہے۔ اس سے اصل روایت گم ہو جاتی ہے۔ مصنف جو اپنی مزعوم درایت سے رائے قائم کرتا ہے اُس کو بشکل روایت پیش

---

[1] الایۃ کہ وہ طبیب ہو اور ادویہ کے خواص اور آثار سے باخبر ہو ۱۲ منہ

[2] الاجوبۃ الکاملہ۔ ص:

کرتا ہے حالانکہ وہ روایت اور واقعہ نہیں بلکہ محض اُس کی رائے اور تخیل ہے۔ علامۂ سہیلی اور حافظ ابن قیم اور علامہ زرقانی نے واقعات اور حالات کے علاوہ موقعہ بموقعہ اسرار وحکم لطائف اور معارف بھی بیان کیے ہیں جس سے سیرت کا لطف دوبالا ہوگیا۔

اس ناچیز نے بھی جو انھیں حضرات کے علوم کا ترجمان اور خادم ہے اپنی اس مختصر سیرت میں جہاں صحتِ ماخذ اور روایات کے معتبر اور مستند ہونے کا التزام کیا ہے۔ وہاں اسرار وحکم کا بھی کچھ اہتمام کیا ہے جو ان شاء اللہ العزیز نافع اور مفید ہوگا

اس سیرت میں جتنا بھی علمی سرمایہ اور ذخیرہ آپ دیکھیں گے وہ سب حضرات محدثین کا ہے اور وہی اس کے مالک ہیں۔ یہ ناچیز اُن کا ایک ادنیٰ غلام اور کمترین خادم ہے۔ جس کا کام صرف اتنا ہے کہ اُن کے جواہرات اور موتیوں کو سلیقہ سے ترتیب دے کر علم کے شائق اور خریداروں کے سامنے پیش کردے اور جس مخزن سے وہ موتی لائے گئے ہیں ساتھ ساتھ اُن کا پتہ بتلادے۔ جوہری کا کام تو یہ ہے کہ جواہرات کے صندوق کے صندوق لاکر سامنے رکھ دیے۔ اب ان جواہرات کے انواع واقسام اور اصناف دالوان کو علیحدہ علیحدہ کر کے ترتیب سے رکھنا یہ غلاموں اور خادموں کا کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ائمہ اور سلف کے علوم میں ترتیب نہیں ہوتی۔ جواہر کی طرح منتشر اور بے ترتیب ہوتے ہیں اور متاخرین کے کلام میں تبویب اور ترتیب ہوتی ہے۔ چونکہ اس علم میں حضرات محدثین ہمارے استاذ ہیں اور ہمارے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان وہی واسطہ ہیں۔ اس لیے محدثین کے اصول وقواعد کا اتباع ضروری اور لازم سمجھا۔ کما قال تعالیٰ:۔

هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ۝ (۱)

(۱) الکہف، آیۃ: ۶۶

اس لیے آپ ان شاء اللہ العزیز اس کتاب میں کسی جگہ حضرات محدثین کے اصول سے عدول اور سرتابی نہ پائیں گے۔ ایسے آباء و اجداد کا اتباع جو:۔
لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُونَ۔[1]　نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت رکھتے ہوں
کے مصداق ہوں بے شک مذموم ہے لیکن اگر کسی کے روحانی یا جسمانی آباء و اجداد صاحبِ عقل اور صاحبِ ہدایت ہوں تو پھر ان کے اتباع کے مستحسن بلکہ ضروری ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔

اس دور میں اگرچہ سیرت نبویؐ پر چھوٹی اور بڑی بہت سی کتابیں لکھی گئیں اور لکھی جا رہی ہیں لیکن اُن کے مؤلفین اور مصنفین زیادہ تر فلسفۂ جدیدہ اور یورپ کے فلاسفروں سے اس قدر مرعوب اور خوف زدہ ہیں کہ یہ چاہتے ہیں کہ آیات و احادیث کو توڑ موڑ کر کسی طرح فلسفہ اور سائنس کے مطابق کر دیں اور انگریزی تعلیم یافتہ نوجوانوں کو یہ باور کرا دیں کہ عیاذاً باللہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول اور کوئی فعل مغربی تہذیب و تمدن اور موجودہ فلسفہ اور سائنس کے خلاف نہ تھا۔

یہی وجہ ہے کہ جب معجزات اور کرامات کا ذکر آتا ہے تو جس قدر ممکن ہوتا ہے اُس کو ہلکا کر کے بیان کیا جاتا ہے اگر کہیں راویوں پر بس چلتا ہے تو جرح و تعدیل کے ذریعے سے محدثانہ رنگ میں ان روایات کو ناقابلِ اعتبار بنانے کی کوشش کی جاتی ہے اور اسماء الرجال کی کتابوں سے جرح کے اقوال تو نقل کر دیتے ہیں اور توثیق و تعدیل کے اقوال نقل نہیں کرتے جو سراسر امانت اور دیانت کے خلاف ہے اور قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا کا مصداق ہے اور جہاں راویوں پر بس نہیں چلتا وہاں صوفیانہ اور محققانہ رنگ میں آ کر تاویل کی راہ اختیار کی جاتی ہے جس سے آیت اور حدیث کا مفہوم ہی بدل جاتا ہے۔

اور جب خداوند ذوالجلال کے باغیوں سے جہاد و قتال کا ذکر آتا ہے تو بہت

---
[1] البقرۃ: آیۃ: ۱۷۰

پیچ وتاب کھاتے ہیں اوراس کواسلام کے چہرہ پر ایک بدنما داغ سمجھ کر دھونے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ تو ممکن نہ ہوا کہ اعداء اللہ سے جہاد وقتال کی آیات و احادیث کا انکار کرسکیں۔اس لیے تاویل کی راہ اختیار کی کہ یہ غزوات و سرایا اعلاء کلمۃ اللہ یعنی اللہ کا بول بالاکرنے اور آسمانی بادشاہت قائم کرنے اور قانونِ خداوندی کو علی الاعلان جاری کرنے کے لیے نہ تھے۔بلکہ محض اپنی حفاظت اور جان بچانے اور دشمنوں کی مدافعت کے لیے تھے۔قرآنِ کریم میں ہے کہ مسلمان منافقین سے یہ کہتے تھے۔

تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَوِ ادْفَعُوْا (۱) — آؤ خدا کی راہ میں جہاد وقتال کرو یا فقط دشمنوں کی مدافعت کے لیے لڑو۔

معلوم ہوا کہ جہاد فی سبیل اللہ اور شئ ہے اور اپنے دشمنوں کی مدافعت کے لیے جنگ کرنا اور شئ ہے اس میں مؤمن اور منافق سب برابر ہیں۔مؤمن اللہ کے لیے لڑتا ہے اور منافق محض اپنی حفاظت اور دشمن کی مدافعت کی خاطر لڑتا ہے۔اگر جہاد کی حقیقت فقط مدافعت ہوتی تو قرآن وحدیث میں اس کی ترغیب کی حاجت نہ تھی۔دشمن کی مدافعت کالزوم اور وجوب عقلی اور فطری ہے۔کسی عاقل کا اس میں اختلاف نہیں۔کیا خلفاء راشدین کے تمام جہادات دفاعی تھے ؟کوئی جہاد ان میں سے اقدامی نہ تھا اور کیا سلاطینِ اسلام کے ہندوستان پر حملے بھی اقدامی نہ تھے ؟ایک ہزار سال قبل کیا کسی لالہ اور دھوتی پرشاد کی مجال تھی کہ وہ کسی اسلامی حکومت کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کا تصور بھی کرسکے اور شاہانِ اسلام اُن کی مدافعت کے لیے اٹھیں۔

---

(۱) آل عمران، آیۃ : ۱۶۷ ۔

اس لیے اس ناچیز نے یہ ارادہ کیا کہ سیرت میں ایک ایسی کتاب لکھی جائے کہ جس میں اگر ایک طرف غیر مستند اور معتبر روایات سے پرہیز کیا جائے تو دوسری طرف کسی ڈاکٹر یا فلاسفر سے گھبرا کر نہ کسی روایت کو چھپایا جائے اور نہ کسی حدیث میں اُن کی خاطر سے کوئی تاویل کی جائے اور نہ راویوں پر جرح کر کے اُس حدیث کو غیر معتبر بنانے کی کوشش کی جائے۔ اس ناچیز کا مسلک یہ ہے جو آپ کے سامنے پیش کر دیا۔

فاش می گویم و از گفتۂ خود دل شادم
بندۂ عشقم و از ہر دو جہاں آزادم

مسئلہ جہاد اور غلامی اور جزیہ پر مثلاً خدا کے باغیوں کا شور و غوغا اور مسئلہ حجاب پر مثلاً شہوت پرستوں کا ہنگامہ میرے نزدیک یہی اُن کے حق اور عین حق ہونے کی دلیل ہے

وَاِذَا اَتَتْکَ مَذَمَّتِیْ مِنْ نَاقِصٍ ۔۔۔ فَھِیَ الشَّھَادَۃُ لِیْ بِاَنِّیْ کَامِلٗ

اور جب تیرے پاس کسی ناقص العقل کی جانب سے میری مذمت پہونچے تو یہی میرے کامل ہونے کی شہادت ہے"۔ جس طرح بیوقوفوں کا اعتراض کسی شئے کے معقول ہونے کی دلیل ہے اسی طرح اہل باطل کا اعتراض حقانیت کی دلیل ہے۔

جب تم اس نبی امی فداہ نفسی وابی وامی کو خدا کا بھیجا ہوا رسول مانتے ہو اور تمام اقوال وافعال اور تمام حرکات وسکنات میں اُس کو معصوم اور مؤید من اللہ مانتے ہو تو پھر اس کی حدیث سننے کے بعد کسی ڈاکٹر یا فلاسفر کی طرف کیوں جھانکتے ہو اور آیات اور احادیث میں اُن کو دیکھ دیکھ کر کیوں تاویل کرتے ہو۔

وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ ○ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ ○ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰی تُصْرَفُوْنَ ○

نخواہم جز تو یک ساعت تفکر در دگر کردن ۔۔۔ کہ در ہر دو جہاں جاناں ندارم جز تو دلدارے

ہاں یہ حق تم کو ضرور ہے کہ عمل سے پہلے اس روایت کی خوب چھان بین کرلو کہ صحیح ہے یا غیر صحیح لیکن شرط یہ ہے کہ مقصود حق کا اتباع ہو۔گریز اور پہلو تہی مقصود نہ ہو وَ اللّٰہُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ط

میں اب تمہید ختم کرتا ہوں تاکہ اصل مقصد شروع کروں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اے پروردگارِ عالم تو اس ناچیز خدمت کو قبول فرما اور میرے حق میں اس کو خیر جاری اور توشۂ آخرت بنا۔

گرچہ یہ ہدیہ نہ میرا قابلِ منظور ہے
پر جو ہو مقبول کیا رحمت سے تیری دور ہے

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ٥ اٰمين يارَبَّ الْعٰلَمِيْنَ

اور اے پروردگارِ عالم اس پر بھی رحم فرما جو اس دُعا پر آمین کہے خواہ آہستہ کہے یا آواز سے کہے اور اُس کی مغفرت فرما جو ہاتھ اُٹھا کر اس ناچیز کو دعا مغفرت سے یاد کرے اور سورۂ فاتحہ اور کم از کم دو تین آیتیں اور مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ط پڑھ کر ثواب پہونچائے۔

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ٥ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥

وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سيدنا ومولانا محمّد خاتم الانبياءِ وَالمرسلين وعلٰى اٰله واصحابه وَازواجه وذرياته اجمعين ٥

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نسبِ مطہّر

قَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ

لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ

عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَرَاَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفَسِکُمْ بِفَتْحِ الْفَاءِ وَقَالَ اَنَا اَنْفَسُکُمْ نَسَبًا وَّصِھْرًا وَّحَسَبًا لَیْسَ فِیْ اٰبَائِیْ مِنْ لَّدُنْ اٰدَمَ سِفَاحٌ کُلُّنَا نِکَاحٌ

رواہ ابن مردویہ (۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو یعنی لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفَسِکُمْ بفتح الفاء پڑھا جس کے معنی یہ ہیں کہ بے شک آئے تمہارے پاس اللہ کے رسول تمہارے اشرف اور افضل اور سب سے زیادہ نفیس خاندان سے اس آیت کی تلاوت کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں باعتبار حسب نسب کے تم سب سے افضل اور بہتر ہوں میرے آباء اجداد میں حضرت آدم سے لیکر اب تک کہیں زنا نہیں سب نکاح ہے اس حدیث کو ابن مردویہ نے روایت کیا

(۱) زرقانی شرح مواہب لدنیہ: ج: ۱، ص: ۶۷

ابن عباس اور زہری بھی مِنْ اَنْفَسِکُمْ بفتح الفاء پڑھا کرتے تھے اور مِنْ افضلکم واشرفکم کے ساتھ اس کی تفسیر فرمایا کرتے تھے جس کی طرف ہم نے اپنے ترجمہ میں اشارہ کیا ہے۔ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر آپؐ کے والد ماجد اور والدۂ ماجدہ تک جس قدر آباء واجداد اور امہات وجدات سلسلۂ نسب میں واقع ہیں وہ سب کے سب محصنین اور محصنات یعنی سب عفیف اور پاک دامن تھے۔ کوئی فرد اُن میں زنا کے ساتھ کبھی ملوّث نہیں ہوا۔[1]

عبادِ مخلصین کہ جن کو حق جل شانہٗ نے اپنی نبوت و رسالت کے لیے منتخب فرمایا ہو اُن کا سلسلۂ نسب ایسا ہی پاک اور مطہر ہوتا ہے۔ اللہ اُن کو ہمیشہ اصلابِ طیبین سے ارحامِ طاہرات کی طرف پاک وصاف منتقل فرماتا رہا۔ حق جل وعلا نے جس کو اپنا مصطفیٰ اور مجتبیٰ بنایا اُس کے مصطفیٰ بنانے سے پہلے اُس کے نسب کو ضرور مصطفیٰ اور مجتبیٰ، مہذب اور مصفّٰی بنایا۔ مصطفین الاخیار۔ خدا کے برگزیدہ اور پسندیدہ بندوں کا جس چیز سے جس حد تک تعلق ہوتا ہے اسی حد تک اس میں بھی اصطفاء اور اجتباء برگزیدگی اور پسندیدگی سرایت کر جاتی ہے۔

جب منافقین نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگائی تو حضرت حق جل شانہٗ نے صدّیقہ بنت الصدیق کی براءت میں سورۂ نور کی دس آیتیں نازل فرمائیں۔ ان میں ایک آیت یہ بھی ہے۔

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۝ (۲)	سنتے ہی کیوں نہ کہہ دیا کہ سبحان اللہ یہ بہتانِ عظیم ہے۔ ہم اس میں لب کشائی نہیں کر سکتے۔

یعنی اے مسلمانو تم کو واقعۂ افک سنتے ہی فوراً یہ کہہ دینا لازمی تھا کہ سبحان اللہ یہ بہتان عظیم ہے۔ معاذ اللہ! پیغمبر کی بیوی کہیں فاجرہ ہو سکتی ہے؟ پیغمبر کی بیوی

[1] حاشیہ صفحہ ۱۵ پر ملاحظہ فرمائیں

تو عفیفہ اور طاہرہ ہی ہوگی۔

ابن منذر نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔

مَابَغَتْ اِمْرَأَةُ نَبِيٍّ قَطُّ   کسی پیغمبر کی بیوی نے کبھی زنا نہیں کیا۔

ابن جریج فرماتے ہیں کہ منصب نبوت کے مناسب اور شایان نہیں کہ پیغمبر کی بیوی فجور میں مبتلا ہو ابن عساکر نے اشرس خراسانی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی پیغمبر کی بیوی نے کبھی زنا نہیں کیا (۳) حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں اثر ابن عباسؓ مَابَغَتْ اِمْرَأَةُ نَبِيٍّ قَطُّ کو نقل کر کے فرماتے ہیں ایسا ہی عکرمہ اور سعید بن جبیر اور ضحاک وغیرہم سے منقول ہے۔(۴)

جب پیغمبروں کی ازواج کا فاجرہ ہونا منصب نبوت کے منافی ہے تو انبیاء ورسل کی امہات اور جدات کا غیر عفیف ہونا بدرجۂ اولیٰ منصب نبوت و رسالت کے منافی اور مباین ہوگا۔ اس لیے کہ مادری علاقہ علاقۂ زوجیت سے بہت زیادہ قوی ہوتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ پیغمبر کی تکوین و تخلیق اور اس کی تولید و تصویر ہی معاذ اللہ فسق اور فجور (زنا) سے ہو اسی وجہ سے حدیث میں ولد الزنا کو شر الثلثة فرمایا ہے اس لیے کہ اس کا نفس وجود ہی معصیت اور فسق و فجور سے ظہور پذیر ہوا ہے یہ قطعاً ناممکن اور محال ہے کہ خداوند ذو الجلال کا فرستادہ ابن الحلال نہ ہو۔

حضرت آدمؑ سے لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک جس قدر انبیاء و مرسلین

ملہ یہ ایک حدیث کا مضمون ہے جس کو طبرانی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ حافظ ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس سند کے رجال کل ثقات ہیں صرف ایک راوی متکلم فیہ ہے جس کی حاکم نے توثیق کی ہے ۱۲ زرقانی ص۶۷ ج ۱ (۲) النور، آیۃ: ۱۶، (۳) درمنثور، ج: ۶، ص: ۱۴۵

(۴) تفسیر ابن کثیر: ج ۸، ص ۴۱۹۔

گذرے کسی طاعن نے اُن کے نسب مطہر میں کبھی کلام نہیں کیا - صرف یہود (لَعَنَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ) نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مادرِ عفیفہ مریم صدیقہ پر تہمت لگائی - حق جل شانہٗ نے اپنی کتاب (میں نہایت تفصیل کے ساتھ حضرت مریم کی برارت اور حضرت مسیح کی ولادتِ باسعادت کی کیفیت کو بیان فرمایا اور جابجا یہود پر لعنت فرمائی -

جس سے صاف ظاہر ہے کہ اُس غیورِ مطلق کی بے چون وچگون غیرت ایک لمحہ کے لیے یہ گوارا نہیں کرسکتی کہ کوئی خبیث اُس کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کے پاک نسب میں کسی قسم کا کوئی شک اور تردد کرے -

قیصرِ روم نے جب ابوسفیان سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کے متعلق یہ سوال کیا -

كَيْفَ نَسَبُهٗ فِيْكُمْ — اُن کا نسب کیسا ہے ؟

صحیح بخاری کے یہ لفظ ہیں کہ ابوسفیان نے یہ جواب دیا کہ :-

هُوَ فِيْنَا ذُوْ نَسَبٍ — وہ ہم میں بڑے نسب والا ہے -

حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ بزار کی روایت میں یہ الفاظ ہیں -

هُوَ فِيْ حَسَبٍ مَا لَا يَفْضُلُ عَلَيْهِ اَحَدٌ قَالَ هٰذِهٖ اٰيَةٌ — یعنی حسب ونسب اور خاندانی شرف میں کوئی اُن سے بڑھ کر نہیں قیصرِ روم نے کہا کہ یہ بھی ایک علامت ہے -

فتح الباری کتاب التفسیر (۲)

---

(۱) کتاب التفسیر کا حوالہ اس لیے دیا گیا کہ حافظ عسقلانی نے مسند بزار کی یہ روایت صرف اسی مقام پر ذکر کی ہے - بدء الوحی کتاب الجہاد مغازی وغیرہ میں اس کا ذکر نہیں فرمایا ۱۲

(۲) فتح الباری طبع مصر ۱۳۰۱ھ : ج : ۸، ص : ۱۶۳ -

یعنی نبی ہونے کی ایک علامت یہ ہے کہ آپ کا خاندان سب سے اعلیٰ اور اشرف ہے، صحیح بخاری کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ قیصر روم نے ابو سفیان کا جواب سن کر یہ کہا :۔

وَکَذٰلِکَ الرُّسُلُ تُبْعَثُ فِیْ اَحْسَابِ قَوْمِهَا (۱)
پیغمبر ہمیشہ شریف ہی خاندان سے ہوتے ہیں۔

ہمارے نبی اکرم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم کا سلسلۂ نسب جو عالم کے تمام سلاسل انساب سے اعلیٰ اور برتر اور سب سے افضل اور بہتر ہے وہ سلسلۃ الذہب اور شجرۃ النسب یہ ہے۔

سیدنا و مولانا محمد ﷺ بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ بخاری شریف باب مبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اپنی جامع صحیح میں نسب شریف کے سلسلہ کو فقط عدنان تک ذکر فرمایا مگر اپنی تاریخ میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ و التسلیم تک سلسلۂ نسب کو ذکر فرمایا وہ یہ ہے ۔

عدنان بن اُدد بن المقوّم بن تارح بن یشجب بن یعرب بن ثابت بن اسمٰعیل بن ابراہیم علیہما الصلوٰۃ والسلام (۲)

عدنان تک سلسلۂ نسب تمام نسابین (نسب دانوں) کے نزدیک مسلّم ہے

---

(۱) بخاری شریف ، ج : ۱ ، ص :

(۲) فتح الباری : ج : ۷ ، ص : ۱۲۵

کسی کا اس میں اختلاف نہیں اور علیٰ ہذا عدنان کا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہونا یہ بھی سب کے نزدیک مسلم ہے (۱)

اختلاف اس میں ہے کہ عدنان سے حضرت اسمٰعیل تک کتنی پشتیں ہیں۔ بعض تیس بتلاتے ہیں اور بعض چالیس۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نسب شریف کو بیان فرماتے تھے تو عدنان سے تجاوز نہ فرماتے۔ عدنان تک پہنچ کر رُک جاتے اور یہ فرماتے۔

كَذَبَ النَّسَّابُوْنَ (۲) نسب والوں نے غلط کہا۔

یعنی اُن کو سلاسل انساب کی تحقیق نہیں جو کچھ کہتے ہیں وہ بے تحقیق کہتے ہیں۔

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اول اس آیت کو تلاوت فرماتے۔

وَعَادًا وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ عاد اور ثمود اور اُن کے بعد کی قومیں،
لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ (۳) اُن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔

اور پھر یہ فرماتے۔

كَذَبَ النَّسَّابُوْن نسب دان غلط کہتے ہیں۔

یعنی نسابین کا یہ دعویٰ کہ ہم کو تمام انساب کا علم ہے بالکل غلط ہے۔ اللہ کے سوا کسی کو علم نہیں۔ طبقات ابن سعد ص ۲۸ ج ۱۔

علامہ سہیلی فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا گیا کہ کسی شخص

---

(۱) زاد المعاد، ج : ۱، ص : ۱۵ --۔
(۲) الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج : ۱، ص : ۲۸ --۔
(۳) غافر، آیۃ : ۳۱

کا اپنے سلسلۂ نسب کو حضرت آدم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچانا کیسا ہے؟ تو ناپسند فرمایا۔ سائل نے پھر حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام تک سلسلۂ نسب پہونچانے کے متعلق دریافت کیا تو اس کو بھی ناپسند فرمایا اور یہ کہا:۔

مَنْ یُخْبِرُہٗ بِہٖ (۱) کس نے اس کو خبر دی ہے۔

مادری سلسلۂ نسب

اُوپر جو سلسلۂ نسب بیان کیا گیا وہ پدری اور جدّی سلسلہ تھا۔ مادری سلسلۂ نسب یہ ہے

محمد ابن آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرۃ بن کلاب بن مرّۃؓ (۲)

کلاب پر مادری اور پدری دونوں سلسلۂ نسب جمع ہو جاتے ہیں۔

اگر اس مقام پر سلسلۂ نسب کے کچھ آباء و اجداد کا مختصر حال ذکر کر دیا جائے تو غالباً غیر مناسب نہ ہوگا۔

(عَدْنان) عدنان، قیدار ابن اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں سے ہیں۔

ابو جعفر بن حبیب اپنی تاریخ میں روایت کرتے ہیں کہ ابن عباسؓ یہ فرماتے تھے کہ عدنان اور معد اور ربیعہ اور خزیمہ اور اسد یہ سب ملّتِ ابراہیمی پر تھے۔ ان کا ذکر خیر بھلائی کے ساتھ کرو اور زبیر بن بکّار مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مضر اور ربیعہ کو بُرا مت کہو، وہ اسلام پر تھے اور سعید بن مسیب کی ایک مرسل روایت بھی اسی کی مؤید ہے (۳)

(مَعَدّ) میم کا فتح اور دال کی تشدید ہے۔ عد سے مشتق ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ معد بمعنی افساد سے مشتق ہے بڑے بہادر اور جنگ جُو تھے۔ ساری عمر بنی اسرائیل سے

---

(۱) روض الانف - ج ۱ ص: ۱۱، طبع مصر ۱۳۳۲ھ ۱۹۱۴ء (۲) الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج: ۱، ص: ۳۱ (۳) فتح الباری، ج: ۷، ص: ۱۲۵

جنگ اور مقابلہ میں گذری اور ہر لڑائی میں مظفر اور منصور رہے۔ ابو نزار ان کی کنیت تھی (۱)

امام طبری فرماتے ہیں کہ معد بن عدنان بخت نصر کے زمانہ میں بارہ سال کے تھے۔ اُس زمانہ کے پیغمبر ارمیا بن حلقیا پر اللہ کی طرف سے یہ وحی نازل ہوئی کہ بخت نصر کو اطلاع کر دو کہ ہم نے اس کو عرب پر مسلط کیا اور آپ معد بن عدنان کو اپنے براق پر سوار فرمالیں تاکہ معد کو کوئی صدمہ نہ پہونچے۔

فانی مستخرج من	اس لیے کہ میں معد کی صلب سے ایک محترم نبی
صلبہ نبیا کریما	پیدا کرنے والا ہوں جس سے پیغمبروں کا
اختم بہ الرسل	سلسلہ ختم کروں گا۔

اس لیے حضرت ارمیا معد بن عدنان کو اپنے ہمراہ براق پر سوار کر کے ملک شام لے گئے۔ وہاں پہونچ کر معد نے بنی اسرائیل میں رہ کر نشو و نما پایا۔ (کذا فی الروض للسہیلی صث ج ۱) اسی وجہ سے علماء اہلِ کتاب کے نزدیک معد بن عدنان کا نسب معروف ہے۔

ابن سعد نے طبقات میں ابو یعقوب تدمری سے نقل کیا ہے کہ بورخ بن ناریا نے جو ارمیا علیہ السلام کے کاتب اور منشی تھے، معد بن عدنان کا جو نسب بیان کیا ہے وہ میرے پاس محفوظ ہے۔ طبقات ص۲۸ ج ۱)

نِزار: نزار، نزر سے مشتق ہے جس کے معنی قلیل کے ہیں۔ ابو الفرج اصبہانی فرماتے ہیں۔ نزار چونکہ اپنے زمانہ کے یکتا تھے یعنی ان کی مثال کم تھی اس لیے نزار اُن کا نام ہو گیا۔ فتح الباری ص۱۲۵ ج ۷

علامہ سہیلی فرماتے ہیں۔ جب نزار پیدا ہوئے تو اُن کی پیشانی نورِ محمدی سے چمک رہی تھی۔ باپ یہ دیکھ کر بے حد مسرور ہوئے اور اس خوشی میں دعوت کی اور یہ کہا:۔

(۱) زرقانی، ج: ۱، ص: ۷۹

ھذا کلہ نزر لحق ھذا	یہ سب کچھ اس مولود کے حق کے مقابلہ میں
المولود فسُمّی نزار الذلك (۱)	بہت قلیل ہے۔ اس لیے نزار نام رکھا گیا۔

اور تاریخ الخمیس میں ہے :۔

انہ خرج اجمل اھل زمانہ	نزار اپنے زمانہ کے سب سے زیادہ حسین و جمیل
واکبرھم عقلاً	اور سب سے زیادہ عاقل اور دانشمند نکلے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ نزار کے معنی نحیف اور دُبلے پتلے کے ہیں۔ چونکہ نزار نحیف البدن اور لاغر تھے اس لیے اُن کا نام نزار ہو گیا۔

مدینہ منورہ کے قریب مقامِ ذات الجیش میں اُن کی قبر ہے (۲)

مُضَرْ : مضر کا اصل نام عمرو تھا ابو الیاس کنیت تھی مضر اُن کا لقب تھا۔ مضر ماضر سے مشتق ہے جس کے معنی ترش کے ہیں۔ ترشی اور دہی آپ کو بہت مرغوب تھی اس لیے مضر کے نام سے مشہور ہو گئے۔ (۳)

بڑے حکیم و دانا تھے۔ مضر کے کلماتِ حکمت میں ہے :۔

من یزرع شرا یحصد ندامۃ و	جو شر کو بوئے گا وہ شرمندگی کو کاٹے گا اور
خیر الخیر اعجلہ	بہترین خیر وہ ہے جو جلد ہو۔
فاحملوا انفسکم علی مکروھھا و	پس اپنے نفسوں کو ناگوار خاطر چیزوں پر آمادہ کرو
اصرفوھا عن ھواھا فلیس بین	اور خواہشات نفس سے نفسوں کو بچاؤ۔ صلاح اور فساد کے
الصلاح والفساد الا الصبر (۴)	مابین سوائے صبر کے کوئی حد فاصل نہیں۔

(۱) روض الانف، ج : ۱، ص : ۸ (۲) زرقانی، ج : ۱، ص : ۷۹ (۳) ایضاً فتح الباری، ج : ۷، ص : ۱۲۵ (۴) زرقانی۔ ج : ۱، ص : ۷۹

نہایت خوش الحان تھے۔ چلتے وقت اونٹوں پر حدی پڑھنا انھیں کی ایجاد ہے (روض الانف ص۸ ج ۱) ابن سعد نے طبقات میں عبداللہ بن خالد سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مضر کو بُرا مت کہو وہ مسلمان تھا (۱) ابن حبیب نے اپنی تاریخ میں ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ عدنان اور اُن کے باپ اور اُن کے بیٹے سعد اور ربیعہ اور مضر اور قیس اور تمیم اور اسد اور ضَبَّہ ملت ابراہیمی پر مسلمان مرے (۲)

اِلیاس: حضرت الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہم نام۔ بیت اللہ کی طرف ہدی بھیجنے کی سنت سب سے پہلے الیاس بن مضر ہی نے جاری کی۔ کہا جاتا ہے کہ الیاس بن مضر اپنی صُلب (پشت) سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تلبیۂ حج سنا کرتے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ الیاس کو بُرا مت کہو وُہ مومن تھا (۳)

علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ مجھ کو اس حدیث کا حال معلوم نہیں یہ حدیث کس پایہ کی ہے (۴)

مُدرِکَہ: جمہور علما کا قول یہ ہے کہ مدرکہ کا نام عمرو تھا۔ محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان کا نام عامر تھا (۵) اور مدرکہ اُن کا لقب تھا جو ادراک سے مشتق ہے۔ چونکہ انہوں نے ہر قسم کی عزت اور رفعت کو پایا اس لیے مدرکہ اُن کا لقب ہو گیا۔ (۶)

خُزَیمَہ: ابن عباس فرماتے ہیں کہ خزیمہ ملتِ ابراہیمی پر مرے (۷)

کِنَانَہ: عرب میں بڑے جلیل القدر سمجھے جاتے تھے۔ اُن کے علم و فضل کی وجہ سے دُور دراز سے لوگ مستقل اُن کی زیارت کے لیے سفر کرکے آتے تھے (۸)

لہ ابن عباس کے اس اثر کو حافظ عسقلانی نے اس تفصیل کے ساتھ باب المناقب میں ذکر فرمایا ہے اور باب مبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں اجمالاً اور اختصاراً ذکر کیا ہے جیسا کہ ہم قریب میں نقل کر چکے ہیں ۱۲

(۱) الطبقات الکبریٰ لابن سعد۔ ج : ۱، ص : ۳۰ (۲) فتح الباری، ج : ۶، ص : ۳۸۴
(۳) روض الانف، ج : ۱، ص : ۸ (۵) زرقانی، ج : ۱، ص : ۷۹
(۶) فتح الباری، ج : ۷، ص : ۱۲۵ (۷) زرقانی، ج : ۱، ص : ۸۷ (۸) ایضاً
(۹) فتح الباری، ج : ۷، ص : ۱۲۴ -

نَضر۔ نضر نضارۃ سے مشتق ہے جس کے معنی رونق اور تروتازگی کے ہیں حسن وجمال کی وجہ سے اُن کو نضر کہنے لگے تھے۔ اصل نام قیس تھا (۱)

مَالِک : مالک نام تھا۔ ابوالحارث کنیت تھی۔ عرب کے بڑے سرداروں میں تھے (۲)

فِہر : فہر نام ہے۔ قریش لقب ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ قریش نام ہے اور فہر لقب ہے۔ انھیں کی اولاد کو قریشی کہتے ہیں اور جو شخص فہر کی اولاد سے نہ ہو اس کو کنانی کہتے ہیں اور بعض علما کہتے ہیں کہ قریش نضر بن کنانہ کی اولاد کا نام ہے۔

حافظ عراقی اپنی الفیہ سیرت میں فرماتے ہیں ؎

اما قریش فالاصح فهر
جماعها والاكثرون النضر

حافظ علائی فرماتے ہیں کہ یہی صحیح ہے اور محققین کا قول ہے کہ قریش نضر بن کنانہ کی اولاد کو کہتے ہیں اور بعض احادیث مرفوعہ بھی اسی کی مؤید ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی سے بھی یہی منقول ہے کہ قریش نضر بن کنانہ کی اولاد کا نام ہے۔

بعض حفاظ حدیث فرماتے ہیں کہ فہر کے باپ مالک نے سوائے فہر کے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ اس لیے جو شخص فہر کی اولاد سے ہے وہ نضر کی اولاد سے بھی ہے۔ لہٰذا قریش کی تعیین میں جو اقوال مختلف تھے وہ سب بحمد اللہ متفق ہو گئے۔

قریش کی وجہ تسمیہ : قریش ایک بحری جانور کا نام ہے جو اپنی قوت کی وجہ سے سب جانوروں پر غالب رہتا ہے۔ وہ جس جانور کو چاہتا ہے کھا لیتا ہے۔

---

(۱) زرقانی، ج: ۱، ص: ۷۷　(۲) ایضاً، ص: ۷۶۔

مگر اُس کو کوئی نہیں کھا سکتا۔ اسی طرح قریش بھی اپنی شجاعت اور بہادری کی وجہ سے سب پر غالب رہتے ہیں کسی سے مغلوب نہیں ہوتے اس لیے قریش کے نام سے موسوم ہوئے۔ ابن نجار نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ قریش کا گمان یہ ہے کہ قریش میں تم ہی سب سے بڑے عالم ہو بھلا قریش کی وجہ تسمیہ تو بیان کرو کہ قریش کو قریش کیوں کہتے ہیں؟ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے قریش کی وجہ تسمیہ بیان فرمائی، جو ابھی نقل کی گئی۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا اچھا اگر اس بارے میں کوئی شعر یاد ہو تو سناؤ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شمرخ بن عمرو حمیری کہتا ہے ؎

وَقُرَيْشٌ هِيَ الَّتِي تَسْكُنُ الْبَحْرَ بِهَا سُمِّيَتْ قُرَيْشٌ قُرَيْشاً

قریش میں ایک جانور ہے جو دریا میں رہتا ہے۔ اسی کے نام پر قبیلہ قریش کا نام قریش رکھ دیا گیا۔

تَأْكُلُ الْغَثَّ وَالسَّمِيْنَ وَلَا تَتْرُكُ لِذِي الْجَنَاحَيْنِ رِيشَا

وہ جانور جو پتلے دُبلے اور موٹے جانور کو کھا جاتا ہے پر تک نہیں چھوڑتا۔

هٰكَذَا فِي الْبِلَادِ حَيُّ قُرَيْشٍ يَأْكُلُوْنَ الْبِلَادَ أَكْلًا كَمِيْشَا

اسی طرح قبیلہ قریش شہروں کو سرعت کے ساتھ کھا جاتا ہے۔

وَلَهُمْ آخِرَ الزَّمَانِ نَبِيٌّ يُكْثِرُ الْقَتْلَ فِيْهِمْ وَالْخُمُوْشَا

اور اسی قبیلہ قریش میں سے آخیر زمانہ میں ایک نبی ظاہر ہوگا جو خدا کے نافرمانوں کو کثرت سے قتل کرے گا اور زخمی کرے گا (۱)

---

(۱) زرقانی، ج: ۱، ص: ۷۵ اور یہ اشعار فتح الباری: ۶، ص ۳۸۸ مناقب قریش میں بھی مذکور ہیں۔

حافظ بدرالدین عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قریش کو قریش کہنے کی پندرہ وجہ تسمیہ بیان کی ہیں۔ اگر اُن کی تفصیل درکار ہو تو عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ص۸۶ ج ۷ ، باب مناقب قریش کی مراجعت فرمائیں۔

کعب : سب سے پہلے جمعہ کے دن جمع ہونے کا طریقہ کعب بن لوی نے جاری کیا۔ کعب بن لوی جمعہ کے روز لوگوں کو جمع کر کے خطبہ پڑھتے اول خدا کی حمد و ثنا بیان کرتے کہ آسمان اور زمین اور چاند اور سورج یہ سب چیزیں خدا ہی کی بنائی ہوئی ہیں اور پھر پند و نصائح کرتے ، صلہ رحمی کی ترغیب دیتے اور یہ فرماتے کہ میری اولاد میں ایک نبی ہونے والے ہیں اگر تم اُن کا زمانہ پاؤ تو ضرور اُن کا اتباع کرنا اور یہ شعر پڑھتے ؎

يَا لَيْتَنِي شَاهِدٌ فَحْوَاءَ دَعْوَتِهٖ
إِذَا قُرَيْشٌ تَبْغِي الْحَقَّ خُذْلَانًا

کاش میں بھی اُن کے اعلان دعوت کے وقت حاضر ہوتا جس وقت قریش اُن کی اعانت سے دست کش ہوں گے ۔

فراء اور ثعلب کہتے ہیں کہ اس سے پیشتر یوم جمعہ کو یوم العروبہ کہا جاتا تھا۔ سب سے پہلے کعب بن لوی نے اس دن کا نام جمعہ رکھا ، حافظ ابن کثیر نے بھی اپنی تاریخ میں کعب بن لوی کے خطبہ کا ذکر فرمایا ہے (۱) ذکر کعب بن لوی۔

مُرَّۃ - مرّۃ ، مرارت سے مشتق ہے جس کے معنی تلخی کے ہیں جو شخص شجاع اور بہادر ہوتا تھا۔ عرب اُس کو مرّہ کہا کرتے تھے کہ یہ شخص اپنے دشمنوں کے لیے

(۱) زرقانی ج : ۱ ، ص : ۷۴ ۔ نیز البدایۃ والنہایۃ ، ج : ۲ ، ص : ۲۴۴

بہت تلخ ہے اور مرۃ میں تا۔ تانیث کے لیے نہیں بلکہ مبالغہ کے لیے ہے بہت تلخ۔

صدیق اکبرؓ اور حضرت طلحہؓ انھیں کی اولاد سے ہیں (۱)

کِلاب ۔ کلاب، کلب کی جمع ہے۔ ابوالرقیش اعرابی سے کسی نے دریافت کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ تم لوگ اپنی اولاد کے لیے کلب (کتّا) ذِئب (بھیڑیا) اس قسم کے بُرے نام اور اپنے غلاموں کے لیے مرزوق (رزق دیا ہوا) رَباح (نفع پانے والا) اس قسم کے عمدہ نام تجویز کرتے ہو؟ ابوالرقیس اعرابی نے یہ جواب دیا کہ بیٹوں کے نام دشمنوں کے لیے اور غلاموں کے نام اپنے لیے رکھتے ہیں۔ یعنی غلام تو اپنی خدمت کے رکھے جاتے ہیں۔ بخلاف اولاد کے وہ دشمنوں سے سینہ سپر ہو کر جنگ کرتی ہے۔ اس لیے ان کے نام یہ تجویز کیے گئے تاکہ دشمن اس قسم کے نام سنتے ہی مرعوب ہو جائے۔ کلاب کا نام حکیم یا عروہ یا مہذب تھا۔ علیٰ اختلاف الاقوال کلاب شکار کے بہت شائق تھے۔ شکاری کُتے جمع رکھتے تھے۔ اس لیے اُن کا نام ہی کلاب پڑ گیا (۲)

قُصَیّ : قصی کا نام مجمع تھا۔ جو جمع سے مشتق ہے۔ قصی نے چونکہ قریش کے متفرق اور منتشر قبائل کو جمع کیا تھا اس لیے ان کو مجمع کہتے تھے۔ قریش ابتداء میں منفرق تھے اور ایک جگہ آباد نہ تھے۔ کوئی پہاڑ میں رہتا تھا، کوئی صحرا میں، کوئی وادی میں اور کوئی گھاٹی میں کوئی غار میں۔ قصی نے سب کو مکہ کے دامن میں جمع کیا اور سب کے رہنے کے لیے الگ الگ مکان کے لیے جگہ دی اور سب کو ایک جگہ آباد کیا اس وقت سے اُن کو مجمع پکارا جانے لگا چنانچہ ایک شاعر

(۱) زرقانی، ج: ۱، ص: ۷۴۔ (۲) فتح الباری، ج: ۷، ص: ۱۲۴

کہتا ہے

اَبُوْکُمْ قُصَیٌّ کَانَ یُدْعیٰ مُجَمِّعًا
بِہٖ جَمَّعَ اللّٰہُ الْقَبَائِلَ مِنْ فِھْرٖ

امام احمد بن حنبلؒ امام شافعیؒ سے راوی ہیں کہ قصی کا نام زید تھا (۱)

قصی بڑے حکیم اور دانا تھے۔ اُن کے کلماتِ حکمت میں نقل کیا گیا ہے جو لئیم اور کمینہ کا اکرام کرے وہ بھی اُس کے لوم یعنی کمینہ پن میں شریک ہے، جو اپنے مرتبہ سے زیادہ طلب کرے وہ مستحق محرومی ہے اور حاسد دشمن خفی ہے اور مرتے وقت اپنے بیٹوں کو یہ نصیحت کی۔

اجتنبوا الخمر فانها تصلح الابدان وتفسد الاذهان	شراب سے پرہیز کرنا وہ بدن کو درست کرتی ہے اور ذہن کو خراب کرتی ہے۔ (کذا فی السیرۃ النبویۃ لزینی دحلان مفتی مکۃ المکرمۃ ص۸ ج ۱)

عرب میں قصی کو خاص اقتدار حاصل تھا۔ تمام لوگ ان کے مطیع اور فرماں بردار تھے۔ قصی نے دارالندوہ کے نام سے ایک مجلس مشاورت قائم کی جس میں تمام اہم امور کے مشورے ہوتے تھے۔ نکاح اور ازدواج اور جنگی مہمات کے متعلق بھی اسی مجلس میں مشورہ ہوتا تھا تجارت کے لیے جو قافلہ روانہ ہوتا وہ بھی اسی مقام سے روانہ ہوتا۔ سفر سے جب واپس آتے تو اول دارالندوہ میں آکر اُترتے گویا کہ دارالندوہ عرب کا باب حکومت اور پارلیمان تھا۔ حجابت اور سقایت اور رفادۃ اور ندوہ اور لواء صرف قصی ان تمام مناصب کے منتہیٰ اور تنہا علم بردار اور ان تمام مہم خدمتوں کے ذمہ دار تھے۔ ان کے بعد یہ منصب اور عہدے مختلف قبائل پر منقسم ہوئے۔ (۲)

---

(۱) زرقانی، ج: ۱، ص: ۷۳ (۲) الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج: ۱، ص: ۳۹۔

ان کے علاوہ قریش کے اور بھی منصب تھے۔ جیسا کہ حافظ عینی نے عمدۃ القاری شرح بخاری باب مناقب قریش ص۴۸۶ج ۷، میں اجمالاً اُن کو شمار فرمایا ہے جن کو ہم مختصر تشریح کے ساتھ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں:۔

(۱) حِجَابت: بیت اللہ کی دربانی اور مسجد حرام کی خدمت، یہ خدمت بنی عبدالدار کے سپرد تھی جس کو حضرت عثمان بن طلحہ انجام دیتے تھے۔

(۲) سِقایت: حُجّاج کو زمزم کا پانی پلانا۔ یہ خدمت بنو ہاشم کے سپرد تھی۔ بنی ہاشم کی جانب سے حضرت عباسؓ یہ خدمت انجام دیتے تھے۔

(۳) رَفادت: فقراء اور مساکین، حجاج اور مسافرین کی اعانت اور امداد کرنا۔ اس محکمہ میں محتاجین کی امداد کے لیے کچھ رقم جو چندہ سے حاصل کی جاتی تھی جمع رہتی تھی اس منصب پر حارث بن عامر بنی نوفل کی جانب سے مامور تھے۔

(۴) عمارت: مسجد حرام اور بیت اللہ کی حفاظت تعمیر اور مرمت۔ حضرت عباسؓ بنی ہاشم کی جانب سے اس خدمت کو انجام دیتے تھے۔

(۵) سَفارت: دو فریق کا کسی معاملہ میں مراسلت کرنا۔ یہ خدمت بنی عدی میں سے عمر بن الخطابؓ کے سپرد تھی۔

(۶) ندوہ: مشورہ۔ بنی اسد میں سے یزید بن زمعہؓ بن الاسود مجلس شوریٰ کے امیر تھے۔

(۷) قبہّ: بوقتِ جنگ فوج کے لیے خیموں کا انتظام کرنا۔ یہ خدمت بنی مخزوم کے سپرد تھی۔ بنی مخزوم کی جانب سے خالد بن الولیدؓ اس خدمت کو انجام دیتے تھے۔

(۸) لواء: عَلَم برداری اس کو عُقاب بھی کہتے تھے۔ علم برداری بنی امیہ کے سُپرد تھی جس کو ابوسفیان اموی (حضرت معاویہؓ کے والد) پورا کرتے تھے۔

(۹) اَعِنّہ: زمانۂ جنگ یا زمانۂ گھوڑ دوڑ میں گھوڑوں اور سواروں کا انتظام کرنا۔

اس خدمت کو بھی بنی مخزوم کی جانب سے خالد بن الولید انجام دیتے تھے غرض یہ کہ خالد بن الولید زمانۂ جاہلیت میں بھی امیر الحرب تھے اور خیارکم فی الجاھلیۃ خیارکم فی الاسلام کے پورے پورے مصداق تھے۔

(۱۰) **اِشناق :** قبائل کے باہمی منافشات رفع کرنے کے لیے دیت اور تاوان کا ادا کرنا اور جس شخص میں دیت اور تاوان دینے کی مقدرت نہ ہو اس کی اعانت اور امداد کرنا۔ یہ خدمت بنی تیم میں سے ابوبکر صدیقؓ کے سپرد تھی۔ ابوبکر جس کام کے لیے کھڑے ہو جاتے تو قریش ابوبکر کی تصدیق کرتے اور دل وجان سے اس میں اعانت اور امداد کرتے۔ ابوبکر صدیقؓ کے سوا اگر اور کوئی کھڑا ہوتا تو پھر قریش اُس کی تصدیق نہیں کرتے تھے۔

(۱۱) **اموال محجرہ :** اموال موقوفہ جو بتوں کی نذر و نیاز کے لیے وقف کیے گئے تھے۔ بنی سہم میں سے حارث بن قیس ان اوقاف کے متولی تھے۔

(۱۲) **ایسار و ازلام :** تیروں سے فال نکالنا کہ اس وقت سفر کرنا مبارک ہے یا منحوس۔ بنی خزرج میں سے صفوان بن امیہ محکمۂ فال کے مہتمم تھے۔

عبد مناف : امام شافعیؒ فرماتے ہیں عبد مناف کا نام مغیرہ تھا۔ بہت حسین وجمیل تھے۔ اسی وجہ سے ان کو قمر البطحا بھی کہتے تھے (۱)

موسیٰ بن عقبہ روایت کرتے ہیں کہ بعض پتھروں پر یہ لکھا ہوا پایا گیا۔

انا المغیرۃ بنُ قصی آمر بتقوی	میں مغیرہ قصی کا بیٹا اللہ کے تقویٰ اور
اللہ وصلۃ الرحم (۲)	صلہ رحمی کا حکم دیتا ہوں۔

ھَاشِم۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ہاشم کا نام عمرو تھا۔ مکہ میں قحط تھا۔ ہاشم نے شوربہ میں روٹیاں چورکر اہل مکہ کو کھلائیں۔ اس لیے ان کا نام ہاشم ہو گیا۔ ہشم کے معنی چورہ کرنے کے ہیں ہاشم اسی کا اسم فاعل ہے۔

(۱) زرقانی، ج: ۱، ص: ۷۳، روض الانف، ج: ۱، ص: ۶ (۲) زرقانی، ج: ۱، ص: ۷۳

عمرو العلا ھشم الثرید لقومہ
ورجال مکۃ مسنتون عجاف

عمرو بلند مرتبہ نے اپنی قوم اور تمام اہل مکہ کو ثرید بنا کر کھلایا اور مکہ کے لوگ قحط کی وجہ سے لاغر اور ناتواں تھے" ایک مرتبہ نہیں بلکہ بار بار اہل مکہ کو اس طرح سے کھلایا۔ نہایت سخی تھے۔ دسترخوان بہت وسیع تھا۔ ہر وارد و صادر کے لیے ان کا دسترخوان حاضر تھا۔ غریب مسافروں کو سفر کرنے کے لیے اونٹ عطا فرماتے تھے۔ نہایت حسین و جمیل تھے۔ نورِ نبوت آپ کی پیشانی پر چمکتا تھا۔ علمار بنی اسرائیل جب آپ کو دیکھتے تو سجدہ کرتے اور آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے۔

قبائل عرب اور علمار بنی اسرائیل نکاح کے لیے اپنی لڑکیاں ہاشم پر پیش کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ ہرقل شاہ روم نے ہاشم کو خط لکھا کہ مجھ کو آپ کے جود و کرم کی اطلاع پہونچی ہے۔ میں اپنی شہزادی کو، جو حسن و جمال میں یگانۂ روزگار ہے۔ آپ کی زوجیت میں دینا چاہتا ہوں۔ آپ یہاں آجائیں تاکہ آپ سے شہزادی کا نکاح کر دوں۔ ہاشم نے شہزادی کے نکاح سے انکار کر دیا۔ شاہ روم کا مقصدِ اصلی یہ تھا کہ وہ نورِ نبوت جو ہاشم کی پیشانی پر چمک رہا ہے اس کو اپنے گھرانے میں منتقل کرے کہا جاتا ہے کہ وفات کے وقت ہاشم کا سن ۲۵ سال کا تھا (۱)

ہاشم ہی نے سب سے پہلے قریش میں دستور جاری کیا کہ سال میں دو مرتبہ تجارت کے لیے قافلہ روانہ ہوا کرے۔ موسم گرما میں شام کی طرف اور موسم سرما میں یمن کی طرف۔ اسی دستور کے مطابق ہر موسم میں قافلہ روانہ ہوتا۔ لق و دق بیابانوں اور خشک ریگستانوں اور بر و بحر کو قطع کرتا ہوا موسم سرما میں یمن اور حبشہ تک پہونچتا۔ نجاشی شاہ حبشہ ہاشم کی بہت مدارات کرتا اور ہدایا پیش کرتا اور موسم گرما میں شام اور غزہ اور انقرہ (انگورہ) جو اس وقت

(۱) زرقانی ج: ۱، ص: ۷۲

قیصرِ روم کا پایۂ تخت تھا تک پہونچتا۔ قیصرِ روم بھی ہاشم کے ساتھ نہایت احترام
کے ساتھ پیش آتا اور نذرانہ بھی پیش کرتا۔ طبقات ابن سعد ج۱: ۴۳ ایک شاعر کہتا ہے ؎

سَفَرَیْنِ سَنَّهُمَا لَهُ وَلِقَوْمِهِ
سَفَرَ الشِّتَاءِ وَرِحْلَةَ الْاَصْيَافِ

(ہاشم نے اپنی قوم کے لیے دو سفروں کا طریقہ جاری کیا ایک سفر سردی کا اور دوسرا
گرمی کا (معالم التنزیل) اور ہاشم نے حکومتِ یمن اور حکومتِ روم سے قریش کے کاروان
تجارت کی حمایت اور حفاظت کا حکم حاصل کیا۔ عرب کے راستے عموماً چونکہ لوٹ اور تجارت سے
مامون نہ تھے۔ اس لیے ہاشم نے قبائل سے یہ معاہدہ کیا کہ ہم تمہاری ضرورتیں بہم پہونچایا
کریں گے اور تم ہمارے قافلہ کو کسی قسم کا ضرر نہ پہونچانا۔ طبقات ابن سعد ج۱: ۴۵ ہاشم کی
اس حسنِ تدبیر کا یہ نتیجہ ہوا کہ تمام راستے مامون ہو گئے۔ حق جل شانہ نے اپنے کلام میں قریش کو یہ
انعام یاد دلایا ہے۔

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ۝ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ۝ فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ ۝ الَّذِیْۤ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝ (۱)

چونکہ قریش اللہ کی رحمت سے موسمِ سرما و گرما کے سفر کے عادی ہو گئے اس لیے اُن کو نعمت کے شکریہ میں اس خدا کی عبادت کرنی چاہیے جو اس گھر کا مالک ہے اور اس نے ان کو بھوک سے کھانے کو دیا اور خوف سے امن دیا۔

جب ایامِ حج آتے تو ہاشم تمام حجاج کو گوشت اور روٹی اور ستو اور کھجور یہ چیزیں کھلاتے
اور زمزم کا پانی پلاتے منیٰ اور مزدلفہ اور عرفات میں بھی اسی طرح کھانے اور پینے کا انتظام
فرماتے

امیہ بن عبد شمس کو ہاشم کا یہ جود و کرم اور تمام عرب میں ان کا یہ اقتدار بہت شاق

(۱) القریش، آیۃ: ۱-۴-

اور گراں تھا۔ امیہ نے بھی اس کی کوشش کی کہ ہاشم کی طرح لوگوں کو کھلائے۔ مگر امیہ باوجود ثروت اور دولت کے ہاشم کا مقابلہ نہ کرسکا۔

بنی ہاشم[1] سے بنی امیہ کی عداوت کا سلسلہ اول یہیں سے شروع ہوا۔

ایک بار ہاشم قافلۂ تجارت کے ساتھ سفر کے لیے روانہ ہوئے۔ راستہ میں مدینہ منورہ ٹھہرے۔ وہاں بازار میں ایک عورت پر نظر پڑی جسین وجمیل ہونے کے علاوہ شرافت و نجابت، فہم اور فراست اس کے چہرہ سے نمایاں تھی۔ ہاشم نے دریافت کیا یہ عورت کسی کی منکوحہ ہے یا ناکتخدا ہے۔ معلوم ہُوا کہ احیحہ بن جلاح کی منکوحہ تھی جس سے عمر اور معبد یہ دو لڑکے پیدا ہوئے۔ بعد میں احیحہ نے اس کو طلاق دے دی۔

ہاشم نے اس سے نکاح کا پیام دیا۔ ہاشم کی نسبی شرافت اور ذاتی مکارم کی وجہ سے اس نے اس پیام کو قبول کیا اور نکاح ہوگیا۔ اُس عورت کا نام سلمٰی بنت عمرو تھا جو قبیلہ بنی النجار سے تھی۔ نکاح کے بعد ہاشم نے ایک دعوت دی جس میں تمام قافلہ والے شریک تھے اور کچھ لوگ قبیلۂ خزرج کے بھی مدعو تھے۔

ہاشم نے نکاح کے بعد کچھ روز مدینہ میں قیام کیا۔ سلمٰی کو حمل ہوگیا جس سے عبدالمطلب پیدا ہوئے۔ جس وقت پیدا ہوئے تو سر میں ایک بال سفید تھا۔ اس لیے شیبہ نام رکھا گیا۔ ہاشم قافلہ کے ساتھ غزہ کی جانب روانہ ہوئے۔ غزہ پہونچ کر ہاشم کا انتقال ہوگیا۔ وہیں مدفون ہوئے (۲)

عبدالمطلب: عبدالمطلب کا نام شیبۃ الحمد تھا۔ نہایت حسین وجمیل تھے۔ شاعر کہتا ہے ؎

---

(۱) فی ہذہ الترجمۃ اشارۃ الی ان ابتداء العداوۃ من بنی امیہ لا من بنی ہاشم۔

(۲) الطبقات الکبرٰی لابن سعد، ج: ۱، ص: ۴۵، ۴۶۔

عَلٰی شَیْبَۃَ الْحَمْدُ الَّذِیْ کَانَ وَجْہُہٗ
یُضِیْئُ ظَلَامَ اللَّیْلِ کَالْقَمَرِ الْبَدْرِیْ

(چودھویں رات کے چاند کی طرح شیبۃ الحمد کا چہرہ رات کی تاریکی کو روشن کرتا تھا۔ ص۱۰ ج۱)

عبدالمطلب کے لفظی معنی "مطلب کا غلام" ہیں۔ ہاشم کے انتقال کے بعد عبدالمطلب کی والدہ ایک عرصہ تک مدینہ منورہ میں اپنے میکہ بنی خزرج ہی میں مقیم رہیں جب عبدالمطلب ذرا بڑے ہو گئے تو ان کے چچا مطلب ان کے لینے کے لیے مکہ سے مدینہ آئے۔ جب اُن کو لے کر واپس ہوئے تو مکہ میں داخل ہوتے وقت عبدالمطلب اپنے چچا مطلب کے پیچھے اونٹ پر سوار تھے۔ شیبہ کے کپڑے میلے کچیلے اور گرد آلود تھے اور چہرہ سے یتیمی ٹپکتی تھی۔ لوگوں نے مطلب سے دریافت کیا کہ یہ کون ہے۔ مطلب نے حیا کی وجہ سے یہ کہہ دیا کہ یہ میرا غلام ہے کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ بھتیجا ایسے میلے کپڑوں میں کیوں ہے۔ اس لیے عبدالمطلب کے نام سے مشہور ہو گئے۔ مطلب نے مکہ پہنچ کر بھتیجے کو عمدہ لباس پہنایا اور اس وقت ظاہر کیا کہ یہ میرا بھتیجا ہے (۱)

ابن سعد، طبقات میں روایت کرتے ہیں کہ عبدالمطلب تمام قریش میں سب سے زیادہ حسین وجمیل اور سب سے زیادہ قوی اور جسیم اور سب سے زیادہ بُردبار اور حلیم اور سب سے زیادہ سخی اور کریم اور سب سے زیادہ شر اور فتنہ سے دُور بھاگنے والے تھے اور قریش کے مسلّم سردار تھے۔ (۲)

عبدالمطلب کا جُود وکرم اپنے باپ ہاشم سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ عبدالمطلب کی مہمان نوازی انسانوں سے گزر کر چرند اور پرند تک پہنچ گئی تھی۔ اسی وجہ سے عرب کے لوگ اُن کو فیاض اور مطعم طیر السماء (آسمان کے پرندوں کو کھانا کھلانے والا) کے لقب سے یاد کرتے تھے

---

(۱) فتح الباری، ج ۷، ص ۱۲۴ (۲) الطبقات الکبرٰی، ج ۱، ص : ۵۱

شراب کو اپنے اوپر حرام کیا ہوا تھا۔ جب رمضان المبارک کا مہینہ آتا تو خاص طور سے فقراء اور مساکین کو کھانا کھلاتے۔ غارِ حرا میں سب سے پہلے خلوت و عزلت عبدالمطلب ہی نے کی۔ (۱)

چاہِ زم زم اور عبدالمطلب کا خواب

قبیلہ جرہم کا اصلی وطن یمن تھا مشیتِ ایزدی سے یمن میں قحط پڑا۔ اس وجہ سے بنی جرہم معاش کی تلاش میں نکلے۔ اتفاق سے اثنا ر راہ میں اسمٰعیل علیہ السلام اور اُن کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ سے چاہِ زمزم کے قریب ملاقات ہوگئی۔ بنو جرہم کو یہ جگہ پسند آئی اور اسی جگہ قیام پذیر ہوگئے اور پھر بعد چندے اسمٰعیل علیہ السلام کی شادی اسی قبیلہ میں ہوئی اور نبی ہونے کے بعد عمالقہ اور جرہم اور اہلِ یمن کی طرف مبعوث ہوئے۔ ایک سو تیس سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا حطیم میں اپنی والدہ ماجدہ کے قریب مدفون ہوئے اسمٰعیل علیہ السلام کے وصال کے بعد حسبِ وصیت اُن کے بیٹے قیدار، خانہ کعبہ کے متولی رہے۔ اسی طرح بنو اسمٰعیل خانہ کعبہ کے متولی ہوتے رہے۔ مرورِ زمانہ کے بعد بنو اسمٰعیل اور بنو جرہم میں منازعت اور مخاصمت کی نوبت آئی۔ بالآخر بنی جرہم غالب آگئے اور مکہ میں جرہم کی حکومت قائم ہوگئی۔ چند روز کے بعد جرہم کے حکام لوگوں پر ظلم و ستم ڈھلنے لگے۔ یہاں تک ظلم کیا کہ اولاد اسمٰعیل مکہ کے اطراف و جوانب میں آباد ہوگئی۔ جرہم کا جب ظلم و ستم و فسق و فجور اور بیت اللہ کی بے حرمتی حد سے گذر گئی تو ہر طرف سے قبائل عرب مقابلہ کے لیے کھڑے ہوگئے۔ مجبوراً قبیلہ جرہم کو مکہ سے نکلنا اور بھاگنا پڑا لیکن جس وقت مکہ سے نکلنے لگے تو خانہ کعبہ کی چیزوں کو بیرِ زم زم میں دفن کر گئے اور بیر زمزم کو

(۱) زرقانی، ج: ۱۔ ص: ۷۱

اس طرح بند کر گئے کہ زمین کے ہموار ہو گیا اور زمزم کا نشان بھی نہ رہا۔ بنی جرہم کے چلے جانے کے بعد بنی اسمٰعیل مکہ میں واپس آگئے اور آباد ہو گئے مگر بیر زمزم کی طرف کسی نے کوئی توجہ نہ کی۔ مرور زمانہ سے اس کا نام و نشان بھی نہ رہا۔ یہاں تک جب مکہ کی حکومت اور سرداری عبدالمطلب کے قبضہ میں آئی اور ارادۂ خداوندی اس جانب متوجہ ہوا کہ چاہ زمزم جو عرصہ سے بند اور بے نام و نشان پڑا ہے۔ اس کو ظاہر کیا جائے تو رویائے صالحہ یعنی سچے خواب کے ذریعہ سے عبدالمطلب کو اس جگہ کے کھودنے کا حکم دیا گیا اور اس جگہ کے نشانات اور علامات خواب میں بتلائے گئے۔ چنانچہ عبدالمطلب کہتے ہیں کہ میں حطیم میں سو رہا تھا کہ ایک آنے والا میرے پاس آیا اور مجھ سے خواب میں یہ کہا اِحْفِرْ بَرَّةَ برہ کو کھودو۔ میں نے دریافت کیا وَمَا بَرَّةَ برہ کیا ہے؟ تو وہ شخص چلا گیا۔ اگلے روز پھر اسی جگہ سو رہا تھا کہ خواب میں دیکھا کہ وہ شخص یہ کہہ رہا ہے اِحفر المَضْنُونَۃ مضنونہ کو کھودو۔ میں نے دریافت کیا وما المضنونۃ مضنونہ کیا ہے؟ تو وہ شخص چلا گیا تیسرے روز پھر اسی جگہ خواب میں دیکھا کہ وہ شخص یہ کہہ رہا ہے اِحْفِرْ طیبۃ طیبہ کو کھودو۔ میں نے کہا وما طیبۃ طیبہ کیا ہے؟ تو وہ شخص چلا گیا۔ چوتھے روز پھر اسی جگہ یہ خواب دیکھا کہ وہ شخص یہ کہتا ہے اِحْفِرْ زَمْزَمَ زمزم کو کھودو۔ میں نے کہا وما زمزم زمزم کیا ہے؟ اس نے جواب دیا:۔

لَا تَنْزِفُ اَبَدًا وَلَا تُذَمّ تسقی الحجیج الاعظم	وہ پانی کا ایک کنواں ہے کہ جس کا پانی نہ کبھی ٹوٹتا ہے اور نہ کبھی کم ہوتا ہے بے شمار حجاج کو سیراب کرتا ہے۔

[1] طیبہ اور مضنونہ اور برہ یہ سب زمزم کے القاب اور اوصاف ہیں۔ طیبہ کے معنی پاکیزہ اور برہ کے معنی وسیع اور کشادہ کے ہیں اور مضنونہ کے معنی قابل بخل کے ہیں۔ نفیس چیز میں انسان بخل سے کام لیتا ہے سو زمزم کا پانی نہایت پاکیزہ اور کثیر اور وسیع بھی ہے اور نہایت نفیس ہے۔ کافر اور منافق کو دینے میں بخل چاہیے۔ یہ پانی مومن کے مناسب ہے، کافر اور منافق کے مناسب نہیں۔

اور پھر اُس جگہ کے کچھ نشانات اور علامات بتلائے کہ اس جگہ کو کھودو۔ اس طرح بار بار دیکھنے اور نشانات کے بتلانے سے عبد المطلب کو یقین ہو گیا کہ یہ سچا خواب ہے یعنی رؤیائے صادقہ ہے۔

عبد المطلب نے قریش سے اپنا خواب ذکر کیا اور کہا کہ میرا ارادہ اس جگہ کو کھودنے کا ہے۔ قریش نے کھودنے کی مخالفت کی مگر عبد المطلب نے مخالفت کی کوئی پروا نہیں کی اور کُدال اور پھاوڑہ لے کر اپنے بیٹے حارث کے ساتھ اس جگہ پہونچ گئے اور نشان کے مطابق کھودنا شروع کر دیا۔ عبد المطلب کھودتے جاتے تھے اور حارث مٹی اُٹھا اُٹھا کر پھینکتے جاتے تھے۔ تین روز کے بعد ایک من ظاہر ہوئی۔ عبد المطلب نے فرطِ مسرت سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور یہ کہا:۔

هٰذا اطوی اسمٰعیل — یہی اسمٰعیل علیہ السلام کا کنواں ہے

اس کے بعد عبد المطلب نے چاہ زمزم کے قریب کچھ حوض تیار کرائے جن میں آب زمزم بھر کر حاجیوں کو پلاتے۔ چند حاسدوں نے یہ شرارت شروع کی کہ شب میں اُن حوضوں کو خراب کر جاتے۔ جب صبح ہوتی تو عبد المطلب اُن کو درست کرتے۔ بالآخر گھبرا کر اس بارے میں اللہ سے دُعا مانگی۔ اُس وقت اُن کو خواب میں یہ بتلایا گیا کہ تم یہ دعا مانگو۔

اللّٰھم انی لا احلھا لمغتسل ولکن ھی لشارب حِلّ — اے اللہ میں اس زمزم سے لوگوں کو غسل کرنے کی اجازت نہیں دیتا صرف پینے کی اجازت ہے۔

صبح اُٹھتے ہی عبد المطلب نے اس کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد جس کسی نے حوض کے خراب کرنے کا ارادہ کیا وہ ضرور کسی بیماری میں مبتلا ہوا جب بار بار اس قسم کے واقعات ظہور پذیر ہوئے تو حاسدوں نے عبد المطلب کے حوضوں سے تعرض کرنا چھوڑ دیا۔ اس واقعہ کی پوری تفصیل طبقات ابن سعد ص ۴۹ و ۵۰ اور خصائص کبری ص ۴۳ و ص ۴۴ ج ۱۔ اور زرقانی ص ۹۴ ج ۱۔ اور البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ص ۲۴۴ ج ۲ پر مذکور ہے۔

عبدالمطلب کی نذر

چاہِ زمزم کے کھودتے وقت عبدالمطلب کا سوائے اکلوتے بیٹے حارث کے اور کوئی یار و مددگار نہ تھا۔ اس لیے منت مانی کہ اگر حق تعالیٰ مجھ کو دس بیٹے عطا فرمائے جو جوان ہو کر میرے دست و بازو بنیں تو ایک فرزند کو اللہ کے نام پر ذبح کر دوں۔

جب اللہ نے اُن کی یہ تمنا اور آرزو پوری کی اور دس بیٹے پورے ہو گئے تو ایک رات خانہ کعبہ کے سامنے سو رہے تھے تو خواب میں یہ دیکھا کہ ایک شخص یہ کہہ رہا ہے:۔

یا عبد المطلب اوف بنذرک	اے عبد المطلب اس نذر کو پورا کیجیے جو
لرب هذا البيت	آپ نے اس گھر کے مالک کے لیے مانی تھی۔

عبدالمطلب خواب سے بیدار ہوئے اور سب بیٹوں کو جمع کیا اور اپنی نذر اور خواب کی خبر دی سب نے ایک زبان ہو کر یہ کہا:۔

اوف بنذرک وافعل ماشئت	آپ اپنی نذر پوری کریں اور جو چاہیں کریں

عبدالمطلب نے سب بیٹوں کے نام پر قرعہ ڈالا حسنِ اتفاق سے قرعہ حضرت عبداللہ کے نام پر نکلا جن کو عبدالمطلب سب سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔ عبداللہ کا ہاتھ پکڑ کر مذبح یعنی قربان گاہ کی طرف چلے اور چھری ساتھ تھی۔ حضرت عبداللہ کی بہنیں یہ دیکھ کر رونے لگیں اور ان میں سے ایک بہن نے یہ کہا کہ اے باپ آپ دس اونٹوں اور عبداللہ میں قرعہ ڈال کر دیکھئے اگر قرعہ اونٹوں کے نام پر نکل آئے تو دس اونٹوں کی قربانی کر دیجیے اور ہمارے بھائی عبداللہ کو چھوڑ دیجیے اور اُس وقت دس اُونٹ ایک آدمی کی دیت اور خون بہا ہوتے تھے۔ قرعہ جو ڈالا گیا تو اتفاق سے حضرت عبداللہ کے ہی نام پر نکلا۔ عبدالمطلب دس دس اُونٹ زیادہ کر کے قرعہ ڈالتے جاتے تھے مگر قرعہ عبداللہ ہی کے نام پر نکلتا تھا۔

یہاں تک کہ سو اونٹ پورے کرکے قرعہ ڈالا گیا تو قرعہ اونٹوں کے نام پر نکلا۔ اس وقت عبد المطلب اور تمام حاضرین نے اللہ اکبر کہا۔ بہنیں اپنے بھائی عبد اللہ کو اٹھا لائیں اور عبد المطلب نے وہ سو اونٹ صفا اور مروہ کے مابین نحر کیے۔(۱)

ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ اول دیت کی مقدار دس اونٹ تھی۔ سب سے پہلے عبد المطلب نے قریش اور تمام عرب میں یہ سنت جاری کی کہ ایک آدمی کی دیت سو اونٹ ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی کو برقرار رکھا۔ اسی واقعہ کے بعد سے حضرت عبد اللہ ذبیح کے لقب سے موسوم ہوئے اور اسی وجہ سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو ابن الذبیحین کہتے ہیں یعنی دو ذبیح کے فرزند۔

حضرت معاویہؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک بار آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر تھے کہ ایک اعرابی آیا اور آپ کو ان لفظوں سے خطاب کیا "یا ابن الذبیحین!" آپؐ نے تبسم فرمایا۔ حضرت معاویہؓ جب اس حدیث کی روایت سے فارغ ہوئے تو حاضرین میں سے کسی نے دریافت کیا کہ وہ دو ذبیح کون ہیں؟ تو حضرت معاویہؓ نے حضرت عبد اللہ کا یہ واقعہ بیان کرکے کہا کہ ایک عبد اللہ اور دوسرے حضرت اسمٰعیل (رواہ الحاکم وابن جریر) (۲)

علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ قریش جب قحط سالی میں مبتلا ہوتے تو عبد المطلب کو ثبیر پہاڑ پر لے جاتے اُن کی برکت سے بارانِ رحمت کی دُعا کرتے اور بارہا ایسا ہُوا کہ قریش کی مشکلات عبد المطلب کی برکت سے حل ہُوئیں۔

ان کی شان عام اہلِ عرب سے بالکل جُدا تھی۔ اپنی اولاد کو ظلم اور فساد سے منع کرتے اور مکارم اخلاق کی ترغیب دیتے۔ حقیر اور دنی امور سے روکتے۔

عبد المطلب نذر کے پُورا کرنے کی تاکید فرماتے اور محارم (مثلاً بہن اور پھوپھی

---

(۱) البدایۃ والنہایۃ، ج: ۲، ص: ۲۴۴ (۲) الخصائص الکبریٰ ج: ۱، ص: ۴۵۔

اور خالہ وغیرہ) سے نکاح کرنے کو منع کرتے۔ شراب اور زنا اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے اور بیت اللہ کا برہنہ طواف کرنے سے لوگوں کو روکتے۔ چوروں کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتے (زرقانی ص۸۲ ج ۱) اور یہ وہ امور ہیں کہ قرآن وحدیث میں جن کی تصدیق اور تاکید اکید مذکور ہے چنانچہ سیرت حلبیہ میں ابن جوزی سے منقول ہے کہ عبدالمطلب سے جو امور منقول ہیں ان میں سے اکثر کا قرآن وحدیث میں حکم آیا ہے۔ مثلاً نذر کا پورا کرنا۔ نکاح محارم کی حرمت، چور کا ہاتھ کاٹنا، لڑکیوں کے زندہ درگور کرنے کی ممانعت، شراب اور زنا کی حرمت۔ بیت اللہ کا برہنہ طواف کرنے کی ممانعت۔ انتہٰی۔ ان واقعات اور حالات کے پڑھنے کے بعد یہ بات بخوبی منکشف ہو جاتی ہے کہ جس قدر زمانۂ نبوت قریب ہوتا جاتا ہے اسی قدر مکارم اخلاق اور محاسن آداب، انوار و برکات اور خوارق عادات کا ظہور بڑھتا جاتا ہے۔ خصوصاً عبدالمطلب کے سوانح زندگی میں جا بجا رویائے صالحہ (سچا خواب) جو کہ نبوت کا مبدأ اور آغاز ہے نمایاں طور پر دکھائی دیتا ہے۔ عبدالمطلب کو جب کبھی کوئی واقعہ پیش آتا تو رویائے صالحہ اور الہامات سے ان کی رہبری اور رہنمائی کی جاتی۔

صحیح مسلم میں واثلہ بن الاسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے بنی کنانہ کو منتخب فرمایا اور بنی کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے مجھ کو منتخب اور برگزیدہ فرمایا۔ ابن سعد کی ایک مرسل روایت میں اس قدر اور اضافہ ہے کہ بنی ہاشم میں سے عبدالمطلب کو پسند فرمایا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاشا اس بیان سے کسی قسم کا تفاخر مقصود نہیں بلکہ حقیقتِ حال کو واضح کرنا مقصود ہے تاکہ لوگ ان کی منزلت اور مرتبہ سے واقف ہوں اور حق جل شانہ کی ایک نعمت کی تحدیث اور اس کا اظہار مطلوب ہے کہ اس

رب العالمین کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھ کو ایک برگزیدہ اور پسندیدہ خاندان سے مبعوث فرمایا۔

تفاخر اس کا نام ہے کہ اپنی بڑائی ہو اور دوسرے کی بُرائی۔ اپنی تعظیم اور دوسرے کی تذلیل۔ اظہارِ حقیقت کا نام تفاخر نہیں۔ اس کے علاوہ انبیاء اور اولیاء میں یہ فرق ہے کہ اولیاء پر اپنے کسی کمال کا اظہار بھی واجب اور لازم نہیں حتّٰی کہ ولی پر اپنی ولایت کا اعلان بھی ضروری نہیں اِلّا یہ کہ کسی وقت کوئی دینی مصلحت اس اعلان کے لیے داعی ہو۔ بخلاف نبی کے اُس پر من جانب اللہ یہ فرض ہے کہ وہ اپنی نبوت و رسالت کی طرح اپنے خداداد کمالات کا بھی اعلان کرے تاکہ اُمّت اس کے مرتبہ سے واقف ہو اور اُن کے کمالات سے مستفید ہو اور اُس کی ذات ستودہ صفات میں کسی کو کسی قسم کا کوئی شک و تردّد نہ ہو جو خدانخواستہ کسی بدنصیب کے لیے تخریبِ ایمان کا باعث بنے اور تاکہ جس طرح سے اُس کی نبوت و رسالت پر ایمان رکھتے ہیں اسی طرح اُس کے مصطفٰے اور مجتبٰے اور ہر حیثیت سے پسندیدہ اور برگزیدہ ہونے پر بھی ایمان لائیں اور اسی وجہ سے حدیث میں ہے:۔

اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ — میں تمام بنی آدم کا سردار ہوں اور بطور فخر نہیں کہتا بلکہ بطور تبلیغ کہتا ہوں کہ اللہ کا حکم ہے:۔

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ (۱) — اے رسول تم اُس چیز کو لوگوں تک ضرور پہونچادو جو اللہ کی طرف سے تم پر اتاری گئی ہے اور اگر بالفرض تم ایسا نہ کرو تو تم سمجھ لو کہ تم نے خدا کا پیام نہیں پہونچایا۔

مقصد یہ ہے کہ میں اس حکم کی تعمیل کے لیے نبوت و رسالت کی طرح اپنی سیادت کا اعلان کرتا ہوں حاشا مباہات اور تفاخر مقصود نہیں۔

---

(۱) المائدہ، آیۃ: ۶۷۔

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا کہ جبرئیل نے مجھ سے یہ بیان کیا کہ میں نے مشرق سے کر مغرب تک تمام زمین کو چھان ڈالا مگر بنی ہاشم سے افضل اور بہتر کسی کو نہ پایا۔ اس حدیث کو امام طبرانی اور امام احمد نے روایت کیا ہے۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس حدیث پر صحت کی علامات اور آثار بالکل نمایاں اور ظاہر ہیں" حکیم ترمذی فرماتے ہیں کہ جبرئیل امین نے پاک نفوس کی تلاش میں زمین کا چکر لگایا مگر زمانہ چونکہ جاہلیت کا تھا اس لیے جبرئیل نے ظاہری افعال و اعمال پر نظر نہ کی بلکہ فطرت اور استعداد پر نظر کی۔ اس اعتبار سے عموماً عرب اور خاص بنی ہاشم سے کسی کو افضل نہ پایا (۱) اس زمانہ میں عرب کو تمام اقوامِ عالم پر چند وجوہ سے ایسا تفوق اور امتیاز حاصل تھا کہ کوئی قوم ان کی ہم پلہ اور ہمسر نہ تھی۔

(۱) **حَسَب و نَسَب :** عربوں میں نسب دانی کا اس درجہ اہتمام تھا کہ انسانوں سے گذر کر گھوڑوں کے نسب نامے بھی یاد رکھے جاتے تھے۔ یہ بھی یاد رکھا جاتا تھا کہ کون آزاد عورت کے بطن سے ہے اور کون باندی کے بطن سے ہے اور کس نے شریف عورت کا دودھ پیا ہے اور کس نے رذیلہ کا۔ جیسا کہ سلمیٰ بن الاکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے انا ابن الاکوع والیوم یوم الرضع (میں اکوع کا بیٹا ہوں اور آج معلوم ہو جائے گا کہ کس نے حُرّہ (آزاد اور شریف عورت) کا دودھ پیا ہے اور کس نے باندی کا) ایک جاہلی شاعر کہتا ہے ؎

لو کنتُ مِن مَازنٍ لم تستبِح اِبلی　　بنُو اللقیطۃِ مِنْ ذُھل بن شَیبانا

اگر میں قبیلہ مازن سے ہوتا تو ایک سڑک پر سے اٹھائی ہوئی عورت کے بیٹے جو قبیلہ ذہل بن شیبان کی طرف منسوب ہیں ہرگز میرے اونٹ نہ پکڑ سکتے بغرض تحقیر ان کو بنو اللقیطہ سے تعبیر کیا کہ وہ کسی شریف عورت کے بیٹے نہیں بلکہ سڑک پر سے اُٹھائی ہوئی عورت کے بیٹے ہیں۔

---

(۱) زرقانی، ج: ۱، ص: ۶۸۔

(۲) شجاعت : بہادری اور شجاعت کا یہ حال تھا کہ جس وقت سارا عالم قیصر و کسریٰ کا محکوم اور غلام بنا ہُوا تھا، عرب اُس وقت باوجود اپنی بے سروسامانی کے کسی کا محکوم نہ تھا۔ جرأت کا یہ حال تھا کہ عرب کا ایک ادنیٰ فقیر بات کرتے وقت کسی بڑے بادشاہ سے بھی مرعوب نہ ہوتا تھا۔

(۳) سخاوت و ایثار : سخاوت کا یہ حال تھا کہ ایک مہمان کی خاطر سالم اونٹ ذبح کر ڈالتے تھے۔ خود بھوکے رہنا گوارا مگر مہمان کا بھوکا رہنا ناممکن۔

(۴) قوتِ حافظہ اور ذکاوت : عرب کے حافظہ اور ذکاوت کا تو چار دانگ عالم میں ڈنکا ہے۔ سو سو شعر کا قصیدہ ایک ہی مرتبہ سُن کر یاد ہو جاتا تھا۔

(۵) غیرت و حمیت : غیرت و حمیت کا یہ حال تھا کہ اپنی یا اپنے قبیلہ کی ادنیٰ بے حرمتی پر جان و مال کو پانی کی طرح بہا ڈالتے تھے۔ آپس کے جنگ و جدال اکثر و بیشتر اسی وجہ سے ہوتے تھے۔

(۶) فصاحت و بلاغت : فصاحت و بلاغت میں کوئی زبان عربی زبان کی پاسنگ بھی نہیں بلکہ اول تو کسی زبان میں علم و بلاغت پر مستقل کتابیں نہیں اگر کچھ ہیں تو وہ سب عربی زبان کی کتابوں سے ماخوذ اور مسروق ہیں۔ دستِ قدرت نے ان کی جبلّت اور فطرت میں یہ اخلاق و ملکات اور یہ جواہر کمالات ودیعت رکھے تھے مگر جہل اور نادانی کی وجہ سے بے محل صَرف ہو رہے تھے لیکن انھیں اخلاق اور ملکات کا جب تعلیمِ ربّانی اور تلقینِ رحمانی سے رُخ بدل گیا تو یہی جاہل قوم جو عملاً درندوں سے بھی بدتر تھی وہ ملائکہ سے بھی افضل اور بہتر ہو گئی اور یہی قوم جو قتل و غارت گری میں مبتلا تھی جب راہِ خدا میں جانبازی اور سرفروشی کے لیے کھڑی ہو گئی تو آسمان کے فرشتے سفید یا زرد یا سیاہ عمامے باندھ کر ان کی نُصرت و اعانت اور ان کے دشمنوں سے جہاد و قتال کے لیے حاضر ہو گئے۔ بہر حال عرب کے لوگ اگرچہ افعال و اعمال کے

لحاظ سے فی الحال اچھے نہ تھے مگر اخلاق[1] اور ملکات اور استعداد اور فطرت کے لحاظ سے نہایت پسندیدہ تھے اعمال کی اصلاح سہل ہے مگر اخلاق اور فطرت اور جبلت کا بدلنا ناممکن ہے۔ اس لیے حق جل شانہٗ نے اپنی نبوت و رسالت کے لیے اس خاندان کو منتخب فرمایا تاکہ اس قوم سے جو نبی پیدا ہو وہ کامل الاخلاق، سلیم الفطرت اور صحیح الجبلت ہو اس لیے کہ نبی کے لیے کامل الاخلاق ہونا ضروری و لازمی ہے تاکہ وہ دوسروں کی اصلاح کر سکے۔

عبدُ اللہ: حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ یہ آپ کے والد ماجد کا نام ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں (۲)

یہ وہ نام ہے کہ جو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ دو نام محبوب ہیں، ایک عبداللہ اور دوسرا عبدالرحمٰن (رواہ مسلم) اس لیے کہ لفظ اَللہ اسم اعظم ہے جیسا کہ امام اعظم ابوحنیفہ النعمان، رضی اللہ عنہ سے منقول ہے جس کو امام طحاوی نے مشکل الآثار صفحہ ۶۳ ج ۱ میں اپنی سند سے بیان کیا ہے ؎

اسم اعظم ہست اللہ العظیم   جانِ جان و محیی عظم رمیم

تمام اسماء حسنیٰ اسم جلالہ کے تابع ہیں اسم اللہ کے بعد اسم رحمٰن کا مرتبہ معلوم ہوتا ہے جیسا کہ حق جل شانہٗ کا یہ ارشاد اس طرف مشیر ہے قُلِ ادْعُ اللّٰہَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ط (آپ کہہ دیجیے کہ اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو) اس وجہ سے یہ دو نام سب سے زیادہ محبوب ہوئے اوّل عبداللہ جو اسم اعظم کی طرف مضاف ہے اور دوسرا عبدالرحمٰن جو اسم رحمٰن کی طرف

---

[1] قال الحافظ ابن تیمیہ لیس فضل العرب فقریش فبنی ہاشم بمجرد کون النبی صلی اللہ علیہ وسلم منہم وان کان ہذا من الفضل بل ہم فی انفسہم افضل ای باعتبار الاخلاق الکرام والخصال الجیدۃ واللسان العربی وبذلک یثبت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ افضل نفسا ونسبا والا لزم الدور ۱۲ زرقانی صفحہ ۲۹ ج ۱

(۲) فتح الباری، ج: ۷، ص: ۱۲۴

مضاف ہے جس کا مرتبہ اسم اعظم کے بعد ہے عجب نہیں کہ حضرت عبداللہ کی ولادت کے وقت عبدالمطلب کے دل میں خاص طور پر من جانب اللہ یہ القا کیا گیا ہو کہ اس فرزند ارجمند کا نام تو ایسا رکھیو جو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے۔

حضرت عبداللہ کا حضرۃ آمنہ سے نکاح

عبدالمطلب جب عبداللہ کے فدیہ سے فارغ ہوئے تو شادی کی فکر دامنگیر ہوئی۔ قبیلہ بنی زہرہ جو شرافت نسبی میں ممتاز تھا اس میں وہب بن عبد مناف کی صاحبزادی سے جن کا نام آمنہ تھا اور اپنے چچا وہیب بن عبد مناف کی زیر تربیت تھیں۔ ان سے حضرت عبداللہ کے نکاح کا پیام دیا اور خود وُہیب (حضرت آمنہ کے چچا) کی صاحبزادی جن کا نام ہالہ تھا ان سے عبدالمطلب نے خود اپنے نکاح کا پیام دیا۔ ایک ہی مجلس میں دونوں نکاح پڑھے گئے۔ حضرت حمزہ انہی کے بطن سے ہیں جو رشتہ میں چچا بھی ہیں اور رضاعی بھائی بھی (۱)

ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب عبدالمطلب اپنے فرزند عبداللہ کو نکاح کے لیے لے کر چلے تو راستہ میں ایک یہودی عورت پر گذر ہوا جس کا نام فاطمہ بنت مُرّ تھا اور توریت وانجیل وغیرہ سے بخوبی واقف تھی حضرت عبداللہ کے چہرے میں نور نبوت دیکھ کر اپنی طرف بلایا اور یہ کہا میں تجھ کو سَو اونٹ نذر کروں گی حضرت عبداللہ نے جواب میں یہ اشعار پڑھے۔

اما الحرام فالممات دونہ　　والحل لا حل فاستبینہ

حرام کے ارتکاب سے موت آسان ہے اور ایسا فعل بالکل حلال نہیں جس کو معرض ظہور میں لا سکوں

---

(۱) الطبقات الکبریٰ، ج: ۱، ص: ۵۸

فکیف بالامر الذی تبغینہ یحمی الکریم عرضہ و دینہ

جس ناجائز امر کی تو طلبگار ہے وہ مجھ سے کیسے ممکن ہے کریم النفس آدمی تو اپنی آبرو اور اپنے دین کی پوری حمایت اور حفاظت کرتا ہے۔

حضرت عبداللہ جب حضرت آمنہ سے نکاح کر کے واپس ہوئے تو واپسی میں پھر اسی عورت پر گذر ہوا تو اس نے دریافت کیا کہ اے عبداللہ تم یہاں سے جانے کے بعد کہاں رہے۔ حضرت عبداللہ نے کہا کہ میں نے اس عرصہ میں وہب بن عبدمناف کی صاحبزادی آمنہ سے نکاح کیا اور نکاح کے بعد تین روز وہاں قیام کیا۔ اس یہودی عورت نے سن کر یہ کہا کہ واللہ میں کوئی بدکار عورت نہیں۔ تمہارے چہرے میں نور نبوت کو دیکھ کر یہ چاہا تھا کہ یہ نور میری طرف منتقل ہو جائے لیکن اللہ نے جہاں چاہا وہاں اس نور کو ودیعت رکھا۔

یہ روایت دلائل ابی نعیم (۱) میں چار طریقوں سے اور طبقات ابن سعد (۲) میں تین طریقوں سے مذکور ہے جس کے بعض راوی ضعیف بھی ہیں لیکن جو روایت اس قدر مختلف طریقوں سے مروی ہو۔ بالفرض اس روایت کی ہر سند کا ہر راوی بھی فرداً فرداً ضعیف ہو تب بھی محدثین کے نزدیک مقبول ہے۔

مختلف طریقوں سے مروی ہونے کی وجہ سے حسن لغیرہ کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔ چہ جائیکہ جس روایت کے صرف بعض راوی ضعیف ہوں اور روایت مختلف طریقوں سے مروی ہو اس کے مقبول اور معتبر ہونے میں کیا تردد ہو سکتا ہے اور یہ روایت تاریخ طبری صفحہ ۵ ج ۲ میں بھی سند کے ساتھ مذکور ہے جس کے اکثر راوی بخاری کے راوی ہیں۔

حضرت عبداللہ بغرض تجارت قافلہ کے ساتھ شام تشریف لے گئے۔ راستہ میں بیماری کی وجہ سے مدینہ منورہ ٹھہر گئے۔ قافلہ جب واپس مکہ پہنچا تو عبدالمطلب نے دریافت کیا کہ

---

(۱) دلائل ابی نعیم: ج: ۱، ص: ۳۸ (۲) طبقات ابن سعد، ج ۱، ص: ۵۹

عبداللہ کہاں رہ گئے۔ قافلہ والوں نے کہا کہ بیماری کی وجہ سے اپنی نانہال بنی نجار میں مدینہ ٹھہر گئے عبدالمطلب نے فوراً ہی اپنے بڑے فرزند حارث کو مدینہ روانہ کیا مدینہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ کا انتقال ہو چکا۔ ایک ماہ بیمار رہے اور انتقال کے بعد مدینہ منورہ ہی میں نابغہ کے مکان میں مدفون ہوئے۔ حارث نے واپس ہو کر عبدالمطلب اور خویش و اقارب کو اس حادثہ فاجعہ کی اطلاع دی جس سے سب کو سخت صدمہ اور ملال ہوا (۱) قیس ابن مخرمہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منور بطن مادر ہی میں تھے کہ حضرت عبداللہ کا انتقال ہو گیا قال الحاکم ھٰذا حدیث علیٰ شرط مسلم۔ واقرہ الذہبی (۲)
وفات کے وقت حضرت عبداللہ کی عمر علی اختلاف الاقوال۔ ۳۰ یا ۲۵ یا ۲۸ یا ۱۸ سال کی تھی۔ حافظ علائی اور عسقلانی فرماتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ وفات کے وقت اٹھارہ سال کا سن تھا اور علامہ سیوطی نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے (۳) انتقال کے وقت عبداللہ نے پانچ اونٹ اور چند بکریاں اور ایک باندی جن کی کنیت ام ایمن اور نام برکت تھا یہ چیزیں ترکہ میں چھوڑیں۔

واقعۂ اصحاب فیل

حضور پرنور کی ولادت سے پچاس یا پچپن روز قبل اصحاب فیل کا واقعہ پیش آیا جو سیرت اور تاریخ میں معروف اور مشہور ہے اور قرآن کریم میں اس کے بارہ میں ایک خاص سورت نازل ہوئی مفصل قصہ کتب تفاسیر میں مذکور ہے۔ مختصر یہ ہے کہ نجاشی شاہ حبشہ کی جانب سے یمن کا حاکم ابرہہ نامی تھا۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ تمام عرب کے لوگ حج بیت اللہ کے لیے مکہ مکرمہ جاتے ہیں اور خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں تو اس نے یہ چاہا کہ عیسائی مذہب کے نام پر ایک عالیشان عمارت بناؤں جو نہایت مکلف اور مرصع ہو

(۱) زرقانی، ج: ۱، ص: ۱۰۹ (۲) مستدرک حاکم۔ ج: ۲، ص: ۶۰۵
(۳) زرقانی۔ ج: ۱، ص: ۱۰۹۔

تاکہ عرب کے لوگ سادہ کعبہ کو چھوڑ کر اس مصنوعی پرتکلف کعبہ کا طواف کرنے لگیں چنانچہ یمن کے دارالسلطنت مقام صنعاء میں ایک نہایت خوبصورت گرجا بنایا۔ عرب میں جب یہ خبر مشہور ہوئی تو قبیلہ کنانہ کا کوئی آدمی وہاں آیا اور پیخانہ کر کے بھاگ گیا۔ یہ ابن عباس سے منقول ہے اور بعض کہتے ہیں کہ عرب کے نوجوانوں نے اس کے قرب و جوار میں آگ جلائی ہوئی تھی ہوا سے اڑ کر اس گرجا میں لگ گئی اور گرجا جل کر خاک ہو گیا۔ ابرہہ نے غصّہ میں آکر قسم کھائی کہ خانہ کعبہ کو منہدم اور مسمار کر کے سانس لوں گا۔ اسی ارادہ سے مکہ پر فوج کشی کی راستہ میں جس عرب کے قبیلہ نے مزاحمت کی اس کو تہ تیغ کیا یہاں تک کہ مکہ مکرمہ پہنچا لشکر اور ہاتھی بھی ہمراہ تھے۔ اطراف مکہ میں اہل مکہ کے مویشی چرتے تھے۔ ابرہہ کے لشکر نے وہ مویشی پکڑے جن میں دو سو اونٹ حضورؐ کے جدِ امجد عبدالمطلب کے بھی تھے۔ اس وقت قریش کے سردار اور خانہ کعبہ کے متولی عبدالمطلب تھے جب ان کو ابرہہ کی خبر ہوئی تو قریش کو جمع کر کے کہا کہ گھبراؤ مت مکہ کو خالی کر دو۔ خانہ کعبہ کو کوئی منہدم نہیں کر سکتا۔ یہ اللہ کا گھر ہے وہ خود اس کی حفاظت کرے گا۔ بعدازاں عبدالمطلب چند روساء قریش کو لیکر ابرہہ سے ملنے گئے اندر اطلاع کرائی۔ ابرہہ نے عبدالمطلب کا نہایت شاندار استقبال کیا۔ حق جل شانہٗ نے عبدالمطلب کو بے مثال حسن و جمال اور عجیب عظمت و ہیبت اور وقار و دبدبہ عطا فرمایا تھا جس کو دیکھ کر ہر شخص مرعوب ہو جاتا تھا۔ ابرہہ عبدالمطلب کو دیکھ کر مرعوب ہو گیا اور نہایت اکرام اور احترام کے ساتھ پیش آیا۔ یہ تو مناسب نہ سمجھا کہ کسی کو اپنے تخت پر اپنی برابر بٹھلائے۔ البتہ ان کے اعزاز و اکرام میں یہ کیا کہ خود تخت سے اُتر کر فرش پر ان کو اپنے ساتھ بٹھلایا۔ اثناء گفتگو میں عبدالمطلب نے اپنے اونٹوں کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ ابرہہ نے متعجب ہو کر کہا بڑے تعجب کی بات ہے کہ تم نے مجھ سے اپنے اونٹوں کے بارہ میں کلام کیا اور خانہ کعبہ جو تمہارا اور تمہارے آباؤ اجداد کا دین اور مذہب ہے اس کے بارہ میں تم نے کوئی حرف نہیں کہا۔ عبدالمطلب نے جواب دیا انا رب الابل

وللبیت رب سیمنعہ۔ میں اونٹوں کا مالک ہوں اس لیے میں نے اونٹوں کا سوال کیا اور کعبہ کا خدا مالک ہے وہ خود اپنے گھر کو بچائے گا۔ ابرہہ نے کچھ سکوت کے بعد عبدالمطلب کے اونٹوں کے واپس کرنے کا حکم دیا۔ عبدالمطلب اپنے اونٹ لیکر واپس آگئے اور قریش کو حکم دیا کہ مکہ خالی کردیں اور تمام اونٹوں کو خانہ کعبہ کی نذر کردیا اور چند آدمیوں کو اپنے ہمراہ لے کر خانہ کعبہ کے دروازے پر حاضر ہوئے کہ سب گڑگڑا کر دعائیں مانگیں عبدالمطلب نے اس وقت یہ دعائیہ اشعار پڑھے ؎

لَاھُمَّ اِنَّ المرءَ یَمْنَعُ رَحْلَہٗ فَامْنَعْ رِحَالَکْ

اے اللہ بندہ اپنی جگہ کی حفاظت کرتا ہے پس تو اپنے مکان کی حفاظت فرما

وَانصُرْ عَلٰی اٰلِ الصلیب وَعَابِدِیْہِ الیومَ اٰلکْ

اور اہل صلیب اور صلیب کے پرستاروں کے مقابلہ میں اپنے اہل کی مدد فرما

لَا یَغْلِبَنَّ صلیبُھم وَمِحَالُھُم اَبَدًا مِحَالَکْ

ان کی صلیب اور ان کی تدبیر تیری تدبیر پر کبھی غالب نہیں آسکتی

جَرُّوا جَمِیعَ بِلَادِھم وَالفِیلَ کَیْ یَسْبُوْا عِیَالَکْ

لشکر اور ہاتھی چڑھا کر لائے ہیں تاکہ تیرے عیال کو قید کریں

عَمَدُوا حِمَاکَ بِکَیْدِھِمْ جَھْلًا وَمَا رَقَبُوْا جَلَالَکْ

تیرے حرم کی بربادی کا قصد کرکے آئے ہیں۔ جہالت کی بنا پر یہ قصد کیا ہے تیری عظمت اور جلال کا خیال نہیں کیا۔

عبدالمطلب دُعا سے فارغ ہوکر مع اپنے ہمراہیوں کے پہاڑ پر چڑھ گئے اور ابرہہ اپنا لشکر لیکر خانہ کعبہ کے گرانے کے لیے بڑھا۔ یکایک بحکم خداوندی چھوٹے چھوٹے پرندوں کے غول کے غول نظر آئے ہر ایک کی چونچ اور پنجوں میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں تھیں جو دفعۃً لشکر پر برسنے لگیں خدا کی قدرت سے وہ کنکریاں گولی کا کام دے رہی تھیں سر پر

گرتی تھیں اور نیچے نکل جاتی تھیں جس پر وہ کنکری گرتی تھی وہ ختم ہو جاتا تھا غرض یہ کہ اس طرح ابرہہ کا لشکر تباہ اور برباد ہوا۔ ابرہہ کے بدن پر چیچک کے دانے نمودار ہوتے جس سے اس کا تمام بدن سڑ گیا اور بدن سے پیپ اور لہو بہنے لگا یکے بعد دیگرے ایک ایک عضو اس کا کٹ کٹ کر گرتا جاتا تھا۔ بالآخر اس کا سینہ پھٹ پڑا اور دل باہر نکل آیا اور اس کا دم آخر ہوا۔ جب سب مر گئے تو اللہ تعالیٰ نے ایک سیلاب بھیجا جو سب کو بہا کر دریا میں لے گیا۔ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ (۱)

ارہاص:

یہ آسمانی نشان نبی آخر الزماں کی آمد آمد کا غیبی ارشارہ اور غیبی اعلان تھا۔ قریش کی یہ غیبی نصرت اور حمایت فقط اس لیے تھی کہ نبی آخر الزماں (جو عنقریب اس عالم میں آنے والے ہیں یہ ان کا قبیلہ اور کنبہ ہے اور اللہ کے قبلہ کے متولی اور محافظ ہیں اس لیے بطورِ خرق عادت اُن کی مدد فرمائی ورنہ مذہبی حیثیت سے شاہ حبشہ اور شاہ یمن۔ قریش مکہ سے بہتر تھے اس لیے کہ قریش مشرک اور بت پرست تھے اور اہل یمن اور اہل حبشہ اہل کتاب اور عیسائی تھے۔ معلوم ہُوا کہ قریش کی یہ غیبی نصرت اور بیت اللہ کی خرق العادت حفاظت یہ سب حضور پر نور کی ولادت باکرامت کی برکت اور بشارت تھی۔ دعوائے نبوّت کے بعد نبی کے ہاتھ پر جو امر خارق عادت ظاہر ہو اس کو معجزہ کہتے ہیں اور جو خوارق نبی کی ولادت کے قریب ظاہر ہوں۔ وہ ارہاص کہلاتے ہیں۔ ارہاص کے معنی بنیاد کے ہیں چونکہ اس قسم کے خوارق نبوت کے مبادی اور مقدمات ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کو ارہاص کہتے ہیں۔

ابرہہ کی لشکر کشی اور پھر اس کی تباہی اور بربادی کا یہ واقعہ ماہ محرم الحرام میں پیش آیا جبکہ حضور

---

(۱) زرقانی۔ ج: ۱، ص: ۳۸۳، ۳۹۰۔

کی ولادت باسعادت کا زمانہ بالکل قریب آچکا تھا اس زمانہ میں جو اس قسم کے خوارق ظاہر ہوئے وہ سب آپ کی نبوت کے ارہاصات یعنی علامات اور نشانات تھے بس واقعہ کے پچاس یا پچپن روز بعد حضورؐ کی ولادت باسعادت ظہور میں آئی۔

فائدہ جلیلہ:

قال الماوردی فی کتاب اعلام النبوة واذا اختبرت حال نسبه صلی الله علیه وسلم وعرفت طهارة مولده علمت انه سلالة اٰباء کرام لیس فیهم مسترذل بل کلهم سادة قادة وشرف النسب وطهارة المولد من شروط النبوة انتهی	ماوردی اپنی کتاب اعلام النبوۃ میں فرماتے ہیں کہ اے مخاطب جب تونے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب طیب کا حال معلوم کرلیا اور آپ کی طہارت نسب کو خوب پہچان لیا تو ضرور اس بات کا یقین کرلے گا کہ حضورؐ نور آبا کرام اور اجداد عظام کا سلالہ اور خلاصہ ہیں اور کوئی شخص بھی آپ کے سلسلہ آبا میں رذیل اور کمینہ نہیں سب کے سب سردار اور سید اور قائد ہیں اور شرافت نسب اور طہارت ولادت، شرائط نبوت میں سے ہے ۱۲۔

حضورؐ کے تمام آباؤ اجداد اپنے اپنے زمانہ کے عقلاء اور حکماء اور سادات عظام اور قائدین کرام تھے۔ فہم و فراست حسن صورت اور حسن سیرت مکارم اخلاق اور محاسن اعمال۔ حلم اور بردباری اور جود و کرم و مہمان نوازی میں یکتائے زمانہ تھے۔ ہر عزت و رفعت اور سیادت و وجاہت کے ماوٰی اور ملجا تھے اور سلسلہ نسب کے آبا کرام میں بہت سوں کے متعلق احادیث مرفوعہ اور اقوال صحابہ سے معلوم ہو چکا کہ ملت ابراہیمی پر تھے (جیسا کہ گذر چکا) اور جن آبا و اجداد کے ملت ابراہیمی پر ہونے کی احادیث میں تصریح نہیں ان کے احوال ان کے صحیح الفطرت اور سلیم الطبیعت ہونے پر صراحۃً دلالت کرتے ہیں۔

ولادتِ باسعادت

سرورِ عالم سید ولد آدم محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم شرف و کرم واقعہ فیل کے پچاس یا پچپن روز کے بعد بتاریخ ۸ ربیع الاول یوم دوشنبہ مطابق ماہ اپریل ۵۷۱ء عیسوی مکہ مکرمہ میں صبح صادق کے وقت ابو طالب کے مکان میں پیدا ہوئے۔

ولادت باسعادت کی تاریخ میں مشہور قول تو یہ ہے کہ حضور پُر نور ۱۲ ربیع الاول کو پیدا ہوئے لیکن جمہور محدثین اور مورخین کے نزدیک راجح اور مختار قول یہ ہے کہ حضور ۸ ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔ عبداللہ بن عباس اور جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہم سے بھی یہی منقول ہے اور اسی قول کو علامہ قطب الدین قسطلانی نے اختیار کیا ہے (۱)

ع ۱ مشہور یہی ہے کہ آں حضرت واقعۂ فیل کے پچاس روز بعد پیدا ہوئے اور اسی کو علامہ سہیلی نے اختیار فرمایا ہے اور محمد بن علی سے یہ منقول ہے کہ پچپن روز بعد پیدا ہوئے اور اسی کو علامہ دمیاطی نے اختیار فرمایا ہے زرقانی ص ۱۳۰ ج ۱ ع ۲ جمہور علماء کا یہی قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ماہ ربیع الاول میں پیدا ہوئے اور علامہ ابن جوزی نے اسی پر علماء کا اجماع اور اتفاق نقل کیا ہے بعض کہتے ہیں کہ آنحضرت ربیع الآخر میں اور بعض کہتے ہیں کہ صفر میں اور بعض کہتے ہیں کہ رجب میں اور بعض کہتے ہیں کہ رمضان المبارک میں پیدا ہوئے۔ مگر یہ تمام اقوال ضعیف ہیں ۱۲ زرقانی ص ۱۳۰ ج ۱ ع ۳ عبداللہ بن العاص سے مروی ہے کہ حضور کی ولادت باسعادت یوم دوشنبہ کی صبح صادق کے طلوع کے وقت ہوئی۔ زرقانی ص ۱۳۲ ج ۱ یہ روایت اگرچہ ضعیف الاسناد ہے لیکن اس سے تمام روایات میں توفیق وتطبیق ہو جاتی ہے اس لیے کہ بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ولادت باسعادت دن میں ہوئی ہے اور بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شب میں ہوئی ہے لیکن صبح صادق کے وقت کی ولادت کو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ شب میں ولادت ہوئی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بروز دوشنبہ صبح کے وقت ولادت ہوئی۔ لہٰذا جن روایات میں دوشنبہ کی ولادت مذکور ہے وہ بھی صحیح ہیں اور جن روایات میں یہ مذکور ہے کہ شب دوشنبہ میں ولادت ہوئی وہ روایتیں بھی صحیح ہیں علاوہ ازیں ولادت اگرچہ صبح صادق کے وقت ہوئی لیکن ولادت کے آثار اور مبادی شب ہی سے شروع ہو گئے تھے ابن عساکر اور زبیر بن بکار نے معروف بن خربوذ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوشنبہ کے روز طلوع فجر کے وقت پیدا ہوئے (خصائص کبریٰ ص ۵۱ ج ۱) ابن حبان نے معروف بن خربوذ

بقیہ اگلے صفحہ پر

----

(۱) زرقانی: ج ۱، ص: ۱۳۱۔

(۱) عثمان ابن ابی العاص[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ۔ فاطمہ بنت عبداللہ فرماتی ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت آمنہ کے پاس موجود تھی تو اس وقت یہ دیکھا کہ تمام گھر نور سے بھر گیا اور دیکھا کہ آسمان کے ستارے جھکے آتے ہیں۔ یہاں تک کہ مجھ کو یہ گمان ہوا کہ یہ ستارے مجھ پر آگریں گے (۲)

(۲) عرباض بن ساریہ[۲] سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے ولادت باسعادت کے وقت ایک نور دیکھا جس سے شام کے محل روشن ہو گئے۔ یہ

کی توثیق کی ہے ابوحاتم فرماتے ہیں کہ ابن خزیمہ کی حدیث لکھی جا سکتی ہے۔ کذا فی الخلاصہ والتہذیب (نکتہ) آفتاب ہدایت وصداقت کے طلوع کے لیے صبح صادق ہی کا وقت مناسب معلوم ہوتا ہے جس کا نصف النہار پہ استوار چالیس سال بعد ہوگا۔ واللہ اعلم۔

[۱] قیل فی اسناد ہذا الحدیث یعقوب بن محمد الزہری وہو ساقط الاعتبار وعبدالعزیز بن عبدالرحمن بن عوف وہکذا قلت اما یعقوب بن محمد الزہری فقد وصاہ احمد وابو زرعۃ ووثقہ حجاج بن الشاعر وابن سعد وابوحاتم۔ وروی لہ ابن ماجہ والبخاری تعلیقا کذا فی الخلاصہ للحافظ صفی الدین واما عبدالعزیز بن عمر بن عبدالرحمن فقد صرح غیر واحد من الائمۃ انہ ضعیف ولم اجد التصریح عن الائمۃ بانہ کذاب ومع ہذا قد ذکر حدیثہ ہذا الحافظ العسقلانی فی الفتح و سکت علیہ ثم قال وشاہدہ حدیث العرباض بن ساریۃ الذی اخرجہ احمد وصححہ ابن حبان والحاکم۔ والضعیف اذا ایدہ بالصحیح یؤخذ ولا یرد وھذا ہو مسلک جمہور ائمۃ الجرح والتعدیل وضیع الحافظ عسقلانی یوید ما قلنا واللہ اعلم، عثمان بن ابی العاص ثقفی وفد ثقیف کے ساتھ خدمت نبوی میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طائف کا عامل مقرر فرمایا حضرت عمر کے زمانہ خلافت تک برابر طائف کے عامل رہے پھر ۱۵ھ میں حضرت عمر نے بجائے طائف کے عمان اور بحرین کا عامل مقرر فرمایا۔ قبیلہ ثقیف کو مرتد ہونے سے عثمان بن ابی العاص ہی نے بچایا۔ اس وقت اپنی قوم کو مخاطب بنا کر یہ فرمایا کہ اے ثقیف تم سب سے اخیر میں اسلام لائے۔ لہٰذا سب سے پہلے اسلام سے پھرنے والے نہ بنو۔ اخیر عمر میں عثمان نے بصرہ کی سکونت اختیار کی اور حضرت معاویہ کے زمانہ خلافت ۵۱ھ یا ۵۵ھ میں بصرہ ہی میں انتقال فرمایا ۱۲۔ اصابہ

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

(۲) فتح الباری، ج: ۶، ص: ۴۲۶

روایت مسند احمد اور مستدرک حاکم میں مذکور ہے۔ ابن حبان فرماتے ہیں کہ روایت صحیح ہے اور اسی کے ہم معنی مسند احمد میں ابو امامہؓ سے بھی مروی ہے (۴) فتح الباری باب علامات النبوۃ فی الاسلام قال الھیثمی رواہ احمد واسنادہ حسن ولہ شواہد تقویہ ورواہ الطبرانی(۵)

(۳) اور ایک روایت میں ہے کہ بُصری کے محل روشن ہو گئے۔

نکتہ: ستاروں کے زمین کی طرف جھک آنے میں اس طرف اشارہ تھا کہ اب عنقریب زمین سے کفر اور شرک کی ظلمت اور تاریکی دُور ہوگی اور انوار و ہدایت سے تمام زمین روشن اور منور ہوگی۔ کما قال اللہ تعالٰے۔

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ	تحقیق تمہارے پاس اللہ کی جانب سے ایک
مُّبِيْنٌ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ	نور ہدایت اور ایک روشن کتاب آئی ہے
رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ	جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کو
يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ	ہدایت فرماتا ہے جو رضائے حق کے طلبگار ہوں اور
اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ	اپنی توفیق سے ان کو ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف
الآیہ (۱)	لے آتا ہے۔

کعب[۲] احبار سے منقول ہے کہ کتب سابقہ میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی یہ شان ذکر کی گئی ہے۔

محمد رسول اللہ مولدہٗ بمکۃ	محمد اللہ کے رسول کی ولادت مکہ میں ہوگی اور
ومہاجرہٗ بیثرب	ہجرت مدینہ میں ہوگی اور ان کی حکومت اور
وملکہٗ بالشام۔	سلطنت شام میں ہوگی۔

(بقیہ حاشیہ ۵۲)..... [۳] عرباض بن ساریہؓ مشہور صحابی ہیں اصحاب صفہ میں سے ہیں آیۃ ولا علی الذین اذا ما اتوک لتحملہم الایۃ انہیں کے بارہ میں نازل ہوئی قدیم الاسلام ہیں ابتداء بعثت ہی میں مشرف باسلام ہو گئے تھے سنن اربعہ میں ان سے روایت ہے عبد اللہ بن الزبیرؓ کے زمانہ خلافت میں وفات پائی۔ ۱۲ اصابہ حواشی ص ہذا [۲] کعب احبار جلیل القدر علماء بنی اسرائیل میں سے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا مگر حضرت ابوبکرؓ یا حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں مشرف باسلام ہوئے۔ مسلم ثقہ ہیں ابو ہریرہ ابن عباس اور معاویہؓ اور کبار تابعین نے آپ سے روایت کی ہے۔ تہذیب التہذیب ۱۲ [۳] کذا فی نوادر الاصول للحکیم الترمذی ص ۶۹ - (۱) المائدہ، آیۃ: ۱۶۔ (۲) فتح الباری، ج: ۶، ص ۶۲۶ (۴) مجمع الزوائد، ج: ۸، ص: ۲۲۲ (۵) طبقات الکبریٰ لابن سعد، ج،

یعنی مکہ سے لے کر شام تک تمام علاقہ آپ ہی کی زندگی میں اسلام کے زیرنگین آجائے گا۔ چنانچہ شام آپ ہی کی زندگی میں فتح ہوا۔ عجب نہیں اسی وجہ سے ولادت باسعادت کے وقت شام کے محل دکھلائے گئے ہوں اور بصریٰ جو ملک کا ایک شہر ہے کہ وہ خاص طور پر اس لیے دکھلایا گیا ہے کہ علاقہ شام میں سے سب سے پہلے بصریٰ ہی میں نورِ نبوت اور نورِ ہدایت پہنچا ہے اور ممالک شام میں سب سے پہلے بصریٰ ہی فتح ہوا۔

اور عجب نہیں کہ شام کے محل اس لیے بھی دکھلائے گئے ہوں کہ منجملہ چالیس کے تیس ابدال کہ جو تیس کے تیس قدم ابراہیمی پر ہیں ان کا مرکز اور مستقر شام ہی ہے۔ اس لیے بہ نسبت دوسرے ممالک کے ملک شام خاص طور پر انوار و برکات کا معدن اور منبع ہے۔ اس لیے ولادت باسعادت کے وقت شام کے محل دکھلانے میں اس طرف اشارہ تھا کہ یہ ملک نورِ نبوت کا خاص طور پر تجلی گاہ ہوگا۔ اور اسی وجہ سے آپ کو اولاً مکہ مکرمہ سے شام یعنی مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی گئی۔ کما قال تعالیٰ۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ (۱)	پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی کہ جس کے گرد ہم نے برکتیں بچھادی ہیں۔

جس سے صاف ظاہر ہے کہ ملک شام میں جو مسجد اقصیٰ کے ارد گرد واقع ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص برکتوں کو وہاں بچھا دیا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے جب عراق سے ہجرت فرمائی تو شام ہی کی طرف فرمائی اور قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا آسمان سے نزول بھی شام ہی میں جامع دمشق کے منارۂ شرقیہ پر ہوگا۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قیامت کے قریب شام کی ہجرت کی ترغیب دی ہے۔ (رواہ الحاکم وابن حبان)

(۴) یعقوب بن سفیان باسنادِ حسن حضرت عائشہ سے راوی ہیں کہ ایک یہودی مکہ میں بغرض

---

(۱) بنی اسرائیل آیۃ: ۱

تجارت رہتا تھا جس شب میں آپ پیدا ہوئے تو مجلس میں قریش سے یہ دریافت کیا کہ اس شب میں کوئی لڑکا پیدا ہوا ہے۔ قریش نے کہا ہم کو معلوم نہیں۔ یہودی نے کہا کہ اچھا ذرا تحقیق تو کرکے آؤ آج کی شب میں اس امت کا نبی پیدا ہوا ہے۔ اس کے دونوں شانوں کے درمیان ایک علامت ہے (یعنی مہر نبوت) وہ دو رات تک دودھ نہ پیئے گا اس لیے کہ ایک جنی نے اس کے منہ پر انگلی رکھ دی ہے۔ لوگ فوراً اس مجلس سے اُٹھے اور اس کی تحقیق کی۔ معلوم ہوا کہ عبداللہ بن عبدالمطلب کے لڑکا پیدا ہوا ہے۔ یہودی نے کہا کہ مجھ کو بھی چل کر دکھلاؤ۔ یہودی نے جب دونوں شانوں کے درمیان کی علامت (مہر نبوّت) کو دیکھا تو بیہوش ہو کر گر پڑا۔ جب ہوش آئے تو یہ کہا کہ نبوّت بنی اسرائیل سے چلی گئی اے قریش واللہ یہ مولود تم پر ایک ایسا حملہ[1] کرے گا کہ جس کی خبر مشرق سے لے کر مغرب تک پھیل جائے گی۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس روایت کی سند[2] حسن ہے اور اس واقعہ کے نظائر اور شواہد ہیں جن کی شرح اور تفصیل طویل ہے۔ (۲)

ایوانِ کسریٰ کے چودہ کنگروں کا گرنا اور نہر ساوہ کا خشک ہو جانا

(۵) اسی شب میں یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ ایوان کسریٰ میں زلزلہ آیا جس سے محل کے چودہ کنگرے گر گئے اور فارس کا آتش کدہ جو ہزار سال سے مسلسل روشن تھا وہ بجھ گیا اور دریائے ساوہ خشک ہو گیا۔ جب صبح ہوئی تو کسریٰ نہایت پریشان تھا۔ شاہانہ وقار اس کے اظہار سے مانع ہو رہا تھا بالآخر وزراء اور ارکان دولت کو جمع کرکے دربار منعقد کیا۔ اثنار دربار ہی میں یہ خبر پہنچی کہ فارس کا آتش کدہ بجھ گیا ہے۔ کسریٰ کی پریشانی میں اور اضافہ ہو گیا۔ ادھر سے موبذان نے کھڑے

عہ۱ اس حملہ سے غزوۂ فتح مکہ مراد ہے ۱۲ عہ۲ یعقوب بن سفیان فارسی حفاظ حدیث میں سے ہیں ثقہ اور مستند تھے۔ صاحب خیر و صلاح تھے۔ قعبنی اور سلیمان بن حرب اور ابو نعیم سے علم حاصل کیا۔ ترمذی اور نسائی یعقوب بن سفیان کے تلامذہ میں سے ہیں ۲۷۷ھ میں وفات پائی۔ دیکھو زرقانی ص۱۲۰ ج ۱ (۲) فتح الباری ج: ۶، ص: ۴۲۵۔

ہو کر کہا کہ اس رات میں نے یہ خواب دیکھا ہے کہ سخت اونٹ عربی گھوڑوں کو کھینچے لے جا رہے ہیں اور دریائے دجلہ سے پار ہو کر تمام ممالک میں پھیل گئے۔ کسریٰ نے موبذان سے پوچھا کہ اس خواب کی کیا تعبیر ہے۔ موبذان نے کہا کہ شاید عرب کی طرف سے کوئی عظیم الشان حادثہ پیش آئے گا۔ کسریٰ نے تشویش اور اطمینان کی غرض سے نعمان بن منذر کے نام ایک فرمان جاری کیا کہ کسی بڑے عالم کو میرے پاس بھیجو جو میرے سوالات کا جواب دے سکے۔

نعمان بن المنذر نے ایک جہاندیدہ عالم۔ عبدالمسیح غسّانی کو روانہ کر دیا۔ عبدالمسیح جب حاضر دربار ہوا تو بادشاہ نے کہا کہ میں جس چیز کو تم سے پوچھنا چاہتا ہوں کیا تم کو اس کا علم ہے۔ عبدالمسیح نے کہا کہ آپ بیان فرمائیں اگر مجھ کو علم ہو گا تو میں بتلا دوں گا ورنہ کسی جاننے والے کی طرف رہنمائی کر دوں گا۔ بادشاہ نے تمام واقعہ بیان کیا۔ عبدالمسیح نے کہا کہ غالباً اس کی تحقیق میرے ماموں سطیح سے ہو سکے گی جو آجکل شام میں رہتے ہیں۔

کسریٰ نے عبدالمسیح کو حکم دیا کہ تم خود اپنے ماموں سے اس کی تحقیق کر کے آؤ۔ عبدالمسیح اپنے ماموں سطیح کے پاس پہنچا تو سطیح اس وقت نزع کی حالت میں تھا۔ مگر ہوش ابھی باقی تھے۔ عبدالمسیح نے جا کر سلام کیا اور کچھ اشعار پڑھے۔ سطیح نے جب عبدالمسیح کو اشعار پڑھتے سنا تو عبدالمسیح کی طرف متوجہ ہوا اور یہ کہا کہ عبدالمسیح تیز اونٹ پر سوار ہو کر سطیح کے پاس پہنچا جبکہ وہ مرنے کے قریب ہے۔ تجھ کو بنی ساسان کے بادشاہ نے محل کے زلزلہ اور آتش کدہ کے بجھ جانے اور موبذان کے خواب کی وجہ سے بھیجا ہے کہ سخت اور قوی اُونٹ عربی گھوڑوں کو کھینچے لے جا رہے ہیں اور دجلہ سے پار ہو کر تمام بلاد میں پھیل گئے ہیں۔ اے عبدالمسیح خوب سُن لے جب کلامِ الٰہی کی تلاوت کثرت سے ہونے لگے اور صاحب عصا ظاہر ہو اور وادی سماوہ رواں ہو جائے اور دریائے ساوہ خشک ہو جائے اور فارس کی آگ بجھ جائے تو سطیح کے لیے شام شام نہ رہے گا۔ بنی ساساں کے چند مرد اور چند عورتیں بقدر کنگروں کے بادشاہت کریں گے اور جو شے آنے والی ہے

وہ گویا کہ آ ہی گئی۔ یہ کہتے ہی، سطیح مرگیا۔ عبد المسیح واپس آیا اور کسریٰ سے یہ تمام ماجرا بیان کیا کسریٰ نے سن کر یہ کہا کہ چودہ سلطنتوں کے گذرنے کے لیے ایک زمانہ چاہیے مگر زمانے کو گذرتے کیا دیر لگتی ہے دس سلطنتیں تو چار ہی سال میں ختم ہوگئیں اور باقی چار سلطنتیں حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ خلافت تک ختم ہوئیں۔ حافظ ابن سید الناسؒ نے اس واقعہ کو عیون الاثر میں اپنی طویل سند کے ساتھ ذکر کیا ہے (۱) سند حسب ذیل ہے۔

اخبرنا الشیخ ابو الحسن علی بن محمد الدمشقی بقرأتی علیہ قلت لہ اخبرکم الشیخان ابو عبد اللہ محمد بن نصر بن عبد الرحمن بن محمد بن محفوظ القرشی والامیر سیف الدولۃ ابو عبد اللہ محمد بن غسان بن غافل بن نجاد الانصاری قراءۃ علیہما وانت حاضر فی الرابعۃ قالا انا الفقیہ ابو القاسم علی بن الحسن الحافظ قراءۃ علیہ ونحن نسمع قال انا المشایخ ابو الحسن علی بن المسلم بن محمد بن الفتح بن علی الفقیہ وابو الفرج غیث بن علی بن عبد السلام بن محمد بن جعفر الارمنازی الصوری الخطیب وابو محمد عبد الکریم بن حمزہ لخضر بن العباس الوکیل بدمشق قالوا انا ابو الحسن احمد بن عبد الواحد بن محمد بن احمد بن عثمان بن ابی الحدید السلمی انا جدی ابو بکر محمد بن احمد قال انا ابو بکر محمد بن جعفر بن محمد بن سہل الخرائطی ثنا علی بن حرب ثنا ابو ایوب یعلی بن عمران من ال جریر بن عبد اللہ البجلی قال حدثنی مخزوم بن ھانیء المخزومی عن ابیہ واتت لہ خمسون ومائۃ سنۃ قال لما کانت لیلۃ ولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارتجس ایوان کسریٰ الیٰ اخر الحدیث۔

اور یہ روایت تاریخ ابن جریر طبری میں بھی اسی سند کے ساتھ مذکور ہے۔

---

(۱) عیون الاثر لابن سید الناس، ج: ۱، ص: ۲۹

حدثنا علی بن حرب الموصلی قال حدثنا ابو ایوب یعلی بن عمران البجلی قال حدثنی مخزوم بن ھانی المخزومی عن ابیہ واتت لہ مائۃ وخمسون سنۃ قال لما کانت لیلۃ ولد فیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارتجس ایوان کسریٰ وسقطت منہ اربعۃ عشر شرفۃ الیٰ اخر الحدیث
تاریخ طبری ص۱۳۱ ج۲ اور ابن سکن نے بھی اس روایت کو اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے چنانچہ حافظ عسقلانی اصابہ میں فرماتے ہیں۔

واخرج ابن السکن من طریق یعلی بن عمران البجلی اخبرنی مخزوم بن ھانی عن ابیہ وکان اتت علیہ مائۃ وخمسون سنۃ قال لما کانت لیلۃ مولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارتجس ایوان کسریٰ وسقطت منہ اربع عشرۃ شرافۃ وغاضت بحیرۃ ساوۃ الحدیث۔
ابو مخزوم ہانی کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ ابوالولید بن دباغ نے ابو مخزوم ہانی کو صحابہ میں ذکر کیا (۱) اور حافظ ابن کثیر نے اسی حدیث کو اسی سند کے ساتھ بحوالہ ابوبکر خرائطی البدایۃ والنہایۃ ذکر ارتجاس الایوان کے تحت ذکر کیا ہے (۲) اور دیکھو خصائص کبریٰ (۳) للسیوطی۔ علاوہ ازیں یہ روایت ایک اور سند سے بھی مروی ہے جس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ عن سعید بن مزاحم۔ عن معروف بن خربوذ عن بشیر بن تیم قال لما کانت لیلۃ مولد النبی صلے اللہ علیہ وسلم رائ موبذان کسریٰ خیلا وابلا قطعت دجلۃ القصر بطونھا رواہ عبدان فی کتاب الصحابہ۔

حافظ عسقلانی اس روایت کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ یہ روایت مرسل ہے اور ابن ابی شیبہ نے بشیر بن تیم کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔ اصابہ ص۱۸۰ ج۱ ترجمہ بشیر بن تیم رضی اللہ عنہ (۴)

(۱) الاصابہ ص: ۵۹۷، (۲) ج: ۲، ص: ۲۶۸ (۳) ج: ۱، ص: ۵۱ (۴) الاصابہ ج: ۱، ص: ۱۸۰۔

اس سند کا پہلا راوی سعید بن مزاحم ہے جس سے ابو داؤد اور نسائی نے روایت لی ہے
دوسرا راوی معروف بن خربوذ ہے جن سے بخاری مسلم۔ ابو داؤد وغیرہم نے روایت لی ہے۔
امام بخاری نے کتاب العلم باب من خص بالعلم قوماً دون قوم میں ص۲۴ میں معروف بن خربوذ
کی روایت ابی الطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ سے اپنی جامع صحیح میں درج فرمائی صحابہ
میں سب سے اخیر میں ابو الطفیل رضی اللہ عنہ نے سنہ ۱۰۰ھ میں مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔
معروف بن خربوذ مکہ مکرمہ کے رہنے والے تابعی صغیر ہیں صحیح بخاری میں معروف بن خربوذ
سے صرف ایک روایت ہے (۱) الحاصل یہ روایت اگرچہ مرسل ہے مگر سند اس کی صحیح
ہے اور حدیث مرسل امام اعظم ابو حنیفہ النعمان امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے مشہور قول
کی بنا پر حجت اور معتبر ہے جیسا کہ اصول حدیث کی کتابوں میں مصرح ہے۔ حافظ عسقلانی
نے اس حدیث کو اصابہ میں مرسل فرمایا اور شرح بخاری میں اس روایت کو ذکر کر کے
سکوت فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ کے نزدیک یہ حدیث کم از کم موضوع اور
بے اصل تو نہیں حافظ عسقلانی کا شرح بخاری میں کسی حدیث پر سکوت فرمانا علماء کے
نزدیک یہ اس حدیث کے صحیح اور حسن ہونے کی دلیل ہے جیسا کہ خود حافظ عسقلانی نے
مقدمہ فتح الباری میں اس کی تصریح کی ہے۔

علامہ شبلی سیرۃ النبی ص ۳۹ ج ۱ پر لکھتے ہیں "جس قدر تحقیق اور تنقید کا درجہ بڑھتا جاتا
ہے مبالغہ آمیز روایتیں گھٹتی جاتی ہیں۔ مثلاً یہ روایت کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
عالم وجود میں آئے تو ایوان کسریٰ کے چودہ کنگرے گر پڑے آتش فارس بجھ گئی۔ بحیرہ طبریہ
خشک ہو گیا۔ بیہقی ابو نعیم خرائطی ابن عساکر اور ابن جریر نے روایت کی ہے لیکن صحیح بخاری
اور صحیح مسلم بلکہ صحاح ستہ کی کسی کتاب میں اس کا پتہ نہیں"۔ سبحان اللہ یہ اس حدیث کے
موضوع ہونے کی عجب دلیل ہے۔ کیا کسی حدیث کا بخاری اور مسلم اور صحاح ستہ میں موجود

(۱) فتح الباری، ج: ۱، ص: ۱۹۹۔

نہ ہونا اس کے موضوع یا ضعیف ہونے کی دلیل ہو سکتا ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم نے مثلاً بلاشک صحیح حدیثوں کے لانے کا التزام کیا مگر استیعاب اور احاطہ نہیں کیا اور کون کر سکتا ہے۔ امام بخاریؒ وغیرہ نے کہیں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ صحیحین یا صحاح ستہ کے علاوہ کوئی حدیث صحیح اور معتبر نہیں۔ بلکہ کتب اصول میں امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ سے اس برعکس منقول ہے۔

قال البخاری ما اوردت فی کتابی هذا الا ما صح ولقد ترکت کثیرا من الصحاح وقال مسلم الذی اوردت فی هذا الکتاب من الاحادیث صحیح ولا اقول ان ما ترکت ضعیف۔	امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی اس کتاب میں سوائے صحیح حدیث نہیں لایا اور بہت سی صحیح حدیثوں کو چھوڑ دیا ہے۔ امام مسلم کہتے ہیں جو حدیثیں اس کتاب میں لایا ہوں وہ سب صحیح ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جس کو میں نے چھوڑ دیا وہ ضعیف ہے۔

اور علیٰ ہذا کسی حدیث کا صحاح ستہ میں نہ ہونا یہ بھی کسی محدث اور عالم کے نزدیک حدیث کے موضوع ہونے کی دلیل نہیں بلکہ خود علامہ شبلی نے اپنی سیرت میں صدہا ایسی روایتیں لی ہیں کہ جو نہ صحیح بخاری میں ہیں اور نہ صحیح مسلم میں ہیں اور نہ صحاح ستہ کی کسی کتاب میں ان کا پتہ ہے معلوم ہوا کہ یہ اصول خود علامہ کے نزدیک بھی معمول بہ اور مقبول نہیں پھر نہ معلوم کیوں اس حدیث کو غیر مقبول قرار دے رہے ہیں۔ کیا کسی روایت کا بے دلیل انکار کر دینا اسی کا نام تحقیق اور تنقید ہے۔ (۶) طبرانی اور ابونعیم اور ابن عساکر نے باسانید متعددہ حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا کہ حق جل شانہ کے منجملہ اکرامات و انعامات کے یہ ہے کہ میں مختون پیدا ہوا۔ اور میرا ستر کسی نے نہیں دیکھا۔ حافظ ضیاء الدین مقدسی نے مختارہ میں اس حدیث کو صحیح فرمایا۔ علامہ زرکشی فرماتے ہیں کہ حافظ مقدسی کی تصحیح حاکم کی تصحیح سے کہیں اعلیٰ وارفع ہے۔

اور حافظ مغلطائیؒ نے اس حدیث کو حسن بتلایا ہے اور ابونعیم نے سند جید کے ساتھ ابن عباس سے روایت کیا ہے (۱)

۷۔ حضرت عباس فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مختون اور ناف بریدہ پیدا ہوئے عبدالمطلب کو یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا اور یہ کہا کہ البتہ میرے اس بیٹے کی بڑی شان ہوگی۔ چنانچہ ہوئی۔ یہ روایت طبقات ابن سعد ص ۶۴ ج ۱ قسم اوّل میں مذکور ہے۔ سند اس کی نہایت قوی ہے۔

(۸) اسحاق بن عبداللہ حضرت آمنہ سے راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب پیدا ہوئے تو نہایت نظیف تھے اور پاک صاف تھے جسم اطہر پر کسی قسم کی آلائش اور گندگی نہ تھی۔(۱)

عقیقہ اور تسمیہ:

ولادت کے ساتویں(۲) روز عبدالمطلب نے آپ کا عقیقہ کیا اور اس تقریب میں تمام قریش کو دعوت دی اور محمد آپ کا نام تجویز کیا۔ قریش نے کہا کہ اے ابوالحارث" ابوالحارث عبدالمطلب کی کنیت ہے" آپ نے ایسا نام کیوں تجویز کیا جو آپ کے آباؤ اجداد اور آپ کی قوم میں سے اب تک کسی نے نہیں رکھا۔ عبدالمطلب نے کہا کہ میں نے یہ نام اس لیے رکھا کہ اللہ آسمان میں اور اللہ کی مخلوق میں اس مولود کی حمد اور ثنا کرے (۳)

---

(۱) زرقانی ج: ۱، ص: ۱۲۴، ج: ۵، ص: ۲۴۴ (۲) یہ تمام واقعہ علامہ زرقانی نے شرح مؤطا امام مالک ص ۲۱۴ ج ۱ میں بروایت ابن عباسؓ بحوالہ استیعاب للحافظ ابن عبدالبر ذکر کیا ہے، لیکن ابن عباس کی روایت میں صرف عقیقہ کا ذکر ہے ساتویں روز کا ذکر نہیں اور نہ دعوت کا ذکر ہے ان دو چیزوں کو علامہ سیوطی نے بحوالہ بیہقی اور ابن عساکر خصائص کبریٰ ص ۵۰ ج ۱ میں ذکر کیا ہے حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ عبدالمطلب نے ولادت باسعادت کی تقریب میں ایک عام دعوت دی جب لوگ دعوت سے فارغ ہوگئے تو پوچھا کہ اے عبدالمطلب آپ نے اس مولود مسعود کا کیا نام رکھا۔ الی اخر الحدیث رواہ البیہقی فی الدلائل باسناد مرسل ۱۲۔ فتح الباری ص ۱۲۴ ج ۷، باب مبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۱) طبقات ابن سعد ج: ۱، ص: ۶۳ (۳) فتح الباری ج: ۷، ص: ۱۲۴

عبدالمطلب نے آپ کی ولادت سے پہلے ایک خواب دیکھا تھا کہ جو اس نام رکھنے کا باعث ہوا وہ یہ کہ عبدالمطلب کی پشت سے ایک زنجیر ظاہر ہوئی کہ جس کی ایک جانب آسمان میں اور ایک جانب زمین میں اور ایک جانب مشرق میں اور ایک جانب مغرب میں ہے۔ کچھ دیر کے بعد وہ زنجیر درخت بن گئی جس کے ہر پتہ پر ایسا نور ہے کہ جو آفتاب کے نور سے ستر درجہ زائد ہے۔ مشرق اور مغرب کے لوگ اس کی شاخوں سے لپٹے ہوئے ہیں۔ قریش میں سے بھی کچھ لوگ اس کی شاخوں کو پکڑے ہوئے ہیں اور قریش میں سے کچھ لوگ اس کے کاٹنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ یہ لوگ جب اس ارادے سے اس درخت کے قریب آنا چاہتے ہیں تو ایک نہایت حسین و جمیل جوان ان کو آکر ہٹا دیتا ہے۔ معبّرین نے عبدالمطلب کے اس خواب کی یہ تعبیر دی کہ تمہاری نسل سے ایک ایسا لڑکا پیدا ہوگا کہ مشرق سے لے کر مغرب تک لوگ اس کی اتباع کریں گے اور آسمان اور زمین والے اس کی حمد اور ثنا کریں گے اس وجہ سے عبدالمطلب نے آپ کا نام مُحَمَّدٌ رکھا (۱) عبدالمطلب کو اس خواب سے مُحَمَّد نام رکھنے کا خیال پیدا ہوا اور ادھر آپ کی والدہ ماجدہ کو رؤیا صالحہ کے ذریعہ سے یہ بتلایا گیا کہ تم برگزیدۂ خلائق اور سید الامم کی حاملہ ہو۔ اس کا نام مُحَمَّد رکھنا اور ایک روایت میں ہے کہ اَحْمَدْ نام رکھنا کذا فی عیون الاثر (۲) بریدہؓ اور ابن عباسؓ کی روایت میں یہ ہے کہ مُحَمَّدْ اور اَحْمَدْ نام رکھنا خصائص کبریٰ (۳)

غرض یہ کہ سحائب الہام کے تقاطر اور رؤیائے صالحہ کے تواتر نے ماں اور دادا۔ احباب اور اقارب یگانہ اور بیگانہ سب ہی کی زبان سے وہ نام تجویز کرا دیے کہ جس نام سے انبیاء و مرسلین اس نبی امی فداہ نفسی وابی وامی کی بشارت دیتے چلے

(۱) روض الانف، ج ۱، ص: ۱۰۵، زرقانی شرح مؤطا، ج: ۴، ص: ۲۷۰

(۲) ج: ۱، ص: ۳۰ (۳) ج: ۱، ص: ۴۲

آرہے تھے۔ جس طرح حضرت عبدالمطلب کا تمام بیٹوں میں سے صرف آپ کے والدِ ماجد کا ایسا نام تجویز کرنا کہ جو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہو یعنی عبداللہ نام رکھنا یہ القاء ربانی تھا اسی طرح آپ کا نام مبارک مُحَمَّدٌ اور احمد رکھنا یہ بھی بلاشبہ الہام رحمانی تھا جیسا کہ علامہ نووی نے شرح مسلم میں ابن فارس وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ کے گھر والوں کو الہام فرمایا اس لیے یہ نام رکھا شرح مسلم باب اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۱)

اور یہی دو نام حق جل شانہ نے قرآن کریم میں ذکر فرماتے ہیں۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ	محمدؐ۔ اللہ کے رسول ہیں
وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِى اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (۲)	اور جس وقت کہ عیسیٰ بن مریم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ توریت کا تصدیق کرنیوالا جو مجھ سے پہلے نازل ہو چکی ہے اور اپنے بعد ایک آنیوالے رسول کی بشارت دینے والا۔ جن کا نام احمد ہوگا۔

مُحَمَّدٌ کا اصل مادہ حمد ہے حمد اصل میں کسی کے اخلاق حمیدہ اور اوصاف پسندیدہ اور کمالات اصلیہ اور فضائل حقیقیہ اور محاسن واقعیہ کو محبت اور عظمت کے ساتھ بیان کرنے کو کہتے ہیں اور تحمید جس سے مُحَمَّدٌ مشتق ہے وہ باب تفعیل کا مصدر ہے جس کی وضع ہی مبالغہ اور تکرار کے لیے ہوئی ہے۔ لہٰذا لفظ مُحَمَّدٌ جو تحمید کا اسم مفعول ہے اس کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ ذات ستودہ صفات کہ جن کے واقعی اور اصلی کمالات اور محاسن کو محبت اور عظمت کے ساتھ کثرت سے بار بار بیان کیا جائے۔

---

(۱) نووی، شرح مسلم، ج: ۲، ص: ۲۶۱

(۲) الصف، آیۃ ۶ -

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

اور بعض کہتے ہیں کہ محمد کے معنی یہ ہیں کہ جس میں خصائل حمیدہ اور اوصاف محمودہ علی وجہ الکمال پائے جاتے ہوں۔ امام بخاری تاریخ صغیر میں فرماتے ہیں کہ علی بن زید سے مروی ہے کہ ابو طالب یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

وَشَقَّ لَہٗ مِنِ اسْمِہٖ لِیُجِلَّہٗ فَذُوالْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَّ ھٰذَا مُحَمَّدٌ

فتح الباری باب ماجاء فی اسماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۱)

یہ شعر حسان بن ثابتؓ کے دیوان میں بھی مذکور ہے۔ ممکن ہے کہ توارد ہو یا حضرت حسان نے ابو طالب کے اس شعر پر تضمین کی ہو۔ واللہ اعلم (زرقانی شرح موطا) احمد اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ بعض کے نزدیک اسم مفعول کے معنی میں ہے اور بعض کے نزدیک اسم فاعل کے معنی میں ہے

اگر اسم مفعول کے معنی لیے جائیں تو احمد کے یہ معنی ہوں گے۔ سب سے زائد ستودہ تو بیشک مخلوق میں آپ سے زائد کوئی ستودہ نہیں اور نہ آپ سے بڑھ کر کوئی سراہا گیا

اور اگر اسم فاعل کے معنی میں لیا جائے تو احمد کے یہ معنی ہوں گے کہ مخلوق میں سب سے زیادہ خدا کی حمد اور ستائش کرنے والے یہ بھی نہایت صحیح اور درست ہے۔ دنیا میں آپ نے اور آپ کی امت نے خدا کی وہ حمد و ثناء کی جو کسی نے نہیں کی۔ اسی وجہ سے انبیاء سابقین نے آپ کے وجود باجود کی بشارت لفظ احمد کے ساتھ اور آپ کی امت کی بشارت حمّادین کے لقب سے دی ہے۔ جو نہایت درست ہے، اور اللہ نے آپ کو سورۃ الحمد عطاء کی اور کھانے اور پینے اور سفر سے واپس آنے کے بعد اور ہر دعا کے بعد آپ اور آپ کی امت کو حمد اور ثناء پڑھنے کا حکم دیا۔ اور آخرت میں بوقت شفاعت آپ پر من جانب اللہ وہ محامد اور خدا کی وہ تعریفیں منکشف

(۱) فتح الباری، ج: ۶، ص: ۴۰۴

ہوں گی کہ جو نہ کسی نبی مرسل پر اور نہ کسی ملک مُقرّب پر منکشف ہوئیں اسی وجہ سے قیامت کے دن آپ کو مقام محمود اور لواء حمد عطا ہو گا۔ اس وقت تمام اولین و آخرین جو میدان حشر میں جمع ہوں گے وہ آپ کی حمد اور ثنا کریں گے خلاصہ یہ کہ حمد کے تمام معانی اور انواع و اقسام آپ کے لیے خاص کر دیئے گئے کلمات الٰہیہ اور ارشادات نبویہ میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی حمد اور ثنا ہر کام کے ختم کے بعد پسندیدہ اور مستحسن ہے۔

وقال تعالیٰ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيلَ	ان کے درمیان حق کا فیصلہ کر دیا گیا اور کہا
الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (۱)	گیا کہ الحمد للہ رب العالمین
وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ	اہل جنت کی آخری دعا یہ ہوگی الحمد للہ رب العالمین
فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا	ظالموں کی جڑ کاٹ دی گئی اور الحمد للہ
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (۳)	رب العالمین

کھانے اور پینے کے بعد حق جل شانہ نے حمد اور شکر کا حکم دیا چنانچہ فرماتے ہیں

كُلُوا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ	اللہ کے رزق کو کھاؤ اور شکر کرو

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شکر کی تفسیر حمد سے فرمائی چنانچہ حدیث میں ہے افضل الشکر الحمد للہ اور کھانے کے بعد الحمد للہ پڑھنے کی کثرت سے تاکید آئی ہے۔ جب سفر ختم ہوتا تو آپ پڑھتے

آيبون تائبون عابدون	ہم اللہ کی طرف رجوع ہونے والے توبہ کرنے والے اپنے
لربنا حامدون	پروردگار کی عبادت کرنے والے حمد و ثنا کرنے والے ہیں

اور جب نماز ختم ہوتی تو یہ آیت شریفہ پڑھتے۔ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

غرض یہ کہ آیات قرآنیہ اور کلمات قدسیہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حمد کسی شی کے

---

(۱) الزمر، آیۃ : ۷۵ (۲) یونس، آیۃ : ۱۰

(۳) الانعام، آیۃ : ۴۵

اختتام ہی کے بعد ہوتی ہے اس لیے حق جل شانہ نے آپ کا نام محمد اور احمد رکھا۔ تاکہ انقطاع وحی اور اختتام نبوت و رسالت کی جانب مشیر ہو

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دونوں ناموں محمد اور احمد کی یہ تمام شرح علامہ سہیلی[1] اور حافظ عسقلانی کے کلام سے ماخوذ ہے۔

بخاری اور مسلم میں جبیر بن مطعم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے پانچ نام ہیں۔ میں محمد ہوں۔ میں احمد ہوں۔ میں ماحی ہوں یعنی کفر کا مٹانے والا ہوں میں حاشر ہوں یعنی لوگوں کا حشر میرے قدموں پر ہوگا۔ یعنی سب سے پہلے میں قبر سے اٹھوں گا یا یہ معنی ہیں کہ آپ اس روز سب کے امام اور پیشوا ہوں گے اور سب آپ کے محتاج ہوں گے۔[2]

اور میں عاقب ہوں یعنی تمام انبیاء کے بعد آنے والا بخاری ترمذی وغیرہ میں یہ لفظ ہیں انا العاقب الذی لیس بعدی نبی میں عاقب ہوں یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ عاقب کے معنی یہ ہیں الذی خَتَمَ اللّٰہُ بِہٖ الانبیاء جس پر اللہ نے انبیاء کا سلسلہ ختم فرمایا۔

سفیان فرماتے ہیں کہ عاقب کے معنی آخر الانبیاء ہیں (۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور بھی بہت نام ہیں مگر اس حدیث میں پانچ کی تخصیص غالباً اس لیے فرمائی کہ آپ کے مخصوص نام انبیاء سابقین کے صحیفوں میں زیادہ مشہور رہے

۱؎ علامہ سہیلی نے روض الانف شرح سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۰۶ میں ذکر کیا ہے اور حافظ عسقلانی نے فتح الباری ج ۶ ص ۴۰۳ باب اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ذکر کیا ہے ۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں جن روایتوں میں العاقب کے بعد الذی لیس بعدہ نبی آیا ہے۔ ان روایتوں میں الذی لیس بعدہ کے مدرج ہونے کا احتمال ہے مگر ترمذی کی روایت الذی لیس بعدی (بصیغہ متکلم) نبی میں مدرج ہونے کا احتمال نہیں۔ دیکھو فتح الباری ج ۶ ص ۴۰۶ باب ماجاء فی اسماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲) مصفّٰی شرح مؤطا، الشاہ ولی اللہ الدہلوی، ج: ۲، ص: ۲۸۵ (۳) زرقانی شرح مؤطا، ج: ۴، ص: ۲۷۲۔

پانچ نام ہیں۔ حافظ ابن سید الناس عیون الاثر (۱) میں فرماتے ہیں کہ حق جل شانہٗ نے عرب اور عجم کے دلوں اور زبانوں پر ایسی مہر لگائی کہ کسی کو محمد اور احمد نام رکھنے کا خیال ہی نہ آیا۔ اسی وجہ سے قریش نے متعجب ہو کر عبدالمطلب سے یہ سوال کیا کہ آپ نے یہ نیا نام کیوں تجویز کیا جو آپ کی قوم میں کسی نے نہیں رکھا لیکن ولادت باسعادت سے کچھ عرصہ پہلے لوگوں نے جب علماء بنی اسرائیل کی زبانی یہ سنا کہ عنقریب ایک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم محمدؐ اور احمد کے نام سے پیدا ہونے والے ہیں تو چند لوگوں نے اسی امید پر اپنی اولاد کا نام محمد رکھا مشیت ربانیہ اور حکمت الٰہیہ نے ایسا انتظام کیا کہ کسی نے بھی دعوائے نبوت نہیں کیا تا کہ محمد مصطفیٰ اور احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت میں کسی قسم کا اشتباہ پیش نہ آئے۔ تفصیل اگر درکار ہے تو فتح الباری ص ۴۰۳ ج ۶ و ص ۴۹۲ ج ۵ کی مراجعت کریں۔

مقام تو محمود و نامت محمد　　بدینسان مقامے و نامے کہ دارد

کنیت: آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی مشہور و معروف کنیت ابو القاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے جو آپ کے سب سے بڑے صاحبزادہ قاسم کے نام پر ہے۔

دوسری کنیت ابو ابراہیم ہے۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جب ماریہ قبطیہ کے بطن سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے تو جبرئیل علیہ السلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ فرمایا السلام علیک یا ابا ابراہیم۔ سلام ہو آپ پر اے ابو ابراہیم (۲)

ختنہ: ختنہ کے بارے میں تین قول ہیں۔ ایک قول تو یہ ہے کہ حضور مختون پیدا ہوئے حاکم کہتے ہیں کہ آپ کے مختون پیدا ہونے میں احادیث متواتر ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے آپ کے جد امجد عبدالمطلب نے ولادت کے ساتویں روز آپکی ختنہ کرائی جیسا کہ عرب میں دستور تھا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیلؑ کی سنت کے مطابق مولد کے ساتویں روز ختنہ کرتے تھے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ

---

(۱) ج : ۱، ص : ۲۱　(۲) مستدرک حاکم، ج : ۲، ص : ۶۰۴

کے یہاں آپ کی ختنہ ہوئی اور یہ قول ضعیف ہے۔ مشہور اور معتبر قول اول ہی کے دو قول ہیں اور ان دونوں قولوں میں تطبیق بھی ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مختون ہی پیدا ہوئے لیکن ختنہ کی تمیم اور تکمیل عبدالمطلب نے کی۔

حضانت و رضاعت

ولادت باسعادت کے بعد تین چار روز تک آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو دودھ پلایا پھر آپ کے چچا ابولہب کی آزاد کردہ کنیز ثُوَیبَہ نے آپ کو دودھ پلایا۔

آپ کے چچا ابولہب کو جب ثویبہ نے آپ کی ولادت باسعادت کی خوشخبری سنائی تو ابولہب نے اس خوشی میں اسی وقت ثویبہ کو آزاد کر دیا اور ثویبہ ہی نے آپ سے پیشتر آپ کے سگے چچا حضرت حمزہؓ کو بھی دودھ پلایا تھا۔ اس لیے حمزہؓ آپ کے رضاعی بھائی ہیں اور آپ کے بعد ثویبہ نے ابوسلمہ کو دودھ پلایا۔ زرقانی ج ۱ ص ۱۳۷ ۔

صحیح بخاری شریف میں ام المؤمنین ام حبیبہؓ سے مروی ہے کہ میں نے ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ میں نے یہ سنا ہے کہ آپ ابوسلمہ کی بیٹی دُرّہ سے نکاح کا ارادہ رکھتے ہیں آپ نے بطور تعجب فرمایا کہ ام سلمہ کی بیٹی سے جو میری تربیت میں ہے اگر دُرّہ میری ربیبہ[۱] نہ ہوتی تب بھی میرے لیے حلال نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ میری رضاعی بھتیجی ہے۔ اس لیے کہ مجھ کو اور اس کے باپ ابوسلمہ[۲] کو ثویبہ نے دودھ پلایا ہے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر آپ حضرت حمزہؓ کی بیٹی سے نکاح فرما لیں تو کیسا ہے تو آپ نے فرمایا وہ میری رضاعی بھتیجی ہے

۱؎ ربیبہ بیوی کی اس بیٹی کو کہتے ہیں جو پہلے شوہر سے ہو ۱۲ منہ ۲؎ ابوسلمہ ام سلمہ کے پہلے شوہر ہیں۔ ابوسلمہ کی وفات کے بعد ام سلمہ آنحضرت کی زوجیت میں آئیں ۱۲ منہ عفا عنہ (۳) بخاری شریف الواب النکاح ج: ۲ صفحہ ۲۶۴

ثویبہ کے اسلام میں علماء کا اختلاف ہے۔ حافظ ابومندہ نے ثویبہ کو صحابیات میں ذکر کیا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ فتح الباری صہ ۱۲۴ ج ۹۔ کتاب النکاح۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ثویبہ کا بہت اکرام فرماتے تھے۔ حضرت خدیجہ سے نکاح ہو جانے کے بعد ثویبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتی تھیں۔ ہجرت کے بعد بھی مدینہ منورہ سے آپ ثویبہ کے لیے کبھی ہدیہ بھیجتے۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو آپ نے ثویبہ اور اُن کے بیٹے مسروح کو دریافت کیا معلوم ہوا کہ دونوں کا انتقال ہو چکا ہے۔ پھر فرمایا کہ اس کے اقارب میں سے کوئی زندہ ہے تاکہ اس کے ساتھ کچھ سلوک اور احسان فرمائیں۔ معلوم ہوا کہ اس کے خویش واقارب میں سے بھی کوئی زندہ نہیں۔ مرنے کے بعد ابولہب کو کسی[1] نے خواب میں دیکھا کہ نہایت بری حالت میں ہے پوچھا کہ کیا حال ہے۔ ابولہب نے کہا کہ میں نے تمہارے بعد کوئی راحت نہیں دیکھی۔ مگر صرف اتنی کہ ثویبہ کے آزاد کرنے کی وجہ سے سرانگشت کی مقدار پانی پلا دیا جاتا ہے (بخاری شریف) یعنی جس انگشت کے اشارے سے آزاد کیا تھا اسی قدر مجھ کو پانی مل جاتا ہے۔

علامہ سہیلیؒ فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت عباس نے ابولہب کو خواب میں دیکھا کہ بہت ہی بُری حالت میں ہے اور یہ کہتا ہے کہ میں نے تمہارے بعد کوئی راحت نہیں دیکھی مگر یہ کہ ہر دوشنبہ کو عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے۔ فتح الباری صہ ۱۲۴ ج ۹

ثویبہ کے بعد حلیمہ سعدیہ نے آپ کو دودھ پلایا۔ عرب میں یہ دستور تھا کہ شرفاء اپنے شیرخوار بچوں کو ابتداء ہی سے دیہات میں بھیج دیتے تھے تاکہ دیہات کی صاف و شفاف آب و ہوا میں ان کا نشوونما ہو۔ زبان ان کی فصیح ہو اور عرب کا اصلی تمدن اور عربی خصوصیات ان سے علیحدہ نہ ہوں چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔

---

[1] یہ خواب دیکھنے والے حضرت عباسؓ تھے ابولہب کی وفات کے ایک سال بعد یہ خواب دیکھا۔ البدایۃ والنہایۃ صہ ۲۷۳ ج ۲

تَمَعْدَدُوْا وَتَمَعْزَرُوْا وَاخْشَوْشَنُوْا

معد بن عدنان کی ہیئت کو اختیار کرو یعنی عجم کا لباس اور ان کی ہیئت نہ اختیار کرو۔ اور شدائد پر صبر کرو اور موٹا پہنو یعنی تنعم میں نہ پڑو

ابوبکر صدیق نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کی زبان نہایت فصیح ہے آپ نے فرمایا اوّل تو میں قریش میں سے ہوں اور پھر بنی سعد میں میں نے دودھ پیا ہے (۲)

اسی دستور کے مطابق ہر سال بنی سعد کی عورتیں شیر خوار بچوں کی تلاش میں مکہ آیا کرتی تھیں۔ حلیمہؓ فرماتی ہیں کہ میں اور بنی سعد کی عورتیں شیرخوار بچوں کی تلاش میں مکہ آئے میری ساتھ میرا شوہر اور ایک میرا شیرخوار بچہ تھا۔ سواری کے لیے ایک لاغر اور دبلی گدھی اور ایک اونٹنی جس کا یہ حال تھا کہ ایک قطرہ دودھ کا اس سے نہ نکلتا تھا کہ ہم بھوک کی وجہ سے رات بھر نہ سوتے۔ بچہ کا یہ حال کہ تمام شب بھوک کی وجہ سے روتا اور بلبلاتا میرے پستانوں میں اتنا دودھ نہ تھا کہ جس سے بچہ سیر ہو سکے۔ کوئی عورت ایسی نہ رہی کہ جس پر آپ پیش نہ کیے گئے ہوں مگر جب یہ معلوم ہوتا کہ آپ یتیم ہیں تو فوراً انکار کر دیتی کہ جس کے باپ ہی نہیں اس سے حق الخدمت ملنے کی کیا توقع کی جائے مگر یہ کسی کو معلوم نہ تھا کہ یہ یتیم نہیں ہے بلکہ دُرِ یتیم ہے اور یہ وہ مبارک مولود ہی ہے کہ جس کے ہاتھوں میں قیصر و کسریٰ کے خزائن کی کنجیاں رکھی جانے والی ہیں دنیا میں اگرچہ اس کا کوئی والی اور مربی اور حق الخدمت دینے والا نہیں مگر وہ رب العالمین جس کے ہاتھ میں تمام زمین اور آسمان کے بے شمار خزائن ہیں وہ اس یتیم کا والی اور متولی ہے اور اس کی پرورش اور تربیت کرنے والوں کو وہم و گمان سے زائد حق الخدمت دینے والا ہے۔

---

(۱) حافظ ابن اثیر نے حضرت عمرؓ کے اس اثر کا وہی مطلب بیان کیا ہے جو ہم نے اپنے ترجمہ میں ظاہر کیا حافظ موصوف فرماتے ہیں کہ حضرت عمر کا یہ اثر معجم طبرانی میں بروایت ابی حدرد اسلمی مرفوعاً مروی ہے یعنی یہ کلام نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد ہے نہایہ (۲) روض الانف، ج ۱، ص: ۱۰۹۔

سب عورتوں نے شیر خوار بچے لے لیے صرف حلیمہ خالی رہ گئیں جب روانگی کا وقت آیا تو حلیمہ کو خالی ہاتھ جانا شاق معلوم ہوا۔ یکایک غیب سے حلیمہ کے دل میں اس یتیم کے لینے کا نہایت قوی داعیہ اور شدید تقاضہ پیدا ہو گیا۔ حلیمہ نے اپنے شوہر سے جا کر کہا۔

واللہ لاذھبن الی ذلک الیتیم	خدا کی قسم میں ضرور اس یتیم کے پاس جاؤں گی اور
فلاخذنہ قال لا	ضرور اس کو لے کر آؤں گی۔ شوہر نے کہا اگر تو
علیک عسی اللہ ان یجعل لنا	ایسا کرے تو کوئی حرج نہیں امید ہے کہ حق جل شانہ
فیہ برکۃ	اس کو ہمارے لیے خیر و برکت کا سبب بنائے۔

برکت لغت میں خیر الٰہی کا نام ہے یعنی اس خیر اور اس بھلائی کا نام ہے کہ جو براہ راست اللہ کی طرف سے نازل ہو اور اسباب ظاہری کو اس میں دخل نہ ہو (کذا فی المفردات للامام الراغب) ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ جل جلالہ فرماتے ہیں۔ انا عند ظن عبدی بندہ میرے ساتھ جیسا گمان کرتا ہے میں اسی کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کرتا ہوں۔

حلیمہ اسی برکت کی امید پر آپ کو لے آئیں۔ اللہ نے اسی امید کے مطابق ان پر برکتوں کا دروازہ کھول دیا۔ بنی سعد کی اور عورتوں نے مخلوق سے طمع باندھی اور حلیمہ نے خالق سے امید باندھی۔ حلیمہ کہتی ہیں کہ اس مولود مسعود کا گود میں لینا تھا کہ پستان بالکل خشک تھے وہ دودھ سے بھر آئے اتنا دودھ ہوا کہ آپ بھی سیراب ہو گئے اور آپ کا رضاعی بھائی بھی سیر ہو گیا۔ اونٹنی کا دودھ دوہنے کے لیے اٹھے تو دیکھتے کیا ہیں کہ تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہیں۔ میں نے اور میرے شوہر نے خوب سیر ہو کر دودھ پیا۔ رات نہایت آرام سے گذری صبح ہوئی تو شوہر نے حلیمہ سے کہا:۔

تعلمی واللہ یا حلیمۃ	اے حلیمہ خوب سمجھ لے
لقد اخذت نسمۃ	کہ خدا کی قسم تو نے بہت ہی مبارک
مبارکۃ	بچہ لیا ہے

اس پر حلیمہ نے یہ کہا۔
واللہ انی لارجو ذلک خدا کی قسم میں یقین سے کہتی ہوں کہ البتہ میں اللہ سے یہی امید رکھتی ہوں۔

اب قافلہ کی روانگی کا وقت آیا اور سب سوار ہو کر چل پڑے حلیمہ بھی اس مولود مسعود کو لے کر سوار ہوئیں۔ حلیمہ کی وہ دبلی پتلی سواری جس کو پہلے چابک مار مار کر ہنکایا جاتا تھا وہ اب برق رفتار ہے اور کسی طرح تھامے تھمتی نہیں۔ اس وقت تو وہ ایک نبی کا مرکب بنی ہوئی ہے ساتھ والی عورتوں نے پوچھا۔ اے حلیمہ یہ وہی سواری ہے عورتوں نے کہا کہ واللہ اس وقت تو اس کی شان ہی جدا ہے۔ اسی طرح ہم بنی سعد میں پہنچے۔ اس وقت بنی سعد کی سرزمین سے زیادہ کسی جگہ قحط نہ تھا۔ میری بکریاں جب شام کو چراگاہ سے واپس آئیں تو دودھ سے بھری ہوئی ہوتیں اور دوسروں کی بکریاں بالکل بھوکی آتیں تھنوں میں ایک قطرہ دودھ کا نہ ہوتا یہ دیکھ کر لوگوں نے اپنے چرواہوں سے کہا کہ تم بھی اسی جگہ چرایا کرو جہاں حلیمہ کی بکریاں چرتی ہیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا مگر پھر بھی یہی ہوا کہ شام کو حلیمہ کی بکریاں پیٹ بھری ہوئیں دودھ سے لبریز آتیں اور دوسری بکریاں بھوکی واپس آتیں تھنوں میں دودھ ایک قطرہ نہ ہوتا۔ حلیمہ کہتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اسی طرح خیر و برکت دکھلاتا رہا اور ہم اللہ کی طرف سے اسی طرح خیر و برکت کا مشاہدہ کرتے رہے۔ اسی طرح جب دو سال پورے ہو گئے تو میں نے آپ کا دودھ چھڑا دیا۔

---

[1] حضرت حلیمہ کا یہ تمام واقعہ سیرۃ ابن ہشام میں مذکور ہے صرف خط کشیدہ الفاظ ایک دوسری روایت کے الفاظ کا ترجمہ ہے جس کو علامہ سیوطی نے خصائص کبریٰ ص۵۴ ج۱ میں بحوالہ محمد بن اسحاق و طبرانی و بیہقی نقل کیا ہے وہ الفاظ یہ ہیں فلم یزل للہ یرینا البرکۃ ونتعرفہا اور سیرۃ ابن ہشام کے یہ الفاظ ہیں فلم نزل نتعرف من اللہ الزیادہ والخیر۔ ہم نے دونوں کا ملا کر ترجمہ کر دیا ہے۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے اور یہ ان احادیث میں سے ہے کہ جو اہل سیر و مغازی کے مابین مشہور اور متداول ہے البدایۃ والنہایۃ ص۲۷۵ ج۲ (۲) سیرۃ ابن ہشام، ج: ۱، ص: ۵۶، نیز مجمع الزوائد، ج ۸، صفحہ ۲۲۱۔

جب دو سال پورے ہو گئے تو حلیمہ آپ کو لے کر مکہ آئیں تاکہ حضرت آمنہ کی امانت ان کے حوالے کریں مگر آپ کے وجود باجود کی وجہ سے خداوند ذوالجلال کی جو برکتیں مبذول تھیں اس وجہ سے حلیمہ نے حضرت آمنہ سے درخواست کی کہ اس دُرِّیتیم کو اور چند روز میرے ہی پاس چھوڑ دیں۔ ان دنوں مکہ میں وبا بھی تھی ادھر حلیمہ کا غیر معمولی اصرار اس لیے حضرت آمنہ نے حلیمہ کی درخواست منظور کی اور آپ کو اپنے ہمراہ لے جانے کی اجازت دی۔ حلیمہ آپ کو لے کر بنی سعد واپس آ گئیں۔ چند ماہ گذرنے کے بعد آپ بھی اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ جنگل میں بکریاں چرانے جانے لگے۔

شقِّ صَدر

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ اپنے رضاعی بھائیوں کے ہمراہ بکریاں چرانے جنگل گئے ہوئے تھے کہ یکایک آپ کا رضاعی بھائی دوڑتا ہوا آیا کہ دو سفید پوش آدمی آئے اور ہمارے قریشی بھائی کو زمین پر لٹا کر ان کا شکم مبارک چاک کیا۔ اب اس کو سی رہے ہیں یہ واقعہ سنتے ہی حلیمہ اور ان کے شوہر کے ہوش اڑ گئے۔ افتاں وخیزاں دوڑے۔ دیکھا کہ آپ ایک جگہ کھڑے ہوئے ہیں اور چہرہ انور کا رنگ فق ہے۔ حلیمہ کہتی ہیں کہ میں نے فوراً آپ کو سینہ سے چپٹا لیا اور پھر آپ کے رضاعی باپ نے آپ کو سینہ سے لگایا اور آپ سے دریافت کیا کہ کیا واقعہ تھا۔ آپ نے بیان فرمایا۔ حلیمہ آپ کو لے کر گھر واپس آ گئیں[1]۔ رواہ ابو یعلی والطبرانی ورجالہا ثقات۔

شقِ صدر کا واقعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی عمر میں چار مرتبہ پیش آیا۔

اوّل بار زمانۂ طفولیت میں پیش آیا جب آپ حلیمہ سعدیہ کی پرورش میں تھے اور اس وقت آپ کی عمر مبارک چار سال کی تھی۔ ایک روز آپ جنگل میں تھے کہ دو فرشتے جبرئیل اور میکائیل سفید پوش انسانوں کی شکل میں ایک سونے کا طشت

---

(۱) سیرۃ ابن ہشام ج: ۱: ص: ۵۶ نیز مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۲۱

برف سے بھرا ہوا لے کر نمودار ہوئے اور آپ کا شکم مبارک چاک کر کے قلب مطہر کو نکالا پھر قلب کو چاک کیا اور اس میں سے ایک یا دو ٹکڑے خون کے جمے ہوئے نکالے اور کہا کہ یہ شیطان کا حصہ ہے۔ پھر شکم اور قلب کو اس طشت میں رکھ کر برف سے دھویا بعد ازاں قلب کو اپنی جگہ پر رکھ کر سینہ پر ٹانکے لگائے اور دونوں شانوں کے درمیان ایک مہر لگا دی۔

حلیمہ سعدیہ کے یہاں زمانہ قیام میں شق صدر کا واقعہ پیش آنا متعدد روایات میں مختلف صحابہ سے مروی ہے (پہلی روایت) عتبہ[1] بن عبد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے جو مسند احمد اور معجم طبرانی میں مذکور ہے۔ عتبہؓ کی یہ روایت مستدرک حاکم ص۶۱۶ ج۲ میں بھی مذکور ہے۔ حاکم فرماتے ہیں کہ عتبہ کی یہ حدیث[2] شرط مسلم پر ہے۔ حافظ ذہبی نے تلخیص مستدرک میں حاکم کی تصحیح کا کوئی رد نہیں فرمایا۔ علامہ ہیثمی۔ حدیث عتبہ کو ذکر کر کے فرماتے ہیں رواہ احمد والطبرانی واسنادہ احمد حسن (۳)

---

[1] حدیث عتبۃ بن عبد السلمی اخرجہ احمد والطبرانی وغیرہما عنہ انہ سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف کان بدء امرک فذکر القصۃ فی ارتضاعہ فی بنی سعد وفیہ ان الملکین لما شقا صدرہ قال احدہما الآخر خطہ فخاطہ وختم علیہ بخاتم النبوۃ فتح الباری ص۴۰۹ ج۶ باب خاتم النبوۃ [2] اس روایت کے سند میں ایک راوی بقیۃ بن الولید ہے جسکی وجہ سے بعض مصنفین کو اس حدیث کے شرط مسلم پر ہونے میں تردد ہے۔ عبد اللہ بن المبارک یحیی بن معین۔ ابو زرعہ عجلی ابن سعد فرماتے ہیں کہ بقیۃ ابن الولید خود فی ذاتہ ثقہ ہے اگر ثقات سے روایت کرے تو اسکی روایت معتبر ہے۔ ورنہ نہیں امام نسائی فرماتے ہیں کہ بقیۃ بن ولید اگر حدثنا اور اخبرنا سے روایت کرے تو مقبول ہے اور اگر عن کے ذریعہ روایت کرے تو وہ روایت نہیں لی جائے گی۔ تہذیب ص۴۷۴ ج۱ وص۴۷۵ ج۱ یہ خوب یاد رہے کہ یہ روایت مذکورہ تلخیص میں اگرچہ بطریق عن ہے لیکن مستدرک میں حدثنا اور اخبرنا سے مروی ہے۔ حدثنا بقیۃ بن الولید قال حدثنی بحیر بن سعید عن خالد بن معدان عن عتبۃ بن عبد السلمی اور بقیۃ نے یہ روایت ثقہ سے لی ہے کسی مجہول یا ضعیف راوی سے نہیں اسلیے کہ بحیر بن سعید جس سے بقیۃ ابن الولید نے روایت کی ہے احمد بن حنبل اور عجلی اور ابن سعد اور نسائی اور ابو حاتم اور ابن حبان نے اسکی توثیق

(دوسری روایت) ابوذر[۳] رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے جو مسند بزار اور دارمی وغیرہ میں مذکور ہے۔ علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ حدیث ابی ذر کے صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں کیونکہ حافظ ضیاء الدین مقدسی نے مختارہ میں اس حدیث کو صحیح بتلایا ہے اور علماء نے تصریح کی ہے کہ حافظ مقدسی کی تصحیح حاکم کی تصحیح سے زیادہ موثق و مستند ہے (۱) ابوذر کی یہ حدیث۔ دلائل ابی نعیم میں بھی مذکور ہے اور حافظ عسقلانی فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث مسند احمد اور دلائل بیہقی میں مذکور ہے (۲)

(تیسری روایت) انس[۳] بن مالک رضی اللہ عنہ کی ہے جو طبقات ابن سعد میں مذکور ہے جس کے تمام راوی بخاری و مسلم کے مُسلّم ثقہ اور مستند راوی ہیں (۴)

(چوتھی روایت) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جس کو علامہ سیوطی نے بحوالہ بیہقی اور ابن عساکر خصائص میں ذکر کیا ہے (۵)

(پانچویں روایت) شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس کو حافظ عسقلانی نے فتح الباری باب خاتم النبوۃ میں اور علامہ زرقانی نے شرح مواہب صفحہ ۱۵۰ ج ۱ میں بحوالہ مسند ابی یعلیٰ اور دلائل ابونعیم ذکر کیا ہے (۶)

کی ہے۔ تہذیب صفحہ ۴۲۱ ج ۱ ۔ ۳ علامہ زرقانی کے الفاظ یہ ہیں۔ قلت لاشک فی صحۃ اسنادہ فقد صححہ الضیاء وقد قال العلماء ان تصحیحہ اعلیٰ من تصحیح الحاکم زرقانی صفحہ ۱۶۱ ج ۱ ۔ ۳ وہ روایت یہ ہے اخبرنا یزید بن ہارون وعفان بن مسلم قالا انا حماد بن سلمۃ عن ثابت عن انس بن مالک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یلعب مع الصبیان فاتاہ آتٍ فاخذہ فشق بطنہ فاستخرج منہ علقۃ فرمی بہا وقال ہذا نصیب الشیطان منک ثم غسلہ فی طست من ذہب من ماء زمزم ثم لأمہ فاقبل الصبیان الی ظئرہ قتل محمد فاستقبلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد انتقع لونہ قال انس فلقد کنا نری اثر المخیط فی صدرہ۔ طبقات ابن سعد باب علامات النبوۃ قبل الاسلام صفحہ ۹۷ ج ۱ (۳) مجمع الزوائد، ج : ۸، ص : ۲۲۲

(۱) زرقانی، ج ۱، ص : ۱۶۰، ۱۶۱ (۲) ج : ۶، ص : ۴۰۹ (۴) ج : ۱، ص : ۹۷ (۵) الخصائص الکبریٰ ج : ۱، ص : ۵۵ (۶) ج : ۱، ص : ۱۵۰ ۔

(چھٹی روایت) خالد بن معدان تابعی کی ہے کہ جو طبقات ابن سعد ص۹۶ ج۱ میں مرسلاً مذکور ہے۔ مگر محمد بن اسحاق کے سلسلہ سند میں مذکور ہے کہ خالد بن معدان کلاعی کہتے ہیں کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت نے مجھ سے شق صدر کا یہ واقعہ بیان کیا الخ[1] سیرۃ ابن ہشام ص۵۶ ج۱ ص۷۵ حافظ ابن کثیر، محمد بن اسحاق کی یہ روایت نقل کرکے فرماتے ہیں ہذا اسناد جید قوی (۲)

ابن عباس اور شداد بن اوس اور خالد بن معدان کی روایتیں بعض راویوں کے ضعیف ہونے کی وجہ سے اگرچہ فرداً فرداً ضعیف ہوں لیکن اول تو تعدد طرق سے حدیث کے ضعف میں کمی آجاتی ہے۔ دوم یہ کہ جو ضعیف روایت متعدد صحابہ اور مختلف سندوں سے مروی ہو تو ایسی ضعیف حدیث بلاشبہ صحیح حدیث کی مؤید ہوسکتی ہے اور چند ضعاف کے انضمام سے حدیث صحیح کی صحت اور وثاقت میں اور اضافہ ہوجاتا ہے رہا یہ امر کہ سلسلۂ معراج میں بچپن کے شق صدر کا ذکر نہیں یا دوسری بعض روایتوں میں اس شق صدر کا ذکر نہیں سو یہ اس کے غیر معتبر ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتی عدم ذکر کو ذکر عدم کی دلیل بنانا عقلاً صحیح نہیں احادیث معراج ہی کو لے لیجئے کہ

عہ۱ ابوہریرہؓ کی اس حدیث کو حافظ عسقلانی نے فتح الباری ص۳۶۳ ج۱۳ باب ماجاء فی قولہ عزوجل وکلم اللہ موسیٰ تکلیما میں ذکر کیا ہے ۱۲ عہ۲ حضرت عائشہ کی روایت جو دلائل ابی نعیم میں مذکور ہے اس کی سند میں دو راوی متکلم فیہ ہیں ایک یزید بن بابنوس ہے۔ ابوحاتم کہتے ہیں کہ یزید بن بابنوس مجہول ہے لیکن دارقطنی فرماتے ہیں لاباس بہ اس میں کچھ حرج نہیں یعنی اچھا خاصا راوی ہے اور ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ تہذیب ص۳۱۶ ج۱۱ حافظ مزی تہذیب الکمال میں فرماتے ہیں کہ ذکرہ ابن حبان فی الثقات وروی لہ البخاری فی الادب ابوداؤد والترمذی فی الشمائل والنسائی اور تہذیب الکمال ص۲۱ ج۲ دوسرا راوی داؤد بن المحبر ہے جس کو بعض علماء نے کذاب بتلایا ہے لیکن یحییٰ بن معین فرماتے ہیں ثقہ ہے کذاب نہیں۔ ابوداؤد فرماتے ہیں ثقہ ہے لیکن شاید ضعیف کے ہے نسائی فرماتے ہیں ضعیف ہے تہذیب ص۱۹۹ ج۳

تقریباً پچاس صحابۂ کرام سے مروی ہیں لیکن ہر صحابی کی روایت میں کچھ ایسے امور کا ذکر ہے کہ جو دوسرے صحابہ کی روایت میں اس کا ذکر نہیں اسی طرح یہاں سمجھ لیجئے کہ راوی نے کسی جگہ فقط معراج کے شق صدر کو ذکر کیا اور کسی جگہ فقط طفولیت کے شق صدر کو بیان کیا اور کسی جگہ دونوں کو جمع کر دیا اور ہر شق صدر کا زمان اور مکان مختلف ہے اور ہر ایک جداگانہ واقعہ ہے فقط ایک واقعہ کا ذکر دوسرے غیر مذکورہ واقعہ کی نفی پر دلالت نہیں کرتا۔

دوسری بار شق صدر کا واقعہ آپ کو دس سال کی عمر میں پیش آیا۔ یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیح ابن حبان اور دلائل ابی نعیم وغیرہ میں مذکور ہے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو حافظ مقدسی نے مختارہ میں اور عبداللہ بن احمد نے زوائد مسند میں سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ علامہ زرقانی فرماتے ہیں زوائد مسند کے سند کے راوی کل ثقہ ہیں (۴)

رواہ عبداللہ و رجالہ ثقات وثقهم ابن حبان ... اور صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فتح الباری باب علامات النبوۃ فی الاسلام۔

تیسری بار یہ واقعہ بعثت کے وقت پیش آیا جیسا کہ مسند ابی داؤد طیالسی ص ۲۱۵ اور دلائل ابی نعیم ص ۶۹ ج ۱ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔ حافظ ابن الملقن[1] نے شرح بخاری میں اور حافظ عسقلانی نے فتح الباری باب المعراج میں باب ماجاء

بہرحال اس حدیث کی سند لاباس بہ ہے کسی طرح کم نہیں معلوم ہوتی خصوصاً جبکہ ابو داؤد طیالسی کی سند کو بھی اس کی ساتھ ملا لیا جائے تو اور قوت آجاتی ہے اسی وجہ سے حافظ ابن ملقن اور حافظ عسقلانی نے اس کو ثبت کے لفظ سے تعبیر فرمایا حافظ ابن ملقن کے یہ الفاظ ہیں وثبت شق الصدر ایضاً عند البعثۃ کما اخرجہ ابونعیم فی الدلائل اور شرح بخاری ص ۳۸۷ ج ۷ اور عسقلانی کے الفاظ بھی اسی کے قریب بلکہ یہی ہیں ۱۲۔ (۱) سیرۃ ابن ھشام، ج: ۱، ص: ۵۶ (۲) البدایۃ والنہایۃ، ج: ۲، ص: ۲۷۵ (۴) زرقانی، ج: ۱، ص: ۱۸۳

[1] حافظ ابن ملقن کی شرح بخاری کا قلمی نسخہ حیدر آباد دکن کے کتب خانہ آصفیہ میں ہے۔ (۱) مجمع الزوائد، ج: ۸، ص: ۲۵۵

فی قولہ عزوجل وکلم اللہ موسیٰ تکلیما میں بعثت کے وقت شق صدر کا ثابت ہونا تسلیم کیا ہے نیز اس واقعہ کا بوقت بعثت پیش آنا مسند بزار میں ابوذر غفاری سے مروی ہے علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ ابوذر کی یہ حدیث اس حدیث کے مغائر ہے جو ابوذر ہی سے دربارہ اسراء و معراج صحیح بخاری میں مذکور ہے۔ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور بخاری کے راوی ہیں مگر جعفر بن عبداللہ بن عثمان الکبیر جس کی ابوحاتم رازی اور ابن حبان نے توثیق کی ہے اور عقیلی نے اس میں کلام کیا ہے (۲)

چوتھی بار: یہ واقعہ معراج کے وقت پیش آیا جیسا کہ بخاری اور مسلم اور ترمذی اور نسائی وغیرہ میں ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اور اس بارے میں روایتیں متواتر اور مشہور ہیں۔

الحاصل

یہ چار مرتبہ کا شق صدر تو روایات صحیحہ اور احادیث معتبرہ سے ثابت ہے اور بعض روایات میں پانچویں مرتبہ بھی شق صدر کا ذکر آیا ہے کہ بیس سال کی عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر ہوا۔ مگر یہ روایت باجماع محدثین ثابت اور معتبر نہیں۔

شق صدر کی حقیقت

علامہ قسطلانی مواہب میں اور علامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں۔

ثم ان جمیع ماورد من شق الصدر	یہ جو کچھ مروی ہوا یعنی شق صدر اور قلب مبارک
استخراج القلب وغیر ذلک من	کا نکالنا وغیرہ وغیرہ اس قسم کے خوارق کا اسی
الامور الخارقۃ للعادۃ مما یجب	طرح تسلیم کرنا واجب اور لازم ہے جس طرح
التسلیم لہ دون التعرض لصرفہ	منقول ہوئے ان کو اپنی حقیقت سے نہ پھرا جائے
عن حقیقتہ لصلاحیۃ	اللہ کی قدرت سے کوئی شے محال نہیں امام قرطبی اور

القدرة فلا یستحیل شیٔ من ذالك هكذا قاله القرطبی فی المفهم والطیبی والتوربشتی والحافظ فی الفتح والسیوطی وغیرهم ویؤیده الحدیث الصحیح انهم كانوا یرون اثر المخیط فی صدره قال السیوطی وما وقع من بعض جهلة العصر من انكار ذلك وحمله علی الامر المعنوی فهو جهل صریح وخطاء قبیح نشاء من خذلان الله تعالیٰ لهم وعكوفهم علی العلوم الفلسفیة وبُعدُهم عن دقائق السنة عافانا الله من ذلك انتهیٰ (۱)

علامہ طیبی اور حافظ تورپشتی اور حافظ عسقلانی اور علامہ سیوطی اور دیگر اکابر علماء بھی یہی فرماتے ہیں کہ شق صدر اپنی حقیقت پر محمول ہے اور حدیث صحیح اس کی مؤید ہے وہ یہ کہ حدیث میں ہے کہ صحابۂ کرام سیون یعنی سلائی کا نشان حضور کے سینۂ مبارک پر اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔ علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ بعض جہلاء عصر کا شق صدر سے منکر ہونا اور بجائے حقیقت کے اس کو امر معنوی پر محمول کرنا (جیسا کہ اس زمانہ کے بعض سیرت نگار کہتے ہیں کہ شق صدر سے حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ شرح صدر کے معنی مراد ہیں) یہ صریح جہالت اور سخت غلطی ہے جو حق تعالیٰ کی عدم توفیق اور علوم فلسفیہ میں انہماک اور علوم سنت سے بعد اور دوری کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

خلاصۂ کلام یہ کہ شق صدر سے حقیقۃً سینہ کا چاک کرنا مراد ہے۔ شق صدر سے شرح صدر کے معنی مراد لینا جو ایک خاص قسم کا علم ہے۔ صریح غلطی ہے۔ شق صدر حضور کے خاص الخاص معجزات میں سے ہے اور شرح صدر حضور کے ساتھ مخصوص نہیں۔ ابوبکر و عمر کے زمانے سے لے کر اب تک بھی علماء صالحین کو شرح صدر ہوتا رہا ہے۔ نیز اگر شق صدر سے شرح صدر کے معنی مراد ہوں جو کہ ایک امر معنوی ہے تو پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہوگا کہ سیون کا نشان

(۱) زرقانی شرح مواہب، ج : ۶۱ص : ۲۴

جو آپ کے سینۂ مبارک پر صحابۂ کرام اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے کیا شرح صدر سے سینہ پر سلائی کے نشان نمودار ہو جاتے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

شق صدر کے اسرار

پہلی مرتبہ جو حلیمہ سعدیہ کے یہاں زمانہ قیام میں قلب چاک کر کے جو ایک سیاہ نقطہ نکالا گیا۔ وہ حقیقت میں گناہ اور معصیت کا مادہ تھا جس سے آپ کا قلب مطہر پاک کر دیا گیا اور نکالنے کے بعد قلب مبارک غالباً اس لیے دھویا گیا کہ مادۂ معصیت کا کوئی نشان اور اثر بھی باقی نہ رہے اور برف سے اس لیے دھویا کہ گناہوں کا مزاج گرم ہے جیسا کہ شیخ اکبر نے فتوحات میں لکھا ہے۔ اس لیے مادۂ معصیت کے بجھانے کے لیے برف کا استعمال کیا گیا کہ حرارت عصیاں کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے اور قرآن و حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے قال تعالیٰ اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتَامٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۔ تحقیق جو لوگ یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ حقیقت میں اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ مال حرام اگرچہ دنیا میں کتنا ہی ٹھنڈا کیوں نہ ہو لیکن عالم آخرت کے لحاظ سے اس کا مزاج آگ سے کم گرم نہیں جیسے صبر کا مزاج اس عالم میں حنظل سے زیادہ تلخ ہے مگر عالم آخرت میں عسل (شہد) سے زیادہ شیریں ہے۔ وقس علی ہذا۔ اور ایک حدیث میں الصدقۃ تطفیٔ الخطیئۃ کما یطفیٔ الماء النار یعنی صدقہ گناہ کو ایسا ہی بجھا دیتا ہے جیسا پانی آگ کو (رواہ احمد والترمذی عن معاذ بن جبل) ایک اور حدیث میں ہے

ان الغضب من الشیطان وان	غصہ شیطان کی جانب سے ہے اور شیطان
الشیطان خلق من النار و	آگ سے پیدا کیا گیا ہے (نتیجہ نکلا کہ غصہ
انما یطفا النار بالماء فاذا غضب	آگ سے پیدا ہوا ہے) اور جز ایں نیست کہ آگ

اَحَدُکُم فلیتوضّأ (رواہ ابو داؤد) — کو پانی ہی سے بجھایا جاتا ہے۔ اس لیے جب کسی کو غصہ آئے تو وضو کرلے۔

امام غزالی فرماتے ہیں کہ ٹھنڈے پانی سے وضو کرے یا غسل کرے۔ آگ میں دو وصف خاص ہیں۔ ایک حرارت اور گرمی اور دوسرے علو یعنی اُوپر کو چڑھنا اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے وصف کے لحاظ سے غضب کا یہ علاج تجویز فرمایا کہ وضو کرو اور غصہ کی آگ کو پانی سے بجھاؤ اور دوسرے وصف یعنی بڑائی کے لحاظ سے یہ علاج تجویز فرمایا۔

اذا غضبَ احدُکم وھوَ قائم فلیجلس فان ذھبَ عنہ الغضب وَ اِلّا فلیضطجع رواہ احمد والترمذی عن ابی ذرؓ — جس کو غصہ آئے وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اگر اس سے غصہ جاتا رہے تو فبہا ورنہ لیٹ جائے اس حدیث کو احمد بن حنبل اور ترمذی نے ابوذر سے روایت کیا ہے۔

غصہ کی وجہ سے انسان میں جو ایک قسم کا علو اور بڑائی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کا علاج تواضع تذلل اور تمسکن سے فرمایا کہ غصہ آتے ہی فوراً زمین پر بیٹھ جاؤ یا لیٹ جاؤ اور سمجھ لو کہ ہم اسی مشت خاک سے پیدا کیے گئے ہیں آگ بگولہ بننے کی کیا ضرورت ہے بخاری اور مسلم اور دیگر کتب صحاح میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ثنا کے بعد نماز میں دُعا مانگا کرتے تھے۔

اللّٰھم اغسل خطایایَ بماءِ الثلج والبرد — اے اللہ میری خطاؤں کو برف اور اولے کے پانی سے دھو دے

اس دعا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چیزوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

(۱) گناہوں کی نجاست کی طرف کہ ان کے دھونے کی اللہ سے درخواست کی اس لیے کہ طریقہ یہ ہے کہ نجاست اور ناپاکی ہی کو دھوتے ہیں پاک چیز کو نہیں دھوتے (۲) گناہوں کی

حرارت اور گرمی کی طرف کہ برف اور اولے کے پانی سے ان کے بجھانے کی درخواست کی اس لیے کہ اگر گناہوں میں فقط نجاست ہی ہوتی اور حرارت نہ ہوتی تو ممکن تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بجائے برف کے پانی کے گرم پانی سے ان کے دھونے کی درخواست فرماتے لیکن گناہوں میں نجاست کے ساتھ حرارت بھی ہے اس لیے تطہیر نجاست کے علاوہ تبرید اور تسکین حرارت کی بھی ضرورت ہے۔ گرم پانی سے اگرچہ تطہیر نجاست کا مقصد حاصل ہو سکتا ہے مگر تبرید اور تسکین کا مقصد علی وجہ الاتم برف اور اولے ہی کے پانی سے حاصل ہو سکتا ہے اس لیے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بجائے گرم پانی کے ٹھنڈے پانی سے گناہوں کے دھونے کی دعا فرمائی۔ اسی وجہ سے امام نسائیؒ نے اس اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط فرمایا کہ نماز کے لیے بجائے گرم پانی کے ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا افضل اور بہتر ہے اس لیے کہ وضو اور نماز سے مقصد گناہوں کی آگ کو بجھانا ہے جیسا کہ ابوذر کی حدیث سے (جو غصہ کے علاج کے بارہ میں گذر چکی) معلوم ہوتا ہے اور معجم طبرانی میں عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر نماز کے وقت ایک منادی اللہ کی طرف سے ندا دیتا ہے۔ کہ بنی آدم اٹھو اور اس آگ کو بجھاؤ جو تم نے اپنے اوپر روشن کی ہے اہل ایمان اُٹھتے ہیں اور وضو کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرماتے ہیں۔

جس طرح ان آیات اور احادیث سے گناہوں کے مزاج کا گرم ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ایسا ہی حدیث سے حب الٰہی اور محبت خداوندی کے مزاج کا سرد ہونا معلوم ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم یہ دعا مانگا کرتے تھے

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ وَاَھْلِیْ وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ	اے اللہ اپنی محبت میرے لیے سب سے زیادہ محبوب بنا دے حتیٰ کہ میرے نفس سے اور میرے اہل سے اور ٹھنڈے پانی سے۔

ماء بارد (ٹھنڈے پانی) کا مزاج تو بارد ہوتا ہے۔ لیکن اہل کا مزاج بھی بارد معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ جل شانہ نے قرآن میں اپنے خاص بندوں کی یہ دعا ذکر فرمائی ہے۔

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ - (۱)

اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیبیوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما یعنی انکو تیری اطاعت اور فرمانبرداری میں دیکھوں اور تیری معصیت میں نہ دیکھوں اس لیے کہ مومن کی آنکھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہی سے ٹھنڈی ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ آنکھیں ٹھنڈی ہی چیز سے ٹھنڈی ہوتی ہیں معلوم ہوا کہ اطاعت خداوند کا مزاج ٹھنڈا ہے اور معصیت کا مزاج گرم ہے کیونکہ معصیت کا تعلق جہنم سے ہے۔ اس لیے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ایک ہی سلسلہ میں ماء بارد اور اہل کو ملاکر دعا فرمائی کہ اے اللہ اپنی محبت گھر والوں اور ٹھنڈے پانی سے کہیں زائد ہمارے لیے محبوب بنا دے آمین

آئمہ نحو کے نزدیک اگرچہ معطوف اور معطوف علیہ میں مناسبت ضروری نہیں کیونکہ یہ شئ ان کی موضوع بحث سے خارج ہے مگر بلغاء کے نزدیک مناسبت ضروری ہے۔ پس ناممکن ہے کہ نبی اکرم سرور عالم افصح العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام فصاحت التیام مناسبت سے خالی ہو جس طرح آیات اور احادیث سے معاصی کے مزاج کا گرم ہونا اور طاعات کے مزاج کا بارد ہونا معلوم ہوتا ہے اسی طرح کچھ خیال آتا ہے کہ شاید مباحات کا مزاج معتدل ہو نہ حار اور نہ بارد واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم اور دوسری بار دس سال کی عمر میں جو دس کی عمر میں جو سینہ چاک کیا گیا وہ اس لیے کیا گیا تاکہ قلب مبارک مادہ لہو ولعب سے پاک ہو جائے۔ اس لیے کہ لہو لعب خدا سے غافل بنا دیتا ہے اور تیسری بار بعثت کے وقت جو قلب مبارک چاک کیا گیا وہ اس لیے

(۱) الفرقان ۔ آیۃ: ۷۴

کہ قلب مبارک اسرار وحی اور علوم الٰہیہ کا تحمل کر سکے۔

اور چوتھی بار معراج کے وقت اس لیے سینہ چاک کیا گیا تاکہ قلب مبارک عالم ملکوت کی سیر اور تجلیات الٰہیہ اور آیات ربانیہ کے مشاہدہ اور خداوند ذو الجلال کی مناجات اور اس کی بے چون وچگون کلام کا تحمل کر سکے غرض یہ کہ بار بار شق صدر ہوا اور ہر مرتبہ کے شق صدر میں جداگانہ حکمت ہے۔ بار بار شق صدر سے مقصود یہ تھا کہ قلب مطہر ومنور کی طہارت ونورانیت انتہا کو پہنچ جائے۔ حضرات اہل علم فتح الباری باب المعراج کی مراجعت کریں۔

شق صدر کے بعد مہر کیوں لگائی گئی

جب کسی شے کی حفاظت مقصود ہوتی ہے تو مہر لگا دیتے ہیں تاکہ جو شے اس میں رکھ دی گئی ہے وہ اس میں سے نکلنے نہ پائے۔ جواہرات بھر کر تھیلی پر مہر لگا دیتے ہیں کہ کوئی موتی نکلنے نہ پائے۔ اسی طرح آپ کے قلب مبارک کو علم وحکمت سے بھر کر دو شانوں کے درمیان مہر لگا دی گئی تاکہ اس خزینہ سے کوئی شے ضائع نہ ہونے پائے (۱)

نیز جس طرح شق صدر سے قلب کا اندرونی حصہ حظ شیطان سے پاک کر دیا گیا اسی طرح دو شانوں کے درمیان قلب کے مقابل بائیں جانب ایک مہر لگا دی گئی تاکہ قلب شیطان کے وسوسوں اور بیرونی حملوں سے محفوظ ہو جائے اس لیے کہ شیطان اسی جگہ سے وسوسے ڈالتا ہے عمر بن عبد العزیز سے منقول ہے کہ کسی شخص نے حق جل شانہ سے درخواست کی اے رب العالمین مجھ کو شیطان کے وسوسے کا راستہ دکھلا کہ وہ کس راہ سے آکر آدمی کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے تو من جانب اللہ دو شانوں کے درمیانی جگہ جو قلب کے مقابل بائیں جانب ہے وہ دکھلائی گئی کہ شیطان اس راہ سے آتا ہے اور جب بندہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو فوراً پیچھے ہٹ جاتا ہے (۲)

(۱) خواتم الحکم ص: ۱۵۲، (۲) روض الانف ج: ۱، ص: ۱۱۱

خلاصہ یہ کہ جس طرح قلب مبارک کا اندرونی حصّہ شقِ صدر کے ذریعہ مادہ شیطانی سے پاک کر دیا گیا اسی طرح پشت کی جانب مہر لگا کر باہر سے بھی شیطان کی آمد کا راستہ بند کر دیا گیا۔

مہرِ نبوّت کب لگائی گئی؟

بعض کہتے ہیں مہر نبوت ابتدائے ولادت سے تھی اور علمائے بنی اسرائیل آپ کو اسی علامت سے جانتے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ شقِ صدر کے بعد مہر لگائی گئی پہلا قول زیادہ صحیح اور راجح ہے جیسا کہ بعض روایات سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی پیدائش ہی مہرِ نبوت کے ساتھ ہوئی ہے اور عجب نہیں کہ جن روایات میں شقِ صدر کے بعد مہرِ نبوت کا لگانا مذکور ہے۔ وہ سابق مہر نبوت کی تجدید اور اعادہ ہو اس طرح سے تمام روایات میں تطبیق اور توفیق ہو جاتی ہے۔ (۱)

شق صدر کے واقعہ سے حضرت حلیمہ کو اندیشہ ہوا کہ مبادا آپ کو کوئی صدمہ نہ پہنچ جائے اس لیے آپ کو حضرت آمنہ کے پاس مکہ لے کر حاضر ہوئیں اور تمام واقعہ بیان کر دیا۔ حضرت آمنہ اس واقعہ کو سن کر بالکل ہراساں نہ ہوئیں اور ان انوار و تجلیات اور ان خیرات اور برکات کا جو زمانہ حمل اور ولادت باسعادت کے وقت ظاہر ہوتے تھے ذکر کر کے یہ فرمایا کہ میرے اس بیٹے کی شان بہت بڑی ہوگی۔ اس مولود مسعود تک شیطان کی رسائی ناممکن ہے تم مطمئن رہو اس کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتی۔ حلیمہ اپنے گھر واپس ہو گئیں اور آپ اپنی والدۂ ماجدہ کے پاس رہنے لگے۔ جب عمر شریف چھ سال کو پہنچی تو حضرت آمنہ نے مدینہ کا قصد فرمایا اور آپ کو بھی ساتھ لے گئیں۔ ام ایمن بھی آپ کے ہمراہ تھیں ایک ماہ اپنے میکہ میں قیام کیا۔ پھر آپ کو لے کر واپس ہوئیں۔ راستہ میں مقام ابواء میں حضرت آمنہ نے انتقال فرمایا اور وہیں مدفون ہوئیں۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ (۲)

(۱، ۲) زرقانی، ج: ۱، ص: ۱۶۰، ۱۶۳

عبدالمطلب کی کفالت

ام ایمن آپ کو لے کر مکہ حاضر ہوئیں اور آپ کے دادا عبدالمطلب کے سپرد کیا عبدالمطلب آپ کو ہمیشہ ساتھ رکھتے۔ عبدالمطلب جب مسجد حرام میں حاضر ہوتے تو خانہ کعبہ کے سایہ میں آپ کے لیے ایک خاص فرش بچھایا جاتا کسی کی مجال نہ تھی کہ اس پر قدم رکھ سکے حتیٰ کہ عبدالمطلب کی اولاد بھی اس فرش کے اردگرد حاشیہ اور کنارے پر بیٹھتی مگر آپ جب آتے تو بے تکلف مسند پر بیٹھ جاتے۔ آپ کے چچا آپ کو مسند سے ہٹانا چاہتے مگر عبدالمطلب کمال شفقت سے یہ فرماتے کہ میرے اس بیٹے کو چھوڑ دو خدا کی قسم اس کی شان ہی کچھ نئی ہوگی پھر بلا کر اپنے قریب بٹھلاتے اور آپ کو دیکھتے اور مسرور ہوتے۔ سیرۃ ابن ہشام[۱] وعیون الاثر مستدرک حاکم میں کندیر بن سعید اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں زمانۂ جاہلیت میں اسلام سے قبل حج کے لیے مکہ مکرمہ حاضر ہوا دیکھا کہ ایک شخص طواف میں مصروف ہے اور یہ شعر اس کی زبان پر ہے۔

رُدَّ اِلَیَّ رَاکِبِیْ مُحَمَّدًا	یَارَبِّ رُدَّہٗ وَاصْطَنِعْ عِنْدِیْ یَدًا
اے اللہ میرے سوار محمد کو واپس بھیج دے	اور مجھ پر عظیم الشان[۲] احسان فرما

میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کون ہے لوگوں نے کہا کہ یہ عبدالمطلب ہیں اپنے پوتے کو گمشدہ اونٹ کی تلاش میں بھیجا ہے۔ کیونکہ ان کو جس کام کے لیے بھیجتے ہیں اس میں ضرور کامیابی ہوتی ہے۔ آپ کو گئے ہوئے دیر ہوگئی اس لیے عبدالمطلب بے چین ہو کر یہ شعر پڑھ رہے ہیں۔ کچھ دیر نہ گزری کہ آپ بھی واپس آگئے اور اونٹ آپ کے ہمراہ تھا۔ دیکھتے ہی عبدالمطلب نے آپ کو گلے لگالیا

---

[۱] حافظ سیوطی فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ سیرہ محمد بن اسحاق اور دلائل بیہقی اور دلائل ابی نعیم میں مذکور ہے اور ابو نعیم نے ایک اور سند سے اس واقعہ کو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور ابن سعد اور ابن عساکر نے زہری اور مجاہد اور نافع بن جبیر سے روایت کیا ہے ۱۲ خصائص کبریٰ ص۸۱ ج۱

[۲] عظیم الشان یہ ترجمہ یداً کی تنوین تعظیم کا ہے

اور یہ کہا کہ بیٹا میں تمہاری وجہ سے بیحد پریشان تھا اب کبھی تم کو اپنے سے جُدا نہ ہونے دونگا۔ حاکم فرماتے ہیں کہ یہ روایت شرط مسلم پر ہے اور حافظ ذہبی نے بھی اس کو شرط مسلم پر ہونا تسلیم کیا ہے (۱)

عبد المطلب کا انتقال:

دو سال تک آپ اپنے دادا عبد المطلب کی تربیت میں رہے۔ جب عمر شریف آٹھ سال کو پہونچی تو عبد المطلب بھی اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ علیٰ اختلاف الاقوال بیاسی یا پچاسی یا پچانوے یا ایک سو دس یا ایک سو بیس سال کی عمر میں انتقال کیا اور حجون میں مدفون ہوئے۔ ابو طالب چونکہ حضرت عبد اللہ کے حقیقی اور عینی بھائی تھے۔ اس لیے عبد المطلب نے مرتے وقت آپ کو ابو طالب کے سپرد کیا اور یہ وصیت کی کہ کمال شفقت اور غایت محبت سے ان کی کفالت اور تربیت کرنا (۲)

امّ ایمن کہتی ہیں کہ جس وقت عبد المطلب کا جنازہ اُٹھا تو آپ کو دیکھا کہ آپ جنازے کے پیچھے روتے جاتے تھے (۳)

ایک مرتبہ آپ سے دریافت کیا گیا کہ آپ کو عبد المطلب کا مرنا یاد ہے۔ آپ نے فرمایا میری عمر اس وقت آٹھ سال کی تھی (۵)

ابو طالب کی کفالت:

عبد المطلب کی وفات کے بعد آپ اپنے چچا ابو طالب کی آغوش تربیت میں آگئے ابو طالب نے آپکو اپنی اولاد سے زیادہ عزیز رکھا اور اس شفقت اور محبت سے مرتے دم تک آپ

---

(۱) مستدرک، ج ۲، ص: ۶۰۳ (۲) عیون الاثر ج: ۱، ص: ۴۰، (۳) طبقات ابن سعد ج: ۱، ص: ۴۷، ۷۵ (۴) دلائل ابی نعیم ج: ۱، ص: ۵۱ ـ

کی تربیت کی کہ حق یہ ہے کہ تربیت اور کفالت کا حق پورا پورا ادا کر دیا۔ افسوس کہ ابو طالب باوجود اس والہانہ اور عاشقانہ تربیت اور کفالت کے دولت ایمان اور نعمت اسلام سے محروم رہے۔ ایک بار مکہ میں قحط پڑا لوگوں نے ابو طالب سے درخواست کی کہ آپ بارش کے لیے دُعا کیجیے۔ ابو طالب ایک مجمع کے ساتھ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو لے کر حرم میں حاضر ہوئے اور آپ کی پشت کو خانہ کعبہ سے لگا دیا۔ آپ نے بطور تضرع اور التجا انگشتِ شہادت سے آسمان کی طرف اشارہ فرمایا بادل کا کہیں نام و نشان نہ تھا اشارہ کرتے ہی ہر طرف سے بادل امنڈ آئے اور اس قدر بارش ہوئی کہ تمام ندی نالے بہنے لگے اسی بارہ میں ابو طالب نے کہا ہے۔

وَ اَبْیَضُ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْہِہٖ ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَۃٌ لِلْاَرَامِلِ

ایسے روشن اور منور کہ ان کے چہرے کی برکت سے خدا سے بارش مانگی جاتی ہے جو یتیموں کی پناہ اور بیواؤں کا ماوٰی اور ملجا ہے (۱)

شام کا پہلا سفر اور قصۂ بحیرا راہب

آپ کا سن بارہ سال کو پہنچ چکا تھا کہ ابو طالب نے قریش کے قافلہ تجارت کے ساتھ شام کا ارادہ کیا مصائب سفر کے خیال سے ابو طالب کا ارادہ آپ کو ہمراہ لے جانے کا نہ تھا عین روانگی کے وقت آپ کے چہرے پر حزن و ملال کے آثار دیکھے اس لیے آپ کو اپنے ہمراہ لے لیا۔ سیرۃ ابن ہشام ص ۱۱۶ ج ۱ و عیون الاثر ص ۴۲ ج ۱ اور روانہ ہوئے جب شہر بصریٰ کے قریب پہنچے تو وہاں ایک نصرانی راہب رہتا تھا جس کا نام جرجیس تھا اور بحیرا راہب کے

---

(۱) زرقانی: ج ۱ ص ۱۹۰ (عـــہ بحیرا با کا فتحہ اور حا کا کسرہ اور یائے ساکنہ اور اخیر میں رائے مقصورہ اور بعض نے را کو ممدودہ پڑھا ہے۔ دیکھو زرقانی ص ۱۹۵ ج ۱ (فائدہ) اہل تحقیق کے نزدیک بحیرا موحد تھا مشرک اور بت پرست نہ تھا اور بعض روایات میں جو بحیرا کی طرف سے لات و عزی کی قسم دلانا آیا ہے سو وہ امتحاناً ہے۔

نام سے مشہور تھا اور نبی آخر الزماں کی جو علامتیں آسمانی کتابوں میں مذکور تھیں ان سے بخوبی واقف اور باخبر تھا چنانچہ مکہ کا یہ قافلہ جب بحیرا راہب کے صومعہ کے پاس جاکر اترا تو اس نے حضور پُر نور کی صورت دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ وہی نبی ہیں کہ جن کی کتب سابقہ میں خبر دی گئی ہے اور آپ کا ہاتھ پکڑ لیا دیکھو زرقانی صفحہ ۱۹۴ جلد ۱ جامع ترمذی میں[1] ابوموسیٰ اشعری سے مروی ہے کہ ایک بار ابوطالب مشائخ قریش کے ساتھ شام کی طرف گئے شام میں جس جگہ جاکر اترے وہاں ایک راہب رہتا تھا۔ اس سے پہلے بھی بارہا اس راہب پر گذر ہوتا تھا مگر وہ کبھی ملتفت نہ ہوتا تھا اس مرتبہ قریش کا کاروان تجارت جب وہاں جاکر اترا تو راہب خلاف معمول اپنی صومعہ سے نکل کر ان میں آیا اور متجسانہ نظر دل سے ایک ایک کو دیکھنے لگا۔ یہاں تک کہ حضور کا ہاتھ پکڑ لیا اور یہ کہا۔

هٰذا سيّدُ العالمين هٰذا رسولُ	یہی ہے سردار جہانوں کا یہی ہے رسول پروردگارِ
ربّ العالمين يبعثهُ اللهُ	عالم کا جس کو اللہ جہانوں کے لیے رحمت
رحمةً للعٰلمين	بنا کر بھیجے گا۔

سرداران قریش نے اس راہب سے کہا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا۔ راہب نے کہا جس وقت آپ سب گھاٹی سے نکلے تو کوئی شجر اور حجر ایسا باقی نہ رہا جس نے سجدہ نہ کیا ہو اور شجر اور حجر نبی ہی کے لیے سجدہ کر سکتے ہیں اور علاوہ ازیں میں آپ کو مہر نبوت سے بھی پہچانتا ہوں جو سیب کے مشابہ آپ کے شانہ کے نیچے واقع ہے۔ راہب یہ کہہ کر واپس ہو گیا اور فقط ایک آپ کی وجہ سے تمام قافلہ کے لیے کھانا تیار کرایا۔ کھانے کے لیے سب حاضر ہوئے تو آپ موجود نہ تھے۔ راہب نے دریافت کیا کہ آپ کہاں ہیں معلوم ہوا کہ اونٹ چرانے گئے ہوئے ہیں۔ آدمی بھیج کر آپ کو بلایا۔ جس وقت آپ تشریف لائے تو ایک ابر آپ پر سایہ کیے ہوئے تھا جب آپ اپنی قوم کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ لوگ آپ سے پہلے درخت کے سایہ میں جگہ لے چکے ہیں۔ اب کوئی جگہ سایہ کی باقی نہ رہی آپ ایک

---

[1] نبوت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۳۶ ج ۲

جانب کو بیٹھ گئے۔ بیٹھتے ہی درخت کا سایہ آپ کی طرف جھک گیا۔ راہب نے کہا کہ درخت کے سایہ کو دیکھو کہ کس طرح آپ کی طرف مائل ہے اور کھڑے ہو کر لوگوں کو قسمیں دینے لگا اور یہ کہا کہ آپ لوگ ان کو روم کی طرف نہ لے جائیں۔ رومی اگر ان کو دیکھ لیں گے تو آپ کی صفات اور علامات سے آپ کو پہچان کر قتل کر ڈالیں گے اثنائے کلام میں اچانک اور یکایک جو راہب کی نظر پڑی تو دیکھا کہ روم کے سات آدمی کسی تلاش میں اسی طرف آرہے ہیں۔ راہب نے پوچھا تم کس لیے نکلے ہو۔ رومیوں نے کہا کہ ہم اس نبی کی تلاش میں نکلے ہیں (جس کی توریت اور انجیل میں بشارت مذکور ہے کہ وہ اس مہینہ میں سفر کے لیے نکلنے والا ہے۔ ہر طرف ہم نے اپنے آدمی بھیجے ہیں۔ راہب نے کہا اچھا یہ تو بتاؤ کہ جس شے کا خداوند ذوالجلال نے ارادہ فرما لیا ہو کیا اس کو کوئی روک سکتا ہے۔ رومیوں نے کہا نہیں۔ اس کے بعد رومیوں نے بحیرا راہب سے عہد کیا کہ ہم اب اس نبی کے درپے نہ ہوں گے اور یہ سات رومی وہیں بحیرا راہب کے پاس رہ پڑے کیونکہ جس مقصد کے لیے نکلے تھے وہ خیال ہی بدل گیا۔ اس لیے اب واپسی کو خلاف مصلحت سمجھ کر بحیرا راہب کے پاس ٹھیر گئے۔ راہب نے پھر قریش کے قافلہ کو قسم دے کر یہ دریافت کیا کہ تم میں سے اس کا ولی کون ہے لوگوں نے ابوطالب کی طرف اشارہ کیا۔ راہب نے ابوطالب سے کہا کہ آپ ان کو ضرور واپس بھیج دیں ابوطالب نے آپ کو ابوبکر اور بلال کے ہمراہ مکہ واپس بھیج دیا۔ راہب نے ناشتہ کے لیے روٹی اور زیتون کا تیل ساتھ کر دیا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔ حاکم فرماتے ہیں کہ یہ روایت بخاری اور مسلم کی شرط پر ہے۔ بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ بحیرا نے اُٹھ کر آپ کی پشت مبارک کو دیکھا تو دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت دیکھی اور مہر نبوت کو اس صفت پر پایا جو اس کے علم میں تھی۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ یہ قصہ اہل مغازی کے نزدیک مشہور ہے شیخ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ قصہ کے متعدد شواہد میں جو اس کی صحت کا حکم کرتے

ہیں اور میں عنقریب اُن شواہد کو بیان کروں گا (۱)

حافظ عسقلانی اصابہ میں فرماتے ہیں کہ اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں اور صحیح بخاری کے راوی ہیں۔ عبدالرحمٰن بن غزوان رواۃ بخاری میں سے ہے۔ ائمہ حدیث اور حفاظ کی ایک جماعت نے عبدالرحمٰن کو ثقہ بتایا ہے۔ حافظ سخاوی فرماتے ہیں میں نے کہیں نہیں دیکھا کہ کسی نے عبدالرحمٰن پر جرح کی ہو۔ اس روایت میں صرف ابوبکر اور بلال کو ساتھ بھیجنے کا ذکر بعض رواۃ کی غلطی سے درج ہو گیا ہے لہٰذا یہ کہا جائے گا کہ صرف ابوبکر اور بلال کو ساتھ بھیجنے کا ذکر اس روایت میں مدرج ہے۔ اھ اور ایک کلمہ کے مدرج ہو جانے کی وجہ سے تمام حدیث کو ضعیف نہیں کہا جا سکتا۔ اس لیے حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں (۲) اور یہ حدیث مسند بزار میں بھی مذکور ہے مگر اس میں حضرت بلال کا ذکر نہیں بلکہ بجائے "وارسل معہ بلالاً" کے رجلاً کا لفظ مذکور ہے (۳)۔ امام جزری فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے اس کے تمام راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں فقط ابوبکر اور بلال کا ذکر اس روایت میں راوی کا وہم ہے (۴) حافظ عسقلانی فتح الباری کتاب التفسیر میں فرماتے ہیں کہ ترمذی کی حدیث کی سند قوی ہے۔ بظاہر منشا وہم ایک دوسری روایت معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس سال کی عمر میں شام کا ایک سفر فرمایا۔ اس سفر میں ابوبکر بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ ابوبکر کی عمر اس وقت اٹھارہ سال کی تھی اس سفر میں بھی بحیرا راہب سے ملاقات ہوئی۔ اس روایت کو حافظ ابن مندۂ اصبہانی نے ذکر کیا ہے سند اس کی ضعیف ہے۔ حافظ عسقلانی اصابہ میں فرماتے ہیں کہ اگر یہ روایت صحیح ہے تو آپ کا یہ سفر شام کے اس سفر کے علاوہ ہے

---

(۱) الخصائص الکبریٰ ج ۱، ص: ۸۴ (۲) عیون الاثر ج: ۱، ص: ۴۳۔

(۳) زاد المعاد ج: ۱، ص: ۱۷ (۴) مرقاۃ ج: ۵، ص: ۴۷۲۔

جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ راوی کو اسی روایت سے اشتباہ ہوا اور دونوں قصوں کے متقارب ہونے کی وجہ سے قصہ میں غلطی سے ابوبکر کا ذکر کر دیا گیا واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (۱)
علامہ شبلی اس روایت کی تنقید کرتے ہوئے سیرۃ النبی ص۱۳۱ ج۱ پر لکھتے ہیں کہ یہ روایت ناقابل اعتبار ہے۔ اخیر راوی، ابو موسیٰ اشعری ہیں وہ شریک واقعہ نہ تھے۔ انتھی کلامہ۔ جاننا چاہیے کہ اگر صحابی ایسے واقعہ کی روایت کرے کہ جس میں وہ شریک نہ ہوا ہو تو وہ حدیث محدثین کی اصطلاح میں صحابی کی مرسل کہلاتی ہے جو باتفاق محدثین مقبول اور معتبر ہے۔ ورنہ عائشہ صدیقہ اور دیگر اصاغر صحابہ کی وہ روایتیں جن میں وہ شریک واقعہ نہ تھے سب کو غیر معتبر اور ساقط الاعتبار کہنا پڑے گا۔ حدیث کے صحیح ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ صحابی تک جس قدر راوی ہیں وہ سب ثقہ ہوں صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت جو کچھ بھی روایت کرے گا وہ یقیناً بالواسطہ یا بلاواسطہ آنحضرت ہی سے ماخوذ ہوگا حافظ سیوطی تدریب الراوی ص۷۱ میں لکھتے ہیں کہ صحیحین میں اس قسم کی روایتیں بے شمار ہیں۔ اھ
اور تعجب یہ ہے کہ واقعۂ بعثت کے بیان میں خود علامہ نے اس اصول کو تسلیم کیا ہے چنانچہ علامہ سیرۃ النبی ص۱۴۸ ج۱ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ یہ روایت حضرت عائشہ سے مروی ہے لیکن حضرت عائشہ اس وقت تک پیدا نہیں ہوئی تھیں۔ محدثین کی اصطلاح میں ایسی روایت کو مرسل کہتے ہیں لیکن صحابہ کا مرسل محدثین کے نزدیک قابل حجت ہے کیونکہ متروک راوی بھی صحابہ ہی ہوں گے۔ انتھیٰ کلامہ لیکن نہ معلوم علامہ کو اس اصول سے یہاں کیوں ذہول ہوا۔ اس مقام پر علامہ صلیب پرستوں کے اعتراض سے اس درجہ مرعوب ہوئے کہ جوش تحقیق اور جذبۂ تنقید میں حافظ ابن حجر کو بھی رواۃ پرست کہہ گئے یعنی عیاذاً باللہ حافظ ابن حجر بھی صلیب پرستوں کی طرح رواۃ پرستی کے شرک میں مبتلا ہیں اگرچہ وہ کفرٌ دون کفرٍ ظلمٌ دون ظلمٍ کا مصداق ہو لیکن مطلق شرک میں اشتراک ہے اہل علم کے لیے یہ تو جائز ہے کہ کسی محدث کے قول کو ترجیح دیں لیکن کسی محدث کی شان میں تنقیص آمیز

(۱) الاصابۃ، ج: ۱، ص: ۱۷۷

الفاظ کا استعمال جائز نہیں ادب حق جل شانہ کی عظیم نعمت ہے ۱۲

حافظ عراقی الفیۃ السیر میں فرماتے ہیں۔

وکان یُدعیٰ با لامین ورحل	مع عمہ بالشام حتی اذ وصل
بُصری رای منہ بحیرا الراھب	مادل انہ النبی العاقب
محمد نبی ھذہ الاُمَّۃُ	فَرَدہ تخوفا من ثَمَّۃُ
من ان یری بعض الیھود امرہ	وعمرہ اذ ذالک ثنتا عشرہ

حربُ الفجار

عرب میں عرصہ سے لڑائیوں کا سلسلہ جاری تھا. واقعہ فیل کے بعد جو مشہور معرکہ پیش آیا وہ معرکہ حرب الفجار کے نام سے مشہور ہے یہ معرکہ قریش اور قبیلہ قیس کے درمیان پیش آیا۔ اول قیس قریش پر غالب آئے۔بعد میں قریش قیس پر غالب آئے بالآخر صلح پر جنگ کا خاتمہ ہوا بعض دنوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس لڑائی میں اپنے بعض چچاؤں کے اصرار سے شریک ہوئے مگر قتال نہیں فرمایا۔

علامہ سہیلی فرماتے ہیں۔

وانما لم یقاتل رسول اللہ صلے اللہ	اس معرکہ میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اپنے چچاؤں
علیہ وسلم مع اعمامہ وکان ینبل	کے ساتھ ہو کر اس لیے جنگ نہیں کی حالانکہ آپ
علیھم وقد کان بلغ سن القتال	لڑائی کی عمر کو پہونچ چکے تھے۔ اپنے چچاؤں کو صرف
لانھا کانت حرب فجار وکانوا ایضا	تیر اٹھا اٹھا کر دیا کرتے تھے جنگ اسلیے نہیں کی
کلھم کفارا ولم یاذن اللہ لمؤمن	کہ یہ جنگ حرب فجار تھی یعنی ان مہینوں میں پیش
اَن یقاتل الا لتکون کلمۃ اللہ	آئی تھی جن میں جنگ کرنا فسق اور فجور تھا جائز اور

هِيَ الْعُلْيَا (۱) حرام تھی اسی وجہ سے اس لڑائی کو حربِ فجار کہتے ہیں علاوہ ازیں سب کے سب کا فر تھے مومن کو قتل و قتال اور جنگ و جدال کا حکم فقط اسلیے دیا گیا کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور اسی کا بول بالا ہو۔ (۱)

ابن ہشام فرماتے ہیں کہ اس وقت آپ کی عمر چودہ یا پندرہ سال کی تھی اور محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ اس وقت آپ کی عمر شریف بیس سال کی تھی (سیرۃ ابن ہشام)

حلف الفضول میں آپ کی شرکت

لڑائی کا سلسلہ تو عرب میں مدت سے جاری تھا مگر کہاں تک حرب فجار کے بعد بعض طبیعتوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جس طرح زمانہ سابق میں قتل اور غارت گری کے انسداد کے لیے فضل بن فضالہ اور فضل بن وداعہ اور فضیل بن حارث نے ایک معاہدہ مرتب کیا تھا جو انھیں کے نام پر حلف الفضول کے نام سے مشہور ہوا۔ اسی طرح اب دوبارہ اس کی تجدید کی جائے۔ زبیر بن عبد المطلب نے اپنے بعض اشعار میں اس معاہدہ کا ذکر کیا ہے۔

إِنَّ الْفُضُولَ تَحَالَفُوا وَتَعَاقَدُوا ... أَلَّا يُقِيمَ بِبَطْنِ مَكَّةَ ظَالِمُ

فضل بن وداعہ اور فضل بن فضالہ اور فضیل بن حارث نے سب نے اس امر پر عہد اور حلف لیا کہ مکہ میں کوئی ظالم نہ رہ سکے گا۔

أَمْرٌ عَلَيْهِ تَعَاهَدُوا وَتَوَاثَقُوا ... فَالْجَارُ وَالْمُعْتَرُّ فِيهِمْ سَالِمُ

اس پر سب نے پختہ عہد کیا پس مکہ میں پڑوسی اور آنے والا سب مامون و محفوظ ہیں (سیرۃ ابن ہشام و روض الانف ج ۱ ص ۹۱)

جب شوال میں حرب فجار کا سلسلہ ختم ہوا تو ذیقعدۃ الحرام میں حلف الفضول کی سلسلہ جنبانی شروع ہوئی اور سب سے پہلے زبیر بن عبد المطلب اس معاہدہ اور حلف کے محرک ہوئے اور بنو ہاشم اور بنی تیم عبد اللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہوئے عبد اللہ بن جدعان نے سب کے لیے کھانا تیار کرایا۔ اس وقت سب نے مظلوم کی حمایت و نصرت کا عہد کیا کہ مظلوم خواہ اپنا ہو یا پرایا دیسی یا پردیسی حتی الوسع اس کی اعانت اور امداد دینے سے دریغ نہ کریں گے (۲)

---

(۱) روض الانف، ج: ۱، ص: ۱۲۰ (۲) طبقات ابن سعد ج: ۱، ص: ۸۲

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس معاہدہ کے وقت میں بھی عبداللہ بن جدعان کے گھر میں حاضر تھا اس معاہدہ کے مقابلہ میں اگر مجھ کو سرخ اونٹ بھی دیئے جاتے تو ہرگز پسند نہ کرتا اور اگر اب زمانۂ اسلام میں بھی اس قسم کے معاہدے کی طرف بلایا جاؤں تو بھی اس کی شرکت کو ضرور قبول کر دوں گا۔

یہ عبداللہ بن جدعان رشتہ میں حضرت عائشہؓ کے چچازاد بھائی تھے ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ۔ ابن جدعان نہایت مہمان نواز تھا لوگوں کو کھانا کھلایا کرتا تھا کیا قیامت کے دن یہ ابن جدعان کو کچھ نفع دے گا۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ اس لیے کہ اس نے یہ نہیں کہا۔

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ خَطِیْئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ — اے پروردگار میری خطاؤں کو یوم جزاء میں معاف فرما

(رواہ مسلم) یعنی اس نے کبھی بارگاہ خداوندی میں اپنے گناہوں کی بخشش کی استدعا اور درخواست نہیں کی۔ ابن قتیبہ غریب الحدیث میں ناقل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں کبھی چلتے چلتے موسم گرما میں عبداللہ بن جدعان کے لگن کے سایہ میں کھڑا ہو جایا کرتا تھا۔ روض الانف صفحہ ۹۱ ج ۱

یعنی عبداللہ بن جدعان کا لگن اس قدر بڑا تھا کہ اس کے سایہ میں ایک انسان کھڑا ہو سکتا ہے۔ گویا کہ وجفان[1] کالجواب کا ایک نمونہ تھا۔

شغلِ تجارت اور امین کا خطاب

داؤد بن الحصین[2] سے مروی ہے کہ لوگوں کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شان سے جوان ہوئے کہ آپ اپنی قوم میں سب سے زیادہ بامروت اور سب سے زیادہ خلیق اور سب سے زیادہ ہمسایوں کے خبرگیراں اور سب سے زیادہ حلیم اور بردبار اور سب سے زیادہ سچے اور امانت دار اور سب سے زیادہ خصومت اور دشنام اور فحش اور ہر بری بات سے زیادہ دور تھے اسی وجہ سے

---

[1] یعنی جیسے جنات سلیمان علیہ السلام کے حکم سے حوضوں کی برابر پیالے بناتے تھے جیسا کہ سورہ سبا میں مذکور ہے ۱۲-۱۲

[2] یحیی بن معین اور نسائی نے داؤد بن الحصین کو ثقہ بتایا ہے ۱۳۵ھ میں وفات پائی۔ بخاری نے بھی اس سے روایت لی ہے ۱۲ خلاصہ صفحہ ۱۰۱

آپ کی قوم نے آپ کا نام امین رکھا (اخرجہ ابن سعد وابن عساکر خصائص کبری ص۹۱ ج ۱

عبداللہ ابن ابی الحمساء سے مروی ہے کہ میں نے بعثت سے پہلے ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک معاملہ کیا میرے ذمہ کچھ دینا باقی تھا۔ میں نے آپ سے عرض کیا کہ میں ابھی لے کر آتا ہوں اتفاق سے گھر جانے کے بعد اپنا وعدہ بھول گیا تین روز کے بعد یاد آیا کہ میں آپ سے واپسی کا وعدہ کر کے آیا تھا۔ یاد آتے ہی فوراً وعدہ گاہ پر پہنچا آپ کو اسی مقام پر منتظر پایا۔ آپ نے صرف اتنا فرمایا کہ تم نے مجھ کو زحمت دی۔ میں تین روز سے اسی جگہ تمہارا انتظار کر رہا ہوں (سنن ابوداود) باب العدۃ من کتاب الادب)

عبداللہ[علہ] بن سائب فرماتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شریک تجارت تھا جب مدینہ منورہ حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ مجھ کو پہچانتے بھی ہو میں نے عرض کیا کیوں نہیں کنت شریکی نعم الشریک تو آپ میرے شریک تجارت تھے اور کیا ہی اچھے شریک لاتداری ولا تماری نہ کسی بات کو ٹالتے تھے اور نہ کسی بات میں جھگڑتے تھے۔

قیس[علہ] بن سائب مخزومی فرماتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے شریک تجارت تھے۔ وکان خیر شریک لا یماری و لا یشاری[علہ] آپ بہترین شریک تجارت تھے نہ جھگڑتے تھے اور نہ کسی قسم کا مناقشہ کرتے تھے (اصابہ ترجمہ قیس بن سائب)

علہ عبداللہ بن سائب مکہ میں رہا کرتے تھے مکہ ہی میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں انتقال فرمایا عبداللہ بن عباس نے نماز جنازہ پڑھائی ۱۲- اصابہ (۲) مجاہد انہی صحابی کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ مجاہد سے مروی ہے کہ جب قیس بن سائب کی عمر ۱۲۰ برس کی ہوئی اور روزہ رکھنے کی طاقت نہ رہی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین۔ چنانچہ رمضان کا مہینہ آیا تو قیس بن سائب فرماتے کہ میری طرف سے روزانہ ایک مسکین کو ایک صاع غلہ دیا کرو۔ ابوحاتم فرماتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ قیس بن سائب عبداللہ بن سائب کے بھائی ہیں۔ مجاہد راوی ہیں کہ قیس بن سائب فرمایا کرتے تھے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیصلی الفجر اذا یغشی السماء النور والظہر اذا زالت الشمس الحدیث یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز اس وقت پڑھا کرتے تھے کہ جب آسمان پر روشنی پھیل جاتی اور ظہر نماز آفتاب ڈھلنے کے بعد پڑھتے (اصابہ ج۳ علہ قولہ لا یشاری لا یلاج وقیل لا یاتی بالشر وقیل لا یشارہ لا یطلب احدی الراءین کذا فی الدر النثیر

آپ کا بکریاں چرانا

جس طرح آپ نے حضرت حلیمہ کے یہاں بچپن میں اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرائیں اسی طرح جوان ہونے کے بعد بھی بکریاں چرائیں۔ جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ مقام الظہران میں ہم نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ تھے کہ وہاں پیلو کے پھل چننے لگے آپ نے فرمایا کہ سیاہ دیکھ کر چنو وہ زیادہ خوش ذائقہ اور لذیذ ہوتے ہیں ہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ کیا آپ بکریاں چرایا کرتے تھے کہ جس سے آپ کو یہ معلوم ہوا! آپ نے فرمایا ہاں کوئی ایسا نبی نہیں ہوا جس نے بکریاں چرائی ہوں۔[1]

ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ایسا نبی نہیں ہوا کہ جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ نے بھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں میں بھی اہل مکہ کی بکریاں چند قیراط پر چرایا کرتا تھا۔ بخاری شریف کتاب الاجارہ ص ۳۰۱ ج ۱ حافظ تورپشتی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح مصابیح میں فرماتے کہ بعض متکلفین نے یہ سمجھ کر کہ بکریاں چرا کر اُجرت لینا شان نبوت کے شایاں نہیں یہ کہہ دیا کہ اس حدیث میں جو لفظ قراریط واقع ہے قیراط کی جمع نہیں بلکہ ایک مقام کا نام ہے جہاں آپ بکریاں چرایا کرتے یہ قول ان متکلفین کا سراسر تکلف اور تعمق ہے امور تبلیغیہ اور امور دینیہ جو اللہ کے لیے جاتے ہیں ان پر نبی کا اُجرت اور مالی معاوضہ لینا یہ بے شک منصب نبوت کے شایان شان نہیں لیکن کسب معاش کیلئے اجرت اور معاوضہ پر کام کرنا یہ ہرگز شان نبوت کیخلاف نہیں بلکہ کسب و اکتساب انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت اور عمل ہے اور توکل انکا حال ہے نیز یہ فعل نبوت اور بعثت سے پیشتر تھا۔ علاوہ ازیں قراریط کو ایک مقام کا نام بتلانا بالکل غریب اور شاذ قول ہے اس قائل سے پہلے کوئی اس کا قائل ہی نہیں ہوا کہ قراریط کسی مقام کا نام ہے"۔

حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ راجح یہی ہے کہ قراریط قیراط کی جمع ہے مقام کا نام نہیں۔

---

(۱) بخاری کتاب الاطعمہ

اہل مکہ قراریط کے نام کسی مقام سے واقف ہی نہیں. نسائی نے نصر بن حزن سے روایت کیا ہے کہ ایک بار اونٹ والے اور بکریوں والے آپس فخر کرنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ موسیٰ نبی بنا کر بھیجے گئے اور بکریوں کے چرانے والے تھے اور داؤد نبی بنا کر بھیجے اور وہ بھی بکریاں چرانے والے تھے اور میں نبی بنا کر بھیجا گیا اور میں بھی اپنے گھر والوں کی بکریاں مقام اَجیادُ میں چرایا کرتا تھا۔ (۱)

نکتہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا بکریاں چرانا اُمت کی گلہ بانی کا دیباچہ اور پیش خیمہ تھا اونٹ اور گائے کا چرانا اتنا دشوار نہیں جتنا کہ بکریوں کا چرانا دشوار ہے بکریاں کبھی اس چراگاہ میں جاتی ہیں اور کبھی دوسری چراگاہ میں اس لحظہ میں اگر اس جانب ہیں تو دوسرے لحظہ میں دوسری جانب دوڑتی نظر آتی ہیں۔ گلہ کی کچھ بکریاں اس طرف دوڑتی ہیں اور کچھ دوسری طرف اور راعی ہے کہ ہر طرف دیکھتا ہے کہ کوئی بھیڑیا یا درندہ تو ان کی فکر میں نہیں. چاہتا ہے کہ سب بھیڑیں اور بکریاں یکجا مجتمع رہیں مبادہ ایسا نہ ہو کہ کوئی بکری گلہ سے علیحدہ رہ جائے اور بھیڑیا اسکو پکڑ لے جائے صبح سے شام تک راعی اسی فکر میں ان کے پیچھے پیچھے سرگرداں اور پریشان رہتا ہے یہی حال حضرات انبیاء اللہ علیہم الف الف صلوات اللہ کا امت کے ساتھ ہوتا ہے کہ ان کی صلاح وفلاح کی فکر میں لیل و نہار سرگرداں رہتے ہیں۔ امت کے افراد تو بھیڑوں اور بکریوں کی طرح اِدھر اُدھر بھاگتے پھرتے ہیں اور انبیاء اللہ علیہم الف الف الصلوٰۃ اللہ کمال شفقت و رافت سے اُن کو للکار کر اپنی طرف بلاتے رہتے ہیں اور امت کی اس بے اعتنائی سے ان حضرات کو جو تکلیف اور مشقت پہنچتی ہے اس پر صبر اور تحمل فرماتے ہیں اور بایں ہمہ پھر کسی وقت دعوت اور تبلیغ اور ارشاد و تعلیم سے اکتاتے اور گھبراتے نہیں اور جس طرح بھیڑیں۔ بھیڑیوں اور درندوں کے خونخوار حملوں سے بے خبر ہوتی ہیں۔ اسی طرح امت نفس اور شیطان کے مہلکانہ حملوں سے بے خبر ہوتی ہے اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہر وقت

---

(۱) فتح الباری، ج: ۴، ص: ۳۶۴

اس تاک میں رہتے ہیں کہ کہیں نفس اور شیطان ان کو اچک نہ لے جائیں جس درجہ نبی کو امت کی صلاح اور فلاح کی فکر ہوتی ۔ امت کو اس کا عشرِ عشیر بھی فکر نہیں ہوتا امت کو تو اپنی ہلاکت اور بربادی کا خیال بھی نہیں ہوتا اور حضرات انبیاء ہیں کہ ان کی اس زبوں حالت کو دیکھ کر اندر ہی اندر گھلتے رہتے ہیں ۔

قال تعالیٰ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ (۱)	شاید آپ اُن کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے اپنی جان دے دیں ۔

اور اسی وجہ سے ارشاد ہے ۔

اَلنَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ (۲)	نبی ۔ مومنین کے حق میں ان کی جان سے زیادہ قریب ہے

اور ایک قرات میں ہے وھو ابٌ لھم یعنی وہ نبی ان کا روحانی باپ ہوتا ہے ۔

اے اللہ تو اپنی بے شمار رحمتیں اور غیر محدود برکتیں تمام حضرات انبیاء پر عموماً اور خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوت اللہ وسلامہ علیہم اجمعین پر خصوصاً نازل فرما کہ جن کے کلماتِ قدسیہ نے ہم نابکاروں کو تیرا صحیح راستہ بتلایا۔ آمین یا رب العالمین۔

شام کا دوسرا سفر اور نسطورا راہب سے ملاقات

حضرت خدیجہ عرب کے شریف خاندان کی بڑی مالدار عورت تھیں ۔ ان کی شرافت نسبی اور عفت و پاک دامنی کی وجہ سے جاہلیت اور اسلام میں لوگ ان کو طاہرہ کے نام سے پکارتے تھے (۳) زرقانی و فتح الباری بات تزویج النبی صلی اللہ علیہ وسلم خدیجۃ و فضلھا من باب المناقب ۔ قریش جب اپنا قافلہ تجارت کے لیے روانہ کرتے تو حضرت خدیجہ بھی اپنا مال کسی کو بطور مضاربت دیکر روانہ کرتیں ۔ ایک حضرت خدیجہ کا سامان قریش کے کل سامان کے برابر ہوتا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف پچیس سال کی ہوئی اور گھر گھر میں آپ کی امانت و دیانت کا چرچا ہوا اور کوئی شخص مکہ میں ایسا نہ رہا

(۱) الشعراء، آیۃ : ۳ (۲) احزاب، آیۃ : ۶ (۳) فتح الباری ۷: ۱۰۰ ، زرقانی ج ۱ ص : ۱۹۹

کہ آپ کو امین کے لقب سے نہ پکارتا ہو تو حضرت خدیجہ نے آپ کے پاس پیام بھیجا کہ اگر آپ میرا مال تجارت کے لیے لے کر شام جائیں تو آپ کو بہ نسبت دوسروں کے المضاعف معاوضہ دوں گی آپؐ نے اپنے چچا ابوطالب کی مالی مشکلات کی وجہ سے اس پیغام کو قبول فرمایا اور حضرت خدیجہؓ کے غلام میسرہ کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے جب بصریٰ پہنچے تو ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھے وہاں ایک راہب رہتا تھا جس کا نام نسطورا تھا۔ وہ دیکھ کر آپ کی طرف آیا اور آپ کو دیکھ کر یہ کہا کہ عیسیٰ بن مریم[1] کے بعد سے لے کر اب تک یہاں آپ کے سوا اور کوئی نبی نہیں اترا پھر میسرہ سے کہا کہ ان کی آنکھوں میں یہ سرخی ہے۔ میسرہ نے کہا یہ سرخی آپؐ سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔ راہب بولا

هو هو وهو نبي وهو اخر الانبياء ۔ یہ وہی نبی ہے اور یہ آخری نبی ہے۔

پھر آپ خرید و فروخت میں مشغول ہوئے اسی اثنا میں ایک شخص آپؐ سے جھگڑنے لگا اور اس نے آپؐ سے یہ کہا کہ لات و عزیٰ کی قسم کھائیے آپؐ نے فرمایا کہ میں نے کبھی لات عزیٰ کی قسم نہیں کھائی اور اتفاقاً جب کبھی میرا لات اور عزیٰ پر گذر بھی ہوتا ہے تو میں اعراض اور کنارہ کشی کے ساتھ میں وہاں سے گذر جاتا ہوں یہ سن کر اس شخص نے کہا کہ بے شک بات تو آپ ہی کی ہے یعنی صادق اور سچے ہیں اور پھر اس شخص نے کہا کہ واللہ یہ شخص ہے جس کی شان اور صفت کو ہمارے علماء اپنی کتابوں میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

میسرہ کا بیان ہے کہ جب دوپہر ہوتا اور گرمی کی شدت ہوتی تو میں دو فرشتوں کو

---

[1] ابن سعد کی روایت میں بعد عیسیٰ کا لفظ نہیں ہے یہ لفظ علامہ زرقانی نے نقل کیا ہے اس کلام کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ جو ہم نے ذکر کیے کہ حضرت مسیح کے بعد آپ کے سوا اس درخت کے نیچے کوئی نبی نہیں اترا۔ یہ مطلب علامہ سہیلی نے روض الانف میں ذکر کیا ہے اور دوسرے معنی وہ ہیں کہ جو عز بن جماعہ فرماتے ہیں وہ یہ کہ ممکن ہے کہ حضرت مسیح کے بعد اس درخت کے نیچے کوئی شخص بھی نہ اترا ہو نہ نبی اور نہ غیر نبی اور آپ کے سوا کسی متنفس کا نہ اترنا یہ بھی من جملہ خوارق کے ہو جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے تفصیل کے لیے زرقانی ص ۱۹۹ ج ۱ ملاحظہ فرمائیں ۱۲۔

دیکھا کہ وہ آکر آپؐ پر سایہ کر لیتے ہیں جب آپؐ شام سے واپس ہوئے تو دوپہر کا وقت تھا اور دو فرشتے آپؐ پر سایہ کیے ہوئے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے جب بالاخانے سے آپؐ کو اس شان سے آتے دیکھا تو پاس کی تمام عورتوں کو بھی دکھلایا۔ تمام عورتیں تعجب کرنے لگیں۔ بعد ازاں میسرہؓ نے سفر کے تمام حالات و واقعات سُنائے اور آپ نے مال تجارت حضرت خدیجہؓ کے سُپرد کیا اس مرتبہ آپؐ کی برکت سے حضرت خدیجہؓ کو اس قدر منافع ہُوا کہ اس سے پیشتر کبھی اتنا نفع نہ ہُوا تھا حضرت خدیجہ نے جتنا معاوضہ آپؐ سے مقرر کیا تھا اس سے زیادہ دیا (۲)

اس واقعہ کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کو واقدی اور محمد بن اسحاق اور ابن سکن نے روایت کیا ہے یعنی اس واقعہ کا راوی صرف واقدی نہیں بلکہ محمد بن اسحاق اور ابن سکن بھی اس روایت کے راوی ہیں واقدی جمہور کے نزدیک ضعیف ہیں اور محمد بن اسحاق تابعی ہیں۔ جمہور کے نزدیک ثقہ ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کی حدیث میرے نزدیک نزدیک حسن ہے واقدی اگرچہ محدثین کے نزدیک متروک ہیں لیکن حدیث کی کوئی کتاب واقدی کی روایت سے خالی نہیں۔ حافظ ابن تیمیہ الصارم المسلول ص۹۶ میں فرماتے ہیں کہ واقدی اگرچہ ضعیف ہیں۔ لیکن ان کے اعلم الناس بالمغازی ہونے میں کسی کو کلام نہیں، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل وغیرہ ان کی کتابوں سے استفادہ کرتے تھے۔ انتہی کلامہ غرض یہ کہ یہ روایت محمد بن اسحاق اور واقدی دونوں سے مروی ہے اور محمد بن اسحاق کی روایت محدثین کے نزدیک معتبر ہے حسن سے کم نہیں اور واقدی کی روایت اگرچہ ضعیف ہے لیکن حدیث حسن کے لیے بلاشبہ مؤید اور شاہد بن سکتی ہے۔

ط۱ ظاہر یہ ہے کہ میسرہ بعثت سے پہلے ہی وفات پا گئے۔ حافظ عسقلانی اصابہ میں فرماتے ہیں کہ کسی صحیح روایت سے اب تک میسرہ کا صحابی ہونا ثابت نہیں ہُوا۔ ۱۲ زرقانی ص۱۹۹ ج۱

(۲) طبقات ابن سعد ج ۱، ص: ۸۳، الخصائص الکبریٰ ج ۱، ص: ۹۱ عیون الاثر ج ۱، ص: ۴۹۔

تحقیق و توثیق قِصّۂ میسرہ

اور تین ائمہ سیرت کا تذکرہ اور اُن پر مختصر سا تبصرہ

قصہ میسرہ کی روایت چونکہ محمد بن اسحاق اور واقدی دونوں سے مروی ہے جن کی جرح و تعدیل میں علماء نے طویل کلام کیا ہے اس لیے ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس مقام پر تین ائمہ سیرت کا کچھ حال ہدیۂ ناظرین کریں جو سیرت اور مغازی میں زیادہ مشہور ہیں۔
(۱) موسیٰ بن عقبہ (۲) محمد بن اسحاق (۳) واقدی۔ تاکہ ائمہ سیرت کی روایات کا صحیح رتبہ معلوم ہو جائے۔

(۱) موسیٰ بن عقبہ

موسیٰ بن عقبہ مدنی ہیں۔ زبیر بن عوام رضی کے خاندان کے آزاد کردہ غلام ہیں تابعی ہیں۔ مسلم اور متفق علیہ ثقہ ہیں کسی نے ان پر جرح نہیں کی امام مالک اور سفیان بن عیینہ اور عبداللہ بن مبارک نے ان سے روایت کی ہے ۱۴۱ھ میں وفات پائی ائمہ ستہ نے صحاح ستہ میں ان سے روایت کی ہے۔ امام مالک موسیٰ بن عقبہ کی کتاب المغازی کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ وہ اصح المغازی ہے لیکن موسیٰ بن عقبہ کی کتاب المغازی کا کوئی نسخہ موجود نہیں کتب سلف میں متفرقاً اس کی روایتیں پائی جاتی ہیں۔

(۲) محمد بن اسحاق

محمد بن اسحاق بن یسار مطلبی مدنی تابعی ہیں۔ سیرت اور مغازی کے امام ہیں جمہور علماء نے ان کی توثیق کی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جرح کی ہے۔ حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق فی نفسہ صدوق اور مرضی یعنی پسندیدہ ہیں لیکن

ان کی حدیث درجہ صحت سے نازل ہے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ ان کو حسن الحدیث فرماتے تھے (انتہی) علی بن مدینی کہتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کی حدیث میرے نزدیک صحیح ہے۔ نسائی کہتے ہیں قوی نہیں۔ دارقطنی کہتے ہیں قابل احتجاج نہیں امام مالک فرماتے ہیں کہ دجال ہے من جملہ دجاجلہ کے۔ شعبہ کہتے ہیں کہ امیر المومنین فی الحدیث ہیں۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں ان سے موصولاً کوئی روایت نہیں لی البتہ تعلیقاً ان سے روایت لی ہے۔ اصحاب سنن نے محمد بن اسحاق سے روایت لی ہے اور امام مسلم نے مقروناً بالغیر ان سے روایت لی ہے ۱۵۱ھ میں وفات پائی۔ مغازی ابن اسحاق کا اصل نسخہ مفقود ہے البتہ سیرت ابن ہشام کا جو نسخہ اس وقت موجود ہے وہ درحقیقت سیرت ابن اسحاق کا ہی نسخہ ہے جو جدید طریقہ سے ابن ہشام نے مرتب کیا ہے محمد بن اسحاق پر دو جرح کی گئی ہیں ایک یہ کہ وہ روایت میں تدلیس کرتے تھے دوم یہ کہ خیبر وغیرہ کے واقعات کو یہود خیبر سے دریافت کرتے تھے۔ دوسری وجہ موجب جرح نہیں۔ مزید توثیق کے لیے یہود سے واقعات کی تحقیق کرنا قابل اعتراض نہیں۔ البتہ فقط یہود پر اعتماد کرنا اور محض ان کی روایات سے احکام شرعیہ کا ثابت کرنا درست نہیں۔ لیکن دنیا میں کوئی مسلمان اس کا قائل نہیں اور نہ کہیں یہ ثابت ہے کہ محمد بن اسحاق یہود خیبر سے نافع اور زہری کی طرح روایت کرتے ہوں اور قاسم اور عطا کی طرح یہود خیبر کو ثقہ سمجھتے ہوں اور نہ کوئی ادنیٰ عقل والا مسلمان کافروں سے روایت کر سکتا ہے اور نہ ان کو ثقہ سمجھ سکتا ہے اور جس نے ایسا سمجھا غلط سمجھا۔ باقی تدلیس کے متعلق خود آئمہ حدیث نے تصریح کر دی ہے کہ مدلس کا عنعنہ معتبر نہیں جب تک اس کا سماع ثابت نہ ہو جائے۔

(۳) واقدی

ابو عبداللہ محمد بن عمر بن واقد الواقدی المدنی۔ سیرت اور مغازی کے امام اور جلیل القدر عالم تھے امام مالک اور سفیان ثوری اور معمر بن راشد اور ابن ابی ذئب کے تلامذہ میں

سے تھے کذا فی تاریخ ابن خلکان ص۶۴۲ ج۱ اور ان کے شاگرد رشید محمد بن سعد صاحب طبقات، سفیان بن عیینہ کے تلامذہ میں سے تھے۔ تاریخ ابن خلکان ص۶۴۲ واقدی ۱۳۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰۷ھ میں وفات پائی میزان الاعتدال ص۱۱۱ ج۳

واقدی کے بارے میں محدثین کے الفاظ مختلف ہیں امام شافعی اور امام احمد نے واقدی کو کذاب اور ان کی کتابوں کو کذب بتلایا ہے۔ امام بخاری اور ابو حاتم نے متروک الحدیث کہا ہے۔ علی بن المدینی اور نسائی نے ان کو واضع الحدیث کہا ہے اور آئمہ حدیث کی ایک جماعت نے ان کی تضعیف کی ہے یعنی واقدی ضعیف ہیں کاذب نہیں یحیی بن معین کہتے ہیں کہ واقدی ثقہ نہیں۔ دارقطنی کہتے ہیں۔ فیہ ضعف یعنی واقدی میں کچھ ضعف ہے۔ علماء کی ایک قلیل جماعت نے واقدی کی توثیق کی ہے اور ان کو ثقہ بتلایا ہے۔ یزید بن ہارون کہتے ہیں کہ واقدی ثقہ ہے۔ ابو عبیدہ اور ابراہیم حربی نے بھی ان کی توثیق کی ہے۔ دراوردی کہتے ہیں کہ واقدی امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں۔ حافظ ابن سید الناس نے عیون الاثر کے مقدمہ میں مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد واقدی کے ثقہ ہونے کو ترجیح دی ہے۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں۔

وقد تعصب مغلطائی للواقدی	حافظ مغلطائی نے واقدی کی حمایت میں تعصب
فنقل کلام من قواه ووثقه	سے کام لیا ہے کہ جن لوگوں نے واقدی کو ثقہ اور
وسکت عن ذکر من وهاه	قوی بتلایا ہے ان کا کلام تو نقل کر دیا اور جن لوگوں
واتهمه وهم اکثر عددا	نے واقدی کو کمزور اور متہم قرار دیا ہے ان کے
واشد اتقانا واقوی	ذکر سے مغلطائی نے سکوت کیا حالانکہ واقدی
معرفة به من الاولین	پر جرح کرنے والے توثیق کرنے والوں سے عدد
ومن جملة ما قواه به	میں بھی زیادہ ہیں اور ضبط اور اتقان اور علم
ان الشافعی روی عنه	معرفت میں بھی ان سے بڑھے ہوئے ہیں اور

وقد اسند البیهقی عن الشافعی انه کذبه کذافی انهاء السکن مقدمة اعلاء السنن ص۵۷

واقدی کی دلائل تقویت میں یہ پیش کیا ہے کہ امام شافعی نے ان سے روایت لی ہے حالانکہ بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ امام شافعی سے یہ نقل کیا ہے کہ امام شافعی واقدی کو کاذب بتلاتے تھے۔ (ترجمہ ختم ہوا)

حافظ ابن حجر کی رائے یہ ہے کہ جب کسی راوی میں جرح اور تعدیل توثیق اور تضعیف جمع ہوجائیں تو اکثر کے قول کو ترجیح دی جائے گی لہٰذا واقدی کی جرح کو توثیق پر ترجیح ہونی چاہیے اس لیے کہ واقدی کے جرح کرنے والے تعدیل کرنے والوں سے زیادہ ہیں۔ حافظ مغلطائی کی رائے یہ ہے کہ تعارض کی صورت میں توثیق اور تعدیل کو ترجیح ہونی چاہیے اگرچہ تعدیل و توثیق کرنے والے کم ہوں اس لیے کہ اصل اہل علم میں عدالت اور ثقاہت ہے خصوصاً خیر القرون میں کسی راوی کا جب تک فسق ثابت نہ ہوجائے۔ اس وقت تک اس کی روایت کو رد نہیں کیا جاتا۔ کما قال تعالیٰ۔

وَاِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا (۱)

اگر کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لے کر آئے تو اُس کی تحقیق کرو۔

اور ایک قرات میں فتبینو کے بجائے فتثبتوا آیا ہے یعنی فاسق اگر کوئی خبر لے کر آئے تو اس میں تثبت اور احتیاط سے کام لو رد کرنے میں عجلت سے کام نہ کرو اور یہ تبیّن اور تثبت کا حکم اس راوی کے خبر کے بارے میں ہے جس کا فسق ثابت ہوچکا ہو۔ لقولہ تعالیٰ اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ۔ لہٰذا جس کا فسق بھی ثابت نہ ہو اس میں تو اور بھی شدید احتیاط کی ضرورت ہوگی اس بنا پر حافظ مغلطائی نے واقدی کے بارے میں تعصب سے کام نہیں لیا بلکہ

---

(۱) الحجرات آیۃ : ۶

انصاف سے کام لیا ہے کہ توثیق اور تعدیل کے قول کو اختیار کیا اور جارحین اور قادحین کی کثرت پر نظر نہیں کی اور فقہاء کا مسلک اختیار کیا کہ جب کسی راوی میں توثیق اور تضعیف جمع ہو جائیں تو محدثین کے نزدیک اکثر کے قول کا اعتبار ہے اور فقہا کا مسلک یہ ہے کہ جب کسی راوی میں جرح و تعدیل جمع ہو جائیں تو جرح مبہم کے مقابلہ میں تعدیل کو ترجیح ہو گی۔ اگرچہ جارحین کا عدد معدلین کے عدد سے زیادہ ہو اور احتیاط بھی قبول ہی کرنے میں ہے رد کرنا خلاف احتیاط ہے۔ حافظ بدرالدین عینی کا شرح بخاری اور شرح ہدایہ میں اور شیخ ابن ہمام کا شرح ہدایہ میں یہی معمول ہے کہ توثیق اور تعدیل کو تضعیف اور جرح کے مقابلہ میں ترجیح دیتے ہیں اور امام احمد بن حنبلؒ کا کا بھی یہی مسلک ہے کہ جب تک کسی راوی کے ترک پر تمام اہل علم متفق نہ ہو جائیں اس وقت تک امام احمد اس کی روایت کو ترک نہیں کرتے مسند میں از اول تا آخر اسی طریق پر روائتیں لائے ہیں۔ ابو داؤد اور نسائی بھی سنن میں اسی طریق پر چلے ہیں۔ معلوم ہوا کہ حافظ مغلطائی کا واقدی کی توثیق اور تعدیل کو ترجیح دینا اس اصول پر مبنی ہے تعصب پر مبنی نہیں واقدی کے بارے جو مختلف، اقوال ہم نے نقل کیے ہیں وہ سب حافظ ذہبی کے میزان الاعتدال ج۳ ص۱۱ سے نقل کیے ہیں۔ تعجب ہے کہ واقدی کے بارے میں آئمہ حدیث کا یہ تمام اختلاف حافظ ذہبی کے سامنے ہے اور پھر اخیر میں حافظ ذہبی یہ کہتے ہیں۔ واستقر الاجماع علی وھن الواقدی۔ حالانکہ اس قدر اختلاف کے ہوتے ہوتے اجماع کا دعویٰ صحیح نہیں ہے

حافظ ابن تیمیہ الصارم المسلول میں فرماتے ہیں۔

مع ما فی الواقدی من الضعف	باوجود اس کے کہ واقدی میں ضعف ہے دنیا میں کوئی
لا یختلف اثنان ان الواقدی	دو شخص بھی اس بارے میں اختلاف نہیں رکھتے کہ واقدی
اعلم الناس بتفاصیل	سے زیادہ مغازی کے جاننے والے ہیں اور مغازی کے

---

۱ قال یعقوب قال لی احمد مذہبی فی الرجال انی لا اترک حدیث محدث حتی یجتمع اہل مصر علی ترک حدیثہ کذا فی التہذیب ص۳۷۷ ج۵

امور المغازی واخبر باحوالها	احوال اور تفاصیل کی معرفت میں سب سے زیادہ باخبر
وقد کان الشافعی واحمد وغیرهما یستفیدون علم ذلک من کتبه[1]	ہیں اور امام شافعی اور احمد اور دیگر اہل علم واقدی کی کتابوں سے استفادہ کرتے تھے۔ انتہی

اور دنیا میں سیرت اور مغازی اور رجال کی کوئی کتاب ایسی نہیں کہ جو واقدی کی روایات سے خالی ہو۔ فتح الباری اور زرقانی شرح مواہب واقدی کی روایات سے بھری پڑی ہے اور خود علامہ شبلی نے بھی بکثرت واقدی سے استفادہ اور استفاضہ کیا ہے۔ سیرت النبی کے متعدد مواضع میں طبقات ابن سعد کی وہ روایتیں لی ہیں کہ جن کا پہلا راوی ہی واقدی ہے۔ علامہ شبلی نے طبقات کا مع صفحہ اور جلد کا حوالہ بھی دیا۔ مگر ان مواضع میں یہ نہیں بتلایا کہ اس روایت کا پہلا ہی راوی واقدی ہے جس کو علامہ مشہور دروغ گو اور افسانہ ساز اور ناقابل ذکر سمجھتے ہیں اور جابجا ناقابل ذکر الفاظ سے ان کا ذکر کرتے ہیں مگر جب علامہ اس مشہور دروغ گو سے روایت لیتے ہیں تو اس کا نام ذکر نہیں کرتے۔ البتہ اس دروغ گو کے شاگرد رشید یعنی ابن سعد کے نام سے روایت لیتے ہیں جو اسی شاگرد دروغ گو اور افسانہ ساز سے ہوتی ہے۔

(۱) ص: ۷۴، ۹۶، ۴۷

روایاتِ واقدی در سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اب بطور نمونہ واقدی کے چند روایات ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ جن کو علامہ شبلی نے سیرۃ النبی میں لیا ہے (۱) قصی نے مرتے وقت حرم محترم کے تمام مناصب سب سے بڑے بیٹے عبدالدار کو دیئے طبقات ابن سعد ص۴۱ ج۱ سیرت النبی ص۱۵۴ ج۱ - علامہ نے یہ واقعہ بحوالۂ طبقات ابن سعد نقل کیا ہے جو صرف واقدی سے منقول ہے۔

(۲) عبداللہ نے ترکہ میں اونٹ بکریاں اور ایک لونڈی تھی جس کا نام ام ایمن تھا۔ الخ طبقات ابن سعد ص۶۲ ج۱ سیرۃ النبی ص۵۸ ج۱ - یہ واقعہ بھی طبقات میں صرف واقدی سے منقول ہے۔ واقدی کے بعد کسی سند کا ذکر نہیں ہے۔

(۳) ابن سعد نے طبقات ص۷۱ ج۱ میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ میں تم سب سے فصیح تر ہوں کیونکہ میں قریش کے خاندان سے اور میری زبان بنی سعد کی زبان ہے۔ سیرت النبی ص۱۶۲ ج اس کا راوی بھی محمد عمر واقدی ہے۔

(۴) حلف الفضول کا واقعہ سیرۃ النبی ص۷ ج۱ پر بحوالۂ طبقات ابن سعد ص۸۲ ج۱ مذکور ہے یہ واقعہ بھی طبقات میں واقدی کی روایت سے ہے۔

(۵) علامہ شبلی سیرۃ النبی ص۴۴ ج۱ پر غزوہ خیبر کے بیان میں لکھتے ہیں کہ حضورؐ نے یہ اعلان عام فرمایا لایخرجن معنا الا راغب فی الجہاد ہمارے ساتھ وہ لوگ آئیں جو طالب جہاد ہوں (ابن سعد) یہ روایت بھی ابن سعد کے حوالے سے نقل کی ہے جو واقدی سے مروی ہے کیا یہ علم اور امانت کے خلاف نہیں کہ جب کسی روایت کو رد کرنا چاہیں تو واقدی کا نام ذکر کر دیں اگرچہ اس روایت کا راوی واقدی کے علاوہ کوئی اور ثقہ بھی ہو اور جب واقدی کی روایت لینا چاہیں تو واقدی کا نام حذف کر دیں اور اس کے شاگرد کے نام

پر اکتفا کریں اور خاموشی کے ساتھ اس پر گذر جائیں۔

خلاصۂ کلام

یہ کہ واقدی کے بارے میں قول محقق اور راجح اور اقرب الی الصواب یہ ہے کہ واقدی ضعیف ہے دروغ گو اور افسانہ ساز نہیں۔ واقدی کی روایت کا وہی حکم ہے جو ضعیف راوی کی روایت کا حکم ہے یعنی جب تک کوئی حدیث صحیح۔ اس ضعیف حدیث کے معارض نہ ہو اس وقت تک ضعیف حدیث کو نہیں چھوڑا جائے گا۔ خصوصاً جب کہ وہ ضعیف حدیث متعدد طرق اور مختلف اسانید سے مروی ہو۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ سے بدرجۂ تواتر منقول ہے کہ حدیث ضعیف میرے نزدیک رائے رجال سے کہیں زیادہ محبوب ہے امام ابو حنیفہ کو جب کسی مسئلہ میں کوئی صحیح حدیث دستیاب نہیں ہوتی تو ضعیف حدیث کو بمقابلہ قیاس ترجیح دیتے ہیں۔ ضعیف حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ناقابل اعتبار ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ضعیف کے ضعف کو پیش نظر رکھو اور جب صحیح اور ضعیف میں تعارض ہو تو صحیح کو ترجیح دو اور جب کوئی حدیث صحیح نہ ملے تو اسی ضعیف حدیث کو اپنی رائے پر مقدم رکھو۔ اس لیے کہ رائے فی حد ذاتہ ضعیف اور کمزور ہے اور حدیث نبوی میں فی ذاتہ ضعف نہیں سند اور طریق روایت میں ضعف ہے جو محض عارضی ہے ذاتی نہیں ہے اور رائے کا ضعف ذاتی ہے اس لیے حدیث ضعیف کو رائے پر مقدم رکھا جائے گا اور ضعیف روایت کے قبول کے شرائط اصول حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں وہاں مراجعت کریں۔

ہذا ما ظہر لی فی ہذا المقام واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

حافظ عراقی رحمہ اللہ تعالیٰ الفیۃ السیر میں فرماتے ہیں۔

ثم مضی للشام مع میسرۃ   فی متجر والمال من خدیجۃ

من قبل تزویج بہا فبلغا   بصری فباع وتقاضی ما بغا

وقد رای میسرۃ العجائبا منه وما خص به مواھبا
وحدث السیدۃ الجلیلة خدیجة الکبریٰ فاحصنت قیلہ
ورغبت فخطبت محمدا فیالھا من خطبة ما اسعدا
وکان اذ زوجھا ابن الخمس من بعد عشرین بغیر لبس

فوائد

ف (۱) اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی کسی کے لیے بطور خرقِ عادت فرشتوں کا دیکھنا ممکن ہے جیسا کہ واقعۂ مذکور میں میسرہ نے فرشتوں کو سایہ کرتے دیکھا (۱) اور حضرت مریم کا جبریل امین اور دیگر ملائکہ کو دیکھنا قرآن کریم میں اور حضرت ہاجرہ کا فرشتہ کو دیکھنا صحیح بخاری کتاب الانبیاء میں اور عمران بن حصین کا اپنے کراماً کاتبین کو دیکھنا اصابہ میں مذکور ہے۔

ف (۲) اب تک متعدد روایات سے یہ معلوم ہو چکا کہ آپ پر ابر سایہ کرتا تھا مثلاً حلیمہ سعدیہ اور ان کے بچوں کا آپ پر ابر کا سایہ کرتا دیکھنا اور شام سے پہلے سفر میں بحیراء راہب کا ابر کے سایہ کو خود دیکھنا اور دوسروں کو دکھلانا ابو موسیٰؓ کی حدیث سے بحوالۂ ترمذی ہم نقل کر چکے ہیں۔ علامہ ابن حجر مکی شرح قصیدۂ ہمزیہ میں فرماتے ہیں کہ ترمذی کی روایت اس بارے میں سب سے زیادہ صحیح ہے جیسا کہ عز بن جماعہ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ کہے کہ آپؐ پر ابر کے سایہ کرنیکی حدیث محدثین کے نزدیک صحیح نہیں تو اس کا یہ قول لغو اور باطل ہے۔ ہاں یہ صحیح ہے (جیسا کہ حافظ سخاوی سے منقول ہے) کہ ابر کا سایہ کرنا ہمیشہ نہ تھا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ سفر ہجرت میں جب آپؐ پر دھوپ پڑنے لگی تو ابوبکر نے اپنی چادر سے آپؐ پر سایہ کیا اور علیٰ ہذا غزوۂ جعرانہ میں آپ پر کپڑے کا سایہ کیا گیا۔ صحابہؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم کسی سایہ دار درخت پر گذرتے تو اس کو آپ کے لیے چھوڑ دیتے (۱)

---

(۱) زرقانی ج ۱، ص: ۱۹۹ (۲) زرقانی ج ۱، ص: ۱۴۸

حضرت خدیجہ سے نکاح

ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ حضرت خدیجہ نے آپ کے تمام حالات سفر اور راہب کا مقولہ اور فرشتوں کا آپؐ پر سایہ کرنا ورقہ بن نوفل سے جاکر بیان کیا ورقہ نے کہا کہ خدیجہ اگر یہ واقعات سچے ہیں تو پھر یقیناً محمدؐ اس امت کے نبی ہیں اور میں خوب جانتا ہوں کہ اُمّت میں ایک نبی ہونے والے ہیں جن کا ہم کو انتظار ہے اور ان کا زمانہ قریب آگیا ہے (۱) ان واقعات کو سُن کر حضرت خدیجہ کے دل میں آپؐ سے نکاح کا شوق پیدا ہُوا۔ چنانچہ سفر شام سے واپسی کے دو مہینہ اور پچیس روز بعد خود حضرت خدیجہؓ نے آپؐ سے نکاح کا پیام دیا۔ آپؐ نے اپنے چچا کے مشورہ سے اس کو قبول فرمایا۔ تاریخ معین پر آپؐ اپنے چچا ابوطالب اور حضرت حمزہ اور دیگر روسائے خاندان کی معیت میں حضرت خدیجہ کے یہاں تشریف لائے۔ مبرد سے منقول ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے والد کا تو حرب فجار سے پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا۔ نکاح کے وقت حضرت خدیجہ کے چچا عمرو بن اسد موجود تھے۔ کسی کا قول ہے کہ نکاح کے وقت حضرت خدیجہ کے والد خویلد بھی موجود تھے۔ علامہ سہیلی فرماتے ہیں کہ مبرد ہی کا قول صحیح ہے اور یہی جبیر بن مطعم اور ابن عباس اور عائشہؓ سے منقول ہے۔ روض الانف صفحہ ۱۲۲ ج ۱

ابوطالب نے خطبہ نکاح پڑھا جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

اما بعد فان محمدا ممن لا یوازن	امّا بعد۔ محمد وہ ہیں کہ قریش میں کا جو جوان بھی
بہ فتی من قریش الا رجح	شرف اور رفعت اور فضیلت اور عقل میں
بہ شرفا و نبلا و فضلا و	آپ کے ساتھ تولا جائے تو آپؐ ہی بھاری
عقلا و ان کان فی المال	رہیں گے۔ مال میں اگرچہ آپ کم ہیں لیکن
قل فانہ ظل زائل و عاریۃ	مال ایک زائل ہونیوالا سایہ ہے اور ایک

(۱) عیون الاثر ج ۱، ص: ۵۱

مسترجعة وله في | عاریت ہے جو واپس کی جانے والی ہے
خديجة بنت خويلد | یہ خدیجہ بنت خویلد کے نکاح کی طرف
رغبة ولها فيه | مائل ہے اور اسی طرح خدیجہ آپ سے
مثل ذلك (۱) | نکاح کی طرف مائل ہے۔

نکاح کے وقت آپ کی عمر شریف پچیس سال کی اور حضرت خدیجہ کی عمر شریف چالیس سال کی تھی۔ بیس اونٹ مہر مقرر ہوا (سیرۃ ابن ہشام) اور حافظ ابو بشر دولابی فرماتے ہیں کہ مہر کی مقدار ساڑھے بارہ اوقیہ تھی۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے لہٰذا کل مہر پانچ سو درہم شرعی ہوا (۲)

آپ کا یہ پہلا نکاح تھا اور حضرت خدیجہ کا تیسرا۔ مفصل حالات ان شاء اللہ العزیز ازواجِ مطہرات کے بیان میں ذکر کریں گے۔

(۱) روض الانف ج ۱، ص : ۱۲۲

(۲) زرقانی ج ۱، ص : ۲۰۲

تعمیر کعبہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحکیم

ابتدائے عالم سے اس وقت تک خانہ کعبہ کی تعمیر پانچ مرتبہ ہوئی۔ اوّل بار حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی تعمیر فرمائی دلائل بیہقی میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ نے حضرت جبرئیل کو حضرت آدم کے پاس تعمیر بیت اللہ کا حکم دے کر بھیجا۔ جب حضرت آدم اس کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو حکم ہوا کہ اس گھر کا طواف کرو اور یہ ارشاد ہوا کہ تم پہلے انسان ہو اور یہ پہلا گھر ہے جو لوگوں کی (عبادت کے لیے) بنایا گیا ہے (۱)

کتاب الانبیاء باب قول اللہ تعالیٰ وَاتَّخَذَ اللّٰہُ اِبْرَاہِیْمَ خَلِیْلًا۔ جب نوح علیہ السلام کے زمانے میں طوفان آیا تو بیت اللہ کا نام و نشان باقی نہ رہا۔ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو بیت اللہ کی دوبارہ تعمیر کا حکم ہوا۔

بنیادوں کے نشان بھی باقی نہ رہے تھے۔ جبرئیل علیہ السلام نے آکر بنیادوں کے نشان بتلائے تو حضرت خلیل اللہ نے حضرت ذبیح اللہ علیہما الف الف صلوٰۃ اللہ کی اعانت و امداد سے تعمیر شروع کی مفصل قصہ کلام اللہ میں مذکور ہے۔ زیادہ تفصیل اگر درکار ہے تو فتح الباری کتاب الانبیاء باب قول اللہ تعالیٰ وَاتَّخَذَ اللّٰہُ اِبْرَاہِیْمَ خَلِیْلًا اور تفسیر ابن کثیر اور تفسیر ابن جریر کی طرف مراجعت کریں (۲)

تیسری بار بعثت نبوی سے پانچ سال قبل جب آپ کی عمر شریف پینتیس ۳۵ سال کی تھی۔ قریش نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی بناءِ ابراہیمی میں خانہ کعبہ غیر مسقف تھا دیوار دل کی بلندی کچھ زیادہ

---

(۱) فتح الباری ج ۶، ص: ۲۸۵

(۲) فتح الباری ج ۶، ص: ۲۸۴-۲۹۲-

نہ تھی قد آدم سے کچھ زائد نو ہاتھ کی مقدار میں تھی۔ مرورِ زمانہ کی وجہ سے بہت بوسیدہ ہو چکا تھا۔ نشیب میں ہونے کی وجہ سے بارش کا تمام پانی اندر بھر جاتا تھا اس لیے قریش کو اس کی تعمیر کا از سرِ نو خیال پیدا ہوا۔ جب تمام رؤسارِ قریش اس پر متفق ہو گئے کہ بیت اللہ کو منہدم کر کے از سرِ نو بنایا جائے تو ابو وہب بن عمرو مخزومی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کے ماموں) کھڑے ہوئے اور قریش سے مخاطب ہو کر یہ کہا کہ دیکھو بیت اللہ کی تعمیر میں جو کچھ بھی خرچ کیا جائے وہ کسبِ حلال ہو اور زنا اور چوری اور سود وغیرہ کا کوئی پیسہ اس میں شامل نہ ہو صرف حلال مال اس کی تعمیر میں لگایا جائے۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک ہی کو پسند کرتا ہے۔ اس کے گھر میں پاک ہی پیسہ لگاؤ اور اس خیال سے کہ تعمیر بیت اللہ کے شرف سے کوئی محروم نہ رہ جائے اس لیے تعمیر بیت اللہ کو مختلف قبائل پر تقسیم کر دیا کہ فلاں قبیلہ بیت اللہ کا فلاں حصہ تعمیر کرے اور فلاں قبیلہ فلاں حصہ تعمیر کرے۔

دروازے کی جانب بنی عبد مناف اور بنی زہرہ کے حصہ میں آئی اور حجرِ اسود اور رکن یمانی کا درمیانی حصہ۔ بنی مخزوم اور دیگر قبائل قریش کے حصہ میں آیا اور بیت اللہ کی پشت بنی جمح اور بنی سہم کے حصہ میں آئی اور حطیم بنی عبد الدار بن قصی اور ابن اسد اور بنی عدی کے حصہ میں آیا۔ اسی اثناء میں قریش کو یہ خبر لگی کہ ایک تجارتی جہاز جدہ کی بندرگاہ سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا ہے۔ ولید بن مغیرہ سنتے ہی جدہ پہنچا اور اس کے تختے خانہ کعبہ کی چھت کے لیے حاصل کر لیے اس جہاز میں ایک رومی معمار بھی تھا جس کا نام باقوم تھا۔ ولید نے تعمیر بیت اللہ کے لیے اس کو بھی ساتھ لے لیا۔ قال الحافظ فی الاصابۃ رجالہ ثقات مع ارسالہ (۱) ان مراحل کے بعد جب قدیم عمارت کے منہدم کرنے کا وقت آیا تو کسی کی ہمت نہ ہوتی تھی کہ وہ بیت اللہ کے ڈھانے کے لیے کھڑا ہو۔ بالآخر ولید بن مغیرہ پھاوڑا لے کر کھڑا ہوا اور یہ کہا کہ

---

(۱) الاصابہ ج ۱، ص: ۱۳۷

اللھم لا نرید الا الخیر — اے اللہ ہم صرف خیر اور بھلائی کی نیت رکھتے ہیں۔

معاذ اللہ ہماری نیت بری نہیں اور یہ کہہ کر حجر اسود اور رکن یمانی کی طرف سے ڈھانا شروع کیا۔ اہل مکہ نے کہا کہ رات انتظار کرو کہ ولید پر کوئی آسمانی بلا تو نازل نہیں ہوتی۔ اگر اس پر کوئی بلائے آسمانی اور آفت ناگہانی نازل ہوئی تو ہم بیت اللہ کو پھر اصلی حالت پر بنا دیں گے ورنہ ہم بھی ولید کے معین و مددگار رہیں گے۔ صبح ہوئی کہ ولید صحیح و سالم پھر پھاوڑا لئے کر حرم محترم میں آپہنچا۔ لوگوں نے سمجھ لیا کہ ہمارے اس فعل سے اللہ راضی ہے اور سب کی ہمتیں بڑھ گئیں اور سب مل کر دل و جان سے اس کام میں شریک ہو گئے اور یہاں تک کھودا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادیں نمودار ہو گئیں۔ ایک قریشی نے جب بنیاد ابراہیمی پر پھاوڑا چلایا تو دفعۃً تمام مکہ میں ایک سخت دھماکہ ظاہر ہوا جس کی وجہ سے آگے کھودنے سے رک گئے اور انھیں بنیادوں پر تعمیر شروع کر دی۔ تقسیم سابق کے مطابق ہر قبیلہ نے علیحدہ علیحدہ پتھر جمع کر کے تعمیر شروع کی۔ جب تعمیر مکمل ہو گئی اور حجر اسود کو اپنی جگہ پر رکھنے کا وقت آیا تو سخت اختلاف ہوا تلوار کھنچ گئیں اور لوگ جنگ و جدال اور قتل و قتال پر آمادہ ہو گئے۔ جب چار پانچ روز اسی طرح گذر گئے اور کوئی بات طے نہ ہوئی تو ابو امیہ بن مغیرہ مخزومی نے جو قریش میں سب سے زیادہ معمر اور سن رسیدہ تھا۔ یہ رائے دی کہ کل صبح کو جو شخص سب سے پہلے مسجد حرام کے دروازے سے داخل ہو اسی کو اپنا حکم بنا کر فیصلہ کرا لو۔ سب نے رائے کو پسند کیا۔ صبح ہوئی اور تمام لوگ حرم میں پہنچے دیکھتے کیا ہیں کہ سب سے پہلے آنے والے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ کو دیکھتے ہی سب کی زبانوں سے بے ساختہ یہ لفظ نکلے۔

ھذا محمد الامین رضینا — یہ تو محمد امین ہیں۔ ہم ان کے حکم بنانے پر راضی ہیں۔
ھذا محمد الامین — یہ تو محمد امین ہیں۔

آپ نے ایک چادر منگائی اور حجر اسود کو اس میں رکھ کر یہ فرمایا کہ ہر قبیلہ کا سردار اس چادر کو تھام لے تاکہ اس شرف سے کوئی قبیلہ محروم نہ رہے اس فیصلہ کو سب نے پسند کیا اور سب نے مل کر چادر اٹھائی۔ جب سب کے سب اسی چادر کو اٹھائے اس جگہ پہنچے جہاں اسکو رکھنا تھا تو آپ بہ نفس نفیس آگے بڑھے اور اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ (۱)

چوتھی بار عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں بیت اللہ کو شہید کر کے از سر نو تعمیر کرایا۔

پانچویں بار اس حجاج بن یوسف نے بنایا کہ اولین اور آخرین میں جس کے جور و ستم اور ظلم و تعدی کی نظیر نہیں تفصیل کے لیے کتب تاریخ ملاحظہ ہوں۔

حافظ عراقی رحمہ اللہ تعالیٰ الفیۃ السیر میں فرماتے ہیں

وَاِذْ بَنَتْ قُرَیْشٌ البیتَ اخْتَلَفَ مَلاهُمْ تَنَازُعًا حَتّٰی وَقَفْ

اَمْرُهُمْ فِیْمَنْ یکونُ یَضَعُ الحَجَرَ الاَسْوَدَ حَیْثُ یُوْضَعُ

اِذْ جَاءَ قالوا کلهم رَضِیْنَا لوضعه محمدا الامینا

فحط فی ثوب وقال یرفع کُلُّ قَبِیْلٍ طَرَفًا فَرَفَعُوْا

ثُمَّةَ اَوْدَعَ الامِیْنُ الحَجَرا مَکانه وَقَدْ رَضُوا بِمَا جَرٰی

رسُوم جاہلیت سے خداداد تنفر اور بیزاری

انبیاء و مرسلین اگرچہ نبوت و رسالت سے پہلے نبی اور رسول نہیں ہوتے مگر ولی اور صدیق ضرور ہوتے ہیں اور ان کی ولایت ایسی کامل اور اتم ہوتی ہے کہ بڑے سے بڑے ولی

(۱) سیرت ابن ہشام ج ۱، ص: ۶۵، روض الانف ج ۱، ص: ۱۲۷، تاریخ طبری ج ۲، ص: ۲۰۰، زرقانی ج ۱، ص: ۲۰۳-۲۰۶

اور صدیق کی ولایت کو ان کی ولایت سے وہ نسبت بھی نہیں ہوتی جو قطرہ کو دریا کے ساتھ یا ذرہ کو آفتاب کے ساتھ ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیم کے علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بارے میں حق تعالیٰ شانہٗ کا یہ ارشاد وَلَقَدْ اٰتَيْنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ اور حضرت یوسف علیہ السلام کا تمام واقعہ اور خصوصاً ان کا ارشاد وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ اور حق تعالیٰ شانہٗ کا حضرت یحییٰ علیہ السّلام کے بارے میں یہ ارشاد وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا وَّحَنَانًا وغیر ذٰلک سب اسی پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرات انبیاء نبوت وبعثت سے پہلے ہی اعلیٰ درجہ کے ولی اور صدیق ہوتے ہیں۔ اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ابتداء ہی سے شرک اور بُت پرستی سے اور تمام مراسم شرک سے بالکل پاک اور منزہ رہے جیسا کہ ابنِ ہشام کی روایت میں ہے۔

فشب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم	پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حال
واللہ یکلاءہ ویحفظ ویحوطہ	میں جوان ہوتے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت
من اقذار الجاھلیۃ لما یرید بہ	اور نگرانی فرماتے تھے اور جاہلیت کی تمام
من کرامتہ ورسالتہ حتی بلغ	گندیوں سے آپ کو پاک اور محفوظ رکھتے تھے
ان کان رجلا وافضل قومہ مروءۃ	اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہو چکا تھا کہ آپ
واحسنھم خلقا واکرمھم	کو نبوت و رسالت اور ہر قسم کی عزت و کرامت
حسبا واحسنھم جوارا واعظمھم	سے سرفراز فرمائے۔ یہاں تک کہ آپ کامل
حلما واصدقھم حدیثا	ہو گئے اور مروت اور حسن خلق اور حسب ونسب
واعظمھم امانۃ وابعدھم	حلم اور بردباری اور راست بازی اور صداقت و
من الفحش والاخلاق التی	امانت میں سب سے بڑھ گئے اور فحش اور اخلاق
تدنس الرجال تنزھا وتکرما	رذیلہ سے انتہا درجہ دُور ہو گئے یہاں تک
اسمہ فی قومہ الامین لما جمع اللہ فیہ من الامور الصالحۃ	کہ آپ امین کے نام سے مشہور ہو گئے۔

(سیرت ابن ہشام ص ۶۲ ج ۱)

حضرت علی سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے عرض کیا گیا کہ آپ نے کبھی کسی بت کو پوجا ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں پھر پوچھا گیا کہ کبھی آپ نے شراب پی ہے آپ نے فرمایا نہیں اور یہ بھی فرمایا کہ میں ہمیشہ سے ان چیزوں کو کفر سمجھتا تھا۔ اگرچہ مجھ کو کتاب اور ایمان کا علم نہ تھا (اخرجہ ابونعیم وابن عساکر)

مسند احمد میں عروہ بن زبیر سے مروی ہے کہ مجھ سے حضرت خدیجہ کے ایک ہمسایہ نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو حضرت خدیجہ سے یہ کہتے سنا کہ خدا کی قسم میں کبھی لات کی پرستش نہ کروں گا۔ خدا کی قسم کبھی عزیٰ کی پرستش نہ کروں گا (۱)

زید بن حارث فرماتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں جب مشرکین بیت اللہ کا طواف کرتے تو اساف[۲] اور نائلہ کو چھوتے تھے ایک بار میں نے آپ کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کیا جب ان بتوں کے پاس سے گذرا تو ان کو چھوا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو منع کیا میں نے اپنے دل میں کہا کہ دیکھوں تو سہی کہ چھونے سے ہوتا کیا ہے اس لیے دوبارہ ان کو چھوا آپ نے پھر ذرا سختی سے منع فرمایا کیا تم کو منع نہیں کیا تھا۔ زید فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم اس کے بعد کبھی کسی بت کو ہاتھ نہیں لگایا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا اور آپ پر اپنا کلام اتارا۔ یہ روایت مستدرک حاکم اور دلائل ابی نعیم اور دلائل بیہقی میں مذکور ہے۔ حاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مجھ کو جاہلیت کی کسی بات کا کبھی خیال ہی نہیں آیا۔ صرف دو مرتبہ ایسا خیال آیا مگر اللہ نے بچایا اور مجھ کو اس سے محفوظ رکھا۔ ایک شب میں نے اپنے ساتھی سے کہا جو میرے ساتھ بکریاں چرایا کرتا تھا کہ تم بکریوں کی خبر رکھنا اور میں مکہ میں جاکر کچھ قصے کہانیاں سن کر آتا ہوں۔ میں مکہ میں داخل ہوا ایک مکان سے گانے بجانے کی آواز سنائی دی۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے معلوم

---

[۱] الخصائص الکبریٰ ج ۱، ص: ۹۰ [۲] اساف اور نائلہ یہ دو بتوں کے نام ہیں ۱۲۔

ہوا کہ فلاں کی شادی ہے میں بیٹھا ہی تھا کہ فوراً نیند آگئی اور خدا نے میرے کانوں پر مہر لگا دی پھر سویا تو خدا کی قسم آفتاب کی تمازت ہی نے مجھ کو بیدار کیا اٹھ کر اپنے ساتھی کے پاس آیا ساتھی نے دریافت کیا کہ بتلاؤ کیا دیکھا۔ آپ نے فرمایا کچھ بھی نہیں اور اپنے سونے کا واقعہ بیان فرمایا۔ دوسری شب آپ نے پھر یہی ارادہ فرمایا خدا کی طرف سے پھر یہی صورت پیش آئی۔ آپ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم اس کے بعد پھر میرے دل میں اس قسم کا کوئی خیال ہی نہیں آیا یہاں تک اللہ نے مجھ کو اپنی پیغمبری سے سرفراز فرمایا۔ یہ حدیث مسند بزار اور مسند اسحاق بن راہویہ وغیرہ میں مذکور ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند متصل اور حسن ہے اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ بخاری اور مسلم میں حضرت جابر سے مروی ہے کہ تعمیر کعبہ کے وقت آپ بھی پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے کہ آپ کے چچا حضرت عباس نے کہا کہ بیٹا تہبند کھول کر مونڈھے پر رکھ لو تاکہ پتھروں کی رگڑ سے محفوظ رہو آپ نے چچا کے کہنے سے تہبند کھولا، کھولتے ہی آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اس کے بعد آپ کبھی برہنہ نہیں دیکھے گئے۔

ابو الطفیل سے مروی ہے کہ اس وقت آپ کو غیب سے یہ آواز آئی یا محمد عورتک اسے محمد اپنے ستر کی خبر لو۔ یہ غیبی آواز سب سے پہلی آواز تھی جو آپ کو سنائی دی۔

ابو الطفیل کی یہ روایت دلائل ابی نعیم اور دلائل بیہقی اور مستدرک حاکم میں مذکور ہے حاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔(۱)

ابن عباس کی روایت میں ہے کہ ابو طالب نے آپ سے پوچھا کہ کیا ماجرا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ ایک سفید پوش آدمی دکھلائی دیا جس نے یہ کہا اے محمد اپنے ستر کو چھپاؤ حاکم فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے اخرجہ ابن سعد وابن عدی والحاکم وصححہ وابو نعیم من طریق عکرمۃ عن ابن عباس (۲)

(۱) الخصائص الکبریٰ ج: ۱، ص: ۸۸، (۲) ایضاً

ایک مرتبہ قریش نے آپ کے سامنے لاکر کھانا رکھا۔ اس مجلس میں زید بن عمرو بن نفیل بھی تھے۔ آپ نے اس کے کھانے سے انکار کیا۔ بعد ازاں زید نے بھی انکار کیا اور کہا کہ میں بتوں کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانور اور بتوں کے چڑھاوے نہیں کھاتا میں صرف وہی چیز کھاتا ہوں جس پر صرف اللہ کا نام لیا جائے۔ زید بن عمرو بن نفیل قریش سے یہ کہا کرتے تھے کہ بکری کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے اور اللہ ہی نے اس کے لیے گھاس اگایا پھر تم اسکو غیر اللہ کے نام پر کیوں ذبح کرتے ہو۔ فتح الباری ص۱۰۸ ج۷ حدیث زید بن عمرو بن نفیل۔

زید بن عمرو بن نفیل۔ حضرت عمر بن الخطابؓ کے چچا زاد بھائی اور سعید بن زید کے (جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) والد ماجد ہیں شرک اور بت پرستی سے بیزار اور دین حق کے متلاشی تھے بعثت سے پانچ سال قبل جس وقت خانہ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی اس وقت انتقال کیا۔ تفصیل کے لیے۔ فتح الباری ص۱۰۸ ج۷ تا ص۱۱۱ ج۷ باب حدیث زید بن عمرو بن نفیل اور اصابہ ص۵۶۹ ج۱ ترجمۂ زید بن عمرو بن نفیل اور طبقات ابن سعد ص۱۰۵ ج۱ باب علامات النبوۃ قبل البعثت مطالعہ فرمائیں۔

بدء الوحی[1] اور تباشیر نبوت

روایات مذکورۂ بالا سے یہ امر بخوبی ثابت ہو گیا کہ حضرات انبیاء اللہ نبی ہونے سے پیشتر ہی کفر اور شرک اور ہر قسم کے فحشاء اور منکر سے پاک اور منزہ ہوتے ہیں ابتداء ہی سے ان حضرات کے قلوب مُطَہَّرہ توحید و تفرید خشیت و معرفت سے لبریز ہوتے ہیں یہ کیسے ممکن ہے کہ جو حضرات عنقریب کفر اور شرک کے مٹانے کے لیے اور

---

[1] بدء الوحی سے مراد آغاز نبوت ہے یعنی وحی کی ابتداء کس طرح ہوئی اور تباشیر نبوت سے نبوت و رسالت کے مبشرات اور مبادی مراد ہیں یعنی وہ امور کہ جو صریح نبوّت و رسالت تو نہیں مگر نبوت و رسالت کا دیباچہ اور پیش خیمہ ہیں ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ

ہر فحشار اور منکر سے بچانے کے لیے اور خیر کی طرف دعوت دینے کے لیے من جانب اللہ مبعوث ہونے والے ہیں اور خدا کے مجتبیٰ اور مصطفیٰ برگزیدہ اور پسندیدہ بندے بننے والے ہیں معاذ اللہ وہ خود ہی منصب نبوت و رسالت اور خلعت اجتبار و اصطفار کی سرفرازی سے پیشتر کفر اور شرک کی نجاست میں ملوّث اور فواحش و منکرات کی گندگی سے آلودہ ہوں۔ حاشا ثم حاشا قطعاً ناممکن اور محال ہے۔ حضرات انبیار نبوت اور بعثت سے پیشتر اگرچہ نبی اور رسول نہیں ہوتے مگر اعلیٰ درجہ کے اولیار اور عُرفار ضرور ہوتے ہیں۔ صفات، خداوندی سے جاہل نہیں ہوتے اور نہ ان کو کسی وقت صفات خداوندی میں کسی قسم کا دھوکا اور مغالطہ ہوتا ہے اور نہ کسی قسم کا شک اور اشتباہ آتا ہے۔

قال اللہ عزوجل۔ وَلَقَدْ اٰتَیْنَآ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِیْنَ ۝ (۱)

اور تحقیق ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے ان کی شان کے مطابق رشد عطا کیا تھا اور ہم ان کو اور ان کی استعداد کو پہلے سے ہی خوب جانتے تھے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ رشد کے کیا معنی ہیں اور رشید اور راشد کس کو کہتے ہیں سورۂ حجرات کی یہ آیت شریفہ اس کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِیْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ یُطِیْعُكُمْ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْكُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَیْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ اُولٰٓئِكَ

اور جان لو کہ تم میں اللہ کے رسول ہیں بالفرض والتقدیر اگر بہت سی باتوں میں تمہارا کہنا ماننے لگیں تو بلاشبہ تم مشقت میں پڑ جاؤ لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو اس مشقت سے اس طرح بچایا کہ ایمان اور اطاعت کو تمہارے دلوں میں محبوب اور مرغوب بنا دیا اور کفر اور فسق اور

(۱) انبیار، ص: ۵۱۔

هُمُ الرّٰشِدُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ط (۱)

معصیت کی نفرت تمہارے دلوں میں ڈال دی، ایسے لوگ کہ جنکے دلوں میں ایمان و اطاعت کی محبت اور کفر و معصیت کی نفرت راسخ ہو چکی ہو اللہ کے فضل و انعام سے رشد و ہدایت والے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے ہی علیم و حکیم ہیں۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ قلب میں ایمان و اطاعت خداوندی کی محبت اور کفر اور فسق اور معصیت کی نفرت و کراہت کے راسخ ہو جانے کا نام رُشد ہے اور یہ رُشد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو حق جل شانہٗ نے ابتداء ہی عطا فرما دیا تھا جیسا کہ سورۂ انبیاء کی اس آیت سے واضح ہے اور رُشد لغت عرب میں ضلالت اور گمراہی کے مقابلہ میں مستعمل ہوتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ رُشد اور ہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ابتداء ہی سے رُشد اور ہدایت پر تھے معاذ اللہ گمراہ نہ تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ستاروں اور چاند اور سورج کو دیکھ کر فرمانا ھٰذا ربی اس سے حال کے بعض[1] مصنفین کو یہ دھوکہ ہوا کہ معاذ اللہ ابھی حضرت ابراہیم

---

(۱) الحجرات، آیۃ: ۷۔ [1] علامہ شبلی سیرۃ النبی ج ۱ ص ۱۸۷ تقطیع خورد میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نبوت سے پہلے ستاروں کو دیکھا تو چونکہ تجلی کی جھلک تھی، دھوکہ ہوا چاند نکلا تو اور بھی شبہ ہوا۔ آفتاب پر اس سے زیادہ لیکن جب سب نظروں سے غائب ہو گئے تو بے ساختہ پکار اٹھے۔ انی لا احب الآفلین۔ انتہی کلامہ علامہ شبلی کا خیال سراپا اختلال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو دھوکہ لگا۔ معاذ اللہ حضرات انبیاء کرام کو خدا کی ذات و صفات میں کبھی دھوکہ نہیں لگتا اور حضرت ابراہیم کو تو انبیاء و رسل میں ایک خاص شان امتیازی حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ملکوت السمٰوٰت و الارض کا مشاہدہ کرایا اور ان کو موقنین میں سے بنایا ان کو خوب معلوم تھا کہ شمس و قمر اور کواکب اور نجوم سب حکم خداوندی کے مسخر اور تابعدار ہیں معاذ اللہ حضرت ابراہیم کو کوئی دھوکا نہیں لگا۔ علامہ ہی کو خلط مسلط عربی عبارتوں کے ترجمہ میں دھوکہ لگتا ہے۔ ؎ درنیابد حال پختہ ہیچ خام پس سخن کوتاہ باید والسلام

شک وشبہ میں پڑے ہوتے تھے۔ جب غروب ہوتے دیکھا تب اشتباہ زائل ہو جاتا تھا۔ غرض یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ابتداہی سے شمس وقمر کو خدا کی ادنیٰ مخلوق سمجھتے تھے قوم چونکہ کواکب پرستی میں مبتلا تھی۔ اس لیے ان کے عقیدۂ فاسدہ کے رد کرنے کے لیے فرمایا کہ اگر بطور فرض محال تھوڑی دیر کے لیے یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ ستارہ تمہارے اعتقاد کے مطابق میرا رب ہے۔ تو بہت اچھا ذرا تھوڑی دیر اس کے غروب وافول کا انتظار کرو خود ہی اس کا فانی اور حادث ہونا منکشف ہو جائے گا۔ پھر اسی طرح شمس وقمر کا حادث اور فانی ہونا سمجھایا اس لیے کواکب پرستوں کا عقیدہ یہ تھا کہ غروب کے بعد ستارہ میں وہ تاثیر باقی نہیں رہتی جو طلوع کے وقت تھی پس اگر یہ خدا ہوتے تو ان کی صفت تاثیر میں تغیر اور ضعف نہ آتا اس لیے کہ حق تعالیٰ کی ذات وصفات تغیر اور ضعف سے پاک اور منزہ ہیں حضرت ابراہیم کا یہ تمام کلام اوّل سے آخر تک بطور محاجّہ اور مناظرہ تھا جیسا کہ بعد کی آیتیں وَحَاجَّهُ قَوْمُهُ قَالَ اَتُحَاجُّوْنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰانِ۔ اور آیۃ تِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ صراحۃً اس پر دال ہیں کہ یہ تمام تر کواکب پرستوں کے ساتھ مناظرہ اور مجادلہ تھا اور یہ وہ حجت اور برہان تھی کہ جو اللہ نے آپ کو مناظرہ کے لیے تلقین کی تھی۔ الحاصل یہ مناظرہ تھا حضرت خلیل کی ذاتی نظر اور فکر نہ تھی۔ کیا حضرت ابراہیم نے اس سے پیشتر کبھی چاند اور سورج کو نہ دیکھا تھا نیز بخاری ومسلم اور دیگر کتب صحاح میں یہ حدیث موجود ہے۔

كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ	ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے بعد میں اس کے
يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ۔	ماں باپ اسکو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں

اور یہ نہیں فرمایا کہ یُسَلِّمَانِہٖ کہ اس کے ماں باپ اس کو مسلمان بناتے ہیں اس لیے کہ فطرۃً وہ مسلمان ہی پیدا ہوتا ہے اور صحیح مسلم میں عیاض بن حماد سے مروی ہے کہ

رسول اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

قَالَ اللّٰہُ اِنِّیْ خَلَقْتُ عِبَادِیْ حُنَفَاءَ — حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بندوں کو فطرۃً حنیف پیدا کیا ہے۔

پس جب کہ ہر مولود ابتداہی سے حنیف اور فطرۃ اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ تو جو شخص شیخ ہو تمام انبیاء کا اور امام ہو تمام حُنَفَاء کا اور مقتدا ہو تمام موحدین کا اور قُدْوَہ اور اُسوہ ہو کفر اور شرک سے بری اور بیزاری ہونے والوں کا وہ بدرجۂ اُولیٰ ابتداہی سے حنیف اور رشید ہوگا اور اس کی فطرت سب سے زیادہ سلیم اور اس کی طبیعت سب سے زیادہ مستقیم ہوگی۔ قرآن کریم میں جابجا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابراہیم، حنیف کی ملت کے اتباع کا حکم مذکور ہے۔

ثُمَّ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (۱) — پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ ابراہیم حنیف کی ملت کا اتباع کیجیے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے۔

وقال تعالیٰ قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (۲) — آپ کہہ دیجیے کہ اللہ نے مجھ کو ایک سیدھا راستہ بتایا ہے وہ ایک صحیح دین ہے جو ابراہیم کا طریقہ ہے جن میں ذرا برابر کجی نہ تھی اور نہ وہ کبھی مشرکین میں سے ہوتے۔

تفصیل اگر درکار ہے تو امام جلیل وکبیر حافظ عماد الدین ابن کثیر قدس اللہ روحہ ونور ضریحہ (آمین) کی تفسیر کی مراجعت فرمائیں۔

زمانۂ جاہلیت میں جبکہ کفر اور شرک کی ظلمتیں ہر طرف چھائی ہوئی تھیں اس وقت زید بن عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل اور اس قسم کے موحدین اور حُنَفَاء کے دلوں میں جو توحید کی روشنی جلوہ گر تھی وہ توحید ابراہیمی کا پرتو اور عکس نہ تھا تو پھر کس کا تھا۔ کیا معاذ اللہ

(۱) النحل، آیۃ: ۱۲۳۔ ، (۲) الانعام: آیۃ: ۱۶۱۔

زید اور ورقہ کی فطرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ سلیم تھی۔

قاضی عیاض قدس اللہ سرہ شفا میں فرماتے ہیں۔

اِعْلم منحنا اللہ تعالٰی	اے عزیز خوب جان لے (اللہ تعالیٰ ہم کو
و ایاك توفیقه ان ماتعلق	اور تجھ کو اپنی توفیق کی نعمت عطا فرمائے) کہ
منه بطریق التوحید والعلم	جس چیز کا اللہ کی توحید اور معرفت اور ایمان
باللہ وصفاته والایمان	اور وحی سے اس کا تعلق ہے وہ حضرت
به وبما اوحی الیه فعلی	انبیاء کو نہایت کامل اور واضح طریق سے
غایة المعرفة ووضوح العلم	معلوم ہوتی ہے۔ حضرات انبیاء کو خدا کی
والیقین والانتفاء عن الجھل	ذات وصفات کا علم یقینی ہوتا ہے معاذ اللہ
بشیء من ذالك اوالشك اوالریب	کسی چیز سے بے خبر نہیں ہوتے اور نہ ان کو
فیه والعصمة من کل مایضاد	اس بارہ میں کوئی شک اور تردد ہوتا ہے
المعرفة بذالك والیقین	اور ہر اس چیز سے معصوم اور پاک اور منزہ ہوتے
ھذا ماوقع علیه اجماع المسلمین	ہیں کہ جو اس کی معرفت اور یقین کے منافی
علیه ولا یصح بالبراھین	ہو اسی پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اور
الواضحة ان یکون	براہین قاطعہ اور دلائل واضحہ سے یہ ثابت
فی عقود الانبیاء	ہو چکا ہے کہ حضرات انبیاء کے عقائد میں
سواہ (۱)	کوئی غلطی نہیں ہو سکتی۔

خلاصہ

یہ کہ حضرات انبیاء اللہ کے نفوس قدسیہ ابتداء ہی سے کفر اور شرک اور ہر قسم کے فحشاء اور منکر سے پاک اور منزہ ہوتے ہیں۔ شروع ہی سے وہ حنیف اور رشید

(۱) شفاء قاضی عیاض - ج : ۲ ، ص : ۸۸

ہوتے ہیں فطری طور پر ہر بری بات سے متنفر اور بیزار ہوتے ہیں۔ چنانچہ شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

فلما نشاءت بغضت الی الاوثان وبغض الی الشعر (۱)

کہ جب سے میرا نشو ونما شروع ہوا اسی وقت سے بتوں کی شدید عداوت اور نفرت اور شعر سے سخت نفرت میرے دل میں ڈال دی گئی۔

نبی کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ سرتاپا حق اور صدق ہو اس کے قول میں اس کے فعل میں اس کی نیت میں اس کے عزم اور ارادہ میں کہیں کذب اور تخیل کا شائبہ اور نام و نشان بھی نہ ہو۔ لہٰذا مناسب ہوا کہ نبی شاعر نہ ہو اس لیے کہ شاعر کا کذب اور تسوائب سے پاک اور منزہ ہونا اغلبا اور عادتاً ناممکن ہے اس لیے ارشاد ہوا۔

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ۔ (۲)

ہم نے آپ کو شاعری کا علم نہیں عطا کیا اور نہ یہ علم آپ کے لیے مناسب بھی نہیں۔

چونکہ منصب نبوت و رسالت آپ کے لیے مقدر ہو چکا تھا اس لیے حق جل شانہ نے ابتداء ہی سے آپ کے قلب مطہر کو ان تمام امور سے متنفر اور بیزار کر دیا کہ جو منصب نبوت و رسالت کے منافی اور مباین تھی اسی طرح اللہ نے آپ کو بڑھایا اور جوان کیا جب زمانہ نبوت کا قریب آپہنچا۔ تو رویا تے صادقہ[۲] اور صالحہ سچے اور درست خواب دکھائی دینے لگے۔ نبی نباء سے مشتق ہے۔ لغت عرب میں نباء اس خبر کو کہتے ہیں کہ جو عظیم الشان

---

[۱] یہ روایت کنز العمال میں بحوالہ ابی یعلی و ابی نعیم ذکر کی گئی ہے ۱۲۔ [۲] حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا خواب ہمیشہ صادق (سچا) ہوتا ہے کبھی جھوٹا نہیں ہوتا۔ البتہ دنیا کے لحاظ سے کبھی صالحہ (ٹھیک) ہوتا ہے اور کبھی غیر صالحہ۔ لیکن آخرت کے لحاظ سے ہمیشہ صالحہ ہی ہوتا ہے جیسے مصیبت مؤمن کے حق میں دنیا کے اعتبار سے مکروہ اور آخرت کے لحاظ سے محبوب اور پسندیدہ ہے ۱۲۔ کتاب التعبیر فتح الباری ص ۳۱۱ ج ۱۲

(۱) کنز العمال۔ ج: ۶، ص: ۳۰۵　(۲) یٰس۔ آیۃ: ۶۹۔

اور بالکل صحیح اور واقع کے مطابق ہو۔ مطلق خبر کو نبأ نہیں کہتے۔ نبی کو نبی اس لیے کہتے ہیں کہ اس کو بذریعہ وحی کے انباء الغیب یعنی غیبی خبروں پر کہ جو نہایت مہتم بالشان اور بالکل صحیح اور واقع کے مطابق ہوتی ہیں اور کبھی غلط نہیں ہو سکتیں نبی کو بذریعہ وحی ایسی خبروں کی اطلاع دی جاتی ہے۔ امام ربانی شیخ مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہٗ اپنے ایک مکتوب میں مختصراً نبوت کی حقیقت کو اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

وچنانچہ طور عقل ورائے طور حس است کہ انچہ بحس مدرک نشود عقل ادراک آں می نماید ہمچنیں طور نبوت ورائے طور عقل ست انچہ بعقل مدرک نشود بتوسل نبوت بدرک می درآید۔	جس طرح ادراک عقل کا طریقہ ادراک حسی کے علاوہ ہے کہ جو شئی حس ظاہر سے نہ معلوم ہو سکے عقل اسکا ادراک کر لیتی ہے اسی طرح طور نبوت طور عقل سے سوا ہے کہ جن چیزوں کے ادراک سے عقل قاصر اور عاجز ہے وہ چیزیں بذریعہ نبوت ادراک کی جا سکتی ہیں

حس ظاہر سے فقط محسوسات کا اور عقل سے فقط معقولات کا ادراک ہو سکتا ہے لیکن وہ غیبی امور کہ جو حس اور عقل کے ادراک سے بالا اور برتر ہیں۔ نہ وہاں حس کی رسائی ہے اور نہ عقل کی وہ غیبی امور بذریعہ وحی اور نبوت کے منکشف ہوتے ہیں امور غیبیہ کے، ادراک کا ذریعہ اور وسیلہ صرف وحی نبوت ہے۔ وحی نبوت کی حقیقت تو حضرات انبیاء ہی سمجھ سکتے ہیں مگر حق تعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت سے ہم جیسے نادانوں کے سمجھانے کے لیے وحی نبوت کا ایک نمونہ عطا فرمایا ہے کہ جس کو دیکھ کر کچھ نبوت کی حقیقت کو سمجھ سکیں۔ وحی نبوت کا وہ نمونہ رؤیائے صالحہ ہے (سچا خواب) کہ جو حس اور عقل کے علاوہ غیبی امور کے انکشاف کا ایک ادنیٰ ذریعہ ہے۔

جس وقت انسان سو جاتا ہے اور اس کے تمام ظاہری اور باطنی قوائے ادراکیہ بالکل معطل اور بے کار ہو جاتے ہیں۔ اس وقت اس کو من جانب اللہ بہت سے امور منکشف ہوتے ہیں۔ تفصیل کے لیے حجۃ الاسلام امام غزالی قدس اللہ سرہٗ کا رسالہ المنقذ من الضلال مطالعہ فرمائیں۔

خلاصہ یہ کہ جس طرح غیبی امور کے انکشاف کا اعلیٰ ترین ذریعہ وحی نبوت ہے اسی طرح غیبی امور کے انکشاف کا ادنیٰ ترین ذریعہ رویائے صادقہ ہے اور رویائے صالحہ وحی نبوت کا ایک نمونہ ہے جس سے انبیاء کرام کی نبوت کا آغاز ہوتا ہے۔ چنانچہ دلائل ابی نعیم میں باسناد حسن عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد علقمہ بن قیس سے مرسلاً مروی ہے کہ اول انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو خواب دکھلائے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب سچے خوابوں سے ان کے قلوب مطمئن ہو جاتے ہیں تب بحالت بیداری ان پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے (۱) باب کیف کان بدء الوحی۔ جیسے یوسف علیہ السلام کو نبوت سے قبل ایک عجیب و غریب خواب دکھلایا گیا۔ اسی وجہ سے کہ رویائے صالحہ وحی نبوت کا ایک نمونہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ رویائے صالحہ نبوت کا ایک جز ہے۔ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا خواب تو ہمیشہ سچا ہی ہوتا ہے حضرات انبیاء کے خواب میں کذب کا امکان بھی نہیں۔ البتہ صالحین کے خواب میں صدق غالب رہتا ہے شاذ و نادر ان کا خواب از قبیل اضغاث احلام ہوتا ہے۔ فساق و فجار کے خواب اکثر اضغاث احلام ہوتے ہیں صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَصدقُهم رؤیا اصدقُهم حدیثا۔　　جو شخص اپنی بات میں سب سے زیادہ سچا ہے وہی خواب میں بھی سب سے زائد سچا ہے۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ خواب کے صادق ہونے میں بیداری کے صدق کو خاص دخل ہے اور جو شخص جتنا زائد صادق الکلام ہے اسی قدر نبوت سے قریب ہے اور جس درجہ صدق سے دور ہے اتنا ہی نبوت سے دور ہے اسی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی یہ ارشاد فرمایا کہ رویائے صالحہ نبوت کا چھیالیسواں جزء ہے اور کبھی یہ فرمایا

(۱) فتح الباری، ج: ۱، ص: ۷

کہ چالیسواں جزء ہے ایک حدیث میں ہے کہ پینتالیسواں جزء ہے ایک اور حدیث میں ہے کہ پچاسواں جزء ہے ایک اور حدیث میں سترواں جزء ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ چھہتّراں جزء ہے۔ امام غزالی قدس اللہ سرہ۔ احیاء العلوم کی کتاب الفقر والزہد میں فرماتے ہیں کہ حاشا ان مختلف کلمات کو یہ نہ سمجھو کہ باہم متعارض اور مضطرب ہیں بلکہ ان مختلف کلمات سے اختلاف مراتب کی طرف اشارہ سمجھو کہ خواب دیکھنے والے مختلف المراتب ہیں صدیقین کے خواب کو نبوت سے وہی نسبت ہوگی جو ایک کو چھبیس سے ہے اور کسی کے خواب کو نبوت سے وہی نسبت ہوگی جو ایک کو چالیس۴۰ یا پچاس۵۰ یا ستر یا چھہتّر۷۶ سے ہے (۱)

اور ابو ہریرہؓ کی حدیث اصدقھم رؤیا اصدقھم حدیثا (جس کو ہم ابھی نقل کر چکے ہیں) وہ بھی اسی اختلاف مراتب کی طرف مشیر معلوم ہوتی ہے اس لیے معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ افعل التفضیل کا استعمال اسی محل پر مناسب ہے کہ جہاں مراتب اور درجات مختلف اور متفاوت اور متفاضل ہوں۔

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل سے صراحۃً منقول ہے کہ رؤیائے صالحہ کے جزء نبوت ہونے میں جس قدر بھی روایتیں مروی ہیں وہ سب اختلاف مراتب پر محمول ہیں (۲) رہا یہ سوال کہ رویائے صالحہ کے جزء نبوت ہونے کے کیا معنی ہیں حضرات اہلِ علم اس کے حل کے لیے فتح الباری کی مراجعت کریں (۳) اور بعد ازاں اپنے طلباء اور متوسلین کو سمجھائیں اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو اس فعلِ خیر کی جزاء عطا فرمائے۔ دلالت علی الخیر کے اجر کا یہ ناچیز بھی اپنے پروردگار سے امیدوار ہے۔ تطویل کے اندیشے نے اسوقت پہلوتہی پر مجبور کیا لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا۔

اب اصل مقصد کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ بخاری اور مسلم میں ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ بنت صدیقؓ سے مروی ہے۔

---

(۱) فتح الباری، ج: ۱۲، ص: ۳۱۹-۳۲۴ (۲) مدارج السالکین، ج: ۱، ص: ۲۹
(۳) فتح الباری ج: ۱۲، ص، ۳۲۱، ۳۲۲

اوّل مابدیٔ بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الوحی الرؤیا الصالحۃ فی النوم فکان لایریٰ رؤیا الاجاءت مثل فلق الصبح

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتدا رویائے صالحہ سے ہوئی جو خواب بھی دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی طرح ظاہر ہو کر رہتا۔

ابن ابی جمرہ فرماتے ہیں کہ رویائے صالحہ کو صبح کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ ہنوز آفتاب نبوت نے طلوع نہ کیا تھا۔ جس طرح صبح صادق کی روشنی طلوع آفتاب کا دیباچہ ہے اسی طرح رویائے صالحہ آفتاب نبوت و رسالت کے طلوع کا دیباچہ تھا

رویائے صادقہ کی صبح صادق خبر دے رہی تھی کہ عنقریب آفتاب نبوت طلوع کرنے والا ہے اور جس طرح صبح کی روشنی آناً فاناً بڑھتی رہتی ہے اسی طرح رویائے صالحہ اور صادقہ کی روشنی بھی آناً فاناً بڑھتی رہی۔ یہاں تک کہ آفتاب نبوت و رسالت فاران کی چوٹیوں سے جلوہ گر ہوا، جو قلب کے بصیر اور بینا تھے مثلاً ابو بکرؓ وہ سامنے آئے اور آفتاب نبوت کے انوار و تجلیات سے مستفید ہوئے اور جو کور باطن اور خفاش دل تھے جیسے ابو جہل آفتاب کے طلوع ہوتے ہی خفاش کی طرح ان کی آنکھیں بند ہوگئیں اور نبوت و رسالت کے آفتاب عالم تاب کی تمازت کی تاب نہ لاسکے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم | چشمۂ آفتاب را چہ گناہ
چہرۂ آفتاب خود فاش است | بے نصیبی نصیب خفاش است

باقی لوگ ابو بکر اور ابو جہل کے بین بین تھے اپنی اپنی بصیرت نور قلبی کے موافق ہر شخص آفتاب نبوت سے مستفید ہوا (۱)

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

ثم حُبّبَ الیہ الخلاء وکان یخلو بغار حِراء۔

پھر آپ کو خلوت اور تنہائی محبوب بنادی گئی آپ غار حراء میں جا کر خلوت فرماتے۔

---

(۱) فتح الباری، ج: ۱۲، ص:

ام المومنین نے حُبّب کو بصیغۂ مجہول بظاہر اس لیے ذکر فرمایا کہ یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ کیا سبب اور کیا داعی تھا کہ جس نے خلوت اور عزلت کو آپ کے لیے محبوب بنا دیا وہ کوئی امر باطنی اور غیبی تھا کہ جس نے خلوت و تنہائی پر آپ کو مجبور کر دیا اللہ ہی کو معلوم ہے کہ وہ کیا تھا۔ اوروں کے حق میں وہ سراسر مجہول ہے اس لیے ام المومنین نے اس کو بصیغۂ مجہول ذکر فرمایا۔

حق جل شانہٗ جب کسی کے ساتھ خاص رحمت کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کے قلب میں خلوت و عزلت کا داعیہ پیدا فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ حق جل شانہٗ اصحاب کہف کے قصہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا (۱)	اور جب تم ان کافروں سے اور ان کے تمام معبودوں سے سوائے اللہ کے الگ ہو جاؤ تو ایک غار میں جا کر ٹھکانا بناؤ تاکہ اطمینان سے اللہ کی عبادت کر سکو اللہ تعالیٰ تم پر اپنی رحمتیں برسائے گا اور ہر کام میں تمہارے لیے سہولت پیدا فرمائے گا۔

یہ ضروری نہیں کہ خلوت و عزلت سے نبوت اور رسالت مل جائے اس لیے کہ نبوت اور رسالت کوئی اکتسابی شئ نہیں اللہ جس کو چاہے نبی اور رسول بنائے واللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ۔

تبارك الله ما وحی بمكتسب　　ولا نبی علی غیب بمتهم

ہاں جس کو وہ خود اپنی رحمت سے نبی اور رسول بنانا چاہتے ہیں خلوت و عزلت ان کے حق میں نبوت و رسالت کا دیباچہ ہوتی ہے جیسا کہ رویائے صالحہ فقط ان

(۱) الکہف، آیۃ: ۱۶

حضرات کے لیے نبوت و رسالت کا پیش خیمہ ہوتا ہے جن کے لیے منصب نبوت پر فائز ہونا علم الٰہی میں مقدر ہو چکا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ جس کو رویائے صالحہ اور سچے خواب نظر آئیں وہ نبی ہو جاتے گا۔

وقال تعالیٰ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا (۱)

پس جب ابراہیم علیہ السلام کافروں سے اور سوائے خدا کے ان کے تمام معبودوں سے الگ ہو گئے تو ہم نے ابراہیم کو اسحاق جیسا بیٹا اور یعقوب جیسا پوتا عطا کیا اور ہر ایک کو نبی بنایا۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب کا منصب نبوت پر فائز ہونا عزلت ابراہیمی کی برکات میں سے تھا، پس اسی طرح آپ بھی غار حراء میں جا کر اعتکاف فرماتے اور کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جاتے اور وہاں رہ کر اللہ کی عبادت اور بندگی کرتے کسی حدیث میں آپ کی عبادت کی کیفیت مذکور نہیں بعض علماء فرماتے ہیں کہ ذکر الٰہی اور مراقبہ اور تفکر اور تدبر یہ آپ کی عبادت تھی علاوہ ازیں فساق و فجار مشرکین اور کفار سے علیحدہ رہنا یہ خود مستقل عبادت ہے (آخر ہجرت جس کی مدح و ثنا سے سارا قرآن بھرا پڑا ہے وہ کیا ہے خدا اور رسول کے دشمنوں سے علیحدگی ہی تو نام ہے) اور جب توشہ ختم ہو جاتا تو گھر واپس آکر توشہ لے جاتے اور عبادت میں مشغول ہو جاتے۔ زرقانی ص ۲۱۱ ج ۱ والمختار عندنا انه کان یعمل بما ظهر له من الکشف الصادق من شریعة ابراهیم وغیره کما فی الدر المختار ص ۱۶۳ ج ۱۔

حلہ بین القوسین جو عبارت ہے وہ مؤلف کی طرف سے ہے اس لیے اس کو علامہ زرقانی کے کلام سے ممتاز کر دیا گیا جس دلیل سے اللہ جل شانہ کو عباد مخلصین کا دیکھنا موجب خیر و برکت ہے اسی دلیل سے بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر۔

(۱) مریم، آیۃ: ۴۹

یعنی فقہاء حنفیہ کے نزدیک مختار قول یہ ہے کہ آپ کو کشفِ صادق اور الہام صحیح سے جو ظاہر اور منکشف ہوتا کہ یہ امر حضرت ابراہیمؑ یا اور کسی نبی کی شریعت سے ہے اس کے مطابق عمل فرماتے جیسا کہ بعض روایات میں بجائے فیتحنث کے فَیَتَحَنَّفُ کا لفظ آیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ابراہیم حنیف کے طریقہ پر چلتے تھے یہ لفظ اس کی تائید کرتا ہے کہ آپ ملت حنیفیہ کے مطابق اپنے کشف اور الہام سے عمل کرتے تھے۔

آفتابِ رسالت کا فاران کی چوٹیوں سے طلوع

یہاں تک کہ جب عمر شریف چالیس سال کو پہنچی تو حسب معمول آپ ایک روز غارِ حرا میں تشریف فرماتے تھے کہ دفعۃً ایک فرشتہ غار کے اندر آیا اور آپ کو سلام کیا اور پھر یہ کہا اقرأ پڑھیے آپ نے فرمایا۔ ما انا بقاری میں پڑھ نہیں سکتا۔ اس پر فرشتہ نے پکڑ کر مجھ کو اس شدت سے دبایا کہ میری مشقت کی کوئی انتہا نہ رہی اور اس کے بعد چھوڑ دیا اور کہا اقرأ میں نے پھر وہی جواب دیا۔ مَا اَنَا بِقَارِیْ۔

حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

اعداء اللہ کا دیکھنا سلیم طبیعتوں کے لیے موجب کدورت اور باعث ظلمت ہے کیا ہارون اور موسیٰ بن عمران اور فرعون، ہامان اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل عدو اللہ ابوبکر صدیق اور مسیلمہ کذاب کا دیکھنا برابر ہے حاشا ثم حاشا ولا ینکر ذلک الا من سفہ نفسہ۔ والعاقل تکفیہ الاشارۃ ۱۲

فائدہ جلیلہ :

مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ کے بظاہر معنی یہ ہیں کہ میں پڑھا ہوا نہیں اُمّی ہوں لیکن اس معنی میں اشکال یہ ہے کہ قرأت یعنی زبان سے پڑھنا امیت کے منافی نہیں۔ اُمّی شخص بھی کسی کے تعلیم وتلقین سے قرات اور تلفظ کرسکتا ہے۔ خصوصاً جبکہ فصاحت و بلاغت اس کی غلام ہو۔ اُمیت۔ کتابت کے منافی ہے۔ اُمّی شخص لکھی ہوئی تحریر کو نہیں پڑھ سکتا، لیکن زبانی تعلیم وتلقین سے تلقین کردہ الفاظ کی قرارت کرسکتا ہے۔ پس اگر جبریل امین کوئی لکھی ہوئی تحریر لے کر آئے تھے کہ جس میں یہ آیتیں لکھی ہوئی تھیں اور اس کی نسبت یہ کہتے تھے کہ اقرا یعنی اس تحریر کو پڑھو تو پھر اس کے جواب میں ما انا بقاری کہنا ظاہر اور مناسب ہے جیسا کہ بعض[1] روایات میں ہے کہ جبریل ایک حریری صحیفہ لے کر آئے جو جواہرات سے مرصع تھا اور وہ صحیفہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دیا اور کہا کہ اقرا یعنی اس حریری صحیفہ کو پڑھیے۔ آپ نے فرمایا مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ یعنی میں اُمّی ہوں لکھی ہوئی تحریر کو پڑھ نہیں سکتا۔

حاشیہ صفحہ گذشتہ

[2] چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہونا ابن عباس اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے صحیح بخاری میں مذکور ہے اور ایسا ہی جبیر بن مطعم اور عطاء اور سعید بن المسیب سے مروی ہے ۱۲ عیون الاثر و زرقانی ص۲۰۷ ج۱

[3] اس حدیث کو امام بخاری نے بدء الوحی اور کتاب التعبیر اور کتاب التفسیر میں ذکر کیا ہے مگر حتی بلغ منی الجہد کا لفظ بدء الوحی میں صرف پہلی اور دوسری بار کے ساتھ ذکر کیا ہے لیکن کتاب التفسیر اور کتاب التعبیر میں تیسری بار کے ساتھ بھی ذکر کیا ہے۔ ۱۲ منہ عفا عنہ۔

[1] زرقانی شرح مواہب ص۲۱۸ ج۱ میں ہے قد روی ابن اسحاق فی مرسل عبید بن عمیر جاء جبریل بنمط من دیباج فیہ کتاب۔

بعض مفسّرین[۱] کا قول ہے کہ الٓمّٓ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَارَیْبَ فِیْہِ میں اسی کتاب کی طرف اشارہ ہے جس کو جبریل امین لے کر آئے تھے اور اگر جبریل امین کوئی تحریر لیکر نہیں آئے تھے اور اقرأ سے کسی لکھی ہوئی تحریر کا پڑھنا مطلوب نہ تھا۔ بلکہ محض زبان سے قرأت اور تلفظ مطلوب تھا تو اس صورت میں مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ کے یہ معنی نہیں کہ میں اُمّی ہوں پڑھا ہُوا نہیں بلکہ یہ معنی ہیں کہ وحی کی ہیبت اور دہشت کی وجہ سے پڑھ نہیں سکتا رؤیتِ ملک اور مشاہدۂ انوارِ وحی کی وجہ سے قلب پر اس درجہ ہیبت اور دہشت طاری ہے کہ زبان اٹھتی نہیں کس طرح پڑھوں جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کیف اقرأ اس بنا پر ہم نے ما انا بقاری کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ میں پڑھ نہیں سکتا۔ جو اس معنی کے بھی مناسب ہے اور پہلے معنی کے ساتھ بھی درست ہو سکتا ہے۔ ہٰذا توضیح ما افادہ الشیخ عبدالحق المحدث الدہلوی فی اشعۃ اللمعات (۱) مدارج النبوۃ (۲) وکذا فی تیسیر القاری شرح بخاری بزبان فارسی الشیخ نورالحق دہلوی ص ج ۱ وشرح فارسی شیخ الاسلام دہلوی (۳)

فرشتہ نے پھر تیسری بار مجھ کو پکڑا اور اسی شدت کے ساتھ دبایا اور چھوڑ دیا اور یہ کہا کہ پڑھو۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۔ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ (۲) (۴)	آپ اپنے پروردگار کے نام کی مدد سے پڑھیے جو خالق ہے تمام کائنات کا خصوصاً انسان کا کہ جس کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ آپ پڑھیے کہ آپکا رب بہت ہی کریم ہے جس نے قلم سے علم سکھلایا اور انسان کو وہ چیزیں بتلائیں جنکو وہ نہیں جانتا تھا۔

---

(۲) مَا لَمْ یَعْلَمْ تک پڑھنا کتاب التفسیر اور کتاب التعبیر میں مذکور ہے بدءالوحی کی روایت میں فقط وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ تک پڑھنا مذکور ہے۔ ۱۲ عفا عنہ (۲) ج : ص ۳۰ م (۳) ج : ا ص ۳۳

(۳) ج : ۴، ص : ۵۲۲ (۴) العلق، آیۃ ۱،

[۱] بعض مفسرین کا یہ قول اشعۃ اللمعات میں نہیں بلکہ روض الانف شرح سیرۃ ابن ہشام میں مذکور ہے ۱۲۔

بعد ازاں آپ گھر تشریف لائے لرزہ بدن مبارک پر لرزہ اور کپکپی تھی آتے ہی حضرت خدیجہ سے فرمایا زملونی۔ زملونی مجھ کو کچھ اڑھاؤ جب کچھ دیر کے بعد وہ گھبراہٹ اور پریشانی دُور ہوئی تو تمام واقعہ حضرت خدیجہ سے بیان کیا اور یہ کہا کہ مجھ کو اندیشہ ہوا کہ میری جان نہ نکل جائے۔ چونکہ وحی اور فرشتہ کے انوار و تجلیات کا حضور کی بشریت پر دفعۃً نزول اور ورود ہوا اس لیے وحی کی عظمت اور جلال سے آپ کو یہ خیال ہوا کہ اگر وحی کی یہی شدت رہی تو عجب نہیں کہ میری بشریت وحی کے اس ثقل اور بوجھ کو نہ برداشت کر سکے یا بارِ نبوت سے مغلوب ہو کر فنا ہو جائے۔

چنانچہ اس آیت میں اسی ثقل کی طرف اشارہ ہے۔

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا (۱) اے محمد ہم تم پر ایک ثقیل اور گراں کلام نازل کریں گے

سوار ہونے کی حالت میں اگر وحی نازل ہو جاتی تو ناقہ وحی کی وجہ سے مجبوراً بیٹھ جاتی تھی۔ زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ ایک بار آپ کی ران میری ران پر تھی کہ وحی نازل ہوگئی۔ اُسوقت آپ کی ران اس درجہ ثقیل معلوم ہوئی کہ اپنی ران کے چُور چُور ہو جانے کا اندیشہ ہو گیا ایک معمولی شئے اگر خلاف طبع پیش آجاتی ہے تو انسان پریشان ہو جاتا ہے چہ جائیکہ ایسا عظیم الشان واقعہ پیش آئے کہ جو وہم و گمان سے بھی بالا ہو اس واقعہ سے گھبرا جانا کوئی مستبعد نہیں، موسیٰ علیہ السلام کو جب حق جل شانہ کی طرف سے معجزۂ عصا عطا ہوا اور حکم ہوا کہ اے موسیٰ اپنا عصا زمین پر ڈال دو جب دیکھا کہ وہ تو سانپ بن کر چلنے لگا تو موسیٰ علیہ السلام الصلوٰۃ والسلام ڈر کر اس قدر بھاگے کہ منہ موڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اس وقت آواز آئی اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ اے موسیٰ واپس آؤ ڈرو مت تم بالکل امن میں رہو گے۔ موسیٰ علیہ السلام کا یہ ڈرنا اور بھاگنا طبیعت بشریہ کا اقتضا تھا۔ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا کسی شک اور تردد کی وجہ سے نہ تھا۔ اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرعوبی

اور پریشانی بھی فقط اس بنا پر تھی کہ دفعۃً نبوت اور وحی کا بارگراں آپڑا کسی تردد اور شک کی بنا پر یہ پریشانی نہ تھی۔ خوب سمجھ لو اور شک اور تردد میں نہ پڑو۔ بشریت پر دفعۃً ملکیۃ کے غلبہ سے آپ کا مرعوب اور خوف زدہ ہو جانا کوئی مستبعد نہیں رفتہ رفتہ جب ملائکہ کی آمد و رفت سے آپ کی بشریت ملکیۃ سے مانوس ہو گئی تو یہ خوف جاتا رہا اچانک بار نبوت پڑ جانے سے آپ گھبرا گئے اور آپ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں اس بار سے میری روح نہ پرواز کر جائے۔ معاذ اللہ نبوت و رسالت میں کوئی شک اور تردد نہ تھا اس لیے کہ نزول جبریل اور مشاہدۂ انوار و تجلیات کے بعد نبوت میں شک و تردد محال ہے چنانچہ ابن شہاب زہری کی ایک مرسل روایت میں ہے کہ جبریل امین آئے اور میرا سینہ چاک کیا اور ایک نہایت عمدہ مسند پر بٹھلایا جو یواقیت اور جواہرات سے مرصع تھی۔

ثم استعلن له جبرئيل فبشره برسالة الله حتى اطمان۔ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال له اقرأ فقال كيف اقرأ فقال اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ الى قوله مَالَمْ يَعْلَمْ فقبل الرسول رسالة ربه وانصرف فجعل لا يمر على شجر ولا حجر الا سلم عليه فرجع مسرورًا الى اهله موقنا قد رأى امرا عظيما الحديث	اور جبریل ظاہر ہوئے منجانب اللہ آپ کو منصب نبوت و رسالت کی بشارت دی یہاں تک کہ آپ مطمئن ہو گئے پھر کہا کہ پڑھو۔ آپ نے فرمایا کس طرح پڑھوں جبریل نے کہا۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ۔ مَالَمْ يَعْلَمْ تک آپ نے اللہ کے پیغام کو قبول کیا اور واپس ہوئے راستہ میں جس شجر اور حجر پر آپ کا گذر ہوتا وہ آپ کو السلام علیک یا رسول اللہ کہتا۔ پس اس طرح آپ شاداں و فرحاں اپنے گھر واپس آئے اور یہ یقین کیے ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شئی عظیم عطا فرمائی نبوت و رسالت۔

یہ روایت دلائل بیہقی اور دلائل ابی نعیم میں بطریق موسیٰ بن عقبہ سے مروی

ہے (۱) اور یہ روایت عیون الاثر میں حافظ ابو بشر دولابی کی سند سے مذکور ہے۔ حافظ عسقلانی فرماتے کہ عبید بن عمر کی مرسل روایت میں ہے کہ جبریل آئے اور مجھ کو ایک مسند پر بٹھلایا کہ جو جواہرات سے مرصع تھی اور زہری کی ایک مرسل روایت میں ہے کہ مجھ کو ایسی عمدہ مسند پر بٹھلایا جسکو دیکھ کر تعجب ہوتا تھا (۲) غرض یہ کہ آپ گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہ سے تمام واقعہ بیان کر کے فرمایا کہ مجھ کو اپنی جان کا خطرہ ہے تو حضرت خدیجہؓ نے یہ فرمایا۔ آپ کو بشارت ہو آپ ہرگز نہ ڈریئے۔ خدا کی قسم اللہ آپ کو کبھی رسوا نہ کریگا آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں۔ آپ کی صلہ رحمی بالکل محقق ہے۔ ہمیشہ آپ سچ بولتے ہیں لوگوں کے بوجھ کو اٹھاتے ہیں یعنی دوسروں کے قرضے اپنے سر رکھتے ہیں اور ناداروں کی خبر گیری فرماتے ہیں، امین ہیں لوگوں کی امانتیں ادا کرتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کا حق ادا کرتے ہیں حق بجانب امور میں آپ ہمیشہ امین اور مددگار رہتے ہیں، یہ روایت بخاری اور مسلم کی ہے ابن جریر کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے یہ بھی فرمایا مَا اَتَيْتَ فَاحِشَةً قَطُّ آپ کبھی کسی فاحشہ کے پاس بھی نہیں پھٹکے (۳) خلاصہ یہ کہ جو شخص ایسے محاسن اور کمالات اور ایسے محامد اور پاکیزہ صفات اور ایسے اخلاق و شمائل اور ایسے معانی اور فضائل کا مخزن اور معدن ہو اس کی رسوائی ناممکن ہے وہ نہ دنیا میں رسوا ہو سکتا ہے نہ آخرت میں حق تعالیٰ شانہ جس کو اپنی رحمت سے یہ محاسن اور کمالات عطا فرماتے ہیں اس کو ہر بلا اور ہر آفت سے بھی محفوظ رکھتے ہیں۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے آپ کو تسلی دی اور یہ کہا کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جسکے قبضہ میں خدیجہ کی جان ہے میں قوی امید رکھتی ہوں کہ آپ اس امت کے نبی ہوں گے (۴) اور روایت میں ہے۔

---

(۱) الخصائص الکبریٰ ج : ۱، ص : ۹۳ (۲) فتح الباری، ج : ۱۲، ص : ۳۱۳

(۳) تاریخ طبری، ج : ۲، ص : ۸۱ (۴) ابن ہشام، ج : ۱، ص : ۸۱

واخبرها بما جاء به فقالت	آپ نے تمام واقعہ حضرت خدیجہ سے بیان کیا،
ابشر فواللہ لا یفعل اللہ بك	حضرت خدیجہؓ نے کہا مبارک ہو اور آپ کو
الا خیرا فاقبل الذی جاءك من	بشارت ہو خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ سوائے
اللہ فانہ حق وابشر فانك ورسول	خیر اور بھلائی کے کچھ نہ کریگا جو منصب اللہ کی
اللہ حقا رواہ البیہقی فی الدلائل من	جانب سے آپکے پاس آیا ہے اس کو قبول کیجیے
طریق ابی میسرۃ	وہ بلاشبہ حق ہے اور پھر کہتی ہوں کہ آپ کو
مرسلا (۱)	بشارت ہو آپ یقیناً اللہ کے رسول برحق ہیں۔

حافظ عسقلانی اس روایت کو نقل کرکے فرماتے ہیں کہ یہ روایت صراحۃً اس پر دلالت کرتی ہے کہ علی الاق سب سے پہلے حضرت خدیجہ ایمان لائیں۔ بعد ازاں خدیجہ تنہا اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں جو توریت اور انجیل کے بڑے عالم تھے اور سریانی زبان سے عربی زبان میں انجیل کا ترجمہ کرتے تھے اور زمانۂ جاہلیت میں بُت پرستی سے بیزار ہوکر نصرانی بن گئے تھے اور اس وقت بہت بوڑھے اور نابینا ہوچکے تھے۔ ان سے یہ تمام واقعہ بیان کیا۔ ورقہ نے سن کر یہ کہا۔

لئن کنت صدقتنی انہ	اگر تو سچ کہتی ہے تو تحقیق ان کے پاس وہی فرشتہ
لیاتیہ ناموس[1] عیسٰی	آتا ہے جو عیسٰی علیہ السلام کے پاس آتا تھا۔

یہ روایت دلائل ابی نعیم میں باسناد حسن مذکور ہے اس کے بعد حضرت خدیجہ آپؐ کو اپنے ہمراہ لے کر ورقہ کے پاس گئیں اور کہا اے میرے چچازاد بھائی ذرا اپنے بھتیجے کا حال یعنی[2] خود

---

[1] خیر کی خبر لانے والے کو ناموس کہتے ہیں اور شر کی خبر لانے والے کو جاسوس کہتے ہیں ۱۲ فتح الباری صہ ۲۴ ج ۱

[2] بین القوسین یعنی الخ کا اس لیے اضافہ کیا گیا تاکہ بخاری اور دلائل ابی نعیم کی روایت میں تعارض کا توہم نہ ہو ۱۲۔

(۱) فتح الباری، ج ۱۲، ص : ۳۱۵

ان کی زبان سے) سنئے۔ ورقہ نے۔ آپ سے، مخاطب ہو کر کہا اے بھتیجے بتلاؤ کیا دیکھا
آپ نے تمام واقعہ بیان فرمایا۔

فلما سمع[1] کلامہ — ورقہ نے جب آپ کا کلام سُنا تو سنتے ہی
ایقن بالحق — حق کا یقین آگیا کہ جو کچھ آپ فرماتے ہیں
واعترف بہ — وہ بالکل حق ہے اور ورقہ نے اس حق کا
(فتح الباری ص۳۱۳ ج۱۲ کتاب التعبیر) — اعتراف کیا اور اس کو تسلیم کیا۔

ورقہ نے آپ کا تمام حال سُن کر یہ کہا کہ یہ وہی ناموس "فرشتہ ہے" جو موسیٰ علیہ السلام
پہ اترتا تھا۔ کاش میں تمہارے زمانۂ پیغمبری میں قوی اور توانا ہوتا جبکہ تمہاری قوم تم کو
وطن سے نکالے گی یا کم از کم زندہ ہی ہوتا۔ آپ نے بہت تعجب[2] سے فرمایا کیا وہ مجھ کو

---

[1] سمع اور ایقن اور اعتراف کی تمام ضمائر ورقہ کی طرف راجع علامہ شبلی نے تمام ضمائر کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع سمجھ کر اس طرح ترجمہ کیا جب آپ نے ورقہ کا کلام سنا تو آپکو حق کا یقین ہو آگیا اور آپ نے اس کا اعتراف کیا سیرۃ النبی ص۱۸۹ ج۱ تقطیع خورد۔ علامہ شبلی نے یہ سمجھا کہ حضور پرنور کو اپنی نبوت و رسالت میں شک تھا ورقہ کے کہنے سے آپ کو اپنی نبوت کا یقین آیا علامہ شبلی کا یہ خیال بالکل غلط ہے حضور پرنور کو اپنی نبوت و رسالت کا اول ہی میں علم اور یقین حاصل ہو گیا تھا۔ جب جبرئیل امین غار حراء میں داخل ہوئے تو اولاً آپکو سلام کیا جیسا کہ ابو داود طیالسی کی روایت میں ہے دیکھو زرقانی ص۲۱۲ ج۱۔ دفتح الباری ص۳۱۳ ج۱۲ کتاب التعبیر اور پھر آپ کو رسالت الٰہیہ کی بشارت دی یہاں تک کہ آپ مطمئن ہو گئے پھر آپ سے کہا اقرأ اور سورۃ اقرأ کی آیتیں آپکو پڑھائیں بعد ازاں جب آپ غار حراء سے واپس ہوئے تو ہر شجر و حجر میں سے السلام علیک یا رسول اللہ کی آوازیں آپ سنتے تھے دیکھو خصائص کبریٰ ص۹۳ ج۱ و ص۹۴ ج۱ غرض یہ کہ ان تمام امور سے آپ کو اپنی نبوت کا یقین کامل حاصل ہو چکا تھا۔ البتہ ورقہ کو آپ کا کلام سننے کے بعد آپ کی نبوت کا یقین آیا اور پہچان لیا کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی توریت اور انجیل میں بشارت دی گئی ہے اور آپ کی نبوت و رسالت کی تصدیق کی علامہ نے غلطی سے سمع و ایقن و اعتراف کی ضمیر بجائے ورقہ کے حضور پرنور کی طرف راجع کیں اور غلطی میں مبتلا ہوئے۔

نکالیں گے۔ ورقہ نے کہا ایک تم ہی پر موقوف نہیں جو شخص بھی پیغمبر ہو کر اللہ کا کلام اور اس کا پیام لے کر آیا لوگ اسی کے دشمن ہوئے اگر میں نے آپ کا وہ زمانہ پایا تو میں نہایت زور سے آپ کی مدد کروں گا مگر کچھ زیادہ دن گزرنے نہ پائے کہ ورقہ کا انتقال ہو۔ یہ بخاری اور مسلم کی روایت ہے اور ابو میسرہ کی ایک مرسل روایت میں ہے کہ ورقہ نے کہا۔

ابشر فانا اشهد انك الذی	آپکو بشارت ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی
بشر به ابن مریم	نبی ہیں جنکی حضرت مسیح بن مریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
وانك علی مثل ناموس	بشارت دی ہے اور آپ مثل موسیٰ علیہ السلام
موسٰی وانك نبی مرسل	کے نبی مرسل ہیں اور آپ کو عنقریب اللہ کی
وانك تومر بالجهاد (۱)	طرف سے جہاد کا حکم کیا جائے گا۔

چونکہ آپ بھی موسیٰ علیہ السلام کی طرح نبی الجہاد ہیں اور شریعت موسویہ کی طرح آپ کی شریعت بھی حدود و تعزیرات جہاد و قصاص۔ حلال و حرام کے احکام پر علی وجہ الاتم مشتمل ہے اس لیے اس وقت ورقہ نے باوجود نصرانی ہونے کے یہ کہا کہ یہ وہی ناموس (فرشتہ) ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوتا تھا اور جس وقت اول بار حضرت خدیجہؓ نے آپ کی غیاب میں ورقہ سے آپ کا حال بیان کیا تو اس وقت ورقہ نے نصرانی ہونے کے باعث آپکے ناموس (فرشتہ) کو ناموس عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ دی اور ایک روایت میں ہے کہ چلتے وقت ورقہ نے آپ کے سر کو بوسہ دیا (۲) آپ گھر واپس آ گئے اور وحی کا آنا چند روز کے لیے رک گیا (۳) تا آنکہ دل سے گذشتہ دہشت اور خوف دور ہو جائے

---

(۱) فتح الباری، ج: ۸، ص: ۴۵۴، عیون الاثر، ج: ۱، ص: ۸۴ (۲) عیون الاثر، ج: ۱، ص: ۸۷

(۳) وحی کے رک جانے کا مطلب ہے کہ قرآن کریم کا نازل ہونا چند روز کے لیے بند ہو گیا اور یہ مطلب نہیں کہ جبریل کا آنا بند ہو گیا۔ جبریل امین کی آمد و رفت برابر جاری رہی۔ عمدۃ القاری ص ۴۳ ج ۱

اور آئندہ وحی کا شوق اور انتظار قلب میں پیدا ہو جائے ؎

دیر ست کہ دلدار پیامے نفرستاد　　　　نہ نوشت سلامے و کلامے نفرستاد

وحی کے رک جانے سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر حزن و ملال ہوا کہ بار بار پہاڑ پر جاتے کہ اپنے کو پہاڑ کی چوٹی سے گرا دیں۔

ہر دل سالک ہزاراں غم بود　　　　گر ز باغ دل خلالے کم بود

ہجر سے بڑھ کر مصیبت کچھ نہیں　　　　اس سے بہتر ہے کہ مر جاؤں کہیں

مگر آپ جب ایسا ارادہ فرماتے تو فوراً جبرئیل امین ظاہر ہوتے اور یہ فرماتے۔

یا محمد انک رسول اللہ حقا　　　　اے محمدؐ آپ یقیناً بلاشبہ اللہ کے رسول برحق ہیں

یہ سنکر آپ کے قلب کو سکون ہو جاتا (۱)

ایک بار حضرت خدیجہ نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے عرض کیا کہ اگر ممکن ہو تو جس وقت وہ ناموس آپ کے پاس آئے تو مجھ کو ضرور مطلع فرمائیں۔ چنانچہ جبرئیل امین جب آپ کے پاس آئے حسب وعدہ آپ نے حضرت خدیجہ کو اطلاع دی۔ حضرت خدیجہ نے عرض کیا کہ آپ میری آغوش میں آجائیں۔ جب آپ حضرت خدیجہ کی آغوش میں آگئے تو حضرت خدیجہ نے اپنا سر کھول دیا اور آپ سے دریافت کیا کہ کیا آپ اس وقت بھی جبرئیل کو دیکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ حضرت خدیجہ نے فرمایا آپ کو بشارت ہو۔ خدا کی قسم یہ فرشتہ ہے۔ شیطان نہیں۔ اس روایت کو محمد بن اسحٰق نے اسماعیل بن حکیم سے مرسلاً روایت کیا ہے۔ سیرۃ ابن ہشام (۲) اور ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت خدیجہ نے یہ فرمایا کہ آپ کو مبارک ہو یہ فرشتہ ہے اگر شیطان ہوتا تو نہ شرماتا۔ رواہ ابونعیم فی الدلائل بسند ضعیف عن عائشہ رضی اللہ عنہا (۳)

ملکہ عداسؓ عتبہ بن ربیعہ کے غلام تھے شہر نینویٰ کے باشندے تھے جہاں یونس علیہ الصلوٰۃ والتسلیم مبعوث ہوئے مذہب انکا نصرانی تھا۔ بعد میں مشرف باسلام ہوئے۔ اصابہ ص ۴۶۶ ج ۲ ترجمہ عداس۔ (۱) فتح الباری، ج: ۱۲، ص: ۳۱۷، زرقانی ج: ۱، ص: ۲۴۶ (۲) الخصائص الکبریٰ ج: ۱، ص: ۹۵ (۳) الاصابہ ج: ۴، ص: ۲۸۱۔

خلاصہ

یہ کہ حضرت خدیجہ کا یہ استدلال آپ کی نبوت و رسالت پر عقلی تھا کہ ایسے محاسن اور شمائل اور کمالات و فضائل کا منبع اور سرچشمہ نبی ہی کی ذات بابرکات ہو سکتی ہے اور ورقہ کا استدلال نقلی تھا کہ وہی نبی و رسول ہیں کہ جن کی حضرت مسیح بن مریم نے بشارت دی ہے۔
سلیمان تیمی اور موسیٰ بن عقبہ نے اپنی کتاب المغازی میں ذکر کیا ہے کہ حضرت خدیجہ ورقہ سے پہلے عداس[1] کے پاس گئیں اور جبرئیل کا آنا بیان کیا۔ عداس نے جبرئیل کا نام سنتے ہی یہ کہا۔ قدوس قدوس یعنی سبحان اللہ سبحان اللہ ان بُت پرستوں کی سرزمین میں جبرئیل کا کیا ذکر وہ تو اللہ کے امین ہیں اُس کے اور اس کے پیغمبروں کے مابین سفیر ہیں اور موسیٰ اور عیسیٰ کے دوست ہیں بعدازاں ورقہ کے پاس گئیں (۲) بعض کتب سیر میں ہے کہ حضرت خدیجہ۔ بحیرا راہب کے پاس بھی گئیں اور واقعہ بیان کیا۔ بحیرا کے جواب کے الفاظ تقریباً وہی تھے کہ جو عداس کے جواب کے ہیں۔ ترمذی میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ حضرت خدیجہ نے ایک بار آپ سے عرض کیا کہ ورقہ نے آپ کی نبوت و رسالت کی تصدیق کی لیکن اعلانِ دعوت سے پہلے ہی وفات ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے ورقہ کو خواب میں دیکھا کہ سفید لباس میں ہے اگر وہ اہل نار میں سے ہوتے تو کسی اور لباس میں ہوتے۔ فتح الباری کتاب التفسیر سورۂ اقرأ مسند بزار اور مستدرک حاکم میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ورقہ کو بُرا مت کہو میں نے اس کے لیے جنت میں ایک باغ یا دو باغ دیکھے ہیں۔ (۳)

فائدۂ جلیلہ:

حضرت خدیجہ کا حضور پُرنور کو کبھی ورقہ کے پاس لے جانا اور کبھی عداس کے پاس لیجانا اور آپ کا حال بیان کرنا اس سے کسی شک اور تردد کا ازالہ اور یقین کا حاصل کرنا مقصود نہ تھا بلکہ حضور کی تسلی اور تشفی مقصود تھی کہ نزول وحی کی وجہ سے جو حضور پر ایک خاص خشیت

---

(۳) فتح الباری ج: ۸، ص: ۵۵۴، عمدۃ القاری ج ۱، ص: ۷۵

اور دہشت طاری ہے وہ مبدّل بسکون ہو جائے اور چونکہ حضرت خدیجہ نے حضورِ پُرنور سے جو نکاح کیا تھا وہ غیبی کرامتیں اور خوارق دیکھ کر اس اُمید پر کیا تھا کہ جس نبی آخرالزماں کی بشارتیں اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل سے بار بار سنی تھیں۔ اس کا مصداق حضور ہوں گے چنانچہ جب آپ پر وحی نازل ہوئی اور غارِ حرا سے واپس آکر خدیجۃ الکبریٰ سے بیان کیا تو حضرت خدیجہ کو سنتے ہی نبوت کا یقین آگیا تھا لیکن فرطِ مسرت اور جوشِ محبت میں مزید اطمینان کے لیے کبھی آپ کو ورقہ کے پاس اور کبھی عدّاس کے پاس لے جاتیں کہ جس امید پر نکاح کیا تھا بحمد اللہ وہ اُمید بر آئی حضرت خدیجہ فقط آپ کی پریشانی سے پریشان تھیں ورنہ اپنے دل میں بے انتہا شادماں و فرحاں تھیں اور حضور کا مقصد بھی تسلی و تشفی ہی تھا۔ معاذ اللہ۔ آپ کو اپنی نبوت و رسالت میں ذرہ برابر شک اور تردد نہ تھا اور مشاہدۂ جبرئیل اور معاینۂ انوار و اسرار کے بعد تردد اور شک کا ہونا بھی ناممکن اور محال ہے وجہ یہ تھی کہ ورقہ اگرچہ عالم تھے مگر صاحبِ حال اور صاحبِ کیفیت نہ تھے آپ کے قلبِ مبارک پر جو وحی کی کیفیت گذر رہی تھی اس کی اصل حقیقت اور اصل لذت اور اس کی لذت کی کیفیت تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو معلوم تھی۔ ورقہ اس کیفیت کو ذوقی طور پر نہیں جانتے تھے۔ ذوقاً اس سے بالکل ناآشنا تھے بلکہ محض علمی طور پر جانتے تھے کہ حضرات انبیاء پر نزولِ وحی کے وقت یہ کیفیات گذرتی ہیں اس لیے وہ آپ کی تسلی کرتے تھے اور ایسے وقت میں تسلی و تشفی وہی کر سکتا ہے کہ جس پر یہ حالت اور کیفیت طاری نہ ہو اور کچھ اجمالی طور پر اس قسم کی چیزوں سے باخبر ہو جیسے تیمار دار بیمار کی تسلی کرتا ہے۔ ورنہ جس پر یہ کیفیت اور یہ حالت طاری ہو گی وہ خود ہی خوف زدہ اور بیہوش ہو جائے گا اسے اپنی اپنی ہی خبر نہ رہے گی وہ دوسرے کی کیا تسلی کرے گا اور عقلاً اور شرعاً یہ ضروری نہیں کہ تسلی دینے والا صاحبِ حال سے افضل اور

اکمل یا اعلم اور افہم ہو فافہم ذالک واستقم۔

تاریخ بعثت:

اس پر تو تمام محدثین ومؤرخین کا اتفاق ہے کہ بروز دوشنبہ آپ کو نبوت و رسالت کا خلعت عطا ہوا۔ لیکن اس میں اختلاف ہے کہ آپ کس مہینہ میں مبعوث ہوئے حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ ماہ ربیع الاول کی آٹھ تاریخ کو خلعت نبوت عطا ہوا۔ اس بنا پر بعثت کے وقت آپ کی عمر شریف ٹھیک چالیس سال کی تھی اور محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ سترہ رمضان المبارک کو آپ منصب نبوت پر فائز ہوئے۔

واتت علیہ اربعون فاشرقت　　شمس النبوۃ منہ فی رمضان

اس اعتبار سے بعثت کے وقت آپ کی عمر شریف چالیس سال اور چھ ماہ کی تھی حافظ عسقلانی نے فتح الباری میں اسی قول کو صحیح اور راجح قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ غار حرا کا اعتکاف آپ رمضان ہی میں فرماتے تھے تفصیل کے لیے زرقانی ص۲۰۷ ج۱ و فتح الباری ص۳۱۳ ج۱۲ کتاب التعبیر و ص۵۵۱ ج۸ کتاب التفسیر و ص۲۶ ج۱ بدء الوحی کی مراجعت فرمائیں۔

فوائد ولطائف

(۱) منصب نبوت و رسالت کی سرفرازی کے لیے چالیس سال کا سن اس لیے تجویز کیا گیا کہ انسان کی قوائے جسمانیہ اور روحانیہ چالیس ہی سال کی عمر میں حد کمال کو پہنچتے ہیں کما قال تعالیٰ حَتّٰىٓ اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً۔ اصل عمر تو انسان کی چالیس ہی سال ہے۔ اس کے بعد تو انحطاط اور زوال ہے اسی طرح جب آپ کے قوائے جسمانیہ و روحانیہ حد کمال کو پہنچ گئے اور تجلیات الہیہ اور نفحات قدسیہ کے قبول کرنے کی استعداد مکمل ہوگئی تب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور اپنی رحمت سے آپ کو نبوت و رسالت کا خلعت عطا فرمایا وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (۱)

(۲) شعبی کی ایک مرسل روایت میں ہے جس کو امام احمد بن حنبل نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ بعثت کے بعد سے کچھ عرصہ تک اسرافیل علیہ السلام آپ کی معیت اور رفاقت کیلئے مامور ہوتے وقتاً فوقتاً آپ کو محاسن آداب وغیرہ کی تلقین وتعلیم فرماتے مگر ان کے توسط سے کبھی قرآن کی کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔ سنداس روایت کی صحیح ہے (۱)

اسرافیل علیہ السلام کی معیت ورفاقت میں اس طرف اشارہ تھا کہ یہ نبی آخری نبی ہیں ان کے بعد قیام قیامت کا انتظار کرنا چاہیے اس لیے کہ اسرافیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی نفخ صور کے لیے مامور ہو چکے ہیں انھیں کے صور پھونکنے سے قیامت قائم ہو گی ذکرہ السیوطی فی الاتقان نقلاعن بعض الائمۃ۔

(۳) حدیث کا یہ لفظ ثم حبب الیہ الخلاء یعنی خلوت وعزلت کی محبت ڈال دی گئی صیغہ مجہول لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ خلوت کی محبت خود بخود پیدا نہیں ہوئی بلکہ کسی ڈالنے والے نے دل میں ڈال دی ہے یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا عطیہ ہے اور خلوت کی محبت اس لیے دل میں ڈالی گئی کہ خلوت اور عزلت یعنی مخلوق سے علیحدگی اور تنہائی تمام عبادتوں کی جڑ ہے بلکہ خلوت خود مستقل عبادت ہے اور اگر خلوت کے ساتھ ذکر وفکر کی عبادت بھی ملجائے تو سبحان اللہ نورٌ علیٰ نور ہے۔

(۴) اس حدیث میں اس طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ مبتدی کے لیے خلوت اور عزلت ہی مناسب ہے گھر میں اور اہل وعیال میں رہ کر اچھی طرح عبادت نہیں کر سکتا۔ منتہی کے لیے خاص خلوت کی ضرورت نہیں اس لیے کہ کامل اور منتہی کیلئے اہل وعیال کی صحبت۔ تعلق مع اللہ سے مانع نہیں ہوتی۔ کما قال تعالیٰ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ الآیۃ (۳)

---

(۱) البقرہ، آیۃ: ۱۰۵ (۲) زرقانی ج ۱، ص: ۲۳۶

(۳) نور، آیۃ: ۳۷۔

از دروں شو آشنا و از بروں بیگانہ باش　　ایں چنیں زیبا روش کم می بود اندر جہاں

مگر منتہی کے لیے بھی اتنا ہی ضروری ہے کہ دن میں کچھ نہ کچھ وقت خلوت کے لیے مخصوص کرے۔ کما قال تعالیٰ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ۔(۱)

(۵) غار حرا جاتے وقت آپ کا توشہ لے جانا اس کی دلیل ہے کہ کھانے اور پینے کا انتظام توکل کے منافی نہیں۔ بلکہ رزق خداوندی کی طرف اپنے فقر اور فاقہ ضرورت حاجت کا اظہار ہے جو عین عبادت ہے۔ رَبِّ اِنِّىْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَىَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ (۲)

والفقر لی وصف ذاتٍ لازمٌ ابداً　　کما الغنی ابدا وصف لہ ذاتی

فقر اور حاجت میرا وصف ذاتی ہے میری ذات اور حقیقت کو لازم ہے کبھی جدا نہیں ہو سکتا جیسا کہ غنا اور بے نیازی خدا کا وصف ذاتی ہے پس جیسے خدا کے لیے استغناء اور بے نیازی لازم ہے اسی طرح فقر اور احتیاج بندہ کے لیے لازم ذات ہے۔ یہ شعر حافظ ابن تیمیہ قدس اللہ سرہٗ کا ہے حافظ موصوف اس شعر کو کثرت سے پڑھا کرتے تھے پورا قصیدہ مدارج السالکین میں مذکور ہے اور اسی مضمون کو اس ناچیز نے ان اشعار میں ذکر کیا ہے۔

تو غنی مطلقی اے ذوالجلال　　من فقیر مطلقم بے قیل و قال

تو کریمی من گدائے مطلقم　　تو عزیزی من ذلیل مطلقم

ذات پاکت منبع جود و نوال　　ما ز سرتا پا شدہ نقش سوال

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب مدین پہونچ کر بھوک لاحق ہوئی تو بارگاہ خداوندی میں اپنے فقر و فاقہ کو اس طرح پیش کیا۔

رَبِّ اِنِّىْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَىَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ (۳)　　اے پروردگار جو خیر بھی نازل فرمائیں میں اس کا محتاج ہوں۔

---

(۱) الم نشرح، آیۃ: ۸ (۲، ۳) قصص، آیۃ: ۲۴۔

رزق خداوندی کی طرف اپنے فقر اور احتیاج کو ملحوظ رکھنا عین عبادت ہے اور حضرات انبیاء اللہ علیہم الف الف صلوٰۃ اللہ کی سنت ہے اور توشہ نہ لینے میں درپردہ ادعاء توکل ہے۔ چنانچہ بعض صالحین کا یہ معمول تھا کہ کئی کئی روز کا صوم وصال رکھتے لیکن تکیہ کے نیچے ایک روٹی ضرور رکھی رہتی تھی۔ ایک دن کسی مرید نے شیخ کے تکیہ کے نیچے سے اس روٹی کو اٹھالیا۔ شیخ کی جب نظر پڑی تو دیکھا روٹی ندارد ہے متوسلین پر بہت ناراض ہوئے اور سخت و سست کہا۔ مریدین نے کہا کہ حضرت کو اس کی کیا ضرورت ہے شیخ نے فرمایا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں کئی کئی روز صوم وصال رکھنے پر قادر ہوں اس لیے روٹی رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تمہارا یہ خیال غلط ہے میں اپنی قوت کے بھروسہ پر روزہ نہیں رکھتا بلکہ محض خداوند ذوالجلال کے فضل و کرم کے بھروسہ پر رکھتا ہوں اور ہر وقت اپنے ضعف اور ناتوانی سے ڈرتا رہتا ہوں نہ معلوم کس وقت مجھ سے یہ توفیق اور تائید روحانی روک لی جائے اور بشریت اور جسمانیت کی طرف لوٹا دیا جائے اور اس رزاق ذوالقوۃ المتین کی سوکھی ہوئی روٹی کا محتاج ہو جاؤں بندہ اپنی ذات سے ایک لمحہ کے لیے بھی رزق خداوندی سے مستغنی نہیں ہو سکتا نفس کے اطمینان کے لیے روٹی ہر وقت پاس رکھتا ہوں تاکہ نفس کو کسی قسم کا اضطراب لاحق نہ ہو سالک کو بجائے نفس کے رزق پر فقط رزق ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ رزق خداوندی ہونے کی حیثیت سے اعتماد اور بھروسہ کرنا بہتر ہے (۱)

(۶) غار حراء کی خلوت و عزلت میں آپ کا یہ معمول رہا کہ کبھی کبھی آپ گھر تشریف لاتے اور چند روز کا توشہ لے کر گھر واپس ہو جاتے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اصحاب خلوت و عزلت کے لیے انقطاع کلی مناسب نہیں اہل و عیال کے حقوق کی رعایت بھی ضروری ہے اسی وجہ سے ارشاد فرمایا لارہبانیۃ فی الاسلام۔ اسلام میں رہبانیت نہیں

(۱) بہجۃ النفوس، ج ۱، ص: ۱۱

باطنی امراض کے معالجہ کے لیے اور عبادت میں پختگی اور رسوخ پیدا کرنے کے لیے اگر کسی غار یا پہاڑ میں مدت معینہ کے لیے خلوت کی جائے (جیسا کہ حضرات صوفیہ کا طریقہ ہے) تو عین سنت ہے۔ بدعت نہیں ہے۔

(۷) نیز اس طرف اشارہ ہے کہ جو شخص کسی غار یا پہاڑ میں خلوت اور عزلت کا ارادہ کرے اس کو چاہیے کہ اہل خانہ کو مقام خلوت سے ضرور مطلع کر دے تاکہ ان کو کسی قسم کی تشویش نہ ہو اس کی طرف سے قلب میں کوئی بدگمانی نہ ہو۔ عند الضرورت اس کی خبر گیری کر سکیں۔ بیمار ہو تو تیمارداری کر سکیں وغیر ذالک۔

(۸) جبرئیل امین کا آپ کو تین بار دبانا ملکی اور روحانی فیض پہونچانے کے لیے تھا تاکہ جبریل کی روحانیت اور ملکیت آپ کی بشریت پر غالب آجائے اور قلب مبارک آیات الٰہیہ اور اسرار غیبیہ اور علوم ربانیہ کا تحمل کر سکے اور آپ کی ذات بابرکات خالق اور مخلوق کے مابین واسطہ اور عالم شہادت کا منتہیٰ اور عالم غیب کا مبدا بن سکے۔ حضرات عارفین کا اس طرح سے کسی کو فیض پہونچانا بطریق تواتر ثابت ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک بار نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے مجھ کو اپنے سینۂ مبارک سے لگایا اور یہ دعا فرمائی۔

اللّٰھم علمہ الکتاب (بخاری شریف) اے اللہ اس کو اپنی کتاب کا علم عطا فرما

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ابن عباس کو اپنے سینہ سے لگانا ایسا ہی تھا جیسے کہ جبریل امین نے آپ کو اپنے سینہ سے لگایا تھا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں بسا اوقات آپ سے حدیث سنتا ہوں اور بھول جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اپنی چادر بچھاؤ۔ میں نے چادر بچھائی۔ آپ نے دست مبارک سے کچھ اشارہ فرمایا جیسا کوئی دو لپ بھر کر کچھ ڈالتا ہو اور یہ کہا کہ اب اس چادر کو اپنے سینہ سے لگا لو۔ میں نے اس چادر کو اپنے سینہ سے لگا لیا اس کے بعد میں کسی حدیث کو نہیں بھولا۔ (۱)

(۱) بخاری شریف: ج: ۱: ص: ۲۲

حافظ عسقلانی فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ کسی حدیث میں اس کی تصریح نہیں کہ آپ نے دولپ بھر کر ابوہریرہ کی چادر میں کیا ڈالا۔ لیکن یہ بندۂ ناچیز کہتا ہے ان کان صوابا فمن اللہ عزوجل۔ وان کان خطا فمنی ومن الشیطان گمان یہ ہے کہ عالم غیب میں جو خزانۂ حفظ ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خزانہ سے حفظ کی دولپ بھر کر ابوہریرہ کی چادر میں ڈالیں اور پھر وہ حفظ چادر سے ابوہریرہ کے سینہ میں پہونچا حفظ اگرچہ عالم شہادت والوں کے نزدیک غیر محسوس ہے مگر محرمانِ عالم غیب کے دوربین نگاہوں سے پوشیدہ اور مخفی نہیں۔ اس قسم کی باتوں کے وہی لوگ منکر ہیں جو حضرات انبیاء اللہ علیہم الف الف صلوات اللہ کے حواس سے بیگانہ ہیں۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حفظ کا ایک اور بھی عجیب واقعہ ہے جس کا اس مقام سے تعلق نہیں حضرات اہل علم فتح الباری باب حفظ العلم ص ۱۹۲/۱ کی مراجعت فرمائیں۔

(۹) علامہ طیبی طیب اللہ ثراہ۔ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں کہ سورۂ اقرا کی نازل شدہ آیتوں میں آپ کے اس کے شبہ کے جواب کی طرف اشارہ ہے کہ ما انا بقاری میں پڑھا ہوا نہیں ہوں وہ یہ کہ بے شک تم پڑھے ہوئے نہیں مگر اپنے رب کے نام پاک کی اعانت اور امداد سے پڑھو سب آسان ہو جائے گا اور سمجھ لو کہ حق جل شانہٗ کسی کو علم کتاب اور قلم کے واسطہ سے عطا فرماتے ہیں جس کو اصطلاح میں علم کتابی کہتے ہیں علم بالقلم میں اسی طرف اشارہ ہے اور کسی کو براہ راست بغیر اسباب ظاہری کے وساطت کے علم عطا فرماتے ہیں جس کو اصطلاح میں علم لدنی کہتے ہیں اور علم الانسان مالم یعلم میں اسی طرف اشارہ ہے خلاصۂ جواب یہ ہے کہ اگرچہ آپ پڑھے ہوئے نہیں مگر حق جل وعلا کی قدرت بہت وسیع ہے بغیر اسباب ظاہری کی وساطت کے بھی جس کو چاہتا ہے علوم و معارف سے سرفراز فرمایا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ کو بھی علم و معرفت عطا فرمائے گا۔

کما قال تعالیٰ

وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝ (۱)

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ باتیں بتلائیں کہ جن کو آپ بغیر خدا کے بتلائے از خود جان بھی نہیں سکتے تھے اور اللہ کا فضل آپ پر بہت ہی بڑا ہے۔

(۱۰) حضرت خدیجہ کے تسلی آمیز جواب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صلۂ رحمی اور مہمانداری اور سخاوت اور ہمدردی کی وجہ سے دنیا میں بھی انسان آفتوں سے مامون و مصئون رہتا ہے (۲)

(۱۱) حضرت خدیجہؓ کا آپ کی تسلی کے لیے آپ کے محاسن اور کمالات کا ذکر کرنا اس کی دلیل ہے کہ کسی کے واقعی اور نفس الامری محاسن اور کمالات اس کے منہ پر بیان کرنا بشرطیکہ ممدوح کا عجاب اور خود پسندی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو صرف جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن ہے (۳)

(۱۲) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلے اس واقعہ کا حضرت خدیجہ سے ذکر کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ انسان پر اگر کوئی اہم واقعہ پیش آئے تو اگر اس کے اہل خانہ دیندار اور سمجھدار ہوں تو سب سے پہلے ان سے تذکرہ کرے اور بعد میں جو اہل علم اور اہل فہم ہوں ان سے ذکر کرے۔

(۱۳) حضرت خدیجہؓ کا اس واقعہ کو سن کر آپؐ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے جانا۔

جو اس زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے اس امر کی دلیل ہے کہ جب کوئی نادر واقعہ پیش آئے تو علمائے ربانیین پر پیش کرنا چاہیے۔

(۱۴) نیز اہل علم کی خدمت میں کسی کے توسط سے حاضر ہونا زیادہ بہتر ہے جیسے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حضرت خدیجہؓ کی وساطت سے ورقہ بن نوفل سے ملاقات فرمائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنہا ورقہ کے پاس تشریف نہیں لے گئے بلکہ خدیجہ کو ساتھ لیا جن کی ورقہ سے قرابت تھی۔ معلوم ہوا کہ علماء اور صلحاء کی ملاقات کے لیے اگر کسی رہنما کو ساتھ لے لیا جائے تو مناسب ہے تاکہ گفتگو میں سہولت رہے۔

---

(۱) نساء، آیۃ: ۱۱۳، (۲) عمدۃ القاری ج ۱، ص: ۷۵

(۳) عمدۃ القاری ج: ۱، ص: ۷۵

(۱۵) جو شخص اپنے سے عمر میں بڑا ہو اُس کی توقیر اور تعظیم و تکریم ضروری ہے اگرچہ یہ کم عمر علم اور فضل مرتبہ اور کمال میں سارے عالم سے فائق اور برتر ہو۔

(۱۶) چھوٹا اگرچہ مرتبہ میں بڑا ہو مگر بڑی عمر والے کے لیے یہ جائز ہے کہ مخاطبت میں اپنے سے کم عمر والے کے لیے وہی الفاظ استعمال کرے جو اصاغر کے لیے کیے جاتے ہیں۔ جیسا کہ ورقہ نے باوجود آپ کو نبی اور رسول ماننے کے آپ کو یا ابن اخی اے میرے بھتیجے کہکر خطاب کیا۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اصاغر جب اکابر کی مجلس میں حاضر ہوں تو اکابر کے ادب کو ملحوظ رکھیں جب تک اکابر۔ خود ابتداء کلام نہ فرمائیں اس وقت تک اصاغر کو ابتداء کلام نہ چاہیے۔ چنانچہ حضرت خدیجہ جب آپؐ کو ورقہ کے پاس لے کر گئیں اور یہ کہا۔

یا ابن عم اسمع من ابن اخیک اے ابن عم اپنے بھتیجے سے کچھ سنیے۔

تو آپ خاموش رہے جب ورقہ نے خود ابتداء بالکلام کی اور یہ کہا۔

یا ابن اخی ماذا تری۔ اے میرے بھتیجے کیا دیکھا۔

تب آپؐ نے تمام واقعہ کی خبر دی (۱)

(۱۸) ورقہ کے جواب میں آپ کا یہ فرمانا او مخرجی ہم کیا یہ لوگ مجھ کو مکہ سے نکالیں گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وطن کی مفارقت حضرات انبیاء پر بھی شاق ہے (۲)

(۱۹) نیز اس وقت ورقہ کا یہ کہنا کہ کاش میں اس وقت قوی اور توانا ہوتا جبکہ آپ کی قوم آپ کو وطن سے نکالے گی یہ اس کی دلیل ہے کہ انسان کو کسی خیر کی تمنا جائز ہے اگرچہ اس خیر کی حصول کی امید نہ ہو (۳)

(۲۰) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کیا کہ جبرئیل نام رکھنا کیسا ہے تو ناپسند فرمایا۔ (۴)

---

(۱) بہجۃ النفوس، ج: ۱، ص: ۲۰ (۲) روض الانف، ج: ۱، ص: ۱۵۸ (۳) بہجۃ النفوس، ج ۱، ص: ۲۱ (۴) روض الانف، ج ۱، ص: ۱۵۶

توحید و رسالت کے بعد سب سے پہلا فرض

توحید و رسالت کے بعد سب سے پہلے جس چیز کی آپ کو تعلیم دی گئی وہ وضوء اور نماز تھی۔ اوّل جبرئیل نے زمین پر اپنی ایڑی سے ایک ٹھوکر ماری جس سے پانی کا ایک چشمہ جاری ہو گیا جبرئیل نے اس سے وضوء کی اور آپ دیکھتے رہے بعد ازاں آپ نے بھی اسی طرح وضوء کی پھر جبرئیل نے دو رکعت نماز پڑھائی اور آپ نے اقتداء کی اور وضوء اور نماز سے فارغ ہو کر گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہ کو وضوء اور نماز کی تعلیم دی یہ روایت دلائل ابی نعیم ص۷۲ ج۱ میں حضرت عائشہ سے مروی ہے حافظ عسقلانیؒ فرماتے ہیں سند اس کی ضعیف ہے (۱)

اسامہ بن زید اپنے باپ زید بن حارثہؓ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابتداء بعثت و نزول وحی کے وقت جبرئیل میرے پاس آئے اور وضوء اور نماز کی مجھ کو تعلیم دی۔ یہ روایت مسند احمد اور سنن دارقطنی اور مستدرک حاکم میں مذکور ہے۔ علامہ عزیزی شرح جامع صغیر میں اس حدیث کی بابت فرماتے ہیں۔ قال الشیخ ہذا حدیث صحیح السراج المنیر ص۲۹ ج۱ اور یہ حدیث سنن ابن ماجہ میں بھی مذکور ہے اور علامہ سہیلی نے بھی اس کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے ان دونوں سندوں میں عبداللہ بن لہیعہ واقع ہے جس میں محدثین کو کلام ہے۔ حافظ ابن سید الناس قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں جس طرح یہ حدیث زید بن حارثہؓ سے مروی ہے اسی طرح براء بن عازب اور عبداللہ بن عباس سے بھی مروی ہے ابن عباس کی حدیث میں ہے کہ یہ پہلا فرض تھا (عیون الاثر ص۹۱ ج۱) علامہ سہیلی اس حدیث کو ذکر کر کے فرماتے ہیں پس وضوء باعتبار فرضیت کے مکی ہے اور باعتبار تلاوت کے مدنی ہے اس لیے کہ آیت وضوء کا نزول ہجرت کے بعد مدینہ میں ہوا (۲)

---

(۱) الاصابہ، ج: ۴، ص: ۲۸۱ (۲) روض الانف ج ۱، ص: ۱۶۳۔

ابتدا بعثت ہی سے آپ کا نماز پڑھنا تو قطعاً ثابت ہے اختلاف اس میں ہے کہ پانچ نمازوں کے فرض ہونے سے پہلے (کہ جو شب معراج میں فرض ہوئیں) ان سے پہلے آپ پر کوئی نماز فرض تھی یا نہیں بعض علماء کے نزدیک معراج سے پہلے کوئی نماز فرض نہ تھی آپ جس قدر چاہتے نماز پڑھتے۔ صرف صلوٰۃ اللیل کا حکم نازل ہوا تھا اور بعض علماء کے نزدیک ابتداء بعثت سے دو نمازیں فرض تھیں دو رکعتیں صبح کی اور دو رکعتیں عصر کی۔

کما قال تعالیٰ۔ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ (۱)	اللہ کی تسبیح و تحمید کرو شام اور صبح
وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا (۲)	طلوع شمس سے پہلے اور غروب شمس سے پہلے اللہ کی تسبیح و تحمید کیا کرو۔
وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ (۳)	نماز کو قائم کرو دن کے دونوں کناروں میں یعنی صبح و شام

اور بعد چندے سورہ مزمل نازل ہوئی اور قیام لیل یعنی تہجد کا حکم نازل ہوا۔ فتح الباری کتاب الصلوٰۃ باب کیف فرضت الصلوٰۃ۔ علامہ سہیلی فرماتے ہیں مزنی اور یحیی بن سلام سے ایسا ہی منقول ہے (۴)

مقاتل بن سلیمان سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابتداء اسلام میں دو رکعتیں صبح کی اور دو رکعتیں شام کی فرض کیں اور پھر پانچ نمازیں شب معراج میں فرض کیں (۵)

سابقین اوّلین رضی اللہ تعالیٰ عنہم و رضوا عنہ (۶)

سب سے پہلے آپ کی حرم محترم صدیقۃ النساء خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسلام قبول

---

(۱) غافر، آیۃ: ۵۵، (۲) طٰہٰ، آیۃ: ۱۳۰ (۳) ہود، آیۃ: ۱۱۴

(۴) روض الانف، ج ۱، ص: ۱۶۲ (۵) عیون الاثر، ج ۱، ص: ۹۱۔

(۶) ترجمہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور یہ اللہ سے راضی ہوئے۔ حضرات صحابہ کے متعلق قرآن کریم میں جا بجا یہی کلمات مذکور ہیں یہ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ راضی اسی سے ہوتے ہیں جس کا خاتمہ ایمان اور اخلاص پر ہو فاسق اور منافق سے خدا تعالیٰ کبھی راضی نہیں ہوتا ۱۲۔

کیا اور بروز دوشنبہ شام کے وقت سب سے پہلے آپ کے ہمراہ نماز پڑھی لہٰذا اوّل اہلِ قبلہ آپ ہی ہیں (اصابہ) وعیون الاثر) اور پھر ورقہ بن نوفل مشرف باسلام ہوئے بعد ازاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ جو مدت سے آپ کی آغوشِ تربیت[1] میں تھے دس سال کی عمر میں اسلام لائے اور بعثت سے اگلے روز بروز سہ شنبہ آپ کے ہمراہ نماز پڑھی (۲) ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ بعثت سے اگلے روز حضرت علی نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہ کو نماز پڑھتے دیکھا تو دریافت کیا کہ یہ کیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ کا دین ہے یہی دین لیکر پیغمبر دنیا میں آئے میں تم کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں کہ اسی کی عبادت کرو اور لات وعزیٰ کا انکار کرو حضرت علی نے کہا یہ بالکل ایک نئی شئے ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں سنی تھی جب تک میں اپنے باپ ابوطالب سے اس کا ذکر نہ کرلوں اس وقت تک کچھ نہیں کہہ سکتا۔ آپ پر یہ بات شاق گذری کہ آپ کا راز کسی پر فاش ہو اس لیے حضرت علی سے یہ فرمایا کہ اے علی اگر تم اسلام نہیں قبول کرتے تو اس کا کسی سے مت ذکر کرو۔ حضرت علی خاموش ہوگئے۔ ایک رات گذرنے نہ پائی کہ دل میں اسلام ڈال دیا گیا جب صبح ہوئی تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ گواہی دو کہ اللہ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور لات وعزیٰ کا انکار کرو اور بت پرستی سے نفرت اور بیزاری ظاہر کرو۔ حضرت علی نے اسلام قبول کیا۔ اور عرصہ تک (یعنی ایک سال تک جیسا کہ بعض روایت میں ہے) اپنے اسلام کو ابوطالب

---

(۱) ایک بار جب مکہ میں قحط سالی ہوئی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ نے اپنے چچا حضرت عباس سے فرمایا کہ ابوطالب کثیر العیال ہیں اور زمانہ قحط سالی کا ہے ابوطالب کی کوئی اعانت اور امداد کرنی چاہیے جس سے انکا بار ہلکا ہو۔ بعض اولاد کے تم اور بعض اولاد کا میں کفیل ہوجاؤں آپ اور عباسؓ دونوں مل کر ابوطالب کے پاس گئے اور یہی درخواست کی ابوطالب نے یہ کہا کہ عقیل کو میرے لیے چھوڑ دو اور باقی جس کو چاہے لیلو۔ آپ نے علی کو اور حضرت عباس نے جعفر کو اپنی کفالت کے لیے پسند فرمایا ۱۲ سیرۃ ابن ہشام ص ۹۳ ج ۱۔ (۲) عیون الاثر: ۱/ص ۹۳۔

سے مخفی رکھا (۱) بعد ازاں آپ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ اسلام لائے اور آپ کے ہمراہ نماز ادا کی (۲)

اسلام ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ

جب تمام اہل بیت اسلام میں داخل ہو گئے۔ تب آپ نے احباب و مخلصین کو اس رحمت کبری اور نعمت عظمیٰ میں داخل ہونے کی دعوت دی۔ سب سے پہلے آپ نے اپنے صدیق با اخلاص اور محب با اختصاص اور رفیق قدیم اور ولی حمیم یعنی ابو بکر صدیق کو ایمان و اسلام کی دعوت دی۔ ابو بکر نے بلا کسی تامّل اور تفکر کے اور بغیر کسی غور اور تدبر کے اوّل وہلہ میں آپ کی دعوت کو قبول کیا ؎

چشم احمد بر ابو بکرے زدہ   وز یکے تصدیق صدیق آمدہ

آپ نے صدق کو پیش کیا اور ابو بکر نے تصدیق کی ایک ہی تصدیق نے صدیق بنا دیا۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ میں نے جس کسی پر بھی اسلام پیش کیا وہ اسلام سے کچھ نہ کچھ ضرور جھجکا مگر ابو بکر کہ اس نے اسلام کے قبول کرنے میں ذرہ برابر کوئی توقف نہیں کیا (۳)۔ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے جب یہ دریافت کیا گیا کہ سب سے پہلے کون مسلمان ہوا (تو یہ ارشاد فرمایا کہ رجال احرار یعنی آزاد مردوں میں سے سب سے پہلے ابو بکر اسلام لائے اور عورتوں میں سے حضرت خدیجہ اور غلاموں میں سے حضرت زید بن حارثہ اور لڑکوں میں سے حضرت علی (۴)

بد مالوجی کی روایات سے اگرچہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی پہلے اسلام لائے مگر ان کا یہ تقدم موجب فضیلت و برتری نہیں اس لیے کہ حضرت خدیجہ تو آپ کی بیوی تھیں اور آپ کے تابع تھیں اور حضرت علی صغیر السن تھے اور آپ کی آغوش تربیت میں تھے۔ گھر کی

---

(۱) البدایۃ والنہایۃ : ج : ۳، ص : ۲۴ (۲) عیون الاثر ج : ۱، ص : ۹۴

(۳) عیون الاثر ج : ۱، ص : ۹۵ (۴) البدایۃ والنہایۃ ج : ۳، ص : ۲۹

عورتوں اور بچوں میں یہ طاقت اور مجال نہیں ہوتی کہ وہ بڑے کی رائے کو دفع کرسکیں ۔ بخلاف ابوبکر کے کہ وہ مستقل اور آزاد تھے کسی کے تابع اور زیر اثر نہ تھے ان کا بلاکسی تردد اور بلاکسی دباؤ اور بلاکسی کے تبعیت کے اسلام قبول کرنا موجب صد فضیلت ہے ۔نیز حضرت خدیجہ اور حضرت علی کا اسلام ان کی ذات تک محدود تھا بخلاف ابوبکر کہ ان کا اسلام متعدی تھا اور غیر متعدی ،غیرلازم سے افضل ہوتی ہے اس لیے کہ ابوبکر اسلام میں داخل ہوتے ہی اسلام کی نشر واشاعت اور تبلیغ و دعوت میں مصروف ہوگئے اور حضور پُرنور کو مدد پہنچائی اور آپ کے لیے موجب تقویت بنے اور جناب علی رضی اللہ عنہ اس وقت ایک صغیر السن بچے تھے وہ دعوت اسلام میں کیا مدد دے سکتے تھے حضرت علی تو اپنے اسلام کو اپنے باپ سے بھی چھپاتے ہوئے تھے (دیکھو زرقانی صفحہ ۲۴۴ جلد ۱) اور ابوطالب کی غربت کی وجہ سے حضور پُرنور کی تربیت میں تھے ایسی حالت میں وہ حضور پُرنور کو اور اسلام کو کوئی مالی مدد بھی نہیں پہونچا سکتے تھے نیز بچوں کی عادت ہے کہ جب وہ کسی کی صحبت اور تربیت میں ہوتے ہیں تو جو کام اس کو کرتے دیکھتے ہیں اس کی ریس میں وہی کام کرنے لگتے ہیں بچوں میں کسی کام کے نفع اور ضرر اور حسن و قبح کے سمجھنے اور پرکھنے کی صلاحیت اور تمیز نہیں ہوتی ۔یہی حال اس وقت حضرت علی کا تھا بخلاف ابوبکر کے کہ وہ بڑے عاقل اور ہوشمند زیرک تھے اور نفع اور ضرر اور حسن و قبح میں تمیز کی پوری صلاحیت رکھتے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عمر تھے اور مکہ کے ذی ثروت اور ذی شوکت اور ذی اثر لوگوں میں تھے ابوبکر نے ایسی حالت میں بلاکسی دباؤ کے اوّل وہلہ میں اسلام کی دعوت کو قبول کیا اور لوگوں پر اپنے اسلام کو ظاہر کیا ۔کسی باپ اور بھائی سے اپنے اسلام کو مخفی نہیں رکھا اور اپنے احباب خاص پر خاص طور پر اپنے اسلام کو ظاہر کیا اور اس دین میں داخل ہونے کی دعوت دی ایسا اسلام موجب صد فضیلت ہے ۔خلاصۂ کلام یہ کہ

(۱) البدایۃ والنہایۃ ، ج: ۳ ، ص: ۲۹

ابوبکر ایسے شخص تھے کہ جو آزاد اور مستقل تھے اور ہوشمند اور صاحب شوکت و مرتبت تھے وہ اوّل وہلہ میں اسلام لائے اور ابتداء ہی سے دعوت اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و بازو بنے اور مال و متاع اور زندگی کا کل سرمایہ اسلام کے لیے وقف کر دیا اور کامل تیرہ سال تک ہر طرح کی تکلیف اور مصیبت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا اور دشمنوں کی مدافعت کی۔ حضرت علی میں کم سن ہونے کی وجہ سے دشمنوں کی مدافعت اور اُن کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی اور اسلام میں داخل ہوتے ہی اسلام کی تبلیغ شروع کر دی آپ کے احباب و مخلصین میں سے جو آپ کے پاس آتا یا آپ جس کے پاس جاتے اُس کو اسلام کی دعوت دیتے چنانچہ آپ کے رفقاء اور مصاحبین میں سے آپ کی تبلیغ سے یہ حضرات اسلام میں داخل ہوئے (۱) عثمان بن عفانؓ اور زبیر بن عوام اور عبدالرحمٰن بن عوف اور طلحہ بن عبیداللہ اور سعد بن ابی وقاصؓ یہ اعیان قریش اور شرفاء خاندان آپ کے ہاتھ پر اسلام لاتے۔ ابوبکرؓ ان سب کو لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے سب نے اسلام قبول کیا اور آپ کی ہمراہ نماز پڑھی، بعد ازاں یہ حضرات مشرف باسلام ہوئے ابوعبیدہؓ[۲] عامر بن الجراح۔ ارقم بن ابی الارقم۔ مظعون بن جبیب کے تینوں بیٹے۔ عثمان بن مظعون اور قدامۃ بن مظعون اور عبداللہ بن مظعون اور عبیدۃ بن الحارث اور سعید بن زید بن عمرو بن نفیل اور ان کی بیوی فاطمہ بنت خطاب یعنی حضرت عمر کی بہن اور اسماء بنت ابی بکر اور خباب بن الارت اور عُمیر بن ابی وقاص یعنی سعد بن ابی وقاص کے بھائی اور عبداللہؓ بن مسعود اور مسعود بن القاری اور سلیط بن عمرو اور عیاش بن ابی ربیعۃ اور ان کی بیوی اسماء بنت سلامہ اور خنیس بن حذافہ اور عامر بن ربیعہ اور عبداللہ بن جحش اور ان کے بھائی ابواحمد بن جحش اور جعفر بن ابی طالب اور ان کی بیوی اسماء بنت عمیس اور حاطب

---

(۱) مکہ کے معزز اور سربر آوردہ لوگوں میں سے گیارہ یا بارہ صحابہ کے بعد مشرف باسلام ہوتے ۱۲۔ اصابہ

(۲) ابوعبیدہ دار ارقم میں پناہ گزیں ہونے سے پہلے اسلام لاتے ۱۲ طبقات ابن سعد ۱۲

بن الحارث اور ان کی بیوی فاطمہ بنت مجلل اور اس کے بھائی حطاب بن حارث اور ان کی بیوی فکیہہ بنت یسار اور معمر بن حارث اور سائب بن عثمان بن مظعون اور مطلب بن ازہر اور ان کی بیوی رملہ بنت ابی عوف اور نعیم بن عبداللہ النحام[۲] اور عامر بن فہیرہ[۳] ابو بکر صدیق کے آزاد کردہ غلام اور خالد بن سعید بن العاص اور ان کی بیوی اُمَینہ بنت خلف اور حاطب بن عمرو اور ابو حذیفہ بن عتبہ اور واقد بن عبداللہ اور بکیر بن عبد یالیل کے چاروں[۴]

---

[۱] عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میں عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتا تھا ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے گلہ کی طرف سے گذرے اور ابو بکر آپ کے ہمراہ تھے آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے پاس دودھ ہے میں نے کہا کہ میں امین ہوں آپ نے فرمایا کوئی بے دودھ کی بکری ہو تو لاؤ میں نے ایک بے دودھ کی بکری پیش کی آپ نے اسکے تھنوں پر اپنا دست مبارک رکھا اور دودھ دوہا پہلے ابو بکر کو اور بعد میں مجھ کو دودھ پلایا جس سے ہم دونوں سیراب ہو گئے بعد ازاں تھن کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ اقلص۔ اے دودھ تو اس تھن سے منقطع ہو جا یہ فرماتے ہی بکری پھر ویسے ہی بغیر دودھ کے رہ گئی یہ معجزہ دیکھ کر میں مسلمان ہو گیا اور آپ سے عرض کیا۔ علمنی یا رسول اللہ اے اللہ کے رسول مجھ کو تعلیم دیجئے آپ نے اپنا دست مبارک میرے سر پر پھیرا اور فرمایا۔ بارک اللہ فیک فانک غلام معلم اللہ تجھ میں برکت دے تو خدا کا تعلیم کردہ تو نہال ہے حافظ ابن سید الناس نے اس روایت کو اپنی سند سے بیان کیا ہے ۱۲ عیون الاثر

[۲] نحام نحم سے مشتق ہے جس کے معنی آواز کے ہیں۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا لقد سمعت نحمہ فی الجنۃ میں نے نعیم بن عبداللہ کی آواز جنت میں سنی ہے۔ سیرۃ ابن ہشام راجع اصابہ ص ۵۶۷ ج ۳ وطبقات ص ۱۰۲ ج ۴ قسم اوّل

[۳] عامر بن فہیرہ غزوہ بیر معونہ میں شہید ہوئے اور فرشتے اور ان کی نعش کو آسمان پر اٹھا لے گئے ۱۲ روض الانف ص ۱۶۸ ج ۱

[۴] دار ارقم میں یہی چاروں بھائی خالد اور عامر اور عاقل اور ایاس سب سے پہلے مشرف باسلام ہوئے اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور جب ہجرت کا حکم نازل ہوا تو سب نے مع عورتوں اور بچوں کے ہجرت کی اہل خانہ میں سے کوئی شخص مکہ میں باقی نہ رہا مکانوں کو قفل ڈال کر مدینہ منورہ روانہ ہوئے رفاعہ بن عبد المنذر کے مکان پر جا کر اترے۔ طبقات ابن سعد ص ۲۸۲ ج ۳ قسم اوّل۔ عاقل کا نام اصل میں غافل تھا رسول اللہ علیہ وسلم نے بجائے غافل کے عاقل نام رکھا۔ اصابہ ص ۲۴۷ ج ۲ پہلے آخرت کے غافل تھے اب عاقل ہو گئے۔

بیٹے خالد اور عامر اور عاقل اور ایاس اور عمار بن یاسر اور صہیب بن سنان عبداللہ بن جدعان کے آزاد کردہ غلام رضی اللہ تعالیٰ عنا دعنہم اجمعین۔

جب نماز کا وقت آتا تو آپ کسی گھاٹی یا درہ میں جاکر پوشیدہ نماز پڑھتے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ اور حضرت علی کسی درہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ یکایک ابوطالب اس طرف آنکلے۔ حضرت علی نے اس وقت تک اپنے اسلام کو اپنے ماں باپ اور اعمام اور دیگر اقارب پر ظاہر نہیں ہونے دیا تھا ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہوکر دریافت کیا کہ اے بھتیجے یہ کیا دین ہے اور یہ کیسی عبادت ہے آپ نے فرمایا اے چچا یہی دین ہے اللہ کا اور اس کے تمام فرشتوں کا اور پیغمبروں کا اور خاصکر ہمارے جد امجد ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا دین ہے اور اللہ نے مجھ کو اپنے تمام بندوں کی طرف رسول بناکر بھیجا ہے۔ سب سے زیادہ آپ میری نصیحت کے مستحق ہیں کہ آپ کو خیر اور ہدایت کی طرف بلاؤں اور آپ کو چاہیے کہ آپ سب سے پہلے اس ہدایت اور دین برحق کو قبول کریں اور اس بارہ میں میرے معین اور مددگار ثابت ہوں۔

ابوطالب نے کہا اے بھتیجے میں اپنا آبائی مذہب تو نہیں چھوڑ سکتا لیکن اتنا ضرور ہے کہ تم کو کوئی گزند نہ پہنچا سکے گا۔ بعدازاں حضرت علی کی طرف مخاطب ہو کہا اے بیٹے یہ کیا دین ہے جس کو تم نے اختیار کیا ہے۔ حضرت علی نے کہا باپ میں ایمان لایا اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جو کچھ وہ من جانب اللہ لے کر آئے اس کی تصدیق کی اور ان کے ساتھ اللہ کی عبادت اور بندگی کرتا ہوں اور ان کا تبع اور پیرو ہوں۔ ابوطالب نے کہا بہتر ہے تم کو بھلائی اور خیر ہی کی طرف بلایا ہے۔ ان کا ساتھ نہ چھوڑنا۔ سیرۃ ابن ہشام ص۸۷ ج ۱۔

اسلام جعفر ابن[1] ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ایک روز حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشغول عبادت تھے۔

---

[1] حضرت علی کے عینی بھائی حضرت علی سے عمر میں دس سال بڑے تھے نجاشی شاہ حبشہ آپ ہی کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوا غزوہ موتہ میں شہید ہوئے اس غزوہ میں نوے سے زیادہ جسم مبارک پر زخم کھائے مفصل تذکرہ انشاء اللہ تعالیٰ غزوہ موتہ کے بیان میں آئے گا ۱۲ اصلاحہ۔

حضرت علی آپ کے دائیں جانب تھے اتفاق سے ابوطالب اُدھر سے گذرے جعفر بھی آپ کے ہمراہ تھے آپ کو جب نماز پڑھتے دیکھا تو جعفر سے مخاطب ہو کر کہا اے بیٹا تم بھی علی کی طرح اپنے چچا زاد بھائی کے قوت بازو ہو جاؤ اور بائیں جانب کھڑے ہو کر ان کے ساتھ نماز میں شامل ہو جاؤ۔ اسد الغابہ ص ۲۸۷ ج ۱ جعفر سابقین اسلام میں سے ہیں۔ اکتیس یا پچیس صحابہ کے بعد مشرف باسلام ہوئے۔ اصابہ ص ۲۳۷ ج ۱

اسلام عفیف کندی رضی اللہ عنہ

عفیف کندی حضرت عباس کے دوست تھے عطر کی تجارت کرتے تھے۔ اسی سلسلۂ تجارت میں یمن بھی آمد رفت رہتی تھی۔ عفیف کندی فرماتے ہیں کہ ایک بار میں منیٰ میں حضرت عباس کے ساتھ تھا کہ ایک شخص آیا اور اول نہایت عمدہ طریقہ سے وضو کیا اور پھر نماز کے لیے کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد ایک عورت آئی اس نے بھی اسی طرح وضو کی اور پھر نماز کے لیے کھڑی ہو گئی پھر ایک گیارہ سالہ لڑکا آیا اس نے بھی وضو کی اور آپ کے برابر نماز کے لیے کھڑا ہو گیا میں نے عباس سے پوچھا یہ کیا دین ہے۔ حضرت عباس نے کہا یہ میرے بھتیجے محمد رسول اللہ کا دین ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے ان کو رسول بنا کر بھیجا ہے اور یہ لڑکا علی بن ابی طالب بھی میرا بھتیجا ہے جو اس دین کا پیرو ہے اور یہ عورت محمد بن عبد اللہ کی بیوی ہیں۔ عفیف بعد میں مشرف باسلام ہوئے اور یہ کہا کرتے تھے کہ کاش میں چوتھا مسلمان ہوتا (عیون الاثر) قال ابن عبد البر ہذا حدیث حسن جدا۔ حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث نہایت عمدہ ہے اس کے حسن ہونے میں

۲؎ عفیف اصل میں لقب ہے۔ حافظ فرماتے ہیں انکا نام شراحیل تھا عفت اور پاکدامنی کی وجہ سے عفیف کے لقب سے ملقب ہوئے۔ چنانچہ حضرت عفیف کے اشعار میں سے ایک شعر یہ بھی ہے وقالت لی ھلم الی التصابی ۔ فقلت عَفَفْتُ عما تعلمینا۔ اس نے مجھ کو لہو ولعب کی طرف بلایا میں نے کہا کہ تجھ کو میری عفت اور عصمت خوب معلوم ہے۔ اصابہ ص ۴۸۷ ج ۲ ۔ ۱۲

کوئی کلام نہیں۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام بخاری نے بھی اپنی تاریخ میں اور بغوی اور ابن مندہ نے بھی ذکر کیا ہے۔ اس میں اس قدر اور زائد ہے کہ حضرت عباس نے یہ فرمایا کہ میرا بھتیجا یہ بھی کہتا ہے کہ قیصر و کسریٰ کے خزائن بھی اس پر فتح ہوں گے۔

اصابہ صفحہ ۲۴۸ ج ۲ ترجمہ عفیف کندی۔

اِسلام طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت طلحہ فرماتے ہیں کہ میں بغرض تجارت بصری گیا ہوا تھا ایک روز بصری کے بازار میں تھا کہ ایک راہب اپنی صومعہ میں سے یہ پکار رہا تھا کہ دریافت کرو کہ ان لوگوں میں کوئی حرم مکہ کا رہنے والا تو نہیں۔ طلحہ نے کہا کہ میں حرم مکہ کا رہنے والا ہوں۔ راہب نے کہا کہ کیا احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ظہور ہو گیا۔ میں نے کہا کون (صلی اللہ علیہ وسلم) راہب نے کہا کہ عبداللہ بن عبدالمطلب کے بیٹے۔ یہ مہینہ ان کے ظہور کا ہے حرم مکہ میں ظاہر ہوں گے ایک پتھریلی اور نخلستانی زمین کی طرف ہجرت کریں گے۔ وہ آخر الانبیا اور وہ آخری نبی ہیں۔ دیکھو تم پیچھے نہ رہنا راہب کی اس گفتگو سے میرے دل پر خاص اثر ہوا۔ فوراً مکہ واپس آیا اور لوگوں سے دریافت کیا کیا کوئی نئی بات پیش آئی لوگوں نے کہا ہاں۔ محمد امین (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نبوت کا دعویٰ کیا اور ابن ابی قحافہ یعنی ابوبکر ان کے ساتھ گئے ہیں میں فوراً ابوبکر کے پاس پہنچا۔ ابوبکر مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ حاضر ہو کر میں مشرف باسلام ہوا اور آپ سے راہب کا تمام واقعہ بیان کیا۔ اصابہ صفحہ ۲۲۹ ج ۲ ترجمہ طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اِسلام سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ میں نے اسلام لانے سے تین شب قبل یہ خواب دیکھا کہ میں ایک شدید ظلمت اور سخت تاریکی میں ہوں تاریکی کی وجہ سے کوئی شئی مجھ کو نظر نہیں آتی۔ اچانک ایک ماہتاب طلوع ہوا اور میں اس کے پیچھے ہو لیا دیکھا تو زید بن

حارثہ اور علی اور ابوبکرؓ مجھ سے پہلے اس نور کی طرف سبقت کر چکے ہیں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں آپ نے فرمایا کہ اللہ کی وحدانیت اور اپنے رسول اللہ ہونے کی شہادت کی طرف تم کو بلاتا ہوں میں نے کہا اشهد ان لا اله الا الله واشهد محمد رسول الله - اخرجه ابی الدنیا وابن عساکر۔ خصائص کبریٰ صفحہ ۱۲۲ ج ۱۔

اسلام خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ

سابقین اوّلین میں سے ہیں چوتھے یا پانچویں مسلمان ہیں (۱) اسلام لانے سے پیشتر یہ خواب دیکھا کہ ایک نہایت وسیع اور گہری آگ کی خندق کے کنارے پر کھڑا ہوں میرا باپ سعید مجھ کو اس کی طرف دھکیلنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ ناگہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور میری کمر پکڑ کر کھینچ لیا۔ خواب سے بیدار ہوا اور قسم کھا کر میں نے یہ کہا واللہ یہ خواب حق ہے۔

ابوبکرؓ کے پاس آیا اور یہ خواب ذکر کیا۔ ابوبکرؓ نے یہ کہا کہ اللہ نے تیری ساتھ کچھ خیر کا ارادہ فرمایا ہے یہ اللہ کے رسول ہیں۔ ان کا اتباع کر اور اسلام کو قبول کر اور انشاء اللہ تو رسول اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرے گا اور اسلام میں داخل ہو گا اور اسلام ہی تجھ کو آگ میں گرنے سے بچائے گا مگر تیرا باپ آگ میں گرتا نظر آتا ہے پھر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہم کو کس چیز کی طرف بلاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

ادعوك الی الله وحده لا شريك	میں تجھ کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں جو ایک ہے کوئی
له وان محمدا عبده ورسوله	اس کا شریک نہیں اور محمد اللہ کے بندے
تخلع ما كنت عليه من عبادة	اور اس کے رسول ہیں اور اس بات کی دعوت
حجر لا يضر ولا ينفع	دیتا ہوں کہ بتوں کی پرستش کو چھوڑ دو کہ جو نہ
ولا يدرى من عبده	نفع اور ضرر کے مالک ہیں اور یہ جاننے کا علم ہے

مَن لم یعبدہ۔　　　　مگر کس نے ان کی پرستش کی اور کس نے نہیں کی۔

خالد کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے، اور آپ اس کے رسول برحق ہیں اور اسلام میں داخل ہوگیا۔ باپ کو جب میرے اسلام کا علم ہوا تو مجھ کو اتنا مارا کہ سر زخمی ہوگیا اور ایک چھڑی کو میرے سر پر توڑ ڈالا اور پھر یہ کہا کہ تو نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اتباع کیا جس نے ساری قوم کے خلاف کیا اور ہمارے معبودوں کو برا اور ہمارے آباؤ اجداد کو احمق اور جاہل بتلاتا ہے۔ خالد کہتے ہیں۔ میں نے اپنے باپ سے کہا۔ واللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بالکل سچ فرماتے ہیں۔ باپ کو اور بھی غصہ آگیا اور مجھ کو سخت سست کہا اور گالیاں دیں اور یہ کہا اے کمینہ تو میرے سامنے سے دُور ہو جا۔ واللہ میں تیرا کھانا پینا بند کر دوں گا۔ میں نے کہا اگر تم کھانا بند کر لوگے تو اللہ عزوجل مجھ کو رزق عطا فرمائیں گے اس پر باپ نے مجھ کو اپنے گھر سے نکال دیا اور اپنے بیٹوں سے کہا کہ کوئی اس سے کلام نہ کرے اور جو اس سے کلام کرے گا اس کے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا جائے گا۔ خالد اپنے باپ کا در چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے در دولت پر آپڑے۔ آپ خالد کا بہت اکرام فرماتے تھے (۲) اور حافظ عسقلانی نے بھی اصابہ میں اس واقعہ کو اجمالاً ذکر کیا ہے۔ انسان کسی کا در چھوڑ کر ذلیل اور رسوا نہیں ہوتا مگر اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا در چھوڑ کر کہیں عزت نہیں پا سکتا۔ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اس آیت سے ظاہر ہے کہ عزت تو ایمان میں ہے کفر میں تو ذلت ہی ذلت ہے کفر میں تو عزت کا امکان ہی نہیں۔

حاشیہ گزشتہ صفحہ
(۱) الاصابہ۔ ج: ۱، ص: ۴۰۶ ؎ اقرار توحید و رسالت کے بعد کفر و شرک سے علیحدگی کا حکم دینا یہ کفر سے تبرّی اور بیزاری کی طرف اشارہ ہے جو اسلام و ایمان کے لیے شرط ہے جسکو ہم عنقریب بیان کریں گے ۱۲ منہ عفی عنہ، (۲) المستدرک۔ ج: ۳، ص: ۲۴۸۔

عزیزیکہ از درگہش سر بتافت بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت

خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا باپ ایک بار بیمار ہوا تو یہ کہا کہ اگر اللہ نے مجھ کو اس مرض سے عافیت بخشی تو مکہ میں اس خدا کی عبادت نہ ہونے دوں گا جس کی عبادت کا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حکم کرتے ہیں۔ خالد کہتے ہیں کہ میں نے اللہ سے یہ دعا مانگی کہ اے اللہ میرے باپ کو اس مرض سے اُٹھنے کے قابل نہ بنا۔ چنانچہ اسی مرض میں میرا باپ مرگیا۔ (۱)

اسلام عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان فرماتے ہیں کہ میں ایک بار گھر میں گیا تو اپنی خالہ سُعدای کو گھر والوں کے ساتھ بیٹھے دیکھا۔ میری خالہ کہانت بھی کیا کرتی تھیں۔ مجھ کو دیکھتے ہی یہ کہا۔

اَبْشِرْ وحُيِّيْتَ ثَلاَثًا وِتْـرًا ثُمَّ ثَلاَثًا وثَلاَثًا اُخْـرٰی

اے عثمان تجھ کو بشارت ہو اور سلامتی ہو تین بار اور پھر تین بار اور پھر تین بار

ثُمَّ بِاُخْرٰی لِکَیْ تُتِمَّ عَشْرًا لَقِيْتَ خَيْرًا وَوُقِيْتَ شَرًّا

اور ایک بار تاکہ دس پورے ہو جائیں تو خیر سے ملا اور شر سے محفوظ ہُوا

نَكَحْتَ وَاللّٰهِ حَصَانًا زَهْـرًا وَاَنْتَ بِكْرٌ وَلَقِيْتَ بِكْـرًا

خدا کی قسم تو نے ایک نہایت پاکدامن اور حسین عورت سے نکاح کیا تو خود بھی ناکتخدا ہے اور ناکتخدا لڑکی ہی سے تیری شادی ہوئی ہے

یہ سن کر مجھ کو بہت تعجب ہُوا اور میں نے کہا اے خالہ کیا کہتی ہو اس پر سعدی نے یہ اشعار پڑھے۔

عُثْمَانُ يَا عُثْمَانُ يَا عُثْمَانُ لَكَ الجَمَالُ وَلَكَ الشَّانُ

اے عثمان اے عثمان اے عثمان تیرے لیے جمال بھی ہے اور تیرے لیے شان بھی ہے

هٰذَا نَبِيٌّ مَعَهُ الْبُرْهَانُ اَرْسَلَهٗ بِحَقِّهِ الدَّيَّانُ

یہ نبی ہیں جنکی ساتھ نبوت و رسالت کے براہین اور دلائل بھی ہیں رب الجزاء نے ان کو حق دیکر بھیجا ہے

---

(۱) المستدرک۔ ج:۲، ص: ۲۴۹

وَجَآءَهُ التنزيلُ وَالفُرقانُ فَاتَّبِعْهُ لَا تَغْيَابِكَ الاَوْثَانُ

اس پر اللہ کا کلام اترتا ہے جو حق اور باطل میں تمیز کرتا ہے پس تو ان کا اتباع کر کہیں بت تجھ کو گمراہ نہ کر دیں

میں نے کہا کہ اے خالہ آپ تو ایسی شے کا ذکر کرتی ہیں کہ جس کا شہر میں کبھی نام بھی نہیں سُنا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ اس پر سعدی نے یہ کہا:۔

محمد بن عبد الله رسول من عند الله جاء بتنزيل الله يدعو الى الله قوله صلاح و دينه فلاح و امره نجاح۔ ماينفع الصياح لو وقع الرماح وسلت الصفاح ومدت الرماح۔

محمد بیٹے عبد اللہ کے رسول ہیں اللہ کی طرف سے اللہ کی طرف بلاتے ہیں۔ قول اُنکا سرا سر فلاح اور بہبود ہے اور ان کا حال کامیاب ہے ان کے مقابلہ میں کسی کی چیخ دپکار نفع نہ دے گی اگرچہ کتنی ہی تلواریں اور نیزے ان کے مقابلے میں چلائی جائیں۔

یہ کہہ کر اُٹھ گئیں مگر ان کا کلام میرے دل پر اثر کر گیا۔ اسی وقت سے غور اور فکر میں پڑ گیا۔ ابو بکرؓ سے میرے تعلقات اور روابط تھے ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ ابو بکر نے مجھ کو متفکر دیکھ کر دریافت فرمایا۔ متفکر کیوں ہو میں نے اپنی خالہ سے جو سُنا تھا من وعن ابو بکرؓ سے بیان کر دیا۔ اس پر ابو بکرؓ نے کہا اے عثمان ماشاء اللہ تم ہوشیار اور سمجھ دار ہو۔ حق اور باطل کے فرق کو خوب سمجھ سکتے ہو تم جیسے کو حق اور باطل میں اشتباہ نہیں ہو سکتا۔ یہ بت کیا چیز ہیں جن کی پرستش میں ہماری قوم مبتلا ہے کیا یہ بت اندھے اور بہرے نہیں جو نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں اور نہ کسی کو ضرر پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع۔ حضرت عثمانؓ کہتے ہیں میں نے کہا خدا کی قسم بے شک ایسے ہی ہیں جیسے تم کہتے ہو اس پر ابو بکرؓ نے کہا واللہ تمہاری خالہ نے بالکل سچ کہا یہ محمد بن عبد اللہ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ نے آپ کو اپنا پیام دے کر تمام مخلوق کی طرف بھیجا ہے تم اگر مناسب سمجھو تو آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر آپ کا کلام سنو یہ بات ہو ہی رہی تھی کہ حُسنِ اتفاق دیکھو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس

اس طرف سے گذرتے ہوتے دکھلائی دیتے اور حضرت علیؓ آپؐ کے ہمراہ تھے اور کوئی کپڑا آپ کے ہاتھ میں تھا۔ ابوبکرؓ آپؐ کو دیکھ کر اٹھے اور آہستہ سے گوش مبارک میں کچھ عرض کیا آپ تشریف لائے اور بیٹھ گئے اور حضرت عثمانؓ کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ اے عثمان اللہ جنت کی دعوت دیتا ہے تو تم اللہ کی دعوت کو قبول کرو اور میں اللہ کا رسول ہوں جو تیری طرف اور تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

فو اللہ ما تمالکت حین سمعت	خدا کی قسم آپکا کلام سنتے ہی ایسا بے خود اور
قولہ ان اسلمت واشہدت ان	بے اختیار ہوا کہ فوراً اسلام لے آیا اور یہ کلمات
لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک	زبان پر جاری ہوگئے اشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہٗ
لہ وان محمدا عبدہ ورسولہ۔	لاشریک لہ وان محمداً عبدہٗ ورسولہ
در دل ہر امتی کز حق مزہ است	روئے وآواز پیمبر معجزہ است

کچھ روز نہ گذرے کہ آپ کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا میرے نکاح میں آئیں اور سب نے اس ازدواج واقتران کو بنظر استحسان دیکھا اور میری خالہ سُعدیٰ نے اس بارہ میں یہ اشعار پڑھے۔

هَدَى اللّٰهُ عُثمَانَ الصَّفِيَّ بِقَوْلِهٖ	فَاَرْشَدَهٗ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ اِلَى الْحَقِّ
اللہ نے اپنے بندے عثمان کو ہدایت دی	اور اللہ ہی حق کی ہدایت دیتا ہے
فَتَابَعَ بِالرَّاْيِ السَّدِيْدِ مُحَمَّدًا	وَكَانَ ابْنُ اَرْوٰى لَا يَصُدُّ عَنِ الْحَقِّ

پس عثمان نے اپنی صحیح رائے سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا اور آخر اروی کا بیٹا تھا کہ اور رویعنی سمجھ سے کام لیا اور حق سے اعراض نہ کیا۔ اروی بنت کریز حضرت عثمان کی والدہ کا نام ہے۔

وَاَنْكَحَهُ الْمَبْعُوْثُ اِحْدٰى بَنَاتِهٖ	فَكَانَ كَبَدْرٍ مَازَجَ الشَّمْسَ فِي الْاُفُقِ

اور اس پیغمبر برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک صاحبزادی انکے نکاح میں دی پس یہ اقتران ایسا ہوا جیسے شمس بدر کا افق میں اجتماع ہوا

فِدًى لَكَ يَا ابْنَ الْهَاشِمِيِّينَ مُهْجَتِي ۔۔۔ فَأَنْتَ أَمِينُ اللّٰهِ أُرْسِلْتَ لِلْخَلْقِ

اے ہاشم کے بیٹے محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری جان آپ پر قربان ہو آپ تو اللہ کے امین ہیں مخلوق کی ہدایت کیلئے بھیجے گئے ہیں(۱)

حضرت عثمان بن عفان کے اسلام لانے کے دوسرے روز بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان حضرات کو آپ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔

عثمانؓ بن مظعون۔ ابو عبیدہؓ بن الجراح۔ عبد الرحمٰن بن عوف۔ ابو سلمہؓ بن عبد الاسد۔ ارقم بن الارقم یہ سب کے سب ایک ہی مجلس میں مشرف باسلام ہوئے (الریاض النضرۃ) ص۸۵ ج۱ یزید بن رومان سے مروی ہے کہ عثمان مظعون اور عبیدۃ بن الحارث اور ابو عبیدۃ بن الجراح اور عبد الرحمٰن بن عوف اور ابو سلمہؓ بن عبد الاسد یہ سب مل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپؐ نے اسلام پیش کیا اور احکام اسلام سے آگاہ اور خبردار کیا۔ بیک وقت سب نے اسلام قبول کیا اور یہ سب حضرات دار ارقم میں پناہ گزیں ہونے سے قبل اسلام لائے (۶)

اِسلام عمّار و صہیب رضی اللہ عنہما

عمار بن یاسر فرماتے ہیں کہ دار ارقم کے دروازہ پر صہیب بن سنان سے میری ملاقات ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف فرما تھے میں نے صہیب سے پوچھا کیا ارادہ ہے صہیب نے بھی مجھ سے یہی سوال کیا کہ تمہارا کیا ارادہ ہے میں نے کہا کہ میرا ارادہ یہ ہے کہ آپ کے

(۱) الاصابہ ج: ۱ ص: ۳۲۷ (۲) عثمان بن مظعونؓ زمانہ جاہلیت ہی سے شراب سے متنفر اور بیزار تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ میں ایسی شی کو ہرگز نہ پیوں گا جو عقل کو سلب کرے اور میرے سے کمتر اور ادنیٰ آدمی کو مجھ پر ہنسنے کا موقع دے اور بے خبری میں اپنی بیٹی کا ایسے شخص سے نکاح کرا دے جس سے نکاح کرنا میں پسند نہیں کرتا جب تحریم خمر کے بارہ میں سورۂ مائدہ کی آیت نازل ہوئی تو ایک شخص نے آکر وہ آیت آپ کو سنائی تو یہ کہا کہ خدا اس شراب کو ہلاک اور برباد کرے میری نگاہ اس بارے میں پہلے ہی سے بصیر تھی طبقات ابن سعد ص۲۸۶ ج۳ قسم اول (۳) ابو عبیدہ کنیت ہے اور عامر نام ہے اور امین الامۃ انکا لقب ہے سابقین اولین اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ دو مرتبہ ہجرت کی اول بجانب حبشہ دوسری جانب مدینہ منورہ تمام غزوات میں شریک رہے فاروق اعظم کے زمانۂ خلافت میں شامی افواج کے سپہ سالار تھے طاعون عمواس ۱۸ھ میں شام ہی میں انتقال فرمایا حضرت عمرؓ اپنی وفات کے وقت فرماتے تھے اگر ابو عبیدہ زندہ ہوتے تو ان کو خلیفہ بناتا (۴) ابو سلمہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی اور ام المؤمنین ام سلمہؓ کے زوج اول ہیں (۶) طبقات ابن سعد، ج: ۳ ق ۱ ص: ۲۸۶۔

پاس حاضر ہوں اور آپ کا کلام سنوں ہم دونوں دار ارقم میں داخل ہوئے آپ نے ہم پر اسلام کو پیش کیا ہم اسی وقت مشرف باسلام ہو گئے۔ (۱)

اسلام عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عمرو بن عبسہؓ فرماتے ہیں کہ میں ابتداء ہی سے بت پرستی سے بیزار اور متنفر تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ یہ بت کسی نفع اور ضرر کے اصلا مالک نہیں محض پتھر ہیں۔ علماء اہل کتاب میں سے ایک عالم سے مل کر یہ دریافت کیا کہ سب سے پہلے افضل اور بہتر کونسا دین ہے اس عالم نے یہ کہا کہ ایک شخص مکہ میں ظاہر ہوگا۔ بت پرستی سے اللہ کی توحید کی طرف بلائے گا سب سے بہتر اور افضل دین لائے گا۔ تم اگر ان کو پاؤ تو ضرور ان کا اتباع کرنا۔ عمرو بن عبسہ فرماتے ہیں اس وقت سے ہر وقت مجھ کو مکہ ہی کا خیال رہتا تھا۔ ہر وارد و صادر سے مکہ کی خبریں دریافت کرتا تھا۔ یہاں تک کہ مجھ کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر ملی۔ یہ روایت معجم طبرانی اور دلائل ابی نعیم میں مذکور ہے۔ تذکرہ عمرو بن عبسہؓ آپ کی خبر ملنے پر میں مکہ مکرمہ حاضر ہوا اور مخفی طور پر آپ سے ملا اور عرض کیا کہ آپ کون ہیں آپ نے فرمایا میں اللہ کا نبی ہوں میں نے کہا اللہ نے آپ کو بھیجا ہے آپ نے فرمایا ہاں۔ میں نے کہا اللہ نے آپ کو کیا پیغام دیکر بھیجا ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ کو ایک مانا جائے۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ گردانا جائے بتوں کو توڑا جائے اور صلہ رحمی کی جائے۔ میں نے عرض کیا کہ اس بارہ میں کون آپ کے ساتھ ہے آپ نے فرمایا کہ ایک آزاد اور ایک غلام یعنی ابوبکرؓ اور بلالؓ میں نے عرض کیا میں بھی آپ کا پیرو اور متبع ہوں آپ کے ہمراہ ہوں گا آپ نے فرمایا اس وقت تو اپنے وطن لوٹ جاؤ جب میرے غلبہ کا علم ہو اس وقت آجانا عمرو بن عبسہؓ فرماتے ہیں میں مسلمان ہو کر وطن واپس ہو گیا اور آپ کی خبریں دریافت کرتا رہا جب آپ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے مجھ کو پہچانا بھی آپ نے فرمایا ہاں تم وہی ہو جو مکہ میں میرے پاس آتے تھے میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ

---

(۱) طبقات ابن سعد، ج: ۳: ص ۲۱۲

علیہ وسلم میں وہی ہوں مجھ کو کچھ تعلیم دیجیے۔ الی آخر الحدیث۔ پوری حدیث مسند احمد میں مذکور ہے اور یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی مذکور ہے (۱)

اسلام ابی ذر رضی اللہ عنہ

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابوذر غفاری کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر پہنچی تو اپنے بھائی انیس (۲) سے کہا کہ مکہ جاؤ اُس شخص کی خبر لے کر آؤ جو دعویٰ کرتا ہے کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور آسمان سے مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ اس کا کلام بھی سنو۔ ابوذر کی ہدایت کے مطابق انیس مکہ آئے اور آپ سے مل کر واپس ہوئے۔ ابوذر نے دریافت کیا کیا خبر لائے۔ انیس نے کہا کہ جب میں مکہ پہونچا تو کوئی آپ کو کاذب ساحر کہتا تھا کوئی کاہن و شاعر۔ واللہ وہ نہ شاعر ہے نہ کاہن۔ انیس خود بھی بہت بڑے شاعر تھے۔ اس لیے فرماتے ہیں میں نے کاہنوں کا کلام سنا ہے۔ ان کا کلام کاہنوں کے کلام سے مشابہ نہیں ان کے کلام کو اوزان شعر پر رکھ کر دیکھا شعر بھی نہیں واللہ انہ لصادق خدا کی قسم وہ بالکل صادق ہے۔ اور یہ بھی کہا۔

رأیتہ یامر بالخیر وینھیٰ	اس شخص کو میں نے صرف خیر اور بھلائی کا حکم کرتے
عن الشر ورایتہ یامر	ہوئے اور شر اور برائی ہی سے منع کرتے ہوئے
بمکارم الاخلاق و	دیکھا اور عمدہ اور پاکیزہ اخلاق کا حکم کرتے دیکھا
کلاما ماھو بالشعر۔	اور ان سے ایک کلام سنا جسکو شعر سے کوئی تعلق نہیں۔

ابوذر نے سن کر یہ کہا کہ دل کو پوری شفا نہیں ہوئی۔ غالباً ابوذر آپ کے حالات اور واقعات تفصیل کے ساتھ سننا چاہتے تھے اتنا اجمال ان کے لیے کافی اور شافی نہ ہوا اس لیے ابوذر خود کچھ توشہ اور مشکیزہ لے کر مکہ روانہ ہوئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے توسط سے بارگاہ رسالت میں پہنچے اور آپ کا کلام سنا اسی وقت اسلام لائے اور حرم

(۱) الاصابہ، ج: ۳، ص: ۶۰ - (۲) انیس عمر میں ابوذر سے بڑے تھے۔ اصابہ ص۷۶ ج ۱

میں پہونچکر اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ کفار نے اتنا مار اکر زمین پر لٹا دیا۔ حضرت عباس نے آکر بچایا۔ آپ نے فرمایا اپنی قوم کی طرف لوٹ جاؤ اور ان کو بھی اس سے آگاہ کرو۔ جب ہمارے ظہور اور غلبہ کی خبر سنو تب آنا۔ ابوذرؓ واپس ہوتے۔ دونوں بھائیوں نے مل کر والدہ کو اسلام کی دعوت دی والدہ نے نہایت خوشی سے اس دعوت کو قبول کیا۔ بعد ازاں قبیلہ غفار کو دعوت دی نصف قبیلہ اسی وقت مشرف باسلام ہوا (۱)

فائدہ:-

عمرو بن عبسہ اور ابوذر رضی اللہ عنہما کے واقعہ سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دین الٰہی کے ظہور اور غلبہ کا کامل یقین تھا اور اس بے سروسامانی میں یہ یقین بدون وحی الٰہی کے ممکن نہیں۔

مسلمانوں کا دار ارقم میں اجتماع

جب اسی طرح رفتہ رفتہ لوگ اسلام میں داخل ہوتے رہے مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت ہوگئی تو حضرت ارقم (۲) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان جمع ہونے کے لیے تجویز ہوا کہ وہاں سب جمع ہوا کریں۔ حضرت ارقمؓ سابقین اولین میں سے ہیں۔ ساتویں یا دسویں مسلمان ہیں کوہ صفا پر آپ کا مکان تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام وہیں جمع ہوتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے اسلام لے آنے کے بعد جہاں چاہتے جمع ہوتے (۳)

حافظ عراقی رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

وَاتَّخَذَ النَّبِيُّ دَارَ الْأَرْقَمِ ۔۔۔ لِلصَّحْبِ مُسْتَخْفِيْنَ عَنْ قَوْمِهِمِ

(۱) الاصابہ، ج: ۲، ص: ۶۲ (۲) ارقم۔ بدر احد اور دیگر مشاہد میں حاضر ہوتے حضرت معاویہ کے زمانہ خلافت میں ۵۵ھ میں وفات پائی۔ اصابہ ص ۲۹ ج ۱ (۳) الاصابہ، ج ۱، ص: ۲۸۔

وَقِیْل کَانُوا یَخْرُجُوْنَ تَسَتُّرًا — الی الشعاب للصّلوۃ سرًّا
حتّٰی مضت ثلٰثۃُ سِنِیْنًا — وَاَظْهَرَ الرحمٰنُ بَعْدُ الدِّیْنَا
وَصَدَعَ النبیُّ جھرًا مُعْلِنًا — اِذ نَزَلَتْ فاصْدَعْ بما فما وَفٰی
وَاَنْذَرَ العشائرَ الّتی ذُکِرَ — یَجْمَعُهُم اِذْ نَزَلَت وَاَنْذِرْ

اعلان دعوت

تین سال تک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مخفی طور پر اسلام کی دعوت دیتے رہے اور اسی طرح لوگ آہستہ آہستہ اسلام میں داخل ہوتے رہے تین سال کے بعد یہ حکم نازل ہوا کہ علی الاعلان اسلام کی طرف بلائیں۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ۔ — جس بات کا آپکو حکم دیا گیا ہے اسکا صاف صاف اعلان کر دیجیے اور مشرکین کی پروا نہ کیجیے۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ — اور سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں کو کفر اور شرک سے ڈرائیے۔

لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ — اور جو ایمان لاکر آپکا اتباع کرے اسکے ساتھ نرمی اور شفقت کا معاملہ فرمائیے۔

وَقُلْ اِنِّيْۤ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ — اور آپ یہ اعلان کر دیجیے کہ میں واضح طور پر ڈرانے والا ہوں۔

چنانچہ آپ کوہ صفا پر چڑھے اور قبائل قریش کو نام بنام پکارا جب سب جمع ہو گئے تو یہ ارشاد فرمایا کہ اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ پہاڑ کے عقب میں ایک لشکر ہے جو تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے۔ سب نے ایک زبان ہو کر کہا بیشک ہم نے تو آپ سے سوائے صدق اور سچائی کے کچھ دیکھا ہی نہیں۔ تب آپ نے فرمایا میں تم کو ایک سخت عذاب سے ڈراتا ہوں۔ ابولہب نے کہا تف ہے تجھ پر کیا ہم کو اس لیے جمع کیا تھا اس پر تبت یدا ابی لہب

و تب یہ تمام سورت اسی کے بارہ میں نازل ہوئی (بخاری)

دعوتِ اسلام اور دعوتِ طعام

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو حکم دیا کہ ایک صاع غلہ اور بکری کا ایک دست اور دودھ کا ایک پیالہ مہیا کرو اور بعدازاں اولاد مطلب کو جمع کرو میں نے آپ کے ارشاد کی تعمیل کی۔ کم و بیش چالیس آدمی جمع ہو گئے جس میں آپ کے اعمام ابوطالب اور حمزہ اور عباس اور ابولہب بھی شامل تھے۔ میں نے وہ گوشت کا ٹکڑا لے کر دندان مبارک سے چیرا اور پھر اسی پیالے میں رکھ دیا اور فرمایا کہ اللہ کا نام لے کر کھاؤ۔ اسی ایک پیالہ گوشت سے سب کے سب سیر ہو گئے اور کچھ بچ بھی گیا۔ حالانکہ وہ کھانا صرف اتنا تھا کہ ایک شخص کے لیے کافی ہو سکتا تھا اور اس کے بعد مجھ کو حکم دیا کہ دودھ کا پیالہ لاؤ اور لوگوں کو پلاؤ اسی ایک پیالہ دودھ سے سب سیراب ہو گئے حالانکہ ایک پیالہ دودھ اتنی زیادہ مقدار نہ تھی۔ ایک پیالہ دودھ تو ایک آدمی بھی سکتا ہے چہ جائیکہ چالیس آدمی جب کھانے سے فارغ ہوتے تو آپ نے کچھ فرمانے کا ارادہ کیا تو ابولہب نے یہ کہا کہ اے لوگو اٹھو محمدؐ نے تو آج تمہارے کھانے پر جادو کر دیا ہے ایسا جادو تو کبھی دیکھا ہی نہیں۔ یہ کہتے ہی لوگ متفرق ہو گئے اور آپ کو فرمانے کی نوبت نہ آئی۔ دوسرے روز آپ نے پھر حضرت علی کو اسی طرح کھانا تیار کرنے کا حکم دیا۔ اسی طرح دوسرے روز سب جمع ہوتے جب کھانے سے فارغ ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ جو شے میں نے تمہارے سامنے پیش کی ہے کسی شخص نے بھی اس سے بہتر شے اپنی قوم کے سامنے پیش نہیں کی۔ میں تمہارے واسطے دنیا اور آخرت کی خبر لے کر آیا ہوں۔ اخرجہ ابن اسحاق والبیہقی وابونعیم (۱)

(۱) الخصائص الکبریٰ۔ ج: ۱ ص: ۱۲۳

ابولہب اگرچہ رشتہ میں آپ کا چچا تھا لیکن جس طرح تصدیق اور جاں نثاری اور صداقت و محبت میں ابوبکر صدیق سب سے اوّل رہے اسی طرح تکذیب اور ایذاء اور استہزاء بغض اور عداوت میں ابولہب سب سے اوّل رہا۔ سخط اللہ علیہ۔ اسی عداوت میں آپ کی صاحبزادیوں کو یعنی حضرت رقیہ اور اُمّ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جو قبل از بعثت عتبہ اور عتیبہ سے منسوب تھیں اپنے بیٹوں سے طلاق دلائی تاکہ آپ کو ان کے طلاق دیئے جانے سے صدمہ ہو۔ مگر حقیقت میں یہ اللہ کی عظیم الشان رحمت تھی بعد میں دونوں صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے حضرت عثمانؓ کے نکاح میں آئیں اور حضرت عثمان ذی النورین کے لقب سے سرفراز ہوئے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار حضرات انبیاء و مرسلین صلوات اللہ و سلامہ علیہم اجمعین کے صحابہ کرام میں سے صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ الرحمٰن ایک ایسے صحابی ہیں کہ جن کی زوجیت میں یکے بعد دیگرے پیغمبر کی دو صاحبزادیاں آئیں اور ذی النورین کہلائے۔ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو صرف اسلام کی دعوت دیتے رہے اس وقت تک قریش نے آپ سے کوئی تعرض نہیں کیا لیکن جب علی الاعلان اور بت پرستوں کی برائیاں بیان کرنا شروع کی اور کفر اور شرک سے روکنا شروع کیا تب قریش عداوت اور مخالفت پر آمادہ ہوئے مگر ابوطالب آپ کے حامی اور مددگار رہے۔ ایک مرتبہ قریش کے چند آدمی جمع ہو کر ابوطالب کے پاس آئے کہ تمہارا بھتیجا ہمارے بتوں کی برائیاں کرتا ہے اور ہمارے دین کو برا اور ہم کو احمق اور نادان اور ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ بتلاتا ہے آپ یا تو ان کو منع کر دیں یا ہمارے اور ان کے درمیان میں نہ پڑیں ہم خود سمجھ لیں گے۔ ابوطالب نے ان کو خوش اسلوبی اور نرمی سے ٹلا دیا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح توحید کی دعوت اور کفر اور شرک کی مذمت میں مشغول رہے۔ ابولہب اور اس کے ہم خیالوں کی بغض و عداوت کی آگ میں التہاب اور اشتعال پیدا ہوا اور ان لوگوں کا ایک جھنڈ دوبارہ ابوطالب کے پاس آیا اور کہا آپ کا

شرف اور آپ کی بزرگی ہم کو مسلّم ہے لیکن ہم اپنے معبودوں کی مذمت اور آباؤ اجداد کی تجہیل و تحمیق پر کسی طرح صبر نہیں کر سکتے تھے۔ آپ یا تو اپنے بھتیجے کو منع کر دیں ورنہ لڑ کر ہم سے ایک نہ ایک فریق ہلاک ہو جائے گا۔ یہ کہہ کر چلے گئے۔ ابو طالب پر خاندان اور پوری قوم کی مخالفت اور عداوت کا ایک اثر پڑا۔ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو یہ کہا کہ اے جان عم تمہاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے تھے اور یہ کہہ گئے ہیں۔ لہٰذا تم مجھ پر بھی رحم کرو اور اپنے پر بھی رحم کھاؤ اور مجھ پر ناقابل تحمل بار نہ ڈالو۔ ابو طالب کی اس گفتگو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید ابو طالب میری نصرت و حمایت سے کنارہ کش ہو جانا چاہتے ہیں تو آپ نے اس وقت چشم پُرنم اور دل پرغم سے یہ فرمایا اے چچا خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں آفتاب اور بائیں ہاتھ میں ماہتاب بھی لاکر رکھ دیں اور یہ کہیں کہ اس کام کو چھوڑ دو تو میں ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ یہاں تک اللہ میرے دین کو غالب کرے یا میں ہلاک ہو جاؤں اور یہ کہہ کر رو پڑے اور اُٹھ کر چلنے لگے۔ ابو طالب نے آواز دی اور کہا اے جان عم تم جو چاہو کرو میں تمہیں کبھی دشمنوں کے حوالے نہ کروں گا (۱)

نکتہ: ظاہر نظر میں آفتاب و ماہتاب سے زائد کوئی شے روشن اور منور نہیں۔ لیکن اربابِ بصیرت کے نزدیک وہ نور مبین جس کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر دنیا میں آئے وہ آفتاب اور ماہتاب سے کہیں زائد روشن اور منور ہے۔ مشرکین اس نور مبین کو بجھانا چاہتے تھے۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ (۲)	یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں اور اللہ تعالیٰ اپنے نور کو بغیر کمال تک پہنچائے ہرگز نہیں مانے گا اگر کافر اس کو پسند نہ کریں۔

(۱) البدایۃ والنہایۃ۔ ج: ۳، ص: ۴۷۔

(۲) توبہ، آیۃ: ۳۲۔

اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آفتاب اور ماہتاب کا ذکر فرمایا اور یہ بتلا دیا کہ جس نور مبین کو میں لیکر آیا ہوں اس کے سامنے آفتاب اور ماہتاب کی بھی کوئی حقیقت نہیں آفتاب اور ماہتاب کو اس نور مبین کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں جو ذرہ کو آفتاب کے ساتھ ہے۔ لہٰذا تم احمقوں کے کہنے سے میں نورِ اعلیٰ کو چھوڑ کر نورِ ادنیٰ کو کیسے اختیار کرتا ہوں۔ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ اور جس طرح دایاں ہاتھ بہ نسبت بائیں ہاتھ کے زیادہ اشرف اور افضل ہے اسی طرح آفتاب بھی ماہتاب سے کہیں اعلیٰ اور برتر ہے اس لیے نبی کریم افصح العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم نے آفتاب کا دائیں ہاتھ میں اور ماہتاب کا بائیں ہاتھ میں رکھنا بیان فرمایا (۱)

فائدہ جلیلہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علی الاعلان کفر و شرک کی ممانعت اور بتوں اور بت پرستوں کی مذمت اور اعداء اللہ کی باوجود شدید عداوت اور مخالفت کے آپ کی اور آپ کے صحابۂ کرام کی استقامت اس امر کی صریح دلیل ہے کہ ایمان اور اسلام کے لیے فقط تصدیق قلبی یا لسانی کافی نہیں بلکہ کفر اور کافری اور خصائص شرک اور لوازم سے تبری اور بیزاری بھی لازمی اور ضروری ہے۔

ع تولا بے تبرا نیست ممکن۔ اس جگہ صادق ہے۔ وقد قال تعالیٰ

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ

تحقیق تمہارے لیے ابراہیم اور انکے ساتھیوں میں ایک عمدہ نمونہ ہے۔ تمہیں لازم ہے کہ اس نمونہ کا اتباع کرو جس وقت ان لوگوں نے اپنی قوم

۱؎ خص الشمس بالیمین لانہا الآیۃ المبصرۃ وخص القمر بالشمال لانہا الآیۃ الممحوۃ وقد قال عمر رحمہ اللہ تعالیٰ الرجل قال لہ انی رأیت فی المنام کان الشمس والقمر یقتتلان ومع کل واحد منہما نجوم فقال عمر مع ایہما کنت فقال مع القمر قال کنت مع الآیۃ الممحوۃ اذہب فلا تعمل لی عملا و کان عاملا فعزلہ فقتل الرجل فی صفین مع معاویۃ واسمہ حابس بن سعد ۱۲۔ روض الانف صفحہ ۱۷۰ ج ۱ (۱) روض الانف۔ ج: ۱، ص: ۱۷۰۔

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ (۱)

ہے یہ صاف صاف کہدیا کہ ہم تم سے سوائے خدا کے تمہارے معبودوں سے بری اور بیزار ہیں ہم اللہ کے مؤمن اور تمہارے کافر او منکر ہیں اور ظاہر ہوگئی ہمیشہ ہمارے تمہارے درمیان میں کھلی عداوت اور نفرت ہے جب تک کہ تم ایک خدا پر ایمان نہ لاؤ۔

وقال تعالٰی:

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ (۲)

جب حضرت ابراہیم پر یہ بات ظاہر ہوگئی کہ وہ (آذر) اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بری اور بیزار ہوگئے۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ جس طرح اہل ایمان کے لیے حق جل وعلا اور اس کے رسول مصطفےٰ اور نبی مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اطاعت کا اعلان ضروری ہے اسی طرح خدا کے دشمنوں سے بغض اور عداوت کا اعلان بھی ضروری ہے جیسا کہ آپ نے ۹ھ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خاص اس لیے روانہ فرمایا کہ موسم حج میں برامت کا اعلان فرمائیں جس کے لیے سورۂ براءت کی آیتیں نازل ہوئیں تھیں اور حدیث میں ہے مَنْ احبَّ لِلّٰه وابغضَ لِلّٰه فقد استكمل الایمانُ جس نے اللہ کے لیے محبت کی اور اللہ کے لیے بغض رکھا اُس نے اپنے ایمان کو مکمل کر لیا اللہ کی محبت اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتی ہے جب تک اللہ کے دشمنوں سے بغض اور عداوت کامل نہ ہو۔ قلب میں جس قدر خدا کے دشمنوں کے لیے گنجائش ہے اسی قدر قلب اللہ کی محبت سے خالی ہے۔ مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ اللہ نے کسی کے لیے دو دل نہیں بنائے لہٰذا ایک قلب میں دو متضاد چیزیں کیسے سما سکتیں ہیں مؤمن کامل تو وہی ہے کہ ایک خدا کی رضا اور خوشنودی کے مقابلہ میں سارے عالم کی ناخوشی کی ذرہ برابر پرواہ نہ رکھتا ہو۔ ع

اسخطتُ كلّ الناس في ارضائه

(۱) الممتحنہ، آیۃ: ۵ (۲) توبہ، آیۃ ۱۱۴۔

حضرات انبیاء اللہ علیہم الف الف صلوات اللہ کی یہ سنت ہے کہ جس طرح وہ خداوند ذوالملک والملکوت کے ایمان و تصدیق کی دعوت دیتے ہیں اسی طرح کفر اور شرک اور طاغوت کی تکذیب اور انکار کا بھی حکم دیتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ

وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ ۔(۱)	یہ لوگ شیطان کے پاس اپنے مقدمات لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ ان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ شیطان کا کفر کریں یعنی اس کا حکم نہ مانیں۔

تفصیل اگر درکار ہے تو امام ربانی شیخ مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہٗ کی مکتوبات ص۳۲۵ دفتر اوّل مکتوب ۲۶۶ کی مراجعت فرمائیں۔

قریش نے جب یہ دیکھا کہ ابو طالب آپ کی امداد اور حمایت پر تلے ہوتے ہیں تو پھر تیسری بار مشورہ کرکے ابو طالب کے پاس آئے اور یہ کہا کہ ابو طالب یہ عمارۃ بن الولید قریش کا نہایت حسین و جمیل اور خوب صورت ہوشیار اور سمجھدار نوجوان ہے آپ اس کو لے لیں اور پھر اپنے بھتیجے کو جس نے ہماری تمام قوم میں تفریق ڈال دی ہے اس کو ہمارے حوالے کریں تاکہ ہم ان کو قتل کرکے قوم کو اس مصیبت سے نجات دلائیں ابو طالب نے کہا واہ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ اپنے پالے ہوئے بیٹے کو قتل کے لیے تمہارے حوالے کر دوں اور تمہارے بیٹے کو لے کر پالوں اور پرورش کروں۔ خدا کی قسم یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ مطعم بن عدی نے کہا اے ابو طالب خدا کی قسم آپ کی قوم نے ایک عادلانہ اور منصفانہ رائے اور اس مصیبت سے رہائی کی بہترین صورت آپ کے سامنے پیش کی تھی مگر آپ نے اس کو قبول نہیں کیا۔ ابو طالب نے کہا خدا کی قسم میری قوم نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا تم سے جو ہو سکتا ہے وہ کر گزرو، قریش جب ابو طالب سے بالکل ناامید ہو گئے تو کھلم کھلا مخالفت پر آمادہ ہو گئے اور جس قبیلہ میں کوئی بیکس اور بے سہارا مسلمان تھا اس کو طرح طرح کی

(۱) نساء، آیۃ : ۶۰

تکلیفیں دینے لگے۔ ابوطالب نے بنی ہاشم اور بنی المطلب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت وحمایت کی دعوت دی۔ ابوطالب کی اس آواز پر تمام بنی ہاشم اور بنی المطلب نے لبیک کہا۔ بنی ہاشم میں سے ابولہب آپ کے دشمنوں کا شریک حال ہوا (عیون الاثر) ربیعہ بن عباد(۱) کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو بازار عکاظ اور بازار ذی المجاز میں دیکھا لوگوں سے یہ فرماتے تھے۔

یا ایھا الناس قولوا لا الٰہ الا اللّٰہ تفلحوا۔ اے لوگو لا الٰہ الا اللہ کہو فلاح پاؤ گے

اور ایک بھینگا شخص آپ کے پیچھے پیچھے یہ کہتا پھرتا ہے کہ یہ شخص صابی (بے دین) اور جھوٹا ہے۔ میں نے لوگوں سے دریافت کیا یہ کون شخص ہے معلوم ہوا کہ یہ آپ کا چچا ابولہب ہے یہ حدیث مسند احمد اور معجم طبرانی میں مذکور ہے۔ اصابہ ترجمہ ربیعۃ بن عباد اور حافظ ابن سید الناسؒ نے بھی اپنی سند سے اس حدیث کو ذکر فرمایا ہے۔ اس میں یہ ہے کہ آپ لوگوں سے یہ فرماتے تھے (۲)

یَآاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ	اے لوگو تحقیق اللہ تم کو یہ حکم دیتا ہے کہ صرف
اَنْ تَعْبُدُوْہُ وَلَا تُشْرِکُوْا	اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو
بِہٖ شَیْئًا۔	شریک نہ کرو۔

اور ابولہب آپ کے پیچھے پیچھے یہ کہتا پھرتا ہے۔

یا ایھا الناس ان ھذا یامرکم	اے لوگو یہ شخص تم کو حکم دیتا ہے کہ اپنے
ان تترکوا دین اباءکم (عیون الاثر ص۱۰۱)	آباؤ اجداد کا مذہب چھوڑ دو۔

برگزیدۂ انام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام تو اسلام اور دار السلام کی طرف بلاتے تھے اور ابولہب نارِ ذات لہب (دہکتی ہوئی آگ) کی طرف بلاتا تھا۔

---

(۱) عباد بکسر المھملۃ وتخفیف الموحدۃ الدیلی ویقال فی بیہ بالفتح والتثقیل والاول الصواب قالہ ابن معین وغیرہ ۱۲۔ اصابہ (۲) الاصابہ ج: ۲، ص: ۵۰۹

اشاعتِ اسلام روکنے کے لیے قریش کا مشورہ

قریش نے جب یہ دیکھا کہ روز بروز اسلام کی رفتار بڑھ رہی ہے تو ایک روز ولید بن مغیرہ کے پاس جمع ہوئے جو ان میں معمر اور سن رسیدہ تھا اور یہ کہا کہ موسم حج کا قریب آگیا ہے اور آپ کا ذکر اور چرچا سب جگہ پھیل چکا ہے اب اطراف واکناف سے آنے والے تمہارے اس صاحب (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق تم سے دریافت کریں گے لہٰذا مل کر آپ کے متعلق یہ رائے قائم کرلینی چاہیے اور سب کے سب متفق الرائے ہو جائیں اختلاف نہ رہنا چاہیے ورنہ خود ہم میں ہی سے بعض بعض کی تکذیب اور تردید کرے گا اور یہ اچھا نہ ہوگا اے ابو عبد شمس (ولید کی کنیت) آپ ہمارے لیے کوئی رائے قائم کر دیجیے ہم سب ان پر کاربند رہیں گے۔ ولید نے کہا تم لوگ کہو میں سنوں گا اور اس کے بعد کوئی رائے قائم کروں گا۔ لوگوں نے کہا معاذ اللہ آپ کاہن ہیں ولید نے کہا غلط کہتے ہو۔ خدا کی قسم آپ کاہن نہیں میں نے کاہنوں کو خوب دیکھا ہے نہ آپ میں کاہنوں کی کوئی علامت ہے اور نہ آپ کا کلام کاہنوں کے (زمزمہ) گنگناہٹ اور آواز سے لگ کھاتا ہے۔ لوگوں نے کہا آپ مجنون ہیں ولید نے کہا آپ مجنون بھی نہیں میں جنون اور دیوانگی کی حقیقت سے بھی واقف ہوں آپ میں کوئی علامت جنون کی نہیں پاتا۔ لوگوں نے کہا آپ شاعر ہیں۔ ولید نے کہا میں خود شاعر ہوں شعر اور اس کے تمام انواع اقسام مثلاً رجز اور ہزج مقبوض اور مبسوط وغیرہ سے بخوبی واقف ہوں آپ کے کلام کو شعر سے کوئی نسبت نہیں۔ لوگوں نے کہا آپ ساحر (جادوگر) ہیں ولید نے کہا آپ ساحر بھی نہیں نہ ساحروں کا سا پھونکنا اور دم کرنا ہے۔ اور نہ ساحروں جیسا گرہ لگانا ہے۔ لوگوں نے کہا اے ابو عبد شمس آخر پھر کیا ہے ولید نے کہا واللہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کلام میں ایک عجیب حلاوت اور شیرینی ہے اور اس پر عجیب قسم کی رونق ہے اور اس قول[ا] کی جڑ نہایت تر و تازہ اور

ا؎ اور مستدرک کی روایت میں اس قدر اور زائد ہے ولنہ لیعلو وما یُعلیٰ وانہ لیحطم ماتحتہ یعنی یہ کلام بلند اور غالب ہو کر رہیگا مغلوب نہ ہوگا اور یہ سب کو کچل کر رکھ دے گا۔ ۱۲۔ مستدرک ص۵۰۷ ج۲

اس کی شاخیں ثمردار ہیں (یعنی یہ اسلام بمنزلہ شجرۂ طیبہ کے ہے کہ جڑیں اس کی محکم اور مضبوط اور زمین راسخ ہیں اور اس کی شاخیں آسمان تک پہنچتی ہیں فوائد اور ثمرات سے لدا ہوا ہے) اور جو کچھ تم نے کہا ہے میں خوب جانتا ہوں کہ وہ سب باطل اور لغو ہے میرے خیال میں سب سے زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ کہو کہ یہ شخص ساحر ہے اور اس کا کلام بھی سحر ہے جو میاں بیوی اور باپ بیٹے بھائی اور قبیلہ اور کنبہ میں تفریق ڈالتا ہے جو خاصہ سحر کا ہے۔ مجلس برخواست ہوگئی جب حج کا موسم آیا اور باہر سے لوگ آنے شروع ہوئے۔ تو قریش نے آدمی راستوں اور گزرگاہوں پر بٹھلا دیئے جو شخص ادھر سے گذرتا اس سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کہتے کہ یہ ساحر ہے اس سے بچتے رہنا مگر قریش کی اس تدبیر سے اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہونچا بلکہ اطراف واکناف سے آنے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بخوبی واقف ہوگئے (۱)۔ علامہ زرقانی فرماتے ہیں اس حدیث کو ابن اسحٰق اور حاکم اور بیہقی نے سند جید کے ساتھ روایت کیا ہے[۲] حق تعالیٰ شانہ نے اسی ولید بن مغیرہ کے بارہ میں سورۂ مدثر کی یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا وَّجَعَلْتُ لَہٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا وَّبَنِیْنَ شُہُوْدًا وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ كَلَّا اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ثُمَّ نَظَرَ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ثُمَّ	آپ چھوڑ دیجیے مجھ کو اور اس شخص کو جس کو میں نے تنہا پیدا کیا یعنی خود اس سے نمٹ لوں گا آپ فکر نہ کریں اور میں نے ہی اس کو مال فراواں دیا اور ایسے بیٹے دیئے کہ جو مجلس میں حاضر ہوں اور دنیاوی عزت اور سرداری کے سامان اسکے لیے مہیا کیے پھر طمع رکھتا ہے کہ اور زیادہ دوں ہرگز نہیں وہ اس قابل نہیں وہ ہماری آیتوں کا معاند اور مخالف ہے میں ضرور اس کو دوزخ کے پہاڑ پر چڑھاؤں گا اور

(۱) عیون الاثر ج: ۱، ص: ۱۰۱ (۲) البدایۃ والنہایۃ۔ ج: ۳، ص: ۶۱

اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ فَقَالَ إِنْ هٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ إِنْ هٰذَآ إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ه
الی آخر الآیات (۱)

پھر اوپر سے نیچے گرا دوں گا۔ اس نے کچھ فکر کیا اور دل میں کچھ اندازہ ٹھیرایا پس مارا جاوے اس پر اللہ کی۔ کیسا اندازہ کیا پھر مارا جاوے کیسا اندازہ ٹھیرایا پھر ادھر ادھر دیکھا اور تیوری چڑھائی اور منہ بنایا اور پھر پشت پھیری اور غرور کیا اور پھر بولا یہ قرآن کچھ نہیں مگر ایک جادو ہے جو چلا آتا ہے نہیں ہے یہ قرآن مگر ایک آدمی کا کلام ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اسکو ضرور آگ میں ڈالوں گا۔ الی آخر الآیات

اور ایک مرسل روایت میں ہے کہ آپ نے اس پر یہ آیتیں پڑھیں۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (۲)۔ جو مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کی جامع ہے (۳)

اِسلامِ حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ایک روز رسول اللہ علیہ وسلم کوہ صفا کی طرف سے گذر رہے تھے۔ اتفاق سے ابوجہل بھی اسی طرف سے آنکلا۔ آپ کو دیکھ کر بہت کچھ سخت وسست کہا مگر آپ نے ابوجہل کی ناشائستہ کلمات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ جوابِ جاہلاں باشد خموشی اور تشریف لے گئے۔ عبداللہ بن جُدعان کی باندی یہ تمام واقعہ دیکھ رہی تھی۔ اتنے ہی میں حضرت حمزہؓ شکار سے اپنا تیر کمان لیے ہوئے واپس آتے عبداللہ بن جدعان کی باندی نے حضرت حمزہؓ دیکھ کر کہا اے ابوعمارہ کاش تم اس وقت موجود ہوتے جب ابوجہل تمہارے بھتیجے کو نہایت سخت اور سُست اور ناز یبا کلمات کہہ رہا تھا۔

سنتے ہی حضرت حمزہ کی حمیت اور غیرت جوش میں آگئی وہیں سے ابوجہل کی تلاش میں روانہ

---

(۱) البدایۃ و مدثر، آیۃ: ۱۱ (۲) النحل، آیۃ: ۹۰ (۳) البدایۃ والنہایۃ. ج ۳. ص: ۶۱

(۴) ابن جوزی فرماتے ہیں کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۶ سنہ نبوی میں اسلام لائے اور یہی مشہور قول ہے حافظ ابن حجرؒ اصابہ میں فرماتے ہیں کہ حضرت حمزہ ۲ سنہ نبوی میں اسلام لائے۔ ۱۲ زرقانی صفحہ ۲۵۶ ج ۱

ہوتے۔ حضرت حمزہ کا یہ معمول تھا کہ جب شکار سے واپس آتے تو سب سے پہلے حرم میں حاضر ہوتے اسی معمول کے مطابق حرم میں پہنچے دیکھتے کیا ہیں کہ ابوجہل قریش کی ایک جماعت میں بیٹھا ہوا ہے۔ پہونچتے ہی اس کے سر پر اس زور سے کمان ماری کہ سر زخمی ہو گیا اور کہا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے میں خود ان کے دین پر ہوں بعض حاضرین مجلس نے چاہا کہ ابوجہل کی حمایت کیلئے کھڑے ہوں لیکن ابوجہل نے خود ہی سب کو روک دیا اور کہا آج میں نے ان کے بھتیجے کو بہت سخت سُست کہا ہے۔ حمزہ کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ بعض حاضرین مجلس نے حضرت حمزہؓ سے مخاطب ہو کر یہ کہا اے حمزہ کیا تم صابی (بے دین) ہو گئے ہو۔ حضرت حمزہؓ نے فرمایا مجھ پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت اور صداقت خوب منکشف ہو گئی ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو آپ فرماتے ہیں وہ سراسر حق ہے میں کبھی اس سے باز نہ آؤں گا۔ تم سے جو ہو سکتا ہے کر لو۔ حضرت حمزہ یہ کہہ کر گھر واپس آئے۔ شیطان نے وسوسہ ڈالا کہ اے حمزہ تم قریش کے سردار ہو تم نے اس صابی کا کیسے اتباع کیا اور اپنے آباؤ اجداد کا دین کیوں چھوڑ دیا اس سے مرجانا بہتر ہے جس سے حمزہ کچھ تردد اور اشتباہ میں پڑ گئے۔ حضرت حمزہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ جل شانہ سے دُعا مانگی۔

اللّٰھم ان کان رشد افاجعل	اے اللہ اگر ہدایت ہے تو اسکی تصدیق میرے
تصدیقہ فی قلبی والا فاجعل	قلب میں ڈال دے۔ ورنہ اس سے نکلنے کی کوئی
لی مما وقعت فیہ مخرجا۔ مستدرک ص ۱۹۳ ج ۳ (۱)	صورت پیدا فرما۔

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ تمام شب اسی بے چینی اور اضطراب میں گذری ایک لمحہ کے لیے بھی آنکھ نہ لگی۔ جب کسی طرح یہ اضطراب اور بے چینی رفع نہ ہوئی تو حرم میں حاضر ہوا اور نہایت تضرع اور زاری سے دعا مانگی۔ اے اللہ میرا سینہ حق کے لیے کھول دے اس شک اور تردد کو دُور فرما۔ دعا ابھی ختم نہ کرنے پایا تھا یک لخت تمام خیالات باطلہ میرے قلب سے

(۱) المستدرک ج : ۳ ، ص : ۱۹۳ -

صاف ہوگئے اور دل اذعان اور ایقان سے لبریز ہوگیا۔ صبح ہوتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا اور تمام واقعہ عرض کیا۔ آپ نے میرے استقامت اور اسلام پر قائم اور ثابت رہنے کی دعا فرمائی (۱) مستدرک حاکم میں ہے کہ حضرت حمزہ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہ کہا۔

اَشْهَدُ اَنَّكَ لَصَادِقٌ شَهَادَةَ — میں گواہی دیتا ہوں کہ تحقیق آپ یقیناً سچے نبی ہیں
الْمُصَدِّقِ وَالْعَارِفِ۔ — تصدیق کرنیوالے اور پہچاننے والے کی سی گواہی دیتا ہوں۔

اے میرے بھتیجے آپ اپنے دین کو علی الاعلان ظاہر فرمایئے خدا کی قسم مجھ کو دنیا ومافیہا بھی ملے تب بھی آپ کا دین چھوڑ کر آبائی دین اختیار نہ کروں گا۔ اور یہ شعر پڑھے۔

حَمِدْتُ اللّٰهَ حِيْنَ هَدٰى فُؤَادِیْ — اِلَى الْاِسْلَامِ وَالدِّيْنِ الْحَنِيْفِ

اور میں نے خدا کی حمد وثنا کی جبکہ اس نے میرے دل کو اسلام اور دین ابراہیمی کے قبول کرنے کی توفیق دی۔

لِدِيْنٍ جَاءَ مِنْ رَبٍّ عَزِيْزٍ — خَبِيْرٍ بِالْعِبَادِ بِهِمْ لَطِيْفِ

اس دین کی توفیق دی جو ایسے پروردگار کی طرف سے آیا ہے جو کہ بندوں کے حال سے باخبر اور ان پر مہربان ہے

اِذَا تُلِيَتْ رَسَائِلُهٗ عَلَيْنَا — تَحَدَّرَ دَمْعُ ذِی اللُّبِّ الْحَصِيْفِ

جب اس کے پیام ہم پر پڑھے جاتے ہیں تو کامل العقل انسان کے آنسو بہنے لگتے ہیں

رَسَائِلُ جَاءَ اَحْمَدُ مِنْ هُدَاهَا — بِاٰيَاتٍ مُبَيَّنَةِ الْحُرُوْفِ

وہ خدا کے پیام جنکو احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی ہدایت کیلئے لیکر آتے ہیں جو صاف صاف اور واضح آیتیں ہیں

وَاَحْمَدُ مُصْطَفًى فِيْنَا مُطَاعٌ — فَلَا تَغْشَوْهُ بِالْقَوْلِ الْعَنِيْفِ

اور احمد مجتبیٰ خدا کے برگزیدہ ہم میں واجب الاطاعت ہیں جو حق وہ لیکر آتے ہیں اس کو درشت کلامی سے چھپاؤ۔

فَلَا وَاللّٰهِ نُسْلِمُهٗ لِقَوْمٍ — وَلَمَّا نَقْضِ فِيْهِمْ بِالسُّيُوْفِ

خدا کی قسم جب تک ہم تلوار سے فیصلہ نہ کرلیں اسوقت تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہرگز لوگوں کے حوالے نہ کریں گے (۲)

---

(۱) روض الانف - ج: ۱، ص: ۱۸۶

حضرت حمزہ کے اسلام لانے سے قریش یہ سمجھ گئے کہ آپ کو ایذا اور تکلیف دینا کوئی آسان نہیں۔

فائدہ: جس وقت عبداللہ بن جدعان کی باندی نے حمزہؓ سے ابوجہل کے سخت و سُست کہنے کا واقعہ بیان کیا تو حمزہؓ غیظ و غضب سے بھڑک اُٹھے۔ سیرۃ ابن ہشام اور مستدرک حاکم اور عیون الاثر میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غیظ و غضب ان الفاظ میں مروی ہے۔

فاحتمل الغضب لما اراد اللہ به من کرامته۔ — حضرۃ حمزہ غصہ میں آگئے اس لیے کہ اللہ نے ان کو کرامت اور شرف عطا کرنے کا ارادہ فرمایا۔

معلوم ہوتا ہے کہ حق جل شانہ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اس کی قلب میں اپنے دشمنوں کا غیظ و غضب ڈالتے ہیں۔ ایمان کی میزان (ترازو) جب ہی سَوَاءٌ سَوَاءٌ (برابر) رہتی ہے کہ جب اس کا دایاں پلّہ حُبّ فِی اللہ سے اور بایاں پلّہ بُغض فِی اللہ سے بھرا رہے کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من احب للہ وابغض للہ فقد استکمل الایمان۔ یعنی جس نے اللہ کے لیے محبت کی اور اللہ کے لیے بغض رکھا اس نے ایمان مکمل کر لیا۔ اس ناچیز کے خیال میں حب فی اللہ اور بغض فی اللہ میں تلازم ہے ایک کا دوسرے سے انفکاک اور انفصال ناممکن اور محال معلوم ہوتا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ کبھی حب فی اللہ کا ظہور پہلے ہوتا ہے اور کبھی بغض فی اللہ کا نیز حب فی اللہ مقصود بالذات ہے اور بغض فی اللہ مقصود بالعرض ہے۔ اس لیے حب فی اللہ کا ترازوئے ایمان کے دائیں پلّہ میں اور بغض فی اللہ کا بائیں پلّہ میں رکھا جانا مناسب معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم۔

سردارانِ قریش کی طرف سے دعوتِ اسلام کو بند کر دینے کے لیے مال و دولت اور حکومت و ریاست کی طمع اور آپ کا جواب باصواب

قریش نے جب یہ دیکھا کہ حضرت حمزہ بھی اسلام لے آئے اور دن بدن مسلمانوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے تو ابوجہل اور عتبہ اور شیبہ اور ولید بن مغیرہ اور امیہ بن خلف اور اسود بن المطلب اور دیگر

رؤسائے قریش نے مشورہ کر کے آپ سے گفتگو کرنے کے لیے عتبہ بن ربیعہ کو منتخب کیا جو سحر اور کہانت اور شعر گوئی میں اپنے زمانہ کا یکتا تھا۔

عتبہ آپ کے پاس آیا اور کہا اے محمدؐ آپ کے حسب و نسیب لائق و فائق ہونے میں کوئی تردد نہیں مگر افسوس کہ آپ نے تمام قوم میں تفریق ڈال دی۔ ہمارے بتوں کو برا کہتے ہیں آباؤ اجداد کو احمق اور نادان بتلاتے ہیں اس لیے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اے ابوالولید کہو میں سنتا ہوں۔

عتبہ نے کہا اے میرے بھائی کے بیٹے تمہارا ان باتوں سے کیا مقصد ہے۔ اگر تم مال و دولت کے خواہاں ہو تو ہم سب تمہارے لیے اتنا مال جمع کر دیں کہ بڑے سے بڑا امیر بھی تمہاری ہمسری نہ کر سکے گا اور اگر تم شادی کرنا چاہتے ہو تو جس عورت سے اور جتنی عورتوں سے چاہو تو ہم شادی کر دیں اور اگر عزت اور سرداری مطلوب ہے تو ہم سب آپ کو اپنا سردار بنا لیں اور اگر حکومت اور ریاست چاہتے ہو تو ہم تم کو اپنا بادشاہ بنا لیں اور اگر تم کو آسیب ہے تو ہم علاج کرائیں۔

آپ نے فرمایا اے ابوالولید کیا تم کو جو کہنا تھا وہ کہہ چکے۔ عتبہ نے کہا۔ ہاں آپ نے فرمایا اچھا اب جو میں کہتا ہوں وہ سنو۔ مجھ کو نہ تمہارا مال و دولت درکار ہے اور نہ تمہاری حکومت اور سرداری مطلوب ہے میں تو اللہ کا رسول ہوں اللہ نے مجھ کو تمہاری طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر ایک کتاب اتاری اور مجھ کو یہ حکم دیا کہ میں تم کو اللہ کے ثواب کی بشارت سناؤں اور اس کے عذاب سے ڈراؤں میں نے تم تک اللہ کا پیغام پہنچا دیا اور بطور نصیحت و خیر خواہی اس سے تمہیں آگاہ کر دیا اگر تم اسکو قبول کر و تو تمہارے لیے سعادت دارین اور فلاح کونین کا باعث ہے اور اگر نہ مانو تو میں صبر کروں گا یہاں تک کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان میں فیصلہ فرمائے اور یہ آیتیں تلاوت فرمائیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ
يَّعْلَمُوْنَ ۝ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا فَاَعْرَضَ
اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ
وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا
تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ
مِّنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ
اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ
مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ
اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ
وَاسْتَغْفِرُوْهُ وَوَيْلٌ
لِّلْمُشْرِكِيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ
الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ
كٰفِرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ
قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ
خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ
لَهٗٓ اَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ
وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ
فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ کلام ہے جو رحمان اور رحیم کی طرف سے نازل کیا
گیا۔ یہ ایک کتاب ہے جسکی آیتیں صاف اور واضح
ہیں۔ ایسا قرآن ہے جو عربی زبان میں اتارا گیا
ہے ان لوگوں کے لیے ناصح ہے جو سمجھدار ہیں
بشارت دینے والا اور ڈرانیوالا ہے حق تو یہ تھا
کہ اس پر ایمان لاتے مگر اکثر لوگوں نے اس سے بے جا اعراض
کیا کہ سنتے ہی نہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل
پردوں میں ہیں۔ اس چیز سے کہ جس کی طرف آپ
ہم کو دعوت دیتے ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے،
اور ہمارے آپکے درمیان ایک بڑا حجاب حائل ہے
جس کی وجہ سے آپکی بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔
پس آپ اپنا کام کیجئے اور ہم اپنا کام کرتے ہیں آپ
ان کو جواب میں کہہ دیجئے کہ میں تمکو ایمان لانے پر مجبور
نہیں کرتا فقط حق کی دعوت پر اکتفا کرتا ہوں۔ جز ایں
نیست میں تم جیسا بشر ہوں لیکن حق تعالیٰ نے مجھ کو
نبوت اور رسالت سے سرفراز فرمایا ہے مجھ پر اللہ
کی وحی آتی ہے کہ تمکو یہ بتلا دوں کہ تمہارا معبود ایک
ہی ہے پس سیدھے اسی کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور
غیر اللہ کی پرستش سے توبہ اور استغفار کرو اور بڑی
خرابی ہے شرک کرنے والوں کے لیے کہ جو زکوٰۃ

اَيَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ثُمَّ اسْتَوٰى
اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ
لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا
اَوْ كَرْهًا قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ
فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ
يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ
سَمَآءٍ اَمْرَهَا وَزَيَّنَّا
السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ
وَحِفْظًا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ
الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝
فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ
صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ
عَادٍ وَّثَمُوْدَ ۝ (١)

نہیں دیتے اور آخرت کے منکر ہیں۔ تحقیق
جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے ان کے
لیے ایسا اجر ہے جو کبھی موقوف نہیں ہوگا۔ آپ
ان سے کہہ دیجیے کہ کیا تم اُس خدا کا انکار
کرتے ہو جس نے تمام زمین کو دو دن میں بنایا
اور اس کے لیے شریک تجویز کرتے ہو یہی زمین
کا بنانے والا تمام جہانوں کا پروردگار ہے اور
اسی نے زمین پر پہاڑ بنائے اسی نے زمین
میں برکتیں رکھیں یعنی نباتات و حیوانات پیدا
کیے اور اسی میں ان کی غذائیں مقرر کیں۔ یہ
سب چار دن میں ہوا۔ پوچھنے والوں کے لیے
حقیقت حال کو بتلا دیا گیا پھر یہ سب کچھ پیدا
کر کے آسمان کے بنانے کی طرف توجہ فرمائی

اور اس وقت آسمان ایک دھواں سا تھا۔ اس کو موجودہ صورت پر بنایا اور پھر آسمان اور زمین
سب سے یہ فرمایا کہ میرے حکم کی طرف آؤ خوشی سے یا ناخوشی سے دونوں نے عرض کیا کہ ہم نہایت خوشی
سے تعمیل حکم کیلئے حاضر ہیں پس دو روز میں اللہ تعالیٰ نے سات آسمان بنائے اور ہر آسمان میں اس
کے احکام بھیجے اور آسمان دنیا کو چراغوں سے مزین کیا اور استراق شیاطین سے ان کو محفوظ کیا۔ یہ
ہے تدبیر خدائے غالب اور دانا کی پس اگر یہ لوگ اعراض کریں تو آپ کہہ دیجیے کہ میں تم کو ایسے آسمانی
عذاب سے ڈراتا ہوں جیسے قوم عاد اور ثمود پر میں نے نازل کیا تھا۔

آپ تلاوت فرماتے رہے اور عتبہ دونوں ہاتھ پیچھے کی جانب زمین پر ٹیکے ہوئے

---

(١) حٰم السجدہ، آیۃ: ١-١٣

مبہوت سنتا رہا لیکن آپ جب اس آخری آیت فان اعرضوا الآیۃ پر پہنچے تو عتبہ نے اپنا ہاتھ آپ کے منہ پر رکھ دیا آپ کو قسم دے کر کہا اللہ آپ ہم پر رحم فرمائیں عتبہ کو ڈر ہوا کہ کہیں قوم عاد اور قوم ثمود کی طرح اسی وقت مجھ پر کوئی عذاب نازل نہ ہو جائے۔ اس کے بعد آپ نے پھر سجدہ تک آیتیں تلاوت فرمائیں اور سجدہ تلاوت فرمایا جب تلاوت ختم فرما چکے تو عتبہ سے مخاطب ہو کر فرمایا اے ابوالولید جو کچھ سننا تھا وہ تم سن چکے اب تم کو اختیار ہے۔ عتبہ آپ سے رخصت ہو کر اپنے رفقاء کے پاس آیا لیکن عتبہ وہ عتبہ ہی نہ تھا۔ چنانچہ ابوجہل بول اٹھا کہ عتبہ وہ عتبہ نظر نہیں آتا۔ عتبہ تو صابی ہو گیا۔ عتبہ نے کہا میں نے ان کا کلام سنا۔ واللہ میں نے کبھی ایسا نہیں سنا نہ وہ شعر ہے نہ وہ سحر ہے اور نہ کہانت ہے۔ وہ تو کوئی اور ہی چیز ہے۔ اے قوم اگر تم میرا کہنا مانو تو محمد کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ خدا کی قسم جو کلام میں ان سے سن کر آیا ہوں عنقریب اسکی ایک شان ہو گی۔ اگر عرب نے ان کو ہلاک کر دیا تو پھر تمہیں کسی فکر کی ضرورت ہی نہیں اور اگر محمد عرب پہ غالب آئے تو ان کی عزت تمہاری عزت ہے اور ان کی حکومت تمہاری حکومت ہے اس لیے کہ وہ تمہاری ہی قوم کے ہیں۔ قریش نے کہا اے ابوالولید محمد نے تم پر سحر کر دیا ہے عتبہ نے کہا میری رائے تو یہی ہے تم جو چاہو کرو(۱)

نزول قل یا ایہا الکافرون

ابن عباس سے مروی ہے کہ قریش نے آپ سے یہ درخواست کی کہ یا تو آپ ہمارے بتوں کی مذمت سے باز آجائیں اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو ہمارے اور آپ کے درمیان فیصلہ کی ایک یہ صورت ہے کہ ایک سال آپ ہمارے بتوں کی پرستش کیجیے اور ایک سال ہم آپ کے خدا کی عبادت اور بندگی کریں گے معجم طبرانی میں ہے کہ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔

قُلْ يَاأَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ لَآ اَعْبُدُ	آپ کہہ دیجیے اے منکرو نہیں تمہارے
مَا تَعْبُدُوْنَ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ	معبودوں کی پرستش کرتا ہوں اور نہ تم میرے

(۱) عیون الاثر۔ ج: ۱، ص: ۱۰۵، زرقانی شرح مواہب ج ۱، ص: ۲۵۷ الخصائص الکبریٰ ج: ۱، ص: ۱۱۴۔

مَآ اَعْبُدُ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْ تُّمْ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِىَ دِيْنِ - (۱)

معبود کی پرستش کرتے ہو اور نہ میں تمہارے معبودوں کی پرستش کروں گا اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کروگے تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے -

ابن جریر طبری کی روایت میں ہے کہ سورۂ کافرون کے علاوہ یہ آیت بھی نازل ہوئی۔

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْنِّىْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ وَلَقَدْ اُوْحِىَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ (۲)

آپ ان سے کہہ دیجیے اے جاہلو کیا تم مجھ کو غیر اللہ کی عبادت کا مشورہ دیتے ہو اور البتہ تحقیق آپکی طرف اور تمام گزشتہ پیغمبروں کی طرف یہ وحی بھیجی جاچکی ہے کہ اے مخاطب اگر تو شرک کریگا تو تیرے تمام اعمال غارت اور برباد ہو جائیں گے اور خسارہ میں پڑ جائے گا اے مخاطب کبھی شرک نہ کرنا بلکہ ہمیشہ اللہ ہی کی عبادت کرنا اور اللہ کے شکر گزار بندوں میں سے رہنا۔

مشرکین مکہ کے چند مہمل اور بیہودہ سوالات

اس کے بعد قریش نے آپ سے یہ کہا خیر اگر آپ کو یہ منظور نہیں تو ہم ایک اور شے آپکے سامنے پیش کرتے ہیں اس کو منظور کیجیے وہ یہ کہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ کی قوم نہایت تنگ دست ہے اور یہ شہر مکہ بھی بہت تنگ ہے ہر طرف پہاڑ ہی پہاڑ ہیں سبزی اور شادابی کا کہیں نام نہیں لہٰذا آپ اپنے رب سے جس نے آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اس سے آپ یہ درخواست کیجیے کہ اس شہر کے پہاڑوں کو یہاں سے ہٹا دے تاکہ شہر میں وسعت ہو اور شام و عراق کی طرح اس شہر

۱؎ کما قال تعالیٰ ولو ان قرآنا سیرت به الجبال او قطعت به الارض او کلم به الموتیٰ بل للّٰہ الامر جمیعا۔ افلم یائس الذین آمنوا ان لو یشاء اللّٰہ لھدی الناس جمیعا ۱۲- (۱) سورہ الکافرون (۲) الزمر آیۃ ۶۴-۶۶

میں نہریں جاری کر دے اور ہمارے آباؤ اجداد اور خصوصاً قصیؓ بن کلاب کو زندہ فرمائے تاکہ ہم ان سے تمہاری بابت دریافت کرلیں کہ جو تم کہتے ہو وہ حق ہے یا باطل اگر ہمارے آباؤ اجداد نے زندہ ہونے کے بعد تمہاری تصدیق کی تو ہم سمجھ لیں گے کہ تم اللہ کے رسول ہو اور ہم بھی تمہاری تصدیق کریں گے۔ آپ نے فرمایا میں اس لیے نہیں بھیجا گیا۔ خدا نے جو پیام دے کر بھیجا تھا وہ تم تک پہنچا دیا۔ اگر تم اس کو قبول کرو تو تمہاری خوش نصیبی ہے اور اگر تم نہ مانو تو میں صبر کروں گا۔ یہاں تک کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمائے قریش نے کہا اچھا اگر آپ ہمارے لیے ایسا نہیں کر سکتے تو آپ خدا سے اپنے ہی لیے دُعا کیجیے کہ اللہ آسمان سے ایک فرشتہ نازل فرمائے اور آپ کی تصدیق کے لیے ہر جگہ آپ کے ساتھ رہے نیز اللہ تعالیٰ سے درخواست کیجیے کہ وہ آپ کو باغات اور محلات اور سونے چاندی کے خزانے عطا فرمائے جس سے آپ کا شرف اور آپ کی بزرگی معلوم ہو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری طرح آپ بھی طلب معاش کے لیے بازاروں میں جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں خداوند ذوالجلال سے کبھی اس قسم کا سوال نہ کروں گا۔ میں اس لیے نہیں بھیجا گیا۔ میں تو بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا گیا ہوں تم اگر مانو تو تمہارے لیے دنیا اور آخرت کی سعادت بہبودی ہے اور اگر نہ نہ مانو تو میں صبر کروں گا۔ یہاں تک کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمائے۔ قریش نے کہا کہ اچھا تم اللہ سے دعا مانگو کہ ہم پر کوئی عذاب نازل فرمائے۔ آپ نے فرمایا اللہ کو اختیار ہے کہ تم پر عذاب نازل فرمائے یا مہلت دے۔ اس پر عبداللہ[2] بن ابی امیہ کھڑا ہو گیا اور کہا اے محمدؐ آپ کی قوم نے اتنی باتیں آپ کے سامنے پیش کیں مگر آپ نے ایک بات کو بھی منظور نہ کیا

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ص۵۰ ج۳ میں ہے کہ آپ سے قصی بن کلاب کے زندہ کرنے کی جب درخواست کی تو اس کی یہ علت بیان کی فانہ کان شیخا صدوقا یعنی قصی بزرگ اور سچے تھے۔ وقال تعالٰی۔ وقالوا مال ھذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق لولا انزل الیہ ملک فیکون معہ نذیرا او یلقی الیہ کنز او تکون لہ جنۃ یاکل منھا وقال الظالمون ان تتبعون الا رجلا مسحورا۔ انظر کیف ضربوا لک الامثال فضلوا فلا یستطیعون سبیلا تبارک الذی ان شاء جعل لک خیرا من ذالک جنات تجری من تحتھا الانھار ویجعل لک قصورا۔ یہ آیتیں اسی واقعہ کے بارے میں نازل ہوئیں، [2] عبداللہ بن ابی امیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی

اے محمدؐ خدا کی قسم اگر تم سیڑھی لگا کر آسمان پر بھی چڑھ جاؤ اور وہاں سے تم اپنی نبوت و رسالت کا پروانہ لکھا لاؤ اور چار فرشتے بھی تمہارے ہمراہ آئیں اور تمہاری نبوت کی علی الاعلان شہادت دیں تو میں تب بھی تمہاری تصدیق نہ کروں گا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مایوس ہو کر گھر تشریف لے آئے۔ (۱)

تحقیق انیق

حق جل وعلا نے جب کسی کو نبوت ورسالت کا منصب عطا فرمایا تو اس کے ساتھ سلسلۂ رسالت کیلئے براہین ودلائل اور آیات وعلامات بھی عطا فرماتے کہ اگر کوئی شخص اپنے قلب کو زیغ وعناد سے پاک کر کے ان میں غور وفکر کرے تو اس کو نبوت ورسالت میں کسی قسم کا شک باقی نہ رہے مگر ایسے براہین اور دلائل نہیں عطا کیے جاتے کہ جن کو دیکھتے ہی اضطراری طور پر حضرات انبیاء کی صدق اور سچائی کا یقین ہو جائے اس لیے کہ مقصود تو ابتلاء اور امتحان ہے اور امتحان اکتسابی میں ہے یعنی جو ایمان آیات نبوت وعلامات رسالت میں غور وفکر کرنے کے بعد لایا جائے اسی ایمان وایقان اور اسی تصدیق واذعان پر جزاء اور سزا کا مدار ہے جو ایمان اور تصدیق اپنے اختیار اور ارادہ سے ہو شریعت میں اسی کا اعتبار ہے اور جو تصدیق اضطراری اور بدیہی طور پر حاصل ہو نہ وہ شریعت میں معتبر ہے اور نہ عند اللہ وہ مطلوب ہے۔ محض حضرات انبیاء اللہ علیہم الف الف صلوات اللہ کے اعتماد اور بھروسہ پر فرشتوں کو حق جاننا یہ ایمان اختیاری اور تصدیق ارادی ہے اور مرتے وقت فرشتوں کو دیکھ کر فرشتوں کو

اور ام المؤمنین ام سلمہ کے بھائی ہیں۔ فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے ام المؤمنین کی شفاعت سے آپ نے قصور معاف فرمایا۔ یہ آیتیں آپ کے بارے میں نازل ہوئیں۔ وقالوا لن نؤمن لک حتی تفجر لنا من الارض ینبوعا او تکون لک جنۃ من نخیل وعنب فتفجر الانہار خلالہا تفجیرا او تسقط السماء کما زعمت علینا کسفا او تاتی باللہ والملائکۃ قبیلا او یکون لک بیت من زخرف او ترقی فی السماء ولن نؤمن لرقیک حتی تنزل علینا کتابا نقرؤہ قل سبحان ربی ہل کنت الا بشرا رسولا۔ الاسراء ع ۱۰ پ ۱۵

(۱) عیون الاثر ج: ۱، ص: ۱۰۸، البدایۃ والنہایۃ۔ ج: ۳، ص: ۵۰۔

حق جاننا یہ اضطراری اور غیر اختیاری ایمان و تصدیق ہے جو شریعت میں معتبر نہیں۔ دارِ دنیا ابتلاء و امتحان ہے لہٰذا حضرات انبیاء اللہ کو ایسے معجزات عطا فرمانا کہ جن کو دیکھتے ہی اضطراری طور پر حضرات انبیاء کی حقانیت کا ایسا یقین آجائے کہ کسی معاند کو بھی انکار کی گنجائش نہ رہے یہ سراسر خلاف حکمت ہے، نیز بعثت انبیاء کا جو مقصد ہے وہ بالکل فوت ہوا جاتا ہے۔ اس لیے کہ مقصود تو یہ ہے کہ لوگ اپنے اختیار سے ایمان لائیں اگر اضطراری ایمان مقصود ہوتا تو انبیاء اللہ کو دنیا میں بھیجنے کی کیا ضرورت تھی حق جل وعلا براہ راست اپنا کلام بندوں کو سنا دیتے بلاواسطہ کلام الٰہی سن لینے کے بعد پھر کسی سے انکار ناممکن اور محال تھا مشرکین مکہ اسی قسم کے دلائل و براہین چاہتے تھے کہ جن کو دیکھتے ہی اضطراراً آپ کی نبوت و رسالت کا یقین آجاتے۔ مثلاً فرشتوں کا لوگوں کے سامنے آپ کی نبوت و رسالت کی شہادت دینا یا مردوں کا زندہ ہو کر آپ کی نبوت و رسالت کی گواہی دینا اس قسم کے آیات اور علامات کے اظہار سے اس لیے انکار کر دیا گیا کہ ایسے معجزات کا اظہار حکمت اور مقصد بعثت کے سراسر منافی اور مباین ہے نیز حق تعالیٰ شانہ کی یہ سنت ہے کہ جو قوم منہ مانگے معجزات دیئے جانے کے بعد بھی ایمان نہ لاتے وہ اسی وقت عذاب الٰہی سے ہلاک کر دی جاتی ہے جیسا کہ امم سابقہ کے واقعات قرآن عزیز میں جابجا مذکور ہیں۔ کما قال تعالیٰ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ یہ خاص خاص نشانیاں جو قریش چاہتے ہیں ہمیں ان کے بھیجنے میں کوئی مانع نہیں مگر صرف یہ کہ پہلے لوگوں نے بھی اس قسم کے معجزات دیے جانے کے بعد بھی ایمان لانے سے انکار کیا اس لیے وہ لوگ ہلاک کر دیئے گئے اسی طرح یہ لوگ بھی منہ مانگے معجزات دیے جانے کے بعد اگر ایمان نہ لائے تو قدیم سنت کے مطابق یہ لوگ بھی ہلاک کر دیئے جائیں گے۔

اور چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گئے ان کی برکت سے اس قسم کے تمام عذاب اٹھا دیے گئے کہ جو امم سابقہ پر بھیجے گئے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے

کہ قریش نے آپ سے یہ درخواست کی کہ کوہ صفا کو آپ سونا بنادیں آپ نے ارادہ فرمایا کہ اس بارے اللہ سے دعا مانگیں۔ جبریل امین تشریف لے آئے اور یہ فرمایا کہ اے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم آپ ان سے فرما دیجیے کہ جو چاہتے وہی ہو جائے گا لیکن یہ سمجھ لو کہ ان نشانیوں کے ظاہر ہونے کے بعد اگر ایمان نہ لائے تو پھر خیر نہیں اسی وقت ہلاک کر دیے جاؤ گے۔ قریش نے کہا کہ ہم کو ضرورت نہیں۔ یہ تمام تر علامہ سہیلی کے کلام کی تفصیل ہے (۱)

قریش مکّہ کا علماء یہود سے مشورہ

قریش کو جب یہ معلوم ہو گیا کہ ہمارے یہ سوالات جاہلانہ اور معاندانہ سوالات تھے تو مشورہ کر کے نضر بن حارث اور عقبۃ بن ابی معیط کو مدینہ منورہ روانہ کیا تاکہ وہاں پہنچ کر علماء یہود سے آپ کے بارہ میں استفسار کریں۔ وہ لوگ انبیاء کے علوم سے واقف اور پیغمبروں کی علامتوں سے آگاہ اور باخبر ہیں یہ دونوں آدمی مدینہ منورہ پہونچے اور علماء یہود سے تمام واقعہ ذکر کیا۔ علماء یہود نے کہا کہ تم تین چیزوں کے متعلق محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سوال کرنا اوّل وہ لوگ کون ہیں جو غار میں جا چھپے تھے اور ان کا کیا واقعہ ہے یعنی ان سے اصحاب کہف کا قصہ دریافت کرو (دوم) وہ کون شخص ہے جس نے مشرق سے لیکر مغرب تک تمام روئے زمین کو چھان مارا یعنی ذوالقرنین کا قصہ دریافت کرو (سوم) روح کیا شے ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر ان تینوں سوالوں میں سے اوّل اور دوم کا جواب دے دیں اور تیسرے سے سکوت فرمائیں تو سمجھ لینا کہ وہ نبی مرسل ہیں ورنہ کاذب اور مفتری ہیں نضر اور عقبہ فرحاں و شاداں مکہ واپس آئے اور قریش سے کہا کہ ہم ایک فیصلہ کن بات لیکر آئے ہیں۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ سوالات پیش کیے آپ نے اس امید پر کہ کل تک اس بارے میں کوئی وحی ربانی نازل ہو جائے گی یہ فرما دیا کہ کل جواب دوں گا۔ بمقتضائے بشریت آپ انشاء اللہ (اگر خدا نے چاہا) کہنا بھول گئے۔ چند روز کے انتظار کے بعد سورۂ کہف

---

(۱) الروض الانف ج: ۱، ص: ۱۸۷

کی آیتیں نازل ہوئیں جس میں اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا قصہ بالتفصیل بتلایا گیا اور تیسرے سوال کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی قل الروح من امر ربی یعنی آپ کہہ دیجیے کہ روح کی حقیقت تو تم سمجھ نہیں سکتے اتنا جاننا کافی ہے روح ایک چیز ہے اللہ کے حکم سے جب بدن میں آپڑے تو وہ جی اٹھا جب نکل گئی تو مرگیا (موضح القرآن) اور بمقتضائے بشریت جو انشاء اللہ کہنا بھول گئے تھے اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَيْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ	کسی شئی کے متعلق یہ ہرگز نہ کہو کہ میں کل یہ کروں گا
ذٰلِكَ غَدًا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ	مگر انشاء اللہ اسکی ساتھ ضرور ملالو اور اگر بھول جاؤ
اللّٰهُ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ	تو جب یاد آئے تو اسی وقت انشاء کہہ لو تاکہ اس
اِذَا نَسِيْتَ (۱)	بھول کی تلافی ہو جائے۔

اس لیے ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ایک سال کے بعد بھی "انشاء اللہ" یاد آئے تو اس وقت کہہ لے تاکہ اس سہو اور نسیان کا تدارک ہو جائے۔ ایک سال کے بعد انشاء اللہ کہنے کا یہ مطلب ہے اور یہ مطلب نہیں کہ ایک سال کے بعد طلاق اور عتاق میں تعلیق معتبر ہے۔

چونکہ حق تعالٰی کی مشیت کو چھوڑ کر اپنی مشیت پر اعتماد کرکے یہ کہنا کہ میں کل کو یہ کرونگا خدا کے نزدیک ناپسند ہے اس لیے اگر کوئی شخص فی الحال انشاء اللہ کہنا بھول گیا تو اس کی تلافی یہ ہے کہ جب یاد آئے اسی وقت انشاء اللہ کہے۔ تاکہ مافات کی تلافی ہو جائے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ طلاق اور عتاق، حلف اور یمین میں بھی ایک سال بعد انشاء اللہ کہنا معتبر ہے امام ابن جریر اور حافظ ابن کثیر نے ابن عباسؓ کے اس قول کا یہی مطلب بیان فرمایا ہے۔ خوب سمجھ لو۔

روح اور نفس:

روح کی حقیقت میں علماء کے بہت اقوال ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کی حقیقت

---

(۱) الکھف، آیۃ: ۲۳۔

سوائے خدائے علیم وخبیر کے کسی کو معلوم نہیں حافظ ابن ارسلانؒ متن الزبدین میں فرماتے ہیں ؎

والروح ما اخبر منها المجتبیٰ　　فنمسك المقال عنها ادبا

اس وقت یہ مقصود نہیں کہ اس بارہ میں فلاسفہ اور اطباء کے مختلف اقوال نقل کر کے ناظرین کو حیرانی و پریشانی میں ڈال دیا جائے۔ مقصود یہ ہے کہ نہایت اختصار کے ساتھ یہ بتلا دیا جائے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے روح اور نفس کے بارہ میں کیا ہدایت کی ہے اور کس حد تک ہم کو اُس کے احوال اور اوصاف سے آگاہ کیا ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک روح ایک نورانی جسم لطیف کا نام ہے جو بدن میں اس طرح جاری اور ساری ہے، جیسے پانی گلاب میں اور تیل زیتون میں اور آگ کوئلہ میں جب تک یہ جسم لطیف اس جسم کثیف میں جاری و ساری ہے اس وقت تک یہ جسم کثیف زندہ ہے اور جب یہ جسم لطیف اس جسم کثیف سے علیحدہ ہو جاتا ہے تو وہ جسم مردہ ہو جاتا ہے۔ جسم لطیف کا جسم کثیف سے اتصال اور تعلق رکھنے ہی کا نام حیات اور زندگی ہے اور مفارقت اور انقطاع تعلق کا نام موت ہے۔ روح کا جسم لطیف ہونا آیات قرآنیہ اور بیشمار احادیث نبویہ علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ الف تحیۃ سے ثابت ہے مثلاً روح کا پکڑنا اور چھوڑنا اور فرشتوں کا اس کے نکالنے کے لیے ہاتھ بڑھانا اور روح کا مرنے کے وقت حلقوم تک پہنچنا روح کے یہ اوصاف قرآن کریم میں مذکور ہیں جس سے اس کا جسم ہونا صاف ظاہر ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب مؤمنین کی روح قبض ہوتی ہے تو مؤمن کی نگاہ اس کو دیکھتی ہے۔ مؤمن کی روح پرند کی طرح جنت کے درختوں پر اُڑتی پھرتی ہے اور وہاں کے میوے اور پھل کھاتی ہے۔ عرش کے قندیلوں میں جا کر آرام لیتی ہے۔ مؤمن کی روح کو جنت کے کفن میں لپیٹ کر فرشتے آسمان پر لے جاتے ہیں۔ اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں ہر آسمان کے مقرب فرشتے دروازے تک اس کی مشایعت کرتے ہیں یہاں تک کہ اللہ تک پہونچ جاتی ہے۔

اور کافر کی روح کو اسفل السافلین اور سجّین میں پھینک دیا جاتا ہے۔ مؤمن کی روح کے لیے فرشتے جنت کا حریری کفن لیکر آتے ہیں اور کافر کی روح کے لیے موٹی ٹاٹ کا کفن لاتے ہیں۔ مؤمن کی روح معطر اور خوشبو دار ہوتی ہے فرشتوں کی جس جماعت پر اس کا گذر ہوتا ہے تو یہی کہتے ہیں۔ سبحان اللہ کیا پاکیزہ روح ہے اور کافر کی روح متعفن اور بدبودار ہوتی ہے حافظ ابن قیم قدس اللہ روحہ نے کتاب الروح میں روح کا جسم لطیف ہونا ایک سو سولہ دلیلوں سے ثابت کیا ہے۔ دلیل میں صرف کتاب اور سنت اور اقوال سلف کو پیش کیا ہے۔ حافظ موصوف فرماتے ہیں کہ کتاب اور سنت اور صحابۂ کرام کا اجماع اسی پر دلالت کرتا ہے کہ روح ایک جسم لطیف کا نام ہے اور سلیم اور فطرت صحیحہ اسی کی شاہد ہے (۱)

امام غزالی کے استاذ امام الحرمین نے بھی "ارشاد" میں روح کی یہی تعریف فرمائی ہے۔ جو ہم نے ذکر کی ہے اور اسی کو علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد کی بحث معاد میں نقل کیا ہے علامہ بقاعی سر الروح میں امام الحرمین کے قول کو نقل کر کے فرماتے ہیں علی ھذا القول دَل الکتابُ والسنۃ واجماع الصحابۃ وادلۃ العقل والفطرۃ سر الروح ۵ کتاب اور سنت اور اجماع صحابہ اور دلائل عقل و فطرت سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ روح ایک جسم لطیف ہے جو اس جسم کثیف میں سرایت کیے ہوتے ہے اور شیخ عز الدین بن عبد السلامؒ فرماتے ہیں

و یجوز ان تکون الارواح کلھا نورانیۃ لطیفۃ شفافۃ۔ و یجوز ان یختص ذالک بارواح المومنین والملائکۃ دون ارواح الکفار والشیاطین	ممکن ہے کہ تمام ارواح نورانی اور لطیف اور صاف و شفاف ہوں اور ممکن ہے کہ نورانی ہونا ارواح مؤمنین اور ملائکہ کے ساتھ مخصوص ہو کفار اور شیاطین کی ارواح نورانی نہ ہوں۔

شرح الصدور ص ۲۱۶

جیسا کہ حدیث صور میں ہے۔

(۱) کتاب الروح۔ لابن قیم۔ ص: ۲۸۴

ان اسرافیل یدعوا الارواح فتاتیہ جمیعا - ارواح المسلمین تتوھج نورا والاخری مظلمۃ (۲)

اسرافیل علیہ السلام ارواح کو بلائیں گے مسلمانوں کی ارواح روشن اور منور حاضر ہوں گی اور کافروں کی مظلم اور تاریک۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نورانی ہونا ارواح مؤمنین کے ساتھ مخصوص ہے اور ارواح کفار ظلمانی ہوں گی لیکن ممکن ہے کہ اصل فطرت کے لحاظ سے مؤمن اور کافر سب ہی کی روح نورانی ہو۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ وینصرانہ ویمجسانہ۔ مؤمن کی روح ایمان کی وجہ سے اور منور ہو جاتی ہو۔ اس لیے کہ ایمان حقیقت میں ایک نور ہی ہے اور کافر کی روح کفر کی وجہ سے تاریک ہو جاتی ہو جیسا کہ حجر اسود جب جنت سے نازل ہوا تو دودھ سے زیادہ سفید تھا۔ بنی آدم کی خطاؤں نے اس کو سیاہ کر دیا اسی طرح ممکن ہے کہ اصل فطرت کے اعتبار سے کافر کی روح بھی نورانی ہو اور بعد میں کفر اور شرک کی وجہ سے مظلم اور تاریک ہو جائے کہ کفر حقیقت میں ظلمت اور تاریکی ہے اور ایمان نور ہے کما قال تعالیٰ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ یہ آیت اس امر کی صریح دلیل ہے کہ ایمان نور ہے اور کفر ظلمت ہے اور قیامت کے دن مؤمن کے چہروں کا منور اور روشن ہونا اور کافروں کے چہروں کا سیاہ اور ظلمانی ہونا قرآن کریم میں مصرح ہے يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ یہ سب کچھ ایمان کے نور اور کفر کی ظلمت کے ظاہر کرنے کے لیے ہوگا اور اسی وجہ سے ملائکۃ اللہ مؤمن کی روح کو سفید کفن میں اور کافر کی روح کو سیاہ ٹاٹ کے کفن میں قبض کر کے لے جاتے ہیں۔ بہرحال آیات اور احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ طاعت کا رنگ سفید ہے اور معاصی کا رنگ سیاہ ہے تفصیل کی اس وقت گنجائش نہیں۔

---

(۱) شرح الصدور۔ ص: ۲۱۹

روح اور نفس میں کیا فرق ہے؟

بعض علماء کے نزدیک روح اور نفس ایک ہی شئی ہیں۔ مگر علماء محققین کے نزدیک روح اور نفس دو علیحدہ علیحدہ شئی ہیں۔

استاذ ابوالقاسم قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اخلاق حمیدہ کے معدن اور منبع کا نام روح ہے اور اخلاق ذمیمہ کے معدن اور سرچشمہ کا نام نفس ہے مگر جسم لطیف ہونے میں دونوں مشترک ہیں جیسے ملائکہ اور شیاطین جسم لطیف ہونے مشترک ہیں مگر ملائکہ نورانی اور شیاطین ناری ہیں۔ فرشتے نور سے پیدا کیے گئے اور شیاطین نار سے پیدا کیے گئے۔ جیساکہ صحیح مسلم کی حدیث میں صراحۃً مذکور ہے۔

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں "تمہید" میں ایک حدیث نقل کی ہے وہ یہ ہے۔

ان اللہ خلق ادم وجعل فیہ نفسا وروحا فمن الروح عفافہ وفھمہ وحلمہ و سخاوہ ووفاءہ ومن النفس شھوتہ وطیشہ وسفھہ وغضبہ ونحو ھذا (۱)	اللہ تعالیٰ نے حضرۃ آدم کو پیدا کیا اور ان میں ایک نفس اور ایک روح کو رکھا پس عفت اور فہم اور حلم اور سخاوت اور وفا یہ سب چیزیں روح سے نکلتی ہیں اور شہوت اور طیش اور سفاہت اور غصہ اور اس قسم کے تمام اخلاق ذمیمہ نفس سے ظاہر ہوتے ہیں

خلاصہ یہ ہے کہ اخلاق حمیدہ اور اوصاف پسندیدہ روح سے ظاہر ہوتے ہیں اور اخلاق ذمیمہ نفس سے ظاہر ہوتے ہیں۔ نیز قرآن اور حدیث میں ذرا غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شہوت اور سفاہت اور طیش اور اس قسم کے اخلاق ذمیمہ قرآن اور حدیث میں نفس ہی کی طرف منسوب کیے گئے ہیں۔ روح کی طرف منسوب نہیں کیے گئے۔

(۱) الروض الانف۔ ج : ۱، ص : ۱۹۷

کما قال تعالیٰ۔ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ (۱) وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ (۲)	اور تمہارے لیے جنت میں وہ ہوگا جو تمہارے نفس خواہش کریں گے اور نفوس حاضر کیے گئے ہیں حرص اور بخل پر۔
وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ (۳)	اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو شہوتوں سے پاک رکھا سو بہشت ہی اس کا ٹھکانہ ہے۔

ان آیتوں میں شہوت اور حرص اور ہوائے نفسانی کو نفس کی طرف منسوب فرمایا ہے اور یہ نہیں فرمایا ولکم فیہا تشتہی ار واحکم احضرت الارواح الشح ونہی الروح عن الھوی۔ سفاہت کو لیجیے۔ قال تعالیٰ وَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ ۔ اس آیت میں سفاہت کو نفس کی طرف منسوب فرمایا اور الا من سفہت روحہ۔ نہیں فرمایا طیش اور غضب کو لیجیے۔ حدیث میں ہے کہ پہلوان اور قوی وہ ہے کہ جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو پچھاڑ دے اور یہ نہیں فرمایا کہ روح کو پچھاڑ دے۔ نیز احادیث میں نفس سے جہاد کرنے کے بکثرت ترغیب مذکور ہے اور جہاد نفس کو جہاد اکبر فرمایا۔ مگر روح سے جہاد کرنا کسی حدیث میں نہیں دیکھا نیز ایک ضعیف الاسناد حدیث میں یہ آیا ہے اعدیٰ عدوک نفسك التی بین جنبیك تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے دو پہلوؤں کے مابین واقع ہے اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں اوّل تو نفس کا سب سے بڑا دشمن ہونا دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ نفس کا مقام دو پہلوؤں کے درمیان ہے اس سے بھی روح کا نفس سے مغایر ہونا ثابت ہوتا ہے اس لیے کہ روح انسان کی دشمن نہیں دوسرے یہ کہ روح سر سے پیر تک تمام اعضاء میں جاری اور ساری ہے پہلو کے ساتھ مخصوص نہیں نیز خزیمۃ بن حکیم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

---

(۱) الزخرف، آیۃ: ۷۱ (۲) النساء، آیۃ: ۱۲۸ (۳) النازعات، آیۃ: ۴۰

میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نفس کا مقام دریافت کیا تو فرمایا قلب میں ہے۔
یہ حدیث طبرانی معجم اوسط میں متعدد اسانید سے مروی ہے شرح الصدور ص۲۱۷ نیز حسد اور تکبر
کو قرآن کریم میں نفس کی طرف منسوب فرمایا ہے۔

حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ (۱)	حسد کی بنا پر جو ان کے نفسوں سے پیدا ہوتا ہے
لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ۔ (۲)	تحقیق ان لوگوں نے اپنے نفسوں میں اپنے آپ کو بڑا سمجھا۔

نیز حق تعالیٰ شانہ کا یہ ارشاد اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اس پر صراحۃً دلالت کرتا ہے کہ تمام برائیوں کا معدن اور سرچشمہ نفس ہے یہ کسی جگہ نہیں فرمایا ان الروح لامارۃ بالسوء
وہب بن منبہ سے منقول ہے کہ روح انسان کو خیر کی طرف بلاتی ہے اور نفس شر کی طرف بلاتا ہے
قلب اگر مومن ہے تو روح کی اطاعت کرتا ہے (اخرجہ ابن عبدالبر فی التمہید) شرح الصدور ص۲۱۶
طبقات ابن سعد میں وہب ابن منبہ سے یہ منقول ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے اول حضرت آدم کا پانی اور مٹی کا پتلا بنایا پھر اس میں نفس پیدا کیا بعد ازاں اس میں روح پھونکی (۳) معلوم ہوا کہ روح نفس کے علاوہ کوئی شے ہے۔ نیز روح عالم امر سے ہے اور نفس عالم خلق سے ہے۔ علامہ بقاعی سر الروح میں لکھتے ہیں۔

و فی زاد المسیر لابن الجوزی فی تفسیر سورۃ الزمر عن ابن عباس ابن آدم نفس و روح فالنفس العقل والتمییز والروح النفس والتحریک فاذا نام العبد	علامہ ابن جوزی کی کتاب زاد المسیر میں سورۂ زمر کی تفسیر میں ابن عباس سے مروی ہے کہ انسان مجموعہ ہے روح اور نفس کا انسان نفس سے ادراک اور امتیاز کرتا ہے اور روح سے سانس لیتا ہے اور حرکت کرتا ہے جب

(۱) البقرہ، آیۃ : ۱۰۹۔ (۲) الفرقان، آیۃ : ۲۱۔
(۳) شرح الصدور ص : ۱۱۶

قبض اللہ نفسہ ولم یقبض روحہ
وقال ابن جریج فی الانسان
روح ونفس بینھما حاجز فھو
تعالٰی یقبض النفس عند النوم
ثم یردھا الی الجسد
عند الانتباہ فاذا اراد اماتۃ
العبد فی النوم لم یرد النفس و
قبض الروح واللہ اعلم
(سر الروح ص۱۱)

انسان سو جاتا ہے تو اللہ اس کے نفس کو
قبض کر لیتے ہیں مگر روح کو قبض نہیں فرماتے
ہیں۔ ابن جریج فرماتے ہیں کہ انسان میں
ایک روح ہے اور ایک نفس اور ان کے
مابین ایک پردہ حائل ہے سوتے وقت
اللہ نفس کو قبض کر لیتے ہیں اور بیداری کے
وقت واپس کر دیتے ہیں اور جب اللہ سونے
کی حالت میں کسی کے مارنے کا ارادہ فرماتے ہیں
تو اس نفس کو واپس نہیں فرماتے اور روح کو قبض کر لیتے ہیں

رُوح کی شکل

روح کی شکل بعینہ وہی ہے جو انسان کی ہے جس طرح جسم کے آنکھ اور ناک ہاتھ اور پیر ہیں اسی طرح روح کے بھی آنکھ، ناک ہاتھ اور پیر سب ہیں اصل انسان تو روح ہے اور یہ ظاہری جسم روح کے لیے بمنزلہ لباس کے ہے۔ جسمانی ہاتھ رُوحانی ہاتھوں کے لیے بمنزلہ آستین کے ہیں اور ٹانگیں بمنزلہ پاجامہ کے ہیں اور سر بمنزلہ ٹوپی کے ہیں اور چہرہ بمنزلہ نقاب کے ہیں۔ وقس علی ھذا

عارف رومی فرماتے ہیں۔

جان ہمہ نور است و تن رنگست و بو | رنگ و بو بگذار و دیگر آن بگو
رنگ دیگر شد ولیکن جان پاک | فارغ از رنگست و از ارکان خاک
عالم خلق است با سو و جہات | بے جہت دان عالم امر و صفات
بے جہت دان عالم امر اے صنم | بے جہت تر باشد آمر لاجرم
روح من چوں امر ربی مختفی است | ہر مثالیکہ بگویم منتفی است

کفّار کی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا رسانی

قریش نے جب یہ دیکھا کہ اسلام کی علی الاعلان دعوت دی جارہی ہے اور کھلم کھلا بت پرستی کی برائیاں بیان کی جارہی ہیں تو قریش اس کو برداشت نہ کرسکے اور جو ایک خدا کی طرف بلا رہا تھا اس کی دشمنی اور عداوت پر کمربستہ اور توحید کے مقابلہ کے لیے تیار ہوگئے اور یہ تہیہ کرلیا کہ آپکو اس قدر تکلیف اور ایذا پہنچائی جائے کہ آپ دعوت اسلام سے باز آجائیں۔

(۱) معجم طبرانی میں منیب غامدیؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا لوگوں کو یہ فرماتے تھے اے لوگو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہو فلاح پاؤ گے مگر بعض بدنصیب تو آپؐ کو گالیاں دیتے تھے اور آپ پر تھوکتے اور بعض آپؐ پر خاک ڈالتے۔ اسی طرح دوپہر ہوگیا اس وقت ایک لڑکی پانی لے کر آئی اور آپ کے چہرۂ انور اور دست مبارک کو دھویا۔ میں نے دریافت کیا یہ کون ہے لوگوں نے کہا یہ آپ کی صاحبزادی زینبؓ ہیں۔

بخاری نے اس حدیث کو مختصراً اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ یہ حدیث حارث بن حارث غامدیؓ سے بھی مروی ہے اس میں اس قدر اور زیادہ ہے کہ آپؐ نے حضرت زینبؓ سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا اے بیٹی تو اپنے باپ کے مغلوب اور ذلیل ہونے کا خوف مت کر۔ رواہ البخاری فی تاریخہ والطبرانی و ابو نعیم۔ ابو زرعہ دمشقی فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے (۱)

(۲) طارق بن عبد اللہ المحاربی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بازار ذی المجاز میں دیکھا کہ یہ فرماتے جاتے تھے کہ اے لوگو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہو فلاح پاؤ گے اور ایک شخص آپ کے پیچھے پیچھے پتھر مارتا جاتا تھا جس سے جسم مبارک خون آلود ہوگیا اور ساتھ ساتھ کہتا جاتا تھا۔ یاایھا الناس لاتطیعوہ فانہ کذاب اے لوگو اس کی بات

(۱) کنز العمال۔ ج: ۶، ص: ۳۰۶،

نہ سننا یہ جھوٹا ہے (رواہ ابن ابی شیبہ (۱) بنی کنانہ کے ایک شیخ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو بازار ذی المجاز میں دیکھا کہ یہ فرماتے تھے اے لوگو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہو فلاح پاؤ گے اور ابوجہل آپ پر مٹی پھینکتا تھا اور یہ کہتا تھا اے لوگو تم اس کے دھوکہ میں نہ آنا یہ تم کو لات اور عزیٰ سے چھڑانا چاہتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف ذرہ برابر بھی التفات نہ فرماتے تھے۔ (۲) (۴) عروہ بن الزبیر فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بار عبداللہ بن عمرو بن العاص نے کہا کہ مشرکین نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تکلیف پہنچائی ہو اس کا ذکر کرو تو عبداللہ بن عمرو بن العاص نے فرمایا کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حطیم میں نماز ادا فرما رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط نے آپ کی گردن میں کپڑا ڈال کر اس قدر زور سے کھینچا کہ گلا گھٹنے لگا۔ سامنے سے ابوبکر آ گئے اور عقبہ کو ایک دھکا دیا اور یہ آیت پڑھی۔

اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ	کیا تم ایک مرد کو اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ
رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَ	کہتا ہے کہ میرا پروردگار صرف اللہ ہے اور اپنی
كُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ	نبوت و رسالت کے واضح اور روشن دلائل تمہارے
رَّبِّكُمْ (بخاری شریف) (۳)	پاس تمہارے رب کی طرف سے لے کر آیا ہے۔

فرعون اور ہامان نے جب موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا مشورہ کیا تو فرعون کے لوگوں میں سے ایک شخص نے جو مخفی طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتا تھا یہ کہا کہ کیا ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ حق تعالیٰ شانہ نے اس قصہ کو سورۂ مؤمن میں ذکر فرمایا ہے۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ	کہا ایک مرد مسلمان نے فرعون کے لوگوں میں
يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ	سے تھا اور اپنے ایمان کو چھپاتا تھا کیا تم ایک مرد کو
يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ۔ الاٰية (۴)	محض اسی لئے قتل کئے ڈالتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔

(۱) کنز العمال۔ ج: ۶، ص: ۳۰۲ (۲) مسند احمد۔ ج: ۴، ص: ۶۳ (۳) بخاری شریف آیۃ: ۲۸۔ (۴) المؤمن۔ آیۃ ۲۸۔

مسند بزار اور دلائل ابی نعیم میں محمد بن علیؓ سے مروی ہے کہ ایک روز حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اثنار خطبہ میں یہ فرمایا بتلاؤ سب سے زیادہ شجاع اور بہادر کون ہے لوگوں نے کہا آپ" حضرت علیؓ نے فرمایا میرا حال تو یہ ہے جس کسی نے میرا مقابلہ کیا میں نے اس سے انتقام لیا سب سے زیادہ شجاع تو ابوبکرؓ تھے میں نے ایک بار دیکھا کہ قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مارتے جاتے ہیں اور یہ کہتے جاتے ہیں۔

انت جعلت الالهة الها واحدا — تو نے ہی تمام معبودوں کو ایک معبود بنا دیا۔

ہم میں سے کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ آپ کے قریب جاتے اور آپ کو دشمنوں سے چھڑاتے حسن اتفاق سے ابوبکر آگئے اور دشمنوں کے غول میں گھس پڑے ایک کو مکا اس کے ایک گھونسا اس کے رسید کیا اور جس طرح اس مردِ مومن نے فرعون اور ہامان کو کہا تھا اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ۔ الاية۔ اسی طرح ابوبکرؓ نے اس وقت کفار سے مخاطب ہو کر کہا۔

وَيْلَكُمْ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ — افسوس کیا تم ایسے مرد کو قتل کرتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ یہ کہکر رو پڑے اور یہ فرمایا میں تم کو اللہ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ آل فرعون میں کا رجل مؤمن افضل تھا یا ابوبکر۔ لوگ خاموش رہے پھر فرمایا خدا کی قسم ابوبکرؓ کی ایک گھڑی آل فرعون کے مردِ مؤمن کی تمام زندگی سے بدرجہا بہتر ہے اس نے اپنی ایمان کو چھپایا اور ابوبکرؓ نے اپنے ایمان کا اظہار فرمایا۔ فتح الباری[1] باب مالقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ من المشرکین بمکۃ نیز اس شخص نے فقط زبانی نصیحت پر کفایت کی اور ابوبکر نے زبانی نصیحت کے علاوہ ہاتھ سے آں حضرت کی نصرت وحمایت کی (۵) عبداللہ بن عمرو بن العاص کی ایک روایت میں ہے جس کو امام بخاریؒ نے خلق افعال العباد میں اور ابویعلی اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔ کہ جب دشمن علیحدہ ہو گئے تو آپ نے یہ فرمایا

(۱) ج : ۷ ، ص : ۱۲۹

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَآ اُرْسِلْتُ اِلَیْکُمْ اِلَّا بِالذَّبْحِ قسم ہے اس ذاتِ پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم جیسوں کے ذبح کے لیے میں بھیجا گیا ہوں فتح الباری باب مالقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم و اصحابہ من المشرکین بمکۃ

اور دلائل ابی نعیم اور دلائل بیہقی اور سیرۃ ابن اسحاق کی روایت میں یہ ہے کہ آپ کے یہ فرماتے ہی کفار پر سکتہ کا عالم طاری ہو گیا۔ ہر شخص اپنی جگہ پر سرنگوں تھا (۲) اس لیے کہ جانتے تھے کہ آپ جو فرماتے ہیں وہ ضرور ہو کر رہے گا۔

(۶) مسند ابی یعلی اور مسند بزار میں حضرت انس سے سند صحیح کے ساتھ مروی ہے کہ ایک دفعہ قریش نے آپ کو اس قدر مارا کہ آپ بیہوش ہو گئے۔ ابوبکرؓ حمایت کے لیے آئے تو آپ کو چھوڑ کر ابوبکرؓ کو لپٹ گئے۔ مسند ابی یعلی میں باسناد حسن حضرت اسماء بنت ابی بکر سے مروی ہے کہ ابوبکرؓ کو اس قدر مارا کہ تمام سر زخمی ہو گیا۔ ابوبکرؓ زخموں کی شدت کی وجہ سے سر کو ہاتھ نہ لگا سکتے تھے (۳)

(۷) عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار میں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بیت اللہ کا طواف کرتے دیکھا۔ آپ طواف فرما رہے تھے اور عقبۃ بن ابی معیط اور ابوجہل اور امیۃ بن خلف حطیم میں بیٹھے ہوتے تھے جب آپ کے سامنے سے گذرے تو کچھ نازیبا کلمات آپ کو سنا کر کہے۔ آپ دوسری بار ادھر سے گذرے تب بھی ایسا ہی کیا جب آپ تیسری بار گذرے پھر اسی قسم کے بیہودہ کلمات کہے تو آپ کا چہرۂ مبارک متغیر ہو گیا اور ٹھہر گئے اور یہ فرمایا کہ خدا کی قسم تم باز نہ آؤ گے۔ یہاں تک کہ تم پر اللہ کا عذاب جلد نازل ہو حضرت عثمان فرماتے ہیں کہ اس وقت کوئی شخص ایسا نہ تھا کہ جو کانپ نہ رہا ہو آپ یہ فرما کر گھر کی طرف روانہ ہوئے اور ہم آپ کے پیچھے ہو لیے اس وقت آپ نے ہم سے یہ فرمایا۔

ابشروا فان اللہ مظھر دینہ بشارت ہو تم کو اللہ اپنے دین کو یقیناً غالب

(۱) الخصائص الکبرٰی ج: ۱، ص: ۱۴۴، سیرۃ ابن ہشام، ج: ۱، ص: ۹۸ (۲) فتح الباری ج: ۷، ص: ۱۲۹۔

ومتمم كلمته وناصر دينه ان هؤلاء الذين ترون ممن يذبح بايديكم عاجلا فو الله لقد رأيتهم ذبحهم الله بايدينا۔ اخرجه الدارقطني (1)

کریگا اور اپنے کلمہ کو پورا کریگا اور اپنے دین کی مدد کریگا اور ان لوگوں کو جنکو تم دیکھتے ہو عنقریب ان کو اللہ تمہارے ہاتھ سے ذبح کرائے گا۔ حضرت عثمان فرماتے ہیں خدا کی قسم ہم نے دیکھ لیا کہ اللہ نے ان کو ہمارے ہاتھوں سے ذبح کرایا یہ روایت دلائل ابی نعیم میں بھی مذکور ہے اور مختصراً فتح الباری ج۷ ص۱۲۵ میں بھی اسکا ذکر کیا ہے۔

عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے اور ابوجہل اور اس کے احباب[2] بھی وہاں موجود تھے۔ ابوجہل[3] نے کہا کوئی ایسا نہیں جو فلاں اونٹ کی اوجھ اٹھالے تاکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ میں جائے تو وہ اوجھ آپ کی پشت پر رکھ دے اس وقت[4] قوم میں جو سب سے زیادہ شقی تھا یعنی عقبۃ بن ابی معیط وہ اٹھا اور ایک اوجھ اٹھا کر آپ کی پشت پر ڈال دی عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں میں اس منظر کو دیکھ رہا ہوں اور کچھ نہیں کرسکتا اور مشرکین ہیں کہ ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنس رہے ہیں اور ہنسی کے مارے ایک دوسرے پر گرے جاتے ہیں۔ اتنے میں حضرت فاطمۃ الزہراؓ جو اس وقت چار پانچ سال کی تھیں دوڑی ہوئی آئیں اور آپ سے اوجھ کو ہٹایا۔ آپ نے

---

(۱) عیون الاثر۔ ج: ۱، ص: ۱۰۴۔ [2] ابوجہل کے احباب سے وہی لوگ مراد ہیں جن کا نام لیکر آپ نے بددعا فرمائی جیسا کہ اسی روایت میں اخیر تک مذکور ہے اور مسند بزار میں اسی تصریح کے ساتھ مذکور ہیں فتح الباری ص۳۰۱ ج۱۔

[3] صحیح بخاری میں ابوجہل کے نام کی تصریح نہیں یہ تصریح مسلم کی روایت میں ہے ۱۲ فتح الباری۔

[4] حقیقت میں تو ابوجہل سب سے زیادہ شقی تھا۔ کیونکہ وہ اس امت کا فرعون تھا لیکن اس وقت سب سے زیادہ شقی اور بدنصیب عقبۃ بن ابی معیط ہی تھا اس لیے کہ ابوجہل وغیرہ نے تو فقط اکسایا ہی اور یہ شقی تو کر گزرا اور ظاہر ہے کہ کسی جرم کا کر گذرنا اکسانے سے زیادہ سخت ہے۔ جیسے قدار نے لوگوں کے اکسانے سے ناقہ صالح علیہ السلام کو ذبح کر ڈالا کما قال تعالیٰ اذ انبعث اشقاہا الآیۃ اس لیے اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ اسی کو شقی فرمایا۔ ۱۲

سجدہ سے سر اٹھایا اور قریش کے لیے تین بار بددعا کی قریش کو آپ کی بددعا بہت شاق گذری[1] اس لیے کہ قریش کا یہ عقیدہ تھا[2] کہ اس شہر میں دعا قبول ہوتی ہے۔ اس کے بعد آپ نے خاص طور پر ابوجہل اور عقبۃ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ اور امیہ بن خلف اور عقبۃ بن[3] ابی معیط اور عمارۃ بن الولید کے لیے نام بنام بددعا کی جن میں سے اکثر جنگ بدر میں مقتول ہوئے۔ بخاری شریف کتاب الطہارت و کتاب الصلوٰۃ ایک روایت میں ہے کہ کپڑوں کی طہارت کا حکم یعنی وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ یہ آیت اسی واقعہ کے بعد نازل ہوئی (۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دو بدترین پڑوسیوں کے مابین رہتا تھا۔ ابولہب اور عقبۃ بن ابی معیط یہ دونوں میرے دروازے پر نجاستیں لا کر ڈالا کرتے تھے۔ (۲)

اسلام ضماد بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ضماد بن ثعلبہ ازدی زمانہ جاہلیت ہی سے آپ کے احباب میں سے تھے منتر اور جھاڑ پھونک سے لوگوں کا علاج کیا کرتے تھے۔ بعثت کے بعد مکہ آئے دیکھا کہ لڑکوں کا ایک غول آپ کے پیچھے ہے کوئی ساحر اور کاہن کہتا ہے اور کوئی دیوانہ اور مجنوں بتلاتا ہے۔ ضماد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں جنون کا علاج جانتا ہوں آپ مجھ کو علاج کی اجازت دیجیے۔ شاید اللہ تعالیٰ آپ کو میرے ہاتھ سے شفا بخشے آپ نے فرمایا۔

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ و — الحمد للہ۔ ہم سب اللہ کی حمد و ثنا کرتے ہیں اور اسی سے مدد مانگتے ہیں۔

نستغفرہ ونعوذ باللہ من — اور اسی سے مغفرت کے خواستگار ہیں اور

[1] عقبۃ بن ابی معیط کے نام تصریح مسند ابی داؤد و طیالسی میں ہے (فتح الباری ص ۳۰۲ ج ۱) نیز اس حدیث کو امام بخاری نے کتاب الجہاد کے اخیر میں باب طرح جیف المشرکین فی البئر میں فرمایا ہے [2] صحیح مسلم میں ہے کہ آپ کی آواز سنتے ہی ساری ہنسی کافور ہوگئی اور آپ کی بددعا سے خوف زدہ ہوگئے ۱۲ فتح الباری ص ۳۰۲ ج ۱ [3] قریش میں بعض چیزیں حضرت ابراہیم کی شریعت کی باقی تھیں لہذا ممکن ہے کہ یہ عقیدہ بھی کہ حرم مکہ میں دعا قبول ہوتی ہے شریعت ابراہیمی کا بقیہ ہو۔ ۱۲ فتح الباری ص ۳۰۲ ج ۱

(۱) فتح الباری ج: ۸، ص: ۵۲۱۔ (۲) زرقانی۔ ج: ۱، ص: ۲۵۱۔

شرور انفسنا من یھدہ اللہ	اپنے نفسوں کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں
فلا مضل لہ ومن یُضللہٗ	اللہ جس کو ہدایت دے اُسے کوئی گمراہ کرنے والا
فلا ھادی لہ وانی اشھدان	نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے
لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک	کوئی اس کا شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں
لہ واشھد اَن محمداعبدہٗ	کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے
ورسولہ۔	رسول برحق ہیں۔

ضماد کہتے ہیں میں نے عرض کیا ان کلمات کا پھر اعادہ فرمائیے خدا کی قسم میں نے بہت سے شعر سنے اور کاہنوں کے بہت کچھ منتر سنے لیکن واللہ اس جیسا کلام تو کبھی سنا ہی نہیں یہ کلمات تو دریائے فصاحت کے انتہائی گہرائی میں ڈوبے ہوئے ہیں اور میں بھی یہی کہتا ہوں وانی اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہ واشھد اَن محمداً عبدہ ورسولہ اس طرح ضماد مشرف باسلام ہوئے اور اپنی قوم کی طرف سے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ (۱)

حافظ عراقی فرماتے ہیں۔

ثُمَّ اَتیٰ ضِمَادٌ وَھُوَ الاَزْدِی   یَسْتَبِیْنُ اَمْرَہٗ بِالنَّقْدِ

بعثت نبوی کے پانچ یا نو سال بعد ضماد بن ثعلبہ ازدی تحقیق حال کے لیے مکہ معظمہ حاضر ہوئے (کذا فی الشرح)

مَا ھُوَ اِلَّا اَنَّ مُحَمَّدًا خَطَبْ   اَسْلَمَ لِلْوَقْتِ وَ ذَھَبْ

آپ نے ضماد کے سامنے ایک خطبہ پڑھا ضماد سنتے ہی اسی وقت اسلام لے آئے اور اپنی قوم کی طرف واپس ہوگئے

دشمنانِ خاص

اعلان توحید اور اعلان دعوت کے بعد عام طور پر سارے ہی اہل مکہ آپ کے دشمن ہو چکے

---

(۱) الاصابہ۔ ج ۲، ص : ۲۱۰، نیز البدایۃ والنہایۃ۔ ج : ۳، ص : ۳۶۔

تھے مگر جو لوگ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی اور عداوت میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

ابو جہل[1] بن ہشام۔ ابولہب[2] بن عبد المطلب۔ اسود[3] بن عبد یغوث۔ حارث[4] بن قیس۔ ولید[5] بن مغیرہ۔ امیہ[6] بن خلف اور ابی[7] بن خلف یعنی پسران خلف۔ ابو[8] قیس بن الفاکہ۔ عاص بن[9] وائل۔ نضر[10] بن الحارث۔ منبہ[11] بن الحجاج۔ زہیر[12] بن ابی امیہ۔ سائب[13] بن صیفی۔ اسود[14] بن عبد الاسد۔ عاص بن[15] سعید۔ عاص[16] بن ہاشم۔ عقبہ[17] بن ابی معیط۔ ابن[18] الاصدی۔ حکم[19] بن العاص۔ عدی[20] بن حمراء ان میں سے اکثر و بیشتر آپ کے ہمسایہ تھے اور صاحب عزت و وجاہت تھے۔ آپ کی دشمنی میں سرگرم تھے۔ لیل و نہار یہی مشغلہ اور یہی دھن تھی۔ ابوجہل اور ابولہب اور عقبہ بن ابی معیط یہ تین شخص سب سے بڑھے ہوئے تھے (۱) حق جل شانہ کی قدیم سنت ہے کہ جب کسی شے کو پیدا فرماتے ہیں تو اس کی ضد اور مقابل کو بھی پیدا فرماتے ہیں۔ قال تعالیٰ۔

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (۲) اور ہم نے ہر چیز کے دو جوڑ پیدا کیے تا کہ تم خدا کی قدرت کا کمال سمجھ لو۔

پس جس طرح نور کے مقابلہ میں ظلمت اور بلندی کے مقابلہ میں پستی کو پیدا فرمایا اسی طرح خیر کے مقابلہ میں شر اور ہدایت کے مقابلہ میں ضلالت کو اور ملائکہ کے مقابلہ میں شیاطین کو پیدا فرمایا کہ حق اور باطل کا مقابلہ اور معرکہ رہے اور لوگ اپنے ارادہ اور اختیار سے کسی ایک جانب قبول کریں یہ نہ ہو کہ کسی ایک جانب کے قبول کرنے میں مجبور ہو جائیں اگر فقط حق اور اہل حق کو پیدا کیا جاتا اور باطل بالکل نیست و نابود ہوتا تو لوگ حق کے قبول کرنے پر مجبور ہو جاتے جو سراسر حکمت کے خلاف ہے شریعت کا ہرگز یہ منشاء نہیں کہ لوگ جبراً و قہراً اسلام لائیں۔ کما قال تعالیٰ۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا (۳) اگر تیرا رب چاہتا تو تمام زمین والے ایمان لے آتے

(۱) الطبقات الکبریٰ ج: ۱، ص: ۱۳۴ (۲) الذاریات، آیۃ: ۴۹ - (۳) یونس: آیۃ، ۹۹

اس لیے حق جل شانہ نے جب حضرات انبیاء کو پیدا کیا تو ان کے مقابلہ کے لیے شیاطین الانس والجن کو بھی پیدا فرمایا تاکہ دنیا حق اور باطل کا معرکہ اور ہدایت اور گمراہی کے جنگ اور مقابلہ کو خوب دیکھ لے اور پھر اپنے ارادے اور اختیار سے حق اور باطل میں سے جس جانب کو چاہے قبول کرے ان آیات میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ	اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے دشمن پیدا کیے ہیں
عَدُوًّا شَيَاطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ (۱)	کچھ شیاطین الانس اور کچھ شیاطین الجن۔

پس جس طرح ہر فرعون کے لیے ایک موسیٰ چاہیے اسی طرح ہر موسیٰ کے لیے ایک فرعون بھی ضروری ہے ارباب منطق کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ قضیہ کا عکس لازم اور صادق ہوتا ہے

در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیر است — دوزخ کرا بسوزد گر بولہب نباشد

اس لیے ہم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنان خاص کا کچھ مختصر حال ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

ابوجہل بن ہشام:

آپ کی امت کا فرعون تھا جس نے آپ کی دشمنی اور عداوت میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا۔ ابوجہل کی دشمنی کے کچھ واقعات گذر چکے اور کچھ آئندہ آئیں گے۔ مرتے وقت جو اس نے پیام دیا ہے (جس کا مفصل بیان انشاء اللہ غزوہ بدر کے بیان میں آئے گا) اس سے ناظرین کرام کو ابوجہل کی عداوت اور دشمنی کا پورا پورا اندازہ ہو جائے گا۔ ابوجہل کا اصل نام ابوالحکم تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کا لقب عطا فرمایا کما فی فتح الباری باب ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم من یقتل ببدر ۱۲۔ ابوجہل کہا کرتا تھا میرا نام عزیز کریم ہے یعنی عزت والا اور سردار اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّوْمِ طَعَامُ الْاَثِيْمِ	تحقیق زقوم کا درخت بڑے مجرم کا کھانا ہوگا

(۱)۔ الانعام، آیۃ: ۱۱۲۔

كَالْمُهْلِ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ إِلٰى سَوَاءِ الْجَحِيْمِ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَأْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ إِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ (۱)	گرم پانی کی طرح پیٹ میں کھولے اور فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اس کو پکڑو۔ پھر کھینچتے ہوئے ٹھیک بیچ جہنم کے لیجا کر اس کو ڈال دو پھر اس کے سر پر گرم پانی چھوڑ دو اور اس سے کہو کہ چکھ اس عذاب کو تو بڑا معزز و مکرم ہے۔ (۲)

ابولہب:

ابولہب کنیت تھی نام عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب تھا رشتہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی چچا تھا سب سے پہلے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو جمع کر کے اللہ کا پیام پہونچایا تو سب سے پہلے ابولہب نے ہی تکذیب کی اور یہ کہا۔

تبالك سائر اليوم ألهٰذا جمعتنا　　اللہ تجھ کو ہلاک کرے کیا ہم کو اسی لیے جمع کیا تھا

اس پر سورت تبت نازل ہوئی۔ ابولہب چونکہ بہت مال دار تھا اس لیے جب اس کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا جاتا تو یہ کہتا اگر میرے بھتیجے کی بات حق ہے تو قیامت کے دن مال اور اولاد کا فدیہ دے کر عذاب سے چھوٹ جاؤں گا۔ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ میں اسی کی طرف اشارہ ہے اس کی بیوی ام جمیل بنت حرب یعنی ابوسفیان بن حرب کی بہن کو بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص ضد اور دشمنی تھی۔ شب کے وقت آپ کے راستے میں کانٹے ڈال دیا کرتی تھی (تفسیر ابن کثیر و روح المعانی)

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ جب ام جمیل کو خبر ہوئی کہ میرے اور میرے شوہر کے بارے میں یہ سورت نازل ہوئی تو ایک پتھر لے کر آپ کے مارنے کے لیے دوڑی آپ اور ابوبکر صدیق اس وقت مسجد حرام میں تشریف فرما تھے۔ ام جمیل جس وقت وہاں پہونچی تو حق تعالیٰ شانہٗ

(۱) دخان، آیۃ: ۴۳ ۴۹　(۲) ابن ہشام۔ ج ۱، ص۔ ۱۳۶۔

نے اس کی آنکھ پر ایسا پردہ ڈالا کہ صرف ابوبکر نظر آتے تھے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دکھائی نہ دیتے تھے۔ ام جمیل نے ابوبکر سے پوچھا کہ تمہارے ساتھی کہاں ہیں مجھ کو معلوم ہوا ہے وہ میری مذمت اور ہجو کرتے ہیں۔ خدا کی قسم اگر اس وقت ان کو پاتی تو اس پتھر سے مارتی خدا کی قسم میں بڑی شاعرہ ہوں اور اس کے بعد یہ کہا۔

مُذَمَّمًا عَصَيْنَا	وَاَمْرَهٗ اَبَيْنَا
مذمم کی ہم نے نافرمانی کی	اور اس کا حکم ماننے سے انکار کیا
وَدِيْنَهٗ قَلَيْنَا	اور اس کے دین کو مبغوض رکھا۔

دشمنی اور عداوت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بجائے محمدؐ کے مذمم کہتے تھے۔ محمدؐ کے معنی ستودہ کے ہیں اور مذمم کے معنے مذموم اور بُرے کے ہیں اور یہ کہہ کر واپس ہوگئی (۱)

قریش جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مذمم کہہ کر بُرا کہتے تو آپ فرماتے کہ اے لوگو تم تعجب نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کے سبّ و شتم کو مجھ سے پھیر دیا وہ مذمم کو بُرا کہتے ہیں اور میں محمدؐ ہوں (ابن ہشام صفحہ ۱۲۴ جلد ۱) ایک دوسری روایت میں ہے کہ ابوبکر صدیقؓ نے جب ام جمیل کو آپؐ کی طرف آتے دیکھا تو عرض کیا یا رسول اللہ ام جمیل سامنے سے آرہی ہے مجھے آپ کا ڈر ہے آپؐ نے فرمایا:۔

انها لن ترانی — وہ مجھ کو ہرگز نہیں دیکھے گی

اور کچھ آیتیں قرآن کی آپؐ نے تلاوت فرمائیں (تفسیر ابن کثیر۔ سورۂ تبت) مسند بزار میں عبداللہ بن عباس سے باسناد حسن مروی ہے کہ جب ام جمیل نے ابوبکر سے یہ کہا تو ان کی تصدیق ہی کرنے والا ہے۔ جب ام جمیل چلی گئی تو ابوبکرؓ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غالباً ام جمیل نے آپ کو دیکھا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا اس کے جانے تک ایک فرشتہ مجھ کو چھپاتے رہا (۲)

---

(۱) سیرۃ ابن ہشام۔ ج: ۱، ص: ۱۲۳ (منہ) کما قال تعالیٰ و اذا قرأت القرآن جعلنا بینک و بین الذین لایؤمنون بالآخرۃ حجابا مستورا۔ ۱۲۔ (۲) فتح الباری۔ ج ۸، ص: ۵۷۶۔

کتاب التفسیر سورۃ تبت۔ واقعہ بدر کے سات روز بعد ابولہب کے ایک زہریلا دانہ نمودار ہوا اسی میں ہلاک ہو۔ گھر والوں نے اس اندیشہ سے کہ اس کی بیماری ہم کو نہ لگ جائے اس کو ہاتھ تک نہ لگایا اسی طرح تین دن لاش پڑے پڑے سڑ گئی عار اور بدنامی کے خیال سے چند حبشی مزدوروں کو بلا کر لاشہ اٹھوایا مزدوروں نے ایک گڑھا کھودا اور لکڑیوں سے دھکیل کر لاشہ کو اس گڑھے میں ڈال دیا اور مٹی اور پتھروں سے اس کو بھر دیا یہ تو دنیا کی ذلت اور رسوائی ہوئی اور آخرت کی رسوائی کا پوچھنا ہی کیا ہے۔ اجارنا اللہ تعالیٰ من ذلک

ابولہب کے تین بیٹے تھے عُتبہؓ اور معتبؓ اور عتیبہ دونوں اوّل الذکر فتح مکہ میں مشرف با سلام ہوئے اور عتیبہ جس نے ابولہب کے کہنے سے آپ کی صاحبزادی کو طلاق دی اور مزید برآں اس پر گستاخی بھی کی وہ آپ کی بددعا سے ہلاک ہوا فتح مکہ کے دن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس سے کہا تمہارے بھتیجے عتبہ اور معتب کہاں ہیں کہیں نظر نہیں پڑے۔ حضرت عباس نے عرض کیا یارسول بظاہر کہیں روپوش ہوگئے ہیں۔ آپ نے فرمایا ان کو ڈھونڈ کر لاؤ۔ تلاش سے عرفات کے میدان میں ملے۔ حضرت عباس دونوں کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اسلام پیش کیا فوراً اسلام قبول کیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپ نے فرمایا میں نے اپنے چچا کے ان دونوں بیٹوں کو اپنے پروردگار سے مانگا تھا۔ اللہ نے مجھ کو یہ دونوں عطا فرمائے۔ (۱)

امیہ بن خلف جمحی:

امیہ آپ کو علی الاعلان گالیاں دیتا اور جب آپ کے پاس سے گذرتا تو آنکھیں مٹکاتا۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ الَّذِيْ	بڑی خرابی ہے ایسے شخص کے لیے جو پس پشت
جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ يَحْسَبُ	عیب نکالے اور رودر رو طعن کرے مال کو
اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ كَلَّا	کو جمع کرتا ہو اور بار بار اس کو شمار کرتا ہو سمجھتا

لَيُنۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ وَمَآ أَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۞ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۞ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۞ (۱)

کہ ہنسی لذت اور مسرت کے ساتھ روپوں کو شمار کرتا ہے) کیا اس کو یہ گمان ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے ساتھ رہے گا ہرگز نہیں، البتہ ضرور حطمہ میں ڈالا جائے گا اور تجھے معلوم بھی ہے کہ وہ حطمہ کیا چیز ہے وہ حطمہ اللہ کی ایک دہکتی ہوئی آگ ہے جو دلوں پر چڑھ جائے گی تحقیق وہ آگ ان پر بند کر دی جائے گی اور آگ کے لمبے لمبے ستونوں میں جکڑ دیے جائیں گے۔

امیہ بن خلف جنگ بدر میں حضرت خبیب یا حضرت بلال کے ہاتھ سے مارا گیا۔ (۲)

اُبی بن خلف :

ابی بن خلف بھی اپنے بھائی امیہ بن خلف کے قدم بقدم تھا ایک روز ایک بوسیدہ ہڈی لے کر آپ کے پاس آیا اور اس کو ہاتھ میں مل کر اور اس کی خاک کو ہوا میں اڑا کر کہنے لگا کیا خدا اس کو پھر دوبارہ زندہ کرے گا۔ آپ نے فرمایا ہاں اس کو اور تیری ہڈیوں کو ایسا ہی ہو جانے کے بعد خدا پھر زندہ کرے گا اور تجھ کو آگ میں ڈالے گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّهُوَ

اور ہمارے لیے ایک مثال پیش کرتا ہے اور اپنی پیدائش کو بھول گیا اور کہنے لگا کہ ان پرانی ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا۔ آپ کہہ دیجیے کہ جس نے انکو پہلی بار پیدا وہی ان

---

(۱) الاصابہ۔ ج : ۱ ص : ۵۵ (۲) ابن ہشام ج ۱ ص : ۱۲۴

بِکُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمُۨ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْہُ تُوْقِدُوْنَ اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَھُمْ ط بَلٰی وَھُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ اِنَّمَآ اَمْرُہٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ - (۱)

کو دوبارہ زندہ کرے گا اور وہ ہر مخلوق کو جاننے والا ہے۔ جس خدا نے سبز درخت سے آگ پیدا کی پھر تم اس درخت سے آگ سلگاتے ہو۔ کیا جس خدا نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ ان جیسے لوگوں کو دوبارہ پیدا کر سکے کیوں نہیں وہ تو بڑا خلاق اور علیم ہے اس کی شان تو یہ ہے کہ جس چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے اس کو کہتا ہے ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے پس پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہی ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اُبی بن خلف جنگ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے مارا گیا۔ تاریخ ابن الاثیر ص۱۵۴ و ابن ہشام ص۲۳۲ ذکر من قتل من المشرکین یوم احد

عقبۃ بن ابی معیط :

عقبہ۔ ابی بن خلف کا گہرا دوست تھا۔ ایک روز عقبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کر کچھ دیر بیٹھا اور آپ کا کلام سُنا۔ ابی کو جب خبر ہوئی تو فوراً عقبہ کے پاس آیا اور کہا مجھ کو یہ خبر ملی ہے کہ تو محمد کے پاس جا کر بیٹھا ہے اور ان کا کلام سنا ہے خدا کی قسم جب تک محمد کے منہ پر جا کر نہ تھوک آئے اس وقت تک تجھ سے بات کرنا اور تیری صورت دیکھنا مجھ پر حرام ہے چنانچہ بدنصیب عقبہ اٹھا اور چہرۂ انور پر تھوکا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَیَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیْہِ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ

اور اس دن کو یاد کرو کہ جس دن حسرت اور ندامت سے اپنے ہاتھ منہ میں کاٹے گا اور یہ کہے گا

(۱) یٰسٓ، آیۃ: ۷۸۔

سَبِيْلًا يَا وَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا۔ (۱)

کہ کاش میں رسول کے ساتھ اپنی راہ بناتا اور کاش فلانے کو اپنا دوست نہ بناتا اس کمبخت نے مجھ کو اللہ کی نصیحت سے گمراہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہیں گے کہ اے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو نظر انداز کر دیا تھا اے ہمارے نبی آپ رنجیدہ نہ ہوں ہر نبی کے لیے اسی طرح مجرمین میں سے دشمن پیدا کیے ہیں اور تیرا رب ہدایت و نصرت کے لیے کافی ہے۔

عقبہ جنگ بدر میں اسیر ہوا اور مقام صفراء میں پہونچ کر اس کی گردن ماری گئی (۲)

ولید بن مغیرہ :

ولید بن مغیرہ یہ کہا کرتا تھا کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ محمد پر تو وحی نازل ہو اور میں اور ابو مسعود ثقفی چھوڑ دیئے جائیں حالانکہ ہم دونوں اپنے اپنے شہر کے بڑے معزز ہیں میں قریش کا سردار ہوں اور ابو مسعود قبیلہ ثقیف کا سردار ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَقَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَةَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ

یہ کافر یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن مکہ اور طائف میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہ کیا گیا۔ کیا یہ لوگ اللہ کی خاص رحمت نبوت کو اپنی منشا کے مطابق تقسیم کرنا چاہتے ہیں ہم نے تو ان کی دنیوی معیشت کو بھی اپنی ہی منشا سے تقسیم کیا ہے اور اپنی ہی منشا سے ایک کو دوسرے پر رفعت دی ہے تاکہ ایک دوسرے کو اپنا

(۱) الفرقان، آیۃ: ۲۷ (۲) ابن اثیر۔ ج: ۲، ص: ۲۷

لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا وَّرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (۱) (ابن ہشام صفحہ ۱۲۶ ج ۱)	مسخر اور تابع بنائے اور اخروی نعمت تو دنیاوی نعمت سے بدرجہا بہتر ہے پس جب دنیوی معیشت کی تقسیم انکی رائے پر نہیں تو اخروی نعمت کی تقسیم انکی رائے پر کیسے ہو سکتی ہے۔

یعنی نبوت و رسالت کا مدار مال و دولت اور دنیاوی عزت و وجاہت پر نہیں چنانچہ ایک روز کا واقعہ ہے کہ ولید بن مغیرہ اور امیۃ بن خلف اور ابوجہل اور عتبہ اور شیبہ پسران ربیعہ اور دیگر سرداران قریش اسلام کے متعلق کچھ دریافت کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپؐ ان کے سمجھانے میں مشغول تھے کہ عبداللہ بن ام مکتوم آپ کی مسجد کے نابینا موذن کچھ دریافت کرنے کے لیے آپہنچے آپ نے یہ سمجھ کر کہ ابن ام مکتوم تو مسلمان ہیں ہی پھر کسی وقت دریافت کرلیں گے لیکن یہ لوگ ذی اثر ہیں اگر اسلام لے آئیں تو ان کی وجہ سے ہزاروں آدمی مسلمان ہو جائیں گے۔ اس لیے آپ نے ابن ام مکتوم کی طرف التفات نہ فرمایا۔ اور ان کے اس بے محل سوال سے چہرۂ انور پر کچھ انقباض کے آثار نمودار ہوئے اس لیے کہ ان کو چاہیے کہ سابق گفتگو کے ختم ہونے کا انتظار کرتے مگر خداوند ذوالجلال کی رحمت جوش میں آگئی اور یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰۤى اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰۤى اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى وَهُوَ يَخْشٰى فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى كَلَّاۤ اِنَّهَا	آپ ایک نابینا کے آنے سے چیں بجبیں ہوئے اور بے التفاتی برتی آپ کو کیا معلوم شاید یہی نابینا آپ کی تعلیم سے پاک صاف ہو جائے یا آپ کی نصیحت اسکو کچھ نفع پہنچائے اور جس شخص نے بے پروائی کی اس کی طرف متوجہ ہوئے حالانکہ وہ اگر پاک و صاف نہ ہو تو آپ پر کوئی الزام نہیں اور جو شخص دین کے شوق میں آپ کے پاس دوڑتا ہوا۔ اور خدا سے ڈرتا

(۱) الزخرف، آیۃ ۳۲۔

تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهُ (الٰی آخر السورۃ) (۱)
ہوا آتا ہے اس سے آپ بے اعتنائی کرتے ہیں (الٰی آخر السورۃ)

اس کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت تھی کہ جب کبھی عبداللہ بن ام مکتوم حاضر ہوتے تو آپ ان کے لیے اپنی چادر بچھا دیتے اور یہ فرماتے مرحبا بمن فیہ عاتبنی ربی مرحبا ہو اس شخص کو جس کے بارے میں میرے پروردگار نے مجھ کو عتاب فرمایا۔

ابو قیس بن الفاکہ: یہ بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید ایذا پہونچاتا تھا۔ ابوجہل کا خاص معین اور مددگار تھا۔ ابو قیس جنگ بدر میں حضرت حمزہؓ کے ہاتھ سے مارا گیا (۲)

نضر بن حارث: نضر بن حارث سرداران قریش سے تھا۔ تجارت کے لیے فارس جاتا اور وہاں شاہان عجم کے قصص اور تواریخ خرید کر لاتا اور قریش کو سناتا اور یہ کہتا کہ محمد تو تم کو عاد اور ثمود کے قصے سناتے ہیں اور میں تم کو رستم اور اسفندیار اور شاہان فارس کے قصے سناتا ہوں لوگوں کو یہ افسانے دلچسپ معلوم ہوتے تھے (جیسے آج کل ناول ہیں) لوگ ان قصوں کو سنتے اور قرآن کو نہ سنتے

ایک گانے والی لونڈی بھی خرید رکھی تھی لوگوں کو اس کا گانا سنواتا جس کسی کے متعلق یہ معلوم ہوتا کہ یہ اسلام کی طرف راغب ہے اس کے پاس اس لونڈی کو لے جاتا اور کہتا کہ اس کو کھلا اور پلا اور گانا سنا پھر اس سے کہتا کہ بتلا یہ بہتر ہے یا وہ شے بہتر ہے کہ جس کی طرف محمد بلاتے ہیں کہ نماز پڑھو اور روزہ رکھو اور خدا کے دشمنوں سے جہاد کرو اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ وَإِذَا تُتْلَى عَلَيْهِ آيَاتُنَا وَلَّى

بعضا آدمی خدا سے غافل کرنے والی باتوں کو خریدتا ہے تا کہ لوگوں کو خدا کی راہ سے گمراہ کرے اور خدا کی آیتوں کی ہنسی اڑائے ایسے لوگوں کے لیے ذلت کا عذاب ہے اور اس کے سامنے جب ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو از راہ تکبر ان سے منہ موڑ لیتا

(۱) سورۂ عبس (۲) ابن اثیر ج: ۲، ص: ۲۹

مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ ہے جیسا کہ سنا ہی نہیں گویا کہ کانوں میں ثقل ہے
اُذُنَيْهِ وَقْرًا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (۱) اس کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے

تنبیہ: کھلانا پلانا اور لڑکیوں کا گانا سنوانا اور اس طرح اپنے مذہب کی طرف لوگوں کو مائل کرنا یہ اہل باطل کا قدیم طریقہ ہے جس پر نصاریٰ خاص طور پر کاربند ہیں اور ان کے دیکھا دیکھی ہندوستان کے آریوں نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا ہے جن کو خدا تعالیٰ نے کچھ بھی عقل دی ہے وہ خوب سمجھتے ہیں کہ یہ طریقہ خدا پرستوں کا نہیں بلکہ شہوت پرستوں کا ہے نعوذ باللہ من ذالک۔

نضر بن حارث جنگ بدر میں گرفتار ہوا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت علی نے اس کی گردن ماری۔ (۲)

عاص بن وائل سہمی: عاص بن وائل سہمی یعنی حضرت عمرو بن العاص کے والد ہیں یہ بھی ان لوگوں میں سے تھے جو آپ کی ذات بابرکات کے ساتھ استہزا اور تمسخر کیا کرتے تھے۔ حضورؐ کے جتنے بیٹے ہوئے وہ سب آپ ہی کی زندگی میں وفات پا گئے تو عاص بن وائل نے کہا۔

ان محمدا ابتر لا یعیش له ولد محمدؐ تو ابتر ہیں انکا کوئی لڑکا زندہ ہی نہیں رہتا

ابتر دُم کٹے جانور کو کہتے ہیں جس شخص کا آگے پیچھے کوئی نام لیوا نہ رہے گویا وہ شخص دم کٹا ہوا جانور ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ آپ کا دشمن ہی ابتر ہے۔

آپ کے نام لیوا تو لاکھوں اور کروڑوں ہیں ہجرت کے ایک ماہ بعد کسی جانور نے عاص کے پیر میں کاٹا جس سے پیر اس قدر پھولا کہ اونٹ کی گردن کے برابر ہو گیا۔ اس میں عاص کا خاتمہ ہو گیا۔ (۳)

نبیہ و منبہ پسران حجاج: نبیہ اور منبہ بھی آپ کے شدید ترین دشمنوں میں سے تھے جب

---

(۱) لقمان، آیۃ: ۷۔ (۲) ابن اثیر۔ ج ۲، ص: ۲۷ (۳) ابن اثیر ج ۲، ص: ۲۹

کبھی آپ کو دیکھتے تو یہ کہتے کہ کیا خدا کو ان کے سوا اور کوئی پیغمبر بنانے کے لیے نہیں ملا تھا۔ دونوں جنگ بدر میں مارے گئے۔ (۱)

اسود بن مطلب: اسود بن مطلب اور اس کے ساتھی جب کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو دیکھتے تو آنکھیں مٹکاتے اور یہ کہتے کہ یہی ہیں وہ لوگ جو روئے زمین کے بادشاہ ہوں گے اور قیصر و کسریٰ کے خزانوں پر قبضہ کریں گے یہ کہہ کر سیٹیاں اور تالیاں بجاتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا فرمائی کہ اے اللہ اس کو نابینا فرما (تاکہ آنکھ مارنے کے قابل ہی نہ رہے) اور اس کے بیٹے کو ہلاک فرما۔ چنانچہ اسود تو اسی وقت نابینا ہو گیا اور بیٹا جنگِ بدر میں مارا گیا۔ قریش جس وقت جنگ احد کی تیاری کر رہے تھے اسود اس وقت مریض تھا لوگوں کو آپ کے مقابلہ کے لیے آمادہ کر رہا تھا۔ جنگ احد سے پہلے ہی انتقال کر گیا (۲)

اسود بن عبد یغوث: اسود بن عبد یغوث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں کا بیٹا تھا۔ جس کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ اسود بن عبد یغوث بن وہب بن مناف بن زہرہ یہ بھی آپ کے شدید ترین دشمنوں میں سے تھا جب فقراء مسلمین کو دیکھتا تو یہ کہتا یہی روئے زمین کے بادشاہ بننے والے ہیں جو کسریٰ کی سلطنت کے وارث ہوں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا تو یہ کہتا آج آسمان سے کوئی بات نہیں ہوئی اور اس قسم کے بیہودہ کلمات کہتا (۳)

حارث بن قیس سہمی: جس کو حارث بن عیطلہ بھی کہا جاتا ہے عیطلہ ماں کا نام ہے قیس باپ کا نام تھا۔ یہ بھی انہیں لوگوں میں سے تھا کہ جو آپ کے اصحاب کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کیا کرتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ محمد ﷺ نے اپنے اصحاب کو یہ سمجھا کر دھوکہ دے رکھا ہے کہ مرنے کے بعد زندہ ہوں گے

وَاللّٰهِ مَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ (۴)　خدا کی قسم ہم کو زمانہ ہی ہلاک اور برباد کرتا ہے۔

---

(۱) ابن اثیر ج ۲، ص : ۲۶ (۲) ابن اثیر ج ۲، ص ۲۷۔

(۳) ابن اثیر ج ۲، ص : ۲۶ (۴) الجاثیہ - آیۃ : ۲۴۔

جب ان لوگوں کا استہزاء اور تمسخر حد سے گذر گیا تب اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لیے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ (الحجر، ۹۴)

جس چیز کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اسکو علی الاعلان بیان کریں اور مشرکین اگر نہ مانیں تو ان سے اعراض فرمائیں اور جو لوگ آپکی ہنسی اور مذاق اڑاتے ہیں ان کے لیے ہم کافی ہیں۔

زیادہ ہنسی اور مذاق اڑانے والے یہ پانچ شخص تھے۔

اسودؑ بن عبد یغوث۔ ولیدؑ بن مغیرہ۔ اسودؑ بن عبد المطلب۔ عاصؑ بن وائل۔ حارثؑ بن قیس

ایک بار آپؐ بیتؑ اللہ کا طواف کر رہے تھے کہ جبریل امین آگئے۔ آپ نے جبریل امین سے ان لوگوں کے استہزاء اور تمسخر کی شکایت کی اتنے میں ولید سامنے سے گذرا آپ نے تبلایا کہ یہ ولید ہے۔ جبریل نے ولید کی شہ رگ کی طرف اشارہ کیا آپؐ نے دریافت کیا یہ کیا کیا؟ جبریل نے کہا آپ ولید سے کفایت کیے گئے۔ اس کے بعد اسود بن مطلب گذرا آپ نے تبلایا کہ یہ اسود بن مطلب ہے۔ جبریل نے آنکھوں کی طرف اشارہ کیا آپ نے دریافت کیا کہ اے جبریل کیا کیا جبریل نے کہا تم اسود بن مطلب سے کفایت کیے گئے اس کے بعد اسود بن عبد یغوث ادھر سے گذرا جبریل نے اس کے سر کی طرف اشارہ کیا اور حسب سابق آپ کے سوال پر جواب دیا کہ آپ کفایت کیے گئے اس کے بعد حارث گذرا جبریل نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ آپ اس سے کفایت کیے گئے اس کے بعد عاص بن وائل ادھر سے گذرا جبریل نے اس کے پیر کے تلوے کی طرف کچھ اشارہ کیا اور کہا کہ آپ اس سے

ؒ [illegible] المعانی ج۷ ص۱۴ سے کی گئی ہے لیکن بیت اللہ کے طواف کرنے کا واقعہ [illegible] روایت سے لیا گیا جس کو حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں آیت مذکورہ کے تحت درج کیا ہے۔ ۱۲

کفایت کیے گئے چنانچہ ولید کا قصہ یہ ہوا کہ ولید ایک مرتبہ قبیلہ خزاعہ کے ایک شخص پر گزرا جو تیر بنا رہا تھا۔ اتفاق سے اس کے کسی تیر پر ولید کا پیر پڑ گیا جس سے خفیف سا زخم پڑ گیا۔ اس زخم کی طرف اشارہ کرنا تھا کہ زخم جاری ہو گیا اور اسی میں مر گیا۔ اسود بن عبدالمطلب کا یہ قصہ ہوا کہ ایک کیکر کے درخت کے نیچے جا کر بیٹھا ہی تھا کہ اپنے لڑکوں کو آواز دی مجھ کو بچاؤ مجھ کو بچاؤ میری آنکھوں میں کوئی شخص کانٹے چبھا رہا ہے لڑکوں نے کہا ہمیں کوئی نظر نہیں آتا اسی طرح کہتے کہتے اندھا ہو گیا۔ اسود بن عبد یغوث کا قصہ یہ ہوا کہ جبریل امین کا اس کے سر کی طرف اشارہ کرنا تھا کہ تمام سر میں پھوڑے اور پھنسیاں نکل پڑے اور اسی تکلیف میں مر گیا۔ حارث کے پیٹ میں دفعۃً ایسی بیماری پیدا ہوئی کہ منہ سے پاخانہ[1] آنے لگا اور اسی میں مر گیا۔ عاص بن وائل کا یہ حشر ہوا کہ گدھے پر سوار ہو کر طائف جا رہا تھا راستہ میں گدھے سے گرا اور کسی خار دار گھانس پر جا کر گرا جس سے پیر میں ایک معمولی سا کانٹا لگا مگر اس معمولی کانٹے کا زخم اس قدر شدید ہوا کہ جانبر نہ ہو سکا اور اسی میں مر گیا اخرجہ الطبرانی[2] فی الاوسط والبیہقی وابونعیم کلاہما فی الدلائل وابن مردویہ بسند حسن۔

ناظرین کرام ان واقعات سے اندازہ لگائیں کہ اسلام کی دعوت اور اشاعت میں جبر اور اکراہ سے کام لیا گیا یا اس کے دبانے اور مٹانے میں جبر اور تعدی سے کام لیا گیا۔

تعذیبِ مسلمین

بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ

جس قدر اسلام پھیلتا جاتا تھا اور مسلمان زیادہ ہوتے جاتے اسی قدر مشرکین مکہ کا

---

[1] جیسا کہ طوسی کے متعلق مشہور ہے کہ آخیر میں منہ سے پاخانہ آتا تھا۔ اس پر علامہ خیر رازی نے فرمایا کہ ایں آں بدست کہ در آخر تجرید خوردہ۔ ۱۲ [2] یہ روایت خصائص کبریٰ ص ۱۴۶ ج ۱ میں اور تفسیر ابن کثیر سورۃ الحجر ص ۳۶ ج ۵ طبع قدیم میں مذکور ہے مگر سند کی تحسین مذکور نہیں وہ صرف روح المعانی میں مذکور ہے ص ۷۹ ج ۱۴۔ ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ۔

غیظ و غضب زیادہ ہوتا جاتا تھا۔ جن مسلمانوں کا کوئی حامی اور مددگار تھا ان پر تو کفارِ مکہ کا کچھ زیادہ بس نہ چلتا تھا۔ ہاں جو بیچارے بے سہارے مسلمان تھے جن کی کوئی پشت پناہ نہ تھی وہ قریش مکہ کے جور و ستم کے تختۂ مشق بنے ہوئے تھے۔ کسی کو مارتے اور کسی کو تنگ و تاریک کوٹھڑی میں بند رکھتے۔ اب ہم چند واقعات ذکر کرتے ہیں جس سے مشرکین مکہ کے جور و ستم اور صحابہ کے صبر و تحمل کا کچھ اندازہ ہو سکے۔

امام المؤذنین بالصلاۃ والفلاح سیدنا و مولانا بلال رضی اللہ عنہ بن رباح رضی اللہ عنہ

آپ حبشی النسل تھے امیّہ بن خلف کے غلام تھے۔ ٹھیک دوپہر کے وقت جبکہ دھوپ تیز ہوجاتی اور پتھر آگ کی طرح تپنے لگتے تو غلاموں کو حکم دیتا کہ بلال کو تپتے ہوئے پتھروں پر لٹا کر سینہ پر ایک بھاری پتھر رکھ دیا جائے تاکہ جنبش نہ کرسکیں اور پھر کہتا تو اسی طرح مرجائے گا۔ اگر نجات چاہتا ہے تو محمد کا انکار کر اور لات و عزیٰ کی پرستش کر لیکن بلال رضی اللہ عنہ کی زبان سے اس وقت بھی اَحَدٌ اَحَدٌ ہی نکلتا۔ (۱)

موحد چہ برپائے ریزی زرش | چہ فولاد ہندی نہی برسرش
امید و ہراسش نباشد زکس | ہمیں است بنیاد توحید و بس

اور کبھی گائے کی کھال میں لپیٹتا اور کبھی لوہے کی زرہ پہنا کر تیز دھوپ میں بٹھلاتا اس تکلیف کی شدت میں بھی زبان مبارک سے احد احد نکلتا (۲) امیّہ نے جب یہ دیکھا کہ بلال کے عزم استقلال میں کوئی تزلزل ہی نہیں آتا۔ گلے میں رسّی ڈال کر لڑکوں کے حوالے کیا کہ تمام شہر میں گھسیٹتے پھریں مگر بلال کی زبان سے اَحَدٌ اَحَدٌ ہی نکلتا تھا (۳) وقال الحاکم صحیح الاسناد ولم یخرجاہ واقرہ الذہبی (۴)

حسبِ معمول حضرت بلال رضی اللہ عنہ اسی جور و ستم کے تختۂ مشق بنائے جارہے تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

ؔ رباح آپ کے والد کا نام تھا اور حمامہ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام تھا۔ ۱۲ (۱) سیرۃ ابن ہشام، ج۱، ص: ۱۹۰

(۲، ۳) طبقات ابن سعد۔ ج ۳، ص: ۲۶، ۲۷ (۴) مستدرک ج ۳، ص: ۲۸۴

اس طرف سے گذرے یہ منظر دیکھ کر دل بھر آیا اور امیّہ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

الا تتقی اللّٰہ فی ھذا المسکین	تو اس مسکین کے بارے میں خدا سے نہیں ڈرتا
حتی متی انت	آخر یہ ظلم و ستم کب تک۔

امیّہ نے کہا کہ تم ہی نے تو اس کو خراب کیا ہے اب تم ہی اس کو چھڑاؤ۔ ابوبکرؓ نے کہا بہتر ہے میرے پاس ایک غلام ہے جو نہایت قوی ہے اور تیرے دین پر نہایت قوۃ اور مضبوطی کے ساتھ قائم ہے۔ اس کو لیلو اور اس کے معاوضہ میں بلال کو میرے حوالے کرد۔ امیّہ نے کہا میں نے قبول کیا ابوبکرؓ نے امیّہ سے بلال رضی اللہ عنہ کو لیکر آزاد فرمادیا (۱)

احسن الداعین الی اللہ الکبیر المتعال سیدنا و مولانا بلال رضی اللہ عنہ کی پشت مبارک مشرکین کے جور و ستم نے نشان اور داغ ڈال دیے تھے چنانچہ حضرت بلال جب کبھی برہنہ پشت ہوتے تو داغ اور نشان نظر آتے۔

لاقی بلالٌ بلاءً من امیة قد	احلهٗ الصبر فیه اکرم النزل
اذ جهدوه بضنك الامر وهو علی	شدائد الازل ثبت الازر لم یزل
القوه بطحا برمضاء البطاح وقد	عالوا علیه صخورا جمة الثقل
فوحد الله اخلاصا وقد ظهرت	بظهره كندوب الطل فی الطلل
ان قد ظهر ولی الله من دبر	قد قد قلب عدو الله من قبل

(کذا فی المواهب)

عمّار بن یاسر رضی اللہ عنہ:

عمّار بن یاسر اصل میں قحطانی الاصل ہیں آپ کے والد یاسرؓ اپنے ایک مفقود الخبر بھائی کی تلاش میں مکہ مکرمہ آئے اور دو بھائی حارث اور مالک آپ کے ہمراہ تھے۔ حارث اور مالک تو یمن واپس ہو گئے اور یاسر مکہ ہی میں رہ پڑے اور ابوحذیفہ مخزومی سے حلیفانہ

---

(۱) سیرۃ ابن ہشام ج : ۱، ص : ۱۰۹

تعلقات پیدا کرلیے ابوحذیفہ نے اپنی کنیز سمیہ بنت خیاط سے آپ کی شادی کر دی جس سے حضرت عمار پیدا ہوئے۔ یاسر اور عمار ابوحذیفہ کے مرنے تک ابوحذیفہ ہی کے ساتھ رہے اس کے بعد اللہ نے اسلام ظاہر فرمایا یاسر اور سمیہ اور عمار اور ان کے بھائی عبداللہ بن یاسر سب کے سب مشرف باسلام ہوئے۔ حضرت عمار کے ایک بھائی اور بھی تھے جو عمر میں حضرت عمار سے بڑے تھے۔ حریث بن یاسر ان کا نام تھا زمانہ جاہلیت میں بنو الدیل کے ہاتوں مقتول ہوئے (۱) مکہ میں عمار بن یاسر کا چونکہ کوئی قبیلہ اور کنبہ نہ تھا جو ان کا حامی اور مددگار ہوتا۔ اس لیے قریش نے ان کو بہت سخت سخت تکلیفیں دیں عین دوپہر کے وقت تپتی ہوئی زمین پر ان کو لٹاتے اور اس قدر مارتے کہ بیہوش ہوجاتے کبھی پانی میں غوطے دیتے اور کبھی انگاروں پر لٹاتے۔ اس حالت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت عمار پر گذرتے تو سر پر ہاتھ پھیرتے اور یہ فرماتے۔

يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلَى عَمَّارٍ كَمَا كُنْتِ عَلَى إِبْرَاهِيمَ۔ (۱)

اے آگ تو عمار کے حق میں بردوسلام بن جا جس طرح ابراہیم علیہ السلام پر بردوسلام ہو گئی تھی۔

جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمار اور ان کے والد یاسر اور ان کی والدہ سمیہ کو مبتلائے مصیبت دیکھتے تو یہ فرماتے۔ اے آل یاسر صبر کرو۔ کبھی یہ فرماتے اے اللہ تو آل یاسر کی مغفرت فرما اور کبھی یہ فرماتے تم کو بشارت ہو جنت تمہاری مشتاق ہے۔ طبقات ابن سعد قسم اوّل واستیعاب لابن عبدالبر تذکرہ عمارؓ۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا کہ عمار سر سے پیر تک ایمان سے بھرا ہوا ہے یہ حدیث جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں ہے سند اس کی حسن ہے (۲) واخرجہ البزار من حدیث عایشۃ واسنادہ صحیح ورواہ النسائیؒ

(۱) طبقات ابن سعد: ج: ۳، ص: ۱۷۶ (۲) الاصابہ ج ۲، ص: ۵۱۲

ایضا واسنادہ ایضا صحیح (۱) باب مناقب عمار۔حضرت عمار نے ایک بار قمیص مبارک اتارا تو پشت مبارک پر لوگوں کو سیاہ داغ نظر آئے سبب دریافت کیا تو یہ فرمایا کہ قریش مکہ مجھ کو تپتے ہوئے سنگریزوں پر لٹایا کرتے تھے۔یہ داغ اس کے ہیں (۲) قسم اوّل اور دہی سلوک آپ کے والد حضرت یاسر اور والدہ سمیہ کے ساتھ کیا جاتا تھا۔مجاہد فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے ساتھ شخصوں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ابوبکر صدیقؓ۔بلالؓ۔خبابؓ۔صہیبؓ۔عمارؓ۔سمیہؓ خاندانی وجاہت کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ پر تو مشرکین مکہ کا پورا بس نہ چل سکا۔بلالؓ اور خبابؓ اور صہیبؓ اور عمار اور سمیہ کو اپنے جور وستم کا تختۂ مشق بنایا عین دوپہر کے وقت ان حضرات کو لوہے کی زرہیں پہنا کر دھوپ میں کھڑا کر دیتے۔

ایک روز سامنے سے ابوجہل آگیا اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کی شرمگاہ میں ایک برچھی ماری جس سے وہ شہید ہوگئیں اخرجہ ابوبکر بن ابی شیبۃ عن مجاہد وھو مرسل صحیح السند (۳) ترجمہ سمیہؓ طبقات ابن سعد میں بسند صحیح مجاہد سے منقول ہے کہ اسلام میں سب سے پہلی شہید حضرت سمیہؓ ہیں جو بہت بوڑھی اور ضعیف تھیں ابوجہل جب جنگ بدر میں مارا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا۔

قتل اللہ قاتل امک اللہ نے تیری ماں کے قاتل کو ہلاک کیا۔

اور حضرت یاسرؓ نے انہی مصائب اور شدائد میں حضرت سمیہؓ سے پہلے انتقال فرمایا (۴)

صُہَیب بن سِنان رضی اللہ عنہ

صہیبؓ اصل میں اطراف موصل کے رہنے والے تھے آپ کے والد اور چچا کسریٰ کی طرف سے اُبلہ کے حاکم تھے ایک بار رومیوں نے اس نواح پر حملہ کیا۔صہیب اس وقت کم سن

(۱) فتح الباری ج: ۷، ص: ۷۲ (۲) طبقات ابن سعد ج: ۳، ص ۷۷

(۳) الاصابہ ج: ۴، ص: ۳۳۵ (۴) فتح الباری ج: ۷، ص: ۱۷

بچے تھے لوٹ مار میں رومی ان کو پکڑ کر لے گئے۔ وہیں جوان ہوئے اس لیے صہیب رومی کے نام سے مشہور ہو گئے۔ بنی کلب میں ایک شخص صہیب کو رومیوں سے خرید کر مکہ میں لایا۔ مکہ میں عبداللہ بن جدعان نے خرید کر آزاد کر دیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام شروع فرمائی تو حضرت صہیب اور حضرت عمار ایک ہی وقت میں دارارقم میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔ حضرت عمار کی طرح مشرکین مکہ نے حضرت صہیب کو بھی طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں۔ جب ہجرت کا ارادہ فرمایا تو قریش مکہ نے یہ کہا کہ اگر تم اپنا سارا مال و متاع یہاں چھوڑ جاؤ تو ہجرت کر سکتے ہو ورنہ نہیں۔ حضرت صہیبؓ نے منظور کیا اور حُطَامِ دنیا پر لات مار کر ہجرت فرمائی۔ مدینہ منورہ پہونچے اور آپ کی خدمت میں یہ تمام واقعہ بیان کیا تو آپ نے یہ فرمایا۔

رَبِحَ الْبَیْعُ　صہیب نے اس بیع میں خوب نفع کمایا

کہ فانی کو چھوڑ کر باقی کو اختیار کیا اور حق جل شانہ نے اس بارہ میں یہ آیت نازل فرمائی۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ (۱)　اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ اپنی جان کو فروخت کر دیتے ہیں محض اللہ کی رضامندی کی طلب میں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے باربار یہ فرمایا۔

رَبِحَ صُهَیْبٌ رَبِحَ صُهَیْبٌ　صہیب نے خوب نفع کمایا۔ صہیب نے خوب نفع کمایا۔

عمر بن حکم سے مروی ہے کہ مشرکینِ مکہ حضرت صہیبؓ اور عمار اور ابو فائدہ اور عامر بن فہیرہؓ وغیرہم کو اس قدر تکلیفیں دیتے کہ بیخود اور بیہوش ہو جاتے تھے اور بیخودی کا یہ عالم تھا کہ یہ بھی خبر نہ رہتی تھی کہ ہماری زبانوں سے کیا نکل رہا ہے۔ اس پر یہ آیت شریفہ

(۱) البقرہ، آیۃ: ۲۰۷۔

نازل ہوئی۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْۤا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۱)	تحقیق تیرا پروردگار۔ ان لوگوں کے لیے کہ جنہوں نے طرح طرح کے مصائب اور فتنوں کے بعد ہجرت کی اور پھر جہاد کیا اور صبر کیا ان باتوں کے بعد تیرا رب ان کی مغفرت کرنیوالا اور ان پر رحمت کرنے والا ہے۔

یہ آیت انہیں حضرات کے بارے میں نازل فرمائی۔ ۱۲ - (۲)

خبّاب بن الارت رضی اللہ عنہ

خبّاب بن الارت رضی اللہ عنہ سابقین اوّلین میں سے ہیں کہا جاتا ہے کہ چھٹے مسلمان ہیں دار ارقم میں داخل ہونے سے پہلے مشرف باسلام ہوئے ام انمار کے غلام تھے جب آپ اسلام لائے تو ام انمار نے آپ کو سخت ایذائیں پہنچائیں۔ اصابہ صفحہ ۴۱۶ ج ۱

ایک مرتبہ حضرت خباب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملنے گئے تو حضرت عمرؓ نے آپؓ کو اپنی مسند پر بٹھایا یہ فرمایا کہ اس مسند کا تم سے زائد کوئی مستحق نہیں مگر بلالؓ اس پر خباب نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین بلال بھی مجھ سے زیادہ مستحق نہیں اس لیے کہ اُن شدائد و مصائب میں بعض مشرکین مکہ بلال کے تو حامی اور ہمدرد تھے مگر میرا کوئی بھی حامی نہ تھا۔ ایک روز مشرکین مکہ نے مجھ کو دہکتے ہوئے انگاروں پر چت لٹایا اور ایک شخص نے میرے سینہ پر اپنا پیر رکھ دیا تاکہ جنبش نہ کر سکوں اور پھر کرتا اٹھا کر پشت پر برص کے داغ دکھلائے (۳)

خباب بن الارت فرماتے ہیں کہ میں زمانہ جاہلیت میں لوہار تھا۔ تلواریں بنایا کرتا تھا ایک بار عاص بن وائل کے لیے تلوار بنائی جب قیمت کے تقاضے کے لیے آیا تو عاص بن وائل

---

(۱) النحل، آیۃ ۱۱۰ (۲) الاصابہ۔ ج ۲۔ ص: ۱۹۵، طبقات ابن سعد۔ ج: ۳، ص: ۱۰

(۳) طبقات ابن سعد۔ ج: ۳، ص: ۱۱۷

نے یہ کہا کہ میں تم کو ایک کوڑی نہ دوں گا جب تک تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار نہ کرو خباب نے کہا اگر تو مر بھی جائے اور پھر زندہ ہو تب بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار نہ کروں گا۔ عاص نے کہا کہ کیا میں مرنے کے بعد پھر زندہ کیا جاؤں گا۔ خبابؓ نے فرمایا۔ ہاں عاص نے کہا جب خدا مجھ کو موت دے گا اور پھر دوبارہ زندہ کریگا اور اسی طرح مال اور اولاد میرے ساتھ ہوگا تو اُس وقت تمہارا قرض ادا کر دوں گا۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا (صحیح بخاری ص۶۹۱ تفسیر سورۂ مریم وفتح الباری ص۳۲۶ ج۸)

بھلا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا کہ جو ہماری آیتوں کا انکار کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ آخرت میں مجھ کو مال اور اولاد دیے جائیں گے کیا وہ غیب پر مطلع ہو گیا ہے یا خدا تعالیٰ سے کوئی عہد کیا ہے ہرگز نہیں بالکل غلط کہتا ہے جو بھی زبان سے کہتا ہے ہم اس کو لکھ لیتے ہیں تاکہ قیامت کے دن اس پر حجت قائم ہو اور اس پر عذاب بڑھاتے چلے جائیں گے اور جس مال و اولاد کو وہ کہتا ہے اس سب کے ہم وارث ہوں گے اور وہ ہمارے پاس مال اور اولاد سے خالی ہاتھ آئے گا۔

ابو فکیہہ جُہنی رضی اللہ عنہ:

ابو فکیہہ کنیت ہے یسار نام ہے کنیت ہی زیادہ مشہور ہیں۔ صفوان بن امیہ کے غلام تھے امیہ بن خلف کبھی آپ کے پیر میں رسّی باندھ کر گھسٹواتا اور کبھی لوہے کی بیڑیاں ڈال کر جلتی ہوئی زمین پر اُلٹا لٹاتا اور پشت پر ایک بڑا بھاری پتھر رکھوا دیتا حتیٰ کہ آپ بیہوش ہو جاتے

(۱) سورۂ مریم، آیۃ: ۷۷

اور کبھی آپ کا گلا گھونٹتا۔

ایک روز امیہ بن خلف جلتی ہوئی زمین پر لٹا کر آپ کا گلا گھونٹ رہا تھا کہ سامنے سے امیہ بن خلف کا بھائی ابی بن خلف آگیا۔ بجائے اس کے وہ سنگدل کچھ رحم کھاتا کہنے لگا۔ اس کا گلا اور زور سے گھونٹو۔ چنانچہ اس زور سے گلا گھونٹا کہ لوگ یہ سمجھے کہ دم نکل گیا حسن اتفاق سے ابوبکر رضی اللہ عنہ ادھر آنکلے اور ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ کو خرید کر آزاد فرمایا۔ (۱)

زنیرہ رضی اللہ عنہا :

حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا سابقات اسلام میں سے ہیں حضرت عمرؓ کی کنیز تھیں۔ عمرؓ ان کو اس قدر مارتے کہ تھک جاتے۔ ابوجہل بھی ان کو ستایا کرتا تھا۔ ابوجہل اور دیگر سرداران مکہ حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا کو دیکھ کر یہ کہا کرتے تھے کہ اگر اسلام کوئی عمدہ اور بھلی شے ہوتی تو زنیرہ ہم سے سبقت نہ کرتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس بارہ میں یہ آیت نازل فرمائی

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	کافروں نے اہل ایمان سے یہ کہا کہ اگر یہ دین کوئی
لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	اچھی چیز ہوتی تو یہ لوگ ہم سے سبقت نہ کرتے
لَوْ كَانَ خَيْرًا	اور یہ نہ سمجھے کہ اگر ان میں کوئی خیر کا مادہ ہوتا تو یہ
مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ	خیر اور دین حق کی طرف سبقت کرتے اور حق سے پیچھے
(۲)	نہ رہتے اور یہ نہ سمجھے۔

کہ امراء اور رؤساء کا انبیاء اللہ کی ہدایت اور نصیحت سے روگرداں ہونا اور ان درویشوں کا کہ جن کے قلوب حب جاہ اور حب مال سے پاک اور منزہ ہیں انبیاء اللہ کی تعلیم و تلقین کو قبول کرنا حاشا یہ حق کے باطل ہونے کی دلیل نہیں بلکہ اعراض کرنے والوں کی نخوت اور غرور و اعجاب اور استکبار کی بیّن دلیل ہے۔ ضعفاء اور غرباء کے حق قبول کر لینے سے حق کی توہین نہیں بلکہ ضعفاء اور غرباء حق قبول کر لینے کی وجہ سے پستی سے نکل کر اوج رفعت پہ پہنچ جاتے ہیں اور امراء اور

(۱) الاستیعاب ج : ۴ ، ص : ۱۵۷ (۲) احقاف، آیۃ : ۱۱

روگردانی سے اعراض کرنے کی وجہ سے اہل بصیرت کی نظر میں ذلیل اور رسوا ہو جاتے ہیں ہاں اگر امیر ہو کر حق کے قبول کرنے میں پس و پیش نہ کرے جیسے ابوبکر صدیق اور عثمان غنی اور عبدالرحمٰن بن عوف تو اس کی عزت اور سربلندی میں اور چار چاند لگ جاتے ہیں۔

انہیں شدائد اور مصائب میں حضرت زنیرہ کی بینائی جاتی رہی۔ مشرکین مکہ نے کہا لات اور عزیٰ نے اس کو اندھا کر دیا۔ زنیرہؓ نے مشرکین مکہ کے جواب میں یہ فرمایا کہ لات و عزیٰ کو تو یہ بھی خبر نہیں کہ کون ان کی پرستش کرتا ہے یہ تو محض اللہ کی طرف سے ہے خدا اگر چاہے تو پھر میری بینائی کو واپس فرما سکتا ہے۔ خدا کی قدرت کا کرشمہ دیکھئے کہ اسی شب کی صبح کو بینا اٹھیں۔ مشرکین مکہ نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سحر کر دیا ہے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خرید کر آزاد فرمایا۔ (۱)

اسی طرح ابوبکر صدیقؓ نے اور بہت سے غلاموں اور کنیزوں کو خرید کر آزاد فرمایا اور مظلوموں کی جان بچائی۔ بلال۔ ابوفکیہہ۔ عامر بن فہیرہ۔ زنیرہ۔ نہدیہ اور نہدیہ کی بیٹی اور لبینہ اور مؤملیہ اور ام عُبیس ان سب کو ابوبکر ہی نے خرید کر آزاد کیا۔ (۲)

صدیق اکبر کے والد ابوقحافہ ہنوز مشرف باسلام نہ ہوئے تھے ایک روز ابوبکر سے کہنے لگے کہ میں دیکھتا ہوں کہ تم چن چن کر ضعیفوں اور ناتوانوں کو خرید کر آزاد کرتے ہو اگر قوی اور جوانوں کو خرید کر آزاد کرو تو تمہارے کام آئیں۔ ابوبکر نے کہا جس لیے میں ان کو آزاد کرتا ہوں وہ غرض میرے دل میں ہے۔ اس پر اللہ جل شانہٗ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ	پس جس نے خدا کی راہ میں دیا اور اللہ سے ڈرا
بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى	اور اچھی بات یعنی ملت اسلام کی تصدیق
وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى وَ	کی پس توفیق دیں گے ہم اس کو اعمال جنت

(۱)، (۲) زرقانی۔ ج: ۱، ص: ۲۶۹

كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى لَا يَصْلٰهَآ اِلَّا الْاَشْقَى الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى وَلَسَوْفَ يَرْضٰى (۱) اخرجہ الحاکم عن عبد اللہ بن الزبیر۔

کی اور جس نے بخل کیا اور بے پروا بنا اور ملت نیک کی تکذیب کی اس کے لیے اعمال بد کو آسان کر دیں گے اور بربادی کے وقت اس کو مال و دولت کوئی نفع نہ دے گا اور ہمارے ہی قبضہ میں ہدایت ہے اور ہم ہی دنیا اور آخرت کے مالک ہیں۔ پس میں تم کو دہکتی ہوئی آگ سے ڈراتا ہوں اس میں ہمیشہ کے لیے وہی شخص داخل ہوگا جو سب سے زیادہ بدبخت ہوگا کہ جس نے دین حق کی تکذیب کی اور اس سے روگردانی کی اور اس آگ سے وہ شخص بالکل محفوظ رہے گا جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے اور اپنا مال پاک ہونے کے لیے خدا کی راہ میں دیتا ہے اس کے ذمہ کسی کا احسان نہیں کہ اس کا بدلہ دیتا ہو محض خداوند تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی مقصود ہے اس شخص کو آخرت میں ہم ایسی نعمتیں عطا فرمائیں گے۔ جن کو دیکھ کر یہ ضرور راضی اور خوش ہوگا۔

زرقانی ج ۱ ص ۲۶۹ و عیون الاثر ج ۱ ص ۱۱۱ والبدایۃ والنہایۃ ج ۳ ص ۵۸)

یہ آیات بالاجماع ابوبکر صدیق کے بارہ میں اتری ہیں جس میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اتقیٰ کہا گیا۔ یعنی سب سے بڑا پرہیزگار اور سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا۔ اور سورہ حجرات میں ہے۔

---

(۱) اللیل، آیۃ : ۵ - ۲۱ -

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ	تحقیق تم میں سے سب سے زیادہ خدا کے نزدیک
عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ	مکرم اور بزرگ ترین وہ شخص ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار
(۱)	اور خدا سے ڈرنے والا ہو۔

معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت میں بزرگ ترین ہستی ابوبکر صدیق کی تھی اور حضور پُرنور کے بعد وہی سب سے افضل تھے جنہوں نے ابتدا ہی سے اسلام کی جان و مال سے مدد کی اور غلاموں کو خرید خرید کر آزاد کیا۔ ابوبکر صدیق نے چالیس ہزار درہم کا سرمایہ تیرہ سال میں اسلام اور مسلمانوں پر خرچ کر ڈالا اور جو بچا وہ سفر ہجرت اور مسجد نبوی کی زمین کی خریداری پر صرف ہو گیا جب کپڑا نہ رہا تو ابوبکر کمبل اوڑھ کر دربار نبوت میں حاضر ہوتے اور عرض کیا کہ میں اپنے پروردگار سے بے حد راضی ہوں۔

بعض شیعہ کہتے ہیں کہ یہ سورت حضرت علی کے بارے میں نازل ہوئی۔ جواب یہ ہے کہ اس سورت کے تمام الفاظ اس بات کے گواہ ہیں کہ یہ سورت اُس شخص کے بارے میں نازل ہوئی کہ جس نے اپنا مال و دولت محض خدا کی خوشنودی اور رضامندی کے لیے خدا کی راہ میں لٹا دیا اور ساری دنیا کو معلوم ہے کہ حضرت علی اس وقت صغیر السن تھے۔ ابو طالب کی ناداری کی وجہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اور کفالت میں تھے۔ ان میں مالی طاقت تھی اور نہ بدنی جو اسلام کو مدد پہنچا سکتے تھے وہ کیسے ان آیات کا مصداق بن سکتے ہیں۔ نیز ابوبکر صدیق نے اسلام کی جان و مال سے اس وقت مدد کی کہ جب اسلام بے کس و بے یار و مددگار تھا ایسے وقت میں مدد موجب صد فضیلت ہے حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے۔

لَا يَسْتَوِىْ مِنْكُمْ مَّنْ	برابر نہیں ہیں تم میں سے وہ لوگ کہ جنہوں
اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ	نے خرچ کیا اور جہاد کیا فتح مکہ سے پہلے بلکہ
وَقَاتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ	یہ لوگ درجہ اور مرتبہ میں ان لوگوں سے بہت

(۱) الحجرات، آیۃ: ۱۳

دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِنۢ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ (۱)

بڑھ کر ہیں جنہوں نے مکہ فتح ہونے کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا اور وعدہ نیکی کا اللہ نے ہر ایک سے کیا ہے۔

فتح مکہ کے بعد اسلام غنی ہو گیا اس وقت نصرت و اعانت کی ضرورت نہ رہی اسی وجہ سے نبی کریم کے بعد تمام امت میں ابوبکر صدیق سب سے افضل ہیں اس لیے کہ گزشتہ آیات کی بناء پر اُن کا اَتقیٰ ہونا معلوم ہوا جو ان کے اکرم عند اللہ ہونے کی دلیل ہے۔

اور دوسری آیت سے ان کا اعظم درجۃً ہونا معلوم ہوا اس لیے کہ انہوں نے فتح مکہ سے پہلے اسلام کی مدد کی اور خدا کی راہ میں جان و مال سے اسلام کی مدد کی۔

اور ابوبکر صدیق کی اسلام میں سبقت پہلے گزر چکی اور سفر ہجرت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرافقت اور غار میں آپ کی معیت اور مرض الوفات میں امامت کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ آئے گا۔ یہ تمام امور ابوبکر صدیق کے افضیلت کے دلائل ہیں۔

الغرض قریش نے مسلمانوں کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا۔ درختوں پر بھی لٹکایا پیروں میں رسیاں باندھ کر بھی گھسیٹا۔ پیٹ اور پیٹھ پر تپتی ہوئی سلیں بھی رکھیں سب ہی کچھ کیا مگر دین حق سے کسی ایک کا بھی قدم نہ ڈگمگایا۔ سختیاں اور صعوبتیں جھیلتے ہوئے مر گئے مگر اسلام سے منحرف نہیں ہوئے رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔

یہ تو ان لوگوں کا ذکر تھا کہ جو کسی کے غلام یا غریب الوطن تھے۔ مشرکین کے دست ستم سے وہ لوگ بھی محفوظ نہ رہے کہ جن کو خاندانی عزت اور وجاہت بھی حاصل تھی۔

۱۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جب اسلام لائے تو ان کے چچا حاکم بن ابی العاص نے ان کو رسی میں باندھ دیا اور یہ کہا کہ کیا تو نے آباؤ اجداد کا مذہب چھوڑ کر ایک نیا دین اختیار کر لیا خدا کی قسم میں اس دین کو کبھی نہیں چھوڑوں گا اور نہ کبھی اس سے علیحدہ ہوں گا۔ حکم نے جب یہ دیکھا کہ یہ اس دین پر اس قدر محکم اور پختہ ہیں تو چھوڑ دیا۔ (۲)

---

(۱) الحدید: آیۃ: ۱۰ (۲) طبقات ابن سعد ج: ۳ ص: ۳۸

۲۔ حضرت زبیر بن عوام جب اسلام لائے تو ان کے چچا ان کو ایک بوریئے میں لپیٹ کر دھواں دیتے تاکہ وہ پھر کفر کی طرف لوٹ آئیں مگر حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ فرماتے۔
لَا اَکْفُرُ اَبَدًا میں کبھی بھی کفر نہ کروں گا۔ (۱)

۳۔ حضرت عمر کے بہنوئی اور چچازاد بھائی سعید بن زید جب اسلام لائے تو حضرت عمر نے ان کو رسیوں سے باندھا (صحیح بخاری باب اسلام سعید بن زید)

۴۔ خالد بن سعید بن العاص جب اسلام لائے تو باپ نے اس قدر مارا کہ سر زخمی ہو گیا اور کھانا پینا بند کر دیا مفصل واقعہ پہلے گذر چکا ہے۔

۵۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت طلحہ جب اسلام لائے تو نوفل بن خویلد نے جو قریش کے شیر کہلاتے تھے۔ دونوں کو پکڑ کر ایک رسی میں باندھ دیا۔ اسی وجہ سے ابوبکرؓ اور طلحہؓ قرینین (یعنی دونوں ایک قرن یعنی ایک رسی میں بندھے ہوئے) کہلاتے ہیں (طبقات ابن سعد ترجمہ طلحہ)

۶۔ ولید بن ولید اور عیاش بن ابی ربیعہ اور سلمہ بن ہشام جب اسلام لائے تو کفار مکہ نے اس قدر اذیتیں پہنچائیں کہ ہجرت بھی نہ کرنے دی کہ ہجرت ہی سے ان مصائب کا خاتمہ ہو جاتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں ان لوگوں کی مشرکین مکہ سے خلاصی اور رہائی کے لیے نام بنام صبح کی نماز میں دعا فرمایا کرتے تھے۔ اے اللہ تو ولید بن ولید اور عیاش بن ابی ربیعہ اور سلمہ بن ہشام کو مشرکین کے پنجۂ ظلم سے نجات دے (صحیح بخاری)

۷۔ ابوذر غفاریؓ جب اسلام لائے اور مسجد حرام میں اپنے اسلام کا اعلان کیا تو مشرکین مکہ نے اتنا مارا کہ زمین پر لٹا دیا۔ حضرت عباس نے آکر بچایا۔ صحیح بخاری باب اسلام ابی ذرؓ

معجزۂ شق القمر

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ

ہجرت مدینہ سے تقریباً پانچ سال پہلے ایک مرتبہ مشرکین مکہ حضور کے پاس جمع ہو کر آئے

(۱) الاصابہ۔ ج: ۱، ص: ۵۴۵ ۱۲ کذا فی روح المعانی تفسیر سورۃ القمر ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ۔

جن میں ولید بن مغیرہ۔ ابوجہل۔ عاص بن وائل۔ عاص بن ہشام۔ اسود بن عبد یغوث۔ اسود بن مطلب۔ زمعۃ بن الاسود۔ نضر بن حارث وغیرہ وغیرہ بھی تھے۔ آپ سے یہ درخواست کی کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو اپنی نبوت کا کوئی خاص نشان دکھلائیں اور ایک روایت میں ہے کہ یہ کہا کہ چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھلاؤ۔ رات کا وقت تھا اور چودھویں رات کا چاند طلوع کیے ہوئے تھا۔ آپ نے فرمایا اچھا اگر یہ معجزہ دکھلا دوں تو ایمان بھی لے آؤ گے لوگوں نے کہا ہاں ہم ایمان لے آئیں گے۔ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حق جل شانہٗ سے دعا کی اور انگشت مبارک سے چاند کی طرف اشارہ فرمایا، اسی وقت چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے ایک ٹکڑا جبل ابی قبیس پر تھا اور دوسرا ٹکڑا جبل قیقعان پر تھا دیر تک لوگ حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ حیرت کا یہ عالم تھا کہ اپنی آنکھوں کو کپڑے سے پونچھتے تھے اور چاند کی طرف دیکھتے تھے تو صاف دو ٹکڑے نظر آتے تھے اور حضور اس وقت یہ فرما رہے تھے۔ اشھدوا۔ اشھدوا۔ اے لوگو گواہ رہو۔ اے لوگو گواہ رہو۔ عصر اور مغرب کے درمیان جتنا وقت ہوتا ہے اتنی دیر چاند اسی طرح رہا اور اس کے بعد پھر ویسا ہی ہو گیا۔ مشرکین مکہ نے کہا کہ محمدؐ تو نے جادو کر دیا ہے کہ تم باہر سے آنے والے مسافروں کا انتظار کرو اور ان سے دریافت کرو کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ محمدؐ تمام لوگوں پر جادو کر دیں اگر وہ بھی اسی طرح اپنا مشاہدہ بیان کریں تو سچ ہے اور اگر یہ کہیں کہ ہم نے نہیں دیکھا تو سمجھنا کہ محمدؐ نے تم پر سحر کیا ہے۔ چنانچہ مسافروں سے دریافت کیا گیا۔ ہر طرف سے آنے والے مسافروں نے اپنا مشاہدہ بیان کیا کہ ہم نے شق قمر دیکھا ہے مگر ان شہادتوں کے باوجود بھی معاندین ایمان نہ لائے اور یہ کہا کہ یہ سحر مستمر ہے یعنی عنقریب اس کا اثر زائل ہو جائے گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ۔

معجزۂ شق قمر کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں واقع ہونا قرآن کریم اور احادیث متواترہ اور اسانید صحیحہ اور جیدہ سے ثابت ہے اور اسی پر تمام سلف اور خلف کا اجماع ہے

اور کسی شاذ و نادر نے جو انشق القمر بصیغۂ ماضی کو بمعنی سینشق القمر لیا ہے وہ سراسر ظاہر قرآن اور احادیث صریحہ اور صحیحہ اور تصریحات سلف و خلف کے خلاف ہے قابل اعتبار نہیں۔

واقعۂ شق القمر کی جو تفصیل ہم نے ذکر کی ہے وہ البدایۃ والنہایۃ للحافظ ابن کثیر اور فتح الباری (۱) باب انشقاق القمر سے لی ہے حضرات اہل علم اصل کی مراجعت فرمائیں مخالفین اسلام اس معجزہ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اول تو یہ بات محال اور ناممکن الوقوع ہے کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو جائیں دوسرے یہ کہ اس واقعہ کا کسی تاریخ میں ذکر نہیں۔ جواب یہ ہے کہ آج تک کسی دلیل عقلی سے اس قسم کے واقعہ کا محال اور ناممکن ہونا ثابت نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

جس طرح اجسام سفلیہ میں کون و فساد عقلاً محال اور ناممکن نہیں اسی طرح اللہ کی قدرت اور مشیت سے اجسام علویہ میں بھی کون و فساد محال نہیں۔ خداوند ذوالجلال کی قدرت کے اعتبار سے آسمان اور زمین شمس اور قمر شجر اور حجر سب برابر ہیں جس خدا نے شمس و قمر کو بنایا ہے وہ خدا ان کو توڑ بھی سکتا ہے اور جوڑ بھی سکتا ہے۔ بہر حال اس قسم کے خوارق کا ظہور قطعاً محال نہیں۔ ہاں مستبعد اور مستغرب ضرور ہے اور ہر معجزہ کے لیے مستبعد ہونا ضروری ہے جو لوگ محض استبعاد کے بنا پر محال قرار دیتے ان کو محال اور مستبعد کا فرق بھی معلوم نہیں۔ رہا یہ امر کہ اس واقعہ کا ذکر تاریخوں میں نہیں تو صدہا اور ہزارہا ایسے عجیب و غریب واقعات ہیں کہ جو وقوع میں آئے مگر تاریخوں میں ان کا ذکر نہیں۔ توریت اور انجیل میں بہت سے ایسے واقعات ہیں جن کا کسی تاریخ میں کہیں نام و نشان نہیں۔ نیز شق قمر کا واقعہ رات کا واقعہ ہے جو عموماً لوگوں کے آرام کا وقت ہے جو صرف تھوڑی دیر کے لیے رہا۔ اس لیے اگر عام طور پر لوگوں کو اس کا علم نہ ہو تو تعجب نہیں۔ بسا اوقات چاند اور سورج گہن ہوتے ہیں اور بہت سے لوگوں کو علم ہی نہیں ہوتا۔ نیز اختلاف مطالع کی وجہ سے بہت سے مقامات پر اس وقت دن ہوگا اور کسی جگہ آدھی رات ہو گی عموماً لوگ سوتے

(۱) البدایۃ والنہایۃ ج: ۳، ص: ۱۱۸۔ ۱۲۰ فتح الباری۔ ج: ۷، ص: ۱۳۹۔

ہوں گے نیز اس معجزہ سے مقصود فقط اہل مکہ کو دکھلانا اور ان پر حجت تمام کرنا تھا وہ مقصود حاصل ہوگیا۔ تمام عالم کو دکھلانا مقصود بھی نہ تھا۔ نیز کسی شے کا دیکھنا اللہ کے دکھلانے پر موقوف ہے۔ اگر کوئی شے نظروں کے سامنے بھی ہو اور اللہ تعالیٰ نہ دکھلانا چاہیں تب بھی وہ شے نظر نہیں آتی۔

معجزۂ ردّ شمس [1]

حضور کے مشہور معجزات میں سے معجزۂ ردّ شمس بھی ہے یعنی آفتاب کا غروب ہوکر پھر نکل آنا اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور خیبر کے قریب مقامِ صہبا میں تھے اور سر مبارک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی گود میں تھا اور ہنوز حضرت علی نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی کہ اسی حالت میں وحی کا نزول شروع ہوگیا۔ یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوگیا۔ حضور نے پوچھا کہ تم نے عصر کی نماز پڑھی۔ عرض کیا نہیں۔ حضور اسی وقت دست بدعا ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ علی تیرے رسول کی اطاعت میں تھا۔ آفتاب کو واپس بھیج دے تاکہ نماز عصر اپنے وقت پر ادا کر سکے۔ اسماء بنت عمیس کہتی ہیں کہ آفتاب غروب کے بعد لوٹ آیا اور اس کی شعاعیں زمین اور پہاڑوں پر پڑیں۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ ابن جوزی اور ابن تیمیہ نے اس حدیث کو موضوع اور بے اصل بتلایا ہے اور شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اس حدیث کے بارے میں ایک مستقل رسالہ لکھا اور اس کا نام کشف اللبس عن حدیث ردّ شمس رکھا جس میں اس حدیث کے طرق اور اسانید پر کلام فرمایا اور اس حدیث کا صحیح ہونا ثابت کیا اور علامہ زرقانی نے بھی شرح مواہب میں اس حدیث کا صحیح اور مستند ہونا ثابت کیا (۱)

---

[1] یہ معجزہ اگرچہ ہجرت کے بعد ۷ھ میں خیبر سے واپسی میں مقام صہبا میں ظاہر ہوا لیکن شق قمر کی مناسبت سے اس مقام پر ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوا۔ واللہ اعلم۔ ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ۔

(۱) نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض ج ۳، ص: ۱۰ - ۱۳ زرقانی ج: ۵، ص: ۱۱۳ - ۱۱۶ -

معجزۂ حبس شمس :

بعض ضعیف روایتوں میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور کے لیے تھوڑی دیر کے واسطے آفتاب کی حرکت روک دی گئی یہ روایت محدثین کے نزدیک معتبر نہیں زرقانی ص۱۱۴ ج۵ ونسیم الریاض ص۱۱ ج۳ وشرح شفا للعلامۃ القاری ص۵۹۱ ج۱۔

چونکہ شق قمر اور ردّ شمس اور حبس شمس یہ تینوں معجزے متقارب تھے اس لیے ہم نے ان تینوں کو ایک ہی سلسلہ میں ذکر کر دیا۔

یہ معجزہ مکہ مکرمہ میں واقع ہوا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج سے واپس آئے اور قریش کے سامنے اسراء و معراج کی کیفیت بیان کی قریش نے بیت المقدس کی علامتیں دریافت کیں اور آپ نے ایک قافلہ کا حال پوچھا کہ جو بغرض تجارت شام کی طرف گیا ہوا تھا کہ وہ قافلہ کب واپس آئے گا آپ نے فرمایا کہ وہ قافلہ بدھ کے روز مکہ میں داخل ہوگا۔ جب بدھ کا دن اخیر ہونے لگا اور شام ہونے لگی تو کفار نے شور مچایا اس وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اللہ تعالیٰ نے آفتاب کو اسی جگہ ٹھہرا دیا جہاں تھا یہاں تک کہ قافلہ آگیا اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کی تصدیق ظاہر کی۔

ہجرت اولیٰ بجانب حبشہ

مشرکین مکہ نے جب یہ دیکھا کہ دن بدن لوگ اسلام کے حلقہ بگوش ہوتے جاتے ہیں اور روز بروز اسلام کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے تو متفقہ طور پر مسلمانوں کی ایذا رسانی پر آمادہ ہو گئے اور طرح طرح سے مسلمانوں کو ستانا شروع کیا تاکہ کسی طرح دین اسلام سے برگشتہ ہو جائیں تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

تفرقوا فی الارض فان اللہ سیجمعکم	تم اللہ کی زمین پر کہیں چلے جاؤ یقیناً اللہ تعالیٰ
قالوا الی این نذھب قال	تم سب کو عنقریب جمع کریگا صحابہ نے عرض کیا

الیٰ ھنا و اَشارَ بیدہٖ الٰی ارض الحبشۃ ۔ کیا کہاں جائیں اپنے ملک حبش کی طرف اشارہ فرمایا ۔ رواہ عبدالرزاق عن معمر عن الزہری[1]

اور یہ بھی فرمایا کہ وہاں ایک بادشاہ ہے کہ جس کی قلمرو میں کوئی کسی پر ظلم نہیں کر سکتا اس وقت حضرات صحابہ ظاہری اور جسمانی شدائد اور مصائب سے اکتا کر نہیں بلکہ کفر اور شرک کے فتنہ سے گھبرا کر اپنے دین کو ایمان کے رہزنوں کی دست برد سے بچانے کے لیے اللہ کی طرف بھاگے تاکہ اطمینان کے ساتھ اپنے اللہ کا نام لے سکیں چنانچہ ماہ رجب ۵ ؁ نبوی میں حضرات ذیل نے حبشہ کی جانب ہجرت فرمائی۔

مَرد	عورتیں
(۱) عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ	(۱) حضرت رقیہؓ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی اور حضرت عثمان کی زوجۂ محترمہ
(۲) عبدالرحمٰن بن عوفؓ	
(۳) زبیر بن عوّامؓ	
(۴) ابوحذیفۃ بن عتبہؓ	(۲) سہلہ بنت سہیل ابوحذیفہؓ کی بیوی
(۵) مصعب بن عمیرؓ	
(۶) ابوسلمۃ بن عبدالاسدؓ	(۳) ام سلمہ بنت ابی امیہ ابوسلمہ کی بیوی جو ابوسلمہؓ کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت سے مشرف ہو کر ام المؤمنین کے لقب سے ملقب ہوئیں۔
(۷) عثمان بن مظعونؓ	

(۱) عیون الاثر ج ۱، ص : ۱۱۵۔

مرد	عورتیں
(۸) عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ	(۴) لیلیٰ بنت ابی حثمہ عامر بن ربیعہ کی بیوی فتح الباری ص۱۴۳ ج ۷، باب ہجرت الحبشہ۔
(۹) سہیل بن بیضاءؓ	
(۱۰) ابوسبرۃ بن ابی رہم عامری فتح الباری ص۱۴۳ ج ۷،	(۵) ام کلثوم بنت سہیل بن عمروؓ۔ ابوسبرۃ کی بیوی (عیون الاثر)
(۱۱) حاطب بن عمروؓ (عیون الاثر ص۱۱۵ ج ۱)	

مہاجرین حبشہ کی فہرست میں محمد بن اسحاق نے حاطب بن عمرو اور ام کلثوم کا نام ذکر نہیں کیا یہ نام حافظ ابن سید الناس نے عیون الاثر میں ذکر کیے ہیں۔ واقدی نے عبداللہ مسعود کا نام بھی ذکر کیا ہے۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ عبداللہ بن مسعود حبشہ کی پہلی ہجرت میں شریک نہ تھے بلکہ دوسری ہجرت میں شریک تھے جیسا کہ ہم عنقریب ذکر کریں گے اور محمد بن اسحاق بھی یہی فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود حبشہ کی پہلی ہجرت میں شریک نہ تھے بلکہ دوسری ہجرت میں تھے اور مسند احمد کی ایک حسن الاسناد روایت سے بھی یہی معلوم ہے ۱۲- (۱)

یہ گیارہ مرد اور پانچ عورتیں چھپ کر روانہ ہوئے بعض سوار تھے اور بعض پیادہ حسن اتفاق سے جب بندرگاہ پر پہنچے تو دو تجارتی کشتیاں حبشہ جانیوالی تیار تھیں پانچ درہم لیکر ان سب کو سوار کر لیا مشرکین مکہ کو جب خبر ہوئی تو آدمی دوڑائے جب یہ بندرگاہ پہونچے تو کشتیاں پہلے ہی روانہ ہو چکی تھیں (عیون الاثر ص۱۱۶ ج ۱) حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ یہ حضرات جدہ کے ساحل سے سوار ہوئے فتح الباری ص۱۸۹ ج ۷ سطر (۱۱) رجب سے لیکر شوال تک حبشہ میں مقیم رہے شوال میں یہ خبر سُن کر کہ اہل مکہ مسلمان ہو گئے حبشہ سے مکہ واپس آگئے۔ مکہ کے قریب پہونچکر معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط ہے اب یہ لوگ سخت کشمکش میں پڑے لہٰذا کوئی چھپ کر اور کوئی کسی کی پناہ لے کر مکہ میں داخل ہوا۔

(۱) فتح الباری ج : ۷، ص : ۱۴۳ -

ہجرت ثانیہ بجانب حبشہ

اب مشرکین مکہ نے پہلے سے زیادہ ستانا شروع کیا اس لیے رسول اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دی۔ اس وقت حضرات ذیل نے ہجرت فرمائی۔

مرد	عورتیں
(۱) عثمان بن عفانؓ	(۱) مع رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
(۲) جعفر بن ابی طالبؓ	(۲) اسماء بنت عمیسؓ حضرت جعفر کی بیوی جن کے بطن سے عبداللہ بن جعفرؓ حبشہ میں جا کر پیدا ہوئے۔
(۳) عمرو بن سعید بن العاصؓ	(۳) فاطمہ بنت صفوانؓ زوجہ عمرو بن سعیدؓ۔
(۴) خالد بن سعید بن العاصؓ۔ عمرو بن سعید کے بھائی۔	(۴) امینہ بنت خلفؓ زوجہ خالدؓ۔
(۵) عبداللہ بن جحشؓ	
(۶) عبیداللہ بن جحش جو حبشہ جا کر نصرانی ہو گئے اور نصرانیت ہی پر مرے۔	(۵) ام حبیبہ بنت ابی سفیانؓ زوجہ عبیداللہ بعد وفات عبیداللہ بن جحش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئیں۔
(۷) قیس بن عبداللہ	(۶) برکۃ بنت یسارؓ زوجہ قیس
(۸) معیقیب بن ابی فاطمہ دوسی	
(۹) عتبہ بن غزوانؓ	
(۱۰) زبیر بن العوامؓ	
(۱۱) ابو حذیفہ بن عتبہؓ	
(۱۲) اسود بن نوفلؓ	
(۱۳) یزید بن زمعہؓ	

مرد	عورتیں
(۱۴) عمرو بن امیہؓ	
(۱۵) طلیب بن عمیرؓ	
(۱۶) مصعب بن عمیرؓ	
(۱۷) سویبط بن سعدؓ	
(۱۸) جہم بن قیسؓ	(۷) مع زوجہ ام حرملہ بنت عبدالاسودؓ
(۱۹) عمرو بن جہمؓ یعنی جہم بن قیس کے بیٹے	
(۲۰) خزیمہ بن جہم یعنی جہم کے دوسرے بیٹے	
(۲۱) ابوالروم بن عمیرؓ یعنی مصعب بن عمیرؓ کے بھائی	
(۲۲) فراس بن النضرؓ	
(۲۳) عبدالرحمٰن بن عوفؓ	
(۲۴) عامر بن ابی وقاصؓ	
(۲۵) مطلب بن ازہر	(۸) مع بیوی۔ رملہ بنت عوفؓ
(۲۶) عبداللہ بن مسعودؓ	
(۲۷) عتبہ بن مسعودؓ یعنی عبداللہ بن مسعود کے بھائی	
(۲۸) مقداد بن عمروؓ	
(۲۹) حارث بن خالدؓ	(۹) مع بیوی ریطہ بنت حارث بن جبلہ جن سے ارض حبشہ میں موسیٰ اور عائشہ اور زینبؓ اور فاطمہ پیدا ہوئے
(۳۰) عمرو بن عثمانؓ	
(۳۱) ابوسلمہ بن عبدالاسدؓ	(۱۰) مع زوجہ۔ ام سلمہؓ جن سے حبشہ میں زینب پیدا ہوئیں جو ابوسلمہ کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ربیبہ کہلائیں۔

مرد	عورتیں
(۳۲) شماس رضی اللہ عنہ جن کو عثمان بن عبدالشرید کہتے ہیں	
(۳۳) ھبار بن سفیان بن عبد الاسد رضی اللہ عنہ	
(۳۴) عبداللہ بن سفیان رضی اللہ عنہ ھبار کے بھائی	
(۳۵) ہشام بن ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ	
(۳۶) سلمۃ بن ہشام رضی اللہ عنہ	
(۳۷) عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ	
(۳۸) معتب بن عوف رضی اللہ عنہ	
(۳۹) عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ	
(۴۰) سائب بن عثمان رضی اللہ عنہ	
(۴۱) قدامۃ بن مظعون رضی اللہ عنہ	
(۴۲) عبداللہ بن مظعون رضی اللہ عنہ۔ قدامۃ اور عبداللہ یہ دونوں سائب کے چچا ہیں	
(۴۳) حاطب بن الحارث رضی اللہ عنہ	(۱۲) مع بیوی فاطمہ بنت مُجَلّل رضی اللہ عنہا
(۴۴) محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ	
(۴۵) حارث بن حاطب رضی اللہ عنہ یعنی حاطب کے دونوں بیٹے	
(۴۶) خطاب بن الحارث رضی اللہ عنہ یعنی حاطب بن الحارث کے بھائی	(۱۳) مع بیوی فکیہہ بنت یسار رضی اللہ عنہا
(۴۷) سفیان بن معمر رضی اللہ عنہ	(۱۴) مع بیوی حسنہ رضی اللہ عنہا
(۴۸) جابر بن سفیان رضی اللہ عنہ	
(۴۹) جنادہ بن سفیان رضی اللہ عنہ یعنی سفیان کے بیٹے حسنہ کے بطن سے۔	

ج : ۶، ص ۲۶ ۳ (۴) مجمع الزوائد، ج: ۸، ص : ۲۲۲ (۵) طبقات الکبریٰ لابن سعد، ج ،

مرد	عورتیں
(۵۰) شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ یعنی جابر اور سفیان کے اخیافی بھائی۔	
(۵۱) عثمان بن ربیعہ رضی اللہ عنہ	
(۵۲) خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ	
(۵۳) قیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ	
(۵۴) عبداللہ بن حذافہ سہمی یہ تینوں بھائی ہیں	
(۵۵) عبداللہ بن الحارث سہمی رضی اللہ عنہ	
(۵۶) ہشام بن العاص سہمی رضی اللہ عنہ	
(۵۷) ابو قیس بن الحارث سہمی رضی اللہ عنہ	
(۵۸) حارث بن الحارث بن قیس سہمی رضی اللہ عنہ	
(۵۹) معمر بن الحارث سہمی رضی اللہ عنہ	
(۶۰) بشر بن الحارث سہمی رضی اللہ عنہ	
(۶۱) سعید بن عمرو سہمی رضی اللہ عنہ بشر بن الحارث کے اخیافی بھائی	
(۶۲) سعید بن الحارث سہمی رضی اللہ عنہ	
(۶۳) سائب بن الحارث سہمی رضی اللہ عنہ	
(۶۴) عمیر بن رئاب سہمی رضی اللہ عنہ	
(۶۵) محمیۃ بن جزء رضی اللہ عنہ	
(۶۶) معمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ	
(۶۷) عروۃ بن عبدالعزیٰ رضی اللہ عنہ	
(۶۸) عدی بن نضلہ رضی اللہ عنہ	

عورتیں	مرد
	(۶۹) نعمان بن عدی رضی اللہ عنہ یعنی عدی بن نضلہ کے بیٹے
	(۷۰) عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ
(۱۵) مع بیوی ام کلثوم بنت سہیل رضی اللہ عنہا	(۷۱) ابو سبرۃ بن ابی رہم رضی اللہ عنہ
	(۷۲) عبداللہ بن مخرمہ رضی اللہ عنہ
	(۷۳) عبداللہ بن سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ
	(۷۴) سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ
(۱۶) مع بیوی سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا	(۷۵) سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ یعنی سلیط کے بھائی
(۱۷) مع بیوی عمرہ بنت سعدی رضی اللہ عنہا	(۷۶) مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ
	(۷۷) ابو حاطب بن عمرو رضی اللہ عنہ
	(۷۸) سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ
	(۷۹) ابو عبیدۃ عامر بن الجراح رضی اللہ عنہ
	(۸۰) سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ
	(۸۱) عمرو بن ابی سرح رضی اللہ عنہ
	(۸۲) عیاض بن زہیر رضی اللہ عنہ
	(۸۳) عمرو بن الحارث بن زہیر رضی اللہ عنہ
	(۸۴) عثمان بن عبد غنم رضی اللہ عنہ
	(۸۵) سعد بن عبد قیس رضی اللہ عنہ
	(۸۶) حارث بن عبد قیس رضی اللہ عنہ

سیرۃ ابن ہشام ص ۱۱۱ ج ۱ تا ص ۱۱۴ ج ۱ (و عیون الاثر) ص ۱۱۶ ج ۱

ابن ہشام نے مہاجرین حبشہ کے اسمائے گرامی مع انساب و قبائل نہایت تفصیل سے

ذکر کیے ہیں اور حافظ ابن سید الناس نے عیون الاثر میں اختصار کے ساتھ ذکر کیے ہیں۔

عمار بن یاسر کے بارے میں علماء سیر کا اختلاف ہے کہ وہ مہاجرین حبشہ میں تھے یا نہیں، محمد بن اسحاق نے مہاجرین حبش میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا اسم مبارک بھی ذکر کیا ہے واقدی اور دیگر علماء اس کے منکر ہیں۔ بعض علماء نے یہاں تک کہہ دیا کہ محمد بن اسحاق جیسے امام پر اس کا مخفی رہنا نہایت مستبعد ہے حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ حقیقت حال یہ ہے کہ ابوموسیٰ اشعری یمن کے رہنے والے ہیں۔ ابتدائے بعثت میں مکہ مکرمہ حاضر ہوکر مشرف باسلام ہوتے اور پھر یمن واپس ہو گئے اور جب حضرت جعفر اور دیگر صحابہ کا ہجرت کر کے حبشہ آنا معلوم ہوا تو چونکہ حبشہ یمن سے قریب تھا اس لیے ابوموسیٰ یمن سے ہجرت فرما کر حبشہ چلے آئے اور وہیں مقیم رہے اور پھر حضرت جعفر کے ساتھ ۷ھ میں ہجرت کر کے مدینہ منورہ آگئے چونکہ ابوموسیٰ اشعری نے بھی حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ اگرچہ وہ ہجرت مکہ سے نہ تھی بلکہ یمن سے تھی اس لیے محمد بن اسحاق نے ابوموسیٰ اشعری کو بایں معنی مہاجرین حبشہ کی فہرست میں ذکر کر دیا کہ جن لوگوں نے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی اور خواہ وہ مکہ سے ہو یا یمن سے یا اور کسی مقام سے ان میں ابوموسیٰ اشعری بھی شامل ہیں ہاں اگر محمد بن اسحاق یہ فرماتے کہ ابوموسیٰ اشعری نے مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو بے شک قابل رشک انکار تھا (۱)

قریش نے جب یہ دیکھا کہ صحابہ کرام حبشہ میں جا کر مطمئن ہو گئے اور اطمینان کے ساتھ ارکان اسلام بجا لانے لگے۔ تو مشورہ کر کے عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو نجاشی اور اس کے تمام ندماء اور مقربین کے لیے تحائف اور ہدایا دیکر اپنا ہم خیال بنا لینا چنانچہ عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ یہ دونوں حبشہ پہنچے اوّل تمام ندماء اور مصاحبین کو نذریں پیش کیں اور یہ بیان کیا کہ ہمارے شہر کے چند سفیہ اور نادان اپنا آبائی دین چھوڑ کر

(۱) زاد المعاد۔ ج: ۲، ص: ۴۵، فتح الباری ج: ۷، ص: ۱۴۳

تمہارے شہر میں پناہ گزیں ہوتے ہیں۔ انہوں نے اپنا آبائی دین چھوڑ کر تمہارا دین بھی اختیار نہیں کیا یعنی عیسائی بھی نہیں ہو گئے بلکہ ایک نیا دین اختیار کیا ہے جس سے نہ ہم اور نہ آپ کوئی بھی واقف نہیں۔ ہماری قوم کے اشراف اور سربرآوردہ لوگوں نے ہم کو بادشاہ کی خدمت میں اس لیے بھیجا ہے کہ یہ لوگ ہمارے حوالے کر دیئے جائیں۔ آپ حضرات بادشاہ سے سفارش کیجیے کہ ان لوگوں کو بغیر کسی مکالمہ اور گفتگو کے ہمارے سپرد کر دے۔ چنانچہ جب یہ لوگ باریاب ہوئے اور تحائف اور ہدایا کی نذر پیش کر کے اپنے مدعا کو پیش کیا تو مقربین اور مصاحبین نے پوری تائید کی۔ عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو یہ بہت شاق اور گراں تھا کہ شاہ حبشہ صحابہ کرام کو بلا کر ان سے کچھ دریافت کرے یا ان کی کسی بات کو سنے۔

ناظرین خوب سمجھ سکتے ہیں کہ شاہ حبشہ کا صحابہ سے کسی کا سوال یا گفتگو کرنا کیوں شاق اور گراں تھا اور یہ کیوں چاہتے تھے کہ بادشاہ بغیر کسی مکالمے اور گفتگو کے ان لوگوں کو ہمارے سپرد کر دے۔ وجہ ظاہر ہے وہ یہ کہ خوب سمجھتے تھے کہ حق ان لوگوں کی زبان سے نکلا۔ اور اُدھر دل میں اترا۔ غرض یہ کہ ان لوگوں نے بادشاہ کے سامنے اپنا مدعا پیش کیا اور درباریوں نے پوری تائید کی کہ یہ لوگ اس وفد کے حوالے کر دیئے جائیں جس چیز کا اندیشہ تھا وہی سامنے آئی نجاشی کو غصہ آگیا اور صاف کہہ دیا کہ میں بغیر دریافت حال اور بدون گفتگو کے تمہارے حوالے نہیں کر سکتا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ جو لوگ اپنا وطن چھوڑ کر میرے قلمرو میں آٹھہرے ہیں ان کو بغیر کسی تحقیق اور تفتیش کے ان کے مخالفوں کے حوالے کر دوں اور ایک آدمی صحابہ کے بلانے کے لیے روانہ کیا۔ قاصد صحابہ کے پاس پہنچا اور بادشاہ کا پیام پہونچایا۔ اس وقت صحابہ میں سے کسی نے یہ کہا کہ دربار میں پہونچکر کیا کہو گے (یعنی بادشاہ تو عیسائی ہے اور ہم مسلمان ہیں بہت سے عقائد میں اس کے خلاف ہیں) صحابہ نے کہا کہ ہم دربار میں وہی کہیں گے جو ہمارے نبی نے ہم کو سکھایا اور بتایا ہے جو کچھ بھی ہو اس سے سر مو تجاوز نہ کریں گے دربار میں پہونچے اور صرف سلام پر اکتفا کیا۔ بادشاہ کو سجدہ کسی نے نہ کیا۔ شاہی مقربین کو مسلمانوں

کا یہ طرز عمل بہت گراں گذرا چنانچہ اسی وقت ندماء اور مصاحبین مسلمانوں سے سوال کر بیٹھے کہ آپ لوگوں نے شاہ ذی جاہ کو سجدہ کیوں نہیں کیا اور ایک روایت میں ہے بادشاہ نے خود بھی سوال کیا کہ تم نے سجدہ کیوں نہیں کیا۔ جعفرؓ نے کہا ہم سوائے اللہ کے کسی کو سجدہ نہیں کرتے اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ایک رسول بھیجا اُس نے ہم کو یہی حکم دیا ہے کہ اللہ عزوجل کے سوا کسی کو سجدہ نہ کریں۔ مسلمانوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اسی طرح سلام کرتے ہیں اور آپس میں بھی ایک دوسرے کو اسی طرح سلام کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خبر دی ہے کہ اہل جنت بھی اسی طرح ایک دوسرے کو سلام کریں گے۔ رہا سجدہ تو اللہ کی پناہ کہ ہم سوائے خدا کے کسی کو سجدہ کریں اور تم کو اللہ کے برابر گردانیں نجاشی نے صحابہ سے مخاطب ہو کر دریافت کیا کہ عیسائیت اور بت پرستی کے سوا وہ کون سا دین ہے جو تم نے اِختیار کیا ہے۔ صحابہ کی جماعت میں سے حضرت جعفرؓ بادشاہ کے جواب کے لیے اُٹھے۔

دربارِ نجاشی میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی تقریر دل پذیر اور نجاشی پر اس کا اثر

ایہا الملک اے بادشاہ۔ ہم سب جاہل اور نادان تھے۔ بتوں کو پوجتے اور مردار کو کھاتے تھے قسم قسم کی بے حیائیوں میں مبتلا تھے۔ قرابتوں کو قطع کرتے پڑوسیوں کے ساتھ بدسلوکی کرتے۔ ہم میں جو زبردست ہوتا وہ یہ چاہتا کہ کمزور کو کھا جائے۔ اسی حالت میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنا فضل فرمایا ہم میں سے اپنا ایک پیغمبر بھیجا جس کے حسب و نسب اور صدق اور امانت اور پاکدامنی اور عفت کو ہم خوب پہچانتے ہیں اس نے ہم کو اللہ کی طرف بلایا کہ ہم اس کو ایک مانیں اور ایک جانیں اور ایک سمجھیں صرف اسی کی عبادت اور بندگی کریں اور جن بتوں اور پتھروں کی ہم اور ہمارے آباؤ اجداد پرستش

کرتے تھے اُن سب کو یک لخت چھوڑ دیں۔ سچائی اور امانت اور صلہ رحمی اور پڑوسیوں سے حُسنِ سلوک اور خونریزی اور حرام باتوں سے بچنے کا حکم دیا اور تمام بے حیائیوں سے اور باطل اور ناحق کہنے سے اور یتیم کا مال کھانے سے اور کسی پاک دامن پر تہمت لگانے سے ہم کو منع کیا اور یہ حکم دیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں کسی کو اس کا شریک نہ کریں۔ نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور روزہ رکھیں غرض یہ کہ جان اور مال سے خدا کی راہ میں دریغ نہ کریں۔"

حضرت جعفر نے اس کے علاوہ اور بھی تعلیمات اسلام کا ذکر کر کے فرمایا پس ہم نے اُن کی تصدیق کی اور ان پر ایمان لائے اور جو کچھ وہ منجانب اللہ لے کر آئے اس کا اتباع اور پیروی کی۔ چنانچہ ہم صرف اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔ حلال چیزوں کو کرتے ہیں اور حرام چیزوں سے بچتے ہیں محض اس پر ہماری قوم نے ہم کو طرح طرح سے ستایا اور قسم قسم کی اذیتیں پہونچائیں تاکہ ہم ایک اللہ کی عبادت کو چھوڑ کر گذشتہ بے حیائیوں میں پھر مبتلا ہو جائیں جب ہم ان کے مظالم سے تنگ آ گئے اور اپنے دین پر چلنا اور ایک خدا کی عبادت اور بندگی کرنا دشوار ہو گیا تب ہم نے اپنا وطن چھوڑا اور اس امید پر کہ آپ ظلم نہ کریں گے۔ آپ کی ہمسائیگی کو سب پر ترجیح دی۔ نجاشی نے کہا کیا تم کو اُس کلام میں سے کچھ یاد ہے جو تمہارے پیغمبر اللہ کی طرف سے لائے ہیں۔ حضرت جعفر نے فرمایا ہاں نجاشی نے کہا اچھا اس میں سے کچھ پڑھ کر مجھ کو سناؤ۔ حضرت جعفرؓ نے سورہ مریم کا ابتدائی حصہ پڑھ کر سنایا۔ بادشاہ اور تمام درباریوں کے آنسو نکل آئے روتے روتے بادشاہ کی ڈاڑھی تر ہو گئی (معلوم ہوا کہ بادشاہ ڈاڑھی رکھتا تھا اور یہی تمام انبیاء کا طریق رہا۔ معاذ اللہ کسی پیغمبر نے کبھی ڈاڑھی نہیں منڈوائی۔ ڈاڑھی رکھنا خاص حضرات انبیاء و مرسلین کا طریق رہا۔ جب حضرت جعفرؓ تلاوت ختم فرما چکے تو نجاشی نے کہا یہ کلام اور وہ کلام جو عیسٰی علیہ السلام لیکر

عـــه دلائل ابی نعیم ص ۸۱ ج ۱ میں ہے۔ فقرا علیہم جعفر سورۃ مریم فلما سمعہا عرف انہ الحق حضرت جعفرؓ نے سورہ مریم کی تلاوت فرمائی نجاشی نے سنتے ہی پہچان لیا کہ یہ حق ہے اور حضرت جعفرؓ سے یہ کہا زدنا من ہٰذا الکلام الطیب

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

آئے دونوں ایک ہی شمع دان سے نکلے ہوتے ہیں اور قریش کے وفد سے صاف طور پر کہہ دیا کہ میں ان لوگوں کو ہرگز تمہارے سپرد نہ کروں گا اور نہ اس کا کوئی امکان ہے۔ جب عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ اس طرح بادشاہ کے دربار سے بے نیل ومرام باہر نکلے تو عمرو بن العاص نے کہا کہ میں کل بادشاہ کے سامنے ایسی بات کہوں گا جس سے وہ ان لوگوں کو بالکل نیست ونابود ہی کر دے گا۔ عبداللہ بن ابی ربیعہ نے کہا ایسا ہرگز نہ کرنا ان لوگوں سے ہماری قرابتیں ہیں یہ ہمارے عزیز اور رشتہ دار ہیں اگرچہ مذہباً ہمارے مخالف ہیں مگر عمرو بن العاص نے ایک نہ سنی۔ اگلا روز ہوا کہ عمرو بن العاص نے نجاشی سے کہا کہ اے بادشاہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں بہت ہی سخت بات کہتے ہیں۔ نجاشی نے صحابہ کو بلا بھیجا۔ اسوقت صحابہ کو بہت تشویش ہوئی۔ جماعت میں سے کسی نے کہا کہ بادشاہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا کہو گے۔ اس پر سب نے متفقہ طور پر کہا کہ خدا کی قسم ہم وہی کہیں گے جو اللہ نے اور اس کے رسول نے کہا ہے۔ جو کچھ بھی ہو ذرہ برابر اس کے خلاف نہ کہیں گے۔

دربار میں پہنچے نجاشی نے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر دریافت کیا کہ تم لوگ حضرۃ عیسےٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ حضرۃ جعفر نے فرمایا ہم ان کے بارے میں وہی کہتے ہیں جو ہمارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے اور خدا کی خاص روح اور خدا کا خاص کلمہ تھے۔ نجاشی نے زمین پر سے ایک تنکا اٹھا کر یہ کہا۔ خدا کی قسم مسلمانوں نے جو کہا ہے عیسیٰ علیہ السلام اس سے ایک تنکے کی مقدار بھی زائد نہیں۔ اس پر درباریوں نے بہت ناک بھوں چڑھاتے

ل ے جعفر اس پاکیزہ کلام میں سے کچھ اور سناؤ حضرۃ جعفر نے ایک دوسری سورۃ پڑھ کر سنائی۔ نجاشی نے سنتے ہی کہا بے شک حق ہے۔ تم نے سچ کہا اور تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سچ کہا اور خدا کی قسم تم سب راست باز ہو سالتہ کے نام پر یہاں امن وامان کے ساتھ رہو۔ ۱۲

مگر نجاشی نے ذرہ برابر پرواہ نہ کی اور صاف کہہ دیا کہ تم کتنا ہی ناک بھوں چڑھاؤ مگر حقیقت یہی [1] ہے اور مسلمانوں سے کہا کہ تم امن سے رہو ایک سونے کا پہاڑ لے کر بھی تم کو ستانا پسند نہیں کرتا۔ اور حکم دیا کہ قریش کے تمام تحائف اور ہدایا واپس کر دیئے جائیں۔ مجھ کو ان کے نذرانوں کی، کوئی ضرورت نہیں۔ واللہ خدا نے میرا ملک اور میری سلطنت بغیر رشوت کے مجھ کو دلائی۔ لہٰذا میں تم سے رشوت لے کر ان لوگوں کو ہرگز تمہارے سپرد نہ کروں گا۔ دربار ختم ہوا اور مسلمان نہایت شاداں و فرحاں اور قریش کا وفد نہایت ذلت و ندامت کے ساتھ باہر نکلا۔ مسند احمد بن حنبل ص۲۰۱ ج۱ (حدیث جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب فی الہجرۃ) قال الحافظ الہیثمی رواہ احمد و رجالہ رجال الصحیح غیر محمد بن اسحاق وقد صرح بالسماع مجمع الزوائد ص۲۷ ج۶ سیرۃ ابن ہشام ص۱۱۵ ج۱

یہ تمام تفصیل مسند احمد اور سیرۃ ابن ہشام میں مذکور ہے صرف دربار میں صحابہ کے سجدہ نہ کرنے کا واقعہ عیون الاثر ص۱۱۸ ج۱ میں اجمالاً اور دلائل ابی نعیم ص۸۱ ج۱ میں تفصیلاً مذکور ہے اور مجمع الزوائد باب الہجرۃ الی الحبشہ میں متعدد روایتیں اسی مضمون کی صراحۃً موجود ہیں ص۲۳ ج۶ سے ص۳۴ ج۶ تک مراجعت کریں۔ زہری فرماتے ہیں کہ میں نے ام سلمہ کی یہ مفصل حدیث عروۃ بن الزبیر سے ذکر کی تو عروہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے یہ کہا کہ تم کو معلوم بھی ہے کہ نجاشی کے اس قول کا کہ اللہ نے مجھ کو بغیر رشوت کے میرا ملک مجھے واپس فرمایا کیا مطلب ہے میں نے کہا نہیں۔ عروہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مجھ سے بیان کیا کہ نجاشی کا باپ حبشہ کا بادشاہ تھا نجاشی کے سوا اس کا کوئی اور بیٹا نہ تھا۔ بادشاہ کے بھائی یعنی نجاشی کے چچا کے بارہ لڑکے تھے۔

---

[1] ابو موسیٰ اشعری کی روایت میں ہے کہ اس کے بعد نجاشی نے یہ کہا مرحبا بکم و بمن جئتم من عندہ اشہد انہ رسول اللہ وانہ الذی بشر بہ عیسیٰ ولولا انا فیہ من الملک لاتیتہ حتی اقبل نعلیہ مرحبا ہو تم کو اور اس کو بھی کہ جس کے پاس سے تم آئے ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور تحقیق وہی پیغمبر ہیں جن کی حضرت عیسیٰ نے بشارت دی ہے اور اگر یہ سلطنت کا کام نہ ہوتا تو ضرور آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ کے جوتوں کو بوسہ دیتا اور مسلمانوں سے کہہ دیا کہ جب تک چاہو میری زمین میں رہو اور کھانے اور کپڑے کا بھی ہمارے لیے حکم دیا۔ رواہ الطبرانی ورجالہ رجال الصحیح مجمع الزوائد ص۳۱ ج۶ باب الہجرۃ الی الحبشہ

ایک مرتبہ اہل حبشہ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ نجاشی تو اپنے باپ کا ایک ہی بیٹا ہے اور بادشاہ کا بھائی کثیر الاولاد ہے اس لیے بادشاہ کو قتل کر کے بادشاہ کے بھائی یعنی نجاشی کے چچا کو بادشاہ بنا لینا چاہیے تاکہ زمانۂ دراز تک اسی خاندان میں بادشاہت کا سلسلہ قائم رہے۔ چنانچہ بادشاہ کو قتل کر کے بادشاہ کے بھائی کو بادشاہ بنا لیا اور نجاشی اپنے چچا کی تربیت میں آ گیا۔ نجاشی نہایت ہوشیار اور سمجھدار تھا۔ اسی وجہ سے چچا کی نظر میں جو نجاشی کی وقعت تھی وہ کسی کی نہ تھی نوبت یہاں تک پہنچی کہ بادشاہ کے ہر کام میں نجاشی ہی دخیل نظر آنے لگا۔ اہل حبشہ کو اس کی ہوشیاری سے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں اپنے باپ کا انتقام نہ لے اس لیے بادشاہ سے درخواست کی کہ اس کو قتل کرا دے۔ بادشاہ نے کہا کہ کل تو تم نے اس کے باپ کو قتل کیا اور آج اس کے بیٹے کو قتل کرنا چاہتے ہو مجھ سے یہ ناممکن ہے بہت سے بہت یہ ہو سکتا ہے کہ میں اس کو یہاں سے علیحدہ کر دوں۔ لوگوں نے اس کو منظور کیا اور نجاشی کو بادشاہ سے لیکر ایک تاجر کے ہاتھ چھ سو درہم میں فروخت کر ڈالا۔ تاجر نجاشی کو لے کر روانہ ہوا۔ شام ہی کو یہ واقعہ پیش آیا کہ بادشاہ پر بجلی گری۔ بادشاہ پر بجلی گرتے ہی مر گیا۔ اب لوگوں میں ہلچل پڑی کہ کس کو بادشاہ بنائیں بارہ بیٹوں میں سے کوئی بھی تخت نشینی کے قابل نظر نہ آیا۔ بارہ کے بارہ اوّل سے آخر تک سب احمق اور نادان تھے۔ اس وقت لوگوں کی یہ رائے ہوئی کہ اگر اپنے ملک کی فلاح و بہبود چاہتے ہو تو نجاشی کو واپس لا کر تخت نشین کر دو۔ لوگ نجاشی کی خاطر اس تاجر کی تلاش میں ہر طرف دوڑ گئے۔ اس تاجر سے نجاشی کو واپس لا کر تخت نشین کیا۔ تخت نشینی کے بعد وہ تاجر آیا اور زرِ ثمن کا مطالبہ کیا۔ نجاشی نے اس کے چھ سو درہم واپس دیے۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نجاشی کا قریش کے وفد کو مخاطب بنا کر یہ کہنا کہ اللہ نے بغیر رشوت کے میرا ملک واپس کیا۔ اس واقعہ کی طرف اشارہ تھا (۱) نجاشی کے اس اعلان کے بعد مہاجرین اطمینان کے ساتھ حبش میں مقیم رہے۔

(۱) البدایۃ والنہایۃ ج: ۳۔ ص: ۷۵

جب رسول اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو اکثر لوگ تو خبر سنتے ہی حبشہ سے مدینہ واپس آگئے جن میں چوبیس آدمی غزوۂ بدر میں شریک ہوئے باقی ماندہ لوگ حضرت جعفرؓ کی معیت میں ۷ھ فتح خیبر کے وقت حبشہ سے مدینہ منورہ پہونچے (عیون الاثر) (فتح الباری باب ہجرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ الی المدینۃ۔

وفدِ قریش سے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے تین سوال

عروۃ بن الزبیر راوی ہیں کہ حضرت جعفرؓ نے نجاشی سے کہا کہ میں ان لوگوں سے کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں آپ ان سے جواب طلب فرمائیں۔

(۱) کیا ہم کسی کے غلام ہیں جو اپنے آقاؤں سے بھاگ کر آئے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو بیشک ہم لائق واپسی ہیں۔

نجاشی نے عمرو بن العاص سے مخاطب ہو کر کہا کیا یہ لوگ کسی کے غلام ہیں۔ عمرو بن العاص نے کہا بَلْ اَحْرَارٌ کِرَامٌ۔ غلام نہیں بلکہ آزاد اور شریف ہیں۔

(۲) حضرت جعفرؓ نے نجاشی سے کہا آپ ان سے یہ بھی دریافت کریں کہ کیا ہم کسی کا خون کر کے آئے ہیں۔ اگر ہم کسی کا ناحق خون کر کے آئے ہیں تو آپ بلا تامل ہم کو اولیاء مقتول کے حوالے کر دیجئے۔

نجاشی نے عمرو بن العاص سے مخاطب ہو کر کہا۔

هل اهرقوا دما بغير حقه کیا یہ لوگ کوئی ناحق خون کر کے آئے ہیں۔

عمرو بن العاص نے کہا

لا قطرة من دم۔ خون کا ایک قطرہ بھی نہیں۔

(۳) حضرت جعفرؓ نے نجاشی سے کہا آپ ان سے یہ بھی دریافت کریں کیا ہم کسی کا کچھ مال لیکر بھاگے ہیں اگر بالفرض ہم کسی کا مال لے کر آئے ہیں تو میں اس کو ادا کرنے کے لیے تیار ہیں

نجاشی نے عمرو بن العاص سے مخاطب ہو کر کہا۔ اگر یہ لوگ کسی کا مال لے کر آئے ہیں تو میں اس کا کفیل اور ضامن اور اس کے تاوان کا ذمہ دار ہوں۔

عمرو بن العاص نے کہا:۔

ولا قیراط	یہ لوگ کسی کا ایک قیراط یعنی ایک پیسہ بھی لیکر نہیں آئے۔

نجاشی نے وفد قریش سے مخاطب ہو کر کہا پھر کس چیز کا مطالبہ ہے

عمرو بن العاص نے کہا ہم اور یہ ایک دین پر تھے ہم اسی دین پر قائم رہے اور ان لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا اور ایک نیا دین اختیار کر لیا۔

نجاشی نے صحابہ سے مخاطب ہو کر کہا جس دین کو تم نے چھوڑا اور جس دین کو تم نے اختیار کیا وہ کیا دین ہے۔

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔

اما الذی کنا علیہ فدین الشیطان وامر	جس دین پر ہم پہلے قائم تھے وہ شیطان کا دین تھا
الشیطان نکفر باللہ ونعبد الحجارۃ و	اور شیطان کا حکم تھا وہ دین یہ تھا کہ ہم اللہ کے
اما الذی نحن علیہ فدین اللہ	منکر تھے پتھروں کی عبادت کرتے تھے اور اب
عزوجل نخبرك ان اللہ بعث	جس دین پر قائم ہیں وہ اللہ جل شانہٗ کا دین ہے
الینا رسولا کما بعث الی الذین	اللہ نے ہماری طرف ایک رسول بھیجا جیسا کہ ہم
من قبلنا فاتانا بالصدق والبرو	سے پہلی امتوں کی طرف نبی اور رسول بھیجے پس
نہانا عن عبادۃ الاوثان فصدقناہ	وہ رسول سچائی اور نیکی کو لیکر آئے اور ہم کو بتوں
وامنابہ واتبعناہ۔ فلما فعلنا	کی پرستش سے منع کیا ہم نے ان کی تصدیق کی
ذلك عادانا قومنا و	اور ان پر ایمان لائے ان کے پیرو ہو گئے اس پر
ارادوا قتل النبی الصادق	ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی اور اس سچے نبی کے
وردونا فی عبادۃ الاوثان ففررنا	قتل پر تل گئی اور یہ ارادہ کر لیا کہ ہم کو پھر سے بت پرستی

الیك مبدینا و دمائنا ولوا فرمنا قومنا لاستقرنا فذلك خبرنا۔
میں لوٹا دیں۔ پس ہم اپنا ایمان اور اپنی جان لے کر آپ کی طرف بھاگ کر آئے اگر ہماری قوم ہم کو وطن میں رہنے دیتی تو ہم نہ نکلتے یہ ہے ہمارا قصہ (۱)

حضرت جعفر اور ان کے رفقاء نے جب حبشہ سے مدینہ منورہ کا قصد کیا تو نجاشی نے سب کا سفر خرچ اور زاد راہ دیا اور مزید برآں کچھ ہدایا اور تحائف بھی دیئے اور ایک قاصد ہمراہ کیا اور یہ کہا کہ میں نے جو کچھ تمہارے ساتھ کیا ہے اس کی اطلاع آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دینا کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں اور آپ سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ میرے لیے استغفار یعنی دعاء مغفرت فرمائیں۔

حضرت جعفرؓ فرماتے ہیں کہ ہم حبشہ سے روانہ ہوئے اور آپؐ کی خدمت میں پہنچے آپ نے مجھ کو گلے لگا لیا اور فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ میں فتح خیبر سے زیادہ مسرور ہوں یا جعفر کے آنے سے پھر آپ بیٹھ گئے نجاشی کے قاصد نے کھڑے ہو کر عرض کیا (یا رسول اللہؐ) یہ جعفر آپ کے سامنے موجود ہیں آپ ان سے دریافت فرمالیں کہ ہمارے بادشاہ نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے۔ حضرت جعفر نے کہا بے شک نجاشی نے ہمارے ساتھ ایسا اور ایسا معاملہ کیا۔ یہاں تک چلتے وقت ہم کو سواری دی اور توشہ دیا اور ہماری امداد کی اور گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کی بھی گواہی دی کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور آپ سے یہ درخواست کی ہے کہ آپ میرے لیے دعائے مغفرت فرمائیں آپؐ اسی وقت اٹھے اور وضو کیا اور تین بار یہ دعا فرمائی

اللّٰھم اغفر للنجاشی ——— اے اللہ تو نجاشی کی مغفرت فرما۔

(۱) دلائل ابی نعیم۔ ج: ۱، ص: ۸۰

اور سب مسلمانوں نے آمین کہا۔ حضرت جعفر کہتے ہیں میں نے قاصد سے کہہ دیا کہ جب تم واپس جاؤ تو جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تم نے دیکھا ہے وہ جا کر بادشاہ سے بیان کر دینا۔ رواہ الطبرانی من طریق اسد بن عمرو عن مجالد وکلاھما ضعیف وقد وثقا (مجمع الزوائد ص۳۰ ج۶ باب الہجرۃ الی الحبشۃ) ۱۲۔

اسلام عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ۶ھ نبوی

حضرت عمر کے اسلام کا اصلی اور حقیقی سبب تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے۔

ہیچ عاشق خود نباشد وصل جو　　　که ز معشوقش بود جویائے او
میل معشوقاں نہانست وستیر　　　میل عاشق با دو صد طبل و نفیر

اوّل آپ نے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ یعنی در پردہ ابوجہل اور عمر الخطاب میں سے جو تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہو اسی سے اسلام کو عزت دے (رواہ احمد والترمذی قال حدیث حسن صحیح) ابن عساکرؒ فرماتے ہیں بعد ازاں بذریعہ وحی آپ پر منکشف ہوا کہ ابوجہل اسلام نہ لائے گا تو اس وقت آپ نے خاص حضرت عمر کے لیے یہ دعا فرمائی۔

اللھم اید الاسلام بعمر بن الخطاب خاصۃً۔　　　اے اللہ خاص عمر بن الخطاب سے اسلام کو قوت دے۔

یہ حدیث سنن ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں مذکور ہے حاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ حافظ ذہبیؒ نے بھی حاکم کی موافقت فرمائی۔

غرض یہ کہ حضرت عمر کے اسلام کا اصلی اور حقیقی سبب تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے جاذبانہ ہے۔ باقی سبب ظاہری یہ ہے کہ جو حضرت عمر سے منقول ہے۔ وھو ھذا۔

حضرت عمر فرماتے ہیں کہ میں ابتدا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت مخالف اور دین

۱؎ حضرت عمر حبشہ کی ہجرت اولیٰ کے بعد اور ہجرت ثانیہ سے قبل ۶ھ میں مشرف باسلام ہوئے اور بعض لکھتے ہیں کہ ۵ھ میں اسلام لائے۔ زرقانی ص۲۷۲ ج۱۔ اسلام فاروق رضؓ - ۱۲

اسلام سے سخت متنفر اور بیزار تھا۔

بُدُ عمر را نام ایں جابت پرست　　لیک مومن بود نامش در الست

ابوجہل نے یہ اعلان کیا کہ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر ڈالے اس کے لیے میں سو اونٹ کا کفیل اور ضامن ہوں۔ عمر کہتے ہیں کہ میں نے بالشافہ ابوجہل سے دریافت کیا کہ تمہاری جانب سے کیا یہ کفالت اور ضمانت صحیح ہے۔ ابوجہل نے کہا ہاں۔ عمر کہتے ہیں کہ میں آپ کے قتل کے ارادہ سے تلوار لے کر روانہ ہوا۔ راستہ میں ایک بچھڑا نظر پڑا جسے لوگ ذبح کرنے کا ارادہ کر رہے تھے میں بھی دیکھنے کے لیے کھڑا ہو گیا۔ یکایک دیکھتا کیا ہوں کہ کوئی پکارنے والا بچھڑے کے پیٹ میں سے پکار کر یہ کہہ رہا ہے۔

یا اٰلَ ذَرِیْح ۔ اَمْرٌ نَجِیْح ۔ رَجُلٌ	اے آل ذریح ایک کامیاب امر ہے ایک
یَصِیْحُ بلسانٍ فصیحٍ یدعوالی شہادۃ	مرد ہے جو فصیح زبان کے ساتھ چیخ رہا ہے
ان لا الٰہ الا اللّٰہ وان محمدا رسول اللّٰہ	لوگوں کو شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمد
ــــــــــــــــ	رسول اللہ کی طرف بلا رہا ہے۔

حضرت عمر فرماتے ہیں کہ یہ آواز سنتے ہی معاً میرے دل میں یہ خیال آیا کہ مجھ کو ہی یہ آواز دی جا رہی ہے اور میں ہی اس آواز کا مخاطب ہوں (رواہ ابونعیم عن طلحہ وعائشہ عن عمر (۱) اور بچھڑے میں سے آواز سنائی دینے کا واقعہ صحیح بخاری میں بھی مذکور ہے (صحیح بخاری باب اسلام عمرؓ)

لیکن عمر پھر بھی اپنے ارادہ سے باز نہ آئے اور آگے بڑھے۔ کچھ قدم چل کر نعیم بن عبداللہ نحام ملے اور پوچھا کہ اے عمر اس دوپہر میں کس ارادہ سے جا رہے ہو عمر نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ ہے۔ نعیم نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر کے بنی ہاشم اور بنی زہرہ سے کس طرح بچ سکو گے۔ عمر نے کہا میں گمان کرتا ہوں

(۱) فتح الباری ج: ۷، ص: ۱۳۸

کہ تو بھی صابی (بد دین) ہو گیا ہے اور اپنا آبائی مذہب چھوڑ بیٹھا ہے نعیم نے کہا آپ مجھ سے کیا کہتے ہیں آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کی بہن فاطمہ بنت خطاب اور آپ کے بہنوئی سعید بن زید دونوں صابی ہو چکے ہیں اور تمہارا دین چھوڑ کر اسلام قبول کر چکے ہیں۔

عمر یہ سنتے ہی غصہ میں بھرے ہوئے بہن کے گھر پہنچے۔ حضرت خباب جو اُن کی بہن اور بہنوئی کو تعلیم دے رہے تھے وہ حضرت عمر کی آہٹ سنتے ہی چھپ گئے عمر گھر میں داخل ہوئے اور بہن اور بہنوئی سے کہا شاید تم دونوں صابی ہو گئے ہو۔ بہنوئی نے کہا اے عمر اگر تمہارا دین حق نہ ہو بلکہ اس کے سوا کوئی دوسرا دین حق ہو تو بتلاؤ کیا کرنا چاہیے۔ بہنوئی کا یہ جواب دینا تھا کہ عمر ان پر پل پڑے بہن شوہر کے چھڑانے کے لیے آئیں تو ان کو اس قدر مارا کہ چہرہ خون آلود ہو گیا۔ اس وقت بہن نے یہ کہا اے خطاب کے بیٹے تجھ سے جو کچھ ہو سکتا ہے وہ کر لے ہم تو مسلمان ہو چکے ہیں۔ اے اللہ کے دشمن تو ہم کو محض اس لیے مارتا ہے کہ ہم اللہ کو ایک مانتے ہیں۔ خوب سمجھ لے کہ ہم اسلام لا چکے ہیں اگرچہ تیری ناک خون آلود ہو۔

حضرت عمر یہ سن کر کچھ شرمائے اور کہا کہ اچھا وہ کتاب جو تم پڑھ رہے تھے مجھ کو بتلاؤ۔ یہ سنتے ہی حضرت خباب جو مکان کے کسی گوشہ میں چھپے ہوئے تھے فوراً باہر نکل آئے۔ بہن نے کہا:۔

انک رجس وانه لا یمسه	تو ناپاک ہے اور قرآن پاک کو پاک ہی
الا المطھرون فقم فتوضأ	لوگ چھو سکتے ہیں جاؤ وضو کر کے آؤ

عمر اٹھے اور وضو یا غسل[1] کیا اور صحیفۂ مطہرہ کو ہاتھ میں لیا جس میں سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی پڑھنا شروع کیا یہاں تک کہ اس آیت پر پہنچے۔

---

[1] اشارۃ الی اختلاف الروایات فی ذلک

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ۔ (۱)

میں ہی معبود برحق ہوں میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ پس میری ہی عبادت کرو اور نماز کو میری یاد کے لیے قائم کر

بے ساختہ بول اٹھے ما احسن ھٰذا الکلام و اکرمہ کیا ہی اچھا اور بزرگ کلام ہے۔

حضرت خباب نے عمر سے یہ سن کر کہا کہ اے عمر تم کو بشارت ہو۔ میں امید کرتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا تمہارے حق میں قبول ہوئی۔ عمر نے کہا اے خباب مجھے آپؐ کے پاس لے چلو۔

حضرت خباب عمر کو ساتھ لے کر دار ارقم کی طرف چلے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام جمع ہوا کرتے تھے۔ دروازہ بند تھا۔ دستک دی اور اندر آنے کی اجازت چاہی یہ معلوم کر کے کہ عمر اندر آنا چاہتے ہیں کوئی شخص دروازہ کھولنے کی جرأت نہ کرتا تھا حضرت حمزہؓ نے فرمایا کہ دروازہ کھول دو اور آنے دو اگر اللہ نے عمر کے ساتھ خیر اور بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے تو اللہ اسکو ہدایت دے گا اور اسلام لے آئے گا اور اللہ کے رسول کا اتباع کرے گا ورنہ تم اللہ کے حکم سے اس کے شر سے محفوظ اور مامون ہوگے اور بحمد اللہ عمر کا قتل کر دینا ہم پر کچھ دشوار نہیں اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت حمزہؓ نے فرمایا کہ اگر عمر خیر کے ارادہ سے آرہا ہے تو ہم بھی اس کے ساتھ خیر کا معاملہ کریں گے اور اگر شر کے ارادہ سے آرہا ہے تو اسی کی تلوار سے اسے قتل کریں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دروازہ کھولنے کی اجازت دی۔ دروازہ کھول دیا گیا اور دو شخصوں نے میرے دونوں بازو پکڑے اور آپکے سامنے لاکر مجھ کو کھڑا کیا آپنے ان سے فرمایا کہ چھوڑ دو اور میرا کرتہ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور کہا اے خطاب کے بیٹے اسلام لا اور یہ دُعا فرمائی۔

اللّٰھم اھدہ۔ اے اللہ اس کو ہدایت دے۔

---

(۱) طٰہٰ - آیۃ : ۱۴

اور ایک روایت میں ہے کہ یہ فرمایا۔

اللّٰھم ھذا عمر بن الخطّاب　　اے اللہ یہ عمر بن الخطاب حاضر ہے اے اللہ

اللّٰھم اعز الدّین بعمر بن الخطّاب　　اس سے اپنے دین کو عزت دے۔

اور عمر سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اے عمر کیا تو اس وقت تک باز نہ آئے گا جب تک خدائے عز وجل تجھ پر کوئی رسوا کن عذاب نازل نہ فرمائے۔

عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ اسی لیے حاضر ہوں کہ ایمان لاؤں اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جو کچھ اللہ کے پاس سے نازل ہوا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ (۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرط مسرت سے بآواز بلند تکبیر کہی جس سے تمام اہل دار نے پہچان لیا کہ مسلمان ہو گئے۔ یہ تمام تفصیل سیرۃ ابن ہشام اور عیون الاثر میں مذکور ہے۔

علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر کے اسلام کا یہ مفصل واقعہ مسند بزار اور معجم طبرانی اور دارقطنی میں حضرت انسؓ سے اور دلائل بیہقی میں ابن عباسؓ سے اور دلائل ابی نعیم میں حضرت طلحہ اور حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ (۱)

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب عمر مسلمان ہوئے تو جبریل امین نازل ہوئے اور یہ فرمایا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمام اہل آسمان حضرت عمر کے اسلام سے مسرور اور خوش ہوئے (رواہ ابن ماجہ والحاکم وصححہ۔ وقال الذہبی فیہ عبداللہ بن خراش ضعفہ الدارقطنی (۲)

حضرت عمر اسلام لائے اور اسی وقت سے دین کی عزت اور اسلام کا ظہور اور غلبہ شروع ہو گیا۔ علی الاعلان حرم میں نماز پڑھنے لگے۔ علانیہ طور پر اسلام کی دعوت و تبلیغ شروع ہو گئی۔ اسی روز سے حق اور باطل کا فرق واضح اور ظاہر ہوا اور رسول اللہ

---

(۱) زرقانی۔ ج: ۱، ص: ۲۷۶۔ (۲) عیون الاثر۔ ج: ۱، ص ۱۲۶،
طبقات ابن سعد۔ ج: ۳، ص: ۱۹۳

صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام فاروق رکھا۔ (۱)

چوں عمر شیدائے آں معشوق شد حق و باطل راچو دل فاروق شد

زاں نشد فاروق راز ہر بے گزند کہ بداں تریاق فاروقیش قند

حضرت عمر جب اسلام لے آئے تو یہ خیال پیدا ہوا کہ اپنے اسلام کی ایسے شخص کو اطلاع دوں کہ جو بات کے مشہور کرنے میں خوب ماہر ہو تاکہ سب کو میرے اسلام کی اطلاع ہو جائے چنانچہ میں جمیل بن معمر کے پاس گیا جو اس بات میں مشہور تھا اور کہا اے جمیل تجھ کو معلوم بھی ہے کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں داخل ہو گیا ہوں۔ جمیل یہ بات سنتے ہی اسی حالت میں اپنی چادر کھینچتا ہوا مسجد حرام کی طرف بھاگا۔ جہاں سرداران قریش جمع تھے وہاں پہنچ کر بآواز بلند یہ کہا۔ اے لوگو عمر صابی ہو گیا ہے۔ عمر فرماتے ہیں میں بھی پیچھے پیچھے پہنچا اور کہا کہ یہ غلط کہتا ہے میں صابی نہیں ہوا میں تو اسلام لایا ہوں اور یہ گواہی دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ یہ سننا تھا کہ لوگ عمر پر ٹوٹ پڑے اور مارنا شروع کیا اسی میں دن چڑھ گیا۔ اتفاق سے عاص بن وائل سہمی ادھر آنکلے۔ عاص نے دریافت کیا کہ کیا واقعہ ہے لوگوں نے کہا عمر صابی ہو گیا ہے۔ عاص نے کہا تو پھر کیا ہوا۔ ایک شخص نے اپنے لیے ایک امر (دین) کو اختیار کر لیا ہے یعنی پھر تم کیوں مزاحم ہوتے ہو کیا تمہارا گمان ہے کہ بنی عدی اپنے آدمی (یعنی حضرت عمر) کو یوں ہی چھوڑ دیں گے جاؤ میں نے عمر کو پناہ دی ہے۔ عاص کا پناہ دینا تھا کہ تمام مجمع منتشر ہو گیا۔ ابن ہشام صـ ۱۲۱ وقال ابن کثیر ہذا اسناد جید قوی۔ کما فی البدایۃ والنہایۃ صـ ۸۲ ج ۳ اور عاص بن وائل کی پناہ دینے کا واقعہ مختصراً صحیح بخاری میں بھی ہے فتح الباری صـ ۱۳۵ ج ۷ باب اسلام عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۲)

---

(۱) طبقات ابن سعد - ج : ۳ ، ص : ۱۹۴

(۲) فتح الباری ج : ۷ ، ص : ۱۳۵

مقاطعہ بنی ہاشم اور صحیفۂ ظالمہ کی کتابت غرّہ محرم الحرام سنہ ۷ نبوی

جب قریش کی سفارت حبشہ سے ناکام واپسی ہوئی اور یہ معلوم ہوا کہ نجاشی نے حضرت جعفر اور ان کے ساتھیوں کا بہت اکرام کیا۔ ادھر حضرت حمزہ اور حضرت عمر اسلام لے آئے جس سے کافروں کا زور ٹوٹ گیا ادھر یہ کہ روز بروز مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور کوئی حربہ دین حق کے دبانے میں کارگر نہیں ہوتا تب تمام قبائل قریش نے متفقہ طور پر ایک تحریری معاہدہ لکھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور بنی ہاشم اور ان کے تمام حامیوں سے یک لخت تمام تعلقات قطع کر دیئے جائیں کہ نہ کوئی شخص بنی ہاشم سے نکاح کرے اور نہ ان سے میل جول رکھے جب تک کہ بنو ہاشم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کے لیے ہمارے حوالے نہ کر دیں۔

اور اسی مضمون کی ایک تحریر لکھ کر اندرونِ کعبہ آویزاں کر دی گئی۔ منصور بن عکرمہ جس نے اس ظالمانہ اور سفاکانہ معاہدہ کو لکھا اس کو تو اسی وقت من جانب اللہ اس کی سزا مل گئی کہ اس کی انگلیاں شل ہو گئیں اور ہمیشہ کے لیے ہاتھ کتابت سے بیکار ہو گیا ابوطالب نے مجبور ہو کر مع خاندان کے شعب ابی طالب میں پناہ لی بنو ہاشم اور بنو المطلب مؤمن اور کافر سبھی نے آپ کا ساتھ دیا مسلمانوں نے دین کی وجہ سے دیا اور کافروں نے خاندانی اور نسبی تعلق کی وجہ سے بنو ہاشم میں سے صرف ابولہب قریش کا شریک رہا۔ تین سال مسلسل اسی حصار میں سخت تکلیف کے ساتھ گذارے یہاں تک کہ بھوک سے بچوں کے بلبلانے کی آواز باہر سے سنائی دینے لگی۔ سنگدل سُن سُن کر خوش ہوتے لیکن جو ان میں سے رحم دل تھے ان کو ناگوار گذرا اور رصاف کہا کہ تم کو نظر نہیں آتا کہ منصور بن عکرمہ پر کیا

۱؎ کہا جاتا ہے کہ اس حصار کی ابتدا سنہ ۷ نبوی محرم میں ہوئی۔ فتح الباری ص ۱۴۷ ج ۷۔

آفت آئی (۱)

اس حصار میں مسلمانوں نے کیکر کے پتے کھا کر زندگی بسر کی۔ سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ میں بھوکا تھا۔ اتفاق سے شب میں میرا پیر کسی تر چیز پر پڑا فوراً زبان پر رکھ کر نگل گیا اب تک معلوم نہیں کہ وہ کیا شے تھی۔ سعد بن ابی وقاص اپنا ایک اور واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ شب کو پیشاب کے لیے نکلا راستہ میں ایک اونٹ کی کھال کا سوکھا ہوا چمڑا ہاتھ لگا۔ پانی سے دھو کر اس کو جلایا اور کوٹ چھان کر اس کا سفوف بنایا اور پانی سے اس کو پی لیا تین راتیں اسی سہارے پر بسر کیں۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ جب کوئی تجارتی قافلہ مکہ آتا تو ابولہب اٹھتا اور یہ اعلان کرتا پھرتا کہ کوئی تاجر اصحاب محمد کو کوئی چیز عام نرخوں پر نہ فروخت کرے بلکہ ان سے اضعافاً مضاعفہ قیمت لے اور اگر کوئی نقصان یا خسارہ ہو تو میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ صحابہ خریدنے کے لیے آتے مگر نرخ کی گرانی کا یہ عالم دیکھ کر خالی ہاتھ واپس ہو جاتے۔ الغرض ایک طرف اپنی تہیدستی اور دشمنوں کی یہ چیرہ دستی تھی اور دوسری طرف بچوں کا بھوک سے تڑپنا اور بلبلانا تھا (۲)

بعض لوگوں کا اپنے عزیزوں کی اس تکلیف کو دیکھ کر دل دکھتا تھا پوشیدہ طور پر ان کے کچھ کھانے پینے کا سامان بھیجتے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ حکیم بن حزام اپنی پھوپھی حضرت خدیجہؓ کے لیے غلام کو ہمراہ لیکر کچھ غلہ لے جا رہے تھے۔ جاتے ہوئے ابوجہل نے دیکھ لیا اور کہا کیا تم بنو ہاشم کے لیے غلہ لیے جاتے ہو۔ میں تم کو ہرگز غلہ نہ لے جانے دوں گا اور سب میں تم کو رسوا کروں گا۔

اتفاق سے ابوالبختری سامنے سے آگیا۔ واقعہ معلوم کر کے ابوجہل سے کہنے لگا ایک شخص

---

(۱) طبقات ابن سعد۔ ج: ۱، ص: ۱۳۹، عیون الاثر، سیرۃ ابن ہشام ج۔ ۱، ص: ۱۲۲۔ زاد المعاد۔ ج: ۲، ص: ۲۶، فتح الباری ج: ۷، ص: ۱۴۶ (۲) روض الانف۔ ج: ۱، ص: ۲۲۲۔
بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

اپنی پھوپھی کے لیے غلہ بھیجتا ہے تم اس میں کیوں مزاحمت کرتے ہو۔ ابوجہل کو غصہ آ گیا اور سخت سُست کہنے لگا۔ ابوالبختری نے اونٹ کی ہڈی اٹھا کر ابوجہل کے سر پر اس زور سے ماری کہ سر زخمی ہو گیا۔ مار کھانے سے زیادہ ابوجہل کو اس کی تکلیف پہنچی کہ حضرت حمزہؓ کھڑے ہوئے شعب ابی طالب میں یہ واقعہ دیکھ رہے تھے (سیرۃ ابن ہشام ص ۱۲۳ ج ۱)۔

انہیں تکلیف اور مصائب کی بنا پر بعض رحم دلوں کو اس عہد کو توڑنے کا خیال پیدا ہوا۔ سب سے پہلے ہشام بن عمرو[۲] کو خیال آیا کہ افسوس ہم تو کھائیں پئیں اور ہمارے خویش و اقارب دانہ دانہ سے ترسیں اور فاقے پر فاقے کھینچیں۔ جب رات ہوتی تو ایک اونٹ غلہ کا شعب ابی طالب میں لے جا کر چھوڑ دیتے۔

ایک روز ہشام بن عمرو یہی خیال لے کر زہیر بن امیہ کے پاس گئے۔ جو عبدالمطلب کے نواسے اور عاتکہ بنت عبدالمطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کے بیٹے تھے۔ جا کر یہ کہا اے زہیر کیا تم کو یہ پسند ہے کہ تم جو چاہو کھاؤ اور پہنو اور نکاح کرو اور تمہارے ماموں ایک ایک دانہ کو ترسیں۔ خدا کی قسم اگر ابوجہل کے ماموں اور ننھیال کے لوگ اس حال میں ہوتے تو ابوجہل ہرگز ہرگز ایسے عہد نامہ کی پروا نہ کرتا۔ زہیرؓ[۳] نے کہا افسوس میں تنہا ہوں۔ تنہا کیا کر سکتا ہوں۔ کاش ایک ہم خیال اور مل جائے تو پھر میں اس کام کیلئے کھڑا ہوں۔

ہشام بن عمرو وہاں سے اٹھے اور مطعم بن عدی کے پاس گئے اور ان کو ہم خیال بنایا مطعم نے بھی

حاشیہ گزشتہ صفحہ [۱] حکیم ابن حزام زمانہ جاہلیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست تھے بعثت کے بعد بھی آپ سے محبت رکھتے تھے فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے۔ احسان اور صلہ رحمی آپ کا فطری اور جبلی امر تھا۔ حکیمؓ نے جب دارالندوہ کو حضرت معاویہؓ کے ہاتھ ایک لاکھ درہم میں فروخت کیا تو عبداللہ بن زبیر نے ملامت کی تو حکیم نے جواب دیا اے میرے بھتیجے میں نے اس کے عوض جنت میں ایک مکان خرید لیا ہے اور وہ ایک لاکھ درہم کل کے کل فقراء پر تقسیم کرا دیئے۔ حکیم نے ایک سو بیس سال کی عمر میں ۵۴ھ یا ۵۸ھ میں وفات پائی ۱۲ اصابہ ص ۳۴۹ ج ۱ ۱۲ [۲] ہشام بن عمرو ربیعہ فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے اصابہ ص ۳ ج ۳ ۱۲ [۳] زہیر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے۔ اصابہ ص ۵۵۲ ج ۱ ۱۲

یہی کہا کہ ایک آدمی اور اپنا ہم خیال بنالینا چاہیے۔

ہشام وہاں سے روانہ ہوئے اور ابو البختری اور بعد ازاں زمعۃ بن الاسود کو اپنا ہم خیال بنایا۔

جب یہ پانچ آدمی اس عہد کے توڑنے پر آمادہ ہوگئے تو سب نے ایک زبان ہو کر یہ کہا کہ کل جب سب جمع ہوں اس وقت اس کا ذکر اٹھایا جائے۔ زہیر نے کہا ابتداء میں کروں گا۔ صبح ہوئی اور لوگ مسجد میں جمع ہوئے۔ زہیر اُٹھے اور کہا اے اہل مکہ بڑے افسوس اور غیرت کی بات ہے کہ ہم تو کھائیں اور پئیں اور پہنیں اور نکاح اور بیاہ کریں اور بنو ہاشم فاقہ سے مریں۔ خدا کی قسم جب تک یہ صحیفۂ قاطعہ اور ظالمہ چاک نہ کیا جائے گا میں اس وقت تک نہ بیٹھوں گا۔ ابوجہل نے کہا خدا کا یہ عہد نامہ کبھی نہیں پھاڑا جا سکتا۔

زمعۃ بن الاسود نے کہا خدا کی قسم ضرور پھاڑا جائے گا جس وقت یہ عہد نامہ لکھا گیا تھا ہم اسی وقت راضی نہ تھے۔ ابو البختری نے کہا کہ زمعہ سچ کہتا ہے ہم بھی راضی نہ تھے۔ مطعم نے کہا بے شک یہ دونوں سچ کہتے ہیں۔ ہشام بن عمرو نے پھر اس کی تائید کی ابوجہل مجلس کا یہ رنگ دیکھ کر حیران رہ گیا اور یہ کہا کہ یہ تو رات کا طے کیا ہوا معاملہ معلوم ہوتا ہے (۱)

اسی اثناء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب کو یہ خبر دی کہ اس عہد نامہ کو باستثناء اسماء الٰہی کیڑوں نے کھا لیا ہے اور باسمک اللّٰھم کے علاوہ جو بطور عنوان ہر تحریر کے شروع میں لکھا جاتا تھا تمام حروف کو کیڑے چاٹ گئے ہیں۔

ابو طالب نے یہ واقعہ قریش کے سامنے بیان کیا اور کہا میرے بھتیجے نے آج ایسی خبر دی ہے اور میرے بھتیجے نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور نہ ان کی کوئی بات آج تک غلط ثابت ہوئی۔ آؤ بس اسی پر فیصلہ ہے اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خبر صحیح اور سچ نکلے تو تم اس جور و ستم سے باز آؤ اور اگر غلط نکلے تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تمہارے حوالے کرنے کے لیے بالکل تیار

---

(۱) تاریخ طبری ج ۲، ص: ۲۲۸، سیرۃ ابن ہشام ج ۱، ص: ۱۳۰۔

ہوں چاہے تم ان کو قتل کرنا اور چاہے زندہ چھوڑنا۔ لوگوں نے کہا اے ابو طالب آپ نے بیشک انصاف کی بات کہی اور اسی وقت عہد نامہ منگایا گیا۔ دیکھا تو واقعی سوائے خدا کے نام کے تمام حروف کو کیڑوں نے کھالیا تھا۔ دیکھتے ہی ندامت اور شرمندگی سے سب کی گردنیں جھک گئیں۔ اس طرح اس ظالمانہ عہد نامہ کا خاتمہ ہوا سنہ نبوی میں ابو طالب اور آپ کے تمام رفقاء اُس درّہ سے باہر آئے۔ بعد ازاں ابو طالب حرم میں پہنچے اور بیت اللہ کا پردہ پکڑ کر ابو طالب اور ان کے رفقاء نے یہ دعا مانگی اے اللہ جن لوگوں نے ہم پر ظلم کیا اور ہماری قرابتوں کو قطع کیا اور ہماری آبروؤں کو حلال سمجھا ان سے ہمارا بدلہ اور انتقام لے۔

یہ روایت طبقات ابن سعد میں ابن عباس اور عاصم بن عمر بن قتادہ اور ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث اور عثمان بن ابی سلیمان اور عکرمہ اور محمد بن علی سے مروی ہے طبقات ابن سعد ص ۱۳۹ ج ۱ تا ص ۱۴۱ و تاریخ طبری ص ۲۲۹ ج ۲۔

ابو طالب نے اس بارے میں ایک قصیدہ بھی پڑھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

الم یأتکم ان الصحیفۃ مُزِّقَتْ … وان کل ما لم یرضہ اللہ یفسدُ

کیا تم کو خبر نہیں کہ وہ عہد نامہ چاک کیا گیا اور جو چیز خدا کے نزدیک ناپسند ہوتی ہے وہ اسی طرح سے خراب اور برباد ہوتی ہے۔ خصائص کبریٰ ص ۱۵۱ ج ۱

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اسی عرصہ میں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور بنو ہاشم شعب ابی طالب میں محصور تھے۔ ابو طالب نے وہ قصیدہ لامیہ لکھا کہ جو مشہور ہے۔ کذا فی البدایۃ والنہایۃ ص ۵۳ ج ۳

اس طرح تین سال کی مسلسل مصیبت کا خاتمہ ہوا اور سنہ نبوی میں یعنی ہجرت سے تین سال بیشتر شعب ابی طالب سے باہر نکلے۔ فتح الباری ص ۱۴۴ ج ۷ باب تقاسم المشرکین علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

ہجرت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اسی عرصہ[1] میں کہ جب بنو ہاشم شعب ابی طالب میں محصور تھے ابوبکرؓ حبشہ کی ہجرت کی

---

[1] فتح الباری ص ۱۸۱ ج ۸ و کذا فی البدایۃ والنہایۃ ص ۹۵

کی نیت سے نکلے تاکہ مہاجرین حبشہ سے جا ملیں) جب مقام برک الغماد پر پہنچے تو قبیلۂ قارہ کے سردار ابن الدغنہ سے ملاقات ہوئی۔

ابن الدغنہ نے پوچھا اے ابوبکر کہاں کا قصد ہے۔ ابوبکر نے کہا میری قوم نے مجھ کو نکال دیا ہے یہ چاہتا ہوں کہ خدا کی زمین میں سیاحت کروں اور اپنے رب کی عبادت کروں۔

ابن الدغنہ نے کہا اے ابوبکر تم جیسا آدمی نہ نکلتا ہے اور نہ نکالا جاتا ہے تم ناداروں کے لیے سامان مہیا کرتے ہو۔ صلہ رحمی کرتے ہو لوگوں کے بوجھ (قرضہ و ناوان) اٹھاتے ہو مہمان نواز ہو۔ حق کے معین اور مددگار ہو۔ میں تم کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔ تم لوٹ جاؤ۔ سرداران قریش کی موجودگی میں بیت اللہ کا طواف کیا اور سرداران قریش سے مخاطب ہو کر کہا کہ ابوبکر جیسا آدمی نہیں نکلتا اور نہیں نکالا جاتا کیا ایسے شخص کو نکالتے ہو جو ناداروں کے لیے سامان مہیا کرتا ہے اور صلہ رحمی کرتا ہے لوگوں کے بوجھ اٹھاتا ہے۔ مہمان نواز ہے۔ حق کا معین اور مددگار ہے۔ میں نے ان کو پناہ دی ہے۔

قریش نے ابن الدغنہ کی پناہ کو تسلیم کیا اور یہ کہا کہ آپ ابوبکر سے یہ کہہ دیں کہ اپنے گھر میں خدا کی عبادت کریں نمازیں پڑھیں قرآن کی تلاوت کریں لیکن اعلان نہ کریں۔ علانیہ طور پر نماز نہ پڑھیں۔ باآواز بلند قرآن کی تلاوت نہ کریں اس سے ہمیں تکلیف ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں ہم کو یہ اندیشہ ہے کہ ہماری عورتیں اور بچے کہیں اسلام پر مفتون نہ ہو جائیں۔ ابن الدغنہ ابوبکر سے یہ کہہ کر لوٹ گئے۔ ابوبکر صرف اپنے گھر میں خدا کی عبادت کرنے لگے۔ بعد چندے ابوبکر نے اپنے مکان کے صحن میں ایک مسجد بنالی کہ اس میں نماز پڑھتے اور قرآن تلاوت کرتے۔

قریش کے بچے اور عورتیں ٹوٹے پڑتے اور تعجب سے لگاتار ٹکٹکی باندھے ہوئے ابوبکر کو دیکھتے رہتے جس کو دیکھتے اس کی نظر کا منتہی اور غایت ابوبکر تھے ابوبکر خدا کے خوف سے

---

[1] بین القوسین عبارت روایت کا جزء نہیں یہ تشریحی جملہ ہے جو فتح الباری سے لیا گیا ہے۔

فتح الباری صفحہ ۱۸۰ ج ۷ و زرقانی صفحہ ۲۸۸ ج ۱ - (۱) بخاری شریف : ج ۱، ص: ۳۲۷، ص : ۵۵۲

فتح الباری ج : ۷، ص: ۸۱

بہت رونے والے مرد تھے مگر باوجود مرد ہونے کے تلاوت قرآن کے وقت اپنی آنکھوں کے مالک نہیں رہتے تھے ہزار کوشش بھی کریں تو اپنی آنکھوں کو تھام نہیں سکتے تھے۔ (اسی وجہ سے سامعین سننے والے اپنے دلوں کے مالک نہیں رہتے تھے ہزار کوشش بھی کریں مگر ابوبکر کی تلاوت کے وقت دلوں کو تھام نہیں سکتے تھے۔)

سرداران قریش نے جب یہ حال دیکھا تو گھبرا گئے اور فوراً ہی ابن الدغنہ کو بلا بھیجا اور ابن الدغنہ سے یہ شکایت کی ہم نے ابوبکر کو آپ کے کہنے سے اس شرط پر پناہ دی تھی کہ وہ اپنے گھر میں مخفی اور پوشیدہ طور پر خدا کی عبادت اور بندگی کریں۔ علانیہ طور پر خدا کی عبادت اور بندگی نہ کریں اور علانیہ طور پر نماز اور قرآن نہ پڑھیں۔ اب ابوبکر نے خلاف شرط علی الاعلان نماز اور قرآن پڑھنا شروع کر دیا ہے جس سے ہم کو اپنے بچوں اور عورتوں کے بگڑ جانے (یا سنور جانے) کا اندیشہ ہے آپ ابوبکر سے کہہ دیجیے کہ اپنی شرط پر قائم رہیں یا آپ کے امان اور پناہ کو واپس کر دیں ہم آپ کی پناہ کو توڑنا نہیں چاہتے۔ ابوبکر نے کہا کہ میں تمہارے امان اور پناہ کو واپس کرتا ہوں اور صرف اللہ عزوجل کے امان اور پناہ پر راضی ہوں۔ (۱)

فائدہ جلیلہ:

ابن الدغنہ نے ابوبکرؓ کے جو اوصاف بیان کیے ہیں وہ بعینہ وہ اوصاف ہیں کہ جو حضرت خدیجہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شمار کیے تھے (جیسا کہ بعثت نبوی کے بیان میں گذر چکے ہیں) جس سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فضل و کمال اور مقام صدیقیت کا مقام نبوت سے قرب اور اتصال کا پتہ چلتا ہے۔

عارفین محققین کے نزدیک مقام صدیقیت اور مقام نبوت کے مابین کوئی اور مقام

---

(۱) بخاری کے لفظ یہ ہیں یعجبون منہ وھو ینظرون الیہ کلام عرب میں کلمۂ الی انتہاء غایت کے لیے آتا ہے ہم نے اس عبارت میں کلمۂ الی کے ترجمہ اور مدلول کی طرف اشارہ کیا ہے۔

نہیں مقام صدیقیت کی نہایت مقام نبوت کی بدایت سے جا کر ملتی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عام الحزن والملال

ابوطالب اور خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا انتقال

شعب ابی طالب سے نکلنے کے چند روز ہی بعد ماہ رمضان یا شوال سنہ ۱۰ نبوی میں ابوطالب نے انتقال کیا اور پھر تین یا پانچ دن بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے انتقال کیا (۱)

مسند احمد اور بخاری اور مسلم اور نسائی میں ہے کہ جب ابوطالب مرنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پاس آئے ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بھی وہاں موجود تھے آپ نے فرمایا اے چچا تم ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ کہہ لو تاکہ خدا کے سامنے تمہاری شفاعت اور سفارش کے لیے مجھ کو ایک حجت اور دلیل مل جائے۔

ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ نے کہا اے ابوطالب کیا تم عبدالمطلب کی ملت کو چھوڑتے ہو۔ ابوطالب نے لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا اور آخری کلمہ جو ان کی زبان سے نکلا وہ یہ تھا علی ملۃ عبدالمطلب یعنی عبدالمطلب کے دین پر ہوں۔

ابوطالب تو یہ کہہ کر مر گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ میں برابر ابوطالب کے لیے استغفار یعنی دعائے مغفرت کرتا رہوں گا۔ جب تک خدا کی طرف سے میں منع نہ کیا جاؤں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ	پیغمبر اور مسلمانوں کے لیے جائز نہیں کہ مشرکین
يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا	کے لیے دعا مغفرت کریں اگرچہ ان کے
اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ	رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جبکہ یہ ظاہر ہو گیا کہ

(۱) زرقانی۔ ج: ۱، ص: ۲۹۱، ۲۹۶۔

لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ (توبہ، ۱۱۳) — یہ لوگ دوزخی ہیں یعنی کفر پر مرے ہیں۔

اور یہ آیت بھی نازل ہوئی۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (قصص، ۵۶) — آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

حضرت عباسؓ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ اپنے چچا کے کیا کام آتے وہ آپ کے حامی اور مددگار تھے۔ آپ نے فرمایا وہ ٹخنوں تک آگ میں ہے۔ اگر میں شفاعت نہ کرتا تو جہنم کی تہ میں ہوتے (بخاری شریف باب قصۃ ابی طالب)

۱؎ علامہ سہیلی روض الانف صہ میں اور حافظ ابن سید الناس عیون الاثر صہ ۱۲۳ ج ۱ میں اور حافظ عسقلانی فتح الباری ج ۸ ص ۱۴۸ میں فرماتے ہیں کہ حضرت عباسؓ کا یہ سوال اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ روایت جو ایمان ابی طالب کے بارے میں حضرت عباس کی طرف منسوب ہے، وہ صحیح نہیں وہ روایت یہ ہے کہ مرتے وقت ابو طالب کے ہونٹ ہل رہے تھے حضرت عباس نے کان لگا کر سنا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا آپ نے جس کلمہ کے لیے کہا تھا ابو طالب نے وہی کلمہ کہا ہے آپ نے فرمایا میں نے نہیں سنا اھ۔ اس لیے کہ اگر حضرت عباس نے ابو طالب کو کلمہ شہادت کہتے سنا تھا تو پھر اس سوال کے کیا معنی اور بالفرض اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو آیات قرآنیہ اور بخاری و مسلم اور دیگر کتب صحاح کی مشہور او معروف احادیث اور روایات مستندہ کے مقابلہ میں حجت نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ وہ روایت ضعیف اور منقطع بھی ہو علامہ شبلی ابن اسحاق کی اس ضعیف اور منقطع روایت سے بخاری اور مسلم اور صحاح ستہ کی تمام روایات صحیحہ کو رد کر کے ابو طالب کا ایمان ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ علامہ کے نزدیک ایوان کسریٰ کے زلزلہ کی روایت اس لیے ناقابل اعتبار تھی کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم بلکہ صحاح ستہ میں کہیں اس کا پتہ نہیں تھا ایوان کسریٰ کی حدیث کا اگر صحاح ستہ میں کہیں پتہ نہیں تھا تو صحاح ستہ میں اس کے خلاف بھی کوئی ایک حرف نہ تھا اور ابن اسحاق کی اس روایت کے خلاف صحاح ستہ میں صحیح اور صریح روایتیں موجود ہیں۔ نیز علامہ کی تحقیق یہ ہے کہ محمد بن اسحاق اس لیے مجروح ہیں کہ وہ یہود اور نصاریٰ سے روایت کرتے تھے اور ان کو ثقہ سمجھتے تھے پس معلوم کہ ایسے شخص کی روایت سے صحیحین اور صحاح ستہ کی روایات کو رد کرنے کے لیے علامہ کیسے آمادہ ہوگئے نیز ایمان ابو طالب کے بارے میں جس قدر بھی روایتیں ہیں تقریباً کل کی کل وہ ایسے ہی حضرات سے مروی ہیں کہ جو معاذ اللہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بھی کفر کے راوی ہیں۔ حافظ عسقلانی نے اصابہ ص ۱۱۵ ج ۴ ذکر ابی طالب میں اس پر مفصل کلام کیا ہے حضرات اہل علم اصابہ کے علاوہ البدایۃ والنہایہ ص ۱۲۲ ج ۳ تا ص ۱۲۶ ج ۳ کی اور زرقانی شرح مواہب ص ۲۹۱ ج ۱ کی بھی مراجعت کریں۔

نکتہ: علامہ سہیلیؒ فرماتے ہیں۔ ابوطالب سر سے پیر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت وحمایت میں غرق تھے۔ صرف قدم بجائے اسلام کے ملت عبدالمطلب پر تھے اس لیے عذاب قدموں پر مسلط کیا گیا۔ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ جب ابوطالب مرگئے تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یارسول اللہ آپ کا گمراہ چچا مرگیا۔ آپ نے فرمایا جاؤ دفن کرآؤ میں نے عرض کیا کہ وہ تو مشرک مرا ہے آپ نے فرمایا کہ ہاں دفن کرآؤ۔ یہ حدیث ابوداؤد اور نسائی میں ہے۔ (۱) حافظ عسقلانی اصابہ میں فرماتے ہیں کہ ابن خزیمہ نے اس حدیث کو صحیح بتلایا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت علیؓ ابوطالب کے دفن سے فارغ ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ اِغْتَسِلْ غسل کرلو۔ اسی بنا پر فقہاء اور علماء کا یہ قول ہے کہ کافر ومشرک کی تجہیز وتکفین کے بعد غسل کرنا مستحب ہے جیسا کہ اور احادیث میں بھی آیا ہے۔

حافظ توربشتیؒ فرماتے ہیں کہ اسی حدیث سے ائمہ مجتہدین اور خصوصاً امام ابوحنیفہ اور امام شافعیؒ نے دفن کافر کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ نیز اس مسئلہ پر استدلال کیا ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا اس لیے کہ ابوطالب کے چار بیٹے تھے۔ طالبؔ۔ عقیلؔ۔ جعفرؓ۔ علیؓ ابوطالب کی میراث فقط طالب اور عقیل کو ملی۔ جو باپ کے طریقہ پر تھے اور علی اور جعفر کو نہیں ملی کہ یہ دونوں مسلمان تھے۔ کذا فی المعتمد فی المعتقد۔

---

(۱) فتح الباری ج: ۷، ۱۴۸

(۲) عیون الاثر۔ ج: ۱، ص: ۱۳۲

تنبیہ : اہل سنت والجماعت[۱] کا متفقہ عقیدہ یہی ہے کہ ابوطالب کفر ہی پر مرے جیسا کہ آیات اور احادیث سے واضح ہو چکا ہے۔ حافظ تورپشتی لکھتے ہیں کہ ابوطالب کا کفر حد تواتر کو پہنچ چکا ہے اور علماء سلف اور ائمہ دین کا یہی مسلک ہے۔ روافض کا یہ مسلک ہے۔ کہ ابوطالب ایمان پر مرے اور ابوبکر کفر پر مرے جاننا چاہیے کہ ایمان کے لیے محبت اور جان نثاری کافی نہیں نبوت و رسالت کی تصدیق و شہادت کے بغیر مؤمن نہیں ہو سکتا۔ فافہم ذالک واستقم۔

دعوت اسلام کے لیے طائف کا سفر

ابوطالب کے بعد آپ کا کوئی حامی اور مددگار نہ رہا اور حضرت خدیجہؓ کے رخصت ہو جانے سے کوئی تسلی دینے والا اور غمگسار نہ رہا اس لیے آپ نے قریش مکہ کی چیرہ دستیوں سے مجبور ہو کر اخیر شوال سنہ ۱۰ نبوی میں طائف کا قصد فرمایا کہ شاید یہ لوگ اللہ کی ہدایت کو قبول کریں اور اس کے دین کے حامی اور مددگار ہوں۔ زید بن حارثہؓ کو ہمراہ لیکر طائف تشریف لے گئے عبدیالیل۔ مسعود۔ حبیب ان تینوں بھائیوں پر جو وہاں کے سرداروں میں سے تھے اسلام پیش کیا۔ بجائے اس کے کہ کلمۂ حق کو سنتے نہایت سختی سے آپ کو جواب دے دیا ایک نے کہا کیا خدا نے کعبہ کا پردہ چاک کرنے کے لیے تجھ کو نبی بنا کر بھیجا ہے ایک نے کہا کیا خدا کو اپنی پیغمبری کے لیے تمہارے سوا اور کوئی نہیں ملا۔ ایک نے کہا خدا کی قسم میں تم سے ہی کلام نہ کروں گا۔ اگر واقع میں اللہ نے تجھ کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے تو تیرے کلام کا رد کرنا سخت خطرناک ہے (مگر اس نادان نے یہ نہ سمجھا کہ اللہ کے پیغمبر کے ساتھ استہزاء اور

---

[۱] اہل سنت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے لہٰذا علامہ شبلی کا سیرۃ النبی صفحہ ۱۸۱ جلد ۱ التقطیع کلاں میں یہ لکھنا کہ ابوطالب کے اسلام کے متعلق اختلاف ہے محض تلبیس ہے اور دھوکہ ہے۔ اہل سنت میں ان کے کفر کے متعلق کوئی اختلاف نہیں البتہ روافض ابوطالب کے ایمان کے قائل ہیں اور ظاہر ہے کہ روافض کا اختلاف قابل اعتبار نہیں جو فرقہ ابوبکر و عمر کو بلکہ کل صحابہ کو کافر و منافق سمجھتا ہو اس کا اختلاف کب قابل اعتبار و التفات ہو سکتا ہے۔ ۱۲۔

تمسخر کرنا اس سے بھی زیادہ سخت ہے) اور اگر تم اللہ کے رسول نہیں تو پھر قابل خطاب
اور لائق التفات نہیں اور بعد ازاں اوباش اور بازاری لڑکوں کو اکسا دیا کہ وہ آپ پر
پتھر برسائیں اور آپ کی ہنسی اڑائیں۔ ظالموں نے اس قدر پتھر برسائے کہ آپ
زخمی ہو گئے۔ جب آپ زخموں کی تکلیف سے بیٹھ جاتے تو یہ بدنصیب آپ کے
بازو پکڑ کر دوبارہ پتھر برسانے کے لیے کھڑا کر دیتے اور ہنستے

زید بن حارثہ جو اس سفر میں آپ کے ہمراہ تھے وہ آپ کو بچاتے اور یہ کوشش کرتے
کہ جو پتھر بھی آئے وہ بجائے آپ کے مجھ پر گرے۔ اسی میں زید بن حارثہ کا تمام سر زخمی ہو گیا اور
آپ کے پاؤں میں اس قدر زخمی ہو گئے کہ ان سے خون بہنے لگا۔

طائف سے واپسی میں عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کا باغ پڑتا تھا وہاں ایک درخت
کے سایہ میں دم لینے کے لیے آپ بیٹھ گئے اور یہ دعا مانگی۔

اللھم الیک اشکو ضعف قوتی	اے اللہ میں تجھ سے اپنی کمزوری اور تدبیر
وقلۃ حیلتی وھوانی علی الناس	کی کمی اور لوگوں کی بے توقیری کی شکایت کرتا
یا ارحم الراحمین انت رب المستضعفین	ہوں اے ارحم الراحمین تو کمزوروں کا خاص
الی من تکلنی الی عدو بعید	طور پر مربی اور مددگار ہے تو مجھے کس کے
یتجھمنی ام الی صدیق قریب	سپرد کرے گا کسی غضبناک اور ترش رو
ملکتہ امری ان لم تکن	دشمن کی طرف یا کسی دوست کی طرف
غضبانا علی فلا ابالی غیر ان	کہ جس کو تو میرے امور کا مالک بنائے۔ اگر
عافیتک اوسع لی اعوذ بنور	مجھ سے ناراض نہ ہو تو پھر مجھے کسی کی
وجھک الذی اشرقت لہ	بھی پروا نہیں مگر تیری عافیت اور
الظلمات وصلح علیہ امر	سلامتی میرے لیے باعث صد سہولت ہے
الدنیا والاخرۃ من تنزل	میں پناہ مانگتا ہوں۔ تیری بزرگ ذات کے

بِی غضبك او یحلّ	وسیلے سے جس سے تمام ظلمتیں منور ہوئیں اور
بی سخطك ولك العتبٰی	اسی نور سے دنیا اور آخرت کا کارخانہ چل رہا ہے
حتی ترضی ولا حول	میں اس سے پناہ مانگتا ہوں کہ تیرا غضب یا ناراضی مجھ پر
ولا قوۃ الا بك۔	اترے اور صل مقصود تجھ ہی کو منانا اور راضی کرنا ہے
(اخرجہ ابن اسحاق	بندہ میں کسی شر سے پھرنے اور خیر کے کرنے کی قدرت نہیں
والطبرانی)	مگر جتنی تیری بارگاہ سے عطا ہو جاتے۔

اجابت دُعا کے لیے تو نبوت و رسالت ہی کا وصف کافی تھا۔ کیونکہ ہر نبی مستجاب الدعوات ہوتا ہے لیکن اس وقت وصف نبوت کے علاوہ اضطرار و مظلومیت غربت اور مسافرت کا بھی اضافہ ہو گیا۔ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے اَمَّن یُّجِیبُ المضطرَّ اِذا دَعَاہُ ویکشف السُّوء

پھر یہ کہ مظلوم اور مسافر ہر ایک کے بارہ میں جداگانہ حدیث میں آیا ہے کہ مظلوم اور مسافر کی دعا بلاشبہ قبول ہوتی ہے۔

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن اجابت از در حق بہر استقبال می آید

پس ایسی ذات ستودہ صفات کی دعا کا کیا پوچھنا کہ جو نبی اور رسول بھی ہو مضطر بھی ہو مظلوم بھی ہو غریب اور مسافر بھی ہو۔ ایسی دعا کا زبان سے نکلنا تھا کہ اجابت[1] کے دروازے کھل گئے۔ وہی عتبہ اور شیبہ کہ جن کا دل اب تک پتھر سے زیادہ سخت تھا۔ آپ کی اس بے کسی اور مظلومیت کو باغ کے اندر بیٹھے دیکھ رہے تھے۔ دیکھ کچھ نرمائے اور خون قرابت اور رگ حمیت جوش میں آئی۔ اپنے عداس کو بلا کر کہا کہ ایک طبق میں انگور رکھ کر اس شخص کے پاس لے جاؤ اور ان سے کہو کہ اس میں سے تھوڑا بہت کچھ ضرور کھائیں۔ عداس نے آپ کے سامنے وہ طبق لا کر رکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کیا۔ عداس

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ آئندہ جو کچھ اسلام کو ترقی نصیب ہوئی اس کا مبدا یہی دُعا ہے۔ ۱۲

نے کہا خدا کی قسم اس شہر میں تو کوئی شخص بھی اس کلام کا کہنے والا نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عداس سے فرمایا کہ تم کس شہر کے باشندے ہو اور تمہارا دین اور مذہب کیا ہے عداس نے کہا میں شہر نینوی[1] کا باشندہ ہوں اور مذہباً نصرانی ہوں آپ نے فرمایا اسی نینوی کے جہاں اللہ کے نیک بندے یونس بن متّٰی رہتے تھے۔ عداس نے کہا آپ کو یونس بن متّٰی کا کیا علم؟

آپ نے فرمایا وہ میرے بھائی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔ عداس نے آپ کی پیشانی اور ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دیا اور یہ کہا اشهد[2] انك عبد الله ورسوله جب عداس آپ کے پاس سے واپس آیا تو عتبہ اور شیبہ نے کہا کہ تو اس شخص کے ہاتھ اور پیروں کو کیوں بوسہ دیتا تھا۔ یہ شخص کہیں تجھ کو تیرے دین سے نہ ہٹا دے۔ تیرا دین اس کے دین سے بہتر ہے ۱۲۔ (۳)

حکیم ابن حزامؓ سے مروی ہے کہ جب عتبہ اور شیبہ قریش مکہ کے ساتھ ہو کر جنگ بدر کے لیے تیار ہوئے تو عداس نے عتبہ اور شیبہ کے پیر پکڑ لیے اور یہ کہا اللہ کی قسم وہ اللہ کے رسول ہیں یہ لوگ اپنی مقتل کی طرف کھنچے جا رہے ہیں۔

عداسؓ بیٹھے رو رہے تھے کہ عاص بن شیبہ وہاں سے گذرا۔ عداسؓ سے پوچھا کیوں روتے ہو۔ عداس نے کہا اپنے ان دونوں سرداروں کی وجہ سے رو رہا ہوں یہ اس وقت اللہ کے رسول کے مقابلہ میں جا رہے ہیں۔ عاص بن شیبہ نے کہا واقع میں وہ اللہ کے رسول ہیں۔ عداسؓ نے کہا ہاں خدا کی قسم بلاشبہ تمام دنیا کی طرف اللہ کے رسول ہو کر آئے ہیں (۴)

---

[1] نینوی موصل کے علاقہ میں ایک شہر ہے زرقانی صفحہ ۲۹۹ ج ۱ ۱۲۔ [2] یہ تمام واقعہ ہم نے عیون الاثر سے نقل کیا ہے صرف اشهد انك عبد الله ورسوله عداس کی یہ شہادت حافظ عسقلانی نے بحوالۂ سیرۃ سلیمان تیمی اصابہ صفحہ ۲۶۶ ج ۲ ترجمہ عداس میں اس شہادت کا ذکر کیا ہے (۳) عیون الاثر ج ۱، ص: ۱۳۴۔ البدایۃ والنہایۃ ج ۳، ص ۱۳۵ (۴) اصابہ ج: ۲، ص: ۲۶۷۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک بار عرض کیا یارسول اللہ آپ پر کیا اُحُدُ سے بھی زیادہ سخت دن گذرا ہے۔ آپ نے فرمایا تیری قوم سے جو تکلیفیں پہنچی سو پہنچی لیکن سب سے زیادہ سخت وہ دن گذرا کہ جس دن میں نے اپنے آپ کو عبدیالیل کے بیٹے پر پیش کیا اس نے میری بات کو قبول نہیں کیا۔ میں وہاں سے نہایت غمگین اور رنجیدہ واپس ہوا۔ مقام قرن الثعالب میں پہنچ کر کچھ افاقہ ہوا۔ یکایک جو سر اٹھایا تو دیکھتا کیا ہوں کہ ایک ابر مجھ پر سایہ کیے ہوئے ہے اور اس میں جبریل امین موجود ہیں۔ جبریل نے وہیں سے مجھ کو آواز دی کہ آپ کی قوم نے آپ کو جو جواب دیا ہے وہ اللہ نے سن لیا ہے۔ اس وقت اللہ نے آپ کے پاس ملک الجبال (پہاڑوں کے فرشتہ) کو بھیجا ہے تاکہ آپ اس کو جو چاہیں وہ حکم دیں۔

اتنے میں ملک الجبال "پہاڑوں کے فرشتہ" نے مجھ کو آواز دی اور مجھ کو سلام کیا اور یہ کہا اے محمد اللہ نے مجھ کو آپ کے پاس بھیجا ہے میں ملک الجبال ہوں (پہاڑوں کا فرشتہ ہوں) تمام پہاڑ میرے تصرف میں ہیں۔ آپ جو چاہیں مجھ کو حکم دیں۔ اگر آپ حکم دیں تو ان دونوں پہاڑوں کو (جن کے مابین اہل مکہ اور اہل طائف رہتے ہیں) ملا دوں جس سے تمام لوگ پس جائیں۔

آپ نے فرمایا نہیں۔ میں اللہ سے امید کرتا ہوں کہ اللہ ان کی نسل میں ایسے لوگ پیدا کرے گا جو صرف اس وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔

یہ تمام روایت صحیح بخاری باب ذکر الملائکہ میں ہے صرف خط کشیدہ جملے معجم طبرانی کی روایت کا ترجمہ ہیں ۱۲-(۱)

ایک ضروری تنبیہ:

باوجود سخت سے سخت ایذاؤں کے اُس رحمتِ عالم، رأفتِ مجسم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) فتح الباری ج ۰۶ ص: ۲۲۵۔

وشرف وکرّم نے ان لوگوں کی ہلاکت اور بربادی کی اس لیے دعا نہیں مانگی کہ یہ لوگ اگرچہ ایمان نہیں لائے مگر ان کی نسل میں سے خدا کے مطیع اور فرمانبردار اور مخلصین اور جاں نثار پیدا ہوں گے۔

بخلاف سیدنا نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے (میری جان اور روح ان پر فدا ہو) جب ان کو یہ امید منقطع ہوگئی اور وحی الٰہی سے یہ معلوم کرادیا گیا کہ جن کو ایمان لانا تھا وہ ایمان لاچکے باقی ماندہ لوگ نہ خود ایمان لائیں گے اور نہ اُن کی اولاد میں سے کوئی خدا کا ماننے والا بندہ پیدا ہوگا۔ تب سیدنا نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن کی ہلاکت اور بربادی کی دعا فرمائی۔ کما قال تعالٰی۔

وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ (۱)

اور نوح کے پاس وحی بھیجی گئی کہ اب آپ کی قوم میں سے کوئی ایمان نہیں لائے گا، مگر جو پہلے لاچکا ہے پس آپ ان کے افعال کی وجہ سے غمگین نہ ہوں۔

اس کے بعد نوح علیہ السلام نے یہ دعا فرمائی:۔

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝ (۲)

اے پروردگار کافروں میں سے زمین پر ایک بسنے والا بھی نہ چھوڑ۔ اگر آپ ان کو چھوڑ دیں گے تو تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور سوائے کافر اور فاجر کے کسی کو نہیں جنیں گے۔

نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بذریعہ وحی کے معلوم ہوچکا تھا کہ نہ یہ ایمان لائیں گے اور نہ ان کی نسل میں سے ایمان لائے گا۔ آئندہ جو بھی پیدا ہوگا وہ کافر وفاجر اور خداوند ذوالجلال کا نافرمان ہی پیدا ہوگا۔ اس لیئے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ اب اپنے کسی منکر اور مکذب کو زمین پر باقی مت چھوڑ۔ یہ اگر زندہ رہیں گے تو بھی تیرے نافرمان ہوں گے اور ان کی ذریت اور اولاد بھی تیری نافرمان ہوگی۔ جب ایمان ہی سے ناامیدی ہوگئی تو اب شفقت ورحمت

کا کوئی محل ہی باقی نہ رہا۔ یہ کارخانۂ عالم بھی اسی وقت تک قائم ہے کہ جب تک کوئی اس خداوند ذوالجلال کا نام لیوا باقی ہے۔ جب زمین پر کوئی خداوند ذوالجلال کا نام لینے والا نہ رہے گا۔ اسی وقت یہ تمام کارخانہ درہم و برہم کر دیا جائے گا۔

طائف سے واپسی اور جنات کی حاضری

واپسی میں آپ نے چند روز مقام نخلہ میں قیام کیا۔ ایک رات آپ نماز پڑھ رہے تھے کہ نصیبین کے سات جن اس طرف سے گزرے اور کھڑے ہو کر آپ کا قرآن سنا اور چلے گئے آپ کو ان کی آمد کا بالکل علم نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ

اور اس وقت کو یاد کیجیے کہ جب ہم نے جنات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف بھیجا تا کہ آپ کا قرآن سنیں پس جب وہ حاضر ہو گئے تو آپس میں کہنے لگے کہ خاموش رہو یعنی اس کلام کو سنو پس جب قرآن پڑھا جا چکا یعنی آپ کی نماز ختم ہو گئی تو یہ لوگ اپنی قوم کی طرف واپس ہوئے تا کہ ان کو آگاہ کریں جا کر یہ بیان کیا ہم عجیب کتاب سن کر آئے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور حق اور راہ راست کی رہنمائی کرتی ہے۔ اے ہمارے بھائیو! اللہ کے داعی کی دعوت قبول کرو اور اس پر ایمان لاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں

اَوْلِيَآءُ اُولٰٓئِكَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ٥ (۱) (البداية والنهاية ص ۱۳۷ ج ۳) کو معاف کرے گا اور جو اللہ کے داعی کی دعوت کو قبول نہ کرے تو وہ روئے زمین میں چھوٹ کر کہیں نکل نہیں سکتا اور نہ اسکا کوئی حامی ہوگا ایسے لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔

جب مکہ کے قریب پہونچے تو زید بن حارثہؓ نے عرض کیا کہ مکہ میں کس طرح داخل ہوں گے۔ مکہ ہی والوں نے تو آپ کو نکالا ہے۔ آپ نے فرمایا اے زید اللہ تعالیٰ اس مصیبت سے رہائی کی کوئی صورت ضرور پیدا فرمائے گا اور اللہ ہی اپنے دین کا حامی اور مددگار ہے اور یقیناً وہ اپنے نبی کو سب پر غالب کرے گا۔ پھر آپ نے غار حرا پر پہنچ کر اخنس بن شریق کے پاس پیام بھیجا کہ کیا میں آپ کی پناہ میں مکہ آسکتا ہوں؟ اخنس نے کہا میں قریش کا حلیف ہوں اس لیے میں پناہ نہیں دے سکتا۔ بعد ازاں یہی پیام سہیل بن عمرو کے پاس بھیجا سہیل نے کہا کہ بنو عامر بنو کعب کے مقابلہ میں پناہ نہیں دے سکتے۔ بعد ازاں آپ نے مطعم بن عدی کے پاس یہ پیام بھیجا کہ کیا میں آپ کی پناہ میں مکہ آسکتا ہوں؟ مطعم نے آپ کی فرمائش قبول کی اپنے بیٹوں اور قوم کے لوگوں کو بلا کر حکم دیا کہ ہتھیار لگا کر حرم کے دروازے پر کھڑے رہیں۔ میں نے محمدؐ کو پناہ دی ہے اور خود بھی اونٹ پر سوار ہو کر حرم کے پاس آکر کھڑا ہوا اور پکار کر کہا اے گروہِ قریش! میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پناہ دی ہے کوئی ان سے تعرض نہ کرے۔

آپؐ حرم میں تشریف لائے اور حجر اسود کو بوسہ دیا اور طواف کر کے ایک دوگانا ادا فرمایا اور مکان واپس تشریف لے گئے۔ مطعم اور اس کے بیٹے آپؐ کو حلقہ میں لیے ہوئے تھے (۳)

---

(۱) سورہ احقاف: آیۃ: ۲۹-۳۴

(۲) اصل الفاظ یہ ہیں یا زید ان اللہ جاعل لما ترى فرجا و مخرجا و ان اللہ ناصر دينه و مظهر نبيه۔ طبقات ابن سعد ج ۱، ص: ۱۴۲ (۳) طبقات ابن سعد ج ۱، ص: ۱۴۲، زاد المعاد ج ۲، ص: ۴۷۔

مطعم کے اسی احسان کی بنا پر، بدر کے دن اسیرانِ بدر کی بابت آپ نے یہ ارشاد فرمایا۔

لو کان المطعم بن عدی	اگر آج مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور پھر مجھ سے
حیاً ثم کلمنی	ان گندوں کے بارے میں کچھ کلام کرتا تو میں
فی ھٰؤلاء النتنیٰ لترکتھم لہ	اس کی رعایت سے ان سب کو یک لخت
(عیون الاثر صفحہ ۱۳۶ ج ۱)	چھوڑ دیتا۔

اِسلام طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اسی عرصہ میں طفیل عمرو دوسی، مکہ آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصروفِ تبلیغ تھے طفیل شریف النسب ہونے کے علاوہ بہت بڑے شاعر اور بہت بڑے زیرک اور فہیم اور مہمان نواز تھے۔ قریش سے حلیفانہ تعلقات رکھتے تھے۔

جب آپ مکہ آئے تو قریش کے کچھ آدمی آپ کے پاس آئے اور یہ کہا کہ ہم میں ایک شخص ظاہر ہوا ہے جس نے تمام قوم میں تفرقہ ڈال دیا ہے اس کا کلام مثل سحر اور جادو کے ہے کہ باپ اور بیٹے اور بھائی بھائی اور میاں بیوی کے مابین جدائی ڈالتا ہے۔ آپ اس سے بچتے رہیں ہمیں اندیشہ ہے کہ آپ اور آپ کی قوم کہیں اس مصیبت میں مبتلا نہ ہو جائے۔ جہاں تک ممکن ہو آپ اس کی کوئی بات نہ سنیں۔ قریش نے انکو اس قدر ڈرایا کہ انھوں نے اپنے کانوں میں کپڑے ٹھونس لیے کہ کہیں اتفاقی طور پر اس شخص کا کلام کان میں نہ پڑ جائے۔ یہاں تک کہ لوگ مجھ کو ذوالقطنتین کہنے لگے۔ اتفاقاً ایک روز مسجد حرام کی طرف گیا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ آپ کھڑے ہوئے بیت اللہ کے سامنے نماز پڑھ رہے ہیں۔

طفیلؓ کہتے ہیں کہ میں آپ کے قریب جا کر کھڑا ہوا۔ میں اگرچہ یہ چاہتا تھا کہ آپؐ کا کلام سنوں مگر خداوند ذوالجلال یہ چاہتا تھا کہ اپنا کچھ کلام مجھ کو سنائے۔ چنانچہ بلا اختیار یہ کلام میں نے سُن پایا۔ نہایت اچھا اور بھلا معلوم ہوا۔ اس وقت میں نے اپنے دل میں یہ کہا کہ میں تو مرد عاقل اور بڑا شاعر ہوں مجھ پر کسی کلام کا حسن اور قبح مخفی نہیں رہ سکتا۔

میں یہ کلام ضرور سنوں گا اگر عمدہ اور مستحسن ہے تو قبول کر دں گا اور اگر قبیح اور نازیبا ہے تو چھوڑ دوں گا۔ چنانچہ جب آپ حرم سے واپس ہوئے تو میں آپ کے پیچھے ہولیا۔ جب آپ دولت کدہ پہ پہنچے تو آپؐ سے عرض کیا کہ آپ کی قوم نے مجھے آپ کا کلام سننے سے اس قدر ڈرایا کہ کانوں میں کپڑے ٹھونس لیے تاکہ آپ کا کلام نہ سُن سکوں۔ مگر خدا کی مشیت نے انکار کیا کہ میں آپؐ کا کلام نہ سنوں۔ آپ کا کلام جو کان میں پڑا تو بہت بھلا معلوم ہوا۔ آپ اپنا دین مجھ پر پیش کیجیے۔ آپ نے اسلام پیش کیا اور میرے سامنے قرآن کی تلاوت فرمائی۔ ایک روایت میں ہے کہ سورۂ اخلاص اور معوذتین کی تلاوت فرمائی۔ خدا کی قسم میں نے قرآن کریم سے بہتر کبھی کوئی کلام سنا ہی نہیں اور اسلام سے زیادہ معتدلؑ اور متوسط کسی دین کو نہیں پایا اور اسی وقت مسلمان ہوگیا۔

اور آپؐ سے عرض کیا اے اللہ کے نبی میں اپنی قوم کا سردار ہوں یہ ارادہ ہے کہ واپسی کے بعد اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دوں آپ اللہ سے دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو کوئی نشانی عطا فرمائے کہ جو اس بارے میں میری معین اور مددگار ہو۔ آپ نے دُعا فرمائی۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لَهٗ اٰيَةً — اے اللہ اس کے لیے کوئی نشانی پیدا فرما۔

ؑ یہ اسلام کا ایک خاص طرۂ امتیاز ہے کہ اس کا ہر حکم معتدل اور متوسط ہے افراط اور تفریط سے پاک ہے ہر حکم میں توسط اور اعتدال اور میانہ روی ہے۔ مثلاً اسلام نے نہ تمنوں سے انتقام کو واجب کیا اور نہ عفو کو لازم گردانا بلکہ انتقام کی اجازت دی اور دشمنوں کو معاف کرنے کی ترغیب دی اور عفو کو تقویٰ اور پرہیزگاری کے زیادہ قریب بتلایا۔ اسلام نے عام کے لیے اسراف اور بخل دونوں کو ممنوع قرار دیا نہ مسرف اور فضول خرچ نبیں اور نہ بخیل بلکہ بین بین رہیں اور جن لوگوں کے قلب توکل اور قناعت سے لبریز ہیں کہ مال کا وجود اور عدم ان کی نظروں میں برابر ہو چکا ہے ایسے حضرات کو اسلام نے اجازت دی ہے کہ وہ اپنا پورا مال خدا کی راہ میں خیرات کریں۔ وقس علی ہذا۔

چنانچہ جب میں اپنی بستی کے قریب پہنچا تو میری آنکھوں کے مابین چراغ کے مانند ایک نور پیدا ہو گیا میں نے اللہ سے دعا کی اے اللہ اس نور کو بجائے چہرہ کے کسی اور جگہ منتقل فرما۔ میری قوم کے لوگ کہیں اس کو مُثلہ[1] نہ سمجھیں اور یہ خیال نہ کریں کہ آبائی مذہب چھوڑنے کی وجہ سے اس کی صورت بدل گئی۔ وہ نور اسی وقت میرے کوڑے کی طرف منتقل ہو گیا اور وہ کوڑا مثل ایک قندیل اور لالٹین کے بن گیا۔

جب صبح ہوئی تو اوّل اپنے باپ کو اسلام کی دعوت دی اور پھر بیوی کو۔ دونوں نے کپڑے پاک کیے اور غسل کیا اور مشرف باسلام ہوئے اور بیوی سے یہ کہا کہ اگر تجھ کو یہ خدشہ ہو کہ بتوں کے چھوڑنے سے کہیں بچوں کو کسی قسم کا ضرر نہ پہنچے تو میں اس کا ذمہ دار ہوں۔

بعد ازاں قبیلۂ دوس کو اسلام کی طرف بلایا۔ مگر دوس[2] نے اسلام قبول کرنے میں تامل کیا۔ میں دوبارہ مکہ مکرمہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے اللہ کے نبی! دوس نے اسلام کی دعوت کو قبول نہیں کیا۔ آپ ان پر بددعا کیجیے آپ نے ہاتھ اٹھا کر یہ دعا فرمائی۔

اَللّٰهُمَّ اهْدِ دَوْسًا وَّائْتِ بِهِمْ۔ اے اللہ قبیلۂ دوس کو ہدایت دے اور مسلمان بنا کر یہاں بھیج۔

اور طفیلؓ سے فرمایا جاؤ نرمی سے اسلام کی طرف بلاؤ۔ آپ کی ہدایت کے مطابق لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتا رہا۔ ۵ھ ہجری تک ستر یا اسّی گھرانے اسلام کے حلقہ بگوش بن گئے ان سب کو ۵ھ میں اپنے ساتھ لے کر مدینہ منورہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

فتح مکہ کے بعد میں نے آپؐ سے درخواست کی کہ عمرو بن حممہ کے بُت ذوالکفین کے جلانے کی اجازت دیجیے۔ آپؐ نے اجازت دی طفیل روانہ ہوئے اور پہنچ کر بُت کو جلایا بت جلاتے جاتے تھے اور یہ پڑھتے جاتے تھے۔

---

[1] ہیئت بدل جانے کو مثلہ کہتے ہیں ۱۲ [2] حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس وقت قوم میں سوائے ابوہریرہ کے کوئی اسلام نہ لایا۔ ۱۲ اصابہ صفحہ ۲۲۶ ج ۲۔

یَا ذَا الْکَفَّیْنِ لَسْتُ مِنْ عِبَادِکَا
مِیْلَادُنَا اَکْبَرُ مِنْ مِیْلَادِکَا قُدُمْ

اے ذوالکفین میں تیری پرستش کرنے والوں میں سے نہیں۔ میری پیدائش تیری پیدائش سے مقدم ہے۔

اِنِّیْ حَشَوْتُ النَّارَ فِیْ فُؤَادِکَا
اَنَّا میں نے تیرے اندر خوب آگ بھری ہے

نصف قبیلۂ دوس تو پہلے ہی مسلمان ہو چکا تھا۔ باقی ماندہ نصف بھی اس بُت کے جلانے سے شرک اور بت پرستی سے تائب ہو کر حلقۂ اسلام میں آگیا۔

ایک روایت میں ہے کہ طفیل جب اپنی قوم میں پہنچے تو اندھیری رات تھی اور پانی برس رہا تھا راستہ نظر نہ آیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ نور پیدا فرمایا۔ لوگ دیکھ کر بہت متعجب ہوئے اور حضرت طفیل کو گھیر لیا اور کوڑے کو پکڑنے لگے۔ وہ نور لوگوں کی انگلیوں سے چھنتا تھا۔

جب اندھیری رات ہوتی تو یہ کوڑا اسی طرح روشن ہو جاتا۔ اسی وجہ سے حضرت طفیل ذی النُّور (نور والے) کے لقب سے مشہور ہوئے (۱)

فائدہ

اولیاء اللہ کی کرامتیں، انبیاء اللہ علیہم الف الف صلوٰۃ اللہ کے معجزات کا نمونہ ہوتی ہیں۔ جس طرح علماء ربانیین علم و حکمت میں انبیاء و مرسلین کے وارث ہوتے ہیں۔ اسی طرح علی حسب المدارج کرامات اور خوارق عادات میں بھی حضرات

(۱) الاستیعاب ج: ۲، ص ۲۳۱،

الاصابہ ج ۳، ص: ۲۲۵،

الخصائص الکبریٰ ج ۱، ص: ۱۳۶

انبیاء کے وارث ہوتے ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔

العلماء ورثة الانبیاء　　علماء انبیاء کے (علمی) وارث ہیں۔

لہٰذا حضرت طفیل رضی اللہ عنہ کی یہ کرامت حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزۂ ید بیضاء کا

کا ایک نمونہ معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

نیز سورۂ تحریم میں حق جل شانہ صحابہ کے حق میں ارشاد فرماتے ہیں

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ	قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نبی کریم اور
وَالَّذِينَ اٰمَنُوا مَعَهٗ ۚ نُورُهُمْ	ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو رسوا
يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيهِمْ	نہیں کرے گا۔ ان کا نور ان کے سامنے
وَبِاَيْمَانِهِمْ (۱)	اور داہنے دوڑتا ہوگا۔

عجب نہیں کہ حضرت طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ نور اُس نور کا نمونہ ہو کہ جو قیامت کے دن حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی خاص طور پر رہ نمائی کرے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے طفیل کو یہ نور دنیا ہی میں دکھلا دیا گیا۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

---

(۱) التحریم، آیۃ، ۸۔

(۲) طبقات ابن سعد ج ۴، ص: ۱۷۵، سیرت ابن ہشام ج ۱، ص ۱۲۵، الخصائص الکبریٰ ج ۱، ص: ۱۳۵، دلائل ابی نعیم ج ۱، ص: ۷۸، الاصابہ ج ۲، ص: ۲۲۰

اسراء ومعراج

طائف[1] سے واپسی کے بعد حق جل وعلا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور مسجد اقصیٰ سے سبع سموات تک اسی جسم اور روح کے ساتھ بحالت بیداری ایک ہی شب میں سیر کرائی جس کو "اسراء ومعراج" کے نام موسوم کیا جاتا ہے جس کا مفصل بیان انشاء اللہ تعالیٰ معجزات کے بیان میں آئے گا) علماء سیر کا اس میں اختلاف ہے کہ کس سال آپ کو معراج ہوئی؟ علماء کے اس بارے میں دس قول ہیں:

(۱) ہجرت سے چھ ماہ قبل معراج ہوئی۔

(۲) ہجرت سے آٹھ مہینہ پیشتر

(۳) ہجرت سے گیارہ مہینہ پیشتر

(۴) ہجرت سے ایک سال پیشتر

(۵) ہجرت سے ایک سال اور دو ماہ پیشتر

(۶) ہجرت سے ایک سال اور تین ماہ پیشتر

(۷) ہجرت سے ایک سال اور پانچ ماہ پیشتر

(۸) ہجرت سے ایک سال اور چھ ماہ پیشتر

(۹) ہجرت سے تین سال پیشتر

(۱۰) ہجرت سے پانچ سال پیشتر

یہ تمام اقوال تفصیل کے ساتھ فتح الباری باب المعراج میں مذکور ہیں۔ راجح قول

[1] حافظ ابن قیم زاد المعاد میں سفر طائف کا واقعہ بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس کے بعد آپ کو معراج ہوئی جس سے معلوم ہوا کہ حافظ ابن قیم کے نزدیک اسراء اور معراج کا واقعہ طائف سے واپس آنے کے بعد پیش آیا۔ جس کا حاصل یہ ہوا کہ معراج سلہ نبوی میں ہوئی۔ ۱۲

یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد اور بیعتِ عقبہ سے پہلے معراج ہوئی جیسا کہ اوّل کے آٹھ قول اس پر متفق ہیں کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد معراج ہوئی غرض یہ کہ کثرت اسی جانب ہے۔ نیز یہ امر روایات سے ثابت ہے کہ حضرت خدیجہ پانچ نمازیں فرض ہونے سے پہلے ہی وفات پا گئیں اور یہ بھی مسلّم ہے کہ حضرت خدیجہؓ شعب ابی طالب میں آپ کے ہمراہ تھیں۔ شعب ابی طالب سے نکلنے کے بعد ان کا انتقال ہوا اور یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ آپ اور آپ کے رفقاء شعب ابی طالب سے سنہ۱۰ نبوی میں باہر نکلے۔ لہٰذا ان تمام مقدمات سے نتیجہ یہی نکلا کہ معراج سنہ۱۰ نبوی کے بعد سنہ۱۱ نبوی میں سفر طائف سے واپسی کے بعد کسی مہینہ میں ہوئی۔ رہا یہ امر کہ کس مہینہ میں ہوئی اس میں اختلاف ہے۔ ربیع الاوّل یا ربیع الآخر یا رجب یا رمضان یا شوال میں ہوئی پانچ قول ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ رجب کی ستائیسویں شب میں ہوئی۔ ہذا ما ظہر لی بعد مراجعۃ شرح المواہب ص۳۰۶ ج۱۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نکتہ:

سنہ۱۰ نبوی گذر گیا۔ ابتلاء اور آزمائش کی سب منزلیں طے ہو چکیں۔ ذلت اور رسوائی کی کوئی نوع ایسی باقی نہ رہی کہ جو خداوند ذوالجلال کی راہ میں نہ برداشت کی گئی ہو اور ظاہر ہے کہ خدائے رب العزت کی راہ میں ذلت اور رسوائی کا انجام سوائے عزت اور رفعت اور سوائے معراج اور ترقی کے کیا ہو سکتا ہے؟

چنانچہ جب شعب ابی طالب اور سفر طائف سے ذلت انتہا کو پہنچ گئی تو خداوند ذوالجلال نے اسراء اور معراج کی عزت سے سرفراز فرمایا اور آپ کو اس قدر اونچا کیا کہ افضل الملائکۃ المقربین[1] یعنی جبریل بھی پیچھے اور نیچے رہ گئے اور ایسے مقام تک سیر کرائی

---

[1] اشارۃ الی ما اخرجہ الطبرانی بسند ضعیف عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا اخبرکم بافضل الملائکۃ جبرائیل۔ کذا فی روح المعانی ص۱۰ ج۳۔

کہ جو کائنات کا منتہیٰ ہے یعنی عرشِ عظیم تک جس کے بعد اب اور کوئی مقام نہیں۔

اسی وجہ سے بعض عارفین کا قول ہے کہ عرش تک سیر کرانے میں ختم نبوت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ تمام کائنات عرش پر ختم ہو جاتی ہیں۔ کتاب وسنت سے عرش کے بعد کسی مخلوق کا وجود ثابت نہیں۔ اسی طرح نبوت و رسالت کے تمام کمالات آپ پر ختم ہیں۔ فافہم ذلک واستقم۔

تفصیل واقعۂ معراج

قال اللہ عزوجل سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝ (ترجمہ) پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے خاص بندہ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کے ایک قلیل حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس سے اصل مقصود یہ تھا کہ آپ کو آسمانوں کی سیر کرائیں اور وہاں کی خاص خاص نشانیاں آپ کو دکھلائیں۔ جن کا کچھ ذکر سورۂ نجم[1] میں فرمایا ہے کہ آپ سدرۃ المنتہیٰ تک تشریف لے گئے اور وہاں جنت و جہنم و دیگر عجائبِ قدرت کا مشاہدہ فرمایا۔ تحقیق اصلی سننے والا اور اصلی دیکھنے والا حق تعالیٰ ہے وہی جس کو چاہتا ہے اپنی قدرت کے نشانات دکھلاتا ہے اور پھر وہ بندہ اللہ کی تبصیر سے دیکھتا ہے اور اللہ کے اسماع سے سنتا ہے۔

اصطلاح علماء میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر کو اسراء کہتے ہیں اور مسجد اقصیٰ سے سدرۃ المنتہیٰ تک کی سیر کو معراج کہتے ہیں اور بسا اوقات اوّل سے آخر تک کی پوری سیر کو اسراء اور معراج کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ معراج کو معراج اس لیے کہتے ہیں کہ معراج

---

[1] کما قال تعالیٰ: وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰی ۝ اِذْ یَغْشَی السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰی ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۝ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی ۝

کے معنی سیڑھی کے ہیں۔ مسجد اقصیٰ سے برآمد ہونے کے بعد حضور کے لیے جنت سے ایک سیڑھی لائی گئی جس کے ذریعہ حضور آسمان پر چڑھے جیسا کہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس سیڑھی کا ذکر آیا ہے (۱) قرآن کریم میں تو یہ واقعہ اسی قدر اجمالاً مذکور ہے البتہ احادیث میں اس کی تفصیل آئی ہے جن کا خلاصہ یہ ہے۔

ایک شب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام ہانی کے مکان میں بستر استراحت پر پر آرام فرمارہے تھے۔ نیم خوابی کی حالت تھی کہ یکایک چھت پھٹی اور چھت سے جبریل امین اترے اور آپ کے ہمراہ اور بھی فرشتے تھے آپ کو جگایا اور مسجد حرام کی طرف لے گئے۔ وہاں جاکر آپ حطیم میں لیٹ گئے اور سو گئے۔ جبرئیل امین اور میکائیل نے آکر آپ کو جگایا اور آپ کو بیر زم زم پر لے گئے اور لٹا کر آپ کے سینۂ مبارک کو چاک کیا اور قلب مبارک کو نکال کر زم زم کے پانی سے دھویا اور ایک سونے کا طشت لایا گیا جو ایمان اور حکمت سے بھرا ہوا تھا۔ اس ایمان اور حکمت کو آپ کے دل میں بھر کر سینہ کو ٹھیک کر دیا اور دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت لگائی گئی (جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کی حسی اور ظاہری علامت ہے) بعد ازاں براق لایا گیا۔ براق ایک بہشتی جانور کا نام ہے جو خچر سے کچھ چھوٹا اور حمار سے کچھ بڑا سفید رنگ برق رفتار تھا۔ جس کا ایک قدم منتہائے بصر پر پڑتا تھا جب اس پر سوار ہوئے تو شوخی کرنے لگا۔ جبریل امین نے کہا اے براق یہ کیسی شوخی ہے تیری پشت پر آج تک حضورؐ سے زیادہ کوئی اللہ کا مکرم اور محترم بندہ سوار نہیں ہوا۔ براق شرم کی وجہ سے پسینہ پسینہ ہو گیا اور حضور کو لے کر روانہ ہوا۔ جبریل و میکائیل آپ کے ہمرکاب تھے۔ اس شان کے ساتھ حضورؐ روانہ ہوئے۔

اور بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جبریل امین نے حضور پُر نور کو براق پر سوار کیا اور خود نبی کریم کے ردیف بنے یعنی آپ کے پیچھے براق پر سوار ہوئے (دیکھو زرقانی۔

(۱) زرقانی ج: ۶، ص ۲۳، ۵۵۔

وخصائص کبریٰ۔ باب المعراج۔

شدّاد بن اوسؓ سے مروی ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ راستہ میں ایسی زمین پر گذر ہوا کہ جس میں کھجور کے درخت بکثرت تھے جبرئیل امین نے کہا یہاں اتر کر نماز نفل پڑھ لیجیے۔ میں نے اتر کر نماز پڑھی۔ جبریل امین نے کہا آپ کو معلوم بھی ہے کہ آپ نے کس جگہ نماز پڑھی۔ میں نے کہا مجھ کو معلوم نہیں۔ جبریل امین نے کہا آپ نے یثرب یعنی مدینہ طیبہ میں نماز پڑھی جہاں آپؐ ہجرت کریں گے۔ بعد ازاں روانہ ہوا اور ایک اور زمین پر پہنچے۔ جبریل امین نے کہا یہاں بھی اتر کر نماز پڑھیئے میں نے اتر کر نماز پڑھی۔ جبریل امین نے کہا آپ نے وادی سینا میں شجرۂ موسیٰ کے قریب نماز پڑھی جہاں حضرت حق جل شانہ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا پھر ایک اور زمین پر گذر ہوا جبریل نے کہا اتر کر نماز پڑھیئے میں نے اتر کر نماز پڑھی جبریل امین نے کہا آپ نے مدین میں نماز پڑھی (جو شعیب علیہ السلام کا مسکن تھا) وہاں سے روانہ ہوئے اور ایک اور زمین پر پہنچے جبریل امین نے کہا اتر کر نماز پڑھیئے میں نے اتر کر نماز پڑھی، جبریل امین نے کہا یہ مقام بیت اللحم ہے جہاں عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی اخرجہ ابن ابی حاتم والبیہقی وصححہ والبزار والطبرانی عن شداد بن اوس۔(۱)

واما قصۃ الصلاۃ بطور سیناء حیث کلم اللہ موسیٰ علیہ السلام فقد اخرجہا النسائی عن انس بن مالکؓ کما فی خصائص کبری ص۱۵۳ ج ۱۔

نیز یہ تمام تفصیل زرقانی شرح مواہب کے ص۳۹ ج ۶ پر مذکور ہے۔

عجائبِ سفر اور عالمِ مثال کی بے مثال اَمثال

(۱) آپ براق پر سوار جا رہے تھے کہ راستے میں ایک بڑھیا پر گذر ہوا۔ اس نے آپ کو آواز دی۔ حضرت جبریل نے کہا آگے چلئے اور اس کی طرف التفات نہ کیجیے آگے چل کر

(۱) الخصائص الکبریٰ ج:۱، ص:۱۵۸، فتح الباری ج:۱، ص ۱۵۳

ایک بوڑھا نظر آیا اس نے بھی آں حضرت کو آواز دی۔ حضرت جبریل نے کہا آگے چلیئے۔
آگے چل کر آپ کا ایک جماعت پر گذر ہوا۔ جنہوں نے آپ کو بایں الفاظ سلام کیا۔
السلام علیك یا اوّل۔ السلام علیك یا آخر۔ السلام علیك یا حاشر۔
جبریل امین نے کہا کہ آپ ان کے سلام کا جواب دیجئے اور بعد ازاں بتلایا کہ وہ بوڑھی عورت راستہ کے کنارے پر کھڑی تھی وہ دنیا تھی۔ دنیا کی عمر اتنی ہی قلیل باقی رہ گئی ہے جتنی اس عورت کی عمر باقی ہے اور وہ بوڑھا مرد شیطان تھا۔ دونوں کا مقصد آپ کو اپنی طرف مائل کرنا تھا اور وہ جماعت جنہوں نے آپؐ کو سلام کیا وہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ تھے۔ اخرجہ ابن جریر والبیہقی عن انسؓ (۱)

(۲) صحیح مسلم میں انسؓ سے روایت ہے کہ حضور پُر نور نے فرمایا کہ شب معراج میں موسیٰ علیہ السلام پر گذرا دیکھا کہ قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں (۲)

اور ابن عباس کی روایت میں ہے کہ حضور نے فرمایا کہ میں نے شب معراج میں موسےٰ علیہ السلام اور دجّال اور خازن نار یعنی داروغہ جہنم کو دیکھا جس کا نام مالک ہے۔ اخرجہ الشیخان عن ابن عباس ولینظر ھل کانت ھذہ الرویۃ فی الارض او فی السماء واللہ اعلم (۳)

(۳) نیز راستہ میں آپ کا ایک ایسی قوم پر گذر ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ اپنے چہروں اور سینوں کو ان ناخنوں سے چھیلتے تھے۔ آں حضرت نے جبریل امین سے دریافت کیا تو یہ فرمایا کہ یہ لوگ وہ ہیں کہ جو آدمیوں کا گوشت کھاتے ہیں یعنی ان کی غیبت کرتے ہیں اور ان کی آبرو ریزی حرف گیری کرتے ہیں۔ اخرجہ احمدؒ وابوداؤدؒ عن انس (۴)

(۴) نیز حضور نے ایک شخص کو دیکھا کہ نہر میں تیر رہا ہے اور پتھر کو لقمہ بنا بنا کر کھا رہا ہے۔

---

(۱) الخصائص الکبریٰ ج: ۱، ص: ۱۵۵، تفسیر ابن کثیر ج: ۶، ص: ۸۔ (۲) الخصائص الکبریٰ ج ۱، ۱۵۶ (۳) الخصائص الکبریٰ ج ۱، ص: ۱۶۰ (۴) الخصائص الکبریٰ ج ۱، ص: ۱۵۶

آپ نے جبریل سے دریافت کیا تو یہ جواب دیا کہ یہ سود خوار ہے۔ اخرجہ ابن مردویہ عن سمرۃ بن جندبؓ۔

(۵) نیز آپ کا ایک ایسی قوم پر گذر ہوا کہ جو ایک ہی دن میں تخم ریزی بھی کر لیتے ہیں اور ایک ہی دن میں کاٹ بھی لیتے ہیں اور کاٹنے کے بعد کھیتی پھر ویسی ہی ہو جاتی ہے جیسے پہلے تھی۔ آپ نے جبریل امین سے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ جبریل امین نے کہا کہ یہ لوگ اللہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں ان کی ایک نیکی سات سو نیکی سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے اور یہ لوگ جو کچھ بھی خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کا نعم البدل عطا فرماتا ہے۔ پھر آپ کا ایک اور قوم پر گذر ہوا۔ جن کے سر پتھروں سے کچلے جا رہے ہیں کچلے جانے کے بعد پھر ویسے ہی ہو جاتے ہیں جیسے پہلے تھے۔ اسی طرح سلسلہ جاری ہے کبھی ختم نہیں ہوتا۔ آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں۔ جبریل نے کہا کہ .... یہ فرض نماز سے کاہلی کرنے والے لوگ ہیں۔ پھر ایک اور قوم پر گذر ہوا کہ جن کی شرمگاہ پر آگے اور پیچھے چیتھڑے لپٹے ہوئے ہیں اور اونٹ اور بیل کی طرح چرتے ہیں۔ ضریع اور زقوم یعنی کانٹوں اور جہنم کے پتھر کھا رہے ہیں۔ آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں۔ جبریل نے کہا یہ وہ لوگ ہیں کہ جو اپنے مالوں کی زکوٰۃ نہیں دیتے۔ پھر آپ کا ایک ایسی قوم پر گذر ہوا کہ جن کے سامنے ایک ہانڈی میں پکا ہوا گوشت اور ایک ہانڈی میں کچا اور سڑا ہوا گوشت رکھا ہے کہ لوگ سڑا ہوا گوشت کھا رہے ہیں اور پکا ہوا گوشت نہیں کھاتے۔ آپ نے دریافت کیا یہ کون لوگ ہیں جبریلؑ نے کہا کہ یہ آپ کی امت کا وہ شخص ہے کہ جس کے پاس حلال اور طیب عورت موجود ہے مگر وہ ایک زانیہ اور فاجرہ کے ساتھ شب باشی کرتا ہے اور صبح تک اسی کے پاس رہتا ہے یا آپ کی امت کی وہ عورت ہے کہ جو حلال اور طیب شوہر کو چھوڑ کر کسی زانی اور بدکار کے ساتھ رات گذارتی ہے۔ پھر آپ کا ایک ایسی لکڑی پر گذر ہوا کہ جو سر راہ واقع ہے جو کپڑا اور شئے بھی اس کے پاس سے گذرتا ہے

اس کو پھاڑ ڈالتی ہے اور چاک کر دیتی ہے۔ آپ نے جبریل سے دریافت کیا جبریل نے نے کہا کہ یہ آپ کی امت میں ان لوگوں کی مثال ہے کہ جو راستہ پر چھپ کر بیٹھ جاتے ہیں اور راہ سے گزرنے والوں پر ڈاکے ڈالتے ہیں پھر آپ کا ایک قوم پر گذر ہوا کہ جس نے لکڑیوں کا ایک بڑا بھاری گٹھہ جمع کر رکھا ہے اور اس کے اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا مگر لکڑیاں لا لا کر اس میں اور زیادہ کرتا رہتا ہے۔ آپ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے جبریل نے کہا یہ آپ کی امت کا وہ شخص ہے کہ جس پر حقوق اور امانتوں کا بار گراں ہے کہ جس کو وہ ادا نہیں کر سکتا اور با ایں ہمہ اور بوجھ اپنے اوپر لادتا جاتا ہے پھر آپ کا ایک قوم پر گذر ہوا کہ جن کی زبانیں اور لبیں لوہے کی قینچیوں سے کاٹی جارہی ہیں اور جب کٹ جاتی ہیں تو پھر پہلے کی طرح صحیح و سالم ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح سلسلہ جاری ہے ختم نہیں ہوتا آپ نے پوچھا یہ کیا ہے جبریل امین نے کہا کہ یہ آپ کی امت کے خطیب اور واعظ ہیں (جو یقولون مالا یفعلون کا مصداق ہیں) یعنی دوسروں کو نصیحت کرتے ہیں اور خود عمل نہیں کرتے (اخرجہ ابن جریر والبزار وابو یعلی والبیہقی عن ابی ہریرہ (۱)
وحدیث قرض الشفا بمقاریض الحدید (اخرجہ ابن مردویہ عن انس ؓ پھر آپ کا ایسے مقام پر گذر ہوا جہاں نہایت ٹھنڈی اور خوشبودار ہوا آرہی تھی۔ جبریل نے کہا یہ جنت کی خوشبو ہے ازاں ایسے مقام پر گذر ہوا جہاں سے بدبو محسوس ہوئی جبریل نے کہا یہ جہنم کی بدبو ہے (۲)

تنبیہ: بظاہر یہ تمام واقعات عروج سما سے پہلے کے ہیں اس لیے کہ روایات میں ان واقعات کا ذکر براق پر سوار ہونے کے بعد متصلا اور مسجد اقصیٰ میں پہنچنے سے پہلے آیا ہے اس لیے معلوم ہوا کہ یہ واقعات عروج سما سے پہلے کے ہیں۔ واللہ اعلم۔

(۱) الخصائص الکبریٰ ج ۱، ص: ۱۷۲، زرقانی ج ۶، ص: ۱۴۱ (۲) الخصائص الکبریٰ ج ۱، ص: ۱۷۲ (۵) الخصائص الکبریٰ ج ۱، ص: ۱۶۷

نزولِ[1] اقدس دربیت المقدس

الغرض اس شان سے حضورِ پرنور بیت المقدس پہنچے اور براق سے اترے صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نے براق کو اس حلقہ سے باندھ دیا کہ جس سے انبیاء کرام اپنی سواریوں کو باندھتے تھے اور بزار کی روایات میں ہے کہ جبریل امین نے ایک پتھر میں انگلی سے سوراخ کر کے اسی براق کو باندھ دیا۔ عجب نہیں کہ براق کے باندھنے میں دونوں حضرات شریک ہوں۔ ممکن ہے کہ مرورِ زمانہ کی وجہ سے وہ سوراخ بند ہو گیا ہو اس لیے جبریل امین نے اس کو انگلی سے کھول دیا ہو۔

بعد ازاں حضور مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے اور دو رکعت (تحیۃ المسجد[2]) ادا فرمائی (رواہ مسلم عن انس) زرقانی ص۴۵ ج۶ ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور جبریل امین دونوں مسجد میں داخل ہوئے اور ہم دونوں نے دو رکعت نماز پڑھی (رواہ البیہقی) (۳)

اور آپ کے قدوم میمنت لزوم کی تقریب میں حضرات[3] انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام پہلے ہی سے حضورِ پرنور کے انتظار میں موجود تھے۔ جن میں حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہم الصلاۃ والسلام بھی تھے (۵)

---

[1] ففی حدیث انس عند النسائی ثم دخلت بیت المقدس فجمع فی الانبیاء علیہم السلام فقدمنی جبریل علیہ السلام حتی اممتہم ابن کثیر ص۹ ج۶

[2] نزول اقدس میں ترکیب توصیفی اور ترکیب اضافی دونوں ممکن ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک تلفظ دونوں کی نیت کر لی جائے۔ کما ہو مذہب الشافعیۃ یا دو تلفظ میں کما ہو مذہب الحنفیۃ البتہ ترکیب توصیفی میں اقدس کی اسناد نزول کی طرف اسناد مجازی ہو گی۔ فافہم ذالک و اغتنم ۱۲ عفا اللہ عنہ

[3] بین القوسین عبارت مسلم کی روایت میں نہیں ۱۲۔

خصائص کبریٰ ص۱۷۲ ج۱ (۳) تفسیر ابن کثیر ج ۶، ص: ۳۰۲ (۴) زرقانی ج: ۹، ص: ۵۔

کچھ دیر نہ گذری کہ بہت سے حضرات مسجد اقصیٰ میں جمع ہوگئے پھر ایک مؤذن نے اذان دی اور پھر اقامت کہی۔ ہم صف باندھ کر کھڑے ہوگئے۔ اسی انتظار میں تھے کہ کون امامت کرے۔ جبریل امین نے میرا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھایا۔ میں نے سب کو نماز پڑھائی جب میں نماز سے فارغ ہوگیا جبریل امین نے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کن لوگوں کو نماز پڑھائی۔ میں نے کہا مجھ کو معلوم نہیں۔ جبریل امین نے کہا کہ جتنے نبی مبعوث ہوئے سب نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ اخرجہ ابن ابی حاتم عن انس (۱)

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ کی آمد پر فرشتے بھی آسمان سے نازل ہوتے اور حضورؐ نے حضرات انبیاء اور ملائکہ سب کی امامت کرائی۔ جب نماز[۲] پوری ہوگئی تو ملائکہ نے جبریل امین سے دریافت کیا کہ یہ تمہارے ہمراہ کون ہیں۔ جبریل امین نے کہا یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اخرجہ ابن جریر والبزار وابویعلی والبیہقی من طریق ابی العالیۃ عن ابی ہریرۃؓ[۳] اور ایک روایت میں ہے کہ جبریل نے کہا یہ محمد رسول اللہ خاتم النبیین ہیں۔ ملائکہ نے پوچھا کہ کیا ان کے پاس بلانے کا پیغام بھیجا گیا تھا۔ جبریل نے کہا ہاں۔ فرشتوں نے کہا اللہ تعالیٰ ان کو زندہ سلامت رکھے بڑے اچھے بھائی اور بڑے اچھے خلیفہ ہیں یعنی ہمارے بھائی ہیں اور خدا کے خلیفہ ہیں (۴) بعد ازاں حضورؐ نے ارواح انبیاء کرام سے ملاقات فرمائی سب نے اللہ کی حمد اور ثناء کی۔

تحمید ابراہیمی علیہ الصلاۃ والسلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان الفاظ میں اللہ کی حمد و ثناء کی

الحمد للہ الذی اتخذنی خلیلا واعطانی ملکا عظیما وجعلنی امۃ قانتا یؤتم بی وانقذنی

لہ حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں۔ ثم سار حتی اتی بیت المقدس فنزل فربط فرسہ الی الصخرۃ ثم دخل فصلی مع الملائکۃ فلما قضیت الصلاۃ قالوا یا جبریل من ہذا معک قال محمد صلی اللہ علیہ وسلم

مِن النار وجعلها علیّ برداً وسلاماً۔

ترجمہ:۔ حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے مجھ کو اپنا خلیل بنایا اور مجھ کو ملک عظیم عطا فرمایا اور امام اور پیشوا بنایا اور آگ کو میرے حق میں برد وسلام بنایا۔

تحمید موسوی علیہ الصلاۃ والسّلام

الحمد للّٰہ الذی کلمنی تکلیما وجعل هلاك اٰل فرعون ونجاۃ بنی اسرائیل علی یدی وجعل من امتی قوما یهدون بالحق وبه یعدلون

ترجمہ: حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے مجھ سے بلاواسطہ کلام فرمایا اور قوم فرعون کی ہلاکت اور تباہی اور بنی اسرائیل کی رست گاری میرے ہاتھ پر ظاہر فرمائی اور میری امت میں ایسی قوم بنائی کہ جو موجب حق۔ ہدایت اور انصاف کرتی ہیں۔

تحمید داؤدی علیہ الصّلاۃ والسّلام

الحمد للّٰہ الذی جعل لی ملکا عظیما وعلمنی الزبور ولے الحدید وسخر لی الجبال یسبحن والطیر واعطانی الحکمۃ وفصل الخطاب

ترجمہ: حمد ہے اس ذات پاک کی جسنے مجھ کو ملک عظیم عطا کیا اور زبور سکھائی اور لوہے کو میرے لیے نرم کیا اور پہاڑوں اور پرندوں کو میرے لیے مسخر کیا کہ میرے ساتھ تسبیح پڑھیں اور مجھ کو علم وحکمت اور تقریر دل پذیر مجھ کو عطا کی

تحمید سلیمانی علیہ الصّلاۃ والسلام

الحمد للّٰہ الذی سخر لی الریاح وسخر لی الشیاطین یعملون ماشئت من محاریب وتماثیل وجفان کالجواب وقدور راسیات وعلمنی منطق الطیر واٰتانی من کل شیئ فضلا وسخر لی جنود الشیاطین والانس والطیر وفضلنی علی کثیر من عبادہ المومنین واٰتانی ملکا عظیما لاینبغی لاحد من بعدی وجعل ملکی ملکا طیبا لیس فیہ حساب۔

ترجمہ: حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے ہوا اور شیاطین اور جنات کو میرے مسخر کیا میرے حکم پر چلیں اور پرندوں کی بولی مجھ کو سکھائی اور جن اور انس چرند اور پرند کا لشکر میرے لیے مسخر کیا اور ایسی سلطنت عطا کی کہ میرے بعد کسی کے لیے مناسب نہ ہوگی اور نہ مجھ سے اس پر کوئی حساب و کتاب ہوگا۔

تحمید عیسوی علیہ الصّلاۃ والسّلام

الحمد للّٰہ الذی جعلنی کلمۃ وجعل مثلی مثل آدم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون وعلمنی الکتاب والحکمۃ والتوارۃ والانجیل وجعلنی اخلق من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیرا باذن اللّٰہ وجعلنی ابریٔ الاکمہ والابرص واحی الموتی باذن اللّٰہ ورفعنی وطھرنی واعاذنی وامی من الشیطان الرجیم فلم یکن للشیطان علینا سبیل ۔

ترجمہ: حمد ہے اس ذات پاک کی کہ جس نے مجھ کو کلمہ بنایا اور حضرت آدم کی طرح مجھ کو بغیر باپ کے پیدا کیا اور پرندوں کے بنانے اور مُردوں کے زندہ کرنے اور کوڑھی اور مادر زاد اندھے کے اچھا کرنے کا معجزہ مجھ کو دیا اور توریت اور انجیل کا علم دیا اور مجھ کو اور میری ماں کو شیطان کے اثر سے محفوظ رکھا اور مجھ کو آسمان پر اٹھایا اور کافروں کی صحبت سے پاک کیا۔

تحمید محمّدی صلی اللّٰہ علیہ وسلم

الحمد للّٰہ الذی ارسلنی رحمۃ للعالمین وکافۃ للناس بشیرا ونذیرا وانزل علی الفرقان فیہ بیان لکل شئی وجعل امتی خیر امۃ اخرجت للناس وجعل امتی ھم الاولین والاخرین وشرح لی صدری ووضع عنی وزری ورفع لی ذکری وجعلنی فاتحا وخاتما۔

ترجمہ: حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے مجھ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا اور تمام عالم کے لیے بشیر و نذیر بنایا اور مجھ پر قرآن کریم اتارا جس میں تمام امور دینیہ کا صراحۃً یا

اشارہ بیان کیا ہے اور میری امت کو بہترین امت بنایا اور میری امت کو اوّلین اور آخرین بنایا یعنی ظہور میں آخری امت اور مرتبہ میں اوّل بنایا اور میرے سینہ کو کھولا اور میرے ذکر کو بلند کیا اور مجھ کو فاتح اور خاتم بنایا یعنی وجود نطفی اور روحانی میں سب سے اوّل اور بعثت اور ظہور جسمانی میں سب سے آخری نبی بنایا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبۂ تحمید سے فارغ ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام انبیاء کرام سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا بھذا فضلکم محمد صلی اللہ علیہ وسلم یعنی انہی فضائل اور کمالات کی وجہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم سب سے بڑھ گئے (۱) جب آپ ؁ فارغ ہو کر مسجد سے باہر تشریف لائے تو تین پیالے آپ کے سامنے پیش کیے گئے ایک پانی کا اور ایک دودھ کا اور ایک شراب کا آپ نے، دودھ کا پیالہ اختیار کیا جبریل امین نے کہا آپ نے دین فطرت کو اختیار کیا ہے اگر آپ شراب کو اختیار کرتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی اور اگر آپ پانی کو اختیار کرتے تو آپ کی امت غرق ہو جاتی۔ بعض روایات میں ہے کہ شہد کا پیالہ بھی پیش کیا گیا اور آپ نے اس میں سے بھی کچھ پیا غرض یہ کہ تمام روایات کے جمع کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چار پیالے پیش کیے گئے تفصیل کے لیے زرقانی کی مراجعت کی جائے (۲)

---

(۱) خصائص کبریٰ ج ۱، ص: ۱۷۳

؁ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تین پیالے سدرۃ المنتہیٰ کے بعد پیش کیے گئے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ عجیب نہیں کہ یہ پیالے دو مرتبہ پیش کیے گئے ہوں ایک مرتبہ مسجد اقصیٰ میں نماز سے فارغ ہونے کے بعد اور دوسری مرتبہ سدرۃ المنتہیٰ پر اور اختیار لبن کی تصویب کی تاکید مزید مقصود ہو واللہ اعلم زرقانی ص ۴۸ ج ۶ (۲) زرقانی ج ۶، ص: ۴۷

عروج سمٰوات

اس کے بعد حضور نے جبریل امین اور دیگر ملائکہ مکرمین کی معیت میں آسمانوں کی طرف عروج وصعود فرمایا بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور حسب سابق براق پر سوار ہوکر آسمان پر بلند ہوئے اور بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسجد اقصیٰ سے برآمد ہونے کے بعد جنت سے زمرد اور زبرجد کی ایک سیڑھی کے ذریعہ آپ نے آسمان کی طرف صعود فرمایا اور سیڑھی کے دائیں بائیں جانب ملائکۃ اللہ آپ کے جلو میں تھے۔

قال ابن اسحاق واخبرنی من لا اتهم عن ابی سعید قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لما فرغت مما کان فی بیت المقدس اتی بالمعراج ولم ار شیئا قط احسن منه وهو الذی یمد الیه میتکم علیه اذا احضر فاصعد لی فیه صاحبی حتی انتهی بی الی باب من ابواب السماء یقال له باب الحفظة۔ الحدیث کذا فی البدایة والنهایة ص۱۱۱ ج۳ للحافظ ابن کثیر و کذا فی شرح المواهب للزرقانی ص۵۵ ج۶۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ معتبر اور مستند راویوں نے مجھ کو خبر دی کہ ابو سعید خدریؓ یہ کہتے تھے کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جب میں بیت المقدس کے امور سے فارغ ہوا تو ایک سیڑھی لائی گئی کہ اس سے بہتر میں نے کوئی سیڑھی نہیں دیکھی یہ وہ سیڑھی تھی کہ جس پر سے بنی آدم کی ارواح آسمان کی طرف چڑھتی ہیں اور مرتے وقت میت اسی کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتا ہے۔ میرے رفیق طریق جبریل امین نے مجھ کو اس سیڑھی پر چڑھایا۔ یہاں تک کہ میں آسمان کے ایک دروازے پر پہنچا جس کو باب الحفظہ کہتے ہیں

حافظ ابن کثیر[1] فرماتے ہیں کہ حضور پرنور بیت المقدس کے مشاغل سے فارغ ہونے کے بعد اسی سیڑھی کے ذریعہ آسمان پر تشریف لے گئے اور براق بدستور مسجد اقصیٰ کے دروازے پر بندھا رہا حضور آسمان سے بیت المقدس میں آکر اترے اور پھر اسی براق پر سوار ہو کر مکہ مکرمہ واپس تشریف لائے۔ البدایۃ والنہایۃ ص ۱۱۱ ج ۳ اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضور براق پر سوار ہو کر اسی سیڑھی پر سے آسمان پر تشریف لے گئے ہوں جیسا کہ بعض علماء[2] کا قول ہے اس صورت میں تمام روایتیں متفق ہو جاتی ہیں اور نیز یہ صورت حضور کی مزید تکریم و تشریف کا موجب بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

سیر ملکوت اور آسمانوں میں انبیاء کرام سے ملاقات

اس طرح آپ آسمان اوّل پر پہنچے جبریل امین نے دروازہ کھلوایا۔ آسمان دنیا کے دربان نے دریافت کیا کہ تمہارے ساتھ کون ہے جبریل نے کہا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں فرشتے نے دریافت کیا کہ کیا ان کے بلانے کا پیام بھیجا گیا ہے جبریل نے کہا ہاں فرشتوں نے یہ سن کر مرحبا کہا اور دروازہ کھول دیا۔ آپ آسمان میں داخل ہوئے اور ایک نہایت بزرگ آدمی کو دیکھا۔ جبریل نے کہا کہ یہ آپ کے باپ آدم علیہ السلام ہیں ان کو سلام کیجئے آپ نے سلام کیا۔ حضرت آدم نے سلام کا جواب دیا اور کہا مرحبا بالابن الصالح والنبی الصالح مرحبا ہو فرزند صالح اور نبی صالح کو اور آپ کے لیے دعاء خیر کی اور اس وقت آپ نے دیکھا کہ کچھ صورتیں حضرت آدم کی دائیں جانب ہیں اور کچھ صورتیں بائیں جانب ہیں۔ جب دائیں جانب نظر ڈالتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور

---

[1] وعبارتہ ہکذا۔ والمقصود انہ صلی اللہ علیہ وسلم لما فرغ من امر بیت المقدس نصب لہ المعراج وہو السلم فصعد فیہ الی السماء ولم یکن الصعود علی البراق کما یتوہمہ بعض الناس بل کان البراق مربوطا علی باب مسجد بیت المقدس لیرجع علیہ الی مکۃ ۱۲ اور تفسیر ابن کثیر سورۂ اسراء ص ۴ ج ۲۸ میں ہے ثم نزل الی البیت المقدس ثانیا وہم (ای انبیاء) معہ وصلی بہم ثم انہ رکب البراق وکر راجعا الی مکۃ۔ واللہ اعلم ۱۲ انتہی کلامہ۔

[2] قال النعمانی ما المانع من انہ صلی اللہ علیہ وسلم رقی المعراج فوق ظہر البراق بظاہر الحدیث زرقانی ص ۳ ج ۳

ہنستے ہیں اور جب بائیں جانب دیکھتے ہیں تو روتے ہیں۔ حضرت جبریل نے بتلایا کہ دائیں جانب ان کی نیک اولاد کی صورتیں ہیں یہ اصحاب یمین اور اہل جنت ہیں اور ان کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور بائیں جانب اولاد بد کی صورتیں ہیں۔ یہ اصحاب شمال اور اہل نار ہیں ان کو دیکھ کر روتے ہیں یہ تمام مضمون صحیحین بخاری و مسلم کی روایتوں میں ہے اور مسند بزار میں ابوہریرہ کی حدیث میں ہے کہ حضرت آدم کی دائیں جانب ایک دروازہ ہے جس میں سے نہایت عمدہ اور خوشبو آتی ہے اور ایک دروازہ بائیں جانب ہے جس سے نہایت سخت بدبو آتی ہے۔ جب دائیں جانب دیکھتے ہیں تو مسرور ہوتے ہیں اور جب بائیں جانب دیکھتے ہیں تو مغموم ہوتے ہیں۔ زرقانی صفحہ ۶۰ ج ۶

پھر دوسرے آسمان پر تشریف لے گئے اور اسی طرح جبریل نے دروازہ کھلوایا جو وہاں کا دربان تھا اس نے دریافت کیا کہ تمہارے ساتھ کون ہیں۔ جبریل نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس فرشتہ نے کہا کیا بلائے گئے ہیں۔ جبریل نے کہا۔ ہاں فرشتہ نے کہا مرحبا نعم المجیئ جاء مرحبا ہو کیا اچھا آنا آئے۔ یہاں آپ نے حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا جبریل امین نے کہا کہ یہ یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام ہیں ان کو سلام کیجئے آپ نے سلام کیا۔ ان دونوں حضرات نے سلام کا جواب دیا اور مرحبا بالاخ الصالح و بالنبی الصالح کہا یعنی مرحبا ہو برادر صالح کو اور نبی صالح کو۔ بعد ازیں آپ تیسرے آسمان میں تشریف لے گئے اور جبریل امین نے اسی طرح دروازہ کھلوایا۔ وہاں حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور اسی طرح سلام و کلام ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کو حسن و جمال کا ایک بہت بڑا حصہ عطا کیا گیا ہے۔ پھر چوتھے آسمان پر تشریف لے گئے وہاں حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ پھر پانچویں آسمان پر تشریف لے گئے وہاں حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی پھر چھٹے آسمان پر تشریف لے گئے وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی پھر ساتویں آسمان پر تشریف لے گئے

وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور یہ دیکھا کہ حضرت ابراہیم بیت معمور سے پشت لگائے بیٹھے ہیں۔ بیت معمور قبلہ ملائک ہے جو ٹھیک خانہ کعبہ کے مقابلہ میں ہے بالفرض وہ گرے تو خانہ کعبہ پر گرے۔ روزانہ ستر ہزار فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں اور پھر ان کی نوبت نہیں آتی جبریل نے کہا یہ آپ کے باپ ہیں۔ ان کو سلام کیجئے آپ نے سلام کیا حضرت ابراہیم نے جواب دیا اور مرحبا بالابن الصالح والنبی الصالح کہا۔

سدرۃ المنتہٰی:

بعد ازاں آپ کو سدرۃ المنتہٰی کی طرف بلند کیا گیا جو ساتویں آسمان پر ایک بیری کا درخت ہے زمین سے جو چیز اوپر جاتی ہے وہ سدرۃ المنتہٰی پر جا کر منتہی ہو جاتی ہے اور پھر اوپر اٹھائی جاتی ہے اور ملاء اعلیٰ سے جو چیز اترتی ہے وہ سدرۃ المنتہٰی پر آکر ٹھہر جاتی ہے پھر نیچے اترتی ہے اس لیے اس کا نام سدرۃ المنتہٰی ہے (۱)

اسی مقام پر حضور نے جبریل امین کو اصلی صورت میں دیکھا اور حق جل شانہٗ کی عجیب و غریب انوار و تجلیات کا مشاہدہ کیا اور بے شمار فرشتے اور سونے کے پتنگے اور پروانے دیکھے جو سدرۃ المنتہٰی کو گھیرے ہوئے تھے۔

مشاہدۂ جنّت و جہنم:

جنت کیونکہ سدرۃ المنتہٰی کے قریب ہے جیسا کہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے۔ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى اس لیے ابو سعید خدری کی حدیث میں ہے کہ حضور بیت معمور میں نماز پڑھنے کے بعد سدرۃ المنتہٰی کی طرف بلند کیے گئے اور سدرۃ المنتہٰی کے بعد جنت کی طرف بلند کیے گئے اور جنت کی سیر کے بعد آپؐ پر جہنم پیش کی گئی یعنی آپ کو دکھلائی گئی۔ (۲)

---

(۱) زرقانی۔ ج ۶، ص: ۱۸ (۲) الخصائص الکبریٰ ج ۱، ص: ۱۶۹

اور صحیحین میں ابوذرؓ کی روایت میں ہے کہ حضور نے فرمایا کہ میں سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچا جہاں عجیب و غریب الوان اور رنگتیں دیکھیں مجھے معلوم نہیں کہ وہ کیا تھیں۔ پھر میں جنت میں داخل کیا گیا تو اس کے گنبد موتیوں کے تھے اور مٹی اس کی مشک کی تھی۔

مقام صریف الاقلام[1]:

بعدازاں پھر آپ کو عروج ہوا اور ایسے بلند مقام پر پہنچے کہ جہاں صریف الاقلام کو سنتے تھے۔ لکھنے کے وقت قلم کی جو آواز پیدا ہوتی ہے اس کو صریف الاقلام کہتے ہیں اس مقام پر قضاء و قدر کے قلم مشغول کتابت تھے۔ ملائکۃ اللہ امور الٰہیہ کی کتابت اور احکام خداوندی کی لوح محفوظ سے نقل کر رہے تھے (۲)

تنبیہ: احادیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مقام صریف الاقلام سدرۃ المنتہیٰ کے بعد ہے اس لیے کہ احادیث میں مقام صریف الاقلام کا عروج سدرۃ المنتہیٰ کے بعد لفظ ثم سے ذکر کیا گیا ہے۔ نیز سدرۃ المنتہیٰ کو اس لیے سدرۃ المنتہیٰ کہتے ہیں کہ اوپر سے جو احکام نازل ہوتے ہیں انکا منتہیٰ یہی مقام ہے معلوم ہوا کہ سدرۃ المنتہیٰ کے اوپر کوئی اور مقام ہے کہ جہاں سے تدابیر عالم کے متعلق احکام تکوینیہ کا نزول ہوتا ہے وہ یہی مقام صریف الاقلام ہے گویا کہ مقام صریف الاقلام تدابیر الٰہی و تقادیر خداوندی کا بلاتشبیہ تمثیل مرکزی دفتر اور صدر مقام ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ اور جنت اور جہنم کے بعد حضورؐ کو اس مقام کا معائنہ کرایا گیا۔ نیز روایات حدیث میں نمازوں کی فرضیت اور مکالمۂ خداوندی کا ذکر صریف الاقلام کے بعد آیا ہے۔ اس سے بھی یہی معلوم اور مفہوم ہوتا ہے کہ مقام صریف الاقلام سدرۃ المنتہیٰ کے بعد ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

---

[1] حضور کا صریف الاقلام پر پہنچنا بخاری اور مسلم میں ابن عباس اور ابوحبہ انصاری سے مروی ہے باقی صریف الاقلام کی شرح زرقانی سے ماخوذ ہے ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ

(۲) زرقانی ج ۶، ص : ۸۸

دنو اور تدلی، قرب اور تجلی

دیدار اور کلام اور عطائے احکام

مقام صریف الاقلام[1] سے چل کر حجابات طے کرتے ہوئے بارگاہ قدس میں پہنچے کہا جاتا ہے کہ آپ کی سواری کے لیے ایک رفرف (یعنی ایک سبز مخملی مسند) آئی اس پر سوار ہوتے اور بارگاہ دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنیٰ میں پہنچے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ شفاء میں فرماتے ہیں۔

وقال ابن عباس هوا مے قولہ	ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ دنی فتدلی میں
تعالیٰ دنی فتدلی مقدم ومؤخر	تقدیم و تاخیر اصل میں اس طرح ہے فتدلی
فاصلہ فتدلی فدنا ای فتدلی	فدنا۔ اور معنی یہ ہیں۔

---

[1] حافظ عسقلانی فتح الباری جلد ہفتم باب المعراج ص ۱۶۹ ج ۷ میں لکھتے ہیں (تکملہ) وقع فی غیر ہذہ الروایۃ زیادات رآہا صلی اللہ علیہ وسلم بعد سدرۃ المنتہیٰ لم تذکر فی ہذہ الروایۃ منہا ما تقدم فی الصلاۃ حتی ظہرت لمستوی اسمع فیہ صریف الاقلام ۱۲ اھ اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ مقام صریف الاقلام سدرۃ المنتہیٰ کے بعد ہے۔ علامہ سفارینی فرماتے ہیں لما وصل صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہی نغشیۃ سحابۃ فیہا من کل لون فتاخر جبریل ثم عرج بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی وصل لمستوی سمع فیہ صریف الاقلام فدنا من الحضرۃ الالہیۃ حتی کان قاب قوسین او ادنی ثم ای اد اقرب ای بل اقرب من ذالک کذا فی شرح العقیدۃ السفارینیۃ ص ۲۹۷ ج ۲ اس عبارت سے بھی مقام صریف الاقلام کا سدرۃ المنتہیٰ کے بعد ہونا صاف ظاہر ہے حافظ عسقلانی فرماتے ہیں قال القرطبی وقیل تدلی الرفرف لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم حتی جلس علیہ ثم فاحمد من ربہ انتہی فتح الباری ص ۴۰۳ ج ۱۳ کتاب التوحید وزرقانی ص ۹۷ ج ۶ (فائدہ) قاضی عیاض شفاء میں فرماتے ہیں کہ آیت شریفہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا دنو اور تدلی ایسا ہے کہ جیسا احادیث میں اللہ سبحانہ تعالیٰ اخیر شب میں بلا تشبیہ وتمثال کے نزول اجلال کا ذکر آیا ہے فافہم ذالک واستقم نسیم الریاض ص ۲۳۶ ج ۲۔

الرفرف[1] لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ المعراج فجلس علیہ ثم رفع و دنا من ربہ۔ (۲)	کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے لیے شب معراج میں ایک رفرف اتری۔ آپؐ اس پر بیٹھ گئے پھر آپ بلند کیے گئے یہاں تک اپنے پروردگار کے قریب پہنچ گئے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں ہے۔

وفتح لی باب من ابواب السماء فرایت النور الاعظم و اذا دون الحجاب رفرف الدر والیاقوت واوحی اللہ الیّ ما شاء ان یوحی الحدیث۔	میرے لیے آسمان کا ایک دروازہ کھولا گیا اور میں نے نور اعظم کو دیکھا اور پردہ میں سے موتیوں کی ایک رفرف (مسند) کو دیکھا اور پھر اللہ تعالیٰ نے جو کلام کرنا چاہا وہ مجھ سے کلام فرمایا۔ (۳)

حضورِ پرنور جب مقام دنا فتدلی اور حریم قرب میں پہونچے تو بارگاہ بے نیاز میں سجدۂ نیاز بجالائے فتح الباری[2] ج۷ ص۱۶۹ باب المعراج اور نور السمٰوات والارض کے جمال بے مثال کو حجاب کبریائی کے پیچھے سے دیکھا اور بلاواسطہ کلام خداوندی اور وحی ایزدی سے مشرف

---

[1] علامہ شہاب خفاجی فرماتے ہیں کہ رفرف کے معنی مطلق بساط کے ہیں یا بساط اخضر یا بساط دیباج کے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ رفرف اور زرابی مبثوثہ ایک ہی شے ہیں اور یہ لفظ قرآن کریم میں بھی آیا ہے متکئین علی رفرف خضر ص۲۴۳ ج۲ نسیم الریاض۔ نیز زرقانی ج۶ ص۹۵ کی بھی مراجعت کی جائے (تنبیہ) رفرف کا ذکر صحیح احادیث سے ثابت نہیں ضعیف اور منکر روایتوں میں اس کا ذکر آیا ہے اس لیے اس کو بالکل بے اصل بھی نہیں کہا جاسکتا واللہ اعلم ۱۲۔ منہ عفا اللہ عنہ۔

[2] حافظ عسقلانی فرماتے ہیں وعند ابن ابی حاتم وابن عائذ من طریق یزید بن ابی مالک عن انس ثم انطلق حتی انتہی ابی الی الشجرۃ فغشیتنی سحابۃ فیہا من کل لون فتاخر جبرئیل وخررت ساجدا۔ فتح الباری ج۷ ص۱۶۹ اور زرقانی فرماتے ہیں۔ وفی روایۃ فرای ربہ سبحانہ فخر صلی اللہ علیہ وسلم ساجدا۔ الحدیث زرقانی ص۱۰۳ ج۶ - (۲) نسیم الریاض ج:۲، ص: ۲۶۴ (۳) الخصائص الکبریٰ ج:۱، ص:۱۵۷۔

اور سرفراز ہوتے۔ فاوحی الی عبدہ ما اوحی۔

اخرج الطبرانی فی السنة والحکیم عن انسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رایت النور الاعظم فاوحی اللہ الی ما شاء ان یوحی (۱)	امام طبرانی اور حکیم ترمذی نے حضرت انسؓ سے روایت کیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ میں نے نور اعظم یعنی نور الٰہی کو دیکھا پھر اللہ نے میری طرف وحی بھیجی جو چاہی یعنی مجھ سے بلاواسطہ کلام فرمایا

ابن عباسؓ رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے دنا فتدلی اور فاوحی الی عبدہ ما اوحی کی تفسیر بھی ہو جاتی ہے کہ آیت میں دنو اور تدلی سے حق جل شانہ کا ایسا قرب خاص اور تام مراد ہے کہ جس کے ساتھ دیدار پرانوار اور مسرت القیام بھی ہو اور فاوحی الی عبدہ ما اوحی سے بلاواسطہ مکالمہ خداوندی اور بلاواسطہ کلام اور وحی مراد ہے۔ اس لیے کہ دیدار کے بعد بالواسطہ کلام کے کیا معنی۔ دیدار بلاواسطہ کے بعد کلام بلاواسطہ ہی کا ذکر مناسب اور موزوں ہے۔

الغرض نبی کریم صلی اللہ علیہ الصلاۃ التسلیم دیدار خداوندی اور بلاواسطہ کلام ایزدی سے مشرف ہوتے۔ حق جل شانہ نے آپ سے کلام فرمایا اور پچاس نمازیں آپ پر اور آپ کی امت پر فرض فرمائیں۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ حق جل شانہ نے آپ کو اس وقت تین عطیے مرحمت فرمائے (۱) پانچ نمازیں (۲) اور خواتیم سورۃ بقرہ یعنی سورۂ بقرہ کی آخری آیتوں کا مضمون عطا کیا گیا جن میں اس امت پر حق تعالیٰ کی کمال رحمت اور لطف و عنایت اور تخفیف اور سہولت اور عفو اور مغفرت اور کافرین کے مقابلہ میں فتح اور نصرت کا مضمون ہے جس کی برنگ دُعا اس امت کو تعلیم و تلقین کی گئی ہے اشارہ اس طرف ہے کہ سورۂ بقرہ کے اخیر میں جو دعائیں تم کو تلقین کی گئی ہیں وہ ہم سے مانگو ہم تمہاری یہ تمام دعائیں اور درخواستیں قبول کریں گے۔

---

(۱) در منثور : ج ۶، ص : ۱۲۳

وَلَوْ لَمْ تُرِدْ نَيْلَ مَا نَرْجُو وَنَطْلُبُهُ ۔ مِنْ فَيْضِ جُوْدِكَ مَا عَلَّمْتَنَا الطَّلَبَا

اگر تیرا ارادہ ہم کو اپنے دریائے کرم سے ہمارے مطلوب عطا نہ کرنے کا نہ ہوتا تو ہم کو طلب اور استدعا کی تعلیم بھی نہ دیتا یعنی درخواست کا مضمون ہی نہ بتاتا۔ تیسرا عطیہ آپ کو یہ عطا کیا گیا کہ جو شخص آپ کی امت میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ گردانے اللہ تعالیٰ اس کے کبائر سے درگذر فرمائے گا یعنی گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافروں کی طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہ ڈالے گا۔ کسی کو انبیاء کرام کی شفاعت سے معاف کرے گا اور کسی کو ملائکہ مکرمین کی شفاعت سے اور کسی کو اپنی خاص رحمت اور عنایت سے جس کے قلب میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا بالآخر وہ بھی جہنم سے نکال لیا جائے گا۔

اور ابوہریرہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ حق جل شانہ نے اثناء کلام میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے یہ فرمایا۔

فقال له ربه قد اتخذتك	آپ سے آپ کے پروردگار نے کہا
خليلا وحبيبا وارسلتك الى الناس	کہ میں نے تجھ کو اپنا خلیل اور حبیب بنایا
كافة بشيرا ونذيرا وشرحت لك	اور تمام لوگوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا
صدرك ووضعت عنك وزرك	اور تیرا سینہ کھولا اور تیرا بوجھ اُتارا اور
ورفعت لك ذكرك فلا اذكر الا ذكرت	تیری آواز کو بلند کیا میری توحید کے ساتھ
معي وجعلت امتك خير امة اخرجت	تیری رسالت اور عبدیت کا بھی ذکر کیا جاتا
للناس وجعلت امتك وسطا وجعلت	ہے اور تیری امت کو خیر الامم اور امت
امتك هم الاولين والاخرين وجعلت	متوسطہ اور عادلہ اور معتدلہ بنایا شرف
من امتك اقواما قلوبهم اناجيلهم	اور فضیلت کے لحاظ سے اولین اور
وجعلتك اول النبيين	ظہور اور وجود کے حساب سے آخرین بنایا

خلقا و آخرهم بعثا واعطيتك
سبعا من المثانى لم اعطها
نبيا قبلك واعطيتك خواتيم
سورة البقرة من كنز تحت العرش
لم اعطها نبيا قبلك واعطيتك
الكوثر واعطيتك ثمانية
اسهم الاسلام والهجرة والجهاد
والصلاة والصدقة وصوم
رمضان والامر بالمعروف
والنهى عن المنكر وجعلتك
فاتحا وخاتما الى آخر الحديث
اخرجه ابن جرير فى تفسير
سورة الاسراء عن ابى هريرةؓ
بطوله كذا فى الخصائص الكبرى (۱)

اور آپ کی امت میں سے کچھ لوگ ایسے
بنائے کہ جن کے دل اور سینہ ہی انجیل ہونگے
یعنی اللہ کا کلام ان کے سینوں اور دلوں پر
لکھا ہوا ہوگا اور آپ کو وجود نورانی اور
روحانی کے اعتبار سے اول النبین اور
بعثت کے اعتبار سے آخر النبیین بنایا
اور آپ کو سورۃ فاتحہ اور خواتیم سورۃ
بقرہ عطا کیے جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں
دیئے اور آپ کو حوض کوثر عطا کی اور
آٹھ چیزیں خاص طور پر آپ کی امت کو دیں
اسلام اور مسلمان کا لقب اور ہجرت اور جہاد
اور نماز اور صدقہ اور صوم رمضان امر بالمعروف
اور نہی عن المنکر اور آپ کو فاتح اور خاتم
بنایا یعنی اول الانبیاء اور آخر الانبیاء بنایا۔

وقال السيوطى فى الاية للكبرى فى شرح قصة الاسرا اخرجه الحاكم وغيره ورجاله موثقون الا ان ابا جعفر الرازى وثقه بعضهم وضعفه بعضهم وقال ابو زرعة يهم وقال الحافظ ابن كثير لا ظهر انه سيئ الحفظ (۲)

الغرض حق جل شانہ نے اس مقام قرب میں حضور کو گوناگوں الطاف وعنایات سے نوازا اور طرح طرح کے بشارات سے مسرور کیا اور خاص خاص احکام و ہدایات دیئے

(۱) الخصائص الکبریٰ ج ۱، ص: ۱۷۵ (۲) زرقانی شرح مواہب ج ۶، ص: ۱۰۳

سب سے اہم حکم یہ تھا کہ آپ کو اور آپ کی امت کو پچاس نمازوں کا حکم ہُوا۔ آں حضرت یہ تمام احکام و ہدایات لے کر بصد ہزار مسرت وابتہاج واپس ہوتے۔ واپسی میں پہلے حضرۃ ابراہیمؑ خلیل اللہ سے ملے حضرت ابراہیمؑ نے ان احکام و ہدایات اور فریضۂ نماز وغیرہ کے متعلق کچھ نہیں فرمایا۔ کما فی فتح الباری[۱] باب المعراج۔ بعدازاں موسیٰ علیہ السلام پر گذر ا انہوں نے دریافت کیا کہ کیا حکم ہُوا۔ آپ نے فرمایا دن رات میں پچاس نمازوں کا حکم ہُوا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں بنی اسرائیل کا خوب تجربہ کر چکا ہوں آپکی امت ضعیف اور کمزور ہے وہ اس فریضہ کو انجام نہیں دے سکے گی۔ اس لیے تم اپنے پروردگار کے پاس واپس جاؤ اور اپنی امت کے لیے تخفیف کی درخواست کرو۔ حضور واپس گئے اور حق تعالیٰ سے تخفیف کی درخواست کی حق تعالیٰ نے پانچ نمازیں کم کر دیں۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے۔ انہوں نے پھر یہی بات کہی۔ آپ پھر گئے اور تخفیف کی درخواست کی مکرر سہ تخفیف کے بعد جب پانچ نمازیں رہ گئیں اور پھر بھی موسیٰ علیہ السلام نے یہی مشورہ دیا کہ جائیے اور حق تعالیٰ سے تخفیف کی درخواست کی جائے تو آپ نے یہ فرمایا کہ میں نے بار بار درخواست کی اب میں حق تعالیٰ سے شرما گیا۔ آپ موسیٰ علیہ السلام کو یہ جواب دیکر آگے روانہ ہوئے۔ غیب سے ایک آواز آئی کہ یہ پانچ ہیں مگر پچاس کے برابر ہیں یعنی ثواب میں پچاس ہیں اور میرے قول میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ میرے علم میں اسی طرح متعین اور طے شدہ تھا کہ اصل فرض پانچ نمازیں ہیں اور پچاس سے پانچ تک تدریج و ترتیب کسی مصلحت اور حکمت کی بنا پر اختیار کی گئی جیسے طبیب کے معالجہ میں ترتیب و تدریج حکمت اور مصلحت پر مبنی ہوتی ہے اور مریض اپنی لاعلمی کی وجہ سے اس کو تغیر و تبدل سمجھتا ہے۔ واللہ اعلم۔

---

[۱] قال الحافظ وفی ہذہ الروایۃ من الزیادۃ فانصرفت سریعا فلم تقل شیئا ثم اتیت علی موسیٰ فقال ما صنعت الخ

فتح الباری ص ۱۶۹ ج ۷ باب المعراج

اس طرح سے آسمانوں سے واپسی ہوئی اور اولا بیت المقدس میں آکر اترے اور وہاں سے براق پر سوار ہو کر صبح سے پہلے مکہ مکرمہ پہنچے صبح کے بعد آپ نے یہ واقعہ قریش کے سامنے بیان کیا سن کر حیران ہو گئے کسی نے تعجب سے سر پہ ہاتھ رکھ لیا اور کسی نے تالیاں بجائیں اور از راہ تعجب یہ کہنے لگے کہ ایک ہی رات میں بیت المقدس جا کر واپس آ گئے جو لوگ بیت المقدس دیکھے ہوتے تھے انھوں نے بطور امتحان بیت المقدس کی علامتیں دریافت کرنا شروع کر دیں حق تعالیٰ نے بیت المقدس کو آپ کی نظروں کے سامنے کر دیا۔ کفار نے سوالات شروع کیے آپ اس کو دیکھتے جاتے تھے اور ان کے سوالات کا جواب دیتے جاتے تھے۔ حتیٰ کہ جب کوئی بات پوچھنے سے باقی نہ رہی تو یہ کہا کہ اچھا اب کوئی راستہ کا واقعہ بتلاؤ۔ آپ نے فرمایا کہ راستہ میں فلاں جگہ مجھ کو ایک تجارتی قافلہ ملا جو شام سے مکہ واپس آ رہا ہے اس کا ایک اونٹ گم ہو گیا جو بعد میں مل گیا۔ انشاء اللہ تعالیٰ تین دن کے بعد وہ قافلہ مکہ پہنچ جائے گا اور ایک خاکستری رنگ کا اونٹ سب سے آگے ہو گا جس پہ دو بورے لدے ہوں گے۔ چنانچہ تیسرے دن اسی شان سے وہ قافلہ مکہ میں داخل ہوا اور اونٹ کے گم ہونے کا واقعہ بھی بیان کیا۔ ولید بن مغیرہ نے یہ سن کر اور یہ دیکھ کر یہ کہا کہ یہ جادو ہے۔ لوگوں نے کہا ولید سچ کہتا ہے۔ (۱)

حبس شمس

بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یہ نشانی بتلائی کہ فلاں تجارتی قافلہ جو شام سے آ رہا ہے وہ بدھ کی شام تک مکہ پہنچ جائے گا۔ جب بدھ کا دن ہوا تو قافلہ نہ پہنچا اور آفتاب غروب کے قریب ہو گیا۔ آنحضرت نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے آفتاب کو کچھ دیر کے لیے روک دیا۔ یہاں تک کہ قافلہ آپ کی خبر کے مطابق اسی روز شام کو مکہ پہنچ گیا[۲]

(۱، ۲) زرقانی ج ۶، ص: ۱۲۶

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قافلہ صبح کے وقت مکہ مکرمہ پہنچا ممکن ہے کہ دو قافلہ ہوں ایک صبح پہنچا ہو اور ایک شام اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ہی قافلہ ہو کچھ آدمی صبح کو پہنچے ہوں اور کچھ غروب کے وقت علماء سیرت کے نزدیک یہ معجزہ حبس شمس کے نام سے موسوم ہے۔ شیخ تقی الدین سبکیؒ فرماتے ہیں۔

وَشَمْسُ الضُّحٰى طَاعَتْكَ عِنْدَ مَغِيبِهَا فَمَا غَرَبَتْ بَلْ وَافَقَتْكَ بِوَقْفَةٍ

اس طرح حق جل شانہ نے آپ کا صدق ظاہر فرمایا اور قریش نے آپ کا صدق آنکھوں سے دیکھ لیا اور کانوں سے سُن لیا مگر اپنی اسی تکذیب اور عناد پر تلے رہے اور مقابلے پر تلے رہے اور مقابلے پر تلے رہے۔ کچھ لوگ ابوبکرؓ کے پاس آئے اور کہا کہ تمہارے دوست یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے ہیں کہ میں آج رات بیت المقدس گیا تھا اور صبح سے پہلے واپس آ گیا کیا تم اس کی بھی تصدیق کرو گے۔ ابوبکرؓ نے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے۔ لوگوں نے کہا ہاں۔ ابوبکرؓ نے کہا کہ اگر حضورؐ نے یہ فرمایا ہے تو بالکل سچ فرمایا ہے میں اس کی تصدیق کرتا ہوں اور میں تو اس سے بھی بڑھ کر آپ کے بیان کردہ آسمانی خبروں کی صبح و شام تصدیق کرتا رہتا ہوں۔ اسی روز سے آپ کا لقب صدیق ہو گیا (۱)

لطائف و معارف اور اسرار و حکم

(۱) حق جل شانہ نے واقعہ اسراء کو لفظ سبحان الذی سے اس لیے شروع فرمایا کہ کوئی کوتاہ نظر اور تاریک خیال اس کو ناممکن اور محال نہ سمجھے۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے ضعف اور عجز سے پاک اور منزہ ہے ہماری ناقص عقلیں اگرچہ کسی شے کو کتنا ہی مستبعد اور عجیب سمجھیں مگر خدا کی لامحدود قدرت اور مشیت کے سامنے کوئی مشکل نہیں۔

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن کہ جاہا سپر باید انداختن

نیز اس طرف اشارہ ہے کہ یہ کوئی واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہیں بلکہ ایک عظیم الشان

(۱) الخصائص الکبریٰ ج ۱، ص: ۱۷۶

معجزہ اور کرامت ہے جو آپ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوا۔ حق جل شانہ نے اپنی قدرت کاملہ سے حضور پُر نور کو بحالت بیداری اسی جسم اطہر کے ساتھ آسمانوں کی سیر کرائی تمام صحابہ اور تابعین اور سلف صالحین کا یہی عقیدہ ہے کہ حضور پُر نور کو اسی جسد مبارک کے ساتھ بحالت بیداری معراج ہوئی صرف دو تین صحابہ اور تابعین سے نقل کیا جاتا ہے کہ یہ سیر روحانی تھی یا کوئی عجیب و غریب خواب تھا۔ مگر صحیح یہی ہے کہ اسراء و معراج کا تمام واقعہ از اوّل تا آخر بحالت بیداری اسی جسد شریف کے ساتھ واقع ہوا اگر کوئی خواب یا کشف ہوتا تو مشرکین مکہ اس قدر تمسخر اور استہزاء نہ کرتے اور نہ بیت المقدس کی علامتیں آپ سے دریافت کرتے خواب میں دیکھنے والے سے نہ کوئی علامت پوچھتا ہے اور نہ کوئی اس کا مذاق اڑاتا ہے نیز لفظ "اسریٰ" خواب یا کشف کے لیے مستعمل نہیں ہوتا بلکہ بیداری کی حالت کے لیے مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ لوط علیہ السلام کے قصہ میں ہے۔ قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ اور اور موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے فاسر بعبادی لیلا ان دونوں قصوں میں اسراء سے رات کے وقت بحالت بیداری لے جانا مراد ہے نیز اگر یہ واقعہ معراج کوئی خواب ہوتا تو حضور کے معجزات میں شمار نہ ہوتا اس لیے کہ خواب میں تو یہودی اور نصرانی بھی آسمان اور جنت اور جہنم کی سیر کر سکتا ہے۔ نیز ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے انبیاء پر جو فضیلت ہے ان میں دو باتیں خاص طور پر باعث فضیلت ہیں دنیا میں معراج اور آخرت میں شفاعت۔ محض خواب ایسی فضیلت عظمیٰ کا سبب نہیں ہو سکتا۔ علماء فرماتے ہیں کہ حضور کو یہ دونوں فضیلتیں اور یہ دونوں دولتیں تواضع کی بدولت حاصل ہوئیں۔ حضور نے حق تعالیٰ کے ساتھ تواضع کی تو دولت معراج کی پائی اور مخلوق کے ساتھ تواضع کی دولت شفاعت کی پائی۔ ۲۔ حق جل شانہ نے اس مقام پر حضور کی شان عبدیت کو ذکر فرمایا اور شان نبوت اور رسالت کو ذکر نہیں فرمایا۔

یعنی "اسرٰی بعبدہ" فرمایا اور "اسرٰی بنبیہ ورسولہ" نہیں فرمایا اس لیے کہ سیر الی اللہ کے لیے وصف عبدیت ہی مناسب ہے کہ بندہ سب کو چھوڑ کر اپنے آقا کی طرف جا رہا ہے اور نبوت اور رسالت کے معنی خدا کی طرف سے بندوں کی طرف آنے کے ہیں۔ اس لیے وصف نبوت و رسالت کا ذکر اس مقام پر مناسب ہے کہ جہاں انبیاء کرام کا منجانب اللہ بندوں کی طرف آنا بیان کیا گیا ہے کما قال تعالیٰ اِنَّآ اَرۡسَلۡنَآ اِلَيۡكُمۡ رَسُوۡلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيۡكُمۡ كَمَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا (۱) حق تعالیٰ نے اس مقام پر انا ارسلنا الیکم عبدنا نہیں فرمایا اس لیے کہ اس جگہ انبیاء کرام کا دنیا کی طرف مبعوث ہونا بیان فرمایا ہے۔ دنیا کو چھوڑ کر اپنی طرف آنا یا بلانا بیان نہیں فرمایا۔ خلاصہ یہ کہ یہ مقام سیر الی اللہ اور خدا کی طرف جانے کا تھا۔ اس لیے عبد کا لفظ استعمال فرمایا اور رسول اور نبی کا لفظ استعمال نہیں فرمایا۔ نیز عبد کا لفظ اس لیے بھی اختیار فرمایا کہ کہیں ناقص العقل نصاریٰ کی طرح حضور پر نور کو معراج آسمانی کی وجہ سے خدا نہ خیال کر بیٹھیں۔

امام رازی اپنے والد ماجد سے ناقل ہیں کہ میں نے ابو القاسم سلیمان انصاری کو یہ کہتے سنا کہ شب معراج میں حق تعالیٰ نے نبی کریم سے دریافت فرمایا کہ آپ کو کون سا لقب اور کونسی صفت سب سے زیادہ پسند ہے آپ نے فرمایا صفت عبدیت تیرا بندہ ہونا مجھ کو سب سے زائد محبوب ہے۔ اس لیے جب یہ سورت نازل ہوئی تو اسی پسند کردہ لقب کے ساتھ نازل ہوئی۔

(۳) اسراء کے معنی اگرچہ رات ہی کو لیجانے کے ہیں لیکن لیلاً کی تصریح اس لیے کی گئی تاکہ نکرہ ہونے کی وجہ سے تبعیض اور تقلیل پر دلالت کرے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے رات کے بعض اور قلیل ہی حصہ میں زمین و آسمان کی سیر کروادی اور رات کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ رات عادۃً خلوت اور تنہائی کا وقت ہے ایسے وقت میں بلانا مزید

---

(۱) المزمل، آیۃ: ۱۵

تقرب اور اختصاص خاص کی دلیل ہے اور اسی وجہ سے قیام اللیل اور تہجد کی فضیلت قرآن کریم اور احادیث میں خاص طور سے آئی ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ۔ وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ۔ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِیْلًا۔ كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ۔ وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا۔ نیز قرآن کریم میں آپ کا لقب سراج منیر آیا ہے اور سراج منیر یعنی روشن چراغ کے لیے رات ہی مناسب ہے۔

قلت یاسیدی فلم تؤثر اللیل علی بهجة النهار

میں نے کہا اے میرے محبوب آپ اپنی سیر میں رات کو دن کے مقابلہ میں کیوں ترجیح دیتے ہیں کہ رات کو نکلتے ہیں دن کو نہیں

قال لا استطیع تغییر رسمی هکذا الرسم فی طلوع البدور

جواب میں یہ کہا کہ میں اپنی رسم اور عادت کو نہیں بدل سکتا۔ بدر کی رسم یہی ہے کہ رات میں طلوع کرے

(۴) مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے جانے میں شاید یہ حکمت ہو کہ مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ دونوں قبلوں کے انوار و برکات اور حضرات انبیاء بنی اسرائیل کے فضائل و کمالات حضور پُر نور میں جمع کر دیئے جائیں اور اس طرف بھی اشارہ ہو جائے کہ اب عنقریب ہی بنی اسرائیل کا قبلہ بنی اسماعیل کے قبضہ میں دے دیا جائے گا اور امت محمدیہ دونوں قبلوں یعنی کعبۃ اللہ اور مسجد اقصیٰ کے انوار و برکات کی حامل ہوگی اور حضرات انبیاء و مرسلین اور ملائکہ مکرمین کا حضورؐ کی اقتداء میں نماز ادا کرنا حضور پرنور کی سیادت اور امامت انبیاء کا حسّی نمونہ دکھلانے کے لیے تھا کہ مقربین بارگاہ خداوندی اپنی آنکھوں سے آپ کی سیادت اور امامت کا مشاہدہ کرلیں۔

مسئلہ:

حضرات انبیاء نے اور ملائکہ نے حضورؐ کی اقتداء میں نماز پڑھی ظاہر یہ ہے کہ

سب نے خاموشی کے ساتھ آپ کی قرأت کو سُنا کسی کا آپ کے پیچھے پڑھنا کہیں ثابت نہیں اور قرآن کریم کا حق بھی یہی ہے کہ اس کو خاموشی کے ساتھ سنا جائے۔ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۔ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ میں رحمت کا وعدہ منصتین کے لیے ہے اور امام کے ساتھ پڑھنے والوں کے لیے رحمت کا وعدہ نہیں اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ قرأت خلف الامام کے قائل نہیں۔

(۵) ظاہر یہ ہے کہ نماز جو حضورؐ نے مسجد اقصیٰ میں پڑھائی وہ نفل تھی بعض کہتے ہیں کہ فرض نماز تھی جو معراج سے پہلے آپ پر فرض تھی۔ واللہ اعلم (۱)

صحیح یہی ہے کہ وہ نماز نفل تھی اس لیے کہ روایات سے یہ ثابت ہے کہ حضورؐ کا یہ سفر نماز عشاء اور نماز فجر کے درمیان میں تھا۔ آپ عشاء کی نماز پڑھ کر بستر استراحت پر لیٹ چکے تھے تب جبرئیل براق لیکر آئے اور نماز فجر سے پہلے مکہ مکرمہ آسمانوں سے واپس آگئے اور صبح کی نماز مکہ میں ادا فرمائی کما فی فتح الباری ص۱۵ ج۷ حدیث الاسراء معلوم ہُوا کہ یہ نماز جو آپ نے ملائکہ اور انبیاء کرام کو پڑھائی فرض نماز نہ تھی بلکہ نفل نماز تھی۔ واللہ اعلم۔

(۶) جبرئیل امین کا بجائے دروازے کے چھت کھول کر اترنا شق صدر کی طرف اشارہ تھا کہ اسی طرح آپ کا سینہ کھولا جائے گا اور پھر عنقریب ہی اس کو سی دیا جائے گا۔

(۷) ایمان و حکمت اگرچہ اس عالم کے اعتبار سے معانی اور اعراض کے قبیل سے ہیں۔ لیکن عالم آخرت میں معانی اور اعراض اجسام بنا دیئے جاتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران دو بادلوں کی شکل میں نمودار ہوں گی اور اپنے پڑھنے والوں پر سایہ کریں گی اور موت کو مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا۔ وغیرذالک۔ تفصیل کے لیے زرقانی کی مراجعت کی جائے (۲)

---

(۱) زرقانی ج: ۶، ص: ۵۴ (۲) زرقانی ج: ۶ ص: ۲۸ - ۳۰۔

(۸) شق صدر کے اسرار و حکم ابتداء کتاب میں گذر چکے ہیں۔ وہاں دیکھ لیے جائیں۔
(۹) آسمانوں میں انہی چند حضرات انبیاء کرام کو آں حضرت کی ملاقات کے لیے خاص کرنے میں ان خاص حالات کی طرف اشارہ تھا جو حضور کو بعد میں وقتاً فوقتاً پیش آئے جیسا کہ علماء تعبیر کا قول ہے کہ جس نبی کو خواب میں دیکھے اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس جیسے حالات اس کو پیش آئیں گے۔ پہلے آسمان میں حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات کی چونکہ حضرت آدمؑ اوّل الانبیاء ہیں اور اوّل الاباء ہیں اس لیے سب سے پہلے ان سے ملاقات کرائی گئی اور اس ملاقات میں ہجرت کی طرف اشارہ تھا کہ جس سے حضرت آدم نے ایک دشمن کی وجہ سے آسمان اور جنت سے زمین کی طرف ہجرت فرمائی۔ اسی طرح آپ بھی مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت فرمائیں گے اور حضرت آدم کی طرح آپ کو وطن مالوف کی مفارقت طبعاً شاق ہوگی۔

دوسرے آسمان میں حضرت عیسیٰ و حضرت یحییٰ علیہما السلام سے ملاقات ہوئی حدیث میں ہے۔

انا اقرب الناس بعیسی	میں تمام انبیاء میں عیسیٰ بن مریم کے ساتھ
بن مریم لیس بینی	میں سب سے زیادہ قریب ہوں۔ میرے
وبینه نبی۔	اور اُن کے درمیان میں کوئی نبی نہیں۔

نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام اخیر زمانہ میں دجال کے لیے آسمان سے اتریں گے اور امت محمدیہ میں ایک مجدد ہونے کی حیثیت سے شریعت محمدیہ کو جاری فرمائیں گے اور قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام اوّلین و آخرین کو لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ شفاعت کبریٰ کی درخواست کریں گے۔ ان وجوہ سے حضرۃ عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کرائی گئی اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی معیت کی وجہ محض قرابت نسبی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اور حضرۃ یحییٰؑ دونوں خلیرے بھائی ہیں۔ اس ملاقات میں

یہود کی تکالیف اور ایذا رسانیوں کی طرف اشارہ تھا کہ یہود آپ کے درپے آزاد ہوں گے اور آپ کے قتل کے لیے طرح طرح کے مکر اور حیلے کریں گے مگر جس طرح اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو یہود بے بہبود کے شر سے محفوظ رکھا اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ کو بھی ان کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ تیسرے آسمان میں یوسف علیہ السلام سے ملاقات فرمائی۔ اس ملاقات میں یہ اشارہ اس طرف تھا کہ یوسف علیہ السلام کی طرح آپ بھی اپنے بھائیوں سے تکلیف اٹھائیں گے اور بالآخر آپ غالب آئیں گے اور ان سے درگذر فرمائیں گے۔ چنانچہ فتح مکہ کے دن آپ نے قریش کو اسی خطاب سے مخاطب کیا جس سے یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو خطاب کیا تھا۔ چنانچہ فرمایا۔

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰہُ	آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔ اللہ تم کو
لَکُمْ وَھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ اذھبوا	معاف کرے۔ وہ ارحم الراحمین ہے
فانتم الطُّلقاء ای العتقاء (۱)	اور جاؤ تم سب آزاد ہو۔

نیز امت محمدیہ جب جنت میں داخل ہو گی تو یوسف علیہ السلام کی صورت پر ہو گی اور حضرت ادریس علیہ السلام کی ملاقات میں اس طرف اشارہ تھا کہ آپ سلاطین کو دعوت اسلام کے خطوط روانہ فرمائیں گے کیونکہ خط اور کتابت کے اوّل موجد ادریس علیہ السلام ہیں۔ نیز حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں ورفعناہ مکانا علیًّا آیا ہے تو ان کی ملاقات میں اس طرف اشارہ تھا کہ آپ کو بھی اللہ تعالیٰ رفعت منزلت اور علو مرتبت عطا فرمائے گا۔ چنانچہ جب آپ نے شاہ روم کے نام والا نامہ تحریر فرمایا تو شاہ روم مرعوب ہو گیا جیسا کہ صحیح بخاری میں ابوسفیان کا قول ہے۔

امر امر ابن ابی کبشۃ حتی یخافہ ملک بنی الاصفر

اور حضرت ہارون علیہ السلام کی ملاقات میں اس طرف اشارہ تھا کہ جس طرح

---

(۱) فتح الباری ج: ۷، ص: ۱۶۳

سامری اور گوسالہ پرستوں نے حضرت ہارون کے ارشاد سراپا شاد پر عمل نہ کیا جس کا انجام یہ ہوا کہ اس ارتداد کی سزا میں قتل کیے گئے اسی طرح جنگ بدر میں قریش کے ستّر سردار مارے گئے اور ستر قید کیے گئے اور عرنیین کو مرتد ہو جانے کی وجہ سے قتل کیا گیا اور اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات میں اس طرف اشارہ تھا کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام ملک شام میں جبّارین سے جہاد وقتال کے لیے گئے اور اللہ نے آپ کو فتح دی اس طرح آپ بھی ملک شام میں جہاد وقتال کے لیے داخل ہوں گے چنانچہ آپ شام میں غزوۂ تبوک کے لیے تشریف لے گئے اور دومۃ الجندل کے رئیس نے جزیہ دے کر صلح کی درخواست کی آپ نے اس کی صلح کی درخواست منظور فرمائی اور جس طرح ملک شام حضرت موسیٰ کے بعد حضرت حضرت یوشع کے ہاتھ پر فتح ہوا اس طرح حضور پرنور کے بعد حضرت عمر کے ہاتھ پر پورا ملک شام فتح ہوا اور اسلام کے زیر نگین آیا اور ساتویں آسمان میں ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت معمور سے پشت لگائے بیٹھے ہیں۔

بیت معمور ساتویں آسمان میں ایک مسجد ہے جو خانہ کعبہ کے محاذات میں واقع ہے ستّر ہزار فرشتے روزانہ اس کا حج اور طواف کرتے ہیں۔ چونکہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ بانی کعبہ ہیں اس لیے ان کو یہ مقام عطا ہوا۔ اس آخری ملاقات میں حجۃ الوداع کی طرف اشارہ تھا کہ حضور پرنور وفات سے پیشتر حج بیت اللہ فرمائیں گے اور علماء تعبیر کے نزدیک خواب میں حضرت ابراہیم کی زیارت حج کی بشارت ہے۔

یہ اسرار وحکم فتح الباری ص ۱۶۲ ج ۷ و روض الانف ص ۲۵ ج ۱ و زرقانی شرح مواہب ص ۶۷ ج ۶ تا ص ۷۲ ج ۶ سے لیے گئے ہیں۔ حضرات اہل علم۔ اصل کی مراجعت فرمائیں۔ ابن منیر فرماتے ہیں کہ یہاں تک سات معراجیں ہوئیں آٹھویں معراج سدرۃ المنتہیٰ تک ہوئی اس میں فتح مکہ کی طرف اشارہ تھا جو ۸ھ میں فتح ہوا اور نویں معراج سدرۃ المنتہیٰ سے مقام صریف الاقلام

تک ہوئی اس معراج میں غزوۂ تبوک کی طرف اشارہ ہوا۔ جو ۹ھ میں پیش آیا اور دسویں معراج رفرف اور مقام قرب او ر دنو تک ہوئی جہاں دیدار خداوندی ہوا اور کلام ربانی سنا اس دسویں معراج میں چونکہ لقاء خداوندی حاصل ہوا اس لیے اس میں اشارہ اس طرف تھا کہ ہجرت کے دسویں سال حضور کا وصال ہوگا اور اس سال خداوند ذوالجلال کا لقاء ہوگا اور دار دنیا کو چھوڑ کر رفیق اعلیٰ سے جا ملیں گے۔ کذا فی رسالۃ الحافظ السیوطی فی قصۃ الاسراء ص ۴۵۔

(۱۰) حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حضرات انبیاء کرام کے اجسام مبارکہ کو حرام کیا ہے زمین اُن کے جسموں کو کھا نہیں سکتی۔ اس لیے حضرات انبیاء کرام کے اجسام مبارکہ کا اصل مستقر تو ان کی قبور ہیں اور حضور پرنور کا انبیاء کرام کو بیت المقدس اور آسمانوں میں دیکھنا اس سے یا تو ان کی ارواح مبارکہ کو دیکھنا مراد ہے یا مع اجسام عنصریہ کہ دیکھنا مراد ہے کہ حضور کے اعزاز و اکرام کے لیے انبیاء کرام کو مع اجسام عنصریہ کے مسجد اقصیٰ اور آسمانوں میں مدعو کیا گیا۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللهِ بِعَزِيْزٍ ۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اجسام اصلیہ تو قبور میں رہے اور اللہ نے ان کی ارواح کو اجسام مثالیہ کے ساتھ متمثل کر کے آپ کی ملاقات کے لیے جمع کیا۔ البتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر جسد اصلی کے ساتھ دیکھا کیونکہ وہ اسی جسم کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے اور علیٰ ہذا ادریس علیہ السلام کو بھی جسم اصلی کے ساتھ دیکھا کہ وہ بھی زندہ اٹھائے گئے (۱)

اسی شب میں آپ پر اور آپ کی امت پر پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔ آپ سمعنا و اطعنا کہہ کر واپس ہوئے۔ واپسی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملے مگر حضرۃ ابراہیم علیہ السلام نے کچھ نہیں فرمایا۔ بعد ازاں موسیٰ علیہ السلام پر گذر ہوا۔ انھوں نے

(۱) فتح الباری ج: ۷، ص: ۱۶۲، زرقانی ج: ۶، ص: ۷۲، ۷۳

تخفیف کا مشورہ دیا۔ وجہ یہ تھی کہ مقام خُلت۔ مقام رضاء و تسلیم یعنی مقام نیاز ہے۔ اور مقام تکلیم۔ مقام ناز ہے۔ اس لیے حضرت خلیل اللہ نے سکوت فرمایا اور حضرۃ کلیم اللہ نے تخفیف کا مشورہ دیا۔ خلیل اللہ ساکت رہے اور کلیم اللہ بولے۔

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ کی بناء پر حضور بار بار تخفیف کی درخواست کرتے رہے بالآخر جب پانچ نمازیں رہ گئیں تو حضور نے فرمایا کہ اب مجھ کو شرم آتی ہے۔ وجہ شرم کی یہ تھی کہ آپ نے اس سے قبل نو مرتبہ تخفیف کی درخواست میں یہ دیکھ لیا کہ ہر مرتبہ پانچ نمازوں کی تخفیف ہو جاتی ہے پس جبکہ تخفیف ہوتے ہوتے صرف پانچ ہی رہ گئیں تو اگر اس کے بعد بھی تخفیف کا سوال کیا جائے تو اس درخواست کا یہ مطلب ہوگا کہ یہ پانچ بھی ساقط ہو جائیں اور فرض کا کوئی حصہ بھی ایسا نہ رہے کہ جو واجب الامتثال ہو سکے اس لیے حضور شرما گئے اور واپس جانے سے انکار فرما دیا۔

(۱۳) عروج سمٰوات سے پہلے آپ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا اور آب زمزم سے اس کو دھویا گیا اور ایمان اور حکمت سے بھر کر اس کو سی دیا گیا تاکہ اس عجیب و غریب طہارت کے بعد افضل عبادات کی فرضیت کا حکم دیا جا سکے۔

(۱۴) سیر سمٰوات میں آپ نے ملائکۃ اللہ کو مختلف عبادتوں میں مشغول پایا۔ بعض ہیں کہ قیام ہی کی حالت میں دست بستہ کھڑے ہیں اور بعض ہیں کہ رکوع ہی میں ہیں کبھی سر نہیں اٹھاتے اور بعض ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سربسجود ہیں اور بعض ہمیشہ قعود میں ہیں۔ حق تعالیٰ نے اس امت کے لیے ان تمام ارکان کو ایک ہی رکعت میں جمع کر دیا تاکہ امت کی عبادت تمام ملائکہ کی عبادتوں کا مجموعہ اور خلاصہ ہو (۱)

نیز قرآن کریم میں ہے کہ ہر شئی ہر وقت اللہ کی تسبیح اور تحمید کرتی ہے۔ کما قال تعالیٰ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ (۲) کائنات

---

(۱) فتح الباری ج ۷، ص: ۱۶۸ (۲) الاسراء، آیۃ : ۴۴۔

کا کوئی وقت اللہ کی تسبیح سے خالی نہیں گذرتا اور ظاہر ہے کہ کائنات کی تسبیح ایک طور پر نہیں مختلف طور پر ہے۔ اشجار اور نباتات کی تسبیح ہمیشہ بحالت قیام ہے اور بہائم اور چوپاؤں کی تسبیح ہمیشہ بحالت رکوع ہے اور حشرات الارض کی تسبیح ہمیشہ بحالت سجود ہے۔ ہر وقت ان کی جبین نیاز زمین سے لگی رہتی ہے اور احجار و جمادات کی تسبیح ہمیشہ بحالت قعود ہے۔ حق جل شانہ نے ہماری نماز میں تحمید و تسبیح کی تمام اقسام کو یکجا جمع فرمایا۔

نیز انسان عناصر اربعہ سے مرکب ہے اس لیے اس کی عبادت بھی قیام اور قعود، رکوع اور سجود ان ارکان اربعہ سے مرکب ہوئی اور چونکہ خدا سے غفلت کے اسباب پانچ ہیں یعنی حواس خمسہ اس لیے ایک دن میں پانچ نمازیں فرض کی گئیں۔

(۱۵) علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج میں دیدار خداوندی سے مشرف ہوئے یا نہیں اور اگر رویت ہوئی تو وہ رویت بصری تھی یا رویت قلبی تھی یعنی سر کی آنکھوں سے دیکھا یا دل کی آنکھوں سے دیکھا یاد رہے کہ دل کی آنکھوں سے دیکھنا اور ہے اور جاننا اور ہے جمہور صحابہ اور تابعین کا یہی مذہب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کو سر کی آنکھوں سے دیکھا اور محققین کے نزدیک یہی قول راجح اور حق ہے اس لیے احادیث میں تصریح ہے کہ خود نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے جب دریافت کیا گیا کہ کیا آپ نے پروردگار کو دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ ہاں میں نے شب معراج میں اپنے پروردگار کو دیکھا۔

اخرج احمد بسند صحیح عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأیت ربی عز وجل (۱)	مسند امام احمد میں سند صحیح کے ساتھ مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے حق تعالیٰ کو دیکھا۔ خصائص کبریٰ۔
واخرج الطبرانی فی السنۃ والحکیم	امام طبرانی اور حکیم ترمذی نے انس سے

(۱) الخصائص الکبریٰ ج ۱، ص: ۱۶

عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رایت النور الاعظم فاوحی اللہ الیّ ماشاء (۱)

روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے نور اعظم یعنی نور الٰہی کو دیکھا پھر اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی جو چاہی یعنی مجھ سے بلاواسطہ کلام فرمایا۔

ابن عباسؓ کی ایک[۲] مرفوع روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شب معراج میں آپ کو رویت بصری اور رویت قلبی دونوں حاصل ہوئیں حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے نور بصر کو نور بصیرت میں ایسا مدغم فرمایا کہ آپ کی رویت بصری اور رویت قلبی میں کوئی فرق نہ رہا ؎

کلام سرمدی بے نقل بشنید | خداوند جہاں را بے جہت دید
دراں دیدن کہ حیرت حاصلش بود | دلش در چشم و چشمش در دلش بود

حضرت نظامی رحمہ اللہ تعالیٰ

کلامیکہ بے آلہ آمد شنید | لقائیکہ آں دیدنی بود دید
چنانچہ دیدکز حضرت ذوالجلال | نہ زانسو جہت بد نہ زیں سو خیال

عارف جامی قدس سرہٗ السامی

بدید آنچہ از دیدن بروں بود | مپرس از ما زکیفیت کہ چوں بود
نہ چندی و گنجد آنجا و نہ چونی | فرد بند از کمی لب وز فزونی
شنید آنگہ کلامے نہ باآواز | معانی در معانی راز باراز

---

(۱) وہ روایت یہ ہے اخرج ابن جریر عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأیت ربی عزوجل باحسن صورۃ الی ان قال ماکذب الفواد مارأی فجعل نور بصری فی فؤادی فنظرت الیہ بفوادی۔ انتہی درمنثور ص۱۲۴ ج ۶ (۲) تفسیر درمنثور ج ۶ ص: ۱۲۳

نہ آگاہی از وکلام و زباں را　　نہ ہمراہی از ونطق و بیاں را

حافظ توربشتیؒ المعتمد فی المعتقد میں لکھتے ہیں کہ رویت قلبی یعنی دل کے دیکھنے سے محض علم اور معرفت مراد نہیں اس لیے کہ یہ بات تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے سے حاصل تھی بلکہ مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے حضور کے دل میں اس قسم کی رویت فرمائی کہ جس طرح کی رویت چشم سر کو حاصل ہے یا یہ مراد ہے کہ آنکھ دل کی معاونت سے اور دل چشم کی موافقت اور مقارنت سے دولت دیدار سے مشرف ہوا۔ بوقت دیدار دل آنکھ کے ساتھ تھا اور آنکھ دل کے ساتھ تھی۔ ایک دوسرے سے جدا نہ تھی۔ انتہیٰ کلامہ موضحا واللہ اعلم۔

ملاحدہ کے اعتراضات اور ان کے جوابات

ملاحدہ نے حضور کے معراج جسمانی پر جو اعتراضات کیے ہیں ان سب کا اجمال یہ ہے کہ فلسفہ قدیمہ تو اجرام فلکیہ میں خرق والتیام کو محال بتلاتا ہے اور فلسفہ جدیدہ افلاک کے وجود ہی کو تسلیم نہیں کرتا۔ لہٰذا جب آسمان کا وجود ہی ثابت نہ ہوا تو معراج جسمانی کا ثبوت کس طرح ہوگا۔ نیز فلسفہ جدیدہ و قدیمہ دونوں اس پر متفق ہیں کہ زمین سے کچھ اوپر کرۂ زمہریر ہے اور فلسفہ قدیمہ کے نزدیک کرہ ناری ہے اور ان دونوں مقاموں سے کسی جسم عنصری کا صحیح سالم اور زندہ عبور کرنا محال ہے لہٰذا عروج جسمانی بھی محال ہوگا بعض کہتے ہیں کہ جسم ثقیل کی اسقدر بلند اور سریع سیر عقلاً محال ہے۔

جواب :-

یہ سب استبعادات اور توہمات ہیں عقلا ان میں سے کوئی شئ بھی محال نہیں ھَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ۔ جو شخص ان چیزوں کے محال ہونے کا مدعی ہو وہ دلیل پیش کرے۔

(۱) تمام انبیاء اور مرسلین اور تمام کتب سماویہ اس پر متفق ہیں کہ قیامت قائم ہوگی اور آسمان پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ۔ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ اور حضرات انبیاء و مرسلین کا امر محال کے وقوع پر متفق ہونا قطعاً محال اور ناممکن ہے اور فلسفۂ قدیمہ نے جو افلاک کے خرق اور التیام کے محال ہونے کے بارے میں دلائل ذکر کیے ہیں حضرات متکلمین نے ان کا کافی اور شافی جواب دیدیا ہے۔

(۲) رہا فلسفہ جدیدہ کا افلاک کے وجود کو نہ تسلیم کرنا سو یہ افلاک کے معدوم ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا تمام عقلاء کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی شئ کا نظر نہ آنا یا اس کا ثابت نہ ہونا اس کے معدوم ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا ورنہ زمین اور آسمان کی اُن ہزارہا چیزوں کا انکار لازم آئے گا۔ جو ہماری نظر اور عقل اور علم سے مخفی اور پوشیدہ ہیں نیز عقلاء اس پر بھی متفق ہیں کہ کسی کا جہل اور عدم علم دوسرے پر حجت نہیں۔

(۳) آجکل نئی نئی قسم کے ایسے آلات ایجاد ہو رہے ہیں کہ جن کے ذریعہ سے جسم حرارت اور برودت کے خارجی اثرات سے بالکل محفوظ رہتا ہے اور خداوند ذوالجلال کی قدرت تو اس سے کہیں اعلیٰ اور ارفع ہے۔ مالتراب و رب الارباب مشت خاک کو خداوند افلاک سے کیا نسبت۔ سرکاری باغوں میں ایسے درخت موجود ہیں کہ بجائے پانی کے ان کے نیچے آگ روشن کی جاتی ہے وہ آگ کی گرمی سے سرسبز رہتے ہیں اگر آگ کی حرارت کم ہو جائے تو خشک ہو جاتے ہیں۔ سمندر میں ایک کیڑا ہے جو آگ میں پیدا ہوتا ہے وہ نہ آگ سے جلتا ہے نہ مرتا ہے بلکہ آگ اس کے حق میں حیات ہے اور آگ سے جدائی اس کے لیے موت ہے۔

(۴) نیز ہزارہا من وزن کے طیاروں کا آسمانی فضا میں اڑنا اور گھنٹوں میں ہزارہا میل کی مسافت طے کرنا ساری دنیا کے سامنے ہے پھر فقط ایک انسان کے پرواز اور طیران کے بارے میں کیوں اس قدر سرگردان اور حیران ہیں۔

(۵) آجکل ایسے زینے بھی ایجاد ہوگئے ہیں کہ بجلی کا بٹن دبانے سے ایک منٹ میں سو منزل کے آخری بالاخانہ پر پہنچا دیتے ہیں۔ کیا خداوند ذوالجلال ایسے معراج یعنی سیڑھی اور زینہ سے قاصر ہے کہ جو ایک منٹ میں اس کے کسی خاص بندہ کو زمین سے آسمان پر پہنچادے۔

(۶) ماہرین اکتشافات کے برابر اعلانات آرہے ہیں کہ فلسفہ اور سائنس کے ذریعے اب تک جو اکتشافات ہوئے ہیں وہ نہایت ہی قلیل ہیں اور آئندہ جن اکتشافات کی توقع ہے وہ اس سے ہزاراں ہزار درجہ زائد ہیں حتیٰ کہ یہاں تک اعلان آچکے ہیں کہ ہم عنقریب کواکب اور سیارات تک پہنچ جائیں گے۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے متمدن بھائی جو مغربی علوم کے سودائی و شیدائی ہیں وہ ان خبروں کو نہایت مسرت اور ابتہاج کے ساتھ سنتے اور سناتے ہیں مگر جب نبی امی فداہ نفسی وابی وامی کے معراج کی خبر کو سنتے ہیں تو طرح طرح کے شبہے اور وسوسے ان کے سامنے آجاتے ہیں۔ یورپ[1] کی وحی کی بے چون وچرا تصدیق کرتے ہیں اور اللہ کی وحی میں شبہے نکالتے ہیں اور ڈالتے ہیں۔

(۷) یہود کے نزدیک حضرت ایلیا علیہ السلام کا بجسدہ العنصری زندہ آسمان پر جانا اور عیسائیوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان پر جانا اور پھر اخیر زمانہ میں آسمان سے ان کا اترنا مسلم ہے اسی طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی جسم اطہر کے ساتھ آسمان پر جانا اور پھر واپس آنا قرآن وحدیث اور اجماع صحابہ و تابعین سے ثابت ہے اگر آسمان پر جانا عقلاً محال ہوتا تو صحابہ و تابعین کبھی اس پر متفق نہ ہوتے۔

---

[1] وہذا کما قال اللہ تعالیٰ وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰۤی اَوْلِیٰٓئِہِمْ ۱۲۔ منہ عفا اللہ عنہ۔

موسم حج میں دعوت اسلام

جب آپ نے دیکھا کہ قریش اپنی اسی عداوت اور دشمنی پر تلے ہوئے ہیں تو جب موسم حج آتا اور اطراف و اکناف سے لوگ آتے تو آپ خود ان کی فرودگاہ پر تشریف لے جاتے اور اسلام کی دعوت دیتے اور دین برحق کی نصرت و حمایت کے لیے فرماتے۔ آپ تو لوگوں کو توحید و تفرید صدق و اخلاص کی طرف بلاتے اور آپ کا چچا ابو لہب جس کا نام عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب تھا وہ اپنے تمام کام چھوڑ کر آپ کے پیچھے پیچھے یہ کہتا پھرتا کہ اے لوگو! دیکھو یہ شخص تم کو لات اور عزیٰ سے چھڑانا چاہتا ہے اور بدعت اور اور گمراہی کی طرف تم کو بلاتا ہے تم ہرگز اس کی اطاعت نہ کرنا۔ غرض یہ کہ آپ نے مختلف قبائل پر اسلام پیش کیا اور ان کو اسلام کی نصرت و حمایت کی دعوت دی کسی نے نرمی سے جواب دیا اور کسی نے سختی اور درشتی سے بعض نے یہ کہا کہ ہم اس شرط پر آپ کی نصرت و حمایت کریں گے کہ اگر آپ فتح یاب ہوئے تو اپنے بعد ہمیں اپنا خلیفہ بنائیں۔ آپ نے فرمایا یہ میرے اختیار میں نہیں اللہ کو اختیار ہے جس کو چاہے بنائے۔ ان لوگوں نے یہ کہا یہ خوب ہے کہ ہم تو آپ کے ساتھ ہو کر اپنی گردنیں کٹائیں اور اپنے سینوں کو عرب کے تیروں کا نشانہ بنائیں اور جب آپ کامیاب ہو جائیں تو دوسرے آپ کے خلیفہ اور جانشین ہوں (۱) قبیلۂ بنی ذہل بن شیبان کے پاس آپ تشریف لے گئے ابو بکرؓ اور علیؓ آپؐ کے ہمراہ تھے۔ مفروق بن عمرو اور ہانی بن قبیصہ اس قبیلہ کے سرداروں میں سے تھے۔ ابو بکرؓ نے مفروق سے مخاطب ہو کر کہا کہ کیا تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی خبر نہیں پہنچی اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ ہیں یہی اللہ کے رسول ہیں۔ مفروق نے کہا ہاں میں نے آپ کا تذکرہ سنا ہے

(۱) سیرت ابن ہشام ج: ۱، ص

اے برادر قریش آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں۔ آپ آگے بڑھے اور فرمایا اللہ کو وحدہٗ لاشریک لہٗ اور مجھ کو اس کا رسول اور پیغمبر مانو اور اس کے دین کی حمایت کرو۔ قریش نے اللہ کا حکم ماننے سے انکار کیا اور اس کے رسول کو جھٹلایا اور باطل کے نشے میں حق سے مستغنی ہو گئے وَ اللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ اور اللہ سب سے زیادہ بے نیاز ہے یعنی اس غنی حمید کو تو ذرہ برابر ضرورت نہیں کہ تم اس کے دین کو قبول کرو۔ اس کی نصرت اور حمایت کے لیے کھڑے ہو ہاں اگر تم کو اپنی فلاح اور بہبودی کی فکر ہے تو حق اور ہدایت کو قبول کرو اور باطل اور گمراہی سے توبہ کرو۔ مفروق نے کہا اور آپ کس شے کی طرف بلاتے ہیں۔ آپ نے یہ آیتیں تلاوت فرمائیں۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (۱)	آپ ان سے کہئے کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن کو تمہارے رب نے تم پر حرام کیا ہے وہ یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ والدین کے ساتھ احسان کرنا اولاد کو افلاس کی وجہ سے قتل نہ کرنا ہم تم کو بھی رزق دیں گے اور ان کو بھی۔ اور بے حیائیوں کے پاس بھی مت جاؤ خواہ وہ علانیہ ہوں یا پوشیدہ اور جس نفس کا خون اللہ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہ کرنا مگر کسی حق کی بنا پر ان باتوں کا اللہ تم کو تاکیدی حکم دیتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

مفروق نے کہا خدا کی قسم یہ کلام تو زمین والوں کا نہیں۔ اے برادر قریش اور

(۱) الانعام، آیۃ: ۱۵۱۔

کس شے کی طرف بلاتے ہو۔ آپ نے یہ آیتیں تلاوت فرمائیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ	بے شک اللہ تعالیٰ تم کو عدل اور احسان
وَاِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى	اور اہل قرابت کے ساتھ سلوک کا حکم دیتا
عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ	ہے اور بے حیائی اور بری بات اور
يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (۱)	ظلم سے تم کو منع کرتا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو

مفروق نے کہا کہ واللہ آپ نے نہایت عمدہ اخلاق اور پسندیدہ افعال کی طرف بلایا ہے لیکن مجبوری یہ ہے کہ میں اپنی قوم سے بغیر دریافت کے ان کے غیاب میں آپ سے کوئی معاہدہ کر لینا مناسب نہیں سمجھتا نہ معلوم کہ وہ لوگ اس معاہدہ کو قبول کریں یا رد کریں۔ علاوہ ازیں ہم کسریٰ کے زیر اثر ہیں۔ کسریٰ سے ہم معاہدہ کر چکے ہیں کہ کوئی نیا امر بغیر آپکی اطلاع ہم طے نہ کریں گے اور غالب گمان یہ ہے کہ اگر ہم آپ سے اس قسم کا معاہدہ کریں گے تو کسریٰ کو ضرور ناگوار ہوگا۔ آپ نے مفروق کی اس سچائی اور راست گوئی کو پسند فرمایا اور یہ کہا کہ اللہ اپنے دین کا خود حامی اور مددگار ہے اور جو لوگ اس کے دین کی حمایت کریں گے عنقریب اللہ ان کو کسریٰ کی زر اور زمین کا وارث بنائے گا۔ (۲) بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑ کر مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے اور قبیلۂ اوس اور خزرج کے لوگ جو مدینہ منورہ سے آئے ہوئے تھے۔ ان کی مجلس میں پہنچے (جیسا کہ عنقریب اس کا بیان آتا ہے)، ان لوگوں نے اسلام قبول کیا اور آپ کی نصرت اور حمایت کا وعدہ کیا۔ (۳)

حافظ عسقلانی فرماتے ہیں۔ اخرجه الحاكم وابونعيم والبيهقي باسناد حسن عن ابن عباس قال حدثني علي بن ابي طالب الحديث فتح الباری ج ۷ ص ۱۷۱ باب وفود الانصار الى النبي صلى الله عليه وسلم بمكة وبيعة العقبة

(۱) النحل، آیۃ: ۹۰ (۲) دنیا نے دیکھ لیا کہ خدا نے صحابہ کرام کو چند ہی روز میں قیصر و کسریٰ کے تخت کا مالک بنا دیا۔ ۱۲۔ (۳) روض الانف ج ۱ ص ۲۶۴ البدایۃ والنہایۃ ج ۳ ص: ۱۴۳۔

تنبیہ: حافظ ابو نعیم اصبہانیؒ فرماتے ہیں مجھ کو معلوم نہیں کہ مفروق اسلام لائے یا نہیں[1]

اسلام ایاس بن معاذ:

اسی سال ابو الحیسر انس بن رافع مع چند جوانوں کے اس غرض سے مکہ آئے کہ بمقابلۂ خزرج۔ قریش میں سے کسی کو اپنا حلیف بنائیں ان جوانوں میں ایاس بن معاذ بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا جس مقصد کے لیے آئے ہو اس سے کہیں بہتر شے میں تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں۔ ابو الحیسر اور اس کے ہمراہیوں نے کہا وہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں۔ اللہ نے مجھ کو اس لیے بھیجا ہے کہ بندوں کو اللہ کی طرف بلاؤں، صرف اللہ کی بندگی کریں اور کسی شئی کو کسی طرح اس کے ساتھ شریک نہ کریں اور اللہ نے مجھ پر ایک کتاب نازل فرمائی ہے اور پھر اس کی کچھ آیتیں تلاوت فرمائیں اور اسلام پیش کیا۔

ایاس بن معاذ نے کہا اے قوم واللہ جس کام کے لیے ہم آئے ہیں یہ اس سے کہیں بہتر ہے ابو الحیسر نے کنکریاں اٹھا کر ایاس کے منہ پر ماریں اور یہ کہا ہم اس کام کیلئے نہیں آئے۔ ایاس خاموش ہو گئے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجلس سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ لوگ مدینہ واپس ہوئے کچھ روز نہ گذرے کہ ایاس بن معاذ انتقال کر گئے۔ مرتے وقت لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ اور اَللّٰهُ اَكْبَرُ اور سُبْحَانَ اللّٰهِ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ یہ کلمات زبان پر جاری تھے جس کو تمام حاضرین سن رہے تھے کسی کو بھی اس میں شک نہ تھا کہ وہ مسلمان مرے (۲)

حافظ ہیثمیؒ فرماتے ہیں رواہ احمد والطبرانی ورجالہ ثقات (۳)

---

(۱) اسد الغابہ ج ۴، ص: ۳۰۹ (۲) البدایۃ والنہایۃ۔ ج: ۳، ص: ۱۴۸، الاصابہ ج ۱، ص: ۹۱ (۳) مجمع الزوائد ج ۶، ص: ۳۶۰

مدینہ منورہ میں اسلام کی ابتداء ۱۱ نبوی

مدینہ میں زیادہ آبادی اوس اور خزرج کی تھی جو مشرک اور بُت پرست تھے اور اُن کے ساتھ یہود بھی رہتے تھے جو اہل کتاب اور اہل علم تھے۔ مدینہ میں چونکہ یہود اقلیت میں تھے اس لیے جب کبھی یہود کا اوس خزرج سے کوئی جھگڑا ہوتا تو یہود یہ کہا کرتے تھے اب عنقریب نبی آخرالزماں مبعوث ہونے والے ہیں ہم ان کا اتباع کریں گے اور ان کے ساتھ ہو کر تم کو قوم عاد اور ارم کی طرح ہلاک و برباد کریں گے۔

جب موسم حج کا آیا تو خزرج کے کچھ لوگ مکہ آئے۔ یہ نبوت کا گیارھواں سال تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور اسلام کی دعوت دی۔ اور قرآن پاک کی ان پر تلاوت کی۔ ان لوگوں نے آپ کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور آپس میں ایک دوسرے سے مخاطب ہو کر کہنے لگے واللہ یہ وہی نبی ہیں جن کا یہود ذکر کیا کرتے ہیں دیکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ اس فضیلت اور سعادت میں یہود ہم سے سبقت کر جائیں اور اسی مجلس میں اٹھنے سے پہلے اسلام لے آئے اور آپ سے یہ عرض کیا کہ یارسول اللہ ہم تو آپ پر ایمان لے آئے یہود سے ہمارا اکثر جھگڑا ہوتا رہتا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو واپس ہو کر ان کو بھی اسلام کی دعوت دیں اگر وہ بھی اس دعوت کو قبول کر لیں اور اس صورت سے ہم اور وہ متفق ہو جائیں تو پھر آپ سے زیادہ کوئی عزیز نہ ہوگا۔ یہ ایمان لانے والے قبیلۂ خزرج کے چھ آدمی تھے جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اسعد بن زراۃ رضی اللہ عنہ ۲۔ عوف بن الحارث رضی اللہ عنہ

۳۔ رافع بن مالک بن عجلان رضی اللہ عنہ ۴۔ قطبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ

۵۔ عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ ۶۔ جابر[1] بن عبداللہ بن رباب رضی اللہ عنہ

[1] جابر دوسرے ہیں اور جابر کے نام سے جو صحابی مشہور ہیں وہ جابر بن عبداللہ بن حرام ہیں زرقانی ص۳۱۱ ج۱

اور بعض علماء سیر نے بجائے جابر کے عبادۃ بن الصامت کا نام ذکر کیا ہے (۱)
فتح الباری باب وفود الانصار الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ وبیعۃ العقبۃ (۲)

یہ چھ حضرات آپ سے رخصت ہو کر مدینہ منورہ پہنچے جس مجلس میں بیٹھتے وہیں آپ کا ذکر کرتے نوبت یہاں تک پہنچی کہ مدینہ کا کوئی گھر اور کوئی مجلس آپ کے ذکر سے خالی نہ رہی۔

انصار کی پہلی بیعت ۱۲ نبوی

جب دوسرا سال آیا جو نبوت کا بارہواں سال تھا تو بارہ اشخاص آپ سے ملنے کے لیے مکہ حاضر ہوئے۔ پانچ تو انھیں چھ میں سے تھے اور سات ان کے سوا تھے جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اسعد بن زارۃ رضی اللہ عنہ
۲۔ عوف بن الحارث رضی اللہ عنہ
۳۔ رافع بن مالک رضی اللہ عنہ
۴۔ قطبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ
۵۔ عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ

اس سال جابر بن عبد اللہ بن رباب رضی اللہ عنہ حاضر نہیں ہوئے۔

۶۔ معاذ بن الحارث رضی اللہ عنہ (یعنی عوف بن الحارث رضؓ کے بھائی)
۷۔ ذکوان[*] بن عبد قیس رضی اللہ عنہ
۸۔ عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ
۹۔ یزید بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ
۱۰۔ عباس بن عبادہ بن نضلہ رضی اللہ عنہ
۱۱۔ ابو الہیثم مالک بن تیہان رضی اللہ عنہ
۱۲۔ عویم بن ساعدۃ رضی اللہ عنہ

یہ بارہ حضرات آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رات کے وقت منیٰ میں عقبۃ کے قریب آپ کے ہاتھ پر بیعت کی کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرینگے

(۱) ابن ہشام ج ۱۔ ص: ۵۰۔ (۲) البدایۃ والنہایۃ ج ۳۔ ص: ۱۴۸

[*] ذکوانؓ بیعت کے بعد مکہ ہی رہ پڑے بعد میں ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے اس لیے ذکوان رضی اللہ عنہ مہاجر بھی ہیں اور انصاری بھی۔ ۱۲ زرقانی ص ۳۱۳ ج ۱ عیون الاثر

اور نہ چوری اور زنا کریں گے اور نہ اولاد کو قتل کریں گے اور نہ کسی پر بہتان اور تہمت لگائیں گے۔ یہ انصار کی پہلی بیعت تھی جس کو بیعت عقبہ اولیٰ کہتے ہیں۔

جب یہ لوگ بیعت کر کے مدینہ منورہ واپس ہونے لگے تو عبداللہ بن ام مکتوم اور مصعب بن عمیر کو تعلیم قرآن اور احکام اسلام کے سکھانے کے لیے ان کے ہمراہ کیا اور مدینہ پہنچ کر اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر قیام کیا۔ مصعب بن عمیر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے اور مسلمانان مدینہ کو نماز پڑھاتے یہی امام تھے ایک دن مصعب بن عمیر لوگوں کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے۔ لوگ بہت جمع تھے۔

اسید بن حضیرؓ کو جب خبر ہوئی تو تلوار لے کر پہنچے اور کہا کہ آپ یہاں کس لیے آئے ہیں ہمارے بچوں اور عورتوں کو کیوں بہکاتے ہو۔ بہتر ہے کہ آپ یہاں سے چلے جائیں

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا کیا یہ ممکن ہے کہ آپ تھوڑی دیر کے لیے تشریف رکھیں اور جو میں کہوں وہ سنیں اگر پسند آئے تو قبول کریں اور اگر ناپسند ہو تو کنارہ کشی کریں۔ اسید بن حضیر یہ کہہ کر کہ بے شک تم نے یہ بات انصاف کی کہی بیٹھ گئے۔ مصعب بن عمیرؓ نے اسلام کے محاسن بیان کیے اور قرآن کی تلاوت فرمائی۔ اسیدؓ سن کر کہنے لگے۔

مااحسن ھٰذاالکلام واَجْمَلَہٗ کیا ہی عمدہ اور کیا ہی بہتر کلام ہے

اور پوچھا کہ اس دین میں داخل ہونے کا کیا طریقہ ہے۔ مصعبؓ نے کہا اوّل اپنے جسم اور کپڑوں کو پاک کرو اور غسل کرو اور پھر کلمہ شہادت پڑھو اور نماز ادا کرو۔

اسید اسی وقت اٹھے کپڑے پاک کیے اور غسل اور کلمۂ شہادت پڑھ کر دو رکعت نماز پڑھی اور کہا کہ ایک اور شخص ہیں یعنی سعد بن معاذ اگر وہ مسلمان ہو گئے تو پھر اوس کی

قوم میں سے کوئی شخص بغیر مسلمان ہوئے نہ رہے گا۔ میں ابھی جا کر اس کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ سعد بن معاذ نے اسیدؓ کو آتے ہوئے دیکھ کر یہ کہا کہ یہ اسید نہیں معلوم ہوتے جو یہاں سے گئے تھے۔ جب قریب پہنچے تو سعد نے اسیدؓ سے دریافت کیا۔ مَافَعَلْتَ تو نے کیا کیا اسید نے کہا میں نے ان کی بات میں کوحرج نہیں پایا۔ سعد بن معاذ کو غصہ آگیا اور تلوار لے کر خود پہنچے اور اسعد بن زرارہؓ سے مخاطب ہو کر کہا اگر تم سے میری قرابت نہ ہوتی اور تم میرے خالہ زاد بھائی نہ ہوتے تو ابھی تلوار سے کام تمام کر دیتا۔ قوم کے بہکانے کے لیے تم ہی ان کو یہاں لے کر آتے ہو۔

مصعبؓ نے کہا کہ اے سعد کیا یہ ہو سکتا ہے کہ تم کچھ دیر بیٹھ کر میری بات سنو اگر پسند آئے تو قبول کرو ورنہ پھر جو چاہے کرنا۔ سعد یہ کہہ کر کہ تم نے انصاف کی بات کہی۔ بیٹھ گئے۔ مصعبؓ نے اسلام پیش کیا اور قرآن کی تلاوت فرمائی۔ سنتے ہی سعدؓ کا رنگ ہی بدل گیا اور پھر پوچھا کہ اس دین میں داخل ہونے کا کیا طریقہ ہے۔

مصعبؓ نے کہا کہ اوّل کپڑے پاک کرو اور غسل کرو اور پھر کلمۂ شہادت پڑھو۔ اور دو رکعت نماز ادا کرو۔ سعدؓ اسی وقت اٹھے اور غسل کیا اور کلمۂ شہادت پڑھا اور ایک دوگانہ ادا کیا اور یہاں سے اُٹھ کر سیدھے اپنی قوم کی مجلس میں پہنچے۔ قوم کے لوگوں نے سعد کو آتے دیکھ کر دُور ہی سے پہچان لیا کہ رنگ دوسرا ہے۔ مجلس میں پہنچتے ہی سعد نے اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم مجھ کو کیسا سمجھتے ہو۔ سب نے متفق ہو کر یہ کہا کہ تم ہمارے سردار اور باعتبار رائے اور مشورے کے سب سے افضل اور بہتر ہو سعد نے کہا کہ خدا کی قسم میں تم سے اس وقت تک کلام نہ کروں گا۔ جب تک تم سب اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان نہ لے آؤ۔ شام نہ گذری کہ قبیلۂ بنی عبدالاشہل میں کوئی مرد اور عورت ایسا نہ رہا کہ جو مسلمان نہ ہو گیا ہو (۱)

---

(۱) عیون الاثر ج:۱،ص: ۱۵۸، نیز ابن ہشام، طبری، البدایۃ والنہایہ۔

قبیلۂ بنی عبدالاشہل میں سے صرف ایک شخص عمرو بن ثابت جن کا لقب اُصَیرِم تھا اسلام لانے سے رہ گیا۔ جنگ احد کے دن اسلام لائے اور اسلام لاتے ہی جہاد کے لیے معرکۂ قتال میں پہنچ گئے اور شہید ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جنتی ہونے کی بشارت دی۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بطور معمہ فرمایا کرتے تھے تبلاؤ وہ کون شخص ہے کہ جس نے ایک نماز بھی نہیں پڑھی اور جنت میں پہنچ گیا۔

جب لوگ جواب نہ دیتے تو آپؓ خود فرماتے کہ وہ قبیلۂ بنی عبدالاشہل میں اُصَیرِم ہے (رواہ ابن اسحاق باسناد حسن مطوّلا عن ابی ہریرۃؓ) (۱)

اسلام رفاعہ رضی اللہ عنہ :

رفاعہ بن رافع زرقیؓ فرماتے ہیں کہ چھ انصار کے آنے سے پہلے میں اور میرا خالہ زاد بھائی معاذ بن عفراء مکہ آئے اور آپ سے ملے۔ آپ نے اسلام پیش کیا اور یہ فرمایا اے رفاعہ تبلاؤ آسمان اور زمین اور پہاڑوں کو کس نے پیدا کیا ہم نے کہا اللہ نے آپ نے فرمایا خالق عبادت کا مستحق ہے یا مخلوق۔ ہم نے کہا خالق۔ آپ نے فرمایا کہ پس تم مستحق ہو اس کے کہ یہ بت تمہاری عبادت کریں اور تم خدا کی عبادت کرو اس لیے کہ بت تمہارے بنائے ہوتے ہیں اور تم اللہ کے پیدا کیے ہوئے ہو اور میں تم کو ایک خدا کی عبادت کی دعوت دیتا ہوں۔ تم خدا کو ایک مانو اور صرف اسی کی عبادت اور بندگی کرو۔ اور مجھ کو خدا کا رسول اور نبی مانو۔ صلہ رحمی کرو۔ ظلم اور تعدی کو چھوڑ دیں نے کہا بیشک آپ نے بلند امور اور پاکیزہ اخلاق کی طرف بلایا ہے۔ میں آپ کے پاس اُٹھ کر حرم میں پہنچا اور پکار کر یہ کہا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک محمد اللہ کے رسول ہیں۔ (اخرجہ الحاکم وصححہ خصائص کبریٰ ص ۱۸۲ ج ۱)

---

(۱) زرقانی ج ۱، ص: ۳۱۶

مدینہ منورہ میں جمعہ کا قیام

اسی سال اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں جمعہ قائم کیا آپ نے جب یہ دیکھا کہ یہود اور نصاریٰ ہیں اجتماع کے لیے ہفتہ میں ایک خاص دن مقرر ہے۔ یہود شنبہ کے روز اور نصاریٰ یک شنبہ کے دن ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اس لیے یہ خیال پیدا ہوا کہ مسلمانوں کو بھی چاہیے کہ ہفتہ میں ایک دن ایسا مقرر کریں کہ جس میں سب جمع ہوں اور اللہ کا ذکر اور شکر کریں اور نماز پڑھیں اور اس کی عبادت اور بندگی کریں اسعد بن زرارہ نے جمعہ کا دن تجویز کیا اور اس روز سب کو نماز پڑھائی (رواہ عبد بن حمید باسناد صحیح عن ابن سیرین) غرض یہ کہ حضرات صحابہ نے محض اپنے اجتہاد سے ایک تو جمعہ قائم کیا اور دوسرے جمعہ کے دن کو جاہلیت یوم عروبہ کہتے تھے بجائے یوم عروبہ کے اس دن کا نام جمعہ تجویز کیا وحی الٰہی نے دونوں اجتہادوں کی تصویب کی جس کے بارہ میں آیت نازل ہوئی۔

اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ۔ الاٰیۃ۔

جس سے جمعہ کی فرضیت بھی معلوم ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حق جل و علا کو یوم الجمعہ کا لفظ پسند ہے۔ وحی الٰہی نے یوم عروبہ کے استعمال سے کہ جو زمانہ جاہلیت میں شائع تھا گریز کیا اور انصار نے جو لفظ تجویز کیا تھا بعینہ اس کا استعمال فرمایا۔ اس نہج اور عنوان سے انصار کے اجتہاد کی تصویب و تحسین فرمائی۔

اور اس کے کچھ ہی روز بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک والا نامہ جمعہ قائم کرنے کے بارے میں مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے نام پہنچا کہ نصف النہار کے بعد سب مل کر بارگاہ خداوندی میں ایک دوگانہ سے تقرب حاصل کیا کرو (رواہ الدارقطنی عن ابن عباسؓ) ہذا کلہ من الزرقانی (۱)

(۱) ج ۱ ص: ۳۱۵

عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک فرماتے ہیں کہ میرے والد کعب بن مالک رضی اللہ عنہ جب جمعہ کی اذان سنتے تو اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے لیے دُعائے مغفرت فرماتے ہیں نے ایک بار دریافت کیا تو یہ فرمایا کہ مدینہ میں سب سے پہلے اسعد بن زرارہ ہی نے ہم کو جمعہ پڑھایا ہے (رواہ ابوداوٗد والحاکم اصابہ ترجمہ اسعد بن زرارہؓ (۱)

فائدہ: علامہ سہیلی فرماتے ہیں کہ اسلام میں سب سے پہلے اسعد بن زرارہؓ نے جمعہ قائم کیا اور جاہلیت میں سب سے پہلے رسول اللہ علیہ وسلم کے جد امجد کعب بن لوئی نے جمعہ قائم کیا جیسا کہ سلسلہ نسب کے بیان میں گذر چکا ہے۔ (۲)

انصار کی دوسری بیعت ۱۳ سنہ نبوی

جب دوسرا سال آیا جو نبوت کا تیرھواں سال تھا تو مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کے ایک گروہ کو اپنے ہمراہ لیکر بغرض ادائے حج مکہ مکرمہ روانہ ہوئے مسلمانوں کے علاوہ اوس اور خزرج کے مشرکین بھی جو ہنوز اسلام کے حلقہ بگوش نہیں ہوئے تھے حج کے لیے روانہ ہوئے زیادہ تعداد انھیں لوگوں کی تھی چار سو سے زیادہ تھے۔ مشہور قول کی بناپر مسلمانوں کی تعداد پچھتر تھی جس میں سے تہتر مرد اور دو عورتیں تھیں جنھوں نے آپ کے دست مبارک پر اُسی گھاٹی میں بیعت کی جس میں پہلے کی تھی اور اس بیعت کا نام بیعت عقبہ ثانیہ ہے۔ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیعت کرنے والے حضرات کے جو نام ذکر کیے ہیں وہ پچھتر سے کچھ زیادہ ہیں جو حسب ذیل ہے۔

حرف الالف

(۱) اسعد ابن زرارہ رضی اللہ عنہ (۳) ابی بن کعب رضی اللہ عنہ

(۲) اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ (۴) اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ یعنی

(۱) الاصابہ ج ۱، ص: ۳۴ (۲) روض الانف ج ۱، ص: ۲۶۹۔

حضرت حسان بن ثابت کے بھائی۔

(۵) اوس بن یزید رضی اللہ عنہ

ب

(۶) براء بن معرور رضی اللہ عنہ

(۷) بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ

(۸) بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ

(۹) بحیر بن الہیثم رضی اللہ عنہ

ث

(۱۰) ثابت بن الجزع رضی اللہ عنہ

(۱۱) ثعلبۃ بن عدی رضی اللہ عنہ

(۱۲) ثعلبۃ بن غنمۃ رضی اللہ عنہ

ج

(۱۳) جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ

(۱۴) جابر بن صخر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ح

(۱۵) حارث بن قیس رضی اللہ عنہ

خ

(۱۶) خالد بن زید رضی اللہ عنہ

(۱۷) خالد بن عمرو بن ابی کعب رضی اللہ عنہ

(۱۸) خالد بن عمرو بن عدی رضی اللہ عنہ فی قول الواقدی وحدہ

(۱۹) خالد بن قیس رضی اللہ عنہ فی قول ابن اسحاق والواقدی ولم یذکرہ ابو معشر وابن عقبۃ۔

(۲۰) خارجۃ بن زید رضی اللہ عنہ

(۲۱) خدیج بن سلامۃ رضی اللہ عنہ

(۲۲) خلّاد بن سوید بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ

ذ

(۲۳) ذکوان بن عبد قیس رضی اللہ عنہ العقبتین۔

ر

(۲۴) رافع بن مالک بن عجلان رضی اللہ عنہ

(۲۵) رفاعۃ بن رافع بن مالک رضی اللہ عنہ

(۲۶) رفاعۃ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ

(۲۷) رفاعۃ بن عمرو رضی اللہ عنہ

ز

(۲۸) زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ

(۲۹) زید بن سہل ابو طلحہ رضی اللہ عنہ

س

(۳۰) سعد بن زید بن مالک الاشہلی رضی اللہ عنہ فی روایۃ الواقدی وحدہ

(۳۱) سعد بن خیثمۃ رضی اللہ عنہ۔

(۳۲) سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ
(۳۳) سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ
(۳۴) سلمۃ بن سلامۃ بن وقش رضی اللہ عنہ
(۳۵) سلیم بن عمرو رضی اللہ عنہ
(۳۶) سنان بن صیفی رضی اللہ عنہ
(۳۷) سہل بن عتیک رضی اللہ عنہ

ش

(۳۸) شمر بن سعد رضی اللہ عنہ

ص

(۳۹) صیفی بن سواد رضی اللہ عنہ

ض

(۴۰) ضحاک بن زید رضی اللہ عنہ
(۴۱) ضحاک بن حارثہ رضی اللہ عنہ

ط

(۴۲) طفیل بن نعمان رضی اللہ عنہ

ظ

(۴۳) ظہیر بن رافع رضی اللہ عنہ

ع

(۴۴) عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ
(۴۵) عباد بن قیس رضی اللہ عنہ
(۴۶) عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ
(۴۷) عباس بن نضلہ رضی اللہ عنہ
(۴۸) عبداللہ بن ربیع رضی اللہ عنہ
(۴۹) عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ
(۵۰) عبداللہ بن زید صاحب الاذان رضی اللہ عنہ
(۵۱) عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ
(۵۲) عبس بن عامر رضی اللہ عنہ
(۵۳) عبید بن التیہان رضی اللہ عنہ یعنی ابوالہیثم بن التیہان کے بھائی اور بعض نے بجائے عبید کے عتیک کہا ہے۔
(۵۴) عقبۃ بن عمرو رضی اللہ عنہ
(۵۵) عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ
(۵۶) عقبۃ بن وہب رضی اللہ عنہ
(۵۷) عبادۃ بن حزم رضی اللہ عنہ
(۵۸) عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ
(۵۹) عمرو بن غزیۃ رضی اللہ عنہ
(۶۰) عمرو بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۶۱) عمیر بن الحارث رضی اللہ عنہ
(۶۲) عوف بن حارث رضی اللہ عنہ
(۶۳) عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ

ف

(۶۴) فروۃ بن عمرو رضی اللہ عنہ

ق

(۶۵) قتادہ بن النعمان رضی اللہ عنہ ذکرہ الا ابن اسحاق

(۶۶) قطبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ

(۶۷) قیس بن عامر رضی اللہ عنہ

(۶۸) قیس بن ابی صعصعہ رضی اللہ عنہ

ک

(۶۹) کعب بن مالک رضی اللہ عنہ

م

(۷۰) مالک بن تیہان ابو الہیثم رضی اللہ عنہ

(۷۱) مالک بن عبد اللہ بن خیثم رضی اللہ عنہ

(۷۲) مسعود بن یزید رضی اللہ عنہ

(۷۳) معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

(۷۴) معاذ بن الحارث رضی اللہ عنہ یعرف بامہ عفراء

(۷۵) معاذ بن عمرو الجموح رضی اللہ عنہ

(۷۶) معقل بن المنذر رضی اللہ عنہ

(۷۷) معن بن عدی رضی اللہ عنہ

(۷۸) معوذ بن الحارث رضی اللہ عنہ یعرف بامہ عفراء

(۷۹) منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ

ن

(۸۰) نعمان بن حارثہ رضی اللہ عنہ

(۸۱) نعمان بن عمرو رضی اللہ عنہ

ھ

(۸۲) ہانی بن نیار ابو بردہ رضی اللہ عنہ

ی

(۸۳) یزید بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ

(۸۴) یزید بن خذام رضی اللہ عنہ

(۸۵) یزید بن عامر رضی اللہ عنہ

(۸۶) یزید بن المنذر رضی اللہ عنہ

(۸۷) نسیبۃ بنت کعب رضی اللہ عنہا

(۸۸) اسماء بنت عمرو رضی اللہ عنہا

یہ تمام نام ہم نے علامہ ابن جوزی کی کتاب تلقیح ص۱۵-۲۱ سے نقل کیے ہیں۔ علامہ ابن ہشام نے سیرت میں اور حافظ ابن سید الناس نے عیون الاثر میں تقریباً یہی نام ذکر کیے ہیں۔ صرف آٹھ دس نام کا تفاوت ہے۔

مسند احمد میں حضرت جابر سے مروی ہے کہ دس سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لوگوں کے گھروں اور بازاروں اور میلوں میں جا جا کر اسلام کی دعوت دیتے اور یہ فرماتے من یؤوینی ومن ینصرنی حتی ابلغ رسالۃ ربی ولہ الجنۃ کون ہے جو مجھ کو ٹھکانہ دے کون ہے جو میری مدد کرے یہاں تک کہ خدا کا پیام پہنچا سکوں اور اس کے لیے جنت ہو مگر کوئی ٹھکانہ دینے والا اور مدد کرنے والا نہ ملتا تھا۔ یہاں تک اللہ نے ہم کو یثرب سے آپ کے پاس بھیجا ہم نے آپ کی تصدیق کی اور آپ کو ٹھکانہ دیا۔ ہم میں جو شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا وہ مسلمان ہو کر واپس ہوتا۔ جب مدینہ کے گھر گھر میں اسلام پہنچ گیا تو ہم نے مشورہ کیا کہ آخر کب تک ہم اللہ کے رسول کو اس حال میں چھوڑیں رکھیں کہ آپ مکہ کے پہاڑوں میں پریشان اور خوف زدہ پھرتے رہیں ستر آدمی ہم میں سے موسم حج میں مدینہ سے مکہ آئے الی آخر الحدیث حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں ہذا اسناد جید علی شرط مسلم البدایۃ والنہایۃ ص ۱۵۹ ج ۳ اور حافظ ہیثمی فرماتے ہیں رواہ احمد والبزار ورجال احمد رجال الصحیح مجمع الزوائد ص ۴۶ ج ۶ قافلہ مکہ پہنچا مسلمانوں نے خفیہ طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت پیام بھیجا کہ ہم قدم بوسی کا شرف حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے ایام تشریق کے دوران میں منیٰ کی اس مبارک گھاٹی پر شب میں ملنے کا وعدہ فرمایا جہاں گذشتہ سال بارہ حضرات بیعت سے مشرف ہوئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ کے چچا حضرت عباسؓ آپکے ہمراہ تھے۔ حضرت عباس اگرچہ اس وقت تک مشرف باسلام نہ ہوئے تھے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت وحمایت کو غایت درجہ محبوب رکھتے تھے۔ بیٹھتے ہی حضرت عباس نے انصار سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی قوم میں نہایت عزت اور وقعت والے ہیں (لوگ اگرچہ آپ کے دین کے مخالف تھے مگر جس عزت اور وقعت سے آپ کو دیکھتے تھے وہ کسی کو نصیب نہ تھی) اور ہم ان کے حامی اور مددگار رہیں اور وہ تمہارے یہاں آنا چاہتے ہیں اگر تم ان کی

پوری پوری حمایت اور حفاظت کر سکو اور مرتے دم تک اس پر قائم رہو تو بہتر ہے ورنہ ابھی سے صاف جواب دے دو۔

انصار نے کہا کہ آپ نے جو فرمایا وہ ہم نے سنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مخاطب ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں ہم اس کے لیے حاضر ہیں کہ آپ اپنے لیے اور خدا کے لیے جو چاہیں ہم سے عہد لیں۔

آپ نے فرمایا میں تم کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور اسلام پیش کیا اور قرآن کی تلاوت فرمائی اور کہا کہ اللہ کے لیے تم سے یہ سوال کرتا ہوں کہ اس کی عبادت اور بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور اپنے ساتھیوں کے لیے یہ چاہتا ہوں کہ ہمکو ٹھکانہ دو اور جس طرح اپنی اور اپنے بچوں اور عورتوں کی حفاظت کرتے ہو اسی طرح ہماری حفاظت کرو اور خوشی ہو یا رنج و راحت ہو یا کلفت افلاس ہو یا تونگری ہر حال میں میری اطاعت کرو اور جو کہوں وہ سنو۔ انصار نے عرض کیا کہ اگر ہم ایسا کریں تو ہم کو اس کا کیا صلہ ملے گا۔ آپ نے فرمایا جنت (یعنی آخرت کی لازوال نعمتیں) انصار نے کہا سب منظور لائیے دست مبارک بیعت کیلئے ہاتھ بڑھائیے۔ ابو الہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھ کو کچھ عرض کرنا ہے وہ یہ کہ ہم میں اور یہود میں کچھ تعلقات ہیں۔ آپ سے تعلق قائم ہونے کے بعد ان سے ہمارے تعلقات منقطع ہو جائیں گے۔ کہیں ایسا تو نہ ہو کہ جب اللہ آپ کو فتح و نصرت نصیب فرمائے تو آپ پھر مکہ مکرمہ واپس ہو جائیں اور ہم کو (تڑپتا ہوا) یہاں چھوڑ جائیں۔ آپ یہ سن کر مسکرائے اور یہ فرمایا۔

ہرگز نہیں تمہاری جان میری جان ہے۔ تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں جس سے تمہاری جنگ ہے اُس سے میری جنگ ہے جس سے تمہاری صلح ہے اس سے میری بھی صلح ہے۔ اس پر سب نے نہایت رضا و رغبت کے ساتھ بیعت کے

لیے ہاتھ بڑھایا۔ (۱)

اس میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے بیعت کے لیے کس نے ہاتھ بڑھایا۔ ابن سعد کی ایک روایت سے تمام مختلف اقوال مجتمع ہو جاتے ہیں۔ سلیمان بن نجیم فرماتے ہیں کہ جب اوس اور خزرج کا اس بارے میں اختلاف ہوا کہ سب سے پہلے کس نے آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی تو بعض نے یہ کہا کہ اس کا صحیح علم حضرت عباس کو ہوگا وہ اس وقت موجود تھے۔ ان سے دریافت کرنا چاہیے۔

حضرت عباس نے فرمایا کہ سب سے پہلے اسعد بن زرارہ نے جو سب سے زیادہ خوش نصیب اور باسعادت تھے) آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور پھر براء بن معرور نے اور پھر اسید بن حضیر نے۔ (۲)

عباس بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ نے (بیعت کو پختہ اور مستحکم کرنے کی غرض سے) کہا اے گروہ خزرج تم کو معلوم بھی ہے کہ کس چیز پر بیعت کر رہے ہو، یہ سمجھ لو کہ عرب اور عجم سے جنگ کرنے پر بیعت کر رہے ہو۔ اگر آئندہ چل کر مصائب و شدائد سے گھبرا کر چھوڑ دینے کا خیال ہو تو ابھی سے چھوڑ دو اُس وقت گھبرا کر چھوڑنا خدا کی قسم دنیا اور آخرت کی رسوائی کا سبب ہوگا اور اگر تم آئندہ کے شدائد و مصائب کا تحمل کر سکتے ہو اور اپنی جان اور مال پر کھیل کر اپنے عہد اور وعدہ پر قائم رہ سکتے ہو تو واللہ اس میں تمہارے لیے دنیا اور آخرت کی خیر اور بہبودی ہے۔ سب نے کہا ہاں ہم اسی پر بیعت کر رہے ہیں۔ آپ کے لیے جان و مال سے ہم کو دریغ نہیں۔ مصائب سے ڈر کر خدا کی قسم ہم اس بیعت کو نہیں چھوڑ سکتے (۳)

---

(۱) قال الحافظ العسقلانی اخرجہ ابن اسحٰق وصححہ ابن حبان فتح الباری ص ۱۷۲ ج ۷ ۱۲ منہ قال العلامۃ الزرقانی رواہ البیہقی باسناد قوی عن الشعبی ووصلہ الطبرانی واخرجہ احمد ۱۲ زرقانی ص ۳۱۷ ج ۱ (۲) ایضاً

(۳) سیرۃ ابن ہشام ج ۱، ص: ۱۵۶۔

انتخاب نقباء :

جب سب بیعت کر چکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں سے بارہ نقیب منتخب فرماتے تھے۔ اسی طرح میں بھی جبریل کے اشارہ سے تم میں سے بارہ نقیب منتخب کرتا ہوں اور ان بارہ سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا کہ تم اپنی اپنی قوم کے کفیل اور ذمہ دار ہو۔ جیسے حواریین عیسیٰ علیہ السلام کے کفیل تھے (۱)

اسماء نقباء کفر اللہ عنہم سیآتہم وادخلہم جنات تجری من تحتہا الانہار

جن حضرات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نقیب منتخب فرمایا۔ ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ
۲۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ
۳۔ سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ
۴۔ رافع بن مالک رضی اللہ عنہ
۵۔ ابو جابر عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ
۶۔ براء بن معرور رضی اللہ عنہ
۷۔ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ
۸۔ منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ
۹۔ عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ
۱۰۔ اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ
۱۱۔ سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ
۱۲۔ رفاعۃ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ

اور بعض اہل علم نے بجائے رفاعہ کے ابو الہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ کا نام ذکر کیا ہے امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے انصار میں سے ایک شیخ نے بیان کیا کہ انتخاب کے وقت جبریل امین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اشارہ سے بتلاتے جاتے تھے کہ فلاں کو نقیب بنائیں۔ (۲)

زہری فرماتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے انصار سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں تم میں سے بارہ نقیب منتخب کروں گا تم میں سے کوئی یہ خیال نہ کرے کہ مجھ کو

---

(۱) ابن سعد ج ۱ ص : ۱۵۰ (۲) زرقانی ج : ۱، ص : ۳۱۷

کیوں نہیں نقیب بنایا گیا اس لیے کہ میں مامور ہوں جس طرح حکم ہے۔ اسی طرح کروں گا اور جبریل امین آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جس جس کو نقیب بنانے کا حکم تھا اس کی طرف اشارہ کرتے جاتے تھے (۱)

جب صبح ہوئی اور یہ خبر مکہ میں پھیلی تو قریش نے انصار سے آکر دریافت کیا قافلہ میں جو یثرب کے مشرک اور بت پرست تھے چونکہ ان کو اس بیعت کا بالکل علم نہ تھا اس لیے ان لوگوں نے اس خبر کی تکذیب کی اور یہ کہہ دیا کہ یہ خبر بالکل غلط ہے اگر ایسا ہوتا تو ہم کو ضرور علم ہوتا۔(۲)

بعد ازاں یہ قافلہ مدینہ کو روانہ ہوا روانگی کے بعد قریش کو اس خبر کی تصدیق ہوئی۔ انصار کے پکڑنے کے لیے دوڑے مگر قافلہ نکل چکا تھا کوئی ہاتھ نہ آیا صرف سعد بن عبادہ کو جو قافلہ سے پیچھے رہ گئے تھے ان کو اثناء راہ سے پکڑ لائے اور خوب مارا جبیر بن مطعم نے آکر چھڑایا (۳)

بیعت کیا ہے؟

بیعت بیع سے مشتق ہے جس کے معنی فروخت کرنے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں انتہائی رضاء و رغبت کے ساتھ اپنی جان و مال کو خداوند ذوالجلال کے ہاتھ بمعاوضہ جنت فروخت کردینے کا نام بیعت ہے۔

چنانچہ جب یہ بیعت ہونے لگی تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ آپ ہم سے جو چاہیں شرط کرلیں مگر یہ ارشاد فرمائیں کہ ہم کو اس کے معاوضہ میں کیا ملے گا۔ آپ نے فرمایا جنت۔ عبداللہ بن رواحہ نے عرض کیا۔

رَبِحَ الْبَيْعُ لَا نَقِيْلُ وَلَا نَسْتَقِيْلُ	بڑے نفع والی بیع (خرید و فروخت) ہے ہم اسکے اقالہ اور فسخ پر ہرگز راضی نہ ہوں گے۔

(۱) روض الانف ج ۱، ص: ۲۷۷۔ (۲) ابن ہشام ج ۱، ص: ۱۵۷

(۳) ابن ہشام ج ۱، ص: ۱۵۷

اس پر اللہ جل جلالہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (۱) (رواہ الحاکم فی الاکلیل عن کعب بن مالک واحمد عن جابر فتح الباری ج۲ کتاب الجہاد)	تحقیق اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی جانوں اور مالوں کو بمعاوضہ جنت خرید لیا ہے یہ لوگ خدا کی راہ میں جہاد وقتال کرتے ہیں جس میں کبھی مارتے ہیں اور کبھی مارے بھی جاتے ہیں یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے۔ توریت اور انجیل اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ کون عہد کو پورا کرنے والا ہوسکتا ہے پس اے مسلمانوں تم کو بشارت ہو اور یہ بیع تم کو مبارک ہو جو تم نے اللہ تعالیٰ سے کی ہے۔ یہ بہت ہی بڑی کامیابی ہے۔

جنت میں ایک بازار لگے گا جس نے یہاں خدائے عز وجل کے ہاتھ اپنا جان و مال فروخت کیا اور سب جان و مال اُس کے حوالے کر دیا اس کو وہاں اختیار ہوگا کہ اس بازار سے جو چاہے بلاقیمت لے لے۔ اس لیے کہ وہ قیمت (جان و مال) پیشگی دے چکا ہے وللہ درّ القائل ؎

وحی علی السُّوقِ الذی فیہ یلتقی ار | مُحِبُّوْنَ ذَاكَ السُّوْقُ لِلقوم مَعْلَمٗ
فماشئت خُذْمِنْهُ بِلَا ثَمَنٍ لَهٗ | فَقَدْ اَسْلَفَ التُّجَّارُ فِيْهِ وَاَسْلَمُوْا

(حادی الارواح)

ایک ضروری تنبیہ:

محمد بن اسحٰق فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیعت کے وقت صرف مردوں سے مصافحہ فرماتے تھے۔ عورتوں سے مصافحہ نہیں فرماتے تھے۔ صرف زبانی اقرار

(۱) التوبہ۔ آیۃ: ۱۱۱۔

اور عہد لے کر یہ فرماتے جاؤ تم سے بیعت ہوگئی (۱)

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یمتحن من ھاجر الیہ من المومنات بھذہ الایۃ یقول اللہ یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَکَ الْمُؤْمِنَاتُ یُبَایِعْنَکَ الی قولہ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ فمن اقرّ بھذا الشرط من المومنات قال لھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد بایعتک کلاما ولا واللہ ما مست یدہ ید امرأۃ قط فی المبایعۃ ما بایعھن الا بقولہ۔ قد بایعتک علی ذلک بخاری شریف ص ۷۲۶ ج ۲ (۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان عورتوں کا جو ہجرت کرکے آئیں ان کا اس آیت سے امتحان فرماتے جو عورت شرائط کو قبول کرتی جو اس آیت میں مذکور ہیں اس کو بیعت فرماتے اور یہ ارشاد فرماتے کہ میں نے تجھ کو کلام سے بیعت کرلیا خدا کی قسم آپ کے دست مبارک نے بیعت کرتے وقت کسی عورت کے ہاتھ کو مس نہیں کیا محض زبانی ارشاد سے بیعت فرماتے تھے۔

اور مسند احمد اور معجم طبرانی میں اسماء بنت یزید سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

انی لا اصافح النساء ولکن آخذ علیھن ما اخذ اللہ علیھن۔

میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا صرف اللہ کی اطاعت کا عہد لیتا ہوں۔

اور یہ روایت عبداللہ بن زبیرؓ سے طبقات ابن سعد اور مسند احمد اور ترمذی میں بھی آئی ہے امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن اور صحیح ہے لہٰذا آج کل پیروں کا جو عمل اس کے خلاف میں رائج ہے اسلام اس سے بری ہے لوگ اس سے دھوکا نہ

(۱) ابن ہشام ج ۱، ص: ۱۹۳ (۲) بخاری ج: ۲، ص: ۷۲۶۔

کھائیں (۱)

انصار کا قافلہ مکہ سے مدینہ پہنچا اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ مدینہ کے اکثر قبائل اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ مگر بعض بوڑھے ہنوز اسی قدیم بت پرستی پر نہایت سختی کے ساتھ قائم تھے۔ منجملہ ان کے عمرو بن الجموع قبیلہ بنی سلمہ کے سردار بھی تھے جن کے بیٹے معاذ بن عمرو بن الجموع ابھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بعیت کر کے مکہ سے واپس آئے تھے۔ عمرو بن الجموع نے لکڑی کا ایک بت بنا رکھا تھا جس کی عمرو بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ ایک رات خود ان کے بیٹے معاذ بن عمرو نے اور معاذ بن جبل نے اور بنی سلمہ کے چند نوجوان مسلمانوں نے مل کر یہ کیا کہ عمرو کا بت لیجا کر ایک چوبچہ میں اوندھا کر کے ڈال آئے۔ جب صبح ہوئی تو عمرو بن الجموع نے دیکھا کہ ان کا خود ساختہ خدا غائب ہے۔ کہنے لگے افسوس نہ معلوم ہمارے خدا کو کون لے بھاگا اور اس کی تلاش میں ادھر ادھر دوڑے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ ایک چوبچہ میں اوندھا پڑا ہوا ہے وہاں سے نکال کر اس کو غسل دیا اور خوشبو لگائی جب دوسری شب ہوئی تو پھر ان لوگوں نے ایسا ہی کیا کہ اس بت کو گڑھے میں ڈال دیا۔ جب صبح ہوئی تو عمرو بن الجموع اس کو تلاش کر کے لائے۔ نہلایا اور خوشبو لگائی۔

جب کئی روز متواتر اسی طرح گذرے تو عمرو بن الجموع ایک روز تلوار لاتے اور اس بت کے کاندھے پر رکھ دیا کہا واللہ مجھ کو یہ معلوم نہیں کہ کون شخص تیرے ساتھ معاملہ کرتا ہے۔ تیرے میں اگر کوئی خیر اور بھلائی ہے تو یہ تلوار موجود ہے تو آپ اپنی حفاظت کر لے جب رات ہوئی تو ان لوگوں نے تلوار تو اس بت کے کاندھے سے اٹھائی اور ایک مرے ہوئے کتے اور اس کے بت کو ایک رسی میں باندھ کر کسی گھڑے میں لٹکا آئے جب صبح ہوئی تو دیکھا کہ بُت غائب ہے۔ عمرو بن الجموع تلاش میں نکلے

(۱) کنز العمال ج ۱، ص ۲۶

دیکھا کہ بُت اور مَرا ہُوا کتا دونوں ایک رسّی میں بندھے ہوئے کنوئیں میں لٹک رہے ہیں۔ دیکھتے ہی آنکھیں کھل گئیں اور (بت سے مخاطب ہو کر) یہ کہا واللہ اگر تو خدا ہوتا تو اس قدر ذلیل نہ ہوتا اور اسلام لے آئے اور اللہ جل جلالہ کا شکر یہ ادا کیا کہ اس نے اپنی رحمت سے اس گمراہی سے نجات دی اور نابینا سے بینا بنایا اور یہ شعر کہے ؎

وَاللّٰہِ لَوْکُنْتَ اِلٰھًا لَمْ تَکُنْ	اَنْتَ وَکَلْبٌ وَسْطَ بِئْرٍ فِیْ قَرَنْ
خدا کی قسم اگر تو خدا ہوتا تو کتے	کے ساتھ رسّی میں بندھ کر کنوئیں میں نہ لٹکتا
اُفٍّ لِمَلْقَاکَ اِلٰھًا مُسْتَدَنْ[1]	اَلْاٰنَ فَتَّشْنَاکَ عَنْ سُوْءِ الْغَبَنْ
اف ہے تیری خدائی پر آج ہم کو	اپنی سفاہت اور بد عقلی معلوم ہوئی
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْعَلِیِّ ذِی الْمِنَنْ	اَلْوَاھِبِ الرَّزَّاقِ دَیَّانِ الدِّیْنْ
حمد ہے اس خداوند ذوالجلال کی کہ جو بڑا احسان کرنے	اور رزق دینے والا اور جزا دینے والا ہے
ھو الذی انقذنی من قبل اَنْ	اکون فی ظلمۃ قبر مرتھَنْ
اسی نے مجھ کو اس گمراہی سے بچایا	قبل اس کے کہ میں قبر کی تاریکی میں رہن کھا جاؤں

بِاَحْمَدَ الْمَھْدِیِّ النَّبِیِّ الْمُؤْتَمَنْ (۲)

احمد مجتبٰی خدا کے ہدایت یافتہ نبی امین صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے

اور نیز یہ اشعار پڑھے

اَتُوْبُ اِلَی اللّٰہِ مِمَّا مَضٰی	وَاَسْتَنْقِذُ اللّٰہَ مِنْ نَارِہٖ

گذشتہ تمام گناہوں سے اللہ کے سامنے توبہ کرتا ہوں اور نار جہنم سے پناہ مانگتا ہوں

وَاُثْنِیْ عَلَیْہِ بِنَعْمَآئِہٖ	اِلٰہَ الْحَرَامِ وَاَسْتَارِہٖ

اور اس کی نعمتوں کا شکر کرتا ہوں جو خدا ہے بیت حرام کا اور اس کے پردوں کا

---

[1] قولہ مستدن من السدانۃ وہی خدمت البیت وتعظیمہ ۱۲ روض الانف ج ۱، ص: ۲۸

[2] البدایۃ والنہایۃ ج: ۳، ص: ۱۶۵، ابن ہشام ج: ۱، ص: ۱۵۸

فَسُبْحَانَهٗ عَدَدَ الخاطئین وَقَطرِ السَّمَآءِ وَمِدْرَارِہٖ

اور اسکی تسبیح اور پاکی بیان کرتا ہوں بقدر شمار گنہگاروں کے اور بقدر بارش کے قطروں کے

هدانی وقد کنت فِی ظُلْمَةٍ حَلِیفَ مَنَاةٍ وَاَحْجَارِہٖ

اس نے مجھ کو ہدایت دی درآنحالیکہ میں کفر اور شرک کی ظلمت اور تاریکی میں اور مناۃ اور اس کے ہم جنس پتھروں کا حلیف بنا ہوا تھا۔

وَاَنْقَذَنِی بعد شَیْبِ القذا ل من شَیْنِ ذالك وَمن عَارِہٖ

اور بڑھاپے کے بعد اللہ نے مجھ کو اس عار (بت پرستی) سے چھڑایا

فَقَدْ كِدْتُ اَهْلِكُ فِی ظُلْمَةٍ تَدَارَكَ ذَاكَ بِمِقْدَارِہٖ

قریب تھا کہ اسی بت پرستی کی ظلمت اور تاریکی میں ہلاک ہو جاؤں ایمان لانے نے اسکی تلافی کر دی

فَحَمْدًا و شکرًا له مابقیتُ اِلٰهَ الانَامِ وَجَبَّارِہٖ

اے خداوند خلائق جب تک میں زندہ رہوں گا اس وقت تک برابر تیری حمد اور ثنا اور تیرا شکر کرتا رہونگا

اُرِیدُ بذالك اِذْ قُلْتُهٗ مُجَاوَرَةَ اللهِ فِی دَارِہٖ

اس کہنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ مجھ کو اللہ کا قرب حاصل ہو (۱)

نکتہ: حق جل وعلا کی یہ سُنت ہے کہ جب حضرات انبیاء و مرسلین کے منکرین اور مکذبین کا انکار اور تکذیب حد سے گذر جاتی ہیں اور ان کے اصحاب اور متبعین پر مصیبتوں کی کوئی انتہا باقی نہ رہتی حتیٰ کہ پیغمبر اُن کی اصلاح سے تقریباً نا امید ہو جاتے ہیں تب اللہ عزوجل کی نصرت اور مدد نازل ہوتی ہے۔ کما قال تعالیٰ۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ	کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ جنت میں بلا مشقت
وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا	داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تم نے پہلے
مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ	لوگوں کی طرح مشقت نہیں اٹھائی۔

---

(۱) دلائل ابی نعیم ج: ۲، ص: ۱۱۰۔

وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ۔ (۱)

پہلے لوگوں کو تنگی پیش آئی اور اتنے ہلائے گئے کہ رسول اور اہل ایمان یہ کہہ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی اسوقت انکو تسلی دیگئی اور کہا گیا کہ آگاہ ہوجاؤ اللہ کی مدد اور نصرت قریب آگئی ہے

وقال تعالٰی۔ حَتّٰٓی اِذَا اسْتَیْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا (۲)

یہانتک کہ انبیاء کرام ناامید ہوگئے اور انکو یہ خدشہ ہوا کہ مبادا لوگ یہ خیال کریں اور گمان کریں ہم سے غلط کہا گیا اسوقت ہماری مدد انکے پاس پہنچی۔

اسی طرح جب آپ کی اور آپ کے اصحاب کی مصائب انتہا کو پہونچ گئیں اور سفر طائف نے ان کی اصلاح سے ایک قسم کی ناامیدی بھی پیدا کردی۔ تب جاءہم نصرنا کا مصداق کا ظاہر ہوا اور اللہ تعالیٰ کی نصرت اور امداد آپہنچی وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انصار کو آپ کی اور آپکے دین کی نصرت اور حمایت کے لیے مدینہ سے بھیجا وہ آئے اور آپکے دست مبارک پر آپ کی نصرت وحمایت کی بیعت کرکے واپس ہوئے فرضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

ہجرت مدینہ منورہ زادہا اللہ تنویرا

جس طرح نبوت کی ابتداء رویائے صالحہ (سچے خواب) سے ہوئی اسی طرح ہجرت کی ابتدا بھی رویائے صالحہ سے ہوئی۔ ابتداءً حضور کو خواب میں ہجرت کی جگہ دکھلائی گئی۔ مقام کا نام نہیں بتلایا گیا بلکہ اجمالاً صرف اتنا دکھلایا گیا کہ آپ ایک نخلستان (کھجور والی سرزمین کی طرف ہجرت فرمارہے ہیں اس لیے آپ کو خیال ہوا کہ شاید وہ مقام یمامہ یا ہجر ہو آپ اسی تامل اور تردد میں تھے کہ وحی الٰہی نے مدینہ منورہ کی تعیین کردی تب آپنے بحکم الٰہی حضرات صحابہ کو مدینہ منورہ ہجرت کرجانے کا حکم دیا (۳)

(۱) البقرہ، آیۃ: ۲۱۴، (۲) یوسف، آیۃ: ۱۱۰ (۳) زرقانی ج: ۱، ص: ۳۱۸۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ وحی نازل فرمائی کہ مدینہ اور بحرین قنسرین ان تین شہروں میں سے جس شہر میں بھی جاکر آپ فروکش ہوں وہی آپ کا دار الہجرت ہے۔ رواہ الترمذی والبیہقی عن جریر کذافی البدایۃ والنہایۃ ص۱۶۸ ج ۳۔

نکتہ: جس طرح مہمان عزیز پر متعدد مکانات پیش کیے جاتے ہیں جس کو چاہے پسند کرے اسی طرح بطور اعزاز واکرام حضور کو ہجرت کے لیے متعدد مقامات دکھلائے گئے اور اخیر میں مدینہ منورہ متعین اور منتخب ہوا محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ بیعت عقبہ کے مکمل ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ یہ حکم سنتے ہی پوشیدہ طور پر ہجرت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی ابوسلمۃ بن عبدالاسد مخزومی نے مع بیوی اور بچے کے ہجرت کا ارادہ فرمایا مگر ہجرت کرنا بھی کوئی آسان نہ تھا جو ہجرت کا ارادہ کرتا قریش سدراہ ہوتے اور پوری کوشش کرتے کہ ہجرت نہ کرنے پائے ورنہ اپنے جوروستم کا تختۂ مشق کس کو بنائیں گے۔ چنانچہ جب ابوسلمہ مع بیوی اور بچہ کے ہجرت کے لیے تیار ہوگئے اور اونٹ پر کجاوہ بھی کس دیا اور بیوی اور بچہ کو اس پر سوار سوار بھی کردیا۔ اس وقت لوگوں کو اطلاع ہوئی۔ ان کی بیوی ام سلمہ (جو کہ ابوسلمہ کی وفات کے بعد ام المؤمنین بنیں) کے رشتہ داروں نے یہ کہا کہ تم کو اپنے نفس کا اختیار ہے لیکن ہماری بیٹی کو تم نہیں لے جاسکتے اور یہ کہہ کر ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا اور ادھر سے ابوسلمہ کے رشتہ دار آپہنچے اور یہ کہہ کر کہ یہ بچہ ہمارے خاندان کا ہے اس کو کوئی نہیں لے جاسکتا۔ ام سلمہ کی گود سے چھین لیا۔ ماں اور باپ اور بچہ سب ایک دوسرے سے جدا ہوگئے اور ابوسلمہ رضی اللہ عنہ تن تنہا مدینہ منورہ روانہ ہوئے ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب صبح ہوتی تو میں ابطح میں جاکر بیٹھ جاتی اور شام تک روتی رہتی

جب اسی طرح ایک سال گذر گیا تو میرے بنی الاعمام میں سے ایک شخص کو مجھ پر رحم آیا اور بنی المغیرہ سے یہ کہا کیا تم کو اس مسکینہ پر رحم نہیں آتا۔ اس پر بنی المغیرہ نے مجھ کو مدینہ جانے کی اجازت دے دی اور بنی الاسد نے میرا بچہ واپس کر دیا۔ میں نے بچہ کو گود میں اٹھایا اونٹ پر سوار ہو کر تنہا مدینہ کا راستہ لیا۔

جب مقام تنعیم پر پہنچی تو عثمان(۱) بن طلحہ ملے تنہا دیکھ کر پوچھا کہاں کا قصد ہے میں نے کہا اپنے شوہر کے پاس مدینہ جا رہی ہوں پوچھا تمہاری ساتھ کوئی نہیں میں نے کہا:

لا واللہ الا اللہ و بُنَیَّ هٰذا خدا کی قسم کوئی نہیں مگر اللہ تعالیٰ اور میرا یہ بچہ

یہ سن کر عثمان کا دل بھر آیا اونٹ کی مہار پکڑ کر آگے آگے ہو لیے جب منزل آتی تو اونٹ بٹھلا کر خود پیچھے ہٹ جاتے۔ جب میں اتر جاتی تو اونٹ کو دُور لے جاتے اور ایک درخت سے باندھ کر اس درخت کے سایہ میں لیٹ جاتے اور جب روانگی کا وقت آتا تو اونٹ لا کر کھڑا کر دیتے اور خود پیچھے ہٹ جاتے اور یہ کہتے کہ سوار ہو جاؤ جب سوار ہو جاتی تو مہار پکڑ چلتے۔ جب کسی منزل پر اترتے تو ایسا ہی کرتے۔ یہاں تک کہ مدینہ پہنچے۔ جب قباء کے مکانات دُور سے نظر آنے لگے تو یہ کہا کہ اسی بستی میں تمہارے شوہر مقیم ہیں۔ اللہ کی برکت کے ساتھ اس بستی میں داخل ہو اور میرے شوہر کے پاس پہنچا کر مکہ واپس آ گئے۔ خدا کی قسم میں نے عثمان بن طلحہ سے زیادہ کسی کو شریف نہیں پایا (۲)

---

(۱) عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے اور خالد بن ولید کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ عثمان بن طلحہ حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں شہید ہوئے۔ روض الانف ص۲۸۴ ج۱ (۲) البدایۃ والنہایۃ: ج: ۳، ص: ۱۶۹

پھر عامر بن ربیعہ نے مع اپنی بی بی لیلہ بنت خیثمہ کے اور پھر ابو احمد بن جحش اور ان کے بھائی عبداللہ بن جحش نے مع اہل و عیال کے ہجرت کی اور مکان کو قفل ڈال دیا۔ عتبہ اور ابو جہل کھڑے ہوتے اس منظر کو دیکھ رہے تھے کہ لوگ ایک ایک کر کے مکہ سے کوچ کر رہے ہیں۔ مکہ کے مکان خالی اور ویران ہو رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر عتبہ کا دل بھر آیا اور سانس بھر کر یہ کہا۔

كُلُّ دَارٍ وَاِنْ طَالَتْ سَلَامَتُهَا　　يَوْمًا سَتُدْرِكُهَا النَّكْبَاءُ وَالْحُوْبُ

ہر مکان خواہ وہ کتنے ہی عرصہ تک آباد اور عشرت کدہ بنا رہے لیکن ایک نہ ایک دن وہ غم کدہ اور ماتم کدہ بن جاتا ہے۔

اور پھر یہ کہا کہ یہ سب کچھ ہمارے بھتیجے کا کام ہے جس نے ہماری جماعت میں تفریق ڈال دی۔

بعد ازاں عکاشہ بن محصن اور عقبہ بن وہب اور شجاع بن وہب اور اربد بن حمیرہؓ اور منقذ بن نباتہ اور سعید بن رقیش اور محرز بن نضلہ اور یزید بن رقیش اور قیس بن جابرؓ اور عمرو بن محصنؓ اور مالک بن عمروؓ اور صفوان بن عمروؓ اور ثقیف بن عمروؓ اور ربیعہ بن اکثمؓ اور زبیر بن عبیدؓ اور تمام بن عبیدہؓ اور سخبرۃ بن عبیدہؓ اور محمد بن عبداللہ بن جحشؓ اور مستورات میں سے زینب بنت جحشؓ اور ام حبیبہ بنت جحشؓ اور جذامہ بنت جندلؓ اور ام قیس بنت محصنؓ اور ام حبیبؓ بنت ثمامہ اور آمنہؓ بنت رقیش اور سخبرہ بنت تمیم اور حمنہؓ بنت جحش نے ہجرت کی بعد ازاں حضرت عمر اور عیاش بن ابی ربیعہ بیس سواروں کے ساتھ ہجرت کیلئے روانہ ہوئے۔

ہشام بن العاص نے بھی حضرت عمر کے ساتھ ہجرت کا ارادہ کیا لیکن قوم کے لوگوں نے مزاحمت کی اور ان کو ہجرت کرنے سے روک دیا۔

جب حضرت عمر اور عیاش بن ابی ربیعہ مدینہ پہنچ گئے تو ابو جہل بن ہشام اور

حارث بن ہشام (ابوجہل کے بھائی جو بعد میں مشرف باسلام ہوئے) دونوں مدینہ پہنچے اور جاکر یہ کہا کہ تیری ماں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک تجھ کو نہ دیکھ لیگی اس وقت تک نہ سر میں کنگھی کریگی اور نہ دھوپ سے سایہ میں آئے گی۔ یہ سن کر عیاش کا دل بھر آیا اور ابوجہل کے ساتھ ہولیے۔ ابوجہل نے راستہ ہی سے عیاش کی مشکیں باندھ لیں اور مکہ لاکر عرصہ تک قید میں رکھا اور طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں قنوت پڑھتے اور ان کی رہائی کے لیے دعا فرماتے۔

اللھم انج الولید بن الولید وسلمۃ بن ھشام وعیاش بن ابی ربیعۃ — اے اللہ تو ولید اور سلمہ اور عیاش کو مشرکین کے جور و ستم سے نجات دے۔

چنانچہ اللہ نے نجات دی اور چھوٹ کر مدینہ پہنچے۔

جن لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کی ان کے اسماء حسب ذیل ہیں۔

زید بن الخطاب[1] (حضرت عمرؓ کے بڑے بھائی) اور سراقہ کے دونوں بیٹے عمرو بن سراقہ اور عبداللہ بن سراقہ خنیس بن حذافہ سہمی اور سعید بن عمرو بن نفیل اور واقد بن عبداللہ التیمی اور خولی بن خولی اور مالک بن ابی خولی اور بکیر کے چاروں بیٹے ایاس بن بکیر اور عامر بن بکیر اور عاقل بن بکیر اور خالد بن بکیرؓ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے بعد ازاں ہجرت کرنے والوں کا ایک تانتا بندھ گیا۔ طلحہ بن عبید اللہ اور صہیب بن سنان اور حمزہ بن عبدالمطلب اور زید بن حارثہ اور ابو مرثد کناز بن حصین اور انسہ اور ابوکبشہ اور اور عبیدۃ بن الحارث اور ان کے دونوں بھائی طفیل بن حارث اور حصین بن حارث

---

[1] زید بن الخطاب سابقین اولین میں سے ہیں ۱۲ھ میں جنگ یمامہ میں شہید ہوئے حضرت عمرؓ کو جب زیدؓ کی شہادت کی خبر پہنچی تو حضرت عمر کو بہت صدمہ ہوا اور یہ فرمایا سبقنی الی الحسنیین اسلم قبلی واستشھد قبلی زید نے مجھ سے دو بھلی باتوں میں سبقت کی مجھ سے پہلے مسلمان ہوئے اور مجھ سے پہلے شہید ہوئے۔ زرقانی ص ۳۲۲ ج ۱۔

اور مسطح بن اثاثہ اور سویبط بن سعد اور طلیب بن عمیرؓ اور خباب بن الارت اور عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر بن العوام اور ابو سبرۃ بن ابی رہم، مصعب بن عمیر ابو حذیفہ بن عتبہ اور سالم مولیٰ ابی حذیفہ اور عتبہ بن غزوان اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم اجمعین ہجرت کر کے مدینہ پہنچے الغرض رفتہ رفتہ تمام صحابہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مکہ میں سوائے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے کوئی باقی نہ رہا مگر چند بے کس اور بے پناہ مسلمان جو کفار کے پنجہ میں پھنسے ہوئے تھے (۱)

دار الندوہ[1] میں قریش کا اجتماع اور آپ کے قتل کا مشورہ

قریش نے جب یہ دیکھا کہ صحابہ رفتہ رفتہ ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آج کل میں جانے والے ہیں تو مشورہ کے لیے دار الندوہ میں حسب ذیل سرداران قریش جمع ہوئے۔ عتبہ بن ربیعہ۔ شیبہ بن ربیعہ۔ ابو سفیان بن حرب۔ طعیمۃ بن عدی۔ جبیر بن مطعم۔ حارث بن عامر۔ نضر بن حارث۔ ابو البختری بن ہشام۔ زمعۃ بن

---

[1] مکہ میں یہ پہلا مکان ہے جس کو قصی بن کلاب نے خاص مشوروں ہی کے لیے تعمیر کیا تھا جس میں جمع ہو کر مشورے کیا کرتے تھے۔ قصی بن کلاب کے بعد یہ مکان بنی عبد الدار کے قبضہ میں آیا اور ان سے حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بعد میں مشرف باسلام ہوئے نے اور حضرت معاویہ کے زمانہ خلافت میں حکیم نے یہ مکان ایک لاکھ درہم میں فروخت کیا۔ بعض احباب نے ملامت کی کہ آباء و اجداد کے شرف اور بزرگی کی ایک نشانی کو تم نے اپنے ہاتھ سے کھو دیا۔ حکیم رضی اللہ عنہ نے کہا نہ جانے دیا۔ ذہبت واللہ المکارم الا التقوی۔ خدا کی قسم ساری بزرگیاں اور شرف ختم ہوگئے۔ سوائے تقوی اور پرہیزگاری کے واللہ میں نے یہ مکان زمانہ جاہلیت میں ایک شراب کی مشک دے کر خریدا تھا اور اب ایک لاکھ میں فروخت کیا اور میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ ایک لاکھ سب کے سب خدا کے راستہ میں دیتا ہوں بتلاؤ کیا نقصان رہا (ذکرہ الدارقطنی فی رجال المؤطا، زرقانی ص۳۲۱ ج۱۔ (۱) ابن ہشام ج:۱، ص ۳:

الاسود حکیم بن حزام۔ ابوجہل بن ہشام۔ نبیہ اور منبہ پسران حجاج۔ امیہ بن خلف وغیرہ۔ ابلیس لعین ایک بوڑھے شخص کی شکل میں نمودار ہوا۔ اور دروازہ پر کھڑا ہو گیا۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ کون ہیں۔ کہا میں نجد کا ایک شیخ ہوں۔ تمہاری گفتگو سننا چاہتا ہوں اگر ممکن ہوا تو اپنی رائے اور مشورہ سے میں تمہاری امداد کروں گا۔

لوگوں نے اندر آنے کی اجازت دی اور گفتگو شروع ہوئی کسی نے کہا کہ آپ کو کسی بند کوٹھڑی میں قید کر دیا جائے۔ شیخ نجدی نے کہا یہ رائے درست نہیں اس لیے کہ اس کے اصحاب اگر کہیں سن پائیں تو تم پر ٹوٹ پڑیں گے اور ان کو چھڑا کر لے جائیں گے۔ کسی نے کہا آپ کو جلاوطن کر دیا جائے۔ شیخ نجدی نے کہا کہ یہ رائے تو بالکل ہی غلط ہے کیا تم کو اس کے کلام کی خوبی اور شیرینی اور دل آویزی اور دلوں پر اس کا چھا جانا معلوم نہیں اگر ان کو یہاں سے نکال دیا گیا تو ممکن ہے کہ دوسرے شہر والے ان کا کلام سن کر ان پر ایمان لے آئیں اور پھر سب مل کر ہم پر حملہ آور ہوں۔

ابوجہل نے کہا میری رائے یہ ہے کہ نہ تو ان کو قید کیا جائے اور نہ جلاوطن کیا جائے۔ بلکہ ہر قبیلہ میں سے ایک نوجوان منتخب کیا جائے اور پھر سب مل کر دفعۃً محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر ڈالیں اس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خون تمام قبائل میں تقسیم ہو جائے گا اور بنی عبد مناف تمام قبائل سے نہ لڑ سکیں گے۔ مجبوراً خون بہا اور دیت پر معاملہ ختم ہو جائے گا۔

شیخ نجدی نے کہا واللہ رائے تو بس یہ ہے اور حاضرین جلسہ نے بھی اس رائے کو بہت پسند کیا (۱)

اور یہ بھی طے پایا کہ یہ کام اسی شب میں انجام کو پہنچا دیا جائے۔ ادھر جلسہ برخاست ہوا اور ادھر جبریل امین وحی ربانی لے کر پہنچے۔

(۱) طبقات ابن سعد ج: ۱ ص: ۱۵۲ ۔ عیون الاثر ج ۱ ص: ۱۷۷

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ۔ (۱)	اور یاد کرو جس وقت کافر تدبیریں کر رہے تھے کہ آپ کو قید کردیں یا قتل کر ڈالیں یا نکال دیں اور طرح طرح کے فریب کرتے تھے اور تدبیر کرتا ہے اللہ اور اللہ بہترین تدبیر فرمانے والے ہیں۔

اور تمام واقعہ سے آپ کو مطلع کیا اور من جانب اللہ آپ کو ہجرت مدینہ کی اجازت کا پیام پہنچایا اور یہ دعا تلقین کی گئی۔

قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِيْرًا (۲) (رواہ الترمذی عن ابن عباس وصححہ والحاکم فی المستدرک فتح الباری ص ۱۸۷ و زرقانی ص ۳۲۴ ج ۱)	اور یہ دعا مانگیے کہ اے پروردگار مجھ کو سچا پہنچانا پہنچا دیجئے اور سچا نکالنا مجھ کو نکالیے اور اپنے پاس سے مجھ کو ایک حکومت اور نصرت عطا فرمائیے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین سے دریافت فرمایا کہ میرے ساتھ کون ہجرت کرے گا۔ جبریل امین نے کہا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (رواہ الحاکم وقال صحیح الاسناد وقال الذہبی صحیح غریب (۳)

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ عین دوپہر کے وقت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ مجھ کو ہجرت کی اجازت ہوگئی ہے۔ ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں

(۱) الانفال، آیۃ: ۳۰، (۲) الاسراء، آیۃ: ۸۰ (۳) زرقانی ج: ۱، ص: ۲۲۶۔

کیا اس ناچیز کو بھی ہم رکاب ہونے کا شرف حاصل ہو سکے گا۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔

ابن اسحٰق کی روایت ہے کہ ابوبکر یہ سن کر رو پڑے۔ عائشہ فرماتی ہیں کہ اس سے پیشتر مجھ کو گمان نہ تھا کہ فرط مسرت سے بھی کوئی رونے لگتا ہے۔ ابوبکر صدیقؓ نے پہلے ہی سے ہجرت کے لیے دو اونٹنیاں تیار کر رکھی تھیں۔ جن کو چار مہینے سے ببول کے پتے کھلا رہے تھے۔ عرض کیا یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں ان میں سے جس ایک کو پسند فرمائیں وہ میری طرف سے آپ کے لیے ہدیہ ہے آپ نے فرمایا میں بدون قیمت کے نہ لوں گا۔

معجم طبرانی میں حضرت اسماء بنت ابی بکر سے مروی ہے کہ ابوبکر نے عرض کیا کہ بہتر ہے کہ اگر آپ قیمۃً لینا چاہیں۔ قیمۃً لے لیں (۱)

مطلب یہ کہ میری ذاتی خواہش کچھ بھی نہیں میری ہر خواہش اور ہر میلان آپ کے اشارہ کے تابع ہے۔

اس مقام پر بعض لوگوں کو یہ شبہ پیش آیا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس اونٹنی کی قیمت سے کہیں زائد آپ کی ذات بابرکات پر خرچ کیا اور آپ نے اس کو قبول فرمایا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ جس قدر ابوبکر نے اپنی جان اور مال سے مجھ پر احسان کیا اتنا کسی نے نہیں کیا۔ اور ترمذی میں ہے کہ جس شخص نے میرے ساتھ جو احسان کیا ہے میں نے اسکی مکافات کر دی ہے سوائے ابوبکر کے کہ اس کے احسانات کا بدلہ قیامت کے دن اللہ ہی دے گا۔ اس لیے شبہ ہوا کہ اس وقت آپ نے اونٹنی کی قیمت دینے میں کیوں اصرار فرمایا۔

جواب یہ ہے کہ ہجرت ایک عظیم عبادت ہے جس کو حق تعالیٰ نے بعد ایمان کے ذکر فرمایا ہے اس لیے آپ اس عبادت عظمیٰ میں کسی کو شریک نہیں کرنا چاہتے تھے

---

(۱) فتح الباری ج: ۷، ص: ۱۸۳

آپ یہ چاہتے تھے کہ خدا کی راہ میں ہجرت صرف اپنی ہی جان و مال سے ہو۔ (۱)

فائدہ:

واقدی کہتے ہیں کہ اس اونٹنی کا نام قصوآء تھا۔ محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ اس کا نام جدعآء تھا۔ بخاری باب غزوۃ الرجیع (۲)

واقدی فرماتے ہیں کہ اس اونٹنی کی قیمت آٹھ سو درہم تھی۔ علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ چار سو درہم تھی۔ آٹھ سو درہم دونوں اونٹنیوں کی قیمت تھی۔

چنانچہ حضرت عائشہ کی ایک روایت میں اس کی تصریح ہے کہ

وکان ابوبکر اشتراھما بثمان مائۃ درھم (۳)	ابوبکر نے دونوں اونٹنیوں کو آٹھ سو درہم میں خریدا تھا۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ جبریل امین نے آکر قریش کے مشورہ کی اطلاع دی اور یہ مشورہ دیا کہ آپ یہ رات اپنے کاشانہ مبارک میں نہ گزاریں۔ اخرجہ البیہقی (۴)

چنانچہ جب رات کا وقت آیا اور تاریکی چھاگئی تو قریش نے حسب قرارداد آکر آپ کے مکان کو گھیر لیا[ؒ] کہ جب آپ سو جائیں تو آپ پر حملہ کریں۔ آپؐ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حکم دیا کہ میری سبز چادر اوڑھ کر میرے بستر پر لیٹ جاؤ اور ڈرو مت تم کو کوئی کسی قسم کی گزند نہ پہنچا سکے گا۔ قریش اگرچہ آپؐ کے دشمن تھے لیکن آپؐ کو صادق و امین سمجھتے تھے اور امانتیں آپ ہی کے پاس رکھتے تھے۔ آپ نے وہ سب امانتیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سپرد کیں کہ صبح کو یہ امانتیں لوگوں تک پہنچا دینا۔

ؒ جن لوگوں نے آپ کے مکان کا محاصرہ کیا ان کے نام حسب ذیل ہیں۔ ابوجہل حکم بن العاص عقبۃ بن ابی معیط نضر بن حارث امیۃ بن خلف ابن عیطلہ زمعۃ بن الاسود طعیمۃ بن عدی ابولہب ابی بن خلف نبیہ اور منبہ پسران حجاج طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۵۳

(۱) روض الانف ج: ۲، ص: ۳ (۲) زرقانی ج: ۱، ص: ۳۲۷

(۳) طبقات ابن سعد ج: ۱، ص: ۱۵۳ (۴) الخصائص الکبری ج: ۱، ص: ۱۸۵ (۶) عیون الاثر ج: ۱، ص: ۱۷۹۔

ابوجہل لعین باہر کھڑا ہوا ہنس ہنس کر لوگوں سے یہ کہہ رہا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا زعم یہ ہے کہ اگر تم ان کا اتباع کرو تو دنیا میں عرب وعجم کے بادشاہ بنو گے اور مرنے کے بعد تم کو بہشت بریں ملے گی اور ان پر ایمان نہ لاؤ گے تو دنیا میں ان کے پیروؤں کے ہاتھ سے قتل ہو جاؤ گے اور مرنے کے بعد جہنم میں جلو گے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں سے ایک مشت خاک لیے ہوئے برآمد ہوئے اور فرمایا کہ ہاں میں یہی کہتا ہوں اور تو بھی ایک انہی میں سے ہے کہ دنیا میں میرے اصحاب کے ہاتھ سے قتل ہوگا اور مرنے کے بعد جہنم میں جلے گا اور اس مشت خاک پر سورۂ یٰسین کی شروع کی آیتیں "فاغشینا ہم فہم لا یبصرون" تک پڑھ کر ان کے سروں پر ڈال دی۔ اللہ نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور آپ ان کے سامنے سے گذر گئے اور کسی کو نظر نہ آئے (۱)

(۲) آپ ان کے سامنے سے نکل کر ابوبکرؓ کے گئے اور ابوبکرؓ کو ہمراہ لیکر جبل ثور کا راستہ لیا اور وہاں جا کر ایک غار میں چھپ گئے۔ اسی اثناء میں ایک شخص آپؐ کے مکان کے پاس سے گذرا تو قریش کی جماعت سے دریافت کیا کہ تم کیوں کھڑے ہو اور کس کے منتظر ہو۔ کہا کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے منتظر ہیں کہ وہ برآمد ہوں تو ہم ان کو قتل کر دیں۔ اس شخص نے کہا اللہ تم کو ناکام کرے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے سروں پر خاک ڈال کر گذر بھی گئے۔ جب صبح ہوئی اور حضرت علی آپ کے بستر سے اٹھے تو یہ کہنے لگے کہ واللہ اس شخص نے ہم سے سچ کہا تھا اور نہایت ندامت کے ساتھ حضرت علی سے پوچھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہاں ہیں۔ حضرت علی نے کہا مجھ کو علم نہیں (۲) اور یہ روایت طبقات ابن سعدؒ میں حضرت علی اور ابن عباسؓ اور عائشہ صدیقہ اور عائشہ بنت قدامہ اور سراقہ بن جعشم رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

---

(۱) عیون الاثر ج ۱، ص ۱۷۹، (۲) البدایۃ والنہایۃ ج ۳، ص: ۱۷۶

فائدہ :

کفار قریش نے تمام شب آپ کے مکان کا محاصرہ تو رکھا مگر مکان کے اندر نہیں گھسے اس لیے کہ اہل عرب کسی کے زنانہ مکان میں گھسنے کو معیوب سمجھتے تھے بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے تو ٹیلے پر سے ایک نظر ڈال کر مکہ کو دیکھا اور یہ فرمایا۔

واللہ انک لخیر ارض اللہ واحب ارض	خدا کی قسم اللہ کی سب سے بہتر زمین ہے اور
الی اللہ ولولا انی اخرجت	سب سے زیادہ اللہ نزدیک محبوب ہے
منك ما خرجت۔	اگر میں نکالا نہ جاتا تو نہ نکلتا (ترمذی)

حاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح ہے (۱) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے اس وقت یہ فرمایا۔

ما اطیبك من بلد واحبك	تو کیا ہی پاکیزہ شہر ہے اور مجھ کو بڑا ہی
الی ولولا ان قومی	محبوب ہے اگر میری قوم مجھ کو نہ نکالتی تو
اخرجونی ما سکنت غیرك	میں دوسری جگہ سکونت اختیار نہ کرتا۔
رواہ احمد و الترمذی	اس حدیث کو امام احمد اور امام ترمذی
وصححہ	نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے
(۲)	اس حدیث کو صحیح بتلایا ہے۔

فائدہ :

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ مکہ مکرمہ۔ مدینہ منورہ سے افضل ہے اور یہی جمہور علماء کا قول ہے ۱۲۰

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بڑی صاحبزادی حضرت اسماء نے سفر کے لیے ناشتہ تیار کیا عجلت میں بجائے رسّی کے اپنا (پٹکا) پھاڑ کر ناشتہ دان باندھا۔ اسی روز سے

---

(۱) مستدرک : ج ۳، ص : ۷ (۲) زرقانی ج ۱، ص : ۳۲۸

حضرت اسماء ذات النطاقین کے نام سے موسوم ہوئیں ابن سعد کی روایت میں یہ ہے کہ ایک ٹکڑے سے توشہ دان باندھا اور دوسرے سے مشکیزہ کا منہ بند کیا (۱)
اور عبداللہ بن ابی بکر جو ابوبکر کے فرزند ارجمند تھے اور جوان تھے وہ دن بھر مکہ میں رہتے اور رات کو آکر قریش کی خبریں بیان کرتے اور عامر بن فہیرہ ابوبکر صدیق کے آزاد کردہ غلام۔ بکریاں چرایا کرتے تھے عشاء کے وقت آکر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ابوبکر کو بکریوں کا دودھ پلا جاتے تھے۔(۲)

اور عبداللہ بن(۳) اریقط دولی کو رہبری کے لیے اجرت پر مقرر کیا کہ وہ غیر معروف راستہ سے لے جائے۔ عبداللہ بن اریقط اگرچہ مذہباً کافر اور مشرک تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس پر اعتماد اور بھروسہ کیا (بخاری شریف باب الہجرت) اور اونٹنیاں اس کے سپرد کیں کہ دونوں کو تیسرے دن جبل ثور پر لے کر حاضر ہو جائے اور مدینہ لے کر روانہ ہو جائے۔

فائدہ:

راستہ خود حضورؐ نے متعین فرمایا اور کافر کو مزدوری دے کر ہمراہ لیا کہ آپکی اونٹنی کی لگام پکڑ کر چلے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کافر قابل اطمینان ہو تو اُجرت دیکر اس سے خدمت لینا جائز ہے۔ یہ کافر حضور کا مزدور اور اجیر تھا۔ معاذ اللہ قائد اور امیر نہ تھا۔ اس حدیث سے کافر کی اُجرت اور خدمت کا جواز معلوم ہوا۔ لیکن کافر اور مشرک کو اپنا قائد اور امیر بنانے کا جواز اس سے کہیں ثابت نہیں ہوتا۔

غار ثور:

الغرض گھر سے نکل کر رات ہی میں دونوں حضرات غار ثور کی طرف روانہ ہوئے

(۱) طبقات ابن سعد ج: ۱، ص: ۱۵۴ (۲) البدایۃ والنہایۃ ج: ۳، ص: ۱۸۴

(۳) امام نووی فرماتے ہیں کہ مجھ کو معلوم نہیں کہ عبد بن اریقط اسلام لایا یا نہیں۔ وفاء الوفاء ص ۱۶۹ ج ا

دلائل بیہقی میں محمد بن سیرین سے مرسلاً مروی ہے کہ جب آپ غار کی طرف روانہ ہوئے تو اس یار غار اور ہمدم و جان نثار محب با اخلاص اور صدیق با اختصاص کی بیتابی اور بے چینی کا عجب حال تھا کبھی آپ کے آگے چلتے اور کبھی پیچھے اور کبھی دائیں اور کبھی بائیں بالآخر آپ نے دریافت فرمایا اے ابوبکر یہ کیا کبھی آگے چلتے ہو اور کبھی پیچھے ابوبکر نے عرض کیا، یا رسول اللہ۔ جب یہ خیال آتا ہے کہ کہیں پیچھے سے تو کوئی آپ کی تلاش میں نہیں آرہا تو پیچھے چلتا ہوں اور جب یہ خیال آتا ہے کہ کہیں کوئی گھات میں نہ بیٹھا ہو تو آگے چلتا ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے ابوبکر کیا اس سے تمہارا یہ مقصد ہے کہ تم قتل ہو جاؤ اور میں بچ جاؤں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ہاں۔ یارسول اللہ اللہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا۔ یہی چاہتا ہوں کہ آپ بچ جائیں اور میں قتل ہو جاؤں۔ جب غار پر پہنچے تو عرض کیا یارسول اللہ ذرا ٹھہریئے میں اندر جا کر آپ کے لیے غار کو صاف کرلوں۔ حافظ عسقلانیؒ اس روایت کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ اسی طرح عبداللہ بن ابی ملیکہ اور حسن بصری سے مروی ہے (۱)

دلائل بیہقی میں ضبتہ بن حصن سے مروی ہے کہ حضرت عمر کے سامنے جب حضرت ابوبکرؓ کا ذکر آتا تو یہ فرماتے کہ ابوبکر کی ایک رات اور ایک دن عمرؓ کے تمام عمر کی عبادت سے کہیں بہتر ہے۔ رات تو غار کی اور یہ قصہ بیان فرماتے جو ابھی ذکر کیا گیا ہے اور دن وہ کہ جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی وفات اور عرب کے بہت سے قبائل مرتد ہو گئے۔ اس وقت میں آپ کی خدمت حاضر ہوا اور خیر خواہانہ عرض کیا اے خلیفہ رسول اللہ آپ ذرا نرمی کیجیے اور تالیف سے کام لیجیے ابوبکر نے غصہ ہو کر یہ کہا۔

جَبَّارٌ فِی الْجَاهِلِيَّةِ وَخَوَّارٌ فِی الْاِسْلَامِ۔	اے عمر جاہلیت کے زمانہ میں تو تو بہادر رہے۔

---

(۱) فتح الباری، ج: ۷، ص: ۱۸۵

اور دلیر تھا اب کیا اسلام میں آکر بزدل بن گیا، بتلاتو سہی کس چیز سے ان کی تالیف کروں رسول اللہ علیہ وسلم وفات پاگئے اور وحی منقطع ہوگئی۔ خدا کی قسم اگر یہ لوگ اس رسی کے دینے سے بھی انکار کریں گے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دیا کرتے تھے تو میں ان سے ضرور جہاد وقتال کروں گا۔ عمر کہتے ہیں پس ہم نے ابوبکرؓ کے حکم سے جہاد کیا اور اللہ نے ابوبکرؓ کے ذریعہ سے ان تمام لوگوں کو جو اسلام سے بھاگ گئے تھے پھر اسلام کی طرف واپس فرمادیا۔ یہ ہے ابوبکر کا وہ دن جس پر عمر اپنی تمام عمر کی عبادت تصدق کرنے کے لیے تیار رہے (۱)

اور یہ روایت مستدرک حاکم میں بھی مذکور ہے۔ حاکم فرماتے ہیں کہ اگر یہ روایت مرسل نہ ہوتی تو شرط بخاری اور مسلم پر صحیح ہوتی۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں صحیح مرسل اوّل ابوبکر غار میں اترے اور بعد ازاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غار میں فروکش ہوتے اور باذن الٰہی ایک مکڑی نے غار کے منہ پر ایک جالا تانا

یہ روایت طبقات ابن سعد میں عائشہ صدیقہ اور ابن عباس اور علی بن ابی طالب اور عائشہ بنت قدامہ اور سراقہ بن جعشم رضی اللہ عنہم سے متعدد سندوں کے ساتھ مروی ہے جس میں بعض سندوں کے راوی بخاری اور مسلم کے راوی ہیں۔ مسند احمد بن حنبل میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قریش تمام شب آپؐ کے مکان کا محاصرہ کیے رہے۔ جب صبح ہوئی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو آپؐ کے بستر سے اٹھتے دیکھا تو آپ کی بابت دریافت کیا کہ کہاں ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا مجھ کو علم نہیں۔ اس وقت آپ کی تلاش میں ہر طرف دوڑے ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار تک پہنچے۔

فرأوا علی بابہ نسج العنکبوت — تو غار کے دروازہ پر مکڑی کا جال دیکھ کر

---

(۱) در منثور، ج: ۳، ص: ۲۴۱

فقالوا لو دخل هنا لم یکن نسیج العنکبوت علی بابہ۔ یہ کہا کہ اس میں جاتے تو غار کے دروازے پر مکڑی کا جال باقی نہ رہ سکتا۔

حافظ عسقلانی[۱] فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند حسن ہے (۲) حافظ ابن کثیر البدایۃ و النہایۃ میں فرماتے ہیں یہ اسناد حسن ہے غار کے منہ پر مکڑی کے جالا تاننے کی جس قدر بھی روایتیں آئی ہیں ان سب سے جید اور بہتر یہی روایت ہے۔

ابومصعب مکی فرماتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک اور زید بن ارقم اور مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہم کو یہ بیان کرتے سنا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار ثور میں پناہ گزیں ہوئے تو اللہ کے حکم سے آپ کے چہرہ کے سامنے ایک درخت اگ آیا اور ایک جنگلی کبوتر کے جوڑے نے آکر انڈے دیئے۔ مشرکین جب ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار تک پہنچے تو کبوتر کے گھونسلے دیکھ کر واپس ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل نے ان کو ہم سے دفع کیا (۳)

تنبیہ:

یہ واقعہ کتب حدیث میں مختلف سندوں کے ساتھ مروی ہے ہر سند میں اگرچہ بعض راوی ضعیف ہیں لیکن مجموعہ سے قوت اور وثاقت آجاتی ہے جو بضابطہ محدثین حسن لغیرہ کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

بخاری، مسلم، ترمذی، مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیان کیا کہ جب میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار میں تھے اور

---

[۱] عسقلانی کے الفاظ یہ ہیں ذکر احمد من حدیث عباس باسناد حسن اور حافظ ابن کثیر مسند احمد کی اس مفصل روایت کو نقل کر کے فرماتے ہیں۔ وھذا اسناد حسن وھو من اجود ما روی فی قصۃ نسج العنکبوت علی فم الغار وذالک من حمایۃ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ البدایۃ والنہایۃ ص۱۸۱ ج ۳

(۲) فتح الباری ج: ۷، ص: ۱۸۴ (۳) طبقات ابن سعد ج: ۱، ص: ۱۵۴

قریش ہمیں تلاش کرتے کرتے غار کے منہ پر آکھڑے ہوئے اس وقت میں نے آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ ان میں سے اگر کسی کی نظر اپنے قدموں پر پڑ جائے تو یقیناً ہم کو دیکھ پائے گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔

ما ظنك يا	اے ابوبکر ان دو کے ساتھ تیرا کیا گمان ہے
ابا بكر	جن کا تیسرا اللہ ہے۔ یعنی ہم دونوں تنہا نہیں
باثنين الله	بلکہ تیسرا ہمارے ساتھ خدا تعالیٰ ہے جو ہم کو ان اعداء کے
ثالثهما	شر سے محفوظ رکھے گا۔

زہری اور عروۃ بن الزبیر سے مروی ہے کہ جب آپ نے دیکھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت حزیں اور غمگین ہیں تو یہ ارشاد فرمایا۔

لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا	تو بالکل غم نہ کھا۔ یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے

اور ابوبکر کی تسکین کے لیے دعا بھی فرمائی۔ پس اللہ کی طرف سے ابوبکر پر ایک خاص سکینت اور خاص طمانیت نازل ہوئی۔ اسی بارہ میں حق جل شانہٗ فرماتے ہیں۔

إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ	جب وہ دونوں غار میں تھے تو پیغمبر علیہ السلام
لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللّٰهُ	اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے تو بالکل غم نہ کھا
سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ	یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پس اللہ نے
لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ	اس پر اپنی خاص تسکین نازل فرمائی اور قوت
الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ	دی اسکو ایسے لشکروں سے جس کو تم نہیں
اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (1)	دیکھتے تھے اور کافروں کی بات نیچی کی اور
(دلائل ابی نعیم ص۱۱۲ و فتح الباری	اللہ کی بات تو ہمیشہ ہی اوپر رہتی ہے اور اللہ
ج۷ باب مناقب ابی بکرؓ)	تو بڑا زبردست اور حکمت والا ہے۔

---

(۱) توبہ، آیۃ: ۴۰

لطائف و معارف

(تحقیقِ نزولِ آیۃ الغار دربارۂ یارِ غارِ سید الابرار علیہ افضل الصلوات واکمل التحیات وعلیٰ آلہ وازواجہ الطاہرات وعلی اصحابہ الذین ہم کانوا نجوم الہدایۃ للبریات۔ لاسیما علی صاحبہ فی الغار وفی الحیات وبعد الممات ورفیقہ فی الدنیا و صاحبہ علی الحوض وفی روضات الجنات)

قبل اس کے کہ ہم آیت الغار کے لطائف و معارف ہدیۂ ناظرین کریں یہ مناسب سمجھتے ہیں کہ اوّل پوری آیت کو مع ترجمہ کے نقل کر دیا جائے تاکہ ناظرین و قارئین کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہ پیش آئے (وہی ہٰذہ)

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (۱)	اگر تم لوگ رسول اللہ کی مدد نہ کرو گے تو کیا ہوگا۔ اللہ ان کا پہلے ہی مددگار رہا ہے اسی نے اس وقت بھی مدد کی تھی کہ جب کافروں نے اس کو نکال دیا تھا درآں حالیکہ وہ دو میں کا دوسرا تھا جب وہ دونوں غار میں تھے یعنی اس سفر میں صرف دو تھے ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے آپ کے ساتھی اور یارِ غار یعنی ابوبکر صدیقؓ دو کے علاوہ اور کوئی شخص ہمراہ نہ تھا جس سے کسی سہارے کی توقع کی جاسکتی ہے جس وقت آپ اپنے ساتھی اور یارِ غار سے یہ کہہ رہے

تھے کہ غمگین نہ ہو یقین رکھ کہ اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے (یعنی اس کی حمایت اور حفاظت ہمارے ساتھ ہے) پس اللہ تعالیٰ نے آپ پر اپنی تسکین اور تسلی اتاری اور ایسے لشکروں سے

(۱) توبہ، آیۃ: ۴۰

ترجمہ گذشتہ صفحہ : تائید کی جن کو تم نے نہیں دیکھا (یعنی بلا سبب ظاہری کے فرشتوں کی فوج سے غار ثور کی حفاظت فرمائی) اور اللہ نے کافروں کی بات نیچی کی (کہ غار کے کنارے سے دشمنوں کو بے نیل مرام واپس کر دیا۔) اور اللہ کا بول ہمیشہ بالا ہی رہتا ہے اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے کہ اس نے اپنے نبی اور اس کے رفیق کو دشمنوں کے زغہ سے نکال کر بعافیت تمام مدینہ پہنچا دیا۔

حق جل شانہ نے اس آیت میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جن فضیلتوں اور خصوصیتوں کو بیان فرمایا ہے امت میں کسی کو اس کا عشر عشیر بھی نصیب نہیں ہوا۔ اب ہم ابوبکر صدیق کی وہ فضیلتیں جو اس آیت سے ثابت ہوتی ہیں اجمالاً ان کو بیان کرتے ہیں۔

(۱)

کفار نا ہنجار جب آں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل پر تل گئے اور بالاتفاق سب نے آپ کے قتل کا عزم بالجزم کر لیا تب بحکم خداوندی آپ نے ہجرت کا ارادہ فرمایا اور بحکم خداوندی ابوبکر صدیق کو اپنے ہمراہ لیا پس اگر خداوند ذوالجلال کے نزدیک ابوبکر مخلص اور صادق الایمان اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے عاشق صادق نہ ہوتے تو ایسے نازک وقت میں اللہ تعالیٰ ہرگز اُن کو ساتھ لیجانے کی اجازت نہ دیتے اور علی ہذا خود پیغمبر کو اگر اُن کی صداقت اور محبت اور عشق اور خلوص پر یقین کامل نہ ہوتا تو کبھی بھی ابوبکر صدیق کو ایسے سفر میں اپنے ہمراہ نہ لے جاتے۔ معاذ اللہ معاذ اللہ رسول خدا۔ کم عقل تو نہ تھے کہ دوست اور دشمن۔ مخلص اور منافق کو نہ پہچانتے ہوں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسے سفر پر خطر میں ابوبکر صدیق کو اپنے ہمراہ لے جانا اس امر کی شہادت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر کو اپنا محب خاص اور ہم دم باختصاص اور عاشق جان نثار اور جاں باز و غم گسار سمجھتے

تھے اور حسب ارشاد باری فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيمَاهُمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ۔ حق تعالیٰ نے حضور پر نور کو ایسا اعلیٰ درجہ کا نورِ فراست عطا کیا تھا کہ منافق کے چہرے اور اس کی بات ہی سے آپ پہچان لیتے تھے کہ یہ منافق ہے۔ پس اگر بفرضِ محال شیعوں کے زعم میں ابوبکر منافق تھے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کا نفاق کیسے مخفی رہا اور اگر بالفرض حضور پر نور پر مخفی رہا تو خداوند علام الغیوب پر کیسے مخفی رہا کہ اس نے اپنے پیغمبر کو ہجرت میں ایک منافق کے ہمراہ لے جانے کا حکم دیا۔

(۲)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حسن بصری اور سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ اس آیت میں حق جل وعلا نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ کرنے پر تمام عالَم کو عتاب فرمایا مگر صرف ابوبکر کو اس عتاب سے مستثنیٰ فرمایا اور صرف مستثنیٰ ہی نہیں فرمایا بلکہ ایسے اُڑے اور نازک وقت میں رسول خدا کی رفاقت اور مصاحبت اور معیت کو بطور مدح ذکر فرمایا۔

(۳) ثانی اثنین

حق جل شانہ نے ثانی اثنین کے لفظ سے یہ ظاہر فرمایا کہ پیغمبر خدا کے بعد مرتبہ میں دوسرا شخص ابوبکر صدیق ہیں امام قرطبی فرماتے ہیں کہ ثانی اثنین کا لفظ اس بات کی دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ ابوبکرؓ ہوں اس لیے کہ خلیفہ۔ بادشاہ کا ثانی ہوتا ہے (۱)

انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ ایک دن نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے حسان بن ثابت سے کہا کہ کیا تو نے ابوبکر کے بارے میں بھی کوئی شعر کہا ہے۔ حسان نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا تم کہو اور میں سنتا ہوں پس حسان نے یہ کہا۔

---

(۱) تفسیر قرطبی ج : ۸ ، ص : ۱۴۷

وثانی اثنین فی الغار المنیف وقد طاف العدو به اصعد الجبلا

وکان حب رسول اللہ قد علموا من البریۃ لم یعدل بہ رجلا

اخرجہ ابن عدی وابن عساکر من طریق الزہری عن انس رضی اللہ عنہ

(۴) اذ ہما فی الغار

حق جل شانہ نے اذ ہما فی الغار کے لفظ سے ابوبکر صدیقؓ کا یارِ غار ہونا ظاہر کر دیا اور یارِ غار کی مثل یہیں سے چلی ہے جو شخص یاری اور غمگساری کا حق ادا کر دے اس کو محاورہ میں یارِ غار کہتے ہیں۔

(۵) لصاحبہ

حق تعالیٰ نے لصاحبہ کے لفظ سے ابوبکر کی صحابیت کو بیان کیا اور شیعوں اور سنیوں کا اس پر اتفاق ہے کہ آیت میں لفظ صاحبہ سے ابوبکر مراد ہیں اور عربی زبان میں صاحب کا لفظ صحابی کے ہم معنی ہے۔ صحابی اور صاحب کے معنی میں کوئی فرق نہیں اور یہ رتبہ صرف ابوبکر کو ملا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی صحابیت کو قرآن میں ذکر کیا اسی وجہ سے علماء نے تصریح کی ہے کہ ابوبکر صدیق کی صحابیت کا منکر قرآن کریم کی اس آیت اذ یقول لصاحبہ کا منکر ہے اور قرآن کا انکار کفر ہے۔

اور علیٰ ہذا جن صحابہ کا صحابی ہونا احادیث متواترہ اور اجماع سے ثابت ہے ان کا بھی یہی حکم ہے البتہ جن حضرات کا صحابی ہونا خبرِ واحد سے ثابت ہوا ہے ان کی صحابیت کا منکر کافر نہیں کہلائے گا۔ بلکہ مبتدع یعنی بدعتی کہلائے گا۔

ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں ایک شخص سورۂ توبہ کی تلاوت کرتا ہوا جب اس آیت پر پہنچا اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ۔ تو ابوبکر صدیق سن کر رو پڑے اور یہ فرمایا کہ خدا کی قسم یہ صاحب میں ہی ہوں (۱)

(۱) تفسیر ابن جریر ج: ۱۰، ص: ۹۶

(۶) لَاتَحْزَنْ

جب مشرکین مکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار تک پہنچے تو غار کے اندر سے ابوبکر کی نظر ان پڑی۔ رونے لگے اور عرض کیا یارسول اللہ اگر میں مارا جاؤں تو فقط ایک شخص ہلاک ہوگا لیکن بنصیب دشمناں اگر آپ مارے گئے تو ساری امت ہلاک ہو جائے گی۔ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کی تسلی کے لیے یہ ارشاد فرمایا لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ اے ابوبکر تم غمگین نہ ہو۔ تم تسلی رکھو اور یقین جانو کہ تحقیق اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے (۱)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نانوتوی (بانیٔ دارالعلوم دیوبند) ہدیۃ الشیعہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ لفظ لاتحزن جس کا مطلب یہ ہے کہ تم غمگین نہ ہو۔ یہ لفظ ابوبکر کے عاشق صادق اور مؤمن مخلص ہونے پر دلالت کرتا ہے ورنہ اُن کو غمگین ہونے کی کیا ضرورت تھی بلکہ موافق عقیدۂ شیعہ معاذ اللہ اگر ابوبکر دشمن رسول تھے تو یہ نہایت خوشی کا محل تھا کہ رسول اللہ خوب قابو میں آئے ہوئے ہیں۔ اسی وقت پکار کر دشمنوں کو بلا لینا تھا تاکہ نعوذ باللہ وہ اپنا کام کرتے۔ دشمنوں کے لیے اس سے بہتر اور کون سا موقع تھا مگر کہیں انصاف کی آنکھیں اگر مول ملیں تو ہم حضرات شیعہ کے لیے مول لے لیں اور ان کو دیں تاکہ وہ کچھ تو پاس رفاقت خلیفہ اول کریں ؎

جو پاس مہر و محبت یہاں کہیں ملتا — تو مول لیتے ہم اپنے مہرباں کے کیلئے

غار میں تنہائی تھی ابوبکر کو اس میں مار ڈالنے کا بہت اچھا موقعہ تھا۔ وہاں کون پوچھنا تھا۔ مار کر کہیں چل دیتے اور ابوبکر کے فرزند ارجمند پسر کلاں یعنی عبداللہ بن ابی بکر غار ثور پر جاسوسی کے لیے مقرر تھے۔ انھیں کے ذریعہ سے دشمنوں کو اطلاع کرا دیتے یا اسماء بنت ابی بکر جو غار پر کھانا لیکر آیا کرتی تھیں۔ اُن کے ذریعہ دشمنوں کو اطلاع کرا دیتے

---

(۱) روض الانف ج: ۲، ص: ۴

اگر خاندان صدیقی کو کچھ بھی عداوت ہوتی تو یہ راز داری اور جان نثاری کے معاملے نہیں ہوسکتے تھے۔

غرض یہ کہ ابوبکر کا رنجیدہ اور غمگین ہونا اور دشمنوں کو دیکھ کر رونا یہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق اور محبت میں تھا۔ اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنی جان کا ڈر ہوتا تو بجائے حزن کے خوف کا لفظ مستعمل ہوتا۔ اس لیے کہ عربی زبان میں حزن کا لفظ غم کی جگہ اور فراق محبوب یا تمنا کے فوت ہو جانے کے محل میں استعمال کرتے ہیں اور جہاں جان پر مبنی ہو اور ڈر کا مقام ہو وہاں خوف کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر گئے اور پیغمبری ملی تو خداوند تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے عصا کو زمین پر ڈالو۔ ڈالا تو ایک اژدہا بن گیا موسیٰ علیہ السلام اس سے ڈر کر ایسے بھاگے کہ پیچھا پھر کر بھی نہ دیکھا اس وقت خداوند کریم نے یہ فرمایا۔

يَا مُوسٰى لَا تَخَفْ إِنِّي لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۔	اے موسیٰ! ڈر مت۔ میرے پاس میرے رسول ڈرا نہیں کرتے ۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس اژدہا سے اپنی جان کا اندیشہ ہوا تب بھاگے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تسلی فرمائی کہ ڈر مت اور یوں نہ فرمایا لاتحزن یعنی رنجیدہ اور غمگین نہ ہو اور اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے جب ایک قبطی کو مار ڈالا اور فرعون کے لوگوں نے ان کے مار ڈالنے کا ارادہ کیا تو موسیٰ علیہ السلام وہاں سے ڈر کر بھاگے اس موقع پر حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں ۔

فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا۔	یعنی نکلے موسیٰ وہاں سے ڈرتے ہوئے ۔

اور بیسوں جگہ خوف کا لفظ کلام اللہ میں موجود ہے جہاں کہیں ہے یہی معنی ہیں اور جہاں غم کا مقام ہے وہاں حزن کا لفظ استعمال کیا گیا ہے ۔

---

(۱) النمل، آیۃ : ۱۰

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جب حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ اندیشہ ہے کہ تم یوسفؑ کے غم میں کہیں مر نہ جاؤ۔ تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ فرمایا۔

اِنَّمَآ اَشْكُوْ بَثِّیْ وَحُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰهِ (۱)　　یعنی میں اپنی پریشانی اور غم کو خدا سے کہتا ہوں

اس مقام پر حزن کا لفظ استعمال فرمایا۔ خوف کا لفظ استعمال نہیں کیا۔

علاوہ ازیں اور بھی بہت سی آیات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حزن کے اور معنی ہیں اور خوف کے اور معنی ہیں۔ کما قال تعالیٰ۔

تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا (۲)　　یعنی جب پکے مسلمان مرنے لگتے ہیں تو فرشتے رحمت کے ان پر اترتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ نہ تم ڈرو اور نہ تم غمگین ہو۔

اگر حزن اور خوف کے ایک ہی معنی ہوتے تو مکرر کہنے کی کیا ضرورت تھی صحیح یہ ہے کہ غم اور چیز ہے اور خوف اور چیز ہے۔ خوف اسے کہتے ہیں کہ کچھ آگے کا اندیشہ ہو اور غم یہ ہے کہ بالفعل دل کی تمنا ہاتھ سے نکل جائے۔

نیز غم خوشی کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے اور خوف اطمینان کے مقابلہ میں مثلاً جب کسی کا کوئی عزیز و اقارب مر جاتا ہے تو اس پر جو حالت پیش آتی ہے اس کو غم کہتے ہیں۔ خوف کوئی نہیں کہتا اور اگر کسی کا لڑکا دیوار پر چڑھ جائے اور وہاں سے اندیشہ گر کر مر جانے کا ہو تو اس اندیشہ کو البتہ خوف کہیں گے لیکن کوئی نادان بھی اس کو غم نہ کہے گا۔ البتہ غم عین مصیبت کے وقت جو حالت ہوتی ہے اسے کہتے ہیں اور خوف مصیبت کی آمد آمد کی کیفیت کا نام ہے اور اگر بپاس خاطر شیعہ لَاتَحْزَنْ کو بھی ہم بمعنی لاتخف ہی سمجھیں تب بھی ہمارا چنداں نقصان نہیں اس لیے کہ اس صورت میں یہ معنی ہوں گے۔ اے ابو بکر مت ڈر حو ظاہر ہے کہ ابوبکر جو خوفناک ہوں گے اور ان

(۲) یوسف، آیۃ: ۸۶ (۳) حٰمٓ السجدہ، آیۃ: ۳۰۔

کو جو اپنی جان کا کھٹکا ہوگا تو اسی سبب سے ہوگا کہ کفار کو ان کے ساتھ دشمنی ہوگی اور وہ دشمنی بھی بوجہ اسلام ایمان ہوگی ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کی کیا ضرورت تھی اور پھر وہ بھی اس قدر کہ خدا ہمارے ساتھ ہے۔

(۷) اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لاتحزن کے بعد ابوبکر کو تسلی دی کہ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔ تم مایوس اور غمگین نہ ہو تحقیق اللہ ہمارے ساتھ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی عنایات ہمارے ساتھ ہیں اور ظاہر ہے کہ خدا تو مسلمانوں کی طرفداری اور حمایت کرتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُحْسِنِیْنَ۔ اور اس قسم کے کلمات سے اللہ تعالیٰ کا کلام بھرا پڑا ہے۔

چنانچہ خدا تعالیٰ نے اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا کے ضمن میں اس بات پر متنبہ کر دیا کہ ابوبکر صدیق سے بھی کفار دشمنی رکھتے تھے۔ ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں ان کی تسلی کرتے اور خدا کیوں ان کے ساتھ ہوتا اور نہیں تو اتنا ہی بہت ہے کہ خدا ان کے ساتھ اسی طرح ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ نے ایک ہی لفظ یعنی معنا سے دونوں کی مددگاری کو بیان فرمایا ہے اور دو لفظ نہ فرمائے یعنی ان اللہ معی و معک نہ فرمایا جس کے یہ معنی ہوتے کہ خدا میرے ساتھ ہے اور تیرے ساتھ بھی ہے تو اس سے اور بھی واضح ہوگیا کہ جس طرح خدا تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اسی طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔

نیز ان اللہ معنا جملہ اسمیہ ہونے کی وجہ سے دوام اور استمرار پر دلالت کرتا ہے جس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ کی معیت اور نصرت اور حمایت ہمیشہ ہمیشہ ان کے ساتھ رہے گی اور اللہ کبھی ان سے جدا نہ ہوگا اور بالفرض اگر یہ جملہ ہمیشگی پر دلالت بھی کرے

تو اتنی بات تو شیعوں کو بھی تسلیم کرنی ہی پڑے گی۔ کہ اس وقت خاص میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیقؓ دونوں خدا کی ہمراہی اور ہمدمی میں شریک تھے اور یہ ممکن ہی نہیں کہ خداوند ذوالجلال۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی علیحدہ اور جدا ہو اور ان کی ہمراہی اور طرفداری چھوڑ دے۔ سو ان اللہ معنا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ بھی دائمی ہوگا۔ کیوں کہ دونوں کے حصّے رلے ملے ہیں۔ بٹے ہوتے نہیں ایک مَعَ کا لفظ دونوں کے لیے معاً استعمال فرمایا ہے۔ ہر ایک کے لیے جدا جدا مع کا لفظ نہیں استعمال فرمایا یعنی مَعِی ومعک نہیں فرمایا۔

نیز ان اللہ معنا فرمانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ کی معیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیقؓ کی نفس ذات کے ساتھ ہے۔ کسی شرط پر موقوف نہیں اس لیے کہ اگر لاتحزن کے بعد اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ فرماتے تو یہ گمان ہوتا کہ اللہ کی معیت اور ہمراہی ایمان کے ساتھ مشروط ہے۔ جب ایمان گیا تو ہمراہی بھی ساتھ گئی اور در صورتیکہ ہمراہی بلا کسی شرط کے ہو تو وہ دائمی ہوگی اس میں زوال کا احتمال نہ ہوگا۔ الحاصل چونکہ اللہ تعالیٰ نے اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فرمایا اور اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ وغیرہ جو کسی وصف پر دلالت کرے نہیں فرمایا۔ تو معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کی معیت اور ہمراہی ابوبکرؓ کی ذات اور جان کے ساتھ ہے کسی وصف کے ساتھ نہیں۔

یہ ہم نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر کا خلاصہ ذکر کیا۔ تفصیل اگر درکار ہے تو اصل ہدیۃ الشیعہ کی مراجعت کریں۔

فرعون نے جب موسیٰ علیہ السلام کا تعاقب کیا تو اس وقت موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب نے یہ کہا۔ اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ یعنی بے شک ہم تو اب پکڑ لیے گئے۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کَلَّاۚ ج اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ۔ ہرگز نہیں تحقیق میرا رب میرے ساتھ ہے۔ یقیناً مجھ کو راہ بتلائے گا

موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ کی معیت کو صیغہ مفرد کے ساتھ بیان فرمایا یعنی مَعِیَ فرمایا یعنی میرے ساتھ ہے اور مَعَنَا صیغہ جمع کے ساتھ نہ فرمایا جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ ہم سب کے ساتھ ہے۔ غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے معیت ربانیہ کو اپنی ذات بابرکات کے ساتھ مخصوص فرمایا۔ اپنے اصحاب کو اس معیت میں سے کوئی حصہ اور بہرہ نہ عطا فرمایا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا میں صیغہ جمع استعمال فرمایا یعنی اے ابوبکر تو غمگین نہ ہو بے شک اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے آپ نے خداوند الجلال کی معیت اور ہمراہی کو اپنی ذات کے ساتھ مخصوص نہ فرمایا بلکہ اپنے محب خاص اور ہمدم باختصاص کو بھی اس میں بھی شریک فرمایا۔

نیز موسیٰ علیہ السلام کی معیت۔ معیت ربانیہ تھی جس کو موسیٰ علیہ السلام نے اسم رب کے ساتھ ذکر فرمایا۔ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ میرے ساتھ میرا رب پروردگار ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی معیت۔ معیت الٰہیہ تھی جس کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ و التسلیم نے اسم اللہ کے ساتھ ذکر فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا یعنی تحقیق اللہ ہمارے ساتھ ہے آپ نے اللہ جل جلالہ کی معیت کو اسم جلیل اور اسم اعظم کے ساتھ ذکر فرمایا جو تمام صفات کمال کو جامع ہے اور موسیٰ علیہ السلام نے خدا کی معیت کو اسم رب کے ساتھ ذکر فرمایا۔ (ہذا توضیح وتشریح ما قالہ العارف اللبان قدس اللہ روحہ ومتعنا بعلومہ وبرکاتہ۔ آمین ثم آمین۔ (کذا فی المواہب)

۸۔ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلَیْهِ یعنی اللہ نے آپ پر اپنی تسکین نازل فرمائی اور پھر آپ کی برکت سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس سے حصہ عطا فرمایا۔ جیسا کہ بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ابوبکر کیلئے دعا فرمائی

تو اللہ کی طرف سے ابوبکرؓ پر سکینت نازل ہوئی۔ خصائص کبریٰ ص۱۸۵ج۱

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سکینت سے طمانیت مراد ہے علامہ ہروی فرماتے ہیں سکینت ایک خاص شئے کا نام ہے جو تین چیزوں کی جامع ہوتی ہے۔ نورۖ اور قوتۖ اور روحۖ۔ نور سے قلب روشن اور منور ہو جاتا ہے۔ دلائل ایمان اور حقائق ایقان اس پر منکشف ہو جاتے ہیں۔ حق اور باطل ہدایت اور ضلالت شک اور یقین کا فرق اس پر واضح ہو جاتا ہے۔

قوتۖ سے قلب میں عزم اور استقلال پیدا ہوتا ہے حق جل جلالہ کی اطاعت اور بندگی کے وقت اس کو خاص نشاط حاصل ہونے لگتا ہے اور اسی قوت کی وجہ سے قلب۔ نفس کے تمام دواعی اور مقتضیات کے مقابلہ میں غالب اور کامیاب رہتا ہے اور روح سے قلب میں حیات اور زندگی پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے قلب خواب غفلت سے بیدار ہو کر خدا کی راہ میں چست اور چالاک ہو جاتا ہے۔

بخاری اور مسلم میں ہے کہ غزوۂ خندق میں عبداللہ بن رواحہ کا یہ رجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر تھا۔

اللّٰھم لولا انت ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلّینا

اے اللہ اگر تیری توفیق نہ ہوتی تو ہم ہدایت نہ پاتے اور نہ صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے

فانزلن سکینۃ علینا

پس تو اپنی خاص تسکین اور طمانیت ہم پر نازل فرما۔ تفصیل کے لیے مدارج السالکین ص۲۷۸ج۲ کی مراجعت کریں۔

مشہور قول یہ ہے کہ علیہ کی ضمیر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی طرف راجع ہے اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ علیہ کی ضمیر صاحب یعنی ابوبکر کی طرف راجع ہے اس لیے کہ لفظ صاحبہ قریب ہے اور ضمیر قریب کی طرف راجع کرنا زیادہ بہتر ہے نیز فانزل

کی فا بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ لاتحزن پر تفریع ہے اور اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جب ابو بکر صدیق حزین غمگین ہوتے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی سکینت و طمانیت نازل کی تاکہ ان کے قلب کو سکون ہو جائے اور اُن کا غم اور پریشانی دور ہو جائے۔[1]

اور امام رازی نے بھی تفسیر کبیر میں اسی کو اختیار کیا ہے کہ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ میں علیہ کے ضمیر ابو بکر کی طرف راجع ہو۔ علامہ سہیلی فرماتے ہیں کہ اکثر اہل تفسیر کے نزدیک علیہ کی ضمیر ابو بکرؓ کی طرف راجع ہے۔ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو پہلے ہی سے سکون اور اطمینان حاصل تھا اور بعض علماء کے نزدیک علیہ کی ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے اور ابو بکر صدیق بہ تبعیت اس میں داخل ہیں اور مصحف حفصہ میں اس طرح ہے۔ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِمَا علیہ کے بجائے علیہما بضمیر تثنیہ وارد ہوا ہے۔

(۹) وایدہ بجنود لم تروھا:

اور قوت دی اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے لشکروں سے جن کو تم نہیں دیکھتے تھے یعنی اللہ تعالیٰ نے غار ثور پر فرشتوں کا پہرہ لگا دیا جس کی وجہ سے مشرکین کے دلوں پر ایسا رعب چھایا کہ غار کے اندر جھانکنے کی ہمت نہ ہوئی جیسے اصحاب کہف کے غار پر من جانب اللہ ایک خاص رعب ہے جس کی وجہ سے کوئی شخص اس غار کے اندر جھانک کر نہیں دیکھ سکتا کما قال تعالیٰ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا۔

چنانچہ معجم طبرانی میں اسماء بنت ابی بکرؓ سے مروی ہے کہ جب قریش آپ کو تلاش کرتے کرتے غار تک پہنچے تو ابو بکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ شخص جو بالکل غار کے سامنے کھڑا ہے ہم کو ضرور دیکھ لے گا۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں۔ فرشتے

---

(۱) روح المعانی ج: ۱۰، ص: ۲۷ (۲) روض الانف ج ۲، ص: ۵

ہم کو اپنے پروں سے چھپائے ہوتے ہیں اتنے ہی میں وہ شخص غار کے سامنے بیٹھ پیشاب کرنے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر سے فرمایا اگر یہ شخص ہم کو دیکھتا ہوتا تو ہمارے سامنے بیٹھ کر پیشاب نہ کرتا (۱) اور اسی طرح مسند ابی یعلی میں حضرت عائشہ نے حضرت ابوبکر سے روایت کیا ہے۔

بعض علماء نے وایدہ کی ضمیر بھی ابوبکر کی طرف راجع کی ہے جس کی تائید انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہا۔

یا ابابکر ان اللہ انزل سکینتہ علیک وایدک الخ (۲)

اے ابوبکر اللہ نے تجھ پر اپنی سکینت اور طمانینت نازل کی اور تجھ کو قوت اور مدد پہنچائی۔

(۱۰) وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

اور اللہ نے کافروں کی بات کو نیچا کیا اور ان کی تدبیر کو ناکام کیا کہ غار کے کنارہ سے دشمنوں کو بے نیل مرام واپس کیا اور تائید غیبی سے آپ کی حفاظت فرمائی۔ فرشتوں کا پہرہ غار پر مقرر کر دیا اور ایک مکڑی کے جالے کو جسے اوھن البیوت بتلایا ہے اس کو آہنی قلعہ سے بڑھ کر حفاظتی ذریعہ بنا دیا اور اللہ کی بات ہمیشہ اونچی اور بلند رہتی ہے۔ اللہ نے اپنے نبی کو مع اس کے یار غار کے صحیح و سالم مدینہ منورہ پہنچا دیا اور راستہ میں جو سراقہ گرفتاری کے ارادہ سے ملا وہ خود ہی آپ کے دام اطاعت کا اسیر اور گرفتار بلکہ ہمیشہ کے لیے غلام بن گیا اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے اس کی قدرت اور حکمت سب پر غالب رہتی ہے اور یہ سب کچھ اس کی تائید غیبی اور معیت اور نزول ملائکہ کا جو سکینت لے کر آتے تھے اوس کا اثر تھا۔

---

(۱) روح المعانی، ج: ۱۰، ص: ۸۸۔ (۲) ایضاً۔

اور اہل فہم پر یہ مخفی نہیں کہ جس یارِ غار اور محب جان نثار کو پیغمبر خدا کی رفاقت میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کی معیت اور سکینت اور طمانینت اور تائید ملائکہ سے حصّہ ملا ہو اس کا منافق اور مرتد ہونا ناممکن اور محال ہے۔

پس جس خدا نے سفرِ ہجرت میں بلا سبب ظاہری کے اپنے نبی کی حفاظت کی اور دوسرے موقعوں پر بھی اپنے نبی کی حفاظت کر سکتا ہے لوگ یہ نہ سمجھیں کہ خدا اپنے نبی اور نبی کے یارِ غار کی حفاظت کے لیے کسی کی نصرت و اعانت کا محتاج ہے۔

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی | منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

خلاصۂ کلام

یہ کہ حق تعالیٰ نے ان آیات میں سفرِ ہجرت میں ابوبکر کی مرافقت کا قصہ جس شان سے بیان کیا وہ اُن کی فضیلت اور ان کی جان نثاری کی سند اور شہادت ہے جس کا متعصب دشمنوں نے بھی اقرار کیا ہے چنانچہ حملۂ حیدری کے چند اشعار ہدیۂ ناظرین کیے جاتے ہیں۔

چنین گفت راوی کہ سالارِ دین | چو سالم بحفظ جہاں آفرین
ز نزدیک آں قوم پر مکر رفت | بسوئے سرائے ابوبکر رفت
پئے ہجرت او نیز آمادہ بود | کہ سابق رسولش خبر دادہ بود
نبی بر درِ خانہ اش چوں رسید | بگوشش ندائے سفر در کشید
چو بوبکر زاں حال آگاہ شد | زخانہ بروں رفت وہمراہ شد
گرفتند پس راہ یثرب بہ پیش | نبی کند نعلین از پائے خویش
بسو پنجہ آں راہ رفتن گرفت | پئے خود ز دشمن نہفتن گرفت
چو رفتند چندے ز دامان دشت | قدوم فلک سائے مجروح گشت
ابوبکر انگہ بدوشش گرفت | ولے زیں حدیث است جائے شگفت

کہ در کس چنان توست آید پدید | کہ بارِ نبوت تو اندکشید
برفتند القصہ چندے دگر | چو گردید پیدا نشان سحر
بجستند جائیکہ باشد پناہ | زچشم کسان در کیسوز راہ
بدیدند غارے دراں تیرہ شب | کہ خواندے عرب غار ثورش لقب
گرفتند در جوف آن غار جائے | ولے پیش بنہاد بوبکر پائے
بہر جا کہ سوراخ یا رخنہ دید | قبا را بدرید و آن رخنہ چید
بدینگونہ تا شد تمام آں قبا | یکے رخنہ نگرفتہ ماند از قضا
بران رخنہ گزیداں یار غار | کف پائے خود را نمود استوار
نیامد جز او ایں شرف از کسے | کہ دور از خرد می نماید بسے
بغار اندروں در شب تیرہ فام | چساں دید سوراخہا را تمام
دراں تیرہ شب یک بیک چون شمرد | یکے کامد افسرد ل بر و پا فشرد
نیاید چنین کارے از غیر او | بدینساں چو پرداخت از رفت درو

در آمد رسول خدا ہم بغار
نشستند یک جا بہم ہر دو یار

اس روایت سے یہ ثابت ہوا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سفر پر خطر میں ابوبکرؓ کو اپنے ہمراہ لیا اوّلاً خود ابوبکر صدیق کے گھر گئے اور وہاں سے دونوں ساتھ روانہ ہوئے اور ابوبکر نے پیغمبر خدا کو اپنے دوش پر چڑھایا اور اوّل خود غار میں اترے اور اس کو صاف کیا اور اپنے قبا کو چاک کر کے اس کے سوراخوں کو بند کیا اور ایک سوراخ جو باقی رہ گیا تھا اُس کو اپنے کف پا سے بند کیا۔ یہ تمام امور ابوبکر صدیقؓ کے صدق اور اخلاص اور عشق اور محبت کے دلائل اور براہین ہیں نہ کہ نفاق اور عداوت کے اگر حضرات شیعہ کے نزدیک یہ نفاق کی نشانیاں ہیں تو

معلوم نہیں کہ پھر عشق اور محبت کی کیا علامتیں ہیں پھر یہ کہ تین دن آپ غار میں رہے اور کھانا ابوبکر صدیق کے گھر سے آتا رہا۔ پھر تیسرے دن ابوبکر صدیق کے بیٹے دو اونٹنیاں لیکر غار پر حاضر ہوئے ایک پر آپؐ سوار ہوئے اور اپنے ساتھ ابوبکرؓ کو سوار کیا اور دوسری اونٹنی پر عامر شتربان سوار ہوا جو ابوبکر صدیق کا آزاد کردہ غلام تھا۔ اس شان سے مدینہ منورہ روانہ ہوئے چنانچہ صاحب حملۂ حیدری نے بھی اس کو بیان کیا ہے۔

بغار اندروں تا سہ روز و سہ شب	بسر برد آں شہ بفرمان رب
شدے پور بوبکر ہنگام شام	رساندے درآں غار آب و طعام
نمودے ہم از حال اصحاب شر	حبیب خدائے جہاں را خبر
کہ ہستند در جستجو آں گروہ	شب و روز در شہر و صحرا و کوہ
دگر راعیے بود عامر بنام	کہ کردے شبانی بہ بیت الحرام
کہ او نیز اسلام آوردہ بود	زابریق توفیق می خوردہ بود
شدے شب بہ نزد بشیر و نذیر	ببردے برش ہدیہ جامی زشیر
جز ایشان دگر از صدیق و عدد	نبد ہیچکس واقف از راز او
نبی گفت پس پور بوبکر را	کہ اے چوں پدر اہل صدق و صفا
دو جمازہ باید کنون راہ وار	کہ مارا رساند بہ یثرب دیار
برفت از برش پور بوبکر زود	بدنبال کارے کہ فرمودہ بود
بگفتش فلاں روز وقت سحر	دو جمازہ بہر پیمبر ببر
از وجملہ دار ایں سخن چوں شنود	دو جمازہ در دم مہیا نمود

حاشیہ صفحہ گذشتہ: ؎ شاعر کا یہ اعتراض کہ اندھیری رات میں تمام سوراخوں کو آنکھ سے کیسے دیکھا۔ صحیح نہیں سوراخ کو آنکھ سے دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ ہاتھ سے ٹٹول کر بھی سوراخ معلوم ہو سکتا ہے۔

تھی شد ازان قوم آن کوہ ودشت	رسول خدا عازم راہ گشت
بصبح چہارم بر آمد ز غار	دو جمازہ آوردہ بد جملہ دار
نشست از بریک شتر شاہ دین	ابوبکر را کردہ باخود قرین
بر آمد بر آن دیگرے حملہ دار	ہمراہ او گشت عامر سوار

رجوع بقصۂ غار

تین روز تک آپ اسی غار میں چھپے رہے عبداللہ بن[1] ابی بکر تمام دن مکہ میں رہتے اور مشرکین کی خبریں معلوم کرتے اور شب کو آکر تمام حالات سے آگاہ کرتے اور سویرے ہی وہاں سے نکل جاتے اور عامر بن[2] فہیرہ (ابوبکر صدیق کے آزاد کردہ غلام) عشاء کے بعد جب اندھیرا ہو جاتا تو بکریاں لے کر وہاں حاضر ہو جاتے تاکہ بقدر حاجت دودھ پی لیں۔ اس طرح تین راتیں غار کے اندر گذاریں۔ تین روز کے بعد عبداللہ[3] بن اریقط دئلی (جو رہبری کے لیے اجرت پر مقرر کیا گیا تھا) حسب وعدہ صبح کے وقت

---

[1] عبداللہ بن ابی بکرؓ صدیق اکبر کے فرزند ارجمند تھے مشرف باسلام ہو چکے تھے۔ اپنے باپ کے زمانہ خلافت میں اپنے باپ سے پہلے وفات پائی۔ اصابہ ص ۲۸۳ ج ۲ [2] عامر بن فہیرہؓ سابقین اولین میں سے ہیں۔ طفیل بن عبداللہ کے غلام تھے جو ان کو سخت تکلیفیں دیتا تھا۔ ابوبکر صدیقؓ نے عامر کو طفیل سے خرید کر آزاد کیا۔ غزوہ بدر اور احد میں شریک ہوئے اور غزوہ بیر معونہ میں شہید ہوئے اور ان کی لاش آسمان پر اٹھائی اور پھر زمین پر رکھ دی گئی (اصابہ وغیرہ) [3] حافظ عبدالغنی مقدسی اور علامہ سہیلی اور علامہ نووی فرماتے ہیں ہم کو کسی سند صحیح سے عبداللہ بن اریقط کا اسلام معلوم نہیں ہوا اور یہی صحیح ہے البتہ واقدی نے ان کا مسلمان ہونا بیان کیا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم زرقانی ص ۳۳۹ ج ۱ واصابہ ص ۲۷۴ ج ۲ [4] عبداللہ بن ابی بکر مکہ میں رہ گئے اور عبداللہ بن اریقط بغرض رہبری سفر میں آپ کے ساتھ مدینہ گیا۔ مدینہ سے واپس ہو کر مکہ آیا اور ان دونوں بزرگوں بخیریت مدینہ پہنچ جانے کی عبداللہ بن ابی بکر کو اطلاع کی۔ اس اطلاع کے بعد عبداللہ بن ابی بکر۔ صدیق اکبر کے اہل وعیال کو لیکر مدینہ روانہ ہوئے۔

دو اونٹنیاں لے کر غار پر حاضر ہوا۔ متعارف اور مشہور راستہ چھوڑ کر غیر معروف راستہ سے ساحل کی طرف سے آپ کو لے کر چلا۔ بخاری شریف باب الہجرۃ

ایک اونٹنی پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور دوسری پر ابوبکر سوار ہوئے اور اپنے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ کو خدمت کے لیے ساتھ لیا اور اپنے پیچھے بٹھایا۔ اور عبداللہ بن اریقط (اپنے اونٹ پر بیٹھ کر راستہ دکھلانے کے لیے آگے آگے چلا۔ (۲)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ ایک اونٹنی پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور اپنے پیچھے ابوبکر کو سوار کیا اور دوسری اونٹنی پر عبداللہ بن ابی بکر اور عامر بن فہیرہ سوار ہوئے (۳) مگر صحیح پہلا ہی قول ہے اس لیے کہ حافظ عسقلانی نے فتح الباری میں اس امر کی تصریح کی ہے کہ اس سفر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر کے ساتھ سوائے عامر بن فہیرہ کے کوئی اور رفیق طریق نہ تھا اور تیسرے اونٹ پر عبداللہ بن اریقط سوار ہوا اور عام شاہراہ کو چھوڑ کر ایک غیر مشہور راستہ اختیار کیا۔

صدیق اکبر جب اسلام لائے تو اُس وقت اُن کے پاس چالیس ہزار درہم تھے خدا کی راہ میں اور غلاموں کو خرید خرید کر خدا کے لیے آزاد کرنے میں سب روپیہ خرچ ہو چکا تھا جس میں سے صرف پانچ ہزار باقی تھا وہ ہجرت کے وقت اپنے ساتھ لے لیا۔ مدینہ منورہ آکر مسجد نبوی کے لیے زمین خریدی وغیرہ وغیرہ سب ختم ہوگیا۔ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ابوبکر جب مرے ہیں تو ایک دینار اور ایک درہم بھی باقی نہیں چھوڑا (۵)

عبداللہ بن اریقط آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر کو ہمراہ لیے ہوئے اسفل مکہ سے نکل کر ساحل کی طرف جھکا اور اسفل عسفان سے گذرتا ہوا منزل بمنزل ہوتا ہوا قبا میں داخل ہوا (۴)

(۲) زرقانی ج: ۱، ص: ۳۴۴ (۳) مدارج النبوت ج: ۲، ص: ۸۵ قولہ (ای البخاری)

فاتاھما براحلتیھما صبح ثلاث۔ زاد مسلم بن عقبۃ عن ابن شہاب حتی اذا ھد أت عنھما

(فائدہ) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے گھر سے نکل کر ابوبکر کے گھر تشریف لے گئے
اور ان کو اپنے ہمراہ لے کر غار ثور میں جا چھپے تو کفار نے آکر آپ کے مکان کا محاصرہ کیا جب
وہاں آپ کو نہ پایا تو آپ کی تلاش میں مشغول ہوگئے اور ہر طرف آدمی دوڑائے اور تلاش
کرتے ہوئے غار ثور کے منہ پر پہنچ گئے مگر خدا تعالیٰ نے تار عنکبوت سے وہ کام لیا کہ جو
صدہا زرۂ آہنی سے بھی نہیں چل سکتا تین روز تک آپ غار میں چھپے رہے اور کفار تین
دن تک تلاش میں لگے رہے۔ جب کفار ناامید ہوگئے اور تھک کر بیٹھ گئے اور باوجود
اس اشتہار اور اعلان کے کہ جو شخص آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا ابوبکر کو پکڑ کر لائے گا،
اُس کو سو اونٹ انعام ملے گا پھر بھی کوئی کامیابی نہ ہوئی تو تلاش سست پڑ گئی اسوقت
آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر غار سے نکل کر براہ ساحل مدینہ منورہ روانہ ہوئے[1]
لوگ ابوبکر سے خوب واقف تھے رسول اللہ علیہ وسلم سے اچھی طرح واقف نہ تھے۔ راستہ
میں جو شخص ملتا وہ ابوبکرؓ سے آپ کی بابت دریافت کرتا کہ یہ کون ہیں جو تمہارے
سامنے بیٹھے ہیں ابوبکر فرماتے ہیں ہذا الرجل یہدینی السبیل یعنی یہ شخص مجھ کو راستہ بتلاتا
ہے اور مراد یہ لیتے کہ آخرت اور خیر کا راستہ بتلاتے ہیں (بخاری شریف ص ۵۵۶ ج ۱)

حاشیہ صفحہ گذشتہ:
الاصوات جاء صاحبہما ببعیریہما فانطلقا معہما بعامر بن فہیرۃ یخدمہما ویعینہما یردفہ
ابوبکر ویعقبہ لیس معہما غیرہ۔ فتح الباری ص ۱۸۶ ج ۷ باب الہجرۃ اور دیکھو زرقانی ص ۳۴۲ ج ۱۔

(۵) المواہب: ۲، ص: ۳۴۲ (۲) فتح الباری ج: ۷، ص: ۱۸۶

[1] حافظ ابن کثیر کہتے ہیں: وقد لجأ الی الغار فاقاما فیہ ثلاثۃ ایام لیسکن الطلب عنہما۔ وذلک
لان المشرکین حین فقدوھما کما تقدم ذھبوا فی طلبہما کل مذھب من سائر الجہات
وجعلوا لمن ردھما او احدھما مائۃ من الابل واقتصوا آثارھما حتی اختلط علیہم
وکان الذی یقتص الاثر لقریش سراقۃ بن مالک بن جعشم کما تقدم۔ البدایۃ والنہایۃ
ص ۱۸۲ ج ۳ اور سیرۃ ابن ہشام کے الفاظ یہ ہیں حتی اذا مضت الثلاث وسکن عنہما الناس
اتاھما صاحبہما الذی استاجراہ ببعیریہما وبعیر لہ سیرۃ ابن ھشام ص ۱۷۲ ج ۱ اور ابن شہاب کی

تاریخ روانگی:

بیعت عقبہ کے تقریباً تین ماہ بعد یکم ربیع الاوّل کو آپ مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے حاکم فرماتے ہیں کہ احادیث متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ آپ دوشنبہ کے روز مکہ سے نکلے اور دوشنبہ ہی کو مدینہ منورہ پہنچ گئے لیکن محمد بن موسیٰ خوارزمی فرماتے ہیں کہ آپ مکہ سے پنجشنبہ کو نکلے حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ مکہ سے آپ بروز پنجشنبہ نکلے۔ تین روز غار میں رہے دوشنبہ کو غار سے نکل کر مدینہ منورہ روانہ ہوئے (۱)

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ کی روانگی کے بعد کچھ لوگ میرے باپ کے گھر پر آئے جن میں ابوجہل بھی تھا پوچھا ابن ابوبکر تیرا باپ (ابوبکر) کہاں ہے میں نے کہا واللہ مجھ کو معلوم نہیں۔ ابوجہل نے اس زور سے میرے طمانچہ مارا کہ جس سے کان کی بالی گر پڑی (۲)

قصۂ ام معبد رضی اللہ عنہا

غار سے نکل کر آپ نے مدینہ منورہ کا راستہ لیا۔ راستہ میں ام معبد کے خیمہ پر گذر ہوا۔ ام معبد ایک نہایت شریف اور مہمان نواز خاتون تھیں۔ خیمہ کے دالان میں بیٹھی رہتی تھیں۔ قافلہ نبوی کے لوگوں نے ام معبد سے گوشت اور کھجور خریدنے کی غرض سے کچھ دریافت کیا مگر کچھ نہ پایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر جو خیمہ پر پڑی تو خیمہ کی ایک جانب میں ایک بکری دیکھی۔ دریافت فرمایا یہ کیسی بکری ہے ام معبد نے کہا یہ بکری لاغر اور دبلی ہونے کی وجہ سے

حاشیہ صفحہ گزشتہ: روایت میں یہ لفظ ہیں: حتی اذا ھدأت عنہما الاصوات جاء صاحبہما ببعیریہما فانطلقا معہما بعامر بن فہیرہ یخدمہما ویعینہما یردفہ ابوبکر و یعقبہ لیس معہما غیرہ۔ فتح الباری ص۱۸۶ ج ۷

(۱) زرقانی ج: ۱، ص: ۳۲۵ (۲) سیرۃ ابن ھشام ج ۱، ص: ۱۷۲۔

بکریوں کے گلہ کے ساتھ جنگل نہیں جاسکی۔ آپ نے فرمایا اس میں کچھ دودھ ہے۔ ام معبد نے کہا اس میں کہاں سے دودھ آیا۔ آپ نے فرمایا کیا مجھ کو اس کا دودھ دوہنے کی اجازت ہے۔ ام معبد نے کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اگر اس میں دودھ ہو تو آپ ضرور دوہ لیں۔ آپؐ نے بسم اللہ پڑھ کر اس کے تھن پر دستِ مبارک رکھا۔ تھن دودھ سے بھر گئے اور آپ نے دُودھ دُوھنا شروع کیا۔ ایک بڑا برتن جس سے آٹھ دس آدمی سیراب ہوجائیں۔ دودھ سے بھر گیا۔ اوّل آپ نے ام معبد کو دُودھ پلایا۔ یہاں تک کہ ام معبد سیراب ہوگئیں۔ بعدازاں آپ نے اپنے ساتھیوں کو پلایا اور اخیر میں آپؐ نے پیا۔ اس کے آپ نے پھر دودھ دوہا یہاں تک کہ وہ بڑا برتن بھر گیا آپ نے وہ برتن ام معبد کو عطا کیا اور ام معبد کو بیعت کرکے روانہ ہوئے جب شام ہوئی اور ام معبد کے شوہر ابو معبد بکریاں چرا کر جنگل سے واپس آئے دیکھا کہ ایک بڑا برتن دُودھ سے بھرا رکھا ہے بہت تعجب سے دریافت کیا اے ام معبد یہ دودھ کہاں سے آیا اس بکری میں تو کہیں دُودھ کا نام نہیں تھا۔ ام معبد نے کہا کہ آج یہاں سے ایک مرد مبارک گذرا خدا کی قسم یہ سب اسی کی برکت ہے اور تمام واقعہ بیان کیا۔ ابو معبد نے کہا ذرا ان کا کچھ حال تو بیان کرو۔ ام معبد نے آپؐ نے حُلیۂ مبارک اور خداداد عظمت و جلال ہیبت و وقار کا نقشہ کھینچ دیا جو بالتفصیل مستدرک میں مذکور ہے۔

ابو معبد نے کہا میں سمجھ گیا واللہ یہ وہی قریش والے آدمی ہیں۔ میں بھی ضرور ان کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ ادھر تو یہ واقعہ پیش آیا اور ادھر ہاتف غیبی نے مکہ میں یہ اشعار پڑھے آواز تو سُنائی دیتی تھی مگر اشعار کا پڑھنے والا نظر نہیں آتا تھا وُہ اشعار یہ ہیں۔

جَزَى اللّٰهُ رَبُّ النَّاسِ خَيْرَ جَزَائِهٖ رَفِيْقَيْنِ حَلَّا خَيْمَتَيْ اُمِّ مَعْبَدِ

اللہ تعالیٰ ان دونوں رفیقوں کو جزائے خیر دے جو ام معبد کے خیمہ میں اترے۔

هُمَا نَزَلَا هَا بِالْهُدٰی فَاهْتَدَتْ بِهٖ   فَقَدْ فَازَ مَنْ اَمْسٰی رَفِیْقَ مُحَمَّدٍ

دونوں ہدایت کو لے کر اترے پس ام معبد نے ہدایت قبول کی اور مراد کو پہنچا جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سفر میں رفیق رہا یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ

لِیَهْنِ اَبَابَکْرٍ سَعَادَةُ جَدِّهٖ   بِصُحْبَتِهٖ مَنْ یُّسْعِدِ اللّٰهُ یَسْعَدِ

ابوبکر کو آپ کی صحبت اور رفاقت کی وجہ سے جو سعادت اور خوش نصیبی حاصل ہوئی وہ ابوبکر کو مبارک ہو اور جس کو خدا خوش نصیب کرے وہ ضرور خوش نصیب ہوگا۔

لِیَهْنِ بَنِیْ کَعْبٍ مَقَامُ فَتَاتِهِمْ   وَمَقْعَدُهَا لِلْمُؤْمِنِیْنَ بِمَرْصَدِ

مبارک ہو بنی کعب کو ان کی عورت کا مقام اور اہل ایمان کے لیے اس کے ٹھکانہ کا کام آنا

سَلُوْا اُخْتَکُمْ عَنْ شَاتِهَا وَاِنَائِهَا   فَاِنَّکُمْ اِنْ تَسْأَلُوا الشَّاةَ تَشْهَدِ

تم اپنی بہن سے اسکی بکری اور برتن کا حال تو دریافت کرو اگر تم بکری سے بھی دریافت کرو گے تو بکری بھی گواہی دیگی

دَعَاهَا بِشَاةٍ حَائِلٍ فَتَحَلَّبَتْ   عَلَیْهِ صَرِیْحًا ضَرَّةُ الشَّاةِ مُزْبِدِ

آپ نے اس سے ایک بکری مانگی پس اس نے اس قدر دودھ دیا کہ کف سے بھرا ہوا تھا

فَغَادَرَهَا رَهْنًا لَدَیْهَا لِحَالِبٍ   یُرَدِّدُهَا فِیْ مَصْدَرٍ ثُمَّ مَوْرِدِ

پھر وہ بکری آپ اسی کے پاس چھوڑ آئے جو ہر آنے اور جانیوالے کے لیے دودھ نچوڑتی تھی

حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو جب ہاتف کے یہ اشعار پہنچے تو حسان نے اس کے جواب میں یہ اشعار فرمائے۔

لَقَدْ خَابَ قَوْمٌ غَابَ عَنْهُمْ نَبِیُّهُمْ   وَقُدِّسَ مَنْ یَّسْرِیْ اِلَیْهِ وَیَغْتَدِیْ

البتہ خائب و خاسر ہوئے وہ لوگ جنمیں سے انکا پیغمبر چلا گیا یعنی قریش، اور پاک اور مقدس ہو گئے وہ لوگ کہ جو صبح و شام اس نبی کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ یعنی انصار۔

علہ ابن ہشام کی روایت میں یہ مصرع اس طرح ہے ہما نزلا بالبر ثم تروحا سیرۃ ابن ہشام ص ۱۶۲ ج ۱ والبدایۃ والنہایۃ ص ۱۸۹ ج ۳۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ام معبد اور ابومعبد دونوں مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ آپکی خدمت میں حاضر ہوئے

تَرَحَّلَ عَنْ قَوْمٍ فَضَلَّتْ عُقُوْلُهُمْ وَحَلَّ عَلٰى قَوْمٍ بِنُوْرٍ مُجَدَّدٍ

اس نبی نے ایک قوم سے کوچ کیا ان کی عقلیں تو ضائع ہوگئیں اور ایک دوسری قوم پر خدا کا ایک ایک نیا نور لے کر اُترے۔

هَدَاهُمْ بِهٖ بَعْدَ الضَّلَالَةِ رَبُّهُمْ فَأَرْشَدَهُمْ مَنْ يَّتْبَعِ الْحَقَّ يَرْشُدٖ

خدا نے گمراہی کے بعد اس نور سے ان کی رہنمائی کی اور جو حق کا اتباع کرے گا وہ ہدایت پائے گا

وهل يستوي ضلال قوم تَسَفَّهُوْا عَمًى وهداةٌ يهتدون بِمُهْتَدٖ

اور کیا گمراہ اور ہدایت پانے والے برابر ہو سکتے ہیں۔

وقد نَزَلَتْ منه عَلٰى اَهْلِ يثرب رِكَابُ هُدًى حَلَّتْ عليهم بِاَسْعُدٖ[1]

اور اہل یثرب (مدینہ) پر ہدایت کا قافلہ سعادتوں اور برکتوں کو لے کر اترا ہے۔

نَبِيٌّ يرى ما لا يرى الناسُ حَوْلَهٗ ويتلو كتابَ اللهِ فى كُلِّ مَشْهَدٖ

وہ نبی ہیں ان کو وہ چیزیں نظر آتی ہیں کہ جو ان کے پاس بیٹھنے والوں کو نظر نہیں آتیں اور وہ ہر مجلس میں لوگوں کے سامنے اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں۔

وان قَالَ فى يومٍ مقالةَ غائبٍ فتصديقها فى اليوم اوفى ضُحَى الْغَدٖ

اور اگر وہ کوئی غیب کی خبر سناتے ہیں تو آج ہی یا کل صبح تک اس کا صدق اور اس کی سچائی ظاہر ہو جاتی ہے۔

یہ روایت متعدد صحابۂ کرام سے مختلف سندوں کے ساتھ مروی ہے۔ ام معبدؓ، ابو معبدؓ (یعنی ام معبد کے شوہر) حبیش بن خالدؓ (یعنی ام معبد کے بھائی)۔ ابو سلیط بدریؓ۔ ہشام بن حبیش بن خالد۔ اول الذکر چار اصحاب کا صحابی ہونا مسلم اور متفق علیہ ہے۔ ہشام بن حبیش بن خالد کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ ابن حبان نے ہشام کو صحابہ میں ذکر کیا ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ ہشام نے حضرت عمرؓ سے سنا ہے (اصابہ ج ۳ ص: ۶۰۳)

[1] جمع سعد بمعنی الیمن ضد النحس

(۱) ام معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کو ابن سکن نے ذکر کیا ہے۔ اصابہ ترجمۂ ام معبد باب الکنیٰ
(۲) اور ابو معبد رضی اللہ عنہ کی روایت کو امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اور امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے۔ (اصابہ ترجمۂ ابو معبد باب الکنیٰ اور ابن سعد نے طبقات ص ۱۵۵ ج ۱ میں اور حاکم نے مستدرک ص ۱۰ ج ۳ میں ذکر کیا ہے۔
(۳) حبیش بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کو بغوی۔ ابن شاہین ابن السکن۔ طبرانی ابن مندہ وغیرہم نے ذکر کیا ہے (۱)

حبیش رضی اللہ عنہ کی روایت کو حافظ ابن سید الناس نے بھی عیون الاثر میں اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے نیز حبیش بن خالد کی روایت کو حافظ مزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفصیل کے ساتھ تہذیب الکمال میں اپنی سند سے روایت کیا ہے (۲)

(۴) ابو سلیط بدری رضی اللہ عنہ کی روایت عیون الاثر میں مذکور ہے۔
(۵) ہشام بن حبیش رضی اللہ عنہ کی روایت مستدرک میں مذکور ہے۔ حاکم اس روایت کی نسبت فرماتے ہیں (ہٰذا حدیث صحیح الاسناد) بعد ازاں حاکم نے اس حدیث کا اور بھی مختلف طریقوں سے مروی ہونا بیان کیا ہے۔ مستدرک ص ۱۰ ج ۳ وہ طریقے گو فرداً فرداً شرط صحیح پر نہ ہوں لیکن مجموعہ مل کر مفید وثاقت وطمانیت ہوسکتا ہے۔

حافظ ابن عبد البر استیعاب میں فرماتے ہیں کہ ام معبد کے قصہ کو اسی بسط وشرح کے ساتھ متعدد صحابہ سے ایک کثیر جماعت نے روایت کیا ہے۔

علاوہ ازیں اسی واقعہ کے قریب قریب بلکہ بعینہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس کو حاکم نے اکلیل میں اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں ذکر کیا ہے اور حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ

---

(۱) الاصابہ، ج: ۱، ص: ۳۱۰ (۲) تہذیب الکمال، ج: ۱، ص: ۴۳ (تہذیب الکمال نوادر عالم میں سے ہے اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں ہے، اسی سے میں نے استفادہ کیا۔ مؤلف)

صـ۱۹۱ ج۳ میں ابوبکر صدیق کی روایت کو نقل کرکے یہ کہا ہے کہ یہ اسناد حسن ہے فرق اتنا ہے کہ اس روایت میں ام معبد کا نام مذکور نہیں صرف ایک عورت کا واقعہ بیان کیا ہے جو بعینہ ام معبد کے ساتھ پیش آیا محمد بن اسحٰق اور امام بیہقی کا میلان اس طرف ہے کہ یہ واقعہ بعینہ ام معبد کا واقعہ ہے اور حافظ مغلطائی کا میلان اس طرف ہے کہ یہ واقعہ ام معبد کے واقعہ کے علاوہ ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم ۱۲ (۱)

(۶) نیز یہ واقعہ قیس بن النعمان سے مختصراً مروی ہے حافظ ہیثمی فرماتے ہیں رواہ البزار ورجالہ رجال الصحیح (مجمع الزوائد (۲)

فائدۂ علمیہ:

انہی ابو معبد خزاعی سے امام اعظمؒ نے اپنی مسند میں حدیث قہقہہ کی روایت کی ہے وہ یہ ہے۔

ابو حنیفۃ عن منصور بن زاذان الوسطی عن الحسن عن معبد بن ابی سعید الخزاعی عنہ صلی اللہ علیہ وسلم قال بینما ھو فی الصلوۃ اذ اقبل اعمی یرید الصلوۃ فوقع فی زبیۃ فاستضحک القوم فقھقھوا فلما انصرف صلی اللہ علیہ وسلم قال من کان منکم قھقھۃ فلیعد الوضوء والصلوۃ (فتح القدیر صـ۳۵ ج۱ کتاب الطہارۃ نواقض الوضوء)

قصۂ سراقۃ بن مالک

قریش نے یہ اشتہار دیا تھا کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یا ابوبکر صدیق کو قتل کردے یا گرفتار کرکے لائے ہر ایک کے معاوضہ میں علیحدہ علیحدہ سو اونٹ انعام اس کو دیا جائے گا مستدرک صـ۶ ج۳ سراقۃ بن مالک بن جعشم راوی ہیں کہ میں اپنی

(۱) البدایۃ والنہایۃ ج: ۳، ص: ۱۹۰ - ۱۹۲ (۲) زرقانی۔ ج: ۱، ص: ۳۴۹

مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نے آکر یہ بیان کیا کہ میں نے چند اشخاص کو ساحل کے راستہ سے جاتے ہوئے دیکھا ہے۔ میرا گمان ہے کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے رفقاء ہیں۔

سراقہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں سمجھ لیا کہ بے شک وہی ہیں لیکن اس کو یہ کہہ کر ٹلا دیا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفقاء نہیں بلکہ اور لوگ ہوں گے مبادا کہ یہ شخص یا کوئی اور سن کر قریش کا انعام نہ حاصل کر لے۔ اس کے تھوڑی دیر بعد میں مجلس سے اٹھا اور باندی سے کہا کہ گھوڑے کو فلاں ٹیلے کے نیچے لے جا کر کھڑا کرے اور میں اپنا نیزہ لے کر گھر کی پشت کی طرف سے نکلا اور گھوڑے پر سوار ہو کر سرپٹ دوڑاتا ہوا چلا جب سراقہ آپ کے قریب پہنچ گیا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دیکھا اور گھبرا کر عرض کیا یا رسول اللہ اب ہم پکڑ لیے گئے۔ یہ شخص ہماری تلاش میں آرہا ہے۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں۔

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔　　تو غمگین نہ ہو تحقیق اللہ ہمارے ساتھ ہے

اور سراقہ کے لیئے بد دعا[1] فرمائی اسی وقت سراقہ کا گھوڑا گھٹنوں[2] تک پتھریلی زمین میں دھنس گیا۔ سراقہ نے عرض کیا کہ یقین ہے کہ تم دونوں کی بد دعا سے ایسا ہوا ہے آپ دونوں حضرات اللہ سے میرے لیے دعا کیجیے۔ خدا کی قسم میں آپ سے عہد کرتا ہوں کہ جو شخص آپ کو تلاش کرتا ہوا ملے گا اس کو واپس کر دوں گا

آپ نے دعا فرمائی اسی وقت زمین نے گھوڑے کو چھوڑ دیا۔ میں سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ اب آپ کو ضرور غلبہ عطا فرمائے گا اور قریش نے جو آپ کے قتل یا گرفتاری کیلئے سو اونٹ کے انعام کا اشتہار دیا تھا، اس کی میں نے آپ کو اطلاع کی اور جو زاد راہ میرے ساتھ تھا وہ آپ کے سامنے

---

[1] بخاری کی روایت میں ہے کہ یہ بد دعا کی اللہم اصرعہ اے اللہ اس کو پچھاڑ دے اور ایک روایت میں ہے کہ یہ فرمایا۔ اللہم اکفنا بما شئت۔ اے اللہ تو ہم کو کفایت فرما۔ جس طرح تو چاہے۔ فتح الباری ص۱۸۷ ج ۷

[2] اور ایک روایت میں یہ ہے کہ پیٹ تک دھنس گیا۔ فتح الباری ص۱۸۸ ج ۷

پیش کیا۔ آپ نے اس کو قبول نہیں فرمایا۔ البتہ یہ فرمایا کہ ہمارا حال کسی پر ظاہر نہ کرنا۔

مزید احتیاط کی غرض سے میں نے آپ سے درخواست کی کہ آپ ایک تحریر امن اور معافی کی مجھ کو لکھوا دیں۔ آپ کے حکم سے عامر بن فہیرہ نے ایک چمڑے کے ٹکڑے پر معافی کی سند لکھ کر مجھ کو عطا کی اور روانہ ہو گئے۔ اور میں بھی امان نامہ لیکر واپس ہوا جو شخص آپ کے تعاقب میں ملتا تھا اسی کو واپس کر دیتا تھا اور یہ کہہ دیتا کہ تمہارے جانے کی ضرورت نہیں میں دیکھ آیا ہوں (بخاری شریف ص ۵۱۰ ج ۱ و ص ۵۱۵ ج ۱ و ص ۵۵۴ ج ۱)

اسی بارے میں سراقہ نے ابو جہل کو مخاطب بنا کر یہ کہا:۔

اباحکم واللہ لوکنت شاھدا　　لامر جوادی حین ساخت قوائمہ

اے ابو جہل خدا کی قسم تو اگر اس وقت حاضر ہوتا　　کہ جب میرے گھوڑے کے قدم زمین میں دھنس رہے تھے

علمت ولم تشکک بان محمدا　　نبی ببرھان فمن ذا یقاومہ

تو تو یقین کرتا اور ذرہ برابر تجھ کو شک نہ رہتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی ہیں دلائل اور براہین کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں کون ان کا مقابلہ کر سکتا ہے (۲)

فائدہ: نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا معجزہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کے مشابہ ہے جس

---

(۱) ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے سراقہ سے فرمایا۔ کیف بک اذا لبست سوار کسری۔ اے سراقہ اسوقت تیرا کیا حال ہو گا جس وقت تو کسریٰ (شاہ ہنشاہ عجم) کے کنگن کو پہنے گا۔ چنانچہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب عجم فتح ہوا تو کسریٰ کا تاج اور اس کے کنگن اور دیگر زیورات۔ مسجد نبوی میں فاروق اعظم کے سامنے لاکر ڈال دیئے گئے تو فرمایا بلاؤ سراقہ کو سراقہ حاضر کیے گئے فاروق اعظم نے سراقہ سے مخاطب ہو کر کہا ہاتھ اٹھا اور یہ کہہ اللہ اکبر الحمد للہ الذی سلبھما کسری بن ہرمز والبسھما سراقۃ الاعرابی اللہ اکبر حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے یہ کنگن کسریٰ سے چھینے اور ایک گنوار اور دہقانی سراقہ نامی کو پہنائے بعد ازاں فاروق اعظم نے وہ زیورات مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے (زرقانی ص ۳۴۸ ج ۱ و اصابہ ترجمہ سراقہ بن مالک۔ واستیعاب لابن عبد البر ص ۱۲۱ ج ۲)

(۲) فتح الباری ج: ۷، ص: ۱۸۹۔ روض الانف ج ۲، ص: ۶

جس طرح قارون موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے زمین میں دھنسا اسی طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے سراقہ کا گھوڑا زمین میں دھنسا اس واقعہ کے بعد آپ بلا خوف وخطر راستہ طے کرتے رہے۔

جب آپ مدینہ کے قریب پہنچے تو حضرت زبیر کاروان تجارت کے ساتھ شام سے واپس ہوتے ہوئے آپ کو ملے۔ حضرت زبیرؓ نے آپؐ کے لیے اور حضرت ابوبکرؓ کے لیے سفید لباس پیش کیا۔ یہ روایت بخاری کی ہے۔

ابن ابی شیبہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت طلحہ نے بھی دونوں حضرات کی خدمت میں لباس پیش کیا (۱)

قصہ بریدۂ اسلمی

آگے چل کر سراقہ کی طرح بریدۂ اسلمی بھی مع ستر سواروں کے آپ کی تلاش میں نکلے تاکہ قریش سے سو اونٹ انعام حاصل کریں۔ جب آپ کے قریب پہنچے تو آپ نے سوال کیا من انت۔ تم کون ہو۔ جواب میں کہا۔ انا بریدۃ میں بریدہ ہوں آپ نے ابوبکرؓ کی طرف ملتفت ہو کر بطور تفاؤل فرمایا۔

یا ابابکر برد امرنا وصلح — اے ابوبکر ہمارا کام ٹھنڈا اور درست ہوا۔

پھر فرمایا تو کس قبیلہ سے ہے۔ بریدہ نے کہا۔

مِنْ اَسْلَمْ — میں قبیلۂ اسلم سے ہوں۔

آپ نے ابوبکرؓ سے ملتفت ہو کر بطور تفاؤل فرمایا۔

سَلِمْنَا — ہم سلامت رہے۔

پھر فرمایا قبیلہ اسلم کی کس شاخ سے ہو۔ بریدہ نے کہا۔

من بنی سہم — بنی سہم سے۔

آپ نے فرمایا۔

(۱) فتح الباری ج: ۷: ص ۱۸۹

خرج سھمك تیرا حصہ نکل آیا۔

یعنی تجھ کو اسلام سے حصہ ملے گا۔ بریدہ نے دریافت کیا آپ کون ہیں آپ نے فرمایا۔

انا محمد بن عبد اللہ رسول اللہ میں محمد بیٹا عبد اللہ کا اور رسول اللہ کا

بریدہ نے کہا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

بریدہ بھی مسلمان ہوئے اور وہ ستر آدمی جو بریدہ کے ہمراہ تھے وہ بھی سب کے سب مشرف باسلام ہوئے۔ بریدہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ مدینہ میں داخل ہوتے وقت آپکے سامنے ایک جھنڈا ہونا چاہیے۔ آپ نے اپنا عمامہ اتارا اور نیزہ سے باندھ کر بریدہ کو عطا فرمایا۔ جس وقت آپ مدینہ منورہ پہنچے تو بریدہؓ جھنڈا لیے ہوئے آپ کے سامنے تھے (اخرجہ البیہقی فی الدلائل) واخرجہ ابن عبد البر باسنادہ فی الاستیعاب ترجمۂ بریدہ اسلمیؓ (۱)

آپ کی روانگی کی خبر بعجت اثر مدینہ منورہ پہونچ چکی تھی مدینہ کا ہر فرد و بشر شوق دیدار میں مقام حرہ پر آکر کھڑے ہوجاتے۔ دوپہر ہوجاتا تو اپنے گھروں کو واپس ہو جاتے۔ روزانہ یہی معمول تھا ایک روز انتظار کرکے واپس ہو رہے تھے کہ ایک یہودی نے ٹیلہ پر سے آپ کو رونق افروز ہوتے دیکھا بے اختیار پکار کر یہ کہا۔

یَا بَنِیْ قَیْلَةَ هٰذَا جَدُّ کُمْ (۲) اے نبی قیلہ[*] یہ ہے تمہارا بخت مبارک اور خوش نصیبی کا سامان جو آپہنچا

نظم

اینک آن سرو خرامان می رسد اینک آن گلبرگ خندان می رسد

[*] قیلہ انصار کے جدۂ کبریٰ کا یعنی اوس اور خزرج کی والدہ کا نام ہے زرقانی صفحہ ۳۵۰ ج

(۱) زرقانی ج: ۱، ص: ۳۴۹ (۲) ایضاً ج: ۱، ص: ۳۵۰۔

(۳) فتح الباری ج: ۷، ص: ۱۸۹

شاباش اے خستہ ہجران بلا | کہ پئے دردِ تو درمان می رسد
شوق کن اے بلبل گلزار عشق | کان گل نوازِ گلستان می رسد
در دل افسردہ روحے می دمد | مردہ تن را مژدۂ جان می رسد
تازہ باش اے تشنۂ وادیِ غم | کز برایت آبِ حیوان می رسد

دور شو اے ظلمت شام فراق
کا آفتابِ وصل تابان می رسد

اس خبر کا کانوں میں پڑنا تھا کہ انصار والہانہ دیوانہ وار آپ کے استقبال کے لیے دوڑ پڑے اور نعرۂ تکبیر سے بنی عمرو بن عوف کی تمام آبادی گونج اٹھی۔

مدینۂ طیبہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک آبادی ہے جسے قبا کہتے ہیں۔ یہاں انصار کے کچھ خاندان آباد تھے۔ سب سے زیادہ عمرو بن عوف کا خاندان ممتاز تھا اور اس خاندان کا سردار کلثوم بن ہدم تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب قبا پہنچے تو آپ نے کلثوم بن ہدم کے مکان پر قیام فرمایا اور ابو بکر صدیق خبیب بن اساف کے مکان پر ٹھہرے انصار ہر طرف سے جوق در جوق آتے اور جوشِ عقیدت میں عاشقانہ اور والہانہ سلام کے لیے حاضر ہوتے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کے بعد تین دن مکہ میں قیام کیا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم چلتے وقت لوگوں کی امانتیں حضرت علی کے سپرد کر آئے تھے۔ ان امانتوں کو پہنچا کر قبا پہنچے اور کلثوم بن ہدم کے مکان پر آپ کے ساتھ قیام کیا (۱)

تاسیس مسجد تقویٰ

قبا میں رونق افروز ہونے کے بعد سب سے پہلے آپ نے جو کام کیا وہ یہ کہ

---

(۱) سیرۃ ابن ہشام ج: ۱، ص: ۱۷۴۔

ایک مسجد کی بنیاد ڈالی اور سب سے پہلے خود آپ نے اپنے دست مبارک سے ایک پتھر لاکر قبلہ رُخ رکھا آپ کے بعد ابوبکرؓ نے اور ابوبکرؓ کے بعد عمرؓ نے ایک ایک پتھر رکھا۔ اس کے بعد دیگر حضرات صحابہ نے پتھر لاکر رکھنے شروع کیے اور سلسلہ تعمیر کا جاری ہو گیا صحابہؓ کرام کے ساتھ آپ بھی بھاری پتھر اٹھا کر لاتے اور بسا اوقات پتھر کو تھامنے کی غرض سے شکم مبارک سے لگا لیتے صحابۂ کرام عرض کرتے یا رسول اللہ آپ رہنے دیں ہم اٹھالیں گے تو آپؐ قبول نہ فرماتے۔

اسی مسجد کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی۔

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ۔ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ (۱)	البتہ جس مسجد کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی وہ مسجد اس کی پوری مستحق ہے کہ آپ اس میں جا کر کھڑے ہوں اس مسجد میں ایسے مرد ہیں کہ جو ظاہری اور باطنی طہارت اور پاکی کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی ایسے پاک و صاف رہنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے عمرو بن عوف سے دریافت فرمایا کہ وہ کون سی طہارت اور پاکی ہے جس پر اللہ نے تمہاری ثنا کی۔

بنی عمرو نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم ڈھیلے سے استنجا کرنے کے بعد پانی سے بھی طہارت کرتے ہیں ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہمارے اس عمل کو پسند فرمایا ہو۔

آپؐ نے فرمایا ہاں یہی وہ عمل ہے جس پر اللہ نے تمہاری ثنا کی ہے تم کو چاہیے کہ اس عمل کو لازم پکڑو اور اس کے پابند رہو۔ روض الانف ص۱۱ ج ۲۔

---

(۱) توبہ ۔ آیۃ : ۱۰۸

صحیحین میں عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر شنبہ کو مسجد قباء کی زیارت کو کبھی سوار اور کبھی پیادہ تشریف لے جاتے اور دو رکعت نماز پڑھتے سہل بن حنیفؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے گھر سے وضو کر کے چلے اور مسجد قباء میں جا کر ایک دوگانہ ادا کرے تو ایک عمرہ کا ثواب پائے (ابن ماجہ)

تاریخ ہجرت

محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ جس روز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر قباء میں رونق افروز ہوئے وہ دوشنبہ کا روز تھا اور تاریخ ۱۲ ربیع الاوّل ۱۳ نبوی تھی اور علمائے سیر کے نزدیک آپ مکہ مکرمہ سے بروز پنجشنبہ ۲۷ صفر المظفر کو برآمد ہوئے۔ تین شب غار ثور میں رہ کر یکم ربیع الاوّل بروز دوشنبہ مدینہ منورہ روانہ ہوئے اور ساحل کے راستہ سے چل کر ۸ ربیع الاوّل بروز دوشنبہ دوپہر کے وقت آپ نے قباء میں نزول اجلال فرمایا۔ علامہ ابن حزم اور حافظ مغلطائی نے اسی قول کو اختیار فرمایا ہے (۱)

تاریخ اسلامی کی ابتداء

زہری فرماتے ہیں کہ اسی روز سے تاریخ اسلامی کی ابتداء رسول اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہوئی چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو ربیع الاوّل سے تاریخ لکھنے کا حکم دیا۔ اس روایت کو حاکم نے اکلیل میں ذکر کیا ہے لیکن یہ روایت معضل ہے مشہور یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تاریخ اسلامی کی ابتداء ہوئی شعبی اور محمد بن سیرین سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرؓ کو لکھ کر بھیجا کہ آپ کے فرامین ہمارے پاس پہنچتے ہیں لیکن ان پر تاریخ نہیں ہوتی۔ حضرت عمرؓ نے ۱۷ھ میں صحابہ کو تعیین تاریخ کے بارے میں مشورہ کرنے کے

---

(۱) زرقانی ج ۱، ص: ۳۵۱

لیے مدعو کیا بعض نے یہ کہا کہ تاریخ کی ابتداء بعثت نبوی سے ہونی چاہیے اور بعض نے کہا ہجرت سے اور بعض نے کہا کہ آپ کی وفات سے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تاریخ کی ابتدا ہجرت سے ہونی چاہیے۔ اس لیے کہ ہجرت ہی سے حق اور باطل میں فرق قائم ہوا اور ہجرت ہی سے اسلام کی عزت اور غلبہ کی ابتداء ہوئی۔ بالاتفاق سب نے اس رائے کو پسند کیا۔ قیاس کا اقتضاء تو یہ تھا کہ سنہ ہجری کی ابتداء ربیع الاوّل سے ہوتی اس لیے کہ آپ اس ماہ میں مدینہ منورہ رونق افروز ہوئے لیکن بجائے ربیع الاوّل کے محرم سے اس لیے ابتدا کی گئی کہ آپ ہجرت کا ارادہ محرم ہی سے فرما چکے تھے۔ انصار نے عشرۂ ذی الحجہ میں آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور اخیر ذی الحجہ میں انصار حج کر کے مدینہ منورہ واپس ہوئے۔ آپ نے ان کی واپسی کے چند روز بعد ہی ہجرت کا ارادہ فرمایا اور حضرات صحابہ کو ہجرت کی اجازت دی۔ اس لیے سنہ ہجری کی ابتداء محرم الحرام سے کی گئی اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہی مشورہ دیا کہ سنہ ہجری کی ابتداء محرم الحرام سے ہونی چاہیے۔

بعض نے کہا رمضان المبارک سے ابتداء ہونی چاہیے حضرت عمرؓ نے فرمایا محرم الحرام ہی مناسب ہے اس لیے کہ لوگ حج سے محرم ہی میں واپس ہوتے ہیں۔ اسی پر سب کا اتفاق ہوگیا۔ باب التاریخ فتح الباری ص۲۰۹ ج۷ تاریخ طبری ص۲۵۲ ج۲ زرقانی ص۳۵۲ ج۱ و عمدۃ القاری ص۱۲۸ ج۸ ابن عباسؓ سے والفجر ولیال عشر کی تفسیر میں مروی ہے کہ الفجر سے محرم کی فجر مراد ہے جس سے سال کی ابتدا ہوتی ہے (۱)

امام سرخسیؒ سیر کبیر کی شرح میں لکھتے ہیں کہ جب عمرؓ نے تعین تاریخ کے بارے میں صحابہؓ کو جمع کیا تو بعض نے یہ مشورہ دیا کہ تاریخ کی ابتداء ولادت باسعادت سے ہونی چاہیے مگر حضرت عمرؓ نے اس رائے کو پسند نہ فرمایا اس لیے کہ اس میں نصاریٰ کے ساتھ تشبہ ہے کہ ان کی تاریخ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت باسعادت سے

(۱) البدایۃ والنہایۃ۔ ج: ۳، ص: ۲۰۷۔

ہے بعض نے یہ رائے دی کہ آپ کی وفات سے تاریخ مقرر کی جائے اس کو بھی حضرت نے ناپسند فرمایا اس لیے کہ آپ کی وفات حادثۂ کبریٰ اور مصیبۂ عظمیٰ ہے اس سے تاریخ کی ابتداء مناسب نہیں۔ بحث و تمحیص کے بعد سب کا اتفاق اس پر ہوا کہ ہجرت سے تاریخ مقرر ہونی چاہیے۔ فاروق اعظم نے اسی رائے کو پسند کیا اس لیے کہ ہجرت ہی سے حق اور باطل کا فرق واضح ہوا شعائر اسلام یعنی جمعہ اور عیدین علی الاعلان ادا کیے گئے۔ کذافی شرح السیر الکبیر ص ۶۳ ج ۴۔

قباء میں چند روز قیام فرما کر جمعہ کے روز مدینہ منورہ کا ارادہ فرمایا اور ناقہ پر سوار ہوتے راستہ میں محلہ بنی سالم پڑتا تھا وہاں پہنچ کر جمعہ کا وقت آ گیا۔ وہیں جمعہ کی نماز ادا فرمائی یہ اسلام میں آپ کا پہلا خطبہ اور پہلی نماز جمعہ تھی۔

(پہلی نماز جمعہ اور پہلا خطبہ) خطبۃُ التقویٰ

وہ خطبہ یہ ہے جس کا ہر لفظ دریائے فصاحت و بلاغت کی گہرائی میں ڈوبا ہوا ہے، اور جس کا ہر حرف امراض نفسانی کے لیے شفا اور مردہ دلوں کے لیے آبِ حیات ہے اور جس کا ہر کلمہ اربابِ ذوق کے لیے رحیق مختوم سے کہیں زیادہ شیریں اور لذیذ ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَحْمَدُہٗ وَاَسْتَعِیْنُہٗ	الحمد للہ۔ اللہ کی حمد کرتا ہوں اور اسی سے اعانت
وَاَسْتَغْفِرُہٗ واستھدیہ واؤمن	اور مغفرت اور ہدایت کا طلبگار ہوں اور اللہ پر
بہ ولا اکفرہ واعادی من یکفرہ	ایمان رکھتا ہوں اس کا کفر نہیں کرتا، بلکہ اس کے
واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ	کفر کرنے والوں سے عداوت اور دشمنی رکھتا ہوں
لا شریک لہ وان محمدا عبدہٗ	اور شہادت دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور محمد
ورسولہ ارسلہ بالھدی والنور	اس کے بندہ اور رسول ہیں جس کو اللہ نے
والموعظۃ علی فترۃ من	ہدایت اور نور حکمت اور موعظت دے کر

الرسل وقلة من
العلم وضلالة من
الناس وانقطاع من الزمان
ودنو من الساعة وقرب
من الاجل- من يطع الله و
رسوله فقد رشد ومن
يعصهما فقد غوىٰ وفرّط وضل
ضلالاً بعيداً اوصيكم بتقوى
الله فانه خير ما اوصى به
المسلمُ المسلم ان يحضّه
على الاخرة وان يامره بتقوى الله
فاحذروا ما حذركم الله
من نفسه ولا الا افضل من
ذلك نصيحةً ولا افضل من
ذلك ذكرىٰ وان تقوى الله
لمن عمل به على وجل ومخافة
من ربه عون صدق على ما تبغون
من امر الآخرة ومن يصلح الذى
بينه وبين الله من امره فى
السر والعلانية لا ينوى بذلك
الا وجه الله يكن له ذِكراً فى عاجل امره

ایسے وقت میں بھیجا کہ جب انبیاء و رسل
کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا اور زمین پر علم
برائے نام تھا اور لوگ گمراہی میں تھے اور
قیامت کا قرب تھا جو اللہ اور اس کے
رسول کی اطاعت کرے اس نے ہدایت
پائی اور جس نے اللہ اور رسول کی نافرمانی
کی وہ بلاشبہ بے راہ ہوا اور
کوتاہی کی اور شدید گمراہی میں مبتلا ہوا اور
میں تم کو اللہ کے تقویٰ کی وصیت کرتا
ہوں لیے کہ ایک مسلمان کی دوسرے
مسلمان کو بہترین وصیت یہ ہے کہ اس
کو آخرت پر آمادہ کرے اور تقویٰ اور
پرہیزگاری کا اس کو حکم دے پس بچو
اس چیز سے کہ جس سے اللہ نے تم کو ڈرایا
ہے تقویٰ سے بڑھ کر کوئی نصیحت اور
موعظت نہیں اور بلاشبہ اللہ کا تقویٰ اور
خوف خداوندی آخرت کے بارے میں
سچا معین اور مددگار ہے اور جو شخص ظاہر
باطن میں اپنا معاملہ اللہ کے ساتھ درست
کر لے جس سے مقصود محض رضائے خداوندی
ہو- اور کوئی دنیاوی غرض اور مصلحت

وذخراً فیما بعد الموت حین
یفتقر المرء الی ما قدم وما کان
من سوی ذلک یود لو ان بینہ
وبینہ امدا بعیدا۔ ویحذر
کم اللہ نفسہ واللہ رؤف
بالعباد والذی صدق قولہ
انجز وعدہ لا خلف لذلک
فانہ یقول عز وجل ما یبدل
القول لدی وما انا بظلام للعبید
فاتقوا اللہ فی عاجل امرکم
واٰجلہ فی السر والعلانیۃ فانہ
من یتق اللہ یکفر عنہ سیاٰتہ
ویعظم لہ اجرا ومن یتق اللہ
فقد فاز فوزا عظیما وان تقوی
اللہ یوقی مقتہ ویوقی
عقوبتہ ویوقی سخطہ وان
تقوی اللہ یبیض الوجوہ ویرضی
الرب ویرفع الدرجۃ خذوا
بحظکم ولا تفرطوا فی جنب اللہ
قد علمکم اللہ کتابہ ونہج لکم
سبیلہ لیعلم الذین صدقوا ویعلم

پیش نظر نہ ہو تو یہ ظاہر و باطن کی مخلصانہ
اصلاح دنیا میں اس کے لیے باعث عزت
شہرت ہے اور مرنے کے بعد ذخیرۂ آخرت
ہے کہ جس وقت انسان اعمال صالحہ کا
غایت درجہ محتاج ہوگا اور خلاف تقویٰ
امور کے متعلق اس دن یہ تمنا کرے گا کہ
کاش میرے اور اس کے درمیان مسافت
بعیدہ حائل ہوتی اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی
عظمت اور جلال سے ڈراتے ہیں اور یہ
ڈرانا اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں
پر نہایت ہی مہربان ہیں اللہ اپنے قول
میں سچا ہے اور وعدہ کا وفا کرنے والا ہے
اس کے قول اور وعدے میں خلف نہیں
ما یبدل القول لدی وما انا بظلام للعبید
پس دنیا اور آخرت میں ظاہر میں اور باطن
میں اللہ سے ڈرو۔ تحقیق جو شخص اللہ سے
ڈرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کا
کفارہ فرماتے ہیں اور اجر عظیم عطا فرماتے
ہیں اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالےٰ
اس کے گناہوں کا کفارہ فرماتے ہیں
اور اجر عظیم عطا فرماتے ہیں اور جو شخص

الکاذبین فاحسنوا کما احسن اللہ الیکم وعادوا اعداءہ۔ واجتباکم وسمّاکمُ المسلمین لیھلک من ھلک عن بینۃٍ ویحیٰ من حیَّ عن بینۃٍ ولا قوۃ الا باللہ فاکثروا ذکر اللہ واعملوا لما بعد الیوم فانہ من یصلح ما بینہ وبین اللہ یکفہ اللہ ما بینہ وبین الناس ذلک بان اللہ یقضیُ علی الناس ولا یقضون علیہ ویملک من الناس ولا یملکون منہ۔ اللہ اکبر ولا قوۃ الا باللہِ العظیم (۱)

اللہ سے ڈرے تحقیق وہ بلا شبہ بڑا کامیاب ہوا۔ اور تحقیق اللہ کا تقویٰ ایسی شے ہے کہ اللہ کے غضب اور اس کی عقوبت اور سزا اور ناراضی سے بچاتا ہے اور تقویٰ ہی قیامت کے دن چہروں کو روشن اور منور بنائے گا اور رضاء خداوندی اور رفع درجات کا ذریعہ اور وسیلہ ہوگا اور تقویٰ میں جس قدر حصہ لے سکتے ہو وہ لے لو اس میں کمی نہ کرو اور اللہ کی اطاعت میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری تعلیم کے لیے کتاب اتاری اور ہدایت کا راستہ تمہارے لیے واضح کیا تاکہ صادق اور کاذب میں امتیاز ہو جائے۔ پس جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ احسان کیا اسی طرح تم حسن اور خوبی کے ساتھ اس کی اطاعت بجا لاؤ اور اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھو اس کی راہ میں کما حقہ جہاد کرو۔ اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنے لیے مخصوص اور منتخب کیا ہے اور تمہارا نام اور لقب ہی مسلمان رکھا ہے یعنی اپنا مطیع اور فرمانبردار رکھا۔ بس اس نام کی لاج رکھو منشاء خداوندی یہ ہے کہ جس کو ہلاک اور برباد ہونا ہے وہ قیام حجت

(۱) تاریخ طبری ج: ۲، ص: ۲۲۵۔ البدایۃ والنہایۃ۔ ج: ۳، ص: ۲۱۳

کے بعد ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ بھی قیام حجت کے بعد بصیرت کے ساتھ زندہ رہے کوئی بچاؤ اور کوئی طاقت اور کوئی قوت بغیر اللہ کی مدد کے ممکن نہیں پس کثرت سے اللہ کا ذکر کرو اور آخرت کے لیے عمل کرو۔ جو شخص اپنا معاملہ خدا سے درست کر لیگا اللہ تعالیٰ لوگوں سے اس کی کفایت کرے گا کوئی شخص اس کو ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم تو لوگوں پر چلتا ہے اور لوگ اللہ پر حکم نہیں چلا سکتے اللہ ہی تمام لوگوں کا مالک ہے اور لوگ اللہ کی کسی چیز کے مالک نہیں۔ لہٰذا تم اپنا معاملہ اللہ سے درست کر لو۔ لوگوں کی فکر میں مت پڑو اور اللہ سب کی کفایت کرے گا اللہ اکبر ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

نکتہ: یہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا خطبہ ہے کہ جو آپ نے ہجرت کے بعد دیا تیرہ سالہ مظلومانہ زندگی کے بعد جو خطبہ دیا جا رہا ہے اس میں ایک حرف بھی اپنے دشمنوں کی مذمت اور شکایت کا نہیں سوائے تقویٰ اور پرہیزگاری اور آخرت کی تیاری کے کوئی لفظ لسان نبوت سے نہیں نکل رہا ہے بے شک آپ انک لعلیٰ خلق عظیم کے مصداق تھے۔ صلی اللہ علیہ وسلم وبارک وترحم۔

جمعہ سے فارغ ہو کر آپ ناقہ پر سوار ہوئے اور ابو بکر کو آپ نے اپنے پیچھے بٹھایا اور مدینہ کا رُخ فرمایا اور انصار کا ایک عظیم الشان گروہ ہتھیار لگائے ہوئے آپ کے یمین و یسار آگے اور پیچھے آپ کے جلو میں چل رہا تھا (۱)

ہر شخص کی تمنا اور آرزو یہ تھی کہ کاش آپ میرے یہاں قیام فرمائیں ہر طرف سے بہی والہانہ اور عاشقانہ استدعا ر نیاز تھی کہ یا رسول اللہ یہ غریب خانہ حاضر ہے

(۱) فتح الباری ج: ۷، ص: ۱۹۵

آپ ان کو دعا دیتے اور یہ فرماتے یہ ناقہ من جانب اللہ مامور ہے جہاں اللہ کے حکم سے بیٹھ جائے گی وہیں قیام کروں گا (۱)

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست　　　می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

لگام کو آپ نے بالکل ڈھیلا چھوڑ دیا تھا کسی جانب لگام کو دستِ مبارک سے حرکت نہیں دیتے تھے جوش کا یہ عالم تھا کہ خواتین جمال نبوی کے دیکھنے کے لیے چھتوں پر چڑھی ہوئی تھیں اور یہ شعر گاتی تھیں۔

طلع البدر علینا　　　من ثنیات الوداع

چودھویں رات کے چاند نے ثنیات الوداع سے ہم پر طلوع کیا ہے۔

وجب الشکر علینا　　　مادعا اللہ داع

ہم پر اللہ کا شکر واجب ہے جب تک اللہ کو کوئی پکارنے والا باقی ہے

ایھا المبعوث فینا　　　جئت بالامر المطاع

اے وہ مبارک ذات کہ جو ہم میں پیغمبر بنا کر بھیجے گئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے امور کو لے کر آئے ہو جن کی اطاعت واجب ہے۔

اور بنی النجار کی لڑکیاں یہ شعر گاتی تھیں

نحن جوار من بنی النجار　　　یاحبذا محمد من جار

ہم لڑکیاں ہیں بنی النجار کی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہی اچھے پڑوسی ہیں۔

اور فرط مسرت سے ہر بڑے چھوٹے کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔

جاء نبی اللہ - جاء رسول اللہ　　آئے اللہ کے نبی - آئے اللہ کے رسول

صحیح بخاری میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے اہلِ مدینہ کو کسی چیز سے اتنا خوش ہوتے نہیں دیکھا جتنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

(۱) فتح الباری: ج ۷، ص: ۱۹۲

تشریف آوری سے خوش ہوتے دیکھا۔ سنن ابی داؤد میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو حبشیوں نے آپ کی تشریف آوری کی مسرت میں نیزہ بازی کے کرتب دکھائے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں رونق افروز ہوئے تو مدینہ کا ذرہ ذرہ روشن تھا جس روز آپ نے وفات پائی اس روز ہر چیز تاریک تھی۔ آپ کو قبر شریف میں رکھ کر مٹی سے ہاتھ نہیں جھاڑنے پاتے تھے کہ اپنے دلوں میں تغیر پاتے تھے (اخرجہ الترمذی فی المناقب وقال صحیح غریب و ابن ماجہ فی الجنائز)

غرض یہ کہ ناقۂ مبارک اسی شان سے آہستہ آہستہ چل رہی تھی اور وہ حضرات آپ کے گرد و پیش اور یمین و یسار میں تھے کہ جن کے قلوب کو حق جل و علا نے ازل سے اپنی اور اپنے رسول کی محبت و عشق کے لیے مخصوص اور منتخب فرمایا تھا اور اپنے ماسوا کے لیے ان کے دلوں میں جزء لا یتجزیٰ کی بقدر بھی کوئی گنجائش نہ چھوڑی تھی (خدا کی قسم یہ جو کچھ کہہ رہا ہوں بالکل حقیقت ہے اس میں استعارہ اور مجاز کا نام و نشان نہیں صحابہ کرام بلاشبہ حقیقۃً ایسے ہی تھے۔ آپ چل رہے تھے اور ان محبین و مخلصین کی نگاہیں فرش راہ بنی ہوئی تھیں جو شخص اپنی شگفتگی اور وارفتگی اور جوش عقیدت اور ولولہ محبت میں اونٹنی کی مہار پکڑنا چاہتا تو آپ یہی فرماتے۔

دَعُوْهَا فَاِنَّهَا مَاْمُوْرَةٌ　　اس کو چھوڑ دو یہ منجانب اللہ مامور ہے

بالآخر ناقہ محلہ بنی النجار (جو آپ کے ننھیالی قرابت دار ہیں) میں خود بخود اس مقام پر گئی گیا جہاں اس وقت مسجد نبوی کا دروازہ ہے مگر آپ ناقہ سے نہ اترے کچھ دیر کے بعد ناقہ اٹھی اور ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر بیٹھی اور کچھ دیر کے بعد اُٹھ کر پہلی جگہ پر آکر بیٹھی اور اپنی گردن زمین پر ڈال دی

اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناقہ سے اترے اور ابو ایوب انصاری آپ کا سامان اٹھا کر اپنے گھر لے گئے۔

مبارک منزلے کان خانہ را ماہے چنیں باشد ہمایوں کشورے کان عرصہ را شاہے چنیں باشد(۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طبعی میلان بھی اسی طرف تھا کہ آپ بنی النجار ہی میں اتریں جو آپ کے دادا عبد المطلب کے ماموں ہیں اور اپنی نزول سے ان کو عزت اور شرف بخشیں جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ لیکن حق جل شانہ نے آپ کی اس خواہش کو ایک معجزانہ طریق سے پورا فرمایا کہ ناقہ کی لگام آپ کے دستِ مبارک سے چھوڑ دی گئی کہ آپ نے اپنے ارادہ اور اختیار سے کسی جانب لگام کو حرکت نہ کردیں اور نہ اپنی طرف سے کسی کے مکان کو نزول کے لیے مخصوص فرمائیں تاکہ آپ کے محبین ومخلصین کے قلوب منافست اور منازعت سے بالکلیہ پاک رہیں اور سمجھ لیں کہ آپ کا بالذات کوئی قصد اور ارادہ نہیں۔ ناقہ منجانب اللہ مامور ہے جہاں خدا کا حکم ہوگا وہیں ٹھہرے گی۔ آپ خدا کے اشارہ کے منتظر ہیں اس طرح سے حق جل شانہ نے آپ کی خواہش کو بھی پورا فرمایا اور صحابہ کرام کے حق میں اس شان سے نزول کو ایک معجزہ اور نشانی بنایا کہ جس کی برکت سے سب کے قلوب تنافس اور تنازع تحاسد اور تنافر سے بھی پاک رہے اور سب نے خوب سمجھ لیا کہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کی تخصیص آپ کی طرف سے نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے ہے ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ(۲)

علاوہ ازیں جب تبعؑ شاہِ یمن کا مدینہ منورہ کی سرزمین پر گذر ہوا تو چار سو علماء تورات

ؑ روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تبع ایک مرد صالح تھا جیسا کہ أھم خیر أم قوم تبع کی تفسیر میں بعض صحابہ و تابعین سے منقول ہے۔ (۱) زرقانی ج ۱، ص: ۳۵۶-۳۵۹، عیون الاثر، فتح الباری ج ۷، ص ۱۹۲ (۲) زاد المعاد ج ۲، ص ۵۵۔

اس کے ہمراہ تھے سب علماء نے بادشاہ سے یہ استدعاء کی کہ ہم کو اس سرزمین پر رہ جانے کی اجازت دی جائے بادشاہ نے اس کا سبب دریافت کیا علماء نے یہ کہا کہ ہم انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے صحیفوں میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ آخر زمانہ میں ایک نبی پیدا ہوں گے مُحَمَّدْ ان کا نام ہوگا اور یہ سرزمین ان کا دارالہجرت ہوگی۔ بادشاہ نے وہاں سب کو قیام کی اجازت دی اور ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ مکان تیار کرایا اور سب کے نکاح کرائے اور ہر ایک کو مال عظیم دیا اور ایک مکان خاص نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے لیے تیار کرایا کہ جب نبی آخر الزماں یہاں ہجرت فرما کر آئیں تو اس مکان میں قیام فرمائیں اور آپ کے نام ایک خط لکھا جس میں اپنے اسلام اور اشتیاق دیدار کو ظاہر کیا۔ خط کا مضمون یہ تھا۔

شَهِدْتُ عَلٰی اَحْمَدَ اَنَّهٗ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ بَارِی النَّسَمْ

میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد مجتبیٰ احمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول برحق ہیں۔

فَلَوْ مُدَّ عُمْرِیْ اِلٰی عُمْرِهٖ لَكُنْتُ وَزِيْرًا لَّهٗ وَابْنَ عَمّ

اگر میری عمر ان کی عمر تک پہنچی تو میں ضرور ان کا معین اور مددگار ہوں گا۔

وَجَاهَدْتُ بِالسَّيْفِ اَعْدَآءَهٗ وَفَرَّجْتُ عَنْ صَدْرِهٖ كُلَّ غَمّ

اور ان کے دشمنوں سے جہاد کروں گا اور ان کے دل سے ہر غم کو دور کروں گا۔

اور تبع نے اس خط پر ایک مہر بھی لگائی اور ایک عالم کے سپرد کیا کہ اگر تم اس نبی آخر الزمان کا زمانہ پاؤ تو میرا یہ عریضہ پیش کر دینا ورنہ اپنی اولاد کو یہ خط سپرد کر کے یہی وصیت کر دینا جو میں تم کو کر رہا ہوں۔

ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اسی عالم کی اولاد میں سے ہیں اور یہ مکان بھی وہی مکان تھا جس کو تبع شاہ یمن نے فقط اسی غرض سے تعمیر کرایا تھا کہ جب نبی آخر الزماں ہجرت کر کے آئیں تو اس مکان میں اتریں اور بقیہ انصار ان چار سو علماء کے

اولاد سے ہیں۔ چنانچہ اللہ کے حکم سے اُونٹنی اُسی مکان کے دروازہ پر جا کر ٹھہری کہ جو تبع نے پہلے ہی سے آپ کی نیت سے تیار کرایا تھا۔ شیخ زین الدین مراغیؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں ابوایوب انصاریؓ کے مکان پر نہیں اُترے بلکہ اپنے مکان پر اترے تو بیجا نہ ہوگا۔ اس لیے کہ یہ مکان تو اصل میں آپ ہی کے لیے تیار کرایا گیا تھا۔ ابوایوبؓ کا قیام تو اس مکان میں محض آپ کی تشریف آوری کے انتظار میں تھا۔

کہا جاتا ہے کہ آپ کی تشریف آوری کے بعد ابوایوبؓ نے وہ عریضہ جس میں وہ اشعار لکھے ہوئے تھے۔ تبع کی طرف سے آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (۱)

ابوایوبؓ انصاری نے آپ سے اصرار کیا کہ آپ بالاخانہ میں رونق افروز ہوں اور ہم نیچے کے مکان میں رہیں۔ آپ نے اس خیال سے کہ ہر وقت آپ کی خدمت میں لوگوں کی آمد و رفت رہے گی۔ اب اگر ابوایوب، نیچے کے مکان میں رہیں تو ان کے اہل خانہ کو اس آمد و رفت سے تکلیف ہوگی۔ اس لیے بالاخانہ کے قیام کو منظور نہیں فرمایا۔ نیچے ہی مکان کو قیام کے لیے پسند فرمایا اور ہم بالاخانہ پر رہنے لگے ایک مرتبہ یہ اتفاق پیش آیا کہ پانی کا برتن ٹوٹ گیا ہم نے گھبرا کر اس کے جذب کرنے کیلئے اپنا لحاف ڈال دیا کہ نیچے کے مکان میں نہ پہنچے میں اور ام ایوب دونوں جلد جلد اس پانی کو لحاف سے جذب کرتے جاتے تھے اور ہمارے پاس اس کے سوا اور کوئی کپڑا نہ تھا اور ہم روزانہ آپ کے لیے کھانا تیار کر کے بھیجا کرتے۔ جو بچ رہتا آپ واپس فرما دیتے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انگلیوں کا نشان دیکھتے وہیں سے میں اور ام ایوب تبرکاً انگلیاں ڈال کر کھاتے۔

(۱) روض الانف ج : ۱، ص : ۲۴۴،

ایک روز ہم نے کھانے میں لہسن اور پیاز شامل کر دیا آپ نے کھانا واپس فرمادیا دیکھا تو اس میں انگشتان مبارک کے نشان نہ تھے۔ گھبرا کر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے کھانا واپس فرما دیا جس میں آپ کی انگلیوں کے نشان نہیں ہیں۔ میں اور امّ ایوب کو برکت حاصل کرنے کے لیے قصداً اسی جگہ سے کھایا کرتے تھے جہاں آپ کی انگشتان مبارک کا نشان ہوتا تھا۔

آپ نے ارشاد فرمایا میں نے اس کھانے میں لہسن اور پیاز کی بو محسوس کی۔ تم کھاؤ میں چونکہ فرشتوں سے ہم کلام ہوتا ہوں اس لیے میں اس کے کھانے سے احتراز کرتا ہوں ابو ایوب فرماتے ہیں اس کے بعد ہم نے کبھی آپ کے کھانا میں لہسن اور پیاز شامل نہیں کیا (۱)

علماء یہود کی خدمت نبوی میں حاضری

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ رونق افروز ہوئے تو علماء یہود خاص طور پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے امتحاناً مختلف قسم کے سوالات کیے اس لیے کہ علماء یہود کو انبیاء سابقین کی بشارتوں سے نبی آخر الزماں کے ظہور کا بخوبی علم تھا اور وہ یہ جانتے تھے کہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے جس نبی کے ظہور کی بشارت دی وہ عنقریب سرزمین بطحا سے مبعوث ہونے والا ہے اور وہ آپ کی بعثت کے منتظر تھے چنانچہ ہجرت کے بیان میں گذر چکا ہے کہ پہلی بار حضور پُرنور نے انصار کے سامنے اسلام پیش کیا تو انھوں نے آپس میں مشورہ کیا اور کہا کہ یہ وہی نبی معلوم ہوتے ہیں جن کے ظہور کا یہود تذکرہ کیا کرتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اس سعادت اور فضیلت میں ہم سے سبقت

(۱) سیرۃ ابن ہشام۔ ج: ۱، ص: ۱۷۶

لے جائیں دیکھو۔ فتح الباری باب وفود الانصار الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ و بیعۃ العقبۃ اور دیکھو۔ البدایۃ والنہایۃ ص۱۴۸ ج ۳۔

معلوم ہوا کہ یہود کو اس کا علم تھا کہ جس نبی کے ظہور کی موسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی ہے اس کی بعثت کا زمانہ قریب آگیا ہے۔ اس لیے یہود خاص طور پر آپ سے ملنے کے لیے آئے قسمت نے جس کی پیشانی اقبال پر حرف سعادت لکھ دیا تھا وہ آپ کو دیکھتے ہی پہچان گیا کہ یہ وہی نبی برحق ہیں جن کی انبیاء سابقین نے بشارت دی ہے اور بلا تردد اور بلا توقف ایمان لے آیا اور جس کی قسمت میں محرومی لکھی تھی وہ محروم رہا۔

(۱) ابن عائذ بطریق عروۃ بن زبیر راوی ہیں کہ علماء یہود میں سب سے پہلے آپ کی خدمت میں یاسر بن اخطب یعنی حیی بن اخطب یہودی کا بھائی حاضر ہوا اور آپ کا کلام سنا جب واپس گیا تو اپنی قوم سے یہ کہا۔

اطیعونی فان ھذا النبی الذی کنا ننتظر۔	میرا کہنا مانو۔ تحقیق یہ وہی نبی ہے جس کے ہم منتظر تھے وہ آگئے ہیں۔ لہٰذا ان پر ایمان لاؤ۔

لیکن اس کے بھائی حیی بن اخطب نے اُس کی مخالفت کی اور قوم میں بڑا اور سردار حیی مانا جاتا تھا قوم اسی کی اطاعت کرتی تھی۔ اس پر شیطان غالب آیا اور حق کے قبول سے اس کو روکا۔ قوم نے اسی کی اطاعت کی اور اسی کا کہنا مانا اور ابو یاسر کا کہنا نہ سُنا (۱)

(۲) سعید بن مسیب۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ حضور پُرنور جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو بیت المدراس (یہودیوں کے مدرسہ کا نام ہے)

(۱) فتح الباری۔ ج: ۷، ص: ۲۱۳

میں علماء یہود جمع ہوئے اور مشورہ کیا کہ اس شخص (اشارہ بسوئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جا کر سوالات کرنے چاہئیں (۱)

(۳) بیہقی نے ابن عباس روایت کی ہے کہ ایک یہودی عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایسے وقت پہونچا کہ آپ سورۂ یوسف پڑھ رہے تھے اس نے پوچھا اے محمدؐ یہ سورۃ آپ کو کس نے تعلیم دی ہے آپ نے فرمایا اللہ تعالےٰ نے مجھ کو تعلیم دی ہے اس کو بہت تعجب ہوا اور وہ یہودی عالم یہود کی طرف واپس گیا اور جا کر یہ کہا کہ محمدؐ۔ قرآن پڑھتے ہیں وہ ایسی ہی کتاب معلوم ہے۔ جیسے توراۃ موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور یہود کی ایک جماعت کو اپنے ساتھ لے کر آپ کی خدمت میں آیا۔ ان لوگوں نے آپ کی صورت اور صفت کو دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی آمد کی توریت میں خبر دی گئی ہے اور آپ کے دوشانوں کے درمیان مہر نبوت کو دیکھا اور آپ جو سورۂ یوسف پڑھ رہے تھے اس کو خوب غور سے شناسُن کر حیران رہ گئے اور سب اسلام لے آئے۔ (۲)

(۴) ابن اسحاق اور بیہقی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن صوریا (ایک یہودی عالم) سے یہ کہا کہ میں تجھے اللہ تعالےٰ کی قسم دیتا ہوں کہ سچ سچ یہ بیان کرے کہ کیا توریت میں شادی شدہ زنا کرنے والے کے لیے رجم کا حکم ہے۔ ابن صوریا نے کہا۔

اللّٰھم نعم اما و اللہ یا	اے اللہ بے شک توریت میں یہ
ابا القاسم انھم لیعرفون	ہی حکم ہے اور اے ابوالقاسم و اللہ۔
انک نبی مرسل ولکنھم	اہل کتاب اس امر کو خوب جانتے اور
یحسدونک ۔	پہچانتے ہیں آپ نبی مرسل ہیں لیکن

---

(۱) فتح الباری - ج : ۷، ص : ۲۱۴ (۲) ایضاً

(خصائص کبریٰ ص۱۹ ج ۱) آپ پر حسد کرتے ہیں۔

(۵) عبداللہ بن احمد نے زوائد مسند میں جابر بن سمرہؓ سے روایت کی کہ ایک جبر مقانی[1] شخص آیا اور صحابہ سے حضور کی نسبت دریافت کیا کہ تمہارے وہ صاحب کہ جو یہ زعم کرتے ہیں کہ میں نبی ہوں وہ کہاں ہیں۔ میں ان سے کچھ سوال کروں گا جس سے معلوم ہو جائے گا وہ نبی ہیں یا غیر نبی۔ اتنے میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم سامنے سے آگئے جبر مقانی نے کہا کہ جو وحی آپ پر آتی ہے وہ مجھے پڑھ سنایئے آپ نے اس کے سامنے کتاب اللہ کی آیتیں پڑھ کر سنائیں جبر مقانی نے سنتے ہی کہا واللہ یہ اس قسم کا کلام جو موسیٰ علیہ السلام لائے (۲)

اسی طرح اور بھی بہت سے علماء اور یہود آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور مشرف باسلام جیسے زید بن سعنہ وغیرہ (۳)

اسلام عبداللہ[a] بن سلام رضی اللہ عنہ وادخلہ دارالسلام

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ توریت کے بڑے زبردست عالم تھے۔ آپ حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کی اولاد میں سے تھے ۔ آپ کا اصل نام حُصَین تھا۔ اسلام لانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن سلام نام رکھا۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اپنے اسلام لانے کا واقعہ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں آپ کی تشریف آوری کی خبر سنتے ہی آپ کے دیکھنے کے لیے حاضر ہوا۔

---

[a] عبداللہ بن سلام کے اسلام کا واقعہ البدایۃ والنہایۃ ص۲۱۰ ج۳ تا ص۲۱۲ ج۳ میں دیکھو۔

(۲) الخصائص الکبری ج : ۱، ص : ۱۹۴، (۳) فتح الباری، ج : ۷، ص : ۲۱۴

(۱) جبر مقانی۔ جرامقہ کی طرف نسبت ہے جو عجم میں ایک قوم ہے۔ ۱۲

فلما رأيت وجهه عرفت ان وجهه ليس بوجه كذاب۔

آپ کے چہرہ انور کو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ چہرہ جھوٹے کا چہرہ نہیں۔

در دل ہر امتی کز حق مزہ است — روئے و آواز پیمبر معجزہ است
چون شود از رنج و علت دل سلیم — طعم صدق و کذب را باشد علیم

پہلا کلام جو آپ کی زبان سے سُنا وہ یہ تھا۔

ايها الناس اطعموا الطعام وافشوا السلام وصِلوا الارحام وصلوا بالليل والناس نيام تدخلوا الجنة بسلام اخرجه الترمذی والحاکم وصححاه۔

اے لوگو آدمیوں کو کھانا کھلایا کرو اور آپس میں سلام کو پھیلاؤ اور صلہ رحمی کرو اور رات میں نماز پڑھو جب کہ لوگ خدا سے غافل سو رہے ہوں تم جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو گے۔ اس حدیث کو ترمذی اور حاکم نے روایت کیا ہے اور دونوں نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے۔

دلائل بیہقی میں عبداللہ بن سلام سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اور آپ کی صفت اور آپ کا حلیہ پہلے ہی سے جانتا تھا مگر کسی سے ظاہر نہیں کرتا تھا۔

جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے اور میں نے آپ کی خبر سنی تو میں اس وقت ایک کھجور کے درخت پر چڑھا ہُوا تھا وہیں سے خوشی میں اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔

میری پھوپھی خالدہ بنت حارث نے کہا اگر تو موسیٰ علیہ السلام کی خبر سنتا تو اس سے زیادہ خوش نہ ہوتا میں نے کہا۔ ہاں۔ خدا کی قسم یہ بھی موسیٰؑ کے بھائی ہیں وہی دین دے کر بھیجے گئے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام دے کر بھیجے گئے تھے۔ میری پھوپھی نے کہا

اے میرے بھتیجے کیا یہ وہی نبی ہیں جن کی ہم خبریں سنتے آتے ہیں کہ وہ قیامت کے سانس کے ساتھ مبعوث ہوں گے ۔ میں نے کہا ہاں یہ وہی نبی ہیں۔ میں گھر سے نکل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مشرف باسلام ہوا اور واپس آکر اپنے تمام اہل خانہ کو اسلام کی دعوت دی ۔ سب نے اسلام قبول کیا (۱)

فائدہ :

قیامت کے سانس سے وہ فتنے اور حوادث مراد ہیں کہ جو قیامت سے پہلے ظہور پذیر ہوں گے اور ان کا ظہور قیامت کا دیباچہ اور پیش خیمہ ہوگا ۔ کما قال تعالیٰ نَذِيرٌ لَّكُم بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ۔ وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعثت انا والساعة کھاتین ۔ روض الانف ص ۲۵ ج ۲ اس کے بعد میں نے آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل اس کے کہ میری قوم کو میرے اسلام کا علم ہو آپ مجھ کو کسی کوٹھری میں بٹھلا کر یہود سے میرا حال دریافت فرمائیں کیونکہ یہود بڑی بہتان باندھنے والی قوم ہے چنانچہ جب یہود آپ کی خدمت میں آئے تو آپ نے عبداللہ بن سلام کو ایک کوٹھری میں بٹھلا کر یہود سے دریافت فرمایا کہ اے گروہ یہود اللہ سے ڈرو۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں تم خوب جانتے ہو کہ میں اللہ کا سچا رسول ہوں اور حق لے کر آیا ہوں پس اسلام لاؤ۔ یہود نے کہا ہم نہیں جانتے۔ آپ نے تین بار یہی سوال فرمایا ہر بار یہود یہی کہتے رہے۔ بعد ازاں یہ فرمایا کہ عبداللہ بن سلام تم میں کیسا شخص ہے۔ یہود نے کہا کہ ہمارا سردار اور ہمارے سردار کا بیٹا اور ہمارا سب سے بڑا عالم اور سب سے بڑے عالم کا بیٹا اور ہم میں سے سب سے بہتر اور سب سے بہتر کا بیٹا ۔

آپ نے فرمایا اگر عبداللہ بن سلام مجھ پر ایمان لے آئے پھر تو میرے نبی برحق ہونے کا

---

(۱) فتح الباری - ج : ۷ ، ص : ۱۹۷

یقین کرو گے۔ یہود نے کہا عبداللہ بن سلام کبھی اسلام لا ہی نہیں سکتا۔ آپ نے فرمایا بالفرض وہ اسلام لے آئے یہود نے کہا حاشا و کلّا وہ کبھی مسلمان ہو ہی نہیں سکتا۔ آپ نے فرمایا اے ابن سلام باہر نکل آؤ۔ عبداللہ بن سلام باہر آئے اور یہ کلمات زبان پر تھے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اور یہود سے مخاطب ہو کر کہنے لگے اے گروہ یہود خدا سے ڈرو قسم ہے اس ذات پاک کی کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں تم خوب جانتے ہو کہ یہ اللہ کے رسول ہیں اور حق لے کر آئے ہیں یہ سنتے ہی یہود نے کہا تو جھوٹا اور کذاب ہے اور سب میں بُرا اور بُرے کا بیٹا ہے (بخاری شریف) اسی بارے میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ كَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ (۱)،(۲)

اِسلام میمون بن یامین :

میمون بن یامین رؤسا یہود میں سے تھے۔ آپ کو دیکھ کر مشرف باسلام ہو گئے اور اُن کا حال بھی عبداللہ بن سلام جیسا ہی ہوا

میمون بن یامین رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ یہود کو بلا بھیجیے اور مجھ کو حکم بنا دیجیے وہ لوگ میری طرف رجوع کریں گے۔ آپ نے میمون کو تو اندر کوٹھری میں چھپا دیا اور یہود کے بلانے کے لیے آدمی بھیج دیا وہ لوگ آئے اور آپ سے گفتگو کی آپ نے فرمایا کہ تم اپنے لوگوں میں سے کسی کو میرے اور اپنے مابین حکم مقرر کر لو۔ یہود نے کہا کہ ہم میمون بن یامین کے حاکم بنانے پر راضی ہیں وہ جو فیصلہ کر دے ہمیں منظور ہے۔ آپ نے میمون کو آواز

(۱) الاحقاف، آیۃ: ۱۰ (۲) عیون الاثر۔ ج: ۱، ص: ۲۰۷

دی کہ باہر آجاؤ میمون باہر آئے اور کہا اشہد انہ رسول اللہ مگر یہود نے تصدیق کرنے سے انکار کر دیا[1]۔ باب اتیان الیہود النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین قدم المدینۃ۔

اسلام سلمان بن اسلام[2] رضی اللہ عنہ

سلمان آپ کا نام ہے ابو عبد اللہ آپ کی کنیت ہے سلمان الخیر کے لقب سے مشہور ہیں گویا سلمان کیا تھے۔ خیر مجسم تھے ملک فارس کے رام ہرمز کے مضافات میں سے، قصبہ جیّ کے رہنے والے تھے شاہان فارس کے خاندان سے تھے۔ جب کوئی سلمان رضی اللہ عنہ سے پوچھتا ابن من انت تم کس کے بیٹے ہو تو یہ جواب دیتے۔

انا سلمان بن الاسلام۔ میں سلمان بیٹا اسلام کا ہوں۔

(الاستیعاب للحافظ ابن عبد البر ص ۵۶ ج ۲ حاشیۃ اصابہ)

---

[2] حافظ عسقلانی فرماتے ہیں سلمان فارسی کو سلمان ابن اسلام اور سلمان بن خیر بھی کہتے ہیں یعنی اسلام ان کے حق میں بمنزلہ باپ کے ہے اور وہ اسلام کے حق میں بمنزلہ بیٹے کے ہے۔ اصابہ ص ۶۲ ج ۲ ترجمہ سلمان فارسی۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ سلمانؓ کا اگر نام پوچھو تو عبد اللہ ہے نسبت پوچھو تو ابن الاسلام یعنی اسلام کا فرزند ہے سرمایہ اور دولت پوچھو تو فقر ہے دکان انکی مسجد ہے کمائی ان کی صبر ہے لباس ان کا تقویٰ ہے تکیہ انکا بیداری ہے اور افتخار انکا منّا ہے (یہ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے کہ سلمان ہم میں سے ہے) اور اگر انکا قصد اور ارادہ پوچھتے ہو تو یریدون وجہہ ہے اللہ جل جلالہ کی ذات پاک اور اسکی رضا اور خوشنودی چاہتے ہیں اور اگر یہ پوچھتے ہو کہ کہاں جارہے ہیں تو سمجھ لو کہ جنت کی طرف جارہے ہیں اور یہ پوچھتے ہو کہ اس سفر میں انکا ہادی اور رہنما کون ہے تو خوب جان لو کہ وہ امام المتقین ہادی الخلائق الی رب العالمین سید الاولین والآخرین خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ اجمعین ہیں ؎

إِذَا نحن أَدْلَجْنَا وَأَنْتَ إِمَامُنَا ۔۔۔ كَفَى بِالمطايا طيبُ ذِكْرَاكَ حَادِيَا

جب ہم تاریک رات میں چلیں اور تو ہمارا امام ہو تو اونٹوں کی حدی کیلئے تیرا پاکیزہ ذکر ہی کافی ہے۔

وَإِنْ نَحْنُ أَضْلَلْنَا الطريقَ وَلَمْ نَجِد ۔۔۔ دليلاً كَفَانَا نُورُ وَجهِكَ هَادِيَا

اور اگر ہم راستہ گم کر بیٹھیں اور کوئی رہنما ہم کو نہ ملے تو تیرے چہرے کا نور ہماری رہنمائی کیلئے بالکل کافی ہے کذا فی الفوائد لابن قیم ص ۴۱

(۱) فتح الباری۔ ج: ۷، ص: ۱۱۳

یعنی میرے روحانی وجود کا سبب اسلام ہے اور وہی میرا مربی ہے فنعم الاب ونعم الابن
پس کیا اچھا باپ ہے اور کیا اچھا بیٹا۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی عمر بہت زیادہ ہوئی کہا جاتا ہے کہ سلمان نے
حضرت مسیح بن مریم کا زمانہ پایا اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت مسیح کا زمانہ تو نہیں لیکن
حضرت مسیح کے کسی حواری اور وصی کا زمانہ پایا ہے۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ جسقدر
اقوال بھی ان کی عمر کے بارے میں پائے وہ سب اس پر متفق ہیں کہ آپ کی عمر
ڈھائی سو سال سے متجاوز ہے۔

ابوالشیخ طبقات الاصبہانیین میں لکھتے ہیں کہ اہل علم یہ کہتے ہیں کہ حضرۃ سلمانؓ
ساڑھے تین سو سال زندہ رہے لیکن ڈھائی سو سال میں تو کسی کو شک ہی نہیں اصابہ
ترجمہ سلمانؓ ص ۶۲ ج ۲ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھ سے سلمان فارسیؓ نے اپنے
اسلام لانے کا واقعہ خود اپنی زبان سے اس طرح بیان کیا کہ میں ملک فارس میں سے
قریہ جیّ کا رہنے والا تھا۔ میرا باپ اپنے شہر کا چودھری تھا اور سب سے زیادہ مجھ کو محبوب
رکھتا تھا جس طرح کنواری لڑکیوں کی حفاظت کرتے ہیں اسی طرح میری حفاظت
کرتے ہیں اسی طرح میری حفاظت کرتا تھا اور مجھ کو گھر سے باہر نہیں جانے دیتا تھا۔
ہم مذہباً مجوسی تھے۔ میرے باپ نے مجھ کو آتش کدہ کا محافظ اور نگہبان بنا رکھا
تھا کہ کسی وقت آگ بجھنے نہ پائے۔ ایک مرتبہ میرا باپ تعمیر کے کام میں مشغول تھا۔
اس لیے بمجبوری مجھ کو کسی زمین اور کھیت کی خبرگیری کے لیے بھیجا اور تاکید کی کہ دیر نہ کرنا
میں گھر سے نکلا راستہ میں ایک گرجا پڑتا تھا۔ اندر سے کچھ آواز سنائی دی میں دیکھنے کیلئے
اندر گھسا دیکھا تو نصاریٰ کی ایک جماعت ہے کہ جو نماز میں مشغول ہے مجھ کو ان کی یہ
عبادت پسند آئی اور اپنے دل میں یہ کہا کہ یہ دین ہمارے دین سے بہتر ہے۔ میں نے
ان لوگوں سے دریافت کیا کہ اس دین کی اصل کہاں ہے۔ ان لوگوں نے کہا ملک شام

میں اسی میں آفتاب غروب ہوگیا۔ باپ نے انتظار کر کے تلاش میں قاصد دوڑائے جب گھر واپس آیا تو باپ نے دریافت کیا اے بیٹے تو کہاں تھا۔ میں نے تمام واقعہ بیان۔ باپ نے کہا اس دین (یعنی نصرانیت) میں کوئی خیر نہیں۔ تیرے ہی باپ دادا کا دین یعنی (آتش پرستی) بہتر ہے۔

میں نے کہا ہرگز نہیں خدا کی قسم نصرانیوں ہی کا دین ہمارے دین سے بہتر ہے۔ باپ نے میرے پیر میں بیڑیاں ڈال دیں اور گھر سے باہر نکلنا بند کر دیا جیسے فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا۔ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ۔ اگر تو نے میرے سوا کسی کو معبود بنایا تو میں تجھ کو قیدیوں میں سے کر دوں گا۔ جیسا کہ عام اہل باطل کا طریق ہے) میں نے پوشیدہ طور پر نصاریٰ سے یہ کہلا بھیجا کہ جب کوئی قافلہ شام کر جائے تو مجھ کو اطلاع کرنا چنانچہ انہوں نے مجھ کو ایک موقع پر اطلاع دی کہ نصاریٰ کے تاجروں کا ایک قافلہ شام واپس جانے والا ہے۔ میں نے موقع پا کر بیڑیاں اپنے پیر سے نکال پھینکیں اور گھر سے نکل کر ان کے ساتھ ہو لیا۔

شام پہنچ کر دریافت کیا کہ عیسائیوں کا سب سے بڑا عالم کون ہے۔ لوگوں نے ایک پادری کا نام بتلایا میں اس کے پاس پہنچا اور اس سے اپنا تمام واقعہ بیان کیا اور یہ کہا میں آپ کی خدمت میں رہ کر آپ کا دین سیکھنا چاہتا ہوں مجھ کو آپ کا دین مرغوب اور پسند ہے آپ اجازت دیں تو آپ کی خدمت میں رہ پڑوں اور دین سیکھوں اور آپ کے ساتھ نمازیں پڑھا کروں اس نے کہا بہتر ہے لیکن چند روز کے بعد تجربہ ہوا کہ وہ اچھا آدمی نہ تھا بڑا ہی حریص اور طامع تھا دوسروں کو صدقات اور خیرات کا حکم دیتا اور جب لوگ روپیہ لے کر آتے تو جمع کر کے رکھ لیتا اور فقراء اور مساکین کو نہ دیتا اسی طرح اس نے اشرفیوں کے سات مٹکے جمع کر لیے جب وہ مر گیا اور لوگ حسن عقیدت کے ساتھ اس کی تجہیز و تکفین کے لیے جمع ہوئے میں نے لوگوں سے اس کا حال بیان کیا اور وہ سات مٹکے دکھلائے

لوگوں نے یہ دیکھ کر کہا خدا کی قسم ہم ایسے شخص کو ہرگز دفن نہ کریں گے۔ بالآخر اس پادری کو سولی پر لٹکا کر سنگسار کر دیا اور اس کی جگہ کسی اور عالم کو بٹھلایا۔

سلمانؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے زائد کسی کو عالم اور اس سے بڑھ کر کسی کو عابد و زاہد دنیا سے بے تعلق اور آخرت کا شائق اور طلبگار نمازی اور عبادت گذار کسی کو نہیں دیکھا اور جس قدر مجھ کو اس عالم سے محبت ہوئی۔ اس سے بیشتر کبھی کسی سے اس قدر محبت نہیں ہوئی۔ میں برابر اس عالم کی خدمت میں رہا جب ان کا اخیر وقت آ گیا تو میں نے عرض کیا کہ آپ مجھ کو وصیت کیجیے اور بتلائیے کہ آپ کے بعد کس کی خدمت میں جا کر رہوں کہا موصل میں ایک عالم ہے تم اس کے پاس چلے جانا۔ چنانچہ میں ان کے پاس گیا اور ان کے بعد ان کی وصیت کے مطابق نصیبین میں ایک عالم کے پاس جا کر رہا اور ان کی وفات کے بعد ان کی وصیت کے مطابق شہر عموریہ میں ایک عالم کے پاس رہا جب ان کا بھی انتقال ہونے لگا تو میں نے کہا کہ میں فلاں فلاں عالم کے پاس رہا اب آپ بتلائیں کہ میں کہاں جاؤں اس عالم نے یہ کہا کہ میری نظر میں اس وقت کوئی ایسا عالم نہیں جو کہ صحیح راستہ پر ہو اور میں تم کو اس کا پتہ بتاؤں۔ البتہ ایک نبی کے ظہور کا زمانہ قریب آ گیا ہے کہ جو دینِ ابراہیمی پر ہوگا۔ عرب کی سرزمین میں اس کا ظہور ہوگا۔ ایک نخلستانی زمین کی طرف ہجرت کرے گا۔ اگر تم سے وہاں پہنچنا ممکن ہو تو ضرور پہنچنا۔ ان کی علامت یہ ہوگی کہ وہ صدقہ کا مال نہ کھائیں گے۔ ہدیہ قبول کریں گے۔ دونوں شانوں کے قریب مہرِ نبوت ہوگی جب تم ان کو دیکھو گے تو پہچان لوگے۔ اس اثناء میں میرے پاس کچھ گائیں اور بکریاں بھی جمع ہو گئیں تھیں اتفاق سے ایک قافلہ عرب کا جانے والا مجھ کو مل گیا۔ میں نے ان سے کہا کہ تم لوگ مجھ کو ساتھ لے چلو یہ گائیں اور بکریاں سب کی سب تم کو دے دوں گا۔ ان لوگوں نے اس کو قبول کیا اور مجھ کو ساتھ لے لیا۔ جب وادی قریٰ میں پہنچے تو میرے ساتھ یہ بدسلوکی کی کہ غلام بنا کر ایک

یہودی کے ہاتھ فروخت کیا جب اس کے ساتھ آیا تو کھجور کے درخت دیکھ کر خیال ہوا کہ شاید یہی وہ سرزمین ہو لیکن ابھی پورا اطمینان نہیں ہوا تھا کہ بنی قریظہ میں ایک یہودی اس کے پاس آیا اور مجھ کو اس سے خرید کر مدینہ لے آیا۔

حتی قدمت المدینہ فواللہ ماھو	جب میں مدینہ پہنچا تو خدا کی قسم مدینہ کو
الا ان رایتہا فعرفتہا بصفۃ صاحبی	دیکھتے ہی پہچان لیا اور یقین کیا کہ یہی
وایقنت انہا ھی البلدۃ التی وصفت لی	شہر ہے کہ جو مجھ کو بتلایا گیا ہے۔

صحیح بخاری میں خود حضرت سلمان سے مروی ہے کہ میں اس طرح دس مرتبہ سے زیادہ فروخت ہوا ہوں (لوگوں نے سلمانؓ کو بار بار بے رغبتی کے ساتھ دراہم معدودہ میں خریدا لیکن اس کی اصلی قیمت کو کسی نے نہ پہچانا) میں مدینہ میں اس یہودی کے پاس رہا اور بنی قریظہ میں اس کے درختوں کا کام کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کو مکہ میں مبعوث فرمایا مگر مجھ کو غلامی اور خدمت کی وجہ سے مطلق علم نہ ہوا جب آپ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے اور قباء میں بنی عمرو بن عوف کے یہاں آپ نے قیام فرمایا۔ میں اس وقت ایک کھجور کے درخت پر چڑھا ہوا کام کر رہا تھا اور میرا آقا درخت کے نیچے بیٹھا تھا کہ ایک یہودی آیا جو میرے آقا کا چچا زاد بھائی تھا اور یہ کہنے لگا۔ خدا بنی قیلہ یعنی انصار کو ہلاک کرے کہ قباء میں ایک شخص کے ارد گرد جمع ہیں جو مکہ سے آیا ہے اور یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی اور پیغمبر ہے۔ سلمان فرماتے ہیں۔

فواللہ ان ھو الا اخذ تنی العرواء	خدا کی قسم یہ سننا تھا کہ مجھ کو لرزا اور کپکپی نے پکڑا اور
حتی ظننت انی ساسقط علی صاحبی	مجھ کو یہ غالب گمان ہو گیا کہ میں اپنے آقا پر اب گرا۔

(بشیر و نذیر کی آمد کی بشارت نے سلمان کو ایسا بیخود اور وارفتہ بنا دیا کہ اگر لَوْلَا اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمَا کا مضمون نہ ہوتا تو درخت سے گر ہی پڑتے۔ وہ دونوں یہودی ان کی اس حالت

ف اس کیفیت کو حضرات صوفیہ کی اصطلاح میں وجد کہتے ہیں اور یہ آیت بظاہر اس کا منشا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

اور کیفیت کو دیکھ کر سخت متعجب تھے اور سلمانؓ کی زبان حال یہ شعر پڑھ رہی تھی۔

خَلِیلَیَّ لا واللہ مَا اَنَا مِنْکُمَا اِذَا عَلَمٌ مِنْ اٰلِ لَیْلٰی بَدَا لِیَا

اے میرے دوستو خدا کی قسم میں اب تم سے نہیں رہا جبکہ مجھ کو دیار لیلی کا کوئی پہاڑ نظر آگیا

مدتے بود کہ مشتاق لقایت بودم لاجرم روئے ترا دیدم واز جارفتم

بہر حال دل کو تھا کر درخت سے اترا اور اس آنے والے یہودی سے پوچھنے لگا بتاؤ تو سہی تم کیا بیان کرتے تھے وہ خبر ذرا مجھ کو بھی تو سناؤ یہ دیکھ کر میرے آقا کو غصہ آگیا اور زور سے ایک طمانچہ میرے رسید کیا اور کہا تجھ کو اس سے کیا مطلب تو اپنا کام کر۔

جب شام ہوئی اور کام سے فراغت ہوئی تو جو کچھ میرے پاس جمع تھا وہ ساتھ لیا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت قباء میں تشریف فرما تھے میں نے یہ عرض کیا کہ مجھ کو معلوم ہوا کہ آپ کے اور آپ کے رفقاء کے پاس کچھ نہیں ہے آپ سب حضرات صاحبِ حاجت ہیں اس لیے میں آپ کے لیے اور آپ رفقاء کے لیے صدقہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔

آپ نے اپنی ذات مطہر کے لیے صدقہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور یہ فرمایا کہ میں صدقہ نہیں کھاتا اور صحابہ کو اجازت دی کہ تم لے لو۔

سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے اپنے دل میں کہا خدا کی قسم یہ ان تین علامتوں میں سے ایک ہے میں واپس ہو گیا اور پھر کچھ جمع کرنا شروع کر دیا جب آپ مدینہ تشریف لائے تو میں پھر حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کی خدمت میں کچھ پیش کروں۔ صدقہ تو آپ قبول نہیں فرماتے۔ یہ ہدیہ لے کر حاضر ہوا ہوں آپ نے قبول فرمایا اور خود بھی اس میں سے کھایا اور صحابہؓ کو بھی کھلایا۔ میں نے اپنے دل میں کہا یہ دوسری علامت ہے۔

میں واپس آگیا اور دو چار روز کے بعد پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

آپ اس وقت ایک جنازے کے ہمراہ بقیع میں تشریف لاتے تھے اور صحابۂ کرام کی ایک جماعت آپ کے ہمراہ تھی۔ آپ درمیان میں تشریف فرما تھے۔ میں نے سلام کیا اور سامنے سے اٹھ کر پیچھے آ بیٹھا تاکہ مہرِ نبوت دیکھوں۔ آپ سمجھ گئے اور پشت مبارک سے چادر اٹھا دیا۔ میں نے دیکھتے ہی پہچان لیا اور اٹھ کر مہرِ نبوت کو بوسہ دیا اور رو پڑا آپ نے ارشاد فرمایا سامنے آؤ میں سامنے آیا اور جس طرح تجھ سے اے ابن عباس میں نے اپنا یہ واقعہ بیان کیا۔ اسی طرح میں نے یہ تمام واقعہ تفصیل کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کے صحابہ کی مجلس میں بیان کیا اور اسی وقت مشرف باسلام ہوا۔ آپ بہت مسرور ہوئے۔ اس کے بعد اپنے آقا کی خدمت میں مشغول ہوگیا اسی وجہ سے میں غزوہ بدر اور احد میں شریک نہ ہو سکا۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے سلمان اپنے آقا سے کتابت[1] کرلو۔ سلمان نے اپنے آقا سے کہا۔ آقا نے یہ جواب دیا کہ اگر تم چالیس اوقیہ سونا ادا کرو اور تین سو درخت کھجور کے لگا دو جب وہ بارآور ہوجائیں تو تم آزاد ہو۔ سلیمان نے آپ کے ارشاد سے قبول کیا اور آپ نے لوگوں کو ترغیب دی کہ سلمان کی کھجور کے پودوں سے امداد کریں۔ چنانچہ کسی نے تیس پودوں سے اور کسی نے بیس پودوں سے اور کسی نے پندرہ سے اور کسی نے دس پودوں سے امداد کی۔ جب پودے جمع ہوگئے تو مجھ سے فرمایا اے سلمان ان کے لیے گڑھے تیار کرو۔ جب گڑھے تیار ہوگئے تو خود دست مبارک سے ان تمام پودوں کو لگایا اور اور برکت کی دعا فرمائی۔ ایک سال گذرنے نہ پایا کہ سب کو پھل آگیا اور کوئی پودا ایسا نہ رہا کہ جو خشک ہوگیا ہو۔ سب کے سب سرسبز اور شاداب ہوگئے اور سب کو پھل آگیا۔ درختوں کا قرض تو ادا ہوگیا صرف دراہم باقی رہ گئے۔ ایک روز ایک شخص آپ کے پاس ایک بیضہ کی مقدار سونا لے کر آیا آپ نے فرمایا وہ مسکین مکاتب

[1] کتابت اسکو کہتے ہیں کہ غلام اپنے آقا سے یہ مقرر کرلے کہ اگر اس قدر معاوضہ کا تمکو ادا کردوں تو آزاد ہوجاؤں ۱۲

یعنی سلمان فارسی کہاں ہے اس کو بلاؤ۔ میں حاضر ہوا تو آپ نے وہ بیضہ کی مقدار سونا عطا فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ اس کو لے جاؤ اللہ تمہارا قرضہ ادا فرمائے گا۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ یہ سونا بہت تھوڑا ہے۔ اس سے میرا قرض کہاں ادا ہوگا۔ آپ نے فرمایا جاؤ اللہ اسی سے تمہارا قرضہ ادا کر دے گا۔ چنانچہ میں نے اس کو تولا تو پورا چالیس اوقیہ تھا میرا کُل قرض ادا ہو گیا اور غلامی سے آزاد ہُوا اور آپ کے ساتھ غزوۂ خندق میں شریک ہوا۔ اس کے بعد تمام غزوات میں آپ کے ہمرکاب رہا (۱) سیرۃ ابن ہشام ص۴۷ ج۱

تعمیر مسجد نبوی

اول جس جگہ آپ کی ناقہ آکر بیٹھی تھی وہ جگہ یتیموں کا مربد تھا یعنی کھجور خشک کرنے کی جگہ تھی۔ آپ نے اس جگہ کی بابت دریافت کیا کہ یہ جگہ کس کی ملکیت ہے معلوم ہُوا کہ یہ خرمن سہل اور سہیل کی ہے۔ آپ نے ان دونوں یتیموں کو بلایا تاکہ ان سے یہ قطعہ خرید کر مسجد بنائیں اور ان کے چچا سے جن کی زیر تربیت یہ دونوں یتیم تھے خرید و فروخت کی گفتگو فرمائی۔ ان دونوں نے کہا ہم اس خرمن کو بلا کسی معاوضہ کے آپ کی نذر کرتے ہیں۔ ہم اللہ کے سوا کسی سے اس کی قیمت کے خواستگار نہیں مگر آپ نے قبول نہیں فرمایا اور قیمت دے کر خرید فرمایا۔

زہریؒ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اس خرمن کی قیمت دے دیں۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ابوبکرؓ نے دس دینار اس کی قیمت میں ادا کیے۔ فتح الباری ص۱۹۲ ج۷

بعد ازاں اس زمین پر جو کھجور کے درخت تھے آپ نے ان کے کٹوانے اور قبور مشرکین کے ہموار کر دینے کا حکم دیا اور اس کے بعد کچی اینٹیں بنانے کا حکم دیا اور خود بنفس نفیس اس کے بنانے میں مصروف ہو گئے اور انصار و مہاجرین بھی آپ کے شریک تھے۔

---

(۱) طبقات ابن سعد۔ ج: ۴، ص: ۵۴

صحابہ کے ساتھ آپ خود بھی اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے اور یہ پڑھتے جاتے۔

هَذَا الْحِمَالُ لَا حِمَالُ خَيْبَرْ هَذَا أَبَرُّ رَبَّنَا وَأَطْهَرْ

یہ خیبر کی کھجوروں کا بوجھ نہیں اے پروردگار یہی بوجھ سب سے عمدہ اور بہتر ہے اور کبھی یہ پڑھتے

اَللّٰهُمَّ إِنَّ الْأَجْرَ أَجْرُ الْآخِرَهْ فَارْحَمِ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَهْ

اے اللہ بلاشبہ حقیقت میں اجر تو آخرت کا اجر ہے پس تو انصار اور مہاجرین پر رحم فرما۔
جو صرف آخرت کے اجر کے طلب گار ہیں ۔ اور ایک روایت میں اس طرح ہے۔

اللهم لا خير الا خير الآخره فانصر الانصار والمهاجره

اے اللہ آخرت کی بھلائی اور خیر کے سوا کوئی خیر اور بھلائی نہیں پس تو انصار اور مہاجرین کی مدد فرما جو صرف آخرت کی بھلائی اور خیر کے خواہاں ہیں (۱)

اور صحابہ کرام کی زبانوں پر یہ تھا۔

لئن قعدنا والنبی یعمل لذاك منا العمل المضلل

اگر ہم بیٹھ جائیں اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کام کریں تو ہمارا یہ عمل یعنی بیٹھ جانا بہت ہی بُرا کام ہوگا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ یہ شعر پڑھتے جاتے تھے۔

لا یستوی من یعمر المساجدا یدأب فیها قائما وقاعدا

جو شخص اٹھتے بیٹھتے تعمیر مسجد میں سرگرداں ہے۔

ومن یری عن التراب حائدا

اور وہ شخص جو کپڑوں سے مٹی اور غبار کو بچاتا ہے دونوں برابر نہیں (۲)

اینٹیں اٹھا اٹھا کر لانے والوں میں عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ بھی تھے عثمان بن مظعون فطری طور پر نظیف الطبع واقع ہوئے تھے مزاج میں صفائی اور ستھرائی بہت تھی۔ جب اینٹ اٹھاتے تو کپڑوں سے دور رکھتے اور جہاں کپڑے پر ذرا بھی

(۱) ایضاً، فتح الباری ج: ۷، ص: ۱۹۳ (۲) فتح الباری۔ ج: ۷، ص: ۱۹۳

غبار پڑ جاتا تو اس کو جھاڑتے (رواہ البیہقی عن الحسن)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ" ومن یری عن التراب حائدا" بطور مزاح عثمان بن مظعونؓ کے سنانے کے لیے پڑھتے تھے (۱) عجب نہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس مزاح میں اس طرف بھی اشارہ فرماتے ہوں کہ ایسی حالت میں بہ نسبت صفائی اور ستھرائی کے گرد و غبار ہی بہتر ہے جیسا کہ حدیث میں ہے الحاج الشعث التفل حاجی تو وہی ہے جو گرد آلود اور میلا کچیلا ہو مسند احمد میں طلق بن علی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو گارا گھولنے کا حکم دیا۔ میں پھاوڑا لے کر گارا گھولنے کیلئے کھڑا ہو گیا۔ صحیح ابن حبان میں ہے کہ میں عرض کیا یا رسول اللہ میں بھی اینٹیں اٹھا کر لاؤں۔

آپؐ نے فرمایا نہیں تم گارا گھولو۔ تم اس کام سے خوب واقف ہو (۲)

یہ مسجد اپنی سادگی میں بے مثل تھی کچی اینٹوں کی دیواریں تھیں کھجور کے تنوں کے ستون تھے۔ اور کھجور ہی کی شاخوں اور پتوں کی چھت تھی جب بارش ہوتی تو پانی اندر آتا اس کے بعد میں چھت کو گارے سے لیپ دیا گیا۔ سو گز لمبی اور تقریباً سو ہی گز عریض تھی اور تقریباً تین ہاتھ گہری بنیادیں تھیں دیواروں کی بلندی اقدم آدم سے زائد تھی۔ دیوار قبلہ بیت المقدس کی جانب رکھی گئی اور مسجد کے تین دروازے رکھے گئے ایک دروازہ

---

(۱) زرقانی۔ ج: ۱، ص: ۳۶۸ (۲) ایضاً۔ ج: ۱، ص: ۳۶۶ (۳) چنانچہ حسن بصری سے مرسلا مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ ابنوہ عریشا کعریش موسیٰ ایسا چھپر بنا دو جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کا چھپر تھا۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے حسن بصری سے پوچھا کہ موسیٰ علیہ السلام کا چھپر کیسا تھا تو فرمایا کہ جب ہاتھ اٹھاتے تھے تو چھپر کو لگتا تھا ایک دوسری روایت میں ہے کہ انصار نے کچھ مال جمع کیا اور آپ سے یہ عرض کیا کہ اس مسجد کو مزین کر دیا جائے تو آپ نے یہ ارشاد فرمایا۔ مابی رغبۃ عن اخی موسیٰ عریش کعریش موسیٰ میں اپنے بھائی موسیٰ کے طریق سے اعراض نہیں کرنا چاہتا۔ بس یہ ایک چھپر ہے۔ موسیٰ کے چھپر کی طرح (البدایۃ والنہایۃ ص ۲۱۵ ج ۳)

اس طرف رکھا گیا جس جانب اب قبلہ کی دیوار ہے اور دوسرا دروازہ مغرب کی جانب میں جسے اب باب الرحمۃ کہتے ہیں اور تیسرا دروازہ وہ کہ جس سے آپ آتے جاتے تھے جسے اب باب جبرئیل کہتے ہیں اور جب سولہ یا سترہ ماہ کے بعد بیت المقدس کا قبلہ ہونا منسوخ ہو کر خانہ کعبہ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم نازل ہوا تو وہ دروازہ جو مسجد کے عقب میں تھا بند کر دیا گیا اور اس کے مقابل دوسرا دروازہ قائم کر دیا گیا۔ علماء سیر کا اس میں اختلاف ہے کہ مسجد کا طول و عرض کتنا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ سو گز لمبی اور سو گز چوڑی تھی خارجہ بن زید فقیہ مدینہ یہ فرماتے ہیں کہ سترہ گز لمبی اور ساٹھ گز چوڑی تھی۔ محمد بن یحیی امام مالک کے تلمیذ یہ فرماتے ہیں کہ شرقاً و غرباً تریسٹھ گز تھے اور شمالاً و جنوباً چون گز اور دو ثلث گز تھے۔ تحقیق یہ کہ مسجد نبوی کی دو مرتبہ تعمیر ہوئی اول جب آپ ہجرت فرما کر ابو ایوب انصاری کے مکان میں فروکش ہوئے۔ دوسرے ۷ھ ہجری فتح خیبر کے بعد بوسیدہ ہو جانے کی وجہ سے آپ نے از سر نو تعمیر کرائی۔ جیسا کہ متعدد احادیث اور مختلف روایات سے ثابت ہے۔ پہلی مرتبہ کی تعمیر میں مسجد کا طول عرض سو گز سے کم تھا اور دوسری مرتبہ کی تعمیر میں سو گز سے کچھ زائد ہی تھا۔ چنانچہ ابن جریج جعفر بن عمرو سے راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کو دو مرتبہ بنایا اول جبکہ آپ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے اس وقت مسجد کا طول و عرض سو گز سے کم تھا۔ دوسرے فتح خیبر کے بعد ۷ھ ہجری میں مسجد کو از سر نو بنایا اور زمین لے کر مسجد میں اور زیادہ کی چنانچہ معجم طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مسجد کی توسیع کا ارادہ فرمایا تو مسجد کے متصل ایک انصاری کی زمین تھی۔ آپؐ نے اُن انصاری سے یہ فرمایا کہ یہ زمین جنت کے ایک محل کے معاوضہ میں ہمارے ہاتھ فروخت کر دو لیکن وہ اپنی عسرت و غربت اور کثیر العیالی کی وجہ سے مفت نہ دے سکے اس لیے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس قطعۂ زمین کو بمعاوضہ دس ہزار درہم ان انصاری سے

خرید کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول جو قطعہ زمین آپ اس انصاری سے جنت کے محل کے معاوضہ میں خرید فرمانا چاہتے تھے وہ اس ناچیز سے خرید فرمالیں۔ آپ نے وُہ قطعہ بمعاوضہ جنت حضرت عثمان سے خرید کر مسجد میں شامل فرمایا اور اوّل اینٹ اپنے دستِ مبارک سے رکھی اور پھر آپ کے حکم سے ابوبکر نے اور پھر عمر اور پھر عثمان اور پھر علی رضی اللہ عنہم نے رکھی۔ یہ حدیث اگرچہ ضعیف الاسناد ہے مگر مسند احمد اور جامع ترمذی کی ایک حسن الاسناد روایت اس کی مؤید ہے وہ یہ کہ جب باغیوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کر لیا تو یہ فرمایا کہ تم کو معلوم نہیں کہ جب مسجد نبوی تنگ ہوگئی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں کوئی ایسا نہیں کہ جو زمین کے فلاں ٹکڑے کو خرید کر بمعاوضہ جنت مسجد میں شامل کر دے اور تم کو خوب معلوم ہے کہ وہ ٹکڑا میں نے ہی خرید کر مسجد میں شامل کیا اور اب تم مجھ کو اسی مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے سے بھی روکتے ہو۔

یہ روایت جامع ترمذی میں ثمامہ بن حزن قیشری سے مروی ہے۔ امام ترمذی نے اس روایت کی تحسین کی ہے اور یہی روایت مسند احمد اور سنن دارقطنی میں احنف بن قیس سے مروی ہے۔ نیز ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جو ۷ھ ہجری میں حاضر خدمت اقدس ہوتے ہیں وہ بھی اس تعمیر میں شریک تھے جیسا کہ مسند احمد میں خود ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابۂ کرام کے ساتھ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم بھی اینٹیں اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے۔ ایک مرتبہ میں سامنے آگیا تو دیکھا کہ آپؐ بہت سی اینٹیں اٹھا کر لا رہے ہیں اور سینۂ مبارک سے ان کو سہارا دیے ہوئے ہیں۔ میں سمجھا کہ آپ بوجھ کی وجہ سے ایسا کیے ہوئے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو دے دیجیے۔ آپؐ نے فرمایا۔ خذ غیرھا یا اباھریرۃ فانہ لا عیش الا عیش الاٰخرۃ (اے ابوہریرہ دوسری اینٹیں اٹھالو۔ تحقیق نہیں ہے زندگی مگر زندگی

آخرت کی)

اب ظاہر ہے کہ ابو ہریرہ کی یہ شرکت بنائے ثانی میں تھی جو فتح خیبر کے بعد ۷ھ میں ہوئی اور جو بنا ۱ھ میں ہوئی اس میں ابو ہریرہ کی شرکت کیسے ممکن ہے نیز عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جو ۸ھ ہجری میں مشرف باسلام ہوئے بنائے مسجد نبوی میں ان کا شریک ہونا دلائل بیہقی میں مذکور ہے اور ظاہر ہے کہ جو شخص ۸ھ ہجری میں مشرف باسلام ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ ۱ھ ہجری کی تعمیر میں کیسے شرکت کر سکتا ہے لامحالہ اُن کی یہ شرکت بنائے ثانی میں سمجھی جائے گی۔ یہ تمام تفصیل وفاء الوفاء اور خلاصۃ الوفاء کے باب چہارم میں مذکور ہے۔

تعمیر حُجرات برائے ازواجِ مطہّرات

جب آپ مسجد کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو ازواج مطہرات کے لیے حجروں کی بنیاد ڈالی اور سرِدست دو حُجرے تیار کرائے ایک حضرت سودہ بنت زمعہ کے لیے اور دوسرا حضرت عائشہؓ کے لیے۔ بقیہ حُجرے بعد میں حسبِ ضرورت تعمیر ہوتے رہے۔

مسجد کے متصل حارثہ بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ کے مکانات تھے جب آپ کو ضرورت پیش آتی تو حضرت حارثہ آپ کو نذر کر دیتے۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے تمام مکانات آپ کی نذر کر دیے۔ اکثر حجرے کھجور کی شاخوں کے اور بعض کچی اینٹوں کے تھے دراز وں پر کمبل اور ٹاٹ کے پردے تھے۔ حجرے کیا تھے۔ زہد اور قناعت کی تصویر اور دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ تھے۔ ان حجروں میں اگرچہ اکثر و بیشتر راتوں کو چراغ نہیں جلتے تھے (بخاری شریف صفحہ ۵۶ ج ۱) اور ضرورت بھی نہ تھی۔ جس گھر میں اللہ کا داعی بشیر و نذیر اور سراج منیر رہتا ہو وہاں کسی شمع اور چراغ کی کیا حاجت کسی نے خوب ہے؛

يَا بَدِيعَ الدَّلِّ وَالغَنَجِ	لَكَ سُلْطَانٌ عَلَى المُهَجِ
اے عجیب و غریب ناز و ادا والے	تیری سلطنت تو دلوں پر ہے

اِنَّ بَيْتًا اَنْتَ سَاكِنُهٗ　　غَيْرُ مُحْتَاجٍ اِلَى السُّرُجِ
جس گھر میں تو رہتا ہو وہ　　کسی چراغ کا محتاج نہیں
وَجْهُكَ الْمَأْمُولُ حُجَّتُنَا　　يَوْمَ يَأْتِى النَّاسُ بِالْحُجَجِ
تیرا مبارک چہرہ ہمارے لیے کافی حجت ہے　　جس دن لوگ اپنی اپنی حجتیں پیش کرینگے

حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں ذرا بڑا ہوگیا تو کھڑے ہوکر حجرے کی چھت کو ہاتھ لگالیا کرتا تھا۔ یہ حجرے سمت مشرق اور شام میں واقع تھے۔ غربی جانب میں کوئی حجرہ نہ تھا (خلاصۃ الوفا ص۱۲۷)

ازواج مطہرات کی وفات کے بعد

ولید بن عبدالملک کے حکم سے یہ تمام حجرے مسجد نبوی میں شامل کرلیے گئے جس وقت ولید کا یہ حکم مدینہ پہنچا ہے تو تمام اہل مدینہ صدمہ سے چیخ اٹھے

ابوامامہ سہل بن حنیف فرمایا کرتے تھے کاش وہ حجرے اسی طرح چھوڑ دئیے جاتے تاکہ لوگ دیکھتے کہ جس نبی کے ہاتھ پر من جانب اللہ دنیا کے تمام خزائن کی کنجیاں رکھ دی گئیں تھیں وہ نبی کیسے حجروں اور کیسے چھپروں میں زندگی بسر کرتا تھا۔ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وازواجہ وذریاتہ واصحابہ وبارک وسلم زرقانی ص۳۷ ج۱۔

اسی اثناء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ اور ابورافع کو مکہ مکرمہ روانہ کیا تاکہ حضرت فاطمۃ الزہراء[1] اور حضرت ام کلثوم اور ام المومنین سودہ رضی اللہ عنہا کو لے آئیں۔

---

[1] حضرت سیدہ اور حضرت ام کلثوم تو زید بن حارثہ اور ابو رافع کے ساتھ مدینہ آئیں اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر حضرت عثمان کے ہمراہ پہلے ہی مدینہ آچکی تھیں۔ حضرت زینب اپنے شوہر العاص بن ربیع کے ساتھ مکہ میں ہی رہیں ابوالعاص ہنوز مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے۔ جنگ بدر میں جب اسیر ہوکر آئے تو آپ نے ان کو اس شرط پر چھوڑا کہ میری بیٹی زینب کو تم بھیج دو چنانچہ ابوالعاص مکہ آئے اور حضرت زینب کو آپ کے پاس پہنچادیا ۱۲ زرقانی ص۳۷ ج۱۔

اور انہی کی ہمراہ ابوبکر صدیق نے عبداللہ بن ابی بکر کو روانہ کیا تاکہ حضرت عائشہ اور اسماء اور ام رومان اور عبدالرحمن بن ابی بکر کو لے آئیں۔

جب زید بن حارثہ سب کو لے لیکر مدینہ پہنچے تو اس وقت آپ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان سے تعمیر کردہ حجروں میں منتقل ہو گئے (رواہ الطبرانی عن عائشہ زرقانی صفحہ ۳۷۰ ج ۱)

زیادات خلفاء راشدین در مسجد خاتم مساجد الانبیاء والمرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں مسجد نبوی میں کوئی اضافہ نہیں کیا صرف جو ستون بوسیدہ ہونے کی وجہ سے گر پڑے تھے ان کی جگہ اسی طرح کھجور کے ستون نصب فرما دیے۔

حضرت عمر نے ۱۷ھ میں قبلہ اور غربی جانب میں مسجد نبوی کو بڑھایا اور شرقی جانب میں چونکہ ازواج مطہرات کے حجرے واقع تھے اس لیے اس جانب میں کوئی اضافہ نہ فرمایا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صرف مسجد کی توسیع فرمائی مگر اس کی اصلی شان اور ہیئت میں کوئی تغیر و تبدل نہیں فرمایا۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کچی اینٹوں سے مسجد کی تعمیر کرائی اور کھجور کے ستون اور کھجور کی شاخوں اور پتوں کی چھت ڈالی اور

عله یہ ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے صحیح مسلم اور نسائی میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں خاتم الانبیاء ہوں اور میری مسجد خاتم المساجد ہے یہ لفظ نسائی کے ہیں مسلم کے الفاظ یہ ہیں میں آخر الانبیاء ہوں اور میری مسجد آخر المساجد ہے مسند بزار وغیرہ میں یہ الفاظ ہیں۔ انا خاتم الانبیاء ومسجدی خاتم الانبیاء یعنی میں خاتم الانبیاء ہوں اور میری مسجد ان مساجد کی خاتم ہے کہ جن مسجدوں کو حضرات انبیاء نے تعمیر فرمایا پس جس طرح آپ کے بعد کوئی اور نبی اور پیغمبر حادث نہ ہوگا اسی طرح آپ کی مسجد کے بعد کوئی پیغمبر مسجد نہ بنائے گا یہ مطلب نہیں کہ آپ کی مسجد کے بعد دنیا میں کوئی مسجد نہ بنے گی ۱۲۔

اس کی اصلی سادگی کو برقرار رکھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں مسجد کی توسیع بھی فرمائی اور بجائے کچی اینٹوں منقش پتھروں اور قلعی چونہ سے اس کی تعمیر کرائی اور ستون بھی پتھر ہی کے لگائے اور سال کی لکڑی کی چھت ڈالی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب اس شان سے مسجد نبوی کی تعمیر کا ارادہ فرمایا تو حضرات صحابہ پر یہ شاق گذرا کہ مسجد نبوی کی سادگی اور ہیئت میں کوئی تغیر و تبدل کیا جائے حضرت عثمان نے جب صحابہ کا بار بار انکار اور ناگواری کراہت کا اظہار دیکھا تو ایک خطبہ میں یہ فرمایا۔

انکم اکثرتم وانی سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم من بنی اللہ مسجدا یبتغی به وجه اللہ له مثله فی الجنة۔ (۱)

تم لوگوں نے اس بارے میں بہت چہ میگوئیاں کی ہیں اور تحقیق میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ محض اللہ کی خوشنودی کے لیے کوئی مسجد بنائے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اسی کے مثل جنت میں ایک محل بنا دیتا ہے۔

ماہ ربیع الاوّل ۲۹ھ میں تعمیر شروع ہوئی اور محرم الحرام ۳۰ھ کو تعمیر ختم ہوئی۔ اس حساب سے زمانہ تعمیر کل دس ماہ ہوتے ہیں (۲)

امام مالکؒ سے منقول ہے کہ جب حضرت عثمان نے مسجد نبوی کی تعمیر شروع کرائی تو کعب احبار یہ دعا مانگتے کہ اے اللہ یہ تعمیر پوری نہ ہو لوگوں نے اس کا سبب دریافت کیا تو یہ فرمایا کہ بس یہ تعمیر ختم ہوئی اور آسمان سے فتنہ اترا (۳)

نمازِ جنازہ کی جگہ

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہجرت

---

(۱) فتح الباری۔ ج: ۱، ص: ۴۵۳ (۲) وفاء الوفاء ج: ۱، ص: ۳۵۶ (۳) فتح الباری ج: ۱: ۸۱

فرما کر مدینہ تشریف لائے تو ہم میں سے جو شخص مرنے کے قریب ہوتا تو ہم آپ کو اطلاع کرتے، آپ تشریف لاتے اور اُس کے لیے استغفار فرماتے۔ مرنے کے بعد دفن تک وہیں تشریف رکھتے۔ اس میں بسا اوقات آپ کو بہت دیر ہو جاتی اس لیے ہم نے یہ التزام کر لیا کہ مرنے بعد آپ کو اطلاع دیا کریں چنانچہ چند روز یہی معمول رہا کہ مرنے کے بعد آپ کو اطلاع دیتے آپ تشریف لاتے اور نماز پڑھتے اور میت کے لیے دعا اور استغفار فرماتے بعض اوقات دفن میں بھی شرکت فرماتے اور بعض اوقات نماز جنازہ سے فارغ ہو کر واپس تشریف لے جاتے۔

بعد ازاں آپ کی سہولت کی غرض سے ہم نے یہ التزام کر لیا کہ جنازہ لیکر خود آپ کے گھر پر حاضر ہو جاتے آپ وہیں اپنے گھر کے قریب جنازہ کی پڑھا دیتے۔ اس وجہ سے اُس جگہ کا نام جہاں آپ جنازہ کی نماز پڑھایا کرتے تھے، موضع الجنائز ہو گیا۔ طبقات ابن سعد صفحہ ۱۰ جلد اول قسم ثانی۔ بخاری[1] میں عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ جنازہ کے لیے مسجد نبوی کے متصل ایک جگہ مخصوص تھی آپ کا مستمر معمول تو یہی تھا کہ آپ مسجد میں جنازہ کی نماز نہیں پڑھتے تھے بعض مرتبہ کسی عارض کی وجہ سے آپ نے صلوٰۃ جنازہ مسجد میں پڑھی ہے (فتح الباری صفحہ ۱۶۱ جلد ۳ باب الصلاۃ علی الجنائز بالمصلی والمسجد۔)

اسی وجہ سے امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے امام شافعیؒ کے نزدیک جائز ہے۔

مواخاتِ مہاجرین و انصار

مہاجرین جب مکہ سے اللہ کے لیے اپنے اہل وعیال خویش واقارب گھر اور بار

---

[1] امام بخاری نے اس حدیث کو جامع صحیح کے متعدد ابواب میں لیا ہے مثلاً باب الصلاۃ علی الجنائز بالمصلی والمسجد ص ۱۷۷ و باب علامات النبوۃ ص ۵۱۳ و کتاب التفسیر ص ۶۵۴ کتاب المحاربین باب الرجم بالبلاط ص ۱۰۰۱ وغیر ذالک۔

چھوڑ کر مدینہ پہنچے تو آپ نے مہاجرین وانصار کو مواخات (بھائی بندی) کا حکم دیا تاکہ وطن اور اہل وعیال سے مفارقت کی وحشت اور پریشانی انصار کی الفت وموانست سے بدل جائے۔ ضرورت کے وقت ایک دوسرے کا معین اور مددگار اور مصیبت کے وقت ایک دوسرے کا غمگسار ہو ضعیف اور کمزور کو قوی اور زبردست کی اخوت سے قوت حاصل ہو اور ضعیف۔ قوی کے لیے قوت بازو بنے اعلیٰ شخص ادنیٰ شخص کے فوائد سے اور ادنیٰ اعلیٰ کے منافع سے مستفید اور منتفع ہو اور مہاجرین و انصار کے منتشر دانے ایک رشتۂ مواخات میں منسلک ہو کر شئ واحد بن جائیں تشتت اور تفرق کا نام ونشان باقی نہ رہے۔ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لیں جو تفرق اور اختلاف بنی اسرائیل کی ہلاکت اور بربادی کا سبب بنا یہ امت مرحومہ اس سے بالکلیہ محفوظ رہے اور اجتماع کی وجہ سے اللہ جل جلالہٗ کا ہاتھ اُن کے سر پر ہو اور اگر زمانہ جاہلیت کے تفاخر اور مباہات کا کوئی فاسد مادۂ قلب میں باقی ہے تو اس رشتۂ مساوات سے اس کا استحصال اور قلع قمع ہو جائے اور قلب بجائے تفاخر اور تعلّی غرور اور نخوت کے تواضع اور مسکنت مواخات اور مواسات سے معمور ہو جائے۔ خادم اور مخدوم۔ غلام اور مولیٰ محمود اور ایاز سب ایک ہی صف میں آجائیں۔ دنیا کے سارے امتیازات مٹ کر صرف تقویٰ اور پرہیزگاری کا شرف اور بزرگی باقی رہ جائے۔ کما قال تعالیٰ۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (۱)	تحقیق اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم وہ ہے کہ جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہو۔

انہیں مصالح کی وجہ سے آپ نے ہجرت مدینہ سے قبل مکہ مکرمہ میں فقط مہاجرین

(۱) الحجرات، آیۃ: ۱۳۔

میں باہمی رشتۂ مواخات قائم فرمایا اور پھر ہجرت کے بعد مہاجرین اور انصار کے مابین مؤاخات فرمائی۔ چنانچہ حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں۔ مواخات دو مرتبہ ہوئی ایک مرتبہ فقط مہاجرین کے مابین تھی کہ ایک مہاجر دوسرے مہاجر کا بھائی قرار دیا گیا اور یہ مواخات مکہ میں ہوئی اور دوسری مؤاخات ہجرت کے بعد مہاجرین اور انصار کے مابین ہوئی۔

چنانچہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرۃ زبیرؓ اور عبداللہ بن مسعود میں مؤاخات فرمائی۔ حالانکہ دونوں حضرات مہاجرین میں سے ہیں۔

اس حدیث کو حاکم اور ابن عبد البر نے روایت کیا اور اسناد اس کی حسن ہے اور حافظ ضیاء الدین مقدسی نے اس حدیث کو۔ مختارہ۔ میں طبرانی کی معجم کبیر کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔ مختارہ کی حدیثیں۔ مستدرک حاکم کی حدیثوں سے بہت زیادہ صحیح اور قوی ہیں۔ مستدرک حاکم میں ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر او عمر میں اور فلاں اور فلاں میں مؤاخات فرمائی میرا بھائی کون ہے آپؐ نے فرمایا میں تیرا بھائی ہوں (۱)

حافظ ابن سید الناس عیون الاثر میں فرماتے ہیں کہ جو مؤاخات ہجرت سے قبل مکہ میں خاص مہاجرین میں ہوئی ان حضرات کے نام حسب ذیل ہیں

۱۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	عمر رضی اللہ عنہ
۲ حمزہ رضی اللہ عنہ	زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ
۳۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ	عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

(۱) فتح الباری۔ ج: ۷، ص: ۲۱۰

۴۔ زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ	عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
۵۔ عبیدۃ بن الحارث رضی اللہ عنہ	بلال بن رباح رضی اللہ عنہ
۶ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ	سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
۷۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ	سالم مولی ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ
۸۔ سعید بن زید رضی اللہ عنہ	طلحۃ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ
۹۔ سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	علی کرم اللہ وجہہ

دُوسری مواخات

دوسری مواخات ہجرت کے پانچ ماہ[1] بعد پینتالیس مہاجرین اور پینتالیس انصار کے مابین حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مکان میں ہوئی اور ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کا بھائی بنایا گیا۔ فتح الباری ص ۲۱۱ ج ۷ جن میں سے بعض کے نام حسب ذیل ہیں۔

مہاجرین	انصار
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	خارجۃ بن زید رضی اللہ عنہ
عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ	عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ
ابوعبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ	سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ
عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ	سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ
زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ	سلامۃ بن سلامۃ بن وقش رضی اللہ عنہ
عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ	اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ
طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ	کعب بن مالک رضی اللہ عنہ
سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ	اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ

[1] اور بعض کہتے ہیں کہ مواخات مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ جس وقت مسجد نبوی تعمیر ہو رہی تھی عیون الاثر ص ۲۰۰ ج ۱

انصار	مہاجرین
ابوایوب خالد بن زید انصاری رضی اللہ عنہ	مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ
عبّاد بن بشر رضی اللہ عنہ	ابوحذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ
حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہما	عمّار بن یاسر رضی اللہ عنہما
منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ	ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ
ابوالدرداء عویمر بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ	سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ
ابورویحہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ	بلال رضی اللہ عنہ
عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ	حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ
عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ	ابومرثد رضی اللہ عنہ
عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ	عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ
ابودجانہ رضی اللہ عنہ	عتبۃ بن غزوان رضی اللہ عنہ
سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ	ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ
ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ	عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ
عمیر بن الحمام رضی اللہ عنہ	عبیدۃ بن الحارث رضی اللہ عنہ
سفیان نسر خزرجی رضی اللہ عنہ	طفیل بن الحارث رضی اللہ عنہ یعنی عبیدۃ بن الحارث کے بھائی۔
رافع بن معلیٰ رضی اللہ عنہ	صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہ
عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ	مقداد رضی اللہ عنہ
یزید بن الحارث رضی اللہ عنہ	ذوالشمالین رضی اللہ عنہ
طلحہ بن زید رضی اللہ عنہ	ارقم رضی اللہ عنہ
معن بن عدی رضی اللہ عنہ	زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ

انصار	مہاجرین
سعد بن زید رضی اللہ عنہ	عمرو بن سراقہ رضی اللہ عنہ
مُبَشِّر بن عبد المنذر رضی اللہ عنہ	عاقل بن بکیر رضی اللہ عنہ
منذر بن محمد رضی اللہ عنہ	خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ
عبادہ بن الخشخاش رضی اللہ عنہ	سرۃ بن ابی رُہم رضی اللہ عنہ
زید بن المزین رضی اللہ عنہ	مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ
مجذر بن دیار رضی اللہ عنہ	عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ
حارث بن صمّہ رضی اللہ عنہ	عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ
سراقہ بن عمرو بن عطیہ رضی اللہ عنہ	مہجع مولی عمر رضی اللہ عنہ علہ

انصار نے جو مواخات کا حق ادا کیا اور جس مخلصانہ ایثار کا ثبوت دیا اولین و آخرین میں اس کی نظیر ملنا ناممکن ہے زر اور زمین مال اور جائداد سے جو مہاجرین کے ساتھ سلوک کیا ہے وہ تو کیا ہی کہ زمین اور باغات مہاجرین کو دے ڈالے ان سب سے بڑھ کر یہ کیا کہ جس انصاری کے دو بیویاں تھیں اس نے اپنے مہاجر بھائی سے یہ کہہ دیا کہ جس بیوی کو تم پسند کرو میں اس کو طلاق دے دیتا ہوں۔ طلاق کے بعد آپ اس سے نکاح کر لیں۔

سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ کوئی انصاری اپنے درہم و دینار کا اپنے مہاجر بھائی سے زیادہ اپنے کو مستحق نہیں سمجھتا تھا۔ زرقانی ص۳۲۷ ج ا

چنانچہ مہاجرین نے انصار کے اس بے مثال ہمدردی اور ایثار کو دیکھ کر آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ جس قوم پر ہم آکر اترے ہیں ان سے بڑھ کر کسی قوم کو ہم نے ہمدرد و غمگسار مخلص اور وفا شعار تنگی اور فراخی ہر حال میں مددگار نہیں دیکھا۔ ہم کو اندیشہ ہے کہ سب اجر انھیں کو مل جائے اور ہم اجر سے بالکل محروم رہ جائیں۔ آپ نے فرمایا نہیں جب تک تم ان کے

علہ عیون الاثر۔ ج: ۱ ص: ۲۰۱

لیے دعا کرتے رہو (اخرجہ ابن سید الناس باسنادہ عن انسؓ) عیون الاثر وقال ابن کثیر ہذا حدیث ثلاثی الاسناد علی شرط الصحیحین ولم یخرجہ احد من اصحاب الکتب الستۃ من ہذا الوجہ (ا) یعنی دعا کا احسان درہم و دینار کے احسان سے کم نہیں بلکہ کچھ زیادہ ہی ہے۔ دراہم معدودہ تو درکنار اگر تمام خزائن عالم کو ترازو کے ایک پلہ میں اور صرف ایک مخلصانہ دعا کو دوسرے پلہ میں رکھ کر تولا جائے تو انشاء اللہ ثم انشاء اللہ یہی دعا کا پلہ بھاری رہے گا اور یہ انشاء اللہ تعلیق اور کی بناء پر نہیں بلکہ تبرکاً اور تادباً کہتا ہوں۔ امام بخاریؒ نے جامع صحیح کی کتاب التوحید کے باب فی المشیئۃ والارادۃ کے ذیل میں بکثرت ایسی حدیثیں ذکر فرمائی جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بطور تعلیق نہیں بلکہ بطور تبرک انشاء اللہ کہنا مذکور ہے۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہما کے پاس جب کوئی سائل آتا اور دعائیں دیتا جیسا کہ سائلین کا طریق ہے تو ام المومنین بھی اس فقیر کو دعائیں دیتیں اور بعد میں کچھ خیرات دیتیں کسی نے کہا اے ام المومنین آپ سائل کو صدقہ بھی دیتی ہو اور جس طرح وہ آپ کو دعا دیتا ہے اسی طرح آپ بھی دعا دیتی ہو فرمایا کہ اگر میں اس کو دعا نہ دوں اور فقط صدقہ دوں تو اس کا احسان مجھ پر زیادہ رہے۔ اس لیے دعا صدقہ سے کہیں بہتر ہے اس لیے دعا کی مکافات دعا سے کر دیتی ہوں تاکہ میرا صدقہ خالص رہے کسی احسان کے مقابلہ میں نہ ہو۔ کذا فی المفاتیح شرح المصابیح لہذا جو شخص دراہم معدودہ دے کر مخلصانہ دعاؤں کا سودا کر سکتا ہے وہ کبھی نہ چوکے اور موقعہ کو ہاتھ سے نہ دے ؎

جمادے چند دادم جان خریدم ۔۔۔ بحمد اللہ زہے ارزان خریدم

یہ رشتۂ مواخات اس قدر محکم اور مضبوط تھا کہ بمنزلہ قرابت ونسب سمجھا جاتا تھا جب کوئی انصاری مرتا تو مہاجر ہی اس کا وارث ہوتا۔ کما قال تعالیٰ۔

---

(۱) البدایۃ والنہایۃ۔ ج: ۳ ص: ۲۲۸

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ هَاجَرُوۡا وَ جَاهَدُوۡا	بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں
بِاَمۡوَالِهِمۡ وَ اَنۡفُسِهِمۡ	نے ہجرت کی اور جان و مال سے جہاد کیا اور
فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَ الَّذِیۡنَ	وہ لوگ جنھوں نے مہاجرین کو ٹھکانہ دیا اور
اٰوَوۡا وَّ نَصَرُوۡۤا اُولٰٓئِکَ	ان کی مدد کی یہ لوگ باہم ایک دوسرے
بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِیَآءُ بَعۡضٍ ؕ (الانفال، ۷۲)	کے وارث ہوں گے۔

چند روز کے بعد میراث کا حکم تو منسوخ ہو گیا اور تمام مومنوں کو بھائی بنا دیا گیا اور یہ آیت نازل فرمائی۔ اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَۃٌ۔

اب مواخات کا رشتہ فقط مواسات یعنی ہمدردی اور غمخواری نصرت و حمایت کے لیے رہ گیا اور میراث نسبی رشتہ داروں کے لیے خاص کر دی گئی۔ (فتح الباری ج۷ ص۲۱۲ زرقانی ج۱ ص۳۷۴)

اذان کی ابتداء

دو نمازیں صبح اور عصر کی تو ابتداء بعثت ہی میں فرض ہو چکی تھیں پھر شب معراج میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں لیکن باستثنائے مغرب سب نمازیں دو دو رکعت تھیں ہجرت کے بعد سفر کے لیے تو دو ہی رکعت باقی رہیں اور حضر میں ظہر اور عصر اور عشاء کی نمازیں چار چار رکعت کر دی گئیں (رواہ البخاری عن عائشہ رضی اللہ عنہا)

اب تک یہ معمول رہا کہ جب نماز کا وقت آتا تو خود بخود لوگ جمع ہو جاتے اس لیے آپ کو یہ خیال ہوا کہ نماز کے لیے کوئی علامت ایسی ہونی چاہیے کہ جس سے تمام اہلِ محلہ بیک وقت سہولت کے ساتھ مسجد میں حاضر ہو جایا کریں۔

کسی نے کہا کہ ناقوس[1] بجا دیا جایا کرے کسی نے کہا بوق[2] بجا دیا کریں کہ لوگ اس کی آواز

---

[1] ناقوس ایک لکڑی کا نام ہے جس کو نصاریٰ اپنے گرجا میں جمع ہونے کے لیے بجاتے تھے جیسے آج کل گھنٹہ یا سنکھ کہتے ہیں ۱۲۔

[2] بوق کے معنی بگل یہ طریقہ یہود کا تھا کہ اپنے معبد میں جمع ہونے کے لیے بگل بجاتے تھے ۱۲۔

سن کر جمع ہو جایا کریں لیکن آپ نے ناقوس کو نصاریٰ کے ساتھ مشابہت پیدا ہو جانے کی وجہ سے رد فرمایا اور بوق بجانے کو یہود کے ساتھ مشابہت پیدا ہو جانے کی وجہ سے رد فرمایا غرض یہ کہ ان دونوں باتوں کو یہود اور نصاریٰ کی مشابہت کی وجہ سے ناپسند فرمایا کسی نے کہا کہ کسی بلند اور اونچی جگہ پر آگ سلگا دیا کریں کہ لوگ اس کو دیکھ کر جمع ہو جایا کریں آپ نے فرمایا یہ طریقہ مجوسیوں کا ہے مجوس کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے اس کو ناپسند فرمایا

مجلس برخاست ہو گئی اور کوئی بات طے نہ ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تفکر اور خیال کا عبداللہ بن زید بن عبد ربہ پر بہت زیادہ اثر تھا۔

اسی اثنا میں عبداللہ بن زید نے یہ خواب دیکھا کہ ایک سبز پوش شخص ناقوس ہاتھ میں لیے ہوئے میری طرف سے گذر رہا ہے۔ میں نے دریافت کیا اس ناقوس کو فروخت کرو گے اس سبز پوش نے کہا تم اس کو خرید کر کیا کرو گے۔ میں نے کہا اس کو بجا کر نماز کے لیے بلایا کریں گے۔ سبز پوش نے کہا میں تم کو اس سے بہتر اور عمدہ تدبیر نہ بتلا دوں میں نے کہا کیوں نہیں۔ ضرور بتلاؤ اس شخص نے کہا اس طرح کہو۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ۔ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ۔ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ۔

اور پھر ذرا ہٹ کر اقامت کی تلقین کی کہ جب نماز کے لیے کھڑے ہو تو اس طرح کہو اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کے بعد دو مرتبہ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ کا اضافہ کیا جب صبح ہوئی تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ خواب بیان کیا۔ سنتے ہی ارشاد فرمایا۔

ان ھذہ لرؤیا حق ان شاء اللہ تعالیٰ — تحقیق یہ خواب بالکل سچا اور حق ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اس مقام پر کلمہ انشاء اللہ تعالیٰ تعلیق اور شک کے لیے نہیں بلکہ تبرک اور تادب کے لیے ہے جیسا کہ ہم عنقریب ذکر کر چکے ہیں۔ (فتذکرہ)

اور بعد ازاں عبداللہ بن زید کو حکم دیا کہ یہ کلمات بلال کو تبلا دیں کہ وہ اذان دے اس لیے کہ بلالؓ کی آواز تم سے زیادہ بلند ہے۔

بلالؓ نے اذان دی۔ حضرت عمرؓ کے کان میں آواز پہنچی اسی وقت چادر گھسیٹتے ہوئے گھر سے نکلے اور آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ۔

وَالذی بعثک	قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپؐ کو
بالحق لقد رایت	حق دے کر بھیجا۔ البتہ تحقیق میں نے بھی
مثل الذی	ایسا ہی دیکھا جیسا عبداللہ بن زید کو دکھلایا
اُری۔	گیا۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فللہ الحمد اس حدیث کو محمد بن اسحٰق نے اس سند سے ذکر کیا ہے۔

قال ابن اسحٰق حدثنی بھذا الحدیث محمد بن ابراھیم التیمی عن محمد بن عبد اللہ بن زید بن عبد ربہ عن ابیہ۔

حاشیہ گذشتہ صفحہ اسی بارے میں عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار کہے ؎

اَحْمَدُ اللہَ ذَا الْجَلَالِ وذا الاکرا	مِ حَمْدًا علی الاذان کثیرًا
میں خداوند ذو الجلال کا اذان کی	نعمت پر بہت بہت شکر کرتا ہوں
اِذ اَتَانِی بہ البشیر من اللہ	فَاَکْرِمْ بہ لَدَیَّ بشیرًا

اللہ کی طرف سے میرے پاس ایک بشیر (بشارت دینے والا) آیا اور کیسا اچھا بشارت دینے والا تھا۔

فی لَیَالٍ دَالٍ بِھِنَّ ثلاث	کُلَّمَا جَاءَ زَادَنِی تَوقیرًا

مسلسل تین رات تک خدا کا بشیر آیا اور برابر میری عزت میں اضافہ کرتا رہا (سنن ابن ماجہ)

اور اسی سند کے ساتھ امام ترمذی اور امام ابو داؤد نے بھی روایت کیا ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے امام بخاری سے محمد بن ابراہیم تیمی کی اس حدیث کی بابت دریافت کیا تو فرمایا کہ میرے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے۔ سنن کبری للامام البیہقی امام ابن خزیمہ اپنی صحیح میں فرماتے ہیں۔

هذا حديث صحيح ثابت من جهة النقل۔ یہ حدیث صحیح ہے اور باعتبار نقل اور سند کے ثابت اور مستند ہے۔

محمد بن یحیٰ ذہلی نے بھی اس حدیث کو صحیح بتلایا ہے امام ترمذی فرماتے ہیں حدیث عبد اللہ بن زید حدیث حسن صحیح (۱)

عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے بیان کیا کہ عبد اللہ بن زید نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص دو سبز چادریں اوڑھے ہوئے ہے اوّل دیوار پر چڑھا اور دو دو مرتبہ اذان دی اور پھر اترا اور دو مرتبہ اقامت کہی۔

حافظ علاء الدین ماردینی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے تمام راوی شرط بخاری پر ہیں جوہر نقی برحاشیہ سنن کبریٰ صفحہ ۴۲۰ ج ۱۔ اور معجم طبرانی اوسط میں ہے کہ ابوبکر صدیق نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا۔ دیکھو۔ الفتوحات الربانیہ علی الاذکار النوویۃ للشیخ ابن علان المکی صفحہ ۷ جلد دوم۔

لطائف و معارف

ایمان کے بعد درجہ نماز کا ہے جس کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا نہایت ضروری ہے اور ایک وقت اور ایک جگہ میں لوگوں کا اجتماع بدون اعلام اور آگاہ ہونے کے دشوار ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجلس میں اس ذکر کیا کسی نے آگ روشن کرنے کا

---

(۱) نیل الاوطار۔ ج: ۲، ص: ۱۶

ذکر کیا اور کسی نے بوق بجانے کا ذکر کیا اور کسی نے ناقوس بجانے کا ذکر کیا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آگ روشن کرنے کو مجوس کے ساتھ مشابہت ہونے کی وجہ سے نامنظور کیا اور بوق کو یہود کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے ناقوس کو نصاریٰ کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے رد فرما دیا بلا کسی بات کی تعیین کے مجلس ختم ہوگئی اور لوگ اپنے اپنے گھر واپس ہو گئے۔

(۱)

اس عرصہ میں عبداللہ بن زید عبدربہ کو اذان اور اقامت خواب میں دکھلائی گئی۔ عبداللہ بن زید نے اپنا خواب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ خواب حق اور صدق ہے یعنی من جانب اللہ ہے القاء نفسانی اور القاء شیطانی سے پاک اور منزہ ہے رؤیاء صالحہ اور الہام سے اگرچہ حکم یقینی نہیں ثابت ہوسکتا لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور تقریر یعنی آپ کے برقرار رکھنے نے اس خواب کو وحی جلی کے حکم میں بنا دیا اور انہی الفاظ کے ساتھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اذان دینے کا حکم دیا یہاں تک اذان کو شعائر دین میں سے اسلام کا ایک عظیم شعار ٹھہرا دیا گیا اور مذہب کا ایک خاص نشان بن گیا۔

(۲)

پھر یہ کہ کلمات اذان کی ترکیب اور ترتیب بھی نہایت عجیب ہے کہ چند کلمات میں اسلام کے تین بنیادی اصول توحید اور رسالت اور آخرت پر مشتمل ہے۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ میں خداوند ذوالجلال کی عظمت و کبریائی کا بیان ہے اور اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں توحید کا اثبات اور شرک کی نفی ہے اور اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ میں اثبات رسالت ہے اور اس بات کا اعلان ہے کہ خدا تعالیٰ کی معرفت اور اس کی عبادت کا طریقہ ہمیں اس نبی برحق کے ذریعہ معلوم ہوا اور اعلان توحید و رسالت کے بعد

لوگوں کو سب سے افضل اور بہتر عبادت (نماز) کی طرف حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ کہہ کر بلایا جاتا ہے پھر اخیر میں حَیَّ عَلَی الْفَلَاح کہہ کر فلاح دائمی کی طرف دعوت دی جاتی ہے جس سے معاد یعنی آخرت کی طرف اشارہ ہو جاتا ہے کہ اگر بقاء دائم اور ہمیشہ کی بہبودی اور کامیابی چاہتے ہو تو مولائے حقیقی کی اطاعت اور بندگی میں لگے رہو فلاح سے آخرت کی دائمی کامیابی مراد ہے اور اخیر میں پھر کہے دیتے ہیں۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ کہ اللہ ہی سب سے اعلیٰ اور برتر ہے اس کے سوا کوئی معبود اور کوئی لائق اطاعت اور بندگی نہیں دیکھو (۱)

جس کو خدا تعالیٰ نے ذرہ بھی عقل سلیم سے کچھ بہرہ عطا فرمایا ہے وہ کلمات اذان کا ایک سرسری ترجمہ ہی دیکھ کر یہ سمجھ سکتا ہے کہ اذان سراسر دعوت حق ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والی آواز ہے اور یہود اور نصاریٰ اور ہنود وغیرہ کا بوق اور ناقوس اور گھنٹہ اور سنکھ سب کھیل اور تماشے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی اور اس کی الوہیت اور وحدانیت کے اعلان سے بندہ خدا تعالیٰ تک پہونچ سکتا ہے گھنٹوں اور طبلوں کے آوازوں سے کبھی خدا تک نہیں پہنچ سکتا۔

ع ایں رہ کہ تو می روی بترکستان است

(۳)

اذان کی مشروعیت بذریعہ خواب کے بظاہر اس لیے ہوئی کہ اذان آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت و رسالت کے اعلان پر مشتمل ہے اور آپ کی نبوت و رسالت کا ڈنکا

---

(۱) قال القرطبی وغیرہ الاذان علی قلۃ الفاظہ مشتمل علی مسائل العقیدۃ لانہ بدء بالاکبریۃ وھی تتضمن وجود اللہ وکمالہ ثم ثنی بالتوحید ونفی الشریک ثم باثبات الرسالۃ لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم ثم دعا الی الطاعۃ المخصوصۃ عقیب الشہادۃ لانہا لاتعرف الا من جہۃ الرسول ثم دعا الی الفلاح وھو البقاء الدائم وفیہ الاشارۃ الی المعاد ثم اعادہ ما اعاد توکیدا۔ فتح الباری ص ۶۲ ج ۲۔

بجانا اور آپ کے دین کی طرف لوگوں کو دعوت دینا یہ خادموں اور غلاموں کا فریضہ ہے

خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

لیلۃ المعراج میں حق تعالیٰ نے بالمشافہ آپ کو نماز کا حکم دیا اور آسمانوں کے عروج و نزول میں آپ کو اذان سنائی گئی۔ آسمان میں فرشتہ نے اذان دی اور آپ نے سنی جیسا کہ خصائص کبریٰ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے (۱)

اور حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ جبریل امین نے آسمان میں اذان دی اور مجھ کو امامت کے لیے آگے کیا۔ بس میں نے فرشتوں کو نماز پڑھائی۔(۲) پھر

پھر ہجرت کے بعد جب نماز کے اجتماع کے لیے اعلام اور اعلان کی ضرورت محسوس ہوئی تو عبداللہ بن زید کو خواب میں اذان اور اقامت دکھائی گئی اور عبداللہ بن زید نے خواب میں جو اذان اور اقامت دیکھی حضور پر نور نے سنتے ہی سمجھ لیا کہ یہ وہی اذان اور اقامت ہے جو میں نے شب معراج میں آسمان پر سنی تھی اس لیے آپ نے سنتے ہی فرمایا۔ انھا لرؤیا حق - یہ سچا خواب ہے یعنی میں نے بحالت بیداری جو شب معراج میں سنا ہے۔ اس کے بالکل مطابق اور موافق ہے۔

(۴)

اذان اور اقامت کے بارے میں روایتیں مختلف آئی ہیں ابو محذورہ کی اذان میں ترجیع آئی ہے جس میں اذان کے انیس کلمے ہیں اور اقامت کے سترہ کلمے ہیں امام شافعیؒ نے ابو محذورہ کی اذان کو اختیار فرمایا۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ نے عبداللہ بن زید کی حدیث کے مطابق اذان کو اختیار فرمایا۔ اسلئے کہ اذان کی اصل مشروعیت عبداللہ بن زید کے خواب سے وابستہ ہے پھر فاروق اعظم نے

(۱) الخصائص الکبریٰ ج: ۱، ص: ۱۶۴ (۲) الخصائص الکبریٰ ج: ۱، ص: ۱۷۶

بھی اسی کے موافق خواب دیکھا۔

اور شیخ[1] ابن علان مکی شرح کتاب الاذکار صفحہ ۲۶ میں فرماتے ہیں کہ معجم طبرانی اوسط میں ہے کہ ابوبکر صدیق نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا۔ اھ

پھر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اس کو رویائے حق فرما کر اس کی تصدیق کی اور اسی کے مطابق بلال کو اذان دینے کا حکم دیا۔ اس لیے کہ عبداللہ بن زید کی اذان اُس اذان کے مطابق تھی کہ جو اذان آسمان پر حضور نے شب معراج میں جبرئیل امین سے سنی تھی اور جبرئیل امین کے کہنے سے فرشتوں کو نماز پڑھائی تھی۔ حدیث میں ہے کہ عبداللہ بن زید نے جب اپنا خواب حضور پُرنور سے بیان کیا تو یہ فرمایا کہ یہ اذان جو تم کو خواب میں دکھلائی گئی ہے بلال کو سکھلا دو کیونکہ وہ تم سے زیادہ بلند آواز ہیں

بعد ازاں بلال آپ کی تمام زندگی بھر آپ کی موجودگی میں وہی اذان دیتے رہے جو عبداللہ بن زید نے اُن کو سکھلائی تھی۔

اور احادیث صحیحہ اور صریحہ سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ عبداللہ بن زید کی اذان میں ترجیع نہ تھی اور یہ ابھی گذر چکا ہے کہ صدیق اکبر اور فاروق اعظم نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا جیسا عبداللہ بن زید نے دیکھا (جس میں ترجیع نہ تھی)

اس لیے امام اعظم ابوحنیفہ نے ان وجوہ کی بنا پر اذان کی اس کیفیت کو افضل قرار دیا کہ جو عبداللہ بن زید کی حدیث میں مذکور ہے۔

(۵)

اذان چونکہ اسلام کا ایک عظیم شعار ہے اور اس کے کلمات میں خاص انوار و برکات

---

[1] وفی اوسط الطبرانی ان ابابکر رضی اللہ عنہ رآہ ایضا وفی الوسیط لہ بضعۃ عشر رجلا الخ کذا فی الفتوحات الربانیہ علی الاذکار النوویۃ ص ۲ ج ۲ وقال العلامۃ الزرقانی ووقع فی الاوسط الطبرانی ان ابابکر ایضا رأی الاذان اخرجہ من طریق زفر بن الہذیل عن ابی حنیفۃ عن علقمۃ ابن مرثد عن ابن بریدۃ عن ابیہ ان رجلا من الانصار الحدیث قال الطبرانی لم یروہ عن علقمۃ الا ابوحنیفۃ زرقانی ص ۳۷۶ ج ۱۔

ہیں اس لیے شریعت میں یہ حکم ہے کہ جب بچہ پیدا ہو تو اس کے کان میں اذان دی جائے تاکہ ولادت کے بعد سب سے پہلے توحید و رسالت کی آواز کان میں پہنچے تاکہ عہد الست کے تجدید و تذکیر ہو جائے

اتانی ہواہا قبل ان اعرف الھوی   فصادف قلبا خالیا فتمکنا

باب ذکر الھجرۃ من مکۃ المکرمۃ الی المدینۃ الشریفۃ

وَاِذْ فَشَا الْاِسْلَامُ بِالْمَدِیْنَۃِ   ھَاجَرَ مَنْ یَّحْفَظُ فِیْھَا دِیْنَہٗ

مدینہ میں جب اسلام پھیل گیا تو صحابہ نے اپنے دین کی حفاظت کے لیے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تاکہ اطمینان کے ساتھ احکام اسلام کو بجا لاسکیں اور امن کے ساتھ خدائے وحدہٗ لاشریک کی بندگی کرسکیں۔

وَعَزَمَ الصِّدِّیْقُ اَنْ یُّھَاجِرَا[1]   فَرَدَّہُ النَّبِیُّ حَتّٰی ھَاجَرَا

مَعًا اِلَیْھَا فَتَرَافَقَا اِلٰی   غَارٍ بِثَوْرٍ بَعْدَ ثُمَّ ارْتَحَلَا

جب مسلمان ہجرت کر کے یکے بعد دیگرے مدینہ روانہ ہونے لگے تو ابوبکرؓ نے بھی ہجرت کا ارادہ فرمایا مگر نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے اپنی معیت اور رفاقت کی خاطر ابوبکر کو ہجرت کرنے سے روک دیا۔ یہاں تک کہ آپ نے اور ابوبکرؓ نے ساتھ ہجرت فرمائی۔ اوّل گھر سے نکل کر دونوں غار ثور میں جاکر چھپے اور تین شب رہ کر دونوں حضرات نے مدینہ کی طرف کوچ فرمایا۔

ومعھما عامرٌ مولی الصدیق   وابن اُریقط دلیلٌ للطریق

اور آپ ہمراہ ابوبکر صدیقؓ کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہؓ تھے اور عبداللہ بن اریقط رہنمائی کے لیے ساتھ تھا۔

---

[1] یہاجرا میں الف اشباع کا ہے اور مصرع ثانی میں حتیٰ ہاجرا میں الف تثنیہ کا ہے جس کی ضمیر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور ابوبکر صدیقؓ کی طرف راجع ہے ۱۲۔

فَاَخَذُوا انْحُو طَرِيقَ السَّاحِلِ   وَالْحَقُّ لِلْعَدُوِّ خَيْرُ شَاغِلِ

پس ساحل کے راستہ سے روانہ ہوئے اور حق تعالیٰ شانہٗ آپ کے دشمنوں کو آپ کے پکڑنے سے مشغول رکھنے والا تھا کہ دشمن مشغول رہیں اور آپ صحیح وسالم مدینہ پہنچ جائیں۔

تَبِعَهُمْ سُرَاقَةُ بْنُ مَالِكٍ   يُرِيْدُ فَتْكًا وهو غَيْرُ فَاتِكٍ

سراقہ نے آپ کا تعاقب کیا اور آپ کو قتل کرنا چاہتا تھا مگر وہ آپ کو کب قتل کرسکتا تھا اس لیے کہ خدا آپ کے ساتھ تھا۔

لَمَّا دَعَا عَلَيْهِ سَاخَتِ الْفَرَسُ   نَادَاهُ بِالْاَمَانِ اِذْ عَنْهُ حُبِسْ

آپ کی نظر مبارک جب سراقہ پر پڑی تو آپ نے بد دعا فرمائی اسی وقت سراقہ کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا۔ سراقہ نے مجبور ہوکر آپ سے امن کی درخواست کی۔

مَرُّوْا عَلٰی خَيْمَةِ اُمِّ مَعْبَدِ   وَهِيَ عَلٰى طَرِيقِهِمْ بِمَرْصَدِ

راستہ میں امّ معبد کے خیمہ پر گذر ہوا جس کا خیمہ راستہ میں گھاٹ کی جگہ میں پڑتا تھا۔

وَعِنْدَهَا شَاةٌ اَضَرَّ الْجُهْدُ   بِهَا وَمَا بِهَا قُوًى تَشْتَدُّ

ام معبد کے پاس ایک بکری تھی جس کو بیماری نے اس قدر لاغر اور دبلا بنا دیا تھا کہ اس میں دوڑنے اور چلنے پھرنے کی بھی قوت نہ رہی تھی کہ وہ کسی طرح چل کر بکریوں کے گلہ کے ساتھ چراگاہ کو جاسکے۔ اس لیے وہ خیمہ ہی میں بندھی ہوئی تھی۔

فَمَسَحَ النَّبِيُّ مِنْهَا الضَّرْعَا   فَحَلَبَتْ مَا قَدْ كَفَاهُمْ وُسْعَا

نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے اپنا دست مبارک اس کے تھن پر پھیرا۔ پس اس نے اس قدر دودھ دیا کہ سب کے لیے خوب کافی ہوگیا اور سب سیراب ہوگئے۔

وَحَلَبَتْ بَعْدُ اِنَاءً اٰخَرَا   تَرَكَ ذَاكَ عِنْدَهَا وَسَافَرَا

اس کے بعد ایک دوسرا برتن دودھ سے دوہا اور وہ دودھ کا بھرا ہوا برتن ام معبد کے پاس چھوڑ کر روانہ ہوئے۔ نیز حافظ عراقی الفیۃ السیرۃ میں فرماتے ہیں

ملہ کلمہ ما نافیہ ۱۲

باب ذکر وصوله صلی اللہ علیہ وسلم الی قباء ثم وصوله المدینۃ الشریفۃ

آپ کا قباء پہنچنا اور پھر وہاں سے مدینہ منورہ پہنچنا

حَتّٰی اَتٰی اِلٰی قُبَآءٍ نَزَلَهَا بِالسَّعْدِ وَالْهَنَآءِ
فِیْ یَوْمِ الْاِثْنَیْنِ لِثِنْتَیْ عَشْرَہٗ مِنْ شَهْرِ مَوْلُوْدٍ فَنِعْمَ الْهِجْرَہٗ

یہاں تک کہ آپ بروز دوشنبہ ماہ ولادت یعنی ماہ ربیع الاوّل کی بارہ تاریخ کو خیر و برکت کے ساتھ قباء میں پہنچے۔

اَقَامَ اَرْبَعًا لَدَیْهِمْ وَطَلَعْ فِیْ یَوْمِ جُمُعَۃٍ وَصَلّٰی وَجَمَعْ
فِیْ مسجد الجمعۃ وھی اوّلُ ما جَمَعَ النبی فیما نَقَلُوا

چار شب قباء میں قیام فرما کر جمعہ کے روز مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں مسجد جمعہ میں جمعہ ادا فرمایا اور یہ آپ کا پہلا جمعہ تھا۔ قباء میں چار روز قیام کرنا یہ ارباب سیر کا قول ہے بخاری اور مسلم کی روایت کا ذکر آئندہ اشعار میں آتا ہے۔

وقیل بَلْ اَقَامَ اَرْبَعَ عَشْرَہْ فِیْهِمْ وَهُمْ یَنْتَحِلُوْنَ ذِکْرَہْ

بعض کہتے ہیں کہ قباء میں چودہ شب قیام فرمایا اور اہل علم اور محققین اسی طرف مائل ہیں

وَهُوَ الذی اخرجه الشیخان لٰکن ما مَرَّ من الاتیان
بمسجد الجمعۃ ویوم الجمعہ لا یستقیم مع هذه المدّہ
اِلَّا علی القولِ یَکُوْنُ القِدْمَہْ الی قبا کانت بیوم الجمعہ

جیسا کہ بخاری اور مسلم میں ہے کہ آپ نے قباء میں چودہ شب قیام فرمایا مگر اس میں اشکال یہ ہے کہ آپ قباء میں بروز دوشنبہ رونق افروز ہوئے اور جمعہ کو مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ نے اس حساب سے قباء میں چار شب قیام فرمایا اگر اسی جمعہ کو مدینہ کی روانگی قرار دی جائے اور دس شب قیام فرمایا۔ اگر آئندہ جمعہ کو روانگی قرار دی جاتے بہر حال بخاری شریف و مسلم کی روایت کی بنا پر چودہ شب کا قیام راست نہیں

بیٹھتا مگر جب کہ قبار میں رونق افروزی بھی بجائے دو شنبہ کے جمعہ کے روز مانی جائے تو پھر شنبہ سے لے کر پنجشنبہ تک چودہ راتیں ہو جاتی ہیں۔

بَنٰی بِھَا مَسْجِدَہٗ وَارْتَحَلَا ۔۔۔ یطیبۃ الفیحاء[1] طابت نُزُلاً

اور قبار کے زمانہ قیام میں مسجد قبار کی بنیاد رکھی اور پھر قبار سے مدینہ کی طرف رحلت فرمائی

فبرکت ناقتہ الماموریۃ ۔۔۔ بموضع المسجد فی الظہیرۃ

پس آپ کی ناقہ جو منجانب اللہ مامور تھی دوپہر کے وقت مدینہ پہونچی اور مسجد نبوی کی جگہ بیٹھ گئی

فحل فی دار ابی ایوبا ۔۔۔ حتی ابتنی مسجدہ الرحیبا

اور ابوایوب انصاری کے گھر میں جاکر اترے یہاں تک کہ آپ نے ایک وسیع مسجد بنائی

وحولہ منازلا لاھلہ ۔۔۔ وحولہ اصحابہ فی ظلہ

اور مسجد کے گرد ازواج مطہرات کیلئے حجرے تعمیر کرائے جب حجروں کی تعمیر ہوچکی تو ابوایوبؓ کے مکان سے حجروں میں منتقل ہوگئے اور آپ کے قرب کی وجہ سے کچھ صحابہ نے بھی آپکے زیرسایہ مکانات بنائے۔

طابت بہ طیبۃ من بعد الردی ۔۔۔ اشرق ما قد کان منہا اسود

مدینہ پہلے ردی اور خراب تھا آپ کی تشریف آوری سے پاکیزہ ہوگیا پہلے مظلم اور تاریک تھا اب روشن اور منور ہوگیا۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جب آپ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو ہر چیز روشن ہوگئی۔ رواہ الترمذی فی المناقب وقال صحیح غریب زرقانی ص ۳۵۹ ج ۱

کانت لمن اوباٗ ارض اللہ ۔۔۔ فزال داءھا بھذا الجاہ

مدینہ کی زمین بڑی وبائی زمین تھی۔ ۔۔۔ مدینہ کی وبا آپ کی برکت سے دور ہوئی

وَنَقَلَ اللہُ بِفَضْلِ رَحْمَۃٍ ۔۔۔ مَا کَانَ مِنْ حُمّٰی بِھَا لِلْجُحْفَۃِ

اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے مدینہ کا بخار۔ جحفہ کی طرف منتقل فرمادیا۔ بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم مدینہ منورہ میں

---

[1] ای الواسعۃ۔ ۱۲

تشریف لاتے تو تمام روئے زمین سے زیادہ مدینہ کی سرزمین میں وبا تھی۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ اے اللہ مدینہ کو پاک وصاف فرما اور اس وبا کو جحفہ کی طرف منتقل فرما۔

یہ حدیث صحیح بخاری کے متعدد ابواب میں مذکور ہے۔ باب فضائل المدینہ اور کتاب المرضیٰ۔ اور کتاب الدعوت میں۔

قال ابن اسحٰق وذکر ابن شهاب الزهری عن عبد الله بن عمرو بن العاص ان رسول الله صلی الله علیه وسلم لما قدم المدینة هو واصحابه اصابتهم حمّی المدینة حتی جهدوا وامرضوا وصرف الله ذلك عن نبیه صلی الله علیه وسلم حتی کانوا مایصلون الا وهم قعود قال فخرج علیهم رسول الله صلی الله علیه وسلم وهم یصلون کذلك فقال لهم اعلموا ان صلوة القاعد علی النصف من صلوة القائم قال فتجشم المسلمون القیام علی مابهم من الضعف والسقم التماس الفضل

عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور آپ کے اصحاب جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تو شدید بخار میں مبتلا ہوئے اور اصحاب اتنے کمزور ہو گئے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے لگے ایک روز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گذرتے ہوئے دیکھا کہ لوگ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں تو یہ فرمایا کہ بیٹھنے والے کی نماز کھڑے ہونے والے کی نماز سے اجر میں نصف ہے اس ارشاد کے بعد صحابہ مشقت برداشت کرتے اور باوجود شدید ضعف اور بیماری کے کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تاکہ قیام کا اجر اور اس کی فضیلت حاصل ہو (سیرۃ ابن ہشام ص ۲۱۶ ج ۱

لیس دجّالٌ ولا طاعون یدخلها فهرزها حصین

مدینہ میں نہ دجال داخل ہو سکے گا اور نہ طاعون۔ مدینہ ان سب آفات کے لیے بمنزلہ حصن حصین (مضبوط قلعہ) کے ہوگا۔ جیسا کہ بخاری اور مسلم میں حضرت ابوہریرہ سے

مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مدینہ کے راستوں پر فرشتوں کا پہرہ ہے نہ اس میں دجال داخل ہو سکتا ہے اور نہ طاعون۔

امام بخاریؒ نے اس حدیث کو فضائل مدینہ اور کتاب الطب اور کتاب الفتن میں ذکر کیا ہے۔

أقام شهرًا ثم بعدُ نزلتُ　　　عليه اتمامُ الصلوة كملت

ایک ماہ قیام کے بعد مقیم کی نمازیں دو رکعتیں بڑھا دی گئیں اور مسافر کی نماز دو ہی رکعت رہی جیسا کہ ابتدار سے ہی تھی۔ جیسا کہ بخاری اور مسلم میں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

اقام شهر اربيع لِصَفَرْ　　　يُبْنىٰ لَهٗ مسجدَه

ماہ ربیع الاوّل سے ماہ صفر تک مسجد نبوی کی تعمیر میں مشغول رہے

وَوَداعَ اليهودَ فى كتابه　　　مَا بَيْنَهم وبين أصحابه

اور اسی اثنار میں یہود اور حضرات صحابہ کے مابین آپ نے ایک تحریری معاہدہ فرمایا جس کو ہم عنقریب ذکر کریں گے۔

وكان أمرُ البدءِ بالاذان　　　رؤيا ابنِ زيدٍ اولعامٍ ثان

اور اذان کی ابتدار۔ عبد اللہ بن زیدؓ کے خواب سے ہوئی یہ واقعہ سنہ ۱ھ یا سنہ ۲ھ میں پیش آیا۔ علمار کا اس میں اختلاف ہے۔

یہودِ مدینہ سے معاہدہ

مدینہ منورہ میں اکثر و بیشتر آبادی اوس و خزرج کے قبائل کی تھی۔ مگر عرصۂ دراز سے یہود بھی یہاں آباد تھے اور ان کی کافی تعداد تھی مدینہ منورہ اور خیبر میں اُن کے مدرسے اور علمی مراکز تھے اور خیبر میں ان کے متعدد قلعے تھے۔ یہ لوگ اہل کتاب تھے

اور سرزمین حجاز میں بمقابلہ مشرکین ان کو علمی تفوق اور امتیاز حاصل تھا۔ ان لوگوں کو کتب سماویہ کے ذریعہ نبی آخر الزمان کے احوال و اوصاف کا بخوبی علم تھا کما قال تعالیٰ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ مگر طبیعت میں سلامتی نہ تھی حق سے حسد اور عناد جحود اور استکبار ان کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا کما قال تعالےٰ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ مکرمہ میں رہے۔ اس وقت بھی یہود۔ قریش کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں اکساتے رہے اور اُن کو تلقین کرتے رہے کہ آپ سے اصحاب کہف اور ذوالقرنین اور روح کے متعلق دریافت کرو وغیرہ وغیرہ جب آپ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو آتش حسد و عناد اور مشتعل ہوگئی اور سمجھ گئے کہ اب ہماری علمی برتری ختم ہوئی اور اہل ہوا و ہوس نے حق کی عداوت میں اپنے پچھلوں کا اتباع کیا۔ ویقتلون النبیین بغیر حق اور اصحاب سبت کی روش اختیار کی۔

علماء اور احبار یہود میں سے جو صالح اور سلیم الفطرت تھے انہوں نے نبی آخر الزمان کی پیش گوئیوں کو ظاہر کیا اور آپ پر ایمان لائے مگر اکثروں نے معاندانہ رویہ اختیار کیا اور حسد اور عناد اُن کے لیے سد راہ بنا اس لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حسد اور عناد اور فتنہ و فساد کے انسداد کے لیے اُن سے ایک تحریری معاہدہ کیا تاکہ ان کے مخالفت اور عناد میں زیادتی [illegible] اور مسلمان اُن کے فتنہ اور فساد سے محفوظ رہ سکیں قرآن کریم یہود کی شرارتوں اور فتنہ پردازیوں کے بیان سے بھرا پڑا ہے۔ اس لیے آپ نے اُن سے معاہدہ کیا تاکہ اُن کے فتنہ و فساد میں ازدیاد اشتداد اور امتداد نہ ہوسکے چنانچہ آپ نے ہجرت مدینہ کے پانچ[1] ماہ بعد یہود مدینہ سے ایک معاہدہ فرمایا جس میں اُن کو

---

[1] اصل معاہدہ تو سیرۃ ابن ہشام اور البدایۃ والنہایۃ ص۲۲۴ میں مذکور ہے مگر اس میں تاریخ کا ذکر نہیں۔ معاہدہ

اپنے دین اور اپنے اموال واملاک پر برقرار رکھ کر حسب ذیل شرائط پر ان سے ایک تحریری عہد لیا گیا۔ مفصل معاہدہ تو سیرت ابن ہشام صفحہ ۱۷۸ج۱ میں اور البدایۃ والنہایۃ صفحہ ۲۲۴ج۳ میں مذکور ہے۔ مگر اُس کا خلاصہ حسب ذیل امور ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

یہ تحریری عہد نامہ ہے محمد نبی اُمّی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے درمیان مسلمان قریش و یثرب کے اور یہود کے کہ جو مسلمانوں کے تابع ہوں اور ان کے ساتھ الحاق چاہیں ہر فریق اپنے اپنے مذہب پر قائم رہ کر امور ذیل کا پابند ہوگا۔

(۱) قصاص اور خون بہا کے جو طریقے قدیم زمانہ سے چلے آرہے ہیں وہ عدل اور انصاف کے ساتھ بدستور قائم رہیں گے۔

(۲) ہر گروہ کو عدل اور انصاف کے ساتھ اپنی جماعت کا فدیہ دینا ہوگا یعنی جس قبیلہ کا جو قیدی ہوگا اس قیدی کے چھڑانے کے لیے زر فدیہ کا دینا اُسی قبیلہ کے ذمہ ہوگا۔

(۳) ظلم اور اثم اور عدوان اور فساد کے مقابلہ میں سب متفق رہیں گے۔ اس بارے میں کسی کی رعایت نہ کی جائے گی اگرچہ وہ کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

(۴) کوئی مسلمان کسی مسلمان کو کسی کافر کے مقابلہ میں قتل کرنے کا مجاز نہ ہوگا اور نہ کسی مسلمان کے مقابلہ میں کسی کافر کی کسی قسم کی مدد کی اجازت ہوگی۔

(۵) ایک ادنیٰ مسلمان کو پناہ دینے کا وہی حق ہوگا جیسا کہ ایک بڑے رتبہ کے مسلمان کو ہوگا۔

(۶) جو یہود مسلمانوں کے تابع ہو کر رہیں گے اُن کی حفاظت مسلمانوں کے ذمہ ہوگی۔ ان پر نہ کسی قسم کا ظلم ہوگا اور نہ اُن کے مقابلہ میں اُن کے دشمن کی کوئی مدد کی جائے گی۔

(۷) کسی کافر اور مشرک کو یہ حق نہ ہوگا کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں قریش کے کسی جان یا مال کو پناہ دے سکے یا قریش اور مسلمانوں کے مابین حائل ہو۔

(۸) بوقت جنگ یہود کو جان و مال سے مسلمانوں کا ساتھ دینا ہوگا۔ مسلمانوں کے خلاف مدد کی اجازت نہ ہوگی۔

(۹) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی دشمن اگر مدینہ پر حملہ کرے تو یہود پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد لازم ہوگی۔

(۱۰) جو قبائل اس عہد اور حلف میں شریک ہیں اگر ان میں سے کوئی قبیلہ اس حلف اور عہد سے علیحدگی اختیار کرنا چاہے تو بغیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے علیحدگی اختیار کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔

(۱۱) کسی فتنہ پرداز کی مدد یا اُس کو ٹھکانہ دینے کی اجازت نہ ہوگی اور جو شخص کسی بدعتی کی مدد کرے گا یا اُس کو اپنے پاس ٹھکانہ دے گا تو اس پر اللہ کی لعنت اور غضب ہے قیامت تک اس کا کوئی عمل قبول نہ ہوگا۔

(۱۲) مسلمان اگر کسی سے صلح کرنا چاہیں گے تو یہود کو بھی اس صلح میں شریک ہونا ضروری ہوگا۔

(۱۳) جو کسی مسلمان کو قتل کرے اور شہادت موجود ہو تو اس کا قصاص لیا جائے گا اِلَّا یہ کہ ولی مقتول دیت وغیرہ پر راضی ہو جائے۔

(۱۴) جب کبھی کوئی جھگڑا یا کوئی باہمی اختلاف پیش آئے تو اللہ اور اُس کے رسول کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ (البدایۃ والنہایۃ ص۲۲۴ ج۳)۔

جن قبائل سے آپ نے یہ معاہدہ کیا ان میں یہود کے تین بڑے قبیلے شامل تھے جو مدینہ اور اطراف مدینہ میں رہتے تھے۔ بنی قینقاع[۱]۔ بنی نضیر[۲]۔ بنی قریظہ[۳]۔ ان قبائل نے چونکہ

---

[۱] ذکر ابن اسحٰق ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وادع الیہود لما قدم المدینۃ وامتنعوا من اتباعہ فکتب بینہم کتابا وکانوا ثلاث قبائل قینقاع والنضیر وقریظۃ فنقض الثلاثۃ العہد طائفۃ بعد طائفۃ فمنّ علی بنی قینقاع واجلی بنی النضیر واستاصل بنی قریظۃ وسیاتی بیان ذلک کلہ مفصلا ان شاء اللہ تعالٰی۔ فتح الباری ص۲۱۴ ج۷

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے گریز کیا۔ اس لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے یہ عہدنامہ لکھوایا تاکہ فتنہ اور فساد نہ پھیلا سکیں مگر تینوں قبیلوں نے یکے بعد دیگرے معاہدے کی خلاف ورزی کی اور اسلام کی دشمنی اور اس کے خلاف سازشوں میں پورا پورا حصّہ لیا اور اپنے کیے کی سزا بھگتی جیسا کہ آئندہ غزوات کے بیان میں آئے گا۔

ابوعبید کتاب الاموال میں فرماتے کہ یہ عہدنامہ جزیہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے لکھا گیا اور اسلام اس وقت ضعیف تھا اور ابتداء میں یہ حکم تھا کہ اگر یہود مسلمانوں کے ساتھ کسی غزوہ میں شرکت کریں تو مالِ غنیمت میں سے اُن کو کچھ دے دیا جائے اسی وجہ سے اس عہدنامہ میں یہود پر یہ شرط عائد کی گئی کہ جنگی اخراجات میں اُن کو بھی حصہ لینا پڑیگا(۱)

تنبیہ: معاہدہ کی عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ یہ معاہدہ مسلمانوں اور یہود کے درمیان اس طور پر ہوا کہ مسلمان متبوع ہوں گے اور یہود ان کے تابع ہوں گے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فریقین کے مسلّمہ حاکم ہیں اور جب کوئی اختلاف پیش آئے گا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف رجوع کرنا ہوگا اور جو آپ فیصلہ فرمائیں گے اس پر عمل کرنا ضروری ہوگا۔

یہ معاہدہ اس نوع کا ہے جیسے اہل اسلام اور ذمیین کے درمیان ہوتا ہے مگر بالکل اُس جیسا نہیں اس لیے کہ ہجرت کے بعد کا وقت اسلام کے اقتدار اور ریاست کا بالکل آغاز ہے صلح حدیبیہ اور فتح مکہ سے اسلامی حکومت کا دور شروع ہوتا ہے۔

بعض مسلمان جو کانگریس کے ساتھ اتحاد کے قائل ہوئے اس اتحاد کے لیے جب اُن کو کتاب وسُنّت میں کوئی گنجائش نہ ملی تو اس معاہدہ سے استدلال شروع کیا۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اس لیے کہ اس معاہدہ کی تمام دفعات از اوّل تا آخر اس امر کی شاہد ہیں (۱) روض الانف ج ۲: ص ۱۷ کہ اسلام کا حکم غالب رہے گا اور غیر مسلم قوم حکم اسلام

کے تابع رہے گی۔ جیسا کہ سیر کبیر وغیرہ میں یہ شرط مصرح ہے ہندو مسلم اتحاد کے حامیوں کی یہ ایک نئی ایجاد ہے اور نیا اجتہاد ہے جس کی دین میں کوئی بنیاد نہیں۔

واقعات متفرقہ ۱ھ

(۱) قبا سے مدینہ منورہ آنے کے بعد کلثوم بن ہدم نے جن کے مکان پر قبا کے زمانۂ قیام میں آپ فروکش رہے انتقال کر گئے (۱)

(۲) مسجد نبوی کی تعمیر سے آپ ہنوز فارغ ہوئے تھے کہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقیب بنی النجار انتقال کر گئے۔ بنو النجار آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آپ ان کی بجائے کسی اور کو نقیب مقرر فرمائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا تم میرے ماموں ہو میں تم سے ہوں اور میں تمہارا نقیب ہوں۔

آپ کا بنی النجار کی نقابت قبول فرمانا یہ بنی النجار کے مناقب میں سے ہے جس پر وہ لوگ فخر کرتے تھے (۲)

(۳) اور اسی سال مشرکین مکہ کے دو سرداروں نے انتقال کیا۔ ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل یعنی عمرو بن العاص فاتح مصر کے والد نے انتقال کیا (۳)

(۴) اور اسی سال مدینہ پہونچنے کے آٹھ ماہ بعد ماہ شوال میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عروسی فرمائی جن سے ہجرت سے قبل حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آپ عقد کر چکے تھے۔

عقد کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر چھ یا سات سال تھی اور رخصت کے وقت نو سال کی تھی۔ بعض کا قول یہ ہے کہ ہجرت کے اٹھارہ ماہ بعد ۲ھ میں حضرت عائشہ سے خلوت فرمائی (۴)

(۵) ہجرت کے بعد جب مسلمان مدینہ منورہ آئے تو مدینہ کے تمام کنویں کھاری

---

(۱) روض الانف۔ ج: ۲ ص: ۱۷ (۱) تاریخ طبری ج: ۲ ص: ۲۵۷ (۲، ۳، ۴) تاریخ طبری ج: ۲ ص: ۲۵۷۔

تھے صرف ایک بیرِ رومہ کا پانی شیریں تھا جس کا مالک ایک یہودی تھا کہ جو بغیر قیمت کے پانی نہ دیتا تھا۔ فقراء مسلمین کو دشواری پیش آئی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بیرِ رومہ کو خرید کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر جنت کے ایک چشمہ کے معاوضہ میں فروخت کیا اور مسلمانوں کے لیے وقف فرمایا کہ جس کا جی چاہے اس سے پانی بھرے۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے حسن فرمایا ہے۔

یہ حدیث نہایت مشہور ہے۔ ترمذی کے علاوہ اور بھی ائمہ حدیث نے اس کی تخریج کی ہے۔ تفصیل کے لیے کنز العمال کی مراجعت کریں (۱)

حضرت عثمان غنیؓ کے اس واقعہ کو امام بخاریؒ نے اجمالاً کتاب المساقات اور کتاب الوقف میں ذکر فرمایا ہے۔

اسلام صرمۃ بن ابی انس رضی اللہ عنہ:

صرمۃ بن ابی انس انصاری نجاری رضی اللہ عنہ ابتداء ہی سے توحید کے دلدادہ اور کفر و شرک سے متنفر اور بیزار تھے ایک مرتبہ دین مسیحی میں داخل ہونے کا ارادہ بھی کیا لیکن (غالباً نصاریٰ کے مشرکانہ عقائد کی بناء پر) ارادہ فسخ کر دیا۔

بڑے عابد و زاہد تھے۔ راہبانہ زندگی بسر کرتے تھے کبھی باریک کپڑا نہ پہنتے تھے ہمیشہ موٹے کپڑوں کا استعمال کرتے تھے۔

عبادت کے لیے ایک خاص کوٹھڑی بنا رکھی تھی جس میں حائضہ اور جنب کو داخل ہونے کی اجازت نہ تھی اور یہ کہا کرتے تھے "اَعبُدُ رَبَّ ابراہیم" ابراہیم علیہ السلام کے رب کی عبادت کرتا ہوں۔

اپنے زمانہ کے بڑے شاعر تھے۔ اشعار تمام تر حکیمانہ وعظ اور نصیحت سے بھرے ہوتے تھے۔

---

(۱) تاریخ طبری: ج ۲، ص: ۲۷۳ ؎ علامہ ابو ہشام نے اپنی سیرۃ میں دو قصیدے بیان کیے ہیں حضرات اہل علم سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۱۸۲ ج ۱ کی مراجعت کریں۔

جب نبی اکرم صلی اللہ وسلم ہجرت فرماکر مدینہ منورہ تشریف لائے تو صرمہ بہت معمر اور بوڑھے ہو چکے تھے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہوئے اور یہ اشعار کہے۔

ثوی فی قریش بضع عشرۃ حجۃ   یذکر لو یلقی صدیقا مواتیا

حضور نے مکہ مکرمہ میں دس سال سے زیادہ قیام کیا لوگوں کو وعظ ونصیحت فرماتے تھے اور اس کے متمنی تھے کہ کوئی دوست اور مددگار مل جائے۔

ویعرض فی اھل المواسم نفسہ   فلم یر من یؤوی ولم یر داعیا

اور اہل موسم پر اپنے نفس کو پیش فرماتے ہیں کہ مجھ کو اپنے یہاں لے جائے اور ٹھکانہ دے مگر کوئی ٹھکانہ دینے والا اور دعوت دینے والا نہ ملا۔

فلما اتانا اظھر اللہ دینہ   فاصبح مسرور بطیبۃ راضیا

پس جب آپ ہمارے پاس تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے دین کو غلبہ عطا کیا اور مدینہ سے مسرور اور راضی ہوتے۔

والفی صدیقا واطمأنت بہ النوی   وکان لہ عونا من اللہ بادیا

اور یہاں آکر دوست بھی ملے اور فرقت وطن کے غم سے بھی اطمینان ہوا اور وہ دوست من جانب اللہ آپ کے لیے کھلا معین اور مددگار رہا۔

یقص لنا ما قال نوح لقومہ   وما قال موسیٰ اذ اجاب المنادیا

آپ ہمارے لیے وہ باتیں بیان کرتے ہیں کہ نوح علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے بیان کیں۔

فاصبح لا یخشی من الناس واحدا   قریبا ولا یخشی من الناس نائیا

اور یہاں آکر ایسے مطمئن ہوئے کہ کسی کا ڈر نہ رہا نہ قریب کا نہ بعید والے کا۔

بذلنالہ الاموال من جل مالنا وانفسنا عندالوغی والتاسیا

ہم نے تمام مال آپ کے لیے نثار کر دیا اور لڑائی کے وقت اپنی جانیں آپ کے لیے قربان کر دیں۔

ونعلم ان اللہ لاشیٔ غیرہ ونعلم ان اللہ افضل ھادیا

اور ہم یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا حقیقۃً کوئی شے موجود ہی نہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ اللہ ہی سب سے بہتر ہدایت کرنے والا ہے اور توفیق دینے والا ہے۔

نعادی الذی عادیٰ من الناس کلھم جمیعا وان کان الحبیب مصافیا

ہم ہر اس شخص کے دشمن ہیں کہ جو آپ کا دشمن ہو اگرچہ وہ ہمارا کتنا ہی محب مخلص کیوں نہ ہو۔

۲ھ ہجری

تحویل قبلہ: جب تک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں رہے۔ اس وقت تک بھی بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے مگر اس طرح کہ بیت اللہ بھی سامنے رہے جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہ صورت نہ ہو سکی کہ دونوں، قبلوں کو جمع فرما سکیں۔ اس لیے بحکم الٰہی سولہ یا سترہ مہینہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔

قبل اس کے کہ تحویل قبلہ کا حکم نازل فرمائیں آپ کے دل میں کعبۃ اللہ کی طرف نماز پڑھنے کا شوق اور داعیہ پیدا فرما دیا۔ چنانچہ آپ بار بار آسمان کی طرف نظر اٹھا اٹھا کر دیکھتے تھے کہ کب کعبۃ اللہ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم نازل ہو۔

چنانچہ نصف ماہ شعبان ۲ھ ہجری میں یہ حکم نازل ہوا۔

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ پس آپ اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں۔

حق جل وعلانے پارۂ دوم کے ابتداء میں ہی تحویل قبلہ کے حکم اور اس کے اسرار و حکم کو تفصیل سے ذکر فرمایا ہے۔ ناظرین کتب تفسیر کی مراجعت کریں۔

صُفّہ اور اصحابِ صُفّہ

تحویل قبلہ کے بعد جب مسجد نبوی کا رُخ بیت اللہ کی طرف ہوگیا تو قبلۂ اوّل کی طرف دیوار اور اس کے متصل جو جگہ تھی وہ اُن فقراء وغرباء کے ٹھہرنے کے لیے بدستور چھوڑ دی گئی کہ جن کے لیے کوئی ٹھکانہ اور گھر بار نہ تھا۔ یہ جگہ صُفّہ کے نام سے مشہور تھی۔

صُفّہ اصل میں سائبان اور سایہ دار جگہ کو کہتے ہیں۔ وہ ضعفاء مسلمین اور فقراء شاکرین جو اپنے فقر پر فقط صابر ہی نہ تھے بلکہ امراء اور اغنیاء سے زیادہ شاکر اور مسرور تھے۔ جب احادیث قدسیہ اور کلمات نبویہ سننے کی غرض سے بارگاہ نبوت و رسالت میں حاضر ہوتے تو یہیں پڑے رہتے تھے۔ لوگ ان حضرات کو اصحاب صفہ کے نام سے یاد کرتے تھے۔ گویا یہ اس بشیر و نذیر اور نبی فقیر[1] کی خانقاہ تھی جس نے بہزار رضاء و رغبت فقر کو دنیا کی سلطنت پر ترجیح دی۔

اور اصحاب صفہ ارباب توکل اور اصحاب تبتّل کی ایک جماعت تھی جو لیل و نہار تزکیۂ نفس اور کتاب و حکمت کی تعلیم پانے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر رہتی تھی نہ ان کو تجارت سے کوئی مطلب تھا اور نہ زراعت سے کوئی سروکار تھا۔

یہ حضرات اپنی آنکھوں کو آپ کے دیدار پُر انوار کے لیے اور کانوں کو آپ کے

---

[1] حافظ ابن تیمیہ قدس سرہ نے الجواب الصحیح میں کسی مقام پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انبیاء سابقین پر افضلیت بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سلیمان علیہ السلام سے اس لیے افضل تھے کہ سلیمان علیہ السلام نبی بادشاہ تھے اور آپ نبی فقیر تھے۔ کما قال موسیٰ علیہ السلام رب انی لما انزلت الی من خیر فقیر ۱۲۔

کلماتِ قدسیہ کے سننے کے لیے اور جسم کو آپ کی صحبت اور معیت کے لیے وقف کر چکے تھے۔

وان حدثوا عنها فكلي مسامع وكلّي اذا حدثتهم السن تتلو

حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے ستّر اصحابِ صُفّہ کو دیکھا کہ ان کے پاس چادر تک نہ تھی فقط تہبند تھا یا کمبل جس کو اپنی گردنوں میں باندھ لیتے تھے اور کمبل بھی اس قدر چھوٹا تھا کہ کسی کے آدھی پنڈلیوں تک پہنچتا اور کسی کے ٹخنوں تک اور ہاتھ سے اس کو تھامتے کہ کہیں ستر نہ کھل جائے۔ بخاری شریف ص ۶۳ ج ۱ باب نوم الرجال فی المسجد۔

واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بھی اصحابِ صفہ میں تھا ہم میں سے کسی کے پاس ایک کپڑا بھی پورا نہ تھا۔ پسینہ کی وجہ سے بدن پر میل کچیل جما رہتا تھا (حلیۃ الاولیا ص ۳۴۱ ج ۱) جو بارگاہ خداوندی میں ہزار نظافتوں سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ تھا۔ یہ حضرات وہی اَشْعَثَ وَاَغْبَرَ (پراگندسر اور گرد آلود) تھے کہ اگر خدا پر قسم کھا بیٹھتے تھے تو خدا ان قسم کو پورا کرتا تھا۔

مجاہد فرماتے ہیں کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ کہا کرتے تھے کہ قسم ہے اس ذات پاک کی کہ جس کے سوا کوئی خدا نہیں کہ میں بسا اوقات بھوک کی وجہ سے اپنا شکم سینہ زمین پر لگا دیتا (تاکہ زمین کی نمی اور برودت سے بھُوک کی حرارت میں کچھ خفت آجائے) اور بسا اوقات پیٹ کو پتھر باندھ لیتا تھا تاکہ سیدھا کھڑا ہو سکوں۔

ایک روز سرِراہ جا کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں ابوبکر صدیقؓ ادھر سے گذرے۔ میں نے ان سے ایک آیت قرآنی کا مطلب دریافت کیا اور غرض یہ تھی کہ وہ میری صورت اور ہیئت کو دیکھ کر کھانا کھانے کے لیے اپنے ہمراہ لے جائیں لیکن ابوبکرؓ چلے گئے (غرض کو سمجھے نہیں)۔

اسی طرح پھر حضرت عمرؓ گذرے ان سے بھی اسی طرح آیت قرآنی کا مطلب دریافت کیا مگر وہ بھی گذرے چلے گئے۔

کچھ دیر بعد ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم (جن کو خداوند ذو الجلال نے خیرات و برکات کا قاسم (تقسیم کرنے والا ہی بنا کر بھیجا تھا) ادھر سے گذرے دیکھتے ہی پہچان گئے اور مسکرائے اور فرمایا اے ابو ہرّ (یعنی اے ابو ہریرہؓ)۔

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں حاضر ہوں آپ نے فرمایا میرے ساتھ چلے آؤ۔ میں آپ کے ساتھ ہو لیا۔ آپ گھر پہونچے۔ دیکھا تو ایک پیالہ دودھ رکھا ہے دریافت فرمایا کہ یہ دودھ کہاں سے آیا۔ گھر والوں نے کہا فلاں نے آپ کو یہ ہدیہ بھیجا ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا اے ابو ہریرہؓ اصحاب صُفّہ کو بلا لاؤ۔

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اصحاب صُفّہ اسلام کے مہمان تھے نہ ان کا گھرانہ اور نہ ان کے پاس کچھ مال تھا غرض یہ کہ ان کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ آپ کے پاس جب کہیں سے صدقہ آتا تو اصحاب صُفّہ کے پاس بھیج دیتے اور خود اس میں سے کچھ نہ لیتے اسلئے کہ صدقہ آپ پر حرام تھا) اور اگر ہدیہ آتا تو خود بھی اس میں سے کچھ تناول فرماتے اور اصحاب صفہ کو بھی اس میں شریک کرتے اس وقت آپ کا یہ حکم دینا کہ اصحاب صُفّہ کو بلا لاؤ۔ میرے نفس کو کچھ شاق گذرا۔ اور اپنے دل میں کہا کہ یہ ایک پیالہ دودھ کا اصحاب صُفّہ کے لیے کافی ہوگا۔ اس دودھ کا تو سب سے زیادہ حقدار میں تھا کہ کچھ پی کر طاقت اور توانائی حاصل کرتا پھر یہ کہ اصحاب صفہ کے آنے کے بعد مجھ ہی کو اس کی تقسیم کا حکم دیں گے اور تقسیم کے بعد یہ امید نہیں کہ میرے لیے اس میں سے کچھ بچ جاتے۔ لیکن اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے چارہ نہ تھا۔

چنانچہ اصحاب صُفّہ کو بلا کر لایا اور آپ کے حکم سے ایک ایک کو بلانا شروع کیا۔ سب سیراب ہو گئے تو میری طرف دیکھ کر آپ مسکرائے اور فرمایا کہ صرف

میں اور تو باقی رہ گئے۔ میں نے عرض کیا بالکل درست ہے۔ آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ اور پینا شروع کرو۔ میں نے پینا شروع کیا اور آپ برابر یہ فرماتے رہے۔

اور پیو اور پیو یہاں تک کہ میں بول اٹھا۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا۔ اب بالکل گنجائش نہیں۔ آپ نے پیالہ میرے ہاتھ سے لے لیا اور اللہ کی حمد کی اور بسم اللہ پڑھ کر جو باقی تھا اس کو پی لیا۔

(بخاری شریف کتاب الرقاق باب کیف کان عیش النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ وتخلیھم من الدنیا)

عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اصحاب صفہ فقیر تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو صحابہ پر تقسیم فرمادیتے تھے کہ جس شخص کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ ایک کو اور جس کے پاس تین کا ہو وہ چوتھے کو اپنے ہمراہ لے جاتے اور علیٰ ہذا (بخاری شریف)

محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ جب شام ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب صفہ کو لوگوں پر تقسیم فرمادیتے کوئی دو کو لے جاتا اور کوئی تین کو اور علیٰ ہذا اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اسی اسی آدمی اپنے ہمراہ لے جاتے اور ان کو کھانا کھلاتے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بھی اہل صفہ میں تھا۔ جب شام ہوتی تو ہم سب آپ کی خدمت میں حاضر ہوجاتے۔ آپ ایک ایک دو دو کو اغنیاء صحابہ کے سپرد فرمادیتے اور جو باقی رہ جاتے ان کو اپنے ساتھ شریک طعام فرماتے۔ کھانے سے فارغ ہوکر ہم لوگ شب کو مسجد میں سو جاتے (فتح الباری باب کیف کان عیش النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ وتخلیھم من الدنیا)۔

مسجد نبوی کے دو ستونوں میں ایک رسّی بندھی رہتی تھی جس پر انصار اپنے باغات

ے عبدالرحمن بن ابی بکر کی اس حدیث کو امام بخاریؒ نے جامع الصحیح میں متعدد مواضع میں ذکر فرمایا ہے مثلاً باب السمر مع الاہل والضیف ص۸۴ ج۱ اور باب علامات النبوۃ فی الاسلام ص۵۰۶ ج۱۔

سے خوشے لالاکر اصحابِ صفّہ کے لیے لٹکا دیتے تھے۔ اصحاب صفّہ ان کو لکڑیوں سے جھاڑ کر کھاتے۔ معاذ بن جبل ان کے منتظم اور نگران تھے۔ وفاء الوفاء صفحہ ۳۲۴ ج ۱۔

عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برآمد ہوئے اور دستِ مبارک میں عصا تھا دیکھا کہ ایک خراب خوشہ لٹکا ہُوا ہے۔ آپ نے اس خراب خوشہ پر عصا لگا کر فرمایا کہ اگر یہ صدقے والا چاہتا تو اس سے بہتر خوشہ صدقہ میں لاسکتا تھا۔

اس[1] حدیث کو نسائی نے روایت کیا ہے سند اس کی قوی ہے۔

ایک دُوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے حکم دیا تھا ہر باغ والا ایک ایک خوشہ لاکر مساکین کے لیے مسجد میں لٹکائے۔ فتح الباری صفحہ ۳۱۳ ج ۱ باب القسمۃ وتعلیق القنو فی المسجد۔

اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا۔

فی کل عشرۃ اقناء قنو یوضع فی المسجد للمساکین۔ طحاوی باب العرایا صفحہ ۳۱۳ ج ۲۔	ہر دس خوشوں میں سے ایک خوشہ لاکر مسجد میں مساکین کے لیے رکھا جانا ضروری ہے۔

سند اس حدیث کی قوی ہے اور راوی تمام ثقہ ہیں۔

مسئلہ: بھوکوں اور پیاسوں کے لیے مسجد میں پانی اور اشیاء خوردنی کا لاکر رکھنا نہایت پسندیدہ اور مستحسن ہے۔

---

[1] حافظ عسقلانی فرماتے ہیں سند اس کی اگرچہ قوی ہے مگر بخاری کی شرط پر نہیں اس لیے امام بخاری نے اس کی تخریج نہیں فرمائی لیکن ترجمۃ الباب (باب القسمۃ وتعلیق القنو فی السلام) میں اسی حدیث کی طرف اشارہ فرمایا جیسا کہ امام ہمام کی عادت ہے ۱۲۔

عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں ایک سال ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا ایک دن فرمانے لگے کاش تو وہ ہمارا زمانہ بھی دیکھتا کہ جب کئی کئی دن ہم پر ایسے گذرتے تھے کہ اتنا کھانا بھی میسر نہ آتا تھا جس سے ہم کمر ہی سیدھی کرلیں۔ یہاں تک کہ مجبور ہو کر پیٹ سے پتھر باندھتے تاکہ کمر سیدھی ہو سکے (اخرجہ احمد) فتح الباری ص ۲۴۲ ج ۱۱ -

فضالۃ بن عبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بسا اوقات اصحاب صفہ بھوک کی شدت کی وجہ سے عین حالت نماز میں بیہوش ہو کر گر جاتے باہر سے اگر کوئی اعرابی اور بدوی آتا تو ان کو دیوانہ اور مجنون سمجھتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آتے اور ان الفاظ میں ان کی دلاسا اور تسلی فرماتے۔

لو تعلمون مالکم عند اللہ لاحببتم ان تزدادوا فقرا وحاجۃ (وفاء الوفاء ص ۳۲۲ ج ۱ واخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ مختصرا ص ۳۳۹ ج ۱)

اگر تم کو یہ معلوم ہو جاتا کہ اللہ کے یہاں تمہارے لیے کیا تیار ہے تو البتہ تم تمنا کرتے کہ ہمارا یہ فقر اور فاقہ اور بڑھ جائے۔

صفاتِ اصحاب صُفّہ رضی اللہ عنہم

عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری اُمت کے چیدہ اور پسندیدہ اور رفیع المرتبت افراد وہ ہیں کہ جن کے متعلق مجھ کو ملاء اعلیٰ (ملائکہ مقربین) نے یہ خبر دی ہے کہ وہ لوگ ظاہر میں خدائے عزوجل کی رحمت واسعہ کا خیال کر کے ہنستے ہیں اور دل ہی دل میں خداوند الجلال کے عذاب عقاب کی شدت کے خوف سے روتے رہتے ہیں۔ صبح و شام خدا کے پاکیزہ اور پاک گھروں یعنی مسجدوں میں خدا کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔

زبانوں سے خدا کو رغبت اور رہبت (امید اور خوف) کے ساتھ پکارتے

رہتے ہیں اور دلوں سے اس کی لقار کے مشتاق ہیں۔ لوگوں پر ان کا بار نہایت ہلکا اور خود ان کے نفوس پر وہ نہایت بھاری اور گراں۔ زمین پر پاپیادہ نہایت آہستگی اور سکون کے ساتھ چلتے ہیں اکڑتے اور اتراتے ہوئے نہیں چلتے چیونٹی کی چال چلتے ہیں یعنی ان کی رفتار سے تواضع اور مسکنت ٹپکتی ہوئی ہوتی ہے

قرآن کی تلاوت کرتے ہیں پرانے اور بوسیدہ کپڑے پہنتے ہیں۔ ہر وقت خداوند ذوالجلال کے زیرِ نگاہ رہتے ہیں۔ خدا کی آنکھ ہر وقت ان کی حفاظت کرتی ہے رہیں ان کی دنیا میں ہیں اور دل ان کے آخرت میں۔ آخرت کے سوا ان کو کہیں کا فکر نہیں ہر وقت آخرت اور قبر کی تیاری میں ہیں۔

از دروں شو آشنا واز بروں بیگانہ باش ۔۔۔ ایں چنیں زیبا روش کم می بود اندر جہاں

بعد ازاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ یہ (وعدہ) اس شخص کے لیے جو میرے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے اور میری دھمکی سے ڈرے (۱)

اسماءِ اصحابِ صُفّہ

اصحابِ صُفّہ کی تعداد کم وبیش ہوتی رہتی تھی۔ عارف سہروردیؒ نے عوارف میں لکھا ہے کہ اصحابِ صُفّہ کی تعداد چار سو تک بھی پہنچی ہے۔

ابوعبدالرحمٰن سلمی اور ابن اعرابی اور حاکم نے ان کے اسماء و احوال جمع کرنے کا اہتمام کیا۔ حافظ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاءؒ میں سب کو جمع کر دیا اور زہاد صحابہ اور اصحابِ صُفّہ کا مفصل تذکرہ لکھا ہے۔

دیکھو فتح الباری ص ۲۴۵ ج ۱۱۔ باب کیف کان عیش النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ وتخلیھم عن الدنیا۔

(۱) حلیۃ الاولیاء۔ ج: ۱، ص: ۱۶۔ علٰہ حلیۃ الاولیاء مصر میں شائع ہو گئی ہے (م ہم س)

جن میں سے بعض کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ابو عبیدہ عامر بن الجراح رضی اللہ عنہ
۲۔ عمار بن یاسر ابوالیقظان رضی اللہ عنہ
۳۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
۴۔ مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ
۵۔ خباب ابن ارت رضی اللہ عنہ
۶۔ بلال بن رباح رضی اللہ عنہ
۷۔ صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ
۸۔ زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ یعنی حضرت عمر بن الخطاب کے بھائی۔
۹۔ ابو مرثد کناز بن حصین عدوی رضی اللہ عنہ۔
۱۰۔ ابو کبشہ مولی رسول اللہ علیہ وسلم رضی اللہ عنہ
۱۱۔ صفوان بن بیضا رضی اللہ عنہ
۱۲۔ ابو عبس بن جبر رضی اللہ عنہ
۱۳۔ سالم مولی ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ
۱۴۔ مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ
۱۵۔ عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ
۱۶۔ مسعود بن ربیع رضی اللہ عنہ
۱۷۔ عمیر بن عوف رضی اللہ عنہ
۱۸۔ عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ
۱۹۔ ابولبابہ رضی اللہ عنہ
۲۰۔ سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ
۲۱۔ ابوبشر کعب بن عمرو رضی اللہ عنہ
۲۲۔ خبیب بن سیاف رضی اللہ عنہ
۲۳۔ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ
۲۴۔ جندب بن جنادہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ
۲۵۔ عقبۃ بن مسعود ہذلی رضی اللہ عنہ
۲۶۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ۔ نکاح سے پہلے ابن عمر اہلِ صفہ کے ساتھ رہتے تھے اور انہی کے ساتھ مسجد میں شب گذارتے تھے۔
۲۷۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ
۲۸۔ حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ
۲۹۔ ابوالدرداء عویمر بن عامر رضی اللہ عنہ
۳۰۔ عبداللہ بن زید جہنی رضی اللہ عنہ

۳۱- حجاج بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ
۳۲- ابوہریرہ دوسی رضی اللہ عنہ
۳۳- ثوبان مولیٰ رسول اللہ صلی علیہ وسلم رضی اللہ عنہ
۳۴- معاذ بن الحارث رضی اللہ عنہ
۳۵- سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ۔
۳۶- ثابت ودیعہ رضی اللہ عنہ۔
(مستدرک صفحہ ۱۸ ج ۳)

صوم رمضان

اسی سال شعبان کے اخیر عشرہ میں رمضان کے روزے فرض ہوئے اور یہ آیت نازل ہوئی۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ (۱)

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ اور عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو صوم عاشورا یعنی دسویں محرم کے روزہ رکھنے کا حکم دیا جب رمضان کے روزے فرض ہوتے تو ارشاد فرمایا کہ اب صوم عاشوراء کے متعلق اختیار ہے چاہے روزہ رکھے اور چاہے افطار کرے (بخاری شریف)

سلمۃ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشوراء کے دن ایک شخص کو یہ حکم دیا کہ لوگوں میں منادی کرائے کہ جس شخص نے نہ کھایا ہو وہ روزہ رکھ لے اور جس نے کھالیا وہ بھی شام تک روزہ داروں کی طرح نہ کھائے (بخاری شریف باب اذا نوی بالنہار صوما) تفصیل کے لیے فتح الباری اور طحاوی کی مراجعت کریں۔

زکوٰۃ الفطر اور نماز عید

ماہ رمضان کے ختم ہونے میں دو دن باقی تھے کہ صدقۃ الفطر اور صلاۃ العید کا حکم

(۱) البقرہ، آیۃ : ۱۸۵

نازل ہوا۔ اور یہ آیت نازل ہوئی۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى۔ (الاعلیٰ، ۱۴)

تحقیق فلاح پائی اس شخص نے کہ جو باطنی نجاستوں اور کدورتوں سے پاک ہوا اور اللہ کا نام لیا اور عید کی نماز پڑھی۔

عمر بن عبدالعزیز اور ابوالعالیہ اس آیت کی اس طرح تفسیر فرماتے تھے۔ فلاح پائی اس شخص نے جس نے زکوٰۃ فطر ادا کی اور عید کی نماز ادا کی (۱)

صلاۃ الاضحیٰ اور قربانی

اور اسی سال بقرعید کی نماز اور قربانی کا حکم ہوا۔ اور یہ آیت نازل ہوئی۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝

اللہ کے لیے عید کی نماز ادا کیجیے اور قربانی کیجیے۔

حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں صلاۃ الاضحیٰ (بقرعید کی نماز) اور قربانی مراد ہے۔ احکام القرآن للجصاص ص۴۷۵ ج ۳

درود شریف

ابوذر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا حکم بھی ۲ھ میں نازل ہوا اور بعض کہتے ہیں شب معراج میں یہ حکم ہوا (فتح الباری۔ تفسیر سورۃ الاحزاب ص۴۱۱ ج ۸)

زکوٰۃ المال

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ مال کی سالانہ زکوٰۃ کب فرض ہوئی۔ جمہور کا قول یہ ہے کہ بعد ہجرت کے فرض ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ ۱ھ میں اور بعض کہتے ہیں کہ ۲ھ میں صوم رمضان کی فرضیت کے بعد فرض ہوئی۔

(۱) احکام القرآن۔ للجصاص۔ ج: ۳، ص: ۴۷۳

مسند احمد اور صحیح ابن خزیمہ اور نسائی اور ابن ماجہ میں قیس بن سعد رضی اللہ عنہ سے باسناد صحیح مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کا حکم نازل ہونے سے پیشتر ہم کو صدقۃ الفطر دینے کا حکم فرمایا۔ امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ مال ہجرت سے پہلے فرض ہوئی جیسا کہ ہجرت حبشہ کے واقعہ میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ جب نجاشی نے حضرت جعفرؓ سے دریافت کیا کہ تمہارے نبی تم کو کس چیز کا حکم کرتے ہیں تو حضرت جعفرؓ نے یہ جواب دیا۔

انه یامرنا بالصلاۃ والزکوٰۃ والصیام۔ (فتح الباری ص۲۱۱ ج۳)

تحقیق وہ نبی ہم کو نماز اور زکوٰۃ اور روزہ کا حکم دیتا ہے۔

حافظ عراقی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وفیہ فرض الصوم والزکاۃ للفطر والعیدین بالصلاۃ
بخطبتین بعد والاضحیۃ کذا زکوٰۃ مالهم والقبلہ

اور اسی دوسرے سال میں رمضان کے روزے اور زکوٰۃ الفطر یعنی صدقۃ الفطر اور عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز شروع ہوئی اور عید کی نماز کے بعد دو خطبے اور قربانی اور زکوٰۃ مال بھی اسی سال شروع ہوئی اور اسی سال تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا۔

للمسجد الحرام والبناء بعائش کذلك السن هراء

اور اسی سال عائشہ صدیقہؓ سے عروسی کی اور اسی سال حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کا حضرت علیؓ سے نکاح فرمایا۔ واللہ سبحانہٗ تعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جہاد فی سبیل اللہ

حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا مبعوث ہونا اللہ جل جلالہ کی ایسی عظیم الشان نعمت ہے کہ ہر بن مو بھی اگر زبان بن جائے تو کسی طرح اس نعمتِ کبریٰ کا شکر ادا نہیں ہو سکتا اگر ان حضرات کا وجود باوجود نہ ہوتا تو اللہ جل شانہ کی ذات و صفات کی ہم گمراہوں کو کون بتلاتا اور مولائے حقیقی کی مرضیات اور نامرضیات سے ہم کو کون آگاہ کرتا۔ اور اس معبودِ برحق کی عبادت اور بندگی کے طریقے کون سکھاتا۔ ہدایت اور ضلالت، سعادت اور شقاوت کا فرق کون سمجھاتا۔ معاش اور معاد اور دین اور دنیا۔ فقیری اور درویشی۔ اور حکمرانی اور عدل عمرانی کی راہیں ہم کو کون سمجھاتا مسجد کے بوریے پر بیٹھ کر کیسے حکومت کی جا سکتی ہے اور قیصر و کسریٰ کا تختہ کیسے الٹا جا سکتا ہے مسجد کا امام بھی اور امیرِ مملکت بھی ہو اور شیخِ طریقت بھی اور مسجد کے صحن میں قیصر و کسریٰ کے خزانے مسلمانوں میں تقسیم کرتا ہو یہ امر سوائے حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کوئی نہیں بتلا سکتا ہماری ناقص عقلیں بغیر نورِ نبوت کی رہنمائی اور ہدایت کے بالکل معطل اور بے کار ہیں۔

آنکھ کتنی ہی روشن اور بصیر کیوں نہ ہو۔ جب تک آفتاب اور ماہتاب کا نور معین اور مددگار نہ ہو۔ اس وقت آنکھ بے کار ہے۔ اسی طرح سے نورِ عقل اور نورِ بصیرت سے حق اور باطل کا فرق جب ہی نظر آ سکتا ہے کہ جب نورِ نبوت اور شمعِ ہدایت اس کی ہادی اور رہنما ہو۔ جس طرح شب دیجور میں آنکھ کی روشنی کام نہیں دیتی اسی طرح ضلالت اور گمراہی کے شب تاریک میں عقل کی روشنی کام نہیں دیتی۔

عقل بھی اگرچہ حجت ہے مگر ناتمام ہے مرتبہ بلوغ تک نہیں پہونچی حجت بالغہ تو انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی بعثت ہے جس پر آخرت کے دائمی عذاب و ثواب اور جزاء و سزا کا مدار ہے۔ مطلق اطفال اند جز مست خدا ہے نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا یہ اندھی اور لولی اور لنگڑی عقل۔ خداوند ذوالجلال کے اسماء حسنیٰ اور صفات علیا اور اس کی مرضیات اور نامرضیات کو بغیر حضرات انبیاء اللہ علیہم الف الف صلوات اللہ کے تعلیم وارشاد کے کہاں جا سکتی ہے۔

الحاصل حضرات انبیاء اللہ کی بعثت عین رحمت اور عین نعمت ہے کہ جس پر دنیا اور آخرت کی سعادت اور فلاح کا مدار ہے، حق جل وعلا نے حضرت آدم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ کا آغاز فرمایا اور یکے بعد دیگرے بندوں کی ہدایت کے لئے پیغمبر بھیجے تاکہ لوگوں کو مولائے حقیقی کی اطاعت کی دعوت دیں اور اس کی نافرمانی سے بچائیں مطیع اور فرمانبرداروں کو جنت کی بشارت سنائیں نافرمانوں اور سرکشوں کو جہنم سے ڈرائیں۔

جو سعید اور خوش نصیب تھے انھوں نے اس نعمت کبریٰ کی قدر کی اور اللہ کا شکر کیا، اور دنیا سے دامن جھاڑ کر حضرات انبیاء اللہ کا دامن پکڑا اور اپنے ارادوں اور خواہشوں اور مرضیات و مرغوبات سے دست بردار ہو کر اپنی ہر حرکت اور سکون کو حضرات انبیاء کے اشاروں کے تابع کر دیا اور اپنے کو ان حضرات کے ایسا حوالہ اور سپرد کیا کہ جیسا مردہ بدست زندہ ہو اور جو بے وقوف اور بدنصیب تھے انھوں نے اس نعمت کبریٰ کی قدر نہ جانی اور تکلیفات شرعیہ اور اوامر الٰہیہ کی بجا آوری ان پر شاق گزری اور حیوانات اور بہائم کی طرح شتر بے مہار بنا رہنا اپنے لئے پسند کیا اور اس شرف اور کرامت پر نظر نہ کی کہ خداوند ذوالجلال نے اپنے اوامر ونواہی کے خطاب سے ہم کو عزت بخشی اور بجائے اس کے نفس امارہ اور شیطان لعین کی تسویل اور اغواء سے انبیاء اللہ کے انکار و تکذیب دشمنی اور مقابلہ پر تل گئے۔ خدا اور خدا کے برگزیدہ بندوں کی اطاعت کو عار اور ذلت سمجھا اور نفس

شیطان کی اطاعت کو عزت سمجھا حضراتِ انبیاء ان کو نہایت ملاطفت اور نرمی سے خدائے برتر کی طرف بلاتے رہے۔

جس طرح مشفق اور مہربان باپ، نالایق اولاد کی اصلاح و تربیت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتا اسی طرح حضرات انبیاء نے اپنے مخلصانہ نصائح اور مشفقانہ مواعظ سے امت کے نالایق اور بدبخت افراد کی تفہیم اور اصلاح میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا۔

ایک مدتِ مدید اور عرصہ دراز تک نہایت ملاطفت اور نرمی سے ان کو اللہ کی طرف بلاتے رہے مگر وہ بدنصیب دن بدن اور اللہ سے دور بھاگتے گئے۔ کما قال تعالیٰ۔

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّ نَهَارًا ۙ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيْٓ اِلَّا فِرَارًا ۞ وَاِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۞

(نوح، آیۃ ۵، ۶)

نوح علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے پروردگار میں نے اپنی قوم کو دن و رات مسلسل اللہ کی طرف بلایا پس میرے بلانے سے سوائے حق سے بھاگنے کے اور کسی چیز میں زیادتی نہ ہوئی اور میں نے جب کبھی ان کو حق کی دعوت دی تاکہ ان کے ایمان لانے سے تو ان کے گناہوں کو معاف کرے تو ان لوگوں نے نفرت کی وجہ سے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور کپڑوں میں لپٹ گئے اور اپنی ضد پر جمے رہے اور غایت درجہ سرکشی کی۔

جب حضرات انبیاء نصیحت کرتے کرتے تھک گئے اور ان پر کوئی اثر نہ ہوا بلکہ ان کی سرکشی اور شرارت اور بڑھتی گئی اور خدا کے پرستاروں کو خدائے قدوس کا نام لینا دشوار ہو گیا اور انبیاء اللہ اور ان کے اصحاب اور متبعین کے تکلیف و تعذیب اور استہزاء اور تمسخر پر تُل گئے تب اللہ نے ان پر عذاب نازل فرمایا۔ مؤمنین مخلصین کو بچایا اور منکرین اور مکذبین کو ہلاک اور برباد کیا۔ کسی کو غرق کیا اور کسی کو زمین میں دھنسایا اور کسی پر آسمان سے پتھر برسائے اور کسی پر زلزلہ بھیجا۔

کسی پر تند ہوا مسلط کی اور کوئی بندر اور سور بنایا گیا۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْ ذٰلِكَ كُلِّهٖ اٰمِیْن ۔ الغرض انبیاء و مرسلین کے منکرین اور مکذبین کا اس طرح عذاب خداوندی سے ہلاک اور برباد ہونا تاریخ عالم کے مسلمات سے ہے جس میں کسی کو اختلاف نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ اصل عذاب دینے والا ہی عزیز منتقم ہے لیکن ظہور اس کا ہمیشہ کسی حجاب اور واسطہ ہی سے ہوتا ہے جس کو بھی اپنے دشمنوں کے ہلاک کرنے کا حکم دیتا ہے وہی بے چون و چرا اس کے حکم کی تعمیل کرتا ہے۔

کبھی دریا کو اپنے دشمنوں کے غرق کر لینے کا حکم دیا اور کبھی زمین کو دھنسانے کا اور ہوا کو پارہ پارہ کرنے کا اور کبھی فرشتوں کو ان کے ہلاک اور برباد کرنے کا حکم دیا۔

خلاصہ

یہ کہ جب سے خداوند عالم کی نافرمانی اور احکم الحاکمین اور اس کے وزراء و نائبین یعنی انبیاء و مرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین سے بغاوت اور سرکشی کا سلسلہ جاری ہے، اسی وقت سے ان کی تعذیب و بربادی اور قسم قسم کے عذابوں سے اُن کی ہلاکت اور رسوائی کا سلسلہ بھی جاری ہے جو عین حکمت اور عین مصلحت ہے، پس جس طرح ملائکۃ اللہ (فرشتوں) کے ہاتھوں سے حضرات انبیاء و مرسلین کے منکرین اور مکذبین کو عذاب دینا عین حکمت اور عین صواب ہے۔

اسی طرح خود حضرات انبیاء و مرسلین اور اُن کے اصحاب متبعین کے ہاتھوں سے بھی منکرین اور مکذبین کو عذاب دینا عین حکمت اور عین صواب ہے، کما قال تعالیٰ

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ　ان کافروں سے جہاد و قتال کرو تاکہ اللہ ان کو عذاب دے تمہارے ہاتھوں سے۔

(التوبہ۔ آیۃ: ۱۴)

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ جو عذاب بندوں کے ہاتھ سے ظاہر ہوتا ہے وہ حقیقت میں اللہ کا فعل ہے بندہ کا ہاتھ اُس کے فعل (عذاب) کے لئے محض مظہر اور واسطہ ہے جس طرح

ضرب اور قتل بعض مرتبہ ضارب سے بلا واسطہ صادر ہوتی ہے اور بعض مرتبہ تیر اور تلوار کے واسطہ سے اسی طرح عذاب الٰہی کا ظہور کبھی بلا واسطہ ہوتا ہے اور کبھی انسان یا فرشتہ کے ہاتھ سے اس کا ظہور ہوتا ہے۔

وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ	اور ہم منتظر ہیں کہ اللہ تعالیٰ تم کو براہِ راست
يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ	اپنی طرف سے عذاب پہونچائے یا ہمارے
عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا۔ ؎	ہاتھوں کے ذریعے۔

یہ عذاب الٰہی کبھی فقط فرشتوں کے ہاتھ سے ظاہر ہوتا ہے اور کبھی فقط انسانوں کے ہاتھ سے بشکل جہاد و قتال ظہور میں آتا ہے اور انسانوں اور فرشتوں دونوں کے ہاتھ سے عذاب الٰہی کا ظہور ہوتا ہے جیسے جنگ بدر میں کفار مکہ کا قتل صحابہ کرام کے ہاتھ سے ظہور میں آیا اور ملائکہ کرمین کے ہاتھ سے بھی مومنین مخلصین اور ملائکہ مکرمین دونوں فریق نے مل کر محمد رسول اللہ صلے علیہ وسلم کے منکرین اور مکذبین کا مقابلہ اور اُن سے مقاتلہ کیا تفصیل انشاء اللہ العزیز عنقریب غزوۂ بدر کے بیان میں آنے والی ہے چونکہ قاعدہ یہ ہے کہ مجرم کا قتل امیر اور حاکم کی طرف منسوب ہوتا ہے جلاد اور سیاف (تلوار چلانے والے) کی طرف منسوب نہیں ہوتا اس لئے ارشاد فرمایا:

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ	سو ان کو تم نے نہیں مارا بلکہ اللہ نے ان کو مارا
قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ	اور آپ نے مشت خاک نہیں پھینکی جس وقت
لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۝ (الانفال، آیۃ: ۱۷)	کہ آپ نے پھینکی لیکن وہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔

یعنی ان باغیوں کے قاتل حقیقت میں ہم ہیں اور تم محض آلہ اور واسطہ ہو جس طرح تیر اور تلوار تمہارے افعال کے لئے آلہ اور واسطہ ہیں اسی طرح تم ہمارے افعال کے لئے مثل تیر اور کمان کے واسطہ اور مظہر ہو۔ قال ابو الطیب۔

؎ التوبہ: آیۃ: ۵۲)

فانت حسام الملک واللہ ضارب وانت لواء الدین واللہ عاقد

پس تو تلوار ہے سلطنت کی اور اللہ مارنے والا ہے اور تو دین کا جھنڈا ہے، اور اللہ اس کو باندھنے والا ہے بلکہ بجائے فرشتوں کے انسانوں کے ہاتھ سے جہاد و قتال کی شکل میں عذاب الٰہی کا ظہور ایک خاص رحمت ہے اس لئے کہ فرشتوں کے ذریعہ سے جن امتوں کو ہلاک کیا گیا ان کو پھر مہلت نہیں ملی۔ اور جن امتوں سے انبیاء و مرسلین اور ان کے متبعین نے جہاد و قتال کیا ان کو مہلت ملی سنبھلنے کا اور سننے کا اور حق میں غور اور فکر کرنے کا کافی اور وافی موقع ملا۔ چنانچہ بہت سے یہ دیکھ کر تائید ربانی اور حمایت رحمانی اور نصرت آسمانی اور ان حضرات کی حامی اور مددگار ہے اور خداوند ذوالجلال کے فرشتوں کا بے شمار لشکر ان کے دشمنوں کو غیظ و غضب کی نظروں سے دیکھ رہا ہے حق کے سامنے جھک پڑے اور سمجھ گئے کہ یہ خدا کے فرستادہ ہیں آسمان اور زمین بر اور بحر شجر اور حجر سب ان کی حمایت پر ہیں ان حضرات کے سامنے گردن تسلیم خم کرنے ہی میں سلامتی ہے اور جو ازلی شقی اور بدنصیب تھے وہ پھر بھی بے حیائی اور ڈھٹائی سے مقابلہ پر ڈٹے رہے، نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا میں بھی رسوا ہوئے اور آخرت کی ذلت کا تو پوچھنا ہی کیا دنیا میں دیکھ لیجئے کہ مراحم خسروانہ سے بڑے سے بڑا قصور معاف ہو سکتا ہے لیکن بغاوت کی سزا سوائے قتل اور حبس دوام کے کچھ نہیں۔ حالانکہ یہ بھی انسان ہے اور وہ بھی انسان۔

ایام معدودہ (چند روزہ) کی مجازی بادشاہت جرم بغاوت کو ناقابل عفو قرار دیتی ہے اور تمام عقلاء اسکو حق اور صواب، بجا اور درست سمجھتے ہیں حالانکہ باغی شخص نہ بادشاہ کا مخلوق اور پیدا کیا ہوا ہے اور نہ ذرہ برابر کسی چیز میں اس کا محتاج ہے۔

معلوم پھر اس احکم الحاکمین اور رب العالمین اور خدائے ذوالجلال اور کبیر متعال اور اس کے وزراء و نائبین یعنی حضرات انبیاء و مرسلین سے بغاوت (کفر) کو کیوں معمولی اور حقیر سمجھتے ہو اور خداوند قدوس کے وزراء سے سرتابی کرنے والوں کی سرکوبی اور احکام الٰہیہ سے گردن کشی کرنے

والوں کی گردن کُشی کو کیوں ظلم اور تعدی خیال کرتے ہو۔

سلاطین عالم کا اپنے مخالفوں پر فوج کشی کر کے کسی کو قتل کرنا اور کسی کو اسیر کرنا اور اُن کے مال اور اسباب کو ضبط کرنا اور پھر اُس مال کو خیر خواہان سلطنت اور وفاداران حکومت پر بطور انعام تقسیم کرنا عین شان شوکت وسلطنت کا اقتضار سمجھتے ہو، لیکن اس احکم الحاکمین اور شہنشاہِ سموات وارضین سے بغاوت (کفر) کرنے والوں سے جہاد وقتال اور ان کو اسیر اور گرفتار کرنے اور اُن کے غلام بنانے اور اُن کے مال ومتاع کے ضبط کرنے پر اعتراض کرتے ہو۔

پس جس طرح جنگ میں دشمن کو جانی نقصان پہونچانا عین سیاست اور فوجی تدبیر کا کمال ہے اسی طرح دشمن کی جنگی اور مالی قوت پر قبضہ کر لینا بھی فوجی تدبیر کا کمال ہے۔ عجیب بات کہ یورپ دشمن کی مالی قوت پر قبضہ کرتا ہے تو اس کو سیاست اور فوجی تدبیر بتلایا جاتا ہے اور جب اسلام خدا کے باغیوں کی مالی قوت پر قبضہ کرنے کے لئے کوئی پیش قدمی کرتا ہے تو اُس کا نام لوٹ اور غارتگری ہو جاتا ہے۔ پھر یہ کہ جب جنگ میں دشمن کی جان ہی لے لینا جائز ہے تو پھر اس کے مال کے متعلق کیوں اس قدر شور وغوغا ہے، آخر اسلام نے جب کبھی کسی کاروانِ تجارت پر حملہ کرنے کے لئے پیش قدمی کی تو کیا وہ ان دشمنوں کا قافلہ نہ تھا کہ جو اسلام کی جان ومال کے دشمن تھے ایسے لوگوں کی جان ومال پر چھاپہ مارنے کے لئے پیش قدمی کرنا کس آئین اور قاعدہ سے معیوب ہے اور پھر جبکہ وہ چھاپہ مارنا مال حاصل کرنے کے لئے نہ ہو بلکہ فقط اس وجہ سے ہو کہ یہ لوگ خداوند ذوالجلال کے باغی اور سرکش ہیں علاوہ ازیں سلاطین عام کی فوج کشی باعث صرف توسیع مملکت ہے جو سب کے نزدیک روا اور جائز ہے۔ اور حضراتِ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا جہاد اور صحابہ کرام کا یہ تمام اقدام محض اعلاءُ کلمۃ اللہ اور اللہ کی حکومت قائم کرنے کے لئے تھا تاکہ احکام خداوندی کی بےحرمتی نہ ہو سکے اور اشرار خداوند کردگار کے احکام کا استہزار اور تمسخر نہ کر سکیں اور خدا کے نام لیوا اپنے مولائے حقیقی کا اطمینان کے ساتھ نام لے سکیں، کفار وفجار چاہے ایمان لائیں یا نہ لائیں مگر احکم الحاکمین اور شہنشاہ سموات وارضین کے احکام کے اجراء وتنفیذ میں مزاحمت نہ کر سکیں۔

حضرت یوشع بن نون اور حضرت داؤد اور حضرت سلیمان اور حضرت انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کا جہاد اسی غرض سے تھا اور حضرت مسیح بن مریم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہونے کے بعد اسی غرض سے دجال اور اس کے لشکر کے ساتھ جہاد فرمائیں گے جیسا کہ مکاشفات یوحنا اور رپولوس کے دوسرے خط تھسلنکیوں کے نام میں مصرح ہے۔ دنیا کی مہذب سے مہذب اگر یہ چاہے کہ بدوں حکومت وسلطنت اور بدون دبدبہ وسطوت کے اپنی عزت وناموس کی حفاظت کر سکے تو ناممکن ہے یا کوئی حکومت اگر یہ چاہے کہ اپنی قلمرو سے مراسم قبیحہ اور رسوم باطلہ اور خیالات فاسدہ اور اوہام واہیہ کو بدون سیاست اور انتظام کے مٹا دے تو امکان سے باہر ہے۔

پندو نصیحت بے شک مؤثر ہے لیکن سلیم طبیعتوں کے لئے۔ آپ کتنی ہی اخلاص اور ہمدردی سے بہتر سے بہتر نصیحت فرمائیں لیکن ہٹ دھرم طبیعتیں کبھی اثر پذیر نہیں ہو سکتیں۔

بنی نوع انسان کی طبائع یکساں نہیں کسی کے لئے خدا نے کتاب اتاری اور کسی کے لئے لوہا اتارا۔

آج اگر ہزار واعظ مل کر یہ چاہیں کہ اپنی تقریر دلپذیر سے کسی قبیح رسم کو مٹا دیں تو نہیں مٹا سکتے مگر ایک شاہی فرمان وقت واحد میں ملک کے اس سرے سے اُس سرے تک اُس بُرائی کو مٹا سکتا ہے۔

نبی اکرم سید ولد آدم خاتم الانبیاء والمرسلین سیدنا ومولٰینا محمد صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین کو جب احکم الحاکمین اور شہنشاہ سمٰوات وارضین نے بشیر ونذیر بنا کر عالم کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا تو اس وقت آپ بالکل تن تنہا تھے نہ کوئی آپ کا معین ومشیر تھا نہ کوئی آپ کا وزیر باتدبیر تھا۔

نبوت ورسالت کا اعلان فرمایا توحید ربانی کی دعوت دی کہ خداوند ذوالجلال کو ایک مانو اور ایک جانو ایک سمجھو، اُسی سے مانگو اُسی کے سامنے جھکو۔ ہر فحش اور بے حیائی اور ہر بری بات سے روکا اور محاسن اخلاق اور مکارم افعال کی ترغیب دی غرض یہ کہ آپ نے دنیا اور آخرت کی کوئی خیر اور بھلائی نہ چھوڑی کہ جس کی تعلیم وتلقین اور جس کا حکم نہ کیا ہو اور دنیا اور آخرت کی کوئی

برائی ایسی نہیں چھوڑی کہ جس سے منع نہ فرمایا ہو۔

سلیم طبائع نے آپ کے ارشاد سراپا ہدایت وارشاد کو گوشِ ہوش سے سُنا اور قبول کیا، اور جو ہٹ دھرم اور ضدی اور مال و دولت کے نشہ سے مخمور تھے۔ انھوں نے فقط انکار و تکذیب ہی پر کفایت نہ کی بلکہ تکلیف اور ایذا۔ اور تمسخر اور استہزا پر تل گئے۔ آپ کے اور آپ کے اصحاب کے ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا۔ (جس کی تفصیل پہلے گذر چکی) مگر آپ صبر اور تحمل فرماتے اُن گمراہوں کے لئے دعائے ہدایت فرماتے۔ اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون۔

اللہ جل جلالہ کی طرف سے آپ کو اور آپ کے اصحاب کو اس کی مطلق اجازت نہ تھی کہ مشرکین مکہ سے زبان سے یا ہاتھ سے کسی قسم کا انتقام یا بدلہ لیں۔ بلکہ حکم یہ تھا،

فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (البقرۃ، آیۃ: ۱۰۹)	پس معاف کرو اور درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس بارہ میں نیا حکم نازل فرمائے بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

یہاں تک کہ آپ اور آپ کے صحابہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہونچے اور جہاد کی اجازت نازل ہوئی۔

حکم جہاد

ابن عباس[۱] اور ابو ہریرہ اور عائشہ صدیقہ اور ابو بکر صدیق۔ زہری سعید بن جبیر۔ مجاہد۔ عروۃ بن زبیر۔ زید بن اسلم۔ قتادہ۔ مقاتل بن حیان اور دیگر سلف سے یہ منقول ہے کہ جہاد کی اجازت

---

[۱] - ابن عباس کی روایت مسند احمد اور ترمذی۔ نسائی اور مستدرک وغیرہ میں مذکور ہے۔ امام ترمذی نے اس کو حسن تبلایا ہے حاکم کہتے ہیں، کہ بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح ہے زرقانی و زاد المعاد ابو ہریرہ کی روایت کو عبدالرزاق اور ابن منذر نے ذکر کیا ہے در منثور ص ۳۶۴ ج ۴ اور حضرت عائشہ کی روایت نسائی میں باسناد صحیح مذکور ہے۔ زرقانی ص ۳۴۲ ج ۱ ابو بکر صدیق اور زہری اور سعید بن جبیر کا ذکر۔ ابو بکر رازی خصاص نے احکام القرآن میں کیا ہے ص ۲۵ ج ۱۲ اور مجاہد سے مقاتل تک تفسیر ابن کثیر ص ۲۲۵ ج ۳ میں مذکور ہیں۔

میں جو آیت سب سے پہلے نازل ہوئی وہ یہ آیت ہے۔

لہ أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝

(رکوع، آیتہ: ۳۹-۴۱)

ایسے لوگوں کو جہاد و قتال کی اجازت دی گئی کہ جن سے کافر لڑتے ہیں۔ یہ اجازت اس لئے دی گئی کہ یہ لوگ بڑے مظلوم ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر قادر ہے اور جن کی فتح و نصرت کا وعدہ کیا جا رہا ہے یہ وہ لوگ ہیں کہ جو اپنے گھروں سے بے وجہ نکالے گئے فقط اس وجہ سے کہ یہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اگر اللہ تعالیٰ بعض کو بعض کیا مٹاتا رہتا تو پہلے زمانہ میں راہبوں کے خلوت خانے اور نصاریٰ اور یہود کے عبادت خانے اور اس زمانہ میں مسجدیں جن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے سب منہدم ہو چکی ہوتیں اور بیشک اللہ تعالیٰ مدد کرے گا اس شخص کی جو اس کے دین کی مدد کرے گا بیشک اللہ زبردست اور غالب ہے اور ہم ایسے لوگوں کی مدد کریں گے کہ اگر ہم ان کو روئے زمین کی بادشاہت اور حکومت بھی دیں تو ہماری جادۂ اطاعت سے ذرہ برابر منحرف نہ ہوں گے نمازوں کو قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور دوسروں کو ہر نیک کام کا حکم کریں گے اور ہر برائی سے منع کریں گے اور تمام امور کے انجام کا اللہ ہی کو اختیار ہے

لہ۔ علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ یہ آیت ۱۲ صفر ۲ھ میں نازل ہوئی۔ زرقانی صفحہ ۳۸۶ ج ۱ اور بعض کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ قتال کی آیت کا نزول ہجرت کے پہلے سال میں ہوا۔

اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ پہلی آیت کہ جو قتال کے بارے میں نازل ہوئی وہ یہ آیت ہے یعنی وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ ۝ اخرجہ ابن جریر من ابی العالیہ اور حاکم نے اکلیل میں یہ کہا ہے کہ آیت اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ط قتال کے بارے میں سب سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی (زرقانی ج ۲)

جہاد کے اغراض و مقاصد

ان آیتوں میں حق جل وعلا نے اجمالاً جہاد کے کچھ اغراض و مقاصد کا ذکر فرمایا ہے اور اشارۃً لوگوں کے اس شبہ کا بھی جواب دیا ہے کہ جو یہ کہتے ہیں کہ اسلام نے جہاد کی اجازت دیکر خونریزی کا دروازہ کھول دیا ہے۔ خلاصہ جواب یہ ہے کہ جہاد اسلام کے ساتھ مخصوص نہیں انبیاء سابقین کو بھی جہاد کی اجازت دی گئی۔ ورنہ اگر جہاد کی اجازت نہ دی جاتی تو اللہ کا نام لینا دشوار ہو جاتا۔ اور تمام معابد منہدم کر دیئے جاتے۔ اور خداوند ذوالجلال کی یہ قدیم سُنت ہے کہ وہ اپنے مخلصین کو جہاد کا حکم دیتا رہا تاکہ مفسدین اور فتنہ پردازوں کے شر اور فساد کو دفع فرمائے۔ کما قال تعالیٰ۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْفَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ [1]	اگر اللہ بعض لوگوں کے شر اور فساد کو بعض لوگوں کے ہاتھ سے دفع نہ فرمائے تو تمام زمین میں فساد پھیل جاتا لیکن اللہ جہانوں پر بڑا ہی فضل فرمانے والا ہے کہ فتنہ اور فساد دفع کرنے کے لئے

جہاد کی اجازت دی۔

کند زنگے مست در کعبہ قے — اگر چوب حاکم نباشد زپے

[1] البقرہ، آیۃ: ۲۵۱

ان آیتوں میں جہاد کی عام وغرض وغایت کے علاوہ اس کی علت بھی بیان فرمائی ہے کہ صحابۂ کرام کو کیوں جہاد وقتال کی اجازت دی گئی۔ وہ یہ کہ ان پر طرح طرح سے ظلم وزیادتی کی گئی اور بے قصور اور بلا وجہ اپنے گھروں سے نکال دئے گئے صرف اس کہنے پر کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے اور جہاد کی اجازت سے فقط مشرکین مکہ کے پنجۂ ظلم سے چھڑانا مقصود نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ اُن کی نصرت وحمایت کریں۔

وَ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصۡرِہِمۡ لَقَدِیۡرُۨ ۙ[1]　اور تحقیق اللہ تعالیٰ ان بےکسوں اور بے سروسامانوں کی فتح ونصرت پر قادر ہے۔

اور اس قادر مطلق کو یہ قدرت ہے کہ روئے زمین ان کے قبضہ میں دین اور اپنے احکام کے اجراء وتنفیذ کی مکنت وقدرت عطا فرمائیں تاکہ زمین پر دسترس پانے کے بعد خود بھی جان اور مال سے خدا کی عبادت اور بندگی کریں نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور دوسروں کو بھی بھلی باتوں کا حکم کریں اور بُری باتوں سے منع کریں۔

یعنی جن لوگوں کو ہم نے جہاد کی اجازت دی ہے اور جن کی نصرت وحمایت کا وعدہ کیا ہے ان لوگوں کی شان یہ ہے کہ بادشاہ ہونے کے بعد سلاطین دنیا کی طرح عیش وعشرت میں مبتلا نہوں گے بلکہ جان ومال سے خدا کے پورے مطیع اور فرمانبردار ہوں گے اور دوسروں کو ٹھیک راستہ پر چلائیں گے، نیک باتوں کا حکم کریں گے اور بُری باتوں سے منع کریں گے، غرض یہ کہ خود کامل ومکمل ہوں گے اور دوسروں کے لئے مکمل ہوں گے خود بھی ہدایت پر ہوں گے اور دوسروں کو بھی ہدایت لائیں گے۔ چنانچہ یہ اوصاف فاضلہ خلفاء راشدین میں علیٰ وجہ الکمال موجود تھے اور کیوں نہوں جن کو خدا آسمانی بادشاہت کے لئے منتخب فرمائے اُن کے یہی اوصاف ہونے چاہئیں۔

چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اس آیت میں حق جل شانہ نے

---

[1] الحج آیۃ: ۳۹۔

خلافت اور بادشاہت عطا فرمانے سے پہلے ہی اُن کی ثنا اور تعریف فرمائی کہ وہ خلیفہ اور بادشاہ ہونے کے بعد ایسے ہوں گے۔

جہاد کی حقیقت

جہاد۔جہد بمعنی طاقت سے مشتق ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اپنی طاقت کو حاشا مال و دولت کے لئے نہیں۔عصبیت اور قومیت اور وطنیت اور اظہار مردانگی و شجاعت اور توسیع سلطنت و مملکت کے لئے نہیں بلکہ محض اللہ کا بول بالا کرنے کے لئے اپنی طاقت کو پانی کی طرح بہا دینا اس کو اصطلاح شریعت میں جہاد کہتے ہیں۔

اعلاء کلمۃ اللہ (یعنی اللہ کا بول بالا کرنا۔) اگر مقصود نہ ہو بلکہ فقط مال و زر مطلوب ہو یا قطع نظر حق اور باطل سے وطن اور قوم کی حمایت مقصود ہو یا اپنی بہادری اور شجاعت کا اظہار منظر ہو تو اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک وہ جہاد نہیں جہاد تو وہ ہے کہ جو محض خالص اللہ جل جلالہ کے رضا اور خوشنودی کے لئے ہو۔ دنیاوی اور نفسانی اغراض کے شائبہ سے بالکلیہ پاک ہو۔

خلاصہ

یہ کہ خدا تعالیٰ کے وفاداروں کا خدا تعالیٰ کے باغیوں سے محض خدا کا باغی ہونے کی وجہ سے لڑنا اور اس کی راہ میں انتہائی جانبازی اور سرفروشی کا نام جہاد ہے بشرطیکہ وہ جانبازی اور سرفروشی محض اس لئے ہو کہ اللہ کا بول بالا ہو اور اس کے احکام بے حرمتی سے محفوظ ہو جائیں اور دنیا کا کسی قسم کا نفع مقصود نہ ہو۔ایسی جانبازی اور سرفروشی کو شریعت اسلام میں جہاد کہتے ہیں۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت　　　　سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اگر مال مقصود ہو یا نام مطلوب ہو یا بلا لحاظ اسلام قوم و وطن مقصود ہو تو شریعت میں

وہ جہاد نہیں بلکہ ایک قسم کی جنگ ہے، چنانچہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا گیا کہ انسان کبھی اظہار شجاعت کے لئے جنگ کرتا ہے اور کبھی قومی غیرت وحمیت کی بنا پر اور کبھی دنیاوی نمود اور شہرت کے لئے ان میں سے کونسی جنگ جہاد فی سبیل کا مصداق ہے تو ارشاد فرمایا:

مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ (بخاری مسلم)

جو شخص فقط اس لئے لڑے تاکہ اللہ ہی کا بول بالا رہے۔ بس وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

امام بخاری نے صحیح بخاری میں ایک باب منعقد فرمایا۔ باب لایقال فلان شہید یعنی کسی کے متعلق قطعی طور پر یہ نہ کہا جائے کہ فلاں شخص شہید مرا۔ اس لئے کہ نیت اور خاتمہ کا حال کسی کو معلوم نہیں اور اس باب میں ایک واقعہ روایت کیا کہ کسی غزوہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشرکین سے مقابلہ ہوا تو قزمان نامی ایک شخص صحابہ کرام کے لشکر میں تھا جو در پردہ منافق تھا اس نے اس لڑائی میں مشرکین کا خوب مقابلہ کیا۔ اور کارنمایاں دکھلائے سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ

ما اجزأ منا اليوم احد كما اجزأ فلان۔

آج ہم میں سے کسی نے اتنا کام نہیں کیا جتنا کہ فلاں نے کیا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا:

اما انه من اهل النار۔

آگاہ ہو جاؤ کہ وہ دوزخی ہے۔

بالآخر کافروں سے لڑتے لڑتے یہ شخص شدید زخمی ہوا اور زخموں کی تکلیف سے گھبرا کر خودکشی کرلی۔ حافظ عسقلانی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ترجمۃ الباب سے مناسبت یہ ہے کہ اس شخص نے اللہ کے لئے قتال نہیں کیا تھا بلکہ قوم کے لئے قومی حمیت کے جوش میں قتال کیا تھا، اس لئے ایسا شخص شہید نہیں کہلایا جاسکتا۔ انتہی کلامہ معلوم ہوا کہ جو شخص نبی کی حمایت میں کافروں سے بھی جنگ کرے مگر خدا کے لئے نہیں بلکہ قوم اور وطن

کے لئے جنگ کرے تو ایسا شخص مجاہد اور شہید نہیں کہلایا جا سکتا چہ جائیکہ قومی اور وطنی بھائیوں کے ساتھ ہو کر اسلامی بھائیوں سے لڑنے کے لیے تیار ہو۔ حافظ بدر الدین عینی لکھتے ہیں کہ میدان قتال میں سب سے پہلے یہ شخص یعنی قزمان نکلا اور سب سے پہلے اس نے کافروں پہ تیر چلایا اور للکار کر یہ کہا کہ اے آل اوس اپنے حسب و نسب یعنی قبیلہ اور قوم کی حفاظت کے لئے قتال کرو قتادہ بن النعمان صحابی رضی اللہ عنہ کا جب اس شخص پر گذر ہوا تو اس کی نازک حالت کو دیکھ کر یہ کہا:

هنيئاً لك الشهادة۔	اے قزمان تجھکو شہادت مبارک ہو۔

قزمان نے یہ کلمہ سن کر جواب دیا۔

انی واللہ ما قاتلتُ علی دین ما قاتلت الا علی الحفاظ	خدا کی قسم میں نے دین اسلام کے لئے قتال نہیں کیا۔ میں نے تو فقط قوم اور قبیلہ کی حفاظت کیلئے قتال کیا ہے۔

صاف مطلب یہ تھا کہ قوم اور وطن کے لئے جنگ کرنے اور اس راہ میں مارے جانے سے آدمی مجاہد اور شہید نہیں بنتا محض خدا کے لئے جو قتال خدا کے دشمنوں سے ہو اس میں مارے جانے سے شہید بنتا ہے۔

اس کے بعد اس شخص نے خودکشی کر لی۔ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اللہ لیؤید هذا الدین بالرجل الفاجر۔ تحقیق اللہ تعالےٰ کبھی کبھی مرد فاجر اور کافر کے ذریعہ سے بھی دین کو قوت پہونچا دیتے ہیں یہ روایت عمدۃ القاری ص ۶۳ باب لا یقال فلان شہید میں مذکور ہے۔

حق جل شانہ کا ارشاد ہے۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ	اور جو کچھ تم کو مصیبت پہنچی جس دن دو جماعتوں

له۔ حافظ عسقلانی رحمہ اللہ کی اصل عبارت یہ ہے ووجه اخذ الترجمة منه انهم شهدوا به جهاده فی امر الجهاد فلو کان قتل لم يمتنع ان يشهدوا له بالشهادة وقد ظهر منه انه لم يقاتل لله وانما قاتل غضبا لقومه فلا يطلق على كل مقتول فی الجهاد انه شهيد لاحتمال ان يكون مثل هذا فتح الباری ص ۶۹ ج ۶ کتاب الجہاد باب لا یقال فلان شہید۔

فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِادْفَعُوْا ط [۵]

یعنی کافروں اور مسلمانوں کا مقابلہ ہوا یعنی احد کے دن سو وہ اللہ کے حکم سے ہوا اور اس میں حکمت یہ تھی کہ مؤمنین مخلصین اور منافقین ایک دوسرے سے متمیز اور جدا ہو جائیں اس لئے کہ مصیبت کے وقت میں اخلاص اور نفاق ظاہر ہو جاتا ہے

اس دن منافقین سے یہ کہا گیا کہ آؤ خدا کی راہ میں خدا کے لئے قتال کرو اور اگر خدا کی راہ میں نہیں لڑتے تو قومی اور وطنی حمیت کے لئے اپنی قوم اور وطن اور مال اور اولاد کی حفاظت کے لئے دشمن کی مدافعت کرو۔

کیونکہ اگر دشمن کامیاب ہو گیا تو انتقام لینے میں مؤمنین اور منافقین کی تمیز نہ کرے گا اور عام مسلمانوں کی طرح تم کو بھی نقصان اٹھانا پڑے گا۔ یہ آیت رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کے بارے میں نازل ہوئی۔ غزوۂ احد میں مسلمانوں نے خدا کے لئے قتال کیا اور عبداللہ بن ابی اور دیگر منافقین نے جو قتال کیا تو محض قومی اور وطنی حمیت کی بنا پر دشمن کی مدافعت کی جس سے صاف معلوم ہوا کہ قوم اور وطن کے لئے دشمن کی مدافعت کرنے کا نام جہاد نہیں آیت شریفہ میں جو اَوِادْفَعُوْا کو قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کا قسیم قرار دیا گیا ہے۔ اس کا یہی مطلب ہے جو ہم نے عرض کیا۔

صحیح بخاری میں عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ کچھ مسلمان (جنگ بدر میں) مشرکین کی تعداد بڑھانے کے لئے اہل مکہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں نکلے اور بدر کی لڑائی میں یہ مسلمان جو کافروں کی فوج میں شریک تھے صحابہؓ کے ہاتھ سے مارے گئے تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

---

[۵] آل عمران، آیۃ : ۱۶۶

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ۰

(النساء، آیۃ: ۹۷)

تحقیق جن لوگوں کی فرشتوں نے روح قبض کی درانحالیکہ انھوں نے اپنی جان پر ظلم کیا تھا تو فرشتوں نے ان سے بطور زجر و توبیخ یہ کہا کہ تم کس حال میں تھے ان ظالموں نے کہا کہ ہم سرزمین کفر میں مغلوب اور مجبور تھے ، فرشتوں نے کہا کہ کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ وطن کو چھوڑ کر وہاں چلے جاتے ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور برا ٹھکانہ ہے۔

یہ آیت جن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی یہ وہی لوگ تھے جنھوں نے باوجود دعوائے اسلام کے قوم اور وطن کے ساتھ ہوکر اسلام کا مقابلہ کیا۔ اور قومی اور وطنی کافروں کے لشکر میں ہوکر مسلمانوں سے لڑنے کے لئے نکلے۔ (اعاذنا اللہ من ذالک)

خلاصۂ کلام

یہ کہ اسلامی حکومت قائم کرنے کے لئے جو جنگ کی جائے اس کا نام جہاد ہے اور وطنی کافروں کے ساتھ مل کر غیر وطنی کافروں سے بلا لحاظ اسلام محض وطن کی آزادی کے لئے جنگ کرنے کا نام ہرگز ہرگز جہاد نہیں ، حضرات انبیاء کرام نے اپنے ہم وطن کافروں سے نہ کبھی اتحاد کیا اور نہ ان کی ساتھ مل کر کوئی مشترک حکومت بنائی بلکہ اپنے اصحاب کرے کہ ہجرت فرمائی اور اپنی قوم کے کافروں سے ہٹ کر اپنا الگ ٹھکانہ بنایا اور جہاد کی تیاری کی اور سب سے پہلے اپنی کافر قوم پر حملہ آور ہوئے اور اس کو فتح کیا۔ ہر رسول نے سب سے پہلے اپنی قوم کے کافروں سے جہاد کیا۔ غیر قوم کے کافروں سے بعد میں جہاد کیا۔ كَمَا قَالَ تَعَالٰی قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْیَجِدُوْا فِیْكُمْ غِلْظَةً ۰ حضور پرنور کے تمام غزوات اور جہادات اپنی ہی قوم اور اپنے ہی خویش و اقارب اور اپنے ہی اعزا اور احباب

ہی سے تو تھے کسی غیر ملکی اور اجنبی قوم سے تو نہ تھے، جنگ بدر میں مہاجرین کے سامنے کسی کا باپ تھا اور کسی کا لختِ جگر اور کسی کا بھائی اور کسی کا چچا اور کسی کا ماموں اور عام رشتہداری تو سبھی سے تھی محض اللہ اور اس کے رسول اور اس کے دین کے لئے صحابۂ کرام کی تیغ بے دریغ بے نیام تھی رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ واہ واہ۔ ایمان ایسے ہی عشق کا نام ہے جس کے سامنے لیلیٰ اور مجنوں کی تمام داستانیں گرد ہیں اور قرآن و حدیث جو ہجرت کے فضائل سے بھرا پڑا ہے اس ہجرت کا مطلب یہی تو ہے کہ خدا اور اس کے رسول کے لئے اپنے ماں اور باپ اور بیوی اور بچوں اور خویش واقارب سب کو چھوڑ دینا قوم اور وطن کا تو ذکر ہی کیا ہے، صحابہ کرام نے جب ہجرت کی تو جس کی رفیقۂ حیات اور محبوب بیوی نے کفر کو اسلام کے مقابلے میں ترجیح دی اور کفر کی حالت میں قوم اور وطن کی سکونت کو اختیار کیا تو اس صحابی نے عمر بھر کی رفیقۂ حیات کو طلاق دے دی اور بیوی بچوں اور مال و دولت اور گھر اور بار سب چھوڑ کر نبی کے پیچھے ہوئے اور مدینہ کا راستہ پکڑا رضی اللہ عنہم وحشرنا فی زمرتہم واماتنا علےحبہم وسیرتہم آمین یارب العالمین۔ اے میرے عزیزو اے میرے دوستو قومیت اور وطنیت ایک فتنہ ہے بُت پرستی کے بعد قوم پرستی اور وطن پرستی کا درجہ ہے۔ اور کفر دون کفر اور شرک دون شرک اور ظلم دون ظلم کا مصداق ہے
اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ اور اِنَّ الْکٰفِرِیْنَ کَانُوْا لَکُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا۔
کو پیش نظر رکھ کر مسلمانوں کو اپنا بھائی اور روئے زمین کے کل کافروں کو اپنا ایک دشمن سمجھو (نکتہ) حق تعالےٰ نے ان کافرین (جو کہ جمع ہے) اس کی خبر عدوا مبینا ذکر فرمائی ہے جو کہ مفرد ہے اعداءً نہیں فرمایا، اشارہ اس طرف ہے کہ روئے زمین کے تمام کافر مسلمانوں کی عداوت میں بمنزلہ ایک دشمن اور بمنزلہ شخص واحد کے ہیں جس میں ذرہ برابر تعداد اور اختلاف نہیں۔ وَ اللہ لقد صدق اللہ العظیم و انا علی ذٰلك من الشاھدین والمشاھدین۔

قوم پرستوں کا ایک مغالطہ

قوم پرستوں کا یہ کہنا کہ ایک وطن اور ایک ملک کے باشندے سب ایک قوم ہیں۔

یہ ان کا ایک مغالطہ اور دھوکہ ہے، اس گروہ کا ایک خاص نظریہ اور خاص عقیدہ ہے جو شخص اس عقیدہ اور نظریہ میں ان کا موافق اور ہم خیال ہے وہ ان کا دوست ہے اگرچہ وہ دوسرے ملک اور دوسرے وطن کا باشندہ ہو اور جو شخص اس نظریہ اور اس عقیدہ میں ان کا مخالف ہو ان کا دشمن ہے اگرچہ وہ ان کا باپ یا بیٹا یا بھائی یا استاد ہی کیوں نہ ہو۔

مشرق اور مغرب کے باشندے جو اشتراکی عقیدہ رکھتے ہوں وہ دونوں باوجود بعد المشرقین کے قریب اور ایک ہیں اور دو حقیقی بھائی ایک گھر کے رہنے والے اگر مختلف المسلک ہوں تو وہ دونوں ایک دوسرے سے غایت درجہ بعید ہیں معلوم ہوا کہ اتحاد کا دارو مدار وطنیت اور قومیت پر نہیں بلکہ اتحاد کا معیار اور مدار اتحاد مسلک پر ہے پس اگر شریعت اتحاد اور اخوت کا مدار اسلام اور کفر پر رکھتی ہے تو اس کو تعصب اور تنگ نظری کیوں بتاتے ہو۔

شریعت کے کل احکام اسی ایمان اور کفر کی تقسیم پر مبنی ہیں مسلمان اور کافر ایک دوسرے کا وارث نہیں اسی اسلامی تعلق سے بلال حبشی اور صہیب رومی اور سلمان فارسی، اسلامی برادری میں شامل ہوگئے اور ابوجہل اور ابولہب باوجود قرابت قریب کے بعید ہوگئے اور ابوطالب جیسا جاں نثار چچا اسلام نہ قبول کرنے کی وجہ سے نماز جنازہ اور مقابر مسلمین میں دفن سے محروم رہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ابوطالب کے لئے دعاء مغفرت کا ارادہ فرمایا تو ممانعت کی آیت نازل ہوگئی۔ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۞ اور قیامت تک کے لئے حکم نازل ہوگیا کہ کافر اور مشرک رشتہ داروں کے لئے دعاء مغفرت بھی جائز نہیں۔

فومن احب لا عصینک فی الهوی
قسما به وبحسنه وبهائه

آداب جہاد

(۱)۔ جب جہاد کے لئے گھر سے نکلو تو اللہ کا نام لے کر نکلو۔

(۲)۔ اتراتے ہوئے اور اکڑتے ہوئے نہ نکلو۔

(۳)۔ آپس میں ایک دوسرے سے جھگڑا نہ کرو۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو ہر وقت پیش نظر رکھو۔

(۴)۔ مقابلہ کے وقت ثابت قدم رہو۔ صبر اور تحمل سے کام لو۔

(۵)۔ عین معرکہ قتال میں بھی اللہ کے ذکر سے غافل نہ ہو جس کے لئے جانبازی اور سرفروشی کرنے نکلے ہو ایک لمحہ کے لئے اس سے غفلت نہ ہو قال تعالیٰ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ	اے ایمان والو جب کافروں کی جماعت سے
فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ	تمہارا مقابلہ ہو تو امور ذیل کو ملحوظ رکھو۔
كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔ وَاَطِيْعُوا	(۱) جہاد میں ثابت قدم رہو۔
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا	(۲)۔ اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرو تاکہ اس کے
فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ	نام کی برکت سے تم کامیاب ہو۔
وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۚ	(۳)۔ اور ہر امر میں اللہ اور اس کے رسول کی
وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا	اطاعت اور فرمانبرداری کو ملحوظ رکھو۔
مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ	(۴) اور آپس میں جھگڑا نہ کرو کہ اس سے تم بزدل
وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی
وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۞	(۵)۔ اور ان کافر لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ کہ
؎	(جو اس واقعہ بدر میں) اپنے گھروں سے

؎ الانفال، آیہ ۴۵ - ۴۷۔

اتراتے ہوئے اور دکھلاتے ہوئے نکلے ہیں اور لوگوں کو خدا کے راستے سے روکنا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا محیط ہے۔

(۶)۔ اپنی کثرت اور ساز و سامان پر کبھی مغرور نہ ہو اور قلت سے کبھی گھبراؤ نہیں ہر حال میں خداوند ذو الجلال پر اعتماد اور بھروسہ رکھو۔ فتح و نصرت کا مالک صرف اسی کی ذات کو جانو، کما قال تعالیٰ ۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ ۙ وَّیَوْمَ حُنَیْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْــٴًـا وَّضَاقَتْ عَلَیْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ۚ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِیْنَ [1]

تحقیق اللہ تعالیٰ نے بہت میدانوں میں تمہاری مدد کی اور حنین کے دن جب تمہاری کثرت نے تم کو خود پسندی میں مبتلا کر دیا تو تم کو تمہاری کثرت ذرہ برابر کام نہ آئی اور زمین باوجود وسیع ہونے کے تم پر تنگ ہو گئی، پھر تم پشت پھیر کر بھاگ پڑے اللہ تعالیٰ نے اپنی سکینت اور طمانیت کو اتارا اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر اور ایسے لشکر اتارے جن کو تم نہیں دیکھتے تھے اور کافروں کو سزا دی اور اور یہی سزا ہے کافروں کی۔

(۷)۔ جب سوار ہونے لگو تو اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ اس نے تمہاری آسائش کے لئے یہ سامان سفر پیدا فرمایا اور یہ پڑھو۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ۙ وَاِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۙ [2]

پاک ہے وہ ذات جس نے ان جانوروں کو ہماری سواری کے لئے مسخر کر دیا ورنہ ہم میں اس کی طاقت نہ تھی اور تحقیق ہم سب اللہ کی لوٹنے والے ہیں۔

---

[1] ۔ التوبہ، آیۃ: ۲۵-۲۶ ۔ [2] زخرف، آیۃ: ۱۴

(۸)۔ جب کسی بلندی پر چڑھو تو خداوند ذوالجلال کی عظمت و کبریائی کا خیال کر کے اللہ اکبر کہو اور جب پستی اور نشیب کی طرف اترو تو سبحان اللہ کہو۔ کہ وہ ہر پستی سے پاک اور منزا ہے۔

(۹)۔ اللہ اگر اپنے فضل سے فتح و ظفر نصیب فرمائے تو امیر لشکر کو چاہیے کہ مجاہدین کی صفیں قائم کر کے ان الفاظ میں اللہ کا شکر اور اس کی حمد و ثنا کرے اور تمام لشکر آمین کہے۔

اللھم لك الحمد كله لا قابض لما بسطت ولا باسط لما قبضت ولا هادی لمن اضللت ولا مضل لمن هديت ولا معطی لما منعت ولا مانع لما اعطيت ولا مقرب لما باعدت و لا مباعد لما قربت اللھم ابسط علينا من بركاتك و رحمتك و فضلك ورزقك ۔ (رواہ النسائی وابن حبان)

(۱۰)۔ فتح و نصرت کے بعد بطور فخر یہ نہ کہو کہ ہم نے فتح کیا بلکہ اللہ کی طرف منسوب کرو کہ اس نے محض اپنے فضل اور رحمت سے ہم کو فتح دی۔

چنانچہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جہاد سے واپس ہوتے تو یہ کلماتِ توحید آپ کی زبان پر ہوتے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔ اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ سَائِحُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۔ وَ نصر عَبْدَهٗ وَهزم الاحزاب وَحدهٗ ۔ (بخاری مسلم۔ ترمذی۔ نسائی)

(۱۱)۔ کتا اور گھنٹا اور باجا ہمراہ نہ ہو۔ جس قافلہ میں یہ چیزیں ہوتی ہیں۔ فرشتے ان کے ہمراہ نہیں ہوتے۔ (رواہ مسلم عن ابی ہریرۃ رض)

یعنی عیش و طرب کا کوئی سامان ساتھ نہ ہو۔

ناظرینِ کرام غور فرمائیں کہ اسلامی جہاد کی یہ شان ہے کہ دیکھنے میں مجاہدین کا لشکر ہے اور در پردہ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے عاشقوں کا ایک گروہ جا رہا ہے۔

جہاد کی اقسام

جہاد کی مختلف قسمیں ہیں، جہاد کی ایک قسم دفاع ہے جس کو دفاعی جہاد کہتے ہیں یعنی کافروں کی کوئی قوم ابتداءً تم پر حملہ آور ہو تو تم اس کی مدافعت کے لئے ان کا مقابلہ کرو جہاد کی اس قسم کو حق تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے۔

وَقَاتِلُوا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝ [1]	اور قتال کرو خدا کی راہ میں ان لوگوں سے جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور زیادتی مت کرو تحقیق اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔
اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ۝ [2]	مسلمانوں کو ان کافروں سے جہاد و قتال کی اجازت دی گئی کہ جو کافر مسلمانوں سے لڑتے ہیں اس وجہ سے کہ مسلمان ستم رسیدہ ہیں اور بیشک اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مدد پر قادر ہے یہ مسلمان اپنے گھروں سے محض بے وجہ نکالے گئے سوائے اس کے کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار ایک اللہ ہے

جہاد کی دوسری قسم۔ اقدامی جہاد ہے یعنی جبکہ کفر کی قوت اور شوکت سے اسلام کی آزادی کو خطرہ ہو تو ایسی حالت میں اسلام اپنے پیروؤں کو یہ حکم دیتا ہے کہ تم دشمنانِ اسلام پر جارحانہ حملہ اور جارحانہ اقدام کرو کیونکہ جب دشمنوں کی طرف سے خطرہ ہو تو ادب احتیاط اور حفظ ماتقدم کا مقتضا یہی ہے کہ تم ان پر جارحانہ اقدام کرو تاکہ اسلام اور مسلمان کفر اور شرک کے فتنہ سے محفوظ ہو جائیں اور بغیر کسی خوف و خطر کے امن و عافیت کے ساتھ خداوند ذوالجلال کے احکام

---

[1] ۔ البقرہ، آیۃ: ۱۹۰ ۔ [2] ۔ الحج، آیۃ: ۳۹ ۔

کو بجا لاسکیں اور کوئی قوت وطاقت ان کو ان کے سچے دین سے نہ ہٹا سکے اور نہ پھیر سکے اور نہ کوئی طاقت قانونِ خداوندی کے اجراء وتنفیذ میں مزاحم ہوسکے۔ ایسے موقع پر عقل اور فراست تدبیر اور سیاست کا یہی مقتضیٰ ہے کہ خطرہ کو پیش آنے سے پہلے ختم کر دیا جائے، اس انتظار میں رہنا کہ جب خطرہ سر پر آجائے گا اس وقت مدافعت کریں گے یہ اعلیٰ درجہ کی حماقت اور سفاہت ہے جس طرح شیر اور چیتے کو حملہ کرنے سے پہلے ہی قتل کر دینا اور کاٹنے سے پہلے ہی سانپ اور بچھو کا سر کچل دینا ظلم نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کا تدبر اور انجام بینی ہے، اسی طرح کفر اور شرک کا سر اٹھانے سے پہلے ہی سر کچل دینا اعلیٰ درجہ کا تدبر ہے۔ چور اور قزاق یا درندے اگر کسی جنگل اور بیابان میں جمع ہوں تو عقل اور دانائی کا مقتضیٰ یہ ہے کہ قبل اس کے وہ شہر کا رُخ کریں ان کو آبادی کا رُخ کرنے سے پہلے ہی ختم کر دیا جائے درندوں کے قتل میں اقدام ہی عقل اور دانائی ہے اور فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ اور أَيْنَمَا ثُقِفُوا أُخِذُوا وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا میں اسی قسم کے کافر مراد ہیں۔ درندوں کے قتل میں دفاع کا تصور کرنا اور یہ سوچنا کہ جب یہ درندے مل کر ہم پر حملہ آور ہوں گے اس وقت ہم ان کی مدافعت کریں گے، اس قسم کا تصور اہل عقل کے نزدیک کھلی ہوئی حماقت اور نادانی ہے حق جل شانہ کے اس ارشاد سراپا رشاد وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ میں اس قسم کا جہاد مراد ہے، یعنی اے مسلمانو تم کافروں سے یہاں تک جہاد وقتال کرو کہ کفر کا فتنہ باقی نہ رہے اور اللہ کے دین کو پورا غلبہ حاصل ہو جائے۔ اس آیت میں فتنہ سے کفر کی قوت اور شوکت کا فتنہ مراد ہے اور وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ سے دین کا ظہور اور غلبہ مراد ہے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ یعنی دین کو اتنا غلبہ اور قوت حاصل ہو جائے کہ کفر کی طاقت سے اس کے مغلوب ہونے کا احتمال باقی نہ رہے اور دین اسلام کو کفر کے فتنہ اور خطرہ سے بالکلیہ اطمینان حاصل ہو جائے۔

اب رہا یہ امر کہ دین اسلام کو کفر کے فتنہ سے کس طرح اطمینان حاصل ہو سکتا ہے، سو اس اطمینان کی تین صورتیں ہیں ایک صورت تو اطمینان کی یہ ہے کہ کفار مسلمانوں کے سامنے ہتھیار

ڈال دیں اور مسلمانوں کی رعایا بن کر اور جزیہ دے کر اسلامی حکومت کے زیر سایہ رہنا منظور کریں یا بجائے جزیہ کے مسلمانوں کے رقیق یعنی غلام بن کر رہیں۔

دوسری صورت اطمینان کی یہ ہے کہ کافر مسلمانوں سے پُرامن معاہدہ کریں تیسری صورت استیمان کی ہے یعنی کافر مسلمانوں سے امن اور پناہ طلب کر کے اُن کی پناہ میں آجائے۔ ان صورتوں میں ایسے کافروں سے جہاد و قتال کا حکم اُٹھ جاتا ہے شریعت اسلامیہ میں جہاد کا حکم کفارِ محاربین کے ساتھ مخصوص ہے، کافر ذمی اور مستامن کے احکام دوسرے ہیں۔

جو غیر مسلم اسلامی حکومت میں رہتے ہوں وہ از روئے احکام اسلام عدالتی اور شہری احکام میں مسلمانوں کے برابر ہیں، ان کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت مسلمانوں اور اسلامی حکومت پر فرض ہے بشرطیکہ غداری اور خفیہ سازشیں نہ کریں اور دشمن اور غیر دشمن محارب اور غیر محارب کے احکام میں فرق تمام عقلاء کے نزدیک مسلّم ہے۔

جہاد کی مثال:۔ جہاد کی مثال اس طرح سمجھے کہ جب کسی کے ہاتھ میں پھنسی یا پھوڑا نکل آئے تو پہلا درجہ مرہم کا ہے کہ اس کے لگانے سے فاسد مادہ نکل جائے یا تحلیل ہو جائے دوسرا درجہ نشتر کا ہے کہ شگاف دے دیا جائے۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ ڈاکٹر اس عضو کو کاٹ تاکہ دوسرے اعضاء صحیحہ اس سے متاثر نہ ہوں۔

ایسی صورت میں اگر ڈاکٹر کسی کا ہاتھ یا پیر کو کاٹ دے تو سب اس کے ممنون و مشکور ہوتے ہیں اور گرانقدر نفیس کا ہدیہ اور نذرانہ پیش کرتے ہیں اور مدت العمر اس کی مدح میں رطب اللسان رہتے ہیں کہ اس نے اس عضو کو کاٹ کر باقی اعضاء کو گلنے اور سڑنے سے بچا لیا اور کوئی شخص ڈاکٹر کے اس فعل کو وحشیانہ اور ظالمانہ فعل نہیں کہتا اسی طرح اطباء روحانی (انبیاء و رسل) اوّلاً کفر کے دنبل (پھوڑے) پر وعظ و نصیحت کا مرہم رکھتے ہیں اور اگر اس سے فائدہ نہ ہو اور عضو کے صحیح ہونے کی اُمید منقطع ہو گئی اس کے برعکس یہ خطرہ ہو جائے کہ یہ مرض متعدی ہو کر دوسرے اعضاء یعنی اہل ایمان کو بھی خراب کر دے گا تو پھر اس عضو کو کاٹ

ڈالتے ہیں تاکہ باقی اعضاء اُس کے ضرر سے محفوظ ہوجائیں اور یہ خبیث مادہ آگے نہ بڑھنے پائے۔

دوسری مثال:۔ چوروں اور رہزنوں کی سرکوبی حکومت کے لوازم اور فرائض میں سے ہے اگر نہ کی جائے تو نظام حکومت درہم برہم ہوجاتے ۔اسی طرح جو لوگ دولتِ ایمان کے رہزن ہوں اور یہ چاہتے ہوں کہ ہم سے ایمان اور حق کی دولت لوٹ کرلے جائیں اور اس امر کے خواہشمند ہوں کہ معاذ اللہ۔ اہلِ حق کو بھی اپنے جیسا رہزن اور قزاق یعنی کافر بنالیں اور خداوند ذوالجلال کے وفاداروں کی فہرست سے اپنا نام کٹا کر باغیوں کی جماعت میں شامل ہوجائیں تو ایسے لوگوں سے بھی جہاد و قتال کرنا عین حکمت اور عین مصلحت ہوگا بلکہ فرض اور واجب ہوگا اور شریعت کے لوازم اور فرائض میں سے ہوگا کہ ان قزاقوں کا قلع قمع کرے۔

جہاد کی غرض و غایت:۔ جہاد کے حکم سے خداوند قدوس کا یہ ارادہ نہیں یکلخت کافروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے بلکہ مقصود یہ ہے کہ اللہ کا دین ۔دنیا میں حاکم بن کر رہے اور مسلمان عزت کے ساتھ زندگی بسر کریں اور امن و عافیت کے ساتھ خدا کی عبادت اور طاعت کرسکیں کافروں سے کوئی خطرہ نہ رہے کہ اُن کے دین میں خلل انداز ہوسکیں۔

اسلام۔ اپنے دشمنوں کے نفس وجود کا دشمن نہیں بلکہ ان کی ایسی شوکت و حشمت کا دشمن ہے کہ جو اسلام اور اہل اسلام کے لئے خطرہ کا باعث ہو۔

دنیا کی مہذب اور متمدن قومیں اس بات کو تسلیم کرتی ہیں کہ اپنی جان و مال عزت اور آبرو کی حفاظت کے لئے جنگ کرنا انسان کا فطری حق ہے اور ایک شریفانہ اور بہادرانہ خیال ہے لیکن نہ معلوم مسلمانوں کے لئے اس حق کے تسلیم کرنے میں کیوں بخل کیا جاتا ہے۔

دنیا کی ہر مہذب اور متمدن سیاسی پارٹی ہر جائز اور ناجائز جھوٹ اور سچ مکر اور فریب جس طرح بھی ممکن ہو اپنے تفوق اور اقتدار کی طلب گار ہے اور اپنے مخالفین کو زیر کرنے میں جو حربہ بھی استعمال کیا جائے اس کا نام سیاست اور تدبر رکھتی ہے لیکن اگر حق اور حقانیت، جائز طریق اور غایت عدل اور نہایت انصاف کے ساتھ باطل پر اپنا اقتدار قائم کرنا چاہتا ہے۔

تو خود غرضوں کی پارٹیاں اس کا نام تعصب اور مذہبی جنون رکھتی ہیں۔

سبحان اللہ۔ جس دینِ حق میں اپنے دشمنوں پر جھوٹ بولنا اور ان پر تہمت لگانا اور ان پر ظلم و ستم کرنا حرام ہے اور دنیا کے جان و مال اور عزت اور آبرو کی حفاظت اس کا اوّلین فریضہ اور مقصد ہے اس کے تفوق اور برتری اور اس کے حاکمانہ اقتدار پر ان خود غرض پارٹیوں اور سیاسی چوروں اور قزاقوں کا کیا منہ ہے کہ اس دین برحق کی عادلانہ جدوجہد میں کچھ لب کشائی کر سکیں۔

جہاد اسلامی کا مقصد یہ ہے کہ حق اور حقیقی عدل و انصاف دنیا کا حاکم بن کر رہے اور خود غرض افراد یا پارٹیوں دنیا کے امن کو خراب نہ کر سکیں۔

جس جنگ کا مقصد یہ ہے کہ عدل و انصاف اور امانت و صداقت کی حفاظت ہو جائے اور رشوت خواری اور چوری اور بدکاری اور زناکاری اور بداخلاقی اور بے حیائی اور تمام برائیوں اور خود غرضیوں کا قلع قمع ہو جائے ایسی جنگ بربریت نہیں بلکہ اعلیٰ ترین عبادت ہے اور خلق خدا پر انتہائی شفقت و رحمت ہے۔

اور قرآن کریم میں جو جزیہ کا حکم مذکور ہے اس سے مقصد یہی ہے کہ کفر اور باطل کا زور ٹوٹ جائے اور حق اور عدل کے برتری اور حکمرانی کے سامنے باطل اپنی گردن جھکا دے آیت جزیہ میں حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ۔ صغار سے ایسی ہی ذلت اور کمتری مراد ہے اور ایسے جزیہ دینے والوں کو اصطلاح شریعت میں ذمی اور معاہد اس لئے کہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول نے ان کی جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے۔

اسلام اور جبر

جہاد لوگوں کو جبراً مسلمان بنانے کے لئے نہیں بلکہ اسلام کی عزت اور ناموس کی حفاظت کے لئے ہے اور دنیا کی کوئی قوم اور عالم کا کوئی مذہب بدون حکومت کے اپنی حفاظت

نہیں کرسکتا مخالفین اسلام، آسمان اور زمین کو سر پہ اٹھائے ہوئے ہیں اور زبان اور قلم سے یہ ڈھنڈورا پیٹتے رہتے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا۔ ان کو یہ معلوم نہیں کہ شریعت اسلامیہ میں مسلمان وہ شخص کہلاتا ہے کہ جو برضا و رغبت حقانیت اسلام کا زبان سے اقرار اور دل سے اس کی تصدیق کرے اور جو شخص کسی طمع اور لالچ یا کسی خوف اور ہراس سے اسلام کا محض زبان سے اقرار کرے اور دل سے اس کی تصدیق اور اعتقاد نہ رکھے تو وہ شخص شریعت اسلامیہ میں مسلمان نہیں بلکہ منافق کہلائے گا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ اعتقاد جازم اور یقین تام (جو اسلام کا جزء لاینفک بلکہ اس کی عین حقیقت ہے) کسی جبر و اکراہ سے حاصل نہیں ہوسکتا اور نہ کسی ترغیب و ترہیب سے، اور نہ کسی تحریص و تخویف سے۔ زبان اگرچہ جبر و اکراہ سے کسی شئی کا اقرار کرے مگر قلب جب ہی تصدیق کرسکتا ہے کہ جب اس کو براہین اور دلائل سے اس کا حق ہونا منکشف ہو جائے عالم کی تمام قوتیں بھی اگر یہ چاہیں کہ جبر و اکراہ سے کسی کے قلب کو مطمئن کردیں تو ناممکن اور محال ہے، تیغ و تبر اور خنجر سے کوئی عقیدہ قلب میں نہیں اتر سکتا۔ اور غالباً اس واضح حقیقت کا کوئی معمولی سے معمولی عقل والا بھی انکار نہیں کرسکتا لہٰذا یہ کہنا کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے بالکل غلط ہے۔

(۲)۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کا کفار مکہ کے ہاتھ سے مسلسل تیرہ سال تک طرح طرح کے مصائب و آلام برداشت کرنا، ماں باپ خویش و اقارب سب کو اسلام کی خاطر چھوڑ بیٹھنا اس امر کی واضح اور روشن دلیل ہے کہ انھوں نے اسلام کو بہ ہزار رضا و رغبت قبول کیا تھا اور اسلام کی حلاوت و شیرینی ان کے دلوں میں ایسی اتر چکی تھی کہ جس نے دنیا کے تلخ سے تلخ مصائب کو شیریں اور لذیذ بنا دیا تھا اور اتنا لذیذ بنایا کہ جان و مال سب ہی اس پر قربان کر ڈالا۔ مخالفین اور معترضین ذرا بتلائیں تو سہی کہ جو شئی بجبر و اکراہ اور گردن پر تلوار رکھ کر منوائی جاتی ہے کیا اس کی یہی شان ہوتی ہے۔

(۳)۔ نیز شریعت اسلامیہ کا مقصد یہ ہے کہ لوگ برضا و رغبت اُس کے احکام کی تصدیق کریں تاکہ ثواب اور نجات اُخروی اس پر مرتب ہوسکے بندہ ایمان اختیاری کا مکلف

ہے، اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک وہی ایمان اور اسلام معتبر ہے کہ جو دل سے ہو اجباری اور اضطراری ایمان کا اعتبار نہیں اسی وجہ سے ارشاد ہے

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ [1]	اگر خدا چاہتا تو تمام روئے زمین والے ایمان لے آتے۔ کیا آپ لوگوں پر جبر کرسکتے ہیں کہ وہ سب مومن ہو جائیں۔
فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۝ [2]	جو چاہے ایمان لائے اور جس کا دل چاہے وہ کفر کرے۔ حق واضح ہے جبر کی ضرورت نہیں

(۴)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت نبوت کا اعلان فرمایا اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دی اس وقت تنِ تنہا تھے کوئی حکومت اور سلطنت آپ کے پاس نہ تھی، نہ ہاتھ میں کوئی تلوار تھی جس سے نہ ایمان لانے والوں کو ڈراتے ہوں غیروں کا ذکر کیا ذکر کنبہ اور خاندان جو انسان کا حامی اور مددگار ہوتا ہے وہی آپ کا جانی دشمن اور خون کا پیاسا ہو گیا تھا ظلم وستم کی کوئی نوع اور کوئی قسم ایسی باقی نہ چھوڑی کہ جس کا آپ پر اور آپ کے اصحاب پر تجربہ نہ کرلیا ہو۔ اگر وحی ربانی آپ کی تسلی اور دلاسا نہ کرتی تو پھر ان مصائب ونوائب کا تحمل تقریبا ناممکن تھا۔ ایسی حالت میں کیسے جبر اور اکراہ ممکن ہے۔

(۵)۔ بعثت کے بعد مکہ مکرمہ میں تیرہ سال آپ کا قیام رہا۔ اسی زمانے میں اور اسی حالت میں صدہا قبائل اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے، ابوذر غفاری شروع ہی زمانے میں مسلمان ہوئے اور جب واپس ہوئے تو ان کی دعوت سے نصف قبیلۂ غفار مسلمان ہو گیا۔ ہجرت سے قبل تراسی۸۳ مرد اور اٹھارہ۱۸ عورتوں نے (کہ جو مشرف باسلام ہو چکے تھے) کفار مکہ کی ایذاؤں سے تنگ آکر حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ نجاشی شاہ حبشہ جعفر طیار کی تقریر سن کر مشرف باسلام ہوا۔ ہجرت سے قبل مدینہ کے ستر آدمیوں نے مقامِ منیٰ میں آپ کے دستِ مبارک پر بیعت

[1] ۔ یونس، آیۃ: ۹۹ [2] ۔ الکہف، آیۃ: ۲۹

کی مصعب بن عمیرؓ کے وعظ سے ایک ہی دن میں تمام قبیلۂ بنی عبدالاشہل مدینہ منورہ میں مشرف باسلام ہوا بعد ازاں باقی ماندہ انصار بھی مشرف باسلام ہو گئے۔

یہ سب قبائل جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے ہی مسلمان ہوئے اور ابوبکر صدیق اور فاروق اعظم اور عثمان غنی اور علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، جنہوں نے چار دانگ عالم میں اسلام کا ڈنکا بجایا یہ بہادرانِ اسلام بھی آیت جہاد و قتال کے نازل ہونے سے پہلے ہی اسلام کے حلقہ بگوش بن چکے تھے۔

(۶)۔ نجران اور شام کے نصاریٰ کو کس نے مجبور کیا تھا کہ وہ بطور وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوں اور اسلام قبول کریں۔ ہر طرف سے وفود کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ وفود آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اسلام قبول کرتے۔ جبر تو در کنار آپ نے تو ان کے بلانے کے لئے کوئی قاصد نہیں بھیجا تھا۔ جیسا کہ آئندہ چل کر وفود کا بیان پڑھنے سے معلوم ہوگا۔

(۷) مسئلۂ جہاد اسلام کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ انبیاء سابقین کی شریعت میں بھی یہ مسئلہ موجود تھا پس اگر اسلام کی ترقی اور اشاعت کا سبب صرف جہاد ہے تو دوسرے جن میں یہ موجود تھا وہ کیوں اس سرعت کے ساتھ شائع نہ ہوئے خصوصاً جبکہ تاریخ میں بکثرت ایسی نظیریں موجود ہیں کہ بہ وقت قدرت سلاطین و یہود و نصاریٰ نے اپنے اپنے مخالفین کا قتل عام کرایا ہے۔

(۸)۔ سلاطین اسلام اگر لوگوں کو جبراً مسلمان بناتے یا اُس قسم کی تدبیریں کرتے جو عیسائیت کے لئے کی گئیں اور کی جارہی ہیں تو کم از کم اسلامی قلم رو میں تو کسی غیر مذہب کا وجود باقی نہ رہتا۔ اس لئے کہ اگر حق و صداقت کے ساتھ مادّی اعانت و مساعدت بھی شامل ہو جائے تو پھر حق کے قبول کرنے میں کیا تامل ہے جبکہ طمع اور لالچ سے تثلیث کا گورکھ دھندا اور ایک ذات انسانی میں باوجود ہزار احتیاج کے بشریت اور الوہیت کا اجتماع اور شجر اور حجر کو خدا اور مادہ اور روح کو خدا تعالیٰ کی طرح قدیم اور ازلی ابدی اور سرمدی منوایا جاسکتا ہے تو خداوند ذوالجلال کی توحید

خالص اور یکتائی اور اس کی بے چونی اور بچگونی اور شانِ علیمی و قدیری اور سمیعی و بصیری کو طمع و لالچ سے منوانا کیا مشکل ہے مگر اسلام کا خدا داد حسن و جمال اس سے منزہ اور مستغنی ہے کہ درہم و دینار کی چمک کو ذریعۂ اشاعت بنائے اور شیطانی کمان[۵۰] کے ذریعے سے اپنے تیر چلائے جو لوگ اس راہ سے کسی مذہب کو اختیار کرتے ہیں وہ خدا کے بندے نہیں بلکہ وہ درہم اور دینار کے بندے ہیں، نعوذ باللہ من ذالک۔

(۹)۔ نیز اسلام کے قوانین خود اس کے شاہد ہیں کہ اسلام بزورِ شمشیر نہیں پھیلا اس لئے کہ اسلام میں اشاعت اسلام کا قانون یہ ہے کہ جب کسی قوم پر حملہ کرو تو اول ان پر اسلام پیش کرو کہ ایمان لے آؤ۔ پس اگر وہ ایمان لے آئیں تو وہ تمہارے بھائی ہیں تم میں اور ان میں کوئی فرق نہیں سب برابر ہو اور اگر اسلام نہ لائیں اور اپنے مذہب پر قائم رہنا چاہیں تو ان سے یہ کہا جائے گا کہ تم اسلامی حکومت کی اطاعت کا عہد کرو۔ اور جزیہ دینا قبول کرو اور حکومت میں کوئی بدامنی نہ پھیلاؤ تو ہم تمہاری جان اور آبرو کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں، تمہاری جان اور مال اور آبرو کی حفاظت مسلمانوں کی جان و مال اور آبرو کی طرح ہو گی اس شرط کے ساتھ تم اسلامی حکومت میں عیسائی اور یہودی اور مجوسی بن کر رہ سکتے ہو حکومت اسلامیہ مذہب میں کوئی مداخلت نہیں کرے گی، اور مزید برآں تمہارے لیے یہ آزادی ہو گی کہ اسلام اپنے خاص احکام تم پر جاری نہ کرے گا، مثلاً شراب پینا اسلام میں منع ہے اور تمہارے مذہب میں جائز ہے اس لئے اسلام تم کو شراب پینے اور اس کی خرید و فروخت سے تم کو منع نہ کرے گا نکاح کے لیے اسلام میں جو خاص شرائط ہیں اسلام تم کو ان کے کرنے پر مجبور نہ کرے گا تم کو اپنے رواج کے مطابق نکاح کرنے کی اجازت ہو گی وغیرہ وغیرہ۔

اور اگر جزیہ دینا بھی منظور نہ کریں تو پھر شمشیر کا حکم ہے۔ معلوم ہوا کہ شمشیر کا حکم مسلمان بنانے کے لئے نہیں بلکہ آخری درجہ میں ان کی سرکشی کے جواب میں ہے، پس اگر اسلام تلوار سے پھیلتا تو

---

[۵۰]۔ شیطان کا مقولہ ہے کہ عورت میری قدیم ترکش یعنی پرانی کمان ہے۔ اس کے ذریعہ سے جو تیر چلاتا ہوں وہ خطا نہیں جاتا۔ فافہم ذالک و استقم۔

سب سے پہلے تلوار کا حکم ہوتا تیسرے درجہ میں نہ ہوتا۔

(۱۰) ۔اگر اسلام جبر و اکراہ سے پھیلتا تو جبر و اکراہ سے اسلام لانے والے اسلام پر عاشق اور فریفتہ نہ ہوتے اس لئے کہ جبر و اکراہ کا اثر ظاہر اور بدن پر ہوتا ہے قلب پر نہیں ہوتا پس جو لوگ جبراً مسلمان بنائے گئے ان کی حالت یہ ہوتی کہ ظاہر میں زبان سے اسلام کا کلمہ پڑھتے اور دل میں اس سے متنفر اور بیزار ہوتے حالانکہ یہ لوگ دل وجان سے ظاہر و باطن جلوت اور خلوت میں اسلام پر فریفتہ اور شیدا تھے اور بہ نسبت مسجد کے گھر میں زیادہ عبادت کرتے تھے اور اسلام پر اپنی جان اور مال دینے کو سعادت سمجھتے تھے علاوہ ازیں شریعت اسلامیہ کا مسئلہ ہے کہ جو شخص محض زبان سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھ لے اس کا قتل جائز نہیں پس جس مذہب نے دشمن کے ہاتھ میں یہ سپر دے رکھی ہو کہ ایک مرتبہ زبان سے کلمہ پڑھ لینے پر فوراً چھوڑ دئے جاویں گے کیا وہ مذہب جبر اور اکراہ سے پھیل سکتا ہے جبر کی اس میں گنجائش ہی نہیں۔ ہر کافر تقیہ کرکے کلمہ پڑھ کر قتل سے بچ سکتا ہے اور پھر قدرت اور موقع پانے پر اپنے سابق مذہب کی طرف عود کر سکتا ہے آخر اس کی کیا وجہ کہ جن لوگوں نے بقول معترضین جبر اور اکراہ سے اسلام کو قبول کیا تھا وہ ساری عمر کیوں اس جبر کے پابند رہے موقع پاکر اپنے سابق مذہب کی طرف کیوں نہ لوٹ گئے۔ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ

اسلام اور مسئلہ غلامی

حق جل شانہ نے جو عزت اور کرامت انسان کو دی وہ کسی مخلوق کو نہیں دی۔ اپنی خاص صفات کمالیہ ۔علم و قدرت سمع و بصر۔ تکلم و ارادہ کا مظہر اور تجلی گاہ بنایا اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا مسجود ملائکہ بنایا تمام مخلوق پر اس کو فضیلت دی حتّٰی کہ ابلیس لعین یہ بول اٹھا هٰذَا الَّذِیْ كَرَّمْتَ عَلَیَّ ۔تمام کائنات کو اس کے لئے پیدا کیا اور اس کو اپنی عبادت اور عبودیت کے لئے بنایا اس کو وہ حریت اور آزادی عطا فرمائی کہ تمام روئے زمین اس کی ملک اور تصرف میں دی، كما قال تعالےٰ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا لیکن جب اس نادان انسان نے اپنے

خالق اور پروردگار کے واجب الاطاعت ہونے ہی سے انکار کردیا اور خداوند ذوالجلال سے بغاوت (کفر) کی ٹھان لی اور انبیاء ومرسلین سے مقابلہ اور مقاتلہ کے لئے میدان میں نکل آیا تو ساری کرامتیں اور عزتیں خاک میں مل گئیں اور وہ حریت اور آزادی جو اس کو عطا کی گئی تھی وہ یکلخت سلب کرلی گئی اور حق جل وعلا نے اس باغی اور سرکش انسان کو اپنے اُن عباد صالحین کا (جنھوں نے اس کا بول بالا کرنے کے لئے جان بازی اور سرفروشی کی) عبد اور مملوک بنادیا اور ان کو یہ اجازت دی کہ بہائم اور اموال مملوکہ کی طرح جس طرح چاہو اس کی خرید و فروخت کرو تم کو اس کی بیع وشرا اور ہبہ اور رہن کا کلی اختیار ہے اور یہ تمھاری بغیر اجازت کے کوئی تصرف نہیں کرسکتا جرم کی سزا اس کی نوعیت کے لحاظ سے ہوتی ہے جس درجہ کا جرم ہوگا اسی درجہ کی سزا ہوگی۔ چوری اور زنا کے مجرم چند روز سزا پانے کے بعد رہا کردیئے جاتے ہیں کیونکہ یہ جرم رعیت کے مقابلہ میں ہے لیکن بغاوت کا جرم معاف نہیں کیا جاتا کیونکہ وہ حکومت کے مقابلہ میں ہے اور حکومت سے انحراف اور سرتابی ہے اس وجہ سے ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ [۵]	تحقیق اللہ تعالیٰ اس جرم کو معاف نہیں کریں گے کہ اُس کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اور شرک سے کم درجے کے جو گناہ ہیں وہ جس کو چاہیں گے معاف کردیں گے۔

کیونکہ کافر و منکر اصولی طور پر خدا تعالیٰ کو واجب الاطاعت اور اس کے بھیجے ہوئے قانون کو واجب العمل نہیں سمجھتا اور نہ اپنے کو خداوند ذوالجلال کی مرضی کا پابند خیال کرتا ہے اس لئے یہ شخص خدا کا باغی ہے اگرچہ فطری یا عقلی یا اخلاقی طور پر اس سے ایسے ہی اعمال صادر ہوتے ہوں کہ جو شریعت کے مطابق ہوں کیونکہ یہ اطاعت اور متابعت نہیں بلکہ محض صورۃً توافق اور موافقت ہے اصولی طور پر تو مخالف اور باغی ہی ہے اور ظاہر ہے کہ اُصولی مخالفت اور کلی نافرمانی اور اعتقادی انحراف

۵۔ النساء ۔ آیۃ : ۴۸ ۔

کے ہوتے ہوئے جزئی اور ظاہری موافقت کیا معتبر ہو سکتی ہے اس لئے بغیر ایمان اور تسلیم کے مغفرت ناممکن ہے اور تمام اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ بغیر ایمان کے ہیچ ہیں بخلاف مومن فاسق کے کہ اس کی مخالفت جزئی ہے وہ اُصولی طور پر خدا اور اس کے رسول کو واجب الاطاعت سمجھتا ہے جب کوئی گناہ کر بیٹھتا ہے تو بارگاہ ربوبیت میں رجوع ہو کر بعد عجز و نیاز اور بہزار خجالت و ندامت عفوِ تقصیر کی درخواست کرتا ہے اسی وجہ سے ارشاد ہے۔

وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ط اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ط [1]

اور ایک غلام مسلمان۔ آزاد کافر سے کہیں بہتر ہے اگرچہ وہ تم کو پسند آئے کیونکہ یہ لوگ جہنم کی طرف بلاتے ہیں۔

جان نثار اور وفادار کو باغی اور غدار کے برابر کر دینا عقل اور فطرت اور قوانین سلطنت میں صریح ظلم ہے وہ کونسی متمدن حکومت ہے کہ جس کے قانون میں۔ فرمانبردار اور مجرم تمام احکام میں مساوی ہوں خداوند عالم کا ارشاد ہے۔

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ۔ [2]

کیا ہم اپنے فرمانبرداروں کو مجرموں کے برابر کر دیں کہ دونوں کے احکام میں کوئی فرق نہ رہے۔

تمام متمدن حکومتوں میں باغیوں اور پولیٹیکل مجرموں کی سزا چوروں اور بدمعاشوں اور دھوکہ بازوں اور جعل سازوں سے کہیں زیادہ ہے جس پر بغاوت اور سازش کا جرم ہو اس کی سزا بجز سزائے موت یا عمر بھر کی جلاوطنی اور کچھ نہیں ہوتی اگرچہ مادہ تمرد و عصیاں اور سرکشی کا دونوں مجرموں میں ہے مگر چوروں اور بدمعاشوں کا تمرد رعیت کے کسی ایک یا چند افراد کے مقابلہ میں ہوتا ہے اور باغیوں اور پولیٹیکل مجرموں کا تمرد اور عصیان سلطان وقت اور حکومت اور قانونِ حکومت کے مقابلہ میں ہوتا ہے وہ یہ چاہتا ہے کہ یہ حکومت ہی مٹ جائے۔ اور تمام متمدن حکومتوں کی نظر میں بغاوت سے بڑھ کر کوئی جرم نہیں۔ چوری اور بدری کا جرم بغاوت

---

[1] ۔ البقرہ، آیۃ: ۲۲۱۔ [2] ۔ القلم، آیۃ: ۳۵۔

کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا حکومتوں کا مسئلہ قانون ہے کہ جو شخص بغاوت کرے تو اس کی تمام فطری آزادی یکلخت سلب ہو جاتی ہے اور مال و جائداد سب ضبط ہو جاتی ہے اور حقیر و ذلیل چوپایہ کا معاملہ اس کے ساتھ کیا جاتا ہے، اگرچہ یہ پولٹیکل مجرم کتنا ہی لائق اور عاقل اور فاضل کیوں نہ ہو اور عجب نہیں کہ یہ مجرم عقل اور فہم اور تعلیم میں صدر جمہوریہ سے بھی بڑھ کر ہو پس جبکہ خالی اور مجازی حکومتوں کو اپنے باغیوں کی آزادی سلب کرنے کا اختیار ہے تو اس خداوند ذوالجلال کو (جس نے ان باغیوں کو وجود اور حیات اور عقل اور فہم کی دولت عطا کی ہے) یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنے باغیوں (کافروں) سے اپنی دی ہوئی آزادی سلب کر سکے۔

الحاصل: چونکہ غلامی خداوند ذوالجلال سے بغاوت یعنی کفر کی سزا ہے اس لئے اس مسئلہ کا ذکر توریت اور انجیل میں بھی پایا جاتا ہے بلکہ کوئی ملت اور مذہب ایسا نہیں کہ جس میں غلامی کا مسئلہ نہ ہو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ استرقاق اور غلامی کا مسئلہ تمام ادیان اور ملل کا اجماعی اور اتفاقی مسئلہ ہے۔

استرقاق اگر قبیح لذاتہ ہوتا تو کسی شریعت میں جائز نہ ہوتا توریت و انجیل سے ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء و مرسلین اس کو جائز رکھتے آئے۔ معاذ اللہ اگر استرقاق قبیح لذاتہ تھا یا کوئی وحشیانہ رسم تھی یا کوئی شرمناک فعل تھا تو حضرات انبیاء نے اس کو کیسے جائز رکھا کیا حضرات انبیاء کرام کو اس کا علم نہ تھا کہ استرقاق قبیح لذاتہ ہے اور قانونِ فطرت کے خلاف ہے۔ ماریہ قبطیہ بطور کنیز آپ کے فراش میں تھیں جن سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدۃ العمر اس قبیح ذاتی کے مرتکب رہے اور معاذ اللہ قانون فطرت کے خلاف کرتے رہے اور اگر بالفرض محال حضرات انبیاء سے اس بارے میں کوئی اجتہادی غلطی ہوگئی تھی تو پھر سوال یہ ہے کہ اس علیم و قدیر نے بذریعہ وحی کے اس غلطی پر کیوں نہ متنبہ کیا۔

اسلام سے پیشتر کوئی قوم ایسی نہ تھی کہ جس میں غلامی کا رواج نہ ہو اسلام آیا اس نے فقط

غلامی کو جائز رکھا لیکن ان تمام حیا سوز اور خلاف انسانیت امور کو جو غلاموں کے ساتھ برتے جاتے تھے یکلخت بند کر دیا، ان کے اور ان کے آقاؤں کے حقوق متعین کئے طرح طرح سے ان کے آزاد کرنے کی راہیں بتلائیں جو کتب حدیث اور فقہ میں بہ تفصیل مذکور ہیں۔

ہاں اسلام نے غلامی کو بالکلیہ ختم نہیں کر دیا کیونکہ وہ خداوند ذوالجلال سے بغاوت یعنی کفر کی سزا ہے۔ جب تک اس عالم میں کفر اور شرک باقی ہے اس وقت تک استرقاق اور غلامی بھی باقی ہے اور رہنی چاہیے جب جرم موجود ہے تو سزا کیوں نہ ہو، شریعت نے اصل غلامی کو باقی رکھا اور اس کے مفاسد کی اصلاح کر دی، اس میں شک نہیں کہ غلامی بہت بڑی ذلت ہے لیکن کفر اور شرک کی ذلت اس سے کہیں زائد ہے، ہر جرم کا قبح اور اس کی برائی محدود ہے مگر خداوند ذوالجلال سے بغاوت اور سرتابی کے قبح اور برائی کی کوئی حد اور نہایت نہیں یہی وجہ ہے کہ کفر کی سزا دائمی عذاب اور ایمان کی جزا دائمی ثواب مقرر ہوئی کیونکہ کفر کے قبح اور برائی کی اور ایمان کے حسن اور خوبی کی کوئی حد اور نہایت نہیں اور اسلام کا مقصد ہی کفر کو ذلیل کرنا ہے چوری اور بدکاری کا منشا حرص اور شہوت ہے اور خداوند ذوالجلال سے بغاوت کا منشا اباء اور استکبار یعنی تکبر اور نخوت ہے کما قال تعالیٰ۔ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ۔ اس لئے اول الذکر جرائم کی سزا ان کے مناسب تجویز کی گئی اور جس جرم کا منشا تکبر اور نخوت تھا اس کی سزا ذلت یعنی غلامی سے تجویز کی گئی۔ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا اور جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو تسلیم کیا اور اس کی راہ میں جانبازی اور سرفروشی دکھلائی حق جل و علا نے ان کی عزت افزائی فرمائی کہ ان کو۔ ان متکبرین اور باغیوں کا مالک اور آقا بنا دیا وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ٥

جو شخص اس عالم میں خیر و شر، ایمان اور کفر، نیک اور بد، مؤمن اور کافر کی تقسیم کا قائل ہے اس کے لئے اس مسئلہ میں کوئی اشکال نہیں اور جو شخص سرے سے خیر اور شر، نیک اور بد کی تقسیم ہی کا قائل نہیں اس سے ہمارا کوئی خطاب نہیں وہ انسان نہیں بلکہ حیوان مطلق ہے۔

قرآن کریم میں مَامَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ کا لفظ پندرہ جگہ آیا ہے اور گناہوں کے کفارہ میں غلام کے آزاد کرنے کا حکم بھی قرآن کریم میں صراحۃً مذکور ہے اور اسی طرح غلاموں کو مکاتب بنانے کا حکم بھی قرآن کریم میں صراحۃً مذکور ہے اس قسم کی تمام آیات سے غلامی کا ثبوت اس درجہ واضح ہے کہ کسی بینا اور شنوا کے لیے تو مجالِ انکار نہیں اور حدیث میں ہے المکاتب عبد مابقی علیہ درہم مکاتب غلام ہے جب تک کہ اس پر ایک درہم بھی باقی رہے سعد بن معاذؓ نے جب بنی قریظہ کے بارے میں یہ حکم دیا کہ تقتل مقاتلتہم وتسبی ذراریہم کہ ان کے لڑنے والے جوان تو قتل کیے جائیں اور ان کی ذریت غلام بنائی جائے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا۔ قَضَیْتَ بِحُکْمِ اللّٰہِ اے سعد تو نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا اور غزوہ اوطاس کے استرقاق بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ کہ قرآن وحدیث سے غلامی کا ثبوت اظہر من الشمس ہے۔

عارف رومی قدس اللہ سرہ السامی مثنوی ص۱۲ دفتر چہارم میں فرماتے ہیں:

در تفسیر ایں حدیث نبوی کہ	اس حدیث نبوی کی تفسیر میں
اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی خلق الملائکۃ	کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پیدا کیا اور ان میں
ورکب فیہم العقل خلق البہائم	خالص عقل رکھی اور بہائم کو پیدا کیا اور ان میں
ورکب فیہا الشہوۃ وخلق بنی	شہوت رکھی اور بنی آدم کو پیدا کیا اور ان میں
آدم ورکب فیہم العقل والشہوۃ	عقل اور شہوت دونوں رکھی پس جس کی عقل
فمن غلب عقلہ علی شہوتہ	شہوت پر غالب آگئی وہ فرشتوں سے بھی اعلیٰ
فھو اعلیٰ من الملائکۃ ومن	اور ارفع ہے اور جس کی شہوت عقل پر غالب
غلبت شہوتہ علی عقلہ فھو	آگئی وہ بہائم سے بھی بدتر ہے بے شک ایسا
ادنیٰ من البہائم صدق النبی	ہی ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل سچ
صلی اللہ علیہ وسلم ط	فرمایا۔

در حدیث آمد کہ یزدان مجید خلق عالم را سہ گونہ آفرید

حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو تین قسم پر پیدا فرمایا ہے۔

یک گرہ را جملہ علم و عقل وجود آں فرشتہ است و نداند جز سجود

ایک گروہ کو سراپا علم و دانش اور مجسم جود و کرم بنایا یہ فرشتوں کا گروہ ہے جو سوائے سجود یعنی اطاعت خداوندی کے سوا کچھ نہیں جانتا۔

نیست اندر عنصرش حرص و ہوا نورِ مطلق زندہ از عشق خدا

اس کی ماہیت میں حرص اور ہوائے نفسانی کا کہیں نام و نشان نہیں نور سے پیدا ہوئے ہیں خدا کے عشق اور محبت سے ان کی زندگی ہے۔

یک گروہ دیگر از دانش تہی ہمچو حیواں از علف در فربہی

دوسرا گروہ وہ ہے کہ جو عقل و دانش سے بالکل خالی ہے جیسے حیوان جس کا کام سوائے چرنے اور موٹے ہونے کے کچھ نہیں۔

او نہ بیند جز کہ اصطبل و علف از شقاوت غافل ست و ز شرف

وہ سوائے اصطبل اور چارہ کے کچھ نہیں جانتا شقاوت اور سعادت سے بالکل بےخبر ہے۔

آں سوم ہست آدمی زادہ بشر از فرشتہ نیمی و نیمش زخر

تیسرا گروہ یہ انسان ہے جس کا نصف حصہ ملکی ہے اور نصف حماری یعنی حیوانی ہے۔ ملکیت اور حیوانیت سے مل کر بنا ہے۔

نیم خر خود مائل سفلی بود نیم دیگر مائل علوے بود

اس بشر کا نصف حماری حیوانات کی طرح سفلیات کی طرف مائل ہے اور دوسرا نصف ملکی ملائکہ کی طرح مائل بہ علویات ہے۔

تاکدامین غالب آید در نبرد زین دوگانہ تاکدامین برد نرد

اور ان دو حصوں میں باہمی جنگ ہے دیکھئے کہ اب اس جنگ میں کون غالب آئے اور

اس امتحان میں کون بازی لے جاتے۔

عقل گر غالب شود پس شد فزوں — از ملائک ایں بشر در آزموں

پس اگر اس امتحان میں عقل غالب آگئی اور حیوانیت مغلوب ہوگئی تو پھر یہ شخص ملائکۃ اللہ سے بھی افضل اور بہتر ہے کہ باوجود حیوانی اور شہوانی موانع کے عقل کو ترجیح دی۔ بخلاف ملائک کے کہ ان کے میلان علوی میں کوئی شئی مزاحم نہیں۔

شہوت از غالب شود پس کمتر است — از بہائم ایں بشر زاں کمتر است

اگر شہوت غالب آگئی تو پھر یہ شخص بہائم اور حیوانات سے بھی بدتر ہے، کما قال تعالیٰ أُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ

آں دو قوم آسودہ از جنگ و حراب — ویں بشر با دو مخالف در عذاب

وہ دونوں گروہ یعنی فرشتے اور بہائم۔ نفس اور شیطان کے مجاہدہ اور مقابلہ سے فارغ ہیں۔ مگر یہ تیسری نوع یعنی انسان عقل اور شہوت کی مخالفت اور منازعت سے ایک عذاب اور کشمکش میں ہے۔

ویں بشر ہم زامتحاں قسمت شدند — آدمی شکل اند و سہ امت شدند

پھر یہ بشر باعتبار امتحان اور ابتلاء کے تین قسموں پر منقسم ہے، کما قال تعالیٰ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝

یک گروہ مستغرق مطلق شدہ — ہمچو عیسیٰ با ملک ملحق شدہ

ایک گروہ وہ ہے کہ جو اللہ جل جلالہ کی محبت اور عشق میں مستغرق اور فنا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح فرشتوں کے ساتھ ملحق ہوگیا۔

(فائدہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ نفخۂ جبریلی سے پیدا ہوئے ہیں اس لئے وہ صورۃً انسان اور معنیً فرشتہ ہیں۔ تفصیل کے لئے فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم کی مراجعت

کی جائے۔

نقش آدم لیک معنی جبرئیل　　　رستہ از خشم وہوا و قال وقیل

یہ گروہ صورۃً بشر ہے اور معنیً جبرئیل ہے شہوت اور غضب اور ہر قسم کی قیل و قال سے معرا اور مبرا ہیں یہ گروہ مقربین اور سابقین کا ہے۔

قسم دیگر با خران ملحق شدند　　　خشم محض و شہوت مطلق شدند

دوسرا گروہ وہ ہے کہ جو گدھوں اور جانوروں کے ساتھ ملحق ہو گیا ہے اور سراپا شہوت و غضب بن گئے ہیں کما قال تعالیٰ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ وقال تعالیٰ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔

وصف جبریلی دراِیشاں بود رفت　　　تنگ بود آں خانہ و آں وصف رفت

وصف جبریلی اُن سے جاتا رہا ظرف کی تنگی سے وہ وصف ان میں باقی نہ رہا یہ دوسرا گروہ اصحاب الشمال کا ہے۔

ماند یک قسم دگر اندر جہاد　　　نیم حیوان نیم حیے بارشاد

تین قسموں میں سے ایک قسم باقی رہ گئی وہ عوام مؤمنین ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اصحاب المیمنہ یعنی اصحاب الیمین فرمایا جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے لیکن ہنوز ان کا نفس مطمئنہ نہیں ہوا۔ ایمان۔ اللہ کی طرف کھینچتا ہے اور نفس۔ لذائذ اور شہوات کی طرف لیجانا چاہتا ہے عجب کشمکش میں ہیں کبھی نفس حیوانی غالب آتا ہے اور کبھی ایمان اور ہدایت غالب آتی ہے۔

روز و شب در جنگ و اندر کشمکش　　　کردہ چالش اولش با آخرش

روز و شب یہی جنگ اور کشمکش ہے، عقل کا نفس کے ساتھ اور روح کا جسم کے ساتھ مقابلہ ہے

عارف رومی کا یہ کلام ہم نے مختصراً مع مختصر توضیح کے ذکر کردیا ہے اب اصل مقصد کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

آدم بہ سر مطلب: انسان کو جو صفت حریت اور وصف آزادی حاصل ہے، وہ

اس کی ذات اور ماہیت کا اقتضا نہیں کہ اس وصف کا انفکاک اس سے محال ہو بلکہ صفات ملکی کے ساتھ متصف ہونے کا ثمرہ ہے، جب تک صفات ملکی کیساتھ متصف رہا اس وقت اس کو آزادی حاصل رہی اور جب صفات بہیمیہ کیساتھ متصف ہوا تو وہ حریت اور آزادی سب ختم ہوگئی

نصوص قرآنیہ سے یہ امر صراحۃً ثابت ہے کہ انسان کفر اور شرک کرنے سے بہائم اور حیوانات کے حکم میں ہوجاتا ہے کما قال تعالیٰ!

اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۔ ؎۱	نہیں ہیں یہ کافر مگر مثل چوپایوں کے بلکہ ان سے کہیں زیادہ گم کردہ راہ ہیں۔
اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۔ ؎۲	تحقیق بدترین حیوانات اللہ کے نزدیک وہ ہیں جو اللہ کے منکر ہوئے۔
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَأْكُلُوْنَ كَمَا تَأْكُلُ الْاَنْعَامُ ؎۳	اور کافر دنیا میں خوب عیش کرتے ہیں اور چوپاؤں کی طرح اندھا دھن اور کھڑے کھڑے اور چلتے چلتے کھاتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ احفظنا من ذالک

جیسا کہ آجکل اس حیوانی تہذیب اور بہیمی تمدن کا چرچا ہے حق تعالیٰ نے جو خبر دی تھی آجکل کی متمدن مجالس میں اس کی تصدیق بلکہ مشاہدہ ہورہا ہے کیا دنیا کے عقلاء اخلاقی مجرموں کو حیوانات اور بہائم سے بدتر نہیں سمجھتے تو پھر اگر اسلام خدا کے باغیوں کو حیوانات سے بدتر بتلاتا ہے تو کیا غلط کہتا ہے۔

پس جس طرح حیوانات پکڑنے اور شکار کرنے سے مملوک ہوجاتے ہیں اسی طرح خداوند ذوالجلال کے باغی اسیر اور گرفتار کرنے سے مملوک بن جاتے ہیں اور جس طرح حیوانات میں قید اور صید ملک کا سبب ہے اسی طرح کفار پر غلبہ اور استیلاء ان کے تملک اور استرقاق کا سبب تام ہے۔ انسان اور حیوان میں جو فرق ہے وہ محض عقل اور ادراک کی بنا پر ہے اور اسی وجہ سے تمام

؎۱۔ الفرقان، آیۃ: ۴۴۔ ؎۲ الانفال، آیۃ: ۵۵۔
؎۳۔ محمد، آیۃ: ۱۲۔

عقلا کے نزدیک غیر ذوی العقول ہونے کی وجہ سے حیوانات کی بیع و شرا نہ فقط جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن ہے پس انسان جب بے عقلی پر اتر آئے اور کسی کی حق تلفی کرے تو بسا اوقات عدالت بھی اس کی بیع و شرا کو کالعدم قرار دیتی ہے اور بسا اوقات عدالت جبراً اس کے اموال و املاک فروخت کرکے لوگوں کے حق دلاتی ہے کیا یہ حریت اور آزادی کا سلب نہیں۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:۔ جاننا چاہیے کہ انسان کو جو فطرۃً آزاد کہا جاتا ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حریت اور آزادی انسان کی نفس ماہیت کے لوازم اور مقتضیات سے ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے اس لیے فطرتاً آزاد ہے اور جب اسلام زائل ہو گیا تو آزادی بھی زائل ہو گئی اور یہ غلامی اس جرم کی سزا ہے جو خلاف فطرت ہے اور اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ تسلیم کر لیا جائے کہ آزادی انسان کا فطری حق ہے تو ہمارا یہ سوال ہے کہ یہ حق کس کا دیا ہوا ہے اور کیا یہ ایسا اٹل حق ہے کہ کوئی جرم کرو، کفر کرو، شرک کرو خداوند ذوالجلال سے بغاوت کرو اس کے اتارے ہوئے قانون کے اجراء اور تنفیذ میں مزاحمت کرو اس کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کو جھٹلاؤ ان کا تمسخر کرو، ان کا مقابلہ کرو، اس کے پرستاروں کو ستاؤ غرض یہ کہ جو جرم چاہو کرو مگر تمہارا یہ حق آزادی کسی طرح زائل نہیں ہو سکتا۔

سمجھ لو اور خوب سمجھ لو کہ تمام ادیان سماویہ اور ملل الٰہیہ اس پر متفق ہیں کہ کفر و شرک کے بعد حیات اور وجود کا حق بھی باقی نہیں رہتا۔ صفت حریت اور وصف آزادی کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ اور ایسی آزادی تو کسی بڑی سے بڑی متمدن اور جمہوری حکومت میں بھی کہ حکومت کو بھی نہ مانو وزراء اور حکام سلطنت کو بھی نہ مانو۔ قانونِ حکومت کو بھی نہ مانو اور اس کے خلاف تقریریں کرو اور اس کے اجراء اور تنفیذ میں مزاحمت کرو اور پھر بھی تم آزاد رہو اور نہ کوئی گرفتاری عمل میں آئے۔ اور نہ کوئی مقدمہ چلایا جائے اور نہ تمہاری زمین اور جائداد پر حکومت قبضہ کرے اور تمہاری دولت کا سرمایا جو بنک میں جمع ہے وہ بھی ضبط نہ ہو۔ کیوں نہیں۔ جب تم حکومت سے بغاوت کرو گے تو حکومت بھی وہ سب کچھ کرے گی جس کے تم مستحق ہو اعضاء جسمانی اور حیات انسانی امور فطریہ میں

سے ہیں لیکن حدود و قصاص میں اعضاء جسمانی کا قطع اور حیات انسانی کا ازالہ اور اعدام واجب ہو جاتا ہے۔ ارتکاب جرم سے فطری حقوق ختم ہو جاتے ہیں اور کفر سے بڑھ کر کوئی جرم نہیں

سیاسی غلامی

فرنگی قومیں اسلامی غلامی کا ذکر کرتی ہیں مگر توریت اور بائبل میں جو غلامی کا مسئلہ مذکور ہے اس کا نام نہیں لیتیں اور سیاسی غلامی کو اپنے لئے واجب اور ضروری سمجھتے ہیں موجودہ سیاست نے پوری قوم اور پورے ملک کو غلام بنانے کے طریقے ایجاد کر دیے ہیں اس لئے انفرادی غلامی کی ضرورت نہیں رہی اور آج بھی اس دور جمہوریت اور مساوات میں سفید فام کو سیاہ فام پر ترجیح دیتے ہیں چنانچہ امریکہ کی ولایات متحدہ میں سرخ فام باشندوں کے لئے سیاہ فام باشندوں سے الگ قانون بنا رکھا ہے۔

سلسلۂ غزوات و سرایا

یعنی

راہِ خداوندی میں حضرات صحابۂ کرام کی بے مثال جانبازی اور سرفروشی اور خداوند ذوالجلال سے سرتابی اور گردن کشی کرنے والوں کی سرکوبی اور گردن کشی کا ایک باب ۔

جہاد کا حکم نازل ہوا اور آپ نے جہاد و قتال شروع فرمایا اور اطراف و جوانب میں لشکر روانہ فرمائے جس جہاد میں آپ نے بہ نفسِ نفیس شرکت فرمائی ۔ علماء سِیَر کی اصطلاح میں اس کو غزوہ کہتے ہیں اور جس میں آپ شریک نہیں ہوئے اس کو سریہ اور بَعث کہتے ہیں۔

تعداد غزوات:۔ موسیٰ بن عقبہ، محمد بن اسحٰق، واقدی، ابن سعد، ابن جوزی، دمیاطی عراقی نے غزوات کی تعداد ستائیس[1] بتائی ہے اور سعیدؓ بن مسیب سے چوبیس[2] اور جابرؓ بن عبداللہ سے اکیس[3] اور زیدؓ بن ارقمؓ سے انیس[3] کی تعداد مروی ہے علامہ سہیلی فرماتے ہیں، وجہ اختلاف کی یہ ہے کہ بعض علماء کے چند غزوات کو قریب قریب اور ایک سفر میں ہونے کی وجہ سے ایک غزوہ شمار کیا اس لئے ان کے نزدیک غزوات کی تعداد کم رہی اور ممکن ہے کہ بعض کو بعض غزوات کا علم نہ ہوا ہو۔[4]

تعداد سرایا:۔ علیٰ ہذا سرایا کی تعداد میں بھی اختلاف ہے ۔ ابن سعد سے چالیس[1] اور ابن

---

[1] رواہ عبدالرزاق بسند صحیح ۱۲۔ [2] رواہ ابو یعلیٰ باسناد صحیح ۔ [3] رواہ البخاری و مسلم والترمذی ۱۲ -
[4] ۔ فتح الباری ۔ ج ۱۷ ، ص ۲۱۸ ۔ زرقانی ج ۱ ، ص ۳۸۸

عبد البر سے سینتیس اور محمد بن اسحٰق سے اڑتیس اور واقدی سے اڑتالیس اور ابن جوزی سے چھپن کی تعداد منقول ہے۔ تفصیل کے لئے زرقانی صفحہ ۳۸۸ جلد ۱ کی مراجعت کریں ۱۲

سریۂ حمزہ رضی اللہ عنہ:۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے ہجرت کے سات مہینے بعد رمضان المبارک سنہ ۱ھ میں یا ربیع الاول سنہ ۲ھ میں علی اختلاف الاقوال تیس[۱] مہاجرین کی جمعیت کو حضرت حمزہؓ کی سرکردگی میں سیف البحر کی طرف روانہ فرمایا۔ تاکہ قریش کے تین سَو سواروں کا قافلہ جو ابوجہل کی سرکردگی میں شام سے مکہ واپس آرہا ہے اس کا تعاقب کریں ہجرت کے بعد یہ پہلا سریہ تھا اس جمعیت میں مہاجرین کے سوا انصار میں سے کوئی نہ تھا۔ جب حضرت حمزہ سیف البحر پر پہنچے اور فریقین کا آمنا سامنا ہوگیا اور جنگ کے لیے صفیں قائم ہوگئیں۔ تو مجدی بن عمرو جہنی نے درمیان میں پڑ کر بیچ بچاؤ کرا دیا ابوجہل قافلہ لے کر مکہ چلا گیا اور حضرت حمزہ مدینہ واپس آگئے۔[۲]

سریۂ عبیدۃ بن حارث رضی اللہ عنہ:۔ پھر ہجرت کے آٹھ مہینہ بعد ماہ شوال سنہ ۱ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین رضی اللہ عنہم کے ساٹھ یا اسی سواروں پر عبیدۃ بن الحارث رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر رابغ کی طرف روانہ فرمایا۔ اس سریہ میں کوئی انصاری نہ تھا۔ وہاں پہنچ کر قریش کے دو سَو سواروں کی جمعیت سے مُدبھیڑ ہوگئی۔ مگر لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ صرف سعد بن ابی وقاصؓ نے ایک تیر چلایا۔ یہ پہلا تیر تھا جو اسلام میں چلایا گیا۔ ابو سفیانؓ بن حرب یا عکرمہ بن ابی جہل یا مکرز بن حفص علی اختلاف الاقوال اس جماعت کے افسر

---

[۱] بعض کہتے کہ اس سریہ میں کچھ انصار بھی تھے ابن سعد کہتے کہ صحیح یہ ہے کہ انصار میں سے کوئی نہ تھا۔ غزوہ بدر سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنے بھی سریے روانہ کیے ان میں کوئی انصاری نہ تھا اس لئے کہ انصار نے مدینہ میں رہ کر حفاظت کا وعدہ کیا تھا باہر جا کر لڑنے کا وعدہ نہیں کیا تھا اس لئے آپ نے غزوہ بدر میں انصار سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تمہاری کیا رائے ہے طبقات ابن سعد جلد ۲ قسم اول زرقانی صفحہ ۳۹۵ جلد ۱ [۲] طبقات ابن سعد، ج ۲، ص: ۲۔ البدایۃ والنہایۃ۔ ج ۲، ص ۲۳۴۔ [۳] ابوسفیان بن حرب عکرمہ بن ابی جہل فتح مکہ پر مشرف باسلام ہوئے مکرز بن حفص کو کسی نے صحابہ میں ذکر نہیں کیا صرف ابن حبانؒ کتاب الثقات میں اس قدر کہا ہے یقال لہ صحبۃ کہا جاتا ہے کہ مکرز بن حفص صحابی

تھے۔ مقداد بن عمرو۔ اور عتبہ بن غزوان جو پہلے سے مسلمان ہو چکے تھے مگر قریش کے پنجہ میں ہونے کی وجہ سے ہجرت سے مجبور تھے۔ قریش کے قافلہ کے ہو لئے تاکہ جب موقع پڑے تو مسلمانوں میں جا ملیں۔

چنانچہ اس موقع پر جب مسلمانوں اور قریش کا مقابلہ ہوا تو یہ دونوں حضرات کفار کے گروہ نکل کر مسلمانوں میں آملے۔[1]

حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ کی روانگی چونکہ نہایت قریب قریب ہے اس لئے علماء کا اختلاف ہے بعض حضرت حمزہ کی روانگی کو مقدم بتاتے ہیں اور بعض حضرت عبیدہ کی روانگی کو مقدم کہتے ہیں۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

اور بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں بعث معاً واقع ہوئے اس لئے اشتباہ ہو گیا کسی نے سریہ، حمزہ کو مقدم تبلایا اور کسی نے سریہ عبیدہ کو پہلے تبلایا اور ہر ایک اپنی اپنی جگہ صحیح ہے۔

سریۂ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ: پھر ماہ ذی قعدہ ۱ھ میں بیس مہاجرین کی پاپیادہ جمعیت کو سعد بن ابی وقاص کی سرکردگی میں خرار کی طرف روانہ فرمایا۔

خرار جحفہ کے قریب ایک وادی ہے۔ غدیر خم بھی اسی کے قریب میں واقع ہے۔

یہ لوگ دن کو چھپ جاتے اور رات کو چلتے۔ خرار پہنچ کر معلوم ہوا کہ قریش کا قافلہ نکل چکا ہے، یہ لوگ مدینہ واپس آگئے۔[2]

جاننا چاہیے کہ واقدی اور محمد ابن سعد کے نزدیک یہ تینوں سریے ۱ھ ایک ہجری میں روانہ کئے گئے اور محمد بن اسحٰق یہ کہتے ہیں کہ یہ تینوں سریے ۲ھ دو ہجری میں بعد غزوۂ ابواء کے روانہ کئے گئے۔[3] اور ابن ہشام نے بھی اپنی سیرت میں اسی کو اختیار کیا ہے کہ اول غزوۂ ودان کو ذکر کیا اور پھر سریۂ عبیدہ بن الحارث اور پھر سریۂ حمزہ کو ذکر کیا اور اس ناچیز نے حافظ ابن قیم اور علامہ قسطلانی اور علامہ زرقانی کا اتباع کیا۔

---

[1] ۔ زرقانی۔ ج ۱، ص: ۳۹۱ [2] ۔ زاد المعاد۔ ج: ۲، ص: ۸۳

[3] ۔ ابن الاثیر: ج: ۲، ص: ۱۴۱

غزوۂ ابواء[1]۔ یہ پہلا غزوہ ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفسِ نفیس تشریف لے گئے اور غزوۂ تبوک آخری غزوہ ہے۔

شروع صفر ۲ھ میں ساٹھ مہاجرین کو جن میں کوئی انصاری نہ تھا اپنے ہمراہ لے کر قافلہ قریش اور بنوضمرہ پر حملہ کرنے کے لئے ابواء کی طرف روانہ ہوئے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر فرمایا اس غزوہ میں جھنڈا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔

جب آپ ابواء پہنچے تو قریش کا قافلہ نکل چکا تھا بنی ضمرہ کے سردار مخشی بن عمرو سے صلح کر کے واپس ہوئے شرائط صلح یہ تھیں۔ کہ بنو ضمرہ نہ مسلمانوں سے جنگ کریں گے اور نہ مسلمانوں کے کسی دشمن کی مدد کریں گے اور نہ مسلمانوں کو کبھی دھوکہ دیں گے اور عند الضرورت مسلمانوں کی اعانت اور امداد کرنی ہوگی۔[2]

اس غزوہ کو غزوۂ وَدّان بھی کہتے ہیں۔ ابواء اور ودّان دو مقام ہیں جو قریب قریب ہیں جن میں صرف چھ میل کا فاصلہ ہے

اس غزوہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پندرہ روز کے بعد بلا قتال مدینہ منورہ واپس ہو گئے اس سفر میں نوبت قتال کی نہیں آئی عیون الاثر ج۱ ص۲۲۶ و فتح الباری ج۷ ص۲۱۱[3]

غزوۂ بواط[4]

پھر آپ کو بذریعہ وحی یہ معلوم ہوا کہ قریش کا ایک تجارتی قافلہ مکہ جا رہا ہے اس لئے آپ ماہ ربیع الاول ۲ھ یا ربیع الثانی میں دو سو کو لے کر قریش کے اس قافلہ پر حملہ کرنے کے لئے بواط کی طرف روانہ ہوئے اور سائب بن عثمان بن مظعون کو جو سابقین اولین اور مہاجرین حبشہ میں سے ہیں۔ مدینہ کا حاکم مقرر فرمایا۔

---

[1] الابواء بفتح الہمزۃ وسکون الموحدۃ ممدود قریۃ من عمل الفرع بینہا وبین الجحفۃ من جہۃ المدینۃ ثلاثۃ وعشرون میلا فتح الباری ج۷ ص۲۱۱ کتاب المغازی۔ [2] طبقات ابن سعد۔ ج ۲، ص ۳:

[3] عیون الاثر۔ ج ۱، ص : ۲۲۶۔ [4] بُوَاط بارفتح۔ اور با کو مضموم بھی پڑھا جاتا ہے۔ یہ ایک پہاڑ کا نام ہے جو ینبع کے قریب ہے مدینہ سے کچھ کم و بیش اڑتالیس میل کا فصل ہے۔ ۱۲ منہ عفی عنہ

قریش کے اس قافلہ میں ڈھائی ہزار اونٹ تھے اور امیہ بن خلف اور سو آدمی قریش کے تھے بواط پہنچکر معلوم ہوا کہ قافلہ نکل چکا ہے اس لئے آپ بلا جدال وقتال مدینہ منورہ واپس آگئے۔[1]

غزوہ عُشیرہ: اثنا رجمادی الاولیٰ ۲ھ میں آپ نے دو سو مہاجرین کو لے کر قریش کے قافلہ پر حملہ کرنے کے لیے عُشیرہ کی طرف خروج فرمایا۔ جو ینبعؔ کے قریب ہے اور مدینہ میں ابوسلمہ بن عبد الاسد رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا اور سواری کے لئے تیس اونٹ ہمراہ لئے۔ جس پر صحابہ نوبت بہ نوبت سوار ہوتے تھے۔

آپ کے پہنچنے سے کئی روز پیشتر قافلہ نکل چکا تھا آپ بقیہ ماہ جمادی الاولیٰ اور چند راتیں جمادی الثانیہ تک وہیں قیام پذیر رہے اور بنی مدلج سے معاہدہ کر کے بلا جنگ کئے ہوتے مدینہ واپس ہوتے معاہدہ کے الفاظ یہ تھے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
ھذا الکتاب من محمد رسول اللہ لبنی ضمرۃ بانھم آمنون علی اموالھم وانفسھم وان لھم النصر علی من رامھم ان لا یحاربوا فی دین اللہ مابل بحر صوفۃ وان النبی اذا دعاھم لنصرہ اجابوہ۔ علیھم بذلک ذمۃ اللہ وذمۃ رسولہ ولھم النصر علی من بر واتقی۔[2]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ ایک تحریر ہے محمد رسول اللہ کی طرف سے بنو ضمرہ کے لئے کہ ان کے جان ومال سب محفوظ رہیں گے اور جو شخص بنو ضمرہ سے جنگ کا ارادہ کرے گا تو اس کے مقابلہ بنو ضمرہ کی مدد کی جائے گی بشرطیکہ بنو ضمرہ اللہ کے دین میں کوئی مزاحمت نہ کریں جب تک دریا صوف کو تر کرے یعنی یہ شرط ہمیشہ کے لئے ہے نبی کریم جب انکو مدد کے لئے بلائیں تو حاضر ہوں گے۔ یہ ان پر اللہ اور اسکے رسول کا عہد ہے اور جو شخص ان میں نیک اور پرہیزگار رہے گا اس کی مدد کی جائے گی۔

---

[1] - زرقانی - ج: ۱، ص: ۳۹۲

[2] - روض الانف - ج: ۲، ص: ۵۸ - زرقانی: ج: ۱، ص: ۱۹۲

علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے کونسا غزوہ وقوع میں آیا۔ محمد بن اسحاق اور ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ سب سے پہلا غزوہ۔ ابواء ہے پھر بواط اور پھر عُشَیرہ اور اسی ترتیب کو امام بخاری نے صحیح بخاری میں اختیار فرمایا اور اسی کو حافظ عسقلانی نے شرح بخاری میں اختیار فرمایا۔ اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ پہلا غزوہ غزوہ عشیرہ ہے [1]

نیز علماء سیر کا اس میں اختلاف ہے کہ اوّل الذکر تین سریے یعنی سریہ حمزہؓ و سریہ عبیدۃ و سریہ سعد۔ یہ تین سریے ہجرت کے پہلے سال میں۔ غزوہ ابواء کے بعد ۲ھ میں وقوع میں آئے۔ اکثر علماء نے ان تینوں سریوں کو ہجرت کے پہلے سال میں غزوۂ ابواء سے متقدم ذکر کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اذن قتال کے بعد مغازی کی ابتداء بعوث اور سرایا سے ہوئی اور حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں اور علامہ قسطلانی نے مواہب میں اور علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں اوّل الذکر تین سرایا کو یعنی سریہ حمزہ اور سریہ عبیدہ اور سریہ سعد کو ہجرت کے پہلے سال کے واقعات میں شمار کیا اور اس ناچیز نے غزوات اور سرایا کی ترتیب میں اکثر قسطلانی اور زرقانی کا اتباع کیا ہے اور محمد بن اسحاق وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ مغازی کی ابتداء غزوۂ ابواء سے ہے اور اس کے بعد سریہ حمزہ و سریہ عبیدہ روانہ کئے گئے چونکہ حضور پرنور نے ان دونوں سریوں کی روانگی کا حکم معاً دیا اس لئے روایت کرنے والوں کو اشتباہ ہو گیا کہ کونسا سریہ پہلے روانہ کیا گیا اور ابن ہشام نے اپنی سیرت میں اسی ترتیب کو اختیار فرمایا کہ اوّل غزوہ ودان کو ذکر کیا اور پھر سریہ عبیدۃ ابن الحارث کو اور پھر سریہ حمزہؓ کو اور پھر اس کے بعد غزوہ بواط کو اور پھر غزوۂ عُشَیرہ کو ذکر کیا۔ اور ان تمام سرایا اور غزوات کو ۲ھ کے واقعات سے شمار کیا۔

غزوۂ بدر سغریٰ / غزوۂ سفوان — غزوۂ بدرِ اولیٰ:۔ غزوۂ عشیرہ سے واپسی کے بعد تقریباً دس روز آپ نے مدینہ قیام فرمایا ہوگا کہ کرز بن جابر فہری نے مدینہ کی چراگاہ پر شب خون مارا اور لوگوں کی اونٹ اور بکریاں لے بھاگا۔

---

[1] تاریخ الخمیس۔ ج ۱، ص ۴۱۰

آپ یہ خبر سنتے ہی اس کے تعاقب میں مقام سَفوان تک گئے جو بدر کے قریب ایک موضع ہے مگر آپ کے اس مقام پر پہنچنے سے پہلے ہی کرز یہاں سے نکل چکا تھا۔ اس لئے مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی۔

سَفوان چونکہ بدر کے قریب ایک موضع ہے اور آپ اُس کے تعاقب میں بدر تک گئے۔ اس لئے اس غزوہ کو غزوۂ بدر اُولیٰ کہتے ہیں اور غزوۂ سَفوان بھی کہتے ہیں۔ اس غزوہ میں جاتے وقت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنا گئے۔[1]

کرز بن جابر۔ رؤساء قریش میں سے تھے بعد میں مشرف باسلام ہوئے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عرنیین کے تعاقب میں بیس سواروں کا ایک دستہ روانہ فرمایا تو کرز بن جابر رضی اللہ عنہ کو اس کا امیر بنایا۔ فتح مکہ میں شہید ہوئے۔[2]

سریۂ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ

غزوۂ سَفوان سے واپسی کے بعد۔ ماہ رجب ۲ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو مقام نخلہ[3] کی طرف روانہ فرمایا اور گیارہ مہاجرین کو آپ کے ہمراہ کیا جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ابو حذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ
۲۔ عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ
۳۔ عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ
۴۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
۵۔ عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ
۶۔ واقد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ
۷۔ خالد بن بکیر رضی اللہ عنہ
۸۔ سہیل بن بیضا رضی اللہ عنہ
۹۔ عامر بن ایاس رضی اللہ عنہ
۱۰۔ مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ

---

[1] زرقانی ج ۱، ص: ۳۹۶، عیون الاثر ج: ۱، ص: ۲۲۶

[2] الاصابہ ج: ۳، ص: ۲۹۰۔

[3] نخلہ۔ مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام ہے مکہ سے ایک دن اور ایک رات کا راستہ ہے یہی مقام ہے جہاں جنات نے آپ کا قرآن سنا تھا (ازرقانی ج ۱ ص ۳۹)

۱۱۔ صفوان بن بیضاء رضی اللہ۔

یہ گیارہ مہاجرین آپ کے ہمراہ تھے اور بارھویں خود امیر سریہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ تھے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایک سریہ میں بھیجنے کا ارادہ کیا اور یہ فرمایا کہ تم پر ایسے مرد کو امیر بناؤں گا کہ جو تم میں سب سے زیادہ بھوک اور پیاس پر صابر ہوگا۔ بعد ازاں عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو ہمارا امیر بنایا یہ اسلام میں پہلے امیر تھے[۱]

معجم طبرانی میں باسناد حسن، جندب بجلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عبداللہ بن جحش کو روانہ فرمایا تو ایک خط لکھ کر دیا اور یہ حکم کیا کہ جب تک دو دن کا راستہ نہ قطع کر لو اس وقت تک اس خط کو کھول کر نہ دیکھنا دو روز کا راستہ طے کرنے کے بعد اس خط کو دیکھنا جو اس میں لکھا ہوا اس پر عمل کرنا اور اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو مجبور نہ کرنا۔

چنانچہ دو روز کا راستہ طے کرنے کے بعد عبداللہ بن جحش نے آپ کا والانامہ کھول کر دیکھا تو اس میں یہ تحریر تھا کہ تم برابر چلے جاؤ یہاں تک کہ مکہ اور طائف کے مابین مقام نخلہ میں جا کر اترو، اور قریش کا انتظار کرو اور ان کی خبروں سے مطلع کرتے رہو۔

عبداللہ بن جحش نے اس تحریر کو پڑھ کر یہ کہا سمعًا وطاعۃً میں نے آپ کے حکم کو سنا اور اطاعت کی اور تمام ساتھیوں کو اس مضمون سے آگاہ کیا اور یہ بھی کہہ دیا کہ میں تم میں سے کسی کو مجبور نہیں کرتا جس کو شہادت عزیز ہو وہ میرے ساتھ چلے۔ چنانچہ سب نے طیب خاطر سے آپ کی مرافقت کو منظور کیا اور آپ کی ساتھ ہو لئے۔

راستہ میں سعد اور عتبہؓ کا اونٹ راستہ سے بھٹک کر کہیں چلا گیا اس لئے یہ دونوں حضرات اونٹ کی تلاش میں پیچھے رہ گئے اور گم ہو گئے اور بقیہ حضرات نے مقام نخلہ پہونچ کر قیام کیا۔ فتح الباری صفحہ ۴۳ باب ما یذکر فی المناولۃ وکتاب اہل العلم الی البلدان ۱۲ وعیون الاثر و زرقانی صفحہ ۳۹۶ ج ۱

---

[۱] زرقانی۔ ج: ۱، ص: ۳۹۶

اسلام میں پہلی غنیمت!

قریش کا ایک تجارتی قافلہ شام سے مکہ واپس آرہا تھا اُس دن رجب الحرام کی آخری تاریخ تھی (اس مہینہ میں قتل وقتال حرام[1] تھا) غرۂ شعبان کے اشتباہ میں اس قافلہ پر حملہ کردیا۔ واقد بن عبداللہ نے قافلہ کے سرگروہ عمرو بن الحضرمی کے ایک تیر مارا جس سے وہ مرگیا۔ اس کے مرتے ہی قافلے والے سراسیمہ اور پریشان ہوکر بھاگ اُٹھے اور مسلمانوں نے قافلے کے تمام مال واسباب پر قبضہ کرلیا اور عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان کو گرفتار کرلیا۔ اس وقت تک تقسیم غنائم کے متعلق کوئی حکم نازل نہ ہوا تھا۔ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے محض اپنے اجتہاد سے چار خمس غانمین پر تقسیم کردیئے اور ایک خمس (پانچواں حصہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رکھ چھوڑا جب مدینہ پہنچے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی آپ نے فرمایا میں نے تم کو شہر حرام میں قتال کا حکم نہیں دیا تھا۔ غیر جب تک کوئی وحی نازل نہ ہوا اس وقت تک مال

---

[1] حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں چار مہینوں میں قتل وقتال حرام تھا۔ ذی قعد۔ ذی الحجہ۔ محرم۔ تین مہینے مسلسل اور ایک رجب۔ ذی الحجہ کا مہینہ حج کا مہینہ ہے۔ ایک مہینہ ماقبل اور ایک مہینہ مابعد کا اس لئے حرام کیا گیا۔ تاکہ دور دراز سے آنے والے حجاج امن کے ساتھ حج کرکے واپس ہوجائیں اور ماہ رجب میں عمرہ کرنے کے لئے اکثر وہ لوگ آتے تھے جو مکہ مکرمہ سے دس پندرہ یوم کے مسافت پر رہتے تھے، اس لئے ماہِ رجب کو حرام کیا گیا۔ چودہ پندرہ دن آمدکے اور چودہ پندرہ روز واپسی کے علاوہ ازیں عرب میں دیگر غلہ جات کے قافلے بھی انہی مہینوں میں آتے تھے اس لئے ان مہینوں کو حرام کیا گیا تاکہ لوگوں کے جان ومال لوٹ مار سے مامون رہیں۔ کما قال تعالیٰ جَعَلَ اللّٰہُ الْکَعْبَۃَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیَامًا لِّلنَّاسِ وَالشَّھْرَ الْحَرَامَ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے شروع اسلام تک یہی حکم رہا، یہاں تک آیت سیف سے یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ اور ان مہینوں میں قتال کی اجازت دی گئی لیکن باوجود جہاد و قتال کی اجازت کے عظمت وحرمت اب بھی ان مہینوں کی باقی ہے۔ کما قال تعالیٰ۔ مِنْھَآ اَرْبَعَۃٌ حُرُمٌ فَلَا تَظْلِمُوْا فِیْھِنَّ اَنْفُسَکُمْ۔ یعنی چار مہینے حرام ہیں۔ ان میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو یعنی اللہ کی نافرمانی نہ کرو عطا فرماتے ہیں کہ ان مہینوں میں جہاد وقتال کے حرام ہونے کا حکم اب بھی باقی ہے۔ منسوخ نہیں ہوا۔

دررض الانف صفحہ ۶۷

غنیمت اور قیدیوں کو حفاظت سے رکھو۔ اس پر عبداللہ بن جحش اور ان کے رفقاء بہت نادم اور پشیمان ہوئے ادھر مشرکین اور یہود نے یہ کہنا شروع کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب نے شہر حرام میں قتل و قتال کو حلال کرلیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۔ [1]

آپ سے ماہِ حرام میں قتال کرنے کی بابت دریافت کرتے ہیں۔ آپ جواب میں کہہ دیجئے کہ بیشک ماہ حرام میں قصداً قتال کرنا بڑا گناہ ہے لیکن خدا کے راستے کسی کو روکنا اور خدا کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور اہلِ حرم کو حرم سے نکالنا اللہ کے نزدیک یہ جرم سب سے جرموں سے زیادہ سخت اور بڑا ہے اور کفر اور شرک کا فتنہ اس قتل سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے اور یہ کافر ہمیشہ تم سے جنگ کرتے رہیں گے تاکہ تم کو تمھارے دین سے ہٹادیں اگر ان میں طاقت ہو۔

خلاصہ یہ کہ کسی اشتباہ اور التباس کی بنا پر نادانستہ طور پر شہر حرام میں قتل و قتال کا واقع ہوجانا کوئی بڑی چیز نہیں البتہ کفر و شرک کا فتنہ اور مسلمانوں کا مسجد حرام سے دیدہ و دانستہ روکنا ایک عظیم فتنہ ہے جس سے بڑھ کر کوئی جرم نہیں، اس آیت شریفہ کے نازل ہونے کے بعد آپ نے خمس قبول فرمالیا اور باقی مالِ غنیمت کو مجاہدین پر تقسیم کردیا عبداللہ بن جحش اور ان کے رفقاء اس آیت کو سن کر خوش ہوگئے اب اس کے بعد عبداللہ بن جحش اور ان کے رفقاء کو اجر اور ثواب کی طمع دامنگیر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم اس غزوہ پر کچھ اجر کی بھی امید رکھ سکتے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ [2] تحقیق جو لوگ ایمان

[1] سورۃ البقرۃ، آیۃ: ۲۱۷ [2] ایضاً، آیۃ: ۲۱۰

لائے اور ہجرت کی اور اللہ کے راستہ میں جہاد کیا ایسے لوگ بلاشبہ اللہ کی رحمت کی اُمید کر سکتے اور کیوں نہیں اللہ تو بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔

یہ اسلام میں پہلی غنیمت تھی اور عمرو بن حضرمی پہلا مقتول تھا جو مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔

قریش نے عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان کا فدیہ بھیجا۔ آپ نے فرمایا جب تک میرے ساتھی سعد اور عتبہ واپس نہ آجائیں اس وقت تک میں تمھارے قیدیوں کو نہ چھوڑوں گا۔ اس لیے کہ مجھ کو اندیشہ ہے کہ تم ان کو قتل نہ کر دو، اگر تم میرے ساتھیوں کو قتل کروگے تو میں بھی تمھارے آدمیوں کو قتل کروں گا۔

اس کے چند دن بعد سعد اور عتبہ واپس آ گئے آپ نے فدیہ لے کر عثمان اور حکم کو چھوڑ دیا۔ عثمان تو رہا ہونے ہی مکہ واپس ہو گیا اور مکہ ہی میں جاکر کافر مرا۔ اور حکم اور کیسان مسلمان ہو گئے اور مدینہ ہی میں رہے یہاں تک غزوۂ بئر معونہ میں شہید ہوئے۔ [۱]

اور اسی بارے میں عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار کہے۔

تَعُدُّوْنَ قَتْلًا فِی الْحَرَامِ عَظِیْمَۃً ۔۔۔ وَاَعْظَمُ مِنْہُ لَوْیَرَی الرُّشْدَ رَاشِدُ

صُدُوْدُکُمْ عَمَّا یَقُوْلُ مُحَمَّدٌ ۔۔۔ وَکُفْرٌ بِہٖ وَاللّٰہُ رَاءٍ وَّشَاھِدُ

تم لوگ شہر حرام یعنی رجب کے مہینہ میں قتل و قتال کو بڑی شی خیال کرتے ہو حالانکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو ارشاد فرماتے ہیں اس سے روکنا اور ان کے ساتھ کفر کرنا اس سے کہیں بڑھ کر ہے کاش کوئی سمجھ دار ذرا خیال کرے اور اللہ خوب دیکھنے والا اور مشاہدہ کرنے والا ہے۔

وَاِخْرَاجُکُمْ مِنْ مَسْجِدِ اللّٰہِ اَھْلَہٗ ۔۔۔ لِئَلَّا یُرٰی فِی الْبَیْتِ لِلّٰہِ سَاجِدُ

اور تمھارا اللہ کے گھر سے اللہ والوں کو نکالنا تاکہ اللہ کا سجدہ کرنے والا کوئی نظر نہ آئے یہ بھی شہر حرام میں قتال کرنے سے کہیں بڑھ کر ہے۔

فَاِنَّا وَاِنْ عَیَّرْتُمُوْنَا بِقَتْلِہٖ ۔۔۔ وَاَرْجَفَ بِالْاِسْلَامِ بَاغٍ وَّحَاسِدُ

[۱] سیرۃ ابن ہشام ج: ۲، ص: ۷۔ زرقانی: ج: ۱۔ ص: ۳۹۰۔

سَقَیْنَا مِنِ ابْنِ الحضرمی رِمَاحَنَا بِنَخْلَۃَ لَمَّا اوقد الحربَ وَاقِدُ

دما و ابن عبد اللّٰه عثمان بیننا ینازعہ غُلٌّ من القید عَانِدُ

تم اگرچہ ہم کو اس قتل پر عار دلاؤ اور حاسد لوگ اسلام کے متعلق کتنی ہی جھوٹی خبریں اڑائیں لیکن ہم کو پرواہ نہیں بے شک ہم نے عمرو بن الحضرمی کے خون سے مقام نخلہ میں اپنے نیزوں کو سیراب کیا جبکہ واقد بن عبداللہؓ نے لڑائی کی آگ بھڑکائی اور عثمان بن عبداللہ ہمارے مابین اسیر تھا جس کو طوق و سلاسل اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔ والعائذ المائل یعنی میل فیمیلہ و یجذبہ [۵۵]
(سیرۃ ابن ہشام ص ۹ ج ۲ و حسن الصحابہ ص ۳۰۳ ج ۱)

غزوۂ بدر کبریٰ (عظمیٰ ثانیہ)

رمضان المبارک سنہ ۲ھ

یہ غزوہ غزواتِ اسلام میں سب سے بڑا غزوہ ہے اس لئے کہ اسلام کی عزت و شوکت کی ابتداء اور علیٰ ہذا الکفر اور شرک کی ذلت و رسوائی کی ابتدا بھی اسی غزوہ سے ہوئی۔

اور اللہ جل جلالہ کی رحمت سے اسلام کو بلا ظاہری اور مادی اسباب کے محض غیب سے قوت حاصل ہوئی اور کفر و شرک کے سر پر ایسی کاری ضرب لگی کہ کفر کے دماغ کی ہڈی چور چور ہو گئی میدانِ بدر جس کا شاہد عدل اب تک موجود ہے اور اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے اس دن کو قرآن کریم میں یَوْمَ الْفُرْقَانِ فرمایا یعنی حق اور باطل میں فرق اور امتیاز کا دن بلکہ یہ مہینہ ہی فرقان تھا یعنی رمضان المبارک تھا جس میں حق جل و علا نے قرآن مجید اور فرقان حمید کو نازل فرما کر حق اور باطل ہدایت اور ضلالت کا فرق واضح فرمایا۔ اور پھر اسی مہینہ میں روزے فرض فرمائے

۵۵۔ سیرۃ ابن ہشام۔ ج: ۲، ص: ۹

۵۶۔ بدر ایک گاؤں کا نام ہے کہ جو مدینہ منورہ سے چار منزل اور اٹھائیس فرسخ یعنی تقریباً اسی میل کے فاصلہ پر ہے بدر بن یخلد بن نضر بن کنانہ یا بدر بن الحارث کی طرف منسوب ہے، جہاں کا بانی تھا اور بعض کہتے ہیں کہ بدر ایک کنویں کا نام ہے کنویں ہی کے نام سے بستی مشہور ہو گئی۔ (زرقانی ص ۴۰۲ ج ۱)

تاکہ محبین و مخلصین۔ عاشقین ووالہین کا امتحان فرمائے کہ کون اس کا محب صادق ہے کہ صبح صادق سے لیکر غروب آفتاب تک اس کی محبت میں سخت سے سخت گرمی میں شدائد کو برداشت کرتا ہے اور کون محب کاذب ہے۔ کہ اپنے پیٹ۔ اور حیبطوں کا زر خرید غلام ہے۔ غرض یہ کہ یہ مہینہ ہی فرقان کا ہے کہ اس میں مختلف حیثیات اور متعدد جہات سے مخلص اور غیر مخلص کا فرق ظاہر اور نمایاں ہو جاتا ہے۔

آغازِ قصّہ

شروع رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی کہ ابوسفیان قریش کے قافلہ تجارت کو شام سے مکہ واپس لا رہا ہے جو مال واسباب سے بھرا ہوا ہے۔

آپ نے مسلمانوں کو جمع کر کے اس کی خبر دی اور فرمایا یہ قریش کا کاروانِ تجارت ہے جو مال واسباب سے بھرا ہوا ہے تم اس کی طرف خروج کرو۔ عجب نہیں کہ حق جل وعلا تم کو وہ قافلہ غنیمت میں عطا فرمائے۔

چونکہ جنگ وجدال اور قتل وقتال کا وہم وگمان بھی نہ تھا اس لئے بلا کسی جنگی تیاری اور اہتمام کے نکل کھڑے ہوئے ابوسفیان کو یہ اندیشہ لگا ہوا تھا اس لئے جب ابوسفیان حجاز کے قریب پہنچا تو ہر راہ گیر اور مسافر سے آپ کے حالات اور خبریں دریافت کرتا۔ تا آنکہ بعض مسافروں سے اس کو یہ خبر ملی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے اصحاب کو تیرے قافلے کی طرف خروج کا حکم دیا ہے۔ ابوسفیان نے اسی وقت ضمضم غفاری کو اجرت دے کر مکہ روانہ کیا اور کہلا بھیجا کہ قریش کو اطلاع کر دے کہ جس قدر جلد ممکن ہو اپنے قافلہ کی خبر لیں اور اپنے سرمایہ کو بچانے کی کوشش کریں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے اصحاب کو لے کر اس قافلہ سے تعارض کے لئے روانہ ہوئے ہیں۔[1]

---

[1] یہ روایت سیرۃ ابن ہشام میں اس سند کے ساتھ مذکور ہے قال ابن اسحٰق فحدثنی محمد مسلم الزہری وعاصم بن عمر بن قتادہ وعبد اللہ بن ابی بکر ویزید بن رومان عن عروۃ بن الزبیر وغیرہم من علمائنا عن ابن عباسؓ الخ اس سند کے صحیح اور قوی بلکہ شرط بخاری اور مسلم پر ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ ۱۲۔ وذلک ظاہر لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شہید۔
البدایۃ والنہایۃ ج: ۳، ص: ۲۵۶۔

کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

لم اتخلف عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوۃ غزاھا الا فی غزوۃ تبوک غیر انی تخلفت عن غزوۃ بدر ولم یعاتب احد تخلف عنھا انما خرج رسول اللہ صلی اللہ یرید عیر قریش حتی جمع اللہ بینھم وبین عدوھم علی غیر میعاد صحیح بخاری باب قصۃ غزوۃ بدر

میں کسی غزوہ میں پیچھے نہیں رہا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے ہوں مگر غزوۂ تبوک غزوۂ تبوک کے علاوہ غزوۂ بدر میں بھی پیچھے رہ گیا تھا لیکن غزوۂ بدر سے تخلف کرنے والوں پر کوئی عتاب نہیں ہوا اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف قافلۂ قریش کے ارادہ سے نکلے تھے حسب الاتفاق بلا کسی قصد کے اللہ نے مسلمانوں کو ان کے دشمنوں سے بھڑا دیا۔

(نکتہ) کعب بن مالکؓ نے غزوۂ تبوک اور غزوۂ بدر کے تخلف کو علیحدہ علیحدہ حرف استثناء سے ذکر فرمایا۔ دونوں کو ایک حرف استثناء سے مستثنیٰ نہ کیا۔ اور اس طرح نہیں فرمایا الا فی غزوۃ تبوک وغزوۃ بدر بلکہ غزوۂ تبوک کے استثناء کے لئے حرفِ اِلّا اور غزوۂ بدر کے لئے حرف غَیْر کا استعمال کیا۔ اور اس طرح فرمایا اِلّا فی غزوۃ تبوک غیر انی تخلفت عن غزوۃ بدر اور دونوں کو ایک حرف استثناء کے ساتھ مستثنیٰ نہ کیا۔ کیونکہ دونوں تخلف ایک نوع اور ایک قسم کے نہ تھے۔ غزوۂ تبوک کا تخلف مذموم تھا تبوک سے تخلف کرنے والوں پر بارگاہِ خداوندی سے عتاب نازل ہوا اور غزوۂ بدر کا تخلف مذموم نہ تھا چنانچہ جو شخص غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہوا اس پر کوئی عتاب نہیں اس لئے غزوۂ بدر کے تخلف کو حرف غَیْر کے ساتھ ذکر فرمایا تاکہ غزوۂ بدر کے تخلف کا غزوۂ تبوک کے تخلف سے مغایر اور مباین ہونا معلوم ہو جائے۔ فافہم ذلک فانہ دقیق ولطیف[۱]

ابن سعد فرماتے ہیں کہ یہ وہی قافلہ تھا جس کے لئے آپ نے غزوہ ذی العشیرہ میں

---

[۱] ۔ فتح الباری ج ۷، ص : ۲۲۴

دو سو مہاجرین کو ہمراہ لے کر خروج فرمایا تھا اب یہ قافلہ شام سے واپس آرہا تھا چونکہ آپ کا خروج فقط قافلہ کی غرض سے تھا اس لئے عجلت میں بہت تھوڑے آدمی آپ کے ہمراہ ہو سکے اور یہ سفر چونکہ جہاد و قتال کے لئے نہ تھا اس لئے نہ جانے والوں پر کسی قسم کا عتاب اور کسی قسم کی ملامت نہیں کی گئی۔

روانگی: ۱۲ رمضان المبارک کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تین سو تیرہ یا چودہ یا پندرہ آدمی آپ کے ہمراہ تھے بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ اتنی جماعت میں صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے ایک گھوڑا حضرت زبیر بن عوام کا اور ایک حضرت مقداد کا تھا۔ اور ایک ایک اونٹ دو دو اور تین تین آدمیوں میں تھا۔ عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ بدر میں جاتے وقت ایک اونٹ تین تین آدمیوں میں مشترک تھا۔ نوبت بنوبت سوار ہوتے تھے۔ ابولبابہؓ اور علیؓ رسول اللہ علیہ وسلم کے شریک تھے جب رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے پیادہ چلنے کی نوبت آتی تو ابولبابہ اور علیؓ عرض کرتے یا رسول اللہ آپ سوار ہو جائیں ہم آپ کے بدلہ میں پیادہ پا چل لیں گے۔ آپ یہ ارشاد فرماتے، تم چلنے میں مجھ سے زیادہ قوی نہیں اور تم سے میں زیادہ خدا کے اجر سے بے نیاز نہیں۔

بیر ابی عِنَبہ پر پہنچ کر (جو مدینہ سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے) تمام جماعت کا معاینہ فرمایا جو کم عمر تھے ان کو واپس فرما دیا، مقام روحاء میں پہنچ کر ابولبابہ بن عبدالمنذر کو مدینہ کا حاکم مقرر فرما کر واپس کیا۔

اس لشکر میں تین عَلَم تھے ایک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ میں اور دوسرا مصعب بن عمیرؓ اور تیسرا کسی انصاری کے ہاتھ میں تھا۔

سلہ: تین سو تیرہ کا قول مسند احمد و بزار اور معجم طبرانی میں عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے اور چودہ کا قول معجم طبرانی میں ابو ایوب انصاری سے اور پندرہ کا قول بیہقی میں باسناد حسن عبداللہ بن عمرو بن العاص سے منقول ہے۔ فتح الباری ج ۷ ص ۲۲۶ باب عدۃ اصحاب بدر۔

جب مقام صفراء کے قریب پہنچے تو بسبس بن عمرو جہنی رضی اللہ عنہ اور عدی بن ابی الزغباء جہنی رضی اللہ عنہ کو قافلۂ ابی سفیان کے تجسس کے لیے آگے روانہ کیا۔[۱]

اور اُدھر ضمضم غفاری ابوسفیان کا پیام لے کر مکہ پہنچا کہ تمہارا قافلہ معرضِ خطر میں ہے دوڑو اور جلد از جلد اس کی خبر لو۔

اس خبر کا پہنچنا تھا کہ تمام مکہ میں ہل چل پڑ گئی اس لیے کہ قریش میں کا کوئی مرد اور عورت ایسا نہ رہا تھا کہ جس نے اپنی پوری پونجی اور سرمایہ اس میں شریک نہ کر دیا ہو۔ اس لیے اس خبر کے سنتے ہی تمام مکہ میں جوش پھیل گیا۔ اور ایک[۲] ہزار آدمی پورے ساز و سامان کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے۔ ابوجہل سردارِ لشکر تھا۔

قریش نہایت کروفر اور سامان عیش و طرب کے ساتھ گانے بجانے والی عورتوں اور طبلوں اور طبلچیوں کو ساتھ لے کر اکڑتے ہوئے اور اتراتے ہوئے روانہ ہوئے کما قال تعالیٰ

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ	اے مسلمانو تم اُن کافروں کی طرح مت ہو جانا
دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ	جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور اپنی قوت
[۳]	اور شوکت کو دکھلاتے ہوئے نکلے ہیں۔

تقریباً تمام سرداران قریش شریک لشکر ہوئے صرف ابولہب کسی وجہ سے نہ جا سکا اور اپنے بجائے ابوجہل کے بھائی عاص بن ہشام کو روانہ کیا۔

عاص بن ہشام کے ذمہ ابولہب کے چار ہزار درہم قرض تھے اور مفلس ہو جانے کی وجہ سے ادا کرنے کی استطاعت نہ رہی تھی اس لیے قرض کے دباؤ میں ابولہب کے عوض جنگ میں جانا قبول کیا۔[۴]

---

[۱] الطبقات الکبریٰ لابن سعد ج : ۲، ص : ۹ - [۲] کما رواہ مسلم ابوداؤد والترمذی عن ابن عباس عن عمر و ابن سعد عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور موسیٰ بن عقبہ اور ابن عائذ کی مغازی میں ہے کہ ساڑھے نو سو[۹۵۰] تھے اور دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں لڑنے والے تو ساڑھے نو سو تھے اور بقیہ پچاس خدمت گار وغیرہ تھے۔ ۱۲ زرقانی ص ۱۲ ج ۱

[۳] الانفال، آیۃ : ۴۷ - [۴] الطبقات الکبریٰ ج : ۲، ص : ۷ -

اسی طرح۔ امیہ بن خلف نے بھی اوّل اوّل بدر میں جانے سے انکار کیا لیکن ابوجہل کے جبر اور اصرار سے ساتھ ہولیا۔

امیہ کے انکار کا سبب یہ تھا کہ سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ زمانۂ جاہلیت سے امیہ کے دوست تھے۔ امیہ جب بغرضِ تجارت شام جاتا تو راستہ میں مدینہ میں سعد بن معاذ کے پاس اترتا اور سعد بن معاذ جب مکّہ جاتے تو امیہ کے پاس اترتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرتِ مدینہ کے بعد ایک مرتبہ سعد بن معاذ عمرہ کرنے کے لئے مکّہ آئے اور حسبِ دستور امیہ کے پاس ٹھہرے اور امیہ سے یہ کہا کہ طواف کرنے کے لئے مجھے ایسے وقت لے چلو کہ حرم لوگوں سے خالی ہو یعنی ہجوم نہ ہو۔ امیہ دوپہر کے وقت سعد بن معاذ کو لے کر نکلا۔ طواف کر رہے تھے کہ ابوجہل سامنے سے آگیا اور یہ کہنے لگا ای ابوصفوان (یہ امیہ کی کنیت ہے) یہ تمہارے ساتھ کون شخص ہے۔ امیہ نے کہا سعد ہے ابوجہل نے کہا میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ شخص اطمینان سے طواف کر رہا ہے۔ تم ایسے بے دینوں کو ٹھکانہ دیتے ہو اور ان کی اعانت اور امداد کرتے ہو، اے سعد خدا کی قسم اگر یہ ابوصفوان یعنی امیہ تمہارے ساتھ نہ ہوتا تو تم یہاں سے صحیح وسالم واپس نہیں جاسکتے تھے۔ سعد نے بلند آواز سے کہا اگر تو مجھے طواف سے روکے گا تو خدا کی قسم میں مدینہ سے تیرا شام کا راستہ بند کردوں گا۔ امیہ نے سعد سے کہا کہ تم ابوالحکم (یعنی ابوجہل) پر اپنی آواز نہ بلند کرو۔ یہ اس وادی کا سردار ہے۔ سعد نے ترش روئی سے کہا کہ اے امیہ بس رہنے دے خدا کی قسم میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے تو حضور پرنور کے اصحاب اور احباب کے ہاتھ سے قتل ہوگا۔ امیہ نے کہا کہ کیا میں مکّہ میں مارا جاؤں گا۔ سعد نے کہا یہ مجھے معلوم نہیں کہ تو کہاں اور کس جگہ مارا جائے گا۔ یہ سُن کر امیہ گھبرا گیا اور بہت ڈر گیا اور جاکر اپنی بیوی اُم صفوان سے اس کا تذکرہ کیا اور ایک روایت میں ہے کہ امیہ نے یہ کہا واللہ ما یکذب محمد فکاد ان یحدث، خدا کی قسم محمد کبھی غلط نہیں کہتے، اور قریب تھا کہ خوف وہراس کی وجہ سے امیہ کا پیشاب اور پاخانہ خطا ہو جائے۔ فتح الباری ج ۷ ص ۲۲۲ اور امیہ پر اس درجہ خوف وہراس غالب ہوا کہ یہ ارادہ کر لیا کہ کبھی مکّہ سے باہر نہ نکلوں گا چنانچہ جب

ابو جہل نے لوگوں سے بدر کی طرف نکلنے کو کہا تو امیہ کو مکہ سے نکلنا بہت گراں تھا اس کو اپنی جان کا ڈر تھا۔ ابو جہل، امیہ کے پاس آیا اور چلنے کے لئے اصرار کیا۔ ابو جہل نے جب یہ دیکھا کہ امیہ چلنے پر تیار نہیں تو یہ کہا کہ آپ سردار ہیں اگر آپ نہیں نکلیں گے تو آپ کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی نہیں نکلیں گے۔ غرض ابو جہل امیہ کو چمٹا رہا اور برابر اصرار کرتا رہا۔ بالآخر یہ کہا کہ اے صفوان تیرے لئے نہایت عمدہ اور تیز رو گھوڑا خرید دوں گا (تاکہ جہاں خطرہ محسوس کرو فوراً اس پر بیٹھ کر واپس آجاؤ) امیہ جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ اور گھر میں جا کر اپنی بیوی سے کہا کہ میرے سفر کا سامان تیار کر دو۔ بیوی نے کہا کہ اے ابو صفوان۔ تم کو اپنے یثربی بھائی کا قول یاد نہیں رہا امیہ نے کہا میرا ارادہ تھوڑی دور تک جانے کا ہے پھر واپس آجاؤں گا پس امیہ اسی ارادہ سے روانہ ہوا اور جس منزل میں اترتا اپنا اونٹ ساتھ باندھتا۔ مگر قضا و قدر نے بھاگنے کا موقع نہیں دیا۔ بدر پہنچا اور میدان قتال میں صحابہ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ (بخاری شریف غزوۂ بدر) غرض یہ کہ امیہ کو اپنے قتل کا یقین تھا ابو جہل کی زبردستی سے ساتھ ہو لیا ابو جہل خود بھی تباہ ہوا اور دوسروں کو بھی تباہ کیا۔ احلوا قومھم دار البوار جھنم یصلونھا وبئس القرار۔

قریش کی روانگی کی اطلاع اور صحابہ سے مشورہ اور حضرات صحابہ کرام کی جان نثارانہ تقریریں

روحاء سے چل کر جب آپ مقام صفراء پر پہنچے تو بسبس رضی اللہ عنہ اور عدی رضی اللہ عنہ نے آکر آپ کو قریش کی روانگی کی اطلاع دی، اس وقت آپ نے مہاجرین اور انصار کو مشورہ کے لئے جمع فرمایا اور قریش کی اس شان سے روانگی کی خبر دی ابو بکر رضی اللہ عنہ سنتے ہی فوراً کھڑے ہو گئے اور نہایت خوبصورتی کے ساتھ اظہار جان نثاری فرمایا اور بسر و چشم آپ کے اشارے کو قبول کیا اور دل و جان سے اطاعت کیلئے کمربستہ ہو گئے اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے بھی نہایت خوبصورتی کے ساتھ اظہار جان نثاری فرمایا۔

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کی جان نثارانہ تقریر[۱]

بعد ازاں مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا ،

امض لما امرك الله (تعالیٰ)	یا رسول اللہ جس چیز کا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے
فنحن معك والله لا نقول كما قالت	اس کو انجام دیجئے ہم سب آپ کے ساتھ ہیں
بنو اسرائيل لموسى اذهب انت و	خدا کی قسم ہم بنی اسرائیل کی طرح یہ ہرگز نہ کہیں گے
ربك فقاتلا انا ههنا قاعدون	کہ اے موسیٰ تم اور تمہارا رب جاکر لڑو ہم تو یہیں
ولكن اذهب انت وربك فقاتلا	بیٹھے ہیں ، ہم بنی اسرائیل کے خلاف یہ کہیں گے
انا معكما مقاتلون ۔	کہ آپ اور آپ کا پروردگار جہاد وقتال کرے
	ہم بھی آپ کے ساتھ جہاد وقتال کریں گے ۔

یہ ابن اسحٰق کی روایت کے الفاظ ہیں[۲] ۔ اور بخاری کی روایت میں یہ الفاظ ہیں ۔

ولكنا نقاتل عن يمينك وعن شمالك	ہم آپ کے دائیں اور بائیں آگے اور پیچھے
وبين يديك وخلفك ۔	سے لڑیں گے ۔

راویِ حدیث عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اس وقت دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور فرطِ مسرت سے چمک اٹھا بخاری شریف ص۵۶۴ ، غزوہ بدر

ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے مقداد کے لئے دعائے خیر فرمائی ۔

---

[۱] ۔ محمد بن اسحٰق کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مقداد نے یہ تقریر مقام صفراء میں فرمائی اور صحیح بخاری اور نسائی کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بدر کے دن یہ تقریر کی فتح الباری ج۷ ص۲۲۳ لیکن دونوں روایتوں میں کوئی منافات نہیں اول حضرت مقداد نے یہ تقریر صفراء میں آپ کے جواب میں کی اور بعد ازاں مختلف مقامات پر بطور استلذاذ اپنی لذت حاصل کرنے کے لئے ان جان نثارانہ اور مخلصانہ کلمات کو بار بار دہراتے رہے واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم ۱۲ ۔ [۲] نسائی ج ۱ ، ص : ۲۱۲ ۔ سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ، ص : ۱۲

ابو ایوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ ہم مدینہ میں تھے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے ہم کو قافلہ ابی سفیان کی خبر دی اور فرمایا کہ اگر تم اس کی طرف خروج کرو تو عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ تم کو غنیمت عطا فرمائے۔ ہم نے عرض کیا بہتر ہے اور روانہ ہو گئے، جب ایک دو دن کا راستہ طے کر چکے تب آپ نے ہم کو مکہ سے قریش کے روانہ ہونے کی خبر دی اور جہاد و قتال کے لئے تیار ہو جانے کا ارشاد فرمایا۔ بعض لوگوں نے کچھ تامل کیا (کیونکہ گھر سے اس ارادہ سے نہ چلے تھے) حضرت مقداد کھڑے ہوئے اور اظہار جان نثاری فرمایا کاش ہم سب ایسا ہی کہتے جیسا مقداد نے۔ (رواہ ابن ابی حاتم) یعنی کاش ابتداءً ہم سب ایسا ہی کہتے اس لئے کہ بعد میں پھر سب نے یہی کہا دل میں سب کے وہی تھا جو حضرت مقداد فرما رہے تھے چنانچہ مسند احمد میں باسناد حسن مروی ہے۔

قال اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا نقول کما قالت بنو اسرائیل ولکن انطلق انت وربک فقاتلا انا معکم۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب اصحاب نے متفقہ طور پر یہ کہا۔ یا رسول اللہ ہم بنی اسرائیل کی طرح نہ کہیں گے۔ ہم ہر حال میں آپ کے ساتھ ہیں۔

باوجود اس شافی اور کافی جواب کے آپ نے تیسری بار پھر بھی ارشاد فرمایا۔

اشیروا علیّ ایھا الناس — اے لوگو مجھ کو مشورہ دو۔

سردار انصار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ۔ نبی اکرم افصح العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بلیغ اشارہ اور دقیق نکتہ کو سمجھ گئے اور فوراً عرض کیا۔ یا رسول اللہ شاید روئے سخن انصار کی طرف ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں [1]

---

[1] ۔ چونکہ انصار نے آپ سے صرف بیعت عقبہ میں اس کا عہد کیا تھا کہ جو دشمن آپ پر حملہ آور ہو گا اس وقت ہم آپ کے حامی اور مددگار ہوں گے۔ مدینہ سے باہر جا کر آپ کی ساتھ جنگ کرنے کا وعدہ نہ تھا۔ اس لئے آپ بار بار انصار کی طرف دیکھتے تھے سعد بن معاذ نے آپ کے اس اشارہ کو سمجھ کر جواب دیا اور خوب جواب دیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ آمین ۱۲۔ البدایہ والنہایہ ج۳ ص۲۶۳۔ ما جاء عن الاثر ج ص

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی جان نثارانہ تقریر

اس پر سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔

يارسول الله قد آمنا بك
وصدقناك وشهدنا ان
ما جئت به هو الحق واعطيناك
على ذالك عهودا ومواثيق على
السمع والطاعة ولعلك يارسول الله
خرجت لامر فاحدث الله غيره
فامض لما شئت. وصل حبال من
شئت واقطع حبال من شئت وسالم
من شئت وعاد من شئت وخذ
من اموالنا ما شئت واعطنا ما
شئت وما اخذت منا كان احب
الينا مما تركت وما امرت به
من امرنا فامرنا تبع لامرك
لئن سرت حتى تاتى برك الغماد
لنسيرن معك فوالذى بعثك
بالحق لو استعرضت بنا هذا

یارسول اللہ ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کی
تصدیق کی اور اس امر کی گواہی دی کہ آپ جو کچھ
لائے ہیں وہی حق ہے اور اطاعت اور جان
نثاری کے بارے میں ہم آپ کو پختہ عہد و میثاق
دے چکے ہیں۔ یارسول اللہ آپ مدینہ سے کسی
اور ارادہ سے نکلے تھے اور اللہ تعالیٰ نے دوسری
صورت پیدا فرمادی جو منشاء مبارک ہو اس پر چلیے
اور جس سے چاہیں تعلقات قائم فرمائیں اور جس
سے چاہیں تعلق قطع کریں اور جس سے چاہیں صلح
کریں اور جس سے چاہیں۔ دشمنی کریں ہم ہر حال میں
آپ کے ساتھ ہیں۔ ہمارے مال میں سے جس قدر
چاہیں لیں اور جس قدر چاہیں ہم کو عطا[1] فرمائیں اور
مال کا جو حصہ آپ لیں گے وہ اس حصہ سے زیادہ
محبوب اور پسندیدہ ہوگا کہ جو آپ ہمارے پاس
چھوڑ دیں گے اور اگر آپ ہم کو برک الغماد جانے کا
حکم دیں گے تو بالضرور ہم آپ کے ساتھ جائیں گے

[1] اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہمارے اموال اصل میں آپ کی ملک ہیں۔ اگر ہمارے مال میں سے ہمارے لئے آپ کچھ چھوڑ دیں گے تو گویا وہ آپ کا عطیہ ہوگا۔ ۱۲ منہ عفا عنہ۔

البحر. لخضناه وما تخلف منا رجل واحد وما نكره ان نلقى عدونا انا لصبر عند الحرب صدق عند اللقاء ولعل الله يريك منا ما تقر به عينك فسر بنا على بركة الله (زرقانی ص ۴۱۲ ج ۱)

قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دیکر بھیجا ہے اگر آپ ہم کو سمندر میں کود پڑنے کا حکم دیں گے تو ہم اسی وقت سمندر میں کود پڑیں گے اور ہم میں کا ایک شخص بھی پیچھے نہ رہے گا ہم دشمنوں سے مقابلہ کرنے کو مکروہ نہیں سمجھتے البتہ تحقیق ہم لڑائی کے وقت بڑے صابر اور مقابلہ کے سچے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے آپ کو وہ چیز دکھلائے گا جس کو دیکھ کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی پس اللہ کے نام پر ہم کو لے کر چلیے۔

تنبیہ: بعض روایات میں سعد بن معاذ کے بجائے سعد بن عبادہ کا ذکر آیا ہے مگر یہ صحیح نہیں، راوی کا وہم ہے اس لئے کہ سعد بن عبادہ بالاتفاق بدر میں حاضر نہیں ہوئے تفصیل کیلئے زرقانی کی مراجعت کی جائے۔ ۱۲

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے یہ جان نثارانہ جوابات سن کر مسرور ہوئے اور فرمایا اللہ کے نام پر چلو اور تم کو بشارت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ ابوجہل یا ابوسفیان کی دو جماعتوں میں سے کسی ایک جماعت پر ضرور فتح و نصرت عطا کروں گا۔

اور مجھ کو تو قوم کفار کے پچھاڑے جانے کی جگہیں دکھلا دی گئی ہیں کہ فلاں شخص فلاں جگہ اور فلاں شخص فلاں جگہ پچھاڑا جائے گا۔

وقال تعالیٰ:

وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّھَا لَکُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَۃِ تَکُوْنُ لَکُمْ وَیُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ

اور اس وقت کو یاد کرو کہ جب اللہ تم سے یہ وعدہ کرتا تھا کہ کافروں کی دو جماعتوں میں سے ایک جماعت تم کو ملے گا اور تم یہ پسند کرتے ہو کہ غیر ذی

لہ - زرقانی ج : ۱، ص : ۴۱۲ -

اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَ يُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ؎۱

شوکت جماعت تم کو اور اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ حق کو اپنے آیات سے ثابت کرے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ظاہر طور پر واضح ہو جائے۔

عاتکہ بنت عبدالمطلب کا خواب :

ادھر نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے صحابہ کو یہ خبر دی کہ مجھ کو قوم کی پچھاڑے جانے کی جگہیں دکھلائی گئیں اور اُدھر مکہ مکرمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپی عاتکہ بنت عبدالمطلب نے ضمضم غفاری کے مکہ پہنچنے سے پہلے یہ خواب دیکھا کہ ایک شتر سوار آیا اور ابطح میں اُونٹ بٹھا کر باواز بلند یہ پکار رہا ہے۔

الا انفروا یا آل غُدَرٍ لمصارعکم فی ثلاث ؎۲ — اے اہلِ غُدر اپنے مقتل اور پچھڑنے کی جگہ کی طرف تین دن میں نکل جاؤ۔

لوگ اس کے اردگرد جمع ہو گئے، پھر وہ اپنا اونٹ لئے ہوئے مسجد حرام میں گیا اور پھر یہی آواز دی اس کے بعد جبل ابی قبیس پر چڑھا اور اوپر سے پتھر کی ایک چٹان پھینکی۔ جب وہ چٹان پہاڑ کے دامن میں پہنچی تو چورچور ہو گئی اور مکہ کا کوئی گھر ایسا نہ رہا کہ جس میں اس کا کوئی ٹکڑا جا کر نہ گرا ہو۔

عاتکہ نے یہ خواب اپنے بھائی حضرت عباس سے ذکر کیا اور کہا اے بھائی خدا کی قسم آج میں نے یہ خواب دیکھا ہے اور اندیشہ ہے کہ تیری قوم پر کوئی بلا اور مصیبت آنے والی ہے۔ دیکھو اس خواب کو کسی سے بیان نہ کرنا عباس گھر سے باہر نکلے اور اپنے دوست ولید بن عتبہ سے اس خواب کا ذکر کیا اور یہ تاکید کی کہ اس خواب کا کسی اور سے ذکر نہ کرنا مگر ولید نے اپنے باپ

؎۱۔ سورۃ انفال، آیۃ ۷، ۸

؎۲۔ چونکہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول سے غدر کیا تھا اس لئے عالم رؤیا میں ان کو آلِ غدر کہا گیا اور عجب نہیں کہ غدر سے شیطان مراد لیا گیا ہو اور چونکہ مشرکین شیطان کے تبع تھے اس لئے ان کو آلِ غدر کہا گیا ہو واللہ اعلم۔

عتبہ سے اس خواب کا لفظ بلفظ تذکرہ کر دیا اسی طرح بات تمام مکہ میں پھیل گئی۔ دوسرے تیسرے روز حضرت عباس مسجد حرام میں گئے تو دیکھا کہ ابو جہل ایک مجمع کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے ابو جہل نے حضرت عباس کو دیکھتے ہی یہ کہا کہ اے ابو الفضل تمہارے مرد تو نبوت کے مدعی تھے ہی اب تمہاری عورتیں بھی نبوت کا دعویٰ کرنے لگیں میں نے دریافت کیا۔ کیا بات ہے، ابو جہل نے عاتکہ کے خواب کا ذکر کیا، اسی اثنا میں ضمضم غفاری۔ ابو سفیان کا پیام لے کر اس شان سے مکہ میں پہنچا کہ پیراہن چاک ہے اور اونٹ کی ناک کٹی ہوئی ہے اور یہ پکارتا آرہا ہے کہ اے گروہ قریش اپنے کاروان کی خبر لو اور جلد از جلد ابو سفیان کے قافلہ کی مدد کو پہنچو۔

یہ خبر سنتے ہی قریش پورے سازوسامان کے ساتھ مکہ سے نکل کھڑے ہوئے اور بدر میں پہنچ کر خواب کی تعبیر بحالت بیداری آنکھوں سے دیکھ لی[1] وقال الہیثمی رواہ الطبرانی مرسلا وفیہ ابن لہیعۃ وفیہ ضعف وحدیثہ حسن۔ مجمع الزوائد۔ موسیٰ بن عقبہ کی روایت یہ ہے کہ ضمضم غفاری جب مکہ آیا تو قریش کو عاتکہ کے خواب سے ڈر پیدا ہو گیا[2]

ف ۔ عاتکہ بنت عبد المطلب کے اسلام میں اختلاف ہے ابن سعد فرماتے ہیں کہ عاتکہ مسلمان ہوئیں اور مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ ۱۲۔ اصابہ[3] ترجمہ عاتکہ بنت عبد المطلب۔

جُہَیم بن الصَّلت کا خواب:

غرض یہ کہ قریش پورے سازوسامان کے ساتھ گاتے بجاتے روانہ ہوئے جب مقام جحفہ میں پہنچے تو جہیم بن صلت نے یہ خواب دیکھا کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار ہے اور ایک اونٹ اس کے ہمراہ ہے۔ وہ آکر کھڑا ہوا اور یہ کہتا ہے۔ قتل ہوا عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ اور ابوالحکم بن ہشام یعنی ابو جہل۔ اور امیہ بن خلف اور فلاں فلاں۔ بعد ازاں اس شخص نے اونٹ کے ایک برچھا مار کر لشکر میں چھوڑ دیا۔ لشکر میں کا کوئی خیمہ ایسا نہ تھا جس پر اس کے خون کے چھینٹے نہ پڑے

[1] ۔ مستدرک للحاکم ج: ۳، ص: ۱۹، مجمع الزوائد ج: ۶، ص: ۱،
[2] ۔ البدایۃ والنہایۃ ج: ۳، ص: ۲۵۸
[3] ۔ الاصابہ، ج ۴، ص: ۳۵۰۔

ہوں۔ابوجہل کو جب اس خواب کی اطلاع ہوئی تو بہت برہم ہوا اور یہ کہا کہ یہ بنی المطلب میں دوسرا نبی پیدا ہوا ہے کل کو جب مقابلہ ہوگا تب اس کو معلوم ہو جائے گا کہ جنگ میں ہم میں سے کون قتل ہوگا۔ ؎۱

بسبسؓ اور عدیؓ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کے قافلہ کے جاسوسی کے لیے روانہ فرمایا تھا۔جب مقام بدر پر پہنچے تو ایک ٹیلہ کے نیچے جہاں ایک پانی کا چشمہ تھا. اپنے اونٹوں کو بٹھلایا اتنے میں دو عورتیں دکھائی دیں جن میں سے ایک دوسری پر اپنے قرض کا تقاضہ کرتی تھی تو اس نے یہ کہا کہ کل یا پرسوں قریش کا قافلہ شام سے آنے والا ہے ،اس وقت محنت و مزدوری سے جو کماؤں گی اس تیرا حق ادا کردوں گی۔

مجدی بن عمرو جہنی بھی پانی کے چشمہ پر موجود تھا اور یہ تمام گفتگو سن رہا تھا جب قرضدار عورت نے قرضخواہ عورت سے یہ کہا کہ کل یا پرسوں قریش کا قافلہ آنے والا ہے۔اس وقت قافلہ کا کچھ کام کرکے تیرا حق ادا کردوں گی تو مجدی نے یہ کہا۔سچ کہتی ہے اور یہ کہہ کر بیچ بچاؤ کرادیا بسبسؓ اور عدیؓ یہ سنتے ہی اونٹ پر سوار ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ کی اطلاع دی۔

بسبسؓ اور عدیؓ کے چلے جانے کے بعد ابوسفیان۔رسول اللہ علیہ وسلم کی نقل وحرکت کی خبر لینے کی غرض سے اس مقام پر پہنچا اور مجدی بن عمرو سے دریافت کیا کہ کیا تم نے کسی کو یہاں آتے جاتے دیکھا ہے۔

مجدی نے کہا کسی کو نہیں دیکھا صرف دو سواروں کو دیکھا کہ اس ٹیلہ کے نیچے آکر اونٹ بٹھلائے اور پانی پلایا اور مشکیزہ پانی سے بھر کر چلدیئے ابوسفیان فوراً اس مقام پر پہنچا وہاں کچھ مینگنیاں پڑی تھیں ایک مینگنی کو اٹھا کر توڑا اس میں سے ایک گٹھلی برآمد ہوئی۔

ابوسفیان نے اس گٹھلی کو دیکھ کر کہا۔خدا کی قسم۔یثرب (مدینہ) کے کھجور کی گٹھلی ہے۔

؎۱۔البدایۃ والنہایۃ: ج: ۳ ،ص: ۲۶۵ ۔عیون الاثر۔ ج ۱،ص: ۲۵۰

فوراً وہاں سے واپس ہوا اور قافلہ کا رخ بدل دیا۔ اور ساحل کے راستہ سے قافلہ کو بچا کر صحیح سالم لے گیا اور قریش کو یہ پیام دے کر بھیجا۔ انکم انما خرجتم لتمنعوا عیرکم ورجالکم واموالکم وقد نجاھا اللہ فارجعوا۔ یعنی تم صرف اس لئے نکلے تھے کہ قافلہ کو اور اپنے آدمیوں کو اور اپنے اموال کو بچا لو اللہ نے سب کو بچا لیا۔ لہٰذا تم سب مکہ واپس ہو جاؤ۔

ابوجہل نے کہا جب تک ہم بدر پہنچ کر تین دن تک کھا پی کر اور گا بجا کر خوب مزے نہ اڑالیں اس وقت تک ہرگز واپس نہ ہوں گے۔

اخنس بن شریق سردار بنی زہرہ نے کہا کہ اے بنی زہرہ تم فقط اپنے اموال کی حفاظت کے لئے نکلے تھے۔ سو اللہ نے تمھارے اموال بچالئے اب ہمیں لڑنے کی ضرورت نہیں بے وجہ ہم کو ہلاکت میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے جیسا کہ یہ شخص (ابوجہل) کہتا ہے لہٰذا تم واپس ہو جاؤ قبیلہ بنی زہرہ کے تمام لوگ اپنے سردار اخنس بن شریق کے کہنے سے واپس ہو گئے اور بنی زہرہ میں سے کوئی شخص بھی بدر میں شریک نہیں ہوا اور دیگر بعض نے بھی یہی کہا کہ جب ہمارا قافلہ صحیح سالم بچ گیا تو اب جنگ کی کیا ضرورت رہی۔ مگر ابوجہل نے ایک نہ سنی اور بدر کی طرف روانہ ہوا۔[۵۱]

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع اپنے اصحاب کے بدر پہنچ گئے۔ مگر قریش نے پہلے پہنچ کر پانی کے چشمہ پر قبضہ کر لیا اور مناسب موقعوں کو اپنے لئے چھانٹ لیا۔ بخلاف مسلمانوں کے کہ ان کو نہ پانی ملا اور نہ جگہ مناسب ملی۔ ریتلا میدان تھا جہاں چلنا ہی دشوار تھا ریت میں پیر دھنس دھنس جاتے تھے حق جل وعلا نے باران رحمت نازل فرمائی جس سے تمام ریت جم گیا اور پانی جمع کرنے کیلئے مسلمانوں نے چھوٹے چھوٹے حوض بنائے تاکہ پانی وضو اور غسل کے کام آسکے سورۂ انفال میں حق تعالیٰ شانہ اس احسان کو ذکر فرمایا ہے۔

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً	اور اللہ تعالیٰ تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا
لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ	تاکہ تم کو پاک کرے اور تم سے شیطان کی گندگی دور

۵۱۔ سیرۃ ابن ہشام ج: ۲، ص: ۱۴۔ البدایۃ والنہایۃ۔ ج: ۳۔ ص: ۲۶۶

رِجْزَ الشَّیْطَانِ وَلِیَرْبِطَ عَلٰی قُلُوْبِکُمْ کردے اور تاکہ تمھارے دلوں کو مضبوط کردے
وَیُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ؕ اور تمھارے قدموں کو جما دے۔ لہ

یہ پانی اگرچہ مسلمانوں نے اپنی ضرورت کے لئے جمع کیا تھا مگر نبی اکرم رحمت عالم۔ رافت مجسم نے اپنے دشمنوں اور خون کے پیاسوں کو اس سے پینے کی اجازت دی۔

جب شام ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور زبیر بن عوام اور سعد بن ابی وقاص اور چند صحابہ کو قریش کی خبر لینے کے لئے روانہ فرمایا اتفاق سے ان کو دو غلام ہاتھ آگئے ان کو پکڑ لائے اور دریافت کرنا شروع کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے ان غلاموں نے کہا ہم قریش کے سقہ ہیں پانی لانے کے لئے نکلے ہیں۔ ان لوگوں کو ان کے کہنے کا کچھ یقین نہ آیا اور یہ سمجھ کر ان کو کچھ مارا کہ شاید مار پیٹ کے خوف سے ابوسفیان کا کچھ حال بتلائیں جب ان پر کچھ مار پڑی تو کہنے لگے کہ ہم ابوسفیان کے آدمی ہیں۔ یہ سن کر ان لوگوں نے مارنا چھوڑ دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ جب ان غلاموں نے سچ کہا تو تم نے ان کو مارا اور جب جھوٹ کہا تو چھوڑ دیا، خدا کی قسم یہ قریش کے آدمی ہیں (یعنی ابوسفیان کے ہمراہیوں میں سے نہیں) آپ نے فرمایا کہ قریش کہاں ہیں ان غلاموں نے کہا واللہ اس مُقَنْقَس ٹیلہ کے پیچھے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کتنے لوگ ہیں۔ جواب دیا کہ بہت ہیں۔ آپ نے فرمایا ان کی تعداد کتنی ہے، غلاموں نے کہا ہم کو ان کی شمار اور تعداد معلوم نہیں۔ آپ نے فرمایا روزانہ کھانے کے لئے کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں۔ جواب دیا کہ ایک دن نو اور ایک دن دس۔ آپ نے فرمایا ہزار اور نو سو کے درمیان ہیں۔

بعد ازاں آپ نے دریافت کیا کہ سرداران قریش میں سے کون کون ہیں۔ انھوں نے کہا کہ عتبہ اور شیبہ پسران ربیعہ اور ابوالبختری بن ہشام اور حکیم بن حزام اور نوفل بن خویلد اور حارث بن عامر اور طعیمہ بن عدی اور نضر بن الحارث اور زمعۃ بن اسود اور ابوجہل بن ہشام اور

لہ۔ سورۃ انفال، آیۃ: ۱۱

امیہ بن خلف اور نبیہ اور منبہ پسران حجاج اور سہیل بن عمرو اور عمرو بن عبدود۔ یہ سن کر آپ اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ فرمایا کہ مکہ نے آج اپنے تمام جگر گوشوں کو تمہاری طرف پھینک دیا ہے۔ الغرض اس طرح آپ نے قریش کا حال معلوم کیا۔

جنگ کی تیاری

جب صبح ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائی کی تیاری کی اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی رائے سے آپ کے قیام کے لئے ٹیلہ پر ایک چھپر بنایا گیا

ان سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ قال یا نبی اللہ الا نبنی لک عریشا تکون فیہ ونعد عندک رکائبک ثم نلقی عدونا فان اعزنا اللہ واظہرنا کان ذلک ما احببنا وان کانت الاخری جلست علی رکائبک فلحقت بمن ورائنا من قومنا فقد تخلف عنک اقوام یا نبی اللہ ما نحن باشد لک حبا منہم ولو ظنوا انک تلقی حربا ما تخلفوا عنک یمنعک اللہ بہم یناصحون ویجاھدون معک فاثنی علیہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ

سعد بن معاذ نے عرض کیا اے اللہ کے نبی کیا آپ کے لئے ایک چھپر نہ بنا دیں جس میں آپ تشریف رکھیں اور سواریاں آپ کے قریب تیار رکھیں پھر ہم دشمن سے جا کر مقابلہ کریں، بس اگر اللہ نے ہم کو عزت دی اور دشمن پر غلبہ عطا فرمایا تو ہماری عین تمنا ہے اور اگر خدانخواستہ دوسری صورت پیش آئی تو آپ سواری پر ہو کر ہماری قوم کے باقی ماندہ لوگوں سے جا ملیں قوم کے جو لوگ پیچھے رہ گئے ہیں، اے پیغمبر خدا ہم ان سے زیادہ[1] آپ کے محب نہیں۔ اگر ان کو کسی درجہ سے اس میں بھی یہ گمان ہوتا کہ آپ کو جنگ کا سامنا ہوگا۔ تو ہرگز پیچھے نہ رہتے شاید اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ آپ کی

[1] یہ انتہائی اخلاص ہے کہ باوجود انتہا درجہ کے محب اور جان نثار ہونے کے نہ زبان سے اور نہ قلب سے اس محبت کا کوئی دعویٰ ہے۔ محب مخلص وہی ہے۔ جس کی اپنے اخلاص پر بھی نظر نہ ہو۔ ۱۲ منہ عفا عنہ

وسلم خیرا ودعا له بخیر ثم بنی لرسول الله صلے الله علیه وسلم عریش فکان فیه.

حفاظت فرماتا اور وہ نہایت اخلاص اور خیر خواہی سے آپ کے ساتھ جہاد کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن معاذ کی تعریف کی اور ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی بعد ازاں آپ کے لئے ایک چھپّر بنایا گیا آپ اس میں رہے

یہ چھپّر ایک ایسے بلند ٹیلہ پر بنایا گیا جس پر کھڑے ہوکر تمام میدان کارزار نظر آتا تھا۔

حضرت انس[۹] حضرت عمر سے راوی ہیں کہ جس شب کی صبح کو میدانِ کارزار گرم ہونیوالا تھا، اس شب میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم ہم کو میدانِ کارزار کی طرف لے کر چلے تاکہ اہل مکہ کی قتل گاہیں ہم کو آنکھوں سے دکھلا دیں چنانچہ آپ اپنے دست مبارک سے اشارہ فرماتے جاتے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے ہذا مصرع فلاں غداً انشاء اللہ یہ ہے فلاں کی قتل گاہ صبح کو انشاء اللہ اور مقام قتل پر ہاتھ رکھ کر نام بنام اسی طرح صحابہ کو تبلاتے رہے قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا کسی ایک نے بھی اس جگہ سے سرمو تجاوز نہ کیا جہاں آپ نے اپنے دست مبارک سے اس کے قتل کی طرف اشارہ فرمایا تھا۔ (رواہ مسلم)

باب ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم من یقتل ببدر[۱۰]

بعد ازاں آپ اور آپ کے یار غار رفیق جان نثار صدیق المہاجرین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس عریش (چھپر)[۱۱] میں داخل ہوئے اور دو رکعت نماز ادا فرمائی اور صدیق الانصار سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چھپر کے دروازہ پر تلوار لے کر کھڑے ہوگئے[۱۲]

---

[۹] ۔ مسند احمد میں صحیح سند کے ساتھ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ کسی نے حضرت انس سے پوچھا کیا آپ بھی بدر میں حاضر ہوئے تھے، آپ نے فرمایا میں بدر سے کہاں غائب ہو سکتا تھا اور حضرت انس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیلئے آپ کے ہمراہ گئے تھے صغیر السن ہونے کی وجہ سے قتال میں شریک نہیں ہوئے۔ آپ کی عمر اس وقت دس گیارہ سال کی تھی اسی وجہ سے آپ کا بدریین میں شمار نہیں کیا گیا۔ زرقانی ج ۱ ص ۴۲۴ [۱۰] یہ چھپر کھجور کی شاخوں کا تھا۔ ۱۲ طبقات ابن سعد

[۱۱] ۔ زرقانی۔ ج ۱، ص: ۴۱۳، ۴۱۰،　　[۱۲] ۔ طبقات ابن سعد ج ۲، ص: ۹

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں بدر کی شب میں کوئی شخص ہم سے ایسا نہ تھا جو سو نہ رہا ہو سوائے آپ کی ذات بابرکات علیہ الف الف صلوات والف والف تحیات کہ تمام شب نماز اور دعا گریہ وزاری میں گزاری۔ اسی طرح صبح کردی (رواہ الطبرانی وابن جریر وابن خزیمۃ وغیرہم)

طلوع فجر ہوتے ہی آپ نے یہ آواز دی الصلاۃ عباد اللہ اے اللہ کے بندوں نماز کا وقت آگیا۔ آواز کا سننا تھا کہ سب جمع ہوگئے۔ آپ نے ایک درخت کی جڑ میں کھڑے ہوکر سب کو نماز پڑھائی۔ اور نماز سے فارغ ہوکر اللہ کی راہ میں جانبازی اور سرفروشی کی ترغیب دی (رواہ ابن ابی شیبۃ واحمد وابن جریر وصححہ، منتخب کنز العمال ص ۹۵ ج ۴)

بعدازاں آپ نے اصحاب کی صفوں کو سیدھا کیا ادھر کفار کی صفیں تیار تھیں ماہ رمضان المبارک کی سترہ تاریخ ہے اور جمعہ کا روز ہے کہ ایک طرف سے حق کی جماعت اور دوسری طرف سے باطل کی جماعت میدانِ فرقان[1] کی طرف بڑھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قریش کی عظیم الشان جماعت کو پورے سازوسامان کے ساتھ میدانِ کارزار کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو بارگاہِ ایزدی میں یہ عرض کیا، اے اللہ۔

اللھم ھذہ قریش قد اقبلت	یہ قریش کا گروہ ہے جو تکبر اور غرور کے ساتھ مقابلہ
بخیلائھا وفخرھا تحادلک	کے لئے آیا ہے تیری مخالفت کرتا ہے اور تیرے
وتکذب رسولک اللھم	بھیجے ہوئے پیغمبر کو جھٹلاتا ہے اے اللہ اپنی فتح و
فنصرک الذی وعدتنی اللھم	نصرت نازل فرما جس کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا،
احنھم الغداۃ -	اور اے اللہ ان کو ہلاک کر،

سیرۃ ابنِ ہشام فتح الباری، باب قول اللہ تعالیٰ اذ تستغیثون ربکم الی قولہ شدید العقاب

بعدازاں آپ نے لشکر اسلام کو مرتب فرمایا۔ ترتیب اور صف آرائی کے وقت دست

---

[1] حق تعالیٰ شانہ نے یوم بدر کو یوم الفرقان فرمایا ہے یعنی حق اور باطل میں فرق اور فیصلہ کا دن اسی مناسبت سے اس ناچیز نے اس میدان کو میدانِ فرقان سے تعبیر کیا ہے کہ اسی میدان میں اور باطل، نور اور ظلمت کا فرق نمایاں ہوا۔ ۱۲

مبارک میں ایک تیر تھا صف میں سے سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ ذرا آگے کو نکلے ہوئے تھے۔ آپ نے بطور تلطف سواد بن غزیہ کے پیٹ پر تیر کا ایک ہلکا سا کوچہ دے کر فرمایا استو یا سواد۔ اے سواد سیدھا ہو جا۔

سواد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔

یارسول اللہ اوجعتنی وقد	یا رسول آپ نے مجھ کو دردمند کیا اور تحقیق اللہ نے
بعثك اللہ بالحق والعدل	آپ کو حق اور عدل کے ساتھ بھیجا ہے میرا بدلہ
فَاَقِدْنی.	دیدیجئے۔

آپ نے شکم مبارک پیراہن شریف کو اٹھا کر سواد سے فرمایا اپنا بدلہ لے لو۔

سواد رضی اللہ عنہ نے شکم مبارک کو گلے لگالیا اور بوسہ دیا اور عرض کیا یا رسول اللہ شاید یہ آخری ملاقات ہو آپ مسرور ہوئے اور سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ کے لئے دعائے خیر فرمائی۔ اصابہ، ترجمہ سواد بن غزیہ انصاری رضی اللہ عنہ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لشکر اسلام کو مرتب اور اس کی صفوف کو صفوف ملائکہ کی طرح درست اور ہموار فرما کر عریش (چھپر) میں تشریف لے گئے صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ عریش میں داخل ہوئے اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تلوار لے کر عریش کے دروازہ پر کھڑے ہو گئے۔

ابو محجن ثقفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ؎

وَ سُمِّیت صدّیقا وکلّ مهاجر	سِوَاكَ یُسَمّیٰ باسمه غَیْرَ منکر
آپ کا نام صدیق رکھا گیا۔ اور ہر مہاجر	آپ کے سوا دوسرے نام سے پکارا جاتا ہے
سَبَقْتَ اِلی الاسلام وَاللّٰہُ شَاھِدٌ	وَکُنْتَ جَلِیْسًا بِالعریش المشهّر
آپ نے اسلام کی طرف سبقت کی اور اللہ گواہ ہے۔	اور چھپر میں آپ ہی رسول اللہ صلی اللہ وسلم کے ہم نشین تھے

[1] - الاصابہ ج: ۲ ، ص: ۹۵ - سیرۃ ابن ہشام ج: ۲ - ص: ۱۷۱ -

وبالغار اذ سمیت بالغار صاحبا وکنت رفیقا للنبی المطہر

اور مل بذا غار میں بھی آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اسی وجہ سے آپ کو یار غار کہا جاتا ہے۔

(استیعاب لابن عبدالبر، ترجمۂ ابی بکرؓ)

قریش جب مطمئن ہوئے تو آغاز جنگ سے پہلے۔ عُمیر بن وہب جمحی کو مسلمانوں کی جماعت کا اندازہ لینے کے لئے بھیجا۔ عُمیر بن وہب گھوڑے پر سوار ہوکر مسلمانوں کے اِردگرد پھر کر واپس آئے اور یہ کہا کہ کم وبیش تین سو آدمی ہیں لیکن مجھ کو ذرا مہلت دو کہ یہ دیکھ آؤں کہ مسلمانوں کی مدد کے لئے اور جماعت تو کہیں کمین گاہ میں چھپی ہوئی نہیں۔ چنانچہ عُمیر گھوڑے پر سوار ہوکر دُور دور ایک چکّر لگا کر واپس آئے اور یہ کہا کہ کوئی کمین اور مدد نہیں لیکن اے گروہ قریش میں یہ دیکھتا ہوں کہ یہ مدینہ کے اونٹ موت احمر (قتل) کو اپنے اوپر لادے ہوئے ہیں اس قوم کا سوائے ان کی تلواروں کے کوئی پناہ اور سہارا نہیں، خدا کی قسم میں یہ دیکھتا ہوں کہ ان لوگوں میں سے جب تک اُنپے مقابل کو نہ مارے گا اس وقت تک ہرگز نہ مارا جائے گا۔ پس اگر ہمارے آدمی بھی انھیں کے برابر مارے گئے تو پھر زندگی کا لطف ہی کیا رہا۔ سوچ کر کوئی رائے قائم کرلو۔

حکیم بن حزام نے کہا بالکل درست ہے اور اٹھ کر عتبہ کے پاس گیا اور کہا اے ابوالولید آپ قریش کے سردار اور بڑے ہیں کیا آپ کو یہ پسند نہیں کہ ہمیشہ خیر اور بھلائی کے ساتھ آپ کا ذکر ہوتا ہے عتبہ نے کہا۔ کیا ہے حکیم نے کہا کہ لوگوں کو لوٹائے چلو۔ اور عمرو بن حضرمی کا خون بہا اپنے ذمہ لے لو۔ عتبہ نے کہا میں عمرو بن حضرمی کا خون بہا اور دیت کا ذمہ دار ہوں لیکن ابوجہل سے بھی مشورہ کرلو اور کھڑے ہوکر یہ خطبہ دیا۔

میدانِ کارزار میں عتبہ کی تقریر

اے گروہ قریش واللہ تم کو محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب سے جنگ کرکے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ یہ سب تمھارے قرابت دار ہیں نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اپنے باپ اور بھائی بنی الاعمام اور

بنی الاخوال کے تالوں کو دیکھتے رہو گے۔ محمد اور عرب کو چھوڑ دو، اگر عرب نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ختم کر دیا تو تمھاری مراد پوری ہوئی اور اگر اللہ نے ان کو غلبہ دیا تو وہ بھی تمھارے لئے باعثِ عزت وشرف ہوگا کیونکہ وہ تمھاری ہی قوم کے ہیں ان کا غلبہ تمھارا غلبہ ہے) دیکھو میری نصیحت کو رد مت کرو اور مجھکو سفیہ اور نادان نہ بناؤ۔

حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ میں ابوجہل کے پاس آیا۔ ابوجہل اس وقت زرہ پہن کر ہتھیار سج رہا تھا میں نے کہا عتبہ نے مجھ کو یہ پیام دے کر بھیجا ہے۔

ابوجہل سنتے ہی غصہ سے بھڑک اٹھا اور یہ کہا کہ عتبہ اس لئے بھی لڑائی سے جان چراتا ہے کہ اس کا بیٹا ابوحذیفہ مسلمانوں کے ساتھ ہے اس پر کوئی آنچ نہ آئے۔ خدا کی قسم ہم ہرگز واپس نہ جائیں گے جب تک اللہ ہمارے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مابین فیصلہ نہ کردے اور عمرو بن الحضرمی کے بھائی عامر بن الحضرمی کو بلا کر یہ کہا کہ یہ تیرا حلیف، عتبہ لوگوں کو لوٹا کر لے جانا چاہتا ہے اور تیرے بھائی کا خون تیری آنکھوں کے سامنے ہے، عامر نے سنتے ہی واعمراہ واعمراہ ہائے عمرو ہائے عمرو کا نعرہ لگانا شروع کیا جس سے تمام فوج میں جوش پھیل گیا۔ اور سب لڑائی کے لئے تیار ہو گئے[۱]

(فائدہ) ابوجہل۔ علاء بن حضرمی کے خون کا ذکر، لوگوں کو محض جوش دلانے کیلئے کرتا تھا اصل مقصد جس کے لئے قریش مکہ سے نکلے تھے وہ کاروان تجارت کی حفاظت تھی جب وہ بچ نکلا تو لوگ جنگ کے لئے آمادہ نہ تھے اور قدم قدم پر واپسی کا مسئلہ زیرِ بحث آتا تھا، لہٰذا کسی علامہ کا یہ گمان کرنا کہ قریش محض علاء بن حضرمی کے خون کا بدلہ لینے کے لئے مدینہ پر حملہ کرنے کی نیت سے نکلے تھے بالکل غلط ہے، تمام روایات کے خلاف ہے۔

آغاز جنگ

ابوجہل کی طعن آمیز گفتگو کا یہ اثر ہوا کہ عتبہ بھی ہتھیار سج کر جنگ کے لئے تیار ہو گیا اور گردہ

[۱] ۔ زرقانی ج: ۱، ص: ۴۱۶ ۔ سیرۃ ابن ہشام ۔ ج: ۲، ص: ۱۶۱

مشرکین میں سب سے پہلے عتبہ بن ربیعہ اپنے بھائی شیبہ بن ربیعہ اور اپنے بیٹے ولید کو لے کر میدان میں آیا۔ اور للکار کر اپنا مُبارِز اور مقابل طلب کیا۔

لشکر اسلام میں سے تین شخص مقابلہ کے لئے نکلے۔ عوف اور معوذ پسران حارث[1] اور عبداللہ بن رواحہ۔

عتبہ نے پوچھا تم کون ہو۔ ان لوگوں نے کہا رہط من الانصار یعنی ہم گروہِ انصار سے ہیں۔ عتبہ نے کہا مالنا بکم من حاجۃ یعنی ہم کو تم سے مطلب نہیں ہم تو اپنی قوم سے لڑنا چاہتے ہیں، اور شخص نے للکار کر یہ آواز دی۔

یا محمد اَخرِج اِلینا اکفاءنا مِنْ قَوْمِنَا۔　　اے محمد۔ ہماری قوم میں سے ہماری جوڑ کے ہم سے لڑنے کو بھیج

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو حکم دیا کہ صف قتال کی طرف واپس آجائیں اور حضرت علی اور حضرت حمزہ اور حضرت عبیدۃ بن الحارث کو نام بنام مقابلہ کے لئے نکلنے کا ارشاد فرمایا۔

حسب الارشاد یہ تینوں مقابلہ کے لئے نکلے۔ چہروں پر چونکہ نقاب تھے اس لئے عتبہ نے دریافت کیا تم کون ہو عبیدہ نے کہا میں عبیدہ ہوں حمزہ نے کہا میں حمزہ ہوں علی نے کہا میں علی ہوں عتبہ نے کہا:

نعم اکفاءٌ کِرامٌ　　ہاں تم ہمارے جوڑ اور برابر کے ہو اور محترم ہو۔

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا:

---

[1] عوف اور معوذ کے باپ کا نام حارث ہے اور ماں کا نام عفرآء ہے۔ عفرآء بھی صحابیہ ہیں۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں عفرآء میں ایک خاص خصوصیت ہے جو کسی اور صحابیہ میں نہیں پائی جاتی۔ وہ یہ کہ عفراء نے اوّل نکاح حارث سے کیا حارث سے تین بیٹے ہوئے عوف اور معوذ اور معاذ۔ حارث کے بعد بکیر بن یالیل سے نکاح کیا جس سے چار لڑکے ہوئے، ایاسؓ اور عاقلؓ اور خالدؓ اور عامرؓ۔

اور یہ ساتوں بیٹے تین پہلے شوہر کے اور چار دوسرے شوہر کے سب کل کے کل غزوہ بدر میں شریک تھے۔ ایسی صحابیہ جس کے ساتوں لڑکے بدر میں شریک ہوئے ہوں صرف عفراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا وعنہم ۱۲۔ زرقانی ج ۱ ص ۴۱۶

قوموا یا بنی ھاشم بحقکم الذی بعث اللہ بہ بنیکم اذ جاؤا بباطلھم لیطفؤا نور اللہ۔

اے بنی ہاشم اٹھو اس حق کے ساتھ جس کو اللہ نے تمہارے نبی کو دے کر بھیجا ہے یہ باطل کو لے کر اللہ کا نور بجھانے آئے ہیں۔

ذکر قتل عتبہ و شیبہ و ولید

اس کے بعد جنگ شروع ہوگئی۔ عبیدہؓ[۱] عتبہ کے مقابلہ میں نکلے اور حمزہؓ شیبہ کے اور علیؓ ولید کے مقابل ہوتے۔

حضرت علی اور حضرت حمزہ نے تو اپنے اپنے مقابل کا ایک ایک ہی وار میں کام تمام کردیا۔ عبیدہؓ خود بھی زخمی ہوتے اور اپنے مقابل کو بھی زخمی کیا۔ بالآخر عتبہ نے حضرت عبیدہؓ پر تلوار کا ایسا وار کیا جس سے حضرت عبیدہؓ پیر کٹ گئے حضرت علی اور حمزہ اپنے اپنے مقابل سے فارغ ہوکر حضرت عبیدہؓ کی امداد کو آپہنچے اور عتبہ کا کام تمام کیا۔ اور عبیدہ کو اٹھا کر آپ کی خدمت میں لے آئے، عبیدہ کی پنڈلی کی ہڈی سے خون جاری تھا۔ عبیدہ نے دریافت کیا۔ یارسول اللہ کیا میں شہید ہوں آپ نے فرمایا ہاں۔ اس پر عبیدہ نے کہا کاش اگر ابوطالب زندہ ہوتے تو یقین کرتے کہ ان کے اس شعر کے ہم زیادہ مستحق ہیں۔

وَنُسْلِمُہٗ حَتّٰی نُصَرَّعَ حَوْلَہٗ ۔۔۔ وَنَذْھَلَ عَنْ اَبْنَائِنَا وَالْحَلَائِلِ

ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت دشمنوں کے حوالہ کرسکتے ہیں کہ جب ہم سب اُن سے پہلے قتل کردیئے جائیں اور اپنے بیٹوں اور بی بیوں سے بے خبر ہوجائیں اور اس کے بعد یہ شعر پڑھے:

فَاِنْ یَقْطَعُوْا رِجْلِیْ فَاِنِّیْ مُسْلِمٌ ۔۔۔ اُرَجِّیْ بِہٖ عَیْشًا مِنَ اللّٰہِ عَالِیَا

---

[۱] ۔ یہ محمد بن اسحٰق کی روایت ہے کہ عبیدہ عتبہ کے اور حمزہ شیبہ کے مقابل ہوتے۔ موسیٰ بن عقبہ کی روایت میں اس کے برعکس ہے کہ عبیدہؓ شیبہ کے اور حمزہؓ عتبہ کے مقابل ہوئے۔ سیر کی کل روایات اس پر متفق ہیں کہ حضرت علی ولید کے مقابل لیکن ابوداؤد کی ایک صحیح الاسناد روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی شیبہ کے مقابل تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم والتفصیل فی باب دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی فتح الباری باب قتل ابی جہل ج۷ ص۲۲۱ وزرقانی ج۱ ص۴۱۹

اگر کافروں نے میرا پیر کاٹ دیا تو کوئی مضائقہ نہیں اس کے صلہ میں عزّوجل سے بہت ہی بلند عیش کا امیدوار ہوں یعنی پیر قطع ہو جانے سے یہ حیات فانیہ قطع ہوگی۔ مگر اس کے بدلہ میں ایسی حیات ملے گی جو کبھی منقطع نہ ہوگی۔

وَاَلْبَسَنِی الرَّحْمٰنُ مِنْ فَضْلِ مَنِّہٖ لِبَاسًا من الاسلام غطّی المَسَاوِیَا

اور کیوں نا امید کروں خداوند مہربان ہی نے محض اپنی مہربانی سے مجھکو اسلام کا لباس پہنایا جس نے تمام برائیوں کو ڈھانک لیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ جس جسم پر اسلام اور تقوی کا لباس نہ ہو تو وہ عریاں اور برہنہ ہے۔ عالم شہادت والے اگرچہ اس عریانی کا احساس نہ کرسکیں لیکن عالم غیب کے رہنے والے اس برہنگی کو ضرور محسوس کرتے ہوں گے۔ حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ جب حضرت لبیدؓ مشرف باسلام ہوئے تو یہ شعر کہا: ؎

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اِذْ لَمْ یَاتِنِیْ اَجَلِیْ حَتّٰی اَکْتَسَیْتُ مِنَ الْاِسْلَامِ سِرْبَالًا

یہ شعر بھی اسی کا مؤید ہے اگر اندیشۂ طوالت نہ ہوتا۔ تو کتاب وسنّت سے کچھ اور شواہد ذکر کرتا حضرات اہل علم ادنیٰ توجہ سے معلوم کرسکتے ہیں۔

فائدہ: عتبہ اور شیبہ۔ اصل میں جنگ سے اس لئے جان چراتے تھے کہ اوّل تو عاتکہ اور پھر جہیم بن صلت کے خواب کی وجہ سے پریشان تھے اور پھر یہ کہ مکّہ سے چلتے وقت یہ ماجرا پیش آیا کہ عدّاس رضی اللہ عنہ نے (جو عتبہ اور شیبہ کے غلام تھے اور نصرانیت سے تائب ہوکر طائف کی واپسی میں حضورؐ کے دست مبارک پر مشرف ہوچکے تھے) جب عتبہ اور شیبہ بدر کے لئے روانہ ہونے لگے تو جاتے وقت عدّاس نے عتبہ اور شیبہ کے پیر پکڑے اور یہ کہا:

لـه - ایک روایت میں ہے کہ جب صحابہ نے یہ حالت دیکھی تو عبیدہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت لے کر حاضر ہوئے عبیدہؓ نے اپنا رخسارا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک پر رکھ کر یہ کہا کہ یا رسول اللہ اگر ابو طالب زندہ ہوتے اور ہم کو دیکھتے تو وہ جان لیتے کہ ہم ان سے زیادہ اس شعر کے مستحق ہیں اس کے بعد وفات پائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اشھد انک شھید میں گواہی دیتا ہوں کہ تو شہید ہے۔ رواہ الشافعی (البدایۃ والنہایۃ ص ۲۷۴ ج ۳)

بابی وامی انتما واللہ انہ لرسول اللہ وماتساقان الا الی مصار عکما۔	میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں خدا کی قسم وہ یعنی محمد بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں۔ اور نہیں ہانکے جا رہے ہو تم مگر اپنے اپنے مقتل (قتل گاہ)

کی طرف اور رو پڑے۔ عاص بن شیبہ نے حضرت عداس کو روتے ہوئے دیکھ کر رونے کا سبب دریافت کیا تو عداس نے کہا کہ میں اپنے ان آقاؤں کی وجہ سے روتا ہوں کہ دونوں اللہ کے رسول سے قتال اور جنگ کے لئے جا رہے ہیں، عاص نے کہا۔ کیا واقعی وہ اللہ کے رسول ہیں۔ عداس کانپ اٹھے اور یہ کہا:

ای واللہ انہ لرسول اللہ الی الناس کافۃ۔ (اصابہ ترجمہ عداسؓ)	ہاں خدا کی قسم تحقیق وہ اللہ کے رسول ہیں، جو تمام لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں۔

عداس کا یہ کلام عتبہ اور شیبہ کے دل میں اُتر چکا تھا کہ یہ سب لوگ مارے جائیں گے۔ اس لئے عتبہ اور شیبہ جنگ سے جان چراتے تھے، فقط ابوجہل کے طعن کی وجہ سے عتبہ اور شیبہ نے سبقت کی۔ ابوجہل بار بار عتبہ اور شیبہ کو بزدلی اور نامردی کا طعنہ دیتا تھا۔ اس لئے سب سے پہلے یہ دونوں جنگ کی طرف بڑھے تاکہ اپنے سے بزدلی اور نامردی کے طعنہ کو دور کریں ابواُسید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن یہ ارشاد فرمایا، اپنے تیروں کو وقت کے لئے بچا رکھنا۔ جب کافر تم پر ہجوم کردیں اور قریب آجائیں اس وقت تیر مارنا۔ (بخاری شریف غزوۂ بدر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ خداوندی میں دعا فتح

عتبہ اور شیبہ کے قتل کے بعد میدان کارزار گرم ہوگیا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم چھپر سے برآمد ہوئے اور صحابہ کی صفوف کو ہموار کیا۔ اور پھر ابوبکر صدیقؓ کو ساتھ لیے ہوئے عریش (چھپر)

میں واپس تشریف لے گئے اور سعد بن معاذؓ تلوار لے کر چھپر کے دروازے پر کھڑے ہو گئے حضور پُر نور نے جب اپنے اصحاب اور احباب کی قلت اور بے سروسامانی کو اور اعداء کی کثرت اور قوت کو دیکھا تو نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اور دو رکعت نماز پڑھی اور دعا میں مشغول ہو گئے اور یہ دعا مانگتے تھے۔

اللّٰھُمَّ انی انشدك عھدك ووعدك اللھم ان شئت لم تعبد۔	اے اللہ میں تیرے عہد اور وعدہ کی وفا کی درخواست کرتا ہوں اے اللہ اگر تو چاہے تو تیری پرستش نہ ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر خشوع و خضوع کی ایک خاص کیفیت طاری تھی. بارگاہ خداوندی میں کبھی سر بسجود تضرع و ابتہال فرماتے اور کبھی سائلانہ اور فقیرانہ ہاتھ پھیلا پھیلا کر فتح و نصرت کی دعا مانگتے تھے۔ محویت کا یہ عالم تھا کہ دوش مبارک سے رداء گر گر پڑتی تھی.

حضرت علیؓ راوی ہیں کہ میں نے بدر کے دن کچھ قتال کیا اور آپ کی طرف آیا دیکھا کہ آپ سر بسجود ہیں اور یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ کہتے جاتے ہیں میں لوٹ گیا اور قتال میں مصروف ہو گیا اور کچھ دیر بعد پھر آپ کی طرف آیا پھر اسی حال میں پایا. تین مرتبہ اسی حال میں پایا چوتھی بار اللہ نے آپ کو فتح دی۔ (رواہ النسائی والحاکم فتح الباری. باب قول اللہ تعالیٰ اذ تستغیثون ربکم) صحیح مسلم میں ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجھ سے بیان کیا کہ جب بدر کا دن ہوا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ مشرکین مکہ ایک ہزار ہیں اور آپ کے اصحاب تین سو سے کچھ زیادہ ہیں تو آپ عریش (چھپر) میں تشریف لے گئے اور مستقبل قبلہ ہو کر بارگاہ خداوندی میں دعا کے لئے ہاتھ پھیلائے۔

اَللّٰھُمَّ اَنْجِزْلِیْ مَا وعدتنی اَللّٰھم ان تھلك ھذہ العصابة من اھل الاسلام لا تعبد فی الارض	اے اللہ تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے اس کو پورا فرما۔ اے اللہ اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو پھر زمین میں تیری پرستش نہ ہو گی۔

اس لئے کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور یہ امت آخری امت ہے اگر خدانخواستہ آپ اور آپکے صحابہ ہلاک ہوگئے تو پھر زمین پر کوئی اللہ کی عبادت کرنے والا نہ رہے گا، نیز اس دعا سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فتح و نصرت کی دعا، فقط مسلمانوں کی جان بچانے کے لئے نہ تھی بلکہ اس لئے کہ زمین پر اللہ جل جلالہ کی عبادت اور بندگی باقی رہے ایسا نہ ہو کہ زمین اللہ کی عبادت سے خالی رہ جائے۔

دیر تک ہاتھ پھیلائے ہوئے یہی دعا فرماتے رہے کہ اے اللہ اگر یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر زمین پر تیری پرستش نہ ہوگی۔ اسی حالت میں چادر مبارک دوش مبارک سے گر پڑی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چادر اٹھاکر دوش مبارک پر ڈال دی اور پیچھے سے آکر آپ کی کمر سے چمٹ گئے، یہ صحیح مسلم کی روایت ہے۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ ابوبکر نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور عرض کیا؛

حَسْبُكَ فَقَدْ اَلْحَحْتَ عَلٰى رَبِّكَ	بس کافی ہے تحقیق اپنے اللہ کے حضور میں بہت الحاح آہ وزاری کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر حق جل وعلا کی عظمت وجلال اور شان استغناء و بے نیازی پر تھی کما قال تعالیٰ اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ۔ وقال تعالیٰ وَاللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ اِنْ یَّشَاْ یُذْھِبْکُمْ اس لئے چشمہائے مبارک سے گریہ وزاری کے چشمے جاری اور رواں تھے لیکن ابوبکر کو آپ کی اس بے تابانہ اور مضطربانہ الحاح و زاری سے یقین آگیا کہ آپ کی دعا مستجاب اور مقبول ہوئی، کما قال تعالیٰ

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ وَیَجْعَلُکُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ۝ لہ	آیا وہ ذات کہ جو مضطر اور بیقرار کی دعا کو قبول کرتا ہے اور اس کی مصیبت کو دور کرتا ہے اور تم کو زمین میں صاحب تصرف بناتا ہے۔

لہ۔ سورۃ النمل، آیت : ۶۲ –

غرض یہ کہ صدیق اکبر مقام رجا میں تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقام خوف میں تھے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ : شبہ یہ ہے کہ جب حق تعالیٰ کی طرف سے فتح اور نصرت کا وعدہ تھا تو حضور پُر نور کیوں اس درجہ مضطرب تھے۔

جواب : یہ ہے کہ حق جل شانہ کی طرف سے حق کی فتح و نصرت کا وعدہ مجمل تھا کوئی زمان و مکان اور کوئی واقعہ اور محل معین نہ تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر حق جل وعلا کی شان بے نیازی پر تھی کہ وہ مالک مطلق ہے جو چاہے سو کرے۔ مقام ربوبیت کا ادب یہی ہے کہ باوجود وعدۂ برحق کے اُس سے ڈرتا رہے اور یہ سمجھتا رہے کہ کوئی شئ کسی حال میں اس پر واجب نہیں بندہ کا کام مانگنے کا ہے وہ جو کچھ عطا فرمائے وہ اس کا فضل اور انعام ہے اور اگر وعدۂ نصرت کا وقت معین بھی ہو تو اس میں یہ احتمال ہے کہ ممکن ہے کہ اس وعدہ کا وقوع اور تحقیق ایسے مخفی اسباب و شرائط پر معلق ہو جن سے اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت اور مصلحت کی بنا پر اپنے پیغمبروں کو بھی آگاہ نہ کیا ہو کما قال تعالیٰ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ ط اللہ تعالیٰ پر یہ امر واجب نہیں کہ کسی واقعہ اور کسی وعدہ کے اسباب و شروط سے انبیاء کرام کو آگاہ کرے بسا اوقات حکمت بالغہ کا اقتضاء یہ ہوتا ہے کہ اصل حقیقت سر مکتوم رہے تاکہ بندہ کی نظر سے اللہ کی عظمت اور ہیبت اور شان لاابالی اوجھل نہ ہو جائے۔

اس لئے حضرات انبیاء کرام کا اس طرح کی والہانہ اور مضطربانہ دعا مانگنا۔ اس لئے نہیں ہوتا کہ ان کو وعدۂ خداوندی پر وثوق نہیں ہوتا بلکہ خداوند ذوالجلال کی لاابالی کا خوف ان پر غالب ہوتا ہے۔ (ماخوذ از مدارج النبوۃ)

اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ ابوبکرؓ نے عرض کیا:

کفاك مناشدتك ربك فانه بس اللہ سے آپ کا یہ سوال کافی ہے تحقیق وہ

سینجز لك ما وعدك ۔ اپنے وعدہ کو ضرور پورا فرمائے گا۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ	یاد کرو اس وقت کو کہ جب تم اللہ سے فریاد کر رہے
اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ	تھے پس اللہ نے تمہاری دعا قبول کی کہ میں
مُرْدِفِیْنَ۔ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى	تمہاری ایک ہزار فرشتوں سے مدد کروں گا جو
وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ	پیچھے بعد دیگرے آنے والے ہوں گے اور نہیں
اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ	بنایا اللہ نے اس امداد کو مگر محض تمہاری بشارت
حَكِیْمٌ ۝ [1]	اور خوشخبری کے لئے اور اس لئے کہ تمہارے دل

مطمئن ہو جائیں اور حقیقت میں مدد نہیں مگر اللہ کی جانب سے بے شک اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

صحیح بخاری کی روایت میں ہے، آپ اس وقت عریش (چھپر) سے باہر تشریف لائے اور زبان مبارک پر یہ آیت تھی۔

سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ	عنقریب کافروں کی یہ جماعت شکست کھائے گی
الدُّبُرَ ۝ [2]	اور پشت پھیر کر بھاگے گی۔

ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ دعا مانگتے مانگتے آپ پر نیند طاری ہو گئی، تھوڑی دیر بعد آپ بیدار ہوئے اور ابوبکرؓ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا۔

ابشر یا ابابکر اتاك نصر اللہ	اے ابوبکر تجھکو بشارت ہو۔ تیرے پاس اللہ کی
ھذا جبریل اٰخذ بعنان فرسہ	مدد آگئی۔ یہ جبرئیل امین گھوڑے کی باگ پکڑے
یقودہ علی ثنایاہ الغبار ۔ [3]	ہوئے ہیں دانتوں پر ان کے غبار ہے۔

---

[1] سورۃ انفال، آیۃ : ۱۰ [2] سورۃ القمر، آیۃ : ۴۵

[3] فتح الباری ج : ۷ ص : ۲۴۲ ۔ عیون الاثر ۔ ج ۱ ۔ ص : ۲۵۵

اہلِ اسلام کی امداد کے لئے آسمان سے فرشتوں کا نزول

اوّل حق تعالیٰ نے ایک ہزار اور پھر تین ہزار اور پھر پانچ ہزار فرشتے مسلمانوں کی امداد کے لئے اتارے۔

نکتہ: چونکہ اس جنگ میں کفار و مشرکین کے امداد کے لئے ابلیس لعین اپنا لشکر لے کر حاضر ہوا اس لئے حق جل وعلا نے مسلمانوں کی امداد کے لئے جبرئیل و میکائیل و اسرافیل کی سرکردگی میں آسمان سے اپنے فرشتوں کا لشکر نازل فرمایا چونکہ شیطان خود سراقہ بن مالک کی شکل میں اور اس کے لشکر کے لوگ بنی مدلج کے مردوں کی شکل میں ظاہر ہوئے (جیسا کہ دلائل بیہقی اور دلائل ابی نعیم میں ابن عباسؓ سے مروی ہے۔[1]

اسی وجہ سے فرشتے بھی مردوں ہی کی شکل میں نمودار ہوئے جیسا کہ علامہ سہیلی اور امام قرطبی نے تصریح کی ہے۔[2]

اور جن حضرات کی امداد اور اعانت کے لئے آسمان سے فرشتے اترے وہ حضرات اگرچہ صورۃً انسان تھے مگر معنیً فرشتے تھے اور بلاشبہ اس کا مصداق تھے۔

نقش آدم لیک معنی جبرئیل   رستہ از جملہ ہوا و قال و قیل

ابو اُسید ساعدی رضی اللہ عنہ (جو صحابہ بدریین میں سے ہیں) فرماتے ہیں کہ بدر کے دن فرشتے زرد رنگ کے عماموں میں اترے شملے مونڈھوں کے درمیان چھوڑے ہوئے تھے۔ (رواہ ابن جریر باسناد حسن اور ایسا ہی ابن ابی حاتم نے زبیر بن عوام سے روایت کیا ہے اور زبیر رضی اللہ عنہ خود بھی بدر کے دن زرد عمامہ باندھے ہوئے تھے۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کے عماموں کا رنگ سیاہ تھا اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ سفید تھا۔

---

[1] الخصائص الکبریٰ۔ ج: ۱، ص: ۲۰۴ [2] روض الانف۔ ج: ۲، ص: ۹۹۔

حافظ سیوطی فرماتے ہیں کہ صحیح روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عماموں کا رنگ زرد تھا۔ سیاہ اور سفید رنگ کے بارے میں جس قدر بھی روایتیں ہیں وہ سب ضعیف ہیں۔ [۵۱]

نکتہ: عجب نہیں کہ فرشتوں کے عماموں کا رنگ زرد مسلمانوں کے فرحت و مسرت کے لئے رکھا گیا ہو اس لئے کہ زرد رنگ کو دیکھ کر فرحت و مسرت ہوتی ہے کما قال تعالیٰ:

صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ [۵۲] دیکھنے والوں کو فرحت اور مسرت بخشتا ہے۔

الحاصل حق جل شانہ نے مسلمانوں کی امداد کے لئے فرشتوں کا لشکر آسمان سے نازل فرمایا۔ اوّل تو ملائکہ کا فقط نزول ہی موجب خیر و برکت تھا جیسے غزوۂ حنین میں فقط ملائکہ کا نزول ہی فتح کا باعث ہوا۔ کما سیأتی انشاء اللہ تعالیٰ۔

دوسرا انعام حق تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ فرشتوں کو یہ حکم دیا کہ مسلمانوں کو روحانی طور پر تقویت پہنچائیں کما قال تعالیٰ۔

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ [۵۳] اس وقت کو یاد کرو کہ جب اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا تھا کہ میں تمھارے ساتھ ہوں پس تم اہل ایمان کو ثبات اور استقامت میں قوت پہنچاؤ

جس طرح حق تعالیٰ نے شیطان کو دلوں میں وسوسے ڈالنے کی قدرت دی ہے اسی طرح ملائکہ مکرمین کو دلوں میں نیک باتوں کے القاء کی قدرت عطا فرمائی ہے جس کو لمّہ اور الہام کہتے ہیں۔ سو فرشتوں نے مسلمانوں کے دلوں میں خداوند ذوالجلال سے سرکشی کرنے والوں کے مقابلہ میں سرفروشی اور جانبازی کا القاء کیا کہ تم اللہ اور اس کے رسول سے بغاوت کرنے والوں کے مقابلہ میں ثابت قدم رہو نِعْمَ الْمَوْلٰى اور نِعْمَ النَّصِيْرُ تمھارا حامی

---

[۵۱] زرقانی، ج: ۱، ص: ۴۲۴۔ [۵۲] سورۂ بقرہ، آیۃ: ۶۹۔
[۵۳] سورۂ انفال، آیۃ: ۱۲۔

اور مددگار ہے اور اس کے فرشتوں کا لشکر تمہاری پشت پناہی کے لئے حاضر ہے۔ پھر کیا فکر اور کیا غم ہے اور فتح و شکست کا مدار دلوں کی قوت اور ضعف پر ہے۔ اس طرح مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط کر دیا۔

تیسرا انعام حق تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ فرشتوں کو مسلمانوں کے دشمنوں سے جہاد اور قتال کا حکم دیا۔

چوتھا انعام یہ فرمایا کہ فرشتوں کو ان کا معین اور مددگار بنایا، اصل جہاد کرنے والے صحابہ تھے، فرشتے ان کے تابع تھے، جیسا کہ معکم کا لفظ اس طرف اشارہ کرتا ہے۔

پانچواں انعام یہ فرمایا کہ کافروں کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈالا کما قال تعالیٰ سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ۔

فرشتوں کو طریقۂ جہاد و قتال کی تعلیم

فرشتوں کو چونکہ آدمیوں کے قتل کا طریقہ معلوم نہ تھا اس لئے حق تعالیٰ شانہ نے ان کو قتل کا طریقہ تبلایا۔

فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ۔ [1] اے فرشتو پس مارو کافروں کی گردنوں پر اور کاٹ دو ان کے ہر پور کو۔

ربیع بن انس سے مروی ہے کہ بدر کے دن فرشتوں کے مقتولین انسانوں کے مقتولین سے علیحدہ طور پہچانے جاتے تھے۔ مقتولین ملائکہ کے گردنوں اور پوروں پر آگ کے سیاہ نشان تھے۔ (فتح الباری باب شہود الملائکۃ بدرا)

صحیح مسلم میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک مسلمان مرد ایک مشرک کے پیچھے دوڑا اوپر سے ایک کوڑے اور سوار کی آواز سنائی دی کہ اے حیزوم [2] آگے بڑھ۔ اس کے بعد جو اس مشرک

---

[1] سورۂ انفال، آیۃ ۱۲۔ [2] حیزوم حضرت جبرئیل کے گھوڑے کا نام ہے ۱۲۔ زرقانی ج ۱ ص ۴۱۴

پر نظر پڑی تو دیکھتے کیا ہیں کہ وہ مشرک زمین پر چت پڑا ہوا ہے۔ اور اُس کی ناک اور چہرہ۔ کوڑے کی ضرب سے پھٹ کر نیلا ہو گیا ہے۔

انصاری نے آکر یہ تمام واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا آپ نے سُن کر فرمایا۔ تو نے سچ کہا۔ یہ تیسرے آسمان کی امداد تھی[1]

صحیح بخاری میں ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے لئے یہ ارشاد فرمایا:

هذا جبرئيل آخذ برآس فرسه عليه اداة الحرب ۔ یہ ہیں جبرئیل جو اپنے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے ہیں سامان جنگ سے آراستہ ہیں۔

(بخاری شریف باب شہود الملائکہ بدرا۔)

سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بدر کے دن ہم نے یہ دیکھا کہ ہم میں کا کوئی شخص جب مشرک کی طرف اشارہ کرتا ہے تو قبل اس کے کہ تلوار اس تک پہنچے اس کا سر کٹ کر زمین پر گر جاتا ہے۔ حاکم نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور حاکم نے اور ان کے تلمیذ بیہقی نے اور نیز ابو نعیم نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے[2]

سہل بن سعد راوی ہیں کہ ابو اسید نے مجھ سے یہ کہا کہ اے بھتیجے اگر میں اور تو بدر میں ہوتے تو میں تجھ کو وہ گھاٹی دکھلاتا جہاں سے فرشتے ہماری امداد کے لئے برآمد ہوئے تھے جس میں کوئی شک اور شبہ نہیں رواہ الطبرانی وفیہ سلامۃ بن روح وثقہ ابن حبان وضعفہ غیرہ لغفلۃ فیہ۔

الحاصل جنگ بدر میں مسلمانوں کی امداد کے لئے آسمان سے فرشتوں کا نازل ہونا اور پھر مسلمانوں کے ساتھ ہو کر ان کا جہاد و قتال کرنا۔ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے صراحۃً ثابت ہے جس میں کسی کے انکار اور شبہ کی گنجائش نہیں۔

---

[1] ۔ فتح الباری ج: ۷، ص: ۲۴۲ ۔ [2] زرقانی ۔ ج ۱ ص: ۴۲۷ ۔

فرشتوں کا گھوڑوں پر سوار ہونا یہ بھی متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے بعض روایات میں ہے کہ ابلق گھوڑوں پر سوار تھے [۱]

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ملائکہ نے سوائے بدر کے اور کسی موقعہ پر قتال نہیں کیا۔ ہاں مسلمانوں کی فقط تائید اور تقویت اور تکثیر جماعت اور سکینت و طمانیت کیلئے فرشتوں کا نازل ہونا دوسرے مواقع میں بھی ثابت ہوا ہے مثلاً غزوۂ حنین میں ملائکہ کا نزول سورۂ توبہ میں مذکور ہے، کما قال تعالےٰ :

وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا۔　　اور ایسے لشکر اتارے جن کو تم نہیں دیکھتے تھے۔

مگر بخاری اور مسلم کی ایک حدیث سے میں غزوۂ احد میں بھی جبرئیل و میکائیل کا قتال کرنا مذکور ہے لیکن وہ قتال تمام مسلمانوں کی طرف سے نہ تھا۔ صرف ذات بابرکات علیہ افضل الصلوات والتحیات کی حمایت وحفاظت کے لئے تھا [۲]

نکتہ : چونکہ یہ عالم۔ عالم اسباب ہے، اس لئے حق جل وعلا نے عالم اسباب کی رعایت ہے۔ فرشتوں کو لشکر کی صورت میں مسلمانوں کی امداد کے لئے نازل فرمایا ورنہ ایک ہی فرشتہ سب کے لئے کافی تھا۔ اصل فاعل تو اللہ تعالےٰ ہی ہے مگر اس عالم میں اس کی قدرت کا ظہور اسباب اور وسائط کے ذریعہ سے ہوتا ہے اس لئے عالم اسباب کے طریقے کے مطابق فرشتوں کا ایک لشکر مسلمانوں کی مدد کے لئے بھیجا [۳]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عریش سے باہر تشریف لائے اور جہاد وقتال کی ترغیب دی اور فرمایا کہ قسم ہے اس ذات پاک کی کہ جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے آج جو شخص صبر وتحمل اخلاص اور صدق نیت کے ساتھ اللہ کے دشمنوں سے سینہ سپر ہو کر جہاد کرے گا اور پھر اللہ کی راہ میں مارا جائے گا۔ اللہ تعالےٰ اس کو ضرور جنت میں داخل فرمائے گا۔

---

[۱] ۔ زرقانی ۔ ج : ۲، ص : ۲۷۴　[۲] ۔ ایضاً : ج ۱، ص ، ۴۲۵
[۳] ۔ فتح الباری ، ج ۷ ، ص : ۲۴۳

عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں اس وقت کچھ کھجوریں تھی جن کے کھانے میں مشغول تھے۔ یکایک جب یہ کلمات طیبات ان کے کان میں پہنچے تو سنتے ہی بول اٹھے۔

بخ بخ افما بيني وبين ان ادخل الجنة الا ان يقتلني هولاء — واہ۔ واہ میرے اور جنت کے مابین فاصلہ ہی کیا رہ گیا مگر صرف اتنا کہ یہ لوگ مجھکو قتل کر ڈالیں

اور کھجوریں ہاتھ سے پھینکدی اور تلوار لے کر جہاد شروع کیا اور کرتا شروع کیا یہاں تک شہید ہوگئے، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ[1]

عوف بن حارث[2] نے عرض کیا۔

يا رسول الله ما يضحك الرب[3] من عبده — یا رسول اللہ۔ پروردگار کو بندہ کی کیا چیز ہنساتی ہے۔ یعنی خوش کرتی ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا۔ بندہ کا برہنہ ہو کر خدا کے دشمن کے خون سے اپنے ہاتھ کو رنگ دینا عوف نے یہ سنتے ہی زرہ اتار کر پھینک دی اور تلوار لے کر قتال شروع کیا یہاں تک شہید ہوگئے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

---

[1] ابن ہشام۔ ج : ۲، ص : ۱۸۔ طبقات ابن سعد ج : ۲ ۔ ص ۱۶

[2] باپ کا نام حارث اور ماں کا نام عفراء ہے یعنی معاذ اور معوذ کے بھائی۔ ۱۲

[3] یعنی جس امر سے بندہ کو خداوند ذوالجلال کی انتہائی رضامندی حاصل ہو جس مقام پر خوشنودی کے ساتھ بشارت و کرامت مسرت و محبت کا اظہار مقصود ہو وہاں بجائے رضا کے ضحک کا استعمال ہوتا ہے تاکہ انتہائی خوشنودی اور انتہائی رضامندی اور غایت محبت پر دلالت کرے اس لئے کہ آقا بسا اوقات اپنے خادم سے راضی ہوتا ہے مگر اس کا اظہار نہیں کرتا ضحک کا لفظ خوشنودی اور اس کے اظہار دونوں پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ طلحۃ بن براء رضی اللہ عنہ کے حق میں حدیث میں آیا ہے۔

اللهم الق طلحة يضحك اليك وتضحك اليه — اے اللہ طلحہ سے اس حال میں ملاقات فرما کہ وہ تجھ کو دیکھ کر ہنسے اور تو اس کو دیکھ کر ہنسے۔

یعنی ایسی ملاقات فرما کہ جو انتہائی رضامندی اور انتہائی محبت کو ظاہر کرتی ہو۔ ضحک خداوندی کے یہ معنی ہیں خوب سمجھ لو (روض الانف ج ۲ ص ۶۹)

ابوجہل کی دعا۔ اور لوگوں کو جنگ کے لئے جوش دلانا

عتبہ اور شیبہ اور ولید کے قتل ہو جانے کے بعد۔ ابوجہل نے لوگوں کو یہ کہہ کر ہمت اور جرأت دلائی اور جنگ پر آمادہ کیا۔

اے لوگو۔ عتبہ اور شیبہ اور ولید کے قتل ہونے سے گھبراؤ نہیں ان لوگوں نے عجلت سے کام لیا قسم ہے لات اور عزیٰ کی ہم اس وقت تک ہرگز واپس نہ ہوں گے جب تک ہم اُن کو رسیوں میں نہ باندھ لیں گے۔

اور اس کے بعد ابوجہل نے اللہ سے یہ دعا مانگی۔ اے اللہ ہم میں سے جو قرابتوں کا قطع کرنے والا اور غیر معروف امور کا مرتکب ہو اس کو ہلاک فرما۔ اور ہم میں سے جو تیرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہو آج اس کو فتح اور نصرت دے۔

اس پر اللہ جل جلالہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝	اگر تم فتح طلب کرتے تھے تو دیکھ لو تمہارے سامنے فتح آگئی اب اگر آئندہ کو باز آگئے تو تمہارے لئے بہتر ہے اور تمہاری جماعت ذرہ برابر تمہارے کام نہ آئے گی اگرچہ وہ جماعت کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ اور تحقیق اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔ [۱]

(اخرجہ ابن اسحاق والحاکم وصححہ والبیہقی عن عبداللہ بن ثعلبۃ بن صعیر) خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۲۰۲ زاد المعاد ج ۲ ص ۹۰ وقال ابن کثیر۔ اخرجہ الامام احمد والنسائی ورواہ الحاکم ثم قال صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ۔ البدایۃ والنہایۃ ج ۳ ص ۲۸۲)

---

[۱] سورۂ انفال آیۃ: ۱۹-

دلائل بیہقی اور دلائل ابی نعیم میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابوجہل کی دعا کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور عرض کیا اے پروردگار اگر (خدانخواستہ) یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر زمین میں کبھی تیری پرستش نہ ہوگی۔ ایک طرف ابوجہل دُعا مانگ رہا تھا اور دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشغول دعا تھے اس کے بعد فریقین میں گھمسان کی لڑائی شروع ہوگئی۔ اس وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عریش (چھپرا) سے باہر تشریف لائے اور صحابہ کو جہاد و قتال کی ترغیب دی اور یہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص خدا کی راہ میں مارا جائے گا، حق تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائے گا[1]

بعد ازاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل امین کے اشارے سے ایک مشتِ[2] خاک لے کر مشرکین کے چہروں پر پھینک ماری اور صحابہ کو حکم دیا کہ کافروں پر حملہ کرو مشرکین میں کوئی بھی ایسا نہ رہا کہ جس کی آنکھ اور ناک اور منہ میں یہ مٹی نہ پہنچی ہو۔

خدا ہی کو معلوم ہے کہ اس مشتِ خاک میں کیا تاثیر تھی کہ اس کے پھینکتے ہی دشمن بھاگ اُٹھے اسی بارے میں یہ نازل فرمائی:

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۝ [3] | اور نہیں پھینکی وہ مشتِ خاک آپ نے جس وقت کہ آپ نے پھینکی لیکن اللہ نے پھینکی۔

یعنی ظاہراً اگرچہ آپ نے ایک مٹھی خاک کی پھینکی لیکن ایک ہزار لشکر جرار کے ہر فرد کی آنکھ اور ناک میں اس مشتِ خاک کے ریزوں کا پہنچانا آپ کا کام نہ تھا بلکہ یہ اللہ کا کام اور اس کی قدرت کا ایک کرشمہ تھا۔

جب جنگ کی شدت ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ شاہت الوجوہ

---

[1] زرقانی۔ ج ۱، ص ۴۲۷ ، تاریخ ابن الاثیر ج ۲، ص: ۴۷۔

[2] مشتِ خاک کے پھینکنے کا واقعہ معجم طبرانی میں حکیم ابن حزام اور عبداللہ بن عباس سے مروی ہے حافظ ہیثمی فرماتے ہیں کہ حکیم بن حزام کی روایت کی سند حسن ہے اور ابن عباس کے روایت کے رجال۔ بخاری کے رجال۔ بخاری کے رجال ہیں مجمع الزوائد۔ ۶/۸۴

[3] سورۃ انفال، آیۃ ۱۷

دیہ چہرے خراب ہوئے ! اٹھ کر ایک مٹی سنگریزے قریش کی طرف پھینکے اور صحابہ کو حملہ کا حکم دیا۔

ایک لمحہ کی مہلت اور ایک لحظہ کا وقفہ نہ گزرا کہ اعداء اللہ کے چہروں پر حسی اور معنوی ذلت کا غبار چھا گیا اور آنکھیں ملنے لگے۔ اُدھر مسلمانوں نے دھاوا بول دیا۔ ابن شہاب زہری اور عروۃ بن الزبیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس مشتِ خاک کی عجب شان بنائی ہر شخص سرنگوں اور حیران تھا کہ کہاں اور کدھر جائے۔

مشتِ خاک کا پھینکنا تھا کہ کفار کا تمام لشکر سراسیمہ ہوگیا اور بڑے بڑے بہادر اور جانباز قتل اور قید ہونے لگے اور مسلمان، خدا کے دشمنوں کے قتل کرنے اور گرفتار کرنے میں مشغول ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرش میں تشریف فرما تھے اور سعد بن معاذ دروازہ پر تلوار لے کر ذات قدسی صفات اور ملکی سمات علیہ افضل الصلوات والتحیات کی حفاظت کر رہے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ صحابہ قریش کو گرفتار کرنے میں مشغول ہیں اور سعد بن معاذ کے چہرہ پر ناگواری کے آثار اس درجہ نمایاں ہیں، کہ گویا کراہتہ اور ناگواری کوئی محسوس شئی ہے جو سعد کے چہرہ میں رکھی ہوئی نظر آتی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اے سعد غالباً تجھ کو قریش کا گرفتار کرنا ناگوار ہے۔ سعد نے عرض کیا۔

اجل واللہ یا رسول اللہ کانت	ہاں۔ خدا کی قسم یا رسول اللہ یہ پہلا حادثہ ہے۔
اوّل وقعۃ اوقعھا اللہ تعالیٰ	جو اللہ تعالیٰ نے اہل شرک پر نازل فرمایا میرے
باھل الشرك فکان الاثخان فی	نزدیک خدا کے ساتھ شرک کرنے والوں کا قتل
القتل احب الی من استبقاء	اور خونریزی ان کے زندہ چھوڑنے سے کہیں
الرجال۔ (سیرۃ ابن ہشام ج۲ ص۲)	زیادہ محبوب ہے۔

جن کے قلوب۔ حق جل وعلا کی توحید و تفرید سے لبریز ہو چکے ہوں اُن کے دلوں میں

لہ۔ یہ ترجمہ کلمہ فا کا ہے اس لئے روایات میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ فولوا مدبرین اور فانھزموا اور کلمہ فا باجماع ائمہ نحو۔ تعقیب بلا مہلت کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ واللہ اعلم ۱۲

خدا کے ساتھ شرک کرنے والوں کے لئے کہاں گنجائش ہو سکتی ہے۔

نیز تخلق باخلاق اللہ کا اقتضاء بھی یہی ہے کہ شرک کو معاف نہ کیا جائے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى إِثْمًا عَظِيْمًا۔

تحقیق اللہ تعالیٰ شرک معاف نہیں کرتا البتہ جو گناہ شرک سے کم درجہ کا ہو اس کو معاف کر دیتا ہے جس کے لئے چاہے اور جو شخص اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے اس نے بڑے ہی جرم کا ارتکاب کیا۔[1]

ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشتر ہی یہ ارشاد فرمایا تھا کہ کچھ لوگ بنی ہاشم اور دیگر قبائل کے رضاء و رغبت سے نہیں بلکہ قریش کے محض جبر اور اکراہ سے آئیں ہیں۔ ان کو قتل نہ کیا جائے۔ ہمیں ان سے قتل و قتال کی ضرورت نہیں لہٰذا تم میں سے جو شخص ابوالبختری بن ہشام اور عباس بن عبدالمطلب کو پائے تو قتل نہ کرے اس لئے صحابہ بجائے قتل کے ان لوگوں کی گرفتاری کے درپے رہے۔

چنانچہ مجذر بن زیاد انصاری نے جب ابوالبختری کو دیکھا تو کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو تیرے قتل سے منع کیا ہے۔

ابوالبختری[2] کے ساتھ ایک رفیق بھی تھا جو مکہ سے اس کے ساتھ آیا تھا جس کا نام جنادۃ بن ملیحہ تھا۔ ابوالبختری نے کہا میرا رفیق بھی۔ مجذر نے کہا۔ ہرگز نہیں۔ خدا کی قسم ہم تیرے رفیق کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو صرف تیری بابت حکم دیا ہے ابوالبختری نے کہا خدا کی قسم یہ مجھ سے ممکن نہیں کہ میں اپنے ساتھی کو چھوڑ دوں۔ کل کو مکہ کی عورتیں مجھ کو یہ طعنہ دیں گی کہ فقط اپنی جان بچانے کے لئے اپنے رفیق کو چھوڑ دیا۔ اور یہ رجز پڑھتا ہوا حملہ کے لئے آگے بڑھا۔

---

[1] سورۂ نساء، آیۃ ۴۸۔ [2] ابوالبختری اگرچہ مشرف باسلام نہ ہوئے لیکن مکہ میں آپ کے حامی و مددگار رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوالبختری کی طرف سے کبھی کوئی ناگواری پیش نہیں آئی۔ اور مقاطعہ اور ظالمانہ صحیفہ کا نقض میں پیش قدمی کی ہے سیرۃ ابن ہشام ص ۲/۱۵ البدایۃ والنہایۃ ج ۳ ص ۲۸۵

لَن يُسْلِمَ اِبنُ حُرَّةٍ زَمِيلَهُ　　حتى يموت او يرى سَبِيلَهُ

ایک شریف زادہ اپنے رفیق کی اعانت اور دستگیری سے کبھی دستکش نہیں ہوسکتا یہاں تک مرجائے یا اپنا راستہ دیکھے۔

ابوالبختری کا مقابلہ پر آنا تھا کہ مجذر رضی اللہ عنہ کی تلوار نے کام تمام کیا۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا:

والذی بعثك بالحق لقد جهدت	قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دے کر
ان یستاسر فآتیك به فابی الاان	بھیجا البتہ تحقیق میں نے پوری کوشش کی ابوالبختری
یقاتلنی فقاتلته فقتلته ۔	قید ہوجائے اور میں اس کو آپ کی خدمت حاضر

کردوں لیکن نہ مانا یہاں تک مقاتلہ اور مقابلہ کیا تو میں نے اس کو قتل کر دیا۔

اُمیہ بن خلف اور اس کے بیٹے کا قتل

اُمیہ بن خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید ترین دشمنوں میں سے تھا جس وقت جنگ بدر کا کوئی وہم وگمان بھی نہ تھا۔ اس وقت سعد بن معاذ کی زبانی مکہ ہی میں اپنے قتل کی پیشین گوئی سن چکا تھا۔ اس لئے بدر کے موقع پر جنگ میں شریک ہونے سے جان چراتا ابوجہل نے یہ کہہ کر

اَدْرِكُوْا عِيْرَكُمْ ۔　　اپنے تجارتی قافلہ کی خبر لو یعنی قافلۂ ابی سفیان کی،

لوگوں کو جنگ کے لئے آمادہ کیا اُمیہ نے پہلوتہی کی۔ ابوجہل نے کہا اے ابوصفوان آپ اس وادی کے سردار ہیں، آپ کی پہلوتہی کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی پہلوتہی کریں گے۔ ابوجہل برابر اصرار کرتا رہا۔ اُمیہ جب مجبور ہوگیا تو یہ کہا کہ خدا کی قسم میں ایک نہایت عمدہ بہادر تیز رو اونٹ خریدوں گا تاکہ جب موقع ملے تو راستہ ہی سے واپس آجاؤں اور اپنی بیوی اُم صفوان سے جاکر کہا کہ سفر کا سامان تیار کردے۔ ام صفوان نے کہا کیا تم کو اپنے یثربی بھائی کا قول کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے ہاتھ سے مارے جاؤ گے، یاد نہیں رہا۔ امیہ نے کہا نہیں، خوب یاد ہے۔

میرا ارادہ جانے کا نہیں تھوڑی دور تک ساتھ جاتا ہوں اور پھر موقع پاکر واپس ہو جاؤں گا، اسی طرح تمام منزلیں طے کرتا ہوا بدر تک پہنچ گیا۔ بخاری شریف باب من یقتل ببدر[1]

جب بدر کے میدان میں آیا تو بلال رضی اللہ عنہ کی نظر پڑی جن کو اُمیہ مکہ میں گرم پتھروں پر لٹایا کرتا تھا۔ بلال نے امیہ کو دیکھتے ہی انصار کو للکارا۔

(عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، زمانۂ جاہلیت سے اُمیّہ کے دوست تھے، وہ یہ چاہتے تھے کہ اُمیہ قتل نہ ہو بلکہ گرفتار اور اسیر ہو جائے (شاید اللہ تعالیٰ اس بہانہ سے اس کو ہدایت نصیب فرمائے۔ اور ہمیشہ کے عذاب سے نجات پائے۔)

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں کچھ زرہیں تھیں جو کافروں سے چھینی تھیں۔ ان کو تو زمین پر ڈال دیا اور اُمیہ اور اس کے بیٹے کا ہاتھ پکڑ لیا۔ بلال نے دیکھ کر آواز دی کہ کفر کے سردار امیہ کو نہ بچنے دیں اگر اُمیہ بچ جائے۔ انصار یہ آواز سنتے ہی دوڑے۔ حضرت عبدالرحمٰن نے اُمیہ کے بیٹے کو آگے کر دیا انصار نے اس کو قتل کر دیا اور اُمیہ کی طرف دوڑے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ امیہ کے اوپر لیٹ گئے مگر انصار نے اسی حالت میں پیروں کے نیچے سے تلواریں چلا کر اُمیہ کو قتل کیا جس سے عبدالرحمٰن کے پیر پہ زخم آیا اور مدتوں تک اس زخم کا نشان باقی رہا۔

عبدالرحمٰن بن عوف فرمایا کرتے تھے خدا بلال پر رحم فرمائے میری زرہیں بھی گئی اور میرے قیدی بھی ہاتھ سے گئے (صحیح بخاری کتاب الوکالۃ)[2]

ابوجہل عَدوّ اللہ فرعونِ اُمّتِ رسول اللہ کا قتل

عبدالرحمٰن بن عوف فرماتے ہیں کہ میں بدر کے دن صف میں کھڑا تھا اچانک نظر جو پڑی تو دیکھتا کیا ہوں کہ میرے دائیں بائیں انصار میں کے دو نوجوان ہیں۔ اس لئے مجھ کو اندیشہ ہوا کہ لوگ آکر مجھ کو ان لڑکوں کے درمیان

[1] فتح الباری ج ۷، ص ۲۲۱
[2] اصل روایت صحیح بخاری کی ہے قوسین کی درمیانی عبارت مستفاد کی ابن عائذ کی عبارت کا ترجمہ ہے جس سے بخاری کی روایت کی شرح ہو جاتی ہے۔ فتح الباری ص ۲۳۴

کھڑا دیکھ نہ آگھیریں)

اسی خیال میں تھا کہ ایک نے آہستہ سے کہا اے چچا مجھکو ابوجہل دکھاؤ کہ وہ کون سا ہے میں نے کہا اے میرے بھتیجے ابوجہل کو دیکھکر کیا کروگے اس نوجوان نے کہا میں نے اللہ سے یہ عہد کیا ہے کہ اگر ابوجہل کو دیکھ پاؤں تو اس کو قتل کر ڈالوں یا خود مارا جاؤں اس لئے کہ مجھکو خبر ملی ہے کہ ابوجہل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سب وشتم کرتا ہے۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر اس کو دیکھ پاؤں تو میرا سایہ اس کے سایہ سے جدا نہ ہوگا۔ یہاں تک ہم میں سے جس کی موت پہلے مقدر ہو چکی ہے نہ مر جائے۔

اُن کی یہ گفتگو سُن کر دل سے یہ آرزو جاتی رہی کہ کاش میں بجائے دو لڑکوں کے دو مَردوں کے مابین ہوتا۔ میں نے اشارہ سے ابوجہل کو بتایا۔ سنتے ہی۔ شکرے اور باز کی طرح ابوجہل پر دوڑے اور اس کا کام تمام کیا۔ (بخاری شریف کتاب الجہاد باب من لم یخمس الاسلاب، و بخاری شریف جلد دوم باب غزوۂ بدر)

یہ دو نوجوان۔ عفراء کے بیٹے معاذ[1] اور معوّذ تھے۔

عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن ابی بکر بن حزم بمعاذ بن عمرو بن الجموح سے راوی ہیں کہ میں ابوجہل کی تاک میں تھا جب موقع پڑا تو اس زور سے تلوار کا وار کیا کہ ابوجہل کی ٹانگ کٹ گئی۔

ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے (جو فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے) باپ کی حمایت میں معاذ کے شانہ پر اس زور سے تلوار ماری کہ ہاتھ کٹ گیا لیکن تسمہ لگا رہا ہاتھ بیکار ہو کر لٹک گیا مگر سبحان اللہ

لہ۔ صحیح بخاری کی روایت جو غزوہ بدر کے بیان میں مذکور ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ معاذ اور معوّذ عفراء کے بیٹے ابوجہل کے قاتل تھے لیکن کتاب الجہاد کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معاذ بن عفراء اور معاذ بن عمرو الجموح تھے۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ عفراء کے بیٹوں کے ساتھ معاذ بن عمرو بن الجموح بھی شریک قتل تھے بلکہ معاذ بن عمرو بن الجموح ہی نے قتل میں زیادہ حصہ لیا اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سَلَب معاذ بن عمرو بن الجموح ہی کو دلایا۔

(کذا فی فتح الباری ص۲۳۰ ج۷ غزوۂ بدر و فتح الباری ج۶ من لم یخمس الاسلاب و زرقانی ج۱ ص۴۲۳)

معاذ شام تک اسی حالت میں لڑتے رہے جب ہاتھ کے لٹکنے سے تکلیف زیادہ ہونے لگی تو ہاتھ کو قدم کے نیچے دبا کر زور سے کھینچا کہ وہ تسمہ علیحدہ ہو گیا۔ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت تک زندہ رہے۔ مگر معوذ بن عفراء ابو جہل سے فارغ ہو کر لڑائی میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ جام شہادت نوش فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

فتح کے بعد ابوجہل کی لاش کی تلاش

ابوجہل اگرچہ زخمی خوب ہو چکا تھا لیکن زندگی کی رمق ابھی کچھ باقی تھی۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن فرمایا کہ ہے کوئی کہ ابوجہل کی خبر لائے۔ عبد اللہ بن مسعودؓ نے جا کر لاشوں میں تلاش کیا، دیکھا کہ ابھی اس میں کچھ رمق باقی ہے۔

یہ بخاری کی روایت ہے۔ ابن اسحاق اور حاکم کی روایت میں ہے کہ ابن مسعودؓ نے ابوجہل کی گردن پر پیر رکھ کر یہ کہا۔

اخزاك الله يا عدو الله — ذلیل اور رسوا کیا تجھکو اللہ نے اے اللہ کے دشمن

اور بعد ازاں اس کا سر کاٹا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر لا کر ڈال دیا۔ اور یہ عرض کیا:

هذا رأس عدو الله ابی جهل — یہ سر ہے اللہ کے دشمن ابوجہل کا۔

آپؐ نے فرمایا:

اَللّٰہِ الَّذِیْ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ۔ — قسم ہے اُس خدا کی جس کے سوا کوئی خدا نہیں کیا یہ ابوجہل ہی کا سر ہے۔

میں نے عرض کیا:

نعم والله الذی لا اله غیره — ہاں قسم ہے اُس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود

لہ۔ وعن عبد اللہ بن ابی اوفیؓ لما قتل ابوجہل جئ راسہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رواہ ابن ماجہ بسند جید ۔ زرقانی ۳/۳۰ ۔

نہیں یہ ابوجہل ہی کا سر ہے۔

آپ نے اللہ کا شکر کیا اور تین مرتبہ زبان مبارک سے یہ فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَعَزَّ الْاِسْلَامَ وَاَھْلَہٗ۔ [1] حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے اسلام کو اور اسلام والوں کو عزت بخشی۔

بعض روایات میں ہے کہ آپ نے سجدۂ شکر بھی ادا فرمایا (عمدۃ القاری باب قتل ابی جہل) اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ آپ نے (اس شکریہ میں) ایک دوگانہ پڑھا۔ رواہ ابنِ ماجہ عن عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ۔ [2]

ایک روایت میں عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ میں ابوجہل کے سینہ پر چڑھ کر بیٹھ گیا ابوجہل نے آنکھیں کھولیں اور کہا اے بکریوں کے چرانے والے البتہ تو بہت اونچے مقام پر چڑھ بیٹھا ہے، میں نے کہا۔

الحمد للہ الذی مکننی من ذالک حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے مجھکو یہ قدرت دی

پھر کہا کس کو فتح اور غلبہ نصیب ہوا میں نے کہا اللہ اور اس کے رسول کو، پھر کہا تیرا کیا ارادہ ہے میں نے کہا تیرا سر قلم کرنے کا۔ کہا کہ اچھا یہ میری تلوار ہے اس سے میرا سر کاٹنا یہ بہت تیز ہے تیری مراد اور مدعا کو جلد پورا کرے گی اور دیکھو میرا سر شانوں کے پاس سے کاٹنا تاکہ دیکھنے والوں کی نظروں میں مہیب ہیبتناک معلوم ہو۔

اور جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف واپس ہو تو میرا یہ پیام پہنچا دینا کہ میرے دل میں بہ نسبت گزشتہ کے آج کے دن تمہاری عداوت اور بغض کہیں زیادہ ہے ابن مسعود فرماتے ہیں کہ بعد ازاں میں نے اس کا سر قلم کیا اور لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ اللہ کے دشمن ابوجہل کا سر ہے اور اس کا پیام پہنچایا۔ آپ نے اللہ اکبر کہا۔ اور فرمایا کہ یہ میرا اور میری امت کا فرعون تھا جس کا شر اور فتنہ موسیٰ علیہ السلام کے فرعون کے شر اور فتنہ سے کہیں بڑھ کر تھا۔ موسیٰ

---

[1] ۔ فتح الباری ج ۷، ص: ۲۳۰

[2] ۔ البدایۃ والنہایۃ: ج: ۳، ص ۲۸۹

علیہ السلام کے فرعون نے مرتے وقت تو ایمان کا کلمہ پڑھا مگر اس امت کے فرعون نے مرتے وقت بھی کفر اور تکبر ہی کے کلمات کہے اور ابو جہل کی تلوار ابن مسعودؓ کو عطا فرمائی۔ کذا فی شرح السیر الکبیر الامام السرخسی ج ۱

یعنی جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فضائل و کمالات میں تمام انبیاء و مرسلین (صلوات اللہ عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنَ) سے افضل و برتر تھے۔ اسی طرح آپ کی امت کا فرعون تمام امم کے فراعنہ سے کفر اور شقاوت میں بڑھ کر تھا کہ مرتے وقت بھی اس کی آنکھ نہ کھلی اور سکرات موت نے بھی اس کے کفر اور تکبر کو متزلزل نہ کیا بلکہ کفر اور تکبر میں اور اضافہ ہو گیا۔ (اعاذنا اللہ تعالیٰ من ذلک آمین)

(نکتہ) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس رات رسول اللہ علیہ وسلم نے جنات کی طرف جانے کا قصد فرمایا تو یہ ارشاد فرمایا:

لیقم معی من لم یکن فی قلبہ	میرے ساتھ چلنے کے لئے وہ شخص اٹھے جس کے
مثقال ذرۃ من کبر فقام ابن مسعودؓ	دل میں ذرہ برابر تکبر نہ ہو آپ کے اس ارشاد کے بعد
فحملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ	ابن مسعودؓ کھڑے ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ
وسلم مع نفسہ (بنایہ شرح الہدایہ للحافظ العینی ج ۱)	علیہ وسلم ان کو اپنے ہمراہ لے گئے۔

عجب نہیں کہ ابو جہل کے آخری قتل کی سعادت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس لئے حاصل ہوئی ہو کہ یہ اللہ کے خاص بندے تھے جن کا قلب تکبر اور غرور کے شوائب سے پاک اور منزہ تھا[ف] اور ابو جہل غرور مجسم اور سراپا تکبر تھا جس کے قلب میں جز ملا یتجزیٰ کے مقدار بھی تواضع کا نام و نشان نہ تھا۔

اس لئے ابو جہل کا قتل حق جل وعلا نے ایسے مبارک اور مسعود شخص کے ہاتھ سے مقدر فرمایا کہ جو اللہ کا ایسا خاص بندہ ہو کہ جس کے قلب میں ذرہ برابر بھی غرور اور تکبر نہ ہو۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم رضی اللہ تعالیٰ عن عبد اللہ ابن مسعود وارضاہ وجزاہ عن الاسلام ما یحبہ ویرضاہ آمین

ف۔ شاید اسی وجہ سے عہد صحابہ اور تابعین میں جب بلا کسی قید اور نسبت کے عبد اللہ بولا جاتا تھا تو عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مراد لئے جاتے تھے، کہ ان میں عبدیت کی ایک خاص شان تھی۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

(فائدہ)۔ ابو جہل[1] کا اصل لقب ابوالحکم تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جہل کا لقب عطا فرمایا۔ فتح الباری باب ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم من یقتل ببدر یعنی جہل مطلق کا باپ اور مربی جب تک زندہ رہا اس وقت تک برابر اس سے ہر قسم کی جہالت کا توالد اور تناسل ہوتا رہا۔

عکاشہ[2] بن محصن رضی اللہ عنہ کی لڑتے لڑتے تلوار ٹوٹ گئی، آپ نے ایک چھڑی مرحمت فرمائی جو عکاشہؓ کے ہاتھ میں جاتے ہی تیغ براں بن گئی اسی سے قتال کیا یہاں تک اللہ نے فتح دی۔ اس تلوار کا نام عون تھا۔ ہر غزوہ میں یہ تلوار ساتھ رہتی۔[3]

عبیدۃ بن سعید بن العاص۔ بدر کے دن غرق آہن تھا سوائے آنکھوں کے کوئی شئی دکھلائی نہیں دیتی تھی۔ حضرت زبیر نے تاک کر اس کی آنکھ میں ایسا نیزہ مارا کہ پار ہوگیا۔ اور وہ فوراً ہی مرگیا۔ حضرت زبیر فرماتے ہیں کہ میں نے اُوپر پیر رکھ کر پوری قوت کے ساتھ نیزہ کھینچا تب نکلا لیکن اس کے کنارے ٹیڑھے ہوگئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور یادگار اس نیزہ کو حضرت زبیر سے مانگ لیا۔ آپ کی وفات کے بعد ابوبکر کے پاس رہا، پھر حضرت عمر اور پھر حضرت عثمان اور پھر حضرت علی اور پھر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کے پاس رہا۔

---

[1] ابو جہل میں لفظ ابو مضاف ہے اور جہل مضاف الیہ اور نکرہ ہے جس میں کسی قسم کی تعیین نہیں اس لئے اس کی تشریح جہل مطلق کے لفظ سے کردی گئی ۱۲۔

[2] ایک مرتبہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا کہ ستر ہزار آدمی میری امت کے جنت میں بلا حساب کتاب داخل ہوں گے۔ چہرے ان کے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوں گے۔ عکاشہ رضی اللہ عنہ یہ سنتے ہی کھڑے ہوگئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ سے دعا فرمائیے کہ اللہ مجھ کو انہیں لوگوں میں سے بنادے۔ آپ نے فرمایا تو انھیں میں سے ہے۔ اس پر انصار میں کا ایک اور شخص کھڑا ہوا اور اس نے بھی یہی درخواست کی آپ نے ارشاد فرمایا۔ عکاشہ سبقت لے گیا۔ (بخاری شریف)

مقصود نفی نہ تھی کہ تو ان ستر ہزار میں سے نہیں بلکہ سوالات کے سلسلہ کو ختم کرنا تھا، فافہم ذلک واستقم صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں جب طلیحہ بن خویلد اسدی نے نبوت کا دعوی کیا۔ اور صدیق اکبر نے خالد بن الولید کو اس فتنہ کے استیصال کے لئے روانہ فرمایا اس میں حضرت عکاشہؓ بھی شریک تھے طلیحہ کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ طبقات ابن سعد ص ۶۲ ج ۳۔ بدریین مہاجرین۔

[3] البدایۃ والنہایۃ ج: ۳، ص: ۹۰۔

معرکہ بدر میں حضرت زبیر کے زخم آئے ایک زخم شانہ پر اس قدر گہرا آیا کہ عروۃ بن زبیر بچپن میں اس زخم میں انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ عبدالملک بن مروان نے عروۃ بن الزبیر سے کہا تم زبیر کی تلوار پہچانتے ہو۔ عروہ نے کہا۔ ہاں۔ عبدالملک نے کہا کس طرح۔ عروہ نے کہا۔ اس میں بدر کے دن دندانے پڑ گئے تھے۔ عبدالملک نے کہا سچ کہتے ہو۔ اور تائید کے لئے یہ مصرع پڑھا:

بھن فلول من قراع الکتائب۔ ان تلواروں میں دندانے ہیں بڑے بڑے لشکروں کے مارنے سے۔

(صحیح بخاری غزوۂ بدر)

اسیرانِ بدر

بحمد اللہ فتح مبین پر لڑائی کا خاتمہ ہوا قریش کے ستر آدمی قتل اور ستر گرفتار اور اسیر ہوئے مقتولین کی لاشوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے کنوئیں میں ڈالنے کا حکم دیا مگر امیۃ بن خلف کہ اس کی لاش اس قدر پھول گئی تھی کہ جب زرہ نکالنے کا ارادہ کیا تو اس کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اس لئے وہیں مٹی میں دبا دی گئی۔[ا]

جب عتبہ بن ربیعہ کی لاش کنوئیں میں ڈالی جانے لگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ عتبہ کے بیٹے ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر حزن اور ملال کے آثار ہیں۔ آپ نے فرمایا اے ابو حذیفہ کیا باپ کی اس حالت کو دیکھ کر تیرے دل میں کچھ خیال گزرا ہے۔ ابو حذیفہ نے عرض کیا یا رسول اللہ خدا کی قسم کوئی خیال نہیں، صرف اتنی بات ہے کہ میرا باپ صاحب رائے اور حلیم اور بُردبار اور صاحبِ فضل تھا، اس لئے امید تھی کہ یہ فہم و فراست اسلام کی طرف رہنمائی کرے گی۔

[ا]ھ۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں براء بن عازبؓ سے اور صحیح مسلم میں ابن عباسؓ سے مروی ہے اور یہی صحیح ہے اس لئے کہ اس پر تمام اہلِ سیر کا اتفاق ہے کہ جب غزوۂ احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے تو اس وقت حق تعالیٰ نے مسلمانوں کی تسلی کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔ اولما اصابتکم مصیبۃ قد اصبتم مثلیھا فتح الباری ص ۲۳۶ ج ۷ باب من قتل من شہد بدرا کے ایک باب بعد فانہم۔ [ا] زرقانی ج ۱ ص ۴۳۲۔

لیکن جب اس کو کفر پر مرتے دیکھا تو رنج ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعائے خیر فرمائی۔

مقتولین بدر کی لاشوں کا کنویں میں ڈلوانا

انس بن مالکؓ ابو طلحہؓ سے راوی ہے کہ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوبیس[1] سردارانِ قریش کی لاشوں کے متعلق ایک بنہایت خبیث[2]، ناپاک اور گندہ کنویں میں ڈالنے کا حکم دیا، کنویں میں جو ڈالے گئے وہ سردارِ کفار تھے اور باقی مقتولین کسی اور جگہ ڈلوا دیے گئے۔

اور آپ کی یہ عادت شریفہ تھی کہ جب آپ کسی قوم پر غلبہ اور فتح پاتے تو تین شب وہاں قیام فرماتے۔ اسی عادت کے مطابق جب تیسرا روز ہوا تو آپ نے سواری پر زین کسنے کا حکم دیا جسب الحکم پھر آپ چلے اور صحابہ آپ کے پیچھے چلتے تھے۔ صحابہ کو یہ خیال تھا کہ شاید کسی ضرورت کے لیے تشریف لے جا رہے ہیں، یہاں تک کہ آپ اس کنویں کے کنارے پر جا کھڑے ہوئے اور تام بنام فلاں بن فلاں کہہ کر آواز دی اور یا عتبہ اور یا شیبہ اور یا امیہ اور یا ابا جہل اس طرح نام لے کر پکارا اور یہ فرمایا تم کو یہ بیا اچھا نہ معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے۔ بتحقیق جس چیز کا ہمارے رب نے ہم سے وعدہ کیا ہم نے اس کو حق پایا۔ کیا تم نے بھی اپنے رب کے وعدہ کو حق پایا۔

یہ بخاری کی روایت ہے۔ ابن اسحٰق کی روایت میں اس قدر اور اضافہ ہے، اے گڑھے والوں

---

[1] مقتول تو ستر ہوئے تھے لیکن اس کنویں میں صرف چوبیس سردار ڈالے گئے باقی مقتول کسی اور جگہ پھکوا دیے گئے (فتح الباری ص ۲۳۲ ج ۷ باب قتل ابی جہل)۔

[2] ایمان طہارۃ ہے اور کفر نجاست ہے۔ لقولہ تعالیٰ۔ انما المشرکون نجس۔ اہل شرک کی لاشوں کے لیے ایسا ہی کنواں مناسب تھا۔ کفر کی جنابت۔ ایمان ہی کے غسل سے زائل ہو سکتی ہے۔ کفر عالم غیب میں حدث اکبر ہے سو ایمان طہارت کبریٰ بمنزلہ غسل کے ہے اور کفر کے تمام شعبے یعنی معاصی اور ذنوب بمنزلہ حدث اصغر کے ہیں۔ اور ایمان کے تمام شعبے یعنی طاعات طہارت صغریٰ بمنزلہ وضو کے ہیں۔ فافہم ۱۲ بمفصل بحث انشاء اللہ العزیز حجۃ البالغہ کے بیان میں آئے گی۔ واللہ الموفق وبہ المستعان۔

تم اپنے نبی کے حق میں بہت بُرا قبیلہ تھے تم نے مجھ کو جھٹلایا اور لوگوں نے میری تصدیق کی تم نے مجھکو نکالا۔ اور لوگوں نے ٹھکانہ دیا تم نے مجھ سے قتال کیا اور لوگوں نے میری مدد کی امین کو تم نے خائن بتلایا۔ اور صادق کو کاذب کہا۔ اللہ تم کو بری جزا دے بخاری اور مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ کیا آپ بے جان لاشوں سے کلام فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میرے کلام کو تم ان سے زیادہ نہیں سنتے مگر وہ جواب نہیں دے سکتے [1]

حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ ایک طویل قصیدہ میں فرماتے ہیں:

قذفنا هم كباكب فى القليب　　　يناديهم رسول الله لما

جب ہم نے ان کی جماعتوں کو کنویں میں پھینک دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آواز دی۔

وامر الله ياخذ بالقلوب　　　الم تجد و ا كلامى كان حقا

کیا تم نے میری بات کو حق نہیں پایا اور اللہ تو دلوں کا مالک ہے۔

صدقت وكنت ذا رائى مصيب　　　فما نطقوا ولو نطقوا لقالوا

پس کوئی جواب نہیں دیا اور اگر بالفرض جواب دیتے تو یہی کہتے کہ آپ نے سچ کہا اور آپ ہی کی رائے صائب اور درست تھی۔

(فائدہ) ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فی الجملہ میت بھی سنتا ہے جمہور صحابہ و تابعین کا یہی مسلک ہے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ سماع موتی کی منکر ہیں تفصیل کے لئے کتب حدیث کی مراجعت کی جائے اور مدارج النبوۃ کی بھی مراجعت کریں۔

فتح کی بشارت کے لئے مدینہ منورہ قاصد روانہ کرنا

بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فتح مبین کی بشارت اور خوشخبری سنانے

[1] زرقانی، ج: ۱، ص ۴۴۳ - البدایۃ والنہایۃ - ج ۳، ص ۲۹۲

کے لئے مدینہ منورہ قاصد روانہ فرمائے اہل عالیہ کی طرف عبداللہ بن رواحہ کو اور اہل سافلہ کی طرف زید بن حارثہ کو روانہ فرمایا۔

اسامہ بن زید فرماتے ہیں کہ یہ بشارت اس وقت ہمارے کانوں میں پہنچی جس وقت کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو مٹی دے رہے تھے۔ ان کی تیمارداری کے لئے حضور پر نور عثمان غنیؓ کو مدینہ چھوڑ آئے تھے اسی وجہ سے حضرت عثمان بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ مگر چونکہ یہ تخلف حضور پر نور کے حکم سے تھا اس لئے حضرت عثمان حکماً بدر میں شمار کئے گئے میں نے دیکھا کہ زید بن حارثہ کو لوگ گھیرے ہوئے ہیں اور زید مصلے پر کھڑے ہوئے یہ کہہ رہے ہیں مارا گیا عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ اور ابوجہل بن ہشام اور زمعہ بن الاسود اور ابوالبختری بن ہشام اور امیہ بن خلف اور نبیہ اور منبہ پسران حجاج۔

میں نے کہا اے باپ کیا یہ خبر سچ ہے زید نے کہا۔ ہاں خدا کی قسم بالکل حق ہے۔

زید بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہ کو مدینہ منورہ روانہ فرمانے کے بعد آپ روانہ ہوئے اور اسیران جنگ کا قافلہ آپ کے ہمراہ تھا مال غنیمت عبداللہ بن کعب انصاری کے سپرد فرمایا۔

جب آپ مقام روحاء میں پہنچے تو آپ کو کچھ مسلمان ملے جنہوں نے آپ کو اور آپ کے اصحاب کو اس فتح مبین کی مبارکباد دی۔ اس پر سلمہ بن سلامہ رضی اللہ عنہ نے کہا کس چیز کی مبارکباد دیتے ہو خدا کی قسم بڑھیوں سے پالا پڑا۔ رسی میں بندھے ہوئے اونٹوں کی طرح ان کو ذبح کر کے ڈال دیا۔

(یعنی ہم نے کوئی بڑا کام ہی نہیں کیا جس پر ہم مبارکباد کے مستحق ہوں)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر مسکرائے اور یہ فرمایا یہی تو مکہ کے سادات اور اشراف تھے

مال غنیمت کی تقسیم

فتح کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر میں تین روز قیام فرمایا۔ تین روز قیام کے

بعد مدینہ منورہ کی طرف متوجہ ہوئے اور مالِ غنیمت عبد بن کعب کے سپرد فرمایا اور مقام صفراء میں پہنچ کر مالِ غنیمت کو تقسیم فرمایا۔ ہنوز مالِ غنیمت کی تقسیم کی نوبت نہیں آئی تھی کہ اصحاب بدر میں مالِ غنیمت کے تقسیم میں مختلف الرائے ہو گئے جوان یہ کہتے تھے کہ مالِ غنیمت ہمارا حق ہے کہ ہم نے کافروں کو قتل کیا۔ بڑھے چونکہ جھنڈوں کے نیچے رہے اور قتل و قتال میں زیادہ حصہ نہیں لیا وہ یہ کہتے تھے کہ ہم کو بھی مالِ غنیمت میں شریک کیا جائے اس لئے کہ جو کچھ فتح ہوا وہ ہماری ہی پشت پناہی سے فتح ہوا، اگر خدانخواستہ تم کو شکست ہوتی تو ہماری ہی پناہ لیتے اور ایک جماعت کہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کر رہی تھی وہ اپنے کو اس مال کا مستحق سمجھتی تھی۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی، یَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ آپ سے مالِ غنیمت کا حکم پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ مالِ غنیمت اللہ کا ہے اور اس کے رسول کا ہے یعنی مالِ غنیمت کے مالک حق تعالیٰ اور رسول اللہ اللہ کے نائب ہیں جس طرح مناسب سمجھیں تقسیم کر دیں مقام صفراء میں پہنچ کر آپ نے یہ تمام مال مسلمانوں میں برابر تقسیم کر دیا۔[1]

علاوہ ازیں مالِ غنیمت میں سے اُن آٹھ آدمیوں کو بھی حصہ دیا، کہ جو آپ کے حکم سے یا اجازت سے بدر میں حاضر نہیں ہوئے تھے۔

(۱)۔ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بی بی رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت کی وجہ سے مدینہ میں چھوڑ گئے تھے۔

(۲)۔ طلحہ بن عبید اللہ۔

(۳)۔ سعید بن زید، ان دونوں صاحبوں کو مدینہ سے ابو سفیان کے قافلہ کی خبر لینے کے لئے روانہ کیا تھا۔

(۴)۔ ابو لبابہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ ہی میں بغرض انتظام چھوڑ گئے تھے۔

(۵)۔ عاصم بن عدیؓ اُن کو عالیہ میں چھوڑ گئے تھے۔

---

[1] ۔ تفسیر قرطبی، ج ۷، ص ۳۶۲ ۔ البدایۃ والنہایۃ۔ ج ۳، ص ۳۰۱

(۶)۔ حارث بن حاطب ان کو کسی وجہ سے بنی عمرو بن عوف کی طرف واپس لوٹا دیا تھا۔

(۷)۔ حارث بن الصمۃ۔

(۸)۔ خوات بن جبیر رضی اللہ عنہم۔ یہ اصحاب اگرچہ معرکۂ بدر میں شریک نہیں ہوئے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بدر کی غنیمت میں سے حصہ دیا اور بدریین میں شامل فرمایا واللہ عالم[۵۱]۔

فائدہ:۔ جاننا چاہیئے کہ یہ آیت یعنی یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ دربارہ تقسیم غنائم مجمل ہے اور وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ الایۃ مفصل ہے جس مال غنیمت کی تقسیم کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ ابو عبید اس طرف گئے ہیں کہ غنائم بدر میں سے خمس نہیں نکالا گیا مگر امام بخاری اور امام ابن جریر وغیرہ اس طرف گئے ہیں کہ غنائم بدر میں سے خمس نکالا گیا تھا جیسا کہ صحیحین میں حضرت علی سے ان دو اونٹنیوں کے بارے میں کہ جن کے کوہانوں کو حضرت حمزہ نے کاٹ ڈالا تھا یہ منقول ہے کہ ان میں سے ایک اونٹنی وہ تھی کہ جو بدر کے خمس میں سے ان کو ملی تھی حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہی قول صحیح اور راجح ہے[۵۲]۔

اور اسی مقام صفراء میں پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں میں سے نضر بن حارث کے قتل کا حکم دیا۔ اور صفراء سے چل کر جب مقام عرق الظبیہ میں پہنچے تو عقبۃ بن ابی معیط کے قتل کا حکم دیا۔ اور اسی جگہ اس کی گردن ماری گئی[۵۳]

نضر بن حارث کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اور عقبۃ بن ابی معیط کو عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے قتل کیا اور باقی قیدیوں کو لے کر حضور مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔

فائدہ:۔ نضر اور عقبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید ترین دشمنوں میں سے تھے بد زبان اور دریدہ دہن تھے۔ قول اور فعل سے آپ کی تذلیل اور توہین سب و شتم میں استہزاء اور تمسخر میں، ہاتھ اور زبان سے ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا تھا۔ اس لئے خاص طور پر تمام قیدیوں سے صرف ان دو کی گردن مارنے کا حکم دیا اسی عقبۃ بن ابی معیط نے جبکہ آپ بارگاہ خداوندی میں سربسجود

۵۱۔ ابن الاثیر ج ۲، ص ۵۱۔

۵۲۔ البدایۃ والنہایۃ، ج: ۳، ص: ۳۰۱ - ۳۰۲

۵۳۔ زرقانی، ج ۱، ص: ۴۴۹۔

تھے. آپ کی پشت مبارک پر اونٹ کی اوجھ لا کر رکھی تھی اور آپ کا گلا گھونٹا تھا، دلائل ابی نعیم میں باسناد صحیح ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر تھوکا تھا[1] الغرض ذاتِ قدسی صفات (علیہ الف الف صلوات والف الف تحیات) کا استہزاء اور تمسخر تو اس کی غذا ہی تھی۔

نبیٔ اکرمﷺ کا مقابلہ اور مقاتلہ. محاربہ اور مجادلہ اگرچہ جرم عظیم اور خسران مبین ہے لیکن اللہ کے نبی کی شان میں گستاخانہ کلمات زبان سے نکالنا سب وشتم کرنا۔ اس کے ساتھ استہزاء و تمسخر کرنا یہ جرم، محاربہ اور مقاتلہ کے جرم سے کہیں زیادہ شدید اور سخت ہے، کیونکہ یہ منصب نبوت کی توہین ہے. انشاء اللہ العزیز اس مسئلہ پر مفصل کلام پھر کسی موقع پر کریں گے. حضرات اہل علم اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ قدس اللہ سرہ کی کتاب الصارم المسلول علی شاتم الرسول[2]، کی مراجعت فرمائیں جو اس موضوع پر نہایت جامع کتاب ہے۔

الغرض نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منزل بمنزل ٹھہرتے ہوئے اور قیدیوں کا قافلہ ہمراہ لئے ہوئے مدینہ منورہ پہنچے.

اسیرانِ بدر کی مسلمانوں میں تقسیم اور اُن کے ساتھ سلوک اور احسان کا حکم

مدینہ منورہ پہنچ کر، قیدیوں کو صحابہ میں تقسیم فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا۔

استوصوا بالاساری خیرا — قیدیوں کے ساتھ بھلائی اور سلوک کرو

رواہ الطبرانی فی الکبیر وقال الحافظ الہیثمی اسنادہ حسن

چنانچہ صحابہ کا یہ حال تھا کہ جن کے پاس قیدی تھے وہ اول کھانا قیدیوں کو کھلاتے اور بعد میں خود کھاتے اور اگر نہ بچتا تو خود کھجور پر اکتفا کرتے۔

---

[1] - الخصائص الکبریٰ ج: ۱، ص: ۲۰۰
[2] - یہ کتاب دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن میں طبع ہو گئی ہے، کتاب کا حجم ۶۰۰ صفحہ ہے۔۱۲

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی ابو عزیز بن عمیر بھی قیدیوں میں تھے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں انصار کے جس گھر میں تھا ان کا یہ حال تھا کہ صبح و شام جو تھوڑی بہت روٹی پکتی وہ تو مجھ کو کھلا دیتے اور خود کھجوریں کھاتے۔ میں شرماتا اور ہر چند اصرار کرتا کہ روٹی آپ کھائیں لیکن نہ مانتے اور یہ کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو قیدیوں کے ساتھ سلوک کا حکم دیا ہے قال الہیثمی رواہ الطبرانی فی الصغیر والکبیر واسنادہ حسن۔ (مجمع الزوائد ص ۸۶ ج ۶)

اسیرانِ بدر کی بابت مشورہ

مدینہ منورہ پہنچ جانے کے چند روز بعد آپ نے صحابہ سے اسیران بدر کے بارہ میں مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے اسیران بدر کے بارہ میں صحابہ سے مشورہ طلب کیا کہ اس بارہ میں رائے دیں۔ اور ابتداءً از خود یہ ارشاد فرمایا

اِنَّ اللہَ اَمْکَنَکُمْ مِنْھُمْ　　　تحقیق اللہ نے تم کو ان پر قدرت دی ہے۔

حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ مناسب یہ ہے کہ سب کی گردن اُڑا دی جائے رحمت عالم رافت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رائے کو پسند نہ فرمایا اور دوبارہ یہ ارشاد فرمایا،

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ اللہَ قَدْ اَمْکَنَکُمْ　　　اے لوگو تحقیق اللہ نے تم کو ان پر قدرت دی ہے

لہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداءً ہی انّ اللہ امکنکم منھم کہہ کر عفو اور ترحم کی طرف اشارہ فرمایا تھا لیکن حضرت عمر نے جب قتل کا مشورہ دیا تو دوبارہ مزید تاکید کے ساتھ عفو اور ترحم کی تلقین فرمائی کہ قدرت کے بعد عفو خاص کر اپنے بھائیوں سے مکارم اخلاق سے ہے، کلمہ یا کلام عرب میں ندائے بعید کے لئے مستعمل ہوتا ہے یعنی اے دور کے لوگو جو عفو سے بعید ہو ان کو چاہیئے کہ عفو اور ترحم سے قریب ہو جائیں ۱۲۔ اور یا اللہ میں کلمہ یا کے استعمال کے یہ معنی ہیں کہ اے اللہ ہم گنہگار اپنی نالائقی اور بدکرداری کی وجہ سے تیری رحمت سے دور جا پڑے ہیں، ہم دور افتادگان رحمت سے اپنی رحمت قریب فرما جل وعلا بندوں کے ساتھ رگ جان سے زیادہ قریب ہے لیکن باوجود اس قرب کے اس کے لئے حرف یا کا استعمال کہ ندائے بعید کے لئے واضع ہوا ہے وہ اسی معنی کر ہے جو ہم نے بیان کئے۔ فافہم ۱۲

وَاِنَّمَا هُمْ اِخْوَانُكُمْ بِالْاَمْسِ — اور کل یہ تمہارے بھائی تھے۔

حضرت عمر نے پھر وہی عرض کیا۔ آپ نے پھر وہی ارشاد فرمایا کہ اللہ نے تم کو ان پر قدرت دی ہے اور کل یہ تمہارے بھائی تھے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میری رائے یہ ہے کہ یہ لوگ فدیہ لے کر چھوڑ دیئے جائیں (مسند احمد) وقال الہیثمی رواہ احمد عن شیخہ علی بن عاصم بن صہیب وہو کثیر الخطاء لا یرجع اذا قیل لہ الصواب وبقیۃ رجالہ رجال احمد رجال الصحیح[1]

صحیح مسلم میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ ہر شخص اپنے عزیز کو قتل کرے علی کو حکم دیں کہ وہ اپنے بھائی عقیل کی گردن ماریں اور مجھ کو اجازت دیں کہ میں اپنے فلاں عزیز کی گردن ماروں اس لئے کہ یہ لوگ کفر کے پیشوا اور سردار ہیں۔[2]

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ لوگ آپ ہی قوم کے ہیں میری رائے میں ان کو فدیہ لے کر آزاد فرما دیں عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اسلام کی ہدایت دے اور پھر یہی لوگ کافروں کے مقابلے میں ہمارے معین اور مددگار ہوں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی رائے کو پسند فرمایا۔ (صحیح مسلم باب الامداد بالملائکۃ فی غزوۃ بدر واباحۃ الغنائم)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر اور عمر کی رائے سن کر یہ ارشاد فرمایا اے عمر تیری شان حضرت نوح اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی سی ہے جنہوں نے اپنی اپنی قوم کے حق میں یہ دعا کی۔ نوح علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی:

---

[1] مجمع الزوائد۔ ج: ۶، ص: ۸۶

[2] عبداللہ بن مسعود کی روایت میں ہے کہ عبداللہ بن رواحہ نے آگ میں جلانے کا مشورہ دیا اور حضرت عمر نے یہ عرض کیا۔

يَا رَسُولَ اللّٰهِ كَذَّبُوكَ وَاَخْرَجُوكَ — یا رسول اللہ ان لوگوں نے آپ کو جھٹلایا آپ کو مکہ سے نکالا

وَقَاتَلُوكَ فَاضْرِبْ اَعْنَاقَهُمْ — اور آپ سے قتال کیا پس ان کی گردنیں مارنے کا حکم دیجئے۔

ترمذی ص ۱۳۲ ج ۲ کتاب التفسیر و ص ۲۰۳ ج ۱ کتاب الجہاد باب ما جاء فی المشورۃ مستدرک ص ۲۱ ج ۳

یہ روایت مسند احمد اور جامع ترمذی اور مستدرک وغیرہ میں مذکور ہے امام ترمذی نے اس روایت کو حسن اور حاکم نے اس کو صحیح بتلایا ہے۔ در منثور ص ۲۰۲ ج ۳ ۔ (تنبیہ) اس مشورہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی شریک تھے، جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے مگر کسی روایت میں حضرت علی کا کوئی جواب منقول نہیں واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم ۱۲ (زرقانی ص ۳۲۱ ج ۱)

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ	اے پروردگار مت چھوڑ زمین پر کافروں میں سے
الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ۝ إِنَّكَ إِنْ تَذَرْ	کسی بسنے والے کو تو اگر ان کو چھوڑ دے گا تو یہ لوگ
هُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا	تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور نہیں جنیں گے
إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۔ [1]	الا بدکار اور کفر کرنے والے کو۔

اور موسیٰ علیہ السّلام نے یہ دعا مانگی۔

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَى أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ	اے ہمارے پروردگار مٹا دے ان کے مالوں کو
عَلَى قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّى	اور مہر کر دے ان کے دلوں پر کہ نہ ایمان لائیں
يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۔ [2]	یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھیں۔

اور اے ابوبکر تیری شان حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ علیہما السّلام کی سی ہے جنہوں نے یہ دعا مانگی۔ ابراہیم علیہ السّلام نے یہ دعا فرمائی۔

فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي	پس جس نے میری پیروی کی وہ مجھ سے وابستہ ہے
فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ [3]	اور جس نے میری نافرمانی کی تو آپ بڑے کثیر المغفرت

اور کثیر الرحمت ہیں اور اس کو ایمان کی توفیق دے سکتے ہیں۔

اور عیسیٰ علیہ السّلام قیامت کے دن یہ فرمائیں گے۔

إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ	اے اللہ اگر آپ ان کو عذاب دیں تو یہ آپ کے
تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ	بندے ہیں آپ ان کے مالک ہیں اور اگر آپ ان
الْحَكِيمُ ۝ [4]	کی مغفرت فرمائیں تو آپ بڑے غالب اور حکمت

والے ہیں جس مجرم کو چاہیں معاف کریں اور آپ کی معافی حکمت سے خالی نہیں ہو سکتی۔

---

[1] سورۂ نوح، آیۃ: ۲۷۔
[2] سورۂ یونس، آیۃ: ۸۸۔
[3] سورۂ ابراہیم، آیۃ: ۳۶۔
[4] سورۂ المائدہ، آیۃ: ۱۱۸۔

آپ کی شان رحمۃ للعالمین نے ابوبکر کی رائے کو پسند کیا اور قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا حکم دیا۔

حاکم فرماتے ہیں یہ حدیث الاسناد ہے، حافظ ذہبی نے بھی تلخیص میں اس حدیث کو صحیح فرمایا ہے۔ مستدرک ص۲۱ ج ۳

حافظ ابنِ کثیر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث عبداللہ بن عمر اور ابوہریرہ اور ابوایوب انصاری سے بھی مروی ہے[1]۔ البدایۃ والنہایۃ ج ۳ ص ۲۹۸۔ آپ صحابہ سے مشورہ فرما ہی رہے تھے کہ وحی نازل ہوئی کہ آپ صحابہ کو قتل اور فدیہ کا اختیار دے دیں جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ جبرئیل امین نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ اسیرانِ بدر کے بارے میں آپ اپنے اصحاب کو اختیار دیں چاہیں قتل کریں اور چاہیں فدیہ لیکر آزاد کردیں مگر شرط یہ ہے کہ سال آئندہ تم میں سے اتنے ہی قتل کئے جائیں گے۔ صحابہ نے کفار سے فدیہ لینے اور سال آئندہ اپنے قتل ہونے کو اختیار کیا۔ (رواہ الترمذی والنسائی وابن حبان والحاکم باسناد صحیح عن علیؓ)[2]

مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابنِ ابی شیبہ میں ابوعبیدہ سے مرسلاً روایت ہے کہ جبرئیل امین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر یہ عرض کیا کہ آپ کے رب نے اسیرانِ بدر کے بارے میں آپ کو اختیار دیا ہے، آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آج ہم اُن سے اُن کو فدیہ لے کر آزاد کردیں تاکہ ہم کو اُن کے مقابلے میں اس سے ایک گونہ قوت حاصل ہو اور سال آئندہ حق تعالیٰ جس کو چاہیں شہادت کی عزت وکرامت سے سرفراز فرمائیں[3]۔ ابن سعد کی روایت میں ہے کہ سال آئندہ ہم میں سے ستر آدمی جنت میں داخل ہوں[4]۔ (طبقات ابن سعد ص۱۴ ج ۲)

[1] البدایۃ والنہایۃ: ج: ۳، ص ۲۹۸۔
[2] فتح الباری۔ ج: ۷، ص: ۲۴۹۔
[3] درمنثور۔ ج ۳، ۲۰۲۔
[4] الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص: ۱۴۔

فدیہ لینے پر عتابِ الٰہی کا نزول

الحاصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر کی رائے کو پسند فرمایا اور فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا حکم دیا اور دیگر اکابر صحابہ کی فدیہ لینے کی رائے اس لئے لی تھی کہ شاید یہی لوگ آئندہ چل کر مسلمان ہو جائیں اور اسلام کے معین و مددگار بنیں اور فدیہ سے فی الحال جو مال حاصل ہو وہ جہاد میں مدد دے اور دینی کاموں میں اس سے سہارا لگے اور ممکن ہے کہ فدیہ کا مشورہ دینے والوں میں کچھ افراد ایسے بھی ہوں کہ جن کا زیادہ مقصود حصول مال و منال ہو جس کا منشاء حُبِّ دنیا ہے اگرچہ وہ دنیائے حلال ہی ہو یعنی مال غنیمت اس پر بارگاہِ خداوندی سے عتاب ہوا اور یہ آیت نازل ہوئی

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ	کسی نبی کے لئے یہ لائق نہیں کہ اس کے پاس قیدی
اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ط	آئیں یہاں تک کہ ان کو قتل کرے اور زمین میں
تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ	خوب ان کا خون بہائے تم دنیا کا مال و منال
يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ط وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ	چاہتے ہو اور اللہ آخرت کی مصلحت چاہتا ہے
حَكِيْمٌ. لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ	اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ اگر اللہ کا نوشتہ
اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ	مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو اس چیز کے بارے میں جو تم نے
عَذَابٌ عَظِيْمٌ. [1]	لی ہے ضرور تم کو بڑا عذاب پہنچتا۔

اس خطاب سراپا عتاب کے اصل مخاطب وہی لوگ ہیں جنھوں نے زیادہ تر مالی فائدہ اور دنیاوی مصلحت کو پیشِ نظر رکھ کر فدیہ کا مشورہ دیا تھا جیسا کہ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا. سے مترشح ہوتا ہے۔ باقی جن حضرات نے محض دینی اور اخروی مصالح کی بناء پر فدیہ کا مشورہ دیا تھا وہ فی الحقیقت اس عتاب میں داخل نہیں اور حضور پُر نور نے محض صلہ رحمی اور رحمدلی کی بناء پر فدیہ کی رائے کو پسند فرمایا اور تاکہ دوسروں کو مالی فائدہ پہنچ جائے اور دوسروں کو مالی نفع پہنچانے کا تصور

[1] سورۂ انفال، آیۃ: ۶۷ -

جود وکرم ہے اور غایت درجہ محمود ہے اور اپنے لئے مالی فائدے کو ملحوظ رکھنا یہ ناپسندیدہ ہے آیت میں عتاب ان لوگوں پر ہے جن کی زیادہ نظر مالی فائدہ پر تھی۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور صدیق اکبر عتاب ربانی سن کر رو پڑے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں میں نے رونے کا سبب دریافت کیا آپ نے فرمایا:

ابکی للذی عرض علی اصحابك	تیرے ساتھیوں پر فدیہ لینے کی وجہ سے من جانب
من اخذهم الفداء لقد عرض	اللہ جو عذاب پیش کیا گیا اس کی وجہ سے روتا
علی عذابهم ادنی من هذه	ہوں میرے سامنے ان کا عذاب اس درخت
الشجرة ۔ (صحیح مسلم ج۲ ص۹۳)	کے قریب پیش کیا گیا۔

(فائدہ) عذاب فقط دکھلا دیا گیا۔ اتارا نہیں گیا مقصود فقط تنبیہ تھی۔ بعد ازاں آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر اس وقت عذاب آتا تو سوائے عمر کے کوئی نہ بچتا، اور ایک روایت میں ہے کہ اور سوائے سعد بن معاذ کے۔[1]

چونکہ سعد بن معاذ کی بھی یہی رائے تھی کہ قتل کئے جائیں اس لئے حضرت عمر کے ساتھ ان کو مستثنیٰ کیا گیا۔ عبداللہ بن رواحہ اگرچہ فدیہ کے مخالف تھے مگر ان کا خیال یہ تھا کہ ان سب کو آگ میں جلا دیا جائے جس کو شریعت پسند نہیں کرتی اس لئے عبداللہ بن رواحہ کا ذکر نہیں کیا گیا چونکہ اس غزوہ سے احقاقِ حق اور ابطالِ باطل اور کافروں کی جڑ کاٹنی مقصود تھی۔ کما قال تعالیٰ:

وَيُرِيدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ	اور اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ حق کو اپنے وعدوں سے
بِكَلِمَاتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِيْنَ	ثابت کرے اور کافروں کی بیخ کنی کرے تاکہ علانیہ
لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ	طور پر حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا واضح
وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ [2]	ہو جائے اگرچہ مجرمین کو ناگوار ہو۔

اسی لئے اس غزوہ میں من جانب اللہ خاص طور پر مسلمانوں کو قتل مشرکین کا حکم دیا گیا تھا کما قال تعالیٰ

---

[1] ۔ زرقانی، ج: ۱، ص: ۴۴۲ ۔

[2] ۔ سورۃ انفال، آیۃ: ۷

فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ۔ [1]
کافروں کی گردنوں پر مارو اور ان کے سر پور کو کاٹ ڈالو۔

اور دوسری آیت میں ارشاد فرماتے ہیں:

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰىٓ اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا [2]
پس جب کافروں سے جنگ کرو تو ان کی گردنیں مارو یہاں تک کہ جب ان کا خون خوب بہا چکو تو پھر ان کو قید کرو اور قید کرنے کے بعد یا تو ان پر احسان کرو یا ان سے فدیہ لے لو اور یہ حکم اس وقت تک ہے کہ جب لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ جب تک اعداء اللہ کی اس درجہ خونریزی نہ ہو جائے کہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے اور حق کی ہیبت و دبدبہ قائم نہ ہو جائے اس وقت فدیہ لینا جائز نہیں۔ ہاں اسلام کی عظمت و ہیبت دبدبہ اور شوکت قائم ہو جانے کے بعد اگر فدیہ لے کر آزاد کر دیں تو مضائقہ نہیں

اس موقع پر منشاء خداوندی یہ تھا کہ کافی خونریزی کی جائے تاکہ دلوں میں اسلام کی ہیبت اور شوکت بیٹھ جائے اور کفر کی جڑ کٹ جائے اور آئندہ کے لئے کفر اسلام کے مقابلہ میں سر نہ اٹھا سکے۔ مسلمانوں نے چونکہ اعداء اللہ کی کافی خونریزی سے قبل فدیہ لیا اس لئے بارگاہِ خداوندی سے عتاب آیا۔ [3]

یہ وقت ترحم کا نہ تھا بلکہ شدت اور سختی کا تھا۔ وقال ابو الطیب

ووضع الندى فى موضع السيف بالعلى مضر كوضع السيف فى موضع الندى

بخشش اور کرم کو تلوار کی جگہ رکھنا ایسا ہی مضر ہے جیسا کہ تلوار کو رحم اور کرم کی جگہ رکھنا مضر ہے۔

---

[1] سورۂ انفال، آیۃ ۱۲۔
[2] سورۂ محمد، آیۃ: ۴۔
[3] احکام القرآن للجصاص۔ ج ۳، ص ۷۱۔

دنیا کی کوئی حکومت بدون قتل اور خونریزی کے قوی اور مستحکم نہیں ہو سکتی ؎

لن یسلم الشرف الرفیع من الاذی　　حتّٰی یراق علی جوانبه الدم

یعنی شرف رفیع ۔ ایذار سے محفوظ نہیں رہ سکتا جب تک کہ اس کے اطراف جوانب میں خون نہ بہا دیا جائے

اسلام تو فقط مجرمین کے قتل کا حکم دیتا ہے لیکن جن حکومتوں کو تہذیب اور تمدن کا دعویٰ ہے وہ اپنا دبدبہ قائم کرنے کے خیال میں مجرم اور غیر مجرم کا کوئی فرق نہیں کرتیں۔ بلا کسی استثنار کے قتل عام کا حکم دے ڈالتی ہیں، جس میں بے قصور عورتیں اور بچے سب ہی شامل ہوتے ہیں اور اس مہذب لشکر سے جو حیا سوز افعال ظہور میں آتے ہیں وہ دنیا سے مخفی نہیں، مشین گنوں اور توپوں اور ہوائی جہازوں سے بمباری کر کے نہایت بے رحمی اور بے دردی کے ساتھ تمام شہر کو چند منٹ میں نذر آتش کر دیا جاتا ہے۔

بحمد اللہ اسلام اس قساوت اور بے رحمی اور سنگدلی سے بالکل پاک اور منزہ ہے، اسلام نے جہاد میں جاتے وقت اپنے پیروؤں کو بچوں، عورتوں، بوڑھوں، راہبوں کے قتل کی سختی سے ممانعت کی ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

شبہ یہ ہے کہ منجانب اللہ فدیہ اور قتل دونوں کا اختیار دے دیا گیا تھا تو پھر فدیہ لینے پر کیوں عتاب آیا۔ علامہ طیبی طیب اللہ ثراہ وجعل الجنة مثواہ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ یہ اختیار فقط ظاہری اور صوری تھا۔ لیکن معنوی اور حقیقی لحاظ سے وہ اختیار (یعنی امتحان تھا کہ دیکھیں اعداء اللہ کے قتل کو اختیار کرتے ہیں یا سامان دنیا کو جیسا کہ ازواج مطہرات نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مزید نان ونفقہ کا تقاضہ کیا تو یہ آیت اُتری۔

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ　اے نبی آپ اپنی عورتوں سے یہ کہدیجئے کہ اگر تم دنیا

تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيْمًا ۝ ؎۱

کی زندگی اور آرائش چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو جوڑا دے کر مناسب طرح سے رخصت کر دوں اور اگر اللہ اور اس کے رسول اور دار آخرت کو چاہتی ہو تو اللہ تعالیٰ نے عالم آخرت میں تم میں سے جو نیکوکار ہیں اُن کے لئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

اس آیت میں ظاہراً اگرچہ ازواج مطہرات کو اختیار دیا گیا کہ خواہ دنیا اور اُس کی زینت کو اختیار کریں اور خواہ اللہ اور اُس کے رسول اور دار آخرت کو اختیار کریں لیکن حقیقت میں یہ اختیار نہیں تھا بلکہ اختبار یعنی امتحان اور آزمائش تھی۔

اور جیسا کہ ہاروت ماروت کا تعلیم سحر کے لئے بابل میں اُتارنا محض فتنہ اور امتحان ابتلاء اور آزمائش کے لئے تھا۔ جادو کے سیکھنے اور نہ سیکھنے کا اختیار دینا مقصود نہ تھا۔

اور جیسا کہ شب معراج میں آپ کے سامنے شراب اور دودھ کے دو برتن پیش کئے گئے اور آپ نے دودھ کو اختیار کیا اس پر جبریل نے فرمایا کہ اگر آپ شراب کو اختیار فرماتے تو آپ کی اُمت گمراہی میں پڑ جاتی۔

خلاصۂ کلام: یہ کہ صدیق اکبرؓ اور دیگر صحابہ کرام نے جو فدیہ کا مشورہ دیا وہ محض دینی اور اُخروی مصلحت کی بناء پر تھا اور بعض نے زیادہ تر مالی فوائد کو پیش نظر رکھ کر فدیہ لینے کا مشورہ دیا اس لئے یہ آیت عتاب نازل ہوئی اور اس عتاب کے اصل مخاطب وہی لوگ ہیں کہ جن کو زیادہ تر مالی فائدہ پیش نظر تھا جیسا کہ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا کے لفظ سے مترشح ہوتا ہے اور مطلب عتاب کا یہ ہے کہ تم اللہ کے رسول کے اصحاب ہو کر دنیا کے فانی مال و متاع اور حقیر اسباب پر کیوں نظر کرتے ہو۔ اے اصحاب رسول تم جیسے سابقین اور مقربین کی شان جلیل اور منصب عالی کے ہرگز ہرگز مناسب نہیں کہ دنیا حلال (مال فدیہ و غنیمت) پر نظر کرو باقی حضور پُر نور نے جو

؎۱ سورۃ الاحزاب، آیۃ: ۲۸، ۲۹۔

فدیہ کی رائے کو پسند فرمایا اس کا منشا محض صلہ رحمی اور رحم دلی تھا معاذ اللہ معاذ اللہ۔ حضور پُر نور اور صدیق اکبر کے سامنے ذرہ برابر بھی مالی فائدہ پیش نظر نہ تھا، اس لئے وہ اس عتاب میں داخل نہیں بارگاہ رسالت میں تو پوری دنیا ہی کا وجود و عدم برابر تھا وہاں فدیہ کے دراہم معدودہ پر کیا نظر ہوتی۔

فائدہ جلیلہ:۔ اس آیت سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ حضرات انبیاء کرام بھی کبھی اجتہاد فرماتے ہیں۔ اور کبھی اس اجتہاد میں خطا بھی ہو جاتی ہے لیکن حق جل شانہ اپنے نبی کو کبھی اس خطا پر قائم نہیں رہنے دیتے بلکہ بذریعہ وحی اس پر متنبہ فرما دیتے ہیں لیکن انبیاء کرام کے اجتہاد اور مجتہدین کے اجتہاد میں زمین و آسمان کا فرق ہے وہ یہ کہ نزول وحی کے بعد نبی کے اجتہاد پر عمل ساقط نہیں ہو جاتا اس لئے کہ حضور پُر نور نے جو اجتہاد سے فدیہ لینے کا حکم دیا تھا وہ آیت کے نزول کے بعد بھی باقی رہا اور اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کی طرف رجوع نہیں فرمایا بلکہ اسی فدیہ پہ قائم رہے بخلاف مجتہد کے کہ اگر اس کو اجتہاد کے بعد یہ ظاہر ہو کہ میرا یہ اجتہاد فلاں نص کے خلاف ہے تو اس پر اجتہاد سابق سے رجوع لازم ہے جاننا چاہیے کہ نبی اور رسول کا اجتہاد وحی خفی ہوتا ہے لقولہ تعالیٰ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى اگر حق جل شانہ نبی کے اجتہاد پر سکوت فرمائیں تو وہ اجتہاد۔ وحی خفی کے درجہ میں آجاتا ہے اور اس کا وہی حکم ہوتا ہے کہ جو وحی جلی کا حکم ہوتا ہے اور نبی کے اجتہاد کے خلاف اگر کوئی وحی نازل ہو جاتی تو یہ جلی اس وحی خفی (یعنی اجتہاد نبوی) کے لئے ناسخ بن جاتی ہے جیسے ایک آیت دوسری آیت کے لئے اور ایک حدیث دوسری حدیث کے لئے ناسخ ہوتی ہے، اسی طرح حق تعالیٰ کی نص اور وحی جلی، وحی خفی (یعنی اجتہاد نبوی) کی ناسخ ہوتی ہے اور نسخ کی حکمتیں اللہ ہی کو معلوم ہیں، اللہ کے نبی نے غیر منصوص امر میں جو اجتہاد کیا وہ بھی حق تعالیٰ ہی کے غیبی اشارہ سے تھا لقولہ تعالیٰ إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللّٰهُ ؕ آپ نے جو جو رائے اور مشورہ دیا وہ بھی اللہ کی ارادۃ اور اشارہ سے تھا۔ اور بعد میں جو اس کے خلاف حکم نازل

ہو وہ بھی اللہ ہی کا حکم ہے اور ایک حکم دوسرے حکم کے لئے ناسخ ہے۔ وَاللّٰہُ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ۔ نبی سے اجتہاد میں کوئی خطار واقع ہو تو اللہ تعالیٰ ہی بذریعہ وحی اس پر تنبیہ کر سکتے ہیں۔ معاذ اللہ کسی انسان کی یہ مجال نہیں کہ وہ نبی اور رسول کے کسی اجتہاد پر تنقید اور تبصرہ کر سکے اللہ تعالیٰ کے سکوت اور تقریر کے بعد نبی کے اجتہاد پر تنقید اور تبصرہ کرنا ایسا ہی کفر ہے جیساکہ وحی جلی پر تبصرہ اور تنقید کرنا کفر ہے مومن کی شان تو یہ ہے۔

زبان تازہ کردن باقرار تو　　نینگیختن علت از کار تو

یہ مقام نبوت اور بارگاہ رسالت ہے، کہ جہاں ہوائے نفسانی کا کوسوں اور منزلوں بھی گزر نہیں ایسے مقام میں گرفتاران ہوس کا دم مارنا کمال ابلہی و نادانی ہے ؎

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن　　کہ جاہا سپر باید انداختن

مسئلہ کی تفصیل اگر درکار ہو تو حضرات اہل علم شرح تحریر الاصول اور شرح مسلم الثبوت لبحر العلوم کی مراجعت کریں۔

نیز جاننا چاہیے کہ حضرات انبیاء کی خطاء اجتہادی کے یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ حضرات انبیاء غلطی سے حق کو چھوڑ کر باطل کا ارتکاب کر بیٹھے ہیں بلکہ ان کی خطا کے معنی یہ ہیں کہ کسی وقت بھول چوک سے اولیٰ اور افضل کے خلاف ادنیٰ کر بیٹھتے ہیں اور بجائے عزیمت کے رخصت پر عمل کر گزرتے ہیں جیسے داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام ہر ایک کا اجتہاد ہوائے نفسانی سے پاک اور منزہ تھا اور ہر اجتہاد وحی خفی اور وحی باطنی تھا مگر وحی جلی نے قیاس سلیمانی کو قیاس داؤدی سے اولیٰ اور افضل قرار دیا۔ وحی جلی نے جو قیاس سلیمانی کی تحسین کی اس کا یہ مطلب نہیں کہ قیاس داؤدی غلط تھا بلکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ اللہ کے نزدیک قیاس سلیمانی بہ نسبت قیاس داؤدی کے زیادہ احسن اور اقرب الی مصالح الخصمین تھا معاذ اللہ ان دو قیاسوں میں　　وہ نسبت نہ تھی جو حق اور باطل میں ہوتی ہے بلکہ وہ نسبت تھی جو کامل اور اکمل اور فاضل اور افضل اور عالی اور اعلیٰ میں ہوتی ہے۔ یا عزیمت اور رخصت میں ہوتی ہے اور فقہاء حنفیہ نے جو قیاس جلی اور قیاس استحسان کی تقسیم فرمائی

ہے۔اس کا ایک ماخذ یہی قیاس داؤدی اور قیاس سلیمانی ہے، اس ناچیز نے حضرات انبیاء کی خطاء اجتہادی کے جو معنی بیان کئے ہیں وہ خیالی اور حاشیہ خیالی سے سمجھے ہیں حضرات مدرسین اصل کی مراجعت فرمائیں یہ ناچیز تو ترجمان محض ہے۔

مقدار فدیہ:- فدیہ کی مقدار علی حسب الحیثیت ایک ہزار درہم سے چار ہزار درہم تک تھی اور جو لوگ نادار تھے اور فدیہ نہیں ادا کرسکتے تھے وہ بلا کسی معاوضہ اور فدیہ کے آزاد کردیئے گئے۔

اور جو لوگ ان میں سے لکھنا جانتے تھے ان سے یہ شرط ٹھیری کہ دس دس بچوں کو لکھنا سکھا دیں اور آزاد ہوجائیں یہی ان کا فدیہ ہے، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اسی طرح لکھنا سیکھا طبقات ابن سعد ص ۱۴ ج ۲ قسم اول سیرۃ ابن ہشام راجع، زرقانی ص ۴۴۲ ج ۱ [1]

اسیران بدر میں۔ ابو عزّہ عمرو بن عبداللہ بن عثمان میں بھی فدیہ کی استطاعت نہ تھی اس لئے آپ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو معلوم ہے کہ میں نادار اور عیال دار ہوں مجھ پر احسان فرمایئے آپ نے احسان فرمایا اور بلا فدیہ لئے رہا کردیا۔ مگر یہ شرط فرمائی کہ ہمارے مقابلے میں کسی کی مدد نہ کرنا۔ ابو عزہ نے اس شرط کو منظور کیا اور آپ کی شان میں کچھ مدحیہ اشعار بھی کہے لیکن اسلام نہیں لائے۔ جنگ احد میں بحالت کفر قتل ہوئے اور اسی طرح مطلب بن حنطب اور صیفی ابن ابی رفاعہ بلا فدیہ رہا کئے گئے [2]

جس وقت مکہ میں قریش کی ہزیمت اور شکست کی خبر پہنچی تو تمام شہر میں تہلکہ پڑ گیا سب سے پہلے مکہ میں حَیسمان خزاعی پہنچا لوگوں نے کہا بتلاؤ کیا خبر ہے کہا مارا گیا، عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ اور ابوالحکم بن ہشام (یعنی ابوجہل) اور امیہ بن خلف اور زمعہ بن اسود اور نبیہ اور منبہ پسران حجاج اور فلاں فلاں سرداران قریش صفوان بن امیہ اس وقت حطیم میں بیٹھا ہوا تھا سن کر یہ کہا کہ سمجھ میں نہیں آتا۔ شاید یہ شخص دیوانہ ہوگیا ہے بطور امتحان ذرا اس سے دریافت تو کرو کہ صفوان بن امیہ کہاں ہے

---

[1] زرقانی ج: ۱، ص: ۴۴۲　　[2] سیرۃ ابن ہشام، ج: ۲، ص: ۳۱

عیسمان نے کہا یہی تو صفوان بن امیہ ہے جو حطیم میں بیٹھا ہوا ہے میں نے اپنی آنکھوں سے اس کے باپ اور بھائی کو قتل ہوتے ہوئے دیکھا ہے[1]

ابن عباس فرماتے ہیں کہ مجھ سے ابو رافع نے بیان کیا کہ عباس کے گھرانے میں اسلام داخل ہو چکا تھا لیکن ہم لوگ اپنے اسلام کو چھپاتے تھے۔

جب قریش جنگ بدر کے لئے روانہ ہوئے تو ہم خبروں کے منتظر رہتے تھے، عیسمان خزاعی نے آکر جب قریش کی شکست کی خبر سنائی تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلبہ کو سن کر اپنے دل میں بے حد خوش ہوئے میں اس وقت زمزم کے سائبان کے نیچے بیٹھا ہوا تھا اور میری زوجہ ام فضل بھی وہیں تھیں اتنے میں ابولہب بھی آگیا۔

لوگوں نے ابوسفیان[2] بن حارث کو سامنے سے آتے دیکھکر ابولہب سے کہا یہ ابوسفیان ہیں بدر سے واپس آئے ہیں۔ ابولہب نے ابوسفیان کو بلا کر اپنے پاس بٹھلایا اور بدر کا حال دریافت کیا۔ ابوسفیان نے کہا،

واللہ ماھو الا ان لقینا القوم فمنحناھم	خدا کی قسم کوئی خبر نہیں مگر یہ کہ ایک قوم سے ہم مقابل
اکتافنا یضعون السلاح منا حیث شاؤا و	ہوئے اور اپنے مونڈھے ان کے حوالہ کئے جس طرح
یاسرونا کیف شاؤ او ایم اللہ مع ذلك	چاہتے تھے وہ ہم میں ہتھیار چلاتے تھے اور جس طرح
مالمت الناس لقینا رجالا بیضا بیض	چاہتے تھے قید کرتے تھے اور اسی وجہ سے میں لوگوں
علی خیل بلق بین السماء والارض واللہ	کو ملامت نہیں کرتا خدا کی قسم سفید مرد بلق گھوڑوں
ماتلیق شیئا ولا یقوم لھا شیء ہ	پر سوار آسمان اور زمین کے درمیان معلق۔ ہمارے

[1] سیرۃ ابن ہشام، ص: ۲۶

[2] ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب بن ہاشم الہاشمی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم اور رضاعی بھائی ہیں آپ کو اور ان کو حلیمہ سعدیہ نے دودھ پلایا ہے فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے۔ انھیں کے بارہ میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے یہ ارشاد فرمایا۔ ابوسفیان بن الحارث سید فتیان اہل الجنۃ یعنی ابوسفیان بن حارث جوانان جنت سردار ہیں مفصل قصہ انشاء اللہ تعالیٰ فتح مکہ کے بیان میں آئے گا۔ ۱۲۔ اصابہ جزء ترجمان ابوسفیان بن حارث باب الکنی ۱۲

مقابل تھے خدا کی قسم وہ کسی چیز کو باقی نہیں چھوڑتے تھے اور کوئی چیز ان کے سامنے نہیں ٹھیرتی۔

قال ابو رافع قلت واللہ تلك الملائكة ابورافع کہتے ہیں میں نے کہا خدا کی قسم یہ فرشتے تھے۔

یہ سنتے ہی ابولہب اس قدر مشتعل ہوا کہ زور سے میرے ایک طمانچہ رسید کیا اور اٹھا کر زمین پر پٹک دیا اور مارنے کے لئے میرے سینہ پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور میں کمزور بدن کا تھا۔

ام فضل اٹھیں اور ایک ستون اٹھا کر ابولہب کے سر پاس زور سے مارا کہ سر زخمی ہوگیا اور یہ کہا کہ اس کا آقا (عباسؓ) موجود نہ تھا اس لئے تو نے اس کو کمزور سمجھا۔

ابولہب پر ایک ہفتہ نہ گزرا کہ ایک طاعونی پھوڑے میں مبتلا ہوا اور مرگیا۔ لاش اس قدر متعفن ہوگئی تھی کہ کوئی قریب بھی نہیں جاسکتا تھا۔

تین دن کے بعد بیٹوں نے محض عار کے خیال سے ایک گڑھا کھدوا کر لاٹھیوں سے لاش کو دبوا دیا۔ [۱] وقال الہیثمی رواہ الطبرانی والبزار وفی اسنادہ حسین بن عبیداللہ وثقہ ابو حاتم وغیرہ وضعفہ جماعۃ وبقیۃ رجالہ ثقات [۲]

بیان کیا جاتا ہے کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب اس مقام سے گزرتیں جہاں ابولہب اس طرح سے مرا تھا تو کپڑے سے منہ ڈھانک لیتی تھیں [۳]

جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب دیارِ ثمود پر سے گزرے تو چہرۂ انور کو کپڑے سے چھپا لیا اور سواری کو تیز کر دیا۔ اشارہ اس طرف تھا کہ مواقع عذاب پر جب گزر ہو تو ایسا ہی کرنا چاہیے —

ام المؤمنین نے اسی سنت پر عمل فرمایا: [۴]

قریش کو جب اپنے خویش اور اقارب کے قتل کا حال معلوم ہوا تو نوحہ وزاری شروع ہوگئی ایک ماہ تک اسی طرح گریہ وزاری کرتے رہے بعد ازاں یہ منادی کرادی گئی کہ کوئی شخص گریہ زاری

---

[۱] ۔ قال العلامۃ السیوطی اخرجہ ابن اسحٰق وابن سعد وابن جریر والحاکم والبیہقی وابونعیم ۱۲ خصائص کبریٰ ص ۲۰۷ ج ۱

[۲] ۔ مجمع الزوائد ج : ۶ ، ص : ۸۹ ۔

[۳] ۔ البدایۃ والنہایۃ : ج ۳ ، ص : ۳۰۹

[۴] ۔ زرقانی ج : ۱ ، ص : ۲۵۲ ۔

نہ کرے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُن کے ساتھیوں کو جب خبر پہنچے گی تو بہت خوش ہوں گے۔ اور نہ کوئی اپنے قیدیوں کا فدیہ دے کہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) فدیہ کی مقدار نہ بڑھا دیں۔[1]

لیکن باوجود اس اعلان اور منادی کے مطلب بن ابی وداعہ چار ہزار درہم لے کر قریش سے پوشیدہ شب کو مدینہ روانہ ہوا، مدینہ پہنچ کر اپنے باپ ابو وداعہ کا فدیہ ادا کیا اور باپ کو چھڑا کر مکہ لے آیا۔ اس کے بعد سلسلہ پڑ گیا اور لوگوں نے اپنے اپنے قیدیوں کو فدیہ بھیج بھیج کر چھڑانا شروع کر دیا۔ ابن ہشام ص ۲۷ ج ۲۔

انھیں قیدیوں میں سہیل بن عمرو بھی تھے۔ نہایت زیرک اور فصیح اللسان تھے مجمعوں میں آپ کی مذمت کیا کرتے تھے۔ حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ اجازت دیجیے کہ سہیل کے نیچے کے دو دانت اکھاڑ ڈالوں تاکہ اس قابل ہی نہ رہے کہ کسی موقع پر آپ کے خلاف زبان ہلا سکے۔ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا ان کو چھوڑ دو عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ تم کو ان سے کوئی خوشی دکھلائے (رواہ البیہقی فی الدلائل) اصابہ ترجمہ سہیل بن عمرو۔ چنانچہ صلح حدیبیہ انھیں کی سعی سے ہوئی جس کو اللہ نے فتح مبین فرمایا اور فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے۔

ابن ہشام کی روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت عمر کے جواب میں یہ فرمایا۔ لا اُمَثِّلُ بہ فیمثل اللہ بی وان کنت نبیا۔ میں کسی کا مثلہ نہیں کرتا۔ مبادا کہیں خدا تعالیٰ میرا مثلہ نہ کرے اگرچہ میں نبی ہوں۔

انھیں قیدیوں میں ابوسفیان بن حرب کا بیٹا عمرو بھی تھا۔ جب ابوسفیان سے کہا گیا کہ اپنے بیٹے عمرو کو فدیہ دے کر چھڑا لو تو ابوسفیان نے یہ جواب دیا کہ ایسے ممکن ہے کہ میرا آدمی بھی مارا جائے اور فدیہ بھی دوں۔ میرا ایک بیٹا حنظلہ تو قتل ہو گیا اور دوسرے عمرو کا فدیہ دوں جب تک چاہیں قید رکھیں اسی اثناء میں سعد بن نعمان انصاری مدینہ سے مکہ عمرہ کرنے کے لئے آئے ابوسفیان

---

[1] زرقانی۔ ج: ۱۔ ص: ۴۵۴

[2] ابن ہشام، ج: ۲، ص: ۲۷۔

نے ان کو اپنے بیٹے کے معاوضہ میں پکڑ لیا۔

انصار کی درخواست پر آپ نے عمرو بن ابی سفیان کو دے کر سعد کو چھڑا لیا۔[۱]

انھیں قیدیوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ابوالعاص بن ربیع بھی تھے۔ آنحضرت کی صاحبزادی حضرت زینب جو حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بطن سے تھیں آپ کی زوجیت میں تھیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا۔ ابوالعاص کی خالہ تھیں ان کو بمنزلہ اولاد کے سمجھتی تھیں خود حضرت خدیجہ نے اب سے کہکر بعثت سے قبل زینبؓ کا عقد ابوالعاص سے کیا تھا، ابوالعاص مالدار اور امانت دار اور بڑے تاجر تھے، بعثت کے بعد حضرت خدیجہ اور آپ کی کل صاحبزادیاں ایمان لائیں مگر ابوالعاص شرک پر قائم رہے۔

قریش نے ابوالعاص پر بہت زور دیا کہ ابولہب کے بیٹوں کی طرح تم بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی کو طلاق دے دو جہاں چاہو گے وہاں تمہارا نکاح کردیں گے لیکن ابوالعاص نے صاف انکار کردیا اور کہدیا کہ زینب جیسی شریف عورت کے مقابلے میں دنیا کی کسی عورت کو پسند نہیں کرتا

جب قریش جنگ بدر کے لئے روانہ ہوئے تو ابوالعاص بھی اُن کے ہمراہ تھے منجملہ اور لوگوں کے آپ بھی گرفتار ہوئے اہل مکہ نے جب اپنے اپنے قیدیوں کا فدیہ روانہ کیا تو حضرت زینب نے اپنے شوہر ابوالعاص کے فدیہ میں اپنا وہ ہار بھیجا جو حضرت خدیجہ نے شادی کے وقت ان کو دیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس ہار کو دیکھکر آبدیدہ ہو گئے اور صحابہ سے فرمایا اگر مناسب سمجھو تو اس ہار کو واپس کردو اور اس قیدی کو چھوڑ دو۔

اسی وقت تسلیم اور انقیاد کی گردنیں خم ہوگئیں قیدی بھی رہا کردیا گیا اور ہار بھی واپس ہوگیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالعاص سے یہ وعدہ لے لیا کہ مکہ پہنچ کر زینب کو مدینہ بھیج دیں۔ ابوالعاص نے مکہ پہنچ کر زینب کو مدینہ جانے کی اجازت دے دی اور اپنے بھائی کنانہ

---

[۱] - ابن ہشام، ج: ۲، ص: ۲۷۔

بن ربیع کے ہمراہ روانہ کیا۔

کنانہ نے عین دوپہر کے وقت حضرت زینب کو اونٹ پہ سوار کرایا اور ہاتھ میں تیر کمان لی۔ اور روانہ ہوئے آپ کی صاحب زادی کا علی الاعلان مکّہ سے روانہ ہونا قریش کو بہت شاق معلوم چنانچہ ابوسفیان وغیرہ نے ذی طوی میں آکر اونٹ کو روک لیا۔ اور یہ کہا کہ ہم کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی کو روکنے کی ضرورت نہیں لیکن اس طرح علانیہ طور پر لے جانے میں ہماری ذلت ہے مناسب یہ ہے کہ اس وقت تو مکّہ واپس چلو اور رات کے وقت لے کر روانہ ہو جاؤ۔ کنانہ نے اس کو منظور کیا۔ ابوسفیان سے پہلے ھبّار بن اسود (جو بعد میں چل کر مسلمان ہوئے) جا کر اونٹ روکا اور حضرت زینب کو ڈرایا۔ خوف سے حمل ساقط ہو گیا۔ اس وقت کنانہ نے تیر کمان سنبھالی اور یہ کہا کہ جو شخص اونٹ کے قریب بھی آئے گا تیروں سے اس کے جسم کو چھلنی کر دوں گا۔

الغرض کنانہ مکّہ واپس آگئے اور دو تین راتیں گزرنے پر شب کو روانہ ہوئے۔

ادھر رسول اللہ علیہ وسلّم نے زید بن حارث اور ایک انصاری کو حکم دیا کہ تم جا کر مقام بطن یاج میں ٹھہرو جب زینبؓ آجائیں تو ان کو اپنے ہمراہ لے آنا۔

یہ لوگ بطن یاج پہنچے اور اُدھر سے کنانہ بن ربیع آتے ہوئے ملے۔ کنانہ وہیں سے واپس ہو گئے اور زید بن حارثہ مع اپنے رفیق کے صاحب زادی کو لے کر مدینہ روانہ ہوئے جنگ بدر کے ایک ماہ بعد مدینہ پہنچیں۔

صاحب زادی آپ کے پاس رہنے لگیں اور ابوالعاص مکّہ میں مقیم رہے۔ فتح مکّہ سے قبل ابوالعاص بغرض تجارت شام کی طرف روانہ ہوئے۔ چونکہ اہلِ مکّہ کو آپ کی امانت و دیانت پر اعتماد تھا اس لئے اور لوگوں کا سرمایہ بھی شریک تجارت تھا۔

شام سے واپسی میں مسلمانوں کا ایک دستہ مل گیا اس نے تمام مال و متاع ضبط کر لیا۔ اور ابوالعاص چھپ کر مدینہ حضرت زینب کے پاس آپہنچے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم جب صبح کی نماز کے لئے تشریف لائے تو حضرت زینب نے

عورتوں کے چبوترہ سے آواز دی، اے لوگو میں نے ابوالعاص بن ربیع کو پناہ دی ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور اور ارشاد فرمایا:

ایھا الناس ھل سمعتم ما سمعت	اے لوگو کیا تم نے بھی سنا ہے جو میں نے سُنا
قالوا نعم قال اما والذی نفسی	لوگوں نے کہا۔ ہاں۔ آپ نے فرمایا قسم ہے اُس
بیدہ ما علمت بشئ من ذلک	ذات پاک کی کہ محمد کی جان اس کے ہاتھ میں ہے
حتی سمعت ما سمعتم انہ یجیر	مجھکو اس کا مطلق علم نہیں جو اور جس وقت تم نے
علی المسلمین ادناھم ہ	سُنا دی میں نے سُنا، تحقیق خوب سمجھ لو کہ مسلمانوں

میں کا ادنیٰ سے ادنیٰ اور کمتر سے کمتر بھی پناہ دے سکتا ہے۔
اور یہ فرما کر صاحب زادی کے پاس تشریف لے گئے اور یہ فرمایا کہ اے بیٹی اس کا اکرام کرنا مگر خلوت نہ کرنے پائے کیونکہ تو اس کے لئے حلال نہیں۔ یعنی تو مسلمان ہے اور وہ مشرک اور کافر۔ اور اہل سریہ سے یہ ارشاد فرمایا کہ تم کو اس شخص (یعنی ابوالعاص) کا تعلق ہم سے معلوم ہے اگر مناسب سمجھو تو ان کا مال واپس کر دو ورنہ وہ اللہ کا عطیہ ہے جو اللہ نے تم کو عطا فرمایا ہے۔ لو تم ہی اس کے مستحق ہو۔
سُنتے ہی صحابہ نے کل مال واپس کر دیا، کوئی ڈول لاتا تھا اور کوئی رسّی، کوئی لوٹا اور کوئی چمڑے کا ٹکڑا۔ غرض یہ کہ کل مال ذرّہ ذرّہ کر کے واپس کر دیا۔
ابوالعاص کل مال لے کر مکہ روانہ ہوئے اور جس جس کا حصّہ تھا اس کا پورا کیا۔ جب شرکا کے حصّے دے چکے تو یہ فرمایا:

یا معشر قریش ھل بقی لاحد منکم	اے گروہ قریش کیا کسی کا کچھ مال میرے ذمّہ
عندی مال یاخذہ قالوا لا	باقی رہ گیا ہے جو اس نے وصول نہ کر لیا ہو۔
فجزاک اللہ خیرا فقد وجدناک	قریش نے کہا نہیں۔ پس اللہ تجھکو جزائے خیر دے

وفیا کریما قال فانا اشهد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وان محمدا عبدہ ورسولہ واللّٰہ مامنعنی من الاسلام عندہ الا تخوف ان آکل اموالکم فلما اذا ھا اللّٰہ الیکم وفرغت منھا اسلمت

تحقیق ہم نے تجھکو وفادار اور شریف پایا۔ کیا پس میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم بے شک اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں میں اب تک فقط اس لئے مسلمان نہیں ہوا کہ لوگ یہ گمان نہ کریں کہ میں نے مال کھانے کی خاطر ایسا کیا ہے جب اللہ نے تمہارا مال تم تک پہنچا دیا اور میں اس ذمہ داری سے سبکدوش کیا تب مسلمان ہوا۔

بعد ازاں ابوالعاص رضی اللہ عنہ مکہ سے مدینہ چلے آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر حضرت زینب کو آپ کی زوجیت میں دے دیا۔ [۱]

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح اوّل کافی سمجھا گیا کوئی جدید نکاح نہیں ہوا اور بعض روایات میں اس کی تصریح ہے کہ جدید نکاح ہوا اور فقہا کے نزدیک یہی روایت صحیح ہے اس لئے کہ اگر پہلا نکاح کافی ہوتا تو آپ صاحبزادی سے یہ نہ فرماتے کہ تو اس کے لئے حلال نہیں۔

انہیں قیدیوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بھی تھے، جن کو کعب بن عمرو ابوالیسر رضی اللہ عنہ نے گرفتار کیا تھا حضرت عباس قوی اور جسیم تھے ابوالیسر رضی اللہ عنہ نحیف الجسم اور ضعیف القوی اور قصیر القامت تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوالیسر تو نے عباس کو کیسے گرفتار کیا۔

ابوالیسر نے عرض کیا یا رسول اللہ ایک شخص نے میری امداد کی کہ جس کو میں نے کبھی نہ اس سے پہلے دیکھا نہ بعد میں اور اس کی ہیئت ایسی اور ایسی تھی تو آپ نے فرمایا:

لقد اعانک علیہ ملک کریم — تحقیق ایک محترم فرشتے نے تیری امداد کی۔

یہ روایت مسند احمد اور طبقات ابن سعد وغیرہ میں ابن عباس سے مروی ہے اور دلائل بیہقی

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۸

اور دلائل ابی نعیم میں حضرت علی سے مروی ہے علاوہ ازیں اور بھی مختلف طرق سے یہ روایت مروی ہے[۱] اور معجم طبرانی میں خود ابوالیسرؓ سے اور مسند احمد میں براء بن عازبؓ سے مروی ہے۔ فتح الباری باب شہود الملائکۃ بدر کے ایک باب بعد حافظ ہیثمی فرماتے ہیں۔ رواہ احمد والبزار رجال احمد رجال الصحیح غیر حارثۃ بن مضرب وھو ثقۃ مجمع الزوائد باب غزوۃ بدر۔

حضرت عباس کی بندش ذرا سخت تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت عباس کی کراہ سنی تو نیند اڑ گئی انصار کو جب اس کا علم ہوا تو آپ کی گرہ کھول دی اور مزید برآں یہ درخواست کی کہ اگر حضور اجازت دیں تو ہم اپنے بھانجے[۲] عباس کا فدیہ چھوڑ دیں، آپ نے یہ جواب دیا۔

واللہ لا تذرن منہ درھما خدا کی قسم اس سے ایک درہم بھی نہ چھوڑو۔

حضرت عباس سے جب فدیہ کا مطالبہ کیا گیا تو اپنی ناداری کا عذر کیا آپ نے فرمایا اچھا وہ مال کہاں ہے جو تم نے اور تمہاری بیوی اُمّ فضل نے مل کر دفن کیا تھا۔

حضرت عباس سنتے ہی حیران رہ گئے اور عرض کیا بے شک میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں میرے اور اُمّ فضل کے سوا کسی کو بھی اس کا علم نہ تھا۔ حاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث شرط مسلم پر صحیح ہے۔ مستدرک ترجمۃ العباسؓ دلائل ابی نعیم میں باسناد حسن ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس پر سو اوقیہ اور عقیل بن ابی طالب پر اسی اوقیہ[۳] فدیہ لگایا۔ (تمام قیدیوں میں سب سے زائد فدیہ حضرت عباس کا تھا)

حضرت عباس نے عرض کیا کہ کیا آپ نے قرابت کی وجہ سے میرا فدیہ اس قدر زائد تجویز کیا ہے یعنی قرابت کا اقتضاء تو یہ تھا کہ آپ میرے فدیہ میں تخفیف فرماتے۔ لیکن بجائے تخفیف

---

[۱]۔ الخصائص الکبریٰ۔ ج ۱، ص ۲۰۲

[۲]۔ انصار نے حضرت عباس کو بھانجا اس لئے کہا کہ حضرت عباس کی دادی۔ عبدالمطلب کی والدہ انصار میں کی تھیں فتح الباری ج ۷ ص ۲۴۹ اور بھانجا کہنے میں اس طرف اشارہ تھا کہ اس پر فدیہ چھوڑنے کا احسان ہماری گردن پر ہے نہ کہ آپ کی ذات بابرکات پر اس لئے کہ یہ فدیہ ہم اپنا بھانجا ہونے کی حیثیت سے چھوڑتے ہیں آپ کے چچا ہونے کی حیثیت سے نہیں، یہ حضرات انصار کا سلیقہ اور حسن ادب تھا رضی اللہ عنہم۔

[۳]۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے

کے آپ نے میرے فدیہ کی مقدار سب سے زائد کردی، اُس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْ أَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْأَسْرَىٰ إِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّا أُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ [۱]

اے نبی آپ ان قیدیوں سے کہدیجیے جو آپ کے قبضہ میں ہیں کہ (تم اس فدیہ پر کچھ افسوس نہ کرو) اگر اللہ تعالیٰ تمھارے دلوں میں کچھ بھلائی دیکھے گا یعنی دل سے اسلام لے آئیں گے تو جو تم سے لیا گیا ہے۔ اُس سے کہیں زائد اور بہتر تم کو عطا فرما دے گا اور تمھاری مغفرت بھی فرمائے گا اور اللہ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔

حضرت عباس بعد میں فرمایا کرتے تھے کاش مجھ سے اس وقت سے اضعاف مضاعفہ فدیہ لیا جاتا ہے۔ [۲]

حق جل وعلا نے جتنا مجھ سے لیا اس سے بہتر اور زائد مجھکو دے دیا۔ سنو اوقیہ کے بدلہ میں سنو غلام عطا فرمائے جو سب کے سب تاجر ہیں یہ وعدہ حق تعالیٰ نے دنیا ہی میں پورا فرما دیا۔ دوسرا وعدہ مغفرت کا تھا اس کا میں امیدوار ہوں [۳]

یہ ناچیز کہتا ہے (غفر اللہ لہ) انشاء تعالیٰ یہ دوسرا وعدہ بھی ضرور پورا ہوگا۔ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۔ اور یہ کلمۂ انشاء اللہ تبرکاً کہتا ہوں نہ کہ تعلیقاً۔

اسیرانِ بدر میں نوفل بن حارث بھی تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فدیہ دینے کو کہا تو یہ جواب دیا میرے پاس تو کچھ بھی نہیں جو فدیہ میں دے سکوں۔

آپ نے فرمایا وہ نیزے کہاں ہیں جو تم جدہ میں چھوڑ آئے ہو نوفل نے کہا بخدا اللہ کے بعد میرے سوا کسی کو بھی اُن کا علم نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔

---

[۱] سورۃ انفال، آیۃ ۷۰۔

[۲] فتح الباری۔ ج ۷، ص: ۲۴۸۔

[۳] درمنثور۔ ج: ۳، ص: ۲۰۴

نوفلؓ نے وہ نیزے فدیہ میں دیئے جن کی تعداد ایک ہزار تھی۔ آپ نے حضرت عباسؓ اور نوفلؓ کے درمیان رشتۂ مواخات قائم فرمایا اور زمانۂ جاہلیت میں بھی دونوں آپس میں دوست تھے اور تجارت میں شریک رہتے تھے۔ مستدرک، ترجمہ نوفل بن حارثؓ۔

عمیر بن وہب جمحی اسلام کے شدید ترین دشمنوں میں سے تھا مکہ کے زمانۂ قیام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو ایذائیں پہنچائی تھیں قیدیوں میں اس کا بیٹا وہب بن عمیرؓ بھی تھا۔

ایک دن عمیر بن وہب اور صفوان بن امیہ حطیم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ صفوان نے مقتولین بدر کا تذکرہ کرکے کہا کہ اب زندگی کا مزہ نہیں رہا۔ عمیر نے کہا ہاں خدا کی قسم۔ سرداران قریش کے قتل ہو جانے کے بعد حقیقت میں زندگی کا مزہ ہی جاتا رہا۔ اگر میرے ذمہ قرض اور بچوں کا فکر نہ ہوتا تو ابھی جاکر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر آتا۔ صفوان بہت خوش ہوا۔ اور کہا تیرا قرض اور اہل و عیال کی خبر گیری سب میرے ذمہ ہے اور اسی وقت صفوان نے تلوار صیقل کرائی اور زہر میں بجھا کر عمیر کو دی عمیر مدینہ پہنچا اور مسجد نبوی کے دروازہ پر اونٹ ٹھہرایا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ عمیر کو دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ یہ کسی ناپاک ارادہ سے آیا ہے۔ اسی وقت حضرت عمرؓ نے اس کی تلوار کا پرتلہ پکڑ لیا اور کھینچتے ہوئے آپ کے سامنے لا کھڑا کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا اسے چھوڑ دو اور عمیر سے پوچھا کہ کیوں آئے ہو۔ عمیر نے کہا اپنے قیدی کو چھڑانے آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا سچ کہو کیا اس لئے آئے ہو، سچ بتلاؤ کہ تم نے اور صفوان نے حطیم میں بیٹھ کر کیا مشورہ کیا تھا عمیر نے گھبرا کر کہا میں نے کیا مشورہ کیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا تو نے میرے قتل کا ذمہ لیا تھا، اس شرط پر کہ صفوان تیرے اہل و عیال کی خبر گیری کرے اور تیرا قرض ادا کرے۔ عمیر نے کہا؛

اشهد انك رسول الله۔ ان هذا	میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول
الحديث كان بيني وبين صفوان	ہیں اس واقعہ کا سوائے میرے اور صفوان کے

فی الحجر لم یطلع علیہ احد — کسی کو علم نہ تھا۔ پس اللہ ہی نے آپ کو اس کی
غیری وغیرہ فاخبرك بہ فآمنت — خبر دی پس ایمان لایا میں اللہ اور اس کے
باللہ ورسولہ ٥ — رسول پر۔

یہ روایت معجم طبرانی میں انس بن مالکؓ سے سند صحیح کے ساتھ مروی ہے اور دلائل بیہقی اور دلائل ابی نعیم میں مرسلاً مذکور ہے[۱]

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ عمیر نے یہ کہا:

واللہ انی لاعلم ما آتاك بہ الا — قسم ہے اللہ کی میں یقین کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا
اللہ فالحمد للہ الذی ھدانی — کسی نے آپ کو اس واقعہ کی اطلاع نہیں کی پس شکر
للاسلام وساقنی ھذا المساق ثم تشھد — ہے اس ذات پاک کی جس نے مجھ کو اسلام کی ہدایت دی اور مجھکو یہاں کھینچ کر لایا اور اس کے بعد کلمہ شہادت پڑھا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا اپنے بھائی کو دین کی باتیں سمجھاؤ اور قرآن پڑھاؤ اور اس کے قیدی چھوڑ دو اسی وقت قیدی عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ کر دیا گیا۔

عمیرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے اللہ کے نور کے بجھانے کی بہت کوشش کی اور جن لوگوں نے اللہ عزوجل کے دین کو قبول کیا، ان کو طرح طرح سے ستایا۔ اب مجھکو اجازت دیجئے کہ مکہ جا کر اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوگوں کو بلاؤں اور اسلام کی دعوت دوں شاید اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نصیب فرمائے اور اللہ کے دشمنوں کو ستاؤں جیسا کہ اس سے قبل اللہ کے دوستوں کو ستایا آپ نے اجازت دی۔

عمیر مدینہ سے روانہ ہوئے اور صفوان بن امیہ لوگوں سے یہ کہتا پھرتا تھا۔ اے لوگوں چند روز میں میں تم کو ایسی بشارت سناؤں گا جو تم کو بدر کا صدمہ بھلا دے گی اور ہر وارد و صادر سے عمیر کی خبریں دریافت کرتا رہتا تھا یہاں تک کہ عمیر کی اسلام لانے کی خبر پہنچی۔ صفوان یہ خبر سنتے ہی آگ بگولہ ہو گیا۔

---

[۱] الخصائص الکبریٰ۔ ج: ۱، ص: ۲۰۸

اور قسم کھائی کہ خدا کی قسم عمیر سے بات بھی نہ کروں گا اور نہ اسے کبھی کوئی نفع پہنچاؤں گا۔ عمیرؓ مکہ پہنچے اور دعوتِ اسلام میں مصروف ہو گئے بہت سے لوگ آپ کی وجہ سے مسلمان ہو گئے اور جو لوگ اسلام کے دشمن تھے اُن کو خوب ستایا۔

صلاۃ العید

بدر سے مراجعت کے بعد شوال کی یکم کو آپ نے عید کی نماز ادا فرمائی۔ یہ پہلی عید الفطر تھی۔ (زرقانی جلد اوّل۔ ص ۴۵۴)

فضائلِ بدریین

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے قصہ میں (مفصل قصہ انشاء اللہ تعالیٰ بعد میں آئے گا) حضرت عمرؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

لعل الله اطلع الی اهل بدر فقال اعملوا ما شئتم فقد وجبت لكم الجنة •

تحقیق اللہ نے اہل بدر کی طرف نظر فرمائی اور یہ کہہ دیا جو چاہے کرو۔ جنت تمہارے لئے واجب ہو چکی ہے۔

(بخاری شریف باب فضل من شهد بدرا)

معاذ اللہ۔ اعملوا ما شئتم (جو چاہے کرو) سے اہلِ بدر کو گناہوں کی اجازت دینا مقصود نہیں بلکہ ان کے صدق اور اخلاص کو ظاہر کرنا مقصود ہے کہ بارگاہِ خداوندی

لہ۔ مسند احمد اور سنن ابی داؤد اور مصنف ابن ابی شیبہ میں بجائے لعل اللہ الخ کے ان اللہ اطلع علی اہل بدر الخ لفظ ان کے ساتھ روایت آئی ہے۔ اس لئے ترجمہ میں لفظ تحقیق کا استعمال کیا گیا۔ (فتح الباری ج، ص ۲۳۹)

میں اہل بدر کی مخلصانہ جانبازی اور مجاہانہ اور والہانہ سرفروشی مسلّم ہو چکی ہے۔ مرتے دم تک اِن لوگوں کا قدم جادۂ محبت ووفا سے کبھی ڈگمگانے والا نہیں ان کے قلوب اللہ اور اُس کے رسُول کی محبت اور اطاعت سے لبریز ہیں معصیت اور نافرمانی کی اِن کے دلوں میں کہیں گنجایش نہیں اگر مقتضائے بشریت کسی وقت کوئی معصیت صادر ہو جائے گی تو فوراً توبہ اور استغفار کی طرف رجوع کریں گے۔ بہر حال اہل بدر جو کچھ بھی کریں جنت ان کے لئے واجب ہے اطاعت کریں گے تب جنت واجب ہے اور اگر بالفرض بمقتضائے بشریت معصیت کر بیٹھیں گے تو فوراً توبہ اور استغفار اور تضرع اور ابتہال کریں گے جس سے ان کے لئے جنت اور مغفرت واجب ہو جائے گی بلکہ عجب نہیں کہ اور درجے بلند ہو جائیں جیسا کہ آدم علیہ السّلام کے توبہ سے اور درجے بلند ہوئے ۔ تفصیل کے لئے مدارج السالکین کی مراجعت کریں)۔

بارگاہ خداوندی سے اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ کا خطاب اُنھیں حضرات کو ہو سکتا ہے جن کے قلوب حق جل وعلا کی محبت وعظمت، خوف اور خشیت رغبت اور ہیبت سے لبریز ہوں اور ایسے ہی جنت کی بشارت ان لوگوں کو دی جاتی ہے جن کو ہر وقت اپنے نفس سے نفاق کا اندیشہ رہتا ہو۔ (ہذا توضیح ما قالہ الحافظ ابن قیم فی شرح ہذا الحدیث فی کتاب الفوائد ص۱۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

لن یدخل النار احد شهد بدرا۔ جو شخص بدر میں حاضر ہوا وہ ہرگز جہنم میں نہ جائے گا۔

یہ حدیث سند احمد میں ہے سنداس کی شرط مسلم پر ہے۔ فتح الباری باب فضل من شہد بدرا۔

رفاعہ رافع فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جبرئیل علیہ السّلام نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ سوال کیا کہ آپ اہل بدر کو کیا سمجھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا سب سے افضل اور بہتر۔ جبرئیل نے کہا اسی طرح وہ فرشتے جو بدر میں حاضر ہوئے سب فرشتوں سے افضل اور بہتر

ہیں۔(صحیح بخاری باب شہود الملائکۃ بدرا)

تعداد بدریین

حضرات بدریین رضی اللہ تعالے عنہم اجمعین کی تعداد میں روایتیں مختلف ہیں مشہور تو یہ کہ تین سو تیرہ تھے۔

اشتباہ اور اختلاف کی وجہ سے محدثین کے اقوال مختلف ہیں حافظ ابن سید الناس نے عیون الاثر میں سب کو جمع کر دیا اور تین سو تریسٹھ ۳۶۳ نام شمار کرائے تاکہ کسی قول کی بنا پر بھی کوئی نام رہنے نہ پائے۔ احتیاطاً سب کو ذکر کر دیا۔ یہ مطلب نہیں کہ بدریین کی تعداد تین سو تریسٹھ ۳۶۳ ہے۔ مسند احمد اور مسند بزار اور معجم طبرانی میں ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ اہل بدر تین سو تیرہ تھے۔

ابو ایوب انصاریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بدر کے لئے روانہ ہوئے تو کچھ دور چل کر اصحاب کو شمار کرنے کا حکم دیا۔ جب شمار کئے گئے تو تین سو چودہ تھے آپ نے ارشاد فرمایا پھر شمار کرو۔ دوبارہ شمار کر ہی رہے تھے کہ دور سے دبلے اونٹ پر ایک شخص سوار آتا ہوا نظر آیا۔ اس کو شامل کر کے تین سو پندرہ ۳۱۵ ہوئے۔ (رواہ الطبرانی والبیہقی۔)

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بدر کے ارادہ سے روانہ ہوئے تو تین سو پندرہ آدمی آپ کے ہمراہ تھے (رواہ البیہقی و اسنادہ حسن)

یہ تین روایتیں ہیں لیکن حقیقت میں سب متفق اور متحد ہیں اس لئے کہ اگر اس آخری شخص اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شمار کیا جائے تو تین سو پندرہ تھے اور اگر اس آخری شخص اور آپ کی ذات بابرکات علیہ افضل الصلوات والتحیات کو صحابہ کے ساتھ شمار نہ کیا جائے تو پھر تعداد تین سو تیرہ ہے اس سفر میں کچھ صغیر السن یعنی کم عمر بچے بھی آپ کے ہمراہ تھے جیسے براء بن عازب عبداللہ بن عمر۔ انس بن مالک۔ جابر بن عبداللہ۔ مگر ان کو قتال کی اجازت نہ تھی۔

اگر ان کم سن بچوں کو بھی بدریین میں شمار کر لیا جائے تو پھر تعداد تین سو انیس۳۱۹ ہو جاتی ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ اہل بدر تین سو انیس تھے۔

براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ بدر کے دن میں اور ابن عمر چھوٹے سمجھے گئے اُس روز مہاجرین ساٹھ سے کچھ اوپر تھے اور انصار دو سو چالیس سے کچھ زائد تھے۔ (بخاری شریف)

براء ابن عازب فرماتے ہیں ہم یہ کہا کرتے تھے کہ اصحاب بدر تین سو دس۳۱۰ سے کچھ زیادہ تھے جتنے طالوت کے ساتھ تھے جنھوں نے نہر کو پار کیا۔ اور خدا کی قسم نہر سے وہی لوگ پار ہوئے جو بڑے پکے مؤمن اور مخلص تھے۔ (بخاری شریف)

یہ تمام تفصیل فتح الباری باب عدۃ اصحابِ بدر میں مذکور ہے[۵۱]

علامہ سہیلی فرماتے ہیں کہ جنگِ بدر میں مسلمانوں کی امداد کے لئے ستر جن بھی حاضر ہوئے تھے۔ اھ

آٹھ آدمی ایسے تھے کہ جو اس غزوہ میں کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکے لیکن اہلِ بدر میں شمار کئے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت میں سے ان کو حصّہ عطا فرمایا:

(۱)۔ عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ان کو رسول اللہ علیہ وسلم حضرت رقیہ علالت کی وجہ سے مدینہ چھوڑ گئے تھے۔

(۲)، (۳)۔ طلحہ اور سعید بن زید۔ ان دونوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے قافلہ کے تجسس کے لئے بھیجا تھا۔

(۴)۔ ابولبابہ انصاریؓ کو روحا سے مدینہ پر اپنا قائمقام بنا کر واپس فرمایا۔

(۵)۔ عاصم بن عدیؓ کو عوالی مدینہ پر مقرر فرمایا۔

(۶)۔ حارث بن حاطب بنی عمرو بن عوف کی طرف سے آپ کو کوئی بات پہنچی تھی، اس لئے آپ نے حارث بن حاطب کو بنی عمرو کی طرف واپس بھیجا۔

۵۱۔ فتح الباری۔ ج ۷، ص ۲۲۶

(۷)۔ حارث بن صمہؓ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوٹ آجانے کی وجہ سے مقام روحا سے واپس فرمادیا تھا۔
(۸)۔ خوات بن جبیرؓ۔ پنڈلی میں چوٹ آجانے کی وجہ سے مقام صفراء سے واپس کردیئے گئے تھے۔

یہ ابن سعد کا بیان ہے۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر کا بھی حصہ لگایا جو اس وقت حبشہ میں تھے اور کہا جاتا ہے کہ سعد بن مالکؓ یعنی سہلؓ کے والد نے راستہ میں انتقال فرمایا۔ اور صبیحؓ مولی احیحہ بیماری کی وجہ سے واپس ہوئے[1]

جریدۂ اسماء حضرات بدریین رضی اللہ تعالیٰ عنہم وعنا معہم اجمعین

ائمہ حدیث اور علماء سیر نے اپنی اپنی تصانیف اسماء بدریین کے ذکر کا خاص اہتمام فرمایا ہے مگر حروف تہجی کے لحاظ سے سب سے پہلے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسماء بدریین کو مرتب فرمایا اور اہلِ بدر میں سے صرف چوالیسؓ نام اپنی جامع صحیح میں ذکر فرمائے جو ان کی شرائط صحت و استناد کے مطابق تھے[2]

علامہ دوانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ہم نے مشائخ حدیث سے سنا ہے کہ صحیح بخاری میں اسماء بدریین کے ذکر کے وقت دعا قبول ہوتی ہے اور بارہا اس کا تجربہ ہو چکا ہے[3]

جریدۂ اسماء حضرات بدریین مہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم وعنا معہم اجمعین

آمین یا رب العالمین

سید المھاجرین وامام البدریین واشرف الخلائق اجمعین خاتم الانبیاء والمرسلین سَیِّدُنَا وَمَوْلٰینَا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ

---

[1] زرقانی۔ ج: ۱، ص: ۴۰۹
[2] فتح الباری۔ ج: ۷، ص، ۲۵۳
[3] زرقانی۔ ج: ۱، ص: ۴۰۹

عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَشرف وکرم۔ الی یَوم الدّین ۰

(۱)۔ ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۲)۔ ابوحفص عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۳)۔ ابوعبداللہ عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۴)۔ ابوالحسن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۵)۔ حمزۃ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۶)۔ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۷)۔ انسہ حبشی مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۸)۔ ابوکبشہ فارسی مولیٰ رسول صلی اللہ علیہ وسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۹)۔ ابو مرثد کناز بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۰)۔ مرثد بن ابی مرثد رضی اللہ تعالیٰ عنہ یعنی کناز بن حصین کے بیٹے۔

(۱۱)۔ عبیدۃ بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے دونوں بھائی۔

(۱۲)۔ طفیل بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اور

(۱۳)۔ حصین بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۴)۔ مسطح عوف بن اثاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۵)۔ ابوحذیفۃ بن عتبہ بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۶)۔ سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۷)۔ صبیح مولیٰ ابی العاص امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۸)۔ عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۹)۔ عکاشۃ بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۲۰)۔ شجاع بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بھائی۔

(۲۱)۔ عقبۃ بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۲۲)۔ یزید بن رقیش رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۲۳)۔ ابوسنان بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ یعنی عکاشۃ بن محصن رضی اللہ عنہ کے بھائی۔

(۲۴)۔ سنان بن ابی سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ یعنی ابوسنان بن محصن کے بیٹے اور عکاشہ کے بھتیجے۔

(۲۵)۔ محرز بن نضلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۲۶)۔ ربیعۃ بن اکثم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۲۷)۔ ثقف بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے دونوں بھائی۔ ؎۵

(۲۸)۔ مالک بن عمرو رضی تعالیٰ عنہ

؎۵ - یہ خباب۔ عتبہ بن غزوان کے آزاد کردہ غلام ہیں خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو سابقین اولین میں سے ہیں ان کے علاوہ ہیں فقط نام میں اشتراک ہے۔

(۲۹)۔ مدلج بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۳۰)۔ سوید بن مخشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۳۱)۔ عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۳۲)۔ جناب مولیٰ عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۳۳)۔ زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۳۴)۔ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۳۵)۔ سعد کلبی مولیٰ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔
(۳۶)۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۳۷)۔ سویبط بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۳۸)۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۳۹)۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بھائی . . . .
(۴۰)۔ عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۴۱)۔ مقداد بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۴۲)۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۴۳) مسعود بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۴۴)۔ ذوالشمالین بن عبد عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۴۵)۔ خباب بن الارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۴۶)۔ بلال بن رباح مولیٰ ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔
(۴۷)۔ عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۴۸)۔ صہیب بن سنان رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۴۹)۔ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۵۰)۔ ابو سلمۃ بن عبد الاسد رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۵۱)۔ شماس بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۵۲)۔ ارقم بن ابی الارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۵۳)۔ عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۵۴)۔ معتب بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۵۵)۔ زید بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یعنی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی۔
(۵۶)۔ مہجع مولیٰ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما
(۵۷)۔ عمرو بن سراقہ رضی اللہ تعالیٰ اور ان کے بھائی۔
(۵۸)۔ عبداللہ بن سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۵۹)۔ واقد بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۶۰)۔ خولی بن ابی خولی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۶۱)۔ مالک بن ابی خولی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۶۲)۔ عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۶۳) عامر بن بکیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۶۴)۔ عاقل بن بکیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۶۵)۔خالد بن بکیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۶۶)۔ایاس " رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۶۷)۔سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۶۸)۔عثمان بن مظعون جمحی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بیٹے۔

(۶۹)۔سائب بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۷۰)۔قدامتہ بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۷۱)۔عبداللہ بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۷۲)۔معمر بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۷۳)۔خنیس بن خدافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۷۴)۔ابو سبرۃ بن ابی رُھم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۷۵)۔عبداللہ بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۷۶)۔عبداللہ بن سہیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۷۷)۔عمیر بن عوف مولیٰ سہیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۷۸)۔سعد بن خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۷۹)۔ابو عبیدہ عامر بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۸۰)۔عمرو بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۸۱)۔سہیلؓ[۵۶] بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بھائی۔

(۸۲)۔صفوانؓ بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۸۳)۔عمرو بن ابی سرح رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۸۴)۔وہبؓ[۵۷] بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۸۵)۔حاطب بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۸۶)۔عیاض بن ابی زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جریدۂ اسماء حضرات بدریین انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم
وعنا معہم اجمعین آمین یا رب العالمین

(۱)۔سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۲)۔عمرو بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یعنی سعد

۵۶۔ سہیل اور صفوان کے باپ کا نام وہب ہے اور ماں کا نام بیضاء ہے پسران بیضاء کے نام سے مشہور ہیں۔

۵۷۔ ابن ہشام فرماتے ہیں یہ تین ابن اسحٰق نے تو نہیں ذکر کئے لیکن اور بہت سے اہل علم نے ان تین کو بھی بدریین میں شمار کیا ہے۔ سیرۃ ابن ہشام ج۲ ص۳۹ تا ج۲ ص۴۲

بن معاذ کے بھائی۔

(۳)۔ حارث بن اوس بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یعنی سعد بن معاذ کے بھتیجے۔

(۴)۔ حارث بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۵)۔ سعد بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۶)۔ سلمۃ بن سلامۃ بن وقش رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۷)۔ عباد بن بشر بن وقش رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۸)۔ سلمۃ بن ثابت بن وقش رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۹)۔ رافع بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۰)۔ حارث بن خزمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۱)۔ محمد بن مسلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۲)۔ سلمۃ بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۳)۔ ابوالہیثم بن التیہان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۴)۔ عبید بن التیہان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۵)۔ عبداللہ بن سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۶)۔ قتادہ بن النعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۷)۔ عبید بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۸)۔ نصر بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۹)۔ معتب بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۲۰)۔ عبداللہ بن طارق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۲۱)۔ مسعود بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۲۲)۔ ابوعبس بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۲۳)۔ ابوبردہ ہانی بن نیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۲۴)۔ عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۲۵)۔ معتب بن قشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۲۶)۔ عمرو بن معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۲۷)۔ سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۲۸)۔ مبشر بن عبدالمنذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۲۹)۔ رفاعہ بن عبدالمنذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۳۰)۔ سعد بن عبید بن النعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۳۱)۔ عویم بن ساعدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۳۲)۔ رافع بن عنجدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۳۳)۔ عبید بن ابی عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۳۴)۔ ثعلبۃ بن حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۳۵)۔ ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۳۶)۔ حارث بن حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۳۷)۔ حاطب بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۳۸)۔ عاصم بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۳۹)۔ انیس بن قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۴۰)۔ معن بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

لہ۔ عنجدہ ماں کا نام ہے، باپ کا نام عبدالحارث تھا۔ ۱۲

(۴۱)۔ ثابت بن اقرم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۴۲)۔ عبداللہ بن سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۴۳)۔ زید بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۴۴)۔ ربعی بن رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۴۵)۔ عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۴۶)۔ عاصم بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۴۷)۔ ابوضیاح بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۴۸)۔ ابوحنّہ بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یعنی ابوضیاح کے بھائی۔۔۔

(۴۹)۔ سالم بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۵۰)۔ حارث بن النعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

یعنی خوات بن جبیر بن النعمان اور

عبداللہ بن جبیر بن النعمان کے چچا

(۵۱)۔ خوات بن جبیر بن النعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۵۲)۔ منذر محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۵۳)۔ ابوعقیل بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۵۴)۔ سعد بن خیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۵۵)۔ منذر بن قدامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۵۶)۔ مالک بن قدامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۵۷)۔ حارث بن عرفجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۵۸)۔ تمیم مولیٰ سعد بن خیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۵۹)۔ جبر بن عتیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۶۰)۔ مالک بن نمیلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۶۱)۔ نعمان بن عصر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۶۲)۔ خارجہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۶۳)۔ سعد بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۶۴)۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۶۵)۔ خلاد بن سوید رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۶۶)۔ بشیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۶۷)۔ سماک بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۶۸)۔ سبیع بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۶۹)۔ عباد بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

دونوں بھائی

(۷۰)۔ عبداللہ بن عبس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۷۱)۔ یزید بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۷۲)۔ خبیب بن اساف رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۷۳)۔ عبداللہ بن زید بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۷۴)۔ حریث بن زید بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

دونوں بھائی

(۷۵)۔ سفیان بن بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۷۶)۔ تمیم بن یعار رضی تعالیٰ عنہ

(۷۷)۔ عبداللہ بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۷۸)۔ زید بن المزین رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۷۹)۔ عبداللہ بن عرفطہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۸۰)۔ عبداللہ بن ربیع رضی اللہ تعالٰی عنہ

(۸۱)۔ عبداللہ بن عبداللہ بن ابی رضی اللہ تعالٰی عنہ
یعنی راس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول
کے بیٹے۔

(۸۲)۔ اوس بن خولی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

(۸۳)۔ زید بن ودیعہ رضی اللہ تعالٰی عنہ

(۸۴)۔ عقبۃ بن وہب رضی اللہ تعالٰی عنہ

(۸۵)۔ رفاعہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

(۸۶)۔ عامر بن سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

(۸۷)۔ معبد بن عباد رضی اللہ تعالٰی عنہ

(۸۸)۔ عامر بن البکیر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

(۸۹)۔ نوفل بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ

(۹۰)۔ عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالٰی عنہ

(۹۱)۔ اوس بن الصامت رضی اللہ تعالٰی عنہ

(۹۲)۔ نعمان بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ

(۹۳)۔ ثابت بن ہزال رضی اللہ تعالٰی عنہ

(۹۴)۔ مالک بن دخشم رضی اللہ تعالٰی عنہ

(۹۵)۔ ربیع بن ایاس رضی اللہ تعالٰی عنہ } دونوں سگے بھائی
(۹۶)۔ ورقہ بن ایاس رضی اللہ تعالٰی عنہ

(۹۷)۔ عمرو بن ایاس رضی اللہ تعالٰی عنہ ربیع اور ورقہ
کے بھائی ہیں یا حلیف علی اختلاف الاقوال

(۹۸)۔ مجذر بن زیاد رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

(۹۹)۔ عبادہ بن خشخاش رضی اللہ تعالٰی عنہ

(۱۰۰)۔ نحاب بن ثعلبہ رضی اللہ تعالٰی عنہ } دونوں بھائی ہیں
(۱۰۱)۔ عبداللہ بن ثعلبہ رضی اللہ تعالٰی عنہ

(۱۰۲)۔ عتبہ بن ربیعہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

(۱۰۳)۔ ابو دجانہ سماک بن خرشہ رضی اللہ تعالٰی عنہ

(۱۰۴)۔ منذر بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہ

(۱۰۵)۔ ابو اسید مالک بن ربیعہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

(۱۰۶)۔ مالک بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

(۱۰۷)۔ عبد ربہ بن حق رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

(۱۰۸)۔ کعب بن جمّاز رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

(۱۰۹)۔ ضمرۃ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہ

(۱۱۰)۔ زیاد " " رضی اللہ تعالٰی عنہ

(۱۱۱)۔ بسبس " " رضی اللہ تعالٰی عنہ

(۱۱۲)۔ عبداللہ بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ

(۱۱۳)۔ قراش بن صمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ

(۱۱۴)۔ حباب بن منذر رضی اللہ تعالٰی عنہ

(۱۱۵)۔ عمیر بن الحمام رضی اللہ تعالٰی عنہ

(۱۱۶)۔ تمیم مولیٰ خراش رضی اللہ تعالٰی عنہ

(۱۱۷)۔ عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ تعالٰی عنہ

(۱۱۸)۔ معاذ بن عمرو بن الجموح رضی اللہ تعالٰی عنہ

(۱۱۹)۔ معوذ بن عمرو بن الجموح رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۲۰)۔ خلاد بن عمرو بن الجموح رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۲۱)۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۲۲)۔ حبیب بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۲۳)۔ ثابت بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۲۴)۔ عمیر بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۲۵)۔ بشر بن البراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۲۶)۔ طفیل بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۲۷)۔ طفیل بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۲۸)۔ سنان بن صیفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۲۹)۔ عبداللہ بن جد بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۳۰)۔ عتبہ بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۳۱)۔ جبار بن صخر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۳۲)۔ خارجہ بن حمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۳۳)۔ عبداللہ بن حمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۳۴)۔ یزید المنذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۳۵)۔ معقل بن المنذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۳۶)۔ عبداللہ بن النعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۳۷)۔ ضحاک بن حارثہ رضی اللہ عنہ

(۱۳۸)۔ سواد بن رزیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۳۹)۔ معبد بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۴۰)۔ عبداللہ بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible]

(۱۴۱)۔ عبداللہ بن مناف رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۴۲)۔ جابر بن عبداللہ بن رئاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۴۳)۔ خلید بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۴۴)۔ نعمان بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۴۵)۔ ابوالمنذر یزید بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۴۶)۔ سُلیم بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۴۷)۔ قطبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۴۸)۔ عنترہ مولیٰ سُلیم بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۴۹)۔ عبس بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۵۰)۔ ثعلبہ بن غنمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۵۱)۔ ابوالیسر کعب بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۵۲)۔ سہل بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۵۳)۔ عمرو بن طلق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۵۴)۔ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۵۵)۔ قیس بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۵۶)۔ حارث بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۵۷)۔ جبیر بن ایاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۵۸)۔ سعد بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۵۹)۔ عقبہ بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

} دونوں بھائی ہیں

(۱۶۰)۔ ذکوان بن عبد قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۶۱)۔ مسعود بن خلدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۶۲)۔ عباد بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۶۳)۔ اسعد بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔

(۱۶۴)۔ فاکہ بن بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۶۵)۔ معاذ بن ماعص رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۶۶)۔ عائذ بن ماعص رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(دونوں بھائی ہیں)

(۱۶۷)۔ مسعود بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۶۸)۔ رفاعۃ بن رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۶۹)۔ خلاد بن رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(دونوں بھائی [illegible])

(۱۷۰)۔ عبید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۷۱)۔ زیاد بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۷۲)۔ فردۃ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۷۳)۔ خالد بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۷۴)۔ جبلۃ بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۷۵)۔ عطیہ بن نویرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۷۶)۔ خلیفۃ بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۷۷)۔ عمارۃ حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۷۸)۔ سراقۃ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۷۹)۔ حارثہ بن النعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۸۰)۔ سلیم بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۸۱)۔ سہیل بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۸۲)۔ عدی بن زغبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۸۳)۔ مسعود بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۸۴)۔ ابو خزیمہ بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۸۵)۔ رافع بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔

(۱۸۶)۔ عوف بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۸۷)۔ معوذ " " رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۸۸)۔ معاذ " " رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(تینوں عفراء کے بیٹے)

(۱۸۹)۔ نعمان بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۹۰)۔ عامر بن مخلد رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (نعمان)

(۱۹۱)۔ عبداللہ بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۹۲)۔ عصیمہ اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔

(۱۹۳)۔ ودلیقہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۹۴)۔ ابوالحمرا مولیٰ حارث بن عفرا رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۹۵)۔ ثعلبہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔

(۱۹۶)۔ سہیل بن عتیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۹۷)۔ حارث بن صمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۹۸)۔ ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔

(۱۹۹)۔ انس بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۲۰۰)۔ اوس بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۲۰۱)۔ ابوشیخ ابی بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم

(یہ حسان بن ثابت کے بھائی)

(۲۰۲)۔ ابوطلحہ زید بن سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۲۰۳)۔ حارثہ بن سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۲۰۴)۔ عمرو بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۲۰۵)۔ سلیط بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۲۰۶)۔ ابو سلیط بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۲۰۷)۔ ثابت بن خنسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۲۰۸)۔ عامر بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۲۰۹)۔ محرز بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۲۱۰)۔ سواد بن غزیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۲۱۱)۔ ابو زید قیس بن سکن رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۲۱۲)۔ ابو الاعور بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۲۱۳)۔ سلیم بن ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۲۱۴)۔ حرام بن ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۲۱۵)۔ قیس بن ابی صعصعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۲۱۶)۔ عبداللہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۲۱۷)۔ عصیمہ اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۲۱۸)۔ ابو داؤد عمیر بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۲۱۹)۔ سراقہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۲۲۰)۔ قیس بن مخلد رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۲۲۱)۔ نعمان بن عبد عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۲۲۲)۔ ضحاک بن عبد عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۲۲۳)۔ سلیم بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۲۲۴)۔ جابر بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۲۲۵)۔ سعد بن سہیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۲۲۶)۔ کعب بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۲۲۷)۔ بجیر بن ابی بجیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۲۲۸)۔ عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۲۲۹)۔ ملیل بن وبرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۲۳۰)۔ عصمہ بن الحصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۲۳۱)۔ ہلال بن المعلیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اسماء ملائکہ بدرین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین

جنگ بدر میں فرشتوں کا آسمان سے مسلمانوں کی امداد کے لئے نازل ہونا اور پھر ان کا جہاد و قتال میں شریک ہونا آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے پہلے معلوم ہو چکا ہے لیکن روایات حدیث سے صرف تین فرشتوں کے نام معلوم ہو سکے ہیں جو ہدیۂ ناظرین ہے۔

(۱)۔ افضل الملائکۃ المکرمین امین اللہ تعالیٰ بینہ و بین الانبیاء والمرسلین سیدنا جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والتسلیم
(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

رواہ البخاری عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما

(۲)۔ سیدنا میکائیل علیہ الصلاۃ والسلام

(۳)۔ سیدنا اسرافیل علیہ الصلاۃ والسلام

اخرجہ احمد والبزار ابو یعلی والحاکم وصححہ والبیہقی عن علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ

وخصائص کبری ج۱ ص۲۰۱

چونکہ روایت میں اوّل جبرئیل کا اور پھر میکائیل کا اور پھر اسرافیل علیہم السّلام کا آسمان سے نازل ہونا مذکور ہے۔ اس لئے ذکر میں نزول کی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا۔

اسماء شہداء بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ورضوا عنہ

قَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ وَیَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِھِمْ مِّنْ خَلْفِھِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۔ [۲]

مکن گریہ برگور مقتول دوست ۔۔۔ برو خرمی کن کہ مقبول اوست

(۱)۔ عبیدۃ بن الحارث بن مطلب مہاجری رضی اللہ تعالےٰ عنہ

معرکہ بدر میں پیر کٹ گیا تھا مقام صفراء میں پہنچ کر وفات پائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں دفن فرمایا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کے

---

[۱]۔ (بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا) ظاہر قرآن اور حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جبرئیل امین تمام ملائکہ سے افضل ہیں واخرج الطبرانی بسند ضعیف عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ ۔ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الا اخبرکم بافضل الملائکۃ جبرئیل ۔۱۲ روح المعانی ص۳۰۱ ج اوّل

[۲]۔ سورۂ آل عمران، آیۃ : ۱۶۹

ساتھ مقام صفرا میں نزول فرمایا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم یہاں مشک کی خوشبو پاتے ہیں، آپ نے فرمایا تعجب کیا ہے، یہاں ابومعاویہ کی قبر ہے (ابو معاویہ حضرت عبیدۃ بن الحارث کی کنیت ہے) استیعاب الحافظ ابن عبدالبر ص۴۲۵ ج۲ ترجمہ عبیدۃ بن الحارث برحاشیۂ اصابہ

(۲)۔ عُمیر بن ابی وقاص مہاجری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

سعد بن وقاصؓ کے چھوٹے بھائی ہیں۔ سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ جب بدر کے لئے لوگ جمع ہوئے تو میں نے بھائی عمیر کو دیکھا کہ اِدھر اُدھر چھپتا پھرتا ہے میں نے کہا اے بھائی تجھکو کیا ہوا۔ کہا مجھکو اندیشہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو دیکھ پائیں اور چھوٹا سمجھ کر واپس فرمادیں اور میں جانا چاہتا ہوں شاید اللہ تعالیٰ مجھکو شہادت نصیب فرمائے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کا معاینہ فرمایا تو عمیر بھی پیش کئے گئے آپ نے صغیر السن ہونے کی وجہ سے واپسی کا حکم دیا۔ عمیر یہ سن کر رو پڑے۔ آپ نے ان کا یہ ذوق وشوق دیکھ کر اجازت دیدی بالآخر جنگ میں شریک ہوئے اور جام شہادت نوش فرمایا۔ عمیرؓ کی عمر اس وقت سولہ سال کی تھی[1]

(۳)۔ ذوالشمالین بن عبد عمرو مہاجری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

امام زہری اور ابن سعد نے اور ابن سمعانی فرماتے ہیں کہ ذوالیدین اور ذوالشمالین ایک ہی شخص کے دو نام ہیں اور جمہور محدثین کے نزدیک دو شخص ہیں ذوالشمالینؓ تو جنگ بدر میں شہید ہوئے اور ذوالیدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی زندہ رہے۔۱۲

(۴)۔ عاقل بن البکیر مہاجری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

---

[1] الطبقات الکبریٰ۔ ج: ۲، ص: ۱۰۶۔ اصابہ ج: ۳، ص: ۳۵

سابق از ین میں سے ہیں دار ارقم میں مشرف باسلام ہوئے پہلا نام ان کا غافل تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے غافل کے عاقل نام رکھا، اصابہ ترجمہ عاقل بن بکیرؓ۔ مشرف باسلام ہونے سے قبل آخرت سے غافل اور بے خبر تھے۔ اسلام لانے سے عاقل اور ہوشیار بنے اس لئے ان کا یہ نام تجویز فرمایا۔ واللہ اعلم۔ غزوۂ بدر میں شہید ہوئے۔ عمر اس وقت چونتیس سال کی تھی[1]

(۵)۔ مہجع بن صالح مولی عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

سعید بن مسیب سے منقول ہے کہ قتال کے وقت حضرت مہجع کی زبان پر یہ الفاظ تھے أَنَا مِهْجَعٌ وَإِلَى رَبِّي أَرْجِعُ میں مہجع ہوں اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والا ہوں (رواہ ابن ابی شیبۃ[2]

(۶)۔ صفوان بن بیضاء مہاجری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

بدری ہونا تو ان کا مسلّم ہے لیکن غزوۂ بدر میں ان کا شہید ہونا مختلف فیہ ہے، ابن اسحٰق اور موسیٰ بن عقبہ اور ابن سعد کہتے ہیں غزوۂ بدر میں طعیمۃ بن عدی کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ ابن حبان کہتے ہیں ۳۰ھ میں اور حاکم کہتے ہیں ۳۸ھ میں وفات پائی واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم ۱۲۔ اصابہ ترجمہ صفوان بن بیضاءؓ۔

(۷)۔ سعد بن خیثمہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

صحابی اور صحابی کے بیٹے شہید اور شہید کے بیٹے۔ سعد غزوۂ بدر میں شہید ہوئے اور باپ یعنی خیثمہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔

حضرت سعد بیعت عقبہ میں بھی شریک تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عمرو کا ان کو نقیب بنایا تھا۔ (اصابہ)

---

[1] ۔ الطبقات الکبریٰ۔ ج: ۲ ، ص: ۲۸۲۔

[2] ۔ کنز العمال۔ ج: ۵ ، ص: ۲۶۹۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عیر ابی سفیان کے لئے خروج کا حکم دیا تو خیثمہ نے سعد سے کہا اے بیٹا ہم میں سے ایک کا بچوں اور عورتوں کی حفاظت کے لئے گھر رہنا ضروری ہے تم ایثار کرو اور مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جانے کی اجازت دو اور تم یہاں ٹھہرو۔ اس پر سعدؓ نے صاف انکار کر دیا اور یہ عرض کیا۔

لو کان غیر الجنۃ اثرتک بہ انی ارجو الشہادۃ فی وجہی ھذا　　جنت کے سوا اگر اور کوئی معاملہ ہوتا تو ضرور ایثار کرتا اور آپ کو اپنے نفس پر ترجیح دیتا لیکن میں اس سفر میں اپنے شہید ہونے کی توی امید رکھتا ہوں۔

بعد ازاں باپ اور بیٹے کے مابین قرعہ اندازی ہوئی۔ قرعہ سعد کے نام پر نکلا۔ بیٹے باپ سے زیادہ خوش نصیب نکلے اور شاداں و فرحاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بدر کی طرف روانہ ہوئے۔ معرکۂ بدر میں عمرو بن عبد ود یا طعیمۃ بن عدی کے ہاتھ سے شہید ہوئے، رضی اللہ تعالیٰ عنہ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

(۸)۔ مبشر بن عبد المنذر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۹)۔ یزید بن حارث انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۰)۔ عمیر بن الحمام انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن یہ ارشاد فرمایا۔ اے لوگو اٹھو جنت کی طرف جس کا عرض آسمان اور زمین کی برابر ہے، آپ نے فرمایا۔ ہاں عمیر نے کہا بَخٍ بَخٍ (واہ واہ) آپ نے ارشاد فرمایا اے عمیر کس چیز نے تجھ کو بخ بخ کہنے پر آمادہ کیا۔ عمیر نے کہا یا رسول اللہ خدا کی قسم کچھ بھی نہیں مگر صرف یہ امید کہ شاید میں بھی جنت والوں میں سے ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا فَاِنَّکَ من اھلھا پس تحقیق بلاشبہ تو اہل

جنت سے ہے۔ بعدازاں کھجوریں نکال کر کھانا شروع کیں مگر فوراً ہی پھینک دیں اور یہ کہا کہ اگر ان کے کھانے میں مشغول ہو گیا تو پھر زندگی بڑی طویل ہے کھجوریں پھینک کر قتال میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ شہید ہو گئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ عمیر نے تلوار ہاتھ میں لی اور یہ کلمات ان کی زبان پر تھے

رکضاً الی اللہ بغیر زاد الا التقی و عمل المعاد

اللہ کی طرف بغیر توشہ ہی کے دوڑ و مگر تقویٰ اور عمل آخرت

والصبر فی اللہ علی الجهاد

اور جہاد فی سبیل اللہ پر صبر کا توشہ ضرور ہمراہ لے لو

وکل زاد عرضۃ النفاد غیر التقی والبر والرشاد

اور ہر توشہ معرض فنا میں ہے مگر تقویٰ اور بھلائی اور رشد

کا توشہ کبھی نہ خراب ہو سکتا ہے اور نہ فنا۔

(استیعاب للحافظ ابن عبد البر ص۴۸۲ ج۲ حاشیہ اصابہ۔ و اصابہ ص۳۱ ج۳ ترجمہ عمیر بن حمامؓ زرقانی ص۱۴۴ ج۱ البدایۃ والنہایۃ ص۲۷۷ ج۳)

(۱۱)۔ رافع بن معلی انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۲) حارثہ بن سراقہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حارثہ بن سراقہ بن حارث رضی اللہ عنہما صحابی اور صحابی کے بیٹے۔ شہید اور شہید کے بیٹے۔ بیٹے یعنی حضرت حارثہ غزوۂ بدر میں شہید ہوئے اور حضرت سراقہ غزوۂ حنین میں۔ فتح الباری۔ باب فضل من شہد بدرا۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ حارثہ بدر میں شہید ہوئے اور وہ نوجوان تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر سے واپس تشریف لائے تو حارثہ کی والدہ۔ رُبَیّع بنت نضر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو خوب معلوم ہے کہ مجھکو حارثہ سے

کس قدر محبت تھی۔ پس اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر کروں اور اللہ سے ثواب کی امید رکھوں اور اگر دوسری صورت ہے تو پھر آپ دیکھ لیں گے کہ میں کیا کروں گی یعنی خوب گریہ وزاری کروں گی۔ آپ نے فرمایا کیا دیوانی ہو گئی۔ ایک جنت نہیں اس کے لئے بہت سی جنتیں ہیں اور تحقیق وہ بلا شبہ جنت الفردوس میں ہے صحیح بخاری غزوۂ بدر۔

(۱۴۰)۔ عوف بن حارث انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۴۱)۔ معوذ بن حارث انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یہ دونوں بھائی ہیں والدہ کا نام عفراء ہے عوف بن حارث رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پہلے گزر چکا ہے

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اصحاب بدر میں شہید ہوئے حق جل وعلا نے ان پر تجلی فرمائی اور اپنے دیدار پُرانوار سے اُن کی آنکھوں کو منور فرمایا اور کہا اے میرے بندو کیا چاہتے ہو۔

اصحاب نے عرض کیا اے پروردگار جن نعماتِ جنت سے تو نے ہم کو سرفراز فرمایا کیا اس سے بڑھکر بھی کوئی نعمت ہے حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا بتاؤ کیا چاہتے ہو۔ چوتھی مرتبہ اصحاب نے یہ عرض کیا اے پروردگار یہ چاہتے ہیں کہ ہماری روحیں پھر ہمارے جسموں میں لوٹا دی جائیں تاکہ پھر تیری راہ میں قتل ہوں جیسے اب قتل ہوئے (رواہ الطبرانی ورجالہ ثقات) وہذا موقوف لفظا مرفوع حکما لانہ لا مدخل للرای فیہ واللہ اعلم ۱۲۔ [۵]

اسمائے اسیرانِ بدر

روایات صحیحہ سے پہلے معلوم ہو چکا کہ جنگ بدر میں ستر کافر مقتول ہوئے اور ستر

[۵]۔ زرقانی، ج: ۱، ص: ۴۴۵

اسیرانِ بدر کو ابن ہشام نے بروایت محمد بن اسحاق۔ اور حافظ ابن سید الناس نے عیون الاثر میں مقتولین اور قیدیوں کے نام ذکر کیے ہیں۔ اس وقت اسیرانِ بدر میں سے مشہورین کے نام ذکر کرتے ہیں اور جو ان میں سے مشرف باسلام ہوا اس کے نام کے ساتھ اس کی بھی تصریح پیش کی جاتی ہے۔

(۱)۔ عباس بن عبدالمطلب۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم ہیں جو عمر میں آپ سے صرف دو سال بڑے تھے فتح مکہ سے کچھ قبل علانیہ طور پر اسلام کا اظہار فرمایا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۲)۔ عقیل بن ابی طالب۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی صلح حدیبیہ کے زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضرت عقیل حضرت جعفر سے دس سال بڑے تھے اور اسی طرح حضرت جعفر حضرت علی سے دس سال بڑے تھے اور ابوطالب کے سب سے بڑے بیٹے طالب (جن کے نام پر یہ کنیت ہے) وہ حضرت عقیل سے دس سال بڑے تھے اسلام کی دولت سے محروم رہے۔ باقی تینوں بھائی۔ عقیلؓ۔ جعفرؓ علیؓ مشرف باسلام ہوئے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ

(۳)۔ نوفل بن حارث

ان کے اسلام لانے کا واقعہ پہلے گذر چکا ہے اور کہا جاتا ہے کہ جس سال غزوۂ خندق ہوا اس سال مشرف باسلام ہوئے یعنی ۵ھ میں رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۴)۔ سائب بن عبید

(۵) نعمان بن عمرو

(۶)۔ عمرو بن سفیان بن ابی حرب۔

(۷)۔ حارث بن ابی وجرہ۔

(۸)۔ ابوالعاص بن ربیع۔

بعد میں مشرف باسلام ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لانے کا واقعہ پہلے مفصل گزر چکا ہے ۱۲

(۹)۔ ابوالعاص بن نوفل۔

(۱۰)۔ ابو ریشہ بن ابی عمر۔

(۱۱)۔ عمرو بن ازرق۔

(۱۲)۔ عقبہ بن عبدالحارث

(۱۳)۔ عدی بن الخیار۔

(۱۴)۔ عثمان بن عبدشمس۔

(۱۵)۔ ابو ثور۔

(۱۶)۔ عزیز بن عمیر عبدری۔

بعد میں مشرف باسلام ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ [۱]

(۱۷)۔ اسود بن عامر

(۱۸) سائب بن ابی حبیش

فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاطمہؓ بنت ابی حبیش مستحاضہ کے بھائی ہیں۔ [۲]

(۱۹)۔ حویرث بن عباد

(۲۰)۔ سالم بن شداخ

(۲۱)۔ خالد بن ہشام

یعنی ابوجہل بن ہشام کے بھائی بعض علماء نے ان کو مؤلفۃ القلوب میں ذکر کیا ہے [۳]

---

[۱] روض الانف۔ ج: ۲، ص: ۱۰۶۔ [۲] ایضاً۔ اصابہ ج ۲ عیون الاثر ص ۲ [۳] اصابہ ج ۱ ص ۴۱۲۔ اصابہ ج ۴ ص ۳۱ باب الکنی

(۲۲)۔ امیۃ بن ابی حذیفہ

(۲۳)۔ ولید بن ولید بن مغیرہ

(۲۴)۔ صیفی بن ابی رفاعہ

(۲۵)۔ ابوالمنذر بن ابی رفاعہ

(۲۶)۔ ابوعطار عبداللہ بن ابی السائب۔

بعد میں مشرف باسلام ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرار مکہ مجاہد وغیرہ نے آپ سے علم قرأت حاصل کیا۔ ۵۱

(۲۷)۔ مطلب بن حنطب

بعد میں مشرف باسلام ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ۵۲

(۲۸)۔ خالد بن اعلم۔

(۲۹)۔ ابو وداعہ سہمی۔

فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۳۰)۔ سروۃ بن قیس

(۳۱)۔ حنظلۃ بن قبیصہ

(۳۲)۔ حجاج بن حارث

علامہ سہیلی فرماتے ہیں حجاج بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ مہاجرین حبشہ میں سے ہیں غزوۂ احد کے بعد حبشہ سے مدینہ واپس آئے لہٰذا اسیران بدر میں انکا ذکر کرنا مصنف کا وہم ہے۔ (روض الانف ص ۱۰۶ ج ۲)

(۳۳)۔ عبداللہ بن ابی بن خلف۔

---

۵۱ روض الانف۔ ج: ۲، ص: ۱۰۶۔ و عیون الاثر ص ۳۰۰
۵۲ ایضاً
۵۳ ایضاً

فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جنگ جمل میں شہید ہوئے۔

(۳۴)۔ ابو عزہ عمرو بن عبداللہ۔

(۳۵)۔ فاکہ مولیٰ امیّہ بن خلف۔

(۳۶)۔ وہب بن عمیر۔

وہب اور اس کے باپ عمیر کے اسلام لانے کا واقعہ پہلے گزر چکا ہے۔

رضی اللہ تعالےٰ عنہما۔

(۳۷)۔ ربیعہ بن دراج

(۳۸)۔ سہیل بن عمرو

بعد میں مشرف باسلام ہوئے اور شام میں شہید ہوئے رضی اللہ تعالےٰ عنہ

اور حدیبیہ میں قریش کی طرف صلح کے لئے آئے۔ ۱۲

(۳۹)۔ عبد بن زمعہ

اُمّ المومنین سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی بعد میں مشرف

باسلام ہوئے رضی اللہ تعالےٰ عنہ

(۴۰) عبدالرحمٰن بن مشنوء

(۴۱) طفیل بن ابی قنیع

(۴۲) عقبہ بن عمرو

(۴۳) قیس بن سائب مخزومی۔

بعد میں مشرف باسلام ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ زمانہ جاہلیت میں آپ کے

شریک تجارت تھے جیسا کہ پہلے گزرا۔

ف روض الانف ج : ۲ ، ص : ۱۰۰

(۲۴۴) نسطاس مولی امیہ بن خلف۔
غزوۂ احد کے بعد مشرف باسلام ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ، (روض الانف ص۱ جلد ۲)

اسلام کے مقابلہ میں قوم اور وطن کی حمایت

غزوۂ بدر۔ اسلام اور کفر کا معرکہ تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے بدر کے دن کو یوم الفرقان فرمایا ہے کہ حق اور باطل میں فرق ہونے کا دن ہے۔

مکہ میں کچھ لوگ ایسے تھے کہ جو اسلام تو قبول کر چکے تھے مگر جب حضور پُرنور نے مکہ سے ہجرت فرمائی تو یہ لوگ اپنی قوم اور قبیلہ کے لحاظ سے مکہ ہی میں رُکے رہے، جب جنگِ بدر موقع آیا تو ان میں کے کچھ لوگ بدر میں قوم کفار کے ساتھ ہو کر مسلمانوں سے لڑنے کے لئے آئے اور جنگِ بدر میں مارے گئے ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ تَوَفّٰهُمُ الۡمَلٰٓٮِٕكَةُ ظَالِمِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ قَالُوۡا فِیۡمَ كُنۡتُمۡ‌ؕ قَالُوۡا كُنَّا مُسۡتَضۡعَفِیۡنَ فِى الۡاَرۡضِ‌ؕ قَالُوۡۤا اَلَمۡ تَكُنۡ اَرۡضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوۡا فِیۡهَا‌ؕ فَاُولٰٓٮِٕكَ مَاۡوٰٮهُمۡ جَهَـنَّمُ‌ؕ وَسَآءَتۡ مَصِیۡرًا ۙ‏ اِلَّا الۡمُسۡتَضۡعَفِیۡنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالۡوِلۡدَانِ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ حِیۡلَةً وَّلَا یَهۡتَدُوۡنَ سَبِیۡلًا ۙ‏ فَاُولٰٓٮِٕكَ عَسَى اللّٰهُ اَنۡ یَّعۡفُوَ عَنۡهُمۡ‌ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

تحقیق جن لوگوں کی فرشتوں نے ارواح قبض کیں درآنحالیکہ وہ لوگ اپنی جانوں پر بڑے ظلم کرنے والے تھے فرشتوں نے ان سے یہ کہا کہ تم کس حال میں تھے ان لوگوں نے کہا کہ ہم بیچارہ اور لاچار تھے زمین میں۔ اس لئے ہجرت نہ کر سکے فرشتوں نے کہا کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ قوم اور وطن کو چھوڑ کر وہاں ہجرت کر جاتے پس ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور بہت بُرا ٹھکانہ ہے مگر جو مرد اور عورتیں اور لڑکے درحقیقت بے چارہ

عَفُوًّا غَفُوْرًا ہ اور بے بس ہیں اور ہجرت کے لئے کوئی چارہ

(سورۃ نساء، آیۃ ۹۸) نہیں پاتے پس ایسے لوگوں کے متعلق اُمید ہے

کہ اللہ تعالیٰ ان کے قصور کو معاف کر دے اور اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔

صحیح بخاری میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

ان ناسا من المسلمین کانوا مع المشرکین علی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یاتی السھم فیرمی بہ فیصیب احدھم فیقتلہ او یضرب فیقتل فانزل اللہ اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِھِمْ الاٰیۃ

(بخاری شریف صفحہ ۶۶۱ کتاب التفسیر سورۃ النساء)

غزوۂ بدر[1] میں کچھ مسلمان مشرکین کی تعداد اور جماعت بڑھانے کے لئے کفار مکہ کے ساتھ نکلے تو میدان میں کوئی تیر آکر اس مسلمان کے لگتا اور اس سے وہ مارا جاتا اور کبھی تلوار کی ضرب سے وہ مارا جاتا پس جو مسلمان بدر میں کافروں کے ساتھ آئے تھے اور مارے گئے ان کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ۔ الاٰیۃ

اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اسی روایت کو امام بخاری کتاب الفتن صفحہ ۱۰۴۹ میں دوبارہ لائے ہیں اور اس پر یہ ترجمہ رکھا ہے باب من کرہ یکثر سواد الفتن او الظلم یعنی اہل فتنہ اور اہل کفر اور معصیت کی تعداد بڑھانے کی کراہت کا بیان۔ حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ اپنے ترجمہ قرآن میں۔ اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِھِمْ الخ کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں یعنی بترک ہجرت از دار الحرب بدار الاسلام و بتکثیر سواد کفار واللہ اعلم۔ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے کافروں کی فوج میں جانا تاکہ فقط کافروں کی تعداد زیادہ معلوم ہو یہ بھی ناجائز

---

[1] غزوۂ بدر کا لفظ متن بخاری میں تو نہیں لیکن دوسری روایت میں مذکور ہے جس کو حافظ عسقلانی نے فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۱۹۵ کتاب التفسیر میں اور پھر فتح الباری کتاب الفتن جلد ۱۳ صفحہ ۳۸ میں ذکر کیا ہے اور علامہ قسطلانی نے ارشاد الساری جلد ۷ صفحہ ۹۰ و جلد ۱۰ صفحہ ۱۶۲ ذکر کیا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔ ۱۲

ہے اگرچہ مسلمانوں سے نہ لڑنے کا ارادہ ہے اور نہ لڑے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے کافروں کی فوج میں بھرتی ہونا حرام ہے حضرات اہل علم فتح الباری (ص ۲۳۲ ج ۱۳) وعمدۃ القاری (ص ۳۵ ج ۲۵) اور قسطلانی کی مراجعت کریں اور مزید تفصیل اگر درکار ہو تو تفسیر ابن کثیر اور تفسیر قرطبی اور تفسیر در منثور (ص ۲۰۰ ج ۲) کی مراجعت کریں۔

اور حدیث میں ہے من کثر سواد قوم فہو منہم یعنی جو شخص کسی قوم کی جماعت اور تعداد کو بڑھائے وہ اسی قوم سے ہے۔

غزوۂ بدر پر دوبارہ نظر

غزوۂ بدر کا بیان ختم ہوا اور اس بارے میں آیات اور صحیح اور صریح روایات ناظرین کے سامنے آگئیں جن سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوۂ بدر سے مقصد قریش کے اس کاروان تجارت پر یلغار کرنا تھا کہ جو ابوسفیان کی سرکردگی میں شام سے واپس آرہا تھا قریش مکہ کے کسی حملہ کا دفاع مقصود نہ تھا علامہ شبلی کی سیرۃ النبی میں رائے یہ ہے کہ غزوۂ بدر کا مقصد کاروان تجارت پر حملہ کرنا نہ تھا بلکہ آپ کو مدینہ ہی میں یہ خبر آگئی تھی کہ قریش ایک عظیم جمعیت لے کر مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے نکلے ہیں اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مدافعت کے قصد سے نکلے اور بدر کا معرکہ پیش آیا۔ غزوۂ بدر سے آپ کا مقصود کاروان تجارت پر حملہ کرنا نہ تھا بلکہ قریش کے حملہ کا دفاع مقصود تھا۔ علامہ شبلی کا خیال ختم ہوا۔

علامہ شبلی کا یہ خیال تمام محدثین اور مفسرین کی تصریحات بلکہ تمام صحیح اور صریح روایات کے خلاف ہے۔

(۱)۔ روی ابن ابی حاتم عن ابی ایوب قال قال لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونحن بالمدینۃ انی اخبرت عن عیر ابی سفیان فہل لکم ان	ابن ابی حاتم نے ابوایوب انصاریؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے ہم سے مدینہ میں یہ فرمایا کہ مجھکو یہ خبر دی گئی ہے کہ ابوسفیان کا تجارتی قافلہ آرہا ہے کیا تم کو یہ مرغوب ہے کہ تم اس

تخرجوا الیھا لعل اللہ یغنمنا ھا قلنا نعم فخرجنا فلما سرنا یوما او یومین قال قد اخبروا خبرنا فاستعدوا للقتال فقالوا لا واللہ ما لنا طاقۃ بقتال القوم (ولکنا اردنا العیر) فاعادہ فقال لہ المقداد لا نقول لک کما قالت بنوا اسرائیل۔ الحدیث۔ فتح الباری ص۲۲۲ ج۷ و زرقانی ص۴۱۳

تجارتی قافلہ کے لینے کے لیے خروج کرو۔ عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ اُس قافلہ کے اموال کو بطورِ غنیمت ہم کو عطا فرمائے۔ صحابہ نے عرض کیا ہاں ہم کو یہ امر مرغوب ہے اس کے بعد ہم روانہ ہو گئے ایک یا دو روز کی منزل قطع کرنے کے بعد حضور نے یہ فرمایا کہ کفارِ مکہ کو ہماری روانگی کی اطلاع مل چکی ہے اور وہ تیار ہو کر ہمارے مقابلہ اور مقاتلہ کیلئے آ رہے ہیں تم بھی ان سے جہاد و قتال کے لئے تیار ہو جاؤ۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ خدا کی قسم (بظاہر اسباب ہیں) ہم میں یہ طاقت نہیں کہ ہم مٹھی بھر جماعت قریش کے اُس مسلح لشکر جرار کا مقابلہ کر سکیں، جز ایں نیست ہم تو ابوسفیان کے کاروان تجارت پر حملہ کرنے کے لئے نکلے تھے یعنی ہمیں اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ قریش سے اس طرح مقابلہ کرنا پڑے گا کہ کچھ تیار ہو کر نکلے آپ نے اسی کلام کا اعادہ فرمایا مقداد رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم بنی اسرائیل کی طرح آپ سے یہ نہیں کہیں گے اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ کہ آپ اور آپ کا پروردگار جا کر لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں بلکہ ہم آپ کے دائیں اور بائیں اور آگے اور پیچھے ہر طرف سے اور ہر طرح سے لڑیں گے۔
(ترجمہ ختم ہوا) فتح الباری ج۷ ص۲۲۲ غزوۂ بدر

(۲)۔ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔

لما سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم | نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے جب یہ سنا کہ ابو

۱؎ بین القوسین کا جملہ البدایۃ والنہایۃ ص۲۶۲ ج۳ اور تفسیر ابن کثیر ص۲۸۹ ج۲ سورۂ انفال کی روایت میں مذکور ہے اس لئے یہ جملہ وہاں سے لیا گیا ہے عفا اللہ عنہ

بابی سفیان مقبلا من الشام مندب	سفیان۔ تجارتی قافلہ کے ساتھ شام سے واپس
المسلمین الیھم وقال ھذہ عیر	آرہا ہے تو آپ نے مسلمانوں کو اسکی طرف خروج
قریش فیھا اموالھم فاخرجوا الیھا	کی دعوت دی اور یہ فرمایا کہ یہ قریش کا قافلہ آرہا
لعل اللہ ان ینفلکموھا فانتدب	ہے جس میں اُن کے بے شمار اموال ہیں پس تم
الناس فخف بعضھم وثقل بعضھم	اس پر حملہ کرنے کے لئے نکلو شاید اللہ تعالٰی
وذلک انھم لم یظنوا ان رسول	وہ تمام اموال تم کو غنیمت میں عطا فرمائے پس
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یلقی حربا	کچھ لوگ آپ کے ہمراہ نکلے اور کچھ نہیں نکلے جسکی
وکان ابو سفیان قد استنفر حین	وجہ یہ تھی کہ لوگوں کو اس کا وہم وگمان بھی نہ تھا
دنا من الحجاز یتجسس الاخبار	کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں سے کوئی
الحدیث البدایۃ والنہایۃ ص۲۵۶ ج۳ وتفسیر	جنگ پیش آجائے گی۔ ابو سفیان کو اس کا کھٹکا
ابن کثیر ص۲۸۶ ج۲ سورۂ انفال وزرقانی ص۴۱۱ ج۱	لگا ہوا تھا اس لئے وہ برابر جستجو میں تھا یہاں

تک کہ جب ابو سفیان کو یہ پتہ لگ گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قافلہ پر حملہ
کے لئے خروج فرمایا ہے تو فوراً ضمضم غفاری کو قاصد بنا کر مکہ روانہ کیا الی آخر القصہ۔
اس لئے حافظ عسقلانی شرح بخاری میں لکھتے ہیں ——

والسبب فی ذلک ان النبی صلی اللہ علیہ	غزوۂ بدر کا سبب یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ
وسلم ندب الناس الی تلقی ابی	علیہ وسلم نے لوگوں کو ابو سفیان کے تجارتی قافلہ
سفیان لاخذ ما معہ من اموال	کی طرف خروج کی دعوت دی تاکہ اس کے ذخائر
قریش وکان من معہ قلیلا فلم یظن	اموال پر قبضہ کریں کیونکہ اس قافلہ میں اموال
اکثر الانصار انہ یقع قتال فلم یخرج	بہت تھے اور آدمی کم تھے (تیس یا چالیس تھے)[1]
معہ منھم الا القلیل ولم یاخذوا	اس لئے اکثر انصار کو یہ گمان بھی نہ ہوا کہ (جنگ)

[1] کما فی شرح المواہب للزرقانی ص۴۱۲ ج۱

اهبة الا ستعداد كما ينبغي بخلاف المشركين فانهم خرجوا مستعدين ذابين عن اموالهم ۔ ۵۱

قتال کی آئے گی اس لئے بہت تھوڑے آدمی آپ کے ساتھ نکلے اور لڑائی کی خاص تیاری نہیں کی بخلاف مشرکین کے کہ وہ پوری تیاری کے ساتھ گھر سے نکلے تاکہ اپنے اموال کی حفاظت اور مدافعت کریں۔

ابوسفیان کو جب یہ خبر ملی کہ حضور پُر نور کاروانِ تجارت پر حملہ کرنے کے لئے مدینہ سے روانہ ہوئے ہیں تو اس نے فوراً ضمضم غفاری کو پیغام دے کر مکہ روانہ کیا۔

يامعشر قريش اللطيمة اللطيمة اموالكم مع ابي سفيان قد عرض لها محمد في اصحابه لا اري ان تدركوها الغوث ۔ الغوث ۵۲

اے گروہ قریش ڈرو اور خبر لو اپنے اُن اونٹوں کی جو کپڑوں اور سامان سے لدے ہوئے ہیں اور خبر لو اپنے مالوں کی محمد اپنے اصحاب کے ساتھ اُن سے تعرض کیلئے روانہ ہو گئے ہیں میں گمان نہیں کرتا تم اپنے اموال کو صحیح وسالم المدد المدد یعنی جلد از جلد قافلہ کی مدد کو پہنچو۔

ابوسفیان نے ضمضم غفاری کے روانہ کرنے کے بعد نہایت احتیاط سے کام لیا۔ اور ساحل کے راستے سے قافلہ کو بچا کر نکل گیا اور جب قافلہ مسلمانوں کی زد سے نکل گیا تو ابوسفیان نے ایک دوسرا پیغام قریش کے نام روانہ کیا وہ پیغام یہ تھا۔

قال ابن اسحاق ولما رأى ابوسفيان انه قد احرز عيره ارسل الى قريش انكم انما خرجتم لتمنعوا عيركم ورجالكم واموالكم فقد نجاها الله فارجعوا ۔ ۵۳

محمد ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب ابوسفیان نے دیکھا کہ اب اپنے قافلہ کو مسلمانوں سے بچا کر نکال لے گیا تو قریش کی طرف ایک پیغام بھیجا کہ تم فقط اپنے کاروانِ تجارت اور آدمیوں اور مالوں کی حفاظت کیلئے نکلے اللہ نے ان سب کو بچا لیا لہٰذا تم اب لوٹ جاؤ۔

---

۵۱ فتح الباری ۔ ج ۷، ص ۲۲۲
۵۲ البدایۃ والنہایۃ ۔ ج ۳، ص ۲۵۸
۵۳ ایضاً ۔ ص ۲۲۶

ابوسفیان کا یہ پیغام قریش کو اس وقت پہنچا کہ جب قریش مقام جحفہ میں پہنچ چکے تھے لوگوں نے چاہا کہ لوٹ جائیں مگر ابوجہل نے قسم کھالی کہ ہم اسی شان سے بدر تک جائیں گے اور بغیر لڑے واپس نہوں گے مگر اخنس بن شریق نے ابوجہل کی بات کو نہ مانا اور بنی زہرہ سے مخاطب ہو کر یہ کہا۔

یابنی زهرة قد نجی الله لکم اموالکم وخلص لکم صاحبکم مخرمة بن نوفل وانما نفرتم لتمنعوه وماله فاجعلوا بی جبنها وارجعوا فانه لاحاجة لکم بان تخرجوا فی غیر ضیعة لاما یقول هذا قال فرجعوا فلم یشهد ها زهری واحد[۱]۔

اے بنی زہرہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے مالوں کو بچا لیا اور تمہارے ساتھی مخرمہ کو بھی بچا لیا۔ جز اینست تم تو فقط مالوں کو مسلمانوں کی دست برد سے بچانے کے لیے نکلے تھے، سو وہ بچ نکلے، لہٰذا تم سب لوٹ جاؤ بے ضرورت نکلنے سے کیا فائدہ۔ اخنس کے کہتے ہی تمام بنی زہرہ راستہ ہی سے لوٹ گئے اور ایک آدمی بھی بنی زہرہ میں کا بدر کے معرکہ میں شریک نہیں ہوا۔

بنو ہاشم تو اوّل ہی سے جنگ میں جانا نہیں چاہتے تھے، عاتکہ بنت عبدالمطلب کے خواب کی وجہ سے چلنے پر آمادہ نہ تھے۔ پھر جہیم کے خواب نے اور متردد کر دیا اور پھر جب ابوسفیان کا پیغام آگیا کہ کاروان تجارت صحیح سالم بچ نکلا تو اور بہت سے تردد میں پڑ گئے چنانچہ طالب بن ابی طالب اور کچھ لوگ ان کے ساتھ مکہ واپس چلے گئے۔ پھر جب اخنس بن شریق۔ بنی زہرہ کو لے کر واپس ہو گیا تو اور تذبذب میں پڑ گئے مگر ابوجہل کی ضد اور ہٹ دھرمی اور اس کے رعب کی وجہ سے بدر کی طرف روانہ ہوئے۔

عتبہ اور شیبہ ابتداء ہی سے چلنے پر تیار نہ تھے اور آخر وقت تک یہ چاہتے رہے کہ مکہ واپس ہو جائیں جیسا کہ مفصل گزر چکا۔

کیا اب اس قسم کی صریح اور ناقابل تاویل روایات کے بعد بھی کسی مؤول کے لیے یہ گنجائش

---

[۱] البدایة والنہایة ج: ۳، ص: ۲۶۶

ہے کہ یہ کہے کہ حضور پُرنور اور صحابہ کرام کاروانِ تجارت پر حملہ کرنے کے لئے نہیں نکلے تھے بلکہ قریش کی جو جمعیت مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لئے نکلی تھی حضور پُرنور اس کی مدافعت کیلئے بدر پر تشریف لے گئے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو ہمراہ لے کر جب مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تو آپ کا مقصد صرف قریش کا کاروانِ تجارت تھا ابوجہل اور اس کی جمعیت کا وہم و گمان بھی نہ تھا بلکہ نفس الامر میں کہیں اس کا وجود اور نام و نشان بھی نہ تھا۔

جیسا کہ ابوجہل اور قریش کے کہیں حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ہم کوئی جمعیت لے کر مدینہ پر حملہ آور ہوں بلکہ جب ابوسفیان کے قاصد ضمضم غفاری نے مکہ پہنچ کر یہ خبر سنائی کہ تمہارا کاروان تجارت خطرہ میں ہے مسلمان اس پر حملہ کرنا چاہتے ہیں، اس وقت مکہ میں ہلچل پڑ گئی اور قریش ابوجہل کے سرکردگی میں بڑی شان و شوکت سے زرہیں پہن کر اور پوری طرح مسلح ہو کر اپنے کاروان تجارت کو بچانے کے لئے نکلے قریش کو مقام جحفہ میں پہنچ کر ابوسفیان کی طرف سے اطلاع ملی کہ قافلہ صحیح سالم بچ نکلا ہے اور حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام صفراء میں پہنچ کر اطلاع ملی کہ کاروانِ تجارت تو نکل گیا ہے اور قریش پوری تیاری کے ساتھ مسلح ہو کر آرہے ہیں چونکہ مسلمان کسی جنگ کی نیت سے نہیں نکلے تھے اس لئے آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ (جس کی پوری تفصیل پہلے گذر چکی) لہٰذا کسی علامہ کا یہ خیال کرنا کہ حضور پُرنور نے اوّل سے آخر تک کسی وقت بھی تجارتی قافلہ پر حملہ کی نیت نہیں کی بلکہ ابتداء ہی سے حضور پرنور نے جو سفر شروع فرمایا وہ قریش کے اس فوجی لشکر کے مقابلہ اور دفاع کے لئے تھا جو از خود مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے اقدام کرتا ہوا چلا آرہا تھا۔ یہ خیال ایک خیال خام ہے جو اپنی ایک مزعوم درایت اور خود ساختہ اصول پر مبنی ہے جس پر تمام ذخیرہ احادیث نبویہ اور ارشادات قرآنیہ اور روایاتِ سیرت اور واقعات تاریخیہ کو قربان کرنا چاہتے ہیں افسوس اور صد افسوس کہ جن اعداء اللہ نے اللہ کے نبی اور اس کے متبعین کو جانی اور مالی نقصان پہنچایا ہو اور ان کو ان کے گھروں سے نکالا ہو اور ان کے اموال پر ناجائز

تبضے کئے ہوں اور آئندہ کے لئے بھی اُن کے یہی عزائم ہوں اور ایک لمحہ کے لئے اسلام اور مسلمانوں کے مٹانے کی تدبیر سے غافل نہ ہوں سو اگر مسلمان اُن کو جانی یا مالی نقصان پہنچانے کے لئے کوئی اقدام کریں تو اس کو خلاف تہذیب اور خلاف انسانیت سمجھا جائے اور جن روایات میں کچھ تاویل چل سکے وہاں تاویل کر لی جائے اور جہاں تاویل نہ چل سکے اُن کا ذکر ہی نہ کیا جائے تاکہ اپنے خود ساختہ اصول پر زد نہ پڑے یہ شان علم اور امانت کے خلاف ہے قراطیس تبدونہا وتخفون کثیراً غزوہ بدر سے پہلے جس قدر مہمیں روانہ کی گئیں وہ اکثر وبیشتر قریش کے تجارتی قافلوں ہی پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کی گئیں پھر غزوۂ بدر ہی میں کیوں اشکال پیش آیا۔

رہا یہ دعویٰ کہ مسلمانوں کو کافروں پر ابتداءً از خود حملہ کرنا جائز نہیں جب تک کہ کفار از خود حملہ نہ کریں مطلب یہ کہ جہاد کے لئے از خود اقدام جائز نہیں بلکہ جب کافر ابتداءً حملہ آور ہوں تو ان کا دفاع کیا جائے سو اس کا جواب ابتداء میں بحث جہاد میں بالتفصیل گزر چکا ہے۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔ کفار مکہ جو مسلمانوں کو تیرہ برس تک جانی اور مالی ہر قسم کا نقصان پہنچا چکے ہوں اور ہر قسم کے مظالم اُن پر کر چکے ہوں اور آئندہ کے لئے باقاعدہ دھمکیاں دے رہے ہوں اور مسلمانوں کی سازشوں میں سرگرداں ہوں اور اس بارے میں مراسلتیں جاری ہوں ان کے جان و مال پر مسلمانوں کے لئے از خود حملہ کرنا۔ جائز نہ ہو عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے

خلاصۂ کلام

یہ کہ ان تمام روایات سے روز روشن کی طرح یہ امر واضح ہو گیا کہ حضور پُر نور اور صحابہ کرام مدینہ سے کاروان تجارت کے ارادہ سے نکلے تھے اور قریش مکہ اور ابوجہل۔ اسی کاروان تجارت کے بچانے کے لئے نکلے تھے مؤمن و کافر سب کا مطمح نظر یہی کاروان تجارت تھا۔ اور ہر دو فریق یہی سمجھے ہوئے تھے علامہ سمجھیں یا نہ سمجھیں نیز غزوۂ بدر سے پہلے جو غزوات اور سرایا پیش آئے وہ اکثر وبیشتر اقدامی تھے دفاعی نہ تھے ابتداء حضور پُر نور کی طرف سے ہوئی۔

قتل عصماء یہودیہ

(۲۶ رمضان المبارک ۲ھ)

عصماء ایک یہودی عورت تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں اشعار کہا کرتی تھی اور طرح طرح آپ کو ایذا پہنچاتی تھی۔ لوگوں کو آپ سے اور اسلام سے برگشتہ کرتی۔ ہنوز آپ بدر سے واپس نہ ہوئے تھے کہ پھر اسی قسم کے اشعار کہے۔ عمیر بن عدی رضی اللہ عنہ کو سنتے ہی جوش آگیا اور یہ منت مانی اگر اللہ کے فضل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر سے صحیح سالم واپس آگئے تو اس کو ضرور قتل کر دوں گا۔

رسول اللہ علیہ وسلم جب بدر سے مظفر و منصور صحیح و سالم تشریف لائے تو عمیرؓ شب کے وقت تلوار لے کر روانہ ہوئے اور اس کے گھر میں داخل ہوئے چونکہ نابینا تھے اس لئے عصماء کو ہاتھ سے ٹٹولا اور بچے جو اس کے ارد گرد تھے ان کو ہٹایا اور تلوار کو سینہ پر رکھ کر اس زور سے دبایا کہ پشت سے پار ہو گئی۔

نذر پوری کر کے واپس ہوئے اور صبح کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادا فرمائی اور واقعہ کی اطلاع دی اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھ پر اس بارے میں کچھ مؤاخذہ تو نہ ہوگا۔ آپ نے فرمایا نہیں۔

لَا یَنْتَطِحُ فِیْهَا عَنْزَانِ　　اس بارے میں دو بھیڑیں بھی سر نہ ٹکرائیں گی۔

یعنی یہ ایسا فعل ہی نہیں کہ جس میں کوئی کسی قسم کا اختلاف اور نزاع کر سکے۔ انسان تو درکنار بھیڑ اور بکریاں بھی اس میں اپنے سینگ نہ ٹکرائیں گی۔

پیغمبر برحق کی شان میں گستاخی کرنے والے کا قتل کہیں قابل مؤاخذہ ہو سکتا ہے بلکہ اعظم قربات اور افضل عبادات میں سے ہے جس میں کوئی نزاع ہی نہیں کر سکتا۔ جانور بھی اس کو حق سمجھتے ہیں۔

مصنف حماد بن سلمہ میں مذکور ہے کہ یہ عورت ایام ماہواری کے خون آلود کپڑے مسجد میں لا کر ڈالا

کرتی تھی۔

الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمیر کے اس فعل سے بیحد مسرور ہوئے اور صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

اذا اجبتم ان تنظروا الی رجل نصر اللہ ورسولہ بالغیب فانظروا الی عمیر بن عدی۔	اگر ایسے شخص کو دیکھنا چاہتے ہو جس نے اللہ اور اس کے رسول کی غائبانہ مدد کی ہو تو عمیر بن عدی کو دیکھ لو۔

حضرت عمر نے فرمایا اس اعمیٰ (نابینا) کو دیکھو تو سہی کہ کس طرح چھپ کر اللہ کی طاعت کیلئے روانہ ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو اعمی (نابینا) نہ کہو یہ تو بصیر (بینا) ہیں یعنی ظاہراً اگرچہ اعمی (نابینا) ہیں مگر دل کے بصیر اور بینا ہیں۔ رمضان المبارک کی پانچ راتیں باقی تھیں جس وقت یہ عورت قتل کی گئی تفصیل کے لئے زرقانی ص۴۵۳ ج۱ اور الصارم المسلول علی شاتم الرسول للحافظ ابن تیمیہ از ص۹۳ تا ص۱۰۳ مراجعت کریں، طبقات ابن سعد ص۱۸ ج۲ وعیون الاثر ص۲۹۳ ج۲ دیکھیں

حضرت جابر سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ عمیرؓ بیمار ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انطلقوا بنا الی البصیر الذی فی بنی واقف نعودہ۔	ہم کو اس بینا کے پاس لے چلو جو بنی واقف میں رہتا ہے اس کی عیادت کریں گے۔

حافظ عراقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

فَبَعَثَ عُمَیرًا الخَطمِیَا ۔۔۔ لِقَتلِ عَصمَا هَجَتِ النَّبِیَّا صلی اللہ علیہ وسلم

غزوۂ قرقرۃ الکُدر

غزوۂ بدر کی مراجعت کے بعد شروع شوال میں سلیم اور غطفان کے اجتماع کی خبر پا کر آپ نے دو سو آدمیوں کے ساتھ خروج فرمایا۔ جب آپ چشمۂ کدر پہنچے تو معلوم ہوا کہ دشمنان اسلام پہلے

ہی سے آپ کی خبر پاکر منتشر ہو چکے ہیں تین روز قیام فرما کر بلا جدال و قتال واپس آ گئے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سے آپ نے ایک سریہ اُن کے تعاقب میں روانہ فرمایا جو غنیمت میں پانسو۵۰۰ اونٹ لے کر واپس ہوا۔

بقیہ شوال اور ذی قعدہ آپ مدینہ میں مقیم رہے اور اسی عرصہ میں اسیران بدر فدیہ لے کر رہا کئے گئے[1]

قتل ابی عفک یہودی

شوال ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سالم بن عمیر[2] رضی اللہ عنہ کو ابو عفک یہودی کے قتل کے لئے روانہ فرمایا:

ابو عفک مذہبا یہودی تھا۔ بوڑھا تھا ایک سو بیس سال کی عمر تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں شعر کہتا تھا اور لوگوں کو آپ کی عداوت پر برانگیختہ کرتا تھا۔ جب اس کی دریدہ دہنی حد سے گذر گئی تو یہ ارشاد فرمایا:

من لی بھذا الخبیث — کون ہے جو میرے لئے یعنی محض میری عزت و حرمت کے لئے اس خبیث کا کام تمام کرے۔

سالم بن عمیر نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے پہلے ہی منت مانی ہوئی ہے کہ ابو عفک کو قتل کر دوں گا یا خود مر جاؤں گا۔ یہ سنتے ہی سالم تلوار لے کر روانہ ہوئے۔ گرمی کی رات تھی کہ ابو عفک غفلت کی نیند سو رہا تھا۔ پہنچتے ہی تلوار اس کے جگر پر رکھی اور اس زور سے دبایا کہ پار ہو کر بستر تک پہنچ گئی عدو اللہ ابو عفک نے ایک چیخ ماری۔ لوگ دوڑے مگر کام تمام ہو چکا تھا[3]

---

[1] زرقانی۔ ج: ۱، ص: ۴۵۲ [2] سالم بن عمیر بدری بھی ہیں اور بیعت عقبہ میں بھی شریک ہوئے ہیں خوف خداوندی سے بہت رونے والے تھے۔ گریہ و بکا کی خاص کیفیت آپ پر طاری رہتی تھی ۱۲۔ اصابہ ترجمہ سالم بن عمیر حضرت معاویہ کے زمانہ میں انتقال فرمایا ۱۲ ؎ چوں خدا خواہد کہ یاری کند ؎ میل ما را جانب زاری کند ۱۲

[3] الطبقات الکبریٰ ابن سعد ج: ۲، ص: ۱۹ ـــ الصارم المسلول لابن تیمیہ۔ ص: ۱۰۳۔ عیون الاثر ص ۲۱ عیون الاثر ص ۲۱۔ زرقانی ج ۱ ص ۴۵۵

حافظ عراقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

فبعثہ سالما الی عفک   قتلہ آذی النبی وافک

اے کذب وافتری علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۲۱۳

غزوۂ بنی قینقاع

۱۵ شوال یوم شنبہ ۲ھ

بنی قینقاع۔ عبداللہ بن سلامؓ کے برادری کے لوگ تھے نہایت شجاع اور بہادر تھے زرگری کا کام کرتے تھے۔ شوال کی پندرہ سولہ تاریخ کو بروز شنبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بازار میں تشریف لے گئے اور سب کو جمع کر کے وعظ فرمایا۔

یا معشر یہود احذروا من اللہ مثل ما نزل بقریش من النقمۃ واسلموا فانکم قد عرفتم انی نبی مرسل تجدون ذلک فی کتابکم وعہد اللہ الیکم	اے گروہ یہود اللہ سے ڈرو جیسے بدر میں قریش پر خدا کا عذاب نازل ہوا کہیں اسی طرح تم پر نازل نہ ہو اسلام لے آؤ اس لئے کہ تحقیق تم خوب پہچانتے ہو کہ میں بالیقین اللہ کا نبی اور اس کا رسول ہوں جس کو تم اپنی کتابوں میں لکھا ہوا پاتے ہو اور اللہ نے تم سے اس کا عہد لیا ہے۔

یہود یہ سنتے ہی مشتعل ہوگئے اور یہ جواب دیا کہ آپ اس غرہ میں ہرگز نہ رہنا کہ ایک ناواقف اور ناتجربہ کار قوم یعنی قریش سے مقابلہ میں آپ غالب آگئے۔ واللہ اگر ہم سے مقابلہ ہوا تو خوب معلوم ہو جائے گا کہ ہم مرد ہیں اس پر حق جل وعلا نے یہ آیت نازل فرمائی۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ	تحقیق تمہارے لئے نشانی ہے ان دو جماعتوں میں کہ باہم ایک دوسرے سے لڑی ایک جماعت تو خدا کی راہ میں قتال کرتی تھی اور دوسری جماعت

وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ط　　کافروں کی تھی کہ مسلمانوں کو اپنے سے دوچند دیکھتی
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۱؎　　تھی کھلی آنکھوں سے اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے
اپنی امداد سے قوت دیتے ہیں تحقیق اس میں عبرت ہے اہلِ بصیرت کے لیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لائے تھے تو بنی قینقاع اور بنی قریظہ اور بنی نضیر سے یہ معاہدہ ہوا تھا کہ ہم نہ آپ سے جنگ کریں گے اور نہ آپ کے دشمن کو کسی قسم کی مدد دیں گے، مگر سب سے پہلے بنی قینقاع نے عہد شکنی کی اور نہایت درشتی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیا اور آمادہ جنگ ہو گئے۔

یہ لوگ مضافات مدینہ میں رہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اپنے بجائے ابولبابہ بن عبد المنذر انصاری رضی اللہ عنہ کو مقرر فرما کر بنی قینقاع کی طرف خروج فرمایا۔ ان لوگوں نے قلعہ میں داخل ہو کر دروازہ بند کرلیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ شوال سے لے کر غرہ ذی قعدہ تک انکا محاصرہ فرمایا۔ بالآخر مجبور ہو کر سولھویں روز یہ لوگ قلعہ سے اتر آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مشکیں باندھنے کا حکم دیا۔

راس المنافقین عبداللہ بن ابی سلول کی الحاح وزاری کی وجہ سے قتل سے تو درگزر فرمایا مگر مال واسباب لے کر جلائے وطن کا حکم دے دیا۔ اور مالِ غنیمت لے کر مدینہ منورہ واپس ہوئے ایک خُمس خود لیا اور چار خُمس غانمین پر تقسیم فرمایا، بدر کے بعد یہ پہلا خُمس تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے لیا۔

عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنی قینقاع سے میرے حلیفانہ تعلقات تھے اُن کی اس شرارت اور بدعہدی کو دیکھ کر اُن سے تعلق قطع کرلیا اور اُن سے تبری اور بیزاری کا اعلان کیا۔

یا رسول اللّٰہ اتبرأ الی اللّٰہ والٰی　　یارسول اللہ میں آپ کے دشمنوں سے بری اور
رسولہ والتولی اللّٰہ ورسولہ　　بیزار ہو کر اللہ اس کے رسول کی طرف آتا ہوں اور

۱؎ آلِ عمران، آیۃ: ۱۳

والمؤمنين وابرأ من حلف الکفار وموالاتھم [1]

اللہ اور اس کے رسول اور اہلِ ایمان کو اپنا دوست اور حلیف بناتا ہوں اور کافروں کی دوستی اور عہد سے بالکلیہ بری اور علیحدہ ہوتا ہوں۔

ف:- اس حدیث سے ظاہر ہے کہ ایمان کے لیے جیسے اللہ اور اُس کے رسول اور عباد مؤمنین کی محبت ضروری ہے اسی طرح اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے عداوت و نفرت، بیزاری اور برارت کا اعلان بھی ضروری ہے۔ تولّا بے تبرا نیست ممکن ایسی ہی جگہ صادق ہے تفصیل اگر درکار ہے تو عارف ربانی شیخ مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ کی مکتوبات کی مراجعت فرمائیں کہ ایمان کے لیے فقط تصدیق کافی نہیں جب تک کہ خدا کے دشمنوں سے تبرّی اور بیزاری نہ ہو۔ اور یہی امام محمد رح سے منقول ہے کہ تبرّی عن الکفر والکفار ایمان کی شرط لازم ہے جیسا کہ علم کلام کی کتابوں میں مذکور ہے۔

غزوۂ سویق

۵، ذی الحجہ ۲ھ

بدر سے جب مشرکین کا ہزیمت خوردہ لشکر خائب و خاسر مکہ پہنچا تو ابوسفیان بن حرب نے یہ قسم کھائی کہ جب تک مدینہ پر حملہ نہ کرلوں گا اور اس وقت تک غسل جنابت نہ کروں گا۔

چنانچہ اپنی قسم پوری کرنے کے لیے شروع ذی الحجہ میں دو سو سواروں کو ہمراہ لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ بمقام عُرَیض میں پہنچ کر جو مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے ایک کھجور کے باغ میں گھسے وہاں دو شخص زراعت کے کام میں مصروف تھے ایک شخص انصار میں سے تھا اور دوسرا اجیر تھا اُن دونوں کو قتل کیا اور کچھ درخت جلائے اور سمجھے کہ ہماری قسم پوری ہوگئی اور بھاگ گئے۔

---

[1] البدایۃ والنہایۃ - ج ۳، ص ۳

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب علم ہوا تو تاریخ ۵ ذی الحجہ یوم یکشنبہ دو سو مہاجرین اور انصار کو لے کر ابوسفیان کے تعاقب میں روانہ ہوئے مگر کوئی ہاتھ نہ آیا یہ لوگ پہلے ہی نکل بھاگے تھے۔ چلتے وقت بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ستو کے جو تھیلے ہمراہ لائے تھے وہ چھوڑ گئے تھے وہ سب مسلمانوں کو ہاتھ آئے اس لئے اس غزوہ کا نام غزوۃ السویق ہے یعنی ستو والا غزوہ۔[۵]

عید الاضحیٰ

۹ ذی الحجۃ الحرام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۃ السویق سے واپس ہوئے اور ۱۰ ذی الحجۃ الحرام کو دو رکعت نماز عید ادا فرمائی۔ اور دو مینڈھے قربانی کئے اور مسلمانوں کو قربانی کا حکم دیا۔ مسلمانوں کی یہ پہلی بقر عید تھی۔[۵]

نکاح سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اسی[۵] سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمائی۔

اوّل حضرت ابوبکر نے اور پھر حضرت عمر نے آپ سے اس سعادت کے حصول کی خواہش ظاہر فرمائی۔ مگر آپ نے سکوت فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یہ ارشاد فرمایا میں حکم الٰہی کا منتظر ہوں بعد ازاں حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم نے حضرت علی کو مشورہ دیا کہ آپ اپنے لئے صاحبزادی کا پیام دیں۔ حضرت علی نے اس مخلصانہ اور خیر خواہانہ مشورہ کی بنا پر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ استدعا پیش کی آپ نے حسب[۵] نزول وحی حضرت علی کے پیام کو منظور فرمایا۔

---

۵ - زرقانی، ج: ۱ ص: ۴۵۸ ۵ الیضا۔ ص: ۴۶۰

۵ - یعنی سنہ ۲ھ میں اس میں اختلاف ہے کہ مہینہ کونسا تھا ذی الحجہ یا محرم یا صفر واللہ اعلم ۱۲ زرقانی

۵ - معجم طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ فاطمہ کا علی سے نکاح کر دوں رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور اس حدیث کے سب ثقہ ہیں۔ ۱۲ زرقانی ص ۵/۲۰

حضرت علی فرماتے ہیں کہ جب میں نے پیام دینے کا ارادہ کیا تو دل میں یہ خیال آیا کہ واللہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں، حالانکہ شادی کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور ہونا چاہیئے لیکن آپ کے احسانات اور مکارم اور آپ کے الطاف اور مہربانیوں نے ہمت دلائی اور آپ کی بارگاہ میں یہ استدعا پیش کر دی۔

آپ نے ارشاد فرمایا تمہارے پاس مہر میں دینے کے لئے کوئی چیز بھی ہے، میں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا وہ زرہ جو تم کو جنگ بدر میں ملی تھی وہ کہاں ہے۔ میں نے عرض کیا وہ تو موجود ہے آپ نے فرمایا بہتر ہے وہی زرہ فاطمہ کو مہر میں دے دینا رواہ احمد وابن سعد وابن اسحاق (اصابہ ترجمہ فاطمۃ الزہراؓ)۔

حضرت علی نے اس زرہ کو حضرت عثمان کے ہاتھ ۴۸۰ درہم میں فروخت کیا اور وہ تمام درہم لا کر آنحضرت کے سامنے ڈال دیئے آنحضرت نے فرمایا اس میں سے خوشبو اور کپڑوں کا انتظام کر لو۔[۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحب زادی کو جہیز میں جو سامان دیا وہ یہ تھا۔ ایک لحاف اور ایک چمڑے کا گدا جس میں بجائے روئی کے کسی درخت کی چھال بھری ہوئی تھی اور دو چکیاں اور ایک مشکیزہ اور دو مٹی کے گھڑے (رواہ احمد کذا فی الترغیب والترہیب للمنذریؒ[۲] باب الترغیب فی الاذکار بعد المکتوبات وکذا فی الاصابہ ترجمہ فاطمۃ الزہراءؓ

جب عروسی کا وقت آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا کہ کوئی مکان لے لو۔ حضرت علی نے ایک مکان کرایہ پر لے لیا۔ اور اس میں عروسی فرمائی حضرت فاطمہ نے مشورہ دیا۔ کہ حارثہ بن النعمان کا مکان مانگ لو۔ حضرت علی نے فرمایا مجھ کو شرم آتی ہے کسی طرح یہ خبر حضرت حارثہ کو پہنچ گئی حارثہ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ خدا کی قسم جو

---

[۱] زرقانی ج: ۲، ص: ۳
[۲] ایضاً ج: ۲، ص: ۲۶۰

ے لیں گے وہ اس سے کہیں زیادہ محبوب ہوگا کہ جو چھوڑ دیں گے۔ آپ نے فرمایا صَدَقْتَ بَارَكَ اللّٰهُ فِيْكَ[1]۔ تو نے سچ کہا اللہ تجھ میں برکت دے حارثہ دوسری جگہ منتقل ہو گئے اور حضرت علی اور حضرت فاطمہ کو اپنے مکان میں لاکر اتارا۔ (اخرجہ ابن سعد) اصابہ ترجمہ فاطمۃ الزہراء

غزوۂ غطفان

(۳ھ)

جس کو غزوۂ انمار اور غزوۂ ذی اَمَر بھی کہتے ہیں

غزوۂ سویق سے واپسی کے بعد بقیہ ذی الحجہ آپ مدینہ منورہ ہی میں مقیم رہے اس اثنار میں آپ کو یہ خبر پہنچی کہ بنی ثعلبہ اور بنی محارب (جو کہ قبیلہ غطفان کی شاخیں ہیں) نجد میں جمع ہو رہے ہیں اور ان کا ارادہ یہ ہے کہ اطراف مدینہ میں لوٹ ڈالیں اور دعثور غطفانی ان کا سردار تھا، ماہ محرم الحرام ۳ھ میں آپ نے غطفان پر چڑھائی کی غرض سے نجد کی طرف خروج فرمایا اور مدینہ میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا اور چار سو پچاس صحابہ آپ کے ہمراہ تھے غطفانی آپ کی خبر سنتے ہی پہاڑوں میں منتشر ہو گئے صرف ایک شخص بنی ثعلبہ کا ہاتھ آیا صحابہ نے پکڑ کر اس کو آپ کی خدمت میں پیش کیا، آپ نے اس کو اسلام کی دعوت دی وہ اسلام لے آیا صفر کا پورا مہینہ وہیں گزرا لیکن کوئی شخص مقابلہ پر نہ آیا بلا جدال و قتال ربیع الاول میں مدینہ واپس تشریف لائے۔[2]

اس سفر میں یہ واقعہ پیش آیا کہ راستے میں بارش ہو گئی اور صحابہ کے کپڑے بھیگ گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بھیگے ہوئے کپڑے ایک درخت پر سوکھنے کے لئے ڈال دیئے اور خود

---

[1] یعنی اللہ تعالیٰ تیری ذات کو برکاتِ غیبیہ اور خیراتِ سماویہ کا مخزن اور معدن بنادے یہ معنی فی کرنیہ سے سمجھ میں آتے ہیں۔ فافہم ذلک واستقم۔

[2] البدایۃ والنہایۃ، ج ۴، ص ۲۔

اس درخت کے نیچے لیٹ گئے، وہاں کے اعراب آپ کو دیکھ رہے تھے۔ اعراب نے اپنے سردار دعثور سے جو ان میں بڑا بہادر تھا یہ کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس درخت کے نیچے تنہا لیٹے ہوئے ہیں اور اُن کے اصحاب منتشر ہیں تو جا کر اُن کو قتل کر آ، دعثور نے ایک نہایت تیز تلوار لی اور برہنہ تلوار لے کر آپ کے پاس کھڑا ہو گیا اور کہا اے محمد۔ بتاؤ آج تم کو میری تلوار سے کون بچائے گا۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ بچائے گا۔ آپ کا یہ فرمانا تھا کہ جبریل امین نے اُس کے سینہ میں مکّہ مارا اسی وقت تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی اور حضور پُر نور نے اس کو اٹھا لی اور دعثور سے فرمایا کہ تم بتاؤ کہ اب تم کو میری تلوار سے کون بچائے گا، اس نے کہا کوئی نہیں اور اسلام لے آیا اور یہ کلمہ پڑھا اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اور یہ وعدہ کیا کہ اب آپ کے مقابلہ کے لئے کوئی فوج جمع نہ کروں گا۔ آپ نے دعثور کو اس کی تلوار واپس کر دی۔ دعثور تھوڑی دور چلا اور واپس آیا اور یہ عرض کیا واللہ مجھ سے آپ بہتر ہیں دعثور جب اپنی قوم کی طرف واپس آیا تو لوگوں نے اُس سے کہا کہ جو بات تو کہہ کر گیا تھا وہ کہاں گئی اس پر دعثور نے سارا ماجرا بیان کیا اور کہا اس طرح غیب سے میرے سینہ میں ایک مکّا لگا جس سے میں چت گر پڑا۔ اس طرح گرنے سے میں نے پہچان لیا اور یقین کر لیا کہ وہ مکّہ مارنے والا کوئی فرشتہ ہے، اس لئے میں نے اسلام قبول کیا اور آپ کی رسالت کی شہادت دی اور اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی اور اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا	اے ایمان والو اللہ کے اُس انعام کو یاد کرو
نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ	کہ جب ایک قوم نے یہ قصد کیا کہ تم پر ہاتھ چلائیں
اَنْ یَّبْسُطُوْۤا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ	تو اللہ تعالےٰ نے اُن کے ہاتھ
فَكَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ [1]	روک دیئے۔

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اسی قسم کا واقعہ اور قصہ غزوۂ ذات الرقاع میں بھی مروی ہوا ہے واقدی نے اس قصہ کو غزوۂ غطفان کے بیان میں ذکر کیا ہے۔ اگر یہ محفوظ ہے تو یہ دو مختلف

---

[1] المائدہ - آیۃ : 11

قصے ہیں ایک غزوۂ غطفان میں پیش آیا اور ایک غزوۂ ذات الرقاع میں جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا[1]
علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ محققین کی رائے یہ ہے کہ یہ دو قصے علیحدہ علیحدہ ہیں[2]

غزوۂ بُحْران

غزوۂ غطفان سے واپسی کے بعد ماہ ربیع الاول آپ نے مدینہ میں گزارا، ربیع الثانی میں آپ کو یہ خبر پہنچی کہ مقام بحران جو حجاز کا معدن ہے وہاں بنی سلیم[3] اسلام کی مخالفت پر جمع ہو رہے ہیں آپ نے خبر پاتے ہی تین سَو صحابہ کی معیت میں بحران کی طرف خروج فرمایا اور مدینہ پر عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر فرمایا۔

وہ لوگ آپ کی تشریف آوری کی خبر سنتے ہی منتشر ہو گئے اور بلا جدال وقتال مدینہ واپس آگئے۔

علماء سیر کا اس میں اختلاف ہے کہ بحران میں کتنی مدت آپ نے قیام فرمایا، بعض کہتے ہیں صرف دس شب قیام کیا اور بعض کہتے ہیں کہ ۱۴ جمادی الاولیٰ تک قیام فرمایا[4]

قتل کعب بن اشرف یہودی

(۱۴ شب ربیع الاول ۳ھ)

مدینہ منورہ میں جب فتح بدر کی بشارت پہنچی تو کعب بن اشرف یہودی کو بے حد صدمہ ہوا۔ اور یہ کہا کہ اگر یہ خبر صحیح ہے کہ مکہ کے بڑے بڑے سردار اور اشراف مارے گئے تو پھر زمین کا بطن (اندرون) اس کی ظہر (پشت) سے بہتر ہے۔ یعنی مر جانا جینے سے بہتر ہے تاکہ آنکھیں اس ذلت اور رسوائی کو نہ دیکھیں۔

---

[1] الخصائص الکبریٰ۔ ج: ۱، ص: ۲۱۰۔ البدایہ والنہایہ۔ ج ۴، ص: ۲
[2] زرقانی، ج ۲، ص: ۱۶
[3] اسی وجہ سے اس غزوہ کو غزوۂ بنی سلیم بھی کہتے ہیں۔ ۱۲۔ زرقانی
[4] طبقات ابن سعد، ج: ۲، ص: ۲۴۔ شرح زرقانی ج ۲، ص: ۸۔ فتح الباری۔ ج: ۷، ص: ۲۵۹

لیکن جب اس خبر کی تصدیق ہوگئی تو مقتولین بدر کی تعزیت کے لئے مکہ روانہ ہوا۔ اور جو لوگ بدر میں مارے گئے ان کے مرثیے لکھے جن کو پڑھ پڑھ کر خود بھی روتا تھا اور دوسروں کو بھی رُلاتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ کے مقابلہ میں لوگوں کو جوش دلا دلا کر آمادۂ قتال کرتا تھا۔ ایک روز قریش کو حرم میں لے کر آیا سب نے بیت اللہ کا پردہ تھام کر مسلمانوں سے قتال کرنے کا حلف اٹھایا۔ بعد چندے مدینہ واپس آیا اور مسلمان عورتوں کے متعلق عشقیہ اشعار کہنے شروع کئے [1]

کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ کعب ابن اشرف بڑا شاعر تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں اشعار کہا کرتا تھا اور کفار مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کیلئے ہمیشہ بھڑکاتا رہتا تھا اور مسلمانوں کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتا تھا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو صبر اور تحمل کا حکم فرماتے رہے لیکن جب کسی شرارت سے باز نہ آیا تو آپ نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ (رواہ ابو داؤد والترمذی) فتح الباری باب قتل کعب بن الاشرف۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ کعب بن اشرف نے آپ کو دعوت کے بہانے سے بلایا اور کچھ آدمی متعین کر دیئے کہ جب آپ تشریف لائیں تو قتل کر ڈالیں۔ آپ آکر بیٹھے ہی تھے کہ جبرئیل امین نے آکر آپ کو ان کے ارادہ سے مطلع کر دیا آپ فوراً وہاں سے روح الامین کے پروں کے سایہ میں باہر تشریف لے آئے اور واپسی کے بعد قتل کا حکم دیا۔[2]

صحیح بخاری میں حضرت جابر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کعب بن اشرف کے قتل کے لئے کون تیار ہے اس نے اللہ اور اس کے رسول کو بہت[3] ایذا پہنچائی ہے یہ سنتے ہی محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ اس کا قتل چاہتے ہیں۔

---

[1] زرقانی، ج ۲، ص: ۹ - ابن ہشام - ج ۲ - ص ۱۱
[2] فتح الباری، ج ۷، ص: ۲۵۹ -
[3] دوسری روایت ہے کہ تحقیق اس شخص نے ہم کو اپنے اشعار سے ایذا اور تکلیف دی اور مشرکین مکہ کو ہمارے مقابلہ میں قوت پہنچائی (رواہ الحاکم فی الاکلیل) فتح الباری ص ۲۵۹ ج ۷ زرقانی ص ۱۰ ج ۲

آپ نے فرمایا ہاں۔ محمد بن مسلمہ نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر مجھکو کچھ کہنے کی اجازت دیجئے۔ (یعنی ایسے مبہم اور تعریضی کلمات اور ذو معنی الفاظ) کہہ سکوں جن کو سن کر وہ بظاہر خوش ہوجائے آپ نے فرمایا اجازت ہے۔

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ایک روز کعب سے ملنے گئے اور اثنا گفتگو میں یہ کہا کہ یہ مرد یعنی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ہم سے (فقراء و مساکین پر تقسیم کرنے کے لئے) صدقہ اور زکوٰۃ مانگتا ہے) اور اس شخص نے ہم کو مشقت میں ڈال دیا ہے۔ (بے شک یہ چیز حریص اور طامع نفوس پر بہت شاق اور گراں ہے لیکن مخلصین اور صادقین کو صدق دل سے صدقات کا دینا اور فقراء و مساکین کی اعانت اور امداد کرنا انتہائی محبوب اور غایت درجہ لذیذ ہے۔ بلکہ خدا کی راہ میں مال نہ خرچ کرنا ان پر شاق اور گراں ہے۔)

میں اس وقت آپ کے پاس قرض لینے کے لئے آیا ہوں کعب نے کہا ابھی کیا ہے۔ آگے چل کر دیکھنا خدا کی قسم تم ان سے اُکتا جاؤ گے۔[۲] محمد بن مسلمہ نے کہا کہ اب تو ہم اُن کے پیرو ہو چکے ہیں ان کا چھوڑنا ہم پسند نہیں کرتے انجام کے منتظر ہیں۔ (اور دل میں یہ تھا کہ انجام کار اللہ اور اس کے رسول کی فتح اور دشمنوں کی شکست یقینی اور محقق جس میں شبہ کی ذرہ برابر گنجائش نہیں) اس وقت ہم یہ چاہتے ہیں کہ کچھ غلہ ہم کو بطور قرض دے دیں۔ کعب نے کہا بہتر ہے مگر کوئی چیز میرے پاس رہن رکھدو ان لوگوں نے کہا آپ کیا چیز رہن رکھوانا چاہتے ہیں۔ کعب نے کہا اپنی عورتوں[۳] کو رہن رکھدو۔ ان لوگوں نے کہا اپنی عورتوں کو کیسے رہن رکھ سکتے ہیں اوّل تو غیرت اور حمیت گوارا نہیں کرتی پھر یہ کہ آپ نہایت حسین و جمیل اور نوجوان[۴] ہیں۔ کعب نے کہا آپ اپنے لڑکوں کو رہن رکھدو۔ ان لوگوں نے کہا یہ تو ساری عمر کی

---

[۱] ۔ ابن عبد البر کی روایت میں ہے کہ محمد بن مسلمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ وعدہ کرنیکے بعد کئی روز تک متفکر رہے بالآخر کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی ابو نائلہ سلکان بن سلامہ بن وقش اور عباد بن بشر اور حارث بن اوس اور ابو عبس بن جبران لوگوں سے مل کر مشورہ کیا سب نے آمادگی ظاہر کی اور یک آواز سب نے یہ کہا کلنا نقتلہ ہم سب اس کو قتل کریں گے۔ پھر سب مل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ وہاں جاکر کچھ نہ کچھ کہنا پڑے گا۔ آپ نے فرمایا جو مناسب سمجھو وہ کہنا میری طرف سے اجازت ہے۔ ۱۲۔ ارشاد الساری۔ [۲] خدا کی قسم ہرگز نہیں میں سیرش نخواہد رہائی زبند ہے شکارش نجوید خلاص از کمند

[۳] ۔ اس سے اس شخص کی باطنی خباثت کا پتہ چلتا ہے۔ ۱۲ [۴] ۔ نوجوان کا لفظ ابن اسحاق کی روایت سے لیا گیا ہے۔ ۱۲

عار ہے لوگ ہماری اولاد کو یہ طعنہ دیں گے کہ تم وہی ہو جو دو سیر اور تین سیر غلہ کے معاوضہ میں رہن رکھے گئے تھے ہاں ہم اپنے ہتھیار تمھارے پاس رہن رکھ سکتے ہیں۔

عکرمہ کی ایک مرسل روایت میں ہے ان لوگوں نے یہ کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہم ہتھیاروں کے کس درجہ محتاج اور ضرورت مند ہیں لیکن با ایں ہمہ یہ ہوسکتا ہے کہ ہتھیار آپ کے پاس رہن رکھ دیں آہ لیکن یہ ناممکن ہے کہ عورتوں اور بیٹوں کو رہن رکھدیں۔ کعب نے اس کو منظور کیا اور یہ وعدہ ٹھہرایا کہ شب کو آکر غلہ لے جائیں اور ہتھیار رہن رکھ جائیں۔

حسب وعدہ یہ لوگ رات کو پہنچے اور جاکر کعب کو آواز دی، کعب نے اپنے قلعہ سے اُترنے کا ارادہ کیا۔ بیوی نے کہا اس وقت کہاں جاتے ہو کعب نے کہا۔ محمد بن مسلمہ اور میرا دودھ شریک بھائی ابونائلہ ہے کوئی غیر نہیں تم فکر نہ کرو۔ بیوی نے کہا مجھ کو اس آواز سے خون ٹپکتا ہوا نظر آتا ہے کعب نے کہا کہ شریف آدمی اگر رات کے وقت نیزہ مارنے کے لیے بھی بلایا جائے تو اس کو ضرور جانا چاہیے۔ اس اثناء میں محمد بن مسلمہ نے اپنے ساتھیوں کو یہ سمجھا دیا کہ جب کعب آئے گا تو میں اس کے بال سونگھوں گا جب دیکھو کہ میں نے اس کے بالوں کو مضبوط پکڑ لیا ہے تو فوراً اس کا سر اُتار لینا، چنانچہ جب کعب نیچے آیا تو سرتاپا خوشبو سے معطر تھا۔ محمد بن مسلمہ نے کہا، آج جیسی خوشبو تو میں نے کبھی سونگھی ہی نہیں۔ کعب نے کہا میرے پاس عرب کی سب سے زیادہ حسین وجمیل اور سب سے زیادہ معطر عورت ہے۔ محمد بن مسلمہ نے کہا کیا آپ مجھ کو اپنے معطر سر کے سونگھنے کی اجازت دیں گے، کعب نے کہا ہاں اجازت ہے۔ محمد بن مسلمہ آگے بڑھ کر خود بھی سر کو سونگھا اور اپنے رفقاء کو بھی سونگھایا۔ کچھ دیر کے بعد پھر محمد بن مسلمہ نے کہا کیا آپ دوبارہ اپنا سر سونگھنے کی اجازت دیں گے۔ کعب نے کہا شوق سے محمد بن مسلمہ اٹھے اور سر سونگھنے میں مشغول ہو گئے جب سر کے بال مضبوط پکڑ لیے تو ساتھیوں کو اشارہ کیا۔ فوراً ہی سب نے اس کا سر قلم کیا اور آناً فاناً اس کا کام تمام کیا[1]

اور اخیر شب میں رسول اللہ صلی اللہ کی خدمت میں پہنچے آپ نے دیکھتے ہی یہ ارشاد فرمایا:

---

[1] فتح الباری، ج: ۷، ص: ۲۶۰

اَفْلَحَتِ الْوُجُوْهُ　　ان چہروں نے فلاح پائی اور کامیاب ہوئے۔

ان لوگوں نے جواباً عرض کیا:

وَ وَجْهُكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰه　　اور سب سے پہلے آپ کا چہرۂ مبارک اے اللہ کے رسول

اور بعد ازاں کعب بن اشرف کا سر آپ کے سامنے ڈال دیا۔ آپ نے الحمد للہ اور اللہ کا شکر کیا۔[1]

جب یہود کو اس واقعہ کا علم ہوا تو یک لخت مرعوب اور خوف زدہ ہو گئے اور جب صبح ہوئی تو یہود کی ایک جماعت نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا۔ کہ ہمارا سردار اس طرح مارا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کو طرح طرح سے ایذائیں پہنچاتا تھا اور لوگوں کو ہمارے قتال پر برانگیختہ اور آمادہ کرتا تھا۔ یہود دم بخود رہ گئے اور کوئی جواب نہ دے سکے اور بعد ازاں آپ نے ان سے ایک عہد نامہ لکھوایا کہ یہود میں سے آئندہ کوئی اس قسم کی حرکت نہ کرے گا (طبقات ابن سعد)

کعب ابن اشرف کے قتل کے اسباب

روایات حدیث سے کعب بن اشرف کے جو وجوہ اور اسباب معلوم ہو سکے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:۔

(۱)۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں دریدہ دہنی اور سب وشتم اور گستاخانہ کلمات کا زبان سے نکالنا۔ (۲) آپ کی ہجو میں اشعار کہنا۔ (۳) غزلیات اور عشقیہ اشعار میں مسلمان عورتوں کا بطور تشبیب ذکر کرنا۔ (۴) غدر اور نقض عہد۔ (۵) لوگوں کو آپ کے مقابلہ کے لئے ابھارنا اور اکسانا اور ان کو جنگ پر آمادہ کرنا۔ (۶) دعوت کے بہانہ سے آپ کے قتل کی سازش کرنا۔ (۷) دین اسلام پر طعن کرنا۔

لیکن قتل کا سب سے قوی سبب آپ کی شان اقدس میں دریدہ دہنی اور سب وشتم اور آپ کی ہجو میں اشعار کہنا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب الصارم المسلول علی

---

[1] فتح الباری، ج: ۷، ص: ۲۴۲

شاتم الرسول میں ص۹۰ تا ص۹۱ اس پر مفصل کلام کیا ہے۔

زہری سے مروی ہے کہ یہ آیت

وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ أَشْرَكُوْٓا أَذًى كَثِيْرًا ط[1]　　اور البتہ سنو گے تم اہل کتاب سے اور مشرکین سے بہت بدگوئی اور بدزبانی۔

کعب بن اشرف کے بارے میں نازل ہوئی (عیون الاثر ج۱ ص۳۰۰)

عباد بن بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بارے میں یہ اشعار کہے۔

صرخت بہ فلم یعرض لصوتی　　واوفی طالعا من راس جدر

فعدت لہ فقال من المنادی　　فقلت اخوک عبّاد بن بشر

وھذی درعنا رھنا فخذھا　　لشھر ان وفی اونصف شھر

فاقبل نحونا یھوی سریعا　　وقال لنا لقد جئتم لامر

وفی ایماننا بیض حداد　　مجرّبة بھا الکفار نفری

فعانقہ ابن مسلمة المردّی　　بہ الکفار کاللیث الھزبر

وشدّ بسیفہ صلتا علیہ　　فقطّرہ ابو عبس بن جبر

وکان اللہ سادسنا فأبنا　　بانعم نعمة واعزّ نصر

وجاء برأسہ نفر کرام[2]　　ھم ناھیک من صدق وبرّ

حافظ عراقی الفیۃ السیر میں فرماتے ہیں:

فَبَعَثَهٗ محمد بن مَسْلَمَةْ　　فی رُفقة لِقتلِ کعبِ المَلأمة

جاؤا برأسہ فأتدموہ　　قال لھما افلحت الوجوہ

---

[1] - آلِ عمران، آیۃ: ۱۸۶

[2] - عیون الاثر، ج ۱، [illegible] : ۳۰۱ - مستدرک ج ۳ ص: ۴۳۵ ترجمہ محمد بن مسلمہ انصاری۔

اسلام حویصہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ

کعب بن اشرف کے قتل کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو یہ حکم دیا کہ اس قسم کے یہود کو جہاں کہیں پاؤ قتل کر ڈالو چنانچہ حویصہ بن مسعود کے چھوٹے بھائی محیصہ بن مسعود نے ابن سبینہ یہودی کو قتل کر ڈالا۔ (جو تجارت کرتا تھا اور خود حویصہ اور محیصہ اور دیگر اہلِ مدینہ سے داد وستد کا معاملہ رکھتا تھا۔

حویصہ ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے اور محیصہ پہلے سے مسلمان تھے حویصہ چونکہ عمر میں بڑے تھے محیصہ کو پکڑ کر مارنا شروع کیا اور یہ کہا کہ اے اللہ کے دشمن تو نے اس کو قتل کر ڈالا خدا کی قسم اس کے مال سے کتنی چربی تیرے پیٹ میں ہے، محیصہ نے کہا:

واللہ لقد امرنی بقتلہ مَنْ لو امرنی بقتلك لضربت عنقك	خدا کی قسم مجھکو اس کے قتل کا ایسی ذات نے حکم دیا ہے کہ اگر وہ ذات بابرکات تیرے قتل کا بھی حکم دیتی تو واللہ میں تیری بھی گردن اُڑا دیتا۔

حویصہ نے کہا:

آللہ لو امرك محمد بقتلی لقتلتنی	کیا خدا کی قسم اگر محمد تجھکو میرے قتل کا حکم دے تو واقعی تم مجھکو قتل کر ڈالے گا۔

محیصہ نے کہا:

نعم واللہ لو امرنی بضرب عنقك لضربتها	ہاں خدا کی قسم اگر تیری گردن مارنے کا حکم دیتے تو ضرور تیری گردن مارتا۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے بعد ذرہ برابر تیرے بھائی ہونے کا خیال نہ کرتا حویصہ یہ سن کر حیران رہ گئے اور بے ساختہ بول اٹھے کہ خدا کی قسم یہی دین حق ہے جو دلوں میں اس درجہ راسخ اور مستحکم اور رگ و پے میں اس طرح جاری وساری ہے۔ اس کے بعد حویصہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی خدمت حاضر ہوئے اور سچے دل سے اسلام قبول کیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

سریۂ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(غرۂ جمادی الآخر ۳ھ)

واقعۂ بدر کے بعد قریش مکہ مسلمانوں سے اس درجہ مرعوب اور خوف زدہ ہو گئے، کہ اُن کے چھیڑ چھاڑ کے اندیشہ سے اپنا قدیم راستہ ہی چھوڑ دیا چنانچہ بجائے شام کے راستہ کے عراق کا راستہ اختیار کیا اور رہبری کے لئے فرات بن حیان عجلی کو اُجرت پر ہمراہ لیا اور ایک قافلہ بغرض تجارت مکہ سے مال کثیر لے کر براہِ عراق روانہ ہوا جس میں ابو سفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ اور حویطب بن عبد العزیٰ و عبداللہ بن ابی ربیعہ بھی تھے۔ (فتح مکہ میں یہ چاروں حضرات مشرف باسلام ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس قافلہ کی اطلاع ہوئی تو سو صحابہ کی جمعیت کو زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی امارت اور سرکردگی میں روانہ فرمایا:

ان لوگوں نے پہنچ کر حملہ کیا۔ قافلہ حاصل کر لینے میں تو کامیاب ہو گئے مگر اعیان قوم اور اشراف خاندان اور قافلہ والے سب بھاگ گئے صرف فرات بن حیان عجلی کو گرفتار کر کے اپنے ہمراہ لائے مدینہ پہنچ کر مسلمان ہو گئے۔ مالِ غنیمت کی کثرت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کا خمس جو نکالا گیا تو اس کی تعداد بیس ہزار درہم تھی۔ تو معلوم ہوا کہ غنیمت کی مجموعی تعداد ایک لاکھ درہم تھی۔[1]

قتل ابی رافع

(نصف جمادی الثانیہ ۳ھ)

ابو رافع ایک بڑا مالدار یہودی تاجر تھا، ابو رافع کنیت تھی عبداللہ بن ابی الحقیق اس کا نام

[1] طبقات ابن سعد۔ ج ۰ ۰ : ۲۵ ۔ زرقانی، ج: ۲: ص: ۱۰

تھا۔ سلاّم بن ابی الحُقیق بھی کہتے تھے۔ خیبر کے قریب ایک گڑھی میں رہتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت دشمن تھا اور طرح طرح سے آپ کو ایذا اور تکلیف پہنچاتا تھا کعب بن اشرف کا معین اور مددگار تھا۔ یہی شخص غزوۂ احزاب میں قریش مکہ کو مسلمانوں پر چڑھا کر لایا اور بہت زیادہ ان کی مالی امداد کی اور ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی عداوت میں روپیہ خرچ کرتا رہتا تھا۔[1]

کعب بن اشرف کے قاتل محمد بن مسلمہ اور ان کے رفقاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم چونکہ سب قبیلۂ اوس کے تھے اس لئے قبیلۂ خزرج کو یہ خیال ہوا کہ قبیلۂ اوس نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جانی دشمن اور بارگاہ رسالت کے ایک گستاخ اور دریدہ دہن کعب بن اشرف کو قتل کر کے سعادت اور شرف حاصل کرلیا۔ لہٰذا ہم کو چاہیئے کہ بارگاہِ نبوت کے دوسرے گستاخ اور دریدہ دہن ابو رافع کو قتل کر کے دارین کی عزت و رفعت حاصل کریں۔ چنانچہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ابو رافع کے قتل کی اجازت چاہی آپ نے اجازت دی۔[2]

اور عبداللہ بن عتیک اور مسعود بن سنان اور عبداللہ بن انیس اور ابو قتادہ حارث بن ربعی اور خزاعی بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اس کے قتل کے لئے روانہ فرمایا اور عبداللہ بن عتیک کو ان پر امیر بنایا اور یہ تاکید فرمائی کہ کسی بچہ اور عورت کو ہرگز قتل نہ کریں۔[3]

نصف[4] جمادی الآخری ۳ھ کو عبداللہ بن عتیک مع اپنے رفقاء کے خیبر کی طرف روانہ ہوئے (تاریخ طبری ص ۴ ج ۳) صحیح بخاری میں براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ غروب آفتاب کے بعد جب لوگ اپنے جانور چراگاہ سے واپس لا چکے تھے تب یہ لوگ خیبر پہنچے، ابو رافع کا قلعہ جب قریب آگیا تو عبداللہ

---

[1]۔ البدایۃ والنہایۃ، ج: ۴، ص: ۱۳۰   [2]۔ فتح الباری، ج: ۷، ص ۲۶۲

[3]۔ فتح الباری، ج: ۷، ص: ۲۶۳

[4]۔ یہ امام طبری کا قول ہے ابن سعد فرماتے ہیں کہ ابو رافع کا قتل ماہ رمضان ۶ھ میں ہوا۔ اور بعض کہتے ہیں ذی الحجہ ۵ھ یا ۴ھ میں اور بعض کہتے ہیں رجب ۳ھ میں یہ واقعہ ہوا۔ امام بخاری صحیح بخاری میں زہری سے راوی ہیں کہ ابو رافع کعب بن اشرف کے بعد قتل ہوا۔ فتح الباری ص ۲۶۲ ج ۷

بن عتیک نے اپنے رفقاء سے کہا تم یہیں بیٹھو میں قلعہ کے اندر جانے کی کوئی تدبیر نکالتا ہوں، جب بالکل دروازہ کے قریب پہنچ گئے تو کپڑا اوڑھ کر اس طرح بیٹھ گئے جیسے کوئی قضاء حاجت کرتا ہو، دربان نے یہ سمجھ کر کہ یہ ہمارا ہی کوئی آدمی ہے یہ آواز دی کہ اے اللہ کے بندے اگر اندر آنا ہے تو جلد آجا میں دروازہ بند کرتا ہوں میں فوراً داخل ہوگیا اور ایک طرف چھپ کر بیٹھ گیا۔

ابورافع بالاخانہ پر رہتا تھا۔ اور شب کو قصہ گوئی ہوتی تھی جب قصہ گوئی ختم ہوگئی اور لوگ اپنے اپنے گھر واپس ہوگئے تو دربان نے دروازے بند کرکے کنجیوں کا حلقہ ایک کھونٹی پر لٹکا دیا۔

جب سب سو گئے تو میں اٹھا اور کھونٹی سے کنجیوں کا حلقہ اتار کر دروازہ کھولتا ہوا بالاخانہ پر پہنچا اور جو دروازہ کھولتا تھا وہ اندر سے بند کرلیتا تھا تاکہ لوگوں کو اگر میری خبر بھی ہوجائے تو میں اپنا کام کرگذروں۔

جب میں بالاخانہ پر پہنچا تو وہاں اندھیرا تھا اور ابورافع اپنے اہل وعیال میں سو رہا تھا۔ مجھ کو معلوم نہ تھا کہ ابورافع کہاں اور کدھر ہے۔ میں نے آواز دی۔ اے ابورافع۔ ابورافع نے کہا کون ہے میں نے اسی جانب ڈرتے ڈرتے تلوار کا وار کیا مگر خالی گیا۔ ابورافع نے ایک چیخ ماری میں نے تھوڑی دیر بعد آواز بدل کر ہمدردانہ لہجہ میں کہا اے ابورافع یہ کیسی آواز ہے، ابورافع نے کہا، ابھی مجھ پر کسی شخص نے تلوار کا وار کیا۔ یہ سنتے ہی میں تلوار کا دوسرا وار کیا جس سے اس کے کاری زخم آیا۔ بعدازاں میں نے تلوار کی دھار اس کے پیٹ پر رکھ کر اس زور سے دبائی کہ پشت تک پہنچ گئی جس سے سمجھا کہ میں اب اس کا کام تمام کرچکا اور واپس ہوگیا اور ایک ایک دروازہ کھولتا جاتا تھا۔ جب سیڑھی سے اترنے لگا تو یہ خیال ہوا کہ زمین قریب آگئی اترنے میں گر پڑا۔ اور پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی چاندنی رات تھی۔ عمامہ کھول کر ٹانگ کو باندھا اور اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور کہا تم چلو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت سناؤ۔ میں یہیں بیٹھا ہوں اس کی موت اور قتل کا اعلان سن کر آؤں گا۔ چنانچہ جب صبح ہوئی اور مرغ نے بانگ دی تو خبر دینے والے نے قلعہ کی فصیل سے اس کی موت کا اعلان کیا تب میں وہاں سے روانہ ہوا اور ساتھیوں سے آملا۔ اور کہا تیز چلو۔ اللہ نے ابورافع کو ہلاک کیا۔ وہاں سے چل کر رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خوش خبری سنائی اور جو واقعہ گزرا تھا وہ سب بیان کیا، آپ نے فرمایا اپنی ٹانگ پھیلاؤ میں نے ٹانگ پھیلا دی۔ آپ نے دستِ مبارک اس پر پھیرا ایسا معلوم ہوا گویا کہ کبھی شکایت ہی پیش نہ آئی تھی (بخاری شریف باب قتل ابی رافع فتح الباری باب قتل ابی رافع البدایۃ والنہایۃ ج۴ ص۱۳۷)

حافظ عراقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَبَعَثَہُ لابن عتیک معہ قومٌ من الخزرج کے تمنعہ[۵۱]

لخیبر لابن ابی الحُقَیْقِ لِقَتْلِہٖ آمِیْنَ بالتَّوفِیْقِ

واختلفوا تقتیلَ ذا فی السادس او ثالث او رابع او خامسہ

غزوۂ اُحد[۵۲]

شوال ۳ھ

قال اللہ تعالیٰ۔ وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَھْلِکَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِیْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ[۵۳]

قریشِ مکہ جب بدر سے بے طرح شکست کھا کر مکہ واپس ہوئے تو یہ معلوم ہوا کہ وہ کاروانِ تجارت جس کو ابوسفیان ساحلی راستے سے بچا کر نکال لائے تھے وہ مع اصل سرمایہ اور زرِ منافع دارالندوہ میں بطور امانت محفوظ ہے بدر کی اس بے طرح ہزیمت اور ذلت آمیز شکست کا زخم یوں تو ہر شخص کے دل میں تھا لیکن جن لوگوں کے باپ اور بیٹے بھائی اور بھتیجے خویش اور اقارب بدر میں مارے گئے ان کو رہ رہ کر جوش آتا تھا۔ جذبۂ انتقام سے ہر شخص کا سینہ لبریز تھا۔

۵۱۔ اسے تحفظ بدو الجماعۃ عبداللہ بن عتیک عما یغوبہ

۵۲۔ اُحد مدینہ منورہ کے ایک مشہور پہاڑ کا نام ہے جو مدینہ سے کم و بیش دو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ احد کو احد اس لئے کہتے ہیں کہ وہ دوسرے جبال (پہاڑوں) سے متوحد یعنی منفرد اور علیحدہ ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ ج۴ ص۹)

۵۳۔ آلِ عمران: آیۃ: ۱۲۱

بالآخر ابوسفیان[1] بن حرب۔ عبداللہ بن ابی ربیعہ۔ عکرمہ بن ابی جہل، حارث بن ہشام۔ حویطب بن عبدالعزّٰی۔ صفوان بن امیہ اور دیگر سرداران قریش ایک مجلس میں جمع ہوئے، کہ کاروان تجارت بطور امانت محفوظ ہے، اس میں سے اصل سرمایہ تو تمام شرکاء پر بقدر حصص تقسیم کر دیا جائے اور زرِ منافع کلیتہً محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جنگ کی تیاری میں صرف کیا جائے تاکہ ہم مسلمانوں سے اپنے باپ اور بیٹوں، خویش اور اقارب، اعیان اور اشراف کا جو بدر میں مارے گئے انتقام لیں یک آواز سب نے نہایت طیبِ خاطر سے اس درخواست کو قبول کیا اور زرِ منافع جس کی مقدار پچاس ہزار دینار تھی وہ سب اس کام کے لئے جمع کر دیا گیا۔

اسی بارے میں حق تعالٰی شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِیَصُدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَیُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَیْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ یُغْلَبُوْنَ (الانفال، ۳۶)	تحقیق کافر اپنے مالوں کو خرچ کر رہے ہیں تاکہ لوگوں کو خدا کے راستہ سے روک دیں پس اور بھی خرچ کریں گے اور پھر یہ سب ان پر حسرت اور افسوس ہو گے پھر آخر مغلوب ہوں گے۔

قریش کا عورتوں کو ہمراہ لے چلنا

غرض یہ کہ قریش نے خوب تیاری کی اور عورتوں کو بھی ہمراہ لیا تاکہ وہ رجزیہ اشعار سے لڑنے والوں کی ہمت بڑھائیں اور بھاگنے والوں کو غیرت دلائیں نیز لڑنے والے عورتوں کی بے حرمتی کے خیال سے دل کھول کر اور سینہ ٹھوک کر لڑیں پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیں اور قبائل میں قاصد دوڑائے کہ اس جنگ میں شریک ہو کر دادِ شجاعت دیں۔ اس طرح تین ہزار آدمیوں کا لشکر جمع

---

[1] جنگ بدر میں ابوسفیان کا بیٹا حنظلہ اور عکرمہ کا باپ ابوجہل اور حارث بن ہشام کا بھائی ابوجہل بن ہشام اور صفوان بن امیہ کا باپ امیہ قتل ہوئے تھے مگر بعد میں چل کر ابوسفیان اور عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عکرمہ بن ابی جہل اور حارث بن ہشام اور حویطب اور صفوان سب مسلمان ہوئے۔ رضی اللہ تعالٰی عنہم (زرقانی جزء ۲)

ہوگیا جن میں سے سات سو زرہ پوش تھے اور دو سو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ اور پندرہ عورتیں ہمراہ تھیں، یہ تین ہزار کا لشکر جرار نہایت کرّوفر سے ابوسفیان بن حرب کی سرکردگی میں ۵ شوال ۳ھ کو مکہ سے روانہ ہوا طبقات ابن سعد ج۲ ص۲۵ قسم اوّل زرقانی ج۲ ص۲ تاریخ طبری ج۳ ص۹

حضرت عباسؓ کا حضور پرنور کو قریش کے ارادے سے اطلاع دینا

حضرت عباس نے یہ تمام حالات لکھ کر نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے پاس ایک تیز رو قاصد کے ہاتھ روانہ کئے اور قاصد کو یہ تاکید کی کہ تین دن کے اندر اندر کسی طرح آپ کے پاس یہ خط پہنچا دے [۱]

حضور پرنور کا صحابہ سے مشورہ

یہ خبر پاتے ہی آپ نے انس اور مونس رضی اللہ عنہما کو قریش کی خبر لینے کے لئے روانہ فرمایا۔ انھوں نے آکر یہ اطلاع دی کہ قریش کا لشکر مدینہ کے بالکل قریب آپہنچا ہے۔ بعد ازاں حباب بن منذرؓ کو ان کا اندازہ کرنے کیلئے بھیجا کہ معلوم کریں فوج کی کتنی تعداد ہے، حبابؓ نے آکر ٹھیک اندازہ اور صحیح تخمینہ سے اطلاع دی تمام شب سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر اور سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم نے مسجد نبوی کا پہرہ دیا۔ اور شہر کے اطراف وجوانب میں بھی پہرے بٹھلا دیئے گئے طبقات ابن سعد ج۲ ص۲۵ قسم اوّل۔ یہ جمعہ کی شب تھی جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بلا کر مشورہ کیا۔ اکابر مہاجرین وانصار نے یہ مشورہ دیا کہ مدینہ ہی میں پناہ گزین ہو کر مقابلہ کیا جائے لیکن جو نوجوان جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے اور شوق شہادت میں بے چین اور بے تاب تھے ان کی یہ رائے ہوئی کہ مدینہ سے باہر نکل کر ان پر حملہ کیا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں نے خواب [۲] دیکھا کہ میں ایک مضبوط زرہ میں ہوں اور ایک گائے ہے کہ ذبح کی جا رہی ہے۔

---

[۱] زرقانی ج۲، ص۲۱۔ [۲] یہ خواب آپ نے اسی شب جمعہ میں دیکھا تھا۔ کما فی طبقات ابن سعد ج۲ ص۲۶

جس کی تعبیر یہ ہے کہ مدینہ بمنزلہ مضبوط زرہ کے ہے اور ذبح بقر سے اس طرف اشارہ ہے کہ میرے اصحاب میں سے کچھ لوگ شہید ہوں گے لہٰذا میری رائے میں مدینہ ہی میں قلعہ بند ہو کر مقابلہ کیا جائے اور خواب میں یہ بھی دیکھا کہ میں نے تلوار کو ہلایا اس کے سامنے کا حصہ ٹوٹ کر گر گیا۔ پھر اسی تلوار کو دوبارہ ہلایا تو وہ تلوار پہلے سے زیادہ عمدہ ہوگئی۔ جس کی تعبیر یہ تھی کہ صحابہ کرام بمنزلہ تلوار کے تھے جو آپ کے دشمنوں پر وار کرتے تھے صحابہ کو جہاد میں لے جانا بمنزلہ تلوار کے ہلانے کے تھا ایک مرتبہ ہلایا یعنی غزوہ احد میں تو اس کے سامنے کا حصہ ٹوٹ کر گر گیا۔ یعنی کچھ صحابہ شہید ہو گئے، پھر اسی تلوار کو دوسرے غزوہ میں استعمال کیا تو وہ تلوار پہلے سے زیادہ عمدہ اور تیز ہوگئی اور خوب دشمنوں پر چلی عبداللہ بن ابی رأس المنافقین سے بھی ہوشیار اور تجربہ کار ہونے کی وجہ سے مشورہ لیا گیا اس نے یہ کہا کہ تجربہ یہ ہے کہ جب کسی دشمن نے مدینہ پر حملہ کیا اور اہلِ مدینہ نے اندرونِ شہر ہی رہ کر مقابلہ کیا تو فتح ہوئی اور جب باہر نکل کر حملہ کیا گیا، تو ناکام رہے یا رسول اللہ آپ مدینہ سے باہر نکلئے خدا کی قسم جب کبھی ہم مدینہ سے باہر نکلے تو دشمنوں کے ہاتھ سے تکلیف اٹھائی اور جب کبھی ہم مدینہ میں رہے اور دشمن ہم پر چڑھ کر آیا تو دشمن نے ہمارے ہاتھ سے تکلیف اٹھائی آپ تو مدینہ کی ناکہ بندی فرما دیں دشمن اگر بالفرض مدینہ میں گھس آیا تو مرد ان کا تلوار سے مقابلہ کریں گے اور بچے اور عورتیں چھتوں سے سنگ باری کریں گی۔ اور اگر باہر سے باہر ہی ناکام واپس ہو گئے تو فہو المراد[1]

مگر بعض اکابر اور نوجوانوں نے اس پر زیادہ اصرار کیا کہ مدینہ سے باہر نکل کر حملہ کیا جائے، اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم تو اس دن کے متمنی اور مشتاق ہی تھے اور خدا سے دعائیں مانگ رہے تھے خدا وہ دن لے آیا اور مسافت بھی قریب ہے حضرت حمزہ اور سعد بن عبادہ اور نعمان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر ہم نے مدینہ میں رہ کر ان کی مدافعت کی تو ہمارے دشمن ہم کو خدا کی راہ میں بزدل خیال کریں گے اور حضرت حمزہ نے یہ کہا۔

وَالَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ لَا ۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ پر کتاب

---

[1] ۔ تاریخ طبری ج ۳، ص: ۱۱

المعم الیوم طعاما حتی اجالدھم بسیفی خارج المدینۃ[1]

نازل فرمائی ہیں اس وقت تک کھانا نہ کھاؤں گا جب تک مدینہ سے باہر نکل کر دشمنوں کا اپنی تلوار سے مقابلہ نہ کرلوں۔

نعمان بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔

یا رسول اللہ لا تحرمنا الجنۃ فو الذی بعثک بالحق لادخلن الجنۃ

اے اللہ کے رسول ہم کو جنت سے محروم نہ کیجئے قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے میں ضرور جنت میں داخل ہو کر رہوں گا۔

آپ نے فرمایا کس بنا پر۔ نعمان نے عرض کیا۔

لانی اشھد ان لا الہ الا اللہ وانک رسول اللہ ولا افر یوم الزحف

اس لئے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ اللہ کے برحق رسول ہیں اور میں لڑائی میں کبھی بھاگتا نہیں۔

اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں :

لانی احب اللہ ورسولہ

اس وجہ سے کہ میں اللہ اور اس کے رسول کو محبوب رکھتا ہوں۔

آپ نے فرمایا۔ صَدَقْتَ تو نے سچ کہا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ جنت کے شیدائی اور شہادت کے سودائی یعنی نوجوانوں کا اصرار تو پہلے ہی سے ہے کہ مدینہ سے باہر جا کر حملہ کیا جائے لیکن مہاجرین وانصار میں سے بھی بعض اکابر جیسے حضرت حمزہؓ اور سعد بن عبادہؓ شوق شہادت میں بے چین اور بے تاب ہیں اور اُنکی بھی یہی رائے ہے، تو آپ نے بھی یہی عزم فرما لیا۔

یہ جمعہ کا دن تھا۔ جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر وعظ فرمایا، اور جہاد وقتال کی ترغیب دی، اور تیاری کا حکم دیا۔

---

[1] البدایۃ والنہایۃ، ج: ۴، ص: ۱۲ ۔ زرقانی ۔ ج ۲، ص: ۲۳

یہ سنتے ہی خداوند ذوالجلال کے محبین مخلصین، عاشقین ذوالیمین اور خداوند قدوس تعالیٰ کے شائقین کے جانوں میں جان آگئی اور سمجھ گئے کہ اب اس دنیا کے جیل خانہ اور اس قفس سے ہماری رہائی کا وقت آگیا۔

خرم آن روز کزیں منزل ویران بردم
راحت جان طلبم وزپئے جانان بردم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تیاری اور سلاح پوشی

عصر کی نماز سے فارغ ہوکر آپ حجرۂ شریفہ میں تشریف لے گئے اور صاحبین (یعنی آپ کے وہ دو ساتھی جو دنیا میں بھی آپ کے ساتھ رہے اور عالم برزخ میں بھی آپ کے ساتھ ہیں اور میدان حشر اور حوضِ کوثر اور جنت میں بھی آپ کے ساتھ ہوں گے) یعنی ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وہ بھی آپ کے ساتھ حجرہ میں گئے۔

ہنوز آپ حجرۂ مبارکہ سے باہر تشریف نہ لائے تھے کہ سعد بن معاذ اور اُسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے لوگوں سے کہا کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہر سے باہر سے جاکر حملہ کرنے پر مجبور کیا حالانکہ آپ پر اللہ کی وحی اترتی رہتی ہے۔ مناسب یہ ہے کہ آپ کی رائے اور منشا پر چھوڑ دیا جائے۔ اتنے میں آپ دو زرہیں اوپر تلے پہن کر اور مسلح ہوکر باہر تشریف لے آئے۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ہم نے غلطی سے خلاف مرضی مبارک اصرار کیا جو ہمارے لئے کسی طرح مناسب اور زیبا نہ تھا۔ آپ صرف اپنی رائے پر عمل فرمائیں آپ نے فرمایا کسی نبی کے لئے[1] یہ جائز نہیں کہ ہتھیار لگا کر اتار دے یہاں تک کہ وہ اللہ کے دشمنوں سے جنگ کرے۔ اب اللہ کے نام پر چلو اور میں جو حکم دوں وہ کرو۔ اور سمجھ لو کہ جب تک تم صابر اور ثابت قدم رہو گے تو اللہ کی فتح اور نصرت تمہارے ہی لئے ہے۔

---

[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم آپ کی ساتھ مخصوص نہیں ہر پیغمبر علیہ السلام کا یہی حکم ہے کہ ہتھیار لگا لینے کے بعد بغیر جہاد کے ہتھیار اتارنا جائز نہیں۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نفل اور مستحب شروع کر لینے سے اس کا اتمام اور پورا کرنا واجب ہوتا جاتا ہے۔ فافہم ۱۲ منہ عفا عنہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی اور فوج کا معاینہ

۱۱ شوال یوم جمعہ بعد نماز عصر آپ ایک ہزار جمعیت کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے آپ گھوڑے پر سوار تھے اور سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما زرہ پہنے ہوئے آپکے آگے آگے تھے، اور سب مسلمان آپ کے داہنے اور بائیں چلتے تھے۔

یہ تمام تفصیل طبقات ابنِ سعد اور زرقانی میں مذکور ہے۔ مدینہ سے باہر نکل کر جب مقام شیخین[۱] پر پہنچے تو فوج کا جائزہ لیا ان میں جو نوعمر اور کم سن تھے ان کو واپس فرمایا جن میں سے بعض کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ　(۲) زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۳) ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ　(۴) عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۵) اسید بن ظہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ　(۶) عرابۃ بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۷) براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ　(۸) زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ کی خدمت میں سترہ صحابی پیش کئے گئے جن کی عمر چودہ چودہ سال کی تھی نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے نابالغ قرار دے کر واپس کر دیا جب ایک سال بعد پندرہ سال کے سن میں پیش کئے گئے تو آپ نے اجازت دی۔ زرقانی ج ۲ ص ۲۵

ان کمسنوں میں رافع بن خدیجؓ بھی تھے۔ انھوں نے یہ ہوشیاری کی کہ انگوٹھوں کے بل تن کے کھڑے ہو گئے تاکہ دراز قامت معلوم ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دے دی۔ نیز ان کی نسبت یہ بھی کہا گیا کہ یہ بڑے تیر انداز ہیں۔

عمر بن عبدالعزیز نے ایک مرتبہ نافع سے یہ دریافت کیا کہ عبداللہ بن عمر کن کن غزوات میں رسول اللہ

---

[۱] شیخین دو ٹیلوں کا نام ہے جو مدینہ اور اُحد کے بیچ میں ہیں وہاں ایک اندھا اور بوڑھا یہودی اور ایک اندھی اور بڑھیا یہودن رہا کرتے تھے اس لئے وہ ٹیلے شیخین کے نام سے مشہور ہو گئے۔ ۱۲ طبری ج ۳

علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے نافع نے کہا مجھ سے خود ابن عمر نے بیان کیا کہ جب غزوۂ بدر ہوا تو اس وقت میں ۱۳ سال کا تھا اور جب غزوۂ احد ہوا تو اس وقت میں ۱۴ سال کا تھا۔ غزوۂ بدر میں تو میں نے جانے کا ارادہ ہی نہیں کیا لیکن غزوۂ احد میں شریک ہونے کی بارگاہ نبوی میں استدعا کی لیکن آپ نے کمسنی کی وجہ سے قبول نہ فرمایا اور علیٰ ہذا زید بن ثابت اور اوس بن عرابہ کو بھی کمسن ہونے کی وجہ سے واپس فرمایا مگر رافع بن خدیج کو دراز قامت ہونے کی وجہ سے اجازت دے دی جب غزوۂ خندق پیش آیا تو اس وقت میں ۱۵ سال کا تھا اس وقت آپ نے مجھ کو اجازت دی اور آپ کے ساتھ غزوہ میں شریک ہوا عمر بن عبد العزیز نے اس حدیث کو سن کر فوراً کاتب کو حکم دیا کہ بہت جلد اس حدیث کو لکھ لیں۔

اس لئے کہ لوگ اپنے بیٹوں اور بھائیوں کے لئے بیت المال سے وظیفہ کی درخواست کرتے ہیں۔ لہٰذا خوب تحقیق کر لی جائے جو فی الواقع پندرہ سال کا ہو مجاہدین اور مقاتلین کی فہرست میں اس کا نام درج کر کے بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر کیا جائے۔

اور جو پندرہ سال سے کم ہو اس کا نام ذریۃ بچوں کی فہرست میں لکھا جائے۔ عیون الاثر ص۳۳

سمرۃ بن جندب جو انہیں کے ہم سن تھے انہوں نے نہایت حسرت بھرے الفاظ میں اپنے علاتی باپ مری بن سنان رضی اللہ عنہ سے کہا۔ اے باپ۔ رافع کو تو اجازت مل گئی اور میں رہ گیا۔ حالانکہ میں ان سے زیادہ قوی ہوں رافع کو پچھاڑ سکتا ہوں مری بن سنان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے رافع کو اجازت دی اور میرے بیٹے کو واپس فرمایا حالانکہ میرا بیٹا رافع کو پچھاڑ سکتا ہے۔

آپ نے رافع رضی اللہ عنہ اور سمرہ رضی اللہ عنہ کی کشتی کرائی۔ سمرہ نے رافع کو پچھاڑ دیا۔ آپ نے سمرہ کو بھی اجازت دی۔ طبری ج۳ ص۱۲ بچے اور بوڑھے جوان اور ادھیڑ سب کے سب ایک ہی شراب کے مخمور اور ایک ہی نشہ کے چور تھے۔ شہید ہونے سے پہلے ہی خنجر تسلیم سے شہید ہو چکے تھے، رضی اللہ تعالیٰ عنہم و رضوا عنہ۔

لشکرِ اسلام سے منافقین کی علیحدگی اور واپسی

جب آپ اُحد کے قریب پہنچے تو رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی جو تین سو آدمیوں کی جمعیت اپنے ہمراہ لایا تھا یہ کہہ کر واپس ہو گیا کہ آپ نے میری رائے نہیں مانی ہم بے وجہ کیوں اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈالیں۔ یہ جنگ نہیں ہے اگر ہم اس کو جنگ سمجھتے تو تمہارا ساتھ دیتے انہی لوگوں کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا ۚ وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوِ ادْفَعُوا ۖ قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ ۗ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ ۚ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ۝ (آل عمران، آیۃ ۱۶۷)

اب نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے ساتھ صرف سات سو صحابہ رہ گئے جن میں صرف سو آدمی زرہ پوش تھے اور سارے لشکر میں صرف دو گھوڑے تھے ایک آپ کا اور ایک ابو بردۃ بن نیار حارثی رضی اللہ عنہ کا[۵]

قبیلۂ خزرج میں سے بنی سلمہ نے اور قبیلۂ اوس میں سے بنی حارثہ نے بھی ابن ابیّ کی طرح کچھ واپسی کا ارادہ کیا اور یہ دونوں قبیلے لشکر کے دونوں طرف تھے توفیق خداوندی نے ان کی دستگیری کی۔ خدا نے ان کو بچالیا۔ اور واپس نہیں ہوئے۔ ان ہی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ إِذْ هَمَّت طَّائِفَتَانِ مِنكُمْ أَن تَفْشَلَا وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ[۶]

یاد کرو اس وقت کو جب ہمت ہار دی تم میں کے دو گروہوں نے اور اللہ ان کا مددگار تھا۔ اس لئے وہ واپسی سے محفوظ رہے اور تمام مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ چاہیئے۔

ہنوز آپ مقام شیخین ہی میں تھے کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے

۵۔ طبری، ج: ۳، ص: ۱۲

۶۔ آل عمران، آیۃ: ۱۲۲

اذان دی آپ نے مغرب کی نماز پڑھائی اور یہیں شب کو قیام فرمایا۔ اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے تمام شب لشکر کی پاسبانی کی وقتاً فوقتاً لشکر کا ایک چکر لگاتے اور واپس آکر آپ کے خیمہ مبارکہ کا پہرہ دیتے۔

شب کے آخری حصہ میں آپ نے کوچ فرمایا جب اُحد کے قریب پہنچے تو صبح کی نماز کا وقت آگیا، بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اذان کا حکم دیا۔ بلال رضی اللہ عنہ نے اذان اور اقامت کہی اور آپ نے اپنے تمام اصحاب کو نماز پڑھائی۔

ترتیب فوج

نماز سے فارغ ہوکر لشکر کی جانب متوجہ ہوئے مدینہ کو سامنے اور اُحد کو پس پشت رکھکر صفوں کو مرتب فرمایا۔ اور جو صفیں چند لمحہ پہلے خداوند ذوالجلال کی تعظیم و اجلال کے لئے دست بستہ کھڑی ہوئی تھیں اب وہ اس کبیر متعال کی راہ میں جانبازی اور سرفروشی اور اس کے راستہ میں جہاد و قتال کے لئے کھڑی ہوگئیں[1]

صحیح بخاری میں براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ جبل اُحد کے پیچھے بٹھلا دیا تاکہ قریش پشت سے حملہ نہ کرسکیں اور عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا امیر مقرر فرمایا اور یہ حکم دیا کہ اگر ہم کو مشرکین پر غالب ہوتے دیکھو تب بھی یہاں سے نہ ہٹنا اور اگر مشرکین کو ہم پر غالب ہوتے دیکھو تب بھی اس جگہ سے نہ سرکنا اور نہ ہماری مدد کے لئے آنا۔

زہیر کی روایت میں یہ ہے کہ اگر پرندوں کو بھی ہم کو اُچکتے ہوئے دیکھو تب بھی اس جگہ سے نہ ٹلنا۔

مسند احمد اور معجم طبرانی وغیرہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] ۔ ابن سعد، ج: ۲، ص ۱ : ۲۷

یہ ارشاد فرمایا تم اس جگہ کھڑے رہو اور پشت کی جانب سے ہماری حفاظت کرو۔ اگر ہم کو قتل ہوتے ہوئے بھی دیکھو تو ہماری مدد کے لیے نہ آنا اور اگر غنیمت حاصل کرتے ہوئے دیکھو تو اس میں شریک نہ ہونا۔[۱]

قریش کے لشکر کا حال

قریش کا لشکر چہار شنبہ ہی کو مدینہ پہنچ کر اُحد کے دامن میں پڑاؤ ڈال چکا تھا۔ جس کی تعداد تین ہزار تھی جن میں سے سات سو زرہ پوش اور دو سو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ تھے اور اشراف مکہ کی پندرہ عورتیں ہمراہ تھیں جو اشعار پڑھ پڑھ کر مردوں کو جوش دلاتی تھیں[۲] نفسانی اور شہوانی اور شیطانی لوگوں کا دھندا ایسا ہی ہوتا ہے۔ نعوذ باللہ منہ

جن میں سے بعض کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱)۔ ہندہ بنت عتبہ　ابو سفیان کی بیوی اور حضرت معاویہ کی ماں

(۲)۔ ام حکیم بنت حارث بن ہشام　ابو جہل کے بیٹے عکرمہ کی بیوی

(۳)۔ فاطمہ بنت ولید حارث بن ہشام کی بیوی　(۴)۔ برزہ بنت مسعود صفوان بن امیہ کی بیوی

(۵)۔ ریطہ بنت شیبہ عمرو بن العاص کی بیوی　(۶)۔ سلافہ بنت سعد طلحہ بن ابی طلحہ حجمی کی بیوی

(۷)۔ خناس بنت مالک مصعب بن عمیر کی والدہ　(۸)۔ عمرۃ بنت علقمہ

علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ سوائے خناس اور عمرہ کے یہ سب عورتیں بعد میں چل کر مشرف باسلام ہوئیں۔ رضی اللہ تعالٰی عنہن۔

قریش نے اپنے لشکر کے میمنہ پر خالد بن ولید کو اور میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل کو اور پیادوں پر صفوان بن امیہ کو اور کہا جاتا ہے کہ عمرو بن العاص کو اور تیر اندازوں پر عبد اللہ بن ابی ربیعہ کو افسر مقرر کیا۔

مگر بعد میں چل کر قریش کے یہ پانچوں امرائے لشکر مشرف باسلام ہوئے۔ رضی اللہ تعالٰی عنہم ۱۲

---

[۱] فتح الباری، ج: ۷، ص: ۲۷۰　[۳] فتح الباری۔ ج: ۷۔ ص: ۲۷۰

[۲] زرقانی، ج: ۲، ص: ۲۶

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مجاہدین سے ایک خطاب

جب فریقین کی صفیں مرتب ہوگئیں تو رسول اللہ علیہ وسلم نے ایک تلوار ہاتھ میں لے کر یہ فرمایا

من یأخذ هذا السیف بحقه کون ہے جو کہ اس تلوار کو اس کے حق کے ساتھ لے۔

یہ سن کر بہت سے ہاتھ اس سعادت کے حاصل کرنے کے لئے آگے بڑھے مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک روک لیا اتنے میں ابو دجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے اور عرض کیا یا رسول اللہ اس تلوار کا کیا حق ہے، آپ نے فرمایا اس کا حق یہ ہے کہ اس سے خدا کے دشمنوں کو مارے یہاں تک کہ خم ہو جائے۔

یہ روایت مسند احمد اور صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے اور معجم طبرانی میں قتادہ بن النعمانؓ سے اور مسند بزار میں حضرت زبیرؓ سے مروی ہے۔

حافظ ابو بشر دولابی نے اس حدیث کو کتاب الکنیٰ میں حضرت زبیرؓ سے روایت کیا ہے، اس میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا اس تلوار کا حق یہ ہے کہ اس سے کسی مسلمان کو کبھی قتل نہ کرنا اور اس کو لے کر کبھی کسی کافر کے مقابلہ سے فرار نہ ہونا۔

ابو دجانہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اس کو اس کے حق کے ساتھ لیتا ہوں یعنی اس کا حق ادا کروں گا۔ آپ نے فوراً وہ تلوار ابو دجانہؓ کو مرحمت فرما دی۔

غالباً آپ کو بذریعہ وحی الٰہی کے یہ معلوم ہوا ہوگا کہ سوائے ابو دجانہ کے کوئی اس تلوار کا حق نہ ادا کرے گا۔ اس لئے صرف ابو دجانہؓ ہی کو عطا فرمائی واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم ۱۲ [1]

(فائدہ) ابو دجانہ بڑے شجاع اور بہادر تھے، جنگ کے وقت ان پر (تبختر) یعنی نازو انداز اور وجد اور سکر کی خاص کیفیت ہوتی تھی، لڑائی کے وقت سر پر سرخ عمامہ باندھ لیتے تھے اور خراماں خراماں چلتے۔ غالباً اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تلوار عطا کی جیسا کہ آئندہ

---

[1] ۔ الاصابہ، ج: ۴، ص: ۵۸، زرقانی ج ۲ ۔ ص: ۲۸

اُن کے جہاد و قتال سے معلوم ہوگا۔

آغاز جنگ اور مبارزین قریش کا ایک ایک کر کے قتل

قریش کی طرف سے سب سے پہلے میدان جنگ میں ابو عامر نکلا جو زمانۂ جاہلیت میں قبیلۂ اوس کا سردار تھا اور زہد اور پارسائی کی وجہ سے راہب کے نام سے پکارا جاتا تھا جب مدینہ میں اسلام کا نور چمکا تو یہ شپرہ چشم اس کی تاب نہ لاسکا اور مدینہ سے مکہ چلا آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے راہب کے فاسق نام تجویز فرمایا۔

اس فاسق نے مکہ آکر قریش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کے لئے آمادہ کیا اور معرکۂ اُحد میں خود اُن کے ساتھ آیا اور یہ باور کرایا کہ قبیلۂ اوس کے لوگ جب مجھکو دیکھیں گے تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ساتھ چھوڑ کر میرے ساتھ ہو جائیں گے۔

پہلا مبارز:۔ چنانچہ معرکۂ اُحد میں سب سے پہلے یہی ابو عامر میدان میں آیا اور اور للکار کر کہا۔

یا معشر الاوس انا ابو عامر — اے گروہ اوس میں ابو عامر ہوں۔

خدا اوس کی آنکھیں ٹھنڈی کرے جنھوں نے فوراً ہی یہ جواب دیا۔

لا انعم اللہ بک عینا یا فاسق — اے خدا کے فاسق اور نافرمان خدا کبھی تیری آنکھ ٹھنڈی نہ کرے۔

ابو عامر یہ دندان شکن جواب سن کر خائب و خاسر واپس ہوا اور جا کر یہ کہا کہ میرے بعد میری قوم کی حالت بدل گئی۔ زرقانی ج ۲ ص ۳۰ ابن ہشام ج ۲ ص ۶۹ طبری ج ۳ ص ۱۶ عیون الاثر[۵] ص ۲۲۶ البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۱۶

دوسرا مبارز:۔ بعد ازاں مشرکین کا علمبردار طلحہ بن ابی طلحہ میدان میں آیا اور

[۵] عیون الاثر ، ص ۲۶۰ : ۳۳

للکار کر یہ کہا۔ اے اصحابِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمھارا یہ گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو تمھاری تلواروں سے جلدی جہنّم میں پہنچاتا ہے اور ہماری تلواروں سے تم کو جنّت میں جلد پہنچاتا ہے، پس کیا تم میں سے ہے کوئی جس کو میری تلوار جلد جنّت میں یا اس کی تلوار مجھ کو جلد جہنم میں پہنچائے۔

یہ سنتے ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ مقابلے کے لئے نکلے اور تلوار چلائی جس سے اس کا پیر کٹ گیا اور مُنہ کے بل گرا اور ستر کھل گیا۔ حضرت علیؓ شرماکر پیچھے ہٹ گئے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے دریافت فرمایا اے علی کیوں پیچھے ہٹے، آپ نے فرمایا مجھ کو اس کے ستر کھل جانے سے شرم آگئی۔[۱]

ابن سعد فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کے سر پہ تلوار چلائی جس سے سر کے دو حصے ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسرور ہوئے اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہا اور مسلمانوں نے بھی اَللّٰہُ اَکْبَرُ کا نعرہ لگایا۔

غالبًا حضرت علی کی پہلی تلوار اس کے قدم پر پڑی جس سے پیر کٹ گیا اور دوسری تلوار سر پر پڑی جس نے کھوپڑی کے دو ٹکڑے کر ڈالے۔ ابنِ جریر کی روایت میں پہلے وار کا ذکر ہے، اور ابنِ سعد کی روایت میں دوسرے وار کا، لہٰذا دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں۔

تیسرا مبارز۔ بعد ازاں عثمان بن ابی طلحہ نے عَلَم سنبھالا اور یہ رجز پڑھتا ہوا میدان میں آیا۔

اِنَّ عَلٰی اَھْلِ اللِّوَاءِ حَقًّا　　اَنْ تَخْضَبَ الصَّعْدَۃَ اَوْ تَنْدَقَّا

علمبرداروں کا یہ فرض ہے کہ لڑتے لڑتے اس کا نیزہ دشمن کے خون سے رنگین ہو جائے یا ٹوٹ جائے۔

حضرت حمزہ نے بڑھ کر حملہ کیا اور عثمان کے دونوں ہاتھ اور دونوں شانے صاف کر دیئے

---

[۱] زرقانی۔ ج ۲، ص: ۳۱

اور علم اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور تھوڑی ہی دیر میں اس کا کام تمام ہوا۔

چوتھا مبارز:۔ اس کے بعد ابو سعد بن ابی طلحہ نے جھنڈا ہاتھ میں لیا۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً ہی ایک تیر تاک کر اس کے حلق پر مارا جس سے اس کی زبان باہر نکل آئی آگے بڑھ کر فوراً قتل کیا۔

پانچواں مبارز:۔ اس کے بعد مسافع بن طلحۃ بن ابی طلحہ نے عَلَم اٹھایا حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ہی وار میں قتل کیا۔

چھٹا مبارز:۔ اس کے بعد حارث بن طلحۃ بن ابی طلحہ نے جھنڈا ہاتھ میں لیا اس کو بھی عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ہی وار میں قتل کیا اور بقول بعض حضرت زبیر نے اس کو قتل کیا۔

ساتواں مبارز:۔ پھر کلاب بن طلحۃ بن ابی طلحہ نے علم ہاتھ میں پکڑا حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آگے بڑھ کر قتل کیا۔

آٹھواں مبارز:۔ بعد ازاں جُلاس بن طلحۃ بن ابی طلحہ نے جھنڈا اٹھایا۔ فوراً ہی حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو قتل کیا۔

نواں مبارز:۔ اس کے بعد ارطاۃ شرحبیل نے جھنڈا ہاتھ میں لیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کا کام تمام کیا۔

دسواں مبارز:۔ شریح بن قارظ علم لے کر آگے بڑھا آناً فاناً اس کا بھی کام تمام ہوا، شریح کے قاتل کا نام معلوم نہیں کہ کون تھا۔

گیارہواں مبارز:۔ اس کے بعد ان کا غلام جس کا نام صُوَاب تھا وہ علم لے کر سامنے آیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص یا حضرت حمزہ یا حضرت علی رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک نے علیٰ اختلاف الاقوال اس کا بھی کام تمام کیا۔[1]

اس طرح سے قریش کے بائیس سردار مارے گئے جن کے نام علامہ ابن ہشام نے بالتفصیل

---

[1] زرقانی۔ ج ۲، ص: ۳۱ ۔ ابن سعد ج ۲، ص ۲۸

ذکر کئے ہیں اور ساتھ ساتھ یہ بھی بتلایا ہے کہ فلاں فلاں سردار فلاں فلاں صحابی کے ہاتھ سے قتل ہوا۔[۵]

ابودجانہ رضی اللہ عنہ کی بہادری

ابودجانہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ، جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی تلوار عطا فرمائی تھی۔ نہایت شجاع اور بہادر تھے۔ اوّل انھوں نے اپنا ایک سرخ عمامہ نکالا اور سر پہ باندھا۔ اور اکڑتے ہوئے میدان میں نکلے اور یہ اشعار زبان پر تھے۔

أَنَا الَّذِی عَاھَدَنِی خَلِیلِی　　ونحن بالسفح لدی النخیل

میں وہی ہوں جس سے میرے اس دوست نے عہد لیا ہے (کہ جس کی محبت میرے خلالِ قلب یعنی اندرونِ قلب میں سرایت کر چکی ہے یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے) درآنحالیکہ ہم پہاڑ کے دامن میں نخلستان کے قریب تھے۔

ان لا اقوم الدھر فی الکیول　　اضرب بسیف اللہ والرسول

وہ عہد یہ ہے کہ کبھی پیچھے کی صف میں نہ کھڑا ہوں گا اور اللہ اور اُس کے رسُول کی تلوار سے خدا کے دشمنوں کو مارتا رہوں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ابودجانہؓ کو اکڑتے ہوئے دیکھ کر یہ فرمایا یہ چال اللہ کو سخت ناپسند ہے مگر ایسے وقت میں۔

(یعنی جبکہ محض اللہ اور اُس کے رسُول کے دشمنوں کے مقابلہ میں ہو اپنے نفس کیلئے نہ ہو)

ابودجانہؓ صفوں کو چیرتے چلے جاتے تھے جو سامنے آگیا اسی کی لاش زمین پر ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ ابوسفیان کی بیوی ہندہ بالکل سامنے آگئی ابودجانہؓ نے اس پر تلوار اٹھائی مگر فوراً ہی ہاتھ روک لیا۔ کہ یہ کسی طرح زیبا نہیں کہ خاص کر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی تلوار کو ایک عورت پر چلایا جائے۔

---

[۵] ابن ہشام۔ ج ۲، ص: ۱۰۳، زرقانی۔ ج ۲، ص: ۳۱

ایک روایت میں ہے کہ جب ابو دجانہؓ ہندہ کے قریب پہنچے تو اس نے لوگوں کو آواز دی مگر کوئی شخص اس کی مدد کو نہ پہنچا۔ ابو دجانہ فرماتے ہیں۔ مجھ کو اس وقت یہ اچھا نہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کو ایک بے پناہ اور بے سہارا عورت پر آزماؤں [۱]

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور شہادت ذکر

حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شیرانہ حملہ سے کفار سخت پریشان تھے جس پر تلوار اٹھاتے اسی کی لاش زمین پر نظر آتی۔

وحشی بن حرب جو جبیر بن مطعم کا حبشی غلام تھا۔ جنگ بدر میں جبیر کا چچا طعیمۃ بن عدی حضرت حمزہ کے ہاتھ سے قتل ہوا تھا۔ جبیر کو اس کا بہت صدمہ تھا۔ جبیر نے وحشی سے یہ کہا کہ اگر میرے چچا کے بدلہ میں حمزہ کو قتل کر دے تو تو آزاد ہے۔ جب قریش جنگ اُحد کے لیے روانہ ہوئے تو وحشی بھی ان کے ساتھ روانہ ہوا۔

جب اُحد پر فریقین کی صفیں قتال کے لیے مرتب ہو گئیں اور لڑائی شروع ہوئی تو سباع بن عبدالعزّٰی ھَلْ مِنْ مبارز (ہے میرا کوئی مقابل) پکارتا ہوا میدان میں آیا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی طرف یہ کہتے ہوئے بڑھے اے سباع۔ اے عورتوں کی ختنہ کرنے والی عورت کے بچے تو اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرتا ہے یہ کہہ کر اس پر تلوار کا ایک وار کیا ایک ہی وار میں اس کو فنا اور موت کے گھاٹ اتار دیا۔

وحشی حضرت حمزہ کی تاک میں ایک پتھر کے نیچے چھپا بیٹھا تھا۔ جب حضرت حمزہ ادھر سے گزرے تو وحشی نے پیچھے سے ناف پر نیزہ مارا جو پار ہو گیا۔

حضرت حمزہ چند قدم چلے مگر لڑکھڑا کر گر پڑے اور جام شہادت نوش فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

---

[۱] البدایۃ والنہایۃ۔ ج: ۴، ص: ۱۶

یہ روایت صحیح بخاری کی ہے۔ مسند ابی داؤد طیالسی میں ہے وحشی کہتے ہیں کہ جب مکہ آیا تو آزاد ہوگیا اور قریش کے ساتھ فقط حضرت حمزہ کے قتل کے ارادہ سے آیا تھا قتل وقتال میرا مقصد نہ تھا۔[1]

حضرت حمزہ کو قتل کر کے لشکر سے علیحدہ جا کر بیٹھ گیا اس لئے کہ میرا اور کوئی مقصد نہ تھا صرف آزاد ہونے کی خاطر حضرت حمزہ کو قتل کیا۔

فائدہ:۔ فتح مکہ کے بعد وفد طائف کے ساتھ وحشی بارگاہ رسالت میں مدینہ منورہ مشرف باسلام ہونے کی غرض سے حاضر ہوئے لوگوں نے ان کو دیکھ کر عرض کیا یا رسول اللہ یہ وحشی ہے یعنی آپ کے عم محترم کا قاتل۔ آپ نے فرمایا۔

دعوہ فلاسلام رجل واحد احب الیّ من قتل الف کافر

اس کو چھوڑ دو۔ البتہ ایک شخص کا مسلمان ہونا میرے نزدیک ہزار کافروں کے قتل سے کہیں زیادہ محبوب ہے۔

بعد ازاں آپ نے وحشی سے حضرت حمزہ کے قتل کا واقعہ دریافت کیا۔ وحشی نے نہایت خجالت وندامت کے ساتھ محض تعمیل ارشاد کی غرض سے واقعہ عرض کیا۔ آپ نے اسلام قبول کیا اور یہ فرمایا کہ اگر ہوسکے تو میرے سامنے نہ آیا کر اس لئے کہ تم کو دیکھ کر چچا کا صدمہ تازہ ہوجاتا ہے۔ وحشی رضی اللہ عنہ کو چونکہ آپ کو ایذا پہنچانا مقصود نہ تھا اس لئے جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو پس پشت بیٹھتے اور اس فکر میں رہے کہ اس کا کوئی کفارہ کروں چنانچہ اس کے کفارہ میں مسیلمہ کذاب کو اسی نیزہ سے مار کر واصل جہنم کیا جس نے خاتم النبیین صلوات اللہ وسلامہ علیہ کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا۔

اور جس طرح حضرت حمزہ کو ناف پر نیزہ مار کر شہید کیا اس طرح مسیلمہ کذاب کو بھی ناف ہی پر نیزہ مار کر قتل کیا۔ اس طرح ایک خیر الناس کے قتل کی ایک شر الناس (بدترین خلائق) کے قتل سے مکافات کی۔[2]

---

[1] ۔ فتح الباری ج ۷، ص ۲۰۲

[2] فتح الباری، ج: ۷، ص: ۲۸۴، ۲۸۵

یہ صحیح بخاری میں ہے کہ مسیلمہ کذاب کے قتل میں وحشی کے ساتھ ایک انصاری بھی شریک تھے واقدی اور اسحاق بن راہویہ اور حاکم کہتے ہیں عبداللہ بن زید بن عاصم مازنی تھے اور بعض عدی بن سہل اور بعض ابو دجانہ اور بعض زید بن الخطاب کا نام تبلاتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ شن بن عبداللہ تھے جیساکہ ذیل کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے۔

الم ترانی ووحشیہم ضربنا مسیلمۃ المفتن

کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ میں نے اور وحشی نے دونوں نے مل کر مسیلمہ فتنہ پرداز کو مارا ہے

یسائلنی الناس عن قتلہ فقلت ضربت وھذا طعن

لوگ مجھ سے مسیلمہ کے قتل کی بابت دریافت کرتے ہیں کہ کس نے مارا میں نے جواب دیا کہ میں نے تلوار ماری اور وحشی نے نیزہ مارا۔

فلست بصاحبہ دونہ ولیس بصاحبہ دون شن

پس حال یہ کہ مسیلمہ کا مستقل قاتل نہ تو میں ہوں اور نہ وحشی کو بغیر شن کی شرکت کے مستقل قاتل کہا جاسکتا ہے[1]

وحشی راوی ہیں کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا تو نے ہی حمزہ کو قتل کیا ہے۔ میں نے عرض کیا۔

نعم والحمد للہ الذی اکرمہ بیدی ولم یھنی بیدہ	ہاں۔ اور شکر اس خدا کا جس نے حضرت حمزہ کو میرے ہاتھ شہادت کی کرامت اور عزت بخشی اور مجھ کو اس کے ہاتھ سے ذلیل نہیں کیا

کیونکہ اگر وحشی اس وقت حضرت حمزہ کے ہاتھ سے مارے جاتے تو بحالتِ کفر مارے جاتے جس سے بڑھ کر کوئی اہانت اور ذلت نہیں۔ بعد ازاں آپ نے فرمایا اے وحشی جا اور خدا کی راہ میں قتال کر جیساکہ تو خدا کے راستہ سے روکنے کے لئے قتال کرتا تھا۔ رواہ الطبرانی واسنادہ حسن[2]

---

[1] فتح الباری، ج ۷، ص ۲۸۲، ۲۸۵ [2] مجمع الزوائد، ج ۶، ص: ۱۲۱

حضرت حنظلہ غسیل الملائکہ کی شہادت کا ذکر

ابو عامر فاسق جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، اس کے بیٹے حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس معرکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے

ابوسفیان اور حضرت حنظلہ کا مقابلہ ہوگیا۔ حضرت حنظلہ نے دوڑ کر ابوسفیان پر وار کرنا چاہا لیکن پیچھے سے شداد بن اسود نے ایک وار کیا جس سے حضرت حنظلہ شہید ہوئے

نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا۔ میں نے فرشتوں کو دیکھا کہ حنظلہ کو ابر کے پانی سے چاندی کے برتنوں میں غسل دے رہے ہیں۔

ان کی بیوی[1] سے دریافت کیا گیا معلوم ہوا کہ حالت جنابت ہی میں جہاد کے لئے روانہ ہو گئے تھے اسی حالت میں شہید ہوئے، رواہ ابن اسحاق والحاکم وصححہ ورواہ ابن سعد وغیرہ خصائص کبریٰ صفحہ ۲۱۶/۱ [2]

جس روز حضرت حنظلہ شہید ہونے والے تھے اسی شب ان کی بیوی نے یہ خواب دیکھا کہ آسمان کا ایک دروازہ کھلا اور حنظلہ اس میں داخل ہوئے اور داخل ہونے کے بعد وہ دروازہ بند کر لیا گیا۔ بیوی اس خواب سے سمجھ چکی تھیں کہ حنظلہ اب اس عالم سے رخصت ہونے والے ہیں۔

لڑائی ختم ہونے کے بعد جب ان کی لاش تلاش کی گئی تو سر سے پانی ٹپکتا تھا۔ [3]

اسی وجہ سے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ غسیل الملائکہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔

حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باپ ابو عامر فاسق چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں لڑ رہے تھے، اس لئے حضرت حنظلہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے باپ کے قتل کی اجازت چاہی مگر آپ نے منع فرمایا۔ (رواہ ابن شاہین واسنادہ حسن) (اصابہ ترجمہ حنظلہ بن ابی عامر)

مسلمانوں کے ان دلیرانہ اور جانبازانہ حملوں سے قریش کے میدان جنگ سے پیر اکھڑ گئے

---

[1] ۔ بیوی کا نام جمیلہ تھا، صحابیہ ہیں۔ راس المنافقین عبداللہ بن ابی کی بہن ہیں ۱۲۔ (روض الانف واصابہ) ۱۲

[2] ۔ الخصائص الکبریٰ، ج: ۱، ص: ۲۱۶

[3] ۔ روض الانف، ج: ۲، ص: ۱۳۳

اور اِدھر اُدھر منہ چھپا کر اور پُشت دکھا کر بھاگنے لگے اور عورتیں بھی پریشان اور بدحواس ہو کر پہاڑوں کی طرف بھاگنے لگیں اور مسلمان مالِ غنیمت کے جمع کرنے میں مشغول ہو گئے۔

مسلمان تیراندازوں کا اپنی جگہ سے ہٹ جانا اور لڑائی کا پانسہ پلٹ جانا

تیراندازوں کی اس جماعت نے (جو کہ درہ کی حفاظت کے لئے بٹھائی گئی تھی)۔ جب یہ دیکھا کہ فتح ہو گئی اور مسلمان مالِ غنیمت میں مشغول ہیں۔ یہ بھی اسی طرح بڑھے۔ ان کے امیر عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت روکا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی تھی کہ تم اس جگہ سے نہ ٹلنا۔ مگر ان لوگوں نے نہ مانا اور مرکز چھوڑ کر غنیمت جمع کرنے والی میں جا ملے۔

عبداللہ بن جبیر اور اُن کے دس رُفقار کی شہادت

مرکز پر صرف عبداللہ بن جبیر اور دس آدمی رہ گئے حکم نبوی کے خلاف کرنا تھا کہ یکایک فتح شکست سے بدل گئی خالد بن ولید نے جو اس وقت مشرکین کے میمنہ پر تھے۔ درہ کو خالی دیکھ کر پشت پر سے حملہ کر دیا۔ عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مع اپنے ہمراہیوں کے شہید ہوئے۔

مصعب بن عمیر رضی اللہ کی شہادت

مشرکین کے اس ناگہانی اور یکبارگی حملہ سے مسلمانوں کی صفیں درہم و برہم ہو گئیں۔ اور دشمنان خدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک آ پہنچے۔

مسلمانوں کے علمبردار مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے قریب تھے۔ انھوں نے کافروں کا مقابلہ کیا یہاں تک کے شہید ہوئے ان کے بعد آپ نے علم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سپرد فرمایا۔ چونکہ مصعب بن عمیرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے اس لئے کسی شیطان نے یہ

افواہ اُڑادی کہ نصیب دشمناں صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے۔ اس لئے تمام مسلمانوں میں سراسیمگی اور اضطراب پھیل گیا اور اس خبر وحشت اثر کے سنتے ہی سب کے سب بدحواس ہو گئے اور اس بدحواسی میں دوست و دشمن کا بھی امتیاز نہ رہا اور آپس میں ایک دوسرے پر تلوار چلنے لگی۔

حضرت حذیفہؓ کے والد کا مسلمانوں کے ہاتھ سے غلطی سے شہید ہو جانا

حضرت حذیفہ کے والد یمان بھی اسی کشمکش میں آ گئے حضرت حذیفہ نے دور سے دیکھا کہ مسلمان میرے باپ پہ مارے ڈال رہے ہیں۔ پکار کر کہا اے اللہ کے بندو! یہ میرا باپ ہے مگر اس ہنگامہ میں کون سنتا تھا بالآخر حضرت یمان شہید ہو گئے مسلمانوں کو جب اس کا علم ہوا کہ یہ حذیفہ کے باپ تھے تو بہت نادم ہوئے اور کہا خدا کی قسم ہم نے پہچانا نہیں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ اللہ تمھیں معاف کرے وہ سب سے زیادہ مہربان ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت دینے کا ارادہ فرمایا مگر حضرت حذیفہ نے قبول نہیں کیا۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں حذیفہؓ کی اور قدر بڑھ گئی۔[1]

خالد بن ولید کے ناگہانی حملہ سے لشکر اسلام کا اضطراب اور اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال ثبات قدمی

خالد بن ولید کے اس یکبارگی اور ناگہانی حملہ سے اگرچہ بڑے بڑے دلیروں کے پاؤں اکھڑ گئے مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے ثبات اور قدم استقلال میں ذرہ برابر تزلزل نہیں آیا۔ اور کیسے آ سکتا تھا اللہ کا نبی اور اس کا رسول معاذ اللہ بزدل نہیں ہو سکتا، پہاڑ ٹل جائیں مگر انبیاء اللہ علیہم الف الف صلوات اللہ۔ اپنی جگہ سے نہیں ہٹ سکتے۔ ایک پیغمبر کی تنہا شجاعت کل عالم کی شجاعت سے کہیں زیادہ وزنی اور بھاری ہوتی ہے۔

---

[1] طبری، ج: ۳، ص: ۲۶۔ فتح الباری ج: ۷، ص: ۲۷۹ شرح زرقانی ج: ۲، ص: ۴۲۔ ابن ہشام ج: ۲، ص: ۸۷

چنانچہ دلائل بیہقی میں مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

فوالذی بعثہ بالحق مازالت	قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دے کر
قدمہ شبرا واحدا وانہ لفی	بھیجا آپ کا قدم مبارک ایک بالشت بھی اپنی جگہ سے
وجہ العدو وتفیئ الیہ طائفۃ	نہیں ہٹا اور بلاشبہ آپ دشمن کے مقابلہ پر ثابت قدم
من اصحابہ مرۃ وتفترق مرۃ	رہے صحابہ کی ایک جماعت کبھی آپ کے پاس آتی تھی
فربما رایتہ قائما یرمی عن	اور کبھی جاتی تھی اور بسا اوقات میں نے آپ کو دیکھا کہ
قوسہ ویرمی بالحجر حتی	آپ بنفس نفیس خود کھڑے ہوئے تیر اندازی اور
انحازوا عنہ (زرقانی ص۳۲ ج۲)	سنگ باری فرما رہے ہیں یہاں تک دشمن آپ سے ہٹ گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظین

ابن سعد فرماتے ہیں کہ اس ہلچل اور اضطراب میں چودہ اصحاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ سات مہاجرین میں سے اور سات انصار میں سے جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

اسماء مہاجرین	اسماء انصار
(۱) ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ	(۱) ابودجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۲) عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ	(۲) حباب بن منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۳) عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ	(۳) عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۴) سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ	(۴) حارث بن صمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۵) طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	(۵) سہیل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۶) زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ	(۶) سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۷) ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	(۷) اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مہاجرین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نام اس لئے نہیں ذکر کیا گیا کہ مصعب بن عمیرؓ کے شہید

ہو جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم حضرت علی کو عطا فرما دیا تھا وہ مصروف جہاد وقتال تھے۔

یہ چودہ اصحاب آپ کے ساتھ تھے لیکن کبھی کبھی کسی ضرورت کی وجہ سے بعض حضرات کہیں چلے بھی جاتے تھے مگر جلد ہی واپس ہو جاتے تھے۔

اس لئے کبھی آپ کے ساتھ بارہ آدمی رہے

(جیسا کہ صحیح بخاری میں براء بن عازب سے مروی ہے)

اور کبھی گیارہ (جیسا کہ نسائی اور دلائل بیہقی میں حضرت جابر سے بسند جید مروی ہے)

اور کبھی سات (جیسا کہ صحیح مسلم میں انس بن مالکؓ سے مروی ہے)

اختلافِ اوقات اور اختلاف حالات کی وجہ سے حاضرین بارگاہ رسالت کے عدد میں روایتیں مختلف ہیں ہر ایک راوی کا بیان اپنے اپنے وقت کے لحاظ سے بجا اور درست ہے کسی وقت بارہ اور کسی وقت گیارہ اور کسی وقت سات آدمی آپ کے ساتھ رہے۔ بحمد اللہ سب روایتیں متفق ہیں۔ کوئی تعارض نہیں۔

تفصیل کے لئے فتح الباری ص ۲۷ ج ۷ اور زرقانی ص ۴۵ ج ۲ کی مراجعت فرمائیں۔

قریش کا حضور پر نور پر ناگہانی ہجوم اور صحابہ کرام کی جان نثاری

صحیح مسلم میں حضرت انس سے مروی ہے کہ جب قریش کا آپ پر ہجوم ہوا تو یہ ارشاد فرمایا کون ہے کہ جو ان کو مجھ سے ہٹائے اور جنت میں میرا رفیق بنے۔ انصار میں کے سات آدمی اس وقت آپ کے پاس تھے۔ ساتوں انصاری باری باری لڑکر شہید ہو گئے۔ صحیح مسلم ص ۱۰۷ ج ۲ غزوۂ احد ورواہ احمد کما فی البدایۃ والنہایۃ ص ۲۶ ج ۴۔

ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ آپ نے یہ ارشاد فرمایا۔

من رجل یشری لنا نفسہ کون مرد ہے کہ جو ہمارے لئے اپنی جان فروخت کرے۔

یہ سنتے ہی زیاد بن سکن اور پانچ انصار کھڑے ہو گئے اور یکے بعد دیگرے ہر ایک نے جان نثاری اور جانبازی کے جوہر دکھلائے یہاں تک شہید ہوئے اور اپنی جان کو فروخت کر کے جنت مول لے لی۔

زیاد بن سکن کی شہادت

زیاد کو یہ شرف حاصل ہوا کہ جب زخم کھا کر گرے تو نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے فرمایا ان کو میرے قریب لاؤ۔

لوگوں نے ان کو آپ کے قریب کر دیا۔ انھوں نے اپنا رخسار آپ کے قدم مبارک پر رکھدیا اور اسی حالت میں جان اللہ کے حوالے کی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ ابن ہشام ج۲ ص۹۹

عتبۃ بن ابی وقاص کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بھائی عتبۃ بن ابی وقاص نے موقع پا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک پتھر پھینکا جس سے نیچے کا دندان مبارک شہید اور نیچے کا لب زخمی ہوا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جس قدر اپنے بھائی عتبہ کے قتل کا حریص اور خواہشمند رہا اتنا کسی کے قتل کا کبھی حریص اور خواہشمند نہیں ہوا[۱]
رواہ ابن اسحاق

عبداللہ بن قمیہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ

عبداللہ بن قمیہ نے جو قریش کا مشہور پہلوان تھا آپ پر اس زور سے حملہ کیا کہ رخسار مبارک زخمی ہوا اور خود کی دو حلقے رخسار مبارک میں گھس گئے اور عبداللہ بن شہاب[۲] زہری نے

---

[۱] ۔ فتح الباری، ج ۷، ص: ۲۸۱

[۲] ۔ عبداللہ بن شہاب زہری جنگ احد میں کفار کے ساتھ آئے مگر بعد میں مشرف باسلام ہوئے اور مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔ زرقانی ج۲ ص۳۰

پتھر مار کر پیشانی مبارک کو زخمی کیا۔ چہرۂ انور پر جب خون بہنے لگا تو ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد ماجد مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے تمام خون چوس کر چہرۂ انور کو صاف کر دیا۔ آپ نے فرمایا لن تمسک النار۔ تجھ کو جہنم کی آگ ہرگز نہ لگے گی۔

معجم طبرانی میں ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابن قمیئہ نے آپ کو زخمی کرنے کے بعد یہ کہا:

خذھا و انا ابن قمیئۃ　　لو اس کو اور میں ابن قمیئہ ہوں۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

اقماک اللہ　　اللہ تعالیٰ تجھ کو ذلیل اور خوار ہلاک اور برباد کرے

چند روز نہ گزرے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک پہاڑی بکرا مسلط کیا جس نے اپنے سینگوں سے ابن قمیئہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔[۱]

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا حضور پر نور کو سہارا دینا

جسم مبارک پر چونکہ دو آہنی زرہوں کا بھی بوجھ تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک گڑھے میں گر گئے جس کو ابو عامر فاسق نے مسلمانوں کے لئے بنایا تھا۔ حضرت علی نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور حضرت طلحہ نے کمر تھام کر سہارا دیا تب آپ کھڑے ہوئے۔

اور ارشاد فرمایا کہ جو شخص زمین پر چلتے پھرتے زندہ شہید کو دیکھنا چاہے وہ طلحہ کو دیکھ لے۔

عائشہ صدیقہ بنت صدیق اپنے باپ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما سے راوی ہیں کہ چہرۂ انور میں زرہ کی جو دو کڑیاں چبھ گئی تھیں۔ ابو عبیدۃ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو اپنے دانتوں سے پکڑ کر کھینچا جس میں ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے دو دانت شہید ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ واضحک سنہ یوم القیامۃ آمین اسناد اس روایت کی صحیح ہے۔[۲]

۱۔ فتح الباری، ج: ۷، ص: ۲۸۱۔ زرقانی ج: ۲: ص: ۳۸۔

۲۔ زرقانی، ج: ۲، ص: ۳۸، ابنِ ہشام ج ۲: ص: ۸۴۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب پہاڑ پر چڑھنے کا ارادہ فرمایا تو ضعف اور نقاہت اور دو زرہوں کے ثقل کی وجہ سے مجبور ہوئے اس وقت حضرت طلحہ آپ کے نیچے بیٹھ گئے آپ ان پر اپنے پیر رکھ کر اوپر چڑھے اور حضرت زبیر فرماتے ہیں کہ میں نے اس وقت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو یہ کہتے سنا۔

اوجب طلحۃ   طلحہ نے اپنے لئے جنت واجب کرلی۔

(رواہ ابن اسحاق)

قیس بن ابی حازم فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت طلحہ کا وہ ہاتھ دیکھا جس سے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو احد کے دن بچایا تھا۔ وہ بالکل شل تھا (رواہ البخاری)

حاکم نے اکلیل میں روایت کیا ہے کہ اس روز حضرت طلحہ کے پینتیس ۳۵ یا انتالیس ۳۹ زخم آئے

ابو داؤد طیالسی میں حضرت عائشہ ؓ سے مروی ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب غزوۂ احد ذکر کرتے تو یہ فرماتے؛

کان ذلک الیوم کلہ لطلحۃ   یہ دن تو سارا طلحہ کے لئے رہا۔

حضرت جابر سے مروی ہے کہ دشمنوں کے وار روکتے روکتے حضرت طلحہ رضی اللہ کی انگلیاں کٹ گئیں تو بے اختیار زبان سے یہ نکلا حَسّ آپ نے یہ ارشاد فرمایا؛

لو قلت بسم اللہ لرفعتک الملائکۃ والناس ینظرون الیک حتی تلج بک فی جو السماء۔   اگر تو بجائے حس کے بسم اللہ کہتا تو فرشتے تجھ کو اٹھا کر لے جاتے اور لوگ تجھ کو دیکھتے ہوئے ہوتے یہاں تک تجھ کو جو سماء میں لے کر گھس جاتے۔ اس حدیث کو

(رواہ النسائی والبیہقی بسند جید) [۲]   نسائی اور بیہقی نے نہایت عمدہ اور کھری سند کیساتھ روایت کیا ہے

---

[۱] ۔ فتح الباری میں حَسّ نون کے ساتھ ہے یعنی خوب ہوا اور علامہ زرقانی نے بدون نون کے نقل کیا ہے یعنی حس جیسے ہماری زبان سے آہ نکل جاتا ہے ۱۲

[۲] فتح الباری ، ج: ۷ ، ص: ۲۷۸ ۔ زرقانی ج: ۲ ، ص: ۳۹

حضرت عائشہؓ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ ہم نے اُحد کے دن طلحہؓ کے جسم پر ستر سے زیادہ زخم دیکھے۔ (رواہ ابوداؤد الطیالسی، فتح الباری ج ۷ ص ۶۶ مناقب طلحہؓ)

حضرت انسؓ کے علاتی باپ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آپ کو سپر سے ڈھانکے ہوئے تھے بڑے تیرانداز تھے اس روز دو یا تین کمانیں توڑ ڈالیں جو شخص ترکش لئے ہوئے اُدھر سے گزرتا نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم اس سے یہ فرماتے کہ یہ ترکش ابوطلحہ کے لئے ڈال جاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نظر اٹھا کر لوگوں کو دیکھنا چاہتے تو ابوطلحہ یہ عرض کرتے۔

یا بی انت و امی لا تشرف یصبک	میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ نظر نہ اٹھائیں
سھم من سھام القوم نحری	نصیب دشمنان کوئی تیر نہ آ لگے میرا سینہ آپ کے
دون نحرک (بخاری شریف ص ۵۸۱)	سینہ کے لئے سپر ہے۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے تیرانداز تھے، اُحد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ترکش کے تمام تیر نکال کر ان کے سامنے ڈال دیئے اور فرمایا:

ارم فداک ابی و امی	تیر چلا تجھ پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔

حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے سوائے سعد بن ابی وقاص کے کسی اور کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فداک ابی و امی کہتے نہیں سنا۔ (بخاری شریف ص ۵۸۱)

حاکم راوی ہیں کہ احد کے دن حضرت سعد نے ایک ہزار تیر چلائے۔ (زرقانی ج ۲ ص ۴۲)

ابودجانہ رضی اللہ عنہ کی نثاری

ابودجانہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سپر بن کر آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور پشت

۵۱؎ یعنی احد کے دن سوائے حضرت سعد کے کسی اور کے لئے نہیں سنا، ورنہ غزوۂ بنو قریظہ میں حضرت زبیرؓ کے لئے فداک ابی و امی کہنا صحیح بخاری باب مناقب زبیرؓ میں مذکور ہے (فتح الباری ج ۷ ص ۶۶ مناقب سعد بن ابی وقاصؓ)

۵۲؎ حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ ابودجانہؓ مسیلمہ کذاب کے قتل میں شریک تھے اسی جنگ میں شہید ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲ استیعاب۔

دشمنوں کی جانب کر لی۔ تیر پہ تیر چلے آ رہے ہیں۔ اور ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کی پشت ان کا نشانہ بنی ہوئی ہے۔ مگر اس اندیشہ سے کہ آپ کو کوئی تیر نہ لگ جائے حس و حرکت نہیں کرتے تھے۔ (رواہ ابن اسحاق) [1]

(تنبیہ) جس طرح حضور خاتم النّبیین تھے، کمالات نبوت آپ پر ختم تھے، اسی طرح آپ پر محبوبیت ختم تھی اور صحابہ کرام پر عشق ختم تھا خدا کی قسم۔ اس فدائیت کے سامنے لیلیٰ و مجنوں کی داستانیں سب گرد ہیں۔

حضور پُر نور کا مشرکین پر اظہار افسوس

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرۂ انور سے خون پونچھتے جاتے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے۔ جس نے اپنے پیغمبر کا چہرہ خون آلود کیا اور وہ ان کو ان کے پروردگار کی طرف بلاتا ہے۔ (رواہ احمد والترمذی والنسائی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بعض سرداران قریش کے حق میں بددعا کرنا اور آیت کا نزول

صحیح بخاری میں حضرت سالم سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام کے حق میں بددعا فرمائی اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ [2]	اس امر میں آپ کو کوئی اختیار نہیں یہاں تک کہ خدا ہی فرمائے یا ان کو توبہ کی توفیق دے یا ان کو عذاب دے کیونکہ وہ بڑے ظالم ہیں

---

[1] زرقانی، ج: ۲، ص: ۴۳

[2] آل عمران، آیت: ۱۲۸

حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ یہ تینوں فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے غالباً اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے ان کے حق میں بد دعا کرنے سے منع کیا اور یہ آیت شریفہ نازل فرمائی ۔ فتح الباری ج۷ ص۲۸۱

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے کہ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری نظروں کے سامنے ہیں ، پیشانی مبارک سے خون پونچھتے جاتے ہیں اور یہ فرماتے جاتے ہیں ۔

رَبِّ اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ اے پروردگار میری قوم کی مغفرت فرما وہ جانتے نہیں ۔

(صحیح مسلم غزوۂ احد ج۲ ص۱۰۸)

بمقتضائے شفقت و رافت فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ فرمایا یعنی جانتے نہیں بے خبر ہیں اور یہ نہیں فرمایا فَإِنَّهُمْ يَجْهَلُونَ یعنی یہ جاہل ہیں ۔

آیات بینات کا مشاہدہ کر لینے کے بعد اگرچہ جہل اور لاعلمی عذر نہیں ہو سکتی ۔ لیکن رحمتِ عالم اور رافتِ مجسم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال شفقت اور غایتِ رحمت سے بارگاہ ارحم الراحمین اور اجود الاجودین اور اکرم الاکرمین میں بصورت لاعلمی ان کی طرف سے معذرت کی شاید رحمت خداوندی ان کو ورطۂ کفر و شرک سے نکال کر ایمان و اسلام کے دار الامان اور دار السلام میں لا داخل کرے اور اخلاص و احسان کی رحیق مختوم پلا کر اپنے محبت کے نشہ میں ایسا چور کر دے کہ دنیائے دوں کی دنارت و حقارت اور عالم آخرت کی عزت و نعمت محسوس اور مشاہد ہو جائے اور کفر اور معصیت کے جیل خانہ سے نکل کر ہمیشہ کے لئے ایمان و اسلام اخلاص و احسان کے حرمِ آمن میں آکر مقیم ہو جائیں کہ پھر ابد الآباد تک کبھی اس سے خارج نہ ہوں ۔

ف :۔ جب تک کافر کا خاتمہ کفر پر نہ ہو جائے اس وقت تک کافر کے لئے دعائے مغفرت بایں معنی درست ہے کہ حق تعالیٰ اس کو کفر اور شرک سے توبہ اور ایمان کی ہدایت دے تاکہ وہ خداوند ذو الجلال کے عفو اور مغفرت کا مورد اور محل بن سکے ۔ ہاں جب کسی کا خاتمہ کفر اور شرک پر ہو جائے تب اس کے لئے دعائے مغفرت جائز نہیں کما قال تعالیٰ ۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ پیغمبر کے لئے اور اہلِ ایمان کے لئے یہ روا نہیں

يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ کہ مشرکین کے لئے دعا مغفرت کریں اگرچہ وہ ان کے اہل قرابت ہی کیوں نہوں بعد اس کے کہ یہ ظاہر ہو چکا کہ یہ دوزخی ہیں یعنی کافر ہیں۔

لڑائی میں قتادہ بن النعمان کی آنکھ کی تپلی کا باہر نکل جانا اور حضور پُرنور کا اس کو اپنی جگہ رکھ دینا اور اس کا پہلے بہتر ہو جانا

قتادہ بن النعمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں، کہ اُحد کے دن آپ کے چہرہ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اپنا چہرہ دشمنوں کے مقابل کر دیا تاکہ دشمنوں کے تیر میرے چہرہ پر پڑیں۔ اور آپ کا چہرۂ انور محفوظ رہے۔ دشمنوں کا آخری تیر میری آنکھ پر ایسا لگا کہ آنکھ کا ڈھیلہ باہر نکل پڑا جس کو میں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھ کر آب دیدہ ہو گئے اور میرے لئے دعا فرمائی کہ اے اللہ جس طرح قتادہ نے تیرے نبی کے چہرہ کی حفاظت فرمائی اسی طرح تو اس کے چہرہ کو محفوظ رکھ اور اس آنکھ کو دوسری آنکھ سے بھی زیادہ خوبصورت اور تیز نظر بنا اور آنکھ کو اسی جگہ رکھ دیا۔ اسی وقت آنکھ بالکل صحیح اور سالم بلکہ پہلے سے بہتر اور تیز ہو گئی۔
(رواہ الطبرانی والبونعیم والدارقطنی بنحوہ[۵۲])

ایک روایت میں ہے کہ قتادہ اپنی آنکھ کی تپلی کو ہاتھ میں لئے ہوئے حضور پُرنور کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا اگر تو صبر کرے تو تیرے لئے جنت ہے اور اگر چاہے تو اسی جگہ رکھ کر تیرے لئے دعا کر دوں قتادہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میری ایک بیوی ہے جس سے مجھ کو بہت محبت ہے مجھکو یہ اندیشہ ہے کہ اگر بے آنکھ رہ گیا تو کہیں وہ میری بیوی مجھ سے نفرت نہ کرنے لگے۔ آپ نے دست مبارک سے آنکھ اس کی جگہ پر رکھدی اور یہ دعا فرمائی، اللھم اعطہ جمالا۔ اے اللہ اس کو حسن جمال عطا فرما[۵۳]

۵۱۔ توبہ، آیتہ ۱۱۳۔ ۵۲۔ الاصابہ، ج: ۳، ص: ۲۲۵

۵۳ زرقانی، ج ۲، ص: ۴۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے قتل کی غلط خبر کا مشہور ہونا

جب یہ خبر مشہور ہوئی کہ نعیبِ دشمنان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم قتل ہو گئے، تو بعض مسلمان ہمت ہار کر بیٹھ گئے اور یہ بولے کہ رسول اللہ علیہ وسلّم تو شہید ہو گئے اب لڑ کر کیا کریں۔ تو انس بن مالک کے چچا حضرت انس بن نضر نے یہ کہا اے لوگوں اگر محمدؐ قتل ہو گئے تو محمدؐ کا رب تو قتل نہیں ہو گیا۔ جس چیز پر آپ نے جہاد و قتال کیا اسی پر تم بھی جہاد و قتال کرو اور اسی پہ مر جاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے۔ یہ کہہ کر دشمنوں کی فوج میں گھس گئے اور مقابلہ کیا، یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ (رواہ ابن اسحاق والطبرانی، زرقانی ص ۴۴ ج ۲)

حضرت انس بن النضر کی شہادت کا واقعہ

صحیح بخاری میں حضرت انسؓ راوی ہیں کہ میرے چچا انس بن نضر کو غزوہ بدر میں شریک نہ ہونے کا بہت رنج تھا۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے کہنے لگے۔ یا رسول اللہ افسوس کہ میں مشرکین کے ساتھ اسلام کے پہلے ہی جہاد و قتال میں شریک نہ ہوا۔ اگر خدا تعالیٰ مجھکو آئندہ کسی جہاد میں شریک ہونے کی توفیق دی تو اللہ دیکھے گا کہ میں اس کی راہ میں کیسی جد و جہد اور کیسی جانبازی اور سرفروشی دکھاتا ہوں۔ جب معرکۂ اُحد میں کچھ لوگ شکست کھا کر بھاگے تو انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے کہا اے اللہ میں تیری بارگاہ میں اس فعل سے معافی چاہتا ہوں جو ان مسلمانوں نے کیا کہ جو میدان سے ذرا پیچھے ہٹے اور اس سے بری اور بیزار ہوں کہ جو مشرکین نے کیا اور تلواریں کر آگے بڑھے سامنے سے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ آ گئے ان کو دیکھکر انس بن نضر نے کہا:

این یا سعد[۵] انی اجد ریح اے سعد کہاں جا رہے ہو تحقیق میں تو احد

۵۔ کلمہ یا۔ کلام عرب میں ندائے بعید کے لئے آتا ہے عجیب نہیں کہ حضرت انسؓ کی یا سعد سے یہ مراد ہو کہ اے سعد تو اس سعادت سے کہاں دور پڑا ہوا ہے اور علیٰ ہذا اَینَ سے مکان محسوس مراد نہ ہو بلکہ مکان بمعنی المرتبہ مراد ہو۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم ۱۲

الجنة دون احد — کے پیچھے جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں۔

یہ الفاظ کتاب المغازی کی روایت میں ہے اور کتاب الجہاد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

یا سعد بن معاذ الجنة ورب[1] — اے سعد یہ ہے جنت۔ قسم ہے نضر کے پروردگار کی

النضر انی اجد ریحها دون احد — تحقیق میں جنت کی خوشبو احد کے نیچے پا رہا ہوں

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ بعض مرتبہ اپنے خاص بندوں کو روحانی طور پر نہیں بلکہ حسی طور پر دنیا ہی میں جنت کی خوشبو سنگھا دیتے ہیں جس طرح وہ حضرات حاسہ شامہ سے گلاب اور چنبیلی کی خوشبو سونگھتے ہیں اسی طرح وہ دنیا میں کبھی کبھی اللہ کے فضل سے جنت کی خوشبو سونگھتے ہیں۔ جس کی مہک پانسو میل تک پہنچتی ہے عجب نہیں کہ حضرت انس بن نضر نے حسی طور پر جنت کی خوشبو محسوس فرمائی ہو۔ کذا فی حادی الارواح الی بلاد الافراح ص ۲۵ ج ۱

جو لوگ نشۂ دنیا میں مخمور اور آخرت کے مزکوم[2] ہیں ان کا انکار قابلِ اعتبار نہیں ایسے لوگ از حواس اولیاء بیگانہ اند کے مصداق ہیں۔ مزکام والے کا گلاب اور چنبیلی کی خوشبو کو نہ محسوس کرنا صحیح الدماغ اور صحیح الحواس پر جس کی قوت شامہ میلوں ہی سے پھولوں کی خوشبو سونگھتی ہو) کیسے حجت ہو سکتا ہے۔

الغرض حضرت انس بن نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ واھا لریح الجنة اجدہا دون احد (رواہ واہ۔ جنت کی خوشبو احد کے پاس پا رہا ہوں) یہ کہتے ہوئے آگے بڑھے اور دشمنوں کا مقابلہ کیا یہاں تک کہ شہید ہوئے جسم پر تیر اور تلوار کے اسی سے زیادہ زخم پائے گئے اور یہ آیت ان کے بارہ میں نازل ہوئی۔

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ[3] — مسلمانوں میں سے بعضے ایسے مرد ہیں کہ انہوں نے اللہ سے جو عہد باندھا تھا اس کو سچ کر دکھایا۔

---

[1] ۔ نضر حضرت انس کے باپ کا نام ہے نضر کے اصل معنی پر رونق اور تر و تازہ کے ہیں شاید حضرت انس نے نضرۃ النعیم جنت کی رونق اور تر و تازگی کو دیکھ کر رب نضر کی قسم کھائی ہو واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم ۱۲

[2] ۔ مزکوم وہ کہ جس کو زکام ہو گیا ہو ۱۲

[3] ۔ الاحزاب ۱۰، آیۃ ۲۳

صدق خاں وادن بود ہیں سابقوا　　از نبی برخوان رجال صدقوا

امام بخاری نے اس حدیث کو جامع صحیح میں تین جگہ ذکر فرمایا ہے، کتاب الجہاد ص۳۹۲ ج ۱ و کتاب المغازی ص۵۷۹ میں مفصلاً اور کتاب التفسیر ص۷۰۵ میں مختصراً۔ بقول عارف رومی۔ انس بن نضر رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا۔

وقت آں آمد کہ من عریاں شوم　　جسم بگذارم سراسر جاں شوم

بوئے جاناں سوئے جانم می رسد　　بوئے یار مہربانم می رسد

مسلمانوں کی پریشانی اور بے چینی کا زیادہ سبب ذات بابرکات علیہ الف الف صلوات والف الف تحیات کا نظروں سے اوجھل ہو جانا تھا۔ سب سے پہلے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا۔ آپ خود پہنے ہوئے تھے، چہرۂ انور مستور تھا۔ کعب کہتے ہیں میں نے خود میں سے آپ کی چمکتی ہوئی آنکھیں دیکھ کر آپ کو پہچانا۔ اسی وقت میں نے بآواز بلند پکار کر کہا اے مسلمانو بشارت ہو تمہیں۔ یہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے دستِ مبارک سے اشارہ فرمایا خاموش رہو اگرچہ آپ نے دوبارہ کہنے سے منع فرمایا۔ لیکن دل اور سر کے کان سب کے اسی طرف لگے ہوئے تھے اس لئے کعبؓ کی ایک ہی آواز سنتے ہی پروانہ وار آپ کے گرد آکر جمع ہو گئے، کعب فرماتے ہیں کہ بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زرہ مجھ کو پہنا دی اور میری زرہ آپ نے پہن لی۔ دشمنوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال سے مجھ پر تیر برسانے شروع کئے بیس سے زیادہ زخم آئے (رواہ الطبرانی ورجالہ ثقات)

جب کچھ مسلمان آپ کے پاس جمع ہو گئے تو پہاڑ کی گھاٹی کی طرف چلے۔ ابوبکر اور عمر اور علی اور طلحہ اور حارث بن صمہ وغیرہ آپ کے ہمراہ تھے، جب پہاڑ پر چڑھنے کا ارادہ فرمایا تو ضعف اور نقاہت اور دو زرہوں کے بوجھ کی وجہ سے چڑھ نہ سکے اس لئے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نیچے بیٹھ گئے ان پر پیر رکھ کر آپ اوپر چڑھے۔

اُبَیّ بن خلف کا قتل

اتنے میں اُبَیّ بن خلف گھوڑا دوڑاتا ہوا آپہنچا جس کو دانہ کھلا کر اس امید پر موٹا کیا تھا کہ اس پر سوار ہو کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کروں گا۔

آپ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اسی وقت فرما دیا تھا کہ انشاء اللہ میں ہی اس کو قتل کروں گا۔

جب وہ آپ کی طرف بڑھا تو صحابہ نے اجازت چاہی کہ ہم اس کا کام تمام کریں آپ نے فرمایا قریب آنے دو جب قریب آگیا تو حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ سے نیزہ لے کر اس کی گردن میں ایک کچوکہ دیا جس سے وہ بلبلا اٹھا اور چلاتا ہوا واپس ہوا کہ خدا کی قسم مجھ کو محمدؐ نے مار ڈالا۔

لوگوں نے کہا یہ تو ایک معمولی گھرونٹ ہے کوئی کاری زخم نہیں جس سے تو اس قدر چلا رہا ہے اُبَیّ نے کہا تم کو معلوم نہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مکہ ہی میں کہا تھا کہ میں ہی تجھ کو قتل کروں گا۔ اس گھرونٹ کی تکلیف میرا ہی دل جانتا ہے خدا کی قسم اگر یہ گھرونٹ حجاز تمام باشندوں پر تقسیم کر دی جائے تو سب کی ہلاکت کے لئے کافی ہے اسی طرح بلبلاتا رہا مقام سرف میں پہنچ کر مر گیا۔[1]

حضرت علی اور حضرت فاطمہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زخموں کو دھونا

جب آپ گھاٹی پر پہنچے تو لڑائی ختم ہو چکی تھی وہاں جا کر بیٹھ گئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ پانی لاتے اور چہرۂ انور سے خون کو دھویا اور کچھ پانی سر پر ڈالا۔ بعد ازاں آپ نے وضو کی اور بیٹھ کر ظہر کی نماز پڑھائی۔ صحابہ[2] نے بھی بیٹھ کر ہی اقتدار کی۔

---

[1] البدایہ والنہایۃ، ج: ۴، ص: ۳۵ ۔ [2] ابتداء میں یہی حکم تھا کہ اگر امام کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی بھی بیٹھ کر اقتدا کریں مگر یہ اقتدا کرنے والے معذور نہ ہوں لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا اب اگر عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدیوں پر قیام فرض ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرض الوفات میں بیٹھ کر نماز پڑھائی اور صحابہ کھڑے رہے، یہ آپ کا آخری فعل ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم ۱۲

قریش کا مسلمانوں کی لاشوں کو مُثلہ کرنا

اور مشرکین نے مسلمانوں کی لاشوں کا مُثلہ کرنا شروع کیا یعنی ناک اور کان کاٹے، پیٹ چاک اور اعضاءِ تناسل قطع کئے۔ عورتیں بھی مردوں کے ساتھ اس کام میں شریک رہیں۔

ہندہ نے جس کا باپ عتبہ جنگ بدر میں حضرت حمزہؓ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا، اُس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مثلہ کیا پیٹ اور سینہ چاک کر کے جگر نکالا۔ اور چبایا لیکن حلق سے نہ اتر سکا اس لئے اس کو اُگل دیا اور اس خوشی میں وحشی کو اپنا زیور اتار کر دیا

اور جن مسلمانوں کے ناک اور کان کاٹے گئے تھے اُن کا ہار بنا کر گلے میں ڈالا۔[۱]

ابوسفیان کا آوازہ اور حضرت عمر کا جواب

قریش نے جب واپسی کا ارادہ کیا تو ابوسفیان نے پہاڑ پر چڑھ کر یہ پکارا۔ افی القوم محمد کیا تم لوگوں میں محمد زندہ ہیں۔ آپ نے فرمایا کوئی جواب نہ دے اسی طرح ابوسفیان نے تین بار آواز دی مگر جواب نہ ملا۔ بعد ازاں یہ آواز دی افی القوم ابن ابی قحافہ کیا تم لوگوں میں ابن ابی قحافہ (یعنی ابوبکر صدیقؓ) زندہ ہیں۔ آپ نے فرمایا کوئی جواب نہ دے، اس سوال کو بھی تین بار کہہ کر خاموش ہو گیا اور پھر یہ آواز دی افی القوم ابن الخطاب کیا تم میں عمر بن خطاب زندہ ہیں اس فقرہ کو بھی تین مرتبہ دہرایا مگر جب کوئی جواب نہ آیا تو اپنے رفقاء سے خوش ہو کر یہ کہا اما ھؤلاء فقد قتلوا فلو کانوا احیاء لاجابوا بہر حال یہ سب قتل ہو گئے اگر زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے حضرت عمر رضی اللہ عنہ

[۱] زرقانی، ج: ۲، ص: ۴۴ ـ ۴۷

[۲] صحیح بخاری کی کتاب الجہاد میں فقط یہ الفاظ ہیں اما ھؤلاء فقد قتلوا اور فلو کانوا الخ کا ذکر نہیں کتاب المغازی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں ان ھؤلاء قتلوا فلو کانوا احیاء لاجابوا ناچیز نے دونوں روایتوں کے الفاظ کو جمع کر دیا اور علی ہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمرؓ کو تین تین مرتبہ پکارنا یہ کتاب الجہاد کی روایت میں ہے۔ کتاب المغازی کی روایت میں صرف ایک ایک مرتبہ پکارنے کا ذکر ہے و عدم ذکر لا یدل علی ذکر العدم فافہم ۱۲ -

تاب نہ لا سکے اور چلا کر کہا:

کذبت واللہ یا عدو اللہ ابقی — اے اللہ کے دشمن خدا کی قسم تو نے بالکل غلط کہا تیرے

اللہ علیک ما یحزنک — رنج و غم کا سامان اللہ نے ابھی باقی رکھ چھوڑا ہے۔

بعد ازاں ابوسفیان نے (وطن اور قوم کے ایک بت کا نعرہ لگایا) اور یہ کہا:

اُعْلُ ھُبَلُ اُعْلُ ھُبَلُ[1] — اے ھبل تو بلند ہو اے ھبل تیرا دین بلند ہو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا کہ اس کے جواب میں یہ کہو۔

اَللّٰہُ اَعْلٰی وَ اَجَلُّ — اللہ ہی سب سے اعلیٰ اور ارفع اور بزرگ اور برتر ہے

پھر ابوسفیان نے یہ کہا

ان لنا العزی ولا عزی لکم — ہمارے پاس عُزّٰی تمھارے پاس عزی نہیں۔ یعنی ہم کو عزت حاصل ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا یہ جواب دو۔

اَللّٰہُ مولٰنا ولا مولٰی لکم — اللہ ہمارا آقا اور والی معین اور مددگار ہے تمہارا والی نہیں فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ یعنی عزت صرف اللہ سبحانہ سے تعلق میں ہے عزی کے تعلق میں عزت نہیں بلکہ ذلت ہے۔

ابوسفیان نے کہا۔

یوم بیوم بدر والحرب سِجَالٌ — یہ دن بدر کے دن کا جواب ہے لہٰذا ہم اور تم برابر ہو گئے اور لڑائی ڈولوں کے مانند ہے کبھی اوپر اور کبھی نیچے۔

یہ صحیح بخاری کی روایت ہے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمر نے یہ جواب دیا۔

لا سواء قتلانا فی الجنۃ وقتلاکم — ہم اور تم برابر نہیں ہمارے مقتولین جنت میں ہیں

---

[1] ۔ کتاب الجہاد کی روایت میں اعل ھبل اعل ھبل دو مرتبہ آیا ہے اور کتاب المغازی کی روایت میں صرف ایک مرتبہ مذکور ہے۔ ۱۲

فی النار[1] — اور تمہارے مقتولین جہنم میں۔

ابوسفیان کا یہ قول الحرب سجال چونکہ حق تھا اس لئے اس کا جواب نہیں دیا گیا۔ اور حق تعالیٰ شانہ کا یہ ارشاد تلک الایام نداولہا بین الناس اس کا مؤید ہے۔

بعد ازاں ابوسفیان نے حضرت عمر کو آواز دی۔

هَلُمَّ اِلیّ یا عمر — اے عمر میرے قریب آؤ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو حکم دیا کہ جاؤ اور دیکھو کیا کہتا ہے حضرت عمر اس کے پاس گئے ابوسفیان نے کہا۔

انشدك الله یا عمر اقتلنا محمدا (صلے اللہ علیہ وسلم) — اے عمر تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں سچ بتاؤ کہ ہم نے محمد کو قتل کیا۔

حضرت عمر نے فرمایا۔

اللّٰهم لا وانه لیسمع کلامك الان — خدا کی قسم ہرگز نہیں اور البتہ تحقیق وہ تیرے کلام کو اس وقت سن رہے ہیں۔

ابوسفیان نے کہا۔

انت عندی اصدق من ابن قمیئة وابر — تم میرے نزدیک ابن قمیئہ سے زیادہ سچے اور نیک ہو۔

بعد ازاں ابوسفیان نے کہا۔

انه قد کان فی قتلاکم مثلٌ واللہ ما رضیت ولا نهیت ولا امرت — ہمارے آدمیوں کے ہاتھ سے تمہارے مقتولین کا مثلہ ہوا۔ خدا کی قسم میں اس فعل سے نہ راضی ہوں اور نہ ناراض، نہ میں نے منع کیا اور نہ میں نے حکم دیا۔

---

[1] زرقانی۔ ج ۲، ص: ۴۶ ۔ فتح الباری ج: ۷، ص ۲۷۲

اور چلتے وقت للکار کر یہ کہا۔

موعدکم بدر للعام القابل — سال آئندہ بدر پر تم سے لڑائی کا وعدہ ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو یہ حکم دیا کہ کہہ دیں

نعم ھو بیننا وبینك موعد ان شاء اللہ — ہاں ہمارا اور تمہارا یہ وعدہ ہے ان شاء اللہ

لہ تاریخ طبری ج۳ ص۲۳، ابن ہشام ص۶۴ ج۲

مشرکین کی واپسی کے بعد مسلمانوں کی عورتیں خبر لینے اور حال معلوم کرنے کی غرض سے مدینہ سے نکلیں سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آکر دیکھا کہ چہرۂ انور سے خون جاری ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سپر میں پانی بھر کر لائے حضرت فاطمہ دھوتی جاتی تھیں لیکن خون کسی طرح نہیں تھمتا تھا جب دیکھا کہ خون بڑھتا ہی جاتا ہے تو ایک چٹائی کا ٹکڑا لے کر جلایا اور اس کی راکھ زخم میں بھری تب خون بند ہوا۔ (رواہ البخاری والطبرانی عن سہل بن سعدؓ) ٢ہ

فوائد

(۱)۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیماری میں دوا کرنا جائز ہے۔

(۲)۔ نیز علاج کرنا توکل کے منافی نہیں۔

(۳)۔ نیز حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو بھی امراض جسمانیہ اور تکالیف بدنیہ لاحق ہوتی ہیں تاکہ اُن کے درجات بلند ہوں اور اُن کے متبعین ان حضرات کو دیکھ کر صبر اور تحمل رضا و تسلیم کا سبق حاصل کریں نیز ان عوارض بشریہ اور لوازم انسانیت کو دیکھ کر سمجھ لیں کہ یہ حضرات اللہ جل جلالہ کے پاک اور مخلص بندے ہیں معاذ اللہ خدا نہیں۔ ان حضرات کے معجزات اور آیات بینات کو نبوت و رسالت کے براہین اور دلائل

لہ۔ ان شاء اللہ کا لفظ علامہ زرقانی نے نقل کیا ہے طبری اور ابن ہشام کی روایت میں نہیں ۱۲۔ زرقانی ج۲ ص۴۶

٢ہ۔ زرقانی۔ ج ۲، ص: ۴۹

سمجھیں۔ نصاریٰ کی بیچاری کی طرح فتنہ میں مبتلا ہو کر ان کو خدا نہ سمجھ بیٹھیں اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّاتِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا[۵۱]

(۳) نیز اس واقعہ سے یہ امر بھی خوب واضح ہو گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر اور پھر عمر کا درجہ تھا اور یہ ترتیب اس درجہ واضح اور روشن تھی کہ کفار بھی یہی سمجھتے تھے کہ آپ کے بعد ابوبکر صدیق اور پھر عمر فاروق کا مقام ہے، غرض یہ کہ شیخین (ابوبکر و عمر) کی ترتیب افضلیت کا مسئلہ کفار کو بھی معلوم تھا مشاہدہ سے کفار نے یہ سمجھا کہ بارگاہ نبوت میں اول مقام ابوبکر کا ہے اور پھر عمر کا اور یہ دونوں حضور پُرنور کے وزیر با تدبیر ہیں۔

سعد بن ربیعؓ کی شہادت کا ذکر

قریش کی روانگی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ سعد ربیع انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ڈھونڈو کہ کہاں ہیں اور یہ ارشاد فرمایا۔

ان رأيته فاقرأه منى السلام　　اگر دیکھ پاؤ تو میرا سلام کہنا اور یہ کہنا کہ

وقل له يقول لك رسول الله　　رسول اللہ یہ دریافت فرماتے ہیں کہ تم اس

كيف تجدك　　وقت اپنے کو کیا پاتے ہیں۔

زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ میں ڈھونڈتا ہوا سعد بن ربیعؓ کے پاس پہنچا ابھی حیات کی کچھ

۵۱۔ زرقانی۔ ج ۲، ص: ۴۹۔

۵۲۔ یہ حاکم کی روایت ہے کہ زید بن ثابتؓ کو بھیجا۔ اور حافظ ابن عبدالبر کی روایت میں ہے کہ ابی بن کعبؓ کو بھیجا اور واقدی کی روایت میں ہے کہ محمد بن مسلمہؓ کو بھیجا۔ عجب نہیں کہ یکے بعد دیگرے تینوں کو بھیجا ہو یا دفعۃً واحدۃً ہی تینوں کو حکم دیا ہو واللہ اعلم ۱۲ زرقانی ج ۲ ص ۴۹

رمق باقی تھی جسم پر تیر اور تلوار کے ستّر زخم تھے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیام پہنچایا سعد بن ربیع نے یہ جواب دیا۔

علی رسول اللہ السلام وعلیک السلام قل لہ یا رسول اللہ اجدنی اجد ریح الجنۃ وقل لقومی الانصار لا عذر لکم عند اللہ ان یخلص الی رسول اللہ صلے اللہ علیہ واٰلہ وسلم شفر یطرف قال وفاضت نفسہ رحمہ اللہ	رسول اللہ پر بھی سلام اور تم پر بھی سلام رسول اللہ سے یہ پیام پہنچا دینا یا رسول اس وقت میں جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں اور میری قوم انصار سے یہ کہہ دینا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف پہنچی، درآنحالیکہ تم میں سے ایک آنکھ بھی دیکھنے والی موجود ہو یعنی تم میں سے کوئی ایک بھی زندہ ہو تو سمجھ لینا کہ اللہ کے یہاں تمھارا کوئی عذر

مقبول نہ ہوگا۔ یہ کہہ کر روح پرواز کر گئی رحمہ اللہ تعالیٰ ورضی اللہ عنہ۔

حاکم فرماتے ہیں۔ کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور حافظ ذہبی نے بھی تلخیص میں اس کو صحیح فرمایا ہے

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سعدؓ نے زید بن ثابت سے یہ کہا:

اخبر رسول اللہ صلے اللہ علیہ واٰلہ وسلم انی فی الاموات واقراٴہ السلام وقل لہ یقول جزاک اللہ عنا وعن جمیع الامۃ خیرا۔ (مستدرک ج۳ ترجمہ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دینا کہ اس وقت میں مر رہا ہوں اور سلام کے بعد یہ کہہ دینا کہ سعد یہ کہتا تھا جزاک اللہ عن جمیع الامۃ خیرا۔ اے اللہ کے رسول۔ اللہ آپ کو ہماری اور تمام امت کی طرف سے جزائے خیر دے کہ ہم کو حق کا راستہ بتایا۔

ابن عبد البر کی روایت میں ابی بن کعب سے مروی ہے کہ میں واپس آیا اور رسول اللہ صلی اللہ

ل۵ ۔ ایک روایت میں ہے وفیکم عین تطرف زرقانی ج۲

علیہ وسلم کو سعدؓ کی خبر دی آپ نے سن کر یہ ارشاد فرمایا:

رحمہ اللّٰہ انصح للّٰہ ولرسولہ حیا ومیتا۔ استیعاب للحافظ ابن عبد البر ص۳۳ج۲ حاشیۂ اصابہ

اللہ اس پر رحم فرمائے۔ اللہ اور اس کے رسول کا خیر خواہ اور وفادار رہا زندگی میں بھی اور مرتے وقت بھی۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کی تلاش

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلاش میں نکلے۔ بطن وادی میں مثلہ کئے ہوئے پائے گئے ناک اور کان کٹے ہوئے ہیں شکم اور سینہ چاک تھا اس جگر خراش اور دل آزار منظر کو دیکھ کر بے اختیار دل بھر آیا اور یہ فرمایا تم پر اللہ کی رحمت ہو جہاں تک مجھکو معلوم ہے۔ البتہ تم بڑے مخیر اور صلہ رحمی کرنے والے تھے۔ اگر صفیہ کے حزن اور ملال رنج اور غم کا نہ ہوتا تو میں تم کو اسی طرح چھوڑ دیتا کہ درند اور پرند تم کو کھاتے اور پھر قیامت کے دن تم انھیں کے شکم سے اٹھتے اور اسی جگہ کھڑے کھڑے یہ فرمایا کہ خدا کی قسم اگر اگر خدا نے مجھ کو کافروں پر غلبہ عطا فرمایا تو تیرے بدلہ ستر کافروں کا مثلہ کروں گا آپ اس جگہ سے ابھی ہٹے نہ تھے کہ یہ آیت شریفہ نازل ہو گئی۔

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِمَّا يَمْكُرُونَ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ[1]

اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا کہ تم کو تکلیف پہنچائی گئی تھی اور اگر تم صبر کرو تو البتہ وہ بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لئے اور آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر کرنا محض اللہ کی امداد اور توفیق سے ہے اور نہ آپ ان پر غمگین ہوں اور نہ ان کے مکر سے تنگدل ہوں تحقیق اللہ تعالیٰ صبر کاروں اور نیکوں کے ساتھ ہے

---

[1] سورۃ النحل، آیۃ: ۱۲۶

آپ نے صبر فرمایا اور قسم کا کفارہ دیا اور اپنا ارادہ فسخ کیا۔[۵۱]

حضرت جابر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت حمزہ کو دیکھا تو رو پڑے اور ہچکی بندھ گئی اور یہ فرمایا:

سید الشہداء عند اللہ یوم القیامۃ حمزۃ	قیامت کے دن اللہ کے نزدیک تمام شہیدوں کے سردار حمزہ ہوں گے۔

حاکم فرماتے ہیں ہذا حدیث صحیح الاسناد۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور حافظ ذہبی نے بھی اس کو صحیح بتایا ہے۔[۵۲]

معجم طبرانی میں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

سید الشہداء حمزۃ بن عبد المطلب	حمزۃ بن عبد المطلب تمام شہیدوں کے سردار ہیں۔[۵۳]

اسی وجہ سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سید الشہداء کے لقب سے مشہور ہوئے۔

عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی شہادت کا ذکر

اسی غزوہ میں عبد اللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شہید ہوئے معجم طبرانی اور دلائل ابی نعیم میں سند جید کے ساتھ سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ احد کے دن جنگ شروع ہونے سے پہلے عبد اللہ بن جحش نے مجھ کو ایک طرف بلا کر تنہائی میں یہ کہا۔ آؤ ہم دونوں کہیں علیحدہ بیٹھ کر دعا مانگیں اور ایک دوسرے کی دعا پر آمین کہیں۔

سعد فرماتے ہیں ہم دونوں کسی گوشہ میں سب سے علیحدہ ایک طرف جا کر بیٹھ گئے اول

۵۱۔ مستدرک ج: ۳، ۱۹۷۔ ۵۲۔ ایضاً ص ۱۹۹۔ قال العلامۃ الزرقانی۔ ہذا الحدیث رواہ الحاکم والبیہقی والبزار والطبرانی وقال الحافظ فی الفتح [illegible]

۵۳۔ صحیح بخاری کے متداول نسخوں میں باب مقتل حمزۃ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ ہے۔ لیکن نسفی کے نسخہ میں قتل حمزۃ سید الشہداء ہے۔ غالباً امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں اس حدیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ ۱۲

۵۴۔ فتح الباری۔ ج: ۷، ص: ۲۸۲

میں نے دعا مانگی کہ اے اللہ آج ایسے دشمن سے مقابلہ ہو کہ جو نہایت شجاع اور دلیر اور نہایت غضبناک ہو کچھ دیر تک میں اس کا مقابلہ کروں اور وہ میرا مقابلہ کرے پھر اس کے بعد اے اللہ مجھکو اُس پر فتح نصیب فرما یہاں تک میں اُس کو قتل کروں اور اُس کا سامان چھینوں۔

عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے آمین کہی اور اس کے بعد یہ دعا مانگی۔ اے اللہ آج ایسے دشمن سے مقابلہ ہو کہ جو بڑا ہی سخت اور زور آور اور غضبناک ہو محض تیرے لئے اس سے قتال کروں اور وہ مجھ سے قتال کرے بالآخر وہ مجھ کو قتل کرے اور میری ناک اور کان کاٹے اور اے پروردگار جب تجھ سے ملوں اور تو دریافت فرمائے۔ اے عبداللہ یہ تیرے ناک اور کان کہاں کٹے تو میں عرض کروں اے اللہ تیری اور تیرے پیغمبر کی راہ میں اور تو اس وقت یہ فرمائے، "سچ کہا" سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ ان کی دعا میری دعا سے کہیں بہتر تھی۔ شام کو دیکھا کہ ان کے ناک اور کان کٹے ہوئے ہیں۔[1]

سعد فرماتے ہیں اللہ نے میری بھی دعا قبول فرمائی میں نے بھی ایک بڑے سخت کافر کو قتل کیا اور اس کا سامان چھینا۔[2]

سعید بن مسیب راوی ہیں کہ عبداللہ بن جحش نے یہ دعا مانگی۔

اللهم انی اقسم علیك ان القی العدو فیقتلونی ثم یبقروا بطنی و یجدعوا انفی واذنی ثم تسالنی بم ذلك فاقول فیك۔	اے اللہ میں تجھ کو قسم دیتا ہوں کہ میں تیرے دشمنوں کا مقابلہ کروں اور پھر وہ مجھ کو قتل کریں اور میرا شکم چاک کریں اور میری ناک اور کان کاٹیں اور پھر تو مجھ سے دریافت فرمائے یہ کیوں ہوا تو میں عرض کروں محض تیری وجہ سے۔

سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ میں اللہ سے اُمید کرتا ہوں کہ جس طرح حق تعالیٰ اُس نے خاص شان سے شہادت کے بارے میں ان کی دعا قبول فرمائی۔ اسی طرح اللہ نے ان کی دوسری دعا بھی ضرور

[1] زرقانی، ج: ۲ : ص: ۵۱۔　[2] روض الانف ۔ ج: ۲ ، ص: ۱۴۳

قبول فرمائی ہوگی یعنی شہید ہونے کے بعد ان سے یہ سوال فرمایا ہوگا اور انھوں نے یہ جواب عرض کیا ہوگا۔ حاکم فرماتے ہیں اگر یہ حدیث مرسل ہوتی تو شرط شیخین پر صحیح ہوتی۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں "مرسل صحیح" مستدرک ص ۲، ج ۳

اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ مجدع فی اللہ (یعنی وہ شخص جس کے ناک اور کان اللہ کی راہ میں کاٹے گئے) کے لقب سے مشہور ہوئے [۵۱]

خداوند ذوالجلال کے محبین و مخلصین عشاق اور والہین کا یہی حال ہوتا ہے کہ وہ خدا کی راہ میں جان دینا اپنی انتہائی سعادت سمجھتے ہیں بمقابلہ حیات موت ان کو زیادہ لذیذ اور خوشگوار معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ وہ موت کو محبوب حقیقی (یعنی حق تعالیٰ شانہ) کی لقاء کا ذریعہ اور سجن دنیا سے رہا ہو کر گلستانِ جنت اور بوستانِ بہشت میں پہنچ جانے کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔

تلخ نبود پیش ایشان مرگ تن — چوں روند از چاہ زندان در چمن

تلخ کے باشد کسے راکش برند — از میاں زہر ماراں سوئے قند

ف: حق جل و علا نے جب انسان کو خلیفہ بنانے کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں نے عرض کیا

أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ [۵۲] — کیا آپ اس شخص کو زمین میں خلیفہ بنانا چاہتے ہیں کہ جو زمین میں فساد اور خونریزی کرے حالانکہ ہم سب ہر لحہ اور ہر لحظہ تیری ستائش کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں۔

انسان میں دو قوتیں ہوتی ہیں ایک قوت شہویہ جس سے زنا وغیرہ صادر ہوتا ہے جس کو ملائکہ نے مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا سے تعبیر کیا۔ اور دوسری قوۃ غضبیہ جس سے قتل اور ضرب اور خونریزی ظہور میں آتی ہے جس ملائکہ نے وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ سے تعبیر کیا۔

ملائکہ نے انسان کے یہ نقائص ذکر کئے لیکن یہ خیال نہ کیا یہی قوۃ شہویہ جب اس کا رخ اللہ کی طرف پھیر دیا جائے گا تو اس سے وہ ثمرات اور نتائج ظاہر ہوں گے کہ فرشتے بھی عش عش کرنے

---

[۵۱] الاصابہ۔ ج: ۲ ص: ۲۸۷ ۔ [۵۲] سورۃ البقرہ، آیۃ ۳۰ ۔

لگیں گے یعنی غلبہ عشق خداوندی اور اس کی محبت کا جوش اور ولولہ اور علیٰ ہذا جب قوت غضبیہ کو کارخانہ خداوندی میں صرف کیا جاتا ہے تو اس سے بھی عجیب وغریب نتائج وثمرات ظہور میں آتے ہیں جسے فرشتے دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں یعنی خداوند ذوالجلال کی راہ میں جانبازی اور سرفروشی اور اس کے دشمنوں سے جہاد وقتال۔ ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت   سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

فرشتے بے شک لیل ونہار خداوند کردگار کی تسبیح وتقدیس کرتے ہیں مگر اس کی راہ میں لہنا اور عاشقانہ جانبازی اور سرفروشی کا ولولہ ان میں نہیں وہ اس دولت ونعمت سے محروم ہیں اور پھر یہ کہ اُس محبوب حقیقی کے لئے جان دے دینا اور اُس کی راہ میں شہید ہونا یہ وہ نعمت ہے کہ جس کا فرشتوں میں امکان بھی نہیں۔ انسان میں اگرچہ فرشتوں کی طرح عصمت نہیں لیکن گناہ کے بعد انسان کی مضطربانہ ندامت وشرمساری اور بے تابانہ گریہ وزاری اس کو اس درجہ بلند اور رفیع بنادیتی ہے کہ فرشتے پیچھے رہ جاتے ہیں ؎

مرکب تو بہ عجائب مرکب است   بر فلک تازد بیک لحظہ زپست

چوں برآرند از پشیمانی انیں   عرش لرزد از انین المذنبیں

اسی وجہ سے اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ تمام انبیاء ومرسلین۔ ملائکہ مقربین سے افضل اور برتر ہیں اور صحابہ اور تابعین اور صدیقین اور شہداء اور صالحین بقیہ ملائکہ سموات وارضین سے اشرف ہیں (کذا فی البحر الرائق ص ۲۳۳ ج ۱ وان شئت زیادۃ تفصیل فارجع الیہ) اور مؤمنات صالحات، حور عین سے افضل ہیں کذا فی الیواقیت والجواہر۔ ۱۲

عبداللہ بن عمرو بن حرام ؓ کی شہادت کا ذکر

حضرت جابر کے والد ماجد عبداللہ بن عمرو بن حرام انصاری رضی اللہ عنہ بھی اسی معرکہ میں شہید ہوئے۔

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میرے باپ جنگِ اُحد میں شہید ہوئے اور کافروں نے ان کا مُثلہ کیا۔ جب ان کی لاش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لاکر رکھی گئی تو میں نے باپ کے منہ سے کپڑا اٹھاکر دیکھنا چاہا تو صحابہ نے منع کیا۔ میں نے دوبارہ منہ دیکھنا چاہا تو صحابہ نے پھر منع کیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی۔

میری پھوپی فاطمہ بنت عمرو جب بہت رونے لگیں تو آپ نے یہ ارشاد فرمایا روتی کیوں ہے۔ اس پر تو فرشتے برابر سایہ کئے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کا جنازہ اٹھا گیا۔ (بخاری شریف[۵۱])

یعنی یہ مقام رنج و حسرت کا نہیں بلکہ فرحت و مسرت کا ہے کہ فرشتے تیرے بھائی پر سایہ کئے ہوئے ہیں۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھ کر یہ فرمایا اے جابر تجھ کو کیا ہوا میں تجھ کو شکستہ خاطر پاتا ہوں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے باپ اس غزوہ میں شہید ہوئے اور آل و عیال اور قرض کا بار چھوڑ گئے۔ آپ نے فرمایا کیا میں تجھ کو ایک خوش خبری نہ سناؤں میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ کیوں نہیں ضرور سنائیے۔ آپ نے فرمایا کسی شخص سے کبھی اللہ نے کلام نہیں فرمایا مگر پس پردہ لیکن اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ کو زندہ کیا اور بالمشافہ اور بالمواجہہ اس سے کلام کیا اور یہ کہا اے میرے بندے اپنی کوئی تمنا میرے سامنے پیش کر تو تیرے باپ نے یہ عرض کیا اے پروردگار تمنا یہ ہے کہ پھر زندہ ہوں اور تیری راہ میں پھر دوبارہ مارا جاؤں حق تعالیٰ نے فرمایا یہ تو نہیں ہو سکتا، اس لئے یہ مقدر ہو چکا ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ واپسی نہیں (ترمذی شریف[۵۲] کتاب التفسیر سورۂ آلِ عمران) عبداللہ بن عمرو بن حرم کہتے ہیں کہ اُحد سے پیشتر میں نے مبشر بن عبدالمنذر کو خواب میں دیکھا کہ یہ کہہ رہے ہیں کہ اے عبداللہ

۵۱۔ یہ حدیث صحیح بخاری کے متعدد ابواب میں مذکور ہے مثلاً کتاب الجنائز ص۱۶۶ و ص۱۲۷ و کتاب الجہاد ص۳۹۵ و کتاب المغازی ص۵۸۴

۵۲۔ حافظ عسقلانی فتح الباری میں فرماتے ہیں رواہ الترمذی وحسنہ والحاکم وصححہ فتح الباری ص۲۵ ج۶ باب تمنی المجاہدان یرجع الی الدنیا۔

تم بھی عنقریب ہمارے ہی پاس آلنے والے ہو۔ میں نے کہا تم کہاں ہو۔ کہا جنت میں جہاں چاہتے ہیں سیر و تفریح کرتے ہیں میں نے کہا کیا تو بدر میں قتل نہیں ہوا تھا مبشر نے کہا ہاں لیکن پھر زندہ کر دیا گیا۔

عبداللہ کہتے ہیں یہ خواب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا آپ نے فرمایا اے ابو جابر اس کی تعبیر شہادت ہے[۵۱]

عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ کی شہادت کا ذکر

اسی غزوہ میں عبداللہ بن عمرو بن حرام کے بہنوئی عمرو بن الجموح رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شہید ہوئے۔ ان کی شہادت کا واقعہ بھی عجیب ہے۔ عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں لنگ تھی اور لنگ بھی معمولی نہ تھی بلکہ شدید تھی۔ چار بیٹے تھے جو ہر غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہتے تھے، اُحد میں جاتے وقت ان سے کہا کہ میں تمہارے ساتھ جہاد میں چلتا ہوں۔ بیٹوں نے کہا آپ معذور ہیں، اللہ نے آپ کو رخصت دی ہے۔ آپ یہیں رہیں۔ مگر یہ عزیمت کے شیدائی کب رخصت پر عمل کرنے والے تھے۔ شوقِ شہادت میں اس درجہ بے تاب اور بے چین ہوئے کہ اسی حالت میں لنگڑاتے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے بیٹے مجھ کو آپ کے ساتھ جانے سے روکتے ہیں۔

واللہ انی لارجوان اطأ بعرجتی	خدا کی قسم تحقیق میں امید وانق رکھتا ہوں کہ اسی
ھذہ فی الجنۃ۔	لنگ کے ساتھ جنت کی زمین کو جا کر روند دوں۔

آپ نے ارشاد فرمایا اللہ نے تم کو معذور رکھا ہے۔ تم پر جہاد فرض نہیں اور بیٹوں کی طرف مخاطب ہو کر یہ ارشاد فرمایا کہ کیا حرج ہے اگر تم ان کو نہ روکو۔ شاید اللہ تعالیٰ ان کو شہادت نصیب فرمائے چنانچہ وہ جہاد کے لئے نکلے اور شہید ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ[۵۲]

اور مدینہ سے چلتے وقت مستقبلِ قبلہ ہو کر یہ دعا مانگی۔

۵۱۔ زاد المعاد ۔ ج : ۲ ، ص ، ۹۶ ۔ فتح الباری ج : ۳ ، ص : ۱۶۳

۵۲۔ ابن ہشام ۔ ج : ۲ ، ص ، ۸۸ البدایۃ والنہایۃ ج : ۴ ، ص ۳۷

اللّٰھم ارزقنی الشھادۃ ولا تردنی الی اھلی۔ — اے اللہ مجھ کو شہادت نصیب فرما اور گھر والوں کی طرف واپس نہ کر۔

اسی غزوہ میں ان کے بیٹے خلاد بن عمرو بن الجموح بھی شہید ہوئے، عمرو بن الجموح کی بیوی ہندہ بنت عمرو بن حرام نے (جو کہ عبداللہ بن عمرو بن حرام کی بہن اور حضرت جابر کی پھوپی ہیں) یہ ارادہ کیا کہ تینوں یعنی اپنے بھائی عبداللہ بن عمرو بن حرام اور اپنے بیٹے خلاد بن عمرو بن الجموح اور اپنے شوہر عمرو بن الجموح کو ایک اونٹ پر سوار کر کے مدینہ لے جائیں اور وہیں جاکر تینوں کو دفن کریں مگر جب مدینہ کا قصد کرتی ہیں تو اونٹ بیٹھ جاتا ہے اور جب اُحد کا رُخ کرتی ہیں تو تیز چلنے لگتا ہے۔

ہندہ نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا آپ نے فرمایا عمرو بن الجموح نے مدینہ سے چلتے وقت کچھ کہا تھا۔ ہندہ نے ان کی وہ دعا ذکر کی جو انھوں نے چلتے وقت کی تھی آپ نے فرمایا، اسی وجہ سے اُونٹ نہیں چلتا اور یہ فرمایا:

والذی نفسی بیدہ ان منکم من لو اقسم علی اللّٰہ لابرہ منھم عمرو بن الجموح ولقد رأیتہ یطاء بعرجتہ فی الجنۃ۔ — قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے البتہ تم میں بعض ایسے بھی ہیں اگر اللہ پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ ان کی قسم کو ضرور پورا کرے ان میں سے عمرو بن الجموح بھی ہیں البتہ تحقیق میں نے ان کو اسی لنگ کے ساتھ جنت میں چلتا ہوا دیکھا ہے[۱]

استیعاب ترجمہ عمرو بن الجموح ج۲، ۵ حاشیہ اصابہ

عبداللہ بن عمرو بن حرام اور عمرو بن جموح رضی اللہ تعالیٰ عنہما اُحد کے قریب دونوں ایک ہی قبر میں دفن کئے گئے۔

---

[۱] - زرقانی۔ ج ۲، ص: ۵۰ - روض الانف، ج ۲، ص: ۱۳۹، عیون الاثر، ص ۱، ۳۴

حضرت خیثمہ کی شہادت کا ذکر

خیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (جن کے بیٹے سعد غزوہ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شہید ہو چکے تھے) بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ افسوس مجھ سے غزوہ بدر رہ گیا۔ جس کی شرکت کا میں بڑا ہی حریص اور مشتاق تھا۔ یہاں تک اس سعادت کے حاصل کرنے میں بیٹے سے قرعہ اندازی کی مگر یہ سعادت میرے بیٹے سعد کی قسمت میں تھی قرعہ اس کے نام کا نکلا اور شہادت اس کو نصیب ہوئی اور میں رہ گیا۔

آج شب میں نے اپنے بیٹے کو خواب میں دیکھا ہے نہایت حسین و جمیل شکل میں ہے جنت کے باغات اور نہروں میں سیر و تفریح کرتا پھرتا ہے اور مجھ سے یہ کہتا ہے اے باپ تم بھی یہیں آجاؤ دونوں مل کر جنت میں ساتھ رہیں گے۔ میرے پروردگار نے جو مجھ سے وعدہ کیا تھا وہ میں نے بالکل حق پایا۔

یا رسول اللہ اس وقت سے اپنے بیٹے کی مرافقت کا مشتاق ہوں۔ بوڑھا ہو گیا اور ہڈیں کمزور ہو گئیں اب تمنا یہ ہے کہ کسی طرح اپنے رب سے جا ملوں۔ یا رسول اللہ، اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ مجھ کو شہادت اور جنت میں سعد کی مرافقت نصیب فرمائیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیثمہ کے لئے دعا فرمائی۔ اللہ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور خیثمہ معرکۂ اُحد میں شہید ہوئے۔[۲]

انشاء اللہ ثم انشاء اللہ اُمید واثق ہے کہ حضرت خیثمہ اپنے بیٹے سعد سے جا ملے رضی اللہ تعالیٰ عنہما

حضرت اُصَیرِم کی شہادت کا ذکر

عمرو بن ثابت، جو اُصَیرِم کے لقب سے مشہور تھے ہمیشہ اسلام سے منحرف رہے جب اُحد کا دن ہوا تو اسلام دل میں اتر آیا اور تلوار لے کر میدان میں پہنچے اور کافروں سے خوب قتال کیا یہاں

---

[۱] جس کا مفصل قصہ غزوہ بدر کے بیان میں گذر چکا ہے۔ [۲] زاد المعاد، ج ۲، ص : ۹۲

تک زخمی ہو کر گر پڑے لوگوں نے جب دیکھا کہ اصیرم ہیں تو بہت تعجب ہوا اور پوچھا کہ اے عمرو تیرے لئے اس لڑائی کا کیا داعی ہوا۔ اسلام کی رغبت یا قومی غیرت وحمیت اُصیرم رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

بل رغبۃ فی الاسلام فآمنت باللہ ورسولہ فاسلمت واخذت سیفی وقاتلت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی اصابنی ما اصابنی۔

بلکہ اسلام کی رغبت داعی ہوئی میں ایمان لایا اللہ اور اس کے رسول پر اور مسلمان ہوا اور تلوار لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے دشمنوں سے قتال کیا یہاں تک مجھ کو یہ زخم پہنچے۔

یہ کلام ختم کیا اور خود بھی ختم ہو گئے رضی اللہ تعالےٰ عنہ

انہ لمن اھل الجنۃ — البتہ تحقیق وہ اہلِ جنت سے ہے۔

(رواہ ابن اسحاق واسنادہ حسن)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرمایا کرتے تھے بتلاؤ وہ کون شخص ہے کہ جو جنت میں پہنچ گیا۔ اور ایک نماز بھی نہیں پڑھی۔ وہ یہی صحابی ہیں۔ اصابہ ترجمہ عمرو بن ثابت رضی اللہ عنہ

مدینہ منورہ کے مردوں اور عورتوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خیریت اور سلامتی معلوم کرنے کے لئے ہجوم

جنگ کے متعلق مدینہ میں چونکہ وحشتناک خبریں پہنچ چکی تھیں۔ اس لئے مدینہ کے مرد اور عورت بچے اور بوڑھے اپنے عزیزوں سے زیادہ آپ کو سلامت وعافیت کے ساتھ دیکھنے کے متمنی اور مشتاق تھے۔

چنانچہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ واپسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک انصاری عورت پر ہوا جس کا شوہر اور بھائی اور باپ اس معرکہ میں شہید ہوئے جب اس عورت کو اس کے شوہر اور برادر اور پدر کے شہادت کی خبر سنائی گئی تو یہ کہا کہ پہلے یہ بتاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں۔ لوگوں نے کہا بحمد اللہ خیریت سے ہیں۔ اس خاتون نے کہا مجھکو چہرۂ انور دکھلاؤ

آنکھوں سے دیکھکر پورا اطمینان ہوگا۔ لوگوں نے اشارہ سے بتلایا کہ حضور یہ ہیں۔ جب اس خاتون نے جمال نبوی کو دیکھ لیا تو یہ کہا۔ کل مصیبة بعدك جلل ہر مصیبت آپ کے بعد بالکل ہیچ اور بے حقیقت ہے۔ (ابن ہشام ص ۲ ج ۱)

معرکۂ کارزار میں عین پریشانی کی حالت میں محبین با اخلاص پر حق تعالے کا ایک خاص انعام یعنی ان پر غنودگی طاری کر دی گئی

جب کسی شیطان نے یہ خبر اڑا دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے تو بعضے مسلمان بمقتضائے بشریت یہ خبر سن کر پریشان ہو گئے اور اسی پریشانی اور حیرانی کے حالت میں کچھ دیر کے لیے ان کے قدم میدانِ جنگ سے ہٹ گئے اور اس معرکہ میں جن کے لیے شہادت کی سعادت مقدر تھی وہ شہید ہو گئے اور جن کے لیے ہٹنا مقدر تھا وہ ہٹ گئے اور جو میدان قتال میں باقی رہ گئے تھے ان میں سے جو مؤمنین مخلصین اور اہل یقین اور اصحاب توکل تھے ان پر حق تعالے کی طرف سے ایک غنودگی طاری کر دی گئی، یہ لوگ کھڑے کھڑے اونگھنے لگے جن میں حضرت طلحہ بھی تھے۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کئی مرتبہ تلوار میرے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گری تلوار میرے ہاتھ سے گر گر جاتی تھی اور میں اس کو اٹھا لیتا تھا یہ ایک حسی اثر تھا اس باطنی سکون کا جو حق تعالیٰ نے اس موقعہ پر اہل ایمان کو عطا فرمایا جس سے کافروں کا خوف و ہراس دل سے یکلخت دور ہو گیا۔ اور منافقین کا گروہ جو اس وقت شریک جنگ تھا اس وقت سخت اضطراب میں تھا اس کو صرف اپنی جان بچانے کی فکر تھی، ان کمبختوں کو نیند نہ آئی اس بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

ثُمَّ أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّن بَعْدِ الْغَمِّ	پھر اللہ تعالیٰ نے اس غم کے بعد تم پر ایک امن
أَمَنَةً نُّعَاسًا يَغْشَىٰ طَائِفَةً مِّنكُمْ ۖ	اور سکون کی کیفیت نازل فرمائی یعنی تم میں سے ایک
وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ	جماعت پر اونگھ طاری کر دی جو ان کو گھیر رہی تھی
بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۖ الآیات[1]	اور ایک دوسری جماعت ایسی تھی کہ جس کو اپنی جان

---

[1] سورۂ آل عمران آیۃ ۱۵۴

کی فکر پڑی ہوئی تھی اور خدا تعالیٰ کے ساتھ جاہلیت کی طرح بدگمانی میں مبتلا تھی۔

حافظ ابن کثیر[1] فرماتے ہیں کہ جس جماعت پر نیند طاری کی گئی وہ جماعت ان اہل ایمان کی تھی کہ جو یقین اور ثبات اور استقامت اور توکل صادق کے ساتھ موصوف تھے اور ان کو یہ یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی ضرور مدد کرے گا اور اپنے رسول سے جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا کرے گا اور دوسرا گروہ جسے اپنی جانوں کی فکر پڑی ہوئی تھی اور اسی فکر میں ان کی نیند غائب تھی، وہ منافقین کا گروہ تھا ان کو صرف اپنی جان کا غم تھا اطمینان اور امن کی نیند سے محروم تھے۔

جنگ میں کچھ عورتوں کی شرکت اور اس کا حکم

اس غزوہ میں مسلمانوں کی چند عورتوں نے بھی شرکت کی صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ احد کے دن میں نے حضرت عائشہ اور اپنی والدہ ام سلیم کو دیکھا کہ پائنچے چڑھائے ہوئے پانی کی مشک بھر بھر کر پشت پہ رکھ کر لاتی ہیں اور لوگوں کو پانی پلاتی ہیں۔ جب مشک خالی ہو جاتی ہے تو پھر بھر کر لاتی ہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ ابوسعید خدری کی والدہ ام سلیطؓ بھی احد کے دن ہمارے لئے مشک میں پانی بھر بھر کر لاتی تھیں۔

صحیح بخاری میں ربیع بنت معوذؓ سے مروی ہے کہ ہم غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جاتی تھیں کہ لوگوں کو پانی پلائیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کریں اور مقتولین کو اٹھا کر لائیں۔

خالد بن ذکوان کی روایت میں اس قدر اور اضافہ ہے۔ (ولا نقاتل)

(ربیع کہتے ہیں مگر ہم قتال اور لڑائی میں شریک نہیں ہوتے تھے) یہ تینوں روایتیں صحیح بخاری کی کتاب الجہاد میں مذکور ہیں تفصیل کے لئے فتح الباری از ج ۶ ص ۵۹ تا ج ۶ ص ۶۰ مراجعت فرمائیں سنن ابن ماجہ

---

[1] اصل عبارت کے الفاظ یہ ہیں ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ۔ یعنی اہل الایمان والیقین والثبات والتوکل الصادق وہم الجازمون بان اللہ عزوجل سینصر رسولہ وینجز لہ مامولہ الخ تفسیر ابن کثیر ص ۴۱۹ ج ۱

میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا علے النساء جہاد کیا عورتوں پر بھی جہاد ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا نعم جہاد لا قتال فیہ الحج والعمرۃ ہاں ان پر ایسا جہاد ہے۔

جس میں لڑنا نہیں۔ یعنی حج اور عمرہ (فتح الباری کتاب الحج باب حج النساء)

صحیح بخاری کی کتاب العیدین میں ام عطیہؓ سے مروی ہے کہ ہم غزوات میں مریضوں کی خبر گیری اور زخمیوں کے علاج کی غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔

ان عورتوں نے فقط لوگوں کو پانی پلایا اور مریضوں اور زخمیوں کی خبر گیری کی لیکن قتال نہیں کیا مگر ام عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب دیکھا کہ ابن قمیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر رہا ہے تو انھوں نے اس حالت میں آگے بڑھ کر مقابلہ کیا۔ مونڈھے پر ایک گہرا زخم آیا۔ ام عمارہؓ فرماتی ہیں، میں نے بھی بڑھ کر ابن قمیہ پر وار کیا مگر عدو اللہ (اللہ کا دشمن) دو زرہ پہنے ہوئے تھا[1]

اس غزوہ میں صرف ایک ام عمارہ شریک جہاد و قتال ہوئیں۔ اس کے علاوہ تمام غزوات میں سوائے ایک دو عورت کے اور عورتوں کا شریک جہاد و قتال ہونا کہیں ذخیرۂ حدیث سے ثابت نہیں اور نہ کسی حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عورتوں کو جہاد کی ترغیب دینا ثابت ہے۔

اس لئے تمام امت کا اس پر اجماع ہے کہ عورتوں پر جہاد فرض نہیں الا یہ کہ کفار ہجوم کر آئیں اور ضرورت عورتوں کی شرکت پر بھی مجبور کرے۔

عورتوں کا فطری ضعف اور ان کی طبعی ناتوانی خود اس کی دلیل ہے کہ ان پر جہاد و قتال کو لازم کرنا ان کی فطرت اور جبلت کے خلاف ہے۔ قال تعالیٰ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ یعنی ضعیف اور ناتواں مریض اور غیر مستطیع لوگوں پر جہاد فرض نہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جہاد میں یہ تاکید فرماتے ہیں کہ کسی عورت کو قتل نہ کرنا۔ ایک مرتبہ آپ نے ایک عورت کو مقتول دیکھا جو غلطی سے قتل ہو گئی تھی (فرمایا ما کانت ھذہ لتقاتل یہ تو قتال کے قابل نہیں۔

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ، ج ۴، ص ۳۴ ۔ ابن ہشام ۔ ج ۲، ص ۸۲

صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم جہاد کو سب سے افضل اور بہتر عمل سمجھتے ہیں، کیا ہم عورتیں اس میں شریک نہ ہوا کریں آپ نے فرمایا۔ نہیں تمہارا جہاد تو حج مبرور ہے۔

اصل حکم عورتوں کے لئے یہ ہے۔ وَقَرْنَ فِی بُیُوتِکُنَّ۔ اپنے گھروں میں ٹھہرو۔ باہر نہ نکلو۔ دیکھو شرح سیر کبیر ص ۹۲ ج ۱

اسی لئے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے عورتوں کا نماز کی جماعت میں حاضر ہونا بھی پسند نہیں فرمایا اور عطر اور خوشبو لگا کر یا عمدہ کپڑے پہن کر مسجد میں آنے کی صریح ممانعت فرمائی۔ اور بجائے صحن خانہ کے دالان میں اور اس سے بڑھکر کوٹھری میں عورت کا نماز پڑھنا افضل قرار دیا۔ لہذا جب شریعت مطہرہ صفِ نماز میں عورتوں کی حاضری پسند نہیں کرتی تو صفِ جہاد و قتال میں بلا ضرورت ان کی حاضری کیسے پسند کر سکتی ہے۔

اس لئے حضرات فقہاء نور اللہ مرقدہم نے یہ فتویٰ دیا کہ نماز کی جماعت اور جہاد میں عورتوں کا حاضر ہونا ناپسند ہے۔ مگر مجاہدین کی اعانت اور امداد اور مریضوں اور زخمیوں کی خبر گیری کی غرض سے صرف ان عورتوں کا حاضر ہونا جائز ہے کہ جن کی حاضری باعث فتنہ نہ ہو۔ یعنی بوڑھی ہوں۔ بشرطیکہ شوہر یا ذی رحم محرم ان کے ہمراہ ہو۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ کسی عورت کے لئے جائز نہیں کہ بغیر شوہر یا بغیر ذی رحم محرم کے ہمراہ لئے حج وغیرہ کسی قسم کا کوئی سفر کر سکے۔ اسی وجہ سے بعض فقہاء کا یہ قول ہے کہ جس عورت پر ذی ثروت اور صاحب استطاعت ہونے کی وجہ سے حج فرض ہو اور شوہر اور نہ ذی رحم محرم رکھتی ہو تو اس پر نکاح واجب ہے کہ نکاح کر کے شوہر کے ہمراہ حج کو جائے تاکہ بغیر محرم کے سفر نہ ہو۔

مسجد میں نماز کے لئے عورتوں کی حاضری اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ ان کی حاضری موجب فتنہ نہ ہو ورنہ ناجائز اور حرام ہے۔

اسی طرح اسپتالوں میں عورتوں کا غیر مردوں کی تیمار داری کرنا بھی بلاشبہ حرام ہے، اسے

میرے دوستو! موجودہ تہذیب پر ملامت کرو۔ موجودہ تہذیب کی بنیاد اور عمارت اور تمام فرش نفسانی شہوتوں اور شیطانی لذتوں پر مبنی ہے اور حضرات انبیاء کرام کی شریعتیں عفت اور عصمت پاکدامنی پر مبنی ہیں جس کو خداوند تعالیٰ نے عقل دی ہے وہ عفت اور شہوت کے فرق کو سمجھے گا اور جو نفس و شیطان کا غلام بنا ہوا ہے اس سے خطاب ہی فضول ہے ایسے بے عقل کے نزدیک نکاح اور زنا میں بھی فرق نہیں۔ اللہ اکبر کیا وقت آگیا کہ جب شریعت مقدسہ عفت اور عصمت کی طرف دعوت دیتی ہے تو یہ بندگانِ شہوت اس پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔

شہداءِ اُحد کی تجہیز و تکفین

اس غزوہ میں ستر صحابہ شہید ہوئے جن میں اکثر انصار تھے۔ بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ کفن کی چادر بھی پوری نہ تھی۔ چنانچہ مصعب بن عمیرؓ کے ساتھ یہی واقعہ پیش آیا کہ کفن کی چادر اس قدر چھوٹی تھی کہ سر اگر ڈھانکا جاتا تھا تو پاؤں کھل جاتے تھے اور اگر پاؤں ڈھکے جاتے تھے تو سر کھل جاتا تھا بالآخر یہ ارشاد فرمایا کہ سر ڈھانک دو اور پیروں پر اذخر (ایک گھاس ہوتا ہے) ڈال دو۔ (صحیح بخاری غزوہ اُحد)

اور یہی واقعہ سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا جیسا کہ معجم طبرانی میں ابواسید سے اور مستدرک حاکم میں انسؓ سے مروی ہے۔ طبرانی کی سند کے سب راوی ثقہ ہیں۔

اور بعض کے لئے یہ بھی میسر نہ آیا۔ دو دو آدمیوں کو ایک ہی چادر میں کفن دیا گیا۔ اور دو دو اور تین تین[1] کو ملا کر ایک قبر میں دفن کیا گیا۔ دفن کے وقت یہ دریافت فرماتے کہ ان میں سے زیادہ قرآن کس کو یاد ہے۔ جس کی طرف اشارہ کیا جاتا اسی کو قبلہ رُخ لحد میں آگے رکھتے اور یہ ارشاد فرماتے:

انا شہید علی ھؤلاء یوم القیامۃ — قیامت کے دن میں ان لوگوں کے حق میں شہادت دوں گا۔

---

[1] تین تین کا لفظ صحیح بخاری کی روایت میں نہیں بلکہ سنن کی روایت ہے جس کی امام ترمذی نے تصحیح کی ہے۔ (فتح الباری ص ۱۶۹ ج ۳ کتاب الجنائز)

اور یہ حکم دیا کہ اس طرح بلا غسل دیئے خون آلود دفن کردیں (صحیح بخاری کتاب الجنائز)

صحیح بخاری میں جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی لیکن کل علماء سیر اس پر متفق ہیں کہ آپ نے شہدائے احد کے جنازہ کی نماز پڑھی۔ اور متعدد روایات حدیث بھی اسی کی مؤید اور مساعد ہیں۔ حافظ علاء الدین مغلطائی نے اپنی سیرت میں اس پر اجماع[1] نقل کیا ہے۔ باقی تفصیل کے لئے کتب حدیث کی مراجعت کی جائے۔

بعض لوگوں نے یہ ارادہ کیا کہ اپنے عزیز شہیدوں کو مدینہ لے جاکر دفن کریں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا اور یہ حکم دیا کہ جہاں شہید ہوئے وہیں دفن کئے جائیں (ابن ہشام ص۹۱ ج۲)

شہیدِ قوم

اُحد کے دن قزمان نامی ایک شخص نے بڑی جانبازی اور سرفروشی دکھلائی اور تنہا اس نے سات یا آٹھ مشرکوں کو قتل کیا اور آخر میں خود زخمی ہوگیا جب اس کو اٹھا کر گھر لے آئے تو بعض صحابہ اس سے یہ کہا:۔

واللہ لقد ابلیت الیوم یاقزمان فابشر	خدا کی قسم آج کے دن اے قزمان تونے بڑا کارنمایاں کیا تجھکو مبارک ہو۔

قزمان نے جواب دیا:

اذا ابشر فواللہ ان قاتلت الاعن احساب قومی ولولا ذلک ما قاتلت	تم مجھے کس چیز کی بشارت اور مبارکباد دیتے ہو: خدا کی قسم میں نے اللہ اور اس کے رسول کے لئے قتال نہیں کیا بلکہ صرف اپنی قوم کے خیال اور ان کے بچانے کی غرض سے قتال کیا۔

---

[1] چنانچہ حافظ موصوف عنوان ذیل کے تحت (الصلاۃ علی الشہداء من غیر غسل) یہ تحریر فرماتے ہیں وصلی علی حمزۃ والشہداء من غیر غسل وہذا اجماع الا ما شذ بہ بعض التابعین قال السہیلی لم یرو عنہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ صلی علی شہید فی شیء من مغازیہ الا فی ہذہ۔ وفیہ نظر لما ذکرہ النسائی من انہ صلی علی اعرابی فی غزوۃ اخری۔ (سیرت مغلطائی ص۵۰)

اس کے بعد جب زخموں کی تکلیف زیادہ ہوئی تو خودکشی کر لی [۱] یہ قصہ تفصیل کے ساتھ بحوالۂ بخاری و فتح الباری بحث جہاد میں گزر چکا ہے۔

فائدہ:۔ یہ شخص دراصل منافق تھا مسلمانوں کے ساتھ مل کر جو اس نے کارنمایاں کئے تو محض قوم اور وطن کی ہمدردی میں کئے حتی کہ اسی میں وہ مارا گیا اس بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ شخص اہل نار میں سے ہے خدا کے نزدیک شہید وہ ہے کہ جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جہاد کرے اور جو شخص قوم اور وطن کے لئے لڑ کر جان دیدے اس زمانہ کے محاورہ کے مطابق وہ شہید قوم کہلا سکتا ہے مگر اسلام میں وہ شہید نہیں اسی تر جمان کا مفصل واقعہ شروع ہی میں اسی عنوان، جہاد کی حقیقت کے ذیل میں گزر چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

تنبیہ:۔ قال ابن کثیر وقد ورد مثل قصۃ ہذا فی غزوۃ خیبر کما سیاتی انشاء اللہ تعالیٰ البدایۃ والنہایۃ ص ۳۶ ج ۴۔

اسرار و حِکَم

حق جل وعلا نے غزوۂ احد کے بیان وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ سے ساٹھ آیتیں نازل فرمائیں جن میں سے بعض آیات میں مسلمانوں کی ہزیمت و شکست کے اسباب اور علل اسرار اور حِکَم کی طرف اشارہ فرمایا جو مختصر توضیح کے ساتھ ہدیہ ناظرین ہیں۔

(۱) تاکہ معلوم ہو جائے کہ اللہ کے پیغمبر کا حکم نہ ماننے اور ہمت ہار دینے اور آپس میں جھگڑنے کا کیا انجام ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَ	اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا جبکہ تم اللہ کے حکم سے کافروں کو قتل

[۱] البدایۃ والنہایۃ۔ ج ۴، ص ۳۶

تَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَعَصَیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الْاٰخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِیَبْتَلِیَكُمْ وَ لَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ ط [له]

کررہے تھے یہاں تک جب تم کچھ بزدلی کرنے لگے اور آپس میں جھگڑنے لگے اور حکم عدولی کی بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھاری محبوب چیز یعنی فتح و نصرت تم کو دکھا دی بعضے تم میں سے دنیا چاہتے تھے اور بعض خالص آخرت کے طلب گار تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو اُن سے پھیر دیا یعنی شکست دی تاکہ تمھارا امتحان کرے اور تمھاری اس لغزش کو اللہ تعالیٰ نے معاف کردیا اور اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔

(۲) ۔ اور تاکہ سچے اور کچے کا اور جھوٹے اور سچے کا امتیاز ہو جائے اور مخلص اور منافق، صادق اور کاذب کا اخلاص اور نفاق .صدق اور کذب ایسا واضح اور روشن ہو جائے کہ کسی قسم کا اشتباہ باقی نہ رہے

اللہ تعالیٰ کے علم میں اگرچہ پہلے ہی سے مخلص اور منافق ممتاز تھے لیکن سنت اللہیہ اس طرح جاری ہے کہ محض علم الٰہی کی بنا پر جزاء اور سزا نہیں دی جاتی جو شَے علم الٰہی میں مستور ہے جب تک وہ محسوس اور مشاہَد نہ ہو جائے اس وقت تک اس پر ثواب اور عقاب مرتب نہیں ہوتا ؎

در محبت ہر کہ او دعوے کند صد ہزاراں امتحاں بروے تند

گر بود صادق کشد بارِ جفا در بود کاذب گریزد از بلا

عاشقاں را در دلِ بسیار می باید کشید جو رِ یار و غصۂ اغیار می باید کشید

(۳) اور تاکہ اپنے خاص محبّین و مخلصین اور شائقین لقاءِ خداوندی کو شہادت فی سبیل اللہ کی نعمت کبریٰ اور منت عظمیٰ سے سرفراز فرمائیں جس کے وہ پہلے سے مشتاق تھے اور بدر میں فدیہ اسی امید پر لیا تھا کہ آئندہ سال ہم میں کے ستر آدمی خدا کی راہ میں شہادت حاصل کریں گے جیسا کہ گزر اور

له ۔ آلِ عمران، آیۃ : ۱۵۲ ۔

اس نعمت اور دولت سے حق تعالیٰ اپنے دوستوں ہی کو نوازتا ہے ظالموں اور فاسقوں کو یہ نعمت نہیں دی جاتی قال تعالیٰ

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ۔ ؎۱	اور تاکہ اللہ تعالیٰ مومنین مخلصین کو ممتاز کردے اور تم میں سے بعض کو شہید بنائے اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتے۔

(۴)۔ اور تاکہ مسلمان اس شہادت اور ہزیمت کی بدولت گناہوں سے پاک اور صاف ہو جائیں اور جو خطائیں ان سے صادر ہوتی ہیں وہ اس شہادت کی برکت سے معاف ہو جائیں۔

(۵) اور تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کو مٹا دے اس لئے کہ جب خدا کے دوستوں اور محبین و مخلصین کی اس طرح خونریزی ہوتی ہے تو غیرت حق جوش میں آجاتی ہے اور خدا کے دوستوں کا خون عجیب رنگ لے کر آتا ہے جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ جن دشمنانِ خدا نے دوستانِ خدا کی خونریزی کی تھی وہ عجیب طرح سے تباہ اور برباد ہوتے ہیں ؎

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را ‏ چندان اماں نداد کہ شب را سحر کند

کما قال تعالیٰ

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ۔ ؎۲	اور تاکہ اللہ تعالیٰ مومنین کا میل کچیل صاف کردے اور کافروں کو مٹا دے۔

(۶) اور تاکہ معلوم ہو جائے کہ اللہ کی سنت یہ ہے کہ دنوں کو پھیرتے رہتے ہیں کبھی دوستوں کو فتح و نصرت سے سرفراز کرتے ہیں اور کبھی دشمنوں کو غلبہ دیتے ہیں۔

وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ۔ ؎۳	اور ان دنوں کو ہم لوگوں میں باری باری پھیرتے رہتے ہیں۔

؎۱۔ آلِ عمران، آیۃ: ۱۴۰، ؎۲۔ ایضاً، آیۃ: ۱۴۱،

؎۳۔ ایضاً، آیۃ: ۱۴۰

مگر انجام کار غلبہ دوستوں کا رہتا ہے۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ اس لئے کہ اگر ہمیشہ اہلِ ایمان کو فتح ہوتی رہے تو بہت سے لوگ محض نفاق سے اسلام کے حلقہ میں آشامل ہوں تو مومن اور منافق کا امتیاز نہ رہے۔ اور یہ نہ معلوم ہو کہ ان میں سے خاص اللہ کا بندہ ہے اور کون ان میں سے عبدالدینار والدرہم ہے۔

اور اگر ہمیشہ اہلِ ایمان کو شکست ہوتی رہے تو بعثت کا مقصد (یعنی اعلاء کلمۃ اللہ) حاصل نہ ہو اس لئے حکمت الٰہیہ اس کو مقتضی ہوئی کہ کبھی فتح و نصرت ہو اور کبھی شکست اور ہزیمت تاکہ کھرے اور کھوٹے کا امتحان ہوتا رہے۔ قال تعالیٰ۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ	اللہ تعالیٰ مومنین کو اس حالت پر نہیں چھوڑنا چاہتے
عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ [1]	یہاں تک کہ جدا کر دے ناپاک کو پاک سے۔

اور انجام کار غلبہ اور فتح حق کو ہو۔

(۷)۔ نیز اگر ہمیشہ دوستوں کو فتح ہوتی رہے اور ہر معرکہ میں ظفر اور کامیابی ان کی ہم رکاب رہے تو اندیشہ یہ ہے کہ کہیں دوستوں کے پاک و صاف نفوس طغیان اور سرکشی غرور اعجاب میں مبتلا نہ ہو جائیں اس لئے مناسب ہوا کہ کبھی راحت اور آرام ہو اور کبھی تکلیف اور ایلام۔ کبھی سختی اور کبھی نرمی۔ کبھی قبض اور کبھی بسط۔

چونکہ قبضے آیدت اے راہرو	آن صلاح تست آیس دل مشو
چونکہ قبض آمد تو در وے بسط بین	تازہ باش و چین می فگن بر جبین

(۸)۔ اور تاکہ شکست کھا کر شکستہ خاطر ہوں اور بارگاہ خداوندی میں تخشع اور تضرع

---

[1] آل عمران، آیۃ: ۱۷۹۔

[2] افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق سیدنا و مولانا ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ سے جب یہ عرض کیا گیا کہ آپ اکابر صحابہ اور حضرات بدرئیین کو عہدے کیوں نہیں عطا فرماتے تو یہ ارشاد فرمایا۔ اری ان لا تدنسہم الدنیا میں یہ چاہتا ہوں کہ دنیا ان حضرات کو کہ ملوث و میلا نہ کر دے۔ غالباً یہ روایت حلیۃ الاولیاء میں آئی یا کسی اور کتاب میں ہے مجھے اس وقت حوالہ یاد نہیں آ رہا ہے واللہ اعلم۔

عجز اور تمسکن و تذلل اور انکسار کے ساتھ رجوع ہوں۔ اس وقت حق جل وعلا کی طرف سے عزت اور سربلندی نصیب ہو اس لئے کہ عزت و نصرت کا خلعت ذلت اور انکساری ہی کے بعد عطا ہوتا ہے کما قال تعالیٰ۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ۔ [۱] — اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے بدر میں تمہاری مدد کی درآنحالیکہ تم بے سر و سامان تھے۔

وقال تعالیٰ

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا۔ [۲] — اور جنگ حنین میں جب تمہاری کثرت نے تم کو خود پسندی میں ڈالا تو وہ کثرت تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی

حق جل شانہ جب اپنے کسی خاص بندے کو عزت یا فتح اور نصرت دینا چاہتے ہیں تو اول اس کو ذلت اور خاکساری عجز اور انکساری میں مبتلا کرتے ہیں۔ تاکہ نفس کا تنقیہ ہو جائے اور اعجاب اور خود پسندی کا فاسد مادہ یکلخت خارج ہو جائے اس طرح ذلت کے بعد عزت اور ہزیمت اور شکست کے بعد فتح و نصرت اور فنا کے بعد بقاء عطا فرماتے ہیں۔

عارف رومی فرماتے ہیں :

بس زیادتہا درون نقصہاست — مر شہیدان را حیات اندر فناست

مردہ شو تا مخرج الحی الصمد — زندۂ زین مردہ بیرون آورد

آن کسے را کہ چنیں شاہے کشد — سوے تخت و بہترین جاہے کشد

نیم جان بستاند و صد جان دہد — آنچہ در وہمت نیاید آن دہد

(۹)۔ اور تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ بدون مجاہدہ عظیم اور بغیر ریاضت تامہ کے مراتب اور درجات عالیہ کا دل میں خیال باندھ لینا مناسب نہیں۔ کما قال تعالیٰ

---

[۱]۔ آل عمران، آیۃ : ۱۲۳۔

[۲]۔ سورۃ توبہ، آیۃ : ۲۵

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا	کیا تمہارا گمان یہ ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ
يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ	حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کا اور صابرین
وَيَعْلَمَ الصَّابِرِيْنَ۔ ؎۱	کا امتحان نہیں لیا۔

(۱۰)۔ اور تاکہ تمہارے پاک نفوس دنیا کی طرف میلان سے بالکلیہ پاک اور منزہ ہو جائیں اور آئندہ سے کبھی بھی دنیائے حلال (یعنی مال غنیمت) کے حصول کا خیال بھی دل میں آنے پائے کہ ہمارے رسول کے حکم کے خلاف مالِ غنیمت کو دیکھ کر پہاڑ سے نیچے کیوں اُترے ہم نے اس وقت تمہاری اس فتح کو شکست سے اس لئے بدلا ہے کہ تمہارے قلوب آئندہ کے لیے دنیائے حلال (یعنی مالِ غنیمت) کی طرف میلان سے بھی پاک اور منزہ ہو جائیں اور دنیائے دوں کا وجود اور عدم تمہاری نظر میں برابر ہو جائے، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔

فَاَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا	پس اللہ تعالیٰ نے تم کو اس مال غنیمت کی طرف
عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا اَصَابَكُمْ	مائل ہونے کی پاداش میں غم پر غم دیا تاکہ آئندہ کو
وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ؎۲	تمہاری یہ حالت ہو جائے کہ جو چیز تمہارے

ہاتھ سے نکل جائے اس پر غمگین نہ ہو اور نہ کسی مصیبت کے پہنچنے سے تم پریشان ہو اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

یعنی اس وقتی ہزیمت اور شکست میں ہماری ایک حکمت اور مصلحت یہ ہے کہ تم زہد اور صبر کے اس اعلیٰ ترین مقام پر پہنچ جاؤ کہ جہاں دنیا کا وجود اور عدم نظروں میں برابر ہو جاتا ہے جیسا کہ حق جل شانہ کا دوسری جگہ ارشاد ہے۔

مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا	نہیں پہنچتی کوئی مصیبت زمین میں یا تمہارے نفسوں
فِيْ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ	میں مگر وہ پہلے ہی سے لوح محفوظ میں مقدر ہوتی ہے
اَنْ نَّبْرَاَهَا۔ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ	اور تحقیق یہ امر اللہ کے نزدیک بالکل آسان ہے۔

؎۱۔ آلِ عمران، آیۃ: ۱۴۲ ؎۲۔ آلِ عمران، آیۃ: ۱۵۳

لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ۔ ؎

اور مصائب کے نازل کرنے میں اللہ کی حکمت یہ ہے کہ تم صبر میں اس درجہ کامل ہو جاؤ کہ اگر دنیا کی کوئی چیز تم سے فوت ہو جائے تو اس پر غمگین نہ ہوا کرو اور دنیا کی جو چیز اللہ تم کو عطا کرے تو تم اس دنیا کی چیز کو دیکھ کر خوش نہ ہوا کرو اور اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے

دنیا کے آنے سے دل کا خوش نہ ہونا اور دنیا کے جانے سے دل کا رنجیدہ نہ ہونا یہ زہد اور صبر کا اعلیٰ ترین مقام ہے حق جل شانہ نے ان آیات میں اشارہ فرمایا کہ معرکۂ احد میں صحابہ کو جو یہ غم دیا گیا کہ فتح کو شکست سے بدل دیا۔ اس میں اللہ کی ایک حکمت یہ ہے کہ آئندہ سے صحابہ کے دل میں دنیا کے فوت ہونے کا کوئی غم نہ ہوا کرے اور دنیا کا وجود اور عدم ان کی نظروں میں برابر ہو جائے اور ہر حال میں قضاء الٰہی پر راضی اور خوش رہنا منافقین اور جہلاء کی طرح خداوند ذوالجلال سے بدگمان نہ ہو کہ اس وقت خدا تعالیٰ نے ہماری مدد کیوں نہ فرمائی محب مخلص کی شان تو یہ ہونی چاہئے

زندہ کنی عطائے تو | در بکشی فدائے تو
جان شدہ مبتلائے تو | ہر چہ کنی رضائے تو
ما پروریم دشمن و یا می کشیم دوست | جرأت کسی کہ جرح کند در قضائے ما

(۱۱)۔ نیز یہ واقعہ آپ کی وفات کا پیش خیمہ تھا جس سے یہ بتلانا مقصود تھا کہ اگرچہ اس وقت تم میں سے بعض لوگوں کے بمقتضائے بشریت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی خبر سن کر پاؤں اکھڑ گئے چونکہ اس کا منشا معاذ اللہ بزدلی اور نفاق نہ تھا بلکہ غایت ایمان و اخلاص اور انتہائی محبت و تعلق تھا کہ اس وحشت اثر خبر کی دل تاب نہ لاسکے اور اس درجہ پریشان ہو گئے کہ میدان سے پاؤں اکھڑ گئے اس لئے

وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ — حق تعالیٰ شانہ نے تمہارا یہ قصور معاف فرمایا

؎۔ الحدید، آیۃ: ۲۳۔

عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ۔ سلہ — اور اللہ تعالیٰ تو ایمانداروں پر بڑا ہی فضل فرمانے والا ہے۔

لیکن آئندہ کے لئے ہوشیار اور خبردار ہو جاؤ کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کے دین اور آپ کی سنت اور آپ کے جادۂ استقامت سے نہ پھر جانا آپ کی وفات کے بعد کچھ لوگ دین سے پھر جائیں گے جس سے فتنۂ ارتداد کی طرف اشارہ تھا اور مقصود تنبیہ ہے کہ آپ ہی کے طریق پر زندہ رہنا اور آپ ہی کے طریق پر مرنا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر وفات پا جائیں یا قتل ہو جائیں تو ان کا خدا تو زندہ ہے اور یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ۔ سلہ

اور نہیں ہیں محمد مگر ایک رسول ہی تو ہیں جن سے پہلے بہت سے رسول گزر گئے پس اگر آپ کا وصال ہو جائے یا آپ شہید ہو جائیں تو کیا تم دین اسلام سے پھر جاؤ گے اور جو شخص اپنی ایڑیوں کے بل واپس ہو جائے تو وہ ہرگز ہرگز اللہ کو کوئی نقصان نہیں کرے گا اور عنقریب اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو انعام دے گا۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یمن کا قبیلۂ ہمدان جب مرتد ہونے لگا، تو عبداللہ بن مالک ارحبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبیلۂ ہمدان کو جمع کرکے یہ خطبہ دیا۔

یا معشر ھمدان انکم لم تعبدوا محمد علیہ السلام انما عبدتم رب محمد (علیہ السلام) وھو الحی الذی لا یموت غیر انکم اطعتم رسولہ بطاعۃ اللہ۔ واعلموا انہ

اے گروہ ہمدان تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتے تھے اور رب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حی لا یموت ہے ہاں تم اللہ کے رسول کی اطاعت کرتے تھے

سلہ۔ آل عمران ۔ آیۃ ۱۵۲ ، سلہ۔ آل عمران ، آیۃ ۱۴۴

استنقذکم من النار ولم یکن اللہ لیجمع اصحابہ علی ضلالۃ ابدا اخیر الخطبۃ۔

تاکہ رسول کی اطاعت۔ اللہ کی اطاعت کا ذریعہ بن جائے اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنے رسول کے ذریعہ آگ سے چھڑایا ہے اور اللہ تعالیٰ آپ کے اصحاب کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا۔ اور یہ شعر کہے۔

لعمری لئن مات النبی محمد   لما مات یا ابن القیل رب محمد

قسم ہے میری زندگی کی کہ اگر نبی اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے تو آپ کا پروردگار زندہ ہے اے سردار کے بیٹے۔

دعاہ الیہ ربہ فاجابہ   فیا خیر غوری ویا خیر منجد

ان کے پروردگار نے ان کو اپنے پاس آنے کی دعوت دی آپ نے اپنے رب کی دعوت کو قبول کیا۔ سبحان اللہ حضور پرنور غور و نجد بلند و پستی کے رہنے والوں میں سے سب سے افضل اور بہتر تھے۔ اصابہ ترجمہ عبد اللہ بن مالک ص۳۶۵ ج ۲ و حسن الصحابہ فی شرح اشعار الصحابہ ص۳۱۲ ج ۱

تنبیہ: حیات انبیاء کے متعلق ان شاء اللہ تعالیٰ وفات نبوی کے بیان میں کچھ ذکر کریں گے۔

غزوۂ احد میں فتح کے بعد ہزیمت پیش آجانے کی حکمت

اور مصلحت پر اجمالی کلام

حسب وعدۂ خداوندی شروع دن میں مسلمان کافروں پر غالب رہے مگر جب اس مرکز سے ہٹ گئے جس پر اللہ کے رسول نے کھڑے رہنے کا حکم دیا تھا اور مال غنیمت جمع کرنے کے لئے پہاڑ سے نیچے اتر آئے تو جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ اور فتح شکست سے بدل گئی، بارگاہ خداوندی میں محبین مخلصین اور عاشقین صادقین کی ادنیٰ ادنیٰ بات پر گرفت ہوتی ہے حق جل شانہ کو یہ ناپسند ہوا

کہ اس کے محبین مخلصین (صحابہ کرام) اللہ کے رسول کے حکم سے ذرہ برابر عدول کریں اگرچہ وہ عدول کسی غلط فہمی اور بھول چوک سے ہی کیوں نہ ہو نیز عاشق صادق کے شان عشق کے یہ خلاف ہے کہ وہ دنیا کے متاع اور مال غنیمت کے جمع کرنے کے لئے کوہ استقامت سے اتر کر زمین پر آئے جس مال غنیمت کے جمع کرنے کے لئے صحابہ پہاڑ سے اترے تھے اگرچہ وہ دنیائے حلال اور طیب تھی لقولہ تعالٰی فَکُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَیِّبًا۔ مگر صحابہ جیسے عاشقین صادقین کیلئے یہ مناسب نہ تھا کہ خداوند ذوالجلال کے بغیر اجازت اور اذن کے اس حلال وطیب کی طرف ہاتھ بڑھائیں ؎

موسیا آداب دانا دیگر ند　　　سوختہ جانان روانان دیگر ند

خداوند مطلق اور محبوب برحق نے اپنے محبین مخلصین کے تنبیہ کے لئے وقتی طور پر فتح کو شکست سے بدل دیا کہ متنبہ ہو جائیں کہ غیر اللہ پر نظر جائز نہیں اور علم ازلی میں یہ مقدر فرمایا کہ وقتی طور پر اگرچہ شکستہ خاطر ہوں گے۔ مگر عنقریب فتح مکہ سے اس کی تلافی کردی جائے گی اور آئندہ چل کر قیصر و کسریٰ کے خزائن ان کے ہاتھوں میں دیدیئے جائیں گے مقصود یہ تھا کہ محبین مخلصین کے قلوب دنیائے حلال کے میلان سے بھی پاک اور خالص بن جائیں۔ اسی بارہ میں حق جل شانہ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰٮكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ	اور تحقیق اللہ نے تم سے جو (فتح) کا وعدہ کیا تھا وہ سچ کر دکھایا جس وقت کہ تم کفار کو تائید خداوندی قتل کر رہے تھے حتی کہ وہ سات یا نو آدمی جن کے ہاتھ میں مشرکین کا جھنڈا تھا وہ سب تمہارے ہاتھ سے مارے گئے یہاں تک کہ جب تم خود سست پڑ گئے اور باہم حکم میں اختلاف کرنے لگے اور تم نے حکم کی نافرمانی کی بعد اس کے کہ اللہ نے تمہاری

عَفَا عَنْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ۱۵۲ محبوب اور پسندیدہ چیز (یعنی کافروں پر غلبہ اور فتح) تم کو تمہاری آنکھوں سے دکھلا دیا تم میں سے بعض تو وہ تھے کہ دنیا (غنیمت) کی طرف مائل ہوئے اور بعض تم سے وہ تھے کہ جو صرف آخرت کے طلب گار اور جویا تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے تم کو ان سے پھیر دیا۔ اور حاصل شدہ فتح کو ہزیمت سے بدل دیا تاکہ تم کو آزمائے اور صاف طور پر ظاہر ہو جائے کہ کون پکا ہے اور کون کچا اور البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہاری یہ غلطی بالکل معاف کر دی (لہٰذا اب کسی کو اس غلطی پر طعن و تشنیع بلکہ لب کشائی بھی جائز نہیں خدا تعالیٰ تو معاف کر دے اور یہ طعن کرنے والے معاف نہ کریں) اور اللہ تعالیٰ مؤمنین مخلصین پر بڑے ہی فضل والے ہیں۔

ان آیات میں حق جل شانہ نے یہ تبلا دیا کہ یکبارگی معاملہ اور قصہ منعکس ہو گیا کہ لشکر کفار جو مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہو رہا تھا۔ اب وہ اہل اسلام کے قتل میں مشغول ہو گیا۔ اس کی وجہ ایک تو یہ ہوئی کہ تم نے رسول اللہ کے حکم کے بعد عدول حکمی کی اور تم میں سے بعض لوگ، دنیائے فانی کے متاع (یعنی مال غنیمت) کے میلان اور طمع میں کوہ استقامت سے پھسل پڑے جس کا خمیازہ سب کو بھگتنا پڑا اور بعض کی لغزش سے تمام لشکر اسلام ہزیمت کا شکار بنا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

مگر بایں ہمہ خداوند ذوالجلال والاکرام کے عنایات بے غایات اور الطاف بے نہایات مسلمانوں سے منقطع نہ ہوئے کہ باوجود اس محبت آمیز عتاب کے بار بار مسلمانوں کو تسلی دی کہ تم ناامید اور شکستہ خاطر نہ ہونا۔ ہم نے تمہاری لغزش کو بالکل معاف کر دیا ہے چنانچہ ایک مرتبہ عفو کا اعلان اس آیت میں فرمایا وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اور پھر اسی رکوع کے آخر میں مسلمانوں کی مزید تسلی کے لئے دوبارہ عفو کا اعلان فرمایا:

۱۵ۂ. آل عمران، آیتہ: ۱۵۲۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ[۵]

تحقیق جن بعض لوگوں نے تم میں سے پشت پھیری جس روز کہ دونوں جماعتیں باہم مقابل ہوئیں سو جز ایں نیست اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے بعض اعمال کی وجہ سے شیطان نے ان کو لغزش میں مبتلا کر دیا اور خیر جو ہوا سو ہوا۔ اب البتہ تحقیق اللہ تعالےٰ نے ان کی لغزش کو بالکل معاف کر دیا تحقیق اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے اور حلم والے ہیں۔

حق جل شانہ نے صحابہ کرام کے اس فعل کو لغزش قرار دیا اِسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے اور لغزش کے معنی یہ ہیں کہ ارادہ تو کچھ اور تھا کہ مگر غلطی اور بھول چوک سے بلا ارادہ اور اختیار قدم پھسل کر راستہ سے گر گیا۔ اشارہ اس طرف ہے کہ یہ جو کچھ ہو گیا وہ لغزش تھی۔ جان بوجھ کر تم نے نہیں کیا اور خیر جو کچھ بھی ہو گیا اس کو ہم نے اپنی رحمت اور حلم سے معاف کر دیا تم کو تو معافی کی اطلاع دے دی کہ تم ملول اور رنجیدہ اور ناامید ہو کر نہ بیٹھ جانا۔ اور تمھاری معافی کا اعلان ساری دنیا کو اس لئے سنا دیا کہ دنیا کو یہ معلوم ہو جائے کہ حق جل شانہ کی عنایات بے غایات کس طرح اصحاب رسُول پر مبذول ہیں اور کس کس طرح ان کو چند در چند تسلیاں دی جا رہی ہیں تاکہ قیامت تک کسی کو یہ مجال نہ ہو کہ صحابہ کرام کے شان میں لب کشائی کر سکے جب حق تعالےٰ نے ان سے معاف کر دیا اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا تو اب بلا سے کوئی ان کو معاف کہے یا نہ کرے ان سے راضی ہو یا نہ ہو خدا کے عفو اور رضا کے بعد کسی کے عفو اور رضا کی ضرورت نہیں رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔

غزوۂ بدر میں فدیہ لینے پر جو عتاب نازل ہوا تھا اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ خداوند ذوالجلال کے دشمنوں کے قتل و قتال کے بارے میں پامال کرنے کے بجائے مال و منال کو کیوں ترجیح دی۔

اسی طرح غزوۂ احد میں دنیوی مال و متاع (مال غنیمت) کی طرف میلان کی وجہ سے عتاب

۵؎ - آل عمران ، آیۃ : ۱۵۵ -

ہوا مگر بعد میں معاف کر دیا گیا۔

غزوۂ احد کی ہزیمت کے اسرار و حکم کے بیان کے بعد

حق تعالیٰ شانہ نے حضرات انبیاء سابقین کے صحابہ ربیّین کا عمل بیان فرمایا کہ خدا کی راہ میں ان کو طرح طرح کی تکلیفیں اور قسم قسم کی مصیبتیں پہنچیں لیکن انھوں نے نہ ہمت ہاری اور نہ دشمنوں کے مقابلہ میں عاجز ہوئے نہایت صبر اور استقلال کے ساتھ اللہ کے دشمنوں سے جہاد میں ثابت قدم رہے۔

مگر باایں ہمہ اپنی شجاعت اور ہمت۔ صبر اور استقامت پر نظر نہیں کی بلکہ نظر خداوند ذوالجلال ہی پر رکھی اور برابر خدا سے گناہوں کی استغفار اور ثابت قدم رہنے کی دعا مانگتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا اور آخرت میں اس کا صلہ مرحمت فرمایا۔ قال تعالیٰ

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ [۵۱]	اور بہت سے پیغمبروں کے ساتھ مل کر خدا پرستوں نے کافروں سے جہاد و قتال کیا لیکن ان مصیبتوں کی وجہ سے جو ان کو خدا کی راہ میں پہنچیں نہ تو سست ہوئے اور نہ کمزور ہوئے اور نہ دشمنوں سے دبے اور اللہ تعالیٰ ثابت قدم رہنے والوں کو محبوب رکھتا ہے اور ان کی زبان سے صرف یہ قول نکل رہا تھا کہ اے پروردگار ہمارے گناہوں کو اور ہماری زیادتی کو معاف فرما اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافر قوم کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما۔ پس اللہ نے ان کو دنیا کا انعام اور آخرت کا بہترین انعام عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کو محبوب رکھتا ہے۔

۵۱۔ آل عمران، آیۃ: ۱۴۶۔

غزوۂ حمراء الاسد

۱۶ر شوال یوم یکشنبہ ۳ھ

قریش جب جنگ اُحد سے واپس ہوئے اور مدینہ سے چل کر مقام روحار میں ٹھہرے تو یہ خیال آیا کہ کام ناتمام رہا جب ہم محمد کے بہت سے اصحاب کو قتل کر چکے اور بہت سوں کو زخمی تو بہتر یہ ہے کہ پلٹ کر دفعتہً مدینہ پر حملہ کر دینا چاہیے مسلمان اس وقت بالکل خستہ اور زخمی ہیں مقابلہ کی تاب نہ لاسکیں گے صفوان بن امیہ نے کہا کہ بہتر یہ ہے کہ مکہ واپس چلو۔ محمد کے اصحاب جوش میں بھرے ہوئے ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ دوسرے حملہ میں تم کو کامیابی نہ ہو۔

۱۵ر شوال یوم شنبہ کی شام کو قریش روحار میں پہنچے اور شب یکشنبہ میں یہ گفتگو ہوئی یکشنبہ کی یہ شب گزرنے نہ پائی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخبر نے عین صبح صادق کے وقت اس کی اطلاع دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت بلال رضی اللہ عنہ کو بھیج کر تمام مدینہ میں منادی کرادی کہ خروج کے لئے تیار ہو جائیں اور فقط وہی لوگ ہمراہ چلیں کہ جو معرکۂ احد میں شریک تھے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے باپ غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے بہنوں کی خبر گیری کی وجہ سے میں اُحد میں شریک نہ ہو سکا۔ اب میں ساتھ چلنے کی اجازت چاہتا ہوں آپ نے ساتھ چلنے کی اجازت دی اس خروج سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ دشمن یہ نہ سمجھے کہ مسلمان کمزور ہو چکے ہیں۔ باوجودیکہ صحابہ خستہ اور نیم جان ہو چکے تھے اور ایک شب بھی آرام نہ کیا تھا کہ آپ کی ایک آواز پر پھر نکل کھڑے ہوئے

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست　　　می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

۱۶ر شوال یوم یکشنبہ کو مدینہ سے چل کر آپ نے مقام حمراء الاسد پر قیام فرمایا جو مدینہ سے تقریباً آٹھ دس میل کے فاصلہ پر ہے آپ مقام حمراء الاسد میں مقیم تھے کہ قبیلۂ خزاعہ کا سردار معبد خزاعی۔ احد کی شکست کی خبر سن کر بغرض تعزیت آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے ان اصحاب

کی تعزیت کی جو اُحد میں شہید ہوئے تھے معبد آپ سے رخصت ہو کر ابو سفیان سے جا کر ملا۔ ابو سفیان نے اپنا خیال ظاہر کیا کہ میرا ارادہ یہ ہے کہ دوبارہ مدینہ پر حملہ کیا جائے۔ معبد نے کہا کہ محمد تو بڑی عظیم الشان جمعیت لے کر تمہارے مقابلہ اور تعاقب کے لئے نکلے ہیں ابو سفیان یہ سنتے ہی مکّہ واپس ہو گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین دن قیام فرما کر جمعہ کے روز مدینہ تشریف لائے۔

اسی بارے میں اللہ تعالٰے نے یہ آیت نازل فرمائی:

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ	جن لوگوں نے اللہ اور رسُول کی بات کو مانا بعد
مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِیْنَ	اس کے کہ ان کو زخم پہنچ چکا تھا تو ایسے نیکو کاروں
اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ[1]	اور پرہیز گاروں کے لئے اجر عظیم ہے۔

فتح الباری ص۲۸۸ ج ، باب قول اللہ عزوجل اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ البدایۃ والنہایۃ ص۴۹ ج ۴ زرقانی ص۵۹ ج ۲۔

واقعات متفرقہ ۳ھ

(۱)۔ اسی سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ تعالٰی عنہا و عن ابیہا سے ماہ شعبان میں نکاح فرمایا۔[2]

(۲)۔ اسی سال ۱۵ ماہ رمضان المبارک کو امام حسن رضی اللہ تعالٰے عنہ پیدا ہوئے۔ اور پچاس دن بعد حضرت سیدہ رضی اللہ تعالٰے عنہا امام حسین سے حاملہ ہوئیں[3]

(۳)۔ اسی سال ماہ شوال میں شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا[4]

---

[1]۔ آل عمران، آیۃ: ۱۷۲۔

[2]۔ طبری۔ ج: ۳، ص: ۴۹۔

[3]۔ ایضاً

[4]۔ زرقانی۔ ج: ۲، ص: ۶۱۔

سنہ ۴ھ

سریۂ ابی سلمہ عبداللہ بن عبدالاسد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یکم محرم الحرام سنہ ۴ھ میں آپ کو یہ خبر ملی کہ خویلد کے بیٹے طلیحہ[۱] اور سلمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کے لئے اپنے لوگوں کو جمع کر رہے ہیں۔ تو آپ نے ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ کو ڈیڑھ سو مہاجرین اور انصار کے ساتھ ان کے مقابلے کے لئے روانہ فرمایا۔ وہ لوگ ان کی خبر پاتے ہی منتشر ہو گئے بہت سے اونٹ اور بکریاں ہاتھ آئیں جن کو لے کر مدینہ واپس آگئے مدینہ پہنچ کر مال غنیمت تقسیم ہوا مال غنیمت کا خمس نکالنے کے بعد ہر شخص کے حصہ میں سات سات اونٹ اور بکریاں آئیں۔[۲]

سریۂ عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یوم دوشنبہ ۵ محرم الحرام کو آپ کو یہ اطلاع ملی کہ خالد بن سفیان ہذلی ولحیانی آپ سے جنگ کرنے کے لئے لشکر جمع کر رہا ہے آپ نے عبداللہ بن انیس انصاری رضی اللہ عنہ کو اس کے قتل کے لئے روانہ فرمایا۔

عبداللہ بن انیس اسے جاکر ملے اور لطائف الحیل سے موقع پاکر اس کو قتل کیا اور سر لے کر ایک غار میں جا چھپے مکڑی نے آکر جالا تان دیا بعد میں جو لوگ تلاش میں گئے وہ مکڑی کا جالا دیکھ کر واپس ہو گئے بعدازاں حضرت عبداللہ اس غار سے نکلے شب کو چلتے اور دن کو چھپ جاتے

---

[۱] ۔ طلیحہ بن خویلد بعد میں مشرف باسلام ہوئے لیکن آپ کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے اور نبوت کا دعوی کیا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کے مقابلہ کے لئے خالد بن ولید کو روانہ کیا۔ طلیحہ بھاگ کر شام چلے گئے، اور تائب ہو کر پھر اسلام میں داخل ہوئے اور مسلمانوں کے ساتھ برابر لڑائیوں میں شریک رہے۔ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں جنگ قادسیہ اور معرکہ نہاوند میں بھی شریک رہے۔ کہا جاتا ہے کہ ۲۱ھ میں معرکہ نہاوند میں شہید ہوئے۔ طلیحہ کے دوسرے بھائی، سلمہ مسلمان نہیں ہوئے۔ زرقانی ج۲ ص۶۳

[۲] ۔ البدایہ والنہایہ ج۴، ص: ۶۱

اس طرح ۲۳ محرم کو مدینہ پہنچے اور خالد کا سر آپ کے سامنے رکھ دیا۔ آپ بہت مسرور ہوئے اور ایک عصا انعام میں دیا اور یہ ارشاد فرمایا۔

تَخَصَّرْ بِهٰذَا فِی الْجَنَّةِ فَاِنَّ الْمُتَخَصِّرِیْنَ فِی الْجَنَّةِ قَلِیْلٌ — اس عصا کو پکڑ کر جنت میں چلنا جنت میں عصا لے کر چلنے والا کوئی شاذ و نادر ہی ہوگا۔

اور فرمایا کہ یہ میرے اور تیرے درمیان میں ایک نشانی ہے قیامت کے دن ساری عمر حضرت عبداللہ اس عصا کی حفاظت فرماتے رہے۔ مرتے وقت یہ وصیت کی کہ اس عصا کو میرے کفن میں رکھ دینا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔[1]

معجم طبرانی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص گستاخ اور دریدہ دہن بھی تھا۔ مجمع الزوائد ص ۲۰۳ ج ۶ باب قتل خالد بن سفیان الہذلی۔

موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں کہ لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن انیس کے آنے سے پہلے ہی خالد بن سفیان کے قتل کی خبر دے دی تھی۔

واقعۂ رجیع

ماہ صفر میں کچھ لوگ قبیلۂ عضل[2] اور قارہ کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارے قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا ہے لہٰذا ایسے چند لوگ ہمارے ساتھ کر دیجئے کہ جو ہم کو قرآن پڑھائیں اور احکام اسلام کی ہم کو تعلیم دیں۔ آپ نے دس[3] آدمی ان کے ہمراہ کر دیئے جن میں سے بعض کے نام حسب ذیل ہیں۔

---

[1] ۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد۔ ج: ۲، ص: ۳۵،۔ زرقانی ج: ۲، ص: ۹۳ ۔ زاد المعاد ج: ۲ ص: ۱۰۹ [2] ے [3] یہ ابن سعد کی روایت ہے بخاری کی روایت میں یہ ہے کہ آپ نے ان دس آدمیوں کو قریش مکہ کی خبر لینے اور حال معلوم کرنے کی غرض سے روانہ فرمایا تھا۔ کچھ عجب نہیں کہ پہلے سے آپ کی یہی غرض ہو اور قبیلہ عضل اور قارہ کی اس وقت آمد کی وجہ سے تعلیم دین اور تعلیم قرآن کا مقصد بھی اس کے ساتھ شامل کر لیا گیا ہو۔ زرقانی ص ۶۵ ج ۲ [2] زرقانی ج: ۲، ص: ۶۴۔

(۱)۔ عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۲)۔ مرثد بن ابی مرثد رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۳)۔ عبداللہ بن طارق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۴)۔ خُبَیب بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۵)۔ زید بن دَثِنَہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۶)۔ خالد بن ابی البُکَیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۷)۔ معتب بن عُبَید رضی اللہ تعالیٰ عنہ یعنی عبداللہ بن طارق کے علاتی بھائی۔

اور عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان پر امیر مقرر فرمایا۔[۵]

یہ لوگ جب مقام رجیع پر پہنچے جو مکہ اور عسفان کے مابین واقع ہے تو ان غداروں نے مسلمانوں کے ساتھ بدعہدی کی اور بنو لحیان کو اشارہ کردیا۔ بنو لحیان دو سو آدمی لے کر جن میں سے سو آدمی تیر انداز تھے ان کے تعاقب میں روانہ ہوئے جب قریب پہنچے تو حضرت عاصم رضی اللہ عنہ مع اپنے رفقاء کے ایک ٹیلہ پر چڑھ گئے۔

بنو لحیان مسلمان سے کہا تم نیچے اتر آؤ ہم تم کو امان اور پناہ دیتے ہیں حضرت عاصم نے فرمایا میں کافر کی پناہ میں کبھی نہ اتروں گا۔ اور یہ دعا مانگی۔

اللّٰھم اَخبِر عنّا رسولک اے اللہ اپنے پیغمبر کو ہمارے حال کی خبر دے

یہ روایت بخاری کی ہے۔ ابو داؤد طیالسی کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عاصم کی دعا قبول فرمائی اور اسی وقت بذریعہ وحی کے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کو ان کی خبر دی اور آپ نے اس وقت صحابہ کو خبر دی۔

اور ایک دعا حضرت عاصم نے اس وقت یہ مانگی۔

اللّٰھم انی احمی لک الیوم دینک اے اللہ آج میں تیرے دین کی حفاظت کر رہا ہوں
فاحمی لحمی تو میرے گوشت یعنی جسم کی کافروں سے حفاظت فرما۔

بعد ازاں حضرت عاصم منجملہ سات رفقاء کے کافروں سے لڑکر شہید ہوگئے[۶] عبداللہ بن طارق اور

---

[۵] الطبقات الکبریٰ۔ ج ۲ ص ۳۹۔ [۶] لڑتے وقت حضرت عاصم کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔

اَلمَوتُ حقٌّ والحیاۃُ باطلٌ وکلُّ ما حَمّ الالٰہ نازلٌ
بالمرءِ والمرءُ الیہ آیلٌ ان لم اُقاتِلکم فامی ھابلٌ

ابن ہشام ص ۱۲۱ ج ۲

زید بن دثنہ اور خبیب بن عدیؓ یہ تین آدمی مشرکین کے امن اور امان عہد اور پیمان کی بنا پر ٹیلہ سے نیچے اترے مشرکین نے ان کی مشکیں باندھنا شروع کیں عبداللہ بن طارقؓ نے یہ کہا یہ پہلا غدر ہے۔ ابتدا ہی بدعہدی سے ہو رہی ہے نہ معلوم آئندہ کیا کرو گے اور ساتھ چلنے سے انکار کر دیا مشرکین نے کھینچ کر ان کو شہید کر ڈالا۔ اور حضرت خبیب اور حضرت زید کو لے کر چلے مکہ پہنچ کر دونوں کو فروخت کیا۔

صفوان بن امیہ نے (جس کا باپ امیہ بن خلف بدر میں مارا گیا تھا) حضرت زید کو اپنے باپ کے عوض میں قتل کرنے کے لئے خریدا حضرت خبیب کے ہاتھ سے جنگ بدر میں حارث بن عامر مارا گیا تھا اس لئے حضرت خبیب کو حارث کے بیٹوں نے خریدا۔ بخاری شریف (فتح الباری ص ۲۹۲ ج ۷)

صفوان نے تو اپنے قیدی کے قتل میں تاخیر مناسب نہ سمجھی اور حضرت زید کو اپنے غلام نسطاس کے ساتھ حرم سے باہر تنعیم میں قتل کرنے کے لئے بھیج دیا۔ اور قتل کا تماشا دیکھنے کے لئے قریش کی ایک جماعت تنعیم میں جمع ہو گئی جن میں ابو سفیان بن حرب بھی تھا۔

جب حضرت زید کو قتل کے لئے سامنے لایا گیا تو ابو سفیان نے کہا اے زید میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم اس کو پسند کرو گے کہ تم کو چھوڑ دیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تمہارے بدلہ میں قتل کر دیں اور تم اپنے گھر آرام سے رہو۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جھنجلا کر کہا۔ خدا کی قسم مجھ کو یہ بھی گوارا نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیر میں کوئی کانٹا یا پھانس چبھے اور میں اپنے گھر بیٹھا رہوں۔

ابو سفیان نے کہا خدا کی قسم میں نے کسی کو کسی کا اس درجہ محب اور مخلص اور دوست اور جان نثار نہیں دیکھا جیسا کہ محمدؐ کے اصحاب محمدؐ کے محب اور جان نثار ہیں بعد ازاں نسطاس نے حضرت زید کو شہید کیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ [1]

بعد میں چل کر نسطاس مشرف باسلام ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ [2]

---

[1] ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۲۱، زرقانی ج ۲، ص ۳۱،
[2] الاصابہ، ج ۳، ص ۵۵۳۔ زرقانی ج ۲: ص ۳،

حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تا انقضائے ماہ حرام ان کی قید میں رہے جب لوگوں نے قتل کا ارادہ کیا تو حارث کی بیٹی زینب سے (جو بعد میں چل کر مسلمان ہوئی) نظافت اور صفائی کی غرض سے اُسترہ مانگا زینب استرہ دے کر اپنے کام میں مشغول ہو گئی۔ زینب کہتی ہیں کہ تھوڑی دیر میں دیکھتی ہوں کہ میرا بچہ ان کے زانوں پر بیٹھا ہوا ہے اور ہاتھ میں ان کے استرہ ہے، یہ منظر دیکھ کر میں گھبرا گئی۔ حضرت خبیب نے مجھکو دیکھ کر یہ فرمایا۔ کیا تجھکو یہ اندیشہ ہوا کہ میں اس بچہ کو قتل کروں گا ہرگز نہیں۔ انشاء اللہ مجھ سے ایسا کام کبھی نہ ہوگا۔ ہم لوگ غدر نہیں کرتے اور بار ہا زینب یہ کہا کرتی تھیں۔

ما رأیت اسیرا قط خیرا	میں نے کوئی قیدی خبیب سے بہتر نہیں دیکھا۔
من خبیب لقد رأیته یأکل	البتہ تحقیق میں نے ان کو انگور کے خوشے کھاتے
من قطعۃ عنب وما بمکۃ یومئذ	دیکھا حالانکہ اس وقت مکہ میں کہیں پھل کا نام و نشان
ثمرۃ وانہ لموثق فی الحدید وما	نہ تھا اور وہ خود لوہے کی بیڑیوں میں جکڑے ہوئے
کان الا رزق رزقہ اللہ	تھے کہیں جا کر لا نہیں سکتے تھے۔ یہ رزق ان کے

پاس محض اللہ کی طرف سے آتا تھا۔

جب قتل کرنے کے لئے حرم سے باہر ان کو تنعیم میں لے گئے تو یہ فرمایا کہ مجھکو اتنی مہلت دو کہ دو رکعت نماز پڑھ لوں۔ لوگوں نے اجازت دے دی آپ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی اور مشرکین کی طرف مخاطب ہو کر یہ فرمایا کہ میں نے اس خیال سے نماز کو زیادہ طویل نہیں کیا کہ تم کو یہ گمان ہوگا کہ میں موت سے ڈر کر ایسا کر رہا ہوں اور بعد ازاں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی۔

اللّٰھم احصھم عددا واقتلھم	اے اللہ ان کو ایک ایک کر کے مار۔ کسی کو
بددا ولا تبق منھم احدا	باقی نہ چھوڑ۔

اور یہ شعر پڑھے۔

ما ان ابالی حین اقتل مسلما	علی ای شق کان للہ مصرعی

مجھ کو کچھ پرواہ نہیں ہے جبکہ میں مسلمان مارا جاؤں خواہ کسی کروٹ پر مروں جبکہ خالص اللہ کے لیے میرا بچھڑنا ہو۔

وذلک فی ذات الالٰہ وان یشأ یبارک علی اوصال شلو ممزع

اور یہ محض اللہ کے لیے ہے اگر وہ چاہے تو میرے جسم کے پارہ پارہ کیے ہوئے جوڑوں پر برکت نازل فرما سکتا ہے۔

بعدازاں حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سولی پر لٹکائے گئے اور شہید ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آیندہ کے لیے یہ سنت قائم فرما گئے کہ جو شخص قتل ہو وہ دو رکعت نماز ادا کرے۔[1]

زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اسی قسم کا ایک واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں پیش آیا زید نے طائف سے واپسی میں ایک خچر کرایہ پر لیا۔ مالک بھی ساتھ چلا۔ راستہ میں ایک ویرانہ پر خچر سے جا کر کھڑا کیا۔ جہاں بہت سے مقتولین کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں اور ان کے قتل کا ارادہ کیا۔ حضرت زید نے فرمایا مجھکو دو رکعت نماز پڑھنے کی مہلت دے اس شخص نے بطور تمسخر یہ کہا۔ ہاں تم بھی دو رکعت نماز پڑھ لو تم سے پہلے ان لوگوں نے بھی نمازیں پڑھی ہیں مگر نماز نے ان کو کوئی نفع نہیں پہنچایا۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب دوگانہ سے فارغ ہوئے تو یہ شخص قتل کے ارادہ سے ان کی طرف بڑھا اس کو بڑھتے دیکھ کر حضرت زید نے یہ کہا یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ اے سب سے زیادہ رحم فرمانے والے مہربان۔ ادھر حضرت زید کی زبان سے یہ اسم اعظم نکلا۔ اور اُدھر اُس نے ایک غیب سے آواز سنی لاتقتلہ ان کو قتل نہ کر وہ شخص اس غیبی اور ناگہانی آواز سے مرعوب اور خوف زدہ ہو کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا جب کوئی شخص نظر نہ آیا تو پھر اسی ناپاک ارادہ سے آگے بڑھا۔ حضرت زید نے پھر یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ کہا اس شخص کو پھر کوئی غیبی آواز سنائی دی اور پیچھے ہٹا اور مثل سابق پھر آپ کی طرف بڑھا آپ نے پھر یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ کہا۔ تیسری بار یَا اَرْحَمَ

---

[1] زرقانی۔ ج ۲: ص ۶۸۔

الرّاحمین کہتا تھا کہ دیکھتے کیا ہیں کہ ایک سوار نیزہ ہاتھ میں لئے ہوئے ہے اور اس نیزہ کے سرہ میں آگ کا ایک شعلہ ہے، وہ نیزہ اس شخص کے مارا جو ناگاناً پشت سے پار ہو گیا اور اسی وقت وہ شخص مردہ ہو کر زمین پر گر پڑا۔

بعد ازاں اس شخص نے حضرت زید سے مخاطب ہو کر یہ کہا۔ جب تم نے پہلی بار یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ کہا اس وقت میں ساتویں آسمان میں تھا اور جب دوسری مرتبہ کہا تو آسمان دنیا پر تھا اور جب تیسری مرتبہ کہا تو میں تمہارے پاس آپہنچا۔

اس روایت کو علامہ سہیلی نے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ زید بن حارثہ کو یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور زندگی میں پیش آیا۔[۱]

مستدرک حاکم میں ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے ایک فرشتہ مقرر ہے کہ جو شخص تین بار یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ کہتا ہے تو فرشتہ اس کے جواب میں یہ کہتا ہے۔ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ تیری طرف متوجہ ہو گیا پس مانگ اور درخواست کر۔

اسی قسم کا واقعہ ابومعلق انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیش آیا۔ جیسا کہ ابی بن کعب اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ابومعلق انصاری رضی اللہ عنہ بڑے عابد و زاہد اور بڑے صاحب ورع و تقویٰ تھے تاجر تھے تجارت کے لئے سفر کیا کرتے تھے ایک مرتبہ سفر میں ایک چور ملا جو سیف و سنان تیر اور تلوار سے پورا مسلح تھا۔ اس نے کہا کہ مال یہاں رکھ دو میں تم کو قتل کروں گا۔

ابومعلق انصاری نے فرمایا کہ تم کو تو مال مطلوب ہے جو حاضر ہے میری جان سے کیا مطلب چور نے کہا نہیں مجھ کو تمہاری جان ہی مطلوب ہے۔ فرمایا کہ اچھا مجھ کو اتنی مہلت دو کہ نماز پڑھ لوں۔ چور نے کہا ہاں نماز جتنی چاہے پڑھ لو ابومعلق نے وضو کی اور نماز پڑھی اور بعد نماز

---

[۱] روض الانف۔ ج: ۲، ص: ۱۷۱۔ حاشیہ البدایۃ والنہایۃ ج ۴، ص: ۶۵

کے یہ دُعا مانگی۔

یَا وُدُوْدُ یَا ذُوالْعَرش المجید یا فعّالٌ لما ترید اسألكَ بعزتك التی لاترام و ملکلك الذی لا یضام وبنورك الذی ملاء ارکان عرشك ان تکفینی شر ھذ اللص یا مغیث اغثنی

تین مرتبہ یہ دعائیہ کلمات کہے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ ایک سوار نیزہ لئے ہوئے چور کی طرف بڑھا اور نیزہ سے اس کا کام تمام کیا۔ بعد ازاں ان کی طرف متوجہ ہوا اور کہا تم کون ہو کہا اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تمہاری فریادرسی اور امداد کے لئے بھیجا ہے میں چوتھے آسمان کا فرشتہ ہوں جب پہلی مرتبہ تم نے یہ دعا مانگی تو میں نے آسمان کے دروازوں سے کھٹکھٹانے کی آواز سنی جب دوسری مرتبہ دعا مانگی تو میں نے آسمان والوں کی چیخ اور پکار سنی جب تم نے تیسری بار دعا مانگی تو یہ کہا گیا کہ یہ کسی مضطر اور مبتلائے کرب کی دعا ہے اس وقت میں نے حق تعالیٰ سے درخواست کی کہ مجھکو اس کے قتل پر مامور کیا جائے۔ بعدازاں یہ کہا تم کو بشارت ہو۔ یہ یاد رکھنا کہ جو شخص وضو کرکے چار رکعت نماز پڑھے اور یہ دعا مانگے اس کی دعا قبول ہوگی خواہ وہ کرب اور بے چینی میں مبتلا ہو یا نہو، اصابہ ص۱۸۲ ج ۴ ترجمہ ابو معلق انصاری رضی اللہ عنہ باب الکنیٰ۔

غزوۂ اُحد میں حضرت عاصم نے سلافہ بنت سعید کے دو لڑکوں کو قتل کیا تھا اس لئے سلافہ نے یہ نذر کی تھی کہ عاصم کے کاسۂ سر میں ضرور شراب پیوں گی۔ اس لئے قبیلہ ہذیل کے کچھ لوگ حضرت عاصم کا سر لینے کے لئے روانہ ہوئے تاکہ سلافہ کے ہاتھ فروخت کرکے خاطر خواہ قیمت وصول کریں۔

امام طبری فرماتے ہیں کہ سلافہ نے یہ اعلان کیا تھا کہ جو عاصم کا سر لائے گا اس کو سنو اونٹ انعام دیئے جائیں گے۔

حضرت عاصم اپنی لاش کی عصمت وحفاظت کی خدا سے پہلی ہی دعا مانگ چکے تھے۔ حق تعالیٰ شانہ نے دشمنوں سے ان کی عصمت وحفاظت کا یہ انتظام فرمایا کہ زنبوروں (بھڑ) کا ایک

لشکر بھیج دیا جس نے ہر طرف سے ان کی لاش کو گھیر لیا۔ کوئی کافر ان کے قریب بھی نہ آسکا۔ اس وقت یہ کہہ کر علیحدہ ہو گئے کہ جب شام کے وقت یہ زنبوریں دفع ہو جائیں گے اس وقت اس وقت سر کاٹ لیں گے۔ مگر جب رات ہوئی تو ایک سیلاب آیا جو ان کی لاش کو بہا لے گیا۔ اور یہ سب بے نیل مرام خائب و خاسر واپس ہوئے۔ قتادہ سے مروی ہے کہ حضرت عاصم نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ نہ میں کبھی مشرک کو ہاتھ لگاؤں اور نہ کوئی مشرک مجھ کو ہاتھ لگائے حضرت عمر کے سامنے جب کبھی حضرت عاصم کا تذکرہ آتا تو یہ فرماتے کہ حق تعالیٰ بعض مرتبہ اپنے خاص بندہ کی مرنے کے بعد بھی حفاظت فرماتے ہیں جیسے زندگی میں اس کی حفاظت فرماتے تھے[1]

کفار مکہ نے حضرت خبیبؓ کی نعش کو سولی پر لٹکا ہوا چھوڑ دیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر اور مقدادؓ کو ان کی نعش اتار لانے کے لئے مدینہ سے مکہ روانہ فرمایا جب یہ دونوں رات میں تنعیم پہنچے تو دیکھا کہ چالیس آدمی نعش کا پہرہ دینے کے لئے سولی کے ارد گرد پڑے ہوئے ہیں حضرت زبیر اور مقداد نے ان لوگوں کو غافل پاکر نعش کو سولی سے اتار کر گھوڑے پر رکھا۔ لاش اسی طرح تر و تازہ تھی کسی قسم کا اس میں کوئی تغیر نہ آیا تھا۔ حالانکہ سولی دئے چالیس دن ہو چکے تھے مشرکین کی جب آنکھ کھلی اور دیکھا کہ لاش گم ہے تو ہر طرف تلاش میں دوڑے بالآخر حضرت زبیر اور مقدادؓ کو جا پکڑا۔ حضرت زبیر نے لاش کو اتار کر زمین پر رکھا فوراً زمین شق ہوئی اور لاش کو نگل گئی اسی وجہ سے حضرت خبیب بَلِيْعُ الْاَرْضِ کے نام سے مشہور ہیں[2]

ایک روایت میں ہے کہ کفار جب حضرت خبیب کو قتل کر چکے تو ان کا چہرہ قبلہ رُخ تھا اس کو قبلہ سے پھیر دیا۔ چہرہ پھر قبلہ رُخ ہو گیا بار بار ایسا ہی کیا بالآخر عاجز ہو کر چھوڑ دیا۔

فوائد: (۱) قتل کے وقت نماز پڑھنا سنت ہے تاکہ خاتمہ سب سے افضل اور سب سے بہتر عمل پر ہو جیسا کہ ایک حدیث میں ہے۔

---

[1] زرقانی۔ ج: ۲، ص: ۶۳۔ [2] البدایۃ والنہایۃ، ج: ۴، ص: ۶۶
فتح الباری۔ ج: ۷، ص: ۲۹۵

اذا قمت فی صلاتك فصل صلاة مودع الحديث۔ (رواہ احمد عن ابی ایوبؓ) [۱] — جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو تو دنیا سے رخصت ہونے والے کی سی نماز پڑھ۔

(۲)۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی اس نرالی شان سے حفاظت اور لوگوں کا حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو بغیر کسی ظاہری وسیلہ کے انگور کھاتے ہوئے دیکھنا۔ اور زید بن حارثہ اور ابو معلق انصاری کا واقعہ یہ سب اس کی دلیل ہیں کہ حضرات اولیاء اللہ کی کرامتیں حق ہیں اسی پر تمام اہل سنت کا اجماع ہے تفصیل کے لئے کتب کلامیہ اور خاص کر طبقات الشافعیۃ الکبریٰ کی از ص۵۹ (ج ۲) تا ص۸۰ مراجعت کریں۔

(۳)۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی یہ کرامت، حضرت مریم کی کرامت کے مشابہ ہے جس کو حق تعالیٰ شانہ نے سورہ آل عمران میں ذکر فرمایا ہے۔

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّى لَكِ هَٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ [۲]

جب کبھی حضرت زکریا مسجد کی محراب میں مریم پر داخل ہوتے تو ان کے پاس عجیب وغریب رکھا ہوا رزق پاتے تو یہ کہا کہ اے مریم یہ رزق تیرے پاس کہاں سے آیا تو مریم یہ جواب دیتیں کہ یہ رزق اللہ کے پاس سے آیا ہے اور اللہ جس کو چاہتا ہے بلا وہم وگمان اس کو رزق عطا کرتا ہے

(۴)۔ جو شخص مرنے کے قریب ہو اس کے لئے بال اور ناخن کی اصلاح مستحب اور مستحسن ہے جیسا کہ حضرت خبیب نے شہادت سے پیشتر استرہ مانگا بارگاہِ خداوندی میں حاضری سے پہلے نظافت وطہارت ضروری اور لازمی ہے۔

(۵)۔ اگر مسلمان کافروں کی حراست میں ہو اور وہ اس کے قتل کا تہیہ کر چکے ہوں تو مسلمان کیلئے جائز نہیں کہ موقع پاکر ان کے بچوں کو قتل کر ڈالے۔ بلکہ ان کے ساتھ شفقت اور محبت سے

---

[۱] مشکوٰۃ شریف۔ کتاب الرقاق فصل ثالث ۱۲ — [۲] آل عمران، آیت ۳۸

پیش آئے۔ جیسے حضرت خبیبؓ نے حارث کے نواسہ کو ازراہ تلطف اپنے زانوں پر بٹھلایا۔

سریۃ القراء یعنی قصہ بیر معونہ

اسی ماہ صفر میں دوسرا واقعہ پیش آیا کہ عامر بن مالک ابو براء آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ہدیہ پیش کیا لیکن آپ نے قبول نہیں فرمایا۔ اور ابو براء کو اسلام کی دعوت دی لیکن ابو براء نے نہ تو اسلام قبول کیا اور نہ رد کیا بلکہ یہ کہا کہ اگر آپ اپنے چند اصحاب اہل نجد کی طرف دعوت اسلام کی غرض سے روانہ فرمائیں تو میں امید کرتا ہوں کہ وہ اس دعوت کو قبول کریں گے آپ نے فرمایا مجھکو اہل نجد سے اندیشہ اور خطرہ ہے۔ ابو براء نے کہا میں ضامن ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر صحابہ کو جو قراء کہلاتے تھے اس کے ہمراہ روانہ کر دیئے منذر بن عمرو ساعدیؓ ان کا امیر مقرر فرمایا۔

یہ نہایت مقدس اور پاکباز جماعت تھی، دن کو لکڑیاں چنتے اور شام کو فروخت کر کے اصحاب صفہ کے لئے کھانا لاتے اور شب کا کچھ حصہ درس قرآن میں اور کچھ حصہ قیام لیل اور تہجد میں گزارتے یہ لوگ یہاں سے چل کر بیر معونہ[1] پر جا کر ٹھہرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط عامر بن طفیل کے نام (جو قوم بنی عامر کا رئیس اور ابو براء کا بھتیجا تھا) لکھا کر حضرت انسؓ کے ماموں حرام بن ملحان کے سپرد فرمایا۔

جب یہ لوگ بیر معونہ پر پہنچے تو حرام بن ملحانؓ کو آپ کا والا نامہ دے کر عامر بن طفیل کے پاس بھیجا۔ عامر بن طفیل نے خط دیکھنے سے پہلے ہی ایک شخص کو ان کے قتل کا اشارہ کیا۔ اس نے پیچھے سے ایک نیزہ مارا جو پار ہو گیا۔ حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے اس وقت یہ الفاظ نکلے،

---

[1] بیر معونہ ایک موضع ہے مکہ اور عسفان کے مابین واقع ہے قبائل ہذیل اور بنی سُلیم اور بنی عامر کے قرب و جوار میں آباد ہیں ۱۲۔ زرقانی صفحہ ج ۲

اَللّٰہُ اَکْبَر فُزْتُ وَرَبِّ الْکَعْبَۃ　اللہ اکبر قسم ہے کعبہ کے پروردگار کی میں کامیاب ہو گیا۔

اور بنی عامر کو بقیہ صحابہ کے قتل پر ابھارا لیکن عامر کے چچا ابو براء کے پناہ دیدینے کی وجہ سے بنی عامر نے امداد دینے سے انکار کر دیا۔

عامر بن طفیل جب ان سے ناامید ہوا تو بنی سلیم سے امداد چاہی عصیہ اور رعل اور ذکوان یہ قبائل اس کی امداد کے لیے تیار ہو گئے اور سب نے مل کر تمام صحابہ کو بلا قصور شہید کر ڈالا صرف کعب بن زید انصاری بچے ان میں حیات کی کچھ رمق باقی تھی، اس لیے ان کو مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ بعد میں ہوش میں آ گئے اور مدت تک زندہ رہے اور غزوہ خندق میں شہید ہوئے۔ ان کے علاوہ دو شخص اور بھی بچ گئے، ایک کا نام منذر بن محمد اور دوسرے کا نام عمرو بن امیہ ضمری تھا۔ یہ دونوں مویشی چرانے جنگل گئے ہوئے تھے۔ یکایک آسمان کی طرف پرندے اڑتے نظر آئے یہ دیکھ کر گھبرا گئے اور کہا کوئی بات ضرور ہے۔ جب قریب پہنچے تو دیکھا کہ تمام رفقا خون میں نہائے ہوئے بستر شہادت پر سو رہے ہیں۔ دونوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ کیا کریں عمرو بن امیہ نے کہا مدینہ چلیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جا کر اس کی خبر دیں منذر رضی اللہ عنہ نے کہا خبر تو ہو ہی رہے گی، شہادت کیوں چھوڑوں الغرض دونوں آگے بڑھے حضرت منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو لڑ کر شہید ہو گئے اور عمرو بن امیہ کو انھوں نے گرفتار کر لیا۔ اور عامر بن طفیل کے پاس لے گئے، عامر نے ان کے سر کے بال کاٹے اور یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی نذر مانی تھی لہٰذا میں اس نذر میں تم کو آزاد کرتا ہوں۔ زرقانی ص ۷۷ ج ۲

اسی معرکہ میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور ان کا جنازہ آسمان پر اٹھایا گیا۔ چنانچہ عامر بن طفیل نے لوگوں سے دریافت کیا

مَنِ الرَّجُلُ مِنْهُمْ لَمَّا قُتِلَ رَأَيْتُهُ رُفِعَ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ حَتّٰى رَأَيْتُ السَّمَاءَ مِنْ دُوْنِهِ ۝　مسلمانوں میں کا وہ کون مرد ہے کہ قتل ہوا تو میں نے دیکھا کہ وہ آسمان اور زمین کے مابین اٹھایا گیا یہاں تک کہ آسمان نیچے رہ گیا۔

لوگوں نے کہا وہ عامر بن فہیرہ تھے[1]

[1] طبری ج: ۳، ص: ۳۵

اور بخاری کی روایت میں ہے کہ عامر بن طفیل نے کہا لقد رأیتہ بعد ما قتل رفع الی السماء حتی انی لانظر الی السماء بینہ وبین الارض ثم وضع۔ میں نے اس شخص کو قتل ہونے کے بعد خود اور خوب دیکھا کہ اس کی لاش آسمان کی طرف اٹھائی گئی کہ آسمان اور زمین کے درمیان معلق رہی اور پھر زمین پر رکھ دی گئی۔

جبار بن سلمی جو عامر بن فہیرہ کے قاتل ہیں وہ خود راوی ہیں کہ جب میں نے عامر بن فہیرہ کے نیزہ مارا تو اس وقت ان کی زبان سے یہ لفظ نکلا۔

فُزتُ واللہ — خدا کی قسم مراد کو پہنچ گیا۔

میں یہ سن کر حیران ہو گیا اور دل میں کہا کہ کیا مراد کو پہنچے۔ ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ سے آکر یہ واقعہ بیان کیا ضحاکؓ نے فرمایا مراد یہ ہے کہ جنت کو پا لیا میں یہ سن کر مسلمان ہو گیا۔

ودعا انی ذلک ما رأیت من عامر بن فہیرۃ من دفعہ الی السماء علوا (رواہ عبداللہ بن المبارک)	اور میرے اسلام لانے کا باعث یہ ہوا کہ میں نے عامر بن فہیرہ کو دیکھا کہ وہ آسمان کی طرف اٹھائے گئے۔

ضحاک رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لکھ کر بھیجا آپ نے یہ ارشاد فرمایا:

ان الملائکۃ وارت جثتہ فی علیین [له]	فرشتوں نے ان کے جثہ کو چھپا لیا اور علیین میں اتار دیے گئے

اور ایک روایت میں ہے کہ ان کی لاش کو فرشتوں نے چھپا لیا اور پھر مشرکین نے نہیں دیکھا کہ وہ لاش کہاں گئی۔ اس روایت میں ثم وضع کا لفظ مذکور نہیں جیسا بخاری کی روایت میں تھا امام فرماتے ہیں کہ ان دونوں روایتوں میں تعارض نہیں ممکن ہے کہ ان کی لاش اول آسمان پر اٹھائی گئی ہو اور بعد میں لاکر زمین پر رکھ دی گئی ہو اور علامہ سیوطی یہ فرماتے ہیں کہ ثم وضع کا لفظ بعض طرق میں

له ۔ الخصائص الکبریٰ ۔ ج: ۱، ص: ۲۲۳

آیا ہے اور اکثر طرق اور اسانید میں یہی آیا ہے کہ ان کی لاش آسمان میں جا چھپی موسیٰ بن عقبہ راوی ہیں کہ عروۃ بن زبیر یہ کہتے تھے کہ عامر بن فہیرہ کی لاش کہیں نہیں ملی لوگوں کا گمان یہ ہے کہ فرشتوں نے ان کی لاش کو آسمان میں چھپا لیا۔ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ کو اس قدر صدمہ ہوا کہ تمام عمر کبھی اتنا صدمہ نہیں ہوا اور ایک مہینہ تک صبح کی قنوت میں ان لوگوں کے حق میں بددعا فرماتے رہے اور صحابہ کو اس واقعہ کی خبر دی کہ تمہارے اصحاب اور احباب شہید ہو گئے، اور انھوں نے حق تعالیٰ سے یہ درخواست کی تھی کہ ہمارے بھائیوں کو یہ پیغام پہنچا دیں کہ ہم اپنے رب کے پاس جا پہنچے اور ہم اس سے راضی ہیں اور ہمارا رب ہم سے راضی ہے۔

غزوہ بنی نضیر

ربیع الاول ۴ھ

عمرو بن امیہ ضمری جب بیر معونہ سے مدینہ واپس ہو رہے تھے تو راستہ میں بنی عامر کے دو مشرک ساتھ ہوئے مقام قناۃ میں پہنچ کر ایک باغ میں ٹھہرے جب یہ دونوں شخص سو گئے تو عمرو بن امیہ نے یہ سمجھ کر کہ اس قبیلہ کے سردار عامر بن طفیل نے ستر مسلمان شہید کئے ہیں، سب کا انتقام تو فی الحال دشوار ہے بعض ہی کا انتقام اور بدلہ لے لوں اس لئے ان دونوں کو قتل کر ڈالا۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان لوگوں سے عہد اور پیمان تھا مگر عمرو بن امیہ کو اس کی خبر نہ تھی مدینہ پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا ان سے تو ہمارا عہد اور پیمان تھا ان کی دیت اور خون بہا دینا ضروری ہے۔ چنانچہ آپ نے ان دونوں شخص کی دیت روانہ فرمائی۔ [2]

بنی نضیر بھی چونکہ بنی عامر کے حلیف تھے اس لئے از روئے معاہدہ دیت کا کچھ حصہ جو نضیر کے ذمہ بھی واجب الادا تھا اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دیت میں اعانت اور

---

[1] الخصائص الکبریٰ۔ ج ۱، ص ۲۲۴　[2] فتح الباری ج ۷، ص ۳۴۵

امداد لینے کی غرض سے بنونضیر کے پاس تشریف لے گئے ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمان اور زبیر اور طلحہ اور عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر اور سعد بن عبادہ وغیرہم آپ کے ہمراہ تھے آپ جا کر ایک دیوار کے سایہ میں بیٹھ گئے۔

بنونضیر نے بظاہر نہایت خندہ پیشانی سے جواب دیا اور خونبہا میں شرکت اور اعانت کا وعدہ کیا لیکن اندرونی طور پر یہ مشورہ کیا کہ ایک شخص چھت پر چڑھ کر اوپر سے ایک بھاری پتھر گرا دے تاکہ نصیب دشمناں آپ دب کر مر جائیں، سلام بن مشکم نے کہا:

لاتفعلوا - واللہ لیخبرن بما ہممتم بہ وانہ لنقض العہد الذی بیننا وبینہ　　ایسا ہرگز نہ کرو خدا کی قسم اس کا رب اس کو خبر کردے گا نیز یہ بد عہدی ہے۔

چنانچہ کچھ دیر نہ گزری کہ جبرئیل امین وحی لے کر نازل ہوئے اور آپ کو ان کے مشورہ سے مطلع کر دیا، آپ فوراً ہی وہاں سے اٹھ کر مدینہ تشریف لے آئے اور آپ وہاں سے اس طرح اُٹھے جیسا کہ کوئی ضرورت کے لئے اٹھتا ہو اور صحابہ وہیں بیٹھے رہے، یہود کو جب آپ کے چلے جانے کا علم ہوا تو بہت نادم ہوئے، کنانہ بن صویرا یہودی نے کہا تم کو معلوم نہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیوں اٹھ کر چلے گئے، خدا کی قسم ان کو تمہاری غداری کا علم ہو گیا بخدا وہ اللہ کے رسول ہیں۔

جب آپ کی واپسی میں تاخیر ہوئی تو صحابہ آپ کی تلاش میں مدینہ آئے، آپ نے یہود کی غداری سے مطلع فرمایا اور بنونضیر پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ عبداللہ بن ام مکتوم کو مدینہ کا عامل مقرر فرما کر بنونضیر کی طرف روانہ ہوئے اور جا کر ان کا محاصرہ کیا۔ بنونضیر نے اپنے قلعوں میں گھس کر دروازے بند کر لئے کچھ تو ان کو اپنے مضبوط اور مستحکم قلعوں پر گھمنڈ تھا اور پھر عبداللہ بن ابی اور منافقین کے اس پیام نے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ اس نے اور مغرور بنا دیا لیکن ان کی طرف سے مسلمانوں کے مقابلے میں آنے کی کسی کی ہمت نہ ہوئی اس کے علاوہ بنونضیر نے ایک اور غداری اور عیاری کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پیام بھیجا کہ آپ تین

لہ۔ ابن عقبہ کہتے ہیں کہ یہ آیت اسی بارے میں نازل ہوئی یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ ھَمَّ قَوْمٌ اَنْ یَّبْسُطُوْٓا اِلَیْکُمْ اَیْدِیَھُمْ الآیۃ۔ عیون الاثر ص ۲ ج ۲

آدمی اپنے ہمراہ لائیں، ہمارے تین عالم آپ سے گفتگو کریں گے اگر وہ ایمان لے آئے تو ہم بھی ایمان لے آئیں گے اور اندرونی طور پر ان تین عالموں کو یہ ہدایت کر دی کہ ملاقات کے وقت اپنے کپڑوں میں سر چھپا کر لے جائیں تاکہ موقع پا کر آپ کو قتل کر دیں، مگر آپ کو ایک ذریعہ سے ان کی اس چالاکی اور عیاری کا ملاقات سے پہلے ہی علم ہو گیا۔ (رواہ ابن مردویہ باسناد صحیح) غرض یہ کہ بنو نضیر کی متعدد غداریوں اور عیاریوں کی وجہ سے آپ نے ان پر حملہ کا حکم دیا۔ اور پندرہ روز تک ان کو محاصرہ میں رکھا اور ان کے باغوں اور درختوں کے کاٹنے اور جلانے کا حکم دیا بالآخر خائب خاسر ہو کر امن کے خواستگار ہوئے۔

آپ نے فرمایا دس دن کی مہلت ہے مدینہ خالی کر دو اہل و عیال بچوں اور عورتوں کو جہاں چاہو لے جاؤ باستثنائے سامان حرب جس قدر سامان اونٹوں اور سواریوں پر لے جا سکتے ہو اس کی اجازت ہے۔

یہودیوں نے مال کی حرص اور طمع میں مکانوں کے دروازے اور چوکھٹ تک اکھاڑ لئے اور جہاں تک بن پڑا اونٹوں پر لاد کر لے گئے اور مدینہ سے جلاوطن ہوئے، اکثر تو ان میں سے خیبر میں جا کر ٹھہرے اور بعض شام چلے گئے اور ان کے سردار حیی بن اخطب اور کنانۃ بن الربیع اور سلام بن ابی الحقیق بھی انہی لوگوں میں تھے جو خیبر میں جا کر ٹھہرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مال و اسباب کو مہاجرین پر تقسیم فرمایا تاکہ انصار سے ان کا بوجھ ہلکا ہو۔ اگرچہ انصار اپنے اخلاص و ایثار کی بنا پر اس بار کو بار نہیں بلکہ آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کی بہار سمجھتے ہوں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو جمع فرما کر خطبہ دیا حمد و ثنا کے بعد انصار نے مہاجرین کے ساتھ جو کچھ سلوک اور احسان کیا تھا اس کو سراہا اور بعد ازاں یہ ارشاد فرمایا۔ اے گروہ انصار اگر چاہو تو میں اموال بنی نضیر کو تم میں اور مہاجرین میں برابر تقسیم کر دوں اور حسب سابق مہاجرین تمہارے شریک حال رہیں اور اگر چاہو تو فقط مہاجرین پر تقسیم کر دوں اور وہ تمہارے گھر خالی کر دیں۔

سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ سرداران انصار نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نہایت طیب خاطر سے اس پر راضی ہیں کہ مال آپ فقط مہاجرین میں تقسیم فرما دیں۔ اور حسب سابق مہاجرین ہمارے ہی گھروں میں رہیں اور کھانے اور پینے میں ہمارے شریک رہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ انصار نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ مال تو آپ فقط مہاجرین پر تقسیم فرمادیں جاتی ہمارے اموال اور املاک میں سے بھی جس قدر چاہیں مہاجرین پر تقسیم فرمائیں ہم نہایت خوشی سے اس پر راضی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ جواب سن کر مسرور ہوئے اور یہ دعا دی۔

اللھم ارحم الانصار وابناء الانصار۔ — اے اللہ انصار پر اور انصار کی اولاد پر اپنی خاص مہربانی فرما۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ فرمایا:

جزاکم اللہ خیرا یا معشر الانصار فو اللہ ما مثلنا ومثلکم الا کما قال الغنوی — اے گروہ انصار اللہ تم کو جزائے خیر دے خدا کی قسم ہماری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسا کہ غنوی شاعر نے کہا ہے۔

جزی اللہ عنا جعفرا حین ازلقت — بنا نعلنا فی الواطئین فزلت

اللہ تعالیٰ جعفر کو جزا دے کہ جب ہمارا قدم پھسلا اور اس کو لغزش ہوئی۔

ابوا ان یملونا ولو ان امنا — تلاقی الذی یلقون منا لملت

تو ہماری اعانت اور خبرگیری سے اکتائے نہیں۔ بالفرض اگر ہماری ماں کو یہ صورت پیش آتی تو شاید وہ بھی اکتا جاتی۔

آپ نے تمام مال مہاجرین پر تقسیم فرما دیا، انصار میں سے صرف ابودجانہ اور سہل بن حنیف کو بوجہ تنگدستی اس میں سے حصہ عطا فرمایا۔

اس غزوہ میں بنو نضیر میں سے صرف دو شخص مسلمان ہوئے یامین بن عمیر اور ابوسعید بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کے مال واسباب سے کچھ تعارض نہیں کیا گیا اپنی املاک پر قابض رہے اور سورۂ حشر اسی غزوہ میں نازل ہوئی جس کو عبداللہ بن عباس سورۂ بنی نضیر کہا کرتے تھے۔ اس سورت میں حق تعالیٰ نے مال فئی کے احکام اور مصارف بیان فرمائے واللہ اعلم یہ تمام تفصیل زرقانی ص۸۰ تا ص۸۶ و فتح الباری ص۲۵۴ ج۷، ص۲۵۵ ج۷، البدایۃ والنہایۃ از ص۷۴ تا ص۸۰ ج۴ میں مذکور ہے۔

تحریم خمر

ابنِ اسحٰق لکھتے ہیں کہ تحریم خمر کا حکم اسی غزوہ میں نازل ہوا۔[۱]

غزوۂ ذات الرقاع

جمادی الاوّل ۴ھ

غزوۂ بنو نضیر کے بعد ربیع الاوّل سے لے کر شروع جمادی الاولیٰ تک آپ مدینہ ہی میں مقیم رہے۔ شروع جمادی الاولیٰ میں آپ کو یہ خبر ملی، کہ بنی محارب[۲] اور بنی ثعلبہ آپ کے مقابلہ کے لئے لشکر جمع کر رہے ہیں۔ آپ چار سو صحابہ[۳] کی جمعیت ہمراہ لے کر نجد کی طرف روانہ ہوئے، جب آپ نجد پہنچے تو کچھ لوگ قبیلۂ غطفان کے ملے مگر لڑائی کی نوبت نہیں آئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو صلاۃ[۴] الخوف پڑھائی۔

ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ اس غزوہ کو ذات الرقاع اس لئے کہتے ہیں کہ رقاع کے معنی چندیوں اور چیتھڑوں کے ہیں اس غزوہ میں چلتے چلتے پیر پھٹ گئے تھے اس لئے ہم نے پیروں کو کپڑے لپیٹ لئے تھے اس لئے اس غزوہ کو ذات الرقاع کہنے لگے یعنی چیتھڑوں والا غزوہ (بخاری شریف)

ابن سعد کہتے ہیں کہ ذات الرقاع ایک پہاڑ کا نام ہے جہاں آپ نے اس غزوہ میں نزول فرمایا تھا اس میں سیاہ اور سفید اور سرخ نشانات تھے[۵]

واپسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سایہ دار درخت کے نیچے قیلولہ فرمایا اور تلوار درخت سے لٹکا دی ایک مشرک آیا اور تلوار سونت کر کھڑا ہوگیا اور آپ سے دریافت کیا کہ بتلاؤ اب تم کو میرے ہاتھ سے کون بچائے گا آپ نے نہایت اطمینان سے یہ فرمایا، اَللہ۔

---

۱ ۔ بنی محارب اور بنی ثعلبہ قبیلۂ غطفان کی دو شاخیں ہیں۔ ۱۲ زرقانی

۲ ۔ اور ایک روایت میں ہے کہ سات سو اور ایک میں آٹھ سو ہے۔ ۱۲ زرقانی

۳ ۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ یہ پہلی صلوٰۃ الخوف تھی۔ عیون الاثر ص۵۲ ج ۲

۴ ۔ طبقات ابن سعد ج ۲، ص: ۴۳

یہ بخاری کی روایت ہے ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ جبرئیل امین نے اس کے سینہ پر ایک گھونسہ رسید کیا۔ فوراً تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور آپ نے اٹھالی اور فرمایا بتلا میرے ہاتھ سے تجھ کو کون بچائے گا اس نے کہا کوئی نہیں آپ نے فرمایا اچھا جاؤ میں نے تم کو معاف کیا۔

واقدی کہتے ہیں کہ یہ شخص مسلمان ہو گیا اور اپنے قبیلہ میں پہنچ کر اسلام کی دعوت دی بہت سے لوگ اس کی دعوت سے مسلمان ہوئے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ اس شخص کا نام غورث بن حارث تھا۔

تنبیہ: اسی قسم کا واقعہ غزوۂ غطفان ۳ھ کے بیان میں گذر چکا ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ ایک ہی واقعہ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ دو واقعے الگ الگ ہیں واللہ اعلم [1]

یہاں سے چل کر آپ ایک گھاٹی پر ٹھہرے عمار بن یاسر اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہما کو درہ کی حفاظت کے لئے مقرر فرمایا آپس میں ان دونوں نے یہ طے کیا کہ اول نصف شب میں عباد اور آخر نصف شب میں عمار جاگیں اس قرارداد کے مطابق عمار بن یاسرؓ تو سو گئے اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہ عبادت کے لئے کھڑے ہو گئے اور نماز کی نیت باندھ لی۔

ایک کافر نے آپ کو دیکھ کر یہ پہچان لیا کہ یہ مسلمانوں کے پاسبان ہیں ایک تیر مارا جو ٹھیک نشانہ پر پہنچا مگر عباد بن بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے رگ و ریشہ میں معبودِ حقیقی کی عبودیت اور بندگی سرایت کر چکی تھی اور سرتاپا مولائے حقیقی کی محبت میں سرشار تھے اور ایمان و احسان کی حلاوت ان کے دل میں اتر چکی تھی۔ تیر و سنان کب ان کی عبادت میں مخل ہو سکتا تھا۔ برابر اسی طرح نماز میں مشغول رہے اور تیر نکال کر پھینک دیا۔ اس کافر نے ایک دوسرا تیر مارا انھوں نے اس کو بھی نکال کر پھینک دیا اور نماز جاری رکھی اس نے تیسرا تیر مارا۔ اب یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں دشمن کمین گاہ سے حملہ نہ کر دے اور جس غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہاں متعین کیا ہے وہ غرض نہ فوت ہو جائے۔ اس لئے نماز کو پورا کیا اور نماز پوری کرنے کے بعد ساتھی کو جگایا کہ اٹھو زخمی ہو گیا ہوں، دشمن

---

[1] - زرقانی، ج ۲، ص: ۹۱

ان کو جگاتے دیکھ کر فرار ہو گیا عمار بن یاسرؓ بیدار ہوئے اور دیکھ کر جسم سے خون جاری ہے کہا سبحان اللہ تم نے مجھ کو پہلے ہی تیر میں کیوں نہ جگایا، کہا میں ایک سورت پڑھ رہا تھا، اس کو قطع کرنا اچھا نہ معلوم ہوا جب پے درپے تیر لگے تب میں نے نماز پوری کی اور تم کو جگایا۔ خدا کی قسم اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا خیال نہ ہوتا تو نماز ختم ہونے سے پہلے میری جان ختم ہو جاتی۔

اس غزوہ کی تاریخ وقوع میں بہت اختلاف ہے محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ غزوہ ذات الرقاع جمادی الاولیٰ ۴ھ میں ہوا، ابن سعد کہتے ہیں کہ محرم الحرام ۵ھ میں ہوا، امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ یہ غزوہ، غزوہ خیبر کے بعد ۷ھ میں ہوا۔ اس لئے کہ صحیح بخاری کی روایت میں ابوموسیٰ اشعری کا اس غزوہ میں شریک ہونا مذکور ہے اور ابوموسیٰ اشعری بالاتفاق غزوہ خیبر کے بعد ۷ھ میں حبشہ سے مدینہ واپس آئے علاوہ ازیں ابوداؤد وغیرہ میں روایت ہے کہ مروان بن حکم نے ابوہریرہؓ سے سوال کیا کہ کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلاۃ الخوف پڑھی ہے۔ آپ نے فرمایا میں نے غزوۂ نجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلاۃ الخوف پڑھی ہے۔ یہ روایت بخاری میں تعلیقاً مذکور ہے اور ابوہریرہؓ بھی ۷ھ میں غزوۂ خیبر کے بعد خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔

غزوۂ بدر موعد

شعبان ۴ھ

غزوۂ ذات الرقاع سے واپسی کے بعد آخر رجب تک آپ مدینہ ہی میں مقیم رہے احد سے واپسی کے وقت چونکہ ابوسفیان سے وعدہ ہو چکا تھا کہ سال آئندہ بدر میں لڑائی ہوگی اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پندرہ سو صحابہ کو اپنے ہمراہ لے کر ماہِ شعبان میں بدر کی طرف روانہ ہوئے بدر پہنچ کر آٹھ روز تک ابوسفیان کا انتظار فرمایا۔ ابوسفیان بھی اہل مکہ کو لے کر مرالظہران تک پہنچا لیکن مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی اور یہ کہہ کر واپس ہوا کہ یہ سال قحط اور گرانی کا ہے، جنگ وجدال کا نہیں

۱؎ سیرت ابن ہشام۔ ج: ۲، ص: ۱۳۵

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ روز کے انتظار کے بعد جب مقابلہ سے ناامید ہوئے تو بلا جدال وقتال مدینہ واپس ہوئے[1]

ابوسفیان اگرچہ اُحد سے واپسی کے وقت یہ کہہ گیا تھا کہ سال آیندہ پھر بدر پر لڑائی ہوگی۔ مگر اندر سے ابوسفیان کا دل مرعوب تھا۔ دل سے یہ چاہتا تھا کہ حضور پرنور بھی بدر پر نہ آئیں تاکہ مجھے ندامت اور شرمندگی نہ ہو۔ اور الزام مسلمانوں پر رہے۔ نعیم بن مسعود نامی ایک شخص مدینہ جارہا تھا اس کو مال دینا منظور کیا کہ مدینہ پہنچ کر مسلمانوں میں یہ مشہور کرے کہ اہل مکہ نے مسلمانوں کے استیصال کے لئے بڑی بھاری جمعیت اکٹھی کی ہے لہٰذا تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ قریش کے مقابلہ کے لئے نہ نکلو۔ ابوسفیان کا مقصد یہ تھا کہ جب اس قسم کی خبریں مشہور ہونگی تو مسلمان خوف زدہ ہوجائیں گے اور جنگ کے لئے نہیں نکلیں گے (جس کو آج کل کی اصطلاح میں پروپگنڈا کہتے ہیں) سنتے ہی مسلمانوں کے جوشِ ایمانی میں اور اضافہ ہوگیا۔ اور حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ پڑھتے ہوئے بدر کی طرف روانہ ہوگئے اور حسبِ وعدہ بدر پہنچے، وہاں ایک بڑا بازار لگتا تھا تین روز رہ کر تجارت کی اور خوب نفع اٹھایا اور خیر و برکت کے ساتھ مدینہ واپس ہوئے اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَهٗ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ[2]

(فائدہ) اس آیت میں جھوٹی خبریں مشہور کرنے والے کو حق تعالیٰ نے شیطان فرمایا ہے۔

[1] ابن ہشام ج ۲ ص: ۱۳۶۔ [2] سورۂ آل عمران، آیۃ: ۱۷۵

قال تعالیٰ اِنَّمَا ذٰلِکُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَ اور حق تعالیٰ نے پروپگنڈہ کا علاج اور جواب یہ تبلا دیا ہے کہ تم اپنی قدرت کے مطابق جہاد وقتال کی تیاری کرو اور حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ پڑھو یعنی بھروسہ اللہ پر رکھو۔ معاذ اللہ یہ نہ کرنا کہ شیطان کی طرح تم بھی اپنے دشمنوں کے متعلق جھوٹی خبریں اڑانے لگو۔ جھوٹ کا جواب سچائی سے دو۔ معاذ اللہ اگر تم نے بھی جھوٹ کے جواب میں جھوٹ بولا تو پھر فائدہ ہی کیا ہوا اسلام اپنے دشمنوں کے متعلق بھی جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں دیتا۔

واقعاتِ متفرقہ ۴ھ

(۱)۔ اسی سال ماہ شعبان میں امام حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے[۱]

(۲)۔ اسی سال ماہ جمادی الاولیٰ میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ کا چھ سال کی عمر میں انتقال ہوا[۲]

(۳)۔ اسی سال ماہ شوال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُم المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا[۳]

(۴)۔ اسی سال ماہ رمضان المبارک میں حضرت زینب بنت خزیمہ اُم المساکین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرمایا۔ طبری ص ۳۳ ج ۳

(۵)۔ اور اسی سال زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ یہود کی زبان میں لکھنا اور پڑھنا سیکھ لیں مجھکو ان کے پڑھنے پر اطمینان نہیں[۴]

(۶)۔ مشہور قول کی بنا بر حجاب یعنی پردہ کا حکم بھی اسی سال نازل ہوا بعض کہتے ہیں کہ ۳ھ اور بعض کہتے ہیں ۵ھ میں[۵]

مسئلہ حجاب کی تحقیق انشاء اللہ تعالیٰ ازواج مطہرات کے بیان میں آئے گی۔ ۴ھ کے واقعات ختم ہوئے اب ۵ھ شروع ہوتا ہے

---

[۱] طبری: ج: ۳، ص: ۳۹، [۵] فتح الباری، ج: ۸، ص: ۴۳۳۔
[۲] ایضاً [۳] طبری ج ۳: ص ۴۳ [۴] طبری ج ۳: ص: ۴۲

۵ ہجری

غزوۂ دومۃ الجندل[1]

ربیع الاول ۵ ھ

ماہ ربیع الاول میں آپ کو یہ خبر ملی کہ دومۃ الجندل کے لوگ مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے ایک ہزار صحابہ کی جمعیت کو ہمراہ لے کر ۲۵ ماہ ربیع الاول ۵ ھ کو دومۃ الجندل کی طرف خروج فرمایا وہ لوگ خبر سنتے ہی منتشر ہوگئے، لہٰذا آپ بلا جدال وقتال واپس ہوئے اور بیس ۲۰ ربیع الثانی کو مدینہ میں داخل ہوئے۔ طبقات ابن سعد ص۴۴ ج ۲ زرقانی ص۹۵ ج ۲۔

غزوۂ مُریسیع[2] یا بنی المُصطلِق

۲ شعبان یوم دوشنبہ ۵ ھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ حارث بن ابی ضرار سردار بنی المصطلق نے بہت سی فوج جمع کی ہے اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاری میں ہے۔ آپ نے بریدہ بن حُصَیب اسلمیؓ کو خبر لینے کے لئے روانہ فرمایا۔ بریدہؓ نے آکر بیان کیا کہ خبر صحیح ہے آپ نے صحابہ کو خروج کا حکم دیا۔

---

[1] دومۃ الجندل ایک مقام کا نام ہے جو مدینہ سے پندرہ دن کے راستہ پر ہے۔ دومۃ الجندل سے دمشق تک پانچ دن کا راستہ ہے، زرقانی ص۹۵ ج ۲۔

[2] مُریسیع ایک چشمہ یا تالاب کا نام ہے جہاں بنی المصطلق سے مقابلہ ہوا۔ اور بنی المصطلق قبیلۂ بنی خزاعہ کی ایک شاخ ہے۔ اس غزوہ کی سنہ وقوع میں اختلاف ہے ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ۶ ھ میں ہوا۔ بعض کہتے ہیں ۴ ھ میں ہوا قتادہ عروہ بن زبیر ابن شہاب زہری کہتے ہیں کہ شعبان ۵ ھ میں ہوا۔ موسیٰ بن عقبہ ابن سعد بیہقی حاکم نے اسی قول کو اختیار کیا ہے حافظ عسقلانی فرماتے ہیں، یہی قول صحیح ہے اس لئے کہ سعد بن معاذؓ کا اس غزوہ میں شریک ہونا صحیح بخاری میں مذکور ہے اور روایات صحیحہ اور احادیث معتبرہ سے یہ ثابت ہے کہ سعد بن معاذؓ نے غزوہ خندق سے فارغ ہو کر غزوہ بنی قریظہ کے زمانہ میں وفات پائی، جو ۵ ھ میں ہوا۔ پس اگر غزوہ مریسیع ۶ ھ میں غزوہ بنی قریظہ کے ایک سال بعد مانا جائے تو سعد بن معاذ کی شرکت اس میں کیسے صحیح ہو سکتی ہے تفصیل کے لئے فتح الباری ص۳۳۲ ج ۷، زرقانی ص۹۶ ج ۲۔

صحابہ فوراً تیار ہو گئے تیس گھوڑے ہمراہ لئے جس میں سے دس مہاجرین کے اور بیس انصار کے تھے اس مرتبہ مالِ غنیمت کی طمع میں منافقین کا بھی ایک کثیر گروہ ہمراہ ہولیا جو اس سے پہلے کبھی کسی غزوہ میں شریک نہ ہوا تھا۔ مدینہ میں زید بن حارثہ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا اور ازواجِ مطہرات میں سے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ اور ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ساتھ لیا اور ۲ شعبان یوم دوشنبہ کو مریسیع کی طرف خروج فرمایا۔

تیز رفتاری کے ساتھ چل کر ناگہاں اور اچانک ان پر حملہ کر دیا۔ اس وقت وہ لوگ اپنے مویشیوں[1] کو پانی پلا رہے تھے۔ حملہ کی تاب نہ لا سکے دس آدمی اُن کے قتل ہوئے باقی مرد عورت بچے اور بوڑھے سب گرفتار کر لئے گئے مال اسباب لوٹ لیا گیا۔ دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں اور دو سو گھرانے قید ہوئے انھیں قیدیوں میں سردار بنی المصطلق حارث بن ابی ضرار کی بیٹی جویریہ بھی تھیں مالِ غنیمت جب غانمین پر تقسیم ہوا تو جویریہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئیں۔ ثابت بن قیسؓ نے ان کو مُکاتَبہ بنا دیا یعنی اگر اتنی مقدار رقم ادا کر دیں تو آزاد ہو جائیں۔

حضرت جویریہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا رسول اللہ، آپ کو معلوم ہے کہ میں جویریہ سردار بنی المصطلق حارث بن ابی ضرار کی بیٹی ہوں میری اسیری کا حال آپ پر مخفی نہیں تقسیم میں ثابت بن قیس کے حصہ میں آئی ہوں، انھوں نے مجھ کو مُکاتَبہ بنا دیا ہے

[1] یہ روایت صحیح بخاری کی کتاب العتاق ص ۳۴۵ ج ۱ میں نافع سے مروی ہے اور نافع کہتے ہیں، حدثنی بہ عبداللہ بن عمر وکان فی ذلک الجیش کہ یہ حدیث مجھ سے عبداللہ بن عمر نے بیان کی جو اس لشکر میں موجود تھے لہٰذا یہ روایت بلاشبہ مرفوع متصل ہے بالفرض اگر اس روایت کا سلسلہ نافع ہی پر ختم ہو جاتا تو اصطلاح محدثین میں اس کو مرسل کہا جائے گا۔ جو جمہور سلف کے نزدیک حجت ہے۔ نہ کہ منقطع۔ معلوم کہ علامہ شبلی نے سیرۃ النبی ص ۳۸۲ ج ۱ تقطیع خورد پر کس بنا پر اس حدیث کو منقطع کہہ کر غیر معتبر بنانے کی ناکام سعی کی ہے سیر کی روایت اور صحیح بخاری کی روایت میں کوئی تعارض نہیں اس لئے کہ سیر کی روایت سے فقط اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ بنی المصطلق کو آپ کی تیاری کا علم ہو گیا تھا لیکن یہ علم نہ تھا کہ آپ اس طرح اچانک پہنچ کر حملہ کر دیں گے۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت آپ نے حملہ کیا۔ اس وقت بے خبر اور غافل تھے ۱۲ عفا عنہ

بدل کتابت میں آپ سے اعانت اور امداد کے لئے حاضر ہوں۔

آپ نے ارشاد فرمایا میں تم کو اس سے بہتر چیز بتلاتا ہوں اگر تم پسند کرو، وہ یہ کہ تمھاری طرف سے کتابت کی واجب الاداء رقم میں ادا کروں اور آزاد کر کے تم کو اپنی زوجیت میں لے لوں۔ حضرت جویریہؓ نے فرمایا میں اس پر راضی ہوں۔ (رواہ ابوداؤد فی کتاب العتاق)

حضرت جویریہؓ کی خواہش تو پہلے ہی سے تھی کہ وہ آزاد ہو جائیں، اتفاق سے ان کے باپ حارث بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں قبیلۂ بنی المصطلق کا سردار ہوں میری بیٹی کنیز بن کر نہیں رہ سکتی۔ آپ اس کو آزاد فرما دیں۔ آپ نے فرمایا کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ میں اس معاملہ کو خود جویریہ ہی کی مرضی اور اختیار پر چھوڑ دوں، حارث نے جا کر جویریہ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیری مرضی پر چھوڑ دیا ہے جویریہؓ نے کہا میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں۔ (رواہ ابن مندہ وسندہ صحیح) [1]

عبداللہ بن زیاد سے مروی ہے کہ حضرت جویریہ کے والد۔ حارث بن ابی ضرار بہت سے اونٹ لے کر مدینہ منورہ روانہ ہوئے تاکہ فدیہ دے کر اپنی بیٹی کو چھڑا لائیں ان میں سے دو اونٹ جو نہایت عمدہ پسندیدہ تھے اور ان کو ایک گھاٹی میں چھپا دیا کہ واپسی میں ان کو لے لوں گا مدینہ پہنچ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ اونٹ آپ کے سامنے پیش کئے اور کہا اے محمد تم نے میری بیٹی کو گرفتار کیا ہے، اس کا فدیہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ اونٹ کہاں جو تم فلاں گھاٹی میں چھپا آئے ہو۔ حارث نے کہا۔ اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں اللہ کے سوا کسی کو اس کا علم نہ تھا اللہ ہی نے آپ کو اس سے مطلع کیا ہے (اصابہ ترجمہ حارث بن ابی ضرارؓ)

الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہؓ کو آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا۔ صحابہ کو جب یہ معلوم ہوا تو بنی المصطلق کے تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا کہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] الاصابہ، ج: ۴، ص: ۲۶۵۔

کے دامادی رشتہ وار ہیں ام المؤمنین عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے جویریہ سے زیادہ کسی عورت کو اپنی قوم کے حق بابرکت نہیں دیکھا کہ جس کی وجہ سے ایک دن میں سو گھرانے آزاد ہوئے ہوں۔ ابوداؤد کتاب العتاق ص ۱۹۲ ج ۲

اس سفر میں چونکہ منافقین کا ایک گروہ شریک تھا ہر موقع پر اپنی فتنہ پردازی اور شرانگیزی کو ظاہر کرتے تھے۔ چنانچہ ایک پانی کے چشمہ پر ایک مہاجری اور ایک انصاری میں جھگڑا ہو گیا مہاجر نے انصاری کے ایک لات ماری مہاجری نے یالَلمہاجرین کہہ کر مہاجرین کو انصاری نے یاللانصار کہکر انصار کو اپنی مدد کیلئے آواز دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ آوازیں سُنیں تو ارشاد فرمایا کہ یہ جاہلیت کی سی آوازیں کیسی، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ایک مہاجری نے ایک انصاری کے لات ماردی آپ نے ارشاد فرمایا:

دَعُوهَا فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ ان باتوں کو چھوڑو البتہ تحقیق یہ باتیں گندی اور بدبودار ہیں

رأس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کو لڑنے کا موقع مل گیا اور کہا کیا یہ لوگ (یعنی مہاجرین) ہم پر حاکم ہو گئے ہیں۔ خدا کی قسم مدینہ پہنچ کر عزت والا ذلت کے والے کو نکال باہر کرے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب خبر پہنچی تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ان منافق کی گردن مارنے کی مجھ کو اجازت دیجیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا رہنے دو (لوگ حقیقت حال کو تو سمجھیں گے نہیں) یہ گمان کریں گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے اصحاب کو قتل کرتے ہیں۔

عبداللہ بن ابی حقیقۃً آپ کے اصحاب میں سے نہ تھا بلکہ سخت ترین دشمنوں میں سے تھا۔ لیکن ظاہر صورت میں آپ کے اصحاب کے مشابہ تھا۔ زبان سے آپ کے اصحاب میں سے ہونے کا مدعی تھا اس لئے آپ نے اُس کے قتل کی اجازت نہیں دی۔ اصحاب مخلصین کے تشبہ نے

لہ۔ اپنی سوکن کے فضل و کمال کا صدق دل سے اور صدق لسان سے اعتراف کرنا یہ شان صدیقیت کا اقتضاء ہے اس لئے اس مقام پر ام المؤمنین کے نام کے ساتھ صدیقہ بنت صدیق کا اضافہ مناسب معلوم ہوا۔ ۱۲ عفا عنہ۔ ٹہ سورۃ منافقین اسی بارے میں نازل ہوئی۔ ۱۲

اس کی جان بچالی۔ صالحین کا تشبّہ[1] اگر نفاق سے ہو وہ بھی ضائع اور بیکار نہیں۔

فائدہ جلیلہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد:

دَعُوْهَا فَاِنَّهَا مُنْتِنَةٌ — ان باتوں کو چھوڑ و البتہ تحقیق یہ باتیں گندی اور بدبودار ہیں

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اچھی باتیں پاکیزہ اور خوشبودار ہیں۔ اور بُری باتیں گندی اور بدبودار ہیں، جن کی خوشبو اور بدبو کا احساس ظاہری اور حسّی طور پر حضرات انبیاء اللہ علیہم الف الف صلوات اللہ یا ان کے وارثین کو ہوتا ہے۔

وعن جابرؓ قال کنا مع النبی صلے اللہ علیہ وسلم فارتفعت ریح منتنة فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتدرون ما ھذہ الریح ھذہ ریح الذین یغتابون المؤمنین رواہ احمد وابن ابی الدنیا ورواۃ احمد ثقات (ترغیب وترھیب للمنذری صفحہ ۳ جلد ۳ طبع مصری)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ سخت بدبو اٹھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم کو معلوم ہے کہ یہ کس چیز کی بدبو ہے یہ بدبو اُن لوگوں کے منہ سے آرہی ہے جو اس وقت مسلمانوں کی غیبت (بدگوئی) کر رہے ہیں اس حدیث کو امام احمد اور ابن ابی الدنیا نے روایت کیا ہے۔ امام احمد کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ آپ نے اور جو حضرات آپ کے ساتھ تھے سب نے غیبت کی بدبو کو محسوس کیا لیکن یہ امر یہ کہ کس چیز کی بدبو ہے یہ آپ کے تبلانے سے معلوم ہوا۔

حافظ سیوطی نے خصائص کبریٰ کے باب ما وقع فی غزوۃ بنی المصطلق من الآیات[2] کے تحت میں اسی

---

[1] اس مسئلہ کی اگر تحقیق درکار ہے تو برادر مکرم فاضل محترم مولنا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند کی تالیف لطیف "التشبہ فی الاسلام" کی مراجعت کریں جو مسئلہ تشبہ کی تحقیق میں بے شبہ اور بے مثال ہے

[2] یعنی باب اس بات کا غزوہ بنی المصطلق میں کیا کیا معجزے ظاہر ہوئے

(خصائص کبریٰ صفحہ ۲۳۶ ج ۱)

حدیث کو بحوالہ ابی نعیم نے ان الفاظ میں روایت کیا ہے۔

عن جابر قال کنا مع رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم فی سفر فھاجت ریح منتنۃ فقال النبی صلے اللّٰہ علیہ وسلم ان ناسا من المنافقین اغتابوا ناسا من المومنین فلذلک ھاجت ھذہ الریح	حضرت جابر سے مروی ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ یکایک ایک سخت بدبو اٹھی (کہ جو غالباً اس سے پہلے کبھی دیکھنے اور سننے میں نہیں آئی تھی) آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا (تم اس عجیب و غریب بدبو سے تعجب مت کرو)

اس وقت چند منافقین نے اہل ایمان کی غیبت اور بدگوئی کی ہے پس اس لئے یہ بدبو نمودار ہوئی ہے یعنی یہ اہل ایمان کی غیبت کی عفونت ہے اس لئے اس میں یہ شدت اور غرابت ہے۔

حافظ سیوطی کے اس کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیبت کی بدبو کا واقعہ۔ غزوۂ بنی المصطلق ہی میں پیش آیا۔

اور اسی قسم کا ایک اور واقعہ مدینہ کے قریب پہنچکر پیش آیا جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت جابر سے مروی ہے کہ جب ہم اس سفر (یعنی غزوۂ بنی المصطلق) سے واپس ہو کر مدینہ کے قریب پہنچے تو دفعتہ ایک نہایت منتعفن اور بدبودار ہوا چلی آپ نے ارشاد فرمایا یہ بدبودار ہوا کسی منافق کے مرنے کی وجہ سے چلی ہے۔ جب ہم مدینہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ ایک بڑا منافق مرا ہے۔ خصائص کبری ص۲۳۱ ج ۱

غالبا اس منافق کی خبیث اور گندی روح کی وجہ سے اس صحرا کا تمام خلا منتعفن ہو گیا جس کو نبی اکرم صلی اللّٰہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللّٰہ عنہم نے محسوس فرمایا۔

لوگوں کا یہ فرض ہے کہ خداوند قدوس نے جن برگزیدہ حضرات پر کفر کی نجاست منکشف فرمائی ان کے سامنے سر تسلیم خم کریں اور خوب سمجھ لیں کہ کسی بے حس اور مزکوم کا گلاب اور مشک کی خوشبو اور بدبو کو نہ محسوس کرنا صحیح الحواس پر حجت نہیں کلمات طیبہ کی طیب اور خوشبو کو اور کلمات خبیثہ کی خبث اور رائحہ کریہہ کو کیا محسوس کریں۔ ع بہر اداہا باید حواس اہل دل

جامع ترمذی میں عبداللّٰہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا:

اذا کذب العبد تباعد عنہ الملک میلاً من نتن ما جاء بہ (ترمذی شریف ص۱۹ ج۲)
جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے ایک میل دور چلا جاتا ہے

مسند احمد اور جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد اور نسائی اور مستدرک حاکم میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ کسی مجلس سے بغیر اللہ کا ذکر کئے اٹھ کھڑے ہوئے تو گویا وہ لوگ جیفہ حمار (مردار گدھے) کے پاس سے اٹھے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے حاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث شرط مسلم پر صحیح ہے بخاری اور مسلم کی ایک حدیث قدسی میں ہے کہ بندہ جب کسی عمل نیک کا ارادہ کرتا ہے تو فرشتے اس کے عمل کرنے سے پیشتر ہی محض اس کے ارادہ ہی پر ایک نیکی لکھ لیتے ہیں اور کرنے کے بعد دس گونہ سے سات سو گونہ تک لکھتے ہیں اور بندہ جب بدی کا ارادہ کرتا ہے تو جب تک کر نہ لے اس وقت تک بدی نہیں لکھتے الی آخر الحدیث۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کراماً کاتبین کو آدمی کے قلبی ارادوں اور دلی خطرات کی بھی کچھ اطلاع ہوتی ہے۔ ورنہ اگر ان کو اطلاع نہیں ہوتی تو محض نیکی کے ارادہ سے وہ نیکی کیسے لکھ لیتے ہیں ابو عمران جونی فرماتے ہیں۔ کہ اس وقت فرشتے کو ندا دی جاتی ہے کہ فلاں کے نامۂ اعمال میں یہ نیکی لکھ لو۔ فرشتہ عرض کرتا ہے کہ اے پروردگار اس نے یہ نیکی کی نہیں۔ جواب دیا جاتا ہے کہ اگرچہ اس نے یہ نیکی کی نہیں، لیکن اس کی نیت کی ہے۔

سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب بندہ کسی نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے اندر سے ایک رائحہ طیبہ پاکیزہ خوشبو مہکنے لگتی ہے فرشتے سمجھ لیتے ہیں کہ اس نے نیکی کا ارادہ کیا ہے اور جب بدی کا ارادہ کرتا ہے تو اس میں سے رائحہ خبیثہ بدبو اٹھتی ہے فرشتے سمجھ لیتے ہیں کہ اس نے بدی کا ارادہ کیا ہے۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ اسی مضمون کو طبری نے ابو معشر مدنی سے نقل کیا ہے اور میں نے خود حافظ مغلطائی کی شرح میں اس مضمون کی ایک مرفوع حدیث بھی دیکھی ہے۔ فتح الباری ص۲۸۶ ج۱۱ کتاب الرقاق باب من ہم بحسنۃ او بسیئۃ

جس طرح ہر عطر کی جداگانہ خوشبو ہوتی ہے، عجب نہیں کہ اسی طرح ہر حسنہ (نیکی) کی جداگانہ

خوشبو ہوتی ہو جس طرح عطر ساز اور عطر فروش خوشبو سونگھتے ہی پہچان لیتے ہیں کہ یہ فلاں عطر کی خوشبو ہے ممکن ہے کہ فرشتے بھی خوشبو سونگھتے ہی پہچان لیتے ہوں کہ یہ فلاں عمل صالح کی خوشبو ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

عارف ربانی شیخ عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں:

کان وھب بن منبہ رحمہ اللہ تعالیٰ یقول لا یموت عبد حتی یری الملکین الکاتبین فان کان صحبھما بخیر قالا لہ جزاک اللہ من صاحب خیرا فنعم الصاحب کنت فکم احضرتنا معک فی مجالس الخیر وکم شممنا منک الروائح الطیبۃ حال طاعتک الخالصۃ وان کان قد صحبھما بسوء قالا لہ لا جزاک اللہ عنا من صاحب خیرا فکم احضرتنا معک حال معاصیک وکم شممنا منک رائحۃ النتن ـ تنبیہ المغترین ص۲۶

وہب بن منبہ رحمہ اللہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ نہیں مرتا کوئی بندہ یہاں تک کہ مرنے سے پہلے کراماً کاتبین کو دیکھ لیتا ہے پس اگر اس شخص نے کراماً کاتبین کے ساتھ نیکی سے زندگی بسر کی تھی تو اس وقت فرشتے یہ کہتے ہیں جزاک اللہ خیرا اللہ تجھ کو جزائے خیر دے تو بڑا اچھا ساتھی تھا کتنی ہی مرتبہ تو نے ہم کو خیر کی مجلسوں میں اپنے ساتھ شریک رکھا اور کتنی بار تیری مخلصانہ عبادت کے وقت ہم نے تجھ میں سے پاکیزہ خوشبوئیں سونگھی ہیں اور اگر اس شخص نے کراماً کاتبین کے ساتھ برائی کے ساتھ زندگی بسر کی تھی تو فرشتے اس وقت یہ کہتے ہیں خدا تجھ کو جزائے خیر نہ دے کتنی بار تیری وجہ سے گناہوں کی مجلسوں میں ہم کو تیرے ساتھ شریک ہونا پڑا اور کتنی بار تجھ میں بدبوئیں سونگھنی پڑیں ۔۱۲

وکان محمد بن واسع رحمہ اللہ تعالیٰ یقول لاصحابہ قد غرقنا فی الذنوب ولو ان احدا منکم یجد منی ریح الذنوب لما

محمد بن واسعؒ اپنے ساتھیوں سے فرمایا کرتے تھے ہم سراپا گناہوں میں غرق ہیں تم میں سے اگر کوئی شخص میرے گناہوں کی بدبو کو محسوس کرتا تو تعفن اور بدبو کی وجہ سے میرے پاس ہرگز

استطاع ان یجلس الیٰ ۔ (تنبیہ المغترین ص۱۹) نہ بیٹھ سکتا۔

ایں سخن را نیست ہرگز اختتام　　پس سخن کوتاہ باید والسلام

عجیب بات ہے کہ عبداللہ بن اُبی تو دشمنِ اسلام اور منافقوں کا سردار اور اس کے بیٹے جن کا نام بھی عبداللہ تھا وہ اسلام کے شیدائی اور مخلص وجان نثار حقیقت میں وہ اللہ کے بندے تھے اور باپ تو محض نام کا عبداللہ تھا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جب باپ کو یہ کہتے سنا کہ مدینہ پہنچ کر عزت والا ذلت والے کو نکال دے گا تو باپ کو پکڑ کر کھڑے ہو گئے اور کہا خدا کی قسم میں تجھ کو اس وقت تک ہرگز مدینہ جانے نہ دوں گا۔ جب تک تو یہ اقرار نہ کرلے کہ تو ہی ذلیل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی عزیز ہیں۔ چنانچہ باپ نے جب یہ اقرار کرلیا تب بیٹے نے چھوڑا۔

حافظ عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کو ابن اسحٰق اور طبری نے بھی ذکر کیا ہے۔ (فتح الباری سورۃ المنافقین)

مدینہ پہنچ کر حضرت عبداللہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھ کو یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ میرے باپ کے قتل کا حکم دینے والے ہیں اگر اجازت ہو تو میں خود اپنے باپ کا سر قلم کرکے آپ کی خدمت میں لا حاضر کروں مبادا آپ کسی دوسرے کو حکم دے دیں اور میں جوش میں آکر اپنے باپ کے قاتل کو مار ڈالوں اور اس طرح سے ایک مسلمان کے قتل کا مرتکب بنوں آپ نے باپ کے قتل سے منع فرمایا اور اس کے ساتھ سلوک اور احسان کرنے کا حکم دیا۔

واقعۂ افک

واقعۂ افک یعنی اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت کا واقعہ اسی سفر سے واپسی کے وقت پیش آیا جو تفصیل کے ساتھ صحیح بخاری میں مذکور ہے۔ دہی ہذہ

اس سفر میں عائشہ صدیقہ آپ کے ہمراہ تھیں، چونکہ پردہ کا حکم نازل ہو چکا تھا اس لئے

ہودج میں سوار کی جاتی تھیں اور جب اتاری جاتی تو ہودج سمیت ہی اتاری جاتیں اور ہودج پر پردے لٹکے رہتے تھے۔ واپسی میں مدینہ کے قریب پہنچ کر ایک مقام پر قیام کیا۔ لشکر کو کوچ کا حکم دے دیا گیا۔ حضرت عائشہ قضاء حاجت کے لئے لشکر سے دور چلی گئیں، جب لوٹنے لگیں تو ہار ٹوٹ گیا جو نگینوں کا تھا ان نگینوں کے جمع کرنے میں دیر ہوگئی۔ قافلہ تیار تھا۔ ہودج کے پردے چھٹے ہوئے تھے لوگوں نے یہ سمجھ کر کہ ام المومنین محمل میں ہیں محمل کو اونٹ پر رکھ کر کوچ کر دیا اس وقت عورتیں عموماً دبلی پتلی ہوتی تھیں اور خاص کر عائشہ صدیقہ صغیرۃ السن ہونے کی وجہ سے اور بھی دبلی پتلی تھیں اس لئے سوار کرتے وقت لوگوں کو محمل کے ہلکے ہونے کا کچھ خیال نہ آیا۔ لشکر روانہ ہونے کے بعد ہار ملا۔ جب ہار لے کر لشکر گاہ میں واپس آئیں تو یہاں کوئی بھی نہ تھا سب روانہ ہو چکے تھے یہ خیال کر کے کہ جب آپ آئندہ مقام پر پہنچ کر مجھ کو نہ پائیں گے تو اسی جگہ میری تلاش کے لئے آدمی روانہ فرمائیں گے۔ اسی جگہ چادر لپیٹ کر لیٹ گئیں اسی میں نیند آگئی۔

صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو قافلہ کی گری پڑی چیز کے اٹھانے کے لئے پیچھے رہا کرتے تھے وہ آگئے دیکھتے ہی عائشہ صدیقہ کو پہچان لیا۔ پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے انھوں نے حضرت عائشہ کو دیکھا تھا۔ اس وقت دیکھتے ہی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا عائشہ صدیقہ کی ان کی آواز سے آنکھ کھل گئی فوراً چادر سے منہ ڈھانپ لیا۔ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں۔

وَاللّٰہِ مَا کَلَّمَنِیْ کَلِمَۃً وَلَا سَمِعْتُ مِنْہُ	خدا کی قسم صفوان نے مجھ سے کوئی بات تک نہیں کی
کَلِمَۃً غَیْرَ اسْتِرْجَاعِہٖ	اور نہ انکی زبان سے سوائے اِنَّا لِلّٰہِ کے میں نے کوئی کلمہ سنا۔

(غالباً حضرت صفوان نے باواز بلند اسی لئے اِنَّا لِلّٰہِ کہا تاکہ ام المومنین بیدار ہو جائیں اور خطاب وکلام کی نوبت نہ آئے چنانچہ نہیں آئی)

حضرت صفوان نے اپنا اونٹ لاکر ام المومنین کے قریب بٹھلا دیا ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ صفوان نے اونٹ سامنے کر کے خود پیچھے ہٹ گئے تھے۔ ام المومنین سوار ہوگئیں اور حضرت صفوان مہار پکڑ کر روانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ لشکر میں جا پہنچے۔ عین دوپہر کا وقت تھا عبداللہ بن اُبی اور گروہ منافقین

نے دیکھتے ہی واہی تباہی بکنا شروع کردیا جس کو ہلاک اور برباد ہونا تھا وہ ہلاک اور برباد ہوا۔

مدینہ پہنچ کر حضرت عائشہ بیمار ہوگئیں ایک مہینہ بیماری میں گزرا افتراء پرداز اور طوفان اٹھانے والے اسی چرچے میں تھے مگر حضرت عائشہ کو اس کا مطلق علم نہ تھا۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس تلطف اور مہربانی میں کمی آجانے کی وجہ سے جو سابقہ بیماری میں مبذول رہی دل کو خلجان اور تردد تھا کہ کیا بات کہ آپ گھر میں تشریف لاتے ہیں اور دوسروں سے میرا حال دریافت کرکے واپس ہو جاتے ہیں مجھ سے دریافت نہیں فرماتے۔ آپ کی اس بے التفاتی سے میری تکلیف میں اور اضافہ ہوتا تھا۔ ایک بار شب کو میں اور اُم مسطح[1] تقاضائے حاجت کے لئے جنگل کی طرف چلے، عرب کا قدیم دستور یہی تھا کہ بدبو کی وجہ سے گھروں میں بیت الخلا نہیں بناتے تھے۔ راستہ میں اُم مسطح نے اپنے بیٹے مسطح کو برا کہا۔ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ ایسے شخص کو کیوں بُرا کہتی ہو جو بدر میں حاضر ہوا۔ اُم مسطح نے کہا اے بھولی بھالی تم کو قصہ کی خبر نہیں۔ عائشہ صدیقہ نے فرمایا کیا قصہ ہے، ام مسطح نے سارا قصہ بیان کیا، یہ سنتے ہی مرض میں اور شدت ہوگئی۔ سعید بن منصور کی ایک مرسل روایت میں ہے کہ سنتے ہی لرزہ سے بخار چڑھ آیا، معجم طبرانی میں باسناد صحیح حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ جب میں نے یہ واقعہ سنا تو اس قدر صدمہ ہوا کہ بلا اختیار یہ دل میں آیا کہ اپنے کو کسی کنویں جا کر گرا دوں (اخرجہ ابو یعلی ایضاً)

بغیر قضاء[2] حاجت کے راستہ ہی سے واپس ہوگئی۔ جب رسول اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے آپ سے اپنے ماں باپ کے یہاں جانے کی اجازت چاہی تاکہ ماں باپ کے ذریعہ سے اس واقعہ کی تحقیق کرلوں آپ نے مجھ کو اجازت دے دی۔ میں اپنے ماں باپ کے یہاں آگئی اور اپنی ماں سے کہا اے ماں تم کو معلوم ہے کہ لوگ میری بابت کیا کہتے ہیں۔ ماں نے کہا اے بیٹی تو رنج

---

[1] ام مسطح رائل والدہ صدیق اکبر کی خالہ تھیں اور یہ خالہ زاد بہن تھیں اور مسطح حضرت صدیق اکبر کے بھانجے تھے ۱۲

[2] یہ ہشام بن عروہ کی روایت ہے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ دوسری روایات صحیحہ اور صریحہ سے معلوم ہوتا ہے اور بعض روایات سے یہ ایہام ہوتا ہے کہ آپ کو قضائے حاجت سے واپسی میں اس واقعہ کا علم ہوا مگر یہ صحیح نہیں۔ اول ہی صحیح ہے۔ تفصیل کے لئے فتح الباری ص ۳۵۲ ج ۸ کی مراجعت کریں۔

نہ کرو[1]۔ دنیا کا قاعدہ ہی یہ ہے کہ جو عورت خوبصورت اور خوب سیرت اور اپنے شوہر کے نزدیک بلند مرتبت ہوتی ہے تو حسد کرنے والی عورتیں اس کے ضرر کے درپے ہو جاتی ہیں۔ میں نے کہا سبحان اللہ کیا لوگوں میں اس کا چرچہ ہے ہشام کی روایت میں ہے، میں نے کہا کیا میرے باپ کو بھی اس کا علم ہے، ماں نے کہا ہاں۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے۔ میں نے کہا۔ اے ماں اللہ تمہاری مغفرت کرے لوگوں میں تو اس کا چرچہ ہے اور تم نے مجھ سے ذکر تک نہیں کیا۔ یہ کہہ کر آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور چیخیں[2] نکل گئیں۔ ابو بکر بالاخانہ پر قرآن شریف کی تلاوت فرما رہے تھے، میری چیخ سن کر نیچے آئے اور میری ماں سے دریافت کیا۔ ماں نے کہا کہ اس کو قصہ کی خبر ہوگئی، یہ سن کر ابو بکرؓ کی آنکھیں بہہ پڑیں۔

اور مجھکو اس شدت سے لرزہ آیا کہ میری والدہ ام رومان نے گھر کے تمام کپڑے مجھ پر ڈال دیئے تمام شب روتے گزری ایک لمحہ کے لئے آنسو نہیں تھمتے تھے اسی طرح صبح ہو گئی جب نزول وحی میں تاخیر ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور حضرت اسامہ سے مشورہ فرمایا۔ حضرت اسامہ عرض کیا یا رسول اللہ ہم اہلک اے اللہ کے رسول وہ آپ کے اہل ہیں جو آپ کی شایانِ شان اور منصب نبوت و رسالت کے مناسب ہیں۔ ان کی عصمت و عفت کا پوچھنا ہی کیا۔ آپ کے حرم محترم کی طہارت و نزاہت تو اظہر من الشمس ہے اس میں رائے اور مشورہ کی کیا ضرورت ہے اور اگر حضور کو ہمارا ہی خیال معلوم فرمانا ہے تو یہ عرض ہے وَمَا نَعْلَمُ اِلَّا خَیْرًا جہاں تک ہم کو معلوم

---

[1] صحیح بخاری کے الفاظ یہ ہیں۔ قالت یا بنیۃ ھونی علیک فواللہ لقلما کانت امرأۃ قط وضیئۃ عند رجل یحبھا ولھا ضرائر الا اکثرن علیھا ضرائر جمع ضرۃ کی ہے جس کے مشہور معنی سوکن کے ہیں لیکن اصل لغت میں ضرہ اس عورت کو کہتے ہیں کہ جو کسی کے ضرر اور نقصان کے درپے ہو چونکہ اس واقعہ میں حضرت عائشہؓ کی سوکنوں یعنی ازواج مطہرات میں سے کسی نے اشارۃً اور کنایۃً بھی کوئی حرف عائشہ صدیقہ بنت صدیق کے متعلق نہیں کہا جیسا کہ عنقریب میں آئے گا اس لئے ہم نے ضرائر کے یہ معنی لئے کہ جو عورتیں از راہِ حسد کسی کے ضرر کے درپے ہوں گویا کہ وہ عورتیں حسد کی وجہ سے بمنزلہ سوکنوں کے ہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

[2] حضرت عائشہ فرماتی ہیں جب مجھ کو اس تہمت کا علم ہوا تو یہ جی چاہا کہ کنوئیں میں گر کر مر جاؤں۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط و رجالہ ثقات مجمع الزوائد ص ۲۳۴ ج ۹

ہے آپ کے اہل اور ازواج مطہرات میں ہم نے کبھی سوائے خیر اور خوبی نیکی اور بھلائی کے کچھ دیکھا ہی نہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رنج و غم اور حزن و ملال کے خیال سے یہ عرض کیا:[1]

یا رسول اللہ لم یضیق اللہ	یا رسول اللہ۔ اللہ نے آپ پر تنگی نہیں کی عورتیں
علیک والنساء سواھا کثیر و ان	ان کے سوا بہت ہیں آپ اگر گھر کی لونڈی سے
تسأل الجاریۃ تصدقک	دریافت فرمائیں تو وہ سچ سچ بتادے گی۔

(یعنی آپ مجبور نہیں مفارقت آپ کے اختیار میں ہے لیکن پہلے گھر کی لونڈی سے تحقیق فرمالیں وہ آپ سے بالکل سچ سچ بتلادے گی۔ اس لئے کہ باندی اور خادمہ بہ نسبت مردوں کے۔ خانگی حالات سے زیادہ باخبر ہوتی ہے۔)

بعض روایات سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ عائشہ صدیقہ کو اس مشورہ کی بنا پر حضرت علی سے کچھ ملال تھا۔ سو اگر بالفرض والتقدیر یہ ثابت بھی ہو جائے تو یہ ملال و شکوہ بھی کمال محبت اور کمال تعلق کی دلیل ہے۔ شکوہ اور ملال اپنوں ہی سے ہوتا ہے نہ کہ غیروں سے نیز عائشہ صدیقہ اس وقت غم رسیدہ تھیں، صدمہ کا پہاڑ سر پر تھا۔ ایسے حال میں آدمی بے حال ہو جاتا ہے اور ایسے وقت میں ادنیٰ سی بات بھی باعث ملال ہوتی ہے۔ حضرت علی نے حضور پُر نور کے اضطراب کو دیکھ کر حضور کی تسکین کی خاطر کے لئے یہ کلمات فرمائے ظاہراً حضور کی جانب کو ترجیح دی اور باطنی اور ضمنی طور پر عائشہ صدیقہ کی براءت اور نزاہت کو اس طرح تبلایا کہ رسول اللہ آپ پریشان نہوں عنقریب

[1] معاذ اللہ حضرت علی کو ام المؤمنین عائشہ صدیقہ کی براءت و نزاہت میں ذرہ برابر شک نہ تھا۔ یہ کلمات محض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے فرمائے۔ مطلب یہ تھا کہ حزن و ملال کی شدت کی وجہ مفارقت میں عجلت نہ فرمائیں فی الحال تحقیق حال فرمائیں۔ اور تحقیق حال سے پہلے کوئی خیال قائم نہ فرمائیں اور بریرہ باندی سے حال دریافت کرنے کا آپ کو اس لئے مشورہ دیا کہ ان کے متعلق حضرت علی کو جزم کامل اور یقین واثق تھا کہ وہ مجھ سے زیادہ ام المؤمنین کی طہارت و نزاہت کو جانتی ہے۔ فتح الباری ص۳۶۰ ج۸

من جانب اللہ اس معاملہ کی حقیقت آپ پر منکشف ہو جائے گی اور فی الحال بریرہ سے پوچھیں۔

آپ نے بریرہ کو بلوایا۔ مقسم کی روایت میں ہے کہ بریرہ کو بلا کر آپ نے یہ فرمایا:

اتشہدین انی رسول اللہ قالت نعم	کیا تو گواہی دیتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں، بریرہ
قال فانی سائلک عن شئ فلا تکتمینہ	نے کہا۔ ہاں۔ آپ نے فرمایا میں تجھ سے کچھ دریافت
قال نعم قال ھل رأیت من عائشۃ	کرنا چاہتا ہوں چھپانا نہیں (ورنہ اللہ تعالیٰ مجھکو
ما تکرھینہ قالت۔ لا	بذریعہ وحی بتلا دے گا) بریرہ نے کہا ہاں چھپاؤنگی

نہیں۔ آپ دریافت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کیا تو نے عائشہ سے کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھی

ہے۔ بریرہ نے کہا نہیں۔

بخاری میں ہے کہ آپ نے بریرہ سے یہ فرمایا:

ای بریرۃ ھل رأیت من شئ یریبک	اے بریرہ اگر تو نے ذرہ برابر بھی کوئی شئی

ایسی دیکھی ہو جس سے تجھکو شبہ اور تردد ہوا تو بتلا۔ بریرہ نے کہا:

لا والذی بعثک بالحق ان رأیت	قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دے کر
علیھا امرا اغمصہ علیھا سوی انھا	بھیجا میں نے عائشہ کی کوئی بات معیوب قابل گرفت
جاریۃ حدیثۃ السن تنام عن عجین	کبھی نہیں دیکھی الا یہ کہ وہ ایک کمسن لڑکی ہے آٹا گوندھا
اھلھا فتاتی الداجن فتاکلہ	ہوا چھوڑ کر سو جاتی ہے بکری کا بچہ آکر اسے کھا جاتا ہے

یعنی وہ تو اس قدر غافل اور بے خبر ہے، کہ اسے آٹے اور دال کی بھی خبر نہیں، وہ دنیا کی ان چالاکیوں کو کیسے جان سکتی ہے۔ (ہذا ما قالہ ابن المنیر نور اللہ وجہہ یوم القیامۃ فی شرح ہذا الکلام)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بریرہ سے یہ جواب سن کر مسجد میں تشریف لے گئے اور منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا اوّل خدا کی حمد و ثنا کی اور بعد ازاں عبد اللہ بن ابی کا ذکر کر کے یہ ارشاد فرمایا:

یامعشر المسلمین من یعذرنی من رجل قد بلغنی اذاہ فی اھل بیتی فواللہ ما علمت علی اھلی الاخیرا ولقد ذکروا رجلا ما علمت علیہ الاخیرا۔

اے گروہ مسلمین۔ کون ہے کہ جو میری اس شخص کے مقابلہ میں مدد کرے جس نے مجھکو میرے اہل بیت کے بارے میں ایذا پہنچائی ہے۔ خدا کی قسم میں نے اپنے اہل سے سوائے نیکی اور پاک دامنی کے کچھ نہیں دیکھا اور علیٰ ہذا جس شخص کا ان لوگوں نے نام لیا ہے اس سے بھی سوائے خیر اور بھلائی کے کچھ نہیں دیکھا۔

یہ سُن سردار اوس سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ کی اعانت اور امداد کے لئے حاضر ہوں اگر یہ شخص ہمارے قبیلہ اوس کا ہوا تو ہم خود ہی اس کی گردن اڑا دیں گے اور اگر برادرانِ خزرج سے ہوا اور آپ نے حکم دیا تو ہم تعمیل حکم کریں گے۔

سعد بن عبادہ سردار خزرج کو یہ خیال ہوا کہ سعد بن معاذ ہم پر تعریض کر رہے ہیں کہ اہلِ افک قبیلۂ خزرج سے ہیں اس لئے ان کو جوش آگیا۔ جیسا کہ ابن اسحٰق کی روایت میں اس کی تصریح ہے)

اور سعد بن معاذ کو مخاطب بنا کر کہا خدا کی قسم تم اس کو ہرگز قتل نہ کر سکو گے (یعنی اگر ہمارے قبیلہ کا ہوا تو ہم خود اس کو قتل کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔)

سعد بن معاذ کے چچا زاد بھائی اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور سعد بن عبادہ کو مخاطب بنا کر کہا تم غلط کہتے ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم کو قتل کا حکم دیں گے تو ہم ضرور قتل کریں گے اگرچہ وہ شخص قبیلۂ خزرج کا ہو یا کسی قبیلہ کا ہو کوئی ہم کو روک نہیں سکتا۔ اور کیا تو منافق ہے جو منافقین کی طرف سے مجادلہ اور جوابدہی کرتا ہے۔ اسی طرح گفتگو تیز ہو گئی قریب تھا کہ دونوں قبیلے لڑ پڑیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اتر آئے اور لوگوں کو خاموش کیا حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ یہ دن بھی تمام کا تمام روتے ہوئے گزرا ایک منٹ کے لئے آنسو نہیں تھمتا تھا۔ رات بھی اسی طرح گزری میری اس حالت سے میرے ماں باپ کو یہ گمان تھا کہ اب اس کا کلیجہ پھٹ جائے گا جب صبح ہوئی تو بالکل میرے قریب آکر بیٹھ گئے۔ اور میں رو رہی تھی، اتنے میں انصار میں کی ایک عورت

آگئی اور وہ بھی میرے ساتھ رونے لگی اسی حالت میں تھے کہ دفعۃً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور سلام کر کے میرے قریب بیٹھ گئے اس واقعہ کے بعد سے کبھی آپ میرے پاس آکر نہیں بیٹھے تھے وحی کے انتظار میں ایک مہینہ گزر چکا تھا۔ بیٹھ کر آپ نے اوّل خدا کی حمد وثناء کی اور اس کے بعد یہ فرمایا:

امابعد یا عائشۃ فانہ بلغنی عنک	اے عائشہ مجھ کو تیری جانب سے ایسی ایسی خبر
کذا وکذا فان کنت بریئۃ	پہنچی ہے اگر تو بری ہے تو عنقریب اللہ تجھکو
فسیبرئک اللہ وان کنت الممت	ضرور بری کرے[1] اور اگر تو نے کسی گناہ کا ارتکاب
بذنب فاستغفری اللہ وتوبی الیہ	کیا ہے تو اللہ سے توبہ اور استغفار کر اس لئے کہ
فان العبد اذا اعترف بذنبہ	بندہ جب اپنے گناہ کا اقرار کرتا ہے اور اللہ کی
ثم تاب الی اللہ تاب اللہ علیہ	طرف رجوع ہوتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے

عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ جب آپ نے اپنے اس کلام کو ختم فرمایا اسی وقت میرے آنسو منقطع ہو گئے آنسو کا ایک قطرہ بھی آنکھ میں باقی نہ رہا اور اپنے باپ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میری طرف سے جواب دو باپ نے کہا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا جواب دوں پھر میں نے یہی اپنی ماں سے کہا، ماں نے بھی یہی جواب دیا اس کے بعد میں نے خود جواب دیا کہ اللہ کو خوب معلوم ہے کہ میں بالکل بری ہوں لیکن یہ بات تمہارے دلوں میں اس درجہ راسخ ہو گئی ہے کہ اگر میں یہ کہوں کہ میں بری ہوں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں بری ہوں تو تم یقین نہ کرو گے اور اگر بالفرض میں اقرار کر لوں حالانکہ خدا خود جانتا ہے کہ میں بری ہوں تو تم یقین کر لو گے اور روکر میں نے یہ کہا واللہ لااتوب مما ذکروا ابدا۔ خدا کی قسم میں اس چیز سے کبھی توبہ نہ کروں گی جو یہ لوگ میری طرف منسوب کرتے ہیں بس میں وہی کہتی ہوں کہ جو یوسف علیہ السلام کے باپ[2] نے کہا تھا

---

[1] یہ لفظ ضرور۔ یہ فسیبرئک کے سین کا ترجمہ ہے سیبویہ سے منقول ہے کہ سین مضارع بثبت میں ایسا ہی مفید تاکید ہے جیسا کہ لن تاکید نفی کے لئے ہے ۱۲

[2] کہ اس وقت حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ یعقوب علیہ السلام کا نام یاد نہ آیا ۱۲

فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۔ اور یہ کہہ کر بستر پر جا کر لیٹ گئی ۔ اور اس وقت قلب کو یقین کامل اور جزم تام تھا کہ اللہ تعالیٰ ضرور مجھکو ضرور بری فرمائیں گے لیکن یہ وہم و گمان نہ تھا کہ میرے بارے میں اللہ تعالیٰ ایسی وحی نازل فرمائیں گے جس کی ہمیشہ تلاوت ہوتی رہے گی ۔

اور ایک روایت میں ہے کہ یہ گمان نہ تھا کہ قرآن کی آیتیں میرے بارے میں نازل ہوں گی کہ جو مسجدوں اور نمازوں میں پڑھی جائیں گی ۔

ہاں یہ اُمید تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ خواب کے میری براءت تبلادی جائے گی ۔ اس طرح اللہ تعالیٰ مجھکو اس تہمت سے بری کرے گا ۔

نزول آیات براءت دربارۂ طہارت و نزاہت مریم اُمت محمدیہ زوجۂ طاہرۂ خیر البریہ حبیبۂ نبی اطہر ام المؤمنین عائشہ صدیقہ بنت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہا وعن امہا وعن ابیہا وعمن آمن ببراءتہا و نزاہتہا ولعن اللہ من شک فی عصمتہا وطہارتہا ۔ آمین ثم آمین[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی اپنی جگہ سے اُٹھے نہ تھے کہ دفعۃً وحی الٰہی کے آثار نمودار ہوئے باوجود شدید سردی کے پیشانی مبارک سے موتی کی طرح پسینہ کے قطرات ٹپکنے لگے ۔

ابن اسحٰق کی روایت میں ہے ۔

فاما انا فو اللّٰه ما فزعت قد عرفت	حضرت عائشہ فرماتی ہیں جس وقت آپ پر وحی کا نزول شروع ہوا، خدا کی قسم میں بالکل نہیں گھبرائی کیونکہ
انی بریئة وان اللّٰه غیر ظالمی واما	میں جانتی تھی کہ میں بالکل بری ہوں اور اللہ تعالیٰ
ابوای فما سری عن رسول اللّٰه	مجھ پر ظلم نہیں فرمائیں گے لیکن میرے ماں باپ کا
صلی اللّٰه علیه وسلم حتی ظننت	خوف سے یہ حال تھا کہ مجھکو اندیشہ ہوا کہ ان کی

[1] حاشیہ دوسرے صفحہ پر ہے ۔

لتخرجن انفسهما خوفا من ان یأتی من الله تحقیق ما یقول الناس ۔ جان نہ نکل جائے۔ ان کو یہ خوف تھا کہ مبادا وحی الٰہی کے موافق نازل ہو جائے جیسا کہ لوگ کہتے ہیں

ابوبکر کا یہ حال تھا کہ کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتے اور کبھی میری طرف جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نظر کرتے تو یہ اندیشہ ہوتا کہ معلوم آسمان سے کیا حکم نازل ہوتا ہے جو پھر قیامت تک نہیں ٹل سکے گا اور جب میری طرف دیکھتے تو میرے سکون اور اطمینان کو دیکھ کر ان کو ایک گونہ اُمید ہوتی، سوائے عائشہ صدیقہ کے سارا گھر اسی خوف ورجا اور امید وبیم میں تھا کہ وحی آسمانی کا نزول ختم ہوا اور چہرۂ انور پر مسرت وبشاشت کے آثار نمودار ہوئے مسکراتے ہوئے اور دستِ مبارک سے جبین منور کو پونچھتے ہوئے حضرت عائشہ کی طرف متوجہ ہوئے پہلا کلمہ جو زبان مبارک سے نکلا وہ یہ تھا۔

ابشری یا عائشہ فقد انزل الله براءتك[2] بشارت ہو تجھ کو اے عائشہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے تیری براءت نازل کی۔

میری والدہ نے کہا اے عائشہ اُٹھ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شکریہ ادا کر میں نے کہا خدا کی قسم میں سوائے خدا تعالیٰ کے کہ جس نے میری برارت نازل کی کسی کا شکر نہ کروں گی۔

نکتہ: عائشہ صدیقہ کی اس صدمۂ جانکاہ کی وجہ سے وہ کیفیت تھی جو مریم صدیقہ کی تھی یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا اس نااُمیدی کے عالم میں جب قرآن کریم کی دس آیتیں تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ، حضرت عائشہ کی کمال براءت اور طہارت کے بیان میں نازل ہوئیں تو عائشہ صدیقہ پر ایسے شکر اور بے خودی کی کیفیت طاری ہوئی کہ جمیع

---

[1] { راضی ہو اللہ تعالیٰ عائشہ صدیقہ سے اور ان کی ماں سے اور ان کے باپ اور ہر اس شخص سے جو ان کی براءت و نزاہت پر ایمان لایا اور لعنت ہو اللہ کی اس شخص پر کہ جو ان کی عصمت و طہارت میں کسی قسم کا شک اور تردد کرے۔ آمین ۱۲ منہ عفا }

[2] یہ الفاظ صحیح بخاری مصنف پر ندکورہیں اور بخاری کی دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں یا عائشہ اما الله عزوجل فقد برأك ۱۲

ماسوی اللہ سے نظر اٹھ گئی ورنہ یہ انعام یزدانی اور وحی آسمانی سب کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کے وسیلہ اور طفیل سے تھی اور واسطہ اور وسیلہ کا شکریہ بھی واجب ہے۔ حضرت عائشہ کا اس حالت سُکر میں شکر نبوی سے انکار نازِ محبوبی کے مقام سے تھا۔ اور ناز کی حقیقت یہ ہے کہ دل جس چیز سے لبریز ہو زبان سے اس کے خلاف اظہار ہو۔ ظاہر میں ترش روئی اور لاپروائی ہو اور دل عشق اور محبت سے لبریز ہو ظاہر میں ایک ناز تھا لیکن صد ہزار نیاز اس میں مستور تھے

بعد ازاں نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں آیتیں نازل فرمائیں:

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۰ لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ۰ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۰ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا

تحقیق جن لوگوں نے یہ طوفان برپا کیا ہے وہ تم میں کی ایک جماعت ہے تم اس کو اپنے لئے شر نہ سمجھو بلکہ وہ فی الحقیقت تمہارے لئے خیر ہے ہر شخص کے لئے گناہ کا اتنا ہی حصہ ہے جتنا اس نے کمایا ہے اور جو اس طوفان کے بڑے حصہ کا متولی بنا ہے اس کے لئے بڑا عذاب ہے۔ اس بات کو سنتے ہی مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنے متعلق نیک گمان کیوں نہ کیا اور یہ کیوں نہ کہا کہ یہ صریح بہتان ہے اور کیوں نہ لائے اس پر چار گواہ پس جبکہ یہ لوگ گواہ نہ لائے تو بس یہ لوگ اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں اور اگر تم پر دنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل اور مہربانی

---

[۱] یعنی اے آل ابی بکر اس کو تم اپنے لئے برا نہ سمجھو بلکہ یہ دنیا اور آخرت میں تمہارے لئے بہتر ہے قیامت کیلئے تمہاری عفت و عصمت پر اللہ کی مہر ہو گئی ۱۲۔

وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَفَضْتُمْ
فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ
بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ
مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ
هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ۝ وَلَوْلَآ
اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ
اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا
بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۝ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا
لِمِثْلِهٖ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝
وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ
حَكِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ
تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا
وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ
لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ
عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ
رَّحِيْمٌ ۝ (النور۔ ۱۱ - ۲۰)

نہ ہوتی تو تم کو اس چیز میں کہ جس میں تم گفتگو
کر رہے ہو سخت عذاب پہنچتا جبکہ تم اس کو
اپنی زبانوں سے نقل کرتے ہو اور اپنے منہ
سے ایسی بات کہتے ہو جس کی تم کو تحقیق نہیں
اور تم اس کو آسان سمجھتے ہو اور اللہ کے نزدیک
بہت بڑی ہے اور تم نے اس خبر کو سنتے ہی یہ
کیوں نہ کہا کہ ہمارے لئے ایسی بات کا زبان پر
لانا ہی زیبا نہیں، تم کو یہ کہدینا چاہیئے تھا کہ
سبحان اللہ۔ یہ تو بہتانِ عظیم ہے اللہ تعالے
تم کو نصیحت کرتا ہے کہ آئندہ ایسی حرکت نہ کرو گے
اگر تم ایمان والے ہو اور اللہ تعالے تمہارے لئے
اپنے احکام کو واضح طور پر بیان کرتا ہے اور اللہ
علیم اور حکیم ہے تحقیق جو لوگ اس بات کو پسند کرتے
ہیں کہ بے حیائی کی بات کا مسلمانوں میں چرچا ہو
ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور
اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے لو اگر
اللہ کا فضل اور رحمت ہوتی تو معلوم کیا مصیبت آتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آیات برارت کی تلاوت سے فارغ ہوئے اور صدیق اکبر نے

ﻪ ۔ کسی شخص کی بیوی کے متعلق زبان سے کسی بات نکالنا کہ جس کی تحقیق نہ ہو بڑا سخت گناہ ہے، خاص کر نبی امی خاتم الانبیاء والمرسلین کی بیوی اور تمام مسلمانوں کی روحانی والدہ کے متعلق ایسی بات زبان سے نکالنا بڑا ہی سخت گناہ ہے. بھلا حق سبحانہ وتعالے کی بیچون وچگون غیرت کب اس کو گوارا کر سکتی ہے کہ اس کے رسول اعظم سید ولد آدم اکرم الاولین والآخرین کی بیوی فاجرہ ہو۔ " تفسیر ابن کثیر ۱۲۔

اپنی لختِ جگر کے عصمت و عفت طہارت و نزاہت پر اللہ عزوجل کی شہادت کو سُن لیا تو اُٹھے اور عفتِ مآب اور عصمت جناب بیٹی کی مبارک پیشانی کو بوسہ دیا بیٹی نے کہا الّا عذرتنی اے باپ پہلے سے تم نے مجھکو کیوں نہ معذور اور بے قصور سمجھا۔

صدیق اکبر نے (جس کے رگ و پے میں صدق اور راستی سرایت کر چکی تھی۔ صدق اور سچائی کے جبلِ عظیم اور کوہِ گراں تھے۔ بڑے سے بڑا حادثہ اور سخت سے سخت صدمہ بال برابر بھی ان کو جادۂ صدق سے ہٹا نہیں سکتا تھا) اس وقت بیٹی کو یہ جواب دیا کہ جو دلوں کی الواح (تختیوں) پر کندہ کرنے کے قابل ہے۔

اَیُّ سَمَآءٍ تُظِلُّنِیْ وَاَیُّ اَرْضٍ تُقِلُّنِیْ کون سا آسمان مجھ پر سایہ ڈالے اور کونسی زمین

اِذَا قُلْتُ مَا لَمْ اَعْلَمْ مجھکو اٹھائے اور تھامے جبکہ میں اپنی زبان سے

وہ بات کہوں جس کا مجھکو علم نہ ہو۔ حافظ عسقلانی نے فتح الباری صفحہ ۳۶۶ ج ۸ میں اس اثر کو بحوالہ طبری اور ابو عوانہ نقل کیا ہے اور علامہ آلوسی فرماتے ہیں اخرجہ البزار بسند صحیح عن عائشہ رضؓ روح المعانی ص ۱۰۹ ج ۱۸ طبع جدید۔

بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدیق اکبر کے مکان سے مسجد تشریف لائے اور مجمع عام میں خطبہ دیا اور عائشہ صدیقہ کی برارت میں نازل شدہ آیات کی سب کے سامنے تلاوت فرمائی۔

اس فتنہ کے بانی مبانی تو اصل میں منافقین تھے بحمد اللہ مسلمانوں میں کوئی اس میں شریک نہ تھا صرف دو تین مسلمان اپنی سادہ لوحی اور بھولے پن کی وجہ سے منافقین کے دھوکہ میں آگئے جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

مسطح بن اثاثہ، حسان بن ثابت، حمنہ بنت جحش۔ ان پر حد قذف جاری کی گئی اسی اسی درے مارے گئے اور اپنی غلطی سے تائب ہوئے، عبد اللہ بن ابی کے متعلق مشہور قول یہ ہے کہ اس کو سزا نہیں دی گئی اس لئے کہ وہ منافق تھا اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر بھی حد جاری کی گئی واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسطح، صدیق اکبر کے خالہ زاد بھائی تھے۔ عسرت اور تنگدستی کی وجہ سے صدیق اکبر ان کو خرچ دیتے تھے۔ مسطح نے اس قصہ میں شرکت کی اس لئے ابوبکرؓ نے قسم کھائی کہ میں اب مسطح کو کبھی خرچ نہ دوں گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ	جو لوگ تم میں سے فضیلت والے اور وسعت والے
أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ	ہیں ان کو چاہیئے کہ یہ قسم نہ کھائیں کہ اہلِ قرابت اور
وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا	مساکین اور مہاجرین کی اعانت نہ کریں گے ان کو
وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ	چاہیئے کہ معاف کریں اور درگزر کریں کیا تم یہ پسند
لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝	نہیں کرتے کہ اللہ تمہارے قصور معاف کرے اور
(النور - ۲۲)	اللہ بڑا بخشنے والا اور مہربانی کرنے والا ہے۔

جب یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر کو سنائی تو یہ کہنے لگے۔

بلی واللہ انی لاحب ان یغفر اللہ لی۔	کیوں نہیں۔ خدا کی قسم البتہ تحقیق میں اس کو بہت ہی زیادہ محبوب رکھتا ہوں کہ اللہ میری مغفرت فرمائے

اور مسطح کو بدستور خرچ دینا شروع کر دیا۔ اور قسم کھائی کہ واللہ مسطح کا خرچ کبھی بند نہ کروں گا۔ معجم طبرانی میں ہے، کہ جتنا پہلے دیتے تھے اس سے دُگنا دینے لگے۔

یہ تمام تفصیل صحیح بخاری اور فتح الباری سورۂ النور میں مذکور ہے، یہ حدیث صحیح بخاری کے متعدد ابواب میں مذکور ہے لیکن حافظ عسقلانی نے اس حدیث کی مفصل شرح کتاب التفسیر میں فرمائی ہے واقعۂ افک کے ابتداء سے لے کر یہاں تک جس قدر واقعات لکھے گئے وہ سب کے سب صحیح بخاری اور فتح الباری سے لئے گئے ہیں۔

(نکتہ) اس آیت کریمہ یعنی وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ الخ کے نازل کرنے سے صدیق اکبر کو تنبیہ مقصود تھی کہ مقام صدیقیت اور دائرۂ کمال سے قدم باہر نہ نکلے غلطی اور خطا کی وجہ سے اگرچہ مسطح کا وظیفہ بند کر لینا جائز ہو مگر مقام صدیقیت کا مقتضی یہ ہے کہ برائی کا بدلہ بھلائی سے

دیا جائے ابوبکر صدیق اس اشارہ کو سمجھ گئے اور گزشتہ کے اعتبار سے مسطح کا وظیفہ دگنا کر دیا مسطح سے اگرچہ غلطی اور لغزش ہوئی کہ سنی سنائی باتوں پر اعتماد کر بیٹھے مگر چونکہ بدریین میں سے تھے جن کے متعلق حکم خداوندی یہ نازل ہو چکا ہے اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ۔ اس لئے حق تعالیٰ نے بحق بدریت مسطح کی شفاعت فرمائی کہ اے ابوبکر تم اہل فضل میں سے ہو اور مسطح اہل بدر میں سے ہے، لہٰذا تم اس کے وظیفہ میں کمی نہ کرنا اور مسطح سے جو غلطی ہو گئی ہے اس کو معاف کر دینا اللہ تعالیٰ تمہاری غلطیوں کو معاف کرے گا۔

ف :۔ یہ آیت صدیق اکبر کی فضیلت کی صریح دلیل ہے اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہو گی کہ حق تعالیٰ نے ان کو اولوا الفضل یعنی صاحب فضل فرمائے۔

یہ آیت تو صدیق اکبر کے متعلق تھی اس کے بعد پھر چند آیتیں عائشہ صدیقہ کی براءت کے متعلق ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ	تحقیق جو لوگ ایسی پاکدامن اور بھولی بھالی عورتوں
الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا	پر تہمت لگاتے ہیں کہ جن کو اس قسم کی باتوں کی خبر
وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ	بھی نہیں اور ایمان والیاں ہیں ایسے تہمت لگانے
يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ	والوں پر دنیا اور آخرت کی لعنت ہے اور ان کے
وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ	لئے بڑا عذاب ہے جس دن ان کے خلاف ان کی
يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ	زبانیں اور ہاتھ اور پیر گواہی دیں گے کہ یہ لوگ یہ
وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ	کام کرتے تھے اس دن اللہ تعالیٰ ان کو پوری
اَلْخَبِيْثَاتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ	سزا دے گا جو ان کو ملنی چاہیئے اور جان لیں گے
لِلْخَبِيْثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِيْنَ	کہ اللہ تعالیٰ حق ہے اور عدل اور حق کو ظاہر کرنے
وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبَاتِ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ	والا ہے۔ خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لئے
مِمَّا يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ	اور لائق ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لئے

كَرِيمٌ ۝ (النور۔ ۲۳۔ ۲۶) اور پاک اور پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کیلئے

اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لئے یہ گروہ اس چیز سے بالکل بری اور پاک ہے کہ جو لوگ

ان کے بارہ میں کہتے ہیں ان حضرات کے لئے من جانب اللہ مغفرت اور عمدہ روزی ہے۔

فوائد

(۱)۔ ان آیات سے اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ کی فضیلت و منقبت ظاہر و باہر ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو بَری کیا اور طیبہ فرمایا اور مغفرۃ اور رزق کریم کا وعدہ فرمایا جس سے عائشہ صدیقہ کی مغفرت کا قطعی اور یقینی ہونا معلوم ہوا۔ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میرا گمان یہ تھا کہ میری برارت کے متعلق حضور پُر نور کو کوئی خواب دکھلایا جائے گا۔ مگر یہ وہم و گمان نہ تھا کہ میری برارت کے بارے میں قرآن کریم کی آیتیں نازل ہوں گی جن کی ہمیشہ تلاوت ہوتی رہے گی یعنی یہ وہم و گمان نہ تھا کہ قیامت تک میری برارت اور نزاہت کا مسجدوں اور محرابوں اور منبروں اور خلوت خانوں میں اعلان ہوتا رہے گا۔ دس آیتیں برارت کے بارے میں نازل ہوئیں اور دس کا عدد۔ عددِ کامل ہے۔ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ مطلب یہ ہے کہ مریم صدیقہ کی طرح عائشہ صدیقہ کی طہارت و نزاہت بے مثال ہے اور حدِ کمال کو پہنچی ہوئی ہے اور اس طہارت و نزاہت کا اعلان بھی حدِ کمال کو پہنچا ہوا ہے کہ جو قیامت تک جاری رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ جب مسطح کی والدہ نے مسطح کو بُرا بھلا کہا تو عائشہ صدیقہ نے اُم مسطح کو منع کیا کہ مسطح کو بُرا نہ کہو کیونکہ مسطح مہاجرین اولین میں سے ہے اور اہلِ بدر میں سے ہے۔

(۲)۔ وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ الی آخر الآیۃ سے صدیق اکبر کی فضیلت صاف روشن ہے، خدا جس کو صاحب فضل فرمائے اس کے فضل و کمال میں کہاں شبہ کی مجال ہے۔ امام رازی قدس اللہ سرہ نے تفسیر کبیر میں چودہ طریقہ سے صدیق اکبر کی فضیلت اس آیت سے ثابت کی ہے۔ حضراتِ اہلِ علم تفسیر کبیر کی مراجعت فرمائیں۔

(۳)۔ واقعۂ افک سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کمال ورع اور غایت تقویٰ کا پتہ چلتا ہے۔ کہ یہ قصہ ایک ماہ سے زائد ممتد رہا۔ مگر بیٹی کی حمایت میں ایک حرف زبان سے نہیں نکلا، شدت رنج وغم میں صرف ایک مرتبہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ کی زبان سے یہ نکلا۔

واللہ ما قیل لنا ھذا فی الجاھلیۃ	خدا کی قسم یہ بات تو ہمارے حق میں زمانۂ جاہلیت
فکیف بعد ما اعزنا اللہ بالاسلام	میں بھی نہیں کہی گئی۔ پھر جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو
(رواہ الطبرانی عن ابن عمرؓ) (فتح الباری ص ۳۶۹ ج ۸)	اسلام سے عزت بخشی تو اس کے بعد یہ کیسے ممکن ہے

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ قصہ من جانب اللہ ابتلا اور امتحان تھا مقصد یہ تھا کہ مؤمنین ومخلصین کا ایمان واخلاص اور منافقین کا نفاق واضح اور منکشف ہو جائے تو مؤمنین صادقین کے ایمان واستقامت میں اور منافقین کے نفاق اور شقاوت میں اضافہ اور زیادتی ہو۔ نیز یہ امر واضح اور منکشف ہو جائے کہ کون شخص اللہ اور اس کے رسول اور اس کے اہل خانہ کے ساتھ حسن ظن رکھتا ہے اور کون سوء ظن (بدگمانی) آپ کی ازواج مطہرات کے حق میں بدگمانی حقیقت میں اللہ کے ساتھ بدگمانی ہے، کہ اس نے اپنے حبیب اعظم اور خلیل اکرم۔ اشرف الخلائق اور برگزیدۂ عالم کی زوجیت کے لئے معاذ اللہ ایک خبیثہ اور زانیہ کو مقدر فرمایا سبحانہ وتعالیٰ عن ذلک علوا کبیرا۔

اور تاکہ اللہ تعالیٰ، اپنے رسول محترم اور اپنے رسول کے پاک اور مطہر حرم کا مرتبہ لوگوں کے سامنے ظاہر فرمائے۔ اس لئے آپ کی زوجۂ مطہرہ کی نزاہت وبرارت آپ کی زبانی نہیں کرائی بلکہ خداوند قدوس خود ان کی برارت کا کفیل اور ذمہ دار ہوا۔ اور اپنی کلام معجز نظام میں ان کی برارت نازل فرمائی کہ جس کی قیامت تک محفلوں اور مجلسوں میں محرابوں اور منبروں میں خطبوں اور نمازوں میں تلاوت ہوتی رہے گی۔

خداوند قدوس کی بیچون وچگوں غیرت نے گوارا نہ کیا کہ اس کے بھیجے ہوئے نبی طیب اور رسول اطہر کی ازواج طیبات وطاہرات کی شان میں کوئی منافق اور بدباطن کسی قسم کا ناپاک لفظ اپنی

زبان سے نکالے اس لئے اس بارے میں تقریباً بیس آیتیں نازل فرما کر عائشہ صدیقہ اور ازواج مطہرات کی عصمت وعفت، طہارت ونزاہت پر قیامت تک کے لئے مہر لگا دی اور ازواج مطہرات کی عصمت ونزاہت میں شک کرنے والوں پر اس درجہ زجر اور توبیخ فرمائی کہ جو بُت پرستوں پر بھی نہیں فرمائی اس لئے علماء ربانیین نے تصریح کی ہے کہ جو شخص ازواج مطہرات کے بارے میں کوئی حرف زبان سے نکالے وہ شخص منافق ہے۔

اور نزولِ وحی میں جو ایک ماہ کی تاخیر ہوئی اس میں حکمت یہ تھی کہ عائشہ صدیقہ کی مقام عبودیت کی تکمیل ہو جائے کہ جب مظلومانہ گریہ وزاری اور عاجزانہ بے تابی واضطراری اور بارگاہ ذوالجلال میں فقیرانہ تذلّل اور تمسکن اور مضطربانہ تضرع اور ابتہال حدِ کمال کو پہنچ جائے اور سوائے خدا کے کسی سے کوئی اُمید باقی نہ رہے اور خدا اور اس کے رسول کے ساتھ حسنِ ظن رکھنے والوں کے قلوب وحی الٰہی کے انتظار میں ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگیں اس وقت حق تعالیٰ شانہ باران وحی سے محبین ومخلصین کے مردہ دلوں کو حیات بخشے، اور صدیقہ بنت صدیق کو برأت ونزاہت کے بیش بہا خلعت سے سرفراز فرمائے۔

حافظ عسقلانی نے حدیث افک کے فوائد ولطائف اور ان مسائل واحکام کو فتح الباری میں بسط وشرح سے لکھا ہے جو اس حدیث سے مستنبط ہوتے ہیں اس مقام پر اب گنجائش نہیں اس لئے حضرات اہل علم فتح الباری ص۳۶۶ ج۸ تا ص۳۷۹ ج۸ کی مراجعت کریں۔

(۴)۔ ان آیات اور روایات سے یہ امر واضح ہو گیا کہ علم غیب سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کو نہیں اس لئے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ کامل تردد میں رہے لیکن بدونِ حق تعالیٰ کے بتلائے حقیقت حال نہ کھلی۔

(۵)۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جوش اور غصہ کے وقت حق کے مقابلہ میں قوم اور قبیلہ کی حمایت اور طرف داری جائز نہیں جیسا کہ سعد بن معاذ نے سعد بن عبادہ سے فرمایا کہ تو منافق ہے جو منافقوں کی طرف داری کرتا ہے۔

اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ اور دیگر ازواجِ مطہرات پر تہمت لگانے والوں کا حکم

قرآن مجید کی ان آیات کے نازل ہو جانے کے بعد جو شخص اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ بنت صدیق زوجہ مطہرہ سید الانبیاء (صلے اللہ علیہ وسلم) مُبرّاۃ من السماء[1] پر تہمت لگائے وہ باجماع امت کافر و مرتد ہے اس لئے کہ وہ قرآن کریم کا صریح مکذب اور منکر ہے جس طرح مریم صدیقہ بنت عمران کی عصمت و عفت میں شک کرنا کفر ہے، اسی طرح عائشہ صدیقہ بنت ام رومان کی طہارت نزاہت میں بھی شک کرنا بلاشبہ کفر ہے اور جس طرح یہود بے بہبود مریم صدیقہ پر بہتان باندھنے کی وجہ سے ملعون اور مغضوب بنے اسی طرح روافض عائشہ صدیقہ بنت صدیق پر تہمت لگانے کی وجہ سے ملعون و مغضوب بنے۔ مریم صدیقہ پر تہمت لگانے والے امت عیسویہ کے یہود تھے اور عائشہ صدیقہ پر تہمت لگانے والے اُمت محمدیہ کے یہود ہیں۔

بعض ائمہ اہل بیت کے سامنے کسی رافضی نے اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ پر طعن کیا۔ تو فوراً اپنے غلام کو اُس کی گردن مارنے کا حکم دیا اور یہ فرمایا:

ھذا رجل طعن علی النبی علی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالیٰ اَلْخَبِيْثَاتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبَاتِ أُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ	جس شخص نے جب عائشہ صدیقہ پر تہمت لگائی تو اس شخص نے درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن کیا اس لئے کہ اللہ کا ارشاد ہے کہ خبیثات خبیثین کیلئے ہیں الی آخرہ بس معاذ اللہ اگر عائشہ صدیقہ خبیثہ تھیں تو معاذ اللہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ معاذ اللہ معاذ اللہ نبی کریم علیہ السلام والتسلیم کا بھی خبیث

---

[1] حضرت مسروق کی یہ عادت تھی کہ جب حضرت عائشہ سے کوئی روایت بیان کرتے تو یہ کہتے کہ صدیقہ بنت صدیق حبیبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ مُبَرَّأَہ مِنَ السَّمَاءِ نے مجھ سے اس طرح بیان کیا ۱۲۔

فَاِنْ كَانَتْ عَائِشَةُ خَبِيْثَةً فالنبي صلى الله عليه وسلم خبيث فهو كافر فاضربوا عنقه فضربو عنقه وانا حاضر
رواه اللالكائي

ہونا لازم آئے گا اور جو خبیث۔ رسول اللہ کو خبیث کہے وہ بلا شبہ کافر ہے اور قابل گردن زدنی ہے۔ اس ارشاد کے بعد اس رافضی کی گردن ماری گئی اور میں اس وقت حاضر تھا جبکہ اس رافضی کی گردن ماری گئی۔

اسی طرح حسن بن زیدؒ کے سامنے عراق کے ایک شخص نے اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ کے شان میں بیہودہ کلمہ کہا۔ اسی وقت حضرت حسن بن زید اٹھے اور ایک ڈنڈا اس کے سر پر اس زور سے مارا کہ اس کا بھیجا نکل گیا اور ختم ہوا۔ کذا فی الصارم المسلول علی شاتم الرسول للحافظ ابن تیمیہؒ

اور اسی طرح دوسری ازواج مطہرات کے بارے میں بدگمانی کرنے والا بھی کافر اور واجب القتل ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سابق خطبہ سے واضح ہے کہ آپ نے برسر منبر یہ ارشاد فرمایا

يامعشر المسلمين من يعذرني من رجل قد بلغني اذاه في اهل بيتي

اے گروہ مسلمین کون ہے کہ جو میری اس شخص کے مقابلہ میں مدد کرے کہ جس نے مجھ کو میرے اہل خانہ کے بارے میں ایذا پہنچائی ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ جو شخص آپ کے اہلِ خانہ میں سے کسی کے حق میں خواہ وہ عائشہ صدیقہ ہوں یا دوسری زوجہ مطہرہ۔ اس قسم کا کوئی ناپاک لفظ زبان سے نکالے وہ آپ کے لئے باعث ایذا اور تکلیف دہ ہے اور جو شخص اللہ کے رسول کو ایذا پہنچائے وہ شخص بلا شبہ و ریب کافر ہے۔

کما قال تعالیٰ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا۔ الیٰ قولہ تعالیٰ مَلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا۔ الآیۃ۔ تفصیل کے لئے الصارم المسلول ص۴۱ تا ص۵۰ کی مراجعت کی جائے۔

چنانچہ آپ کے یہ فرماتے ہی کہ کون ہے جو میری اس شخص کے مقابلہ میں مدد کرے جس نے مجھ کو اور میرے اہلبیت اور اہل خانہ کے بارے میں ایذا پہنچائی ہے۔ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے

یا رسول اللہ ہم اس کے قتل کے لئے دل و جان سے حاضر ہیں۔

اسی وجہ سے حضرات اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص عام مسلمانوں کی بیبیوں پر تہمت لگائے وہ فاسق و فاجر ہے اور جو خبیث اپنی خباثت سے رسول اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات پر تہمت لگائے وہ بلاشبہ مرتد اور کافر ہے۔

نیز حق جل شانہ نے پیغمبر علیہ السلام کی بیبیوں کو قرآن کریم میں اُمّہات المؤمنین (تمام مسلمانوں کی مائیں) فرمایا ہے۔ قال تعالیٰ

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ — نبی۔ اہل ایمان کے ساتھ ان کی جان سے زیادہ

وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ — قریب ہے اور نبی کی بیبیاں اہل ایمان کی مائیں ہیں۔

معاذ اللہ۔ کیا خداوند قدوس کسی زانیہ اور فاجرہ کو اس عظیم الشان لقب سے اپنے کلام قدیم میں سرفراز فرما سکتا ہے حاشا ثم حاشا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

ما بغت امرأة نبی قط — کسی نبی کی بیوی نے کبھی زنا نہیں کیا (تفسیر ابن کثیر)

نیز جو پیغمبر اللہ کی جانب سے اس لئے مبعوث ہوا کہ ظاہری اور باطنی فواحش (بے حیائیوں) کا استیصال کرے چنانچہ اس پیغمبر نے دنیا میں آکر چند ہی روز میں ایک پوری اقلیم اور ملک کی بے غیرتی اور بے حیائی کو حیا اور غیرت سے اور ان کی بدکاری کو عفت و عصمت سے بدل دیا۔ کیا ایسے پاک اور برگزیدہ طاہر و مطہر رسول کے متعلق یہ واہمہ ہو سکتا ہے کہ معاذ اللہ اس کا گھرانہ ابھی اس سے پاک نہیں ہوا۔ سبحانک ہٰذا بہتان عظیم واللہ ہٰذا افک مبین۔

نیز حق جل شانہ نے جس کو نبوت و رسالت۔ محبت و خلعت کے عظیم الشان منصب پر فائز فرمایا اور اس کو اپنا مصطفیٰ اور مجتبیٰ۔ متقدس اور مرتضیٰ پسندیدہ اور برگزیدہ بندہ بنایا عصمت و نزاہت تقدس اور ملکیت جبرئیل و میکائیل کو اس کا ثانی اور وزیر بنایا۔ اس کی شان تقدیس و تنزیہ کے خلاف ہے کہ وہ اکرم الخلائق اور اشرف کائنات کی زوجیت اور مصاحبت کے لئے کسی خبیثہ اور زانیہ کو مقرر فرمائے اسی وجہ سے ارشاد فرمایا:

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۝ [۵۱]

تم نے سُنتے ہی کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمارے لئے جائز ہی نہیں کہ ایسی بات زبان پر لائیں تم کو یہ کہنا چاہیے تھا کہ سبحان اللہ یہ بہتانِ عظیم ہے۔

اس مقام پر کلمہ سُبْحٰنَكَ لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ اس سے پاک اور منزہ ہے کہ اس کے پاک اور برگزیدہ رسُول کی بیوی فاجرہ ہو۔ اس لئے تم پر محض سُنتے ہی سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ کہہ دینا فرض اور لازم تھا جیسا کہ سعد بن معاذ اور ابوایوب انصاری اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم نے جب یہ خبر سُنی تو فوراً ان کی زبان سے یہی کلمہ نکلا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ [۵۲]

اور فتح الباری میں ابوایوب انصاری اور سعد بن معاذ کے علاوہ۔ زید بن حارثہ کے بجائے اسامۃ رضی اللہ عنہ کا نام مذکور ہے خلاصۂ مطلب یہ ہوا کہ پیغمبر کی بیوی کی شان میں ذرا سی نازیبا بات کہے اس کی طرف التفات ہی جائز نہیں کسی کی بیوی کو فاجرہ اور بدکار کہنے کے معنی یہ ہیں کہ اس کا شوہر دیوث ہے جو لوگ عائشہ صدیقہ کو متہم سمجھتے ہیں تو وہ سمجھ لیں کہ در پردہ رسُول مطہر کو کیا کہہ رہے ہیں جس کے تصور سے بھی دل کانپتا ہے۔

نزول تیمم

بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسی غزوہ میں واپسی کے وقت پھر حضرت عائشہ کا ہار گم ہو گیا اور اس کی تلاش میں قافلہ رکا صبح کا وقت آگیا اور پانی نہ تھا اس وقت آیت تیمم نازل ہوئی اور صحابہ نے تیمم کر کے صبح کی نماز ادا کی اور تمام صحابہ بیحد خوش ہوئے اسید بن حضیر نے جوشِ مسرت میں یہ کہا ماہی باول برکتکم یاآل ابی بکر یعنی اے آل ابی بکر یہ تیمم کا حکم نازل ہونا تمہاری پہلی برکت نہیں بلکہ تمہاری برکت سے اور بھی بہت سی سہولت اور آسانیوں کے حکم نازل ہو چکے ہیں۔

اور دیگر علماء محققین کا قول یہ ہے کہ آیت تیمم کا نزول غزوہ بنی المصطلق میں نہیں بلکہ اس غزوہ

---

[۵۱] - النور، آیۃ: ۱۶
[۵۲] - درمنثور ج ۵، ص: ۳۴

کے بعد کوئی دوسرا سفر پیش آیا اس میں آیت تیمم کا نزول ہے جیسا کہ معجم طبرانی میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ میرا ہار گم ہو گیا جس پر اہل افک نے کہا جو کچھ کہا اس کے بعد پھر دوسرے سفر میں میں رسول اللہ صلی اللہ کے ساتھ گئی اور میرا ہار گم ہوا اور اس کی تلاش میں رکنا پڑا تو ابوبکر صدیق نے عائشہ صدیقہ سے کہا اے بیٹی تو ہر سفر میں لوگوں کے لئے مشقت اور بلا بن جاتی ہے اسی وقت اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کر کے نماز ادا کرو تیمم کی رخصت اور سہولت نازل ہونے سے ابوبکر صدیق کو خاص مسرت ہوئی اور عائشہ صدیقہ سے مخاطب ہو کر تین بار یہ کہا انک لمبارکۃ انک لمبارکۃ انک لمبارکۃ اے بیٹی تحقیق تو بلاشبہ بڑی مبارک ہے۔

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ آیت تیمم کا نزول غزوۂ بنی المصطلق میں نہیں ہوا بلکہ اس کے بعد کسی دوسرے غزوہ اور سفر میں دوبارہ ایسی جگہ ہار گم ہوا کہ جہاں پانی نہ تھا اور نماز صبح کا وقت آگیا تھا اس وقت یہ آیت تیمم نازل ہوئی۔

غزوۂ خندق و احزاب

شوال ۵ھ

اس غزوہ کے وقوع میں اختلاف ہے موسیٰ بن عقبہ فرماتے ہیں کہ یہ غزوہ شوال ۴ھ میں ہوا۔ امام بخاریؒ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے محمد بن اسحٰق فرماتے ہیں کہ شوال ۵ھ میں ہوا تمام ائمہ مغازی اور علماء سیر کا اسی پر اتفاق ہے حافظ ذہبی اور حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ یہی قول صحیح اور قابلِ اعتماد ہے۔ ابن سعد اور واقدی کہتے ہیں کہ ذیقعدہ ۵ھ میں ہوا۔ [1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے موسیٰ بن عقبہ کی تائید عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اس قول سے فرمائی کہ میں احد کے دن رسول اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا۔ اس وقت میں چودہ سال کا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا غزوۂ احد میں شریک ہونا منظور نہیں فرمایا۔ خندق کے دن پیش ہوا اس وقت میں پندرہ سال کا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] زرقانی ج ۲، ص: ۱۰۳

نے اجازت دی (بخاری شریف)

جس سے صاف ظاہر ہے کہ غزوۂ اُحد اور غزوۂ خندق میں صرف ایک سال کا وقفہ ہے۔ اور یہ مسلّم ہے کہ غزوۂ اُحد سنہ ۳ھ میں ہوا لہٰذا غزوۂ خندق کا سنہ ۴ھ میں ثابت ہوا۔

جمہور ائمہ مغازی کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ غزوہ سنہ ۵ھ میں ہوا۔ اس لئے امام بیہقی فرماتے ہیں کہ عجب نہیں۔ عبداللہ بن عمرؓ غزوہ احد کے وقت پورے چودہ سال کے نہوں بلکہ چودھویں سال کا آغاز ہو اور غزوہ خندق کے وقت پورے پندرہ سال کے ہوں اس اعتبار سے غزوۂ اُحد اور غزوۂ خندق میں دو سال کا وقفہ ہو سکتا ہے۔

نیز غزوۂ احد سے واپسی کے وقت ابو سفیان نے یہ کہا تھا کہ سال آئندہ بدر پہ ہمارا اور تمھارا مقابلہ ہوگا۔ یہ وعدہ کر کے مکہ واپس ہوا۔ جب سال آئندہ ایفائے وعدہ کا وقت آیا تو ابو السفیان یہ کہہ کر راستے سے واپس ہوا کہ یہ زمانہ قحط سالی کا ہے جنگ کے لئے مناسب نہیں۔ اس کے ایک سال بعد دس ہزار آدمیوں کی جمعیت لے کر مدینہ پر حملہ آور ہوا جس کو غزوۂ احزاب اور غزوۂ خندق کہتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ غزوۂ اُحد اور غزوۂ احزاب میں دو سال کا وقفہ ہے۔ جو جمہور علماء سیر کے قول کا مؤید ہے، فتح الباری باب غزوۃ الخندق۔

اس غزوہ کا باعث اور سبب یہ ہوا کہ بنو نضیر کی جلا وطنی کے بعد حیی[1] ابن اخطب مکہ گیا اور قریش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ اور جنگ پہ آمادہ کیا اور کنانہ بن ربیع نے جا کر بنی غطفان کو آپ کے مقابلہ کے لئے تیار کیا اور ان کو یہ طمع دی کہ خیبر کے نخلستانوں میں جس قدر کھجوریں آئیں گی ہر سال اس کا نصف حصہ ہم تم کو دیا کریں گے یہ سن کر عیینہ بن حصن فزاری تیار ہو گیا قریش پہلے ہی سے تیار تھے۔

---

[1] ایک روایت میں ہے کہ حیی بن اخطب اور ابن ابی الحقیق اور کنانہ بن الربیع اور ہوذۃ بن قیس اور ابو عمار وائلی ایک وفد لے کر مکہ گئے اور قریش کو اس پر آمادہ کیا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چڑھائی کرو۔ ہم تمہاری پوری امداد کریں گے یہاں تک کہ آپ کا خاتمہ ہو جائے۔ بعد ازاں غطفان میں پہنچے اور ان کو بھی اسی بات پہ آمادہ کیا۔ اس طرح قریش اور غطفان کے دس ہزار آدمیوں کی جمعیت ابو سفیان کی سرکردگی میں مدینہ کی طرف روانہ ہوئی۔ عیون الاثر ص۵۵ ج ۲

اس طرح ابوسفیان دس ہزار آدمیوں کی جمعیت لے کر مسلمانوں کے استیصال اور فنا کر ڈالنے کے ارادہ سے مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ فتح الباری ص۳۰۱ ج ۷، باب غزوۃ الخندق۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اُن کی روانگی کی خبر پہنچی تو صحابہ سے مشورہ فرمایا۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے خندق کھودنے کا مشورہ دیا کہ خندقوں میں محفوظ رہ کر ان کا مقابلہ کیا جائے کھلے میدان میں مقابلہ مناسب نہیں سب نے اس رائے کو پسند کیا۔[۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کے حدود قائم فرمائے اور خط کھینچ کر دس دس آدمیوں پر دس دس گز زمین تقسیم فرمائی۔[۲]

خندقیں اس قدر گہری کھودی گئیں کہ تری نکل آئی۔[۳]

ابن سعد فرماتے ہیں کہ چھ دن میں خندقیں کھودنے سے فارغ ہوئے۔ طبقات ابن سعد ص۴۸ ج۲

موسیٰ بن عقبہ فرماتے ہیں کہ بیس دن میں فارغ ہوئے۔ علامہ سمہودی فرماتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ خندقیں کھودنے سے چھ دن میں فارغ ہوئے۔ بیس دن اصل میں مدۃ حصار کی ہے تفصیل کیلئے زرقانی ص۱۱۰ ج ۲ کی مراجعت کی جائے۔

صحابۂ کرام کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی خندق کھودنے میں مصروف ہوئے اور اوّل خود دستِ مبارک سے کدال زمین پر ماری اور یہ کلمات زبان مبارک پر تھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ وَبِهِ بَدِيْنَا وَلَوْ عَبَدْنَا غَيْرَهُ شَقِيْنَا

بسم اللہ۔ اور اللہ کے نام سے شروع کرتے ہیں مبادا اگر اس کے سوا کسی اور عبادت کریں تو بڑے ہی بدنصیب ہیں۔

حَبَّذَا رَبًّا وَحَبَّذَا دِيْنًا

وہ کیا ہی اچھا رب ہے اور اس کا دین کیسا ہی اچھا دین ہے۔ روض الانف ص۱۹۰ ج۲ فتح الباری ج۷

---

[۱] طبقات ابن سعد ج: ۲، ص: ۴۷
[۲] تاریخ طبری ج: ۳، ص: ۴۵
[۳] فتح الباری، ج ۷، ص: ۴۰۵

جاڑوں کا موسم تھا سرد ہوائیں چل رہی تھیں کئی کئی دن کا فاقہ تھا مگر حضرات مہاجرین اور انصار نہایت ذوق کے ساتھ خندق کھودنے میں مشغول تھے مٹی اٹھا اٹھا کر لاتے اور یہ پڑھتے جاتے

نحن الذین بایعوا محمدا علی الجهاد ما بقینا ابدا

ہم ہی ہیں۔ وہ لوگ جنھوں نے اپنے آپ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ بیعت کی ہے اور آپ کے واسطے سے اپنی جانوں کو خدا کے ہاتھ فروخت کر چکے ہیں جب تک جان میں جان ہے کافروں سے جہاد کرتے رہیں گے۔

رسول اللہ علیہ وسلم جواب میں یہ ارشاد فرماتے:

اللّٰهم لا عیش الا عیش الآخره فاغفر للانصار والمهاجره

اے اللہ بے شک زندگی تو حقیقت میں آخرت کی زندگی ہے پس انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما

اور کبھی یہ فرماتے:

اللّٰهم انه الاخیر الاخیر الآخره فبارك فی الانصار والمهاجره

اے اللہ بے شک حقیقی خیر اور بھلائی آخرت ہی کی خیر اور بھلائی ہے پس برکت دے انصار اور مہاجرین میں۔

براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ خندق کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بہ نفس نفیس مٹی ڈھو ڈھو کر لا رہے تھے، یہاں تک کہ شکم مبارک گرد آلود ہو گیا۔ اور یہ کہتے جاتے تھے

وَاللّٰهِ لَوْلَا اللّٰهُ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

خدا کی قسم اگر اللہ کی توفیق نہ ہوتی تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے اور نہ صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے

فَاَنْزِلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَيْنَا

اے اللہ ہم پر سکون اور اطمینان نازل فرما اور لڑائی کے وقت ہم کو ثابت قدم رکھ

اِنَّ الْاُلٰى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَيْنَا

ان لوگوں نے ہم پر بڑا ظلم کیا یہ جب کبھی ہم کو کسی فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں تو ہم کبھی اس کو

قبول نہیں کرتے اور اَبَیْنَا اَبَیْنَا بآواز بلند بار بار فرماتے۔

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ کھودتے کھودتے ایک سخت چٹان آگئی ہم نے آپ سے عرض کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا ٹھہرو میں خود اترتا ہوں اور بھوک کی وجہ سے شکم مبارک پر پتھر بندھا ہوا تھا اور ہم نے بھی تین دن سے کوئی چیز نہیں چکھی تھی۔ آپ نے کدال دست مبارک میں پکڑی اور اس چٹان پر ماری تو چٹان دفعۃً ایک تودہ ریگ تھی۔

یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے مسند احمد اور نسائی میں اس قدر اور اضافہ ہے کہ آپ نے جب پہلی بار بسم اللہ کہہ کر کدال ماری تو وہ چٹان ایک تہائی ٹوٹ گئی۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ اکبر مجھکو ملک شام کی کنجیاں عطا کی گئیں۔ خدا کی قسم شام کے سرخ محلوں کو اس وقت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں پھر آپ نے دوسری بار کدال ماری تو دوسرا تہائی ٹکڑا ٹوٹ کر گرا آپ نے فرمایا۔ اللہ اکبر فارس کی کنجیاں مجھکو عطا ہوئیں خدا کی قسم مدائن کے قصر ابیض کو اس وقت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں تیسری بار آپ نے بسم اللہ کہہ کر کدال ماری تو بقیہ چٹان بھی ٹوٹ گئی۔ آپ نے فرمایا اللہ اکبر یمن کی کنجیاں مجھکو عطا ہوئیں خدا کی قسم صنعاء کے دروازوں کو میں اپنی آنکھوں سے اس جگہ کھڑا دیکھ رہا ہوں۔

حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ سند اس روایت کی حسن ہے اور ایک روایت میں ہے پہلی بار کدال مارنے سے ایک بجلی چمکی جس سے شام کے محل روشن ہو گئے تو آپ نے اللہ اکبر کہا اور صحابہ کرام نے بھی تکبیر کہی اور یہ ارشاد فرمایا کہ جبرئیل امین نے مجھکو خبر دی ہے کہ اُمت ان شہروں کو فتح کرے گی[1]

فائدہ جلیلہ:

خندق کھودنا یہ طریقہ عرب کا نہ تھا بلکہ فارس کا طریقہ تھا شاہان فارس میں سے سب سے پہلے منوشہر بن ایرج بن افریدون نے خندقیں کھود کر جنگ کرنے کا طریقہ ایجاد کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے اس طریق کو اختیار

---

[1] فتح الباری، ج ۷، ص: ۳۰۴، ۳۰۵

فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ جہاد میں کفار کے طریقۂ جنگ کا اختیار کرنا درست ہے اور علیٰ ہذا کفار کے ایجاد کردہ آلات حرب کا استعمال بھی درست ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ طائف میں منجنیق کا استعمال فرمایا اور حضرت عمرؓ نے محاصرۂ تُستَر میں ابوموسیٰ اشعریؓ کو منجنیق قائم کا حکم دیا۔ اور عمرو بن العاصؓ نے جب اسکندریہ کا محاصرہ کیا تو منجنیق کا استعمال کیا۔ اور علیٰ ہذا زہر آلود تیر اور تلواروں کا استعمال بھی درست ہے لیکن تدخین[۱] کا استعمال صرف اس وقت جائز ہے کہ جب دشمنوں کے زیر کرنے کی کوئی اور صورت باقی نہ رہے بلا شدید ضرورت اور مجبوری کے تدخین کا استعمال جائز نہیں۔

اس مسئلہ کی تفصیل اگر درکار ہے تو شرح السیر الکبیر جلد ثالث کی (باب قطع الماء عن اہل الحرب وتحریق حصونہم ونصب المجانیق علیہا) سے مراجعت کریں۔

وقال تعالیٰ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ	اور مہیا کرو کافروں کے مقابلہ کیلئے جو قوت بھی مہیا کر سکتے ہو اور گھوڑے بھی پالو تاکہ تم اس قوت و شوکت سے اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو مرعوب کر سکو

معلوم ہوا کہ ان تمام چیزوں کا سیکھنا ضروری ہے کہ جس سے اللہ کے دشمن مرعوب اور اللہ کے دین کی عزت اور شوکت قائم ہو۔

ضروری تنبیہ: کتاب و سنت اور شریعت کسی صنعتی اور حرفتی کی ترقی کو منع نہیں کرتی بلکہ ہر اس صنعت اور حرفت کو جس سے ملک کو ترقی ہو فرض علی الکفایہ قرار دیتی ہے جیسا کہ تمام فقہاء کرام کا اجماع ہے البتہ شریعت اسلامیہ یورپ کی بے حیائی اور بے شرمی اور شہوانی اور نفسانی تہذیب کی شدید مخالف ہے اس لئے کہ شہوانی اور نفسانی امور میں آزادی اخلاق اور معاشرہ کو تباہ اور برباد کرتی ہے جو ملکی تنزلی کا باعث ہے۔

مسلمان خندق کھود کے فارغ ہوئے کہ قریش دس ہزار آدمیوں کا لشکر جرار لے کر مدینہ پہنچے۔

---

[۱] یعنی دھواں پھیلا دینا جس سے لوگ مر جائیں جیسے آجکل زہریلی گیس نکلا ہے۔

اور اُحد کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین ہزار مسلمانوں کی جمعیت اپنے ہمراہ لے کر مقابلہ کے لئے کوہ سلع کے قریب جا کر ٹھہرے خندقیں مابین فریقین کے حائل تھیں، عورتوں اور بچوں کو ایک قلعہ میں محفوظ ہو جانے کا حکم دیا۔

یہودی قریظہ اس وقت تک الگ تھے۔ لیکن حیی بن اخطب سردار بنو نضیر نے ان کو اپنے ساتھ ملا لینے کی پوری کوشش کی یہاں تک کہ خود کعب بن اسد سردار بنی قریظہ کے پاس گیا جو پہلے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ معاہدہ کر چکا تھا۔ کعب نے حیی کو آتے دیکھ کر قلعہ کا دروازہ بند کر لیا۔ حیی نے آواز دی کہ دروازہ کھولو۔ کعب نے کہا

ویحك یا حیی انك امرء مشئوم وانی قد عاهدت محمدا فلست بناقض مابینی وبینه فانی لم ارا منه الا صدقا ووفاءً	افسوس ہے حیی۔ بلاشبہ تو منحوس آدمی ہے میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے معاہدہ کر چکا ہوں میں اب اس عہد کو نہ توڑوں گا، کیونکہ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سوائے سچائی اور ایفائے عہد کے کچھ نہیں دیکھا۔

حیی نے کہا کہ میں تمہارے لئے دائمی عزت کا سامان لایا ہوں قریش اور غطفان کی فوجوں کو لاکر میں نے یہاں اتارا ہے، ہم سب نے یہ عہد کیا ہے کہ جب تک محمد اور ان کے ساتھیوں کا استیصال اور قلع قمع نہ کر دیں گے اس وقت تک یہاں سے ہرگز نہ ٹلیں گے۔

کعب نے کہا۔ خدا کی قسم تو ہمیشہ کی ذلت اور رسوائی لے کر آیا ہے میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کبھی عہد نہ توڑوں گا، میں نے اُن سے سوائے سچائی اور ایفائے عہد کے کچھ نہیں دیکھا، حیی برابر اصرار کرتا رہا یہاں تک اس کو عہد شکنی پر آمادہ کر لیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب یہ خبر ہوئی تو سعد بن معاذ و سعد بن عبادہ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کو تحقیق حال کے لئے روانہ فرمایا اور یہ حکم دیا کہ اگر یہ خبر صحیح نکلے تو وہاں سے واپس آکر اس خبر کو ایسے مبہم الفاظ میں بیان کرنا کہ لوگ سمجھ نہ سکیں اور اگر غلط ہو تو پھر علی الاعلان بیان کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔

یہ لوگ کعب بن اسد کے پاس گئے اور اس کو معاہدہ یاد دلایا کعب نے کہا کیسا معاہدہ اور کون محمد صلی اللہ علیہ وسلم ؟ میرا ان سے کوئی معاہدہ نہیں جب واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا عضل وقارہ یعنی جس طرح قبیلۂ عضل اور قارہ نے اصحاب رجیع یعنی خبیب رضی اللہ عنہ کے ساتھ غدر کیا، اسی طرح انھوں نے بھی غداری کی۔ سیرۃ ابن ہشام ص۱۲ ج ۲، زرقانی ص۱۱۱ ج ۲

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی غداری اور بدعہدی سے صدمہ ہوا۔ کافروں نے ہر طرف سے مسلمانوں کا محاصرہ کرلیا۔ باہر کے دشمنوں کا ٹڈی دل سامنے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ اندرونی دشمن یعنی قریظہ بھی ان کے ساتھ مل گئے، ہر شخص مسلمانوں کے خون کا پیاسا تھا۔ الغرض مسلمانوں کے لئے عجب پریشانی کا وقت تھا، جاڑوں کی راتیں تھیں اور کئی کئی دن کا فاقہ تھا۔

حق جل شانہ نے سورۂ احزاب میں اس معرکہ کا حال اس طرح بیان فرمایا ہے۔

إِذْ جَاءُوكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ۝	یاد کرو اس وقت کو کہ جب دشمن تمھارے سر پر آپہنچے اوپر کی جانب سے بھی اور نیچے کی جانب سے بھی اور نگاہیں خیرہ ہوگئیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے اور خدا کے ساتھ طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اس جگہ اہل ایمان آزمائے گئے اور خوب ہلائے گئے۔

یہ وقت ابتلاء اور آزمائش کا تھا۔ ابتلاء کی کسوٹی پر نفاق اور اخلاص کو کسا جارہا تھا۔ اس کسوٹی نے کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا۔ چنانچہ منافقین نے حیلے اور بہانے شروع کئے اور عرض کیا یارسول اللہ ہمارے گھر پست دیوار ہونے کی وجہ سے غیر محفوظ ہیں۔ بچوں اور عورتوں کی حفاظت ضروری ہے ہم اس لئے اجازت چاہتے ہیں

يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ إِنْ يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ۝	منافقین یہ کہتے تھے کہ تحقیق ہمارے گھر خالی ہیں حالانکہ وہ خالی نہیں محض بھاگنا چاہتے ہیں اسلئے یہ حیلے بہانے کر رہے ہیں۔

۵۱۔ الاحزاب، آیۃ ۱۰ ۵۲۔ ایضاً۔ آیۃ ۱۳

اور مسلمان جن کے قلوب اخلاص اور ایقان سے لبریز تھے ان کی یہ حالت ہوئی جو حق جل شانہ نے بیان فرمائی۔

وَلَمَّا رَاَى الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا [1]	اور اہلِ ایمان نے جب کافروں کی فوجیں دیکھیں تو بے ساختہ یہ کہا۔ یہ وہی ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا ہے اور اس کے رسول نے سچ کہا ہے اور اس سے ان کے یقین اور اطاعت میں اور زیادتی ہو گئی

غرض یہ کہ یہود اور منافقین سب ہی نے اس لڑائی میں بدعہدی کی اور مسلمان اندرونی اور بیرونی دشمنوں کے محاصرہ اور نرغہ میں آگئے محاصرہ کی شدت اور سختی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال ہوا کہ مسلمان بمقتضائے بشریت کہیں گھبرا نہ جائیں اس لئے یہ قصد فرمایا کہ عیینہ بن حصن اور حارث بن عوف سے (جو قبائل غطفان کے قائد اور سردار تھے) مدینہ کے نخلستان کے تہائی پھل دے کر ان سے صلح کر لی جائے تاکہ یہ لوگ ابوسفیان کی مدد سے کنارہ کش ہو جائیں اور مسلمانوں کو اس حصار سے نجات ملے چنانچہ آپ نے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ سے اپنا یہ خیال ظاہر فرمایا، ان دونوں نے کہا یا رسول اللہ کیا اللہ نے آپ کو ایسا حکم دیا ہے اگر ایسا ہے تو ہم اس کی تعمیل کے لئے حاضر ہیں۔ یا آپ محض از راہِ شفقت ورافت ہمارے خیال سے ایسا قصد فرما رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ اللہ کا کوئی حکم نہیں، محض تمہاری خاطر میں نے ایسا ارادہ کیا ہے، اس لئے کہ عرب نے متفق ہو کر ایک کمان سے تم پر تیر باری شروع کی ہے اس طریق سے میں ان کی شوکت اور اجتماعی قوت کو توڑنا چاہتا ہوں۔

سعد بن معاذ نے عرض کیا یا رسول اللہ جب ہم اور یہ سب کافر اور مشرک تھے بتوں کو پوجتے تھے، اللہ عزوجل کو جانتے بھی نہ تھے۔ اس وقت بھی ان کی یہ مجال نہ تھی کہ ہم سے ایک خرما بھی لے سکیں اِلّا یہ کہ مہمانی کے طور پر یا خرید کر اور اب جبکہ ہم کو اللہ عزوجل نے ہدایت کی لازوال اور بے مثال نعمت سے سرفراز فرمایا اور اسلام سے ہم کو عزت بخشی تو اپنا مال ہم ان کو دیدیں یہ ناممکن

[1] الاحزاب، آیۃ: ۲۲

ہے، ما اللہ انھیں اپنا مال دینے کی ہوس کوئی حاجت نہیں خدا کی قسم ہم ان کو سوائے تلوار کے کچھ نہ دیں گے ان سے جو ہو سکتا ہے وہ کر گزریں۔

اور اس بارے میں جو صلح کی تحریر لکھی گئی تھی سعد بن معاذ نے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے ہاتھ سے لے کر اس کی تمام عبارت مٹا دی[۱]

دو ہفتے اسی طرح گزر گئے مگر دست بدست لڑائی اور مقابلہ کی نوبت نہیں آئی صرف طرفین سے تیر اندازی ہوتی رہی۔ بالآخر قریش کے چند سوار عمرو بن عبد ود۔ عکرمۃ بن ابی جہل۔ ہبیرۃ بن ابی وہب، ضرار بن خطاب، نوفل بن عبداللہ مسلمانوں کے مقابلے کے لئے نکلے، جب خندق تک پہنچے تو یہ کہا خدا کی قسم یہ مکر و فریب پہلے عرب میں نہ تھا۔ ایک مقام سے خندق کا عرض کم تھا وہاں سے پھاند کر اس طرف پہنچے اور مسلمانوں کو مقابلے کے لئے آواز دی، عمرو بن عبد ود جو جنگ بدر میں زخم کھا کر گر گیا تھا سر سے پاؤں تک غرق آہن تھا۔ ہل من مبارز کہہ کر مقابلے کے لئے آواز دی۔ شیر خدا حضرت علی اس کے مقابلہ کے لئے بڑھے، اے عمرو میں تجھ کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلاتا ہوں اور اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ عمرو نے کہا مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ حضرت علی نے فرمایا اچھا میں تم کو لڑائی اور مقابلہ کی دعوت دیتا ہوں۔ عمرو نے کہا تم کمسن[۲] ہو اپنے سے بڑے کو میرے مقابلہ کے لئے بھیجو میں تمہارے قتل کو پسند نہیں کرتا۔ حضرت علی نے فرمایا میں تمہارے قتل کو پسند کرتا ہوں یہ سن کر عمرو کو طیش آگیا اور گھوڑے سے نیچے اتر آیا۔ اور آگے بڑھ کر حضرت علی پر وار کیا جس کو حضرت علی نے سپر سے روکا لیکن پیشانی پر زخم آیا۔ بعد ازاں حضرت علی نے اس پر وار کیا جس نے اس کا کام تمام کیا۔

حضرت علی نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا جس سے مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ اللہ عزوجل نے فتح دی۔

نوفل بن عبداللہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادے سے آگے بڑھا۔ گھوڑے پر سوار تھا، خندق کو پھاندنا چاہتا تھا کہ خندق میں گر پڑا اور گردن ٹوٹ گئی اور مر گیا۔ مشرکین نے دس ہزار درہم آپ کی خدمت میں پیش کئے کہ اس کی لاش ہمارے حوالہ کر دی جائے آپ نے ارشاد فرمایا وہ بھی خبیث

---

[۱] ابن ہشام، ج ۲، ص: ۱۴۱۔ [۲] عمرو بن عبد ود کی عمر اس وقت نوّے سال سے متجاوز تھی ۱۲ زرقانی

اور ناپاک تھا اور اس کی دیت بھی خبیث اور ناپاک ہے۔ اللہ کی لعنت ہو اس پر بھی اور اس کی دیت پر بھی ہمیں نہ دس ہزار کی ضرورت ہے اور نہ لاشہ کی۔ اور بلا کسی معاوضہ کے لاش ان کے حوالے کر دی۔[1]

سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہ رگ پر ایک تیر آ کر لگا۔ حضرت سعدؓ نے اس وقت یہ دعا مانگی۔

اے اللہ اگر تو نے قریش کی لڑائی باقی رکھی ہے تو مجھکو اس کے لئے باقی رکھ کیوں کہ مجھکو اس سے زیادہ کوئی محبوب اور پیاری چیز نہیں کہ میں اس قوم سے جہاد کروں کہ جس نے تیرے رسول کو ایذائیں پہنچائی اور اس کو جھٹلایا اور اس کو حرم آمن سے نکالا اور اے اللہ اگر تو نے ہمارے اور ان کے مابین لڑائی کو ختم کر دیا ہے تو اس زخم کو میرے لئے شہادت کا ذریعہ بنا اور اس وقت تک مجھکو موت نہ دے جب تک کہ بنی قریظہ کی ذلت اور رسوائی سے میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں۔[2]

حملہ کا یہ دن نہایت ہی سخت تھا، تمام دن تیر اندازی اور سنگ باری میں گزرا اسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار نمازیں قضا ہوئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں اور عورتوں کو ایک قلعہ میں محفوظ کر دیا تھا۔ یہود کی آبادی وہاں سے قریب تھی، حضرت صفیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپی بھی اسی قلعہ میں تھیں حضرت حسان اس قلعہ کی حفاظت پر مامور تھے حضرت صفیہ نے دیکھا کہ ایک یہودی قلعہ کے ارد گرد چکر لگا رہا ہے اندیشہ ہوا کہ کہیں جاسوس نہ ہو اس لئے حضرت صفیہ نے حضرت حسان سے کہا کہ اس کو قتل کر دو ایسا نہ ہو کہ دشمنوں سے ہماری مخبری کر دے، حضرت حسان نے کہا تمھیں معلوم نہیں کہ میں اس کام کا ہی نہیں حضرت صفیہ اٹھیں اور خیمہ کی ایک لکڑی لے کر اس یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا اور فرمایا کہ یہ مرد ہے اور میں عورت ہوں اس لئے میں تو ہاتھ نہ لگاؤں گی تم اس کے ہتھیار اتار لاؤ حضرت حسان نے کہا مجھے اس کے ہتھیار اور سامان کی ضرورت نہیں (ابن ہشام)

اثناء محاصرہ میں نعیم بن مسعود اشجعی غطفان کے ایک رئیس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

---

[1] زرقانی - ج ۲، ص: ۱۱۴ - [2] ابن ہشام، ج ۲، ص: ۱۴۳ -

خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ پر ایمان لایا میری قوم کو میرے اسلام لانے کا علم نہیں اگر اجازت ہو تو میں کوئی تدبیر کروں جس سے یہ حصار ختم ہو آپ نے فرمایا ہاں تم ایک تجربہ کار آدمی ہو اگر کوئی ایسی تدبیر ممکن ہو تو کر گزرو۔

فان الحرب خدعة — اس لئے کہ لڑائی نام ہی اصل میں حیلہ اور تدبیر کا ہے

چنانچہ نعیمؓ نے ایسی تدبیر کی کہ قریش اور بنو قریظہ میں پھوٹ پڑ گئی اور بنو قریظہ قریش کی امداد سے دست کش ہو گئے۔ (مفصل قصہ فتح الباری ص ۳۰۹ ج ۷ اور زرقانی ص ۱۱۶ ج ۲ و ص ۱۱۹ ج ۲ اور تاریخ طبری ص ۵۰ ج ۳ میں مذکور ہے)۔

عمرو بن عبدود اور نوفل کے قتل ہو جانے کے بعد قریش کے بقیہ سوار شکست کھا کر واپس ہوئے۔

مسند احمد میں ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ ہم نے حصار کی شدت اور سختی کا ذکر کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کی آپ نے فرمایا دعا مانگو۔

اللھم استر عوراتنا وآمن روعاتنا۔ — اے اللہ ہمارے عیبوں کو چھپا۔ اور ہمارے خوف کو دور کر۔

اور صحیح بخاری میں ہے کہ یہ دعا فرمائی۔[۵]

اللھم منزل الکتاب ومجری السحاب وھازم الاحزاب اھزمھم وانصرنا علیھم (صحیح بخاری کتاب الجہاد باب لاتمنوا لقاء العدو)

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور قریش اور غطفان پر ایک سخت ہوا مسلط کی کہ جس سے ان کے تمام خیمے اکھڑ گئے، رسیاں اور طنابیں ٹوٹ گئیں، ہانڈیاں الٹ گئیں، گرد و غبار اڑ اڑ کر آنکھوں میں بھرنے لگا جس سے کفار کا تمام لشکر سراسیمہ ہو گیا۔ اسی بارہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

۵۔ مسند احمد اور ابن سعد کی روایت میں ہے کہ آپ نے مسجد احزاب میں ہاتھ اٹھا کر اور کھڑے ہو کر دعا مانگی اور ابو نعیم کی روایت میں ہے کہ زوال کے بعد۔ ۱۲ زرقانی ص ۱۱۲ ج ۲

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا۔ (الاحزاب، آیۃ: ۹)

اے ایمان والو یاد کرو اللہ کے اس انعام کو جو تم پر اس وقت ہوا کہ جب کافروں کے بہت سے لشکر تمہارے سروں پر آپہنچے پس اس وقت ہم نے تمہارے دشمنوں پر ایک آندھی بھیجی اور تمہاری مدد کیلئے آسمان سے ایسے لشکر اتارے جو تم کو دکھائی نہیں دیتے تھے یعنی فرشتے اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔

جُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا سے فرشتے مراد ہیں جنہوں نے کافروں کے دلوں کو مرعوب اور خوفزدہ بنایا اور مسلمانوں کے دلوں کو قوی مضبوط کیا۔ اس طرح کفار کا دس ہزار لشکر وہاں سے سراسیمہ ہو کر بھاگا۔ کما قال تعالےٰ۔

وَرَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا ۚ وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا۔ (زرقانی ص۱۲۲ ج ۲) [۱]

اور اللہ تعالےٰ نے کافروں کو مع ان کے غیظ و غضب کے واپس کر دیا اور ذرہ برابر کسی بھلائی کو حاصل نہ کر سکے اور اللہ نے اہلِ ایمان کی طرف سے لڑائی میں کفایت کی اور اللہ تعالیٰ بڑا توانا اور غلبہ والا ہے

حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھکو حکم دیا کہ جا کر قریش کی خبر لاؤں، میں نے عرض کیا میں کہیں پکڑا نہ جاؤں، آپ نے فرمایا:

انك لن تؤسر — البتہ تحقیق تو ہرگز گرفتار نہ ہوگا۔

اور بعد ازاں میرے لئے یہ دُعا فرمائی:

اللهم احفظه من بين يديه ومن خلفه وعن يمينه وعن شماله ومن فوقه ومن تحته۔

اے اللہ اس کو آگے سے اور پیچھے سے دائیں سے بائیں سے اُوپر سے اور نیچے سے حفاظت فرما۔

---

[۱] الاحزاب، آیۃ: ۲۵

آپ کی دعا سے میرا تمام خوف دور ہوگیا اور نہایت شاداں اور فرحاں روانہ ہوا۔ جب جانے لگا تو یہ فرمایا کہ اے حذیفہ کوئی نئی بات نہ کرنا۔ میں ان کے لشکر میں پہنچا تو ہوا اس قدر تیز تھی کہ کوئی چیز نہیں ٹھہرتی تھی اور تاریکی ایسی چھائی ہوئی تھی کہ کوئی چیز دکھلائی نہیں دیتی تھی۔ اتنے میں حذیفہؓ نے ابوسفیان کو یہ کہتے سنا اے گروہ قریش یہ ٹھہرنے کا مقام نہیں ہمارے جانور ہلاک ہوگئے، بنو قریظہ نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور اس ہوا نے ہم کو سراسیمہ اور پریشان بنا دیا چلنا پھرنا اور بیٹھنا مشکل ہوگیا بہتر یہ ہے کہ فوراً لوٹ چلو۔ اور یہ کہہ کر ابوسفیان اونٹ پر سوار ہوگیا۔

حذیفہؓ فرماتے ہیں۔ اس وقت میرے دل میں خیال آیا کہ اس کو تیر سے مار ڈالوں لیکن آپ کا ارشاد یاد آگیا کہ اے حذیفہ کوئی نئی بات نہ کرنا۔ اس لئے میں واپس آگیا۔ زرقانی ص۱۱۵ ج: ۲

جب قریش واپس ہوئے تو آپ نے یہ ارشاد فرمایا:

الآن نغزوهم ولا يغزوننا نحن نسير اليهم ٥ (بخاری شریف)	اب ہم ان پر حملہ آور ہوں گے اور یہ کافر ہم پر حملہ آور نہ ہوسکیں گے ہم ہی ان پر حملہ کرنے کے لیے چلیں گے یعنی کفر اب اتنا کمزور ہوگیا کہ اب اس میں اتنی قوت نہیں رہی کہ وہ اسلام کے مقابلہ میں کوئی اقدام کرسکے اور اسلام فقط اپنا دفاع کرے بلکہ اس کے برعکس اب اسلام اتنا قوی ہوگیا ہے کہ وہ کفر کے مقابلہ میں ابتداءً اقدام کریگا اور جارحانہ حملہ آور ہوگا۔

(تنبیہ) جو لوگ اسلام میں اقدامی جہاد کے منکر ہیں وہ بخاری کے روایت کے ان الفاظ کو خوب بغور پڑھ لیں۔

اور جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی اور زبان مبارک پر یہ کلمات تھے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ آئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ

---

۵ ۔ یہ لفظ صحیح بخاری کی روایت میں نہیں بلکہ ابن اسحٰق کی روایت سے لیا گیا ہے۔ باقی روایت صحیح بخاری کی ہے۔ ۱۲

اللّٰہُ وَعْدَہٗ وَنَصَرَ عَبْدَہٗ وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ۔ (بخاری شریف ص۵۹)

ابن سعد اور بلاذری کہتے ہیں کہ محاصرہ پندرہ دن رہا۔ واقدی کہتے ہیں یہی قول سب سے زیادہ راجح ہے۔ سعد بن مسیب فرماتے ہیں۔ چوبیس دن رہا۔ اس غزوہ میں مشرکین میں کے تین آدمی قتل ہوئے نوفل بن عبداللہ۔ عمرو بن عبدود۔ بنیہ بن عبید اور چھ آدمی مسلمانوں میں کے شہید ہوئے۔

(۱)۔ سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۲)۔ انس بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۳)۔ عبداللہ بن سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۴) طفیل بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۵)۔ ثعلبۃ بن عنمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۶)۔ کعب بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اور دو نام حافظ دمیاطی نے اضافہ کیے

(۷)۔ قیس بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۸)۔ عبداللہ بن ابی خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

غزوۂ بنی قریظہ

ذی قعدہ ۵ھ[۱] یوم چہار شنبہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ غزوۂ خندق سے صبح کی نماز کے بعد واپس ہوئے آپ نے اور تمام مسلمانوں نے ہتھیار کھول دیئے۔ جب ظہر کا وقت قریب آیا تو جبرئیل امین ایک خچر پر سوار عمامہ باندھے ہوئے تشریف[۲] لائے اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم سے مخاطب ہو کر کہا۔ کیا آپ نے ہتھیار اُتار دیئے آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ جبرئیل امین نے کہا فرشتوں نے تو ابھی ہتھیار نہیں کھولے اور نہ وہ ہنوز واپس ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بنی قریظہ کی طرف جانے کا حکم دیا ہے اور میں خود بنی قریظہ کی طرف جا رہا ہوں اور ان کو جا کر متزلزل کرتا ہوں۔[۳]

---

[۱]۔ زرقانی ص۱۲۸ ج: ۲۔ [۲] ابن سعد کی روایت میں ہے کہ جبرئیل امین موضع جنائز (یعنی وہ جگہ جو آپ نے نماز جنازہ کے لئے مسجد سے علیحدہ بنوائی تھی) کے قریب آکر کھڑے ہوگئے۔ طبقات ص۵۳ ج ۲۔ معلوم ہوا کہ جنازہ کی نماز مسجد میں نہ پڑھنی چاہیے ورنہ جنازہ کے لئے مسجد سے علیحدہ جگہ بنانے کی کیا حاجت تھی۔

[۳]۔ البدایۃ والنہایۃ، ج: ۴، ص: ۱۱۶ ۔ ابن ہشام ج ۲، ص: ۲۴۵

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ بنی قریظہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین پہلے سے معاہدہ تھا جب قریش دس ہزار کا لشکر لے کر مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے آئے تو بنی قریظہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد توڑ کر قریش کے ساتھ مل گئے۔ اللہ عزوجل نے جب احزاب کو شکست دی تو بنی قریظہ قلعوں میں گھس گئے جبرئیل امین فرشتوں کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ فوراً بنی قریظہ کی طرف روانہ ہوجائیں آپ نے فرمایا میرے اصحاب ابھی تھکے ہوئے ہیں جبرئیل امین نے کہا آپ اس کا خیال نہ کریں روانہ ہوجائیں میں ابھی جاکر ان کو متزلزل کئے دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر جبرئیل امین فرشتوں کی جماعت کے ساتھ بنی قریظہ کی طرف روانہ ہوگئے کوچہ بنی غنم تمام گرد وغبار سے بھر گیا۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ وہ غبار کہ جو حضرت جبرئیل کی سواری سے کوچہ بنی غنم میں اٹھا تھا وہ اب تک میری نظروں میں ہے گویا کہ اس وقت میں اس غبار کو اٹھتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ بخاری شریف

جبرئیل امین تو روانہ ہوئے اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے حکم دیا کہ کوئی شخص سوائے بنی قریظہ کے کہیں نمازِ عصر نہ پڑھے۔ راستہ میں جب نماز عصر کا وقت آیا تو اختلاف ہوا بعض نے کہا کہ ہم تو بنی قریظہ ہی پہنچ کر نماز پڑھیں گے۔ بعض نے کہا ہم نماز پڑھ لیتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مقصد نہ تھا۔ کہ نماز قضا کر دی جائے بلکہ مقصود تعجیل تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے کسی پر اظہار ناراضی نہیں فرمایا (بخاری شریف) اس لئے کہ نیت ہر ایک کی بخیر تھی۔

فائدہ:

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں۔ جس نے حدیث کے ظاہر الفاظ پر عمل کیا اس کو بھی اجر ملا اور جس نے اجتہاد اور استنباط کیا۔ اس کو بھی اجر ملا لیکن جن لوگوں نے ظاہر الفاظ پر نظر کر کے بنی قریظہ پہنچنے سے پہلے نماز عصر ادا نہ کی حتیٰ کہ وقت عصر نکل گیا تو ان لوگوں کو فقط ایک فضیلت حاصل ہوئی یعنی حکم نبوی کی تعمیل کا اجر ملا اور جن لوگوں نے اجتہاد اور استنباط سے کام لیا۔

اور سمجھا کہ منشا رِ نبوی یہ نہیں کہ نماز عصر قضا کر دی جائے بلکہ مقصود جلد پہنچنا ہے اس لئے نماز عصر راستہ ہی میں پڑھ لی۔ ان لوگوں کو اس اجتہاد اور استنباط کی بدولت دو فضیلتیں حاصل ہوئیں ایک فضیلت حکم نبوی کی تعمیل کی۔ اور دوسری فضیلت صلوٰۃ وسطی (نماز عصر) کی محافظت کی (جو در حقیقت بے شمار فضائل کو متضمن اور شامل ہے جس کی محافظت کا حکم قرآن کریم میں آیا ہے حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى اور حدیث میں ہے کہ جس کی عصر کی نماز فوت ہو گئی اس کے اعمال حبط ہو گئے وغیرہ وغیرہ۔ ظاہر الفاظ پر عمل کرنے والوں پر اگرچہ اظہار ناراضی نہیں فرمایا اس لئے کہ نیت بخیر تھی لیکن جن لوگوں نے اجتہاد اور استنباط سے کام لیا ان کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکے۔ (فتح الباری ص۳۱۶ ج ۷)

بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو رایت اسلام دے کر روانہ فرمایا جب حضرت علی وہاں پہنچے تو یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلم کھلا گالیاں دیں (جو ایک مستقل اور ناقابل عفو جرم ہے)

اور اس کے بعد آنحضرت خود بہ نفس نفیس روانہ ہوئے اور پہنچ کر بنی قریظہ کا محاصرہ کیا پچیس روز تک ان کو محاصرہ میں رکھا اس اثناء میں ان کے سردار کعب بن اسد نے ان کو جمع کر کے یہ کہا کہ میں تین باتیں تم پر پیش کرتا ہوں ان میں سے جس ایک کو چاہو اختیار کر لو تاکہ تم کو اس مصیبت سے نجات ملے۔

اوّل یہ کہ ہم اس شخص (یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لے آئیں اور اس کے متبع اور پیرو بن جائیں۔

فو اللہ لقد تبین لکم انہ لنبی مرسل وانہ للذی تجدونہ فی کتابکم فتأمنون علی دمائکم واموالکم وابناءکم ونساءکم	کیونکہ خدا کی قسم تم پر یہ بات بالکل واضح اور روشن ہو چکی ہے کہ وہ بلاشبہ اللہ عزوجل کے نبی اور رسول ہیں اور تحقیق یہ وہی نبی ہیں جن کو تم توریت میں لکھا پاتے ہو۔ اگر ایمان لے آؤ گے تو تمہاری جان اور مال بچے اور عورتیں

سب محفوظ ہو جائیں گے۔

بنی قریظہ نے کہا کہ ہم کو یہ منظور نہیں۔ ہم اپنا دین نہیں چھوڑیں گے۔ کعب نے کہا اچھا اگر یہ منظور نہیں تو دوسری بات یہ ہے کہ بچوں اور عورتوں کو قتل کر کے بے فکر ہو جاؤ اور شمشیر بکف ہو کر پوری ہمت اور تن دہی کے ساتھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقابلہ کرو اگر ناکام رہے تو بچوں اور عورتوں کا کوئی غم نہ ہوگا اور اگر کامیاب ہو گئے تو عورتیں بہت ہیں ان سے بچے بھی پیدا ہو جائیں گے۔ بنو قریظہ نے بلا وجہ عورتوں اور بچوں کو قتل کر کے زندگی کا تلف کیا ہے۔ کعب نے کہا اچھا اگر یہ منظور نہیں تو تیسری بات یہ ہے کہ آج ہفتہ کی شب ہے عجب نہیں کہ محمد اور ان کے اصحاب غافل اور بے خبر ہوں اور ہماری جانب سے بایں وجہ مطمئن ہوں کہ یہ دن یہود کے نزدیک محترم ہے اس میں وہ حملہ نہیں کر سکتے۔ مسلمانوں کی اس بے خبری اور غفلت سے یہ نفع اٹھاؤ کہ یکایک ان پر شب خون مارو، بنو قریظہ نے کہا اے کعب تجھکو معلوم ہے کہ ہمارے اسلاف اسی دن کی بے حرمتی کی وجہ سے بندر اور سُور بنائے گئے پھر تو ہمکو اسی کا حکم دیتا ہے، الغرض بنو قریظہ نے کعب کی ایک بات کو نہ مانا

ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ سے بنی قریظہ کے حلیفانہ تعلقات تھے اس لئے ان کو یہ امید ہوئی کہ شاید وہ اس آڑے وقت میں ہماری کوئی مدد کر سکیں اس بنا پر بنو قریظہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ابولبابہؓ کو ہمارے پاس بھیج دیں تاکہ ہم ان سے مشورہ کریں آپ نے ابولبابہ رضی کو اجازت دی۔ ابولبابہ کو دیکھ کر سب جمع ہو گئے، بچے اور عورتیں ان کو دیکھکر رونے لگے یہ دیکھکر ابولبابہ کا دل بھر آیا۔ بنو قریظہ نے جب اُن سے یہ دریافت کیا کہ کیا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو منظور کر لیں اور آپ کے فیصلہ پر راضی ہو جائیں۔ ابولبابہؓ نے کہا ہاں بہتر ہے لیکن حلق کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ ذبح کئے جاؤ گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ تمہارے قتل کا ہے۔ ابولبابہ اپنی جگہ سے ابھی ہٹے نہ تھے فوراً تنبہ ہوا کہ میں نے اللہ عزوجل اور اُس کے رسول کے ساتھ خیانت کی اور سیدھے وہاں سے مسجد نبوی میں پہنچے اور اپنے کو ایک ستون سے باندھ دیا اور قسم کھائی کہ جب تک اللہ عزوجل میری توبہ قبول نہ فرمائے گا اس وقت تک اس جگہ سے نہ نکلوں گا

اور اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا کہ بنی قریظہ میں کبھی قدم نہ رکھوں گا اور جس شہر میں اللہ اور اس کے رسول کی خیانت کی ہے اس کو کبھی نہ دیکھوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب خبر ہوئی تو یہ ارشاد فرمایا اگر وہ سیدھا میرے پاس آجاتا تو میں اس کے لئے استغفار کرتا لیکن جب وہ ایسا کر گزرا ہے تو میں اس کو اپنے ہاتھ سے نہ کھولوں گا جب تک اللہ عزوجل اس کی توبہ نازل نہ فرمائے۔[۵۱]

بالآخر مجبور ہو کر بنو قریظہ اس پر آمادہ ہوئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو حکم دیں وہ ہمیں منظور ہے۔

جس طرح خزرج اور بنو نضیر میں حلیفانہ تعلقات تھے۔ اسی طرح اوس اور بنو قریظہ میں حلیفانہ تعلقات تھے اس لئے اوس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ خزرج کے التماس پر حضور نے بنی نضیر کے ساتھ جو معاملہ فرمایا اسی طرح کا معاملہ ہماری استدعا پر بنو قریظہ کے ساتھ فرمائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تمھارا فیصلہ تم ہی میں کا ایک شخص کر دے۔ انھوں نے کہا یا رسول اللہ سعد بن معاذ جو فیصلہ کر دیں وہ ہمیں منظور ہے۔

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جب خندق میں زخمی ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے لئے مسجد نبوی میں ایک خیمہ لگوا دیا تھا کہ قریب سے ان کی عیادت کر سکیں ان کے بلانے کے لئے آدمی بھیجا۔ حمار پر سوار ہو کر تشریف لائے جب آپ کے قریب پہنچے تو یہ فرمایا:

قوموا الیٰ سیدکم[۵۲] — اپنے سردار کی تعظیم کے لئے اٹھو

جب اتار کر بٹھا دیئے گئے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں نے اپنا فیصلہ تیرے سپرد کیا ہے سعدؓ نے کہا میں ان کی بابت یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ ان میں کے لڑنے والے یعنی مرد قتل کئے جائیں اور عورتیں اور بچے اسیر کر کے لونڈی اور غلام بنائے جائیں اور اُن کا تمام مال و اسباب مسلمانوں میں تقسیم کیا جائے آپ نے ارشاد فرمایا بے شک تو نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا۔

بعد ازاں حضرت سعدؓ نے یہ دعا مانگی۔

۵۱۔ ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۴۷؛ البدایۃ والنہایۃ ج ۴ ص ۱۱۹

۵۲۔ اور یا یہ معنی لئے جائیں کہ اپنے سردار کے اتارنے کے لئے اٹھو کیونکہ وہ بیمار تھے۔ ۱۲

اے اللہ تجھکو خوب معلوم ہے کہ مجھ کو اس سے زیادہ کوئی محبوب چیز نہیں کہ اس قوم سے جہاد کروں جس قوم نے تیرے رسول کو جھٹلایا اور حرم سے اس کو نکالا۔ اے اللہ میں گمان کرتا ہوں کہ تو نے ہمارے اور ان کے مابین لڑائی کو ختم کر دیا ہے۔ پس اگر قریش سے ابھی لڑنا باقی ہے تو مجھکو زندہ رکھ تاکہ تیری راہ میں اُن سے جہاد کروں اور اگر تو نے لڑائی کو ختم کر دیا ہے تو اس زخم کو جاری کر دے اور اسی کو میری شہادت کا ذریعہ بنا دے۔ دُعا کا ختم کرنا تھا کہ زخم جاری ہو گیا اور اسی میں وفات پائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ سعد بن معاذ کی موت سے عرش ہل گیا۔ رواہ البخاری اور ایک روایت میں ہے کہ آسمان کے تمام دروازے ان کے لئے کھول دیئے گئے اور آسمانوں کے فرشتے ان کی رُوح کے چڑھنے سے مسرور ہوئے (رواہ الحاکم) فتح الباری، مناقب سعد بن معاذ رضؓ

اور ستّر ہزار فرشتے ان کے جنازہ میں شریک ہوئے جو اس سے قبل کبھی آسمان سے نازل نہ ہوئے تھے (ذکرہ ابن عائذ) ورواہ البزار واسنادہ جید[۵]

چنانچہ انصار میں سے کسی نے اس بارے میں یہ شعر کہا ہے!

وما اھتز عرش اللہ من موت ھالک　　سمعنا بہ الا لسعد ابی عمرو

(استیعاب لابن عبدالبر ص ۳۲ ج ۲ ترجمہ سعد بن معاذ رضؓ)

ہم نے سوائے سعد بن معاذ کے اور کسی مرنے والے کے لئے کبھی نہیں سنا کہ عرش خداوندی اس کے مرنے سے ہلا ہو۔ اور ان کی قبر سے مشک کی خوشبو آتی تھی واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم روض الانف ص ۱۹۳ ج ۲

تمام بنی قریظہ گرفتار کر کے مدینہ لائے گئے اور ایک انصاری عورت کے مکان میں ان کو محبوس رکھا گیا اور بازار میں ان کے لئے خندقیں کھدوائی گئیں بعد ازاں دو دو چار چار کو اس مکان سے نکلوایا جاتا اور ان خندقوں میں ان کی گردنیں ماری جاتیں۔ حیی بن اخطب اور سردار بنی قریظہ کعب

---

[۵] - البدایۃ والنہایۃ: ج ۴، ص: ۱۲۸

بن اسد کی بھی گردن ماری گئی۔ حیی بن اخطب (جس کے کہنے سے کعب ابن اسد سردار بنی قریظہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدعہدی کی اور معاہدہ توڑا) جب آپ کے سامنے لایا گیا تو آپ کی طرف دیکھ کر کہا کہ واللہ میں اپنے نفس کو آپ کی دشمنی کے بارے میں ملامت نہیں کرتا لیکن حق یہ ہے کہ خدا جس کی مدد نہ کرے اس کا کوئی مددگار نہیں پھر لوگوں کی طرف دیکھا اے لوگو کچھ مضائقہ نہیں اللہ نے بنی اسرائیل کے لئے جو سزا مقدر کی تھی اور جو مصیبت ان کے لئے لکھ دی تھی وہ پوری ہوئی یہ دیکھ کر حیی بیٹھ گیا اور اس کی گردن ماری گئی عورتوں میں سوائے ایک عورت کے کوئی عورت قتل نہیں کی گئی جس کا یہ جرم تھا کہ اس نے کوٹھے سے چکی کا پاٹ گرایا تھا جس سے خلاد بن سوید شہید ہوئے۔

۱۲۔ ابن ہشام اس عورت کا نام بنانہ تھا حکم قرظی کی بیوی تھی۔ عیون الاثر ص۸۶ ، ج ۲

ترمذی۔ نسائی۔ ابن حبان میں حضرت جابر سے باسناد صحیح مروی ہے کہ ان کی تعداد چار سو تھی اور سبایا بنی قریظہ یعنی قیدیوں کو فروخت کرنے کے لئے نجد اور شام کی طرف بھیجا گیا اور ان کی قیمت سے گھوڑے اور ہتھیار خریدے گئے اور جو مال و اسباب بنی قریظہ سے غنیمت میں ملا تھا وہ مسلمانوں پر تقسیم کیا گیا۔[1]

بنی قریظہ کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائی۔

وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا وَّاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا[2]

اور جن اہل کتاب نے ان کی مدد کی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے قلعوں سے نیچے اتار دیا اور ان کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دیا ایک گروہ کو تم قتل کرتے تھے اور ایک گروہ کو قید کرتے تھے اور اللہ نے تم کو وارث بنایا ان کی زمین کا اور ان کے گھروں کا اور ان کے مالوں کا اور اس زمین کا جس پر تم نے ابھی تک قدم بھی نہیں رکھا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

---

[1] زرقانی، ج ۲ ص ۱۳۰۔ [2] الاحزاب۔ آیۃ: ۲۶۔

تنبیہ: بنی قریظہ کے متعلق حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فیصلہ عین تورات کے مطابق تھا جس پر ان کا ایمان تھا۔ چنانچہ تورات سفر استثناء باب بستم آیت دھم میں ہے۔

جب تو کسی شہر کے پاس لڑنے کے لئے آ پہنچے تو پہلے اس سے صلح کا پیغام کر۔ اگر وہ صلح منظور کرے اور تیرے لئے دروازہ کھول دے تو ساری خلق جو اس شہر میں پائی جائے تیری خراج گزار ہوگی اور تیری خدمت کرے گی اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے جنگ کرے تو تو اس کا محاصرہ کر اور جب خداوند قدوس تیرا خدا اسے تیرے قبضے میں کردے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر مگر عورتوں[۱] اور لڑکوں اور مواشی کو اور جو کچھ اس شہر میں ہو اس کا سارا لوٹ اپنے لئے لے اور تو اپنے دشمنوں کی لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے تجھ کو دی ہے کھائیو[۲]

اور ابو لبابہؓ مسجد کے ستون سے بندھے ہوئے تھے صرف نماز اور قضاء حاجت کے لئے کھول دیئے جاتے تھے۔ نہ کھاتے تھے نہ پیتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ میں اسی طرح رہوں گا یہاں تک مرجاؤں یا اللہ عزوجل میری توبہ قبول فرمائیں چھ روز کے بعد سحر کے وقت ان کی توبہ نازل ہوئی۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ کے گھر میں تھے۔ حضرت ام سلمہ نے آپ سے اجازت لے کر ان کو بشارت سنائی اور مبارک باد دی۔ مسلمان دوڑے کہ ان کو کھولیں۔ ابو لبابہؓ نے کہا میں قسم کھا چکا ہوں کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے دست مبارک سے نہ کھولیں گے اس وقت نہ کھلوں گا چنانچہ آپ جب صبح کی نماز کے لئے تشریف لائے تو خود دست مبارک سے ان کو کھولا۔

نکتہ: ابو لبابہ رضی اللہ عنہ پر ندامت کی کیفیت طاری ہوئی کہ اپنے آپ کو مسجد کے ستون سے باندھ ڈالا اور قسم کھائی کہ جب تک میری توبہ قبول نہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے دستِ مبارک سے آکر نہ کھولیں اس وقت تک اس ستون سے بندھا رہوں گا اگرچہ میری موت آ جائے یہ ایک خاص کیفیت اور خاص حالت تھی جو کبھی کبھی خداوند ذوالجلال کے محبین و مخلصین پر طاری ہوتی ہے

---

[۱] یعنی ان سب کو اپنا غلام اور اپنی کنیز بناؤ ۱۲۔ [۲] کما قال تعالیٰ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا ۱۲۔

اسی کو اصطلاح میں حال کہتے ہیں جس کو اللہ اور اس کے رسول نے پسند فرمایا حق جل شانہ نے ابولبابہ کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِکُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ الی اٰخر الآیات[1] اور ان کی توبہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِھِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَیِّئًا عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْھِمْ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ابولبابہ بیس دن تک مسجد کے ستون سے بندھے رہے جب آیت نازل ہوئی تو خود نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم مسجد میں تشریف لے گئے اور ابولبابہ کو بشارت سنائی اور خود دستِ مبارک سے ان کو کھولا۔

معلوم ہوا کہ جوشِ محبت میں اس قسم کے احوال اور کیفیات کا طاری ہونا عند اللہ اور عند الرسول مستحسن اور پسندیدہ ہے اس کا انکار کسی طرح مناسب نہیں ایسی کیفیات اور حالات کا طاری ہونا عقلاً عشق اور محبت کے لوازم میں سے ہے جو لوگ حضرات صوفیہ کرام کے حال اور وجد کے منکر ہیں گمان ایسا ہوتا ہے کہ ان کا دل جوشِ محبت سے خالی ہے، جب آدمی کو جوش آتا ہے تو اپنا ہوش نہیں رہتا ہانڈی کے نیچے جب آگ زیادہ ہوگی تو اُبال کا آنا لازمی امر ہے بہرحال وجد اور حال کا انکار ناممکن اور محال ہوتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت کے بارے میں جب آیاتِ قرآنی کا نزول ہوا تو صدیق اکبر نے عائشہ صدیقہ سے کہا کہ اے بیٹی اٹھ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شکریہ ادا کر۔ عائشہ صدیقہ نے کہا

انا لا اشکر الا ربی — میں تو سوائے خدا کے کسی کا شکر نہ کروں گی

یہ بھی شکر اور وجد کی ایک کیفیت تھی کہ خداوند ذوالجلال کے اس بے مثال انعام کو دیکھ کر ایسا سرور طاری ہوا کہ اس نے اس درجہ مخمور بنا دیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شکریہ سے بھی انکار کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر انکار نہیں فرمایا معلوم ہوا کہ صاحب حال معذور ہے ورنہ درحقیقت یہ سب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کی برکت تھی نزول براءت کی وجہ سے عائشہ صدیقہ پر

[1] سورۂ انفال، آیت: ۱۵۲

ایک سُکر کی کیفیت طاری ہوگئی اس حالت میں یہ کلمات زبان سے نکل گئے۔ (ہذا توضیح ما افادہ الشیخ عبدالحق المحدث الدھلوی فی مدارج النبوۃ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت زینب سے نکاح

اسی سال یعنی ۵ھ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش سے نکاح فرمایا۔

قال قتادة والواقدی وبعض اھل المدینة تزوجھا علیه السّلام سنة خمس زاد بعضھم فی ذی القعدة قال الحافظ البیھقی تزوجھا بعد بنی قریظة وقال خلیفة بن خیاط وابو عبیدة ومعمر بن المثنی وابن مندة تزوجھا سنة ثلاث والاول اشھر وھو الذی سلکه ابن جریر وغیر واحد من اھل التاریخ البدایة والنھایة ص۱۴۵ ج۴

قتادہ اور واقدی اور بعض علماء مدینہ کا قول یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب سے ۵ھ میں نکاح کیا اور بعض نے اس پر یہ اضافہ کیا کہ ماہ ذی قعدہ میں کیا اور امام بیہقی فرماتے ہیں کہ حضرت زینب سے نکاح بعد غزوۂ بنی قریظہ کے کیا اور خلیفہ بن خیاط اور ابو عبیدہ اور معمر اور ابن مندہ یہ کہتے ہیں کہ ۳ھ میں نکاح کیا اور پہلا قول یعنی ۵ھ میں نکاح کا ہونا یہی زیادہ مشہور ہے اور اسی کو ابن جریر اور بہت سے مؤرخین نے اختیار کیا ہے۔

حضرت زینب کے نکاح کا مفصل قصہ ان شاء اللہ تعالیٰ ازواج مطہرات کے بیان میں آئے گا۔

نزول حجاب

اور حضرت زینب ہی کے ولیمہ میں آیت حجاب نازل ہوئی یعنی یہ آیت کریمہ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ۔ یہ سورۂ احزاب کی آیت ہے اس

آیت کو آیتِ حجاب کہتے ہیں کہ عورت ایسے شخص کے سامنے نہ آئے کہ جس سے اس کا نکاح جائز ہو اور سورۂ نور میں جو آیتیں نازل ہوئیں یعنی قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا الی قولہ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ۔ یہ آیتیں دربارۂ سترِ عورت نازل ہوئیں یہ آیاتِ ستر کہلاتی یعنی بدن کے کتنے حصہ کو ہر وقت مستور اور پوشیدہ رکھنا ضروری ہے اور بدن کے کتنے حصہ کا کھلا رکھنا جائز ہے مثلاً گھر میں چہرہ اور ہتھیلیوں کا ڈھکنا واجب نہیں ان اعضاء کو اگر ہر وقت گھر میں بھی مستور رکھنا واجب اور فرض ہو تو دشواری ہو جائے اس کا یہ مطلب نہیں کہ جس کے سامنے چاہے کھول لیا کرے۔ اگر چہرہ کھولنے کی سب کے سامنے اجازت ہو تو پھر حجاب اور پردہ کے حکم نازل کرنے سے کیا فائدہ ہوا۔ اس کی تفصیل بھی ان شاء اللہ حضرت زینب ہی کے قصہ میں آئے گی۔

سنہ ۶ھ

سریہ محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ بسوئے قرطاء[1]

۱۰ محرم الحرام سنہ ۶ھ

۱۰ محرم الحرام سنہ ۶ھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس سواروں کو محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں قرطاء کی جانب روانہ فرمایا۔ جاکر ان پر چھاپہ مارا۔ دس آدمی قتل ہوئے باقی بھاگ گئے۔ ڈیڑھ سو اونٹ اور تین ہزار بکریاں غنیمت میں ہاتھ آئیں۔ سب کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے انیس ۱۹ دن کے بعد ۲۹ محرم کو یہ لوگ مدینہ پہنچے خمس نکال کر مالِ غنیمت آپ نے غانمین پر تقسیم فرمایا تقسیم غنائم میں ایک اونٹ کو دس بکریوں کے معادل قرار دیا[2]

صحیح بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ لوگ سردار بنی حنیفہ ثمامہ بن اثال

---

[1] قرطاء۔ قبیلۂ بنی بکر کی ایک شاخ ہے، مدینہ منورہ سے سات دن کے راستہ پر ہے مقام ضربہ میں بستے تھے۔ ۱۲ زرقانی ج ۲ صفحہ ۱۴۲

[2] طبقات ابن سعد۔ ج ۲۔ ص: ۵۶

کو گرفتار کر کے آپ کی خدمت میں لائے آپ نے اُن کو مسجد کے ایک ستون سے باندھنے کا حکم دیا۔ (تاکہ مسلمانوں کی نماز اور بارگاہ خداوندی میں عجز و نیاز کا نظارہ کریں جن کے دیکھنے سے خدا یاد آتا تھا اور ان کے عمل کو دیکھ کر آخرت کی رغبت پیدا ہوتی تھی۔ اُن کے انوار و برکات اندر ہی اندر دلوں کی ظلمتوں اور تاریکیوں کو صاف کرتے تھے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کے پاس سے گزرے تو فرمایا اے ثمامہ میری نسبت تمہارا کیا گمان ہے ثمامہ نے کہا میرا گمان آپ کے ساتھ اچھا ہے۔

ان تقتل تقتل ذا دم وان تنعم تنعم علی شاکر وان کنت تریدالمال فسل منہ ما شئت ۔ اگر آپ قتل کریں تو ایک خونی کو قتل کریں گے جو قتل کا مستحق ہے اور اگر انعام و احسان فرمائیں تو ایک شکر گزار پر انعام و احسان ہوگا اور اگر مال مطلوب ہے تو جتنا چاہیں عطا کروں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سن کر خاموش گزر گئے دوسرے روز پھر ادھر سے گزرے اور ثمامہ سے دریافت فرمایا اے ثمامہ میری نسبت تمہارا کیا گمان ہے۔ ثمامہ نے آپ کا تلطف محسوس کر کے پہلا اور تیسرا جملہ حذف کر دیا اور صرف اس قدر کہا۔

ان تنعم تنعم علی شاکر ۔ اگر احسان فرمائیں تو ایک شکر گزار پر احسان ہوگا۔

آپ سن کر پھر خاموش گزر گئے۔ تیسرے روز پھر اس طرف سے گزرے اور وہی سوال فرمایا ثمامہ نے کہا میرا گمان وہی ہے جو میں کل عرض کر چکا ہوں۔

آج ثمامہ نے ان تنعم تنعم علی شاکر کو بھی حذف کر دیا اور اپنا معاملہ آپ کے خُلُق جمیل اور عفو و کرم پر چھوڑ دیا، آپ نے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا ثمامہ کو کھول دو۔ ابن اسحق کی روایت میں ہے کہ خود ثمامہ سے آپ نے یہ فرمایا۔

قد عفوت عنک یا ثمامۃ واعتقتک ۔ اے ثمامہ میں نے تجھ کو معاف کیا اور آزاد کیا۔

ثمامہ رہا ہوتے ہی مسجد کے قریب کے ایک نخلستان تھا وہاں جا کر غسل کیا اور پھر مسجد میں آئے

اور کہا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

اور آپ سے مخاطب ہو کر کہا اے محمد اس سے پیشتر آپ کے چہرہ سے زیادہ کوئی چہرہ مجھکو دنیا میں مبغوض نہ تھا اور آج آپ کے چہرہ سے زیادہ روئے زمین پر کوئی چہرہ مجھکو محبوب اور پیارا نہیں اور اس سے پہلے آپ کے دین سے زیادہ کوئی دین مجھکو مبغوض نہ تھا اور آج سب سے زیادہ آپ ہی کا دین مجھ کو محبوب ہے اور آپ کے شہر سے زیادہ کوئی شہر مبغوض نہ تھا اور آج آپ کے شہر سے زیادہ مجھ کو کوئی شہر محبوب نہیں۔ میں عمرہ کے ارادہ سے جارہا تھا کہ آپ کے سوار مجھکو گرفتار کر لائے اب جو ارشاد ہو۔ آپ نے ان کو عمرہ کرنے کا حکم دیا اور بشارت دی۔ (یعنی تم صحیح اور سلامت رہوگے کوئی تم کو ضرر نہیں پہنچا سکے گا)

ثمامہؓ جب مکہ آئے تو کسی کافر نے کہا کہ ثمامہ تو بے دین ہو گیا۔ ثمامہ نے کہا۔ ہرگز نہیں میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمان ہو گیا ہوں یعنی میں بے دین نہیں ہو گیا اس لئے کہ کفر اور شرک کوئی دین نہیں بلکہ لغو اور بیہودہ خیال ہے۔ بلکہ میں تو اللہ کا مطیع اور فرمانبردار بندہ ہو گیا ہوں اور اپنے آپ کو اسی کے حوالہ اور سپرد کر دیا ہے۔ خدا کی قسم میں کبھی تمہارے مذہب کی طرف رجوع نہ کروں گا اور خوب سمجھ لو کہ یمامہ سے جو غلہ تمہارے پاس آتا ہے اب ایک دانہ بھی تمہارے پاس نہ آئے گا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیں ثمامہ نے یمامہ پہنچ کر غلہ کا آنا بند کر دیا تو قریش نے مجبور ہو کر آپ کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ آپ تو صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔ ہم آپ کے رشتہ دار ہیں آپ ثمامہ کو لکھ بھیجیں کہ غلہ بھیجنا بدستور جاری کر دیں۔ آپ نے ثمامہ کو خط لکھوا کر روانہ فرمایا کہ غلہ نہ روکیں (بخاری شریف وفتح الباری ص ۹۸ ج ۸ باب وفد بنی حنیفہ)

مسئلہ: جو شخص اسلام میں داخل ہو اس کے لئے غسل مستحب ہے۔ کذا فی فتح القدیر

ثمامہ بن اُثال رضی اللہ تعالیٰ عنہ فضلاء صحابہ میں سے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب اہل یمامہ مرتد ہوئے اور مسیلمہ کذاب کے ساتھ ہو گئے تو حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ نے یہ آیتیں لوگوں کے سامنے تلاوت فرمائیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ حٰمٓ	یہ کتاب اتاری گئی ہے اُس اللہ کی جانب سے جو غالب ہے
تَنْزِیْلُ الْکِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ	اور دانا ہے اور گناہوں کا بخشنے والا اور توبہ کا
الْعَلِیْمِ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ	قبول کرنے والا اور مجرموں کو سخت سزا دینے
شَدِیْدِ الْعِقَابِ ذِی الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ	والا اور دوستوں کو بڑا انعام دینے والا ہے اس کے
اِلَّا هُوَ اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ ○[1]	سوا کوئی معبود نہیں اسی کی طرف لوٹ کر سب کو جانا ہے۔

اور بعد ازاں لوگوں سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا بھلا انصاف تو کرو کہ اس کلام معجز نظام کو مسیلمہ کذاب کے ہذیان سے کیا نسبت۔

حضرت ثمامہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی حقانیت اور اخلاص میں ڈوبے ہوئے یہ کلمات اثر کر گئے تین ہزار آدمی مسیلمہ کذاب کا ساتھ چھوڑ کر آغوش اسلام میں آگئے۔ (زرقانی ص۱۴۴ ج۴)

ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ جب اہل یمامہ مرتد ہوئے تو حضرت ثمامہؓ نے لوگوں کو مسیلمہ کذاب کے اتباع سے روکا اور یہ فرمایا:

ایاکم وامرا مظلما لا نور فیہ	اے لوگو تم اپنے کو اس تاریک امر سے بچاؤ جس میں
وانہ لشقاء کتبہ اللہ عزوجل علی	کہیں نور کا نام و نشان نہیں البتہ تحقیق یہ شقاوت
من اخذ بہ منکم وبلاء علی من	اور بدبختی ہے جس کو اللہ عزوجل نے ان لوگوں کے
لم یاخذ منکم یا بنی حنیفۃ	حق میں لکھ دیا ہے جنھوں نے اس کو قبول کیا اور

ابتدا اور امتحان ہے ان لوگوں کے حق میں جنھوں نے اسے اختیار نہیں کیا اے بنی حنیفہ اس نصیحت کو خوب سمجھ لو۔

لیکن حضرت ثمامہ نے جب یہ دیکھا کہ نصیحت کارگر نہیں ہوتی اور لوگ کثرت سے اُس کے متبع ہو گئے۔ تو جو مسلمان ان کے ساتھ تھے اُن سے فرمایا خدا کی قسم میں اس شہر میں ہرگز نہ رہوں گا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کیا ہے جو میرے ساتھ چلنا چاہے وہ چلے۔ ثمامہؓ مسلمانوں

---

[1] ۔ سورۂ مومن، آیۃ: ۳۔

کے ایک گروہ کے ساتھ وہاں سے روانہ ہوئے اور جاکر علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل گئے اور اس بارے میں حضرت ثمامہ نے کچھ اشعار کہے ؎

دعانا الی ترك الدیانة والهدیٰ   مسیلمة الكذاب اذجاء یسجع

مسیلمہ کذاب نے ہم کو دین اور ہدایت کے چھوڑنے کی طرف ہم کو بلایا جس وقت کہ وہ کاہنوں کے سے بجع کہتا تھا

فیاعجبا من معشرقد تتابعوا   له فی سبیل الغیّ والغیُّ اشنع

تعجب ہے ان لوگوں سے جنھوں نے اس کے اتباع سے گمراہی کا راستہ اختیار کیا حالانکہ گمراہی بہت ہی بُری چیز ہے۔ کذا فی الاستیعاب لابن عبدالبر ترجمہ ثمامہ رضی اللہ عنہ

غزوہ بنی لحیان

ربیع الاول ۶ھ

یکم ربیع الاول ۶ھ کو آپ بنفسِ نفیس عاصم بن ثابت اور اور خبیب بن عدی اور دیگر شہداء رجیع کا بدلہ لینے کے لئے دو سو سواروں کو ہمراہ لے کر روانہ ہوئے۔ بنو لحیان آپ کی خبر پاتے ہی بھاگ کر پہاڑوں میں جا چھپے ایک دو روز یہاں قیام فرمایا اور اطراف و جوانب میں چھوٹی چھوٹی مہیں روانہ کیں۔ جن میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی دس سوار دے کر روانہ فرمایا۔ بلا جدال و قتال آپ واپس ہوئے اور زبان مبارک پر یہ کلمات تھے۔ آئبون تائبون عابدون لربنا حامدون اعوذ باللہ من وعثاء السفر وکآبة المنقلب وسوء المنظر فی الاهل والمال۔ طبقات ابن سعد صفحہ ۵۶ ج ۲ زرقانی صفحہ ۱۴۷ ج ۲۔

غزوہ ذی قَرَد

ربیع الاول ۶ھ

(حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کیجئے)

ذی قَرَد ایک چشمہ کا نام ہے جو بلادِ غطفان کے قریب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی اونٹنیوں کی چراگاہ تھی۔ عیینہ بن حصن فزاری نے چالیس سواروں کی ہمراہی میں اس چراگاہ پر چھاپہ مارا اور آپ کی اونٹنیاں پکڑ کر لے گیا۔ ابوذر رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے کو جو اونٹنیوں کی حفاظت پر متعین تھے ان کو قتل کر ڈالا اور ابوذر رضی اللہ عنہ کی بیوی کو پکڑ کر لے گئے۔

سلمۃ بن اکوع اطلاع ملتے ہی ان کے تعاقب میں روانہ ہوئے اور ایک ٹیلہ پر کھڑے ہو کر یا صباحاہ کے تین نعرے لگائے جس سے تمام مدینہ گونج اٹھا سلمۃ بن اکوع بڑے تیر انداز تھے، دوڑ کر ان کو پانی کے ایک چشمہ پر جا پکڑا۔ ان پر تیر برساتے جاتے تھے اور یہ شعر پڑھتے جاتے تھے۔

انا ابن الاکوع　　والیوم یوم الرضع

میں اکوع کا بیٹا ہوں، اور آج کے دن معلوم ہو جائے گا کہ کس نے شریف عورت کا دودھ پیا ہے اور کون کمینہ ہے۔

یہاں تک تمام اونٹنیاں اُن سے چھڑا لیں اور تیس یمنی چادریں اُن سے الگ چھینیں۔

ان کے جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانسو یا سات سو آدمی لے کر روانہ ہوئے اور تیزی سے مسافت طے کر کے وہاں پہنچے اور آپ اپنے روانہ ہونے سے پہلے بھی چند سوار روانہ فرما چکے تھے، ان لوگوں نے پہلے پہنچ کر اُن کا مقابلہ کیا۔ دو آدمی مشرکین میں کے مارے گئے ایک مسعدۃ بن حکمہ جس کو ابو قتادہ نے قتل کیا اور دوسرا ابان بن عمر کو جس کو عکاشہ بن محصن نے قتل کیا اور مسلمانوں میں سے محرز بن نضلہ رضی اللہ عنہ جن کا لقب اخرم[1] ہے۔ عبدالرحمٰن بن عیینہ کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔

---

[1] یہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا ہے۔ اس غزوہ کی تاریخ میں اختلاف ہے، ابن سعد کہتے ہیں کہ یہ غزوہ ربیع الاول ۶ھ میں ہوا، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ۷ھ میں غزوہ خیبر سے تین روز پہلے ہوا مگر تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ یہ غزوہ ۶ھ حدیبیہ سے پہلے ہے۔ تفصیل کیلئے فتح الباری ص ۴۲۶ ج ۷ کی مراجعت کریں۔ (حاشیہ صفحہ ہذا) [1] سلمۃ بن اکوع کہتے ہیں کہ سب سے آگے اخرم تھے اور ان کے پیچھے ابو قتادہ تھے میں نے اخرم کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور کہا کہ تنہا نہ جاؤ۔ کہیں تم کو ہلاک نہ کر ڈالیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا انتظار کرو۔ اخرم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، اے سلمہ اگر تو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور جنت اور جہنم کو حق سمجھتا ہے تو میرے اور شہادت کے مابین حائل نہ ہو۔ سلمہ نے گھوڑے کی لگام چھوڑ دی، اخرم آگے بڑھے اور مقابلہ کیا۔ عبدالرحمٰن بن عیینہ کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ بعد ازاں ابو قتادہ نے آگے بڑھ کر عبدالرحمٰن کے ایک نیزہ مارا جس نے اس کا کام تمام کیا۔ (اصابہ ص ۳۶۰ ج ۳۔ ترجمہ محرز بن نضلہ رض، طبقات ابن سعد ص ۵۹ ج ۲۔)

سلمۃ بن اکوع نے آپ کی خدمت میں آکر عرض کیا یا رسول اللہ میں ان کو فلاں جگہ پیاسا چھوڑ آیا ہوں، اگر سو آدمی مجھکو مل جائیں تو سب کو گرفتار کر لاؤں آپ نے فرمایا:

یا ابن الاکوع ملکت فاسجح اے ابن اکوع جب تو قابو پائے تو نرمی کر[۱]

مشرکین شکست کھاکر بھاگ گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شبانہ روز وہیں مقیم رہے اور صلوٰۃ الخوف پڑھی اور پانچ دن کے بعد مدینہ واپس ہوئے۔ زرقانی ص ۱۵۳ ج ۲

سریہ عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ لبسوئے غمر[۲]

اسی ماہ ربیع الاول میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عکاشہ بن محصن کو چالیس آدمیوں کے ہمراہ غمر کی جانب روانہ کیا لیکن وہ لوگ خبر پاتے ہی بھاگ گئے جب وہاں کوئی نہ ملا تو شجاع بن وہب کو ادھر اُدھر تلاش میں روانہ کیا تو ان سے ان کو ان کے مویشیوں کا کچھ پتہ نہ چلا انھیں میں کا ایک شخص ان کے ہاتھ لگ گیا، اُس کو پکڑ لائے اور اس سے پتہ دریافت کیا، وہاں پہنچ کر چھاپہ مارا دو سو اونٹ غنیمت میں ملے۔ (طبقات ابن سعد ص ۶۱ ج ۲)

سریہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لبسوئے ذی القصہ[۳]

ربیع الآخر ۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد بن مسلمہ کو دس آدمیوں کے ساتھ ذی القصہ کی طرف بنی ثعلبہ اور بنی عوال کے مقابلہ میں روانہ فرمایا۔ رات کو پہنچے اور پہنچ کر سو گئے۔ غنیم پہاڑوں میں چھپ گیا۔ جب یہ سو گئے تو سو آدمیوں نے آکر شب خون مارا اور سب کو شہید کر ڈالا۔ محمد بن مسلمہ زخمی ہوئے ان کو مردہ سمجھ کر چھوڑ کر چلے گئے، ایک مسلمان ادھر سے گزرا اور محمد بن مسلمہ کی لاش کو اٹھا کر مدینہ لایا۔

---

[۱]۔ فتح الباری، ج ۷، ص ۳۵۳ ۱۲ [۲]۔ غمر ایک چشمہ کا نام ہے۔ ۱۲

[۳]۔ ذی القصہ ایک موضع کا نام ہے جو مدینہ سے چوبیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ ۱۲ زرقانی

سریہ ابو عبیدۃ بن الجراح سوئے ذی القصّہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا انتقام لینے کے لئے ابو عبیدہ کو چالیس آدمیوں کے ہمراہ ذی القصّہ کی طرف روانہ فرمایا پہنچ کران پر حملہ کیا، شکست کھاکر بھاگ گئے ابو عبیدہ ان کے مویشی پکڑ لائے اور مدینہ واپس ہوئے اس کو سریہ ذی القصّہ ثانی کہتے ہیں۔

سریۂ جُمُوم

ربیع الآخر ۶ ھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ کو جموم کی جانب جو مدینہ سے چار میل کے فاصلہ پر ہے، بنی سلیم کے مقابلہ میں روانہ فرمایا، وہاں پہنچ کر ایک عورت مل گئی جس نے ان کا پتہ دیا۔ کچھ قیدی اور کچھ اونٹ اور کچھ بکریاں وہاں سے لے کر دو دن کے بعد واپس ہوئے[1]

سریۂ عیص

جمادی الاولیٰ ۶ ھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ قریش کا ایک کارواں تجارت شام سے واپس آرہا ہے اس اطلاع کے ملنے پر آپ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ایک سو ستر سواروں کے ہمراہ مقام عیص کی طرف روانہ فرمایا۔

یہ مقام مدینہ سے چار دن کے راستہ پر ہے، ساحل کے قریب واقع ہے۔ یہاں سے قریش کے تجارتی قافلے گزرتے ہیں۔

مسلمانوں نے پہنچ کر سب قافلہ والوں کو گرفتار کر لیا اور ان کے تمام مال و متاع پر قبضہ کر لیا سب کو لے کر مدینہ حاضر ہوئے، قیدیوں میں آپ کے داماد ابو العاص بن ربیع بھی تھے، آپ کی صاحبزادی

---

[1] - طبقات ابن سعد، ج ۲، ص: ۶۲ - ۶۳ زرقانی ج ۲، ص: ۱۵۵

حضرت زینب نے ان کو پناہ دی اور آپ نے بھی ان کو پناہ دی ان کا مال واسباب واپس کیا۔[1]
حضرت ابوالعاص کی واپسی اور ان کے اسلام کا مفصل قصہ غزوۂ بدر کے بیان میں گزر چکا ہے۔

سریہ طَرَف

(جمادی الاُخریٰ)

طَرَف ایک چشمہ کا نام ہے، مدینہ سے چھتیس میل کے فاصلہ پر ہے، زید بن حارثہ کو پندرہ آدمیوں کے ساتھ بنی ثعلبہ کی سرکوبی کے لیے اس چشمہ کی طرف روانہ فرمایا۔ غنیم بھاگ گیا اور زید بن حارثہ کچھ اونٹ اور بکریاں لے کر مدینہ واپس ہوئے۔[2]

سریہ حِسمیٰ

(جمادی الآخریٰ ۶ھ)

دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ، حضور کا والانامہ لے کر قیصرِ روم کے پاس گئے تھے وہاں سے واپس آرہے تھے قیصر کے دیے ہوئے ہدایات اور تحائف آپ کے ہمراہ تھے جب حسمیٰ کے قریب پہنچے تو ہُنَید جُذامی نے قبیلۂ جذام کے چند آدمیوں کو لے کر ڈاکہ مارا صرف ایک پرانی اور بوسیدہ چادر چھوڑ دی باقی کپڑے اور سامان سب چھین لیا۔ رفاعۃ بن زید جُذامی (جو مشرف باسلام ہو چکے تھے) جب ان کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ چند مسلمانوں کو اپنے ہمراہ لے کر پہنچا اور ہُنَید سے وہ تمام سامان چھین کر حضرت دحیہ کو واپس دلایا، وحیہ مدینہ پہنچے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطلاع کی۔ آپ نے پانسو صحابہ کو زید بن حارثہ کی سرکردگی میں حسمیٰ کی طرف روانہ کیا، یہ لوگ رات کو چلتے اور دن کو چھپ جاتے، صبح کو پہنچتے ہی ایک دم ان پر چھاپہ مارا، ہنید اور اس کے بیٹے کو قتل کیا۔ سو عورتیں اور بچے گرفتار ہوئے۔ ایک ہزار اونٹ اور پانچ

[1-2] ۔ طبقات ابن سعد ج ۲، ص: ۶۲، ۶۳ [3] ۔ حسمیٰ ۔ وادی القریٰ کے قریب موضع ہے جہاں قبیلۂ جذام آباد تھے ابن سعد اور ابن سیدالناس کہتے ہیں کہ یہ سریہ جمادی الاخریٰ ۶ھ میں روانہ کیا گیا اور حافظ ابن قیم کہتے ہیں کہ یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے بعد کا ہے اس لئے کہ حدیبیہ سے واپسی ہی کے بعد دحیہ کلبی کو قیصر روم کے پاس والانامہ دے کر روانہ فرمایا ہے ۔ زرقانی ص ۱۵۸ ج ۲۔

ہزار بکریاں ہاتھ لگیں، چونکہ اُنہی کے ساتھ رفاعہ بن زید کے لوگ بھی رہتے تھے جو مسلمان تھے غلطی سے ان کے بچے اور عورتیں گرفتار ہو گئے، رفاعہ بن زید آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے حضرت علی کو ان کے ہمراہ روانہ کیا کہ زید کو حکم دیں کہ تمام قیدی چھوڑ دیئے جائیں اور سب مال واپس کر دیا جائے، حتیٰ کہ نمدہ اور کجاوہ واپس دے دیا جائے۔[۱]

سریۂ وادی القریٰ[۲] (رجب ۶ھ)

ماہ رجب میں زید بن حارثہ کو بنی فزارہ کی سرکوبی کے لئے وادی القریٰ کی جانب روانہ فرمایا، چند مسلمان شہید ہوئے اور زید بن حارثہ زخمی ہوئے۔

سریۂ دومۃ الجندل (شعبان ۶ھ)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے۔ ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ اور علیؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ اور معاذ بن جبلؓ اور حذیفہ بن الیمانؓ اور ابوسعید خدریؓ اور دس آدمی سب آپ کی بارگاہ میں حاضر تھے کہ ایک نوجوان انصاری حاضرِ خدمت ہوا۔ اور سلام کر کے بیٹھ گیا اور عرض کیا

یا رسول اللہ ای المؤمنین افضل — کہ یا رسول اللہ سب سے بہتر کونسا مسلمان ہے۔

آپ نے فرمایا۔

احسنهم اخلاقا — جس کے اخلاق سب سے بہتر ہوں

بعد ازاں اُس نے سوال یہ کیا۔

فای المؤمنین اکیس — کون مسلمان سب سے زیادہ ہوشیار اور سمجھدار ہے۔

---

[۱]۔ ابن سعد، ج: ۲، ص: ۶۳ ۔ زرقانی ج ۲: ص: ۱۵۸

[۲] وادی القریٰ ایک موضع مدینہ منورہ سے قریب، شام کے راستہ میں پڑتا ہے۔ ۱۲ زرقانی

آپ نے فرمایا:

اکثرھم للموت ذکرا واکثرھم استعدادا لہ قبل نزولہ اولٰئک ھم الاکیاس۔

جو سب سے زیادہ موت کو یاد کرنے اور کہنے والا اور موت آنے سے پہلے سب سے زیادہ موت کی تیاری کرنے والا ایسے ہی لوگ سمجھدار اور ہوشیار ہیں۔

انصاری نوجوان تو ساکت ہوگیا اور آپ مجلس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا پانچ خصلتیں نہایت خطرناک ہیں اللہ تعالیٰ تم کو اُن سے پناہ دے اور ان کے دیکھنے سے محفوظ رکھے۔

(۱)۔ جس قوم میں بے حیائی کھلم کھلا پھیل جائے تو اس قوم میں طاعون اور وہ بیماریاں پھیلتی ہیں کہ جو پہلے کبھی ظاہر نہ ہوئی تھیں۔

(۲)۔ جو قوم ناپ اور تول میں کمی کرتی ہے وہ قحط سالی اور مشقتوں میں مبتلا ہوتی ہے اور ظالم بادشاہ ان پر مسلط کر دیا جاتا ہے۔

(۳)۔ جو قوم اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں نکالتی ان سے بارش روک لی جاتی ہے، اگر جانور نہ ہوتے تو بالکل بارش سے محروم کر دئے جاتے۔

(۴)۔ اور جو قوم اللہ عزوجل اور اس کے رسول کا عہد توڑتی ہے تو اللہ تعالیٰ اجنبی دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیتا ہے اور وہ غیر قوم کے لوگ ان کے ہاتھ میں جو کچھ ہوتا ہے وہ سب لے لیتے ہیں۔

(۵)۔ اور جب پیشوا اور حکام کتاب اللہ کے خلاف فیصلہ کرنے لگیں اور متکبر اور سرکش ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ آپس میں پھوٹ ڈال دیتے ہیں۔

بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن عوف کو حکم دیا کہ میں آج یا کل تم کو ایک مہم پر بھیجنے والا ہوں تیار ہو جاؤ، اگلے روز جب نماز سے فارغ ہوئے تو عبدالرحمٰن بن عوف کو بلایا اور اپنے سامنے بٹھلایا اور دست مبارک سے ایک سیاہ عمامہ ان کے سر پر باندھا اور چار انگشت کا شملہ پیچھے چھوڑا اور فرمایا اے ابن عوف اسی طرح عمامہ باندھا کرو، اس طرح بہت بھلا معلوم ہوتا ہے۔ بعد ازاں حضرت بلال کو حکم دیا کہ ایک جھنڈا لا کر عبدالرحمٰن بن عوف کو دیں اور پھر آپ نے اللہ عزوجل

کی حمد و ثنا کی اور اپنے اوپر درود پڑھا اور عبدالرحمٰن بن عوف سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ جھنڈا لے کر اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے جاؤ۔ جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ کفر کیا ان سے قتال کرو۔ خیانت اور غدر نہ کرنا کسی کے ناک اور کان نہ کاٹنا کسی بچہ کو نہ قتل کرنا۔ یہ اللہ کا عہد ہے اور اس کے نبی کی سنت ہے۔

سات سو آدمیوں کے ساتھ دومۃ الجندل کی طرف جانے کا حکم دیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ اگر وہ تمہاری دعوت کو قبول کریں اور اسلام لے آئیں تو وہاں کے رئیس کی بیٹی سے نکاح کرنے میں تامل نہ کرنا۔

عبدالرحمٰن بن عوف روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ تین روز تک برابر ان کو اسلام کو دعوت دیتے رہے تیسرے روز دومۃ الجندل کے رئیس اصبغ بن عمر نے اسلام قبول کیا۔ جو کہ مذہباً عیسائی تھا۔ اور اس کے ساتھ اور بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا اور آپ کی پیشین گوئی کے مطابق۔ عبدالرحمٰن بن عوف کا نکاح وہاں کے رئیس اصبغ کی بیٹی تُماضِر سے ہوا عبدالرحمٰن اس کو اپنے ساتھ مدینہ لے آئے ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن جو کبار تابعین اور جلیل القدر حفاظ میں سے ہیں، وہ ان کے بطن سے پیدا ہوئے [1]

سریہ فدک (شعبان ۶ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی کہ بنی سعد بن بکر نے یہود خیبر کی امداد کے لئے فدک کے قریب لشکر جمع کیا ہے۔ آپ نے حضرت علیؓ کو سو آدمیوں کے ہمراہ فدک کی طرف روانہ فرمایا۔ راستہ میں ان کو ایک شخص ملا۔ ڈرانے اور دھمکانے سے معلوم ہوا کہ بنی سعد کا جاسوس ہے، امن دے کر اس سے پتہ دریافت کیا۔ اس نے ان کا ٹھیک ٹھیک پتہ بتلایا اسی کے مطابق پہنچ کر ان پر حملہ کیا۔ بنو سعد تو بھاگ گئے اور مسلمان پانسو اونٹ اور دو ہزار بکریاں لے کر واپس ہوئے۔ [1]

---

[1] زرقانی، ج ۲، ص: ۶۳ ــــ طبقات ابن سعد ج: ۲: ص: ۱۵

سریہ اُمّ قِرفہ (رمضان المبارک ۶ھ)

ام قرفہ ایک عورت کی کنیت ہے جس کا نام فاطمہ بنت ربیعہ تھا، یہ عورت قبیلۂ بنی فزارہ کی سردار تھی زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مال تجارت لے کر شام کو جاتے ہوئے یہاں سے گزرے، بنی فزارہ کے لوگوں نے ان کو مار کر زخمی کیا۔ اور تمام سامان چھین لیا۔ زید مدینہ واپس آ گئے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سرکوبی کے لئے ایک لشکر زید کی سرکردگی میں روانہ کیا جو کامیابی کے ساتھ واپس آیا۔ [1]

سریۂ عبداللہ بن عتیک برائے قتل ابی رافع بن حقیق یہودی

ابو رافع یہودی کے قتل کا مفصل واقعہ ۳ھ کے واقعات میں ذکر ہو چکا ہے۔ ہمارا مقصد اس وقت صرف یہ بتلانا ہے کہ بعض علماء کے نزدیک ابو رافع کے قتل کا واقعہ ۳ھ میں پیش آیا اور بعض کے نزدیک ۴ھ میں پیش آیا اور بعض کے نزدیک ۶ھ میں۔ تفصیل کیلئے زرقانی کی مراجعت کریں۔ [2]

سریۂ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (شوال ۶ھ)

ابو رافع کے قتل ہو جانے کے بعد یہود نے اُسیر بن رِزام کو اپنا امیر اور سردار بنا لیا، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کے لئے تیاریاں شروع کیں اور قبیلۂ غطفان اور دیگر قبائل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لئے آمادہ کیا۔ آپ کو جب اس کا علم ہوا تو عبداللہ بن رواحہ کو تین آدمیوں کے ساتھ تحقیق حال کے لئے روانہ فرمایا۔ عبداللہ بن رواحہ نے آکر خبر دی کہ واقعہ صحیح ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس آدمیوں کو عبداللہ بن رواحہ کے ساتھ روانہ فرمایا کہ ان کو بلا کر لائیں تاکہ ان سے زبانی گفتگو کریں۔

---

[1] زرقانی، ج ۲، ص: ۱۶۴ [2] ایضاً ،، ۱۶۵

اسیر بن رزام نے بھی تیس آدمی ہمراہ لیے اور روانہ ہوا ایک ایک اونٹ پر دو دو آدمی تھے ایک یہودی اور ایک مسلمان راستہ میں آکر ان لوگوں کی نیت بدلی۔ اُسیر بن اور عبداللہ بن اُنیس بن ایک اونٹ پر تھے، اُسیر نے دو مرتبہ ان پر تلوار چلانی چاہی۔ مگر عبداللہ بن انیس متنبہ ہو گئے دو مرتبہ درگزر فرمایا۔ اُسیر نے جب تیسری بار یہ حرکت کی تو طرفین سے جنگ چھڑ گئی۔ تمام یہودی قتل کر دیئے گئے۔ ان میں کا صرف ایک آدمی بچا جو بھاگ گیا تھا۔ مسلمانوں میں سے بحمد اللہ کوئی قتل نہیں ہوا۔ صرف عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے زخم آیا۔ جب یہ لوگ مدینہ واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قد نجاکم اللہ من القوم الظالمین — اللہ تعالیٰ نے تم کو ظالموں سے نجات دی۔

اور عبداللہ بن انیس کے زخم پر لعاب مبارک لگا دیا۔ فوراً اچھا ہو گیا اور چہرہ پر ہاتھ پھیرا اور دعا فرمائی۔

سریۂ کرز بن جابر فہری رضی اللہ عنہ سوئے عُرَنیین (شوال ۶ھ)

قبیلۂ عُکل اور عُرینہ کے چند لوگ مدینہ میں آئے اور اسلام ظاہر کیا۔ چند روز کے بعد آپ سے یہ عرض کیا کہ ہم اہل مویشی ہیں اب تک دودھ پر ہمارا گزارا رہا ہے غلہ کے ہم عادی نہیں مدینہ کی آب ہوا ہم کو موافق نہیں اس لئے اگر ہم کو شہر سے باہر صدقات کے اونٹوں میں رہنے اور ان کے دودھ پینے کی اجازت دے دیں تو بہتر ہے۔

آپ نے ان کی درخواست منظور فرمائی اور شہر سے باہر چراگاہ میں صدقات کے اونٹ رہتے تھے۔ وہاں رہنے اور ان کا دودھ پینے کی اجازت دے دی چند روز میں یہ لوگ تندرست اور بڑے قوی اور توانا ہو گئے۔ اس وقت یہ شرارت سوجھی کہ اسلام سے مرتد ہوئے اور آپ کے چرواہے کو قتل اور اُس کے ہاتھ اور پیر ناک اور کان کاٹے۔ اور آنکھوں میں کانٹے چبھوئے اور اونٹوں کو بھگا کر لے گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شوال ۶ھ میں کرز بن جابر فہری کو تقریباً بیس آدمیوں کے ہمراہ ان کے تعاقب میں روانہ فرمایا۔ سب گرفتار کئے گئے۔ آپ نے ان سے قصاص اور بدلہ لینے کا حکم دیا، اور جس طرح سے ان لوگوں نے چرواہے کو قتل کیا تھا اسی طرح سے وہ قتل کئے گئے لیکن آئندہ کے لئے یہ حکم ہوگیا کہ کوئی مجرم اگرچہ کتنا ہی سخت جرم کیوں نہ کرے ہرگز ایسی سزا نہ دی جائے ابتداءً تو پہلے ہی سے کسی سخت سے سخت دشمن کا مثلہ کرنا ہمیشہ کے لئے حرام ہوگیا لہٰذا اگر کوئی کافر کسی مسلمان کو قتل کر کے مثلہ کرے تو اس کے قصاص میں کافر کو صرف قتل کیا جائے گا مثلہ نہ کیا جائے گا۔[۱]

بعثِ عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ابوسفیان بن حرب نے ایک روز قریش کے بھرے مجمع میں یہ کہا کہ کوئی شخص ایسا نہیں کہ جو جا کر محمد کو قتل کر آئے ان کے ہاں کوئی پہرہ نہیں محمد بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں ایک اعرابی نے کہا کہ میں اس کام میں بڑا ماہر ہوں، اگر تم میری امداد کرو تو میں اس کام کو کر آؤں ابوسفیان نے اس کو ایک اونٹنی دی اور خرچ دیا۔ اور امداد کا وعدہ کیا وہ اعرابی اپنا خنجر لے کر مدینہ روانہ ہوا حضور اس وقت مسجد بنی عبدالاشہل میں تشریف فرما تھے اس اعرابی کو سامنے سے آتے دیکھ کر فرمایا یہ کسی فاسد نیت سے آرہا ہے۔ اُسید بن حضیر اٹھے اور اس اعرابی کو پکڑا۔ جو خنجر کپڑوں میں چھپائے ہوئے تھا وہ ہاتھ سے چھوٹ گیا، آپ نے فرمایا کہ سچ بتلا کس نیت سے آیا ہے۔ اس نے کہا اگر مجھکو امن عطا ہو تو عرض کروں آپ نے فرمایا تجھکو امن دیا۔ اعرابی نے تمام واقعہ بیان کر دیا۔ آپ نے اس کو چھوڑ دیا اور معاف کیا۔ وہ اعرابی یہ معاملہ دیکھکر مسلمان ہوگیا اور یہ کہا۔

یا محمد واللہ ما کنت ما افرق	اے محمد میں کسی سے ڈرنے والا نہ تھا مگر آپ کو
الرجال فما ھو الا ان رأیتک	دیکھتے ہی یہ حالت ہوئی کہ عقل جاتی رہی اور

---

[۱] یہ واقدی اور ابن سعد اور ابن حبان کا قول ہے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ واقعہ حدیبیہ کے بعد اور فتح خیبر سے پہلے ہوا۔ تفصیل کے لئے زرقانی ج۲ کی مراجعت کریں۔ [۲] زرقانی ج ۲، ص ۱۶۹

فذھب عقلی ومنعفت نفسی ثم	دل کمزور پڑ گیا۔ پھر مزید براں یہ کہ آپ میرے
اطلعت علی ما ھممت بہ مما لم	ارادہ پر مطلع ہو گئے جس کا کسی کو علم نہیں۔ پس
یعلم احد فعرفت انک ممنوع	میں نے پہچان لیا کہ آپ مامون اور محفوظ ہیں اور
وانک علی حق وان حزب ابی سفیان	یقیناً آپ حق پر ہیں اور ابوسفیان کا گروہ شیطان
حزب الشیطان فجعل رسول اللّٰہ	کا گروہ ہے۔ آپ یہ سنکر مسکرانے لگے۔

صلی اللّٰہ علیہ وسلم یتبسم

اس کے بعد وہ اعرابی چند روز آپ کی خدمت میں رہا اور پھر آپ سے اجازت لے کر رخصت ہوا پھر اس کا کوئی حال معلوم نہیں ہوا کہ کہاں گیا۔

بعد ازاں آپ نے عمرو بن امیہ ضمری اور سلمۃ بن اسلم انصاری کو مکہ روانہ فرمایا کہ اگر موقعہ پڑے تو ابوسفیان کو قتل کر دیں۔ جب یہ دونوں مکہ میں داخل ہوئے تو یہ ارادہ کیا کہ مسجد حرام میں حاضر ہو کر بیت اللّٰہ کا پہلے طواف کر لیں حرم میں داخل ہونا تھا کہ ابوسفیان نے ان کو دیکھ لیا اور چلا کر کہا کہ دیکھو یہ عمرو بن امیہ ہے ضرور کسی شر کے لئے آیا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں عمرو بن امیہ شیطان کے نام سے مشہور تھا۔ اہلِ مکہ نے اس خیال سے کہ عمرو بن امیہ ہم کو کوئی نقصان نہ پہنچائے اس ڈر سے اس کے لئے کچھ لوگ پیرہ پر جمع کر دیا۔ عمرو نے اپنے ساتھی سے کہا کہ ابوسفیان کا قتل تو اب ممکن نہیں بہتر یہ ہے کہ ہم اپنی جان بچا کر نکل جائیں۔ چل کر راستہ میں عبداللّٰہ بن مالک تیمی کو قتل کیا۔ آگے چل کر دیکھتے کیا ہیں کہ بنی الدیل کا ایک کانا شخص لیٹا ہوا یہ شعر گا رہا ہے۔

وَلَسْتُ بِمُسْلِمٍ مَادُمْتُ حَيًّا　　وَلَسْتُ اَدِيْنُ دِيْنَ الْمُسْلِمِيْنَا

جب تک میری زندگی ہے میں کبھی مسلمان نہ ہوگا اور نہ مسلمانوں کے دین کو کبھی اختیار کروں گا۔

عمرو رضی اللہ عنہ نے اس شعر پڑھنے والے پر ایک وار کیا جس سے اس کا کام تمام ہوا۔ آگے چلے تو قریش

لہ ۔ ایک روایت میں ہے کہ عمرو نے پوچھا کہ تو کون ہے اس نے کہا میں قبیلۂ بنی بکر کا ہوں عمرو نے کہا مرحبا اس کے بعد وہ شخص لیٹ گیا اور پھر یہی شعر گانا شروع کیا۔ عمرو نے پہلے تو ایک تیر اس کی دوسری آنکھ میں مارا کہ جو صحیح و سالم تھی بعد میں تلوار سے کام تمام کیا۔ زرقانی۔

کے دو جاسوس ملے جن کو قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کے تجسس کے لئے بھیجا تھا ان میں سے ایک نے قتل کیا اور دوسرے کو گرفتار کرکے بارگاہ نبوی میں لاکر پیش کیا اور تمام واقعہ آپ کو سنایا۔ آپ سن کر ہنس پڑے اور مجھے دعائے خیر دی۔ زرقانی ص۱۷۱ ج ۲

عُمْرَۃُ الحُدَیْبِیَۃ
یکم ذی القعدۃ الحرام ۶ھ

حدیبیہ ایک کنویں کا نام ہے جس کے متصل ایک گاؤں آباد ہے جو اسی نام سے مشہور ہے یہ گاؤں مکہ معظمہ سے ۹ میل کے فاصلہ پر ہے، محب طبری فرماتے ہیں کہ اس کا اکثر حصہ حرم میں ہے اور باقی حصہ حل میں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھا کہ آپ اور آپ کے کچھ اصحاب مکہ مکرمہ میں امن کے ساتھ داخل ہوئے اور عمرہ کرکے بعض اصحاب نے سر منڈایا اور بعض نے کترایا (رواہ البیہقی فی الدلائل)

یہ خواب سنتے ہی دلوں میں جو بیت اللہ کی محبت اور شوق کی چنگاری دبی ہوئی تھی وہ بھڑک اٹھی۔ اور زیارت بیت اللہ کے شوق نے سب کو بے چین اور بے تاب بنا دیا۔

یوم دوشنبہ یکم ذی القعدۃ الحرام ۶ھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بقصد عمرہ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کا قصد فرمایا۔ تقریباً[۱] پندرہ[۲] سو مہاجرین اور انصار آپ کے ہمراہ تھے ذوالحلیفہ پہنچ کر ہدی کے قلادہ ڈالا اور اشعار کیا اور عمرہ کا احرام باندھا اور بسر بن سفیان کو جاسوس بناکر قریش کی خبر معلوم کرنے کے لئے آگے روانہ فرمایا۔ چونکہ ارادہ جنگ کا نہ تھا اس لئے کسی قسم کا سامان حرب اور سلاح جنگ ساتھ نہیں لیا۔ صرف اتنے ہتھیار ساتھ رکھے جتنا کہ مسافر کو ضروری اور لازمی

۱؎۔ فتح الباری ص۳۴۹ ج۷ زرقانی ص۱۶۹ ج۲　۲؎۔ اس بارے میں روایتیں مختلف ہیں۔ مشہور چودہ سو کا ہے جیسا کہ صحیحین میں براء بن عازب سے مروی ہے اور صحیحین ہی میں جابر بن عبداللہ سے پندرہ سو کا قول مروی ہے۔ تفصیل کیلئے زرقانی ص۱۸۱ ج ۲ کی مراجعت کی جائے۔

ہے اور وہ بھی نیام میں (فتح الباری کتاب الشروط و طبقات ابن سعد ص۶۹ ج ۲)

جب آپ غدیر اشطاط پر پہنچے تو آپ کے جاسوس نے آکر آپ کو یہ اطلاع دی کہ قریش نے آپ کی خبر پاتے ہی لشکر جمع کیا ہے اور آپ کے مقابلہ کے لئے تل گئے ہیں اور یہ عہد کیا ہے کہ آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ خالد بن الولید بطور مقدمۃ الجیش کے دو سو سواروں کو لے کر مقام غمیم میں پہنچ گئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر پاتے ہی وہ راستہ چھوڑ دیا اور دوسرے راستہ سے نکل کر مقام حدیبیہ میں پہنچ گئے۔ اس مقام سے جب آپ نے اپنے ناقہ کو مکہ کی طرف موڑنا چاہا تو وہ ناقہ بیٹھ گیا۔ لوگوں نے ناقہ کو اٹھانے کی غرض سے حَل حَل کہا ہر چند ناقہ کو اٹھانا چاہا مگر ناقہ اپنی جگہ سے نہ اٹھا۔ لوگوں نے کہا خَلَأَتِ الْقَصْوَآءُ خلات القصوا، اونٹنی بیٹھ گئی۔ آپ نے فرمایا یہ اس کی عادت نہیں لیکن اللہ عزوجل نے اس کو روکا ہے۔ اور بعد ازاں یہ فرمایا قسم ہے اس ذاتِ پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، قریش مجھ سے جس ایسے امر کی درخواست کریں گے کہ جس میں شعائر اللہ کی تعظیم ہوتی ہو میں ضرور اس کو منظور کروں گا یہ کہہ کر اونٹنی کو کوچا دیا۔ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی وہاں سے ہٹ کر آپ نے حدیبیہ پر آکر قیام فرمایا۔ گرمی کا موسم تھا پیاس کی شدت اور پانی کی قلت تھی، گڑھے میں جو تھوڑا بہت پانی تھا وہ کھینچ لیا گیا۔ صحابہ نے آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ پانی نہیں رہا۔ آپ نے اپنے ترکش سے تیر نکال کر دیا کہ اس گڑھے میں گاڑ دیا جائے، اسی وقت پانی اس قدر جوش مارنے لگا، تمام لشکر سیراب ہو گیا۔[۵۳]

حدیبیہ میں قیام کرنے بعد آپ نے خراش بن امیہ خزاعی ؓ کو ایک اونٹ پر سوار کر کے اہل مکہ کے پاس بھیجا کہ ان کو خبر کر دیں کہ ہم فقط بیت اللہ کی زیارت کے لئے آئے، جنگ کے لئے نہیں آئے

۵۲۔ یہ حدیث صحیح بخاری کے متعدد ابواب میں مذکور ہے مگر ٹکڑے ٹکڑے۔ مفصل حدیث کتاب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ مع اہل الحرب الخ میں مذکور ہے ۱۲۔

۵۳۔ فتح الباری ج ۵، ص: ۲۴۲ - ۲۴۵

اہلِ مکہ نے اُن کے اونٹ کو ذبح کر ڈالا اور ارادہ کیا کہ ان کو بھی قتل کر ڈالیں مگر آپس ہی کے بعض لوگوں نے درمیان میں پڑ کر بچا دیا۔ حضرت خراش اپنی جان بچا کر واپس آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام واقعہ بیان کیا۔ تب آپ نے حضرت عمرؓ کو پیام دے کر اہلِ مکہ کے پاس بھیجنے کا ارادہ فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے معذرت کی اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو معلوم ہے کہ اہلِ مکہ مجھ سے کس قدر برہم ہیں۔ اور کس درجہ میرے دشمن ہیں، مکہ میں میرے قبیلہ کا کوئی شخص نہیں جو مجھے بچا سکے اگر آپ حضرت عثمان کو بھیجیں جن کی مکہ میں قرابتیں ہیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ آپ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور حضرت عثمان کو بلا کر یہ حکم دیا کہ ابو سفیان اور رؤسا مکہ کو ہمارا پیام پہنچا دو اور جو مسلمان کہ میں اپنے اسلام کا اعلان و اظہار نہیں کر سکتے اُن کو یہ بشارت سنا دو، کہ گھبرائیں نہیں عنقریب اللہ تعالیٰ فتح نصیب فرمائے گا اور اپنے دین کو ظاہر اور غالب کرے گا۔ عثمان بن عفان اپنے ایک عزیز ابان بن سعید کی پناہ میں مکہ میں داخل ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیام پہنچایا اور ضعفاء مسلمین کو بشارت سنائی۔

سب نے بالاتفاق یہ جواب دیا کہ اس سال تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے تم اگر چاہو تو تنہا طواف کر سکتے ہو، حضرت عثمان نے فرمایا کہ میں بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کبھی طواف نہ کروں گا۔ قریش یہ سن کر خاموش ہو گئے اور حضرت عثمان کو روک لیا۔

حضرت عثمان وہاں روک لیے گئے اور ادھر یہ خبر مشہور ہو گئی کہ عثمان غنیؓ قتل کر دیے گئے۔

بَیْعَۃُ الرِّضْوَانْ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ کو بہت صدمہ ہوا اور یہ فرمایا کہ جب تک میں اُن سے بدلہ نہ لے لوں گا یہاں سے حرکت نہ کروں گا اور وہیں کیکر کے درخت کے نیچے جس کے سایہ میں فروکش تھے بیعت لینی شروع کر دی کہ جب تک جان میں جان ہے کافروں سے جہاد و قتال کریں گے۔ مر جائیں گے مگر بھاگیں گے نہیں۔

سب سے پہلے ابوسنان اسدی نے بیعت کی۔ معجم طبرانی میں عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جب بیعت کے لئے بلایا تو سب سے پہلے ابوسنان رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا یا رسول اللہ بیعت کے لئے ہاتھ بڑھائیے آپ نے فرمایا کس چیز پر بیعت کرتا ہے ابوسنان نے کہا اُس چیز پر جو میرے دل میں ہے، آپ نے فرمایا تیرے دل میں کیا ہے۔ ابوسنان نے کہا یا رسول اللہ میرے دل میں یہ ہے کہ اس وقت تک تلوار چلاتا رہوں جب تک اللہ عزوجل آپ کو غلبہ نصیب فرمائے یا اس راہ میں مارا جاؤں، آپ نے اُن کو بیعت فرمایا اور اسی پر سب نے بیعت کی۔

صحیح مسلم میں ہے کہ سلمۃ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ بیعت کی ابتداء میں اور درمیان میں اور اخیر میں اور جب بیعت سے فارغ ہوئے تو بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر رکھ کر یہ فرمایا کہ یہ بیعت عثمان کی جانب سے ہے (رواہ البخاری)

داہنا ہاتھ آپ کی طرف تھا اور بایاں ہاتھ حضرت عثمان کی جانب سے تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس واقعہ کو ذکر کر کے فرمایا کرتے تھے کہ میری جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بایاں ہاتھ میرے دائیں ہاتھ سے کہیں بہتر تھا۔[۱]

اس بیعت کو بیعت الرضوان کہتے ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے سورۂ فتح میں ذکر فرمایا ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ	تحقیق اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جس وقت
يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ	کہ وہ آپ کے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے
مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ	تھے ان کے دلوں میں اللہ اور اس کے رسول کی
عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا وَ	محبت اور اخلاص جو کچھ بھرا ہوا ہے وہ اللہ کو خوب
مَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا وَكَانَ	معلوم ہے پس اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی خاص سکینت
اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝[۲]	اور طمانیت کو اتار دیا اور انعام میں ان کو قریبی فتح

[۱] زرقانی، ج ۲، ص: ۲۰۷ - ۲۰۸ [۲] سورۃ الفتح، آیۃ: ۱۹

عطا فرمائی اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سی غنیمتوں کو لیں گے اور اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔

لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ کے قتل کی خبر غلط تھی قریش کو جب اس بیعت کا علم ہوا تو مرعوب اور خوف زدہ ہو گئے اور صلح کے لئے نامہ و پیام کا سلسلہ شروع کیا۔ (فتح الباری ص۲۴۵ ج۷)

قبیلۂ خزاعہ اگرچہ ہنوز مشرف باسلام نہ ہوا تھا لیکن ہمیشہ سے آپ کا حلیف اور خیر خواہ اور راز دار تھا مشرکین مکہ آپ کے خلاف جو سازشیں کرتے اس سے آپ کو مطلع کیا کرتا تھا۔ اس قبیلہ کے سردار بُدیل بن ورقاء قبیلۂ خزاعہ کے چند آدمیوں کو اپنی ہمراہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ قریش نے نواحی حدیبیہ میں پانی کے بڑے بڑے چشموں پر آپ کے مقابلہ کے لئے لشکر عظیم جمع کیا ہے کہ آپ کو کسی طرح مکہ میں داخل نہ ہونے دیں اور دودھ والی اونٹنیاں ان کے ساتھ ہیں (یعنی طویل قیام کا ارادہ ہے۔ کھاتے پیتے رہیں اور مقابلہ کے لئے ڈٹے رہیں)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہم کسی سے لڑنے کے لئے نہیں آئے ہم فقط عمرہ کرنے کے لئے آئے ہیں۔ لڑائی نے قریش کو نہایت کمزور کر دیا ہے اگر وہ چاہیں تو میں ان کے لئے ایک مدت صلح کی مقرر کر دوں اس مدت میں ایک دوسرے سے کوئی تعرض نہ کرے اور مجھ کو اور عرب کو چھوڑ دیں۔ اگر اللہ کے فضل سے میں غالب ہوا تو وہ چاہیں تو اس دین میں داخل ہو جائیں اور فی الحال چند روز کے لئے تم کو آرام ملے اور اگر بالفرض عرب غالب آئے تو تمھاری تمنا پوری ہو گی لیکن میں تم سے یہ کہے دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور اپنے اس دین کو غالب کر کے رہے گا اور اس دین کے ظہور اور غلبہ فتح اور نصرت کا جو وعدہ اس تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا اور اگر وہ اس بات کو نہ مانیں تو قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں ضرور ان سے جہاد و قتال کروں گا، یہاں تک کہ میری گردن الگ ہو جائے۔ بُدیل آپ کے پاس اٹھ کر قریش کے پاس گئے اور یہ کہا کہ میں اس شخص کے پاس سے ایک بات سن کر آیا ہوں اگر چاہو تو تم پر پیش کروں جو احمق اور نادان تھے انھوں نے یہ کہا ہمیں ضرورت نہیں ہم ان کی کوئی بات سننا نہیں۔

چاہتے مگر جوان میں ذی رائے اور سمجھدار تھے انھوں نے کہا ہاں بیان کرو۔

بُدیل نے کہا تم لوگ جلد باز ہو۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لڑائی کے لئے نہیں آئے بلکہ عمرہ کرنے کیلئے آئے ہیں تم سے صلح کرنا چاہتے ہیں۔ قریش نے کہا بے شک وہ لڑائی کے ارادہ سے نہیں آئے لیکن مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ عروہ بن مسعود نے اٹھ کر کہا۔ اے قوم کیا میں تمھارے لئے بمنزلہ باپ کے اور تم میرے لئے بمنزلہ اولاد کے نہیں۔ لوگوں نے کہا بے شک کیوں نہیں عروہ نے کہا کیا تم میرے ساتھ کسی قسم کی بدگمانی رکھتے ہو۔ لوگوں نے کہا ہرگز نہیں، عروہ نے کہا اس شخص نے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے) تمھاری بھلائی اور بہتری کی بات کہی ہے۔ میرے نزدیک اس کو ضرور قبول کرلینا چاہئے اور مجھ کو اجازت دو کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مل کر اس بارے میں گفتگو کروں لوگوں نے کہا بہتر ہے۔

عروہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی خدمت میں حاضر ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی فرمایا کہ جو بُدیل سے فرما چکے تھے۔ عروہ نے کہا اے محمد تم نے سنا بھی ہے کہ کسی نے اپنی قوم کو خود ہلاک اور برباد کیا ہو۔ علاوہ ازیں اگر دوسری صورت پیش آئی (یعنی قریش کو غلبہ ہوا) تو میں دیکھتا ہوں کہ یہ لوگ یعنی مختلف قوموں کے لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ اس وقت آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، انھوں نے عروہ کو گالی دے کر یہ فرمایا کیا ہم آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ عروہ نے کہا یہ کون شخص ہے لوگوں نے کہا ابوبکر ہیں۔ عروہ نے کہا خدا کی قسم اگر مجھ پر احسان نہ ہوتا جس کا اب تک میں بدلہ نہیں دے سکا تو ضرور جواب دیتا۔ یہ کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو شروع کردی اور جب کوئی بات کہتے تو رسول اللہ علیہ وسلم کی داڑھی کو ہاتھ لگاتے۔ مغیرۃ بن شعبہ (یعنی عروہ کے بھتیجے) مسلح تلوار لئے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر کھڑے ہوئے تھے۔ بارگاہِ نبوی میں اپنے چچا کی یہ جرأت گوارا نہ ہوئی اور فوراً عروہ سے کہا۔ اپنا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی داڑھی سے ہٹائے، ایک مشرک کے لئے کسی طرح زیبا نہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ کو مس کر سکے۔ مغیرہ چونکہ خود وغیرہ پہنے

ہوئے تھے اس لئے عروہ نے ان کو پہچانا نہیں اور غصہ ہو کر آپ سے دریافت کیا یہ کون ہے آپ نے فرمایا یہ تمہارا بھتیجا مغیرہ بن شعبہ ہے۔ اب عروہ نے مغیرہ کو پہچانا اور کہا۔ او غدار۔ کیا میں نے تیری غداری اور فتنہ پردازی کو رفع نہیں کیا۔

مغیرہ نے مسلمان ہونے سے پہلے چند رفقاء کے ساتھ سفر کر کے مقوقس شاہ مصر کے پاس گئے بادشاہ نے بہ نسبت مغیرہ کے دوسرے رفقاء کو زیادہ انعامات دیئے جس سے مغیرہ کو بہت رنج ہوا اور راستہ میں ایک مقام پر ٹھہرے اور شراب پی کر خوب غفلت کی نیند سوئے مغیرہ نے موقع پا کر ان سب کو قتل کر ڈالا اور ان کا مال لے کر بھاگ آئے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف با سلام ہوئے آپ نے فرمایا۔ اسلام تو قبول کرتا ہوں مگر مال سے مجھ کو کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ وہ دھوکہ اور دغا سے لیا گیا ہے۔ عروہ نے ان آدمیوں کی دیت دے کر قصہ کو رفع دفع کیا۔

بعد ازاں عروہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کی حسن عقیدت اور صدق اخلاص کا ایسا عجیب و غریب منظر دیکھا کہ جو اس سے پیشتر کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ یہ کہ جب آپ کوئی حکم دیتے ہیں تو ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ سب سے پہلے میں اس حکم کو بجا لاؤں جب کبھی آپ کے دہن مبارک سے تھوک یا بلغم نکلتا ہے تو وہ زمین پر گرنے نہیں پاتا ہاتھوں ہاتھ اس کو لے لیتے ہیں اور اپنے چہروں سے مل لیتے ہیں۔ جب آپ وضوء فرماتے ہیں تو آپ کے غُسالہ وضُو پر بھی لوگوں کا یہی حال ہوتا ہے، قریب ہے کہ آپس میں لڑ پڑیں۔ آپ کے جسم سے کوئی بال گرنے نہیں پاتا تھا کہ فوراً اس کو لے لیتے ہیں۔ جب آپ کلام فرماتے ہیں تو ایک سناٹا ہو جاتا ہے، گویا کہ ہر شخص سراپا گوش بنا ہوا ہے کسی کی مجال نہیں کہ نظر اٹھا کر دیکھ سکے۔

گویا کہ بزبان حال یہ عروہ کی اس بدگمانی کا جواب تھا جو اس نے ابتداء میں آپ کے جان نثاروں کے متعلق ظاہر کی تھی کہ اگر قریش کو غلبہ ہوا تو یہ لوگ آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے، یہ اخلاص و عقیدت محبت و عظمت کا حیرت انگیز منظر عروہ کی حضرات صحابہ کے ساتھ بدگمانی کا شافی اور کافی جواب تھا کہ جن کی شیفتگی اور وارفتگی اور محبت و عقیدت کا یہ حال ہو بھلا وہ آپ کو چھوڑ کر

کہیں بھاگ سکتے ہیں۔

عروہ جب آپ کے پاس سے واپس ہوئے تو قریش سے جا کر کہا اے قوم واللہ میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی اور بڑے بڑے بادشاہوں کے دربار دیکھے ہیں مگر خدا کی قسم عقیدت و محبت تعظیم و اجلال کا یہ عجیب و غریب منظر کہیں نہیں دیکھا۔

(یہ منظر نہ آپ سے پہلے دیکھا گیا اور نہ آپ کے بعد ممکن ہے آپ خاتم الانبیاء تھے عقیدت و محبت کا یہ حیرت انگیز منظر آپ پر ختم ہو گیا)

ایک روایت میں ہے کہ عروہ نے یہ کہا کہ اے قوم میں نے بہت سے بادشاہوں کو دیکھا مگر محمد جیسا کسی کو نہیں دیکھا وہ بادشاہ نہیں معلوم ہوتے۔ رواہ ابن ابی شیبۃ مرسلا[1]

عروہ نے صاف طور سے تو نہیں کہا کہ آپ نبی ہیں مگر اشارۃً یہ تبلا دیا کہ یہ شان بادشاہوں کی نہیں ہوتی بلکہ خدا تعالیٰ کے پیغمبروں کی ہوتی ہے

عروہ کی یہ گفتگو سن کر حبشیوں کے سردار حُلیس بن علقمہ کنانی نے کہا مجھ کو اجازت دو کہ میں آپ سے مل کر آؤں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حُلیس کو دور سے آتے دیکھ کر یہ فرمایا کہ قربانی کے جانوروں کو کھڑا کر دو یہ شخص ان لوگوں میں سے ہے جو قربانی کے جانوروں کی تعظیم کرتے ہیں حلیس قربانی کے اونٹوں کو کھڑا دیکھ کر راستہ ہی سے واپس ہو گیا اور جا کر قریش سے یہ کہا قسم ہے رب کعبہ کی یہ لوگ تو فقط عمرہ کرنے آئے ہیں ان لوگوں کو بیت اللہ سے ہرگز نہیں روکا جا سکتا۔

قریش نے کہا بیٹھ جا تو تو جنگلی آدمی ہے سمجھتا بوجھتا نہیں حُلیس کو غصہ آگیا اور کہا اے گروہ قریش خدا کی قسم ہم نے تم سے اس کا عہد و پیمان نہیں کیا تھا کہ جو شخص محض بیت اللہ کی زیارت کے لیے آئے اس کو بیت اللہ سے روکا جائے قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں حُلیس کی جان ہے۔ اگر تم محمد کو بیت اللہ کی زیارت سے روکو گے تو میں تمام حبشیوں کو لے کر تم سے یکلخت علیحدہ ہو جاؤں گا۔ قریش نے کہا اچھا آپ خفا نہ ہوں بیٹھیے ذرا ہم غور کرلیں بعد ازاں مجمع میں سے مکرز بن

---

[1] زرقانی ج ۲ ص ۱۹۲

شخص اٹھا اور کہا کہ میں آپ کے پاس ہو کر آتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکرز کو آتے دیکھ کر فرمایا۔ یہ آدمی بُرا ہے حدیبیہ کے زمانہ قیام میں ایک مرتبہ مکرز نے پچاس آدمیوں کو لے کر شب خون مارنے کا ارادہ کیا صحابہ نے ان کو گرفتار کر لیا۔ اور مکرز فرار ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ اس واقعہ کی طرف تھا۔

مکرز آپ سے گفتگو کر ہی رہا تھا کہ اتنے میں قریش کی طرف سے سہیل بن عمرو صلح کرنے کے لئے پہنچ گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل کو آتے دیکھ کر صحابہ سے فرمایا:

قَدْ سَهُلَ لَكُمْ مِنْ اَمْرِكُمْ — البتہ تمھارا معاملہ کچھ سہل ہو گیا۔[۵]

اور یہ فرمایا کہ قریش اب صلح کی طرف مائل ہو گئے ہیں اس شخص کو صلح کے لئے بھیجا ہے سہیل آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دیر تک صلح اور شرائط صلح پر گفتگو ہوتی رہی۔ جب شرائط صلح طے ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ کو تحریر معاہدہ کا حکم دیا اور سب سے پہلے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھنے کا حکم دیا۔

عرب کا قدیم دستور یہ تھا سر نامہ پر بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ لکھا کرتے تھے، اس بناء پر سُہیل نے کہا میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو نہیں جانتا۔ قدیم دستور کے مطابق باسمک اللّٰہم لکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا یہی لکھو اور پھر فرمایا کہ یہ لکھو۔

هٰذا ما قاضى عليه محمد رسول الله — یہ وہ عہد نامہ ہے جس پر محمد اللہ کے رسول نے صلح کی ہے۔

سُہیل نے کہا اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول سمجھتے تو پھر نہ آپ کو بیت اللہ سے روکتے اور نہ آپ سے لڑتے۔

---

۵ ۔ یعنی پورا سہل تو نہیں ہوا لیکن کچھ نہ کچھ سہل ہو گیا یہ مِن تبعیضیہ کا ترجمہ ہے جو قد سهل لكم من امركم میں لفظ مِن ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیک فال کو پسند فرماتے تھے اس لئے سُہیل کی آمد سے نیک فالی لی اور سُہیل کی آمد کو سہولت کے حق میں فال نیک سمجھا مگر لفظ سُہیل چونکہ سَہل کی تصغیر ہے جو تقلیل پر دلالت کرتا ہے اس لئے فال حسن میں مِنْ تبعیضیہ کا اضافہ فرمایا تاکہ اصل ماخذ اور فال حسن، دونوں دلالت تقلیل میں مشترک ہو جائیں ۔ زرقانی صفحہ ۱۹۴ ج ۲

بجائے محمد رسول اللہ کے محمد بن عبد اللہ لکھیئے۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم میں اللہ کا رسول ہوں اگرچہ تم میری تکذیب کرو اور حضرت علیؓ سے فرمایا یہ الفاظ مٹا کر، اُن کی خواہش کے مطابق خالی میرا نام لکھدو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں تو ہرگز آپ کا نام نہ مٹاؤں گا۔ آپ نے فرمایا اچھا وہ جگہ دکھلاؤ جہاں تم نے لفظ رسول اللہ لکھا ہے۔ حضرت علی نے انگلی رکھ کر وہ جگہ بتلائی آپ نے خود اپنے ہاتھ سے اُس لفظ کو مٹایا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو محمد بن عبد اللہ لکھنے[1] کا حکم دیا۔ شرائط صلح حسب ذیل تھے۔

شرائطِ صلح

(۱)۔ دس سال تک آپس میں لڑائی موقوف رہے گی

(۲)۔ قریش میں کا جو شخص بغیر اپنے ولی اور آقا کی اجازت کے مدینہ جائے گا وہ واپس کیا جائے گا۔ اگرچہ وہ مسلمان ہو کر جائے۔

(۳)۔ اور جو شخص مسلمانوں میں سے مدینہ سے مکہ آجائے تو اس کو واپس نہ دیا جائے گا۔

(۴)۔ اس درمیان میں کوئی ایک دوسرے پر تلوار نہ اٹھائے گا اور نہ کوئی کسی سے خیانت کرے گا۔

(۵)۔ محمد امسال بغیر عمرہ کئے مدینہ واپس ہو جائیں مکہ میں داخل نہ ہوں سال آئندہ صرف تین دن مکہ میں رہ کر عمرہ کر کے واپس ہو جائیں سوائے تلواروں کے اور کوئی ہتھیار ساتھ نہ ہوں اور تلواریں بھی نیام یا غلاف میں ہوں۔

(۶)۔ قبائل متحدہ کو اختیار ہے کہ جس کے معاہدہ اور صلح میں شریک ہونا چاہیں شریک ہو جائیں۔

---

[1] بعض روایات میں فکتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لفظ آیا ہے وہ اسناد مجازی پر محمول ہے یعنی امر بالکتابت یعنی کتابت کا حکم دیا جیسا کہ کتب الی قیصر و کسریٰ میں اسناد مجازی ہے اس لئے کہ نصوص قرآنیہ اور احادیث متواترہ سے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کا امی ہونا واضح ہے اور اس واقعہ میں حضرت علی کے ہاتھ صلح نامہ کا لکھوانا احادیث مشہورہ سے ثابت ہے، وقد قال قائلہم فی ذالک شعراً سے
برئت ممن شری دنیا باخرۃ ۔ وقال ان رسول اللہ قد کتبا ۱۲ زرقانی ص۱۹۶ ج ۲

چنانچہ بنو خزاعہ آپ کے عہد میں اور بنو بکر قریش کے عہد میں شریک ہو گئے بنو خزاعہ آپ کے حلیف اور ہم عہد ہو گئے اور بنو بکر قریش کے حلیف اور ہم عہد ہو گئے

صلح نامہ ابھی لکھا ہی جارہا تھا کہ سہیل کے بیٹے ابو جندل رضی اللہ عنہ پابزنجیر قید سے نکل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے جو پہلے سے مشرف باسلام ہو چکے تھے اور کفار مکہ طرح طرح کی ان ایذائیں پہنچا رہے تھے۔ سہیل نے کہا یہ پہلا شخص ہے کہ جو عہد نامہ کے مطابق واپس ہونا چاہیئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابھی تو صلح نامہ پورا لکھا نہیں گیا یعنی لکھے جانے اور دستخط ہو جانے کے بعد سے اُس پر عمل شروع ہونا چاہیے۔ آپ نے بار بار سہیل سے کہا کہ ابو جندلؓ کو ہمارے حوالہ کر دیا جائے مگر سہیل نے نہیں مانا۔ بالآخر آپ نے ابو جندل کو سہیل کے حوالہ کر دیا۔

مشرکین مکہ نے ابو جندل کو طرح طرح سے ستایا تھا اس لئے ابو جندل نے نہایت حسرت بھرے الفاظ میں مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا افسوس اے گروہ اسلام میں کافروں کے حوالہ کیا جارہا ہوں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سُن کر ابو جندل کو تسلی دی اور یہ فرمایا:

یا ابا جندل اصبر واحتسب فانا لا نغدر وان اللہ جاعل لک فرجا ومخرجا۔	اے ابو جندل صبر کرو اور اللہ سے امید رکھو ہم خلاف عہد کرنا پسند نہیں کرتے اور یقین رکھو اللہ تعالیٰ عنقریب تمہاری نجات کی کوئی صورت نکالے گا۔

مگر عام مسلمانوں کو ان کی واپسی شاق گذری۔ حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا اور عرض کیا یارسول اللہ کیا آپ اللہ کے برحق نبی نہیں آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں آپ نے فرمایا بے شک۔ حضرت عمرؓ نے کہا پھر یہ ذلت کیوں گوارا کریں۔ آپ نے فرمایا میں اللہ کا رسول اور برحق نبی ہوں اس کے حکم کے خلاف نہیں کر سکتا اور وہ میرا معین اور مددگار ہے حضرت عمرؓ نے کہا یارسول اللہ کیا آپؐ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ کا طواف کریں گے آپ نے فرمایا یہ میں نے کب کہا تھا کہ اسی سال طواف کریں گے۔

بعد ازاں حضرت عمرؓ، صدیق اکبر کے پاس گئے اور جا کر اُن سے بھی یہی گفتگو کی۔ ابو بکر صدیق

رضی اللہ عنہ نے لفظ بلفظ وہی جواب دیا جو آپ کی زبان مبارک سے نکلا تھا۔

حضرت عمر فرماتے ہیں بعد میں میں اپنی اس گستاخی پر بہت نادم ہوا اور اس کے کفارہ میں بہت سی نمازیں پڑھیں اور روزے رکھے اور صدقہ اور خیرات کی اور بہت سے غلام آزاد کیئے۔

گفتگوئے عاشقاں درکار رب　　جوشش عشقت نے ترک ادب

صحیح مسلم میں حضرت انس سے مروی ہے کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس شرط پر کیسے صلح کی جائے کہ ہم میں سے جو ان کی طرف چلا جائے تو اس کو واپس نہ کیا جائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا ہاں جو شخص ہم میں کا ان سے جا ملے ہمیں اس کی ضرورت نہیں اللہ تعالےٰ نے اس کو اپنی رحمت سے دور پھینک دیا اور ان میں کا جو شخص مسلمان ہو کر ہماری طرف آئے گا تو اگرچہ از روئے معاہدہ وہ واپس کر دیا جائے لیکن گھبرانے کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ قریب ہی میں اس کے لیے نجات کی کوئی صورت ضرور پیدا فرمائے گا۔ (علاوہ ازیں بحمد اللہ ایسی صورت پیش بھی نہیں آئی کہ کوئی مسلمان مدینہ سے بھاگ کر مکہ گیا ہو)

الغرض ان شرائط کے ساتھ صلح نامہ مکمل ہو گیا اور فریقین کے دستخط ہو گئے۔[۵]

تکمیل صلح کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو قربانی کرنے اور سر منڈانے کا حکم دیا۔ صحابہ کرام ان شرائط صلح سے اس قدر مغموم اور شکستہ خاطر تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار حکم دیا مگر ایک شخص بھی نہ اٹھا۔

جب آپ نے یہ دیکھا تو ام سلمہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور بطور شکایت یہ واقعہ بیان فرمایا ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ۔ یہ صلح مسلمانوں پر بہت شاق گزری جس کی وجہ سے افسردہ دل اور شکستہ خاطر ہیں اس وجہ سے تعمیل ارشاد نہیں کر سکے آپ کسی سے کچھ نہ

۵۔ مسلمانوں میں سے ابوبکر بن ابی قحافہ عمر بن الخطاب عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب کاتب عہد نامہ عبد الرحمٰن بن عوف۔ سعد بن ابی وقاص۔ ابو عبیدہ بن الجراح محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم کے دستخط ہوئے اور مشرکین کی طرف سے متعدد آدمیوں کے دستخط ہوئے منجملہ ان کے حویطب بن عبد العزی اور مکرز بن حفص کے دستخط ہوئے اور صلحنامہ کا ایک نسخہ آپ کے پاس رہا اور ایک نسخہ سہیل بن عمرو کے پاس رہا۔ طبقات ابن سعد ص۷۱ ج ۲

فرمائیں۔ باہر تشریف لے جایئے اور قربانی کر کے سر منڈایئے خود بخود آپ کی اتباع کریں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ کے قربانی کرتے ہی سب نے قربانی شروع کر دی۔

حق تعالیٰ شانہ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جزائے خیر دے جن کی صائب رائے نے یہ عقدہ حل کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاطر عاطر سے اس تکدر کو دور فرمایا جس طرح حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی کا مشورہ موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں صائب اور نہایت صحیح تھا اسی طرح المؤمنین ام سلمہؓ کا یہ مشورہ بھی نہایت صائب اور موجب خیر و برکت ہوا۔

یہ تمام واقعات ہم نے بخاری اور فتح الباری سے لئے ہیں جو بحمد اللہ تعالیٰ نہایت مستند اور معتبر ہیں تطویل کی وجہ سے حوالہ روایات کو ترک کر دیا، چونکہ یہ تمام واقعات ایک ہی باب میں مذکور ہیں اس لئے صرف فتح الباری کے حوالہ کافی سمجھتے ہیں تفصیل اور حوالہ اگر درکار ہے تو فتح الباری کتاب الشروط از ص۲۴۵ ج ۵ تا ص۲۵۶ ج ۵ کی مراجعت کریں۔

یہ تمام واقعات مع شئ زائد زرقانی شرح مواہب میں بھی مذکور ہیں مگر ان کی ترتیب فتح الباری کی ترتیب سے مغایر ہے۔ ہم نے ان واقعات میں فتح الباری کی ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے اس لئے فتح الباری کا حوالہ دیا۔

تقریباً دو ہفتہ قیام کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس ہوئے جب مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے مابین پہنچے تو سورۂ فتح نازل ہوئی۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا الی آخر السورۃ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جمع کر کے انا فتحنا لک فتحا مبینا الی آخر السورۃ سنائی صحابہ اس صلح کو اپنی شکست سمجھے ہوئے تھے جس کو اللہ تعالیٰ نے فتح مبین فرمایا سن کر از راہ تعجب آپ سے دریافت کیا یا رسول کیا یہ فتح ہے۔ آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، بے شک یہ عظیم الشان فتح ہے۔ (رواہ احمد و ابوداؤد والحاکم)

امام زہری فرماتے ہیں کہ فتح حدیبیہ ایسی عظیم الشان فتح تھی کہ اس سے قبل اس شان کی فتح

نصیب نہیں ہوتی ۔آپس کی لڑائی کی وجہ سے ایک دوسرے سے مل جل نہیں سکتے ہیں صلح کی وجہ سے لڑائی ختم ہوئی اور امن قائم ہوا۔ اور جو لوگ اسلام کو ظاہر نہیں کر سکتے تھے اور وہ علانیہ طور پر احکام اسلام بجالانے لگے ۔آپس کی منافرت اور کشیدگی دور ہوئی۔ بات چیت کا موقع ملا۔ مسائل اسلامیہ پر گفتگو اور مناظرہ کی نوبت آئی ۔قرآن کریم کو سنا جس کا اثر یہ ہوا کہ صلح حدیبیہ سے لے کر فتح مکہ تک اس قدر کثرت سے لوگ اسلام لائے کہ ابتداء بعثت سے لے کر اس وقت تک اتنے مسلمان نہ ہوئے تھے[۵]

اسلام تو مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کا معدن اور سرچشمہ اور تمام خوبیوں اور بھلائیوں کا مجموعہ تھا ہی لیکن حضرات صحابہ کرام بھی فضائل و فواضل محاسن و شمائل کے زندہ تصویر تھے ۔اب تک عناد اور منافرت اور بغض اور عداوت کی آنکھیں ان کے ادراک سے مانع بنیں۔

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد عیب نماید ہنرش در نظر

اب صلح کی وجہ سے عناد اور منافرت کا پردہ آنکھوں کے سامنے سے ہٹا تو اسلام کی دلفریب تصویروں نے اپنی طرف کھینچنا شروع کیا۔

مرد حقانی کی پیشانی کا نور کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

صلح سے پیشتر کفار مکہ ولکن لا یشعرون کا مصداق تھے اس لئے اسلام اور مسلمان کا نور ان سے پوشیدہ اور چھپا ہوا تھا۔ صلح کی وجہ سے جب عداوت اور منافرت دلوں سے دور ہوئی تو اب ذی شعور نے اور حقانی لوگوں کی پیشانی کا نور ان کو نظر آیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ پہنچ گئے تو ابو بصیر رضی اللہ عنہ مشرکین کی قید و بند سے بھاگ کر مدینہ پہنچے قریش نے فوراً ہی دو آدمی انکے لینے کیلئے پیچھے روانہ کئے آپ نے از رُوئے معاہدہ ابو بصیرؓ کو ان دونوں آدمیوں کے حوالہ کر دیا اور ابو بصیر سے فرمایا کہ میں خلاف عہد نہیں کر سکتا بہتر ہے کہ تم واپس چلے جاؤ۔ ابو بصیرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ مجھکو مشرکین کی طرف واپس کئے دیتے ہیں جو مجھکو دین سے پھیرنا چاہتے ہیں اور طرح طرح سے مجھکو ستاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا صبر کرو

[۵] فتح الباری ج ۵، ص: ۲۵۶ - زرقانی ج ۲ : ص: ۲۱۰

اور اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھو عنقریب اللہ تعالیٰ تمہاری نجات کی صورت پیدا فرمائے گا۔ یہ دونوں آدمی ابوبصیر کو لے کر روانہ ہوئے جب ذوالحلیفہ میں پہنچے تو دم لینے کے لئے وہاں ٹھہر گئے اور جو کھجوریں ساتھ تھیں وہ کھانے لگے۔ ابوبصیرؓ نے ان میں سے ایک سے کہا کہ تمہاری تلوار بہت عمدہ معلوم ہوتی ہے اس نے تلوار کو نیام سے نکال کر کہا ہاں خدا کی قسم یہ نہایت عمدہ تلوار ہے، بارہا میں اس کو آزما چکا ہوں ابوبصیرؓ نے کہا ذرا مجھکو بھی دکھلاؤ۔ اس شخص نے تلوار ابوبصیر کو دے دی۔ ابوبصیرؓ نے فوراً ہی اس پر ایک وار کیا جس سے وہ ٹھنڈا ہو گیا۔ دوسرا شخص یہ واقعہ دیکھتے ہی فوراً بھاگا اور سیدھا مدینہ پہنچا، اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میرا ساتھی تو مارا گیا اور میں بھی اب مارا جانے والا ہوں۔

اس کے بعد ابوبصیرؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے عہد کو پورا کیا، آپ تو مجھکو ان کے حوالہ فرما چکے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ نے مجھکو اُن سے نجات دی یا رسول اللہ آپ کو معلوم ہے کہ اگر میں مکہ واپس چلا جاؤں تو یہ لوگ مجھکو دین اسلام سے پھر جانے پر مجبور کریں گے یہ جو کچھ میں نے کیا وہ فقط اس لئے کیا میرے اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں، آپ نے فرمایا بڑا ہی لڑائی کا بھڑکانے والا ہے اگر کوئی اس کا ساتھی ہو۔ ابوبصیر سمجھ گئے کہ اگر میں یہاں رہا تو آپ مجھکو پھر کفار کے حوالہ کر دیں گے اس لئے مدینہ سے نکل کر ساحل بحر پر جا کر ٹھہر گئے جس راستے سے قریش کے کاروان تجارت شام کو آتے تھے۔ مکہ کے بیکس اور بے بس مسلمانوں کو جب اس کا علم ہوا۔ تو چھپ چھپ کر ابوبصیرؓ کے پاس پہنچنے لگے اور سہیل بن عمرو کے بیٹے ابوجندل بھی وہیں پہنچ گئے اس طرح ستر[1] آدمیوں کا ایک جتھا وہاں جمع ہو گیا قریش کا جو قافلہ وہاں سے گزرتا اس سے تعرض کرتے۔ اور جو مال غنیمت ان سے حاصل ہوتا اس سے گزر اوقات کرتے۔ قریش نے مجبور ہو کر آپ کی خدمت میں آدمی بھیجے کہ ہم آپ کو اللہ کا اور قرابتوں کا واسطہ

---

[1] علامہ سہیلی فرماتے ہیں کہ تین سو آدمی جمع ہو گئے ہیں جیسا کہ زہری اور موسیٰ بن عقبہ سے مروی ہے (زرقانی ص ۲۰۳ ج ۲)

لے کر آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ ابوبصیر اور ان کی جماعت کو مدینہ بلالیں۔ اور جو شخص ہم میں سے مسلمان ہو کر آپ کے پاس آئے گا ہم اس سے کوئی تعرض نہ کریں گے۔

آپ نے ایک والا نامہ ابوبصیرؓ کو لکھوا کر روانہ کیا۔ جس وقت آپ کا والا نامہ پہنچا اس وقت ابوبصیر اس دنیا سے رخصت ہو رہے تھے۔ آپ کا والا نامہ ابوبصیرؓ کو دے دیا گیا پڑھتے جاتے اور خوش ہوتے جاتے تھے یہاں تک کہ ابوبصیرؓ جان بحق تسلیم ہوئے اور والا نامہ اُن کے سینہ پر تھا۔ (کما رواہ السہیلی صفحہ ۲۳۴ جلد ۲) اور ایک روایت میں ہے کہ ہاتھ میں تھا کما ذکرہ الحافظ فی الفتح)

ابوجندل بن سہیل نے ابوبصیر کی تجہیز و تکفین کی اور اسی جگہ اُن کو دفن کیا اور قریب میں ایک مسجد بنائی اور بعد ازاں ابوجندل اپنے تمام رفقاء کو لے کر مدینہ حاضر ہوئے۔

سہیل بن عمرو کو جب اُس شخص کے قتل کی خبر پہنچی جس کو ابوبصیر نے قتل کیا تھا۔ وہ شخص سہیل کے قبیلہ کا تھا۔ سہیل نے چاہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی دیت کا مطالبہ کرے۔ ابو سفیان نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اس کی دیت کا مطالبہ نہیں ہو سکتا اس لئے کہ آپ نے اپنا عہد پورا کیا اور ابوبصیر کو تمہارے قاصد کے حوالہ کر دیا۔ اور ابوبصیر نے آپ کے حکم سے اس کو قتل نہیں کیا بلکہ از خود قتل کیا۔ اور اس دیت کا مطالبہ ابوبصیر کے خاندان اور قبیلہ سے بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ ابوبصیر ان کے دین پر نہیں (فتح الباری کتاب الشروط)

معاہدہ کے بعد جو مسلمان مرد مکہ سے بھاگ کر مدینہ آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ازروئے معاہدہ واپس کر دیا بعد چندے کچھ مسلمان عورتیں ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ پہنچیں اہل مکہ نے ازروئے معاہدہ ان کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے بذریعہ وحی کے اُن کی واپسی سے منع فرمایا اور یہ ظاہر کر دیا کہ واپسی کی شرط مردوں کے ساتھ مخصوص تھی عورتیں اس شرط میں داخل نہ تھیں۔ چنانچہ بعض روایتوں میں یہ لفظ ہیں۔ لا یاتیہ رجل الخ نہیں آئے گا آپ کے پاس کوئی مرد مگر آپ اس کو واپس فرمائیں گے اور ظاہر ہے کہ رَجُلٌ کا لفظ جس کے معنی مرد کے ہیں وہ عورتوں کو کیسے شامل ہو سکتا ہے۔ مشرکین مکہ عورتوں کو بھی اس میں شامل کرنا چاہتے تھے مگر اللہ تعالےٰ نے

انکار فرمایا اور خاص اس بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ
الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ
اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ
مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ
لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ
لَهُنَّ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا وَلَا جُنَاحَ
عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ
اُجُوْرَهُنَّ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ
الْكَوَافِرِ وَاسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا
مَآ اَنْفَقُوْا ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ يَحْكُمُ
بَيْنَكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ وَاِنْ فَاتَكُمْ
شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا
الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا
وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ[۵۱]

اے ایمان والو جب مسلمان عورتیں ہجرت کرکے
تمھارے پاس آئیں تو ان کا امتحان کرلو کہ کس لئے
ہجرت کرکے آئی ہیں) پس اگر امتحان کرکے تم کو یہ معلوم
ہو جائے کہ یہ واقعہ میں مؤمن ہیں تو پھر ان کو کافروں
کی طرف واپس مت کرو یہ عورتیں اُن کافروں
کی طرف واپس مت کرو یہ عورتیں اُن کافروں
کے لئے حلال نہیں اور نہ وہ کافر ان کے لئے
حلال ہیں۔ اور اُن کافروں نے جو خرچ کیا ہے
وہ ان کو ادا کرو۔ اور تمھارے لئے کوئی حرج نہیں
ان مہاجر عورتوں کو مہر دے کر ان سے نکاح کرلو
اور اے مسلمانو تم کافر عورتوں کے تعلقات کو باقی
مت رکھو اور طلب کرلو کافروں سے جو تم نے خرچ
کیا ہے اور کافر مانگ لیں جو انھوں نے خرچ کیا ہے
یہ اللہ کا حکم ہے جو تمھارے درمیان فیصلہ کرتا ہے

اور اگر تمھاری عورتوں میں سے کوئی عورت کافروں کی طرف چلی جائے پھر تمھاری نوبت آئے تو
جن کی بیبیاں ہاتھ سے نکل گئی ہیں تو جتنا مہر انھوں نے اپنی بیبیوں پر خرچ کیا تھا اس کی برابر
ان کو دے دو اور ڈرو اس خدا سے جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔

اس کے بعد کفار بھی خاموش ہو گئے اور عورتوں کی واپسی کا مطالبہ نہیں کیا

۵۱۔ سورۃ الممتحنۃ، آیۃ: ۱۰، ۱۱

فوائد و لطائف اور مسائل و احکام

(۱)۔ بادشاہ اسلام اور ذی رائے مسلمان اگر کافروں سے صلح کرنے میں اسلام اور مسلمانوں کا نفع و مصلحت سمجھیں تو صلح کر لینا جائز ہے۔ ایسی صلح بھی معنی جہاد ہے کیونکہ مقصود جہاد سے کفر اور کافروں کے شر کو دفع کرنا ہے جو معنیً اس صلح سے حاصل ہے۔ قال اللہ تعالیٰ

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ۔ — اگر کافر صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی صلح کی طرف مائل ہو جائیں۔ مگر اعتماد اور بھروسہ اللہ عزوجل پر رکھیں یعنی صلح پر بھروسہ نہ کریں۔[۱]

(۲)۔ اگر صلح کرنے میں اسلام اور مسلمانوں کا نفع نہ ہو تو ہرگز صلح کرنا جائز نہیں اس لئے ایسی صلح مسلمانوں کی تذلیل اور فریضۂ جہاد و قتال کی تعطیل کا باعث ہے۔ قال اللہ تعالیٰ۔

فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ، وَاللّٰهُ مَعَكُمْ — پس مت سستی کرو اور صلح کی طرف بلاؤ اور تم ہی غالب رہوگے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے۔

یعنی جہاد پر قدرت رکھتے ہوئے کافروں سے صلح جائز نہیں اور صلح کے معنی ترک قتال کے ہیں نہ کہ اتحاد کے اسی وجہ سے فقہاء نے صلح کے لئے لفظ موادعت کا استعمال کیا ہے اور موادعت کے معنی لغت میں ایک دوسرے کو جنگ اور قتال سے چھوڑ دینے کے ہیں۔

(۳)۔ عند الضرورت کافروں سے بلا معاوضہ اور مال دے کر اور مال لے کر تینوں طرح صلح جائز ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد یہود مدینہ سے بلا معاوضہ دیئے اور لئے معاہدہ فرمایا اور اس وقت یہ صلح فرمائی جو صلح حدیبیہ کے نام سے معروف ہے اور نصاریٰ نجران سے مال ٹھہرا کر صلح فرمائی اور غزوۂ احزاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیینہ بن حصن فزاری سے مدینہ کی نصف کھجوریں دے کر صلح کا ارادہ فرمایا مفصل قصہ غزوۂ احزاب کے بیان میں گزر چکا

---

[۱] سبحان اللہ یہ اللہ کا کلام ہے کہ مسئلہ صلح کے ساتھ توکل علی اللہ کا مسئلہ بھی بیان کیا جا رہا ہے۔ ۱۲ منہ عفا عنہ

ہے معلوم ہوا کہ تینوں طرح صلح جائز ہے۔

(۴)۔ اہلِ اسلام اور اہلِ کفر میں جب کسی مدت معینہ کے لئے صلح طے پا جائے تو اس کا لکھ لینا مناسب ہے۔ اس لئے کہ جو عقد اور معاملہ ایک عرصہ تک ممتد ہو حق جل وعلا نے احتیاطاً اس کے لکھنے کا حکم دیا ہے۔

قال تعالیٰ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ[1]	اے ایمان والو جب کسی ادھار کا معاملہ کرو مدت معینہ تک تو اس کو لکھ لیا کرو۔

ہاں جو معاملہ اور جو عقد فوری اور وقتی ہو زمانہ آئندہ پر محول نہ اس کی کتابت ضروری نہیں۔

کما قال تعالیٰ۔ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا[2]	مگر جو معاملہ دست بدست ہو رہا ہو تو اگر اس کو نہ لکھو تو کوئی حرج نہیں۔

معلوم ہوا کہ جو معاملہ ایسا نہ ہو اس کے نہ لکھنے میں حرج ہے یعنی اس کا لکھ لینا ضروری اور لازمی ہے۔ (شرح السیر الکبیر ص ج ۴)

(۵)۔ عہدنامہ کی دو نقلیں ہونی چاہئیں تاکہ ہر فریق کے پاس ایک ایک نسخہ محفوظ رہے۔

(۶)۔ اور ہر ایک نقل پر فریقین کے سربرآوردہ لوگوں کے دستخط ہونے چاہئیں جیسا کہ حدیبیہ میں جو عہدنامہ مرتب ہوا اس پر فریقین کے دستخط ہوئے اور ایک نقل آپ کے پاس اور ایک نقل سہیل بن عمرو کے پاس رہی۔

(۷)۔ شرائط صلح میں سے کسی شرط کے خلاف کرنا بدعہدی اور عہد شکنی ہے۔ اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جندل اور ابو بصیر کو یہ کہہ کر واپس کیا کہ ہم عہد کر چکے ہیں اس کے خلاف نہ کریں گے۔

(۸)۔ اگر کسی ایک علاقہ کا مسلمان فرمانروا کسی سے کوئی معاہدہ کرے تو دوسرے علاقہ کا فرمانروا اور دوسرے علاقہ کے مسلمان اس کے پابند نہ ہوں گے، جو مسلمان مکہ سے مدینہ بھاگ کر آیا رسول اللہ

[1] البقرہ آیت نمبر

صلی اللہ علیہ وسلم نے از روئے معاہدہ ان کو مشرکین مکہ کے حوالہ کر دیا۔ آپ پر فقط اسی حد تک پابندی تھی کہ دارالاسلام یعنی مدینہ منورہ میں ایسے شخص کو ٹھہرنے نہ دیں۔

ابو بصیر اور ابو جندل رضی اللہ عنہما نے جس جگہ جاکر پڑاؤ ڈالا وہ حدود مدینہ سے بالکل خارج تھا۔ ابو بصیرؓ کی جماعت نے جو کچھ کیا وہ حدود مدینہ سے باہر کیا نیز آپ کے حکم اور اجازت سے نہیں کیا۔ (فتح الباری و زاد المعاد)

(۹)۔ ابو بصیرؓ نے جس عامری شخص کو قتل کیا وہ محض اپنے دین اور ایمان اور جان بچانے کے خاطر کیا اس لئے کہ ابو بصیر جانتے تھے کہ مکہ جانے کے بعد پھر طرح طرح سے ستایا جاؤں گا۔ اور کفر اور شرک پر مجبور کیا جاؤں گا۔ اس بنا پر انھوں نے اس عامری کو قتل کر کے اپنی جان اور اپنے ایمان کو بچایا (روض الانف ص ۲۳۴ ج ۲)

(۱۰)۔ جو عورت مسلمان ہو کر دارالحرب سے ہجرت کر کے دارالاسلام میں چلی آئے تو اس کا نکاح شوہر سے فسخ ہو جاتا ہے اور اسی طرح اگر کوئی مرد مسلمان ہو کر دارالحرب سے دارالاسلام میں چلا آئے تو اس کا نکاح اس کافرہ بیوی سے فسخ ہو جاتا ہے

(۱۱)۔ لَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ کافر عورتوں کی عصمت کو روک کر نہ رکھو۔ یعنی ان کو چھوڑ دو اور ازدواجی تعلق ان سے منقطع کر دو اور مسلمان کو روا نہیں کہ ایک مشرکہ عورت کو اپنے نکاح میں رکھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اپنی دو مشرکہ بیبیوں کو جو مکہ میں تھیں انکو طلاق دے دی ایک کا نام قریبہ تھا جس نے بعد میں معاویہ بن ابی سفیان سے نکاح کیا اور دوسری کا نام ام کلثوم تھا جس نے بعد ابو جہم سے نکاح کیا[۱]

اس سے حضرات صحابہ کے ایمان و اخلاص کا پتہ چلتا ہے کہ اللہ کے حکم کے سامنے کسی تعلق اور محبت کی ذرہ برابر پرواہ نہ تھی اور کہاں سے ہوتی ان کے دلوں میں تو ایک اللہ عزوجل کی محبت اتنی سما چکی تھی، کہ اب دوسرے کے لئے گنجائش ہی نہ رہی تھی۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ[۲] اللہ تعالیٰ نے کسی کے دو دل نہیں بنائے۔

---

[۱]۔ فتح الباری ج ۵، ص ۲۶۱، [۲] الاحزاب آیت نمبر ۴

(۱۲)۔ ابن اسحٰق کی روایت میں ہے لا یسقط من شعرہ شیٔ الا اخذوہ یعنی جسد اطہر سے جو جو بال گرتا تھا حضرات صحابہ اس کو کمال محبت اور غایت عظمت کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ لے کر تبرک کا اپنے پاس محفوظ رکھتے تھے جس سے معلوم ہوا کہ تبرک بآثار الصالحین جائز اور درست ہے (فتح الباری ج۵ ص۲۵۰)

وقال تعالیٰ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَن يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ [۱]

بنی اسرائیل نے جب اپنے نبی سے طالوت کی بادشاہت کی دلیل پوچھی تو یہ علامت بیان فرمائی کہ اس کے ساتھ ایک صندوق ہوگا جس میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہم السلام کے تبرکات ہوں گے یعنی حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے عصا اور کپڑے اور جوتے اور توریت کی کچھ تختیاں ہوں گی اور تبرکات کے صندوق کے حامل فرشتے ہوں گے جس کو دیکھ کر اہل ایمان کو اس کی بادشاہت کا یقین آجائے گا اور ظاہر ہے کہ جو شخص قابل تعظیم اور قابل محبت ہوگا تو اس کے آثار کی تعظیم درحقیقت اسی شخص کی تنظیم ہے اور صحابہ کرام کا حضور پُرنور کی زرہ اور تلوار پیالہ اور انگشتری کو بطور تبرک استعمال کرنا صحیح بخاری میں مذکور ہے جس پر امام بخاری نے کتاب الخمس میں ایک باب رکھا ہے باب ماذکر من درع النبی صلی اللہ علیہ وسلم و عصاہ وسیفہ وقدحہ وخاتمہ ومن شعرہ ونعلہ الخ ص۴۳۸ ج ا اور مسئلہ تبرک بآثار الصالحین کی اگر تحقیق درکار ہے تو جذب القلوب اور شفا قاضی عیاض اور سید سمہودی کی کتاب کو دیکھیں۔

(۱۱)۔ واقعہ حدیبیہ میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دو طرح فضل و کمال ظاہر ہوا۔ اول تو اس طرح سے کہ اس صلح سے تمام صحابہ حتیٰ کہ فاروق اعظم بھی مغموم اور رنجیدہ تھے مگر صدیق اکبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح مطمئن تھے۔ دوم یہ کہ جب عمر بن الخطاب نے اپنا اضطراب حضرت ابوبکرؓ سے جاکر بیان کیا تو ابوبکرؓ نے حرف بحرف لفظ بلفظ وہی جواب دیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلا تھا [۲]

---

[۱] البقرہ آیت: ۲۴۸ [۲] زاد المعاد ج ۲ ص: ۱۲۸

(۱۴)۔ امام شافعی رحمہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حدیبیہ کا کچھ حصہ حل میں ہے اور کچھ حرم میں ہے۔ امام احمد بن حنبل کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام تو حل میں تھا مگر نمازیں حدود حرم میں آکر ادا فرماتے تھے۔

لہٰذا جس شخص کو ایسی صورت پیش آئے کہ وہ حرم کے قریب ہو تو نمازیں حدود حرم ہی میں پڑھنی چاہئیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا یہی عمل تھا۔

نیز اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک لاکھ نمازوں کا ثواب مسجد حرام کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ حدود حرم میں جہاں کہیں بھی نماز ادا کرے گا ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملے گا۔[۱]

(۱۵)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ کو نحر اور حلق کا حکم دیا اور صحابہ نے اس میں ذرا توقف کیا تو آپ نے ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مشورہ پر عمل فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ عورتوں سے مشورہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ ان کا فہم اور فراست اور تقویٰ اور دیانت قابلِ اطمینان ہو۔

(۱۶)۔ سہیل بن عمرو کے اصرار سے آپ نے بجائے بسم اللہ کے باسمک اللّٰھم لکھنا منظور فرمایا اگرچہ بسم اللہ کا لکھنا اولیٰ اور افضل تھا مگر چونکہ باسمک اللّٰھم بھی حق اور درست تھا، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولیٰ اور افضل پر اصرار نہ فرمایا۔

۱۷۔ بیعت کی فضیلت

بیعت کی حقیقت۔ بیعت عقبہ کے بیان میں گزر چکی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بیعت بیع سے مشتق ہے جس کے معنی فروخت کرنے کے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں اپنے نفس کو بمعاوضہ جنت اللہ عزوجل کے ہاتھ فروخت کر دینے کا نام بیعت ہے۔ نفس مبیع ہے اور جنت اس کا ثمن ہے انسان۔ بائع ہے اور اللہ عزوجل مشتری ہے تمام عقلاء کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ بیع ہو جانے کے بعد مبیع ملکِ بائع سے نکل کر۔ ملکِ مشتری میں داخل ہو جاتی ہے۔ مشتری ہی تمام تصرفات کا مالک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مؤمن بیعت کر لینے کے بعد اپنے نفس کا مالک نہیں رہتا۔

---

[۱] زاد المعاد ج ۲ ص ۱۲۸

اس لئے مومن کو چاہیئے کہ اب نفس میں اپنی رائے سے کوئی تصرف نہ کرے۔

مگر یہ معاملہ حق جل وعلا سے براہِ راست نہیں ہوتا۔ حضرات انبیاء اللہ علیہم الف الف صلوات اللہ اور ان کے وارثین کے توسط سے ہوتا ہے۔

حضرات صحابہ نے جب نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے دست مبارک پر بیعت کی تو اصل بیعت اللہ عز وجل سے تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ درمیان میں وکیل اور کفیل تھے۔ کما قال تعالیٰ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ [1] — تحقیق جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں جز این نیست کہ وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

صحیح بخاری میں سہل بن سعدؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

من یضمن لی ما بین لحییه ورجلیه اضمن له الجنة — کون ہے جو اپنے جبڑوں اور پیروں کے درمیان کا ذمہ دار بنے یعنی زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کا ذمہ لے تو میں اس کے لئے جنت کا کفیل اور ضامن ہوں۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کو ثمن یعنی جنت کا ضامن قرار دیا ہے کہ اگر اہل ایمان اس کی ضمانت اور ذمہ داری کریں کہ زبان اور شرمگاہ میں کوئی تصرف اللہ عز وجل کی مرضی کے خلاف نہ کریں گے جو ہمارا مشتری ہے تو میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی مبیع (نفس) کا ثمن اور قیمت یعنی جنت دلانے کا کفیل اور ضامن ہوتا ہوں۔

اس حدیث میں یضمن اور اضمن کا لفظ اسی بیع کی طرف مشیر ہے اس لئے کہ ضمانت اور کفالت بیع ہی میں ہوتی ہے۔ مبیع میں اگر کوئی عیب نکلے تو مشتری کو خیار عیب کی وجہ سے اس کے رد کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے لیکن مشتری اگر مبیع کے عیب کو دیکھ کر یہ کہدے کہ رضیتُ میں راضی ہو گیا تو خیار عیب ساقط ہو جاتا ہے اور بیع بالکل مکمل ہو جاتی ہے مشتری کی جانب سے رد اور فسخ کا احتمال باقی نہیں رہتا۔

---

[1] سورۃ الفتح، آیۃ: ۱۰

حضرات صحابہ نے جب درخت کے نیچے آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ۔[۱] | البتہ تحقیق اللہ تعالےٰ راضی ہوا ان مومنین سے جنھوں نے درخت کے نیچے آپکے ہاتھ پر بیعت کی۔

اپنا خیار عیب ساقط فرمایا۔ اور یہ ظاہر کر دیا کہ ان حضرات نے اللہ عزّوجل سے معاملہ بیع کیا ہے وہ کبھی فسخ نہ ہوگا۔ اللہ تعالےٰ نے تو اپنی رضا ظاہر فرما کر اپنا خیار ساقط فرمایا ہی ہے لیکن حضرت صحابہ بھی رضینا باللہ کہہ کر اپنا خیار ساقط کر چکے ہیں۔ کما قال تعالےٰ

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ | اللہ تعالےٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے

اگرچہ خدا تعالےٰ کی طرف سے کسی عیب کا امکان نہیں لیکن صحابہ نے رضینا کہہ کر فسخ او اقالہ کے امکان کو بھی ختم کر دیا غرض یہ کہ طرفین اپنی اپنی رضا اور خوشنودی ظاہر کر کے اپنا اپنا خیار ساقط کر چکے ہیں بیع بالکل مکمل ہو چکی۔ حضرات صحابہ اپنے نفوس اللہ عزّوجل کے حوالہ اور سپرد کر چکے۔ بمقتضائے وعدۂ الٰہی ان کے نفوس کا ثمن (یعنی جنّت) اللہ کے ذمہ واجب ہو چکا ہے حضرات صحابہ کے سوا سب کا معاملہ خطرہ میں ہے۔ معلوم نہیں کس کس کی مبیع کو خیار عیب کے بنا پر رد کیا جائے گا اور بہت سے لوگ تو دنیا ہی میں اللہ عزّوجل سے اپنی بیع کا اقالہ کر چکے ہیں۔ جیسا کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے آکر کہا تھا۔

اقلنی بیعتی | میری بیعت واپس کر دیجئے۔

اصطلاح فقہاء میں اقالہ متعاقدین کے حق میں فسخ اور ثالث کے حق میں بیع جدید ہوتا ہے اسی طرح جب کوئی بدنصیب حق جل وعلا سے اپنی بیعت کا اقالہ کرتا ہے تو اس کے اور حق تعالیٰ کے مابین تو فسخ بیع ہوتا ہے اور ثالث یعنی شیطان کے حق میں بیع جدید ہوتی ہے

امام اعظم ابو حنیفہ النعمان رضی اللہ عنہ کا مسلک ہے۔

---

[۱] ۔ سورۃ الفتح، آیۃ: ۱۸

لا ربوا بين المولى وعبده — غلام اور آقا کے مابین سود نہیں۔

اس لئے کہ خود غلام کے پاس جو کچھ ہے وہ سب مولیٰ ہی کی ملک ہے ہم چونکہ غلام سے بڑھکر غلام ہیں آخر اُس خداوند ذوالجلال کے بندہ ہی ہیں اور بندے بھی ایسے بندے کہ کسی طرح اس کی عبدیت سے آزاد نہیں ہوسکتے اور نہ بحمد اللہ ہم اس کی عبدیت سے آزاد ہونا چاہتے ہیں اس لئے وہ خداوند ذوالجلال ہم سے ایک حسنہ نیکی لے کر کم از کم دہ گونہ سود دیتا ہے یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ۔

الحاصل

جن حضرات نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ہاتھ پر بیعت کی اللہ تعالےٰ ان سے راضی ہوا اور ان کے دلوں کو سکینت اور طمانیت کی بیش بہا دولت سے معمور کیا اور فتح قریب اور مغانم کثیرہ کا ان سے وعدہ فرمایا۔ کما قال تعالےٰ۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ [1]	تحقیق اللہ راضی ہوا مومنین سے جس وقت کہ وہ آپ سے بیعت کر رہے تھے، درخت کے نیچے پس جانا اللہ نے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے پس اتاری اللہ نے ان پر اپنی تسکین اور انعام میں دی قریبی فتح اور بہت سی غنیمتیں جو آئندہ حاصل کریں گے اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

اور سورہ توبہ میں بیعت کو فوز عظیم فرمایا۔ کما قال تعالےٰ

فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ [2]	پس خوشیاں کرو اس سودے پر جو تم نے اللہ تعالےٰ سے کیا ہے اور یہ بڑی ہی کامیابی کا معاملہ ہے۔

---

[1] الفتح، آیتہ: ۱۸ [2] توبہ، آیتہ: ۱۱۱

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلام پر اور کبھی ہجرت پر اور کبھی جہاد پر اور کبھی ترک منکرات پر مثلاً اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔ زنا اور چوری نہ کریں گے۔ اولاد قتل نہ کریں گے۔ کسی پر بہتان نہ باندھیں گے اللہ کی نافرمانی نہ کریں گے اور کبھی اس بات پر کہ اللہ کی عبادت کریں گے۔ پانچوں نمازیں ٹھیک ٹھیک ادا کریں گے۔ زکوٰۃ دیں گے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں گے۔ ہر مسلمان کی خیر خواہی کریں گے۔ اپنے امیر اور والی کی اطاعت کریں گے جب تک وہ اللہ کی نافرمانی کا حکم نہ دے کسی سے سوال نہ کریں گے۔ والدین کے ساتھ احسان کریں گے۔ وغیر ذلک ان امور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت لینا احادیث صحیحہ سے ثابت اور مسلّم ہے۔ تفصیل کے لئے فتح الباری صفحہ ۱۶۰ تا صفحہ ۱۶۲ اور کنز العمال صفحہ ۲۵ ج اوّل فصل خامس فی احکام البیعۃ کی مراجعت کریں۔

ان آیاتِ صریحہ اور احادیث صحیحہ کے بعد بیعت کے مسنون اور مستحسن اور موجب خیر و برکت میں ہونے میں کسی قسم کے شبہ کی گنجائش نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح کتاب اور حکمت کے معلم اور اُمت کے دلوں کے مزکی یعنی صیقل اور جلا کرنے والے تھے اسی طرح اللہ کی زمین پر اللہ کے خلیفہ بھی تھے جو بیعت آپ نے خلیفۃ اللہ ہونے کی حیثیت سے لی، وہ خلفاء کے لئے سُنت ہوئی اور جو بیعت آپ نے معلم الکتاب والحکمۃ اور مزکی ہونے کی حیثیت سے لی۔ وہ علماء ربانیین اور اہل اللہ اور عارفین کے لئے سُنت ہوئی۔

(۱۸) عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھ کر بیعت کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ غائبانہ بیعت بھی صحیح ہے۔

(۱۹) سلمۃ بن اکوع رضی اللہ عنہ کا تین بار بیعت کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ بیعت کی تجدید اور اس کا تکرار مسنون اور مستحب ہے۔

(۲۰)۔ حدیبیہ میں جن لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی حق جل شانہ نے بلا کسی قید و شرط کے اُن سے اپنی رضا اور خوشنودی کا اعلان فرمایا لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔ اور فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ سے ان کے دل اخلاص کو بیان فرمایا اور فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ

عَلَيْهِمْ سے ان کے اطمینان اور ایقان قلب کو بیان فرمایا کہ ان کے قلوب بالکلیہ مطمئن ہیں۔ اضطراب کا کہیں نام و نشان نہیں اور ظاہر ہے کہ جس سے اللہ راضی ہوا اور جس کے دل پر سکینت و طمانیت کو نازل فرمایا ایسا شخص نہ فی الحال منافق اور نہ فی المآل مرتد ہوسکتا ہے احادیث میں ان کے بہت فضائل آئے ہیں۔ چنانچہ مسند احمد میں جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن لوگوں نے درخت کے نیچے مجھ سے بیعت کی ہے ان میں سے کوئی بھی دوزخ میں نہ جائے گا۔

اور آیۂ مذکورہ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ سے ان کا مؤمن مخلص اور اللہ کا مرضی اور پسندیدہ ہونا صاف ظاہر ہے۔ حضرات شیعہ۔ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ کو ذرا غور سے پڑھیں کہ کس طرح حق تعالیٰ شانہ ان کے دلوں کے اخلاص کو ذکر فرمایا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہ کرام کا یہ عمل تقیہ کے بنا پر نہ تھا بلکہ اخلاص اور صدق نیت سے تھا فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ کے بعد تقیہ کا احتمال باقی نہیں رہتا جب خدا تعالیٰ نے ان کے دلی اخلاص کی شہادت دیدی تو اب نفاق اور تقیہ کا احتمال ختم ہوا۔ اور اَثَابَكُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً سے دور تک سلسلہ کلام چلا گیا ہے جس میں انہیں حضرات سے فتح خیبر اور مَغَانِمَ كَثِيْرَةً اور فتوحات عظیمہ کا وعدہ فرمایا ہے اور یہ وعدہ بھی انہی مخلصین سے تھا معلوم ہوا کہ جن حضرات پر یہ مغانم تقسیم کئے گئے وہ اللہ کے مخلص اور پسندیدہ بندے تھے۔

بادشاہانِ عالم کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط

حق جل شانہ نے صلح حدیبیہ کو فتح مبین اور موجب سکینت و طمانیت فرمایا ہے بے شک وہ فتح مبین اور موجب سکینت و طمانینت ہوئی اس لئے کہ فتح کے معنی لغت میں کسی بند چیز کے کھول دینے کے ہیں عرب کی مخالفت کی وجہ سے اب تک دعوت اسلام اور تبلیغ احکام کا دروازہ بند تھا۔ اس صلح نے اس دروازہ کو کھول دیا۔ اب وقت آیا کہ اللہ عز وجل کا پیغام اس کے تمام بندوں کو پہنچا دیا

جائے اور اسلام کے عظیم الشان دستر خوان پر دنیا کو دعوت اور صلائے عام دی جائے کہ اگر اس دستر خوان کے لذائذ و طیبات فوائد اور ثمرات سے لطف اندوز ہوں۔

جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی دعوت کو قبول کیا اور اسلام کے دستر خوان پر آکر بیٹھ گئے۔ وہ دیکھتے کیا ہیں کہ ایک ایک کر کے تمام مکارمِ اخلاق اور تمام محاسن آداب فضائل و فواضل۔ محامد و شمائل کا کوئی لون ایسا نہیں کہ جو اس دستر خوان پر نہو۔ ایسا پاک اور صاف لطیف اور شفّاف دستر خوان ہے کہ کسی ظاہری اور باطنی فحشاء اور منکر کا ذرہ برابر بھی کہیں دھبہ اور نشان نہیں۔ دنیا سے ہاتھ دھوکر اور اللہ عزّ وجل کا نام پاک لے کر کھانا شروع کیا ابھی ایک ہی دو لون چکھے تھے کہ زبان نے فوراً ہی اسلام کا مزہ اور ایمان کی حلاوت اور شیرینی کو محسوس کر لیا۔ اور سمجھ گئے کہ روح کی غذا تو یہ ہے۔ اسی غذا سے روح زندہ رہ سکتی ہے۔ کفر اور شرک کی نجاست اور گندگی کھا کر روح کا زندہ رہنا ناممکن اور محال ہے۔

الغرض نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ سے واپس ہو کر ماہ ذی الحجۃ الحرام ۶ھ میں بادشاہوں کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجنے کا قصد فرمایا۔ صحابہ کو جمع کر کے خطبہ دیا۔

ایہا الناس۔ اے لوگو میں تمام عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ تمام دنیا کو یہ پیام پہنچاؤ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے گا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین کی طرح اختلاف نہ کرنا۔ کہ اگر قریب بھیجنے کو کہا تو راضی ہو گئے اور اگر کہیں دُور جانے کا حکم دیا تو زمین پر بوجھل ہو کر بیٹھ گئے۔

حضرات صحابہ جو کہ اطاعت اور جان نثاری اخلاص اور وفاشعاری کے سخت سے سخت امتحان میں ہر موقع پر درجۂ اعلیٰ میں کامیابی کی سند اور رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کا زرّین تمغہ حاصل کر چکے تھے۔ بھلا وہ کب اس موقع سے چوکنے والے تھے دل و جان سے تعمیل ارشاد کے لئے تیار ہو گئے اور ایک مناسب مشورہ آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ کہ یا رسول اللہ۔ ملوک اور سلاطین جس خط پر مہر نہ ہو اس کو قابلِ وثوق اور اعتماد نہیں سمجھتے حتیٰ کہ ایسے خط کو پڑھتے تک نہیں۔ آپ نے صحابہ کے مشورہ سے ایک مہر کندہ کرائی جس کا حلقہ چاندی کا تھا اور نگینہ بھی چاندی ہی کا تھا مگر صنعت حبشہ کی تھی محمد رسول اللہ اس مُہر پر کندہ تھا۔ (محمد رسول اللہ) (محمد رسول اللہ) سب سے نیچے لفظ محمد تھا اور سب سے

اُوپر لفظ اللہ تھا۔ اور لفظ رسول درمیان میں تھا۔ تاریخ طبری ج۳ ص۸۲۔ زرقانی ج۳ ص۳۳۴

اور سلاطین اور امراء کے نام خطوط روانہ فرمائے اُن کو حق کی دعوت دی اور اس سے آگاہ کر دیا کہ رعایا کی گمراہی کی تمام تر ذمہ داری تم پر عائد ہے۔

واقدی کہتے ہیں کہ یہ خطوط ۶ھ کے اخیر یا ماہ ذی الحجہ میں قصہ حدیبیہ کے بعد روانہ کئے گئے اور بعض اہلِ سیر کے نزدیک ۷ھ میں روانہ کئے گئے ممکن ہے کہ حضور پرنور نے شاہان عالم کے نام خطوط بھیجنے کا ارادہ گو ۶ھ کے اخیر میں فرمایا ہو اور پھر ۷ھ میں خطوط روانہ کئے ہوں[1]

اور امام بیہقی فرماتے ہیں کہ غزوۂ موتہ کے بعد خطوط روانہ فرمائے مگر اس پر سب متفق ہیں۔ کہ حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے یہ خطوط روانہ کئے گئے۔

یعنی اس مدت کے مابین خطوط کا سلسلہ جاری رہا واللہ اعلم۔

(۱) قیصر روم کے نام نامہ مبارک

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

من محمد عبد اللہ ورسولہ الی هرقل عظیم الروم - سلام علی من اتبع الهدی۔ امّا بعدُ فانی ادعوك بدعایة الاسلام اَسْلِمْ تَسْلَمْ یوتك اللہ اجرك مرتین فان تولیت فان علیك اثم الیرسیین ویآ اھل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا وبینکم ان لا نعبد الا اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ خط ہے۔ محمد اللہ کے بندہ اور اس کے رسول کی طرف سے ہرقل کی جانب جو روم کا بڑا شخص ہے سلام ہو اس پر جو ہدایت کا اتباع کرے۔ اما بعد میں تجھکو دعوت دیتا ہوں۔ اس کلمہ کی جو اسلام کی طرف لانے والا ہے یعنی کلمہ طیبہ کی۔ اسلام لے آ سلامت رہے گا اور اللہ تعالیٰ دوہرا اجر عطا کرے گا جیسا کہ اہل کتاب سے حق تعالیٰ کا وعدہ ہے (اُولٰٓئِكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ) پس اگر تو اسلام سے روگردانی کرے تو تمام

[1] مدارج النبوۃ ج ۲، ص: ۲۹۴

وَّلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝

رعایا کے اسلام نہ لانے کا گناہ بھی تجھ پر ہوگا کیونکہ تیرے اتباع میں اسلام کے قبول سے مانع ہے اور اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مسلّم ہے وہ یہ کہ سوائے اللہ کے کسی چیز کی عبادت نہ کریں اور نہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک گردانیں اور اللہ کے سوا آپس میں ایک دوسرے کو اپنا رب اور معبود نہ بنائیں پس اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہو چکے ہیں یعنی اللہ کے حکم کے تابع ہو چکے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے یہ والا نامہ دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو دے کر قیصر روم کی طرف روانہ فرمایا۔ قیصر روم اُس وقت فارس پر فتحیابی کے شکریہ میں حمص سے پیدل چل کر بیت المقدس آیا ہوا تھا۔ دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ محرم ۷ھ میں بیت المقدس پہنچے اور امیر بصریٰ کے توسط سے قیصر روم کے دربار میں پہنچ کر آپ کا والا نامہ پیش کیا۔ [۱]

اور والا نامہ پیش کرنے سے پہلے ایک مختصر سی تقریر فرمائی وھوہذا۔

قیصرِ روم کے دربار میں حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کی تقریر

اے قیصر روم۔ جس نے مجھکو آپ کی طرف سفیر بنا کر بھیجا ہے وہ آپ سے کہیں بہتر ہے اور جس ذات بابرکات نے اُن کو پیغمبر بنا کر بھیجا وہ سب ہی سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔ لہٰذا جو کچھ عرض کروں اس تواضع کے ساتھ سنیئے اور اخلاص سے اس کا جواب دیجئے۔ اگر تواضع کے ساتھ نہ سنیں گے تو اس کا حقہ سمجھ نہیں سکیں گے اور اگر جواب میں اخلاص نہ ہوگا تو وہ جواب عادلانہ اور منصفانہ نہ ہوگا۔

قیصر روم۔ فرمایئے۔

دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ۔ آپ کو معلوم ہے کہ حضرت مسیح بن مریم صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ نبینا وعلیہ وسلم نماز پڑھا کرتے تھے۔

---

[۱] فتح الباری۔ ج ۱، ص: ۳۵۔

قیصر روم۔ ہاں۔ بے شک نماز پڑھا کرتے تھے۔

دحیہ کلبیؓ۔ میں آپ کو اس ذات پاک کی طرف بلاتا ہوں جس کے لئے حضرت مسیح نمازیں پڑھتے اور جس کے سامنے جبین نیاز ٹیکتے تھے اور جس نے حضرت مسیح کو بطن مادر میں بنایا اور جس نے ان تمام آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا۔ اور بعد ازاں میں آپ کو اس نبی امی کی طرف بلاتا ہوں جس کی حضرت موسیٰ اور پھر حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے بشارت دی ہے اور آپ کو اس کا کافی اور شافی علم اور پوری خبر ہے اگر آپ اس دعوت کو قبول کریں تو آپ کے لئے دنیا اور آخرت دونوں ہیں۔ ورنہ آخرت تو آپ کے ہاتھ سے جاتی ہی رہے گی اور دنیا میں دوسرے لوگ آپ کے شریک ہوں گے اور یقین جانیئے کہ آپ کا ایک پروردگار ہے جو منکرین کو کچل ڈالتا ہے اور اپنی نعمتوں کو بدلتا رہتا ہے۔

قیصر روم نے آپ کا والا نامہ دحیہ کے ہاتھ سے لے کر سر اور آنکھوں پر رکھا اور بوسہ دیا۔ اور کھول کر اس کو پڑھا اور کہا سوچ کر کل اس کا جواب دوں گا۔ روض الانف ص ۳۵۵ ج ۲

اور اپنے خدام کو یہ حکم دیا کہ جو لوگ آپ کی قوم کے میرے ملک میں آئے ہوئے ہوں ان کو حاضر کیا جائے تا کہ ان سے احوال معلوم کروں۔ اتفاق سے ابوسفیان قریش کی ایک جماعت کے ساتھ اس وقت بغرض تجارت شام آئے ہوئے تھے بمقام غزہ میں مقیم تھے۔ ابوسفیان اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے، قیصر کے آدمی ان کو غزہ سے جا کر لائے اور دربار میں حاضر کیا، بڑی شان و شوکت سے دربار منعقد کیا علماء روم اور قسیسین اور رہبان سب حاضر تھے۔

جماعت عرب سے اوّل مخاطب ہو کر یہ دریافت کیا کہ تم میں سے اس مدعی نبوت کا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار کون شخص ہے، ابوسفیان نے کہا میں۔ قیصر روم نے کہا تم میرے قریب ہو جاؤ اور باقی قریش کی جماعت کو ان کے پیچھے بیٹھنے کا حکم دیا۔ اور یہ کہا کہ میں ان سے کچھ دریافت کروں گا۔ اگر جھوٹ بولیں تو تم ان کی تکذیب کر دینا۔ ابوسفیان کہتے ہیں اگر مجھ کو یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ میری تکذیب کریں گے تو میں ضرور جھوٹ بولتا۔ بعد ازاں حسب ذیل گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا۔

ف ۔ تاکہ حیات اور مذہب دیکھنے کا لحاظ تکذیب سے مانع نہ ہو۔ ۱۲ فتح الباری۔

قیصر۔ تم میں ان کا نسب کیسا ہے۔

ابوسفیان۔ وہ بڑے عالی نسب ہیں ان کے نسب سے بڑھ کر کسی کا نسب نہیں۔[1]

قیصر۔ کیا ان کے آباؤ واجداد میں کوئی بادشاہ بھی ہوا۔

ابوسفیان۔ نہیں۔

قیصر۔ کیا تم لوگوں نے ان کو دعوائے نبوت سے پہلے کبھی جھوٹ بولتے پایا ہے۔

ابوسفیان۔ نہیں۔

قیصر۔ ان کے پیرو کس قسم کے لوگ ہیں امراء اور دولت مند ہیں یا غرباء اور کمزور۔

ابوسفیان۔ اکثر غرباء اور ضعفاء۔

قیصر۔ ان کے متبعین روز بروز بڑھتے جاتے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں۔

ابوسفیان۔ دن بدن زیادہ ہوتے جاتے ہیں۔

قیصر۔ کیا کوئی شخص ان کے دین میں داخل ہونے کے بعد ان کے دین سے بیزار اور متنفر ہو کر مرتد یعنی ان کے دین سے پھر بھی جاتا ہے۔

ابوسفیان۔ نہیں۔[2]

قیصر۔ کیا وہ خلاف عہد بھی کرتے ہیں۔

---

[1] - پہلا جملہ صحیح بخاری کی روایت کا ترجمہ ہے اور دوسرا جملہ مسند بزار کی روایت کا ترجمہ ہے۔ قال ہو فی حسب مالا یفضل علیہ احد فتح الباری ج۱ ص۱۔

[2] - اسلام کو بُرا سمجھ کر کوئی شخص بھی آج تک اسلام سے نہیں پھرا۔ ہاں زن اور زر کی طمع میں کچھ حریص اور طامع اور ہوا پرست اسلام سے مرتد ہوئے جو قابل التفات نہیں اسلام بحمد اللہ اس سے منزہ ہے کہ زن اور زر کے ذریعے کسی کو دعوت دے۔ حیدر آباد میں ایک عیسائی میرا ہمسایہ اور ہم محلہ تھا میرے پاس آتا جاتا تھا پچپن سال کی عمر تھی۔ ایک مرتبہ میں نے اس کو قسم دے کر دریافت کیا کہ تم اللہ کو حاضر ناظر جان کر سچ بتلاؤ کہ اتنی عمر میں تم نے کوئی ایک مسلمان بھی ایسا دیکھا ہے کہ دین اسلام کو بُرا سمجھ کر عیسائی بنا ہو۔ اس نے جواب دیا خدا کی قسم ایک مسلمان بھی ایسا نہیں دیکھا جو بھی عیسائی ہوتا ہے وہ فقط روپیہ اور عورتوں کے لالچ میں عیسائی ہوتا ہے اور وہ بھی فقط نام کا، باقی عقائد میں اس کے کوئی تغیر اور تبدل نہیں ہوتا۔ فقط روپیہ اور میم کی خاطر وہ اپنے کو عیسائی کہتا ہے مگر مذہب اسلام کی رو سے ایسا شخص کافر و مرتد ہے۔ ۱۲

ابوسفیان۔ کبھی نہیں آج تک انھوں نے کبھی عہد شکنی نہیں کی لیکن آجکل ہمارے اور اُن کے مابین ایک مدت صلح ٹھہری ہے معلوم اس میں کیا کرتے ہیں ابوسفیان کہتے ہیں کہ سوائے ایک بات کے مجھے کسی اور بات لگانے کا کہیں موقع نہیں ملا۔ ابن اسحٰق کی روایت میں ہے۔

فو اللہ ما التفت الیہا منی — ابوسفیان کہتے ہیں خدا کی قسم قیصر نے میری اس بات کی طرف جو میں نے اپنی طرف سے ملائی۔ ذرہ برابر بھی التفات نہیں کیا۔

قیصر۔ کبھی تم ان سے لڑے بھی ہو۔

ابوسفیان۔ ہاں۔

قیصر۔ لڑائی کیسی رہی۔

ابوسفیان۔ کبھی وہ غالب ہوئے اور کبھی ہم۔

قیصر۔ وہ تم کو کس چیز کا حکم دیتے ہیں۔

ابوسفیان۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ ایک اللہ کی عبادت کرو۔ کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کرو اور کفر اور شرک کے تمام مراسم جو تمھارے آباء و اجداد کرتے تھے ان سب کو یکلخت چھوڑ دو۔ اور نماز اور زکوٰۃ اور سچائی اور پاک دامنی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔

قیصر۔ ترجمان سے مخاطب ہو کر کہا ان سے کہہ دو کہ میں نے اول تم سے اُن کا نسب دریافت کیا تم نے کہا کہ وہ نہایت عالی نسب اور شریف خاندان سے ہیں بے شک انبیاء ایسے ہی خاندان سے بھیجے جاتے ہیں جو حسب نسب میں سب سے بالا ہو۔ پھر میں نے تم سے یہ دریافت

لہ۔ یہ ترجمہ ہے ہل قاتلتموہ کا قیصر نے ابتداءً قتال کو قریش کی طرف منسوب کیا اور یہ نہیں کہا ہل قاتلکم کیا آپ نے تم سے کبھی لڑائی کی ہے قیصر نے آپ کے ادب و احترام کو مد نظر رکھ کر ابتداءً قتال کو قریش کی طرف منسوب کیا نیز اللہ کا پیغمبر قوم سے کبھی ابتداءً بالقتال نہیں کرتا اول ان کو اللہ کی طرف بلاتا ہے جب وہ حق کو نہیں سنتے اور ہٹ دھرمی سے انبیاء کے مقابلہ پر آجاتے ہیں تب حضرات انبیاء ان سے جہاد و قتال کا سلسلہ شروع فرماتے ہیں۔

(فتح الباری صـ۲۱ ج ۱)

کیا کہ اُن کے خاندان میں کوئی بادشاہ بھی گزرا ہے۔ تم نے کہا نہیں۔ اگر اُن کے خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہوتا تو میں یہ سمجھتا کہ یہ اس طریق سے اپنے باپ دادا کا گیا ہوا ملک حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے تم سے دریافت کیا کہ تم نے اُن کو جھوٹا تو نہیں پایا۔ تم نے کہا نہیں جس سے میں یہ سمجھا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص بندوں پر تو جھوٹ نہ باندھے اور معاذ اللہ، اللہ پر جھوٹ باندھے۔ میں نے تم سے یہ دریافت کیا کہ کیسے لوگوں نے ان کا اتباع کیا۔ تم نے کہا کہ ضعفاء اور غرباء نے۔ بے شک حضرات انبیاء کے اتباع اور پیروی کرنے والے اکثر ضعفاء[1] اور غرباء ہی ہوتے ہیں۔ میں نے تم سے دریافت کیا کہ اُن کے پیرو بڑھتے جاتے ہیں یا گھٹتے جاتے۔ تم نے کہا۔ بڑھتے جاتے ہیں۔ بیشک ایمان کا یہی حال ہے اس کے پیرو روز بروز بڑھتے ہی رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ حدِ کمال کو پہنچ جائے۔ میں نے تم سے دریافت کیا کہ ان کے دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص ان کے دین سے ناراض اور بیزار ہو کر مرتد بھی ہو جاتا ہے۔ تم نے کہا نہیں۔ بے شک ایمان کا یہی حال ہے کہ جب اس کی شیرینی اور حلاوت اور اس کی فرحت و مسرت دلوں میں سما جائے تو پھر کسی طرح نہیں نکلتی۔ میں نے تم سے دریافت کیا کہ کیا وہ بدعہدی کرتے ہیں تم نے کہا نہیں۔ بے شک پیغمبروں کی یہی شان ہوتی ہے وہ کبھی بدعہدی نہیں کرتے۔ میں نے تم سے لڑائی کے متعلق دریافت کیا تم نے کہا کبھی وہ غالب اور کبھی ہم غالب۔ بیشک انبیاء کے ساتھ ابتلاءً اللہ تعالیٰ کا ایسا ہی معاملہ ہوتا ہے کبھی غالب ہوتے ہیں اور کبھی مغلوب تاکہ ان کے متبعین کے صدق اور اخلاص کا امتحان ہوتا رہے لیکن انجام کار غلبہ اور فتح انھیں کو ہوتا ہے۔ میں نے تم سے دریافت کیا وہ تم کو کن چیزوں کا حکم دیتے ہیں۔ تم نے کہا اللہ عزوجل کی عبادت کا حکم دیتے شرک اور بت پرستی سے منع کرتے ہیں۔ نماز اور زکوٰۃ اور سچائی اور پاک دامنی وغیرہ کا حکم کرتے ہیں اگر یہ تمام چیزیں جو تم نے بیان کی ہیں صحیح ہیں تو وہ بلاشبہ نبی ہے۔ اور وہ عنقریب اس جگہ کا مالک ہو گا جہاں میرے یہ دونوں قدم ہیں۔ مجھکو معلوم تھا کہ یہ نبی ظاہر ہونے والے ہیں۔ لیکن یہ گمان نہ تھا کہ تم میں

---

[1] یعنی مغرور اور متکبر نہیں ہوتے مال و دولت کے نشہ سے محفوظ ہوتے ہیں۔ ان کے قلوب تکبر اور غرور اور نخوت سے خالی ہوتے ہیں اس لئے حق بات کو سنتے ہیں اور قبول کرتے ہیں۔

سے ظاہر ہوں گے مجھے اُن سے ملنے کی بڑی تمنا ہے، اگر میں آپ کی خدمت میں پہنچ جاؤں تو آپ کے قدم دھلایا کروں۔ بعد ازاں آپ کا والا نامہ تمام مجمع کو پڑھ کر سنایا گیا۔

خط کا سنانا تھا کہ ایک شور برپا ہو گیا اور ہر طرف سے آوازیں بلند ہونے لگیں۔ ابوسفیان کہتے ہیں اُس وقت ہم سب کو باہر نکال دیا گیا۔ باہر آنے کے بعد میں نے کہا کہ تعجب کی بات ہے کہ آپ سے روم کا بادشاہ بھی ڈرتا ہے، اسی روز سے مجھکو یقین کامل ہو گیا کہ آپ کا دین ضرور غالب ہو کر رہے گا یہاں تک اللہ تعالیٰ نے مجھکو اسلام کی توفیق دی (بخاری شریف فتح الباری)[1]

امام زہری فرماتے ہیں کہ عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں ابن الناطور نصاری کے ایک بڑے عالم نے مجھ سے بیان کیا کہ جو قیصر کے اس دربار میں شریک تھا۔ کہ قیصر نے اس دربار کے بعد رومتہ کے ایک بڑے عالم کو جس کا نام ضغاطر رومی تھا آپ کے بارے میں خط لکھا۔ یہ شخص آسمانی کتابوں سے بخوبی واقف تھا۔ خط لکھوانے کے بعد بیت المقدس سے حمص کی جانب روانہ ہوا بادشاہ حمص میں تھا کہ اس کا جواب آیا کہ یہ وہی نبی ہیں جن کا ہم کو انتظار ہے اور جن کی عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی ہے۔ میں نے ان کی تصدیق کی اور میں ان کا اتباع کروں گا، ان کے نبی ہونے میں کوئی شک نہیں۔

تم ضرور اُن کی تصدیق کرو اور ان کا اتباع قبول کرو بادشاہ نے ایک عظیم الشان دربار منعقد کیا اور تمام بطارقہ روم کو جمع کیا اور تمام دروازے بند کرا دیئے اور خود ایک جھروکے اور بالاخانہ میں بیٹھا اور وہاں سے تمام درباریوں کو مخاطب کر کے یہ کہا۔

یا معشر الروم انی قد جمعتکم لخیر	اے گروہ روم تحقیق میں نے تم کو ایک عظیم الشان خیر
انہ قد اتانی کتاب ھذا الرجل یدعونی	کے لئے جمع کیا ہے وہ یہ کہ میرے پاس اس شخص کا ایک خط

---

[1] اس حدیث کو امام بخاریؒ نے متعدد ابواب میں ذکر فرمایا ہے حافظ عسقلانی نے دو باب میں اس حدیث پر مفصل کلام فرمایا ایک بدء الوحی ص ۳۰ ج اول تا ص ۴۳ ج اول اور دوسرے کتاب التفسیر سورۂ آل عمران ص ۱۰۱ ج ۸ تا ص ۱۲۵ ج ۸

[2] اس عالم کا نام ابن الناطور ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں مذکور ہے دیکھو فتح الباری ص ۳۳ ج ۱)

الی دینہ وانہ واللہ للنبی الذی کنا ننتظرہ ونجدہ فی کتبنا فھلموا فلنتبع ولنصدقہ فتسلم لنا دنیانا وآخرتنا

آیا ہے جس میں اس نے مجھکو اپنے دین کی دعوت دی ہے اور البتہ تحقیق خدا کی قسم یہ وہی نبی ہیں جن کے ہم منتظر ہیں اور جن کو اپنی کتابوں میں پاتے ہیں پس آؤ اور رہ دوڑ دوہم سب مل کر اُن کا اتباع اور ان کی تصدیق کریں تاکہ ہماری دنیا اور آخرت دونوں سلامت رہیں۔

یہ سنتے ہی تمام بطارقہ روم چلا اُٹھے اور نکلنے کی غرض سے اُٹھ کر بھاگے دیکھا کہ دروازے بند ہیں بادشاہ نے حکم دیا کہ واپس بلاؤ۔ واپس بلا کر یہ کہا میں تم کو آزمانا چاہتا تھا تمہاری دینی شدت اور مضبوطی اور مذہبی پختگی دیکھ کر مجھ کو مسرت ہوئی یہ سُن کر سب خوش ہو گئے اور بادشاہ کے سامنے سجدہ میں گر پڑے بعد ازاں قیصر نے دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو تنہائی میں بلا کر یہ کہا۔ خدا کی قسم میں خوب جانتا ہوں کہ تمہارے دوست نبی مرسل ہیں مجھکو اندیشہ ہے کہ روم کے لوگ مجھکو قتل نہ کر ڈالیں اگر مجھکو یہ اندیشہ نہ ہوتا تو میں ضرور اُن کا اتباع کرتا۔ تم ضغاطر۔ رُوم کے اسقف اعظم کے پاس جاؤ وہ بہت بڑا عالم ہے مجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے، نیز رومیوں میں اس کی عظمت و وقعت مجھ سے بہت زائد ہے۔ تم اُس کے پاس جاؤ اور اپنے پیغمبر کا حال بیان کرو۔ دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ضغاطر کے پاس پہنچے اور آپ کا تمام حال بیان کیا۔ ضغاطر[۵۱] نے کہا خدا کی قسم وہ نبی مرسل ہیں ہم اُن کی شان اور صفت آسمانی کتابوں میں لکھی ہوئی پاتے ہیں یہ کہہ کر ایک حجرہ میں گیا اور سیاہ کپڑے جو پہلے سے پہنے ہوا تھا اُن کو اُتار کر سپید کپڑے بدلے اور عصا لے کر کنیسہ میں آیا اور سب کو مخاطب کر کے یہ کہا،

یا معشر الروم انہ قد جاءنا کتاب من احمد یدعونا فیہ الی اللہ عزوجل

اے گروہ روم۔ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک خط آیا ہے جس میں ہم کو اللہ عزوجل کی طرف بلایا۔

---

[۵۱] حافظ عسقلانی کو فتح الباری میں اس بارے میں تأمل ہے کہ ضغاطر اور رومیہ کا عالم دو شخص ہیں یا ایک شخص اور ضغاطرا کی رومیہ کے عالم کا نام ہے لیکن طبری کے اس سیاق سے جزم نے جس کیا ہے اس سے مراد یہ معلوم ہوتا ہے کہ دو شخص ہیں واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲۔

وانی اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ — میں تو گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں
و ان احمد عبدہ و رسولہ — اور احمد مجتبیٰ اللہ کے بندے اور اُس کے رسول ہیں۔

یہ سنتے ہی تمام لوگ اُس پر ٹوٹ پڑے یہاں تک اسے مار کر چھوڑا۔ دحیہ رضی اللہ عنہ نے لوٹ کر یہ تمام حال قیصر سے بیان کیا۔ قیصر نے کہا مجھکو بھی یہی خوف ہے کہ لوگ میرے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ کریں گے (تاریخ طبری ص۱۰۰ ج۳۔ و ص۱۰۱ البدایۃ والنہایۃ از ص۲۶۲ ج۴ تا ص۲۶۷ ج۴۔ الجواب الصحیح ص۹۴ ج۱ و فتح الباری ص۳۰ ج ۱)

معجم طبرانی میں ہے کہ قیصر روم نے دحیہ رضی اللہ عنہ سے یہ کہا کہ میں خوب جانتا اور پہچانتا ہوں کہ آپ نبی ہیں جیسا کہ ضغاطر نے کہا لیکن میں اگر ایسا کروں تو میری سلطنت جاتی رہی اور روم کے لوگ مجھ کو قتل کر ڈالیں۔

لیکن قیصر نے آپ کے اس ارشاد پر نظر نہیں کی۔

اَسْلِمْ تَسْلَمْ — اسلام لا سلامت رہے گا

اگر اسلام لے آتا تو دنیا اور آخرت دونوں اس کی سلامت رہتیں۔

تکمیل

قیصر روم نے نہایت عزت و احترام کے ساتھ آپ کے والا نامہ کو سونے کے قلمدان میں رکھا۔ امیر سیف الدین منصوری فرماتے ہیں کہ مجھکو ایک مرتبہ شاہ منصور نے کچھ ہدایات دے کر شاہ مغرب کے پاس بھیجا۔ شاہ مغرب نے ایک سفارش کی غرض سے مجھکو شاہ فرنج کے پاس روانہ کیا جو قیصر روم کی اولاد میں سے تھا۔ جب میں نے شاہ فرنج کے پاس سے واپسی کا ارادہ کیا تو ٹھہرنے کی بابت اصرار کیا اور یہ کہا اگر آپ ٹھہر جائیں تو ایک عظیم الشان اور نادر چیز دکھلاؤں گا میں ٹھہر گیا۔ ایک

ا؎ ۔ یہ تمام واقعہ تفصیل کے ساتھ تاریخ طبری اور الجواب الصحیح میں مذکور ہے مگر اس واقعہ کے کچھ اجزاء فتح الباری میں بھی مذکور ہے اس لئے حوالہ میں فتح الباری کا نام بھی شامل کر دیا گیا ۱۲۔

صندوق منگایا جس پر سونے کے پتر جڑے ہوئے تھے، اس میں سے ایک سونے کا قلمدان نکالا اور اس کو کھولا تو اس میں سے ایک خط نکلا جو حریر میں لپٹا ہوا تھا۔ اکثر حروف اس خط کے اڑ چکے تھے بادشاہ نے کہا۔ یہ آپ کے پیغمبر کا خط ہمارے دادا قیصر کے نام جو وراثۃً ہم تک پہنچا ہے اور ہمارے دادا نے یہ وصیت کی تھی جب تک یہ والا نامہ تمہارے پاس محفوظ رہے گا۔ اس وقت تک سلطنت باقی رہے گی۔ لہٰذا اپنی سلطنت کی وجہ سے ہم اس خط کی بیحد حفاظت اور تعظیم و تکریم کرتے اور نصاریٰ سے پوشیدہ رکھتے ہیں۔ ؎۱

فوائد و لطائف

(۱)۔ خط کی ابتداء اللہ عزوجل کے نام سے ہونی چاہیئے، جیسا سلیمان علیہ السّلام نے ملکہ سبا کے نام جب والا نامہ تحریر فرمایا تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے اس کی ابتدا فرمائی۔

(۲)۔ خط بھیجنے والا اپنا نام پہلے لکھے اور مکتوب الیہ کا نام بعد میں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا نام پہلے لکھوایا۔ اور بعد میں شاہ روم کا۔ حضرات صحابہ کا یہی معمول تھا کہ جب آپ کو خط لکھتے تو پہلے اپنا نام لکھتے (کذا فی شرح البخاری للامام النووی صہ٩٦)

لیکن ضروری اور واجب نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور خالد بن الولید کو ایک جگہ بھیجا وہاں پہنچ کر دونوں حضرات نے آپ کی خدمت میں عریضہ لکھا حضرت علی نے تو آپ کا نام مبارک پہلے لکھا اور اپنا بعد میں اور حضرت خالد نے اپنا نام پہلے لکھا جس سے معلوم ہوا کہ دونوں امر جائز ہیں۔

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور عبد الملک بن مروان کو خط لکھا تو پہلے حضرت معاویہ اور عبد الملک کا نام لکھا اور علیٰ ہذا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جب حضرت معاویہ کو خط لکھا تو انھوں نے بھی حضرت معاویہ ہی کا نام پہلے لکھا۔ ؎۲

؎۱۔ زرقانی ج ۳، ص : ۳۴۲ ؎۲۔ فتح الباری ج ۸، ص : ۱۶۸

(۳)۔ آپ نے اپنے نام کے ساتھ عبداللہ کا لفظ اضافہ فرمایا اس میں نصاریٰ کے عقیدۂ فاسدہ الوہیت مسیح کے ابطال کی طرف اشارہ تھا کہ عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام معاذاللہ۔ خدا نہ تھے بلکہ اللہ کے بندے اور اُس کے محترم رسُول تھے جن کو اللہ نے اپنی طرف اٹھایا نیز اشارہ اس طرف بھی تھا کہ جتنے پیغمبر بھی آئے سب کے سب اس کا اقرار کرتے تھے کہ ہم اللہ کے بندے ہیں۔ معاذ اللہ خدا نہیں۔

(۴)۔ الی ہرقل عظیم الروم۔ ہرقل کے بعد عظیم الروم کا لفظ بڑھانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ جب کفار سے مکاتبۃ اور مراسلت کی جائے تو مناسب القاب سے ان کو خطاب کیا جائے۔

(شرح البخاری للنوویؒ)

(۵)۔ سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔ سلام ہو اللہ کا اس شخص پر جو ہدایت کا اتباع کرے یعنی نہیں تو نہیں یہ جملہ موسیٰ علیہ السّلام کے قصہ میں مذکور ہے اشارہ اس طرف ہے کہ کافر کو مطلقاً السلام علیک نہ لکھا جائے بلکہ سلام علی من اتبع الہدی لکھنا چاہیے کہ تم پر سلام اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ ہدایت کا اتباع کرو اسی وجہ سے قرآن کریم اس کے بعد یہ جملہ آیا ہے وَاَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی اور حدیث نبوی میں سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی کے بعد جو یہ جملہ آیا ہے۔ فَاِنْ تَوَلَّیْتَ الخ سو یہ جملہ وَاَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی کے قائم مقام ہے۔

(۶)۔ اسلم تسلم یوتک اللّٰہ اجرک مرتین۔ — اسلام لے آ سلامت رہے گا اور اللہ تعالیٰ تجھکو دو اجر عطا کرے گا۔

ایک اجر اپنے سابق نبی پر ایمان لانے کی وجہ سے اور ایک اجر نبی آخر الزماں پر ایمان لانے کی وجہ سے کما قال تعالیٰ اُولٰٓئِکَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَھُمْ مَّرَّتَیْنِ۔

(۷)۔ فَاِنْ تَوَلَّیْتَ فَاِنَّ عَلَیْکَ اِثْمَ الْاَرِیْسِیِّیْنَ۔ اگر تو نے اسلام سے روگردانی کی تو تمام رعایا کا گناہ تیری گردن پر ہوگا۔

اس لئے کہ جو شخص کسی کی گمراہی یا ہدایت سے باز رہنے کا سبب بنے اس کا گناہ بھی اس کے سر رہے گا۔ قال تعالیٰ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ

(۸)۔ دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط دے کر تنہا روانہ فرمانا اس کی دلیل ہے کہ خط حجت اور معتبر ہے نیز خبر واحد حجت اور سند ہے اگر خبر واحد معتبر نہیں تو تنہا دحیہؓ کو بھیجنے سے کیا فائدہ (کذا قالہ الامام النوویؒ فی شرح البخاری)

(۹)۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مستور الحال کی روایت معتبر ہے جب تک کوئی قرینہ اس کے کذب اور خطا کا نہ ہو اس لئے کہ حضرت دحیہ ہرقل کے حق میں مستور الحال تھے۔

(۱۰)۔ ہرقل خوب جانتا تھا کہ آپ وہی نبی ہیں جن کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی ہے لیکن اسلام نہیں لایا جس سے معلوم ہوا کہ ایمان۔ نام۔ جاننے اور پہچاننے کا نہیں۔ بلکہ ماننے اور تسلیم کرنے کا نام ایمان ہے لہٰذا جو شخص آپ کو نبی جانتا ہو مگر مانتا نہ ہو تو وہ شخص ہرگز مسلمان نہیں۔ اسی وجہ سے علماء محققین کا قول یہ ہے کہ صحیح یہ ہے کہ ہرقل شاہ روم اسلام نہیں لایا مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ ہرقل نے تبوک سے ایک خط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا جس میں یہ لکھا کہ میں مسلمان ہوں آپ نے فرمایا کہ یہ شخص جھوٹا ہے ابھی تک اپنی نصرانیت پر قائم ہے۔

(۲) خسرو پرویز کسریٰ شاہ ایران کے نام نامۂ مبارک

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ من جانب محمد رسول اللہ بجانب
من محمد رسول اللہ الی کسریٰ عظیم	کسریٰ شاہ فارس۔ سلام ہے اس شخص پر جو ہدایت
فارس سلام علی من اتبع الھدی	کا اتباع کرے اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان
وآمن باللہ ورسولہ وشھد	لائے اور گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں
ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک	وہ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور محمد صلی اللہ

له وان محمدا عبده ورسوله ادعوك بداعیه الله عزوجل فانی انا رسول الله الی الناس له كلهم لانذر من كان حیا ویحق القول علی الكافرین اسلم تسلم فان تولیت فعلیك اثم المجوس.

علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں تجھ کو اللہ عزوجل کے حکم کے مطابق اس دین کی دعوت دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں تمام لوگوں کی طرف تاکہ ڈراؤں اس شخص کو جس کا دل زندہ ہے اور پوری ہو حجت اللہ کی کافروں پر اسلام لا سلامت رہے گا اور اگر تو نے روگردانی کی تو تمام مجوس کا گناہ تجھ پر ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کو یہ والانامہ دے کر روانہ فرمایا۔ کسریٰ آپ کے والانامہ کو دیکھتے ہی آگ بگولا ہو گیا اور خط کو چاک کر ڈالا اور یہ کہا کہ یہ شخص مجھ کو یہ خط لکھتا ہے (کہ مجھ پر ایمان لے آؤ) حالانکہ یہ شخص میرا غلام ہے۔ عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے آکر آپ سے واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا کسریٰ کا ملک ٹکڑے ٹکڑے اور پارہ پارہ ہو گیا، اور کسریٰ نے باذان گورنر یمن کو لکھا کہ فوراً دو توی آدمی حجاز روانہ کرو کہ وہ اس شخص کو کہ جس نے ہم کو یہ خط لکھا ہے گرفتار کر کے میرے سامنے لائیں۔

باذان نے فوراً دو آدمیوں کو آپ کے نام ایک خط دے کر روانہ کیا۔ جب یہ دونوں آدمی باذان کا خط لے کر بارگاہ نبوت میں پہنچے تو آپ کی خداداد عظمت وہیبت سے تھرتھر کانپنے لگے اسی حالت میں باذان کا خط آپ کی خدمت میں پیش کیا خط سنکر آپ مسکرائے اور دونوں کو اسلام کی دعوت دی اور یہ فرمایا کہ کل آنا۔ اگلے روز یہ دونوں شخص حاضر خدمت ہوئے آپ نے فرمایا۔ آج شب میں فلاں وقت اللہ تعالیٰ نے کسریٰ پر اس کے بیٹے شیرویہ کو مسلط کر دیا۔ اور شیرویہ نے

له ۔ کما قال تعالیٰ قُلْ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا۔۱۲۔

كله ۔ اس والانامہ میں یُؤْتِكَ اللّٰهُ اَجْرَكَ مَرَّتَیْنِ نہیں تحریر فرمایا اس لئے کہ کسریٰ آتش پرست تھا کسی آسمانی کتاب اور پیغمبر برحق کا نام لیوا نہ تھا۔ اس لئے وہ دو اجر کا مستحق نہ تھا۔ زرقانی ص ۳۴۳ ج ۳

کسریٰ کو قتل کر ڈالا۔ یہ شب سہ شنبہ کی شب تھی دس راتیں ماہ جمادی الاولیٰ ۷ھ کی گزر چکی تھیں
آپ نے فرمایا تم واپس چلے جاؤ۔ اور باذان سے جا کر یہ سب حال بیان کر دو اور فرمایا کہ باذان سے
یہ بھی کہہ دینا کہ میرا دین اور میری سلطنت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک کسریٰ کی پہنچی ہے باذان نے
سن کر یہ کہا کہ یہ بات بادشاہوں کی سی نہیں اگر یہ خبر صحیح ہے تو خدا کی قسم وہ بلا شبہ نبی ہیں چنانچہ
اس خبر کی تصدیق ہو گئی باذان مع اپنے خاندان اور رفقاء اور احباب کے مشرف باسلام ہو گیا۔ اور
اپنے اسلام سے حضور پر نور کو مطلع کیا۔[1]

(۴) نجاشی شاہ حبشہ کے نام نامۂ مبارک

بسم الله الرحمن الرحيم من محمد رسول الله الى النجاشي ملك الحبشة سلام عليك اما بعد فانى احمد اليك الله الذى لا اله الا هو الملك القدوس السلام المؤمن المهيمن واشهد ان عيسى بن مريم روح الله وكلمته القاها الى مريم البتول الطيبة الحصينة فحملت بعيسى فخلقه الله من روحه ونفخه كما خلق آدم بيده وانى ادعوك الى الله وحده لا شريك له والموالاة على طاعته وان تتبعنى وتؤمن بالذى جاءنى فانى

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد اللہ کے رسول کی جانب سے نجاشی شاہ حبشہ کی طرف سلام ہو تجھ پر۔ اما بعد میں حمد و ثنا کرتا ہوں اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی حقیقی بادشاہ ہے تمام عیبوں سے پاک ہے امن دینے والا اور سب کا نگہبان گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ مریم کے بیٹے اللہ کی خاص روح اور اس کا کلمہ ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے مریم پاک کی طرف القا کیا پس حاملہ ہوئیں عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی خاص روح اور نفخ سے پیدا کیا جیسے آدم علیہ السلام کو اپنے بے چون و چگون ہاتھ سے بلا ماں باپ کے پیدا کیا میں تجھ کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں جو ایک ہے کوئی اس کا کوئی شریک نہیں اور

[1] البدایۃ والنہایۃ۔ ج ۴، ص: ۲۶۸ – ۲۷۲ – زرقانی ج ۳، ص: ۳۴۴

رسول اللہ وانی أدعوك وجنودك الی اللہ تعالیٰ فقد بلغت ونصحت فاقبلوا النصیحتی والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔

اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کی محبت کی طرف اور اپنے اتباع کی طرف اور اس بات کی طرف کہ جو اللہ کی طرف سے میرے پاس آیا ہے (یعنی قرآن) اس پر ایمان لا تحقیق میں اللہ کا رسول ہوں میں تجھ کو اور تیرے تمام لشکروں کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں میں اللہ کا پیام پہنچا چکا اور نصیحت کی۔ پس میری نصیحت کو قبول کرو اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کا اتباع کرے۔

عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خط دے کر روانہ فرمایا۔ عمرو بن امیہ نے آپ کا خط پہنچایا اور بادشاہ سے مخاطب ہو کر یہ کہا۔ اے اصحمہ[1] مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔ امید ہے کہ آپ غور سے سنیں گے ہمیں آپ پر اعتماد اور اطمینان اور آپ سے حسن ظن ہے۔ ہم نے جب کبھی آپ سے کسی خیر اور بھلائی کی اُمید کی ہیں وہ بھلائی آپ سے حاصل ہوئی۔ آپ کے سایہ امن میں ہم کو کبھی خوف وہراس نہیں پیش آیا۔ انجیل جس کا حجت ہونا آپ کی زبانی معلوم ہوا ہے وہ ہمارے اور آپ کے مابین شاہد عادل ہے جس کی شہادت رد نہیں کی جا سکتی۔ اور ایسا قاضی اور حاکم ہے کہ جو اپنے فیصلہ میں عدل اور انصاف سے تجاوز نہیں کرتا۔ اگر آپ نے اس دعوت کو قبول نہ کیا۔ تو آپ اس نبی امی کے حق میں ایسے ہی ثابت ہوں گے جیسا کہ یہود عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قاصد اور سفیر اوروں کے پاس بھی روانہ فرمائے ہیں لیکن بہ نسبت دوسروں کے تم سے زیادہ اُمید ہے۔

نجاشی کا جواب

نجاشی نے کہا میں گواہی دیتا ہوں اور قسم کھاتا ہوں کہ آپ وہی نبی امی ہیں جن کا اہل کتاب انتظار کرتے تھے۔ اور جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے راکب الحمار سے عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت دی ہے

---

[1] یہ اس نجاشی کا نام تھا ۱۲۔

اسی طرح راکب الجمل سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی ہے اور مجھے آپ کی نبوت ورسالت کا اس درجہ یقین ہے کہ عینی مشاہدہ کے بعد بھی میرے یقین اور اذعان میں اضافہ نہ ہوگا (جیسا کہ بعض صالحین کا مقولہ ہے۔ لوکشف الغطاء ما ازددت یقینا۔ اگر پردہ بھی اٹھا دیا جائے تو میرے یقین میں زیادتی نہ ہوگی)

اور آپ کے والا نامہ کو آنکھوں سے لگایا اور تخت سے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا۔ اور اسلام قبول کیا اور حق کی شہادت دی اور آپ کے والانامہ کا جواب لکھوایا۔

نجاشی کی طرف سے آپ کے والانامہ کا جواب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ الی محمد رسول اللہ من النجاشی الاصحم بن ابجز سلام علیک یا نبی اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ الحمد للہ الذی لا الہ الا ھو الذی ھدانی للاسلام اما بعد فقد بلغنی کتابک یارسول اللہ فما ذکرت من امر عیسیٰ فورب السماء والارض ان عیسیٰ مایزید علی ما ذکرت ثفروقا انہ کما قلت وقد عرفنا مابعثت بہ الینا وقد قربنا ابن عمک واصحابہ فاشھد انک رسول اللہ صادقا مصدقا وقد بایعتک وبایعت ابن عمک و اسلمت علی یدیہ للہ رب العالمین وقد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی جانب نجاشی اصحم بن ابجر کی جانب سے۔ سلام ہو آپ پر اے اللہ کے پیغمبر اور رحمتیں اور برکتیں ہوں اللہ کی آپ پر میں تعریف کرتا ہوں اُس ایک خدا کی جس نے مجھکو اسلام کی ہدایت اور توفیق مرحمت فرمائی — یا رسول اللہ۔ آپ کا والانامہ پہنچا۔ عیسیٰ علیہ السّلام کی بابت جو کچھ آپ نے ذکر کیا قسم ہے آسمان اور زمین کے پروردگار کے عیسیٰ علیہ السلام اس سے ذرہ برابر زیادہ نہیں بلاشبہ انکی شان وہی ہے جو آپ نے ذکر کی جو دین دے کر آپ ہماری طرف بھیجے گئے ہم اُس کو پہچان لیا اور آپکے ابن عم اور اُن کے رفقاء کی مہمانی کی بس میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے اور تصدیق کئے ہوئے رسول ہیں میں نے

بعثت الیک بابنی ارھا ابن الاصحم	آپ سے اور آپ کے ابن عم سے بیعت کی اور ان
بن الابجز فانی لا املک الا نفسی	کے ہاتھ پر اللہ رب العالمین کے لئے اسلام لایا
وان شئت ان آیتک فعلت یارسول	آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے ارہا بن اصحم کو بھیجتا
فانی اشھد ان ماتقول حق والسلام	ہوں۔ میں صرف اپنی ذات کا مالک ہوں اگر اشارہ
علیک یارسول اللّٰہ۔	ہو تو میں خود خدمت میں حاضر ہوں یارسول اللہ

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں، وہ بالکل حق ہے سلام ہو آپ پر اے اللہ کے رسول۔

نجاشی نے اپنے بیٹے کو حبشہ کے ساٹھ آدمیوں کے ساتھ ایک کشتی میں سوار کرکے آپ کی خدمت میں روانہ کیا لیکن وہ کشتی راستہ میں غرق ہو گئی۔[۱]

یہ وہی نجاشی ہے کہ جس کی طرف مسلمانوں نے ۵ھ نبوی میں ہجرت کی اس کا نام اصحمہ ہے حضرت جعفرؓ کے ہاتھ پر اسلام لایا اور رجب ۹ھ میں اس نے وفات پائی جس روز اس کا انتقال ہوا اسی روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اس کی وفات کی خبر دی اور عیدگاہ میں صحابہ کے ہمراہ جاکر نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔

اس کے وفات کے بعد جو دوسرا نجاشی اس کا جانشین ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام کا ایک خط اس کے نام بھی روانہ فرمایا۔ جس کو امام بیہقی نے ابن اسحٰق سے روایت کیا ہے وہ خط یہ ہے۔

من النبی محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم	از جانب محمد صلی اللہ علیہ وسلم بطرف نجاشی عظیم
الی النجاشی الاصحم عظیم الحبشۃ	حبشہ۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کا اتباع کرے
سلام علی من اتبع الھدیٰ وآمن	اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور شہادت
باللّٰہ ورسولہ وشھد ان لا الٰہ الا	دے کہ اللہ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں نہ اسکے

[۱] - زاد المعاد ج ۳، ص: ۶۰ ۔ ہدایۃ الحیاری لابن قیم ص: ۴۴ ۔ زرقانی، ج: ۳، ص: ۳۴۳ تا ۳۴۵

الله وحده لا شريك له لم يتخذ صاحبة ولا ولدا وان محمدا عبده ورسوله وادعوك بدعاية الله فاني انا رسوله فاسلم تسلم يا اهل الكتاب تعالوا الى كلمة سواء بيننا و بينكم ان لا نعبد الا الله ولا نشرك به شيئا ولا يتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون فان ابيت فعليك اثم النصارى من قومك ۔

بیوی ہے اور نہ اولاد۔ اور گواہی دے کہ محمد اللہ کے بندے اور اُس کے رسُول ہیں میں تجھکو اللہ کی دعوت دیتا ہوں تحقیق میں اللہ کا رسول ہوں اسلام لا سلامت رہے گا۔ اے اہل کتاب آؤ ایک صاف اور سیدھی بات کی طرف جو ہمارے اور تمھارے درمیان میں مسلم ہے وہ یہ کہ سوائے خدا کے کسی کی بندگی نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اور آپس میں ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں۔ پس اگر روگردانی کریں تو کہہ دو کہ گواہ رہو کہ ہم تو مسلمان اور اللہ کے فرمانبردار ہیں۔ اے نجاشی اگر تو نے اسلام کے قبول کرنے سے انکار کیا تو تیری قوم کے تمام نصاریٰ کا گناہ تجھ پر ہوگا۔

اس نجاشی کا اسلام ثابت نہیں ہوا اور نہ اس کا نام معلوم ہوا حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ نجاشی۔ اُس نجاشی کے علاوہ ہے کہ جو حضرت جعفر کے ہاتھ پر مسلمان ہوا آہ کلامہ بعض لوگوں کو التباس ہوگیا اور دونوں کو ایک ہی سمجھ لیا۔ صحیح مسلم کی روایت سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ نجاشی دو ہیں اس دوسرے خط میں جو نجاشی کے ساتھ اصحم کا لفظ مذکور ہے وہ راوی کا وہم ہے اصحم پہلے نجاشی کا نام ہے راوی نے دونوں کو ایک سمجھ کر اس خط میں بھی اصحم کا لفظ غلطی سے بڑھا دیا۔ (دوالتفصیل فی الزرقانی ج ۳ ص ۳۴۶)

(۴) مُقوقِس شاہ مصر و اسکندریہ کے نام نامۂ مُبارک

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ من محمد عبد الله ورسوله الى المقوقس عظيم القبط سلام على من

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد اللہ کے بندے اور اسکے رسول کی جانب سے مقوقس عظیم قبط کے نام۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کا اتباع کرے میں تجھکو اسلام

اتبع الھدیٰ امّا بعد فانی ادعوك	کی دعوت دیتا ہوں اسلام لا سلامت رہےگا اور
بدعایه الاسلام اسلم تسلم	اللہ تعالیٰ تجھکو دوہرا اجر عطا فرمائے گا۔ اور اگر تو نے
یوتك الله اجرك مرتین فان	اس دعوت سے اعراض کیا تو تمام قبط کے حق نہ
تولیت فعلیك اثم القبط یا اھل	قبول کرنے کا گناہ تجھ پر ہوگا۔ اے اہل کتاب آؤ ایسی
الکتاب تعالوا الیٰ کلمة سواء بیننا و	سیدھی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے مابین
بینکم ان لا نعبد الا الله ولا نشرك	مسلم ہے وہ یہ کہ سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کی عبادت
به شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضاً اربابا	نہ کریں اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کریں اور
من دون الله فان تولوا فقولوا	اور ہم میں کا بعض۔ بعض کو سوائے خدا کے رب نہ
اشھدوا بانا مسلمون ہ	بنائے بس اگر اس سے اعراض کریں تو کہہ دو کہ گواہ

رہو کہ ہم مسلمان اور اللہ کے فرمانبردار ہیں۔

مہر لگا کر۔ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو دیا کہ وہ شاہ مصر کے پاس روانہ ہوں حاطبؓ آپ کا والانامہ لیکر روانہ ہوئے اول مصر پہنچے معلوم ہوا کہ بادشاہ اسکندریہ میں ہے۔ اسکندریہ پہنچے، دیکھا کہ بادشاہ ایک جھروکے میں بیٹھا ہوا ہے جو لب دریا واقع ہے نیچے سے وہ نامہ مبارک اشارہ سے تبلایا بادشاہ نے اندر بلانے کا حکم دیا۔ حاطبؓ اندر پہنچے اور آپ کا والانامہ پیش کیا۔ توقیر اور عظمت کے ساتھ آپ کے والانامہ کو لیا اور پڑھا۔ (زرقانی صلالا ج ۳)

حضرت حاطب راوی ہیں کہ بعد ازاں شاہ اسکندریہ نے بطور مہمان مجھکو ایک مکان میں ٹھہرا دیا۔ ایک روز تمام بطارقہ یعنی زعماء اور قائدین کو جمع کر کے مجھکو بلایا۔ اور یہ کہا کہ میں تم سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں سمجھ کر جواب دینا۔ حاطبؓ نے کہا بہتر ہے مقوقس نے کہا جن کا تم خط لے کر آئے ہو کیا وہ نبی نہیں ہیں۔ حاطبؓ نے کہا کیوں نہیں وہ تو اللہ کے رسول ہیں مقوقس نے کہا اگر وہ واقعی اللہ کے رسول ہیں تو جس وقت ان کی قوم نے ان کو مکہ سے نکالا تو اس وقت ان کے حق میں بددعا

کیوں نہ کی کہ وہ ہلاک ہو جاتے۔

حاطب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا تم اس کی گواہی نہیں دیتے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول نہ تھے مقوقس نے کہا ۔ بے شک وہ اللہ کے رسول تھے حاطب نے کہا کہ جب وہ اللہ کے رسول تھے تو جس وقت ان کے دشمنوں نے ان کو سولی دینے کا ارادہ کیا تو حضرت مسیح نے اس وقت ان کے حق میں کیوں بد دعا نہ کی کہ اللہ عزوجل ان کو ہلاک کر دیتا یہاں تک اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو اپنی طرف اٹھا لیا۔ مقوقس نے کہا بے شک تو حکیم ہے اور حکیم کے پاس سے آیا ہے۔ ؎

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کی دربار مقوقس میں تقریر

مقوقس ۔حضرت حاطب کے اس حکیمانہ جواب کو سن خاموش ہو گیا۔ بعدازاں حضرت حاطب نے بادشاہ کو مخاطب کر کے ایک تقریر فرمائی۔

آپ کو معلوم ہے کہ ایک شخص اس شہر مصر میں پہلے گزرا ہے کہ جو یہ دعویٰ کرتا تھا کہ میں ہی رب اعلیٰ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو پکڑا اور سزا دی اور ہلاک اور برباد کیا تم کو چاہیے کہ اس سے عبرت حاصل کرو۔ ایسا نہ ہو کہ دوسرے تم سے عبرت پکڑیں۔ ایک دین ہے جو تمہارے دین سے کہیں بہتر ہے وہ دین اسلام ہے جس کے متعلق خداوند ذوالجلال نے وعدہ فرمایا ہے کہ اس کو تمام دینوں پر غلبہ عطا فرمائے گا۔ تمام ادیان اس کے سامنے مضمحل ہو جائیں گے۔ اس پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مبعوث ہو کر لوگوں کو اس دین کی دعوت دی اس بارے میں قریش سب سے زیادہ سخت اور یہود سب سے زیادہ دشمن اور نصاریٰ سب سے زیادہ قریب ثابت ہوئے۔ خدا کی قسم حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت دینا بعینہ ایسا ہی ہے جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ؔ۔ الخصائص الکبریٰ ج ۲، ص ۱۲۔ زرقانی ج ۳، ص ۳۴۸

کی بشارت دی دونوں میں کوئی تفاوت نہیں اور ہمارا تم کو قرآن کی طرف بلانا بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ تم اہل توراۃ کو انجیل کی طرف بلاتے ہو۔ جو قوم کسی نبی کو پائے وہ قوم اس نبی کی امت ہے ان کے ذمہ لازم ہے کہ اس نبی کی اطاعت کریں اور اے بادشاہ تو بھی انھیں لوگوں میں سے جنھوں نے اس نبی کا زمانہ پایا ہے۔ ہم تم کو دین مسیحی سے روکتے نہیں بلکہ حکم دیتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السّلام کا اتباع کرو۔[۱]

بادشاہ کا جواب

مقوقس نے کہا۔ میں نے اس نبی کے بارے میں غور اور فکر کیا تو یہ پایا کہ وہ پسندیدہ چیزوں کا حکم دیتے ہیں اور ناپسند چیزوں سے منع کرتے ہیں قابل نفرت چیزوں کا حکم نہیں دیتے اور قابل رغبت چیزوں سے منع نہیں کرتے۔ جادوگر اور گمراہ نہیں۔ کاہن اور جھوٹے نہیں۔ نبوت کی علامتیں ان میں پاتا ہوں مثلاً ان کا غیب کی خبریں دینا اور اس بارے میں پھر غور کروں گا۔ اور آپ کے والانامہ کو ہاتھی دانت کے ڈبہ میں بند کر کے اپنے خازن کو حکم دیا کہ اس کو حفاظت سے رکھیں اور ایک کاتب کو بلا کر عربی زبان میں آپ کے والانامہ کے جواب لکھنے کا حکم دیا وہ جواب یہ تھا۔

مقوقس شاہ مصر کی طرف سے والانامہ کا جواب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط محمد بن عبد اللّٰه من المقوقس عظيم القبط سلام عليك ۔ اما بعد فقد قرأت كتابك ففهمت ما ذكرت فيه وما تدعو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط محمد بن عبد اللہ کے نام مقوقس سردار قبط کی جانب سے سلام ہو آپ پر اما بعد۔ میں نے آپ کا خط پڑھا اور سمجھا اور اس کے مضمون کو اور اس چیز کو جس کی طرف آپ نے دعوت

---

[۱] کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام نے خود آپ کی بشارت دی ہے مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ اور آپ کے اتباع اور اطاعت کا حکم دیا ہے۔ آپ کا اتباع عین حضرت مسیح علیہ السّلام کے حکم کا اتباع ہے ۱۲

الیہ وقد علمت ان نبیا قد بقی و	دی ہے بھیجا۔ میں یقین جانتا ہوں کہ ایک نبی باقی
کنت اظن ان یخرج من الشام وقد	رہ گیا ہے۔ میرا گمان یہ تھا کہ شاید اس کا خروج شام
اکرمت رسولک وبعثت الیک بجاریتین	سے ہو میں نے آپ کے قاصد کا اکرام اور احترام کیا
لھما من القبط مکان عظیم وکسوۃ	دو باندیں اور کچھ کپڑے اور خچر ہدیتہ آپ کی خدمت
واھدیت الیک بغلۃ لترکبھا والسلام	میں بھیجتا ہوں۔ والسلام

ایک جاریہ کا نام ماریہ قبطیہ تھا یہ آپ کے حرم میں داخل ہوئیں۔ آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم انہیں کے بطن سے پیدا ہوئے، دوسری کا نام سیرین تھا جو حسان بن ثابت کو عطا ہوئیں اور خچر کا نام دُلدُل تھا۔

مقوقس نے آپ کے قاصد کا اکرام و احترام کیا اور آپ کے والا نامہ کی نہایت توقیر و تعظیم کی اور اقرار کیا کہ بے شک آپ وہی نبی ہیں جن کی انبیاء سابقین نے بشارت دی ہے۔ لیکن ایمان نہیں لایا، نصرانیت پر قائم رہا۔ حاطب بن ابی بلتعہ جب آپ کی خدمت میں پہنچے اور تمام واقعہ بیان کیا تو یہ ارشاد فرمایا کہ ملک اور سلطنت کی وجہ سے اسلام نہیں قبول کیا اور اس کا ملک اور سلطنت باقی نہیں رہ سکتی چنانچہ مصر حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں مسلمانوں نے فتح کیا۔ (الجواب الصحیح للحافظ ابن تیمیہ ص ۹۹ ج اول تا ص ۱۰۱ ج ا اور زرقانی ص ۳۴۲ ج ۳ روض الانف ص ۳۵۵ ج ۲ و ہدایۃ الحیاری ص ۳۲)

مقوقس۔ اس سے پیشتر آپ کے حالات مغیرۃ بن شعبہ سے معلوم کر چکا تھا۔ مغیرہ مشرف باسلام ہونے سے پہلے بنی مالک کے چند آدمیوں کے ساتھ مقوقس کے پاس گئے تھے، اس وقت مقوقس نے ان لوگوں سے آپ کے حالات دریافت کئے۔ مغیرہ نے کہا وہ بالکل ایک نیا دین لے کر آئے ہیں جو ہمارے آبائی اور جدی دین کے بھی خلاف ہے اور بادشاہ کے دین کے بھی خلاف ہے۔

مقوقس۔ ان کی قوم نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔

مغیرہ۔ اکثر نوجوانوں نے ان کا اتباع کیا اور بوڑھوں نے مخالفت کی اور مخالفین سے

لڑائی کی نوبت آئی کبھی فتح ہوئی اور کبھی شکست

مقوقس ـ وہ کس چیز کی طرف تم کو بلاتے ہیں۔

مغیرہ ـ ایک اللہ عزوجل کی عبادت کریں کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کریں، جن بتوں کی ہمارے آباؤاجداد پرستش کرتے تھے ان کو چھوڑ دیں اور نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے ہیں۔

مقوقس ـ کیا نماز کے لئے کوئی وقت اور زکوٰۃ کے لئے کوئی مقدار معین ہے۔

مغیرہ ـ دن رات میں پانچ نمازیں ادا کرتے ہیں۔

بیس مثقال سونے میں نصف مثقال یعنی مال کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ دیتے ہیں۔

مقوقس ـ زکوٰۃ لے کر کیا کرتے ہیں۔

مغیرہ ـ فقراء اور مساکین پر تقسیم کر دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں صلہ رحمی اور ایفاء عہد کا حکم کرتے ہیں زنا اور سود اور شراب کو حرام بتاتے ہیں غیر اللہ کے نام پر جو جانور ذبح کیا جاتا ہے اس کو نہیں کھاتے۔

مقوقس ـ بیشک وہ نبی مرسل ہیں تمام عالم کے لئے مبعوث ہوئے ہیں عیسیٰ علیہ السّلام بھی انہیں باتوں کا حکم دیتے تھے اور اس سے پہلے تمام انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسّلام بھی انھیں باتوں کی تلقین فرماتے تھے اور انجام کار آپ ہی کو غلبہ ہوگا، یہاں تک کہ کوئی آپ کا مزاحم نہ رہے گا اور منتہائے برو بحر تک آپ کا دین پہنچے گا۔

مغیرہ ـ ساری دنیا بھی اگر آپ پر ایمان لے آئے تو ہم آپ پر ایمان نہ لائیں گے۔

مقوقس ـ تم لوگ نادان اور بے عقل ہو۔ اچھا یہ تو بتاؤ کہ ان کا نسب کیسا ہے۔

مغیرہ ـ سب سے بہتر۔

مقوقس ـ حضرات انبیاء اللہ ہمیشہ سب سے اعلیٰ اور اشرف خاندان سے ہوئے ہیں۔

اچھا ان کی سچائی اور راستی کے متعلق کچھ بیان کرو۔

مغیرہ ـ ان کی سچائی اور راستی ہی کی وجہ سے سارا عرب ان کو امین پکارتا ہے۔

مقوقس ـ تم اس بارے میں غور اور فکر کرو کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص بندوں سے سچ بولے اور

خدا پر جھوٹ بولے۔ نیز یہ تبلاؤ کہ ان کے پیرو اور اتباع کس قسم کے لوگ ہیں۔

مغیرہ۔ نوجوان۔

مقوقس۔ آپ سے پیشتر جس قدر انبیاء گزرے ان کے اتباع کرنے والے اکثر نوجوان[1] ہی ہوتے ہیں۔ بعد ازاں یہ دریافت کیا کہ یثرب کے یہودیوں نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا وہ لوگ اہلِ تورات ہیں۔

مغیرہ۔ مخالفت کی آپ نے ان میں سے کسی کو قتل کیا اور کسی کو قید اور کسی جلا وطن۔

مقوقس۔ یہود حاسد قوم ہے یہود نے آپ پر حسد کیا ورنہ وہ ہماری طرح آپ کو خوب پہچانتے ہیں۔

مغیرہ۔ یہ سن کر ہم محل سے باہر آ گئے اور اپنے دلوں میں یہ کہا۔ کہ شاہانِ عجم بھی آپ کی تصدیق کرتے ہیں حالانکہ وہ آپ سے بہت دُور ہیں اور ہم تو آپ کے رشتہ دار اور پڑوسی ہیں ہم اب تک آپ کے دین میں داخل نہیں ہوئے حالانکہ آپ نے ہم کو ہمارے گھروں پر آ کر بلایا۔ یہ بات میرے دل میں اثر کر گئی اور میں اسکندریہ ہی میں ٹھہر گیا کوئی گرجا ایسا نہ چھوڑا کہ میں اس میں نہ گیا ہوں اور وہاں

---

[1] کیونکہ اخلاق اور عادات بوڑھوں میں پختہ اور راسخ ہو جاتے ہیں ان کو اپنی عادات اور مراسم کا چھوڑنا بہت شاق ہوتا ہے۔

ان الغصون اذا قومتها اعتدلت ولن تلين اذا قومته الخشب

شاخیں جب تک نرم ہوں ان کو سیدھا کیا جا سکتا ہے لیکن لکڑی ہو جانے کے بعد ان کا سیدھا کرنا ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مکہ کے اکثر نوجوان ابتدائے بعثت میں مشرف باسلام ہوئے اور رؤسا اور سرداران قریش فتح مکہ میں اسلام لائے۔ حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ تشریف فرما تھے اور نوجوانوں کی ایک جماعت نصیحت سننے کے لئے آپ کے ارد گرد بیٹھی ہوئی تھی ایک شخص ادھر سے گزرا۔ نوجوانوں کے مجمع کو دیکھ کر اس نے حضرت حذیفہ سے سوال کیا کہ آپ کے گرد نوجوانوں کا مجمع کیسا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ھل الخیر الا فی الشباب جوانوں کو بلاؤ کس میں خیر ہے کہ وہ نصیحت کو سنیں اور بعد ازاں یہ فرمایا کیا تو نے اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات کو سنا۔ قالوا سمعنا فتی یذکرھم یقال لہ ابراھیم۔ انھم فتیۃ امنوا بربھم۔ قال لفتاہ اٰتنا غداءنا۔ اور اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو نہیں بنا کر بھیجا مگر جب کہ اس کا شباب اور جوانی کمل ہو گئی (یعنی چالیس سال کو پہنچ گیا۔ کما قال تعالیٰ۔ اذا بلغ اشدہ وبلغ اربعین سنۃ) کذا فی تنبیہ المغترین للامام الشعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ صفحہ ۳۰

کے پادریوں سے آپ کی صفت اور شان دریافت نہ کی ہو یہاں تک میں اُن کے اُسقف اعظم (بڑے پادری) سے ملا جو بڑا عابد و زاہد تھا لوگ مریضوں کو اُس کے پاس دُعا کرانے کے لئے لاتے تھے، میں نے اس سے دریافت کیا۔ کیا ابھی کسی نبی کا مبعوث ہونا باقی ہے اس نے یہ جواب دیا۔

نعم هو آخر الانبياء ليس بينه وبين عيسى بن مريم احد وهو نبي مرسل وقد امرنا عيسى باتباعه وهو النبي الامي العربي اسمه احمد ليس بالطويل ولا بيض ولا بالآدم يعض شعره ويلبس ما غلظ من الثياب ويجتزئ بما لقي من الطعام سيفه على عاتقه ولا يبالي بمن لاقى ساشر القتال بنفسه ومعه اصحابه يفدونه بانفسهم هم له اشد حبا من اولادهم يخرج من ارض حرم ويأتي الى حرم يهاجر الى ارض سباخ ونخل يدين بدين ابراهيم عليه السلام

ہاں وہ آخری نبی ہیں۔ اُن کے اور عیسٰی علیہ السلام کے درمیان کوئی نبی نہیں وہ نبی مرسل ہیں عیسٰی علیہ السلام نے ہم کو ان کے اتباع کا حکم دیا وہ نبی امی عربی ہیں نام اُن کا احمد ہے نہ دراز قد ہیں نہ پست قامت بلکہ میانہ قد ہیں آنکھوں میں اُنکی سُرخی ہے نہ بالکل سفید ہیں نہ بالکل گندمی۔ بال ان کے زیادہ ہوں گے موٹے کپڑے پہنیں گے جتنا کھانا میسر آجائے گا اسی پر اکتفا اور قناعت کریں گے۔ تلوار اُن کے کاندھے پر ہوگی کسی مقابلہ کی پرواہ نہ کریں گے، خود جہاد و قتال کریں گے ان کے اصحاب ان کے ساتھ ہوں گے جو دل و جان سے ان پر فدا ہوں گے اپنی اولاد سے زیادہ ان سے محبت رکھتے ہوں گے وہ نبی حرم (مکہ) میں ظاہر ہوگا اور حرم کی طرف ہجرت کرے گا وہ زمین شورہ اور نخلستانی ہوگی۔ ابراہیم علیہ السّلام کے دین کا پیرو ہوگا۔

مغیرہ کہتے ہیں میں نے کہا آپ کی کچھ اور صفات بیان کرو اُس نے کہا کہ آپ ازار بند ہوں گے اپنے اطراف اور اعضاء کو دھوئیں گے یعنی وضو کریں گے۔ آپ سے پہلے جس قدر نبی گزرے

وہ صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوئے اور آپ تمام عالم کی طرف مبعوث ہوں گے تمام روئے زمین اُن کے لئے مسجد اور طہور ہوگی، جہاں نماز کا وقت آجائے گا وہاں پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کرکے نماز ادا کریں گے۔ بنی اسرائیل کی طرح کنیسہ اور گرجا کے پابند نہ ہوں گے کہ کلیسا کے سوا کہیں دوسری جگہ نماز ہی درست نہ ہو۔

مغیرہ کہتے ہیں کہ تمام باتیں میں نے خوب غور سے سُنی اور یاد رکھا اور واپس ہوکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام کا حلقہ بگوش بنا۔[۵۱]

(۵) مُنذِر بن ساویٰ شاہ بحرین کے نام نامۂ مبارک

علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو۔ منذر ساویٰ کی طرف دعوت اسلام کا خط[۵۲] دے کر روانہ فرمایا۔ علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں آپ کا والا نامہ لے کر منذر کے پاس پہنچا تو میں نے اس سے یہ کہا۔

اے منذر۔ دنیا میں تو بڑا عاقل اور ہوشیار ہے۔ آخرت کے بارے میں نادان اور ذلیل نہ بن یہ مجوسیت (آتش پرستی) بدترین مذہب ہے۔ نہ اس میں عرب کا سا شرف اور کرم ہے اور نہ اہل کتاب کا سا علم۔ اس مذہب والے ان عورتوں سے نکاح کرتے ہیں جن کے ذکر ہی سے حیا اور شرم آتی ہے۔ اور اُن چیزوں کو کھاتے ہیں جن کے کھانے سے سلیم طبیعتیں نفرت کرتی ہیں۔ دنیا میں اس آگ کی پرستش کرتے ہیں جو قیامت کے دن ان کو کھائے گی اے منذر تو بے عقل اور نادان نہیں۔ تو خوب سوچ لے اور غور کرے۔ جو ذات کبھی جھوٹ نہیں بولتی اس کی تصدیق کرنے اور اس کو صادق اور راستباز سمجھنے میں تجھ کو کیا تامل ہے اور جو ذات کبھی خیانت نہیں کرتی اس کے امین سمجھنے میں اور جو ذات کہ اُس کی بات میں کبھی خلاف نہیں ہوتا اس پر وثوق اور اعتماد کرنے میں

---

[۵۱] ۔ الجواب الصحیح لابن تیمیہ ۔ ص: ۱۰۱ ۔ ۱۰۳ ، ج ۱ ۔ خصائص کبریٰ ۔ ج ۲ : ص: ۱۲

[۵۲] ۔ روایات سے یہ تو ثابت ہے کہ آپ نے منذر بن ساویٰ کے نام دعوت اسلام کا خط تحریر فرمایا لیکن باوجود تتبع اور تلاش کے اس والا نامہ کے الفاظ نہیں معلوم ہو سکے۔ زرقانی ص ۳۵۱ ج ۳

تجھ کو کیا تردد ہے، اگر آپ کی ذات بابرکات ایسی ہی ہے اور یقیناً ایسی ہے تو مجھے سے کہ وہ بلا شبہ اللہ کے نبی اور اس کے رسول ہیں صلی اللہ علیہ وسلم اور ایسے رسول ہیں کہ جس چیز کے کرنے کا آپ نے حکم دیا۔ اس کے متعلق کوئی ذی عقل یہ ہرگز نہیں کہہ سکتا کہ کاش آپ اس چیز سے منع فرماتے اور جس چیز کے کرنے سے آپ نے منع فرمایا اس کے متعلق کوئی ذی عقل اور ذی ہوش یہ نہیں کہہ سکتا کہ کاش آپ اس چیز کے کرنے کے کا حکم دیتے، یا جس چیز کو جس حد تک آپ نے معاف فرمایا اس سے زائد معاف فرماتے یا جس چیز کی آپ نے جو سزا تجویز فرمائی اس میں کوئی تخفیف یا کمی فرماتے۔ اس لئے کہ آپ کا ہر امر اور ہر نہی اور آپ کا ہر ارشاد اہلِ عقل اور اہلِ نظر کی انتہائی تمنا اور آرزو کے مطابق ہے۔

(۵) منذر بن ساوی کا جواب

منذر نے کہا میں جس دین پر ہوں میں نے اس میں غور کیا تو اس کو فقط دنیا کے لئے پایا۔ آخرت کے لئے نہیں اور تمہارے دین میں نظر اور فکر کی تو اس کو دنیا اور آخرت دونوں کے لئے پایا۔ پس مجھکو اس دین کے قبول کرنے سے کیا شئ مانع ہے کہ جس کے قبول کرنے سے زندگی کی تمنائیں اور موت کی راحت حاصل ہوتی ہو اب تک میں اس شخص پر تعجب کرتا تھا جو اس دین (اسلام) کو قبول کرے اور اب اس پر تعجب کرتا ہوں کہ جو اس دین برحق کو رد کرے۔

منذر بن ساوی کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والانامہ کا جواب

منذر مشرف باسلام ہوا اور آپ کے والانامہ کا یہ جواب لکھوایا۔

اما بعد یارسول اللہ فانی قرأت کتابك علے اھل البحرین فمنھم من احب	اے رسول اللہ میں نے آپ کا والانامہ اہلِ بحرین کو سنادیا بعضوں نے اسلام کو پسند کیا اور اس میں

ـــــــــــــــــــ

لہ۔ الجواب الصحیح ۔ ج ۱ ، ص: ۱۱۳

الاسلام واعجبه ودخل فيه ومنهم من كرهه وبارضي يهود ومجوس فاحدث الي في ذلك امرك.

داخل ہوئے اور بعضوں نے ناپسند کیا اور میرے ملک میں یہودی اور مجوسی رہتے ہیں اس بارے میں آپ اپنا حکم صادر فرمائیں۔

آپ نے یہ جواب لکھوا کر بھیجا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ، من محمد رسول الله الى المنذر بن ساوى سلام عليك فانى احمد اليك الله الذى لا اله الا هو واشهد ان محمدا رسول الله اما بعد فانى اذكرك الله عزوجل فانه من ينصح فانما ينصح لنفسه وانه من يطع رسلى ويتبع امرهم فقد اطاعنى ومن نصح لهم فقد نصح لى وان رسلى قد اثنوا عليك خيرا وانى قد شفعتك فى قومك فاترك للمسلمين ما اسلموا عليك وعفوت عن اهل الذنوب فاقبل منهم وانك مهما تصلح فلن نعزلك عن عملك ومن اقام على يهوديته او مجوسيته فعليه الجزية [۱]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یہ خط ہے محمد رسول اللہ کی جانب سے منذر بن ساوی کی طرف۔ سلام ہو تم پر میں تیری طرف اس خدائے پاک کی حمد پہنچاتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد۔ اللہ کے رسول ہیں۔ بعد ازاں میں تجھکو اللہ عزوجل یاد دلاتا ہوں اس لئے کہ جو شخص اللہ کے ساتھ خیر خواہی اور وفاداری کرے وہ حقیقت میں اپنی ذات کی خیر خواہی کرتا ہے اور جس نے میرے قاصدوں کی اطاعت کی اور انکے حکم کا اتباع کیا پس تحقیق اُس نے میری اطاعت کی اور جس نے ان کی خیر خواہی کی، میرے قاصدوں نے آکر تمہاری تعریف و توصیف کی میں نے تمہاری قوم کے بارے میں تمہاری سفارش قبول کی پس وہ املاک مسلمانوں کے قبضہ میں چھوڑ دو جن پر وہ اسلام لائے ہیں اور خطاکاروں کو میں نے معاف کیا اُس سے اسلام یا توبہ قبول کرو اور جب تک تم ٹھیک اور درست رہو گے تو ہم تم کو معزول نہ کریں گے اور جو شخص اپنی یہودیت یا مجوسیت پر قائم رہے تو اس پر جزیہ ہے۔

---

[۱] - زاد المعاد ج ۳ ، ص : ۶۱ ، ۶۲ - زرقانی ج : ۳ ، ص : ۳۵۱

(۶) شاہ عمّان کے نام نامۂ مبارک

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ من محمّد بن عبد اللّٰہ ورسولہ الی جَیْفَرْ وعَبْدٍ ابنی الجُلَنْدِی سلام علی من اتبع الھدیٰ اما بعد فانی ادعوکما بدعایۃ الاسلام اَسْلِمَا تَسْلَمَا فانی رسول اللّٰہ الی الناس کافۃ لانذر من کان حیا ویحق القول علی الکافرین وانکما ان اقررتما بالاسلام ولیتکما وان ابیتما ان تقرا بالاسلام فان ملککما زائل عنکما وخیلی تحل بساحتکما وتظھر نبوتی علی ملککما۔ [1]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط ہے محمد بن عبد اللہ رسول اللہ کی طرف سے جَیْفَر اور عَبْد پسران جلندی کی طرف۔ سلام ہے اس پر جو ہدایت کا اتباع کرے۔ اما بعد میں تم دونوں کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں اسلام لے آؤ سلامت رہو گے۔ اس لیے کہ میں اللہ کا رسول ہوں تمام لوگوں کی طرف تاکہ ڈراؤں اللہ کے عذاب سے اس کو کہ جو زندہ ہو [1] اور ثابت ہو اللہ کی حجت کافروں پر۔ تم اگر اسلام کا اقرار کرو تو تم کو تمہارے ملک پر بدستور باقی رکھیں گے ورنہ سمجھ لو کہ تمہاری سلطنت عنقریب زائل ہونے والی ہے اور میرے سوار تمہارے گھر کے صحن تک پہنچیں گے اور میری نبوت و رسالت تمہارے ملک کے تمام ادیان پر غالب آکر رہے گی۔

ذی قعدۃ الحرام ۸ھ میں عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ نے والا نامہ دے کر پسران جَلَنْدی۔ عَبْد اور جَیْفَر کی طرف روانہ فرمایا۔ عمرو بن العاص فرماتے ہیں کہ میں آپ کا والا نامہ لے کر۔ عمّان پہنچا اوّل عَبْد سے ملاقات ہوئی۔ نہایت حلیم اور بُردبار اور نیک خو تھے میں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھکو یہ خط دے کر آپ اور آپ کے بھائی کی طرف بھیجا ہے۔ عَبْد نے کہا کہ اصلی رئیس اور بادشاہ میرے بڑے

---

[1] یعنی دل میں اس کے حیات اور زندگی کے آثار باقی ہوں ورنہ جس کا دل بالکل مردہ ہو چکا ہے اس کے حق میں ڈرانا اور نہ ڈرانا سب برابر ہے ۱۲۔ [2] زاد المعاد ج ۳، ص: ۶۱، ۶۲۔ زرقانی ج ۳، ص ۳۵۲

بھائی جَیفَر ہیں، میں آپ کو اُن سے ملا دوں گا، یہ خط اُن کے سامنے پیش کر دینا۔ بعد ازاں مجھ سے کہا کہ تم ہم کو کس چیز کی طرف دعوت دینے آئے ہو۔

عمرو بن العاصؓ:۔ ایک اللہ کی عبادت کرو۔ بُت پرستی کو چھوڑو اور اس بات کی گواہی دو کہ محمد اللہ کے بندے اور اُس کے رسُول ہیں۔

عَبد:۔ اے عمرو بن العاص۔ تم اپنی قوم کے سردار کے بیٹے ہو تبلاؤ کہ تمھارے باپ نے کیا کیا ہم انھیں کی اقتدا کریں گے۔

عمرو بن العاصؓ:۔ میرے باپ مر گئے اور آپ پر ایمان نہیں لائے اور میری تمنا تھی کہ کاش وہ اسلام لاتے اور آپ کی تصدیق کرتے۔ ایک عرصہ تک میں انھیں کی رائے پر رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھکو اسلام کی ہدایت اور توفیق سے سرفراز فرمایا۔

عَبد:۔ تم کب مسلمان ہوئے۔

عمرو بن العاصؓ:۔ چند ہی روز ہوئے۔

عَبد:۔ کہاں مسلمان ہوئے۔

عمرو بن العاص:۔ نجاشی شاہ حبشہ کے ہاتھ پر اور نجاشی بھی مسلمان ہو چکا ہے۔

عَبد:۔ نجاشی کے اسلام لے آنے کے بعد اس کی قوم نے اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔

عمرو بن العاص:۔ حسب سابق اس کو بادشاہت پر برقرار رکھا اور اس کے متبع اور پیرو بنے

عَبد:۔ اساقفہ (پادریوں) اور رہبان نے کیا کیا۔

عمرو بن العاصؓ:۔ سب نے اُس کا اتباع کیا۔

عَبد:۔ اے عمرو غور کر کے کیا کہہ رہے ہو خوب سمجھ لو کہ جھوٹ سے بڑھ کر کوئی بُری خصلت نہیں اور انسان کے لئے جھوٹ سے زیادہ رسوا کرنے والی کوئی چیز نہیں۔

لہ۔ لطیفہ۔ عجیب بات ہے کہ ایک صحابی۔ تابعی کے ہاتھ پر اسلام لایا۔ اس لئے کہ عمرو بن العاص صحابی تھے۔ اور نجاشی تابعی تھا ۱۲۔ زرقانی صفحہ ۳۵۵ ج ۳

عمرو بن العاص:۔ حاشا وکلا میں نے جھوٹ نہیں کہا اور نہ ہمارے دین میں جھوٹ بولنا حلال ہے۔
عَبْد:۔ معلوم نہیں کہ ہرقل قیصر روم کو نجاشی کے اسلام لانے کی خبر ہوئی یا نہیں۔
عمرو بن العاص:۔ ہرقل کو نجاشی کے مسلمان ہونے کا علم ہے۔
عَبْد:۔ تم کو کیسے معلوم ہوا۔
عمرو بن العاص:۔ نجاشی، قیصر روم کو خراج ادا کرتا تھا مسلمان ہونے کے بعد خراج دینے سے انکار کر دیا۔ اور یہ کہا کہ خدا کی قسم اگر قیصر روم مجھ سے ایک درہم بھی مانگے تو وہ بھی نہ دوں گا۔ قیصر روم کو جب نجاشی کی یہ بات پہنچی تو قیصر روم خاموش ہو گیا۔ قیصر کے خاموشی کو دیکھ کر قیصر روم کے بھائی نیاق نے نہایت غصہ سے یہ کہا۔ کہ کیا آپ اپنے اس غلام یعنی نجاشی کو ایسے ہی چھوڑ دیں گے کہ خراج بھی ادا نہ کرے اور آپ کا مذہب چھوڑ کر نیا دین اختیار کرے۔ قیصر نے کہا نجاشی کو اختیار ہے کہ وہ جس دین کو چاہے اختیار کرے اس نے اس دین کو پسند کیا خدا کی قسم اگر مجھ کو اپنی سلطنت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں بھی یہی دین اختیار کرتا۔
عَبْد:۔ بہت تعجب ہو کر۔ اے عمرو کیا کہہ رہے ہو۔
عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ:۔ خدا کی قسم میں نے بالکل سچ کہا ہے
عَبْد:۔ اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارے پیغمبر کس چیز کا حکم دیتے ہیں اور کس چیز سے منع کرتے ہیں۔
عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ:۔ اللہ عزوجل کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں اور اس کی معصیت اور نافرمانی سے منع فرماتے ہیں بھلائی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں ظلم اور تعدی۔ زنا اور شراب خواری بت پرستی اور صلیب پرستی سے منع فرماتے ہیں۔
عَبْد:۔ کیا ہی اچھی دعوت اور کیا ہی عمدہ تلقین ہے۔ کاش میرا بھائی بھی میرے ساتھ اتفاق کرے اور دونوں مل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوں آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی تصدیق کریں لیکن ممکن ہے کہ میرا بھائی اپنی سلطنت کی وجہ سے اس بارے میں تامل کرے۔
عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ:۔ اگر اسلام لے آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بادشاہت کو بدستور

برقرار رکھیں گے اور یہ حکم دیں گے کہ اپنی قوم کے امراء اور اغنیاء سے صدقات وصول کریں۔ اور اپنی قوم کے فقراء اور مساکین پر اُن کو تقسیم کریں۔

عَبْد۔ یہ تو نہایت عمدہ بات ہے۔ یہ بتاؤ کہ صدقات کتنے اور کس طرح لیے جاتے ہیں۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ:۔ میں نے تفصیل بتایا کہ سونے اور چاندی میں اتنی زکوٰۃ لی جاتی ہے اور اونٹ اور بکریاں میں اتنی بعد ازاں عَبْد نے مجھ کو اپنے بھائی جَیْفَر کے سامنے پیش کیا میں نے آپ کا والا نامہ سربمہر اس کو دیا مہر کھول کر اس کو پڑھا اور مجھ کو بیٹھنے کا حکم دیا اور قریش کا کچھ حال دریافت کیا ایک دو روز کے تامل کے بعد جَیْفَر بھی اسلام پر آمادہ ہو گیا اور دونوں بھائیوں نے مل کر ایک روز اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ بہت سے لوگ اُن کے ساتھ مسلمان ہو گئے اور جو مسلمان نہیں ہوئے ان پر جزیہ قائم کر دیا گیا۔ (زاد المعاد[۵] ج ۲ ص ۶۲ ہدایۃ الحیاری للحافظ ابن القیم ص ۴۴)

حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ اصل بادشاہ ان کا باپ جُلَنْدی تھا شاید بوڑھے ہو جانے کی وجہ سے سلطنت بیٹوں کے سپرد کر دی ہو۔ ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو جُلَنْدی کی طرف دعوت اسلام کی غرض سے روانہ فرمایا ممکن ہے کہ آپ نے عمرو بن العاص کو باپ اور بیٹوں سب کی طرف روانہ فرمایا ہو۔ (کذا فی الاصابہ ص ۲۶۲ ج اول و ص ۲۶۲ ج ا ترجمہ جُلَنْدی و جَیْفَر قسم ثالث)

علامہ سہیلی لکھتے ہیں کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جُلَنْدی سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا۔

اے جُلَنْدی تو اگرچہ ہم سے بہت دور ہے لیکن اللہ عزوجل سے دُور نہیں جس ذات پاک نے تجھکو بلا کسی شریک کے تنہا پیدا کیا تو تنہا اُسی کی عبادت کر اور جو ذات تیرے پیدا کرنے میں خدا کی شریک نہیں تو اس کو خدا کی عبادت میں شریک نہ کر اور یقین رکھ کہ جس خدا نے تجھکو زندہ کیا ہے وہ تجھکو موت دینے والا ہے اور جس نے تمھاری پیدائش کی ابتدا کی وہی پھر تم کو اپنی طرف لوٹائے گا۔ پس اس نبی اُمی کے بارے میں خوب غور و فکر کر لو کہ جو دنیا و آخرت کی بھلائی اور بہبودی لیکر

---

[۵] یہ قصہ مختصراً طبقات ابن سعد ص ۱۸ ج ۱ میں بھی مذکور ہے ۱۲ ۔ نسائی، ج ۱۳۶، ص ۲۵۳

آیا ہے۔ اگر وہ تم سے کسی قسم کا کوئی اجر اور معاوضہ چاہتے ہوں تو وہ روک لو اور اگر ان کے کسی قول اور فعل میں ہوائے نفسانی کا شائبہ محسوس کرو تو اس کو چھوڑ دو پھر آپ کے لائے ہوئے دین میں غور کرو۔ کہ آپ کا دین لوگوں کے خود ساختہ قوانین کے مشابہ ہے یا نہیں۔ اگر آپ کی شریعت اور آپ کا دین لوگوں کے بنائے ہوئے دین کے مشابہ ہے تو بتلاؤ کس کے مشابہ ہے اور اگر آپ کا دین لوگوں کے بنائے ہوئے دین کے مشابہ نہیں تو سمجھ لو کہ وہ اللہ جل جلالہ کا دین ہے پس اس کو قبول کرو اور جو حکم دیتا ہے اس کی تعمیل کرو اور جس سے ڈراتا ہے اس سے ڈرو۔

جلندی نے کہا میں نے اس نبی امی کے بارے میں غور کیا۔ بے شک وہ کسی خیر اور بھلائی کا حکم نہیں دیتے مگر سب سے پہلے اس پر عمل کرنے والے وہ خود ہوتے ہیں اور کسی برائی سے منع نہیں کرتے مگر سب سے پہلے خود اس کے ترک کرنے والے ہوتے ہیں۔ جب وہ اپنے دشمنوں پر غالب آتے ہیں تو اتراتے نہیں اور جب مغلوب ہوتے ہیں۔ تو گھبراتے نہیں عہد کو پورا کرتے ہیں۔ وعدہ کی وفا کرتے ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ بلاشبہ نبی ہیں۔[1] ۱۲

اور یہ اشعار کہے :

اتانی عمرو بالتی لیس بعدہا ۔۔۔ من الحق شیٔ والنصیح نصیح

فیا عمرو قد اسلمت للہ جہرۃ ۔۔۔ ینادی بہا فی الوادیین فصیح

(۷) رئیس یمامہ ہوذۃ بن علی کے نامہ مبارک

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ خط ہے محمد رسول اللہ کی
من محمد رسول اللہ الی ھوذۃ ابن	طرف سے ہوذۃ بن علی کے نام۔ سلام ہے اس پر
علی سلام علی من اتبع الھدیٰ و	جو ہدایت کا اتباع کرے معلوم کر لو کہ میرا دین وہاں
اعلم ان دینی سیظھر الی منتھیٰ ۔	تک پہنچے گا جہاں اونٹ اور گھوڑے پہنچ سکتے ہیں اسلام

[1] - روض الانف ج : ۲ ، ص : ۳۵۶

والخف والحافر فاسلم تسلم واجعل لك ما تحت يديك.	سے آؤ سلامت رہو گے اور تمہارے مقبوضات پر تم کو بدستور برقرار رکھیں گے۔

سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ کو یہ خط دے کر روانہ فرمایا۔ ہوذہ نے آپ کا والانامہ پڑھا اور حضرت سلیط کو نہایت عزت واحترام کے ساتھ اتارا۔ سلیط رضی اللہ عنہ نے ہوذہ سے مخاطب ہو کر کہا

اے ہوذہ تجھ کو پرانی اور بوسیدہ ہڈیوں نے سردار بنا دیا ہے اور حقیقت میں سردار وہ ہے کہ جو ایمان سے متمتع ہوا اور تقوی کا توشہ لیا۔ میں تجھکو ایک بہترین شئ کا حکم کرتا ہوں اور ایک بدترین شئ سے تجھکو منع کرتا ہوں۔ اللہ تعالی کی عبادت کا حکم کرتا ہوں اور شیطان کی عبادت سے منع کرتا ہوں اگر تو اس کو قبول کرے تو تیری تمام امیدیں بر آئیں گی اور خوف سے مامون ہوگا۔ اور اگر انکار کرتا ہے تو قیامت کا ہولناک منظر ہمارے اور تیرے درمیان سے اس پردہ کو اٹھا دے گا۔

ہوذہ نے کہا مجھے مہلت دیجئے کہ میں سوچ لوں اور بعد ازاں آپ کے والانامہ کا یہ جواب لکھوایا۔

ما احسن ماتدعو اليه واجمله والعرب تهاب مكاني فاجعل لى بعض الامر اتبعك	جس چیز کی طرف آپ بلاتے ہیں وہ کیا ہی خوب اور بہتر ہے عرب میرے دبدبہ اور مرتبہ سے ڈرتے ہیں آپ مجھے کچھ اختیار دیجئے میں آپ کا اتباع کروں گا۔

اور چلتے وقت حضرت سلیط رضی اللہ عنہ کو ہدیہ اور تحفہ دیا اور کچھ ہجر کے بُنے ہوئے کپڑے دیئے۔ مدینہ پہنچ کر آپ سے سارا واقعہ بیان کیا۔ آپ نے خط پڑھ کر فرمایا خدا کی قسم اگر ایک بالشت زمین بھی مانگے گا تو نہ دوں گا وہ بھی ہلاک ہوا اور اس کا ملک بھی ہلاک ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ سے واپس ہوئے تو جبرئیل امین نے آکر آپ کو ہوذہ کے مرنے کی خبر دی۔ آپ نے صحابہ کو یہ خبر سنا کر فرمایا کہ یمامہ میں عنقریب ایک کذاب ظاہر ہوگا جو نبوت کا دعوی کرے گا اور میرے بعد قتل ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (دیکھو زاد المعاد ج ۳، ص: ۶۳)

(۸) امیرِ دمشق حارث غسّانی کے نام نامۂ مبارک

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، من محمد رسول اللّٰہ الی الحارث بن ابی شمر سلام علی من اتبع الھدیٰ وامن باللّٰہ وصدق فانی ادعوک الی ان تؤمن باللّٰہ وحدہٗ لا شریک لہ یبقی ملکک۔[1]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد ، اللہ کے رسول کی طرف سے حارث بن ابی شمر کے نام ، سلام ہو اس پر جو ہدایت کا اتباع کرے اور اللہ پر ایمان اور اللہ کے احکام کی تصدیق کرے۔ پس میں تجھکو دعوت دیتا ہوں اس بات کی کہ تو ایمان لائے اُس ایک خدا پر جس کا کوئی شریک نہیں اگر تو ایمان لے آیا تو تیری سلطنت باقی رہے گی۔

شجاع بن وہب اسدیؓ یہ والانامہ لے کر دمشق پہنچے حارث غسانی اس وقت قیصرِ روم کیلئے سامانِ ضیافت مہیا کرنے میں مشغول تھا قیصر اس زمانہ میں فارس پر فتحیابی کے شکریہ میں حمص سے پاپیادہ چل کر بیت المقدس آیا ہوا تھا انتظار میں کئی روز گزر گئے مگر حارث سے ملاقات نہیں ہوئی میں نے حارث کے دربان سے ذکر کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ کا قاصد ہوں بادشاہ سے ملنا چاہتا ہوں ، دربان نے کہا کہ بادشاہ ایک دو روز میں برآمد ہوں گے اس وقت ملاقات ہو سکے گی۔ دربان روم کا رہنے والا تھا نام اُس کا مُری تھا ، اُس نے مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات دریافت کرنے شروع کئے۔ میں آپ کے حالات بیان کرتا جاتا تھا اور وہ روتا جاتا تھا آپ کے حالات سُن کر یہ کہا میں نے انجیل پڑھی ہے میں آپ کے نام اوصاف پاتا ہوں میں آپ پر ایمان لاتا ہوں اور آپ کی تصدیق کرتا ہوں اور مجھکو اندیشہ ہے کہ حارث مجھکو قتل کر دے گا اور میرا نہایت اکرام اور احترام کیا اور نہایت اچھی مہمانی کی ایک روز حارث برآمد ہوا تاج پہن کر بیٹھا اور ان کو اندر آنے کی اجازت دی گئی حضرت شجاع بن وہبؓ نے آپ کا والانامہ پیش کیا۔ حارث اس کو پڑھ کر برہم ہوا اور آپ کے والانامہ کو پھینک دیا اور غصہ ہو کر کہا کہ وہ کون شخص ہے جو میرا ملک مجھ سے چھیننے کا میں ہی خود اس کی طرف جانے والا ہوں اور گھوڑوں کی نعل بندی کا حکم دیا اور ایک خط اس مضمون کا قیصرِ روم کے

نام سنانہ کہا۔ قیصر روم کا جواب یہ آیا۔ کہ اپنا ارادہ ملتوی کردو۔ قیصر روم کا جواب آنے کے بعد حضرت شجاع کو بلایا اور دریافت کیا کہ واپسی کا کب ارادہ ہے آپ نے فرمایا کہ کل ارادہ ہے، حارث نے آپ کو سو مثقال سونا ہدیۃً پیش کرنے کا حکم دیا اور دربان نے بھی کچھ نذرانہ پیش کیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا اسلام پہنچا دینا۔ میں واپس آیا اور تمام واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا اُس کا ملک ہلاک ہوا۔ بعد ازاں میں نے مری کا سلام پہنچایا اور جو کچھ اُس نے کہا تھا وہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا سچ کہا[1]

فوائد

(۱)۔ شاہان عالم کے نام جو دعوت اسلام کے خطوط ارسال فرمائے یہ اس امر کی صریح دلیل ہیں کہ حضور پُرنور کی نبوت و رسالت فقط عرب کے اُمیین کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ آپ کی رسالت عرب اور عجم جن اور انس یہود اور نصاریٰ اور مشرکین اور مجوس سب کے لئے ہے۔

قیصر روم نے جو کہ مذہباً عیسائی تھا آپ کی نبوت و رسالت کا اقرار کیا مگر اسلام نہیں لایا۔ علیٰ ہذا عزیز مصر یعنی مقوقس نے بھی جو کہ مذہباً نصرانی تھا آپ کی نبوت و رسالت کا اعتراف کیا مگر اسلام نہیں لایا نجاشی شاہ حبشہ جو عیسائی تھا وہ اسلام لایا نصاریٰ کے بعض فرقوں کا یہ گمان ہے کہ حضور پُرنور نبی اور رسول تو تھے مگر فقط عرب کے لئے تھے، یہود اور نصاریٰ کے لئے نبی بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔ ان کا یہ گمان بالکل غلط ہے۔

اگر حضور پُرنور کی نبوت و رسالت فقط عرب کے امیین کے لئے مخصوص ہوتی تو یہود اور نصاریٰ اور مجوس کو دعوت اسلام کیوں دیتے اور یہود اور نصاریٰ پر جزیہ کیوں لگاتے، امام زہری سے منقول ہے کہ سب سے پہلے آپ نے نصاریٰ نجران پر جزیہ مقرر کیا اور جب معاذ بن جبل کو یمن کا حاکم مقرر کر کے بھیجا تو حکم دیا کہ یمن میں جو یہودی رہتے ہیں ان کے ہر بالغ سے سالانہ ایک دینار جزیہ وصول کیا کریں۔[2]

---

[1] زاد المعاد ج ۳، ص: ۶۳

[2] طبقات ابن سعد ج ۱، ص: ۱۰، زرقانی ج ۳، ص ۳۵۶

(۲)۔ اب تک اکثر غزوات اہل عرب سے رہے اس کے بعد ۷ھ میں یہود خیبر سے آپ نے جہاد و قتال فرمایا اور پھر ۸ھ میں مقام موتہ کی طرف۔ نصاریٰ کے مقابلہ کے لئے ایک سریہ روانہ فرمایا جس میں حضرت زید اور حضرت جعفر اور حضرت عبداللہ بن رواحہ کو امیر مقرر فرمایا۔ جس کی تفصیل عنقریب آ جائے گی اور پھر ۹ھ آپ بنفسِ نفیس قیصر روم کے مقابلہ کیلئے مقام تبوک کی طرف روانہ ہوئے جو غزوہ تبوک کے نام سے مشہور ہے یہ غزوہ، نصاریٰ شام سے تھا معلوم ہوا کہ آپ کی بعثت فقط مشرکین عرب کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ یہود اور نصاریٰ اور تمام عالم آپ کی دعوت اور شریعت کا مکلف ہے ورنہ جو آپ کی شریعت کا مکلف نہ ہو اس سے جہاد کے کیا معنیٰ۔

(۳)۔ نیز قرآن و حدیث سے متواتر یہ ثابت ہے کہ آپ علی الاعلان یہ فرماتے تھے قُلْ يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ، يَآ اَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا اہل کتاب کو علی الاعلان اسلام کی دعوت دیتے تھے۔

پس اگر نصاریٰ کے اس فرقہ کے نزدیک اگرچہ آپ عرب ہی کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے مگر بہرحال نبی تھے اور نبی اگرچہ کسی خاص قوم کی طرف مبعوث ہو مگر عقلاً و نقلاً یہ ضروری ہے کہ نبی اپنے اقوال اور دعاوی میں قطعاً صادق ہو گا یہ ناممکن ہے کہ نبی ہو اور کسی بات میں کاذب ہو پس اگر نصاریٰ کے اس فرقہ کے نزدیک آپ نبی عرب تھے تو آپ یقیناً اس دعوے میں اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا میں ضرور صادق ہوں گے جب آپ کو نبی مان لیا تو دعوائے عموم بعثت میں بھی آپ کو یقیناً صادق ماننا پڑے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غزوۂ خیبر محرم الحرام ۷ھ

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ

(سورۂ فتح) وعدہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا جن کو تم لوگے پس یہ خیبر کی نعمت اللہ تعالیٰ نے تم کو جلدی دے دی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب حدیبیہ سے واپس ہوئے تو واپسی میں سورۂ فتح نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے عموماً اور اصحاب بیعۃ الرضوان سے خصوصاً یہ وعدہ فرمایا کہ تم کو بہت سی فتوحات ہوں گی اور بہت سی غنیمتیں ملیں گی اور بالفعل اس بیعت الرضوان کے انعام میں فتح خیبر دی اور فتح مکہ جو اس وقت ہاتھ نہ لگی سمجھ لو کہ وہ بھی مل ہی چکی ہے اور آئندہ چل کر تم کو اور بھی فتوحات نصیب ہوں گی جن کا علم ہم کو ہے چنانچہ آیت مذکورہ میں فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ سے خیبر ہی کی فتح مراد ہے اور علیٰ ہذا گذشتہ آیت وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا میں بھی فتح قریب سے فتح خیبر ہی مراد ہے۔

چنانچہ آپ حدیبیہ سے واپس ہو کر مدینہ منورہ پہنچے اور ذی الحجہ اور اوائل محرم میں مدینہ ہی میں مقیم رہے اس اثناء میں حضور پُر نور کو یہ حکم ہوا کہ خیبر پر چڑھائی کریں جہاں غدار یہود آباد تھے اور جو بد عہدی کر کے جنگ احزاب میں کفار مکہ کو مدینہ پر چڑھا کر لائے تھے اور حق تعالیٰ نے حضور پُر نور کو یہ خبر دیدی کہ فتح خیبر کی بشارت سن کر منافقین بھی آپ سے استدعا کریں گے کہ ہم بھی آپ کے ساتھ سفر میں چلنے ہیں اللہ کا حکم یہ ہے کہ یہ لوگ آپ کے ساتھ اس سفر میں ہرگز نہ جائیں اور اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ ۖ يُرِيدُونَ أَن يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ ۚ قُل لَّن تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِن قَبْلُ ۖ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا ۚ بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا [۱]

جو لوگ سفر حدیبیہ میں پیچھے رہ گئے تھے وہ عنقریب جب تم خیبر کی غنیمتیں لینے چلو گے تو یہ طامع لوگ تم سے یہ کہیں گے کہ ہم کو بھی اجازت دو کہ تمھارے ساتھ خیبر چلیں حق تعالیٰ ان کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے حکم اور اس کے وعدہ کو بدل ڈالیں آپ کہہ دیجئے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں جا سکتے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے یہ حکم دے دیا ہے پھر یہ اہل طمع یہ اعتراض کریں گے کہ تم ہم پر حسد کرتے ہو اور یہ چاہتے ہو کہ غنیمت میں ہم تمھارے شریک نہ ہوں حالانکہ یہ بالکل غلط ہے صحابۂ کرام کے قلوب حسد اور حرص سے پاک منزہ ہیں بلکہ یہی لوگ بات کو بہت ہی کم سمجھتے ہیں جن حضرات کی نظر میں پوری دنیا مچھر کے پر کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتی ہو ان کے متعلق حسد کا تصور ہی کمال ابلہی و نادانی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں کچھ قیام کے بعد اخیر ماہ محرم الحرام ۷ھ میں چودہ سو پیادوں اور دو سو سواروں کی جمعیت کے ساتھ خیبر کی طرف خروج فرمایا ازواج مطہرات میں سے اُم المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا آپ کی ساتھ تھیں (فتح الباری ص ۳۵۶ ج ۷ و زرقانی ص ۲۱۷ ج ۲)

صحیح بخاری میں سلمۃ بن اکوعؓ سے مروی ہے کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رات کے وقت خیبر کی طرف روانہ ہوئے تو عامر بن اکوع مشہور شاعر یہ رجز پڑھتے ہوئے آگے آگے تھے۔

اَللّٰهُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

اے اللہ اگر تو ہدایت نہ فرماتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے اور نہ کوئی صدقہ اور خیرات کرسکتے اور نہ ایک نماز پڑھ سکتے۔

۱۔ الفتح، آیۃ: ۱۵

فَاغْفِرْ فِدَاءً لَّكَ مَا اقْتَفَيْنَا ۔۔۔ وَاَلْقِيَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا

اے خدا ہم تجھ پر فدا اور قربان ہیں جو احکام ہم نہیں بجالائے ان کو معاف فرما اور خاص سکینت اور طمانیت ہم پر نازل فرما تاکہ قلب کو سکون اور چین حاصل ہو اور ہر قسم کی پریشانی اور بےچینی دل سے دور ہو۔

وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَيْنَا ۔۔۔ اِنَّا اِذَا صِيْحَ بِنَا اَتَيْنَا

اور دشمنوں سے مقابلہ کے وقت ہم کو ثابت قدم رکھ، ہم کو جب جہاد وقتال کے لئے پکارا جاتا ہے تو دوڑ کر پہنچتے ہیں

وَبِالصِّيَاحِ عَوَّلُوْا عَلَيْنَا

اور پکار کر ہم سے استغاثہ کیا ہے۔ (فتح الباری ص ج ۷)

مسند احمد میں بعض کلمات رجزیہ اور زیادہ ہیں وہ یہ ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا ۔۔۔ اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَيْنَا

تحقیق جن لوگوں نے ہم پر ظلم اور تعدی کی جب وہ ہم کو کفر اور شرک کے کسی فتنہ میں مبتلا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم اسے قبول نہیں کرتے۔

وَنَحْنُ عَنْ فَضْلِكَ مَا اسْتَغْنَيْنَا

اے پروردگار ہم تیرے فضل وکرم سے مستغنی اور بےنیاز نہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ حدی پڑھنے والا کون ہے لوگوں نے کہا۔ عامر بن اکوع ہے آپ نے فرمایا۔ یرحمہ اللہ، اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے اور مسند احمد کی روایت میں ہے کہ یہ فرمایا غفر لک ربک پروردگار تیری مغفرت فرمائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی کسی کو خاص کر کے دعائے مغفرت فرماتے تو وہ شخص ضرور شہید ہوتا۔ اس بنا پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا نبی اللہ۔ اس کے لئے تو جنت واجب ہوگئی۔ کاش آپ عامر کی شجاعت سے اور چند روز

لہ۔ اور ایک روایت میں ما اقتفینا کے بجائے ما اَبقینا ہے یعنی جو گناہ ہمارے ذمہ باقی ہیں جن سے ہم نے توبہ نہیں کی ان کو معاف فرما۔ اس لئے کہ سچی توبہ کرنے سے گناہ نامۂ اعمال سے مٹا دئے جاتے ہیں توبہ کے بعد گناہ باقی نہیں رہتے۔ جیسا کہ حدیث میں کہا ہے اور ایک روایت میں ما لَقِیْنَا یعنی اے اللہ جو گناہ ہم نے کئے ہیں وہ معاف فرما ۱۲

ہم کو متمتع اور منتفع ہونے دیتے۔ (فتح الباری ص۳۵ ج ۷)

راستہ میں جب ایک بلند مقام پر پہنچے تو صحابہ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا اپنے اوپر رحم کرو۔ تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو تم تو اس ذات پاک کو پکار رہے ہو جو سننے والی اور قریب ہے اور ہر وقت تمہارے ساتھ ہے۔ ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ میں آپ کی سواری کے قریب تھا آپ نے مجھکو لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ پڑھتے ہوئے سن کر عبد اللہ بن قیس[۱] کہہ کر آواز دی۔ میں نے عرض کیا لبیک یا رسول اللہ۔ یا رسول اللہ حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا میں تجھکو جنت کا خزانہ نہ تبلاؤں۔ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں کیوں نہیں۔ ضرور تبلایئے، آپ نے فرمایا۔ لاحول[۲] ولاقوۃ الا باللہ۔ یعنی یہ کلمہ جنت کا خزانہ ہے۔ (بخاری شریف)

چونکہ آپ کو یہ معلوم تھا کہ غطفان نے یہود خیبر کی امداد کے لئے لشکر جمع کیا ہے اس لئے آپ مدینہ سے چل کر مقام رجیع میں جو خیبر اور غطفان کے مابین ہے پڑاؤ ڈالا تاکہ یہود و غطفان سے مرعوب ہو کر یہود خیبر کی مدد کو نہ پہنچ سکیں۔ چنانچہ یہود و غطفان کو جب یہ معلوم ہوا کہ خود ہماری ہی جان خطرہ میں ہے تو واپس ہو گئے۔ (ابن ہشام ص۱۸۵ ج ۲[۳])

جب خیبر کے قریب پہنچے تو صحابہ کو حکم دیا کہ ٹھہر جاؤ اور یہ دعا مانگی۔

اللھم رب السمٰوٰت وما اظللن ورب الارضین وما اقللن ورب الشیاطین وما اضللن ورب الریاح وما ذرین فانا نسألک خیر ھذہ القریۃ وخیر اھلھا وخیر ما فیھا ونعوذ بک من شرھا وشر اھلھا وشر ما فیھا اقدموا بسم اللہ۔

---

[۱] ۔ یہ ابو موسیٰ اشعری کا نام تھا اور ابو موسیٰ کنیت تھی۔ ۱۲ [۲] ۔ اس کلمہ کے معنی یہ ہیں کہ بندہ اللہ کی معصیت سے بدون اللہ کی اعانت اور امداد کے نہیں بچ سکتا اور بندہ کو کسی طاعت اور عمل صالح کی قوت اور قدرت نہیں مگر اللہ کی تائید اور تقویت سے اور ظاہر ہے کہ اپنی حول اور قوت کو ہیچ سمجھ کر اللہ کی حول و قوت اور اس کی تائید اور اس کی اعانت اور اس کی توفیق اور ہدایت پر نظر کرنا ہے یہی اعلیٰ درجہ کی تفویض الی اللہ اور تسلیم ہے جو جنت کا خزانہ ہے اور جو چیز خزانہ میں ہوتی ہے وہ مستور اور پوشیدہ ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے لاحول ولاقوۃ الا باللہ کے اجر و ثواب کی مقدار کسی حدیث میں مذکور نہیں چونکہ خزانہ کی چیز تھی اس لئے اس کا اجر بھی پوشیدہ رکھا گیا [۳] ۔ ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۰۵ وص ۱۸۵ ایضا

آپ کی یہ عادت شریفہ تھی کہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے ۱۲ (ابن ہشام ص۱۸۵)

صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر میں رات کو پہنچے آپ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ رات میں کسی پر حملہ نہیں فرماتے تھے صبح کا انتظار فرماتے۔ اگر اذان سنتے تو حملہ نہ فرماتے ورنہ حملہ فرماتے۔ اسی سنت کے مطابق خیبر میں بھی صبح کی اذان کا انتظار فرمایا، جب صبح کی اذان نہ سُنی تو حملہ کی تیاری کی۔ صبح ہوتے ہی یہود کُدال اور پھاوڑے لے کر اپنے کاروبار کے لئے نکلے۔ آپ کے لشکر کو بڑھتے دیکھ کر یہ کہا محمد والخمیس یعنی محمد اپنی کل فوج اور لشکر کے ساتھ آ گئے۔

لشکر کو خمیس اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے پانچ حصے ہوتے ہیں

مقدمہ - میمنہ - میسرہ - قلب - ساقہ

آپ نے ان کو دیکھ کر دعا کے لئے دونوں ہاتھ اٹھائے اور یہ فرمایا۔

اللہ اکبر خربت خیبر انا اذا انزلنا بساحۃ قوم فساء صباح المنذرین بخاری و فتح الباری ص۳۵۹ ج۷

خیبر میں یہودیوں کے متعدد قلعے تھے، یہود آپ کو دیکھتے ہی مع اہل و عیال کے قلعوں میں محفوظ ہو گئے آپ نے اُن کے قلعوں پر حملے شروع کئے یکے بعد دیگرے فتح کرتے جاتے تھے۔

(۱) قلعہ ناعم

سب سے پہلے قلعہ ناعم فتح فرمایا۔ محمود بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قلعہ کے دامن میں تھے کہ یہودیوں نے اوپر سے اُن پر ایک چکی کا پاٹ گرایا جس سے وہ شہید ہوئے

(۲) قلعہ قموص

قلعہ ناعم کے بعد قلعہ قموص فتح ہوا یہ قلعہ خیبر کے قلعوں میں نہایت مستحکم تھا۔ جب اس قلعہ کا محاصرہ ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درد شقیقہ کی وجہ سے میدان میں تشریف نہ لا سکے اس لئے نشان دے کر ابو بکر صدیقؓ کو بھیجا، باوجود پوری جد و جہد کے قلعہ فتح نہ ہو سکا واپس آ گئے۔ دوسرے روز فاروق اعظم کو

لہ۔ صحیح بخاری کی کتاب الصلاۃ میں تین مرتبہ اللہ اکبر اور تین مرتبہ ان کلمات کا کہنا مذکور ہے ۱۲۔ زرقانی ص۲۲۰ ج۲

لہ۔ ابن ہشام ج: ۲، ص: ۱۸۵ ۔ عیون الاثر ج: ۲، ص: ۱۴۲ ، فتح الباری ج: ۷، ص: ۳۵۸

نشان دے کر روانہ فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے پوری جد و جہد سے قتال کیا لیکن بغیر فتح کے ہوئے واپس آ گئے (رواہ احمد[۱] والنسائی وابن حبان والحاکم عن بریدۃ بن الخصیبؓ)

اس روز آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ کل نشان اس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول کو محبوب رکھتا ہو اور اللہ اور اس کا رسول اس کو محبوب رکھتا ہو اور اس کے ہاتھ پر اس کو فتح فرمائے۔

ہر شخص منتظر تھا کہ دیکھیے یہ سعادت کس کے حصہ میں آتی ہے تمام شب اسی تمنا اور اشتیاق میں گزری جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بلایا۔ حضرت علی کی آنکھیں اس وقت آشوب کی ہوئی تھیں بلا کر آنکھوں کو لعاب دہن لگایا اور دعا پڑھی۔ فوراً اسی وقت آنکھیں اچھی ہو گئیں گویا کبھی کوئی شکایت پیش ہی نہیں آئی تھی اور نشان مرحمت فرمایا اور یہ نصیحت فرمائی کہ جہاد و قتال سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دینا اور اللہ تعالیٰ کے حقوق سے ان کو خبردار کرنا۔ خدا کی قسم۔ اگر ایک شخص کو اللہ تعالیٰ تیرے ذریعہ سے ہدایت نصیب فرمائے تو وہ تیرے لئے سرخ اونٹوں سے کہیں بہتر ہے حضرت علی نشان لے کر روانہ ہوئے اور قلعہ ان کے ہاتھ پر فتح ہوا۔ (رواہ البخاری)[۲]

یہود کا مشہور و معروف بہادر و پہلوان مرحب یہ رجز پڑھتا ہوا مقابلہ کے لئے نکلا۔

قد علمت خیبر انی مرحب شاک السلاح بطل مجرب

اہل خیبر کو خوب معلوم ہے کہ میں مرحب ہوں سلاح پوش اور بہادر اور تجربہ کار ہوں

عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ اس کے مقابلہ کے لئے یہ رجز پڑھتے ہوئے نکلے۔

قَدْ علمت خیبر انی عامر شاکی السلاح بطل مُغَامِر

عامرؓ نے اس کے پیر پر تلوار مارنے کا ارادہ کیا کہ تلوار پلٹ کر خود ان ہی کے گھٹنہ پر آ لگی جس سے انھوں نے وفات پائی۔ سلمۃ بن اکوع فرماتے ہیں کہ واپسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو غمگین دیکھ کر سبب دریافت فرمایا میں نے عرض کیا کہ لوگوں کا گمان یہ ہے کہ عامر کے اعمال حبط ہو گئے

---

[۱] قال الہیثمی رواہ احمد ورجالہ رجال الصحیح مجمع الزوائد ص ۱۵۰ ج ۹ وقال الحافظ وفی الباب عن اکثر من عشرۃ من الصحابۃ سردہم الحاکم فی الاکلیل وابونعیم فی الدلائل فتح الباری ص ۳۶۵ ج ۷ فلا عبرۃ بتضعیف ہذہ الروایۃ کما فعل ابن کثیر۔

[۲] فتح الباری ج ۷، ص ۳۶۵

اس لئے کہ وہ خود اپنی تلوار سے مرے آپ نے فرمایا جس نے غلط کہا۔ وہ بڑا مجاہد ہے اور انگلیوں سے اشارہ کرکے فرمایا کہ اس کے لئے دو اجر ہیں۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ یہ فرمایا کہ وہ شہید ہے اور اس کی نماز جنازہ پڑھی۔[1]

بعد ازاں حضرت علیؓ اس کے جواب میں یہ رجز پڑھتے ہوئے آگے بڑھے

أَنَا الَّذِي سَمَّتْنِي أُمِّي حَيْدَرَهْ　　　كَلَيْثِ غَابَاتٍ كَرِيهِ الْمَنْظَرَهْ[2]

میں وہی ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر (شیر) رکھا ہے۔ شیر بن کی طرح نہایت مہیب ہوں۔

یہ کہہ کر اس زور سے تلوار ماری کہ مرحب کے سر کے دو ہو گئے اور قلعہ فتح ہوا۔ رواہ مسلم (فتح الباری ج ۷ ص ۳۶۷)

بعد ازاں مرحب کا بھائی یاسر مقابلہ کے لئے آیا۔ ادھر سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بڑھے اور یاسر کا کام تمام کیا۔ زاد المعاد[3]

یہ قلعہ بیس روز کے محاصرہ کے بعد حضرت علی کے ہاتھ پر فتح ہوا مال غنیمت کے علاوہ بہت سے قیدی ہاتھ آئے جن میں صفیہ۔ حیی بن اخطب سردار بنی نضیر کی بیٹی اور کنانہ بن الربیع کی بیوی بھی تھیں۔

(نکتہ) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز جب کسی قلعہ پر حملہ کا ارادہ فرماتے تو اعیان مہاجرین و انصار میں سے کسی کو منتخب فرماتے کہ رایت اسلام یعنی اسلام کا جھنڈا اس کے ہاتھ میں دیں اور اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر وہ قلعہ فتح کرا دیتے چونکہ قلعہ قموص کی فتح کی فضیلت قضاء ازلی میں حضرت علی کے ہاتھ تھی اس لئے آنحضرت نے حضرت علی کو بلایا اور جھنڈا ان کو عطا کیا اور حضور پرنور کا یہ فرمانا کہ جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو خدا اور اس کے رسول کو دوست رکھے یہ از راہ قدر دانی اور حوصلہ افزائی تھا معاذ اللہ اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اس شخص کے سوا کوئی اللہ اور اس کے رسول کو دوست نہیں رکھتا۔

حضرت صفیہ اور ان کی دو چچا زاد بہنیں اس قلعہ قموص سے قید ہوئیں جن کا قصہ آئے گا اور حضرت

---

[1] طبقات ابن سعد، ج: ۲، ص: ۸۰۔ [2] کہا جاتا ہے کہ مرحب نے اس رات یہ خواب دیکھا کہ ایک شیر اس کو پھاڑ رہا ہے حضرت علیؓ کو بطور کشف اس کا علم ہو گیا۔ حضرت علی کا انا الذی سمتنی امی حیدرہ سے اس طرف اشارہ تھا کہ اے مرحب جس شیر کو تو نے خواب میں دیکھا ہے وہ شیر میں ہی ہوں چنانچہ حضرت علی نے جس وقت یہ رجز پڑھنا مرحب سنتے ہی کانپ گیا اور بہادری کا سارا نشہ کافور ہو گیا۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ زرقانی ج ۲ ص ۲۲۳۔ [3] ابن ہشام ج ۲، ص: ۱۸۷ فتح الباری ج ۷، ص ۳۶۷

صفیہ کے شوہر کا نام کنانہ بن ربیع تھا جو اس غزوہ میں مارا گیا۔[۱]

(۳) قلعۂ صعب بن معاذ

قلعۂ قموص فتح ہو جانے کے بعد صعب بن معاذ کا قلعہ فتح ہوا جس میں غلہ اور چربی اور خورد و نوش کا بہت سامان تھا وہ سب مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب مسلمانوں کو خورد و نوش کی کمی ہونے لگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دُعا کی درخواست کی آپ نے دُعا کی دوسرے ہی روز قلعۂ صعب بن معاذ فتح ہو گیا اور خورد و نوش کا بہت سامان ہاتھ آیا جس سے مسلمانوں کو مدد ملی۔[۲]

اسی روز آپ نے یہ دیکھا کہ ہر طرف آگ جل رہی ہے، پوچھا یہ کیا ہے لوگوں نے کہا کہ گوشت پکا رہے ہیں، آپ نے پوچھا کس چیز کا گوشت ہے۔ کہا اہلی گدھوں کا گوشت ہے۔ آپ نے فرمایا وہ نجس ہے سب پھینک دو اور برتنوں کو توڑ دو کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر گوشت پھینک دیں اور برتنوں کو دھو لیں اس کی اجازت ہے آپ نے فرمایا اچھا برتنوں کو دھو ڈالو۔

(۴) حِصنِ قُلّہ

اس کے بعد یہود نے حِصنِ قُلّہ میں جا کر پناہ لی یہ قلعہ بھی نہایت مستحکم تھا پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا اسی وجہ سے اس کا نام حصن قُلّہ تھا۔ قلہ کے معنی پہاڑ کی چوٹی کے ہیں جو بعد میں قلعۂ زبیر کے نام سے مشہور ہے اس لئے کہ یہ قلعہ تقسیم غنائم کے بعد حضرت زبیر کے حصہ میں آیا۔

تین روز تک آپ اس قلعہ کا محاصرہ کئے رہے حسن اتفاق سے ایک یہودی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے ابو القاسم آپ اگر مہینہ بھر بھی ان کا محاصرہ کئے رہیں تب بھی ان لوگوں کو پرواہ نہیں ان کے پاس زمین کے نیچے پانی کے چشمے ہیں رات کو نکلتے ہیں اور پانی لے کر قلعہ میں محفوظ ہو جاتے ہیں آپ اگر ان کا پانی قطع کر دیں تو کامیاب ہو سکتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا پانی بند کر دیا مجبور

۱۔ فتح الباری، ج ۷، ص: ۳۶۰

۲۔ عیون الاثر، ج ۲، ص: ۱۳۴

ہو کر قلعہ سے باہر نکلے اور سخت مقابلہ ہوا، دس یہودی مارے گئے اور کچھ مسلمان بھی شہید ہوئے اور قلعہ فتح ہو گیا۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ قلعہ قلہ۔ علاقہ نطاہ کا آخری قلعہ تھا اس کی فتح کے بعد حضور پُرنور علاقہ شق کے قلعوں کی طرف بڑھے اس علاقہ میں سب سے اوّل قلعہ اُبی کو فتح کیا جو شدید معرکہ کے بعد فتح ہوا۔ اور مسلمان اس میں داخل ہوئے، اس کے بعد دوسرے قلعوں کی طرف پیش قدمی کی۔[1]

(۵) وطیح اور سلالم

حصن قلعہ کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بقیہ قلعات کی طرف بڑھے، جب تمام قلعوں پر قبضہ ہو گیا تو اخیر میں وطیح اور سلالم کی طرف بڑھے اور بعض روایت میں الکتیبہ کا بھی ذکر آیا ہے۔ اس سے پیشتر تمام قلعے فتح ہو چکے تھے صرف یہی دو قلعے باقی تھے۔ یہود کا تمام زور ان ہی پر تھا۔ یہود ہر طرف سے سمٹ کر انہی قلعوں میں آکر محفوظ ہو گئے تھے۔ چودہ دن کے محاصرہ کے بعد مجبور ہو کر صلح کی درخواست کی۔ آپ نے ان کی درخواست منظور کی یہودیوں نے ابن ابی الحقیق کو صلح کی گفتگو کرنے کے لئے بھیجا آپ نے اس شرط پر جان بخشی کہ خیبر کی سرزمین کو یکلخت خالی کر دیں یعنی سب جلاوطن ہو جائیں اور سونا اور چاندی اور ہتھیار اور سامان حرب سب یہاں چھوڑ جائیں اور کسی شئ کو چھپا کر نہ لے جائیں اگر اس کے خلاف ہوا تو اللہ اور اس کا رسول بری الذمہ ہیں[2]

مگر یہود باوجود اس عہد و میثاق کے پھر اپنی شرارت سے باز نہ آئے اور حیی بن اخطب کا ایک چرمی تھیلا جس میں سب کا زر و زیور محفوظ رہتا تھا، اس کو غائب کر دیا۔ آپ نے کنانہ بن الربیع کو بلا کر دریافت کیا کہ وہ تھیلا کہاں گیا کنانہ نے کہا کہ لڑائیوں میں خرچ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا زمانہ تو کچھ زیادہ گزرا نہیں اور مال بہت زیادہ تھا۔ یہ ابن سعد کی روایت ہے ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ سَعْیہ سے دریافت فرمایا۔ بیہقی[3] اور ابن سعد کی دوسری روایت میں ہے کہ کنانہ اور اس کے بھائی وغیرہ سے بھی دریافت کیا۔

---

[1] البدایۃ والنہایۃ، ج ۴، ص ۱۹۸۔ [2] زاد المعاد، ج: ۲، ص: ۱۳۶

[3] حافظ عسقلانی بیہقی کی اس روایت کے متعلق فرماتے ہیں رواہ البیہقی باسناد رجالہ ثقات من حدیث ابن عمرؓ فتح الباری ص ۳۶۹ ج ۷، غزوۂ خیبر۔

سب نے یہی کہا کہ خرچ ہوگیا آپ نے فرمایا اگر وہ تھیلا برآمد ہوگیا تو تمھاری خیر نہیں یہ کہہ کر آپ نے ایک انصاری کو حکم دیا کہ جاؤ فلاں جگہ ایک درخت کی جڑ میں دبا ہوا ہے چنانچہ وہ صحابی گئے اور مال برآمد کیا جس کی قیمت دس ہزار دینار تھی اس جرم میں یہ لوگ قتل کئے گئے [1] جن میں ایک صفیہ کا شوہر بھی تھا جس کا نام کنانہ بن الربیع بن ابی الحقیق تھا۔[2]

علاوہ ازیں کنانہ کا ایک جرم یہ بھی تھا کہ کنانہ نے محمد بن مسلمہ کے بھائی محمود بن مسلمہ کو اسی معرکہ میں قتل کیا تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کنانہ کو محمد بن مسلمہ کے حوالہ کیا کہ اپنے بھائی محمود بن مسلمہ کے بدلہ میں اس کو قتل کریں (سیرۃ ابن ہشام)

(تنبیہ) قلعات خیبر کی فتح کی جو ترتیب اس ناچیز نے ذکر کی ہے کہ اول قلعہ ناعم فتح ہوا اور پھر قلعہ قموص اور پھر قلعہ صعب اور پھر اخیر میں قلعہ وطیح اور سلالم فتح ہوئے، یہ ترتیب سیرۃ ابن ہشام اور البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ص۱۹۲ تا ۱۹۴ ج ۴ میں مذکور ہے حدیث اور سیرت کی کتابوں میں ان کے علاوہ اور قلعوں کا بھی ذکر ہے اور ترتیب فتح بھی کچھ مختلف ہے۔ علامہ حلبیؒ سیرۃ حلبیہ میں لکھتے ہیں کہ علاقہ نطاۃ میں تین قلعے تھے حصن ناعم۔ وحصن قلۃ قلعات نطاۃ میں سب سے پہلے جو قلعہ فتح ہوا وہ قلعہ ناعم تھا جو یہودی قلعہ ناعم سے جان بچا کر بھاگ سکے انھوں نے نطاۃ کے دوسرے قلعہ حصن صعب بن معاذ میں جاکر پناہ لی۔ دوسرے روز غروب آفتاب سے قبل دو دن کے محاصرہ کے بعد یہ قلعہ فتح ہوا۔

بعد ازاں آپ نے حصن قُلَّہ کا محاصرہ فرمایا۔ اس قلعہ کو حصن قُلَّہ اس لئے کہتے ہیں کہ قُلَّہ کے معنی پہاڑ کی چوٹی کے ہیں یہ قلعہ پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا اور چونکہ یہ قلعہ بعد میں حضرت زبیر کے حصہ میں آیا اس لئے اس کو قلعۃ الزبیر بھی کہتے ہیں۔ یہ تینوں قلعے علاقہ نطاۃ کے تھے۔

اس کے بعد مسلمان قلعات شق کی جانب بڑھے اس علاقہ میں دو قلعے تھے۔ ایک حصن اُبَیّ دوسرا حصن بریٔ۔ اول حصن ابی اور بعد میں حصن بریٔ فتح ہوا۔

---

[1] زرقانی۔ ج: ۲، ص: ۱۲۹ [2] البدایۃ والنہایۃ، ج ۴، ۱۹۹

جب یہ علاقہ بھی فتح ہو گیا تو یہودیوں نے بھاگ کر قلعات کتیبہ میں پناہ لی کتیبہ میں تین قلعے تھے قموص۔ وطیح۔ سلالم۔ سب سے بڑا قلعہ قموص تھا جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر فتح ہوا۔ جب یہ قلعہ بھی فتح ہو گیا تب مسلمانوں نے وطیح اور سلالم کا محاصرہ کیا۔ چودہ دن کے محاصرہ کے بعد ان لوگوں نے آپ سے درخواست کی کہ ہم کو اور ہمارے اہل و عیال کو چھوڑ دیا جائے ہم خیبر کو چھوڑ کر نکل جائیں گے آپ نے اس کو منظور فرمایا۔[1]

فتح فدک

جب اہل فدک کو اس کی اطلاع ہوئی کہ یہود خیبر نے ان شرائط پر صلح کی ہے تو ان لوگوں نے بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیام بھیجا کہ ہماری جانوں کو امان دیا جائے ہم تمام مال و اسباب چھوڑ کر یہاں سے جلائے وطن ہو جائیں گے آپ نے اس کو منظور فرمایا اور مُحَیِّصَہ بن مسعود کے واسطہ سے گفتگو ہوئی چونکہ فدک بغیر کسی حملہ اور فوج کشی کے فتح ہوا اس پر نہ سوار لیجانے پڑے اور پیادہ اس لئے فدک خالص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ اور تصرف میں رہا اور خیبر کی طرح غانمین پر تقسیم نہیں ہوا (سیرۃ ابن ہشام)۔

فائدہ: اس غزوہ میں چودہ یا پندرہ مسلمان شہید ہوئے اور ترانوے کافر مارے گئے۔ فتح کے بعد جب مال غنیمت اور قیدی جمع کئے گئے تو ان میں صفیہ حیی بن اخطب کی بیٹی اور کنانہ ربیع کی بیوی بھی تھیں قریب ہی کی شادی ہوئی تھی۔

حیی بن اخطب، حضرت ہارون علیہ السلام کی ذریت میں سے تھا۔ لڑائی کے بعد جب قیدی جمع کئے گئے تو حضرت دحیہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ایک جاریہ مجھکو عطا فرمایئے، آپ نے فرمایا تم کو اختیار ہے جس جاریہ کو چاہو لے لو۔ حضرت دحیہ نے حضرت صفیہ کو پسند کیا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ ان کے سردار کی بیٹی ہے۔ آپ ہی کے لئے مناسب ہے اس لئے آپ نے ان سے صفیہ کو واپس لے لیا

---

[1] سیرۃ حلبیہ ج ۲ ص: ۱۴۲، عون المعبود ج ۳ ص: ۱۲۰۔

اوران کے معاوضہ میں حضرت صفیہ کی چچازاد بہن ان کو عنایت کی اور حضرت صفیہ کو آزاد کر کے ان سے نکاح فرمایا[۱]

حضرت صفیہ کے نکاح کا مفصل قصہ انشاء اللہ تعالیٰ ازواج مطہرات کے بیان میں آئے گا جس طرح غزوۂ بنی المصطلق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ کے ساتھ اُن کی خاندانی عزت و وجاہت کے موافق معاملہ فرمایا اسی طرح اس موقع پر بھی حضرت صفیہ کے ساتھ ان کے خاندانی مرتبت اور حضرت ہارون علیہ السّلام کی ذریت میں سے ہونے کے شرف کو ملحوظ رکھ کر ان کو آزاد فرما کر اپنی زوجیت میں لے لیا۔

زہر دینے کا واقعہ

فتح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند روز خیبر ہی میں قیام فرمایا۔ اسی اثناء میں ایک دن زینب بنت حارث زوجۂ سلام بن مشکم نے ایک بھنی ہوئی بکری بطور ہدیہ آپ کی خدمت میں پیش کی اور اس میں زہر ملا دیا۔ آپ نے چکھتے ہی ہاتھ روک لیا۔ بشر بن براء بن معرور جو آپ کے ساتھ کھانے میں شریک تھے انھوں نے کچھ کھا لیا تھا۔ آپ نے فرمایا ہاتھ روک لو اس بکری میں زہر ملا ہوا ہے۔

زینب کو بلا کر اس کا سبب دریافت کیا اس نے اقرار کیا کہ بے شک اس میں زہر ملایا گیا ہے۔ اس لئے کہ اگر آپ نبی برحق ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو مطلع کر دے گا اور اگر آپ نبی کاذب ہیں تو لوگ آپ سے نجات پا جائیں گے۔ چونکہ آپ اپنی ذات کے لئے انتقام نہیں لیتے تھے اس لئے آپ نے اس سے کوئی تعرض نہیں فرمایا۔ لیکن بعد میں جب بشر بن براء بن معرور اس زہر کے اثر سے انتقال فرما گئے تو زینب وارثانِ بشر کے حوالے کر دی گئی اور انھوں نے اس کو بشر کے قصاص میں قتل کیا۔

بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ زینب اقرارِ جرم کے بعد اسلام لے آئی اور یہ کہا کہ مجھکو اب

[۱] فتح الباری، ج ۷، ص: ۳۶۰

آپ کا صادق ہونا بالکل واضح ہو گیا۔ آپ کو اور تمام حاضرین مجلس کو گواہ بناتی ہوں کہ میں آپ کے دین پر ہوں اور اقرار کرتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں زہری اور سلیمان نے ابتداءً نہ قتل کرنے کی وجہ یہی بتلائی ہے کہ وہ اسلام لے آئی تھی۔[1]

مخابرہ

جب خیبر فتح ہو گیا اور زمین اللہ اور اس کے رسول اور اہل اسلام کی ہو گئی تو آپ نے ارادہ فرمایا کہ یہود (حسب معاہدہ) یہاں سے جلائے وطن ہو جائیں لیکن یہود نے یہ درخواست کی کہ آپ اس زمین پر ہم کو رہنے دیجئے ہم زراعت کریں گے جو پیداوار ہو گی اس کا نصف حصہ آپ کو ادا کیا کریں گے آپ نے یہ درخواست منظور کی اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی صراحۃً فرما دیا۔

نقرکم علی ذلک ما شئنا — جب تک چاہیں گے اس وقت تک تم کو برقرار رکھیں گے۔

بخاری شریف ص ۲۱۵ ج ۱ کتاب المزارعۃ باب اذا قال رب الارض اقرک ما اقرک اللہ۔ الخ فتح الباری ص ۲۴ ج ۵ و فتح الباری ص ۲۳۹ ج ۵ کتاب الشروط۔ باب اذا اشترط فی المزارعۃ اذا شئت اخرجتک اس طرح کا معاملہ سب سے پہلے خیبر میں ہوا اس لئے ایسے معاملہ کا نام مخابرہ ہو گیا۔

جب بٹائی کا وقت آتا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیداوار کا اندازہ کرنے کے لئے عبد اللہ بن رواحہ کو بھیجتے۔ باب الخرص سنن ابی داؤد ص ۱۲۵ ج ۲

عبد اللہ بن رواحہ پیداوار کو دو حصوں پر تقسیم کر کے کہتے کہ جس حصہ کو چاہو لے لو یہود اس عدل و انصاف کو دیکھ کر یہ کہتے کہ ایسی ہی عدل اور انصاف سے آسمان اور زمین قائم ہیں ایک روایت میں ہے کہ عبد اللہ بن رواحہ یہ فرماتے ہیں۔

یا معشر الیہود انتم ابغض الخلق الیّ قتلتم انبیاء اللہ و کذبتم	اے گروہ یہود تمام مخلوق میں تم میرے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض تم ہو تم ہی نے اللہ کے پیغمبروں کو قتل کیا۔

[1] فتح الباری، ج: ۷، ص: ۳۸۰

علی اللہ ولیس یحملنی بغضی ایاکم ان احیف علیکم۔ [1]	تم ہی نے اللہ پر جھوٹ باندھا لیکن تمہارا بغض مجھ کو کبھی اس پر آمادہ نہیں کر سکتا کہ میں تم پر کسی قسم کا ظلم کروں۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حاضری

ابوہریرہ اور ان کے ساتھ چند رفقاء فتح خیبر کے بعد خدمت نبوی میں حاضر ہوئے مگر آپ نے ان کو مال غنیمت میں سے حصہ نہیں دیا (بخاری شریف، غزوۂ خیبر)

غنائم خیبر کی تقسیم

خیبر کی غنیمت میں سونا اور چاندی نہ تھا، گائے بیل اور اونٹ اور کچھ سامان تھا اور سب سے بڑی چیز خیبر کے زمینات اور باغات تھے زمینات کے علاوہ جو سامان تھا وہ حضور نے نص قرآنی کے مطابق غانمین پر تقسیم کر دیا اور زمینات کو فقط اہل حدیبیہ پر تقسیم کیا۔ [2]

عمرۂ حدیبیہ کے ارادہ سے جب حضور پُر نور مدینہ سے روانہ ہوئے تو اعراب کو دعوت دی کہ اس سفر میں ساتھ چلیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اندیشہ تھا کہ مقتولین بدر اور اُحد اور احزاب کی وجہ سے اہل مکہ کے قلوب اہل اسلام کے کینہ اور عداوت سے لبریز ہیں مبادا مکہ مکرمہ پہنچ کر کوئی صورت قتال کی پیش آجائے اور اہل مکہ سرے ہی سے دخول مکہ سے مانع ہو جائیں اس لئے اس وقت تدبیر عقلی کا مقتضا یہ تھا کہ جماعت کثیر آپ کے ہمراہ چلے تاکہ قریش کے شر کا کوئی خطرہ نہ رہے بہت سے اعراب نے آپ کی اس دعوت کو قبول نہ کیا اور بہت سوں نے اشغال ضروریہ اور اپنی مصروفیات کا بہانہ کر دیا۔ مخلصین مسلمین جو سرتاپا بشاشت ایمان سے مملو اور لبریز تھے آپ کی معیت اور مرافقت کو دنیا اور آخرت کی سعادت سمجھ کر آپ کے ساتھ ہوئے حدیبیہ کے قریب احصار پیش آیا اور مغلوبانہ صلح کی صورت سامنے آئی جس پر ان حضرات نے صبر کیا۔ جب اس سفر میں ان مخلصین کا اخلاص مدلل اور مبرہن ہو گیا تو بارگاہ

---

[1] شرح معانی الآثار للطحاوی ج ۱، ص ۳۱۶۔ [2] روض الانف ج ۲، ص ۲۴۶

خداوندی سے ان شکستہ دلوں کی شکستگی تدارک کرنے کے لئے فتح خیبر کی بشارت نازل ہوئی کہ عنقریب خیبر تم پر فتح ہوگا اور یہ حکم نازل فرمایا کہ خیبر کی غنائم حاضرین حدیبیہ کے لئے مخصوص ہوں گی کوئی دوسرا ان میں شریک نہیں کیا جائے گا[1] تفصیل اگر درکار ہو تو کتب تفسیر میں سورۂ فتح کی تفسیر ملاحظہ کریں۔

اب رہا یہ امر کہ خیبر کی زمینوں کو آپ نے کس طرح تقسیم فرمایا سو اس کی کیفیت سنن ابی داؤد میں مذکور ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس نکالنے کے بعد زمین خیبر کو چھتیس ۳۶ سہام پر تقسیم کیا جن میں سے اٹھارہ سہام کو علیحدہ کر لیا یعنی مسلمانوں کی ضروریات کے لئے مخصوص کر لیا۔ اور مجاہدین پر اس کو تقسیم نہیں کیا اور باقی اٹھارہ سہام کو مجاہدین پر تقسیم کر دیا اور ہر سہم میں سو سو کا حصہ مقرر کیا جس کو حسب ارشاد خداوندی اصحاب حدیبیہ پر تقسیم کیا۔

اراضی خیبر کا وہ نصف حصہ جس کو آپ نے تقسیم نہیں کیا اس میں الکتیبۃ اور سالو طیح اور السلام اور اس کی ملحقہ زمینیں تھیں۔

اور نصف حصہ آپ نے اہل حدیبیہ میں تقسیم کیا۔ اس میں الشق اور النطاۃ اور اس کی ملحقہ زمینیں تھیں۔ یہ روایت سنن ابی داؤد میں سہل بن ابی حثمہ صحابی سے موصولاً اور بشیر بن یسار تابعی سے مرسلاً مروی ہے[2]

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام خیبر کی تمام زمینوں کو تقسیم نہیں کیا صرف شق اور نطاۃ اور ان کی ملحقہ زمینیں مجاہدین پر تقسیم کیں اور باقی تمام زمینیں مصالح مسلمین کیلئے محفوظ فرمادیں[3]

اب رہا یہ امر کہ یہ اٹھارہ سہام کس طرح تقسیم ہوئے سو اس میں روایتیں مختلف ہیں مشہور روایت یہ ہے کہ کل چودہ سو آدمی جن میں دو سو گھوڑے تھے چودہ سو آدمیوں کے چودہ سہام ہوگئے

---

[1] ازالۃ الخفاء، للشاہ ولی اللہ۔ ج: ۱، صفحہ ۳۰ ۔ [2] ابو داؤد ج ۲، ص: ۷۵-۷۴۔ نیز بذل المجہود ج ۴، ص: ۱۴۵ ۔ [3] شرح معانی الآثار۔ ج: ۲، ص: ۱۴۴

کیونکہ ایک سہم سو حصّہ کا تھا اور امام مالک و امام شافعی و احمد اور دیگر علماء کے نزدیک سوار کے علاوہ ہر گھوڑے کے دو حصّے ملتے ہیں اس لئے دو سَو گھوڑوں کے چار سہام ہو گئے اس طرح چودہ سہام کے ساتھ چار سہام مل کر اٹھارہ سہام پورے ہو گئے۔

اور سنن ابی داؤد میں مجمع بن جاریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خیبر میں لشکر کی تعداد پندرہ سو تھی جن میں سے تین سو سوار تھے پس آپ نے ہر سوار کو دو دو حصّے دیئے اور ہر پیادہ کو ایک ایک حصّہ[1]

یہ روایت امام اعظم ابو حنیفہ کے مسلک کے مطابق ہے۔ ان کے نزدیک سوار کے صرف دو حصّے ہوتے ہیں ایک سوار کا اور ایک گھوڑے کا جیسا کہ حضرت علی اور ابو موسیٰ اشعری سے مروی ہے۔

پس اس حساب سے پندرہ سو میں سے تین سو سواروں کے چھ سہام ہو گئے اور ہر سہم سو آدمیوں کا اور باقی ماندہ بارہ سو آدمیوں کے بارہ سہام ہو گئے اور بارہ اور چھ مل کر اٹھارہ پورے ہو گئے۔

فائدۃ للمدرسین

قال ابن الملک ہذا (ای حدیث مجمع بن جاریۃ) مستقیم علی قول من یقول لکل فرس سہمان لان الرجالۃ علی ہذہ الروایۃ تکون الفا و مائتین وہم اثنا عشر سہما لکل مائۃ سہم وللفرسان ستۃ اسہم لکل مائۃ سہمان فالمجموع ثمانیۃ عشر سہما واما علی قول من قال للفارس ثلاثۃ اسہم فمشکل لان سہام الفرسان تسعۃ وسہام الرجالۃ اثنا عشر فالمجموع احد وعشرون سہما انتہی کلام العلامۃ القاری۔

الحاصل آنحضرت نے اراضی خیبر کا نصف حصّہ اہلِ حدیبیہ پر تقسیم فرمایا اور ان کے علاوہ کسی اور کو اس میں شریک نہیں کیا لیکن احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح خیبر کے بعد اصحاب سفینہ یعنی حضرت جعفر اور ابو موسیٰ اشعری اور ان کے رفقاء جن کی تعداد سو سے زیادہ تھی حبشہ سے واپس آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی کچھ حصّہ عطا فرمایا۔

یہ معلوم نہیں کہ ان حضرات کو اصل غنیمت میں سے حصّہ دیا یا مال غنیمت کے خمس میں سے دیا یا

---

[1] بذل المجہود، ج ۴، ص: ۱۴۶

اموال منقولہ میں سے قبل از تقسیم غنیمت بطور اعانت کچھ عطا فرمایا اور پھر یہ کہ حضور پُر نور نے محض اپنی رائے اور اختیار سے دیا یا غانمین اور مجاہدین کی اجازت سے دیا واللہ اعلم فتح الباری و شرح شیخ الاسلام دہلوی۔[۱]

اور غزوہ خیبر میں کچھ غلام اور کچھ عورتیں بھی مجاہدین کی خدمت اور اعانت کے لیے شریک ہوئے تھے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے حاصل شدہ سامان میں سے بطور اعانت کچھ عطا فرمایا۔ باقی زمینات میں سے مردوں کی طرح ان کو کوئی حصہ نہیں عطا کیا جیسا کہ ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی کے روایات سے ظاہر ہوتا ہے۔[۲]

ردّ منائح الانصار

یعنی

مہاجرین کی طرف سے انصار کے باغات کی واپسی

ابتداء ہجرت میں جب مہاجرین مکہ سے ہجرت کر کے　　مدینہ منورہ آئے تو مہاجرین کی اعانت اور امداد کے لیے انصار نے ان کو کچھ زمینیں اور باغات دیے کہ ان میں کام کریں اور خود بھی منتفع ہوں اور کچھ ہم کو نفع پہنچائیں۔

خیبر کی فتح کے بعد مہاجرین کرام اعانت اور امداد سے مستغنی ہو گئے تو مہاجرین نے انصار کی زمینیں اور درخت واپس کر دیئے حضرت انس کی والدہ ام سلیم نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چند درخت دیئے تھے، آنحضرت صلی اللہ　　ام سلیم کے عطا کردہ درخت اپنی دایہ ام ایمن یعنی اسامہ بن زید کی والدہ کو دے دیئے تھے۔

فتح خیبر کے بعد جب مہاجرین نے سب انصار کے درخت واپس کر دیئے تو ام سلیم نے بھی

---

[۱] عمدۃ القاری ج: ۷، ص: ۱۷۶؛ قسطلانی، ج: ۵، ص: ۲۰۰، ۲۰۹

[۲] البدایۃ والنہایۃ ج ۴، ص: ۲۰۳

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے درخت طلب کیے۔ یہ وہی درخت تھے جو آپ ام ایمن کو دے چکے تھے، آنحضرت نے ام ایمن سے فرمایا کہ ام سلیم کے یہ درخت واپس کردو ام ایمن نے واپس کرنے سے انکار کردیا اور انس کی گردن میں کپڑا ڈال کر کھینچنے لگیں اور کہا خدا کی قسم یہ درخت ہرگز واپس نہ کرونگی چونکہ ام ایمن حضور پُرنور کی حاضنہ (دایا) تھیں اور آپ کے والد کی لونڈی تھیں اس لیے حضور ام ایمن کو ناراض کرنا نہیں چاہتے تھے۔ حضور نے فرمایا اے ام ایمن تم یہ درخت واپس کردو اور ان کے بدلہ میں دوسرے درخت لے لو، آپ برابر یہی فرماتے رہے، یہاں تک کہ جب آپ نے اپنی خاص جائداد میں سے ایک ایک درخت کے بدلہ میں دس دس درخت دے جب راضی ہوئیں۔ حضور پُرنور نے ان کے حق حضانت و تربیت میں ان کے ساتھ یہ معاملہ فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم و شرف و کرم[1]

مسائل و احکام

اس غزوہ میں حلال و حرام کے جو احکام نازل ہوئے یا جو اہم مسائل اس غزوہ کے پیش واقعات سے فقہاء کرام نے مستنبط کیے وہ بالاجمال یہ ہیں۔

(۱) شہر حرام میں قتال

یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ غزوۂ خیبر کے لیے حضور پُرنور نے ماہ محرم الحرام میں خروج فرمایا تو معلوم ہوا کہ شہر حرام میں قتل و قتال ممنوع نہیں اور جن آیات اور احادیث سے شہر حرام میں قتل و قتال کی ممانعت مفہوم ہوتی ہے وہ منسوخ ہے تفصیل اگر درکار ہو تو یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ۔ اور سورۂ توبہ کی یہ آیت مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ کی تفسیر ملاحظہ کریں۔

---

[1] فتح الباری ج ۵، ص: ۱۸۰، قسطلانی ج: ۴، ص: ۳۵۴

(۲) تقسیم اراضی

یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ حضور پُرنور نے خیبر کی کل زمین کو غانمین پر تقسیم نہیں فرمایا بلکہ صرف الشق اور النطاۃ اور اس کی ملحقہ زمینوں کو مجاہدین پر تقسیم کیا اور الکتیبہ اور الوطیح اور السلام اور اس کی ملحقہ زمینوں کو مسلمانوں کی مصلحتوں اور ضرورتوں کے لئے اس کو محفوظ رکھا جس سے معلوم ہوا کہ امیر سلطنت کو اراضی مفتوحہ میں اختیار ہے کہ جو مصلحت سمجھے وہ کرے، چاہے وہ مجاہدین پر تقسیم کرے اور چاہے وہاں کے باشندوں کے تصرف میں چھوڑ دے اور ان پر خراج مقرر کر دے اور امام ابو حنیفہ اور امام مالک اور صاحبین اور سفیان ثوری کا مسلک یہی ہے

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب یہ ہے کہ اموال منقولہ کی طرح زمینات کو بھی مجاہدین پر تقسیم کرنا ضروری ہے اور شوافع تقسیم خیبر کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ خیبر کا نصف حصہ قہراً فتح ہوا اور نصف حصہ صلحاً فتح ہوا پس جو نصف قہراً فتح ہوا اس کو حضور پُرنور نے مجاہدین پر تقسیم کر دیا اور جو نصف صلحاً فتح ہوا وہ تقسیم نہیں فرمایا مگر تمام روایات حدیث اور سیرت میں اس امر کی تصریح ہے کہ پورا خیبر نہایت سخت جنگ اور سخت مقابلہ اور شدید مقاتلہ کے بعد فتح ہوا، جب یہود مقابلہ سے مجبور ہو گئے تب قلعوں سے نیچے اترے اور ہر قسم کی ملک اور اختیار سے دست بردار ہوئے اور اس بات پر رضامند ہوئے کہ زمینات اور باغات پر ان کا کسی قسم کا حق نہ ہوگا، مزدوروں کی طرح اس میں کام کریں گے اور مسلمان جب تک چاہیں گے ان کو برقرار رکھیں گے اور جب چاہیں گے ان کو اس زمین سے نکال دیں گے، یہ لوگ محض اجیر تھے کسی زمین اور مکان کے مالک نہ تھے اور حضور پُرنور نے معاملہ کرتے وقت صراحۃً ان سے یہ شرط کر لی تھی کہ جب چاہیں گے زمین تم سے واپس لے لیں گے چنانچہ اسی شرط کی بنا پر فاروق اعظم نے اپنے زمانۂ خلافت میں تمام زمینیں ان سے واپس لے لیں اور ان کو ملک سے نکال باہر کیا معلوم ہوا کہ تمام خیبر قہراً فتح ہوا ہے اور جن اکابر جیسے امام مالک وغیرہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ خیبر کا نصف حصہ قہراً اور نصف صلحاً فتح ہوا اس کے معنی اصطلاحی صلح کے نہیں بلکہ اس کی

مراد یہ ہے کہ ابتداء میں یہود نے مقابلہ اور مقاتلہ کیا لیکن بعد میں جب مقابلہ سے مجبور ہو گئے تو ہتھیار ڈال دیئے اور لڑائی ختم کرنے کی درخواست کی اس نہ لڑنے اور نہ مقابلہ کرنے کو بعض علماء نے صلح کے لفظ سے تعبیر کیا ہے یعنی آدھا خیبر لڑائی سے فتح ہوا اور آدھا خیبر بدون لڑائی کے فتح ہوا، اس مسئلہ کی تحقیق اور تفصیل اگر درکار ہو تو ازالۃ الخفاء للشاہ ولی اللہ اور احکام القرآن للجصاص اور شرح معانی الآثار للطحاوی باب ما یفعل الامام بالارض المفتوحۃ کی مراجعت کریں۔

نیز تیسیر القاری و شرح شیخ الاسلام کی بھی مراجعت کریں[۱]

(۳) ممنوعاتِ خیبر

خیبر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند چیزوں سے منع فرمایا۔ (۱) اہلی گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا۔ (۲) مال غنیمت جب تک تقسیم نہ ہو جائے اس کے بیچنے سے منع فرمایا (۴) اور لہسن (یعنی کچے لہسن) کے استعمال سے منع فرمایا (۵) اور لحوم خیل کی اجازت دی (جس میں فقہاء کا اختلاف ہے) ان تمام امور کی تفصیل زرقانی از ص ۲۳۳ ج ۲ تا ص ۲۳۹ ج ۲ میں دیکھیں۔

(۴) تحریم متعہ

صحیحین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں متعہ سے منع فرمایا۔ علاوہ ازیں قرآن کریم کی متعدد آیات سے متعہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔

(۱) قال تعالیٰ: وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ[۲]

یعنی فلاح اور بہتری اسی میں ہے کہ اہل ایمان اپنی شرمگاہوں کی پوری پوری حفاظت کریں سوائے بیوی اور شرعی باندی کے جماع حلال نہیں اور جو شخص ان دو طریقوں کے سوا کوئی اور طریقہ نکالے تو

---

[۱] تیسیر القاری، ج: ۳، ص: ۱۵۰ ۔ [۲] سورۃ المؤمنون، آیۃ: ۵، ۶

وہ حدودِ شریعت سے تجاوز کرنے والا ہے اور ظاہر ہے کہ متعہ کی عورت شیعوں کے نزدیک بھی نہ باندی ہے اور نہ بیوی ہے، اس لئے کہ متعہ کی عورت کے لئے نہ شہادت ہے نہ اعلان ہے نہ نان ونفقہ ہے نہ سکنی ہے اور نہ طلاق ہے اور نہ لعان ہے اور نہ ظہار ہے اور نہ ایلا ہے اور نہ عدت ہے نہ میراث ہے۔ (۲) نیز حق جل شانہ نے فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ میں نکاح کی حد مقرر فرمادی ہے کہ چار سے زیادہ نکاح کی اجازت نہیں اور متعہ میں نہ حد متعین ہے اور نہ کوئی عدد خاص ہے۔ (۳) نیز اس رسم قبیح کے جاری ہونے کی صورت میں نکاح کی کبھی ضرورت نہیں رہتی اس لئے کہ اکثر نکاح کرنے والے نفسانی خواہش کے پورا کرنے کے لئے نکاح کرتے ہیں اور یہ خواہش جب متعہ سے پوری ہو سکے گی تو پھر نکاح ہی کی کیا ضرورت رہے گی۔

حرمت متعہ

ابتداء اسلام میں حلال اور حرام کے بہت سے احکام رفتہ رفتہ نازل ہوئے چنانچہ شراب اور سود کی حرمت کا حکم نبوت اور بعثت کے تقریباً پندرہ بیس سال کے بعد نازل ہوا۔

اسی طرح متعہ کے بارے میں حکم خداوندی کے نازل ہونے سے پہلے جاہلیت کے عادت اور رسم و رواج کے موافق لوگ متعہ کیا کرتے تھے اور اب تک اس بارے میں کوئی صریح اور واضح حکم نازل نہ ہوا تھا، سب سے پہلے خیبر کی لڑائی میں جو ہجرت کا ساتواں سال تھا حضور پرنور نے متعہ اور لحوم حمر اہلیہ کی حرمت کا اعلان فرمایا جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے باسانید صحیحہ مروی ہے۔ (بخاری ومسلم)

پھر اس کے بعد ہجرت کے آٹھویں سال کے اخیر میں جنگ اوطاس کا واقعہ پیش آیا صرف تین روز کے لئے متعہ کی اجازت ہوئی اور اس اجازت کے یہ معنی ہیں کہ جن لوگوں نے حسب سابق متعہ کر لیا تھا اور خیبر میں جو متعہ کی ممانعت کی گئی تھی اس کا ان کو علم نہ تھا اس لاعلمی میں جن لوگوں نے متعہ کر لیا ان پر مواخذہ نہیں کیا گیا۔ لیکن اس کے بعد جب حضور پرنور عمرہ کے لئے مکہ معظمہ

تشریف لائے تو خانہ کعبہ کے دونوں بازو ہاتھ سے پکڑ کر یہ فرمایا کہ متعہ قیامت تک کے لئے ہمیشہ کے واسطے حرام کیا گیا۔

فتح مکہ کے بعد چونکہ ہزاروں آدمی دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے جن کو متعہ کی حرمت کا علم نہ تھا اس لئے ناواقفی کی بنا پر حسب رسم جاہلیت انہی نومسلموں کے بعض لوگوں نے مقام اوطاس میں لاعلمی کی بنا پر متعہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے باب کعبہ پر کھڑے ہو کر متعہ کی دائمی حرمت کا اعلان فرمایا۔

پھر حضور پُرنور نے غزوۂ تبوک میں کچھ عورتوں کو مسلمانوں کے خیمہ کے قریب پھرتے دیکھا تو دریافت فرمایا کہ یہ کون عورتیں ہیں، عرض کیا گیا کہ ان عورتوں سے کچھ لوگوں نے متعہ کیا (معلوم ہوا کہ اس[1] وقت یا کسی گزشتہ زمانہ میں) تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر سخت ناراض ہوئے اور غصہ کی وجہ سے چہرۂ مبارک سرخ ہو گیا اور خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد و ثنا کی اور اس کے بعد متعہ سے منع فرمایا، صحابہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہم نے کبھی متعہ نہیں کیا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہ ارادہ کر لیا کہ کبھی متعہ نہیں کریں گے (کذا فی کتاب الاعتبار[2] للامام الحازمی ص۱۸۱)

پس آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شدید ناراض ہونا حتیٰ کہ چہرۂ مبارک کے رنگ کا سرخ ہو جانا یہ اس امر کی صریح دلیل ہے کہ متعہ کی حرمت اور ممانعت آپ پہلے ہی فرما چکے تھے بلکہ دو مرتبہ اس کی حرمت سے آگاہ کر چکے تھے، پہلی بار خیبر میں اور دوسری بار غزوۂ اوطاس میں پس دو مرتبہ کی ممانعت کے بعد جب یہ فعل ظہور میں آیا (اگرچہ وہ لاعلمی اور ناواقفیت کی بنا پر تھا) تو حضور پُرنور کو شدید ناگوار گزرا

---

[1] بین القوسین عبارت فتح الباری سے ماخوذ ہے۔ [2] اخرج الامام الحازمی باسنادہ عن جابر بن عبد اللہ الانصاری یقول خرجنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی غزوۃ تبوک حتیٰ اذا کنا عند العقبۃ مما یلی الشام جئن نسوۃ فذکرنا تمتعنا وھن یجلن فی رحالنا او قال یطفن فی رحالنا فجاءنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنظر الیھن فقال من ھولاء النسوۃ فقلنا یا رسول اللہ نسوۃ تمتعنا منھن فغضب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتیٰ احمرت وجنتاہ وتغیر لونہ واشتد غضبہ وقام فینا خطیبا فحمد اللہ واثنی علیہ ثم نہی عن المتعۃ فتوادعنا یومئذ الرجال والنساء ولم نعد ولا نعود لھا ابدا اھ

اور غصہ کے مارے چہرہ سرخ ہو گیا اور سر بارہ آپ نے اس کی حرمت کے لئے خطبہ دیا۔ اور تیسری بار اس کی حرمت کا تاکیدی اعلان فرمایا۔ اس کے بعد پھر حجۃ الوداع میں حرمت متعہ کا اعلان عام فرمایا تاکہ خواص اور عوام سب ہی کو اس کی حرمت کا علم ہو جائے۔

بعض راویوں کو تحریم متعہ کے اس بار بار اعلان سے یہ گمان ہو گیا کہ متعہ دو یا تین مرتبہ حلال کیا گیا اور دو یا تین مرتبہ حرام کیا گیا حالانکہ دوبارہ اور سہ بارہ اعلان کوئی جدید تحریم نہ تھی بلکہ تحریم قدیم اور نہی سابق کا اعادہ اور تاکید تھی۔

بعد ازاں حضرت عمر کے زمانۂ خلافت میں بعض ناواقفیت کی بنا پر جن کو تحریم متعہ کی خبر نہ پہنچی تھی اس فعل کا ارتکاب کر بیٹھے تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو جب یہ خبر پہنچی تو سخت ناراض ہوئے اور منبر پر چڑھے اور خطبہ دیا اور متعہ کی حرمت کا اعلان فرمایا تاکہ اس کی حرمت میں کوئی شبہ باقی نہ رہے اور یہ فرمایا کہ میرے اس اعلان کے بعد اب اگر کوئی متعہ کرے گا تو میں اس پر زنا کی حد جاری کروں گا اس وقت سے متعہ بالکل موقوف ہو گیا اور اسی پر تمام صحابہ کا اجماع ہو گیا اور عبداللہ بن عباس وغیرہ جو لاعلمی کی بنا پر متعہ کے اباحت کے قائل تھے جب ان کو متعہ کی حرمت اور ممانعت کا علم ہوا تو اپنے قول سے رجوع کیا جیسا کہ ابوبکر جصاص نے احکام القرآن ص ۱۴۲ ج ۲ میں نہایت تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے حضرات اہل علم۔ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً کی تفسیر میں یہ تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی پیدائش ہجرت سے ایک یا دو سال پہلے ہوئی اور آٹھ یا نو برس کی عمر تک اپنے والدین کے ساتھ مکہ معظمہ میں رہے۔ فتح مکہ کے بعد ۸ھ میں جب حضرت عباس نے مع خاندان کے ہجرت فرمائی تو ابن عباس اپنے والد محترم کے ساتھ مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور غزوۂ خیبر (جس میں حرمت متعہ کا اعلان ہوا تھا) وہ ابن عباس کے مدینہ منورہ آنے سے قبل ہو چکا تھا اور اس عرصہ میں کوئی متعہ کا واقعہ بھی پیش نہیں آیا، اس لئے حضرت عباس کو بذات خود متعہ کے متعلق کوئی خبر نہیں ہوئی صرف دوسرے صحابہ کی زبانی سنا اور اس بنا پر یہ فتویٰ دیا کہ جس طرح مجبوری کی حالت میں مردار اور خنزیر مباح ہو جاتا ہے اسی طرح مجبوری کی حالت میں متعہ بھی جائز ہے لیکن بعد میں جب حضرت علی کرم اللہ

وجہہ نے اور دیگر صحابہ نے متعہ کے متعلق قیامت تک کی حرمت اور ممانعت کی روایتیں ابن عباس کو سنائیں تو ابن عباس نے اس سے رجوع فرمالیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے حرمت متعہ کی روایتیں بیشمار آئی ہیں مگر حضرات شیعہ، متعہ کے اس درجہ شیدائی ہیں کہ حضرت علی کی بھی نہیں سنتے۔

قال الامام ابو جعفر الطحاوی کل ھؤلاء الذین رووا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اطلاقھا اخبروا انھا کانت فی سفر وان النھی لحقھا فی ذلک السفر بعد ذلک فمنع منھا ولیس احد منھم یخبر انھا کانت فی حضر وکذلک روی عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ تفسیر قرطبی ص ۱۳۱ ج ۵

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ جتنے لوگوں نے بھی متعہ کی اباحت اور رخصت کو بیان کیا ہے سب نے بالاتفاق یہی بیان کیا ہے کہ یہ وقتی رخصت فقط حالت سفر میں پیش آئی ہے اور پھر یہ بھی بیان کیا کہ پھر اسی سفر میں اس اباحت کے بعد متصل فوراً ہی متعہ کی ممانعت کا اعلان ہوا اور ایک راوی بھی ایسا نہیں کہ جو یہ بیان کرتا ہو کہ متعہ کا واقعہ حضر میں پیش آیا ہو اور ایسا ہی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ سے مروی ہے۔ (تفسیر قرطبی)

اور اسی طرح امام حازمیؒ فرماتے ہیں

وانما کان ذلک فی اسفارھم ولم یبلغنا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اباحہ لھم وھم فی بیوتھم (کتاب الاعتبار ص ۱۷۸)

متعہ کی اباحت کا جو واقعہ بھی ہوا وہ جز اینست کہ سفر میں ہوا اور ہم کو کسی ایک راوی سے یہ خبر نہیں پہنچی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر اور وطن میں رہنے کی حالت میں بھی ان کو متعہ کی اجازت دی ہو یعنی ایسا کبھی نہیں ہو کہ وطن میں رہ کر کسی نے متعہ کیا ہو۔

ابتداء اسلام میں کس قسم کا متعہ مباح تھا

جاننا چاہئے کہ لفظ متعہ۔ متاع سے مشتق ہے جس کے معنی نفع قلیل کے ہیں کما قال تعالٰے

إِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ۔ اور مطلقہ کو جو کپڑوں کا جوڑا دیا جاتا ہے اس کو بھی متعہ اس لئے کہتے ہیں کہ بمقابلہ مہر، نفع قلیل ہے۔ کما قال تعالیٰ فَمَتِّعُوْهُنَّ۔ قال تعالیٰ وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ۔ یہ متعہ کے اصل معنی ہوئے اور متعہ کا اطلاق دو معنی پر آتا ہے ایک یہ کہ متعہ سے نکاح موقت مراد ہو یعنی ایک مدت معینہ کے لئے گواہوں کے سامنے کسی عورت سے ازدواجی تعلق قائم کیا جائے اور مدت معینہ گزرنے کے بعد بلا طلاق مفارقت واقع ہو جائے لیکن مفارقت کے بعد استبراء رحم کے لئے ایک مرتبہ ایام ماہواری کا انتظار کرے تاکہ دوسرے نطفہ کے ساتھ اختلاط سے محفوظ رہے فقط یہ صورت ابتداء اسلام میں جائز تھی۔ بعد میں ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی۔ یعنی متعہ بمعنی نکاح موقت ابتداء اسلام میں جائز تھا اور بعد میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو گیا اور متعہ کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص کسی عورت سے یہ کہے کہ میں تجھ سے ایک روز کے لئے منتفع ہوں گا اور اس ایک روزہ یا دو روزہ انتفاع کی تجھ کو یہ اجرت دوں گا تو یہ صریح زنا ہے اور عین زنا ہے متعہ کی یہ صورت کبھی بھی اسلام میں جائز اور مباح نہیں ہوئی تاکہ اس کو منسوخ کہا جائے بلکہ متعہ کی صورت کسی دین میں بھی حلال نہیں ہوئی اس لئے کہ متعہ کی یہ صورت صریح زنا ہے اور زنا کسی دین میں کبھی بھی حلال نہیں ہوا۔ البتہ متعہ کی پہلی صورت یعنی نکاح موقت (یعنی مدت معینہ کے لئے گواہوں کی موجودگی میں ولی کی اجازت سے تعلق قائم کرنا اور مدت معینہ گزرنے کے بعد ایک حیض عدت گزارنا) یہ ایک برزخی مقام ہے یعنی یہ نکاح موقت نکاح مطلق اور زنا محض کے درمیان۔ ایک درمیانی درجہ ہے کہ جو نہ زنا محض ہے اور نہ نکاح مطلق ہے کہ جس میں طلاق اور عدت اور میراث ہو۔ نکاح متعہ کی یہ صورت حقیقی نکاح نہیں بلکہ نکاح حقیقی کے ساتھ صرف ظاہری مشابہت ہے کہ متعہ کی اس صورت میں۔ گواہ کی بھی اور ولی کی اجازت کی بھی ضرورت ہے اور مرد سے علٰحدہ ہونے کے بعد اگر دوسرے مرد سے متعہ کرنا چاہے تو جب تک ایک مرتبہ حیض نہ آ جائے اس وقت تک دوسرے مرد سے متعہ نہیں کر سکتی اس لئے اس صورت کو محض زنا بھی نہیں جا سکتا ایسے نکاح موقت میں کہ جس میں ابتداء گواہی اور اذن ولی ضروری ہو اور انتہاء استبراء رحم کے لئے حیض کا آنا ضروری ہو اور نکاح صحیح و مؤبد میں صرف موقت اور مؤبد اور میراث کا فرق ہے

باقی شرائط میں دونوں متفق ہیں۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں۔

روى الليث بن سعد عن بكير بن الاشج عن عمار مولى الشريد قال سألت ابن عباس عن المتعة اسفاح هي ام نكاح قال لا سفاح ولا نكاح قلت فما هي قال المتعة كما قال تعالى قلت هل عليها عدة قال نعم حيضة قلت يتوارثان قال لا

(تفسیر قرطبی ص۱۳۲ ج ۵)

امام لیث بن سعد۔ بکیر بن اشج سے راوی ہیں کہ عمار مولائے شرید کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عباسؓ سے متعہ کے متعلق یہ سوال کیا کہ متعہ زنا ہے یا نکاح فرمایا متعہ نہ زنا ہے نہ نکاح ہے میں نے پھر سوال کیا کہ آخر وہ ہے کیا۔ فرمایا کہ وہ متعہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر لفظ متعہ کا اطلاق کیا ہے میں نے سوال کیا کہ متعہ والی عورت پر عدت ہے۔ فرمایا کہ ہاں متعہ کی مدت گذرنے کے بعد اس پر ایک حیض کا انتظار کرنا واجب ہے میں نے سوال کیا کہ وہ ایک دوسرے کے وارث ہونگے فرمایا نہیں

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ نکاح متعہ یعنی موقت ایک برزخی مقام ہے یعنی نکاح مطلق اور زنا محض کے درمیان ایک درمیانی درجہ ہے۔ ابتداء اسلام میں صرف یہ صورت بھی ایسی مجبوری کی حالت میں جائز تھی جیسا کہ مجبوری کی حالت میں مردار اور خنزیر حلال ہو جاتا ہے اس کے بعد امام قرطبیؒ فرماتے ہیں۔

قال ابو عمر لم يختلف العلماء من السلف والخلف ان المتعة نكاح الى اجل لا ميراث فيه والفرقة تقع عند انقضاء الاجل من غير طلاق وقال ابن عطية وكانت المتعة ان يتزوج الرجل بشاهدين واذن الولى الى اجل مسمى وعلى الا ميراث بينهما ويعطيها ما اتفقا عليه فاذا انقضت المدة فليس له عليها سبيل ويستبرئ رحمها لان الولد لاحق فيه بلا شك فان لم تحمل حلت لغيره وفى كتاب النحاس فى هذا خطاء وان الولد لا يلحق فى نكاح المتعة (قلت: هذا هو المفهوم من عبارة النحاس فانه فقال انما المتعة ان يقول لها اتزوجك يوما او ما اشبه ذلك على انه لا عدة عليك ولا ميراث

بیننا ولا طلاق ولا شاھد یشھد علی ذلک وھذا ھو الزنا بعینہ ولم یبح قط فی الاسلام ولذا قال عمر لا اوتی برجل تزوج متعۃ الا غیبتہ تحت الحجارۃ[1]

خلاصۂ کلام

یہ کہ احادیث نبویہ میں جس نکاح متعہ کی اباحت اور پھر اس کی حرمت اور ممانعت کا ذکر ہے اس سے یہ عرفی متعہ ہرگز ہرگز مراد نہیں جس کے حضرات شیعہ قائل ہیں بلکہ اس سے وہ نکاح موقت مراد ہے کہ جو نکاح ایک مدت معینہ کے لئے گواہوں کے موجودگی میں ولی کی اجازت سے منعقد ہو اور پھر مدت معینہ گزر جانے کے بعد بلا طلاق کے مفارقت واقع ہو جائے اور پھر اس کے بعد وہ عورت بغیر ایک حیض آئے دوسرے مرد سے متعہ نہ کر سکے فقط یہ صورت ابتداء اسلام میں بایں معنی جائز اور مباح تھی کہ شریعت میں اس خاص صورت کی ممانعت اور حرمت کا ابھی تک کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا جیسا کہ شراب اور سود کے ابتداء اسلام میں مباح اور حلال ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ابتداء اسلام میں حق تعالیٰ کی طرف سے شراب اور سود کی ممانعت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اور جن لوگوں نے ممانعت سے پہلے شراب پی یا سود لیا شریعت کی طرف سے ان پر کوئی حد جاری نہیں کی گئی اور نہ ان کو کوئی سزا دی گئی یہاں تک شراب اور سود کی حرمت کا حکم نازل ہو گیا۔

ابتداء اسلام میں شراب اور سود کے حلال ہونے کے یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ شریعت کی طرف سے اجازت تھی کہ جس کا جی چاہے شراب پئے اور جس کا جی چاہے سود لے اسی طرح متعہ یعنی نکاح موقت کے ابتداء اسلام میں جائز اور مباح ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ابتداء اسلام میں نکاح متعہ یعنی نکاح موقت کی ممانعت نہ تھی، معاذ اللہ یہ معنی نہیں کہ حضور پر نور نے قولاً نکاح متعہ کی اجازت دی تھی نکاح متعہ کی حرمت کا پہلا اعلان غزوۂ خیبر میں ہوا اور پھر غزوۂ اوطاس میں اور پھر

---

[1] تفسیر قرطبی، ج: ۵ ص: ۱۳۲

غزوۂ تبوک میں اور پھر حجۃ الوداع میں تاکہ عوام و خواص کو اس کی حرکت کا خوب علم ہو جائے اور حضور پُر نور کا حرمت متعہ کے متعلق یہ بار بار اعلان اسی پہلے اعلانِ حرمت کی تاکید کے لیے تھا کہ جو آپ غزوۂ خیبر میں فرما چکے تھے، کوئی جدید حکم نہ تھا۔ باقی شیعوں والا متعہ کہ مرد عورت سے ایک دن یا ڈیڑھ دن ایک گھنٹے یا دو گھنٹے کے لیے معاوضہ طے کرکے استفادہ کرے تو یہ خالص زنا اور صریح بدکاری ہے یہ صورت کبھی بھی اسلام میں جائز اور مباح نہیں ہوگی چہ جائیکہ منسوخ ہو جیسے زنا نہ کبھی مباح ہوا اور نہ منسوخ ہوا۔

بلکہ

ابتداء آفرینش عالم سے لے کر اب تک سوائے مذہب شیعہ کے کسی دین اور مذہب میں متعہ جائز نہیں ہوا، معاذ اللہ اگر شیعوں والا متعہ جائز ہو جائے تو پھر نسب میں بھی خلل واقع ہوگا اور اولاد بھی ضائع ہوگی اور وارث اور مورث کی تمیز نہ ہوگی اور نہ یہ معلوم ہوگا کہ کون بیٹا ہے اور کون بھائی، نیز میراث اور طلاق اور عدت کے جو احکام شریعت میں آتے ہیں وہ سب معطل ہو جائیں گے نیز شریعت نے نکاح میں جو چار عورتوں کی حد مقرر کی ہے وہ بھی معطل ہو جائے گی اس لئے کہ متعہ میں نہ چار کی قید ہے نہ عدت ہے اور نہ طلاق ہے اور نہ میراث ہے، ایک متعہ کے قائل ہونے سے قرآن و حدیث کے تمام احکام یکلخت معطل ہوئے جاتے ہیں۔ بلکہ نکاح کی بھی ضرورت نہ رہے گی۔ مرد اپنی حاجت متعہ سے پوری کریں گے اور عورتیں اپنے نان نفقہ اور دُکھ اور درد کے مستقل کفیل اور ذمہ داری سے محروم ہو جائیں گی اور چلتے پھرتے اوباشوں پر ان کی نظر ہوگی اور پھر دورِ شباب گزرنے کے بعد کون ان کا کفیل اور ذمہ دار ہوگا۔ حضرات شیعہ غور کریں کہ کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی ذلت اور مصیبت کا منظر ہو سکتا ہے شیعوں کو چاہیئے کہ دل و جان سے فاروق اعظم کے شکر گزار ہوں کہ جس نے اپنے دورِ خلافت میں اس بے حیائی کا نام و نشان بھی مٹا دیا۔

تحریم متعہ کے اگر تفصیلی دلائل اور اس کے مفاسد معلوم کرنے ہوں تو حضرات اہل علم احکام القرآن للجصاص ص۱۴۶ ج ۲ تا ص۱۱۵ ج ۲ اور تحفۂ اثنا عشریہ اور فتاوٰے عزیزیہ کی مراجعت کریں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حرمت متعہ کی ایک وجدانی دلیل

ہر شریف الطبع اور باعزت انسان اپنے اور اپنی بیٹی اور بہن کے نکاح کے اعلان کو فخر سمجھتا ہے اور غایت مسرت اور انبساط کے ساتھ ولیمۂ نکاح پر اقارب اور احباب کو مدعو کرتا ہے، بخلاف متعہ کے کہ اس کو چھپاتا ہے اور اپنی بیٹی اور بہن اور ماں کی طرف متعہ کی نسبت کرنے سے عار محسوس کرتا ہے، آج تک کسی ادنیٰ غیرت مند بلکہ کسی بے غیرت کے متعلق بھی یہ نہیں سنا گیا کہ اس نے کسی مجلس میں بطور فخر یا بطور ذکر ہی یہ کہا ہو کہ میری بیٹی اور بہن اور میری ماں نے اتنے متعے کئے ہیں، نیز تمام عقلاء نکاح پر مرد اور عورت کو اور اس کے والدین کو مبارک باد دیتے ہیں مگر متعہ کے متعلق کہیں مبارک باد دیتے نہیں سُنا۔

مہاجرین حبشہ کی حبش سے واپسی

جو مہاجرین مکہ سے حبشہ کی جانب ہجرت کر گئے جب ان کو یہ علم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو اکثر ان میں سے حبشہ سے مدینہ چلے آئے۔ عبداللہ بن مسعودؓ اس وقت مدینہ پہنچے کہ جب آپ بدر کی تیاری فرما رہے تھے[۱]

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی ساتھ جو چند آدمی رہ گئے تھے وہ اس روز پہنچے کہ جس روز خیبر فتح ہوا تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جعفر کو گلے لگایا اور پیشانی کو بوسہ دیا۔ اور بعد ازاں یہ فرمایا کہ میں نہیں سمجھتا کہ مجھکو فتح خیبر کی مسرت زیادہ ہے یا جعفر کے آنے کی۔

(رواہ البیہقی عن جابرؓ)

ابو موسیٰ اشعریؓ (جو حضرت جعفر کے ساتھ آئے تھے) راوی ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت پہنچے کہ جب آپ خیبر فتح فرما چکے تھے۔ مال غنیمت میں سے ہم کو بھی حصہ عطا فرمایا ہمارے سوا جو فتح خیبر میں شریک نہ تھا کسی کو حصہ نہیں دیا۔

---

[۱] فتح الباری، ج: ۷، ص: ۱۵۴

یہ بخاری کی روایت ہے۔ بیہقی کی روایت میں ہے کہ مسلمانوں سے کہہ کران لوگوں کو غنیمت میں شریک فرمایا [1]

فتح وادی القریٰ، وتیمار

فتح خیبر کے بعد آپ نے وادی القریٰ کا رُخ فرمایا۔ چار دن کے محاصرہ کے بعد فتح فرمایا آپ کا غلام مِدعَم آپ کا کجاوہ اُتار رہا تھا کہ ایک ناگہانی تیر آکر لگا جس سے وہ شہید ہوا۔ لوگوں نے کہا اس کو شہادت مبارک ہو، آپ نے فرمایا نہیں۔ خدا کی قسم جس چادر کو اس نے مال غنیمت میں سے چرایا ہے وہ آگ بن کر اس پر مشتعل ہوگی۔ ایک شخص نے جب آپ کو یہ کہتے سُنا تو ایک جوتی کا تسمہ لے کر آیا آپ نے فرمایا جوتی کا ایک تسمہ بھی (خیانت کیا ہوا) جہنم سے ہے (رواہ البخاری)

اہلِ تیمار کو جب وادی القریٰ کے فتح کا حال معلوم ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جزیہ پر صلح کرلی [2]

مراجعت اور واقعہ لیلۃ التعریس

وادی القریٰ اور تیمار کی فتح کے بعد آپ مدینہ منورہ واپس ہوئے۔ مدینہ کے قریب پہنچ کر وہ ایک وادی میں اخیر شب میں آرام لینے کی غرض سے نزول فرمایا۔ اتفاق سے کسی کی آنکھ نہیں کھلی یہاں تک آفتاب بلند ہوگیا۔ سب سے پہلے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے اور گھبرا کر اُٹھے اور صحابہ کو جگایا۔ اور اس وادی سے کوچ کرنے کا حکم دیا کہ یہاں شیطان ہے اس وادی سے نکل کر آپ نے نزول فرمایا۔ اور بلالؓ کو اذان کا حکم دیا۔ وضو کر کے صبح کی دو رکعت سنتیں پڑھیں بعد ازاں بلال نے اقامت کہی اور جماعت کے ساتھ صبح کی نماز قضا کی گئی۔ (رواہ مسلم عن ابی ہریرۃؓ)

فوائد

(۱)۔ نماز اور عبادت میں حضرات انبیاء اللہ (علیہم الف الف صلوات اللہ) کو غفلت کی وجہ سے کبھی سہو نہیں ہوتا بلکہ من جانب اللہ سہو میں مبتلا کیے جاتے ہیں تاکہ امت کو سہو کے مسائل معلوم

[1] زرقانی ج ۲، ص ۲۴۶ — [2] زرقانی، ج: ۲، ص: ۲۴۷، فتح الباری، ج: ۵، ص: ۱۱

ہوں لہٰذا اگر آپ کو یہ سہو نہ پیش آتا تو امت کو فوت شدہ نمازوں کی قضاء کا مسئلہ کیسے معلوم ہوتا اور اگر ظہر یا عصر کی دو یا تین رکعت پر آپ بھول کر سلام نہ پھیر دیتے۔ (جیسا کہ حدیث ذوالیدین میں ہے) تو امت کو سجدہ سہو کا مسئلہ کہاں سے معلوم ہوتا۔

سبحان اللہ خدا کی کیا حکمتیں اور کیا رحمتیں ہیں کہ جن حضرات کو نبوت و رسالت کا خلعت پہنا کر تشریع احکام کی مسند پر بٹھلایا۔ اُن کے سہو اور نسیان کو بھی تشریع احکام کا ایک ذریعہ بنایا حضرت آدم صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر سہو و نسیان نہ پیش آتا تو توبہ اور استغفار کی سنت کہاں سے معلوم ہوتی۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ [۵] کہہ کر قیامت تک کے لیے خداوند ذوالجلال کی رضا اور خوشنودی اور ابلیس کی ذلت اور رسوائی کا طریقہ بتلا گئے۔ قربان جائے ایسے سہو و نسیان کے کہ جس سے ہمیشہ کے لیے رحمتوں کا دروازہ کھل گیا۔

حضرات عارفین کے کلام میں صدیق اکبر کا یہ مقولہ نقل کیا جاتا ہے۔

يَا لَيْتَنِي كُنْتُ سَهْوَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ کاش میں سرتاپا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سہو ہوتا۔

غالباً صدیق اکبر نے یہ سمجھ کر کہ حضرات انبیاء کا سہو کس درجہ موجب خیر و برکت اور کس درجہ عند اللہ مقبول ہوتا ہے۔ یہ تمنا فرمائی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(۲) اسی حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا۔

کہ جس جگہ عبادت نے ذہول اور غفلت پیش آجائے تو مستحب یہ ہے کہ اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ منتقل ہو جائے بظاہر یہ انتقال مکانی ہجرت کبریٰ کا ایک نمونہ معلوم ہوتا ہے جس کو اگر ہجرت صغریٰ کے نام سے موسوم کیا جائے تو شاید بیجا نہ ہو جس جگہ اللہ جل جلالہ کی طاعت دشوار ہو جائے اور اس کی معصیتوں کا بازار گرم ہو جائے اسی جگہ کو چھوڑ کر ایسے مقام پر جا کر سکونت اختیار کر لینا کہ جہاں اللہ عزوجل کی طاعت اور بندگی آسان ہو شرعاً واجب ہے اور اسی کو ہجرت کبریٰ کے نام سے موسوم

---

[۵] سورۃ الاعراف، آیۃ: ۲۳

کیا گیا ہے۔

اور جس جگہ پر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں غفلت پیش آجائے اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری قریبی جگہ میں جاکر عبادت کا بجالانا مستحب ہے اسی کو ہم نے ہجرت صغریٰ کے نام سے موسوم کیا ہے ؎

رو اذا نبابک منزل فتحول) جب تجھکو کوئی منزل ناموافق آئے تو وہاں سے کوچ کر۔ باقی ہجرت کے احکام سو اُن کی تفصیل کتب فقہ سے معلوم کی جائے۔

زفاف ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

اسی سال اُم حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا حبشہ سے مدینہ آئیں جسے حضور پُرنور نجاشی کے توسط سے نکاح فرمایا تھا۔ جن کے نکاح کا مفصل واقعہ انشاء اللہ ازواج مطہرات کے بیان میں آئے گا۔

عمرۃ القضاء

ذی قعدۃ الحرام سنہ ۷ھ

صلح حدیبیہ میں قریش سے یہ معاہدہ ہوا تھا کہ امسال بغیر عمرہ کئے ہوئے واپس چلے جائیں اور سال آئندہ عمرہ کے لئے آئیں اور عمرہ کر کے تین دن میں واپس ہو جائیں اس بنا پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذیقعدہ کا چاند دیکھ کر صحابہ کو حکم دیا کہ اُس عمرہ کی قضا کے لئے روانہ ہوں جس سے مشرکین نے حدیبیہ میں روکا تھا اور یہ بھی حکم دیا کہ جو لوگ حدیبیہ میں شریک تھے ان میں سے کوئی رہ نہ جائے، چنانچہ بجز ان لوگوں کے کہ جو اس عرصہ میں شہید ہو چکے تھے یا وفات پا چکے تھے کوئی شخص بغیر شریک ہوئے باقی نہ رہا۔ (طبقات[1] ابن سعد ص ۸۷ ج ۲۔ زرقانی ص ۳۱۲ ج ۲)

---

[1] ۔ قال ابن اسحٰق خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ذی القعدۃ مثل الشھر الذی صدہ فیہ المشرکون معتمرا عمرۃ القضاء مکان عمرتہ التی صدوہ عنھا۔ وقال الحاکم فی الاکلیل رہن الکم صفویہ

اس طرح دو ہزار آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ آپ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے ہدی کے ستر[1] اونٹ آپ کے ہمراہ تھے ذوالحلیفہ پہنچ کر مسجد میں آپ نے اور صحابہ نے احرام باندھا۔ لبیک کہتے ہوئے روانہ ہوئے احتیاطاً ہتھیار ساتھ رکھ لئے مگر چونکہ معاہدۂ حدیبیہ میں یہ شرط تھی کہ ہتھیار ساتھ نہ لائیں اس لئے ہتھیار بطن یاجج میں چھوڑ دیئے جو مکہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے اور دو سو[2] آدمیوں کا ایک دستہ ان کی حفاظت کے لئے چھوڑ دیا۔ اور آپ مع اصحاب کے تلبیہ کہتے ہوئے حرم کی طرف بڑھے۔ (طبقات ابن سعد ص ۸۷ ج ۲)

اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ آپ کی ناقہ قصواء کی مہار پکڑے ہوئے یہ رجز پڑھتے ہوئے آگے آگے تھے۔

خلوا بنی الکفار عن سبیلہ قد انزل الرحمٰن فی تنزیلہ

اے کافروں آپ کا راستہ چھوڑ دو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ حکم نازل کیا ہے

بان خیر القتل فی سبیلہ نحن قتلناکم علی تاویلہ

کما قتلناکم علی تنزیلہ (رواہ عبدالرزاق عن انس رضی اللہ عنہ)

کہ بہترین قتل وہ ہے کہ خدا کی راہ میں ہو ہم نے تم سے جہاد و قتال کیا اس کا حکم نہ ماننے کی وجہ سے[1] جیسے قرآن منزل من اللہ کے نہ ماننے کی وجہ سے تم سے قتال کیا۔

(بقیہ پچھلے صفحہ کا حاشیہ) تواترت الاخبار انہ صلی اللہ علیہ وسلم لما ھل ذوالقعدۃ امر اصحابہ ان یعتمروا قضاء عمرتھم وان لا یتخلف احد منھم شھد الحدیبیۃ فخرجوا الا من استشھد وخرج معہ آخرون معتمرین فکانت عدتھم الفین سوی النساء والصبیان قال وتسمی ایضا عمرۃ الصلح۔ (فتح الباری ص ۳۸۷ ج ۷)۔ حاکم اکلیل میں فرماتے ہیں کہ احادیث متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذیقعدہ کا چاند دیکھ کر اس عمرہ کی قضاء کا حکم دیا جس کو حدیبیہ میں قریش کے رد کرنے کی وجہ سے نہیں کر سکتے تھے۔ اور یہ تاکید فرمائی کہ جو لوگ حدیبیہ میں شریک تھے ان میں سے کوئی رہ نہ جائے چنانچہ سوائے ان لوگوں کے کہ جو اس اثناء میں شہید ہو گئے سب آپ کے ساتھ عمرہ کی قضاء کرنے کے لئے روانہ ہوئے۔ ان کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی آپ کے ساتھ عمرہ کی نیت سے روانہ ہوئے جن کی مجموعی تعداد عورتوں اور بچوں کے سوا دو ہزار تھی اور اس عمرہ کو عمرۃ الصلح بھی کہتے ہیں ۱۲ بہرحال ان روایات سے یہ امر بخوبی واضح ہے کہ اگر کسی وجہ سے عمرہ اور حج نہ کر سکے تو سال آئندہ اس کی قضا واجب ہے امام اعظم رضی اللہ عنہ کا یہی مسلک ہے تفصیل کے لئے کتب فقہیہ کی مراجعت کی جائے ۱۲۔ [1] علی تاویلہ اور علی تنزیلہ کا یہ مطلب علامہ زرقانی نے بیان کیا ہے یعنی علی انکار تاویلہ وعلی انکار تنزیلہ اور ممکن ہے کہ یہ معنی ہوں کہ ہم تم سے جہاد و قتال اس کے حکم کے مطابق کرتے ہیں۔ ۱۲

اور بیہقی کی روایت میں اس کے بعد یہ زیادہ ہے۔

الیوم نضربکم علی تنزیلہ ضرباً یزیل الھام عن مقیلہ

آج اللہ کے حکم کے مطابق ایسا ماریں گے کہ تمہاری کھوپڑی سر سے الگ ہو جائے۔

ویذھل الخلیل عن خلیلہ یارب انی مؤمن بقیلہ

اور دوست کو دوست سے بےخبر بنا دے، اے اللہ میں اس کے قول پر ایمان رکھتا ہوں۔

اور ابن اسحٰق کی روایت میں ہے۔

یارب انی مؤمن بقیلہ انی رأیت الحق فی قبولہ

میں اُس کے قبول کرنے ہی کو حق سمجھتا ہوں

حضرت عمر نے کہا اے ابن رواحہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور اللہ کے حرم میں شعر پڑھتا ہے آپ نے فرمایا اے عمر رہنے دو۔ یہ شعر کافروں کے حق میں تیر باری سے زیادہ سخت ہیں۔ (رواہ الترمذی والنسائی وقال الترمذی حسن غریب) یہ تمام تفصیل فتح الباری ص ۴۸۳ ج ۷ میں مذکور ہے۔

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ آپ نے یہ فرمایا، اے عمر میں سُن رہا ہوں۔ اور عبداللہ بن رواحہ کو یہ حکم دیا کہ اے ابن رواحہ یہ پڑھو۔

لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ۔ نَصَرَ عَبْدَہٗ وَاَعَزَّ جُنْدَہٗ۔ وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ۔ عبداللہ بن رواحہ کے ساتھ اور صحابہ بھی ان کلمات کو پڑھتے جاتے تھے۔ اس شان سے مکہ میں داخل ہوئے بیت اللہ کا طواف کیا اور سعی بین الصفا والمروہ کر کے ہدی کو نحر فرمایا اور حلال ہو گئے بعد ازاں کچھ لوگوں کو حکم دیا کہ وہ بطن یاج چلے جائیں اور جو آدمی اسلحہ کی حفاظت کے لئے وہاں چھوڑ دیئے گئے تھے وہ آ کر طواف اور سعی کر لیں اور یہ فرما کر کعبۃ اللہ کے اندر تشریف لے گئے۔ ظہر تک اندر ہی رہے۔ آپ کے حکم سے خانہ کعبہ کی چھت پر حضرت بلال نے ظہر کی اذان دی۔[1]

---

[1] الطبقات الکبریٰ۔ ج ۲، ص ۸۸

قریش نے اگرچہ از روئے معاہدہ آپ کو عمرہ کرنے کی اجازت دے دی لیکن شدتِ غیظ اور غایتِ حسد کی وجہ سے آپ کو اور آپ کے صحابہ کو دیکھ نہ سکے اس لئے سردارانِ قریش اور ان کے کبراء و اشراف مکہ مکرمہ چھوڑ کر پہاڑوں میں چلے گئے۔[1]

حضرت میمونہ سے نکاح

ادائے عمرہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین دن مکہ میں مقیم رہے اور حضرت میمونہ بنت الحارث سے نکاح[2] فرمایا جب تین دن گذر گئے تو قریش نے چند آدمی آپ کی خدمت میں بھیجے کہ مدت گزر گئی ہے آپ چلے جائیں۔ آپ نے فرمایا اگر تم مہلت دو تو مکہ میں میمونہ بنت الحارث کی عروسی اور دعوت ولیمہ کرلوں۔ ان لوگوں نے نہایت ترشروئی سے یہ جواب دیا کہ ہمیں آپ کے ولیمہ اور دعوت کی ضرورت نہیں آپ چلے جائیے۔

آپ نے فوراً صحابہ کو کوچ کرنے کا حکم دیا اور اپنے غلام ابورافع کو حضرت میمونہؓ کے پاس چھوڑ گئے، وہ ان کو لے کر مقام سرف آپ کے پاس لائے۔ یہاں آپ نے عروسی فرمائی۔ اور یہاں سے چل کر ماہ ذی الحجہ داخل مدینہ ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا۔[3]

عمرۃ القضاء سے فارغ ہو کر جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے روانہ ہونے لگے تو حضرت حمزہ کی چھوٹی صاحب زادی آپ کو چچا چچا[4] پکارتی ہوئیں آپ کے پاس آئیں حضرت علی نے

---

[1] زرقانی، ج: ۲، ص: ۲۵۵۔　[2] صحیح بخاری کے متعدد مواضع میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ سے حالت احرام میں نکاح کیا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال ہونے کے بعد نکاح کیا۔ صحیح بخاری کی روایت سب سے صحیح ہے جیسا کہ حافظ عسقلانی نے فتح الباری میں تصریح کی ہے تفصیل کے لئے شروح حدیث کی مراجعت کی جائے۔۱۲۔　[3] سورۃ الفتح، آیۃ: ۲۷، ابن ہشام، ج: ۲، ص: ۲۰۲۔

[4] حضرت حمزہ آپ کے رضاعی بھائی تھے۔ اس رشتہ سے آپ چچا ہوئے۔

فوراً ان کو اٹھا لیا اب حضرت علی اور حضرت جعفر اور حضرت زید بن حارثہ میں اختلاف ہوا۔ ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ میری پرورش میں رہے۔ حضرت علی نے کہا کہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور میں نے اس کو اٹھا لیا ہے۔ حضرت جعفر نے کہا۔ میرے چچا کی لڑکی ہے اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے۔ حضرت زید نے کہا کہ میرے اسلامی اور دینی بھائی کی لڑکی ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ لڑکی اپنی خالہ کے پاس رہے اور یہ ارشاد فرمایا کہ خالہ بمنزلہ ماں کے ہے (رواہ البخاری عن البراء بن عازب)

سریۂ اخرم بن ابی العوجاء

ذی الحجہ ۷ھ

ماہ ذی الحجہ میں اخرمؓ کو پچاس آدمیوں کے ہمراہ بنی سُلیم کو دعوتِ اسلام دینے کی غرض سے روانہ فرمایا بنی سلیم نے کہا ہمیں اسلام کی ضرورت نہیں اور تیر اندازی کر کے مسلمانوں کی اس قلیل جماعت کو شہید کر دیا صرف اخرمؓ کو مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ یہ زخموں کی وجہ سے نیم جان ہو گئے تھے، بعد میں زندہ ہو کر صفر کی پہلی تاریخ کو مدینہ پہنچے [1]

سریۂ غالب بن عبداللہ لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

صفر ۸ھ

صفر ۸ھ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غالب بن عبداللہ لیثی کو مقام کدید کی جانب بنی الملوح پر حملہ کرنے کے لئے ایک جماعت کے ساتھ روانہ فرمایا ان لوگوں نے وہاں پہنچ کر شب خون مارا اور ان کے اونٹ پکڑ کے مدینہ کی جانب روانہ ہوئے بنی الملوح کی ایک جماعت مسلمانوں کے تعاقب میں دوڑی اسی وقت من جانب اللہ اتنی زور کی بارش ہوئی کہ مسلمانوں اور کافروں کے

[1] الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج: ۲، ص: ۸۹۔

درمیان میں جو ایک وادی حائل تھی وہ پانی سے بھر گئی اور وہ لوگ مسلمانوں تک نہ پہنچ سکے اس طرح مسلمان صحیح و سالم مدینہ منورہ پہنچے۔ ؎۱

بعض سرایا

غزوۂ خیبر اور غزوۂ موتہ کے درمیان حضور پرنور نے اور بھی چھوٹے چھوٹے سریے روانہ فرمائے جو بحمدہ تعالیٰ کامیاب واپس آئے۔ ؎۲

اسلام خالد بن الولید و عثمان بن طلحہ و عمرو بن العاص

اسی عرصہ میں اسلام کے مشہور سپہ سالار خالد بن ولید اور عرب کے مشہور عاقل عمرو بن العاص مسلمان ہوئے ان کے زمانہ اسلام میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ صفر ۸ھ میں مشرف باسلام ہوئے اور بعض کہتے ہیں کہ خیبر کے بعد ۷ھ میں مسلمان ہوئے۔

یہ امر روایت صحیحہ اور صریحہ سے ثابت ہے کہ غزوۂ حدیبیہ کے وقت خالد بن ولید کفار کی فوج میں تھے اور آئندہ غزوۂ موتہ کے بیان میں بخاری کی روایت سے معلوم ہو جائے گا کہ خالد بن ولید غزوۂ موتہ میں شریک ہوئے اور اخیر میں یہی امیر ہوئے اور انہی کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے فتح دی معلوم ہوا کہ صلح حدیبیہ اور غزوۂ موتہ کے درمیانی مدت میں مسلمان ہوئے ہیں۔

خالد بن ولید کہتے ہیں کہ جب حق تعالیٰ جل شانہ نے میرے ساتھ خیر کا ارادہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام کی محبت ڈال دی، یکایک میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میں جس لڑائی میں بھی قریش مکہ کی طرف سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں جاتا ہوں اور پھر واپس آتا ہوں واپسی پر میرے دل کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ دل اندر سے یہ کہتا ہے کہ تیری یہ تمام کوشش اور یہ تمام جد و جہد لاحاصل اور بے سود ہے اور تحقیق محمد صلی اللہ علیہ وسلم ضرور غالب ہوں گے چنانچہ حدیبیہ کے موقع پر میں مشرکین

؎۱ زرقانی، ج: ۲، ص: ۲۶۶ ؎۲ ایضاً۔

مکہ کے سواروں میں سے تھا تو میں نے آپ کو مقام عسفان میں دیکھا کہ اپنے اصحاب کو صلاۃ الخوف پڑھا رہے ہیں میں نے ارادہ کیا کہ نماز کی حالت میں حضور پر حملہ کروں مگر حضور میرے ارادہ سے مطلع ہو گئے اور میں حملہ نہ کر سکا تو اس وقت میں یہ سمجھ گیا کہ یہ شخص من جانب اللہ مامون اور محفوظ ہے غیب سے اس کی حفاظت ہو رہی ہے میں ناکام واپس ہو گیا۔

اور آں حضرت جب قریش سے صلح کر کے واپس ہوئے تو میرے دل میں یہ خیال آیا کہ قریش کی عزت اور شرکت ختم ہوئی اور شاہ حبشہ یعنی نجاشی آپ کا پیرو ہو چکا ہے اور آپ کے اصحاب حبشہ میں امن و امان کے ساتھ رہتے ہیں اب اس کے سوا کیا صورت ہے کہ میں ہرقل شاہ روم کے پاس چلا جاؤں اور وہاں جا کر یہودی یا نصرانی ہو جاؤں اور عجم کے تابع اور ماتحت رہ کر عیب کی زندگی گزاروں اور چند روز اپنے وطن ہی میں رہ کر دیکھوں کہ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے اسی خیال میں تھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سال آئندہ عمرۃ القضاء کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لائے تو اس وقت میں مکہ سے نکل گیا اور روپوش ہو گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب عمرہ سے فارغ ہو گئے تو میرا بھائی ولید بن ولید جو حضور کے ہمراہ تھا۔ اس نے مجھے تلاش کیا مگر میں نہ ملا بعد ازاں میرے بھائی نے میرے نام اس مضمون کا ایک خط لکھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم اما بعد فانی لم ار اعجب من ذھاب رایک عن الاسلام وعقلک عقلک ومثل الاسلام جھلہ احد وقد سألنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عنک وقال این خالد فقلت یاتی اللہ بہ فقال مثلہ جھل الاسلام ولو کان جعل نکایتہ وجدہ مع المسلمین کان خیرا لہ ولقدمناہ	بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اما بعد۔ میں نے اس سے زیادہ کوئی تعجب خیز امر نہیں دیکھا کہ تیری رائے اسلام جیسے پاکیزہ مذہب کے قبول کرنے سے منحرف ہے حالانکہ تیری عقل۔ تیری عقل ہے جو معروف و مشہور ہے اور اسلام جیسے پاکیزہ مذہب سے کسی کا بے خبر رہنا نہایت تعجب خیز ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے تمہارا حال دریافت کیا اور فرمایا کہ خالد کہاں ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ عنقریب اللہ تعالیٰ اس کو لے کر آئے گا۔ آپ نے فرمایا کہ تعجب ہے کہ اس جیسا عاقل اسلام جیسے

علیٰ غیرہٖ فاستدرك یا اخی ما قد فاتك من مواطن صالحۃ .

پاکیزہ مذہب سے بے خبر و نادان ہو جائے اور فرمایا کہ اگر خالد مسلمانوں کے ساتھ مل کر دینِ حق کی مدد کرتا اور اہلِ باطل کا مقابلہ کرتا تو یہ اس کے لئے بہتر ہوتا اور ہم اس کو دوسروں پر مقدم رکھتے۔ پس اے بھائی تجھ سے جو عمدہ مقامات فوت ہوگئے ہیں تو ان کی تلافی اور تدارک کرلے ابھی تدارک کا وقت ہے۔

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں   سدا دَور دوراں دکھاتا نہیں

خالد بن ولید کہتے ہیں کہ میرے بھائی کا یہ خط جب میرے پاس پہنچا تو اس خط نے میری رغبت اسلام میں اور زیادہ کر دی اور سفر ہجرت کا ایک خاص نشاط اور انبساط دل میں پیدا ہو گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بارے میں جو کچھ فرمایا تھا اس نے مجھکو مسرور کیا اور اسی اثناء میں میں نے ایک خواب دیکھا کہ میں تنگ بلاد میں ہوں جن میں قحط ہے۔ میں اس قحط اور تنگ علاقہ سے نکل کر سرسبز اور کشادہ شہروں میں چلا گیا ہوں میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ خاص خواب ہے جو میری تنبیہ کے لئے مجھ کو دکھلایا گیا ہے۔ میں مکہ مکرمہ حاضر ہوا اور اسباب سفر مہیا کر کے مدینہ کی طرف چلا اور یہ چاہا کہ کوئی اور بھی میرے ساتھ ہو جائے میں نے صفوان بن امیہ سے ملاقات کی اور کہا کہ تم دیکھتے ہی نہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عرب و عجم پر غلبہ پالیا۔ اگر ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جائیں اور ان کا اتباع کریں تو یہ ہمارے لئے بہتر ہوگا محمد کا شرف ہمارا شرف ہوگا۔ صفوان نے نہایت سختی سے انکار کیا اور یہ کہا کہ اگر روئے زمین پر میرے سوا کوئی بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اتباع سے باقی نہ رہے تو میں جب بھی آپ کا اتباع نہ کروں گا میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس شخص کا باپ اور بھائی بدر میں مارے گئے ہیں اس لئے اس سے کوئی توقع نہیں کی جا سکتی بعد ازاں میں عکرمہ بن ابی جہل سے ملا اور جو بات میں نے صفوان سے کہی تھی وہی عکرمہ سے کہی۔ عکرمہ نے بھی مجھے وہی جواب دیا جو صفوان نے دیا تھا خالد کہتے ہیں کہ میں اپنے گھر گیا اور اونٹنی کو تیار کیا اور یہ خیال کیا کہ لاؤ عثمان بن طلحہ سے ملاقات کروں وہ میرا سچا دوست ہے لیکن مجھ کو اس کے باپ دادا کا قتل ہونا یاد آیا اور

متردد ہو گیا کہ عثمان سے ذکر کروں یا نہ کروں پھر یہ خیال آیا کہ ذکر کرنے میں میرا کیا نقصان ہے میں تو اب جا ہی رہا ہوں، چنانچہ میں نے عثمان بن طلحہ سے وہی امر ذکر کیا کہ جو صفوان سے ذکر کیا تھا۔ عثمان بن طلحہ نے میرے مشورہ کو قبول کیا اور کہا کہ میں بھی مدینہ چلتا ہوں مقام یاجج میں تم سے مل لوں گا، تم اگر پہلے پہنچ جاؤ تو میرا انتظام کرنا اور اگر میں پہلے پہنچ گیا تو میں تمھارا انتظار کروں گا۔

خالد بن ولید کہتے ہیں کہ میں بھی روانہ ہوا اور حسب وعدہ مقام یاجج میں عثمان بن طلحہ مجھے مل گئے علی الصباح ہم دونوں وہاں سے روانہ ہوئے ہم دونوں جب مقام ھَدَّہ میں پہنچے تو عمرو بن عاص سے ملاقات ہوئی کہ وہ بھی اسلام کے ارادہ سے مدینہ جا رہے ہیں عمرو بن العاص نے ہم کو دیکھ کر مرحبا کہا ہم نے بھی مرحبا کہا اور پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو کہا کہ اسلام میں داخل ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کے ارادہ سے جا رہا ہوں ہم نے کہا کہ ہم بھی اسی ارادہ سے نکلے ہیں۔

خالد بن ولید کہتے ہیں کہ اس طرح ہم تینوں ساتھ ہوئے اور مدینہ میں داخل ہوئے اور اپنے سواری کے اونٹ مقام حرہ میں بٹھلائے کسی نے ہماری خبر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی آپ ہماری آمد کی خبر سن کر بہت مسرور ہوئے اور فرمایا کہ مکہ نے اپنے جگر گوشوں کو پھینک دیا ہے، خالد کہتے ہیں کہ میں نے عمدہ کپڑے پہنے اور آپ کی خدمت میں حاضری کے لئے چلا راستہ میں مجھے میرا بھائی ولید آملا اور کہا کہ جلدی چلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمھاری آمد کی خبر پہنچ گئی ہے، حضور پُر نور تمھاری آمد سے بہت مسرور ہوئے اور تمھارے منتظر ہیں۔ ہم تیزی کے ساتھ چلے اور حضور پُر نور کی خدمت میں حاضر ہوئے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دیکھ کر مسکرائے میں نے کہا السّلام علیک یا رسول اللہ آپ نے نہایت خندہ پیشانی سے میرے سلام کا جواب دیا میں نے عرض کیا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ آپ نے ارشاد فرمایا قریب ہو جاؤ اور یہ فرمایا:

الحمد للّٰہ الذی ھداک قد	حمد ہے اُس ذات پاک کی جس نے تجھے اسلام کی توفیق
کنت اری لک عقلا رجوت	دی میں دیکھتا تھا کہ تجھ میں عقل ہے اور امید کرتا تھا کہ وہ
ان لا یسلمک الا الی خیر	عقل تجھکو خیر اور بھلائی کی طرف تیری رہنمائی کرے گی۔

خالد کہتے ہیں میں عرض کیا کہ آپ دیکھتے تھے کہ مقامات جنگ میں آپ کے اور حق کے مقابلہ میں حاضر ہوتا تھا جس سے میں شرمندہ اور نادم ہوں، اس لئے آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ میری ان تمام خطاؤں کو معاف کردے آپ نے ارشاد فرمایا:

الاسلام یجب ماکان قبلہ	اسلام ان تمام امور کا خاتمہ کر دیتا ہے جو اس سے پہلے ہو چکے ہیں۔

میں نے پھر یہی درخواست کی تو آپ نے میرے لئے یہ دعا فرمائی۔

اللھم اغفر لخالد بن الولید	اے اللہ تو خالد بن ولید کی اُن تمام خطاؤں کو معاف
ما اوضع فیہ من صد عن سبیل اللہ	کردے جو خالد نے خدا تعالیٰ کی راہ سے روکنے کیلئے کی ہیں۔

خالد کہتے ہیں کہ میرے بعد عثمان بن طلحہ اور عمرو بن العاص آگے بڑھے اور حضور پُر نور کے دست مبارک پر بیعت کی یہ تمام تفصیل البدایۃ والنہایۃ میں ہے اور اسی طرح خصائص کبریٰ للسیوطی میں مذکور ہے۔ ؎

عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ حضور پُر نور کی خدمت میں حاضر ہونے کے بعد پہلے خالد بن ولید نے بیعت کی اور پھر عثمان بن طلحہ نے بیعت کی۔ پھر میں بیعت کے لئے آگے بڑھا مگر اس وقت میری حالت یہ تھی۔

فواللہ ماھوا لا ان جلست بین	خدا کی قسم میں حضور کے سامنے بیٹھ تو گیا مگر شرم اور ندامت
یدیہ فما استطعت ان ارفع طرفی	کی وجہ سے آپ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ نہیں سکتا تھا عمرو
حیاء منہ قال فبایعتہ علی ان یغفرلی	کہتے ہیں کہ بالآخر میں نے آپ کے دست مبارک پر
ماتقدم من ذنبی ولم یحضرنی	بیعت کی اور عرض کیا کہ اس شرط پر بیعت کرتا ہوں کہ
ماتأخر فقال ان الاسلام یجب	میری تمام گذشتہ خطائیں اور قصور معاف کردیئے جائیں
ما کان قبلہ والھجرۃ تجب ما	عمرو کہتے ہیں کہ اُس وقت یہ خیال نہ آیا کہ یہ بھی عرض کردیتا
کان قبلھا۔	کہ میرے آئندہ اور پچھلے قصور میں معاف کردیئے جائیں

؎ ج ۴، ص: ۲۳۸-۲۴۰، الخصائص - ج ۱، ص: ۲۴۸

آپ نے ارشاد فرمایا کہ اسلام ان تمام گناہوں کو منہدم کر دیتا ہے کہ جو اسلام سے پہلے کفر کی حالت میں کئے گئے ہیں اور اسی طرح ہجرت بھی تمام گزشتہ گناہوں کو منہدم کر دیتی ہے۔

عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ بخدا تے لایزال جس دن سے ہم مسلمان ہوئے اس دن سے جو مہم پیش آئی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری برابر کسی کو نہیں فرمایا۔ عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ میں اور خالد اور عثمان شروع صفر ۸ھ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔ (البدایۃ والنہایۃ صفحہ ۲۳۸ ج ۴)

غزوۂ موتہ

جمادی الاولیٰ ۸ھ

موتہ ایک مقام کا نام ہے جو ملک شام میں علاقۂ بلقاء میں واقع ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سلاطین اور امراء کے نام دعوت اسلام کے خطوط روانہ فرمائے تو شرجیل بن عمرو غسانی کے نام بھی ایک خط روانہ فرمایا۔ شرجیل قیصر کی طرف سے شام کا امیر تھا حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ جب آپ کا یہ خط لے کر مقام موتہ میں پہنچے تو شرجیل نے ان کو قتل کرا دیا۔ اس وجہ سے آپ نے تین ہزار کا لشکر ماہ جمادی الاولیٰ ۸ھ میں موتہ کی طرف روانہ فرمایا [۱]

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو امیر لشکر مقرر فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ اگر زید قتل ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب امیر لشکر ہوں اور اگر جعفر بھی قتل ہو جائیں تو عبداللہ بن ابی رواحہ سردار لشکر ہوں اور اگر عبداللہ بھی قتل ہو جائیں تو مسلمان جس کو چاہیں اپنا امیر بنا لیں۔ (رواہ البخاری واحمد والنسائی باسناد صحیح)

اسی وجہ سے اس غزوہ کو غزوۂ جیش الامراء کہتے ہیں۔ جیسا کہ مسند احمد اور نسائی میں باسناد صحیح ابو قتادہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیش الامراء روانہ فرمایا الی آخر الحدیث [۲]

اور ایک سفید جھنڈا زید بن حارثہ کو دیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ اول اس مقام پر جانا جہاں

---

[۱] ۔ فتح الباری، ج: ۷، ص: ۳۹۲، الطبقات الکبریٰ، ج: ۲، ص: ۹۲۔ [۲] ۔ زرقانی، ج: ۲، ص: ۲۶۸

حارث بن عمیرؓ شہید ہوئے اور ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا اگر وہ اس دعوت کو قبول کریں تو تو نہیا د نعمت ورنہ خداوند ذوالجلال سے اعانت اور امداد کی درخواست کر کے اُسے جہاد و قتال کرنا۔ اور ثنیۃ الوداع تک خود بنفس نفیس مشایعت کے لیے تشریف لے گئے ثنیۃ الوداع پر کچھ دیر ٹھہر کر لشکر کو یہ وصیت فرمائی کہ ہر حال میں تقویٰ اور پرہیزگاری کو ملحوظ رکھیں اپنے رفقاء کی خیر خواہی کریں۔ اللہ کی راہ میں اللہ کے نام پر اللہ سے کفر کرنے والوں سے جہاد و قتال کریں، غدر اور خیانت نہ کریں کسی بچہ اور عورت اور بوڑھے کو قتل نہ کریں لوگ جب امراء لشکر کو رخصت کرنے لگے تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ رو پڑے لوگوں نے کہا اے ابن رواحہ کس چیز نے تم کو رُلایا تو عبداللہ بن رواحہ نے یہ جواب دیا۔

اما واللہ ما بی حب الدنیا ولا صبابۃ	آگاہ ہو جاؤ۔ خدا کی قسم مجھے نہ دنیا سے محبت ہے
بکم ولکنی سمعت رسول اللہ صلی اللہ	اور نہ تم سے شیفتگی لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
علیہ وسلم یقرأ آیۃ من کتاب اللہ	وسلم کو کتاب اللہ کی یہ آیت پڑھتے سنا ہے نہیں ہے تم
عزوجل وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ	میں سے کوئی شخص مگر ضرور دوزخ پر گزرنے والا ہے اور
عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا۔ فلست ادری	خدا کے نزدیک یہ امر مقرر ہو چکا ہے پس نہیں معلوم کہ
کیف لی بالصدر بعد الورود۔	جہنم پر ورود کے بعد واپسی کیسے ہوگی، اس لئے روتا ہوں۔

لشکر جب روانہ ہونے لگا تو مسلمانوں نے پکار کر کہا خدا تعالیٰ تم کو صحیح سالم اور کامیاب واپس لائے تو عبداللہ بن رواحہ نے یہ شعر پڑھا۔

لکننی اسأل الرحمٰن مغفرۃً　　وَضَرْبَةً ذَاتَ فَرْغٍ تَقْذِفُ الزَّبَدَا

میں واپسی نہیں چاہتا بلکہ اللہ کی مغفرت اور اس کی راہ میں ایسے گہرے زخم کا خواہشمند ہوں کہ جو جھاگ پھینکتا ہو۔

او طَعْنَةً بِيَدَىْ حَرَّانَ مُجْهِزَةً　　بِحَرْبَةٍ تَنْفُذُ الاحْشَاءَ الْكَبِدَا

یا ایسا کاری زخم ہو کہ جو تیز ہوا ایسے نیزہ سے لگے کہ جو میری انتڑیوں اور جگر سے پار ہو جائے۔

حتی یقال اذا مروا علی جدثی　　يَا اَرْشَدَ اللهُ مِنْ غَازٍ وَقَدْ رَشَدَا

یہاں تک کہ لوگ جب میری قبر پر گذریں تو یہ کہا جائے کہ واہ واہ کیا غازی تھا اور کیسا کامیاب ہوا۔
لشکر جب چلنے کے لئے بالکل تیار ہو گیا تو عبداللہ بن رواحہ آپ کے قریب آئے اور یہ شعر پڑھے

انت الرسول فمن یحرم نوافلہ ۔۔۔۔ والوجہ منہ فقد ازری بہ القدر

آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں جو شخص آپ کے فیوض و برکات اور آپ کے چہرۂ انور کے دیدار سے محروم رہا۔ تو سمجھ لو کہ قضاء و قدر نے اس کی تحقیر کی کہ اس کو اس دولتِ عظمیٰ سے محروم رکھا۔

فثبت اللہ ما آتاک من حسن ۔۔۔۔ تثبیت موسیٰ ونصرا کالذی نصروا

پس اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ کے محاسن کو ثابت و قائم رکھے اور انبیاء سابقین کی طرح آپ کی مدد فرمائے۔

انی تفرست فیک الخیر نافلۃ ۔۔۔۔ فراسۃ خالفت فیک الذی نظروا

میں نے آپ میں خیر اور بھلائی کو بیش از بیش محسوس کر لیا ہے اور میرا یہ احساس مشرکین کی نظر اور احساس کے کے برخلاف ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

وانت فثبتک اللہ یا ابن رواحہ ۔۔۔۔ اور تجھ کو بھی اے ابن رواحہ اللہ تعالیٰ ثابت قدم رکھے

شرحبیل کو جب اس لشکر کی روانگی کا علم ہوا تو ایک لاکھ سے زیادہ لشکر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے جمع کیا۔ اور ایک لاکھ فوج لے کر ہرقل خود شرحبیل کی مدد کے لئے بلقاء میں پہنچا۔ معان پہنچ کر مسلمانوں کو اس کا علم ہوا کہ دو لاکھ سے زیادہ سپاہیوں کا لشکر جرار ہم تین ہزار مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے مقام بلقاء میں جمع ہوا ہے۔ مسلمانوں کا لشکر دو شب معان میں ٹھہرا اور مشورہ ہوتا رہا کہ کیا کرنا چاہیے، رائے یہ ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی جائے اور آپ کے حکم اور امداد کا انتظار کیا جائے۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

یا قوم واللہ ان التی تکرھون للتی ۔۔۔۔ اے قوم خدا کی قسم جس بات کو تم مکروہ سمجھ رہے ہو

خرجتم ایاھا تطلبون الشھادۃ ۔۔۔۔ وہی شہادت ہے جس کی تلاش میں تم نکلے ہو ہم

وما نقاتل الناس بعدد ولا قوۃ ۔۔۔۔ کافروں سے کسی قوت اور کثرت کی وجہ سے نہیں

وما کثرة ما نقاتلھم الا بھذا	لڑتے۔ ہمارا لڑنا تو محض اس دین اسلام کی وجہ سے
الدین الذی اکرمنا اللہ بہ	ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو عزت بخشی۔ پس اٹھو
فانطلقوا فانما ھی احدی الحسنیین	اور چلو دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی ضرور حاصل ہوگی
اما ظھور واما شھادۃ۔	یا تو کفار پر غلبہ حاصل ہوگا یا شہادت کی نعمت نصیب ہوگی۔

لوگوں نے کہا خدا کی قسم ابن رواحہ نے بالکل سچ کہا۔ اور خدا کے پرستاروں اور جاں بازوں کی یہ تین ہزار جمعیت اعداء اللہ کے دو لاکھ لشکر جرار کے مقابلہ کے لئے موتہ کی طرف روانہ ہوئی موتہ کے میدان میں دونوں جماعتیں مقابلہ کے لئے سامنے آئیں ادھر سے زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پا پیادہ رایت اسلام لے کر آگے بڑھے اور لڑتے لڑتے شہید ہوئے۔ اُن کے بعد حضرت جعفر علم ہاتھ میں لے کر آگے بڑھے جب دشمنوں نے ہر طرف سے گھیر لیا اور گھوڑا زخمی ہو گیا تو گھوڑے سے اتر آئے اور گھوڑے کے کوچے کاٹ کر سینہ سپر ہو کر اعداء اللہ سے لڑنا شروع کیا۔

گھوڑے کے کوچے اس لئے کاٹ ڈالے کہ اعداء اللہ اس سے منتفع نہ ہو سکیں۔ (کذا فی البدایۃ) لڑتے جاتے تھے اور یہ پڑھتے جاتے تھے۔

یا حبذا الجنۃ واقترابھا طیبۃ وبارد شرابھا

جنت اور اُس کا قرب کیا ہی پاکیزہ اور پسندیدہ ہے اور پانی اُس کا نہایت ٹھنڈا ہے۔

والروم روم قد دنا عذابھا کافرۃ بعیدۃ انسابھا

اور رومیوں کا عذاب قریب آگیا ہے کافر ہیں اور اُن کے نسب ہم سے بہت دور ہیں یعنی ہم میں

علیّ اذ لاقیتھا ضرابھا

اور ان میں کوئی قرابت نہیں مقابلہ کے وقت اُن کا مارنا مجھ پر فرض اور لازم ہے

لڑتے لڑتے جب دایاں ہاتھ کٹ گیا تو رایت اسلام کو بائیں ہاتھ سے سنبھالا جب بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا تو جھنڈا گود میں لے لیا یہاں تک کہ شہید ہو گئے اللہ تعالیٰ نے اس کے

عوض میں ان کو دو بازو عطا فرمائے جن سے جنت میں فرشتوں کے ساتھ اڑتے پھرتے ہیں۔

صحیح بخاری میں عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ جب حضرت جعفر کی لاش کو تلاش کیا گیا تو نوے[1] سے زیادہ تیر اور تلوار کے زخم تھے اور سب سامنے تھے۔ پشت کی جانب کوئی زخم نہ تھے۔

حضرت جعفر کے بعد حضرت عبد اللہ بن رواحہ نے علم ہاتھ میں لیا اور آگے بڑھے گھوڑے پر سوار تھے چند لمحوں کے لئے نفس کو کچھ تردد لاحق ہوا تو اپنے نفس کو مخاطب کر کے یہ فرمایا:

اَقْسَمْتُ یَا نَفْسُ لَتَنْزِلَنَّہْ　　کَارِھَۃً اَوْ لَتُطَاوِعَنَّہْ

اے نفس تجھکو قسم ہے کہ تو ضرور گھوڑے سے اتر کر اعداء اللہ سے جہاد و قتال کر ناگواری سے اتر یا خوشی اور رغبت کے ساتھ　　کذا فی فتح الباری ج ۷ ص ۳۹۳

اِنْ اَجْلَبَ النَّاسُ وَشَدُّوا الرَّنَّہْ　　مَالِی اَرَاکِ تَکْرَھِیْنَ الْجَنَّہْ

اگر لوگ چیخ و پکار کر رہے ہیں تو کیا وجہ ہے تجھکو دیکھ رہا ہوں کہ تو جنت کو ناپسند کر رہا ہے یعنی جلدی قدم کیوں نہیں بڑھاتا۔ پیش قدمی میں سستی کرنا گویا کہ جنت کو ناپسند کرتا ہے یہ فقط نفس کی توبیخ اور الزام کیلئے قدم

قَدْ طَالَمَا قَدْ کُنْتِ مُطْمَئِنَّہْ　　ھَلْ اَنْتِ اِلَّا نُطْفَۃٌ فِیْ شَنَّہْ

تو بسا اوقات مطمئن رہا ہے اس وقت تجھکو کیا ہوا تیری حقیقت کیا ہے تو تو رحم مادر میں ایک نطفہ ہی تھا۔ اس بے حقیقت نطفہ کے لئے خدا کی راہ میں پس وپیش کر رہا ہے۔

اور یہ کہا ؎

یَا نَفْسُ اِلَّا تُقْتَلِیْ تَمُوْتِیْ　　ھٰذَا حِمَامُ الْمَوْتِ قَدْ صَلِیْتِ

اے نفس اگر تو قتل نہ ہوا تو مریگا تو ضرور اور یہ ہے قضائے موت جسمیں تجھکو مبتلا ہونا ضروری ہے۔

وَمَا تَمَنَّیْتِ فَقَدْ اُعْطِیْتِ　　اِنْ تَفْعَلِیْ فِعْلَھُمَا ھُدِیْتِ

جس چیز کی تو نے تمنا کی تھی وہ تجھکو مل گئی یعنی شہادت فی سبیل اللہ کا موقع۔ اگر تو نے زید اور جعفر جیسا کام کیا تو ہدایت پائے گا۔

یہ کہہ کر گھوڑے سے اتر پڑے ان کے ابن عم (چچا زاد بھائی) نے آگے بڑھ کر ان کو ایک گوشت کی ہڈی دی کہ اس کو چوس لو تاکہ اس کی قوت سے کچھ لڑ سکو کئی دن تم پر فاقے کے گزر چکے ہیں۔ ابن رواحہ نے ہڈی لے لی اور اس کو ایک بار چوسا لیکن فوراً ہی پھینک دیا اور کہا اے نفس لوگ جہاد کر رہے ہیں اور تو دنیا میں مشغول ہے اور تلوار لے کر آگے بڑھے یہاں تک کہ شہید ہو گئے اور رایت اسلام ہاتھ سے گر گیا۔ ثابت بن ارقم رضی اللہ عنہ نے فوراً رایت اسلام ہاتھ میں لے لیا اور مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ اے گروہ مسلمین اپنے میں سے کسی شخص کے امیر بنانے پر متفق ہو جاؤ لوگوں نے کہا آپ ہی ہمارے امیر ہیں ہم آپ کے امیر ہونے پر راضی ہیں۔ ثابتؓ نے فرمایا۔ میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ اور یہ کہہ کر جھنڈا خالد بن ولید کو پکڑا دیا اور کہا کہ آپ جنگ سے خوب واقف ہیں۔ خالد بن ولید نے امارت قبول کرنے میں کچھ تامل کیا، لیکن تمام مسلمانوں نے ان کے امیر ہونے پر اتفاق کر لیا خالد بن ولید رایت اسلام لے کر آگے بڑھے اور نہایت شجاعت اور مردانگی سے اعداء اللہ کا مقابلہ کیا۔

صحیح بخاری میں خود خالد بن ولید سے روایت ہے کہ غزوۂ موتہ میں لڑتے لڑتے میرے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں صرف ایک یمنی تلوار میرے ہاتھ میں باقی رہی۔

دوسرے روز خالد بن ولید نے لشکر کی ہیئت تبدیل کردی مقدمۃ الجیش کو ساقہ اور میمنہ کو میسرہ کر دیا دشمن لشکر کی ہیئت بدلی ہوئی دیکھ کر مرعوب ہو گئے اور یہ سمجھے کہ نئی مدد آپہنچی۔

ابن سعد ابو عامر سے راوی ہیں کہ جب خالد بن ولید نے رومیوں پر حملہ کیا تو ان کو ایسی فاش شکست دی کہ میں نے ایسی شکست کبھی نہیں دیکھی۔ مسلمان جہاں چاہتے تھے وہاں اپنی تلوار رکھتے تھے

زہری اور عروۃ بن زبیر اور موسیٰ بن عقبہ اور عطاف بن خالد اور ابن عائذ سے بھی یہی منقول ہے اور صحیح بخاری میں ہے کہ حتی فتح اللہ علیھم۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی۔

حاکم کی روایت میں ہے کہ غنیمت میں کچھ سامان بھی ملا۔ رومیوں کی پسپائی کے بعد خالد بن ولید نے تعاقب مناسب نہ سمجھا اور اپنی قلیل جماعت کو لے کر مدینہ واپس آ گئے۔

اس غزوہ میں بارہ مسلمان شہید ہوئے جن کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۲)۔ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۳)۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۴)۔ مسعود بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۵)۔ وہب بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۶)۔ عباد بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۷)۔ حارث بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۸)۔ سراقہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(۹)۔ ابو کلیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۱۰)۔ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
} پسران ابو عمرو بن زید
(۱۱)۔ عمرو بن رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۱۲)۔ عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
} پسران سعد بن حارث

یہ تمام تفصیل زرقانی اور فتح الباری باب غزوۂ موتہ سے لی گئی ہے۔

جس روز اور جس وقت مقام موتہ میں غازیانِ اسلام کی شہادت کا یہ حادثہ پیش آ رہا تھا تو حق[1] جل شانہ نے سرزمین شام کو اپنی قدرت کاملہ سے آپ کے سامنے کر دیا کہ میدانِ کارزار آپ کی نظروں کے سامنے تھا۔ آپ کے اور شام کے درمیان تمام حجابات اٹھا دیئے گئے، آپ نے صحابہ کو جمع کرنے کے لئے الصلاۃ جامعۃ کی منادی کرا دی صحابۂ کرام جمع ہو گئے تو آپ ممبر پر تشریف فرما ہوئے، میدانِ کارزار آپ کی نظروں کے سامنے تھا۔ ارشاد فرمایا کہ زید نے رایت اسلام اپنے ہاتھ میں لیا اور کافروں سے خوب قتال کیا یہاں تک کہ شہید ہوا اور جنت میں داخل ہوا۔ زید کے بعد جعفر نے رایت اسلام ہاتھ

---

[1] کما اخرج الواقدی عن شیوخہ قالوا رفعت الارض لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی نظر الی معرکۃ القوم۔ کذا فی الخصائص للسیوطی ص ۲۶۱ ج ۱ وقال ابن کثیر قال الواقدی حدثنی عبدالجبار بن عمارۃ عن عبداللہ بن ابی بکر بن عمرو بن حزم قال لما التقی الناس بموتۃ جلس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر وکشف لہ ما بینہ وبین الشام فھو ینظر الی معرکتھم فقال اخذ الرایۃ زید الحدیث البدایۃ والنہایۃ ص ۲۴۲ ج ۴ وکذا فی الخصائص ص ۲۶۱ ج ۱ وفی روایۃ البیہقی وابی نعیم عن موسیٰ بن عقبہ فقال ان اللہ رفع لی الارض حتی رأیت معترکھم۔ کذا فی الخصائص ص ۲۵۹ ج ۱

میں لیا اور ساعداء اللہ سے خوب لڑا یہاں تک کہ شہید ہوا اور جنت میں داخل ہوا اور فرشتوں کے ساتھ جنت میں دو بازوؤں کے ساتھ اُڑتا پھرتا ہے۔

اس کے بعد عبداللہ بن رواحہ نے رأیتِ اسلام سنبھالا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما کر خاموش ہو گئے اور کچھ دیر تک سکوت کا عالم طاری تھا۔ انصار یہ دیکھ کر گھبرا گئے اور چہروں پر پریشانی کے آثار نمایاں ہونے لگے اور یہ خیال ہوا کہ شاید عبداللہ بن رواحہ سے کوئی ناپسندیدہ امر ظہور میں آیا ہے جس سے آپ خاموش ہیں۔

کچھ دیر سکوت کے بعد یہ فرمایا کہ عبداللہ بن رواحہ نے بھی کافروں سے خوب جہاد و قتال کیا یہاں تک شہید ہوئے اور یہ تینوں جنت میں اٹھائے گئے اور تختِ زرین پر متمکن ہیں لیکن میں عبداللہ بن رواحہ کا تخت کچھ ہٹتے ہوئے دیکھا کہ میں نے دریافت کیا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ عبداللہ بن رواحہ کا تخت ہٹا ہوا دیکھتا ہوں تو مجھکو یہ بتلایا گیا کہ عبداللہ بن رواحہ کو مقابلہ کے وقت کچھ تھوڑا سا تردد پیش آیا اور تھوڑی سی پس و پیش کے بعد آگے بڑھے اور زید اور جعفر بلا کسی تردد اور بلا کسی پس و پیش کے آگے بڑھے۔

[1] اور ایک روایت میں اس طرح ہے۔

ثم اخذ الراية عبد الله بن رواحة فاستشهد ثم دخل الجنة معترضا فشق ذلك على الانصار فقيل يا رسول الله ما اعتراضه قال لما اصابته الجراح نكل فعاتب نفسه

آپ نے فرمایا۔ پھر عبداللہ بن رواحہ نے جھنڈا لیا اور شہید ہوئے پھر وہ جنت میں کچھ رُکتے رُکتے داخل ہوئے یہ سن کر انصار کو رنج ہوا کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ اس کا کیا سبب ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس وقت عبداللہ بن رواحہ کو میدان کارزار میں

---

[1] قال ابن اسحٰق وحدثنی محمد بن جعفر عن عروة قال ثم اخذ الرأية عبد الله بن رواحة فالتوى بها بعض الالتواء ثم تقدم على فرسه ثم نزل فقاتل حتى۔ كذا فى فتح البارى ص ۳۹۳ ج ۷

اور ابن اسحاق کی روایت میں یہ لفظ ہیں فرأيت فى سرير عبد الله بن رواحة ازورارا عن سريرى صاحبيه فقلت عم هذا فقيل لى مضيا وتردد عبد الله بعض التردد ثم مضى (سيرة ابن ہشام)

فتجم فاستشهد فدخل الجنة
فسری عن قومه اخرج البیہقی کذا فی
البدایۃ والنہایۃ ص۲۴۸ ج ۴
والخصائص الکبری ص۲۶۰

زخم لگنے تو رہ دبمقتضائے بشریت تھوڑی دیر کے لئے
سست ہوگئے اور پیچھے قدمی میں پس و پیش کرنے لگے
پھر انھوں نے اپنے نفس کو ملامت کی اور عتاب کیا اور
ہمت اور شجاعت سے کام لیا اور لڑکر شہید ہوگئے اور
جنت میں داخل ہوگئے یہ سن کر انصار کی پریشانی دور ہوئی۔ (البدایۃ والنہایۃ)

آپ یہ کہہ رہے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے، پھر فرمایا کہ اب ان کے بعد سیف من سیف اللہ۔ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے یعنی خالد بن ولید نے اسلام کا جھنڈا سنبھالا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یہ فرمایا۔

اللھم انہ سیف من سیوفك
فانت تنصرہ فمن یومئذ سمی
سیف اللہ۔

اے اللہ خالد تیری تلواروں میں سے ایک تلوار ہے
پس تو ہی اس کی مدد فرمائے گا بس اسی روز
سے خالد بن ولید سیف اللہ کے لقب سے مشہور ہوگئے

اصل واقعہ تو صحیح بخاری میں مذکور ہے باقی تفصیل ابن اسحٰق اور بیہقی کی روایت سے لے گئی ہے[۱]

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب خالد بن ولید کو مرتدین کے قتال کے لئے مامور فرمایا اور ان کو امارت کا جھنڈا دیا تو یہ فرمایا:

انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم یقول نعم عبد اللہ واخو
العشیرۃ خالد بن الولید سیف
من سیوف اللہ سلہ اللہ علی

صدیق اکبر کہتے کہ تحقیق میں خود رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کیا ہی اچھا آدمی ہے اللہ
کا بندہ اور قبیلہ کا بھائی خالد بن ولید۔ اللہ کی
تلواروں میں سے ایک تلوار ہے اللہ تعالیٰ نے اس

[۱]۔ البدایۃ والنہایۃ، ج: ۴، ص: ۲۴۵۔ فتح الباری، ج: ۷، ص: ۳۹۲،
الخصائص الکبری، ج: ۱، ص: ۲۶۰

الکفار۔اصابہ ترجمہ خالد بن ولید۔ اس کو کافروں پر چلانے کے لئے سونتا ہے یعنی نیام سے نکالا ہے۔

(نکتہ) مطلب یہ ہوا کہ خالد بن ولید تو اللہ کی تلوار ہیں اور اس تلوار کا چلانے والا اور کافروں پر اس کا استعمال کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور ظاہر ہے کہ جس تلوار کو حق تعالیٰ چلائے اس تلوار سے کون بچ کر بھاگ سکتا ہے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی اوّل صدر مدرس دارالعلوم دیوبند فرمایا کرتے تھے کہ خالد بن ولید نے اپنی ساری عمر شہادت کی تمنا میں جہاد و قتال میں گذاری لیکن ان کی یہ تمنا پوری نہیں ہوئی اور شہادت ان کو نصیب نہ ہوئی۔ مولانا یعقوب صاحب میں کچھ شان جذب کی تھی، اسی شان جذب میں فرمایا کہ خالد بن ولید خواہ مخواہ ہی شہادت کی تمنا اور آرزو کرتے تھے ان کی اس تمنا اور آرزو کا پورا ہونا ناممکن اور محال تھا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی تلوار بتایا ہو اسے نہ کوئی توڑ سکتا ہے اور نہ موڑ سکتا ہے اللہ کی تلوار کا توڑنا ناممکن اور محال ہے۔

(نکتہ دیگر) عبداللہ بن رواحہ کے متعلق جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ میں نے ان کا تخت ہلتے ہوئے دیکھا یہ درحقیقت عبداللہ بن رواحہ کے تردد کی مثال تھی عبداللہ بن رواحہ کو شہادت سے کچھ پہلے اس عالم شہادت میں جو تردد لاحق ہوا تھا عالم غیب میں اس کو ہلتے ہوئے تخت کی شکل میں دکھلایا گیا۔ جو چیز یہاں پوشیدہ ہے وہی چیز عالم غیب میں کسی صورت اور شکل میں ظاہر اور نمایاں ہو جاتی ہے۔

حکایت

محمود غزنوی نے جب ہندوستان کو فتح کیا اور سومنات مندر کے تمام بت توڑ ڈالے تو جو بت ان میں سب سے بڑا تھا جب اس کو توڑنا چاہا تو سومنات کے پجاریوں نے بڑی

الحاح وزاری سے عرض کیا کہ اس بت کے برابر تول کر ہم سے سونا لے لیا جائے مگر اس بت کو نہ توڑا جائے سلطان محمود نے ارکان دولت سے مشورہ کیا سب نے یہ کہا کہ ہم کو فتح تو ہو ہی چکی ہے اگر ایک بُت کو چھوڑ ہی دیا جائے تو ہمارا خاص نقصان نہیں اور اس کے بدلہ میں جو مال ملے گا وہ لشکر اسلام کے کام آئے گا اسی مجلس سپہ سالار مسعود غازی بھی تھے فرمایا کہ یہ تو بُت فروشی ہے۔ اب تک بادشاہ بُت شکن مشہور تھا۔ اب بُت فروش کہلائے گا۔ یہ بات محمود غزنوی کے دل کو لگ گئی مگر ایک گونہ تردد باقی رہا، دوپہر کو سو گیا تو خواب میں دیکھا کہ میدانِ حشر بپا ہے اور ایک فرشتہ اُس کو دوزخ کی طرف یہ کہہ کر کھینچتا ہے کہ یہ بُت فروش ہے دوسرا فرشتہ کہتا ہے کہ نہیں یہ تو بُت شکن ہے اس کو جنت میں لے جاؤ۔ اتنے میں آنکھ کھل گئی اور حکم دیا کہ فوراً بُت کو توڑ دیا جائے جب بُت کو توڑا تو اس کے پیٹ میں سے جواہرات بھرے ہوئے نکلے۔ حق تعالیٰ کا شکر ادا کیا اُس نے بُت فروشی سے بچایا اور جس مال کی طمع میں بُت فروشی اختیار کرنا چاہتا ہے اُس سے کہیں زائد مال عطا کر دیا۔

فرشتوں کا دوزخ اور جنّت کی طرف کھینچنا یہ اُس تردد کی صورت تھی جو محمود غزنوی کو بُت کے توڑنے میں لاحق ہوا تھا بحالت بیداری جو تردد ہوا تھا اُس کو خواب میں اس صورت میں دکھلایا گیا کہ ایک فرشتہ دوزخ کی طرف کھینچتا ہے اور ایک جنّت کی طرف کبھی خیال بُت کے توڑنے کی طرف جا رہا ہے اور کبھی خیال بُت کے چھوڑنے کی طرف جا رہا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ بُت کو چھوڑ دینا حقیقت میں بُت فروشی نہ تھا لیکن صورت میں بُت فروشوں کی مشابہت تھی جس کو حق جل شانہ نے اس شکل میں دکھایا۔

اسی طرح عبداللہ بن رواحہ کے تردد کو ہلتے ہوئے تخت کی شکل میں دکھلایا کسی عبادت کا بلا کسی تردد کے بجا لانا یہ نفس مطمئنہ کی شان ہے اور تردد کے وقت نفس کو ملامت کرنا جیسا کہ عبداللہ بن رواحہ نے کی یہ نفس لوّامہ کی شان ہے جس کی حق جل شانہ سورۂ قیامہ کے شروع میں قسم کھائی لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ عبداللہ بن رواحہ عین معرکہ کے وقت جو شعر پڑھتے تھے اُن سے مقصود اپنے ہی نفس کو ملامت تھی ایک ہی دو شعر

ملامت کے پڑھے کہ نفس مطمئن ہوگیا اور آگے بڑھ کر خدا کی راہ میں شہید ہوا اور اپنے رفقاء کے ساتھ جنت میں جا ملا یَاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ۰

یہ حادثہ فاجعہ بیان فرما کر آپ حضرت جعفر کے مکان پر تشریف لے گئے بچوں کو بلایا اور اُن کے سروں پر ہاتھ پھیرا اور آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔ حضرت جعفر کی بیوی اسماء بنت عمیس سمجھ گئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ کیوں روئے کیا جعفر اور اُن کے رفقاء کے متعلق آپ کو کوئی اطلاع ملی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ آج وہ شہید ہوگئے۔ اسماء بنت عمیس فرماتی ہیں سنتے ہی میری چیخ نکل گئی اور عورتیں میرے پاس جمع ہوگئیں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ جعفر کے گھر والوں کے لئے کھانا پکا کر بھیجو۔ آج وہ اپنے صدمہ میں مشغول ہیں اور خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس صدمہ کا بہت اثر تھا۔ اس غم میں تین دن تک مسجد میں تشریف فرما رہے۔ (از زرقانی)

خالد بن ولید جب لشکر اسلام کو لے کر موتہ سے واپس ہوئے اور مدینہ کے قریب پہنچے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے مدینہ سے باہر جا کر ان کا استقبال کیا۔

سَریہ عمرو بن العاص رضؓ بسوئے ذات السلاسل

ماہ جمادی الثانیہ ۸ھ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی کہ قبیلۂ بنی قضاعہ کی ایک جماعت مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے اس لئے آپ نے ان کی سرکوبی کیلئے عمرو بن العاص کو مقام ذات السلاسل کی طرف روانہ کیا یہ مقام مدینہ منورہ سے دس منزل پر ہے تین سو آدمی اور تیس گھوڑے سوار ان کے ساتھ کئے، جب اس مقام کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ کافروں کی جمعیت بہت زیادہ ہے اس لئے توقف کیا اور رافع بن مکیثؓ کو حضور پرنور کی خدمت میں روانہ کیا کہ مدد کے لئے کچھ اور آدمی بھیجیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

ابو عبیدہ بن الجراح کو دو سو آدمیوں کے ساتھ روانہ فرمایا جن میں ابو بکر و عمر بھی تھے اور یہ تاکید فرمائی کہ عمرو بن العاص سے جاملو، اور آپس میں متفق رہنا اور باہم اختلاف نہ کرنا۔ جب ابو عبیدہ وہاں پہنچے اور نماز کا وقت آیا تو ابو عبیدہ نے امامت کرنی چاہی۔ عمرو بن العاص نے کہا کہ امیر لشکر تو میں ہوں اور تم تو میری مدد کے لئے آئے ہو ابو عبیدہ نے کہا تم اپنی جماعت کے امیر ہو اور میں اپنی جماعت کا امیر ہوں۔ بعد ازاں ابو عبیدہ نے یہ کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چلتے وقت مجھکو آخری حکم یہ دیا تھا کہ ایک دوسرے کی اطاعت کرنا اور اختلاف نہ کرنا، لہٰذا میں تمہاری اطاعت کروں گا اگرچہ تم میری مخالفت کرو، اس طرح ابو عبیدہ نے عمرو بن العاص امارت اور امامت کو تسلیم کرلیا چنانچہ عمرو بن العاص امامت کرتے تھے اور ابو عبیدہ اُن کی اقتداء کرتے تھے بالآخر سب مل کر قبیلۂ بنی قضاعہ میں پہنچا اور اُن پر حملہ کیا۔ کفار مرعوب ہو کر بھاگ اٹھے اور منتشر ہو گئے۔ صحابہ نے عوف بن مالک اشجعی کو خبر دے کر مدینہ روانہ کیا۔ عمرو بن العاص نے غلبہ کے بعد کچھ روز وہاں قیام کیا اور مختلف جوانب میں سواروں کو بھیجتے رہے۔ وہ اونٹ اور بکریاں پکڑ کر لاتے اور مسلمان ان کو پکا کر کھاتے، اسی سفر میں یہ واقعہ پیش آیا۔ کہ عمرو بن العاص کو احتلام ہو گیا۔ سردی کی شدت تھی اس لئے عمرو بن العاص نے غسل نہ کیا اور تیمم کر کے نماز صبح پڑھائی، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب اس واقعہ کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا کہ اے عمرو تو نے اپنے اصحاب کو بحالت جنابت نماز پڑھائی عمرو بن العاص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھکو اپنی جان کا خطرہ تھا اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا، حضور پرنور نے تبسم فرمایا اور کچھ نہ فرمایا[1]

فائدہ: خالد بن ولید اور عمرو بن العاص دونوں ساتھ اسلام میں داخل ہوئے، ان دونوں کے اسلام میں داخل ہونے کے بعد غزوۂ موتہ پیش آیا جس میں خالد بن ولید امیر بن گئے اور غزوۂ موتہ کے بعد غزوۂ ذات السلاسل پیش آیا اس میں عمرو بن العاص امیر ہوئے۔

---

[1] البدایۃ والنہایۃ، ج ۴، ص ۲۷۳ — زرقانی، ج ۲، ص: ۲۷۷

سریۂ ابو عبیدہ بسوئے سیف البحر

اس کے بعد ماہ رجب ۸ھ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو عبیدہ بن الجراح کو تین سو آدمیوں پہ امیر مقرر کرکے سیف البحر (ساحل بحر) کی طرف قبیلۂ جہینہ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا۔ اس لشکر میں عمر بن الخطاب اور جابر رضی اللہ عنہ بھی تھے اور چلتے وقت توشہ کے لئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تھیلہ کھجوروں کا مرحمت فرمایا جب وہ کھجوریں ختم ہو گئیں تو کھجوروں کی گٹھلیاں چوس چوس کر اور پانی پی پی کر جہاد کیا۔ اور جب یہ بھی نہ رہا تو درختوں کے پتّے جھاڑ کر پانی میں تر کرکے کھانے لگے، اسی وجہ سے اس سریہ کو سریۃ الخبط بھی کہتے ہیں اسلئے کہ خبط کے معنی لغت میں درخت سے پتّے جھاڑنے کے ہیں۔ درختوں کے پتّے کھانے سے ہونٹ اور مُنہ زخمی ہو گئے۔

بالآخر ایک روز دریا کے کنارہ پہنچے اور بھوک سے بیچین اور بے تاب تھے یکایک ایک غیبی عنایت کا کرشمہ ظاہر ہوا کہ دریا نے اپنے اندر سے باہر ایک اتنی بڑی مچھلی پھینکی جس سے تمام لشکر نے اٹھارہ دن تک کھایا صحابہ کہتے ہیں کہ اسے کھا کر ہمارے جسم توانا اور تندرست ہو گئے اس مچھلی کا نام عنبر تھا بعد ازاں ابو عبیدہ نے اس مچھلی کی پسلیوں میں سے ایک ہڈی لی اور اس کو کھڑا کیا اور لشکر میں سب سے لمبا آدمی چن کر سب سے بڑے اونٹ پر اس کو بٹھایا اور حکم دیا کہ اس ہڈی کے نیچے سے گزرو تو وہ سوار بلا تکلف اس کے نیچے سے گزر گیا اور سوار کا سر بھی اس ہڈی سے نہ لگا۔

جب ہم مدینہ واپس آئے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ اللہ کی طرف سے رزق تھا جو اس نے تمھارے لئے بھیجا تھا اگر اس میں کا کچھ گوشت باقی ہو تو لاؤ۔ چنانچہ اس میں کا گوشت آپ کے سامنے لایا گیا اور آپ نے اس میں سے تناول فرمایا اور اس سفر میں کسی قتال کی نوبت نہیں آئی لشکرِ اسلام بلا کسی قتال کے مدینہ واپس ہوا۔[1]

---

[1] البدایۃ والنہایۃ، ج: ۴، ص ۶۱، ۲۷

(نکتہ) جو رزق براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے اور بندہ کی کسی عمل اور صنعت کو اس میں دخل نہ ہو وہ رزق نہایت ہی مبارک اور پاکیزہ ہوتا ہے، اس لئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی برکت اور پاکیزگی کی وجہ سے اس کی فرمائش کی اور اس میں سے تناول فرمایا رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ

فائدہ:۔ بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ یہ سریہ صلح حدیبیہ سے پہلے روانہ کیا گیا اسلئے کہ حضور پُر نور نے صلح حدیبیہ کے بعد قریش پر حملہ کرنے کے لئے کوئی سریہ نہیں بھیجا اور مشہور قول یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ سریہ قریش کی عہد شکنی کے بعد اور فتح مکہ سے تھوڑا پہلے روانہ فرمایا اس لئے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے لئے رمضان المبارک میں روانہ ہوئے اور یہ سریہ ماہِ رجب میں روانہ کیا درمیان میں صرف شعبان کا مہینہ رہ جاتا ہے۔ عجب نہیں کہ قریش کے عہد شکنی کی بنا پر ماہ رجب ہی سے فتح مکہ کی تیاری شروع فرمادی ہو اور یہ سریہ اسی کی تمہید ہو۔

(مسئلہ)۔ ماہ رجب الحرام میں سریہ کو روانہ کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ شہر حرام میں کافروں سے قتل و قتال جائز ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غزوۃ الفتح الاعظم

یعنی

فتح مکہ مکرمہ زادہا اللہ تشریفا وتکریما ۔ رمضان المبارک ۸ھ

جس وقت قریش اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین، حدیبیہ میں صلح ہوئی اور عہدنامہ لکھا گیا تو اس وقت دیگر قبائل کو اختیار دیا گیا کہ جس کے عہد اور عقد میں چاہیں شامل ہو جائیں۔ چنانچہ بنو بکر قریش کے عہد میں اور بنو خزاعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں شامل ہو گئے۔

ان دونوں قبیلوں میں زمانۂ جاہلیت سے اَن بَن چلی آتی تھی۔ جس کا سبب یہ تھا کہ مالک بن عباد حضرمی ایک مرتبہ مال تجارت لے کر خزاعہ کی سرزمین میں داخل ہوا۔ خزاعہ کے لوگوں نے اس کو قتل کر ڈالا اور اُس کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ بنو بکر نے موقع پا کر حضرمی کے معاوضہ میں بنو خزاعہ کے ایک آدمی کو قتل کر ڈالا۔ قبیلۂ خزاعہ نے اپنے ایک آدمی کے معاوضہ میں بنو بکر کے تین سرداروں ذویب اور سلمی اور کلثوم کو میدان عرفات میں حدود حرم کے قریب قتل کر ڈالا۔

زمانہ جاہلیت سے زمانۂ بعثت تک یہی سلسلہ رہا ظہور اسلام کے بعد اسلامی معاملات میں مشغول جانے کی وجہ سے سلسلہ رُک گیا۔

حدیبیہ میں ایک میعادی صلح ہوجانے کی وجہ سے فریقین ایک دوسرے سے مامون اور بے خوف ہوگئے بنو بکر نے اپنی دشمنی نکالنے کا موقع غنیمت سمجھا چنانچہ بنو بکر میں سے نوفل بن معاویہ دیلی نے مع اپنے ہمراہیوں کے خزاعہ پر شب خون مارا رات کا وقت تھا خزاعہ کے لوگ پانی کے ایک چشمہ پر سورہے تھے جس کا نام وتیر تھا۔

قریش میں سے صفوان بن امیہ اور شیبہ بن عثمان اور سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبدالعزیٰ اور مکرز بن حفص نے پوشیدہ طور پر بنو بکر کی امداد کی۔ خزاعہ نے بھاگ کر حرم میں پناہ لی۔ مگر ان کو بھی قتل سے پناہ نہ ملی۔

قریش نے بنو بکر کی ہر طرح سے امداد کی ہتھیار بھی دئے اور لڑنے کے لئے آدمی بھی۔ خزاعہ کے لوگ مکہ میں بدیل بن ورقاء خزاعی کے مکان میں گھس گئے۔ مگر بنو بکر اور رؤساء قریش نے گھروں میں گھس کر ان کو مارا اور لوٹا اور یہ سمجھتے رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع نہ ہوگی۔ جب صبح ہوئی تو قریش کو اپنی فعل پر ندامت ہوئی اور یہ سمجھ گئے کہ ہم نے عہد شکنی کی اور جو معاہدہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ میں کیا تھا اس کو ہم نے اپنی غلطی سے توڑ ڈالا۔

عمرو بن سالم خزاعی۔ چالیس آدمیوں کا ایک وفد لے کر مدینہ منورہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے عمرو بن سالم نے کھڑے ہوکر یہ عرض کیا۔

يَارَبِّ إِنِّيْ نَاشِدٌ مُحَمَّدًا ۝ حِلْفَ أَبِيْنَا وَ أَبِيْهِ الْأَتْلَدَا[1]

اے پروردگار میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے باپ اور ان کے باپ عبدالمطلب کا قدیم عہد یاد دلانے آیا ہوں۔ زمانہ جاہلیت میں خزاعہ حضرت مطلب کے حلیف تھے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ جس طرح ہم آپ کے حلیف ہیں اسی طرح ہمارے باپ دادا آپ کے باپ دادا کے حلیف تھے۔

فائدہ۔ اور بعض روایات میں یارب انی ناشد کی جگہ اللّٰھم انی ناشد آیا ہے اور بعض روایات میں یارب کی جگہ لَاھُمَّ انی ناشد محمدا آیا ہے لَاھُمَّ معنی میں اَللّٰھُمَّ کے

---

[1] ۔ اس قدیم عہد کی تفصیل حسن الصحابہ فی شرح اشعار الصحابہ کے جلد اول ص ۱۶۳ پر مذکور ہے حضرات اہل علم مراجعت فرما سکتے ہیں۔

ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔ لَاهُمَّ لولا انت ما اهتدينا۔ اے اللہ اگر تیری توفیق نہ ہوتی تو ہم ہدایت نہ پاتے۔

علامہ شبلی نے سیرۃ النبی ج۱ ص۴۶ میں لَاهُمَّ کو لاھمّ سمجھ کر یہ ترجمہ کر دیا۔

کچھ غم نہیں۔ میں محمد کو وہ عہد یاد دلاؤں گا اھ۔ کچھ غم نہیں رسم خط کے اشتراک سے علامہ شبلی کو اشتباہ ہو گیا۔

اِنَّ قُرَيْشًا اَخْلَفُوكَ الْمَوْعِدَا ۔۔۔ وَنَقَضُوْا مِيْثَاقَكَ الْمُؤَكَّدَا

تحقیق قریش نے آپ سے وعدہ خلافی کی اور آپ کے پختہ عہد اور پیمان کو توڑ ڈالا۔

هُمْ بَيَّتُوْنَا بِالْوَتِيْرِ هُجَّدًا ۔۔۔ وَقَتَلُوْنَا رُكَّعًا وَّسُجَّدًا

ان لوگوں نے چشمہ وتیر پر سوتے ہوئے ہم پر شب خون مارا اور رکوع اور سجود کی حالت میں ہم کو قتل کیا۔ ان میں سے بعض مسلمان بھی تھے ورنہ وہ خود مسلمان نہ تھے۔

وجعلوا لی فی کداءٍ رُصَّدًا ۔۔۔ وَزَعَمُوْا اَنْ لَسْتُ اَدْعُوْا اَحَدًا

اور مقام کداء میں آدمیوں کو ہماری گھات میں بٹھلا دیا اور ان کا گمان یہ تھا کہ میں کسی کو اپنی مدد کیلئے نہ بلاؤں گا۔

وَهُمْ اَذَلُّ وَاَقَلُّ عَدَدًا

اور وہ سب ذلیل ہیں اور شمار میں بھی بہت کم ہیں ۔۔۔ قد کنتم وُلْدًا او کنا والدا

وَوَالِدًا كُنَّا وَكُنْتُ الْوَلَدَا ۔۔۔ ثُمَّتَ اَسْلَمْنَا وَلَمْ نَنْزِعْ يَدَا

اور ہم بمنزلہ باپ کے ہیں اور آپ بمنزلہ اولاد کے اس لئے کہ عبد مناف کی ماں قبیلۂ خزاعہ کی تھی اور اسی طرح قصی کی ماں فاطمہ بنت سعد بھی قبیلۂ خزاعہ کی تھی۔ اس تعلق کی بنا پر ہماری نصرت اور اعانت آپ پر لازم ہے اور اس کے علاوہ ہم ہمیشہ آپ کے مطیع اور فرمانبردار رہے کبھی آپ کی اطاعت سے دستکش نہیں ہوئے اس لئے آپ سے امید ہے کہ آپ اپنے جان نثاروں اور وفاشعاروں کی مدد فرمائیں گے۔ ۔۔۔ اَيِّدْ ان

فَانْصُرْ هَدَاكَ اللّٰهُ نَصْرًا اَعْتَدَا ۔۔۔ وَادْعُ عِبَادَ اللّٰهِ يَأْتُوْا مَدَدًا

پس ہماری فوری مدد فرمائیے اللہ تعالیٰ آپ کی تائید فرمائے اور اللہ کے خاص بندوں یعنی اپنے صحابہ کو حکم دیجئے۔ وہ ضرور ہی ہماری مدد کو آئیں گے، اور ایک نسخہ میں ہے۔ فانصر رسول اللہ نصرا اعتدا۔

اے اللہ کے رسول ہماری فوری مدد فرمائے

فِيهِمْ رسول الله قَدْ تَجَرَّدا   إِنْ سِيمَ خَسْفاً وَجْهُهُ تَرَبَّدَا

اور جب عباد اللہ کا لشکر ہماری مدد کو آئے تو اس میں اللہ کا رسول ضرور ہو جو ظالموں سے جنگ کیلئے تیار ہو یعنی فقط سریہ بھیجنے پر اکتفا نہ فرمائیں بلکہ اُس لشکر کے ساتھ خود بھی بنفس نفیس تشریف لائیں اور اگر وہ ظالم آپ کو کوئی ذلت پہنچانا چاہیں تو آپ کا چہرہ مبارک غیرت وحمیت سے تمتمانے لگے بعض نسخوں میں قد تحرد احاء مہملہ کے ساتھ آیا ہے جس کے معنی غضبناک ہونے کے ہیں۔

فِي فَيْلَقٍ كَالْبَحْرِ يَجْرِي مُزْبِدًا

اور ایسے لشکر کو ساتھ لے کر آئے کہ جو دریا کی طرح جھاگ مارتا ہو۔

یہ تمام تفصیل امام طحاوی کی شرح معانی الآثار اور سیرۃ ابن ہشام اور روض الانف اور زرقانی شرح مواہب میں مذکور ہے اور ذرا کسی قدر اجمال کے ساتھ فتح الباری میں بھی مذکور ہے۔[۵۲]

مغازی ابن عائذ میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعات سن کر نُصِرتَ یا عمرو بن سالم اور ایک روایت میں یہ ہے کہ یہ فرمایا نہ مدد کیا جاؤں میں۔ اگر میں تیری مدد نہ کروں بعد ازاں یہ دریافت فرمایا کہ کیا کل بنو بکر اس میں شریک تھے عمرو بن سالم نے کہا سب نہیں بلکہ بنو بکر میں سے صرف بنو نفاثہ اور ان سردار نوفل اس میں شریک تھا۔ آپ نے ان کی اعانت اور امداد کا وعدہ فرمایا اس کے بعد یہ وفد واپس ہو گیا اور آپ نے ایک قاصد قریش مکہ کے پاس روانہ کیا، کہ ان کو یہ پیام پہنچا دے کہ تین باتوں سے ایک بات اختیار کر لیں۔

(۱) مقتولین خزاعہ کی دیت دے دی جائے۔

(۲)۔ یا بنو نفاثہ کے عہد اور عقد سے علیحدہ ہو جائیں۔

۵۱۔ روی بحاء مہملۃ ای غضب وبجیم ای شمر وتہیاً لحربہم ۱۲ زرقانی

۵۲۔ فتح الباری، ج: ۷، ص: ۳۹۹۔

(۳)۔ یا معاہدہ حدیبیہ کے فسخ کا اعلان کردیں۔

قاصد نے جب پیام پہنچایا تو قریش کی طرف سے قرطہ بن عمر نے یہ جواب دیا۔ کہ ہم نہ مقتولین خزاعہ دیت دیں گے اور نہ بنو نفاثہ سے اپنے تعلقات کو منقطع کریں گے۔ ہاں معاہدۂ حدیبیہ کے فسخ پر ہم راضی ہیں لیکن قاصد روانہ ہونے کے بعد قریش کو ندامت ہوئی اور فوراً ہی ابوسفیان کو تجدید معاہدہ اور مدت صلح کو بڑھانے کے لئے مدینہ روانہ کیا[۵۵]

تجدید معاہدہ کے لئے مکہ سے ابوسفیان کی روانگی

ابوسفیان۔ تجدید صلح کے لئے مکہ سے مدینہ روانہ ہوتے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو خبر دی کہ ابوسفیان مکہ سے مدت صلح کو بڑھانے اور عہد کو مضبوط کرنے کیلئے آرہا ہے، چنانچہ ابوسفیان مکہ سے روانہ ہوا اور مقام عسفان میں پہنچ کر ابوسفیان کی بدیل بن ورقاء خزاعی سے ملاقات ہوئی، ابوسفیان نے بدیل سے دریافت کیا کہ کہاں سے آرہا ہے۔ بدیل نے کہا میں اسی قریب کی وادی سے آرہا ہوں، بدیل یہ کہہ کر مکہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس کے بعد ابوسفیان کو خیال آیا کہ بدیل ضرور مدینہ سے واپس آرہا ہے، چنانچہ ابوسفیان نے اس جگہ کو جاکر دیکھا جہاں بدیل نے اونٹ بٹھلایا تھا۔ بدیل کی اونٹنی کی مینگنی کو توڑ کر دیکھا تو اس میں کھجور کی گٹھلی برآمد ہوئی۔ ابوسفیان نے کہا خدا کی قسم بدیل ضرور مدینہ ہی سے آرہا ہے اور یہ گٹھلی مدینہ ہی کی کھجور کی ہے، ابوسفیان مدینہ پہنچ کر اوّل اپنی بیٹی ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا ابوسفیان نے کہا اے بیٹی تو نے فرش کو لپیٹ دیا کیا فرش کو میرے قابل نہ سمجھا یا مجھے فرش کے قابل نہ سمجھا ام حبیبہؓ نے کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے اس پر ایک مشرک کہ جو شرک نجاست سے ملوث اور آلودہ ہو نہیں بیٹھ سکتا۔ ابوسفیان نے جھلا کر کہا اے بیٹی خدا کی قسم تو میرے بعد شر میں مبتلا ہوگئی۔ ام حبیبہؓ نے کہا شر میں نہیں۔ بلکہ کفر کی ظلمت سے نکل کر اسلام کے نور اور ہدایت کی روشنی میں

۵۵۔ فتح الباری۔ ج: ۸، ص: ۴ — زرقانی، ج ۲۔ ص: ۲۹۲

داخل ہوگئی اور آپ سے تعجب ہے کہ آپ سردارِ قریش ہوکر پتھروں کو پوجتے ہیں کہ جو نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں۔

ابوسفیان وہاں سے اٹھ کر مسجد میں آئے اور بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ میں قریش کی طرف سے تجدید معاہدہ اور مدت صلح کو بڑھانے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں، آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بارگاہِ رسالت سے جب کوئی جواب نہ ملا۔ تو ابوسفیان ابوبکر کے پاس آئے اور اُن سے سفارش کی درخواست کی ابوبکر نے فرمایا میں اس بارے میں کچھ نہیں کرسکتا اس کے بعد عمر بن الخطاب کے پاس گیا اور ان سے سفارش کی درخواست کی۔ عمر بن الخطابؓ نے یہ فرمایا اللہ اکبر میں تیری سفارش کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں۔ دنیا میں اگر کوئی ساتھی مجھکو میسر نہ آئے تو میں تنہا جہاد کرنے کو تیار ہوں۔ یہ سنتے ہی چپکا حضرت علی کے پاس آیا اُس وقت اُن کے پاس ان کی بیوی فاطمۃ الزہراء اور حسن رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ابوسفیان نے حضرت علی سے مخاطب ہوکر کہا اے ابوالحسن آپ ہم سے قرابت میں سب سے قریب ہیں میں ایک شدید ضرورت سے آیا ہوں یہ چاہتا ہوں کہ ناکام واپس نہ ہوں لہٰذا آپ میری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش فرمایئے۔ حضرت علی نے فرمایا۔ کہ خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں کچھ قصد فرمالیا ہے لہٰذا اب کسی کی مجال نہیں کہ وہ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ کہہ سکے ابوسفیان یہ سن کر حضرت فاطمہ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا اے بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ اس بچہ یعنی امام حسن کو یہ حکم دیں کہ وہ یہ پکار دے کہ میں نے قریش کو پناہ دی تو ہمیشہ کے لئے عرب کا سردار مان لیا جائے، حضرت فاطمہ نے فرمایا اوّل تو یہ کمسن ہے (یعنی پناہ دینا بڑوں کا کام ہے) دوسرے یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف مرضی کون پناہ دے سکتا ہے۔ ابوسفیان نے حضرت علی سے مخاطب ہوکر کہا معاملہ سخت ہوگیا آخر مجھکو کوئی تدبیر بتلایئے۔ حضرت علی نے کہا اور تو کچھ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ صرف اتنا خیال میں آتا ہے اگر اس کو تو اپنے لئے مفید اور کارآمد سمجھے تو کر گزر۔ وہ یہ کہ مسجد میں جاکر یہ پکار دے کہ میں معاہدہ حدیبیہ کی تجدید اور استحکام اور مدت صلح کو بڑھانے کے لئے آیا ہوں اور

یہ کہہ کر تو اپنے شہر واپس چلا جا۔ چنانچہ ابوسفیان نے وہاں سے اٹھ کر مسجد میں آیا اور بآواز بلند پکار کر یہ کہا کہ میں عہد کی تجدید اور صلح کی مدت بڑھاتا ہوں اور یہ کہہ کر مکہ کو چل کھڑا ہوا۔

ابوسفیان جب مکہ پہنچا اور سارا واقعہ بیان کیا تو قریش نے یہ کہا کہ کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھی تمہارے اس اعلان کو جائز رکھا ابوسفیان نے کہا نہیں۔ قریش نے کہا کہ محمد کی بغیر رضامندی اور اجازت کے تم کیسے راضی اور مطمئن ہو گئے محض لغو اور بیکار چیز لے کر آئے جس کا توڑنا ان پر کچھ دشوار نہیں اور خدا کی قسم علی نے تیرے ساتھ مسخرہ پن کیا۔ تو نہ صلح کی خبر لے کر آیا جس سے اطمینان ہوتا اور نہ جنگ کی خبر لایا کہ جس کی تیاری اور سامان کیا جاتا۔ ابوسفیان کی واپسی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو پوشیدہ طور پر مکہ کی تیاری سامان سفر اور آلات حرب درست کرنے کا حکم دیا اور یہ تاکید فرمائی کہ اس کو پوشیدہ رکھا جائے اس کا اظہار و اعلان نہ کیا جائے اور آس پاس کے قبائل میں بھی کہلا بھیجا کہ تیار ہو جائیں [1]

قصہ حاطب بن ابی بلتعہ

صحیح بخاری میں ہے کہ اسی اثناء میں حاطب بن ابی بلتعہ نے اہل مکہ کے نام ایک خط لکھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی تیاریاں فرما رہے ہیں اور مخفی طور پر ایک عورت کے ہاتھ اس خط کو مکہ روانہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی کے اس سے اطلاع دی آپ نے حضرت علی اور حضرت زبیر اور حضرت مقداد کو روانہ کیا کہ تم برابر چلے جاؤ یہاں تک کہ روضۂ خاخ میں تم کو اونٹ پر سوار ایک عورت ملے گی اس کے ساتھ مشرکین مکہ کے نام حاطب بن ابی بلتعہ کا ایک خط ہے۔ وہ اس سے لے آؤ، چنانچہ روضۂ خاخ میں پہنچ کر ہم کو ایک عورت ملی اونٹ بٹھلا کر اس کی تلاشی لی کہیں خط نہ ملا۔ ہم نے کہا خدا کی قسم اللہ کا رسول کبھی غلط نہیں کہہ سکتا۔

ہم نے اس عورت سے کہا کہ بہتر ہوگا کہ تو وہ خط ہم کو دیدے ورنہ ہم برہنہ کر کے تیری تلاشی

---

[1] زرقانی، ج ۲، ص ۲۹۳

لیں گے، اس وقت اُس عورت نے اپنے بالوں کے جوڑے میں سے خط نکال کر ہم کو دیا ہم وہ خط لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے حاطب بن ابی بلتعہ کو بلا کر دریافت فرمایا کہ کیا معاملہ ہے۔ حاطب نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ مؤاخذہ میں عجلت نہ فرمائیں یا رسول اللہ قریش سے میری کوئی قرابت نہیں فقط حلیفانہ تعلقات ہیں، میرے اہل وعیال آج کل مکہ میں ہیں جن کا کوئی حامی اور مددگار نہیں بخلاف مہاجرین کے کہ مکہ میں اُن کی قرابتیں ہیں۔ قرابتوں کی وجہ سے اُن کے اہل وعیال محفوظ ہیں۔ اس لئے میں نے یہ چاہا کہ جب قریش سے میری کوئی قرابت نہیں تو اُن کے ساتھ کوئی احسان کروں جس کے صلہ میں وہ میرے اہل وعیال کی حفاظت کریں۔ خدا کی قسم میں نے دین سے مرتد ہو کر اور اسلام کے بعد کفر سے راضی ہو کر ہرگز یہ کام نہیں کیا۔ میری غرض فقط وہی تھی جو میں نے عرض کی۔

یہ صحیح بخاری کی روایت ہے۔ ابن مردویہ کی روایت میں ابن عباس حضرت عمر سے راوی ہیں۔ فکتبتُ کتابا لا یضر اللہ ورسولہ۔ پس میں نے ایک خط لکھا کہ جس میں میرا یہ نفع ہے اور اللہ اور اُس کے رسول کا کوئی نقصان نہیں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ آپ نے سن کر یہ فرمایا:

اَمَا اِنَّہٗ قَدْ صَدَقَکُمْ — آگاہ ہو جاؤ یقیناً اس نے تم سے سچ بیان کیا۔

حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ اجازت دیجیے کہ اس منافق کی گردن اُڑا دوں آپ نے فرمایا،

انہ قد شھد بدرًا وما یدریک لعل اللہ اطلع علی اھل بدر فقال اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم۔ — تحقیق حاطب بدر میں حاضر ہوا ہے اور اے عمر تجھکو کیا معلوم ہے شاید اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے اہلِ بدر کو یہ فرما دیا ہو کہ جو چاہے کرو بلاشبہ میں نے تمھاری مغفرت کر دی ہے۔

یہ سن کر حضرت عمرؓ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور عرض کیا اللہ ورسولہ اعلم۔ اللہ اور اُس کا رسول زیادہ جاننے والے ہیں۔

یعنی جو بدر میں شریک ہوا وہ کبھی منافق نہیں ہو سکتا۔ ان لوگوں نے اللہ کی راہ میں وہ جانبازی اور سرفروشی دکھلائی کہ حاملین عرش اور ملائکہ مقربین بھی ان پر عشعش کرنے لگے۔ اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کے مقابلہ پر آیا خواہ وہ باپ ہو یا بیٹا بھائی ہو یا دوست بے دریغ اُس سے مقابلہ اور مقاتلہ کیا۔ اور اللہ اور اُس کے رسول کی محبت کے نشہ میں ایسے چور اور مخمور ہوئے کہ اپنے بھی بیگانے بن گئے اور اللہ کا بول بالا کیا اور کفر و شرک کے سر پر وہ کاری ضرب لگائی کہ پھر وہ زخم مندمل نہ ہو سکا۔

اس عظیم الشان کارنامہ کے صلہ میں بارگاہ خداوندی سے رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ اور اُولٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ کا زرین تمغہ اُن کو عطا ہوا۔ اور آئندہ جن گناہوں کے صدور کا امکان تھا اُن کی معافی کو صیغہ ماضی سے بیان فرمایا یعنی فقد غفرت لکم بصیغہ ماضی فرمایا اور فما غفر لکم بصیغہ مستقبل نہیں فرمایا تا کہ اہل بدر کا مغفور الذنوب ہونا قطعی طور پر محقق ہو جائے کہ ان کی مغفرت مثل امر ماضی کے محقق اور یقینی ہے اور اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ کا خطاب، خطاب تشریف اور خطاب اکرام ہے، اشارہ اس طرف ہے کہ یہ لوگ خواہ کچھ ہی کریں، مگر کسی حال میں بھی دائرہ عفو اور دائرہ مغفرت سے باہر نہ جائیں گے، اعملوا ما شئتم کا خطاب گناہوں کی اباحت اور اجازت کے لئے نہ تھا ایسا خطاب انھیں محبین اور مخلصین کو ہو سکتا کہ جن سے اپنے محبوب کی معصیت ناممکن ہو جائے۔

بدر کی شرکت بظاہر ایک حسنہ ہے لیکن حقیقت میں ہزاروں اور لاکھوں حسنات کا اجمال اور عنوان ہے اور ایمان و احسان صدق اور اخلاص کی ایک سند ہے۔ لہٰذا اگر بدر میں شرکت کرنیوالے صحابی سے بمقتضائے بشریت کوئی غلطی یا فروگذاشت ہو جائے تو وہ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اور اُولٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ سے خارج نہیں ہو سکتا اس لئے کہ یہ اُس علیم و خبیر کی خبر ہے کہ جس میں کذب کا امکان نہیں۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ اُن سے یہ فروگذاشت ہوگی مگر باوجود اس علم ازلی اور ابدی کے پھر ان کو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ کے تمغہ سے سرفراز فرمایا معلوم ہوا کہ اس عظیم الشان حسنہ کے بعد اُن سے کوئی ایسی غلطی نہ ہوگی کہ

جو ان کی اس نیکی کو محو کر سکے۔ بلکہ یہ عظیم الشان حسنہ آئندہ کی غلطی کا کفارہ بن جائے گی۔ کما قال تعالےٰ

اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ تحقیق نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔

اور کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

وَاِذَا الحبیبُ اتیٰ بذنب واحِد جآءت محاسنہ بالف شفیع

اگر دوست سے کسی وقت کوئی غلطی اور چوک ہو جائے تو اُس کے محاسن اور گزشتہ کارنامے ہزار سفارشی لاکر سامنے کھڑے کر دیتے ہیں

قلب میں اگر کوئی فاسد اور زہریلا مادہ نہ ہو تو پھر معصیت چنداں نقصان نہیں پہنچاتی بلکہ قلب کی قوت ایمانی اس کو توبہ اور استغفار پر آمادہ کرتی ہے جس سے فقط گناہ معاف ہی نہیں ہو جاتا بلکہ مبدل بہ نیکی ہو جاتا ہے۔ کما قال تعالےٰ

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۔[۱] جن لوگوں نے کفر و شرک سے توبہ کی اور ایمان لائے اور نیک کام کئے اللہ ایسے لوگوں کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتے ہیں اور ہے اللہ بخشنے والا اور مہربان۔

بندہ نے جب توبہ اور استغفار کر کے اپنے گناہ کو ندامت اور پشیمانی سے بدلا۔ تو خداوند ذوالجلال نے اُس کی سیأت کو حسنات سے اور اُس کی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دیا۔

مرکب توبہ عجائب مرکبست بر فلک تازد بہ یک لحظہ ز پست
چون برارند از پشیمانی انیں عرش لرزد از انین المذنبیں

یہ آیت عامۂ مومنین کے حق میں ہے اہلِ بدر سب سے زیادہ اس کے مستحق ہیں اور جس کے قلب میں کوئی زہریلا اور فاسد مادہ موجود ہو تو ہزار طاعت و عبادت بھی اس کے لئے مفید نہیں جیسے ابلیس لعین اور بلعم باعوراو خوارج و روافض ہزار نماز اور روزہ اور لاکھ عبادت کریں مگر جب تک قلب کا تنقیہ نہ ہو جائے اور فاسد مادہ نہ نکل جائے اس وقت تک کوئی طاعت اور

---

[۱] سورۃ الفرقان، آیۃ : ۷۰

کوئی عبادت مفید اور کارآمد نہیں۔

صفراوی مزاج والے کو کتنی ہی لطیف غذا کیوں نہ دیدی جائے کوئی فائدہ نہیں۔ سوءِ مزاج کی وجہ سے وہ لطیف غذا بھی مستحیل الی الصفراء ہوجائے گی۔ کما قال تعالےٰ۔

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا۔ [1] ان کے دلوں میں بیماری ہے پس اللہ نے ان کی بیماری کو اور بڑھادیا۔

صحیح المزاج اور صحیح القویٰ اگر غلطی سے کوئی بدپرہیزی کر بیٹھے تو اس کے لئے کسی خاص علاج کی حاجت نہیں اُس کی طبیعت ہی خود اس عارضی مرض کو دفع کردے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حاطب کی اس غلطی کو فسادِ مزاج پر محمول کرکے نفاق کا حکم لگایا اور قتل کی اجازت چاہی۔ سرخیلِ اطباء روحانی فداہ روحی وجسمانی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اے عمر حاطب کا قلب نفاق کے مرض سے بالکل پاک ہے۔ یہ نفاق نہیں بلکہ غفلت سے غلطی ہوگئی ہے روحانی مزاج اس کا صحیح ہے۔ بدر کی شرکت نے اس کو کندن بنادیا ہے اتفاق سے بدپرہیزی ہوگئی ہے۔ صحیح المزاج کو بھی کبھی کبھی نزلہ اور زکام کی شکایت پیش آجاتی ہے جس کے لئے ایک معمولی سا جوشاندہ یا خیاندہ کافی ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حاطبؓ کو بلاکر فقط یہ دریافت فرمایا ما ہذا یا حاطب ہاے حاطب یہ کیا معاملہ ہے۔ ان کی عارضی شکایت کے لئے یہی کافی جوشاندہ تھا پیتے ہی بدپرہیزی کا اثر ایسا کافور ہوا کہ مرتے دم تک پھر کبھی کوئی شکایت ہی نہ پیش آئی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔ چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ اسکندریہ کے نام دعوتِ اسلام کا خط لکھوایا تو انھیں حاطب کو سفیر بناکر بھیجا جیسا کہ گزرا سبحان اللہ کیا بارگاہ تھی ایک جانب حاطبؓ کو جوشاندہ پلایا جارہا ہے اور دوسری جانب عمر بن الخطابؓ کو امراض روحانی کی تشخیص اور معالجہ کا طریقہ تلقین ہو رہا ہے تاکہ جب وقت آئے تو عمر تشخیص اور علاج میں غلطی نہ کریں۔

---

[1] البقرہ، آیۃ: ۱۰

حاطب کے خط کا مضمون

حاطب بن ابی بلتعہ کے خط کا مضمون بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا منشاء عیاذاً باللہ نفاق نہ تھا، وہ خط یہ تھا:

اما بعد یا معشر قریش فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاءکم بجیش کاللیل یسیر کالسیل فواللہ لو جاءکم وحدہ لنصرہ اللہ وانجزلہ وعدہ فانظروا لانفسکم والسلام۔	اے گروہ قریش، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے مانند تم پر ایک ہولناک لشکر لیکر آنے والے ہیں جو سیلاب کی طرح بہتا ہوگا خدا کی قسم اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلا لشکر کے خود تن تنہا بھی تشریف لے جائیں تو اللہ تعالیٰ ضرور

آپ کی مدد فرمائے گا اور فتح و نصرت کا جو وعدہ خدا نے آپ سے کیا ہے وہ ضرور پورا کرے گا (یعنی آپ کی کامیابی لشکر پر موقوف نہیں) پس تم اپنے انجام کو سوچ لو والسلام

یہ خط یحیی بن سلام نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے جس کو علامہ قسطلانی نے شرح بخاری کتاب الجہاد باب حکم الجاسوس میں نقل کیا ہے اور فتح الباری باب غزوۃ الفتح میں بھی مذکور ہے۔ اور البدایۃ والنہایۃ میں بھی ہے۔[۱]

اس خط کا مضمون حاطب بن ابی بلتعہ کے اس عذر کی صاف تصدیق اور تائید کر رہا ہے کہ جو پہلے گزر چکا ہے فکتبت کتابا لا یضر اللہ ورسولہ۔ میں نے ایسا خط لکھا ہے کہ جو اللہ اس کے رسول کو مضر نہیں۔

واقدی کی روایت میں ہے کہ یہ خط سہیل بن عمرو اور صفوان بن امیہ اور عکرمۃ بن ابی جہل کے نام تھا۔ یہ تینوں فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے رضی اللہ عنہم[۲]

---

[۱] - البدایۃ والنہایۃ: ج: ۴، ص: ۲۸۴

[۲] - زرقانی، ج: ۲، ص: ۲۹۸-

اور ایک روایت میں ہے کہ خط کا مضمون یہ تھا:

ان محمدا قد نفر فاما الیکم واما الی غیرکم فعلیکم الحذر

تحقیق محمد صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ کے لئے نکلنے والے ہیں معلوم نہیں کہ کس طرف کا قصد ہے تمہاری طرف یا کسی اور طرف تم اپنی فکر کرو۔

زرقانی ص۲۹۸ ج ۲

حق جل شانہ نے حاطب کے اس واقعہ میں سورۂ ممتحنہ نازل فرمائی یعنی یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ [۱] جس میں حق جل شانہ نے کافروں سے دوستانہ تعلقات کے احکام بیان فرمائے اس سورت کی تفسیر کو دیکھ لی جائے۔

مدینہ منوّرہ سے روانگی

القصہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دسویں رمضان المبارک دس ہزار قدسیوں کی جمعیت ہمراہ لے کر بعد نماز عصر مدینہ منورہ سے بقصد فتح مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے، بخاری و فتح الباری ص۲ ج ۸ اور ازواج مطہرات میں سے ام سلمہ اور میمونہ رضی اللہ عنہما آپ کے ہمراہ تھیں۔

جب آپ مقام ذی الحلیفہ یا مقام جحفہ میں پہنچے تو حضرت عباس مع اہل و عیال مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ کو جاتے ہوئے ملے آپ کے ارشاد سے سامان تو مدینہ بھیج دیا اور خود آپ کے ساتھ لشکر اسلام میں شریک ہو کر بغرض جہاد پھر مکہ مکرمہ واپس ہوئے، حضرت عباس اسلام تو پہلے ہی سے لا چکے تھے، مگر قریش سے اپنے اسلام کو مخفی رکھتے تھے اور یہ فرمایا اے عباس یہ تمہاری ہجرت آخری ہجرت ہے جیسے میری نبوت آخری نبوت ہے اور حضرت عباس کا مکہ میں قیام آپ کے حکم سے تھا کہ مکہ ہی میں رہیں اور قریش کی خبریں آپ کو پہنچاتے رہیں۔

مسند ابی یعلی اور معجم طبرانی میں ہے کہ قیام مکہ کے زمانہ میں عباس نے حضرت رسول اللہ

---

[۱] سورۃ الممتحنہ، ج: آیۃ: ۱

صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی اجازت چاہی آپ نے ان کو جواب لکھوایا کہ اے چچا آپ اپنی ہی جگہ قیام فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ پر ہجرت کو ختم کرے گا جیسا کہ مجھ پر نبوت کو ختم کیا (زرقانی جز ۲ ص ۳۰۲)

اور مقام اَبْوا[ا] میں ابو سفیان[۲] بن حارث اور عبداللہ بن ابی امیہ بغرض اسلام مکہ سے مدینہ آتے ہوئے ملے ہجرت کر کے مدینہ جا رہے تھے ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب آپ کے چچازاد بھائی ہونے کے علاوہ آپ کے رضاعی بھائی بھی تھے حلیمہ سعدیہ کا دودھ پیا تھا۔ نبوت سے پیشتر آپکے دوست تھے کسی وقت آپ سے جدا نہ ہوتے تھے نبوت اور بعثت کے بعد محبت منقلب بہ عداوت ہوگئی اور آپ کی ہجو میں شعر بھی کہے جن کا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ ابوسفیان بن حارث کے ساتھ ان کا بیٹا جعفر بھی تھا۔

اور عبداللہ بن ابی امیہ آپ کے پھوپی زاد بھائی تھے۔ یعنی آپ کی پھوپی عاتکہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے تھے، یہ بھی آپ کے شدید مخالفوں میں سے تھے۔ دونوں نے بارگاہِ نبوی میں حاضری کی اجازت چاہی مگر چونکہ حضور پر نور کو ان دونوں سے تکلیفیں بہت پہنچی تھیں اس لئے آپ نے ان سے اعراض فرمایا اور حاضری کی اجازت نہیں دی ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے سفارش کی اور عرض کیا یا رسول اللہ ایک آپ کے چچا کا بیٹا ہے اور دوسرا آپ کی پھوپی کا بیٹا ہے، آپ نے فرمایا مجھے ان سے ملنے کی ضرورت نہیں ابن عم نے میری آبروریزی کی اور پھوپی کا بیٹا وہی شخص ہے جس نے مکہ میں یہ کہا تھا کہ خدا کی قسم تجھ پر ہرگز ایمان نہ لاؤں گا یہاں تک تو سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جائے اور میں بچشم خود تجھ کو دیکھ رہا ہوں اور پھر تو ایک دستاویز لے کر آسمان سے اترے اور چار فرشتے تیرے ساتھ ہوں اور یہ گواہی دیں کہ تجھ کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے، پھر بھی میں تجھ پر ایمان نہ لاؤں گا۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے مکارم اخلاق سے یہ امید ہے کہ آپ کے خوان

۱۔ الابواء بفتح الہمزۃ وسکون الباء قریۃ بین مکۃ والمدینۃ ۱۲

۲۔ یہ ابوسفیان۔ ابن حارث ہیں جو مشہور ابوسفیان کے علاوہ ہیں۔

نعمت سے آپ کا چچازاد بھائی اور پھوپی زاد بھائی۔ سب سے زیادہ محروم اور بدنصیب نہ رہے گا۔
جب آپ کا ترحم اور عفو عام ہے، تو پھر ہی کیوں محروم رہیں۔

اقربا را کجا کنی محروم　　　　تو کہ با دشمنان نظر داری

ادھر ابوسفیان بن حارث نے یہ کہا کہ اگر آپ اپنی بارگاہ میں حاضری کی اجازت نہ دیں گے تو
میں اپنے بیٹے جعفر کو لے کر کسی صحرا میں نکل جاؤں گا اور وہیں بھوکا اور پیاسا مر جاؤں گا۔ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المؤمنین کی شفاعت اور ان دونوں کی اس درجہ خجالت و ندامت کو سن کر حاضری
کی اجازت دی۔ حاضر ہوتے ہی دونوں مشرف باسلام ہوئے اور مسلمانوں کے ہمراہ مکہ روانہ ہوئے۔

حافظ ابن عبدالبر اور محب طبری راوی ہیں۔ کہ حضرت علیؓ نے ابوسفیان بن حارث کو یہ مشورہ
دیا کہ آپ کے چہرۂ انور کے سامنے کھڑے ہو کر وہ کہیں جو یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یوسف
علیہ السلام سے کہا تھا یعنی

تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخَاطِئِيْنَ ۔ [1]　　قسم ہے اللہ کی بے شک اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی اور بلاشبہ ہم قصوروار ہیں۔

حضرت علی نے سامنے سے آنے کا مشورہ اس لئے دیا کہ چہرۂ انور کی حیا اور حشمہائے ترنگیں
آپ کے اور عتاب کے درمیان حائل بن جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور رحمت عالم اور حیا مجسم صلی اللہ
علیہ وسلم کی زبان سے یہ جواب نکلا۔

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ [2]　　آج کے دن تم پر کوئی الزام اور ملامت نہیں اللہ تمہارا قصور معاف کرے وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔

ابوسفیان کی معذرت قبول ہوئی اور حسب ارشاد نبوی الاسلام۔ یھدم ما کان قبلہ
اسلام کی کدال نے ابوسفیان بن حارث کے قلب کو کھود کر ایسا صاف کر دیا کہ اب اس میں آپ کی
خاطر عاطر کی کدورت کا کوئی ریزہ باقی نہ چھوڑا اور ایمان و احسان اور اخلاص و ایقان کو کوٹ کوٹ کر ان کے

---

[1] سورۂ یوسف، آیۃ: ۹۱ ، [2] ایضاً - آیۃ: ۹۲

دل میں ایسا بھر دیا کہ باہر سے کفر کا کوئی غبار اور ذرہ اڑ کر ان کے دل میں نہ پہنچ سکے اور اسی وقت سے اللہ اور اُس کے رسول کی راہ میں جانبازی اور سرفروشی کے لئے آپ کے ہمرکاب ہوئے۔

کہا جاتا ہے کہ ابوسفیان بن حارث نے حیاء کی وجہ سے مدۃ العمر آپ کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے لئے جنت کی شہادت دیتے تھے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

(زرقانی صـ۳۰۱ ج ۲ تا صـ۳۰۲ ج ۲)

اور گذشتہ قصور کی معذرت میں کچھ اشعار کہے

لعمرك انى يوم احمل رأية لتغلب خيلُ اللّاتِ خَيْلَ مُحَمَّدِ

قسم ہے آپ کی زندگی کی تحقیق جس دن میں نے جھنڈا اس لئے اٹھایا تھا کہ لات کا لشکر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لشکر پر غالب آجائے۔

لكالمدلج الحيران اظلم ليله فهذا اوانى حين أُهدٰى وَاهتَدِى

تو اس دن میں اندھیری رات میں چلنے والے کی طرح حیران و پریشان تھا اور بحمد اللہ اب یہ وہ وقت ہے کہ من جانب اللہ ہدایت دیا جا رہا ہوں اور ھدایت پا رہا ہوں۔

لہ اس کے علاوہ اور معذرت میں اشعار کہے دیکھو سیرۃ ابن ہشام صـ۴۳ ج ۴

اور عبداللہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کا اسلام لانے کے بعد یہ حال رہا کہ حیاء کی وجہ سے حضور پُرنور کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتے تھے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت مدینہ منورہ سے روانہ ہوتے تھے اس وقت آپ اور صحابہ روزہ سے تھے۔ مقام کدیدلہ میں پہنچ کر صحابہ کی مشقت کے خیال سے آپ نے روزہ افطار فرمایا صحابہ نے بھی آپ کے اقتداء میں روزہ توڑ دیا۔ (بخاری شریف)

اوّل تو سفر فی نفسہ تعب اور مشقت ہے اور پھر وہ بھی جہاد کے لئے اور موسم گرما میں اس لئے

لہ۔ یہ مقام مکہ مکرمہ سے بہتر میل کے فاصلہ پر ہے۔

افطار فرمایا کہ ایسی حالت میں اگر روزہ رکھا گیا۔ تو ضعف اور ناتوانی کی وجہ سے جہاد فی سبیل کا فریضہ ادا نہیں کر سکے گا۔ اسی وجہ سے حدیث میں ہے لیس من البر الصیام فی السفر۔ سفر میں روزہ رکھنا بھلائی اور نیکی نہیں۔ ہاں اگر سفر جہاد نہ ہو اور سفر میں کوئی خاص مشقت نہ ہو تو پھر روزہ رکھنا ہی افضل ہے۔ رمضان کے روزہ کی اگرچہ قضا ممکن ہے لیکن رمضان کے انوار و تجلیات اور فرشتوں کے ہر وقت عروج و نزول کے برکات شیاطین کے پیروں میں بیڑیاں پڑ جانا جنت اور رحمت کے دروازوں کا کھل جانا اور جہنم کے دروازوں کا بند ہو جانا اور حفاظ کتاب اللہ کا لیل و نہار کلام اللہ کی تلاوت میں سرشار رہنا اور فرشتوں کا حلقہائے ذکر اور مجالس تسبیح و تہلیل اور تلاوت قرآن کی محفلوں کو تلاش کرتے پھرنا۔ یہ باتیں رمضان کے سوا دوسرے مہینہ میں کہاں میسر آسکتی ہیں۔ اسی وجہ سے حق تعالے شانہ ارشاد فرماتے ہیں :-

وَاَنْ تصوموا خیر لکم۔ یعنی مریض اور مسافر کے لئے اگرچہ افطار جائز ہے لیکن روزہ رکھنا اولیٰ اور افضل ہے اور یہی امام اعظم ابو حنیفہ کا مسلک ہے کہ سفر میں روزہ افضل ہے فتح مکہ کے ارادہ سے جو دس ہزار قدوسیوں کا لشکر ظفر پیکر سفر کر رہا تھا وہ جہاد فی سبیل اللہ اور اعلاء کلمۃ اللہ کی غرض سے تھا، اس کے لئے تو نماز کو بھی مؤخر کیا جا سکتا ہے جو روزہ سے بلا شبہ افضل ہے۔ اور دین کا ستون ہے اور ایمان کے بعد سب سے افضل اور بہتر عمل ہے۔ لہٰذا سفر جہاد میں روزہ کا افطار ہی اولیٰ اور افضل ہے۔ خداوند ذوالجلال کی راہ میں جانبازی اور سرفروشی کے لئے نکل کھڑا ہونا یہ وہ نعمت ہے کہ جس پر آسمان اور زمین کے فرشتے رشک کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں روزہ افطار کرنے سے اگرچہ تسبیح و تہلیل اور تحمید و تمجید اور نزول ملائکہ کی برکات سے زیادہ مستفید نہ ہو سکا لیکن خدا کی راہ میں جانبازی اور سرفروشی کے لئے والہانہ اور عاشقانہ صبح اور شام کے چلنے میں قرب الٰہی کی ہزاروں اور لاکھوں ہی منزلیں طے ہو گئیں کہ اگر ہزار سال بھی مسلسل تسبیح و تہلیل کرتا تو قرب خداوندی کے یہ منازل و مراحل اس کو طے نہ ہوتے جو جہاد کے چند قدموں میں طے ہو جاتے ہیں۔ ظاہر میں ساٹ میل کی منزل قطع کی لیکن حقیقت میں سبع سموات سے اوپر پہنچا۔ یہ تیر پراگندہ سر۔ اور پراگندہ

بال۔ یہ ننگے سر اور برہنہ پا۔ اپنی وہ جان عزیز جس کو بمعاوضہ جنت خداوند ذوالجلال کے ہاتھ بیع کر چکا ہے خدا کو دینے اور سپرد کرنے جا رہا ہے تاکہ جلد از جلد اس کو اس کے مشتری (خداوند تعالیٰ) کے حوالہ کر کے اپنی قیمت (یعنی جنت) وصول کرے مبادا کوئی قزاق اور رہزن (یعنی کوئی شیطان) اس بیع کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے کہ خداوند ذوالجلال سے کیا کرایا سودا نہ بگڑ جائے اور بعد میں کفِ افسوس ملنا پڑے اور آسمان و زمین کے فرشتے ٹکٹکی باندھے ہوئے رشک کی نگاہوں سے اس کو دیکھ رہے ہیں۔

مقام مَرّ الظہران میں پڑاؤ

مقام کدید سے چل کر عشاء کے وقت آپ مَرّ الظہران میں پہنچے اور وہاں پہنچ کر پڑاؤ ڈالا اور لشکر کو حکم دیا کہ ہر شخص اپنے خیمہ کے سامنے آگ سلگائے۔ عرب کا قدیم دستور تھا کہ لشکروں میں آگ روشن کیا کرتے تھے۔ اسی کے موافق آپ نے یہ حکم دیا قریش کو اپنی بدعہدی کی وجہ سے دغدغہ لگا ہوا تھا کہ نہ معلوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس وقت ہم پر چڑھائی کر بیٹھیں۔ چنانچہ ابوسفیان بن حرب اور بدیل بن ورقا اور حکیم خبر لینے کی غرض سے مکہ سے نکلے جب مر الظہران کے قریب پہنچے تو لشکر نظر آیا۔ گھبرا گئے۔ ابوسفیان نے کہا کہ یہ آگ کیسی ہے، بدیل نے کہا یہ آگ قبیلہ خزاعہ کی ہے ابوسفیان نے کہا خزاعہ کے پاس اتنا لشکر کہاں سے آیا وہ بہت قلیل ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چوکیداروں نے دیکھتے ہی ان لوگوں کو گرفتار کر لیا۔ ان لوگوں نے چوکیداروں سے دریافت کیا تم میں یہ کون ہے انھوں نے جواب دیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ہم آپ کے اصحاب ہیں گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر پر گشت لگاتے ہوئے ادھر آنکلے اور ابوسفیان کی آواز پہچان کر فرمایا۔ افسوس اے ابوسفیان یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر ہے۔ خدا کی قسم اگر تجھ پر نتحیاب ہو گئے تو تیری گردن اڑا دیں گے اور قریش کی اس میں بہتری ہے کہ آپ سے امن کے خواستگار ہو جائیں اور اطاعت قبول کر لیں۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں آواز سن کر اسی سمت میں ڈھونڈھتا ہوا حضرت عباس تک پہنچا اور کہا اے ابوالفضل (حضرت عباس کی کنیت ہے) میرے

ماں باپ تم پر فدا ہوں پھر رہائی اور مخلصی کی کیا صورت ہے، عباسؓ نے کہا میرے پیچھے اس خچر پر سوار ہو جا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر تجھکو حاضر ہوتا ہوں تاکہ تیرے لئے امن حاصل کروں۔ عباسؓ اس کو اپنے ہمراہ لے کر لشکر اسلام دکھلاتے ہوئے روانہ ہوئے جب حضرت عمرؓ کی طرف سے گزرنے لگے تو حضرت عمر دیکھتے ہی پیچھے جھپٹے اور کہا کہ یہ ابوسفیان اللہ اور اس کے رسول کا دشمن ہے الحمد للہ بغیر کسی عہد اور اقرار کے ہاتھ آگیا ہے حضرت عمر پیادہ پا تھے اور حضرت عباس ابوسفیان کو ہمراہ لئے ہوئے خچر پر سوار تھے نہایت تیزی کے ساتھ آپ کی خدمت میں پہنچ گئے اور حضرت عمر پیچھے پیچھے تلوار سونتے ہوئے آپ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ ابوسفیان اللہ اور اس کے رسول کا دشمن ہے الحمد للہ بغیر کسی عہد اور پیمان کے آج ہاتھ آگیا ہے، مجھکو اجازت دیجئے کہ ابھی اس کی گردن اڑا دوں۔ عباسؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے اس کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے حضرت عمر تلوار لئے کھڑے ہیں اور بار بار وہی عرض کر رہے ہیں۔ ابوسفیان کے قتل کے لئے آپ کے اشارے کے منتظر ہیں۔ حضرت عباس نے جھلا کر کہا اے عمر ذرا ٹھیرو اگر یہ بنو عدی سے ہوتا تو تم اس کے قتل پر اس درجہ اصرار نہ کرتے چونکہ تم جانتے ہو کہ وہ بنی عبد مناف میں سے ہیں، اس لئے تم اس کے قتل پر اصرار کر رہے ہو حضرت عمر نے کہا اے عباس خدا کی قسم تمھارا اسلام اپنے باپ خطاب کے اسلام سے زیادہ محبوب تھا اور میرا باپ اگر اسلام لاتا تو مجھکو اتنی مسرت نہ ہوتی جتنی کہ تمھارے اسلام سے ہوئی اس لئے کہ میں خوب جانتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمھارا اسلام خطاب کے اسلام سے زیادہ محبوب تھا۔ تمھاری نسبت میرا تو یہ خیال ہے تم جو چاہے سمجھو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس کو حکم دیا کہ ابوسفیان کو اپنے خیمہ میں لے جاؤ۔ صبح کو میرے پاس لانا ابوسفیان تو شب بھر حضرت عباس کے خیمہ میں رہے اور حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقا اسی وقت بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر مشرف با سلام ہوئے کچھ دیر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مکہ کے حالات دریافت فرماتے رہے۔ اسلام لانے کے بعد یہ دونوں مکہ واپس ہو گئے تاکہ اہل مکہ کو آپ کی آمد سے مطلع کریں۔

ابو سفیان کا اسلام

صبح ہوتے ہی حضرت عباس ابو سفیان کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو سفیان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ افسوس اے ابو سفیان کیا وقت نہیں آ گیا کہ تو یقین کرے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

(ابو سفیان) میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ نہایت ہی حلیم و کریم اور نہایت ہی صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ خدا کی قسم اگر اللہ کے سوا اور کوئی معبود ہوتا تو آج ہمارے کچھ کام آتا اور آپ کے مقابلہ میں اس سے مدد چاہتا۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) افسوس اے ابو سفیان کیا تیرے لئے ابھی وقت نہیں آیا کہ تو مجھ کو اللہ کا رسول جانے (ابو سفیان) میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں بے شک آپ نہایت حلیم و کریم اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ ابھی تک مہربانی کر رہے ہیں کہ باوجود میری اس عداوت کے مجھ پر مہربانی ہے مجھے اسی میں ذرا تردد ہے آپ نبی ہیں یا نہیں۔

بعد ازاں حضرت عباس کے سمجھانے سے ابو سفیان نے اسلام قبول کر لیا۔ ابو سفیان کے مسلمان ہو جانے کے بعد حضرت عباس نے عرض کیا یا رسول اللہ۔ ابو سفیان سرداران مکہ سے ہے فخر کو پسند کرتا ہے لہٰذا آپ اس کے لئے کوئی ایسی شئی کر دیں جو اس کے لئے باعثِ عزت و شرف اور موجب امتیاز ہو۔ آپ نے ارشاد فرمایا اچھا اعلان کر دو کہ جو شخص ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو وہ مامون ہے، ابو سفیان نے کہا یا رسول اللہ میرے گھر میں سب آدمی کہاں سما سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اور جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے وہ بھی مامون ہے۔

ابو سفیان نے کہا یا رسول اللہ مسجد بھی کافی نہیں ہو سکتی آپ نے فرمایا اچھا جو شخص اپنا دروازہ بند کرلے وہ بھی مامون ہے، ابو سفیان نے کہا ہاں اس میں بہت وسعت اور گنجائش ہے۔ اس کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مرالظہران سے روانہ ہونے لگے تو حضرت عباس کو

حکم دیا کہ ابوسفیان کو لے کر پہاڑ پر کھڑے ہو جائیں تاکہ لشکرِ اسلام کو بخوبی دیکھ سکے۔ چنانچہ یکے بعد دیگرے جب قبائل جوق در جوق گزرنے لگے تو ابوسفیان دنگ رہ گیا۔ اور یہ کہا تمہارے بھتیجے کا ملک بہت بڑا ہو گیا۔ حضرت عباس نے کہا یہ بادشاہت نہیں بلکہ نبوت ہے۔ (یعنی جیسے داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کی شان و شوکت ظاہر اور صورت کے لحاظ سے سلطنت تھی۔ مگر معنی اور حقیقت کے لحاظ سے نبوت تھی اس لئے کہ وہ خارق عادت تھی، ظاہری اسباب اور مادیت پر مبنی نہ تھی ہوائی جہاز مادیت اور صنعت کے زور سے اُڑتا ہے اور تختِ سلیمان۔ بلا کسی مادی اور بلا کسی ظاہری سبب کے بطور خرق عادت اُڑتا تھا۔ یہ ان کی نبوت کی دلیل تھی بطور معجزہ ان کو یہ شان و شوکت دی گئی تھی تاکہ سلاطین عالم اپنی مادی طاقت کو اس غیبی طاقت کے مقابلہ میں ہیچ سمجھیں اور خدا کے نبی کے سامنے گردن تسلیم خم کردیں۔ اسی طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شان و شوکت کو سمجھو کہ ظاہر میں بادشاہت معلوم ہوتی ہے مگر درحقیقت نبوت و پیغمبری ہے۔

جو قبیلہ سامنے سے گزرتا تھا۔ ابوسفیان پوچھتا جاتا تھا کہ یہ کون قبیلہ ہے سب سے پہلے خالد بن ولید ایک ہزار یا نو سو؟ کے دستہ کو لے کر گزرے۔ بعد ازاں اور مختلف دستے گزرے تا آنکہ آخیر میں کوکبۂ نبوی ظاہری اور باطنی جاہ اور شکوہ کے ساتھ مہاجرین و انصار کے مسلح اور زرہ پوش گروہ کے جلو میں جلوہ افروز ہوا۔ مہاجرین کا علم حضرت زبیر کے ہاتھ میں تھا اور انصار کا علم سعد بن عبادہ کے ہاتھ میں تھا۔ سعد بن عبادہ جب اُدھر سے گزرے تو ابوسفیان کو دیکھ کر جوش آگیا اور جوش میں یہ کہہ بیٹھے۔

الیوم یوم الملحمۃ الیوم تستحل الکعبۃ	آج کا دن لڑائی کا دن ہے آج کعبہ میں قتل و قتال حلال ہوگا۔

ابوسفیان نے گھبرا کر دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں حضرت عباس نے کہا کہ یہ مہاجرین و انصار کا لشکر ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ فرما ہیں۔

سامنے سے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے تو ابوسفیان نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ نے سعد بن عبادہ کو اپنی قوم کے قتل کا حکم دیا ہے اور سعد کا قول نقل کیا اور عرض کیا رسول اللہ

میں آپ کو اللہ کا اور قرابتوں کا واسطہ دیتا ہوں نیکی اور صلہ رحمی میں آپ سب سے بڑھ کر ہیں۔ آپ نے فرمایا:

يَا ابا سفيان اليوم يوم المرحمہ — اے ابوسفیان آج کا دن مہربانی کا دن ہے جس میں
يعز الله فيه قريشا — اللہ قریش کو عزت بخشے گا۔

اور بخاری کی روایت میں ہے کہ یہ ارشاد فرمایا:

كذب سعد ولكن هذا يوم — سعد نے غلط کہا آج خانہ کعبہ کی عظمت کا دن ہے
يعظم الله فيه الكعبة ويوم تكسى فيه الكعبة — اور خانہ کعبہ کو غلاف پہنایا جائے گا۔

اور یہ حکم دیا کہ علم سعد بن عبادہ کے ہاتھ سے لے کر ان کے بیٹے قیس کو دے دیا جائے۔[1]
ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سامنے سے گزرے تو قریش کی ایک خاتون نے یہ شعر پڑھے۔

يَا نبي الهدى إِلَيكَ لجاحيَّ قريش وَلا تحسين الجاحين

اے نبی ہدایت قریش نے آپ کی طرف پناہ لی ہے حالانکہ یہ وقت پناہ کا نہیں ہے۔

ضاقت عَلَيهِم سعة الارض وعاداهم الٰه السماء ان

جس وقت وسیع زمین ان پر تنگ ہو گئی اور اللہ ان کا دشمن ہو گیا۔

سعد ايريد قاصمة الظهر باهل الحجون والبطحاءُ

تحقیق سعد بن عبادہ اہلِ حجون اور اہلِ بطحا کی کمر توڑ دینا چاہتا ہے۔
بعد ازاں ابوسفیان[2] آپ سے رخصت ہوا۔ اور عجلت کر کے مکہ واپس آ گیا اور بآوازِ بلند

---

[1] ۔ حضرت سعد سے جوش اور غلبۂ حال میں ایک لفظ زبان سے نکل گیا جو مناسب نہ تھا اس لئے آپ نے جھنڈا ان کے ہاتھ سے لے لیا مگر ان کے دل شکنی کے خیال سے ان کے بیٹے ہی کو دیا صورۃً تو لے لیا مگر معنیً انھیں کے پاس رہا جس درجہ کی لغزش تھی اسی درجہ کی تنبیہ فرمائی۔ کُل سے لے لیا اور جزء کو دے دیا اور جزء کُل کے مغایر نہیں ہوتا منہ عفا اللہ عنہ۔

[2] ۔ البدایۃ والنہایۃ ص۲۹۰ ج ۴

یہ اعلان کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لشکر کے ساتھ آ رہے ہیں۔ میری رائے میں کسی کو یہ طاقت کہ یہ طاقت نہیں کہ ان سے مقاومت کر سکے اسلام لے آؤ سلامت رہو گے۔ البتہ جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے اس کو امن ہے یا جو شخص میرے گھر میں داخل ہو جائے اُس کو بھی امن ہے یا جو شخص اپنا دروازہ بند کرے یا ہتھیار ڈال دیئے اس کو بھی امن ہے ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے ان کی مونچھ پکڑ لی اور یہ کہا اے بنی کنانہ یہ پیر فرتوت بیوقوف ہو گیا ہے۔ معلوم نہیں کیا کیا بک رہا ہے اور بہت گالیاں دیں لوگ جمع ہو گئے ابوسفیان نے کہا اس وقت ان باتوں سے کچھ نہ ہوگا اے لوگو تم اس عورت کے دھوکہ میں ہرگز نہ آنا۔

کوئی شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقابلہ نہیں کر سکتا جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے اُس کو امن ہے اور جو شخص میرے گھر میں داخل ہو جائے اس کو بھی امن، لوگوں نے کہا ارے کمبخت خدا تجھے ہلاک کرے تیرے گھر میں کتنے آدمی آسکیں گے ابوسفیان نے کہا کہ جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرے اُس کو بھی امن ہے۔

اور ابوسفیان نے اپنی بیوی ہندہ سے کہا کہ خیریت اسی میں ہے کہ تو اسلام لے آ ورنہ ماری جائے گی۔ جا اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ۔ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ لوگ اس اعلان کو سنتے ہی بھاگے کوئی مسجد حرام کی طرف اور کوئی اپنے گھر کی طرف۔

مکّہ مکرّمہ میں داخلہ

اس کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کدا کی جانب سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور مکہ میں داخل ہوتے وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبۃ اللہ کے ادب اور احترام کو غایت درجہ ملحوظ رکھا۔ تواضع کے ساتھ سر جھکائے ہوئے داخل ہوئے شاہانہ شان سے داخل نہیں ہوئے۔

صحیح بخاری میں عبداللہ بن مغفلؓ سے مروی ہے کہ میں نے فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ناقہ پر سوار ہیں اور خوش الحانی کے ساتھ سورۂ انا فتحنا پڑھ رہے ہیں۔

اس عظیم الشان فتح کے وقت مسرت اور نشاط فرحت اور انبساط کے آثار کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں تخشع اور تفرع تذلل اور تمسکن کے آثار بھی چہرۂ انور پر نمایاں ہو رہے تھے۔ ناقہ پر سوار تھے تواضع سے گردن اس قدر جھکی ہوئی تھی کہ ریش مبارک کجاوہ کی لکڑی سے مس کر رہی تھی (رواہ ابن اسحٰق مرسلاً) اور آپ کے خادم اور خادم زادہ اسامۃ بن زید رضی اللہ عنہ آپ کے ردیف تھے۔ (بخاری شریف)

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ جب آپ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تو تمام لوگ آپ کو دیکھ رہے تھے لیکن آپ تواضع کی وجہ سے سر جھکائے ہوئے تھے (رواہ الحاکم بسند جید)

معجم طبرانی میں ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے دن یہ فرمایا کہ یہ وہ ہے کہ جس کا اللہ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا اور پھر یہ سورۃ تلاوت فرمائی اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ زرقانی ص ۳۲ ج ۲

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک اس پر تھی کہ ایک وہ وقت تھا کہ میں نے اسی شہر سے کس بے کسی اور کس بے بسی کے ساتھ ہجرت کی تھی اور دشمنوں سے گریاں اور تن تنہا یہاں سے نکلا تھا۔ اب وہ وقت آیا کہ حق تعالیٰ کی اعانت اور نصرت سے اسی شہر میں نہایت شان و شوکت کے ساتھ فاتحانہ داخلہ ہو رہا ہے۔ وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

اس لئے حضور پرنور کا سر مبارک تواضع سے خم تھا اور پالان شتر پر سر رکھے ہوئے سجدۂ شکر بجا لا رہے تھے اور جوش مسرت میں ترنم اور خوش الحانی کے ساتھ انا فتحنا اور اذا جاء نصر اللہ پڑھ رہے تھے کہ بے شک یہ فتح مبین اور یہ نصرت سراپا شوکت و عظمت، محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور انعام ہے کہ حق کو حکومت عطا ہوئی اور باطل سرنگوں ہوا اسلام اور ایمان کا نور چمکا اور کفر کی ظلمتیں دور ہوئیں اور سرزمین حرم۔ کفر اور شرک کی نجاستوں سے پاک ہوئی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقام کداءؐ میں سے گزرتے ہوئے بالائی جانب سے مکہ میں داخل ہوئے اور خالد بن ولید کو اسفل مکہ مقام کدیؐ سے داخل ہونے کا اور زبیرؓ کو اعلیٰ مکہ یعنی مقام کداء

ؐ۔ کداء بفتح کاف والف ممدودہ مکہ کی بالائی جانب کہتے ہیں اور کدیٰ بضم کاف اور الف مقصورہ کے (باقی اگلے صفحے پر)

میاں سے داخل ہونے کا حکم دیا اور یہ تاکید فرمادی کہ تم خود ابتداءً بالقتال نہ کرنا جو شخص تم سے تعرض کرے صرف اس سے لڑنا۔ بعد ازاں آپ نہایت ادب و احترام کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے

جب آپ مکہ میں داخل ہوئے تو اول ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر تشریف لے گئے اور غسل کر کے آٹھ رکعت نماز ادا فرمائی۔ یہ چاشت کا وقت تھا۔ (بخاری)

اصطلاح علماء میں اس نماز کو صلاۃ الفتح کہتے ہیں۔ اور امراء اسلام کا یہ طریق رہا ہے کہ جب کسی شہر کو فتح کرتے تھے تو فتح کے شکریہ میں آٹھ رکعت نماز پڑھتے تھے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جب مدائن کو فتح کیا اور ایوان کسریٰ میں داخل ہوئے تو آٹھ رکعت نماز ایک سلام سے ادا فرمائی۔ (روض الانف ص ۲۷۳ ج ۲)

غالباً اسی وجہ سے امام اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ آٹھ رکعت سے زیادہ ایک سلام سے پڑھنا مکروہ ہے

ام ہانی نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ میرے شوہر کے دو رشتہ دار بھاگ کر میرے گھر میں آگئے ہیں جن کو میں نے پناہ دی اور میرا بھائی علی ان کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔

(بقیہ حاشیہ) ساتھ مکہ کی جانب اسفل کہتے ہیں۔ مقام کدآء۔ وہ مقام ہے کہ جس جگہ ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر لوگوں کو حج کے لئے پکارا تھا۔ کما قال تعالیٰ۔

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ (الحج آیۃ ۲۷) — اور لوگوں میں حج کی منادی کر دے آویں گے تیرے پاس پا پیادہ اور دبلے اونٹوں پر ہر دور و دراز راہ سے

اور اسی مقام پر اپنی ذریت کے لئے یہ دعا فرمائی ہے جو قبول ہوئی۔

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ۔ (ابراہیم آیۃ ۳۷) — اے پروردگار میں نے اپنی بعض اولاد کو ایسے میدان میں بسایا ہے جہاں کھیتی کا نام و نشان نہیں تیرے محترم گھر کے قریب اے پروردگار غرض یہ ہے کہ نماز کا خاص اہتمام رکھیں سو کچھ لوگوں کے دل انکی طرف مائل کر دیجئے اور ان کے لئے پھل عطا کر تاکہ تیری نعمتوں کا شکر کریں۔

اس لئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں اس مقام سے داخل ہوئے کہ جہاں اس کے بانی نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی (روض الانف ص ۲۷۱ ج ۲)

۵۲ حضرت خالد کو اسفل مکہ سے داخل ہونے کا حکم اس لئے دیا کہ مقابلہ اور مقاتلہ کے لئے تمام اوباش اسی جانب میں جمع تھے۔ (زرقانی ص ۳۰۷ ج ۲)

جس کو ام ہانی نے پناہ دی اس کو ہم نے بھی پناہ دی، علی کو چاہیئے کہ ان دو آمیوں کو نہ مارے۔[۱]

نماز سے فارغ ہو کر شعب ابی طالب میں تشریف لے گئے جہاں آپ کا خیمہ نصب کیا گیا تھا، صحابہ نے مکّہ میں داخل ہونے سے ایک روز پیشتر ہی آپ سے دریافت کر لیا تھا کہ آپ مکہ میں کہاں قیام فرمائیں گے۔ آپ نے فرمایا جہاں قریش اور کنانہ نے بنی ہاشم اور بنی المطلب کو محصور کیا تھا۔ اور آپس میں یہ عہد اور حلف کیا تھا کہ بنی ہاشم اور بنی المطلب سے خرید و فروخت شادی اور بیاہ کے تمام تعلقات قطع کر دیئے جائیں جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے حوالہ نہ کر دیں۔ شعب ابی طالب اسی مقام کا نام ہے۔[۲]

صحیح مسلم میں ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلا کر یہ فرمایا کہ قریش نے کچھ اوباش تمہارے مقابلہ کے لئے جمع کئے ہیں وہ اگر مقابلہ پر آئیں تو ان کو کھیتی کی طرح کاٹ کر رکھ دینا۔

صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل اور سہیل بن عمرو نے مقام خندمہ میں بقصد مقابلہ کچھ اوباشوں کو جمع کیا۔ خالد بن ولید سے مقابلہ ہوا مسلمانوں میں سے دو شخص شہید ہوئے۔ خنیس بن خالد بن ربیعہ اور کرز بن جابر فہری اور مشرکین میں کے بارہ یا تیرہ آدمی مارے گئے۔ باقی سب بھاگ اٹھے۔ یہ ابن اسحاق کی روایت ہے۔[۳]

اور مغازی موسیٰ بن عقبہ میں ہے کہ خالد بن ولید جب اسفل مکّہ سے داخل ہوئے تو بنو بکر اور بنو حارث بن عبد مناۃ اور کچھ لوگ قبیلۂ ہذیل اور کچھ اوباش قریش مقابلہ کے لئے جمع تھے حضرت خالد کے

۱۔ البدایۃ والنہایۃ، ج: ۴، ص: ۲۹۹، ۳۰۰۔

۲۔ زرقانی، ج: ۲، ص: ۳۲۴، فتح الباری ج: ۸، ص: ۱۲

۳۔ اس روایت کی بنا پر مشرکین میں کے صرف بارہ یا تیرہ آدمی مارے گئے اور موسیٰ ابن عقبہ اور ابن سعد اور واقدی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تئیس یا چوبیس آدمی مارے گئے اور یہی روایت زیادہ مستند ہے اور اقل۔ اکثر کے منافی نہیں اور ممکن ہے کہ مقتولین کی مجموعی تعداد چوبیس ہو اور صرف مقام خندمہ میں بارہ یا تیرہ آدمی مارے گئے ہوں۔ اور باقی دوسرے مقام پر۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

پہنچتے ہی ان لوگوں نے حملہ بول دیا۔ خالد بن ولید نے جب ان کا مقابلہ کیا تو تاب نہ لا سکے شکست کھا کر بھاگے۔ بنو بکر میں کے تقریباً بیس آدمی اور ہذیل کے تین یا چار آدمی قتل ہوئے۔ باقی ماندہ اشخاص میں بھگی پڑ گئی، کوئی مکان میں جا کر چھپا اور کوئی پہاڑ پر چڑھ گیا، ابو سفیان نے چلا کر کہا جو شخص اپنا دروازہ بند کرلے وہ امن سے ہے اور جو شخص اپنا ہاتھ روک لے وہ امن سے ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر تلواروں کی چمک پر پڑی تو خالد بن ولید کو بلا کر دریافت فرمایا کہ یہ کیا ماجرا ہے میں نے تم کو قتال سے منع کیا تھا۔ خالد نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے ابتدا بالقتال نہیں کی۔ میں نے برابر اپنا ہاتھ روکے رکھا، جب میں مجبور ہو گیا اور تلواریں ہم پر چلنے لگیں اس وقت مقابلہ کیا، آپ نے فرمایا (قضاء اللہ خیر) اللہ تعالیٰ نے جو مقدور کیا اس میں خیر ہے۔[۱]

اس کے بعد امن قائم ہو گیا اور لوگوں کو امن دے دیا اور لوگ مطمئن ہوئے اور فتح مکمل ہو گئی تو آپ مسجد حرام میں داخل ہوئے۔

مسجد حرام میں داخلہ

فتح کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں داخل ہوئے اور خانہ کعبہ کا طواف کیا دلائل بیہقی اور دلائل ابی نعیم میں عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم جب حرم محترم میں داخل ہوئے تو خانہ کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے آپ ایک ایک بت کی طرف چھڑی سے اشارہ کر کے یہ پڑھتے جاتے تھے۔ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اور بت منہ کے بل اوندھے گر جاتے تھے۔

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ابن عمر کی حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن ابن عباس کی حدیث اس کی مؤید ہے[۲]

حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ ابن حبان نے عبداللہ بن عمر کی حدیث کو صحیح کہا ہے[۳]

حافظ ہیثمی فرماتے ہیں کہ ابن عباس کی حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے جس کے تمام راوی ثقہ

---

[۱] ۔ فتح الباری، ج ۸، ص: ۹

[۲] ۔ الخصائص الکبریٰ۔ ج ۱، ص: ۲۶۴

[۳] ۔ فتح الباری، ج ۱۴، ص: ۸

ہیں اور اس حدیث کو بزار نے بھی مختصراً روایت کیا ہے[۵۱]

ابن اسحٰق اور ابو نعیم کی روایت میں ہے کہ وہ بُت سیسے سے چپکے ہوئے تھے[۵۲]

اسی بارے میں تمیم بن اسد خزاعی نے کہا۔ وفی الاصنام معتبر وعلم۔ لمن یرجو الثواب او العقابا۔[۵۳]

جب آپ حرم میں داخل ہوئے تو اس وقت آپ ناقہ پر سوار تھے اسی حالت میں طواف فرمایا طواف سے فارغ ہو کر عثمان بن طلحہ کو بلا کر خانہ کعبہ کی کنجی لی اور بیت اللہ کو کھلوایا۔ دیکھا کہ اس میں تصویریں ہیں اُن سب کے مٹانے کا حکم دیا جب تمام تصویریں مٹا دی گئیں اور آب زمزم سے انکو دھو دیا گیا اُس وقت آپ بیت اللہ میں داخل ہوئے اور نماز ادا کی[۵۴]

اور بیت اللہ کے تمام گوشوں میں پھر کر توحید و تکبیر کی آوازوں سے اُس کو منور کیا۔ اس وقت بلال اور اسامہ آپ کے ہمراہ تھے۔ فارغ ہو کر دروازہ کھولا اور باہر تشریف لائے دیکھا کہ مسجد حرام لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی ہے نیچے سب منتظر ہیں کہ مجرموں اور دشمنوں کے متعلق کیا حکم دیا جاتا ہے یہ رمضان المبارک کی بیسویں تاریخ تھی، باب کعبہ پر آپ کھڑے ہوئے اور کلید آپ کے ہاتھ میں تھی اس وقت آپ نے یہ خطبہ دیا۔

باب کعبہ پر خطبہ

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ	اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اُس نے اپنا وعدہ سچ
لَہٗ صدق وعدہ ونصر عبدہٗ و	کر دکھایا اپنے بندے کی مدد کی اور دشمنوں کی تمام
ھزم الاحزاب وحدہ۔ الا کل ماثرۃ	جماعتوں کو اس نے تنہا شکست دی آگاہ ہو جاؤ جو
اودم او مال یدعی فھو تحت قدمی	خصلت و عادت خواہ جانی ہو یا مالی ہر جس کا دعویٰ

۵۱۔ مجمع الزوائد، ج: ۶، ص: ۱۷۶

۵۲ زرقانی، ج: ۲، ص: ۳۳۴

۵۳۔ البدایۃ والنہایۃ، ج: ۴، ص: ۳۰۲۔

۵۴۔ زرقانی، ج: ۲: ص: ۳۴۷

هاتین الا سدانة البیت و سقایة الحاج الا و قتیل الخطاء شبہ العمد بالسوط والعصا ففیه الدیة مغلظة من الابل اربعون منها فی بطونها اولادھا یا معشر قریش ان اللہ قد اذھب عنکم نخوۃ الجاھلیۃ وتعظمھا بالآباء الناس من اٰدم و اٰدم من تراب ثم تلا ھٰذہ الاٰیۃ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ۝ ثم قال یا معشر قریش ما ترون انی فاعل بکم قالوا خیرا اخ[1] کریم و ابن اخ کریم قال فانی اقول لکم کما قال یوسف لاخوتہ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ اذھبوا فانتم الطلقاء (زاد المعاد و سیرۃ بن ھشام وزرقانی) والبدایۃ والنھایۃ ص ۳۰۰ ج ۴ و ص ۳۰۱ ج ۴

کیا جا سکے وہ سب میرے قدموں کے نیچے ہیں (یعنی سب لغو اور باطل ہیں) مگر بیت اللہ کی دربانی اور حاجیوں کو زمزم کا پانی پلانا یہ خصلتیں حسب دستور برقرار رہیں گی آگاہ ہو جاؤ جو شخص خطاءً قتل کیا جائے کوڑے سے یا لاٹھی سے اس کی دیت (خون بہا) مغلظہ ہے سو اونٹ ہوں گے جس میں چالیس حاملہ اونٹنیاں ہونگی۔ اے گروہ قریش اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کی نخوت اور غرور اور آباؤ اجداد پر فخر کرنے کو باطل کر دیا۔ سب لوگ آدم سے ہیں اور آدم مٹی سے۔ اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اے لوگو ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تم کو شاخوں اور خاندانوں پر تقسیم کیا تاکہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو اور حقیقت میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ بزرگ وہی ہے جو سب سے زیادہ خدا ترس ہو۔ اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے پھر یہ ارشاد فرمایا اے گروہ قریش تمہارا میری نسبت کیا خیال ہے کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا۔ لوگوں نے کہا بھلائی کا۔ آپ شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں آپ نے فرمایا میں تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا۔ تم پر آج کوئی عتاب

---

[1] یہ کہنے والے سہیل بن عمرو تھے جن سے آپ نے صلح حدیبیہ کی شرائط طے کی تھیں بعد میں چل کر مشرف باسلام ہوئے۔ جب آپ نے یہ ارشاد فرمایا اے گروہ قریش میری نسبت تمہارا کیا گمان ہے سہیل بن عمرو نے فی البدیہہ کہا نقول خیرا و نظن خیرا اخ کریم و ابن اخ کریم وقد قدرت۔ خیر ہی کہتے ہیں اور خیر ہی کا گمان رکھتے ہیں۔ آپ شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے اور انتقام پر ہر طرح قادر ہیں۔ (اصابہ ترجمہ سہیل بن عمرو)

اور ملامت نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔

عرب میں جو حسب و نسب پر فخر کرنے کا دستور چلا آ رہا تھا۔ آپ نے اس خطبہ میں اُس کا خاتمہ کر دیا۔ اور اسلامی مساوات کا جھنڈا نصب کر دیا اور یہ تبلا دیا کہ شرف اور بزرگی کا معیار صرف تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین بنا کر ہدایت عالم کے لئے مبعوث ہوئے تھے، آپ کا مقصود ہدایت تھا۔ دشمنوں سے انتقام لینا بادشاہوں کا کام ہے۔

حجابت و سقایت

خطبہ سے فارغ ہو کر آپ مسجد میں بیٹھ گئے اور بیت اللہ کی کنجی آپ کے ہاتھ میں تھی۔ حضرت علیؓ[له] نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ یہ کنجی ہم کو عطا فرما دیجئے تا کہ سقایت[۵۲] زمزم کے ساتھ حجابت بیت اللہ یعنی بیت اللہ کی دربانی کا شرف بھی ہم کو حاصل ہو جائے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا (نساء، آیۃ: ۵۸) تحقیق اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں پہنچا دو امانت والوں کو۔

آپ نے عثمان بن طلحہ حجبی کو بلا کر کنجی مرحمت فرمائی اور یہ فرمایا کہ یہ کنجی ہمیشہ کے لئے لے لو۔ (یعنی ہمیشہ تمھارے ہی خاندان میں رہے گی)

میں نے خود نہیں دی بلکہ اللہ نے تم کو دلائی ہے۔ سوائے ظالم اور غاصب کے کوئی تم سے نہ چھین سکے گا۔[۵۳]

باب کعبہ پر اذان

ظہر کی نماز کا وقت آیا تو آپ نے بلالؓ کو حکم دیا کہ بام کعبہ پر چڑھ کر اذان دیں۔ قریش مکہ

له۔ سعید بن مسیب سے مروی ہے کہ حضرت عباس نے بھی اس کی بہت کوشش کی مگر آپ نے منظور نہیں فرمایا (زاد المعاد) ۱۲

۵۲۔ یعنی موسم حج میں حاجیوں کو زمزم کا پانی پلانا یہ خدمت حضرت عباس اور بنو ہاشم کے سپرد تھی ۱۲۔

۵۳۔ فتح الباری ج ۸، ص: ۱۵، زرقانی ج ۲، ص ۱، ۳۴۰ - ۳۴۳

دین حق کی فتح مبین کا یہ عجیب وغریب منظر پہاڑوں کی چوٹیوں سے دیکھ رہے تھے۔

اور جو سرداران قریش کفر وشرک کی ذلت اور دین برحق کی عزت کا یہ منظر نہ دیکھ سکے وہ روپوش ہو گئے ابوسفیان اور عتاب وخالد پسران اسید اور حارث بن ہشام (جو بعد میں مسلمان ہو گئے) اور دیگر سرداران قریش صحن کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عتاب اور خالد نے کہا کہ اللہ نے ہمارے باپ کی بڑی عزت رکھ لی کہ اس آواز کے سننے سے پہلے ہی اُن کو دنیا سے اٹھالیا۔ حارث نے کہا خدا کی قسم اگر مجھکو یہ یقین ہو جاتا کہ آپ حق پر ہیں تو ضرور آپ کا اتباع کرتا۔ ابوسفیان نے کہا میں کچھ نہیں کہتا، اگر میں نے کوئی لفظ اپنی زبان سے نکالا تو یہ سنگریزے آپ کو خبر دیدیں گے۔ آپ کو بذریعہ وحی کے اطلاع ہو گئی جب آپ ادھر سے گزرے تو ان لوگوں سے فرمایا کہ جو کچھ تم نے کہا مجھے اس کی اطلاع ہو گئی ہے اور انھوں نے جو گفتگو کی تھی وہ سب بیان فرمادی۔ حارث اور عتاب نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اس لئے کہ ہم میں سے تو کسی نے آپ کو اس امر کی اطلاع نہیں دی (معلوم ہوا کہ اللہ ہی نے بذریعہ وحی کے اپنے رسول کو ہماری ان باتوں کی خبر دی ہے) (رواہ ابویعلی عن بن عباس وابن ابی شیبۃ عن ابی سلمۃؓ) [۱]

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب بن اسید کو مسلمان ہو جانے کے بعد مکہ کا والی مقرر فرمایا، عتاب کی عمر اُس وقت اکیس سال کی تھی اور بطور روزینہ ایک درہم یومیہ مقرر فرمایا۔ اس پر عتاب نے یہ کہا۔

اَیُّھا النَّاس اجاع اللّٰہ کبد — اے لوگو اللہ اس شخص کے جگر کو بھوکا رکھے کہ جو

من جاع علی درھم (روض الانف ج ۲ ص ۲۷۶) — ایک درہم میں بھی بھوکا رہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک برابر مکہ کے امیر رہے صدیق اکبر جب خلیفہ ہوئے تو اُن کو برقرار رکھا جس دن صدیق اکبر کی وفات ہوئی اسی روز عتاب کی وفات ہوئی (استیعاب لابن عبدالبر ترجمہ عتاب بن اسید)

---

[۱] ۔ زرقانی ج : ۲، ص : ۳۴۶

حضرت بلال نے جس وقت بام کعبہ پر چڑھ کر اذان دی تو ابو محذورہ جمحی اور چند نوجوان جوان کے ساتھ تھے بطور تمسخر اذان کی نقل اتارنے لگے۔

ابو محذورہ نہایت خوش الحان اور بلند آواز تھے ان کی آواز گوش مبارک میں پہنچ گئی حکم ہوا کہ حاضر کئے جائیں۔ دریافت فرمایا کہ تم میں سے وہ کون ہے کہ جس کی آواز میرے کان میں پہنچی ہی سب نے ابو محذورہ کی طرف اشارہ کیا۔ آپ نے سب کے چھوڑ دینے اور ان کے روک لینے کا حکم دیا۔

ابو محذورہ آپ کے سامنے کھڑے ہوئے اور دل میں یہ گمان غالب ہے کہ میں قتل کیا جاؤں گا آپ نے مجھکو حکم دیا کہ اذان دو، بادل ناخواستہ اذان دی۔ اذان کے بعد آپ نے تھیلی عطا کی جسمیں کچھ درہم تھے۔ اور سر اور پیشانی پر دست مبارک پھیرا اور پھر سینہ اور جگر اور شکم پر ناف تک ہاتھ پھیرا اور یہ دعا دی بارک اللہ فیک وبارک اللہ علیک۔

ابو محذورہ کہتے ہیں کہ دست مبارک کا پھیرنا تھا کہ آپ کی تمام نفرت یکلخت مبدل بہ الفت ہو گئی۔ اور قلب آپ کی محبت سے لبریز ہو گیا۔ اب میں نے خود عرض کیا یا رسول اللہ مجھکو مکہ کا مؤذن مقرر فرما دیجئے۔ آپ نے فرمایا میں نے تجھ کو مکہ کا مؤذن[لہ] مقرر کیا۔ میں نے آکر عتاب بن اسید امیر مکہ کو اس کی اطلاع دی۔ اور آپ کے حکم کے مطابق اذان دینے لگا۔ مدۃ العمر مکہ میں مقیم رہے اور اذان دیتے رہے ۵۹ھ میں مکہ ہی میں وفات پائی (استیعاب لابن عبدالبر ترجمہ ابو محذورہ رضی اللہ عنہ)

سہیلی فرماتے ہیں کہ ابو محذورہ جس وقت مؤذن مقرر ہوئے اس وقت اُن کی عمر سولہ سال کی تھی۔ وفات تک مکہ کے مؤذن رہے اور وفات کے بعد اُن کی اولاد نسلاً بعد نسل ان کی اذان کی وارث ہوتی رہی۔

ایک شاعر ابو محذورہ کی اذان کے بارے میں کہتا ہے۔

اما ورب الکعبۃ المستورۃ ۔۔۔ وما تلا محمد من سورۃ

قسم ہے رب کعبہ کی جس پر غلاف پڑا ہوا ہے اور قسم ہے قرآن کی سورتوں کی جن کی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت کی۔

لہ۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو محذورہ فتح مکہ کے بعد مؤذن مقرر ہوئے اور اکثر روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حنین سے واپسی کے بعد آپ نے ان کو مؤذن مقرر فرمایا۔ واللہ اعلم۔

والنغمات من ابی محذورہ   لافعلن فعلۃ مذکورۃ

اور قسم ہے ابو محذورہ کے نغمہائے اذان کی میں فلاں کام ضرور کروں گا۔[۵۱]

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم طواف سے فارغ ہو کر کوہ صفا پر تشریف لائے اور دیر تک بیت اللہ کی طرف منہ کئے ہوئے دست بدعا اور مشغول حمد و ثنا رہے، دامن میں انصار کا مجمع تھا اسی اثنا میں بعض انصار کی زبان سے یہ لفظ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر آپ کا شہر اور آپ کی زمین فتح کردی ہے، مبادا ایسا نہ ہو کہ آپ یہیں ٹھہر جائیں اور مکہ میں رہ پڑیں اور مدینہ تشریف نہ لیجائیں اور آپس میں کچھ کہنے سننے لگے اسی وقت آپ پر وحی کے آثار نمودار ہوگئے۔ صحابہ کی یہ عادت تھی کہ نزولِ وحی کے دوران کوئی شخص آپ کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا۔ جب وحی نازل ہو چکی تو آپ نے فرمایا۔ اے گروہ انصار۔ تم نے یہ کہا ہے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ خوب سمجھ لو یہ ہرگز نہیں ہو سکتا میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، میں نے اللہ کے حکم سے ہجرت کی ہے تمہاری زندگی میری زندگی ہے اور تمہاری موت میری موت ہے۔ یہ سُن کر انصار جاں نثار کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم کو یہ اندیشہ ہوا کہ نصیبِ دشمناں جس شمع کے ہم پروانے ہیں وہ شمع ہماری محفل سے نہ اٹھالی جائے۔ ہم غلامانِ جاں نثار اور خادمانِ وفا شعار ہر قسم کے ایثار کے لئے تیار ہیں مگر اللہ اور اس کے رسول کے بارے میں انتہائی بخیل ہیں۔

باسایہ ترا نمی پسندم   عشق است و ہزار بدگمانی

آپ نے ارشاد فرمایا اللہ اور اس کا رسول تم کو معذور اور سچا سمجھتے ہیں۔ (رواہ مسلم و احمد و غیرہما عن ابی ہریرۃ)، زرقانی ص۳۲۳ ج ۲۔ البدایۃ والنبایۃ ص۳۰۶ تا ص۳۰۷ ج ۴۔

مردوں اور عورتوں سے بیعت

دعا سے فارغ ہونے کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوہ صفا پر بیٹھ گئے لوگ بیعت

۵۱۔ روض الانف، ج ۲، ص ۲۷۱   ۵۲۔ البدایۃ والنہایۃ ج ۴، ص ۳۰۶

کے لئے جمع ہو گئے۔ آپ اسلام پر اور خدا اور رسول کی اطاعت پر بیعت لینے لگے۔ مردوں سے فقط اسلام پر اور حسب استطاعت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر بیعت لیتے اور بعض روایات میں ہے کہ مردوں سے اسلام اور جہاد پر بیعت لیتے مردوں کی بیعت سے جب فراغت پائی تو عورتوں سے بیعت لینے لگے۔ عورتوں سے ان امور پر بیعت لی کہ جو بیعت النساء کی آیت میں مذکور ہیں یعنی یَا أَیُّهَا النَّبِیُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ یُبَایِعْنَكَ عَلَىٰ أَن لَّا یُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَیْئًا وَلَا یَسْرِقْنَ وَلَا یَزْنِینَ وَلَا یَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا یَأْتِینَ بِبُهْتَانٍ یَفْتَرِینَهُ بَیْنَ أَیْدِیهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا یَعْصِینَكَ فِی مَعْرُوفٍ فَبَایِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِیمٌ [لہ]

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں سے جو بیعت فرماتے وہ محض زبان سے ہوتی تھی آپ کے دست مبارک نے کبھی بھی کسی نامحرم عورت کے ہاتھ کو مس نہیں کیا اور نہ کسی عورت سے کبھی آپ نے مصافحہ فرمایا بلکہ کپڑے کے ذریعہ بیعت کرتے تھے کہ کپڑے کا ایک کونہ حضور پرنور کے ہاتھ میں ہوتا تھا اور کپڑے کا دوسرا کونہ عورت کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔

اور کبھی ایسا ہوتا کہ جب عورتوں سے بیعت لیتے تو پانی کا ایک پیالہ منگا لیتے اور اس میں اپنا دست مبارک ڈال کر نکال لیتے اور پھر عورتوں کو حکم دیتے کہ تم بھی اس پیالہ میں اپنے ہاتھ ڈال لو تو عورتیں بھی اپنا ہاتھ اس پیالہ میں ڈال کر تر کر لیتیں۔ اس طرح بیعت پختہ ہو جاتی۔ تفصیل اگر درکار ہو تو تفسیر قرطبی سورۂ ممتحنہ ص ۷۱ ج ۱۸ کی مراجعت کریں۔ کن کن عورتوں نے بیعت کی تاریخ ابن الاثیر ص ۲۶ ج ۲ کو دیکھیں۔

ابن اثیر جزری فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مردوں کی بیعت سے فارغ ہو گئے تو عورتوں کی بیعت کی طرف متوجہ ہوئے، قریش کی جو عورتیں اس وقت بیعت کے لئے حاضر ہوئیں ان میں یہ چند نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

لہ۔ سورۃ الممتحنہ، آیۃ ۱۲

(۱)۔ام ہانی بنت ابی طالب یعنی حضرت علیؓ کی بہن۔

(۲)۔ام حبیبہ بنت عاص بن امیہ زوجۂ عمرو بن عبدود عامری۔

(۳)۔ اروی بنت ابی العیص یعنی عتاب بن اسید کی پھوپی۔

(۴)۔ عاتکہ بنت ابی العیص۔یعنی اروی کی بہن۔

(۵)۔ ہندہ بنت عتبہ زوجۂ ابوسفیان و والدۂ امیر معاویہ۔

ہندہ جب بیعت کے لیئے حاضر ہوئیں تو چہرہ پر نقاب ڈال کر حاضر ہوئیں چونکہ ہندہ نے حضرت حمزہ کو قتل کرایا تھا اور اُن کا سینہ چاک کرکے اُن کا کلیجہ چبایا تھا۔ اس لیئے حیلہ اور ندامت کی بنا پر منہ چھپاکر بیعت کے لیئے حاضر ہوئیں تاکہ پہچان نہ سکے اُن کی بیعت کا قصہ حسب ذیل ہے

(ہندہ)۔یارسول اللہ آپ ہم سے کن چیزوں کا عہد او مثاق لیتے ہیں۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔

(ہندہ۔یارسول اللہ۔آپ ہم سے ان باتوں کا عہد لیتے ہیں کہ جن کا آپ نے مردوں سے نہیں لیا لیکن ہم کو یہ منظور ہے۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور یہ کہ چوری نہ کریں۔

(ہندہ)۔میں اَپنے شوہر (ابوسفیان) کے مال میں سے کچھ لے لیتی ہوں معلوم نہیں کہ یہ چوری میں داخل ہے یا نہیں۔ابوسفیان اس وقت وہیں موجود تھے۔ابوسفیان نے کہا کہ جو گزر گیا وہ معاف ہے۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ بقدر ضرورت اور بقدر کفایت شوہر کے مال سے لے سکتی ہے کہ عرف اور دستور میں تجھکو اور تیرے بچوں کی ضرورت کو کفایت کرسکے۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور زنا نہ کرنا۔

(ہندہ) کیا شریف عورت زنا کرسکتی ہے۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اولاد کو قتل نہ کرنا۔

(ہندہ) بیناھم صغارا وقتلتھم یوم بدر کبارا فانت وھم اعلم ہم نے

ان کو بچپن میں پالا اور آپ نے ان کو جنگِ بدر میں مارا پس آپ وہ جانیں۔ عمر رضی اللہ عنہ یہ سنکر ہنس پڑے۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور کسی پر بہتان نہ لگانا۔

(ہندہ)۔ وَاللہ ان اتیان البھتان بقبیح وَ مَا تامرنا الا بالرشد ومکارم اخلاق

خدا کی قسم کسی پر بہتان باندھنا نہایت ہی برا ہے اور آپ ہم کو سوائے رشد اور ہدایت اور سوا مکارم اخلاق کسی چیز کا حکم نہیں دیتے۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور کسی کار نیک میں نافرمانی اور حکم عدولی نہ کرنا۔[1]

(ہندہ)۔ ہم اس مجلس میں آپ کی نافرمانی کا ارادہ اور خیال بھی لے کر نہیں آئے ہیں۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا کہ ان سے بیعت لے لو۔ بیعت کے بعد آپ نے اُن کے لئے دعا مغفرت کی[2]

ہندہ نے اسلام لانے کے بعد عرض کیا کہ یا رسول اللہ۔ اسلام سے پہلے آپ کے چہرے سے زیادہ کوئی چہرہ مجھکو مبغوض نہ تھا اور آپ سے زیادہ کسی کو دشمن نہ رکھتی تھی اور اب آپ سے زیادہ کوئی چہرہ مجھے محبوب نہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ابھی محبت میں اور زیادتی ہوگی۔

دوسرا خطبہ

ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ فتح مکہ کے دوسرے دن ایک خزاعی نے ایک ہذلی مشرک کو مار ڈالا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو صحابہ کو جمع کر کے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر یہ خطبہ دیا۔

یا ایھا الناس ان اللہ حرم مکۃ	اے لوگو بے شک اللہ تعالیٰ نے جس روز آسمانوں
یوم خلق السمٰوات وَالارض فھی حرام	اور زمین کو پیدا کیا اسی دن مکہ کو حرام اور محترم پیدا کیا
الیٰ یوم القیامۃ فلا یحل لامرءٍ	پس وہ قیامت تک حرام اور محترم رہے گا بس کسی شخص کیلئے

[1] زرقانی، ج: ۲، ص: ۳۱۶ [2] الکامل لابن اثیر، ج: ۲، ص: ۹۶

يؤمن بالله واليوم الآخر ان يسفك
فيها دما ولا يعضد فيها شجرة ولم
تحلل لاحد كان قبلي ولا تحل
لاحد يكون بعدي ولم تحلل لي الا
هذه الساعة غضبا على اهلها الا ثم
قد رجعت كحرمتها بالامس فليبلغ
الشاهد منكم الغائب فمن قال لكم
ان رسول الله صلى الله عليه وسلم
قاتل فيها فقولوا ان الله قد احلها
لرسوله ولم يحللها لكم يا معشر
خزاعة ارفعوا ايديكم عن القتل
فلقد كثر القتل لقد قتلتم
قتيلا لاديته فمن قتل بعد مقامي
هذا فاهله بخير النظرين ان شاؤا
دم قاتله وان شاءوا فعقله

جو اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہو یہ جائز نہیں
کہ مکہ میں کوئی خون بہائے اور نہ کسی کے لئے کسی درخت
کا کاٹنا جائز ہے، مکہ نہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال
ہوا اور نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہوگا اور میرے
لئے بھی صرف اسی ساعت اور اسی گھڑی کے لئے حلال
کیا گیا۔ اہل مکہ کی نافرمانی پر اور ناراضی کی وجہ سے
اور آگاہ ہو جاؤ کہ اس کی حرمت پھر ویسی ہی ہو گئی
جیسا کہ کل تھی۔ پس تم میں سے جو حاضر ہے وہ میرا یہ
پیام ان لوگوں کو پہنچا دے کہ جو غائب ہیں پس تم میں سے
جو شخص یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں
قتال کیا تو تم اس سے یہ کہہ دینا کہ تحقیق اللہ تعالےٰ
نے صرف اپنے رسول کے لئے مکہ کو کچھ وقت کے لئے
حلال کر دیا اور تمھارے لئے حلال نہیں کیا اے گروہ خزاعہ
قتل سے اپنے ہاتھوں کو اٹھاؤ تم نے ایک شخص کو مار
ڈالا جس کی دیت (خوں بہا) میں دوں گا جو شخص آج کے بعد
کسی کو قتل کرے گا تو مقتول کے گھر والوں کو دو باتوں میں سے ایک بات کا اختیار ہوگا یا تو
خون کے بدلے قاتل کا خون لے لیں یا مقتول کی دیت (خوں بہا) لے لیں۔

بعد ازاں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس سے سو اونٹ اس شخص کی دیت ادا
فرمائی جس کو خزاعہ نے قتل کیا تھا۔[1]

---

[1] سیرۃ ابن ہشام، ج: ۴، ص: ۵۸

مہاجرین کے متروکہ مکانات کی واپسی کا مسئلہ

کفارِ مکہ تمام مہاجرین کے مکانات اور جائداد اور املاک پر قبضہ کر چکے تھے۔ جب آپ خطبہ سے فارغ ہو گئے، ہنوز باب کعبہ پر کھڑے ہوئے تھے کہ ابواحمد بن جحش اٹھے اور اپنے اس مکان کی واپسی کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہا جس کو ابوسفیان نے ان کی ہجرت کے بعد چار سو دینار میں فروخت کر لیا تھا۔ آپ نے ان کو بلا کر کچھ آہستہ سے فرمایا، سنتے ہی ابواحمد بن جحش خاموش ہو گئے اس کے بعد جب ابوجحش سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے کیا کہا تھا۔ ابواحمد نے کہا آپ نے یہ فرمایا تھا اگر تو صبر کرے تو تیرے لئے بہتر ہوگا اور اس کے معاوضہ میں تجھ کو جنت میں ایک مکان مل جائے گا، میں نے عرض کیا میں صبر کروں گا

ان کے علاوہ اور بھی بعض مہاجرین نے چاہا کہ اُن کے مکانات ان کو دلائے جائیں آپ نے فرمایا تھا کہ جو مال اللہ کی راہ میں جا چکا ہے میں اس کی واپسی پسند نہیں کرتا۔ یہ سنتے ہی تمام مہاجرین خاموش ہو گئے اور جو گھر اللہ اور اُس کے رسول کے لئے چھوڑ چکے تھے پھر اُس کی واپسی کا کوئی حرف زبان پر نہیں آیا اور جس مکان میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے اور جس مکان میں حضرت خدیجہؓ سے شادی ہوئی آپ نے اس کا ذکر تک نہیں فرمایا۔[۵]

عفوِ عام کے بعد مجرمان خاص کے متعلق احکام

فتح مکہ کے دن آپ نے عفوِ عام کا اعلان کرا دیا۔ جنھوں نے آپ کے راستہ میں کانٹے بچھائے تھے اور جنھوں نے آپ پر پتھر برسائے تھے اور جو ہمیشہ آپ سے برسرِپیکار رہے اور جنھوں نے آپ کی ایڑیوں کو لہو لہان کیا تھا سب کو معافی دے دی گئی۔ مگر چند اشخاص جو بارگاہِ نبوی میں غایت درجہ گستاخ اور دریدہ دہن تھے اُن کے متعلق یہ حکم ہوا کہ جہاں کہیں ملیں قتل کر دئے

---

[۵] - الصارم المسلول، ص: ۱۵۴

جائیں ایسے لوگوں کے متعلق خداوند ذوالجلال کا یہی حکم ہے۔

مَلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۵۱

یہ ملعون جہاں کہیں پائے جائیں پکڑے جائیں اور خوب قتل کیے جائیں جیسا کہ گزشتہ مفسدین کے بارے میں اللہ کی سنت ہے اور اللہ کے آئین اور عادت میں کوئی تغیّر و تبدل نہ پاؤ گے۔

پیغمبرِ خدا کی توقیر و تعظیم اور اس کی نصرت و حمایت تمام اُمّت پر فرض ہے ، اس کی بے حرمتی دینِ الٰہی کی بے حرمتی ہے ، وقال تعالیٰ۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ۔

وقال تعالیٰ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ط اَتَخْشَوْنَهُمْ ج فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ۵۲

اگر عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑیں اور تمہارے دین میں طعن کریں تو ان پیشوایانِ کفر سے قتال کرو ان کی قسمیں کچھ نہیں تاکہ اس قسم کی شرارتوں سے باز آجائیں کیوں نہیں جنگ کرتے تم ان لوگوں سے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑا اور فکر کی پیغمبر کے نکالنے کی اور عہد شکنی میں ابتدا کی۔ کیا ان لوگوں سے ڈرتے ہو صرف خداوند ذوالجلال سے تم کو ڈرنا چاہیئے اگر تم سچے مومن ہو۔

یعنی جن لوگوں نے پیغمبر کے نکالنے کا فقط ارادہ اور قصد ہی کیا اُن کے قتال میں اہلِ ایمان کو ذرہ برابر تامّل نہ ہونا چاہیئے اُن کی ظاہری قوت و شوکت اور مادی ساز و سامان سے خائف نہ ہوں صرف اللہ سے ڈریں اور اُس کے رسول کی نصرت و حمایت میں جان اور مال جو کچھ بھی درکار ہو اس سے دریغ نہ کریں اور یہ امر اہلِ عقل پر روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ سب و شتم استہزاء اور

---

۵۱ - الاحزاب ، آیۃ : ۶۱

۵۲ - التوبۃ ، آیۃ : ۱۲ ، ۱۳

تمسخر گستاخی اور دریدہ دہنی کا جرم نکال دینے کے جرم سے کہیں زیادہ سخت ہے۔ حکومت اپنے سخت سے سخت مجرم کو معافی دے سکتی ہے لیکن ملک معظم اور وائسرائے کی شان میں گستاخی اور دریدہ دہنی کرنے والے سے ایک لمحہ کے لئے اغماض نہیں کر سکتی۔ اس میں حکومت کی بے حرمتی اور بے وقعتی ہے۔

علاوہ ازیں پیغمبر کی توہین اور بے حرمتی ساری امت کی توہین اور بے حرمتی ہے۔ لہٰذا ہر امتی کا فرض ہے کہ جب آپ کی شان میں گستاخی سنے تو فوراً اس کی جان لے لے یا اپنی جان دیدے۔

تَشْتُم ایدینا وَیحلم رأینا   وَنَشْتم بالافعال لا بالتکلم

ہمارے ہاتھ گالیاں دیتے ہیں اور ہماری رائے اور عقل حلم اور بردباری کرتا ہے۔ ہم عمل سے گالیاں دیتے زبان سے نہیں۔

شفاء قاضی عیاض میں ہے کہ خلیفہ ہارون رشید نے جب امام مالکؒ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کا حکم دریافت کیا تو یہ ارشاد فرمایا۔

مابقاء الامۃ بعد شتم نبیھا   اس امت کی کیا زندگی ہے جس کے پیغمبر کو گالیاں دیجائیں

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ حرانی قدس اللہ روحہ ونور ضریحہ (آمین) کے زمانہ میں ایک نصرانی نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کی تو امام موصوف نے چھ سو صفحہ کی ایک ضخیم کتاب فقط اسی موضوع پر تصنیف فرمائی اور الصارم المسلول[۱] علی شاتم الرسول اس کا نام رکھا جسمیں آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ اور اجماع صحابہ و تابعین اور تعامل خلفاء راشدین اور عقلی دلائل و براہین سے شاتم رسول کا واجب القتل ہونا ثابت کیا ہے جزاہ اللہ تعالیٰ عن الاسلام والمسلمین خیراً آمین۔

الحاصل

جن لوگوں کے متعلق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن یہ حکم دیا تھا کہ جہاں ملیں قتل کردیئے جائیں تقریباً دہ پندرہ سولہ تھے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

---

[۱] یہ کتاب دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن میں طبع ہوتی ہے۔

اوّل: (عبداللہ بن خطل) یہ پہلے مسلمان ہو گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامل بنا کر صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ ایک غلام اور ایک انصاری ساتھ تھے ایک منزل پر پہنچکر ابن خطل نے غلام کو کھانا تیار کرنے کے لئے کہا، غلام کسی وجہ سے سو گیا۔ جب بیدار ہوا تو ابن خطل نے دیکھا کہ اس نے ابھی تک کھانا تیار نہیں کیا غصہ میں آکر اس غلام کو قتل کر ڈالا بعد میں خیال آیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ضرور مجھکو اس کے قصاص میں قتل کریں گے مرتد ہو کر مکہ چلا آیا اور مشرکین میں جا ملا اور صدقات کے اونٹ بھی ساتھ لے گیا۔ آپ کی ہجو میں شعر کہتا تھا اور باندیوں کو ان اشعار کے گانے کا حکم دیتا، پس اس کے تین جرم تھے۔ ایک خونِ ناحق۔ دوسرا مرتد ہو جانا۔ تیسرا جرم یہ کہ آپ کی ہجو میں شعر کہنا۔ ابن خطل فتح مکہ کے دن خانہ کعبہ کے پردوں سے جا کر لپٹ گیا۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ ابنِ خطل بیت اللہ کے پردہ کو پکڑے ہوئے ہے آپ نے فرمایا وہیں قتل کر ڈالو چنانچہ ابو برزہ اسلمیٰ اور سعد بن حریث نے وہیں جا کر قتل کیا۔ حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان اس کی گردن اُڑائی گئی۔ (الصارم المسلول ص۱۳۳ و زرقانی ص۳۱۴ ج ۲)

دوم و سوم: قرتنیٰ اور قُریبہ، یہ دونوں ابن خطل کی لونڈیاں تھیں شب و روز آپ کی ہجو گاتی رہتی تھیں۔ مشرکین مکہ کی کسی مجلس جمع ہوتے تو شراب کا دور چلتا اور یہ دونوں آپ کی ہجو میں اشعار پڑھتی اور گاتی اور بجاتی۔ ایک ان میں سے ماری گئی اور دوسری نے امن کی درخواست کی اس کو امن دے دیا گیا۔ حاضر ہو کر مسلمان ہو گئی۔ [۱]

چہارم: (سارہ) بنی المطلب میں سے کسی کی باندی تھی۔ یہ بھی آپ کی ہجو گایا کرتی تھی بعض کہتے ہیں کہ قتل کی گئی اور بعض کہتے ہیں کہ اسلام لے آئی اور حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت تک زندہ رہی اور یہی وہ عورت تھی کہ جو حاطب بن ابی بلتعہ کا خط لے کر مکہ جا رہی تھی۔

پنجم: (حُوَیرِث بن نقید) یہ شاعر تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں شعر کہتا تھا۔ اس لئے اس کا خون ہدر ہوا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کو قتل کیا۔ [۲]

۱۔ الصارم المسلول ص: ۱۲۶۔

۲۔ زرقانی ج ۲، ص: ۳۱۵

ششم : (مقیس بن صبابہ) یہ پہلے مسلمان ہو گیا تھا۔ غزوۂ ذی قعد میں ایک انصاری نے اُس کے بھائی ہشام کو دشمنوں میں سے سمجھ کر غلطی سے قتل کر دیا۔ آں حضرت صلی علیہ وسلّم نے دیت دلانے کا حکم دیا۔ مقیس نے دیت لینے کے بعد انصاری کو قتل کر دیا اور مرتد ہو کر مکہ چلا گیا۔ فتح مکہ کے دن آپ نے اُس کا خون مُباح کیا۔ غیلۃ عبداللہ لیثی نے اس کو قتل کیا۔ [۱]

مقیس بن صبابہ۔ بازار میں جاتا ہوا گرفتار ہوا مارا گیا [۲]

ہفتم : (عبداللہ بن سعد بن ابی سرح) یہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے کاتب الوحی تھے، مرتد ہو کر کفار سے جا ملے۔ عثمان غنی رضؓ کے رضاعی بھائی تھے فتح مکہ کے دن جان بچانے کی خاطر چھپ گئے۔ حضرت عثمان ان کو لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اس وقت لوگوں سے بیعت لے رہے تھے۔ عرض کیا یا رسول اللہ، عبداللہ حاضر ہے، اس سے بھی بیعت لے لیجئے۔ آپ نے کچھ دیر سکوت فرمایا۔ بالآخر جب حضرت عثمان نے آپ سے کئی بار درخواست کی تو آپ نے ابن ابی سرح سے بیعت لے لی اور اسلام قبول فرمایا۔ اس طرح اُن کی جان بخشی ہوئی بعد میں صحابہ سے فرمایا کہ تم میں کوئی سمجھدار نہ تھا کہ جب میں نے عبداللہ کی بیعت سے ہاتھ روک لیا تھا، اُٹھ کر اس کو قتل کر ڈالتا۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے اس وقت کوئی اشارہ کیوں نہ فرمایا۔ آپ نے کہا نبی کے لئے اشارہ بازی زیبا نہیں۔

اس مرتبہ عبداللہ بن ابی سرح نہایت سچائی کے ساتھ اسلام لائے اور کوئی بات بعد میں ظاہر نہیں ہوئی۔ حضرت عمر اور حضرت عثمان کے زمانۂ خلافت میں مصر وغیرہ کے والی اور حاکم رہے اور حضرت عثمان غنی کے زمانۂ خلافت ۲۶ھ یا ۲۷ھ میں افریقہ کی فتح کا سہرا انھیں کے سر رہا اور مال غنیمت جب تقسیم ہوا تو ایک ایک شخص کے حصہ میں تین ہزار دینار آئے حضرت عثمان کی شہادت کے بعد فتنوں سے بالکل علیحدہ رہے، حضرت علی اور حضرت معاویہ میں سے کسی کے ہاتھ پر بھی بیعت

---

[۱] ۔ فتح الباری، ج : ۸، ص ۹۱
[۲] ۔ البدایۃ والنہایۃ، ج : ۴، ص : ۲۹۸ ۔

نہیں کی حضرت معاویہ کی اخیر زمانہ امارت میں عسقلان میں وفات پائی وفات کا عجیب واقعہ ہے ایک روز صبح کو اٹھے اور یہ دعا مانگی۔

اللّٰھم اجعل آخر عملی الصبح اے اللہ میرا آخری عمل صبح کے وقت ہو۔

وضو کی اور نماز پڑھائی، دائیں جانب سلام پھیر کر بائیں جانب سلام پھیرنا چاہتے تھے کہ روح عالم بالا کو پرواز کر گئی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ[1]

ہشتم: (عکرمۃ بن ابی جہل) یہ بھی انھیں لوگوں میں سے تھے کہ جن کا خون فتح مکہ کے دن آپ نے مباح کیا تھا۔ عکرمہ ابوجہل کے فرزند تھے، باپ کی طرح یہ بھی آپ کے شدید ترین دشمن تھے۔ فتح مکہ کے بعد بھاگ کر یمن چلے گئے، عکرمہ کی بیوی ام حکیم بنت حارث بن ہشام اسلام لے آئیں اور بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر اپنے شوہر کے لئے امن کی درخواست کی رحمتِ عالم اور عفو مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرزند ابی جہل کے لئے امان کی درخواست کو فوراً منظور فرما لیا۔

عکرمہ بھاگ کر یمن کے ساحل پر پہنچے کشتی پر سوار ہو گئے کشتی کا چلنا تھا کہ تند ہواؤں نے آکر کشتی کو گھیر لیا۔ عکرمہ نے لات اور عزیٰ کو مدد کے لئے پکارا کشتی والوں نے کہا اس وقت لات اور عزیٰ کچھ کام نہ دیں گے۔ ایک خدا کو پکارو۔ عکرمہ نے کہا اگر خدا کی قسم اگر دریا میں کوئی چیز خدا کے سوا کام نہیں آسکتی تو سمجھ کہ خشکی میں بھی سوائے خدا کے کوئی چیز کام نہیں آسکتی اسی وقت سچے دل سے خدا کے ساتھ یہ عہد کر لیا۔

اللّٰھم لک عھد ان عافیتنی مما انا فیہ ان آتی محمدا حتی اضع یدی فی یدہٖ فلاجدنہ عفوا غفورا کریما۔

اے اللہ میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ اگر تو نے اس پریشانی سے نجات بخشی تو ضرور محمد رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیدوں گا اور یقیناً ان کو بڑا معاف کرنے والا درگزر کرنے والا اور مہربان پاؤں گا۔

(رواہ ابوداؤد والنسائی)

---

[1] الاصابہ، ج: ۲، ص: ۳۱۶، زرقانی ج ۲، ص: ۳۱۳

ادھر سے عکرمہ کی بیوی ام حکیم پہنچ گئیں اور کہا ؛

یا ابن عم جئتک من عند ابر الناس	اے ابن عم میں سب سے زیادہ نیکوکار اور سب سے زیادہ
و اوصل الناس وخیر الناس لا تہلک	صلہ رحمی کرنے والے اور سب میں بہتر شخص کے پاس
نفسک انی قد استأمنت لک رسول	آئی ہوں تو اپنے آپ کو ہلاکت مت کر میں نے تیرے
اللہ صلی اللہ علیہ و سلم	لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امان حاصل کیا ہے۔

یہ سن کر عکرمہ ام حکیم کے ساتھ ہولیا۔ راستہ میں مباشرت کا ارادہ کیا۔ ام حکیم نے کہا ابھی تو کافر ہے اور میں مسلمان ہوں عکرمہ نے کہا کس بڑی شئی نے تجھکو روکا ہے اور یہ کہہ کر مکہ کا قصد کیا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عکرمہ کے پہنچنے سے پہلے ہی صحابہ سے مخاطب ہوکر فرمایا؛

یاتیکم عکرمۃ مومنا فلا تسبوا	عکرمہ مؤمن ہوکر آرہا ہے لہٰذا اس کے باپ کو برا
اباہ فان سب المیت یؤذی الحی	نہ کہنا مردہ کو برا کہنے سے زندہ کو تکلیف ہوتی ہے۔

عکرمہ آپ کی خدمت میں پہنچے اور آپ کے سامنے کھڑے ہوگئے اور بیوی ساتھ تھی وہ نقاب ڈالے ہوئے ایک طرف کھڑی ہوگئی اور عرض کیا کہ یہ میری بیوی حاضر ہے اس نے مجھکو خبر دی ہے کہ آپ نے مجھکو امان دیا ہے۔ آپ نے فرمایا اس نے سچ کہا تجھکو امان ہے، عکرمہ نے کہا آپ کس چیز کی طرف بلاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اس امر کی شہادت دو کہ اللہ ایک ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اور نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اس کے علاوہ اور چند خصال اسلام کی تلقین فرمائی۔ عکرمہ نے کہا:

قد کنت الا الی خیر وامر حسن جمیل	بے شک آپ نے خیر اور مستحسن اور پسندیدہ امر ہی کی طرف
قد کنت فینا یا رسول اللہ قبل ان	دعوت دی ہے اور یا رسول اللہ اس دعوت حق سے
تدعونا وانت اصدقنا حدیثا وابرنا	بیشتر بھی آپ ہم میں سب سے زیادہ سچے اور نیکوکار تھے۔

اور اس کے بعد کہا۔ اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

کلمہ شہادت کے بعد عکرمہ نے کہا کہ میں اللہ کو اور تمام حاضرین کو گواہ بناتا ہوں کہ میں مسلمان اور

مجاہد اور مہاجر ہوں ۔ ۱ھ

اور یا رسول اللہ آپ سے میری یہ درخواست ہے کہ آپ میرے لئے استغفار فرمائیں ۔ آپ نے عکرمہ کے لئے دعاء مغفرت فرمائی ، عکرمہ نے عرض کیا یا رسول اللہ قسم ہے خداوند ذوالجلال کی جو خرچ میں نے خدا کی راہ سے روکنے کے لئے کیا اب میں خدا کی راہ میں بلانے کے لئے اس سے دو چند خرچ کروں گا ۔ اور جس قدر قتال خدا اور اس کے رسول کے خلاف میں کیا ہے اس سے دو چند قتال خداوند ذوالجلال کی راہ میں کروں گا اور جس جس مقام پر لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکا ہے اُس اُس مقام پر جاکر لوگوں کو اللہ کی طرف بلاؤں گا ۔ چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب مرتدین کے مقابلہ کے لئے لشکر روانہ کئے تو ان میں ایک لشکر کے سردار عکرمہ تھے الغرض باقی ساری عمر خدا اور اس کے رسول کے دشمنوں سے جہاد اور قتال میں گزاری ۔ صدیق اکبر کے زمانۂ خلافت میں جنگ اجنادین میں شہید ہوئے جسم پر تیر اور تلوار کے ستّر سے زیادہ زخم تھے ۔ ۲ھ

ام المؤمنین ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک بار یہ فرمایا کہ میں نے خواب میں ابو جہل کے لئے جنت میں ایک خوشہ دیکھا ۔ جب عکرمہ مسلمان ہوئے تو آپ نے ام سلمہ سے فرمایا اُس خواب کی تعبیر ہے (اصابہ ترجمہ عکرمہ)

عکرمہ کے مسلمان ہونے کے بعد یہ حالت تھی کہ جب تلاوت کے لئے بیٹھتے اور قرآن کریم کو کھولتے تو روتے اور غشی کی کیفیت ہوتی اور بار بار یہ کہتے ھذا کلام ربی یہ میرے پروردگار کا کلام ہے یہ میرے پروردگار کا کلام ہے ۔ ۳ھ

ایک روایت میں ہے کہ فتح مکہ میں عکرمہ کے ہاتھ سے ایک مسلمان شہید ہوا جب آپ کو یہ خبر دی گئی تو مسکرائے اور فرمایا کہ قاتل اور مقتول دونوں ہی جنت میں ہیں ۔ ۴ھ

اشارہ اس طرف تھا کہ عکرمہ فی الحال اگرچہ کافر ہیں لیکن عنقریب اسلام میں داخل ہوں گے ۔

۱ھ ۔ زرقانی ج : ۲ ، ص : ۳۱۴ ۔ ، ۲ھ ۔ الاستیعاب لابن عبد البر ، ج : ۳ ، ص : ۱۴۸

۳ھ ۔ احیاء علوم الدین ، ج : ۱ ، ص : ۲۵۴ ۔ ۴ھ ۔ مدارج النبوت ، ج : ۲ ، ص : ۳۹۳

نہم: (ہبار بن الاسود) اس کا جرم یہ تھا کہ مسلمانوں کو بہت ایذا میں پہنچاتا تھا۔ آپ کی صاحب زادی حضرت زینب زوجۂ ابو العاص بن ربیع جب ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ جارہی تھیں تو ہبار بن اسود نے مع چند اوباشوں کے جاکر راستہ میں حضرت زینب کے ایک نیزہ مارا جس سے وہ ایک پتھر پر گر پڑیں۔ حاملہ تھیں، حمل ساقط ہوگیا اور اسی بیماری میں انتقال فرمایا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

فتح مکہ کے دن آپ نے ہبار کا خون مباح فرمایا تھا۔ جب آپ جعرانہ سے واپس ہوئے تو ہبار حاضرِ خدمت ہوئے اور آکر آپ کے سامنے کھڑے ہوگئے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ ہبار بن اسود ہے، آپ نے فرمایا میں نے دیکھ لیا، حاضرین میں سے ایک شخص نے ہبار کی طرف اٹھنے کا قصد کیا تو آپ نے اشارہ سے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ ہبار بن اسود نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ — سلام ہو آپ پر اے اللہ کے نبی

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ قَدْ هَرَبْتُ منك في البلاد واردت اللحاق بالاعاجم ثم ذكرت عائدتك وصلتك وصفحك عمن جهل عليك وكنا يا نبي الله اهل شرك فهدانا الله بك وانقذنا من الهلكة فاصفح عن جهلي وعما كان يبلغك عني فاني مقر بسوء فعلي معترف بذنبي فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم قد عفوت عنك وقد احسن الله اليك اذ هداك للاسلام والاسلام يجب ما قبله [1]

دہم: (وحشی بن حرب) قاتل سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جس کا مفصل قصہ غزوۂ احد کے بیان میں گزر چکا ہے) بھاگ کر طائف پہنچے اور پھر وہاں سے مدینہ منورہ حاضرِ خدمت ہو کر اسلام قبول کیا اور قصور کی معافی چاہی۔

اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب مسیلمہ کذاب کے مقابلے کے لئے لشکر روانہ

---

[1] الاصابہ، ج ۲، ص: ۵۹۵

کیا تو ان میں وحشی بھی تھے، جس حربہ سے حضرت حمزہ کو شہید کیا تھا وہ ساتھ تھا، اسی حربہ سے مسیلمہ کذاب کو واصل جہنم اور یہ کہا کرتے تھے کہ اسی حربہ سے خیر الناس کو قتل کیا ہے اور اسی حربہ سے شر الناس کو قتل کیا ہے۔ (استیعاب لابن عبد البر ترجمہ وحشی بن حرب) ۵۱

یازدہم: (کعب بن زہیر) مشہور شاعر ہیں، آپ کی ہجو میں اشعار کہا کرتے تھے۔ حاکم کہتے ہیں کہ یہ بھی انھیں لوگوں میں سے ہیں جن کا خون آپ نے فتح مکہ کے دن ہدر کیا تھا یہ مکہ سے بھاگ گئے تھے، بعد میں مدینہ منورہ حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے اور آپ کی مدح میں قصیدہ کہا جو بانت سعاد کے نام سے مشہور ہے۔ ۵۲

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بہت خوش ہوئے اور اپنی چادر عنایت فرمائی

دوازدہم: (حارث بن طلاطل) یہ شخص آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کیا کرتا تھا۔ فتح مکہ کے دن حضرت علی نے اس کو قتل کیا۔ ۵۳

سیزدہم: (عبد اللہ بن زبعریٰ) یہ بڑے زبردست شاعر تھے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو اور مذمت میں شعر کہا کرتے تھے۔ سعد بن سیب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ابن زبعریٰ کے قتل کا حکم دیا۔ یہ بھاگ کر نجران چلے گئے، بعد میں تائب ہو کر حاضر خدمت ہوئے اور اسلام لائے اور معذرت میں اشعار کہے ۵۴

یا رسول الملیک اِنّ لسانی   راتِقٌ ما فتقتُ اِذْ اَنا بُورٌ

اے اللہ کے رسول میری زبان اُس نقصان کا جبر کردیگی جو میں نے اپنی ہلاکت اور گمراہی کے زمانہ میں پہنچایا ہے۔

آمَنَ اللحمُ وَالعظام بِرَبِّی   ثم قلبی الشَّہِیدُ اَنْتَ النَّذِیرُ

میرا گوشت اور میری ہڈیاں پروردگار پر ایمان لے آئیں، پھر میرا دل شہادت دیتا ہے کہ آپ خدا کے بشیر و نذیر ہیں۔

(سیرۃ ابن ہشام)

۵۱۔ زرقانی، ج ۲، ص: ۲۱۶   ۵۲۔ فتح الباری، ج ۸، ص: ۱۰۔ الاستیعاب ص: ۲۹

۵۳۔ فتح الباری، ج ۸، ص: ۱۰   ۵۴۔ الصارم المسلول، ص: ۱۴۳

چہاردہم: (ہبیرۃ بن ابی وہب مخزومی) یہ بھی انھیں شعراء میں سے تھا جو آپ کی ہجو میں شعر کہا کرتے تھے فتح مکہ کے دن نجران کی طرف بھاگ نکلا اور وہیں کفر کی حالت میں مرا۔ (سیرۃ ابن ہشام اصابہ، ترجمہ ہند بنت ابی طالب جو ام ہانی کے کنیت سے مشہور ہیں ہبیرۃ بن ابی وہب کی بیوی تھیں[۵۱]

پانزدہم: (ہندہ بنت عتبہ زوجۂ ابی سفیان) یہ وہی ہندہ ہے کہ جس نے معرکۂ اُحد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا جگر نکال کر چبایا تھا۔ ہندہ بھی انھیں عورتوں میں داخل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن جن کے قتل کا حکم دیا تھا۔ ہندہ آں حضرت کو بہت ایذا دیتی تھی۔ ہندہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت کی اور اسلام قبول کیا۔ اور گھر جاکر تمام بتوں کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور یہ کہا خدا کی قسم تمھاری ہی وجہ سے ہم دھوکہ میں تھے[۵۲]

یہ پندرہ اشخاص ناقابل عفو مجرم تھے ان کا جرم نہایت سنگین تھا جس نے اپنے قصور کا اعتراف کیا اور تائب ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اس کو امن ملا۔ اور جو اپنی بغاوت اور سرکشی پر قائم رہا وہ قتل ہوا۔

اب ہم اس کے بعد۔ اُن چند معززین قریش کا ذکر کرتے ہیں کہ جو فتح مکہ کے موقع پر مشرف باسلام ہوئے۔

اسلام ابی قحافہ

یعنی ابوبکر صدیق اکبرؓ کے باپ کے مسلمان ہونے کا واقعہ

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں تشریف فرما تھے کہ ابوبکر صدیق اپنے بوڑھے باپ کو لئے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے سامنے بٹھلا دیا آپ نے فرمایا،

۵۱۔ سیرۃ ابن ہشام، واصابہ، ج ۴، ص: ۴۲۵

۵۲۔ سیرۃ ابن ہشام، واصابہ، ج ۴، ص: ۴۲۵

هلا ترکت الشیخ فی بیتہ حتی اکون انا آتیہ فیہ

اے ابوبکر تو نے اس بوڑھے کو گھر ہی میں کیوں نہ رہنے دیا میں خود ہی اس کے پاس آجاتا۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔

یارسول اللہ ھو احق ان یمشی الیک من ان تمشی الیہ انت

یارسول اللہ بجائے اس کے کہ آپ چل کر میرے باپ کے پاس جائیں بہتر یہی ہے کہ میرا باپ خود پاپیادہ چل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو۔

بعد ازاں آپ نے ابوقحافہ کے سینہ پہ دستِ مبارک پھیرا اور اسلام کی تلقین کی۔ ابو قحافہ نے اسلام قبول کیا۔ بڑھاپے کی وجہ سے تمام چہرہ اور سر سفید تھا آپ نے خضاب کیلئے ارشاد فرمایا اور یہ تاکید فرمادی کہ سیاہی سے بالکل دور رکھنا۔ یعنی سیاہ خضاب ہرگز استعمال نہ کرنا۔[۵۱]

علامہ حلبی سیرت حلبیہ میں لکھتے ہیں کہ جب ابوقحافہ اسلام لے آئے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق کو مبارک باد دی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ قسم ہے اُس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا۔ ابوطالب اگر اسلام لے آتے تو میری آنکھیں زیادہ ٹھنڈی ہوتیں۔[۵۲]

اسلام صفوان بن امیۃ

صفوان بن امیۃ سرداران قریش میں سے تھے جو دوسخا میں مشہور تھے فیاض اور مہمان نوازی میں یہ گھرانہ ممتاز تھا۔ ان کا باپ امیۃ بن خلف جنگ بدر میں مارا گیا۔ فتح مکہ کے دن صفوان بن امیہ جدہ بھاگ گئے۔ اُن کے چچا زاد بھائی عمیر بن وہب نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہوکر صفوان کے لئے امن کی درخواست کی آپ نے امان دیا اور بطور علامت اپنا عمامہ یا چادر بھی عنایت فرمائی۔ عمیر جاکر ان کو جدہ سے واپس لائے۔ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوکر عرض کیا۔ اے محمد۔

۵۱۔ روض الانف ج ۲، ص: ۲۷۰

۵۲۔ سیرۃ حلبیہ، ج ۲، ص ۲۱۲ ۵۳۔ ابن ہشام ص۴۳ ج ۴

عمیر یہ کہتا ہے کہ آپ نے مجھکو امن دیا ہے آپ نے فرمایا ہاں۔ صفوان نے کہا مجھکو سوچنے کے لئے دو ماہ کی مہلت دیجئے آپ نے فرمایا تجھکو چار مہینے کی مہلت ہے فی الحال مسلمان نہیں ہوئے۔

مگر غزوۂ حنین میں آپ کے ہمراہ رہے، آپ نے کچھ زرہیں ان سے بطور عاریت لیں۔ حنین میں پہنچ کر ان کی زبان سے یہ لفظ نکلے۔

کان یربنی رجل من قریش۔	قریش میں کا کوئی شخص میری تربیت کرے وہ میرے
احب الی من ان یربنی رجل	نزدیک زیادہ محبوب ہے اس سے کہ قبیلہ ہوازن کا کوئی
من ھوازن	آدمی میری تربیت کرے

حنین سے واپسی میں آپ نے صفوان کو بے شمار بکریاں عطا فرمائیں۔ صفوان نے ان بکریوں کو دیکھکر کہا۔ خدا کی قسم اتنی سخاوت سوائے نبی کے کوئی نہیں کرسکتا اور مسلمان ہو گئے۔ (استیعاب و اصابہ ترجمہ صفوان بن امیہ)

اسلام سُہَیل بن عمرو

آپ مکہ کے اشراف اور سادات میں سے تھے خطیب قریش کے نام سے مشہور تھے۔ صلح حدیبیہ میں انھیں کو آتے دیکھکر آپ نے فرمایا تھا۔

قد سھل من امرکم	اب تمھارا معاملہ کچھ سہل ہوگیا۔

فتح مکہ کے دن سہیل نے اپنے بیٹے عبداللہ کو بارگاہِ نبوت میں بھیجا کہ جاکر آپ سے میرے امن حاصل کرے، آپ نے اس کو امن دیا اور صحابہ سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا۔

من لقی سھیل بن عمرو فلا یحد	جو شخص سہیل سے ملے وہ اس کی طرف تیز نظروں سے
الیہ النظر فلعمری ان سھیلا	نہ دیکھے، قسم ہے میری زندگی کی تحقیق سہیل بڑا عاقل
لہ عقل وشرف وما مثل سھیل	اور شریف ہے، سہیل جیسا شخص اسلام سے جاہل اور
یجھل الاسلام	بے خبر نہیں رہ سکتا۔

سہیل نے فی الحال اسلام قبول نہیں کیا۔ غزوۂ حنین میں آپ کے ساتھ رہے اور جعرانہ میں مشرف باسلام ہوئے۔[1]

اور قسم کھائی کہ جس قدر مشرکین کے ساتھ ہو کر جنگ کی ہے اسی قدر اب مسلمانوں کے ساتھ ہو کر جنگ کروں گا اور جتنا مال مشرکین پر خرچ کیا ہے اتنا ہی مسلمانوں پر خرچ کروں گا۔[2]

ایک دن حضرت عمرؓ کے دروازہ پر لوگوں کا مجمع تھا ملاقات کے منتظر تھے۔ سہیل بن عمرو ابو سفیان بن حرب اور دیگر مشائخ قریش بھی موجود تھے۔ دربان نے جب اطلاع کی تو صہیب اور بلال اور دیگر اہلِ بدر کو اندر بلا لیا گیا۔ اور سہیل اور ابو سفیان اور مشائخ قریش کو چھوڑ دیا گیا! ابو سفیان نے کہا آج جیسا منظر تو میں نے کبھی دیکھا ہی نہیں۔ غلاموں کو تو بلایا جا رہا ہے اور ہماری طرف التفات بھی نہیں۔ اس موقع پر سہیل نے جو عاقلانہ اور دانشمندانہ جواب دیا وہ دلوں کی تختیوں پر کندہ کرانے کے قابل ہے۔ سہیل نے ابو سفیان اور دیگر مشائخ قریش کو مخاطب کر کے کہا۔

اے قوم خدا کی قسم ناگواری اور غصہ کے آثار تمہارے چہروں پر نمایاں دیکھ رہا ہوں بجائے اس کے کہ تم دوسروں پر غصہ کرو تم کو خود اپنے نفسوں پر غصہ کرنا چاہیئے اس لئے کہ دین حق کی دعوت ان لوگوں کو بھی دی گئی اور تم کو بھی یہ لوگ سنتے ہی دوڑ پڑے اور تم نے پس و پیش کی اور پیچھے رہے۔ خدا کی قسم جس شرف اور فضیلت کو یہ لوگ لے دوڑے تمہارا اُس شرف سے محروم رہ جانا میرے نزدیک اس دروازہ کی محرومی سے کہیں زیادہ سخت ہے جس پر تم آج رشک کر رہے ہو۔ اے قوم یہ لوگ تم سے سبقت لے گئے جو تمہاری نظروں کے سامنے ہیں۔ اور تمہارے لئے اس شرف اور فضیلت کے حاصل ہونے کی اب کوئی سبیل نہیں۔ اس کھوئے ہوئے شرف کے تدارک اور تلافی کی اگر کوئی صورت ہے تو صرف جہاد فی سبیل اللہ اور خدا کی راہ میں جانبازی اور سرفروشی ہے۔ اس کے لئے تیار ہو جاؤ عجب نہیں کہ حق تعالیٰ شانہ تم کو شہادت کی دولت و نعمت سے مالامال فرمائے۔

سہیل نے اپنی تقریر دلپذیر کو ختم کیا اور دامن جھاڑ کر اسی وقت جہاد فی سبیل اللہ کے لئے کھڑے

---

[1] سیرۃ حلبیہ ج: ۳، ص: ۲۲۶ [2] اصابہ، ج ۲، ص: ۹۴

ہو گئے اور مع خاندان اور اہل وعیال کے رومیوں سے مقابلہ کے لئے شام کی طرف روانہ ہوتے۔ اور جنگ یرموک میں شہید ہوئے اور بعض کہتے ہیں کہ طاعون عمواس میں وفات پائی بہر حال مقصد ہر صورت میں حاصل ہے، طاعون کی موت بھی شہادت ہے۔ (استیعاب لابن عبدالبر ترجمۂ سہیل بن عمرو رضی)

اسلام عتبہ ومعتب پسران ابی لہب

حضرت عباس رضی راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ کو فتح کرنے کے لئے تشریف لائے تو مجھ سے یہ فرمایا کہ تمھارے دونوں بھتیجے عتبہ ومعتب پسران ابی لہب کہاں ہیں وہ مجھے دکھائی نہیں دیئے آخر وہ دونوں کہاں ہیں میں نے عرض کیا کہ جو مشرکین قریش روپوش ہو گئے ہیں انھیں کے ساتھ یہ دونوں بھی کہیں دور چلے گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ان دونوں کو میرے پاس لاؤ۔ میں آپ کے ارشاد کے مطابق سوار ہو کر مقام عرنہ گیا اور وہاں سے دونوں کو اپنے ساتھ لایا۔ آپ نے اُن کے سامنے اسلام پیش کیا دونوں نے اسلام قبول کیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، پھر آپ کھڑے ہو گئے اور دونوں کے ہاتھ پکڑے ہوئے باب کعبہ کے قریب ملتزم پر آئے اور دیر تک دعا مانگتے رہے پھر وہاں سے واپس ہوئے اور چہرۂ انور پر مسرت کے آثار نمایاں تھے حضرت عباس کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ مسرور رکھے آپ کے چہرہ کو مسرور دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار سے یہ درخواست کی تھی کہ مجھکو میرے چچا کے یہ دونوں بیٹے عتبہ اور معتب مجھ کو عطا کر دیئے جائیں سو اللہ تعالیٰ نے مجھ کو یہ دونوں عطا کر دیئے اور میرے لئے ان دونوں کو ہبہ کر دیا۔ [1] (1۔ الخصائص الکبریٰ، ج:۱، ص: ۲۶۴)

اسلام معاویہ

بعض کہتے ہیں کہ معاویہ فتح مکہ میں اسلام لائے مگر صحیح یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد اسلام

لائے مگر اپنے اسلام کو مخفی رکھا اور فتح مکہ میں اس کا اظہار کیا۔[۱]

ام المومنین ام حبیبہ بنت ابی سفیان حضرت معاویہ کی بہن تھیں اور ماں کا بھائی ماموں ہوتا ہے اس لئے حضرت معاویہ خال المومنین ہوئے یعنی تمام مسلمانوں کے ماموں ہوئے اور جس طرح اہل بیت اور ذوی القربیٰ سے محبت رکھنا مومن پر فرض اور لازم ہے اسی طرح حضور پرنور کے خسر اور برادر نسبتی اور سسرالی رشتہ داروں سے بھی محبت فرض اور لازم ہے۔

ابوسفیان بن حرب۔ آپ کی زوجۂ مطہرہ ام حبیبہ کے والد محترم ہیں اور معاویہ ام حبیبہ کے بھائی ہیں، ان سے محبت رکھنا فرض ہے اور ان سے کینہ اور عداوت رکھنا حرام ہے اور اسلام سے پہلے جو ہو چکا وہ سب معاف ہے اور اسلام سے پہلی باتوں کا ذکر کرنا از روئے قرآن و حدیث قطعاً ممنوع ہے۔

بُت خانوں کی تخریب کے لئے سرایا کی روانگی

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتح کے بعد تقریباً پندرہ روز مکہ میں مقیم رہے جو بت خانہ کعبہ میں تھے ان کو منہدم کرایا اور یہ منادی کرادی۔

من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلا یدع فی بیتہ صنما	جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے گھر میں کوئی بُت باقی نہ چھوڑے۔

جب مکہ مکرمہ بتوں سے پاک ہو گیا اور اس کے تمام بُت گرا دیئے گئے تو مکہ کے اطراف و اکناف میں بتوں کے منہدم کرنے کے چھوٹی چھوٹی جماعتیں روانہ فرمائیں۔

ھدم عزیٰ۔ ھدم سواع

۲۵ رمضان ۸ھ کو خالد بن ولید کو تیس سواروں کی جمعیت کے ساتھ عزیٰ کو منہدم

---

[۱]۔ اصابہ ج: ۳، ص: ۴۳۳

کرنے کے لئے مقام نخلہ کی طرف روانہ فرمایا۔ اس مقام تک مکہ سے ایک شب کا راستہ ہے اور عمرو بن العاص رضؓ کو سُوَاع کے منہدم کرنے کے لئے بھیجا یہ مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر تھا۔ عمرو بن العاص جب وہاں پہنچے تو اُس بت کے مجاور نے ان سے کہا تم کس ارادہ سے آئے عمرو بن العاص نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس بُت کو منہدم کرنے آیا ہوں عمرو کا یہ جواب سن کر مجاور نے کہا تم اس پر کبھی قادر نہ ہوسکو گے خداوند سواع تم کو خود روک دے گا عمرو بن العاص نے کہا افسوس تو ابھی تک اسی خیال باطل میں پھنسا ہوا ہے کیا یہ سنتا اور دیکھتا ہے جو مجھکو روک دے گا یہ کہہ کر اس پر ایک ضرب لگائی جس سے ان کا خداوند سُواع پاش پاش ہوگیا اور مجاور سے مخاطب ہو کر کہا تو نے دیکھ لیا مجاور یہ دیکھتے ہی فوراً مسلمان ہوگیا اور کہا اسلمت للہ میں اسلام لایا اللہ کے لئے۔

ھدم مَناۃ

اور ۲۶ رمضان المبارک کو سعد بن زید اشہلی کو مَناۃ کے منہدم کرنے کے لئے مقام مُشَلَّل کی طرف روانہ کیا اور بیس سوار آپ کے ہمراہ کیئے [۵]

غرض یہ کہ رمضان کا تمام مبارک مہینہ اسی بت شکنی یعنی ارض اللہ سے کفر و شرک کی نجاست کے دھلوانے میں صرف ہوا۔

ماہ شوال میں محض تبلیغ اسلام اور دعوت حق کے لئے ساڑھے تین سو مہاجرین و انصار کو خالد بن ولید رضؓ کے زیر کمان بنی جذیمہ کی طرف بھیجا۔ یہ لوگ یلملم کے قریب ایک تالاب کے کنارہ جس کا نام غمیصا ہے وہاں رہتے تھے، خالد بن ولید نے جاکر ان کو اسلام کی دعوت دی گھبراہٹ میں اچھی طرح یہ تو نہ کہہ سکے کہ ہم مسلمان ہیں یہ کہنے لگے صَبَأْنَا صَبَأْنَا ہم نے اپنا پہلا دین چھوڑ دیا۔ خالد بن ولید نے اس کو کافی نہ سمجھا بعض کو قتل کیا اور بعض کو گرفتار۔ جب آنحضرت

۵۔ زرقانی، ج: ۲، ص: ۳۴۷

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور واقعہ بیان کیا تو آپ نے ہاتھ اُٹھا کر دو مرتبہ یہ فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَبْرَأُ اِلَیْکَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ۔ اے اللہ میں اس سے بالکل بری ہوں جو خالد نے کیا۔ بخاری و فتح الباری ج ۸ ص ۴۵

پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو روپیہ دے کے بنو جذیمہ میں بھیجا تاکہ ان کا خون بہا ادا کر آئیں حضرت علی نے جا کر اُن کا خوں بہا ادا کیا۔ اور جب تحقیق اور دریافت کے بعد یہ اطمینان ہو گیا کہ اب کسی کا خون بہا باقی نہیں رہا تو جو روپیہ باقی بچ رہا تھا وہ بھی احتیاطاً انھیں پر تقسیم کر دیا۔ واپس ہو کر جب بارگاہِ نبوی میں سارا قصّہ بیان کیا تو آپ بیحد مسرور ہوئے اور یہ فرمایا،

اَصَبْتَ وَاَحْسَنْتَ [۱]

غزوۂ حنین واوطاس و طائف

یوم شنبہ ۶ شوال ۸ھ

حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام کا نام ہے جہاں قبائل ہوازن و ثقیف آباد تھے۔ یہ قبائل نہایت جنگجو اور ماہر تیر انداز تھے فتح مکہ سے یہ خیال پیدا ہوا کہ کہیں آپ ہم پر حملہ نہ کر دیں، اس لئے مشورہ سے یہ طے پایا کہ قبل اس کے کہ آپ ہم پر حملہ آور ہوں ہمیں کو چل کر آپ پر حملہ کر دینا چاہیئے، چنانچہ ان کا سردار، مالک بن عوف نصری بیس ہزار آدمیوں کی جمعیت لیکر آپ پر حملہ کرنے کے لئے چلا۔

درید بن صمہ سردار بنی جشم اگرچہ پیرانہ سالی کی وجہ سے حس و حرکت بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن بوڑھے اور تجربہ کار اور جہاں دیدہ اور جنگ آزمودہ ہونے کی وجہ سے اس کو بھی ساتھ لے لیا تاکہ صلاح اور مشورہ میں اُس سے مدد ملے۔

مالک بن عوف نے تمام سپہ گروں کو یہ تاکید کر دی تھی کہ ہر شخص کے اہل و عیال اس کے

---

[۱] زرقانی ج ۳، ص ۳۱

ساتھ رہیں تاکہ خوب جم کر مقابلہ کریں اور کوئی شخص اپنے اہل وعیال کو چھوڑ کر بھاگ نہ سکے۔ جب وادی اوطاس میں پہنچے تو درید نے دریافت کیا یہ کونسا مقام ہے، لوگوں نے کہا یہ مقام اوطاس ہے، درید نے کہا۔ یہ مقام جنگ کے لئے نہایت موزوں اور مناسب ہے، یہاں کی زمین نہ بہت سخت ہے اور نہ بہت نرم کہ پاؤں دھنس جائیں پھر کہا۔

مالی اسمع رُغاء البعیر و	یہ کیا ہے کہ اونٹوں کا بولنا اور گدھوں کا چیخنا
نهاق الحمیر و یعار الشاءِ وَ	اور بکریوں کا آواز کرنا اور بچوں کا رونا اور بلبلانا
بکاء الصغیر	سن رہا ہوں۔

لوگوں نے کہا یہ مالک بن عوف لوگوں کو مع اہل وعیال اور مع جان ومال لے کر آیا ہے تاکہ لوگ ان کے خیال سے سینہ سپر ہو کر لڑیں۔

درید نے کہا سخت غلطی کی کیا شکست کھانے والا کچھ واپس لے کر جاتا ہے۔ جنگ میں سوائے نیزہ اور تلوار کے کوئی شئی کام نہیں آتی۔ اگر تجھ کو شکست اور ہزیمت ہوئی تو تمام اہل وعیال کی ذلت ورسوائی کا باعث ہوگا۔ بہتر یہ ہے کہ تمام اہل وعیال کو لشکر کے پیچھے رکھا جائے۔ اگر فتح تو سب آملیں گے اور اگر شکست ہوئی تو بچے اور عورتیں دشمن کی دستبرد سے محفوظ رہیں گے۔ بگر مالک بن عوف نے جوش شباب میں اس طرف التفات نہ کیا اور کہا خدا کی قسم میں ہرگز اپنی رائے سے نہ ٹلوں گا بڑھاپے سے اس کی عقل خراب ہو چکی ہے۔ ہوازن وثقیف اگر میری رائے پر چلیں تو فبہا ورنہ میں ابھی خودکشی کر لیتا ہوں سب نے کہا ہم تیرے ساتھ ہیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان حالات اور واقعات کی اطلاع پہنچی تو عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی کو تحقیق وتفتیش کے لئے روانہ فرمایا۔ عبداللہ نے ایک دو روز ان میں رہ کر تمام حالات معلوم کئے اور آکر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی جنگی تیاریوں کی اطلاع دی۔ تب آپ نے بھی مقابلے کا سامان شروع کیا۔ صفوان نے امیہ سے سو زرہیں مع ساز وسامان کے مستعار لیں۔

۶ شوال ۸ھ یوم شنبہ کو بارہ ہزار آدمیوں کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوئے اور حنین کا قصد فرمایا

دس ہزار جاں باز و جان نثار تو وہی تھے جو مدینہ سے آپ کے ہمراہ آئے تھے اور بعض غیر مسلم (سیرت ابنِ ہشام)

بارہ ہزار کا یہ لشکر جرار جب حنین کی طرف بڑھا تو ایک شخص کی زبان سے یہ لفظ نکلے۔

لن نغلب الیوم من قلۃ — آج ہم قلت کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے۔

جس میں شائبہ فخر اور اعجاب (خود پسندی) کا تھا جو حق تعالٰی کو ناپسند ہے۔ عالم اسباب میں چونکہ قلت بھی باعث ہزیمت ہوتی ہے اس لئے اس کثرت کو دیکھ کر بعض صحابہ کی زبان پر یہ لفظ آ گئے کہ آج ہم قلت کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے۔ یعنی اگر آج ہم مغلوب ہوئے تو یہ ہماری مغلوبی قلت کی وجہ سے نہ ہوگی بلکہ اللہ تعالٰی کی طرف سے ہوگی فتح و نصرت اسی کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن بارگاہِ احدیت میں یہ کلام ناپسند ہوا۔

اس لئے کہ اس میں یہ ایہام تھا کہ کامرانی اور کامیابی غلبہ اور فتحیابی کا سبب کثرت ہے، خصوصاً وہ حضرات کہ جو توحید و تفرید کی منزلیں خانقاہ نبوت و رسالت میں روکر طے کر چکے ہوں ان میں سے کسی ایک کی زبان سے بھی ایسا موہم لفظ نکلنا ان کے شایان شان نہیں۔ عجب نہیں کہ جو لوگ فتح مکہ میں مسلمان ہوئے تھے اور آپ کے ہمراہ تھے اور ہنوز اسلام ان کے دلوں میں راسخ نہ ہوا تھا یہ ان کی صحبت کا اثر ہے

سنن نسائی میں ہے کہ ایک مرتبہ صبح کی نماز میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ رُوم پڑھنا شروع کی اثنا قرأت میں آپ کو کچھ خلجان اور التباس و اشتباہ پیش آیا، جب نماز سے فارغ ہوئے تو یہ ارشاد فرمایا،

ما بال اقوام یصلون معنا لا یحسنون الطھور وانما یلبس علینا القرآن اولئک	کیا حال ہے لوگوں کا کہ ہمارے ساتھ نماز پڑھنے کھڑے ہو جاتے اور وضو ٹھیک طرح نہیں کرتے جز ایں نیست کہ ایسے ہی لوگ ہمارے پڑھنے میں گڑبڑ کر دیتے ہیں

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاطر عاطر کی کدورت اور

التباسِ قرأت کی علت نقطان لوگوں کی صحبت و معیت تھی کہ جو وضوء کے پورے آداب و مستحب بجا نہیں لائے تھے عیاذاً باللہ ان میں کوئی بے وضو نہ تھا۔ سب باوضو تھے مگر بعض نمازیوں کی وضوء میں وضارت یعنی صرف حسن اور جمال کی کمی تھی۔ جس سے آپ کا قلب منور متاثر ہوا اب اس سے مشرکین اور مبتدعین زنادقہ اور ملحدین کی صحبت کے اثر اور ضرر کا اندازہ لگائیے۔ علامہ طیبی طیّب اللّٰہ ثراہٗ وجعل الجنۃ مثواہٗ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ سنن اور آداب کے انوار و برکات دوسروں تک سرایت کرتے ہیں اور ان کے ترک سے فتوحاتِ غیبیہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور بعض اوقات اس کا اثر دوسروں تک متعدی ہوتا ہے کہ اس شخص کی وجہ سے دوسرا شخص خیرات و برکات اور انوار و تجلیات محروم ہو جاتا ہے۔ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ پر جو رنگ تھا وہ سرورِ کائنات منبع الخیرات والبرکات علیہ افضل الصلوات والتحیات کی صحبت کا اثر تھا۔ مگر اس وقت اس اجنبی صحبت کے اثرات سے بلا اختیار یہ کلمہ زبان سے نکل گیا۔

اندکے پیش تو گفتم غمِ دل ترسیدم — کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار ست

الغرض یہ کلمہ بارگاہِ خداوندی میں پسند نہ آیا۔ اور بجائے فتح کے پہلے ہی دہلہ میں شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ کما قال تعالیٰ

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ ۞ ثُمَّ أَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنزَلَ جُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَذَٰلِكَ

اور حنین کے دن جبکہ تمھاری کثرت نے تم کو خود پسندی میں ڈال دیا پس وہ کثرت تمھارے کچھ کام نہ آئی اور زمین با وجود وسیع ہونے کے تم پر تنگ ہوگئی پھر تم پشت پھیر کر بھاگے اس کے بعد اللہ نے اپنی خاص تسکین اتاری اپنے رسول پر اور اہل ایمان کے قلوب پر اور ایسے لشکر اتارے جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو سزا دی اور

جَزَآءُ الْکٰفِرِیْنَ ۝ [۵۰] یہی سزا ہے کافروں کی۔

لشکرِ اسلام سہ شنبہ کی شام کے وقت وادیٔ حنین میں پہنچا۔ قبائل ہوازن و ثقیف دونوں جانب کمینگاہوں میں چھپے بیٹھے تھے۔ مالک بن عوف نے ان کو پہلے سے یہ ہدایت کردی تھی کہ تلواروں کے نیام سب توڑ کر پھینک دو اور لشکرِ اسلام جب اُدھر سے آئے تو بیس ہزار تلواروں سے ایک دم ان پر ہلّہ بول دو چنانچہ صبح کی تاریکی میں جب لشکرِ اسلام اس درہ سے گزرنے لگا تو بیس ہزار تلواروں سے دفعۃً حملہ کر دیا جس سے مسلمانوں کا لشکر سراسیمہ اور منتشر ہوگیا اور صرف دس بارہ شیدایانِ نبوت اور جان بازانِ رسالت آپ کے پہلو میں رہ گئے اُس وقت آپ کے ہمراہ ابوبکر و عمر و علی و عباس و فضل بن عباس و اسامہ بن زید اور چند آدمی تھے۔ حضرت عباس آپ کے خچر کی لگام تھامے ہوئے تھے اور ابوسفیان بن حارث رکاب پکڑے ہوئے تھے۔

جو لوگ مکہ سے آپ کے ساتھ آئے تھے وہ اچانک ہزیمت سے آپس میں چہ می گوئیاں کرنے لگے۔ ابوسفیان بن حرب (امیر معاویہ رض کے باپ) نے کہا کہ اب یہ ہزیمت دریا سے ورے نہیں تھمتی اور کلدۃ بن حنبل نے خوشی میں چلا کر یہ کہا۔ آج سحر کا خاتمہ ہوا۔

صفوان بن امیہ نے کہا حالانکہ وہ اس وقت مشرک تھے۔ خاموش اللہ تیرے منہ کو بند کرے میرے نزدیک یہ زیادہ عزیز ہے کہ قریش کا کوئی آدمی میرا والی اور مربی ہو اس سے کہ قبیلہ ہوازن کا کوئی شخص میری تربیت کرے شیبۃ بن عثمان بن ابی طلحہ نے کہا آج میں محمد سے اپنے باپ کا بدلہ لوں گا۔ اس کا باپ جنگِ اُحد میں مارا گیا تھا۔ جب آپ کی طرف بڑھا تو فوراً غشی طاری ہوگئی اور آپ تک نہ پہنچ سکا۔ سمجھ گیا کہ مجھکو من جانب اللہ آپ تک پہنچنے سے روکا گیا ہے بعد میں مشرف باسلام ہوئے۔

الغرض جب قبائل ہوازن و ثقیف نے کمینگاہوں سے نکل کر ایک دم حملہ بول دیا اور مسلمانوں پر ہر طرف سے بارش کی طرح تیر برسنے لگے تو پیر اُکھڑ گئے، صرف رفقاء خاص آپ کے پاس رہ گئے

---

[۵۰] - توبہ، آیۃ: ۲۵، ۲۶

آپؐ نے تین بار پکار کے فرمایا اے لوگو ادھر آؤ میں اللہ کا رسول اور محمد بن عبداللہ ہوں

انا النبی لاکذب　　　انا ابن عبدالمطلب

میں سچا نبی ہوں اللہ نے مجھ سے جو فتح و نصرت اور میری عصمت[3] و حمایت کا وعدہ کیا ہے وہ بالکل حق ہے اس میں کذب کا امکان نہیں ۔ اور میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

حضرت عباس بلند آواز تھے ان کو حکم دیا کہ مہاجرین وانصار کو آواز دیں انھوں نے باآواز بلند یہ نعرہ لگایا۔

یا معشر الانصار　　　اے گروہ انصار

یا اصحاب السمرۃ　　　اے وہ لوگو جنھوں نے کیکر کے درخت کے نیچے بیعت رضوان کی تھی

آواز کا کانوں میں پہنچنا تھا کہ ایک دم سب پلٹ پڑے اور منٹوں میں پروانہ وار آکر شمع نبوت کے گرد جمع ہو گئے ۔ آپ نے مشرکین پر حملہ کا حکم دیا۔ جب گھمسان کی لڑائی شروع ہوگئی اور میدانِ کارزار گرم ہو گیا تو آپ نے ایک مشت خاک لے کر کافروں کی طرف پھینکی اور یہ فرمایا۔

شاهت الوجوه　(رواہ مسلم)　بگڑے ہوئے یہ چہرے

صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے مشت خاک پھینکنے کے بعد یہ فرمایا:

انهزموا ورب محمد　　　قسم ہے رب محمد کی انھوں نے شکست کھائی۔

کوئی انسان ایسا نہ رہا کہ جس کی آنکھ میں اس مشت خاک کا عمل نہ پہنچا ہو۔ اور ایک لمحہ نہ گزرا تھا کہ دشمنوں کے قدم اکھڑ گئے، بہت سے بھاگ گئے اور بہت سے اسیر کر لئے گئے اسی بارے میں اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ

---

[1] تاریخ ابن الاثیر　　[2] ۔ بخاری ومسلم۔

[3] ۔ اشارۃ الی قولہ تعالےٰ　واللہ یعصمك من الناس

الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكَافِرِيْنَ ۔ لہ (ترجمہ قریب میں گذر لیے)

ادھر آپ نے ایک مشت خاک پھینکی اور اُدھر بہادران اسلام نے محض اللہ کی نصرت اور اعانت پر بھروسہ کرکے حملہ کیا۔ دم کے دم میں کایا پلٹ ہوگئی۔ بہادرانِ ہوازن کے باوجود قوت اور شوکت کے پیر اکھڑ گئے اور مسلمانوں نے ان کو گرفتار کرنا شروع کردیا۔ دشمن کے ستر آدمی معرکہ میں کام آئے اور بہت سے گرفتار ہوئے اور بہت کچھ مال واسباب ہاتھ آیا۔ لہ

جبیر بن مطعم راوی ہیں۔ کہ ہوازن کی شکست اور پسپائی سے کچھ ہی پہلے ایک سیاہ چادر میں نے آسمان سے اترتی دیکھی۔ وہ چادر ہمارے اور دشمن کے مابین آکر گری۔ دفعتہً اس میں سے سیاہ چیونٹیاں نکلیں اور تمام وادی میں پھیل گئیں۔ مجھکو اُن کے فرشتے ہونے میں ذرہ برابر شک نہ تھا ان کا اُترنا تھا کہ دشمنوں کو شکست ہوئی سہ

شکست کے بعد ہوازن و ثقیف کا سردار اور سپہ سالار مالک بن عوف نصری ایک جماعت کے ساتھ بھاگا اور طائف میں جاکر دم لیا۔ اور درید بن صمہ اور کچھ لوگوں نے بھاگ کر مقام اوطاس میں پناہ لی اور کچھ لوگ بھاگ کر مقام نخلہ میں پہنچے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو موسیٰ اشعری کے چچا ابو عامر اشعری کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ اوطاس کی طرف روانہ کیا۔ جب مقابلہ ہوا تو درید بن صمہ۔ ربیعہ بن رُفیع رضہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔

سلمہ بن درید نے ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کے گھٹنہ میں ایک تیر مارا جس سے وہ شہید ہوگئے ابو موسیٰ اشعری نے بڑھ کر رائت اسلام سنبھالا اور نہایت شجاعت اور بہادری سے مقابلہ کیا اور اپنے چچا کے قاتل کو قتل کیا۔ یہاں تک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی ہہ

لہ۔ سورۂ توبہ، آیتہ: ۲۵، ۲۶ — لہ عیون الاثر ج: ۲، ص: ۱۹۲

سہ۔ فتح الباری ج ۸، ص: ۳۴ — ہہ۔ ایضاً

ابو عامر اشعری نے مرتے وقت ابو موسیٰ اشعری سے کہا کہ اے بھتیجے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا سلام عرض کرنا اور یہ کہنا کہ میرے لئے دعائے مغفرت فرمائیں۔ ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ میں نے جاکر آپ سے تمام واقعہ بیان کیا اور اپنے چچا ابو عامر کا سلام اور پیام پہنچایا آپ نے اسی وقت وضو کے لئے پانی منگایا اور وضو کرکے ہاتھ اٹھائے اور یہ دعا کی۔

اللّٰھُمَّ اغفر لعبید ابی عامر — اے اللہ عبید ابو عامر کی مغفرت فرما۔

پھر یہ دعا فرمائی۔

اَللّٰھُمَّ اجعلہ یوم القیٰمۃ فوق کثیر مِن خَلقِكَ من النَّاس — اے اللہ قیامت کے دن اس کو بہت سے بندوں سے اونچا فرما۔

ابو موسیٰ کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے لئے بھی دعائے مغفرت فرمایئے آپ نے فرمایا:

اللھم اغفر لعبد اللہ بن قیس ذنبہ — اے اللہ عبداللہ قیس کے گناہوں کی مغفرت فرما

وادخلہ یوم القیامۃ مدخلا کریما — اور قیامت کے دن اس کو یعنی ابو موسیٰ کو عزت کی جگہ میں داخل فرما۔ (بخاری شریف ص۶۱۹ باب غزوۂ اوطاس)

محاصرۂ طائف

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کی اموال غنیمت اور قیدیوں کے متعلق یہ حکم دیا کہ جعرانہ میں جمع کر دیا جائے اور خود طائف کا قصد فرمایا۔ اور طائف جانے سے پہلے طفیل بن عمرو دوسی کو چند موحدین کے ساتھ ایک چوبی بت (جس کا نام ذوالکفین تھا) کے جلانے کے لئے روانہ فرمایا۔ آپ کے طائف پہنچنے کے چار روز بعد طفیل بن عمرو دوسی بھی پہنچ گئے اور ایک دبابہ اور منجنیق ساتھ لائے۔ (زرقانی ص۲۰ ج ۳، عیون الاثر ص۲۰۰ ج ۲)

مالک بن عوف نصری سپہ سالار ہوازن مع اپنی فوج کے آپ کے پہنچنے سے پہلے ہی طائف

کے قلعہ میں داخل ہوکر دروازہ بند کر چکا تھا اور کئی سال کا غلہ اور خورو نوش کا سامان قلعہ میں فراہم کرلیا تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف پہنچ کر اُن کا محاصرہ کیا۔ اور منجنیق کے ذریعہ سے ان پر پتھر برسائے گئے۔ ان لوگوں نے قلعہ کی فصیل پر تیر اندازوں کو بٹھلا دیا، انھوں نے ایسی سخت تیر باری کی کہ بہت سے مسلمان زخمی ہوئے اور بارہ آدمی شہید ہوئے، خالد بن ولید نے ان کو دست بدست مقابلہ کے لئے بلایا مگر جواب یہ ملا کہ ہمیں قلعہ سے اُترنے کی ضرورت نہیں۔ سالہا سال کا غلہ ہمارے پاس موجود ہے، جب یہ ختم ہوجائے گا تب ہم تلواریں لے کر اُتریں گے۔ مسلمانوں نے دَبّابہ میں بیٹھکر قلعہ کی دیوار میں نقب دینے کی کوشش کی اُنھوں نے اوپر سے لوہے کی گرم سلائیں برسانی شروع کیں جس سے مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ یہ دیکھ کر آپ نے باغات کے کٹوانے کا حکم دیا اہلِ قلعہ نے آپ کو اللہ کا اور قرابتوں کا واسطہ دیا۔ آپ نے فرمایا میں اللہ اور قرابتوں کے لئے ان کو چھوڑے دیتا ہوں۔ بعد ازاں دیوار قلعہ کے قریب یہ آوازہ لگوایا کہ جو غلام قلعہ سے اتر کر ہمارے پاس آجایگا وہ آزاد ہے۔ چنانچہ بارہ تیرہ غلام نکل کر ادھر آملے اسی اثنا میں آپ نے ایک خواب دیکھا کہ ایک دودھ کا پیالہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا ایک مرغ نے آکر اُس میں چونچ ماری جس سے وہ دودھ گر گیا۔ آپ نے یہ خواب صدیق اکبر سے بیان کیا، انھوں نے کہا غالبًا یہ قلعہ ابھی فتح نہ ہوگا۔ آپ نے نوفل بن معاویہ دیلمی کو بلا کر دریافت فرمایا تمھاری کیا رائے ہے نوفل نے کہا یا رسول اللہ لومڑی اپنے بھٹ میں ہے اگر ٹھہرے رہیں تو پکڑ لیں گے اور اگر چھوڑ دیں گے تو آپ کا کوئی نقصان نہیں[۱]۔

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے آکر عرض کیا یا نبی اللہ ان کے حق میں بد دُعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا اللہ نے مجھے اجازت نہیں دی حضرت عمر نے فرمایا پھر ہم کو اس سے لڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ نے کوچ کا حکم دے دیا اور چلتے وقت یہ دعا دی۔

اللھم اھد ثقیفا وائت بھم — اے اللہ ثقیف کو ہدایت دے اور اُن کو مسلمان کرکے میرے پاس پہنچا۔

[۲]

چنانچہ بعد میں یہ قلعہ خود بخود فتح ہوگیا سب لوگ مسلمان ہوگئے اور مالک بن عوف نصری اُن کا

سردار خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوا۔

تقسیم غنائم حنین

طائف سے چل کر آپ پانچ ذی القعدۃ الحرام کو جعرانہ پہنچے جہاں مال غنیمت جمع تھا چھ ہزار قیدی اور چوبیس ہزار اونٹ اور چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھی یہاں پہنچ کر آپ نے دس دن سے زیادہ ہوازن کا انتظار کیا کہ شاید وہ اپنے عزیزوں بچوں اور عورتوں کو چھڑانے آئیں لیکن جب دس بارہ روز کے انتظار کے بعد بھی کوئی نہ آیا تب آپ نے مال غنیمت غانمین پر تقسیم کر دیا۔

(فتح الباری ص ۳۰ ج ۸ عیون الاثر ص ۱۹۳ ج ۲۔

تقسیم غنائم کے بعد ہوازن کا وفد آپ کی میں حاضر ہوا جس میں نو آدمی تھے۔ اسلام قبول کیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور بعد ازاں اپنے اموال اور اہل و عیال کی واپسی کی درخواست کی آپ رضاعی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہ اسی قبیلہ کی تھیں۔ اس قبیلہ کے خطیب زہیر بن صرد نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ان اسیروں میں آپ کی پھوپیاں اور خالائیں اور گود کھلانے والیاں ہیں اگر کسی بادشاہ یا امیر سے ہمارے اس قسم کے تعلقات ہوتے تو بہت کچھ مہربانی ہوتی اور آپ کی شان تو ان سب سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔ ہم پر جو مصیبت آئی ہے وہ آپ پر مخفی نہیں۔ آپ ہم پر احسان کیجئے اللہ آپ پر احسان کرے گا اور یہ شعر پڑھے۔

امنن علینا رسول اللہ فی کرم   فانک المرء نرجوہ وندخر

الی آخر القصیدہ

انشاء اللہ تعالیٰ پورا قصیدہ وفود کے بیان میں آئے گا۔

آپ نے فرمایا میں نے تمہارا بہت انتظار کیا اور اب غنائم تقسیم ہو چکی ہیں دو چیزوں میں سے

لے۔ زرقانی ج ۳، ص ۲۸

لے۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد ج ۲، ص ۱۱۵

ایک چیز اختیار کرلو قیدی یا مال۔ وفد نے کہا آپ نے ہم کو مال اور حسب میں اختیار دیا ہے ہم حسب نسب کو اختیار کرتے ہیں اونٹ اور بکری کے بارے آپ سے کچھ نہیں کہتے۔

آپ نے ارشاد فرمایا میرے اور خاندان بنی ہاشم و بنی المطلب کے حصہ میں جو کچھ آیا ہے وہ سب تمھارا ہے لیکن اور مسلمانوں کے حصہ میں جو کچھ جا چکا ہے اس کی بابت ظہر کی نماز کے بعد کے تم لوگ کھڑے ہو کر کہنا میں تمھاری سفارش کروں گا چنانچہ ظہر کی نماز کے بعد وفد ہوازن کے خطبار نے فصیح و بلیغ تقریریں کیں۔ اور اپنے قیدیوں کی رہائی کے لئے مسلمانوں سے درخواست کی۔ بعد ازاں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے اول خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور پھر فرمایا تمھارے یہ بھائی ہوازن مسلمان ہو کر آئے ہیں میں نے اپنا اور اپنے خاندان کا حصہ ان کو دے دیا ہے۔ میں مناسب سمجھتا ہوں اور مسلمان بھی ان کے قیدی واپس کردیں جو شخص خوشی اور طیب خاطر سے ایسا کر دے تو بہتر ہے ورنہ میں بعد میں اس کا معاوضہ دینے کے لئے تیار ہوں سب نے کہا کہ ہم طیب خاطر سے اس پر راضی اور خوش ہیں۔ اس طرح چھ ہزار قیدی دفعتہً آزاد کر دیئے گئے[۵]

انھیں اسیران جنگ میں آپ کی رضاعی بہن حضرت شیما بھی تھیں لوگوں نے جب اُن کو گرفتار کیا تو انھوں نے کہا میں تمھارے پیغمبر کی بہن ہوں لوگ تصدیق کے لئے آپ کی خدمت میں لے کر آئے شیما نے کہا اے محمد میں تمھاری بہن ہوں اور علامت بتلائی کہ لڑکپن میں ایک مرتبہ تم نے دانت سے کاٹا تھا جس کا یہ نشان موجود ہے آپ نے پہچان لیا اور مرحبا کہا اور بیٹھنے کیلئے چادر بچھادی اور فرطِ مسرت سے آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا اگر تم میرے پاس رہنا چاہو تو نہایت عزت و احترام کے ساتھ تم کو رکھوں گا اور اگر اپنے قبیلہ میں جانا چاہو تو تم کو اختیار ہے شیما نے کہا میں اپنی قوم میں جانا چاہتی ہوں اور مسلمان ہوگئی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چلتے وقت ان کو کچھ اونٹ اور بکریاں اور تین غلام اور ایک باندی عطا فرمائی۔ (اصابہ ترجمہ شیما، ص ۳۴۴ ج ۴)

فتح مکہ میں جو معزز قریش اسلام میں داخل ہوئے ہنوز مذبذب الاعتقاد تھے ایمان کے

---

[۵] فتح الباری، ج ۸، ص: ۲۶

دلوں میں راسخ نہ ہوا تھا۔ جن کو اصطلاح قرآن میں مؤلفۃ القلوب کہا گیا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم غنائم کے وقت ان کو بہت انعامات دیئے کسی کو سَو اور کسی کو دو سَو اور کسی کو تین سَو اونٹ دیئے۔ (جس کی تفصیل فتح الباری اور زرقانی میں مذکور ہے)

الغرض جو کچھ دیا گیا وہ اشرافِ قریش کو دیا گیا انصار کو کچھ نہیں دیا۔ اس لئے انصار کے بعض نوجوانوں کی زبان سے یہ لفظ نکلے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو تو دیا اور ہم کو چھوڑ دیا حالانکہ ہماری تلواریں اَب تک اُن کے خون سے ٹپکتی ہیں، بعض نے کہا کہ مشکلات اور شدائد میں تو ہم کو بلایا جاتا ہے اور مالِ غنیمت دوسروں پر تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انصار کو جمع کر کے فرمایا اے انصار یہ کیا بات ہے جو میں سُن رہا ہوں، انصار نے کہا یا رسول اللہ ہم میں کے سربرآوردہ اور سمجھدار اور اہل الرائے لوگوں میں سے کسی نے یہ نہیں کہا، البتہ بعض نوجوانوں نے ایسا کہا۔ آپ نے فرمایا اے گروہ انصار کیا تم گمراہ نہ تھے اللہ تعالیٰ نے تم کو میرے واسطہ سے ہدایت دی۔ آپس میں تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اللہ نے میرے ذریعہ سے تمھارے دل ملا دیئے، تم فقیر اور کنگال تھے اللہ نے میرے ذریعہ سے تم کو مالا مال کیا۔ انصار نے کہا آپ جو فرماتے ہیں وہ بالکل بجا اور درست ہے، بے شک اللہ اور اُس کے رسول کا ہم پر بڑا احسان ہے۔ آپ نے فرمایا تم میری تقریر کا یہ جواب دے سکتے ہو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں نے تجھکو جھٹلایا ہم نے تیری تصدیق کی۔ جب تو بے یار و مددگار تھا اس وقت ہم نے تیری مدد کی۔ جب تو بے سہارا اور بے ٹھکانہ تھا تو ہم نے تجھکو ٹھکانہ دیا جب تو مفلس تھا تو ہم نے تیری یاری اور غمگساری کی، اے گروہ انصار کیا تمھارے دل اس بات سے رنجیدہ ہوئے کہ میں نے اس دنیائے دوں میں سے جس کی حقیقت سراب سے زیادہ نہیں کچھ متاعِ قلیل اور دراہم معدودہ چند لوگوں کو تالیفِ قلوب کے لئے دے دیئے اور تمھارے اسلام و ایمان اور ایقان و اذعان پر بھروسہ کر کے تم کو چھوڑ دیا۔

بخاری کی روایت میں ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ قریش کو قتل و قید کی مصیبتیں پہنچی ہیں (یعنی

مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کو جانی اور مالی طرح طرح کی اذیتیں پہنچی ہیں) اس لئے اس داد و دہش سے اُن کے نقصان کے لئے کچھ تلافی کرنا چاہتا ہوں اور ان کے دلوں کو اسلام سے مانوس کرنا چاہتا ہوں کہ غزوات میں ان کے بھائی بند قتل اور قید ہوئے اور طرح طرح کی ذلتیں اور مصیبتیں ان کو پہنچیں جن سے اللہ تعالیٰ نے تم کو محفوظ رکھا پس تالیف قلب کے لئے ایسے لوگوں کو مال دینا مناسب ہے اور تم اہل ایمان ہو ایمان اور ایقان کی بے مثال اور لازوال دولت سے مالا مال ہو۔ کیا تم اس پر راضی نہیں کہ لوگ تو اونٹ اور بکری لے کر اپنے گھر واپس ہوں اور تم اللہ کے رسول کو اپنے ساتھ لے کر جاؤ۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر ہجرت امر تقدیری نہ ہوتا تو میں بھی انصار میں سے ہوتا۔ اگر لوگ ایک گھاٹی کو چلیں اور انصار دوسری گھاٹی کو تو میں انصار کی گھاٹی کو اختیار کروں گا۔ اے اللہ تو انصار پر اور ان کی اولاد اور اولاد الاولاد پر رحم اور مہربانی فرمانا۔

یہ فرمانا تھا کہ انصار جان نثار چیخ اٹھے اور روتے روتے ڈاڑھیاں تر ہو گئیں اور کہا ہم اس تقسیم پر دل و جان سے راضی ہیں کہ اللہ کا رسول ہمارے حصہ میں آیا۔ اس کے بعد مجمع برخواست ہو گیا۔ تاریخ ابن الاثیر صلہ ۱۳۱ ج ۲۔

عمرۂ جعرانہ

بعد ازاں ۸ ذی القعدۃ الحرام کو شب کے وقت آپ جعرانہ سے مکہ کی طرف عمرہ کے ارادہ سے روانہ ہوئے وہاں پہنچ کر عتاب بن اسید کو مکہ کا والی مقرر فرمایا اور معاذ بن جبل کو تعلیم دین کی غرض سے ان کے پاس چھوڑا اور دو مہینے اور سولہ دن کے بعد ۲۷ ذیقعدۃ الحرام کو مع صحابہ کے داخل مدینہ ہوئے[۵۲]

۵۱۔ آپ کی اصل تقریر کے اکثر اجزاء فتح الباری صفحہ ۴۰ ج ۸ اور زرقانی صفحہ ۳۰ ج ۳ میں بھی مذکور ہیں لیکن یہ ترتیب اور تسلسل تاریخ ابن الاثیر الجزری میں مذکور ہے۔

۵۲۔ زرقانی۔ ج ۳، ص ۴۱

تحریم متعہ

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اوطاس سے عمرہ کرنے کے لیے تشریف لائے تو باب کعبہ پر کھڑے ہوئے اور کعبہ کے دونوں بازو دونوں ہاتھوں سے تھامے اور یہ فرمایا کہ متعہ قیامت تک ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام کیا گیا ہے۔ چونکہ یہ اعلان رات کے وقت تھا۔ اور سامعین حاضرین کی تعداد قلیل تھی سب کو پوری طرح اس کی خبر نہ ہوئی، اس لئے بعضے بے خبری میں اس کے بعد متعہ کے مرتکب ہوئے تو آپ نے غزوۂ تبوک میں پھر اس کی حرمت کا اعلان فرمایا پھر حضرت عمر کے زمانۂ خلافت میں بعضے لوگ اسی بے خبری کی وجہ سے نکاح متعہ کے مرتکب ہوئے یہ خبر سن کر خلیفۂ وقت منبر پر کھڑے ہوئے اور کہا کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے متعہ کو حرام فرمایا ہے اور گاہ گاہ آں حضرت کے وقت میں (بے خبری کی بنا پر متعہ ہوا ہے) اور آپ نے اس پر کوئی مواخذہ نہیں فرمایا آخر کار متعہ کی حرمت ثابت ہو چکی ہے اب میرے اس اعلان کے بعد جو متعہ کرے گا میں اس پر حد زنا جاری کروں گا، حضرت عمر کے اس اعلان واجب الاذعان کے بعد متعہ قطعاً موقوف ہو گیا۔

واقعات متفرقہ

(۱)۔ اس سال عتاب بن اسید نے تمام مسلمانوں کو اسی طرح سے حج کرایا جیسے عرب کا طریق تھا۔

(۲)۔ اسی سال ماہ ذی الحجہ میں ماریہ قبطیہ کے بطن سے ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔

(۳)۔ اسی سال آپ نے عمرو بن العاص کو عامل بنا کر صدقات وصول کرنے کے لئے عمان کی طرف بھیجا۔

(۴)۔ اسی سال آپ نے کعب بن عمیر کو ذات اطلاع کی طرف جو شام کا ایک علاقہ ہے دعوت

اسلام کی غرض سے روانہ کیا۔ پندرہ آدمی ان کے ہمراہ گئے، وہاں کے لوگوں نے سب مسلمانوں کو قتل کر ڈالا۔ صرف ایک آدمی بچ کر مدینہ واپس آیا۔ (تاریخ ابن الاثیر ص۱۳۱)

لطائف و معارف

قبائل عرب فتح مکہ کے منتظر تھے کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مکہ اور اہل مکہ پر غالب آگئے تو آپ سچے پیغمبر ہیں چنانچہ مکہ فتح ہوتے ہی لوگ جوق در جوق اسلام کے حلقہ بگوش ہونے لگے۔ کما قال تعالےٰ۔

إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ؕ [1]

جب اللہ کی نصرت اور فتح ظہور میں آئے اور لوگوں کو دین اسلام میں داخل ہوتا ہوا فوج در فوج اور جوق در جوق آپ دیکھ لیں۔ پس اس وقت آپ تسبیح و تحمید اور استغفار میں مشغول ہو جاتے (اس دار فانی سے رحلت کا وقت قریب آگیا ہے) بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

لیکن قبائل ہوازن و ثقیف جو فنونِ جنگ سے نہایت باخبر اور آگاہ اور محکم تیر انداز تھے۔ تکوینی طور پر ان کے قلوب کو فی الحال روک لیا گیا۔ تاکہ جب پورے ساز و سامان کے ساتھ میدان میں آجائیں حتیٰ کہ کوئی مرد اور عورت، بچہ اور بوڑھا۔ اونٹ اور بکری، کوئی جانور اور کوئی مویشی اور کسی قسم کا مال گھر میں نہ رہنے پائے اللہ کے لشکر کے لئے تمام مالِ غنیمت یکجا جمع ہو جائے تاکہ حق جل و علا اس وقت اپنے دینِ متین کی فتح مبین کا عجیب و غریب منظر دنیا کو دکھلائے۔

غزوات عرب کی ابتدا غزوۂ بدر سے ہوئی جس نے ان کو مرعوب کر دیا تھا اور غزوۂ حنین پر اس کی انتہا ہوئی جس نے عرب کی قوت و شوکت کا خاتمہ کر دیا کہ اب جزیرۃ العرب میں کسی کی مجال نہیں کہ حق کے مقابلہ میں سر اٹھا سکے مگر چونکہ بعض مسلمانوں کی زبان سے یہ لفظ

---

[1] سورۃ ۱۰۹

نکل گیا تھا۔ (لن نغلب الیوم عن قلۃ) آج ہم قلت کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے، جو بارگاہِ خداوندی میں ناپسند ہوا۔ اس لیے پہلے حملہ میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تاکہ معلوم ہو جائے کہ فتح و نصرت اللہ کی جانب سے ہے، قلت و کثرت پر اس کا مدار نہیں جس کی خدا مدد کرے اس پر کوئی غالب نہیں۔ اور جس کی امداد سے وہ دستکش ہو جائے پھر اس کا کوئی مددگار نہیں اور تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ خود اپنے رسول اور اپنے دین کا حامی اور مددگار ہے تمھاری کثرت پر اس کا مدار نہیں تم تو باوجود کثرت کے بھاگ اٹھے، چنانچہ جب تم نے سمجھ لیا کہ ہماری کثرت اور ہماری حول اور قوت کچھ کارآمد نہیں صرف خداوند ذوالجلال کی ہی حول اور قوت ہماری دست گیری کر سکتی ہے، تب حق تعالیٰ نے تم پر یہ انعام فرمایا،

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ [1]	پھر اللہ نے اپنے رسول اور اہل ایمان کے دلوں پر خاص سکینت و طمانیت نازل فرمائی اور امداد کیلئے ایسے لشکر اتارے جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو سزا دی اور یہی سزا ہے کافروں کی۔

حق جل و علا کی یہ سنت ہے کہ فتح و نصرت کا خلعت اہلِ تواضع اور اہلِ انکسار ہی کو عطا ہوتا ہے۔ کما قال تعالیٰ:

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۙ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَنُرِىَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ [2]	ہمارا ارادہ یہ ہے کہ ان لوگوں پر احسان کریں جن کو زمین میں کافروں کی طرف سے کمزور سمجھا گیا اور ان کو سردار بنائیں اور کافروں کی املاک کا وارث بنائیں اور زمین میں ان کو حکومت دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو ان کے ہاتھ سے وہ چیز دکھلائیں جس سے وہ ڈر رہے ہیں۔

---

[1] توبہ، آیۃ ۲۶

[2] قصص، آیۃ ۶

چنانچہ غزوہ بدر میں فتح اور غزوۂ احد میں شکست کا یہی راز تھا۔ کما قال تعالیٰ۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ۔ — تحقیق اللہ نے بدر کے موقع پہ تمہاری مدد کی درآنحالیکہ تم اس وقت بالکل بے سروسامان تھے۔

غزوہ احد حقیقت میں غزوۂ بدر کا تکملہ اور تتمہ تھا جیسا کہ واقعات سے ظاہر ہے گویا کہ غزوۂ بدر اور غزوۂ احد مل کر ایک ہی غزوہ تھا اور قبائل عرب کے ساتھ پہلا غزوہ تھا اور غزوۂ حنین آخری غزوہ تھا۔ اس لئے پہلے غزوہ (بدر) میں اوّل فتح اور اس کے تکملہ (یعنی معرکہ احد) میں شکست ہوئی اور غزوۂ حنین میں ابتدا میں شکست ہوئی اور بعد میں فتح تاکہ غزواتِ عرب کی ابتدا اور انتہا، فاتحہ اور خاتمہ دونوں فتح و نصرت پر ہوں اور جس طرح غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی امداد کے لئے آسمان سے فرشتے نازل ہوئے اسی طرح غزوۂ حنین میں بھی فرشتوں کا نزول ہوا۔

(۲)۔ اموال غنیمت میں سے زیادہ حصہ آپ نے اُن لوگوں کو عطا کیا جن کے دلوں میں ایمان ابھی راسخ نہ ہوا تھا تاکہ اس احسان سے آپ کی محبت ان کے دلوں میں راسخ ہو جائے اس لئے کہ محسن کی محبت فطری اور جبلی امر ہے چنانچہ شاعر کہتا ہے۔

وَاحسن وجہ فی الوری وجہ محسن — وَاَیمَنُ کف فیھم کف منعم

اور جب آپ کی محبت دلوں میں راسخ ہو جائے گی تو ان دلوں سے دنیا اور مافیہا کی محبت خود ہی کوچ کر جائے گی۔ یہ ناممکن ہے کہ ایک دل میں حُبِّ رسول اللہ اور حبِ دنیا دونوں جمع ہو سکیں۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهٖ۔ — اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے سینہ میں دو دل نہیں بنائے۔

انصار کی شکایت کا منشا عیاذاً باللہ حب مال نہ تھا۔ جن کی نسبت خود اللہ کا رسول یہ شہادت دے رہا ہو کہ میں نے تمہارے ایمان و ایقان پر بھروسہ کر کے تم کو حصہ نہیں دیا بھلا ان کے پاک دلوں میں دنیا کی کیا جگہ ہو سکتی ہے۔ (۵۔ الاحزاب، آیۃ ۴)

بلکہ منشا یہ تھا کہ انصار اس ظاہری داد و دہش کو اکرام و احترام عزت و سرفرازی کی دلیل سمجھے۔ اس لئے بمقتضائے غیرت دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اس موقع پر آپ نے ہم جیسے جاں نثاروں کی عزت افزائی سے کیوں اغماض فرمایا:

باسایہ ترا نمی پسندم　　　عشقست و ہزار بد گمانی

حالانکہ یہ اغماض اس انعام سے کروڑوں درجہ بہتر تھا۔ یہ اغماض انصار کے ایمان و اخلاص کی سند تھی اور وہ انعام ان کے تذبذب کی دلیل تھی۔ جن کے ایمان اور ایقان پر اطمینان تھا ان کو چھوڑ دیا۔ یہ مضمون حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کے کلام کی توضیح و تشریح ہے۔ حضرات اہل علم زاد المعاد اور فتح الباری ص ۳۹ ج ۸ کی مراجعت فرمائیں۔

تقررِ عُمّال

فتح مکہ کے بعد تقریباً تمام جزیرۃ العرب اسلام کے زیر نگیں تھا لہٰذا ضرورت داعی ہوئی کہ اسلامی قلمرو کے نظم و نسق کی طرف توجہ کی جائے اس لئے آپ نے اسلام کی سطوت اور حکومت قائم رکھنے کے لئے مختلف ممالک میں جدا جدا والی اور حاکم مقرر فرمائے باذان بن ساسان کو یمن کا والی مقرر فرمایا۔ باذان کسریٰ کی طرف سے یمن کا والی تھا کسریٰ کے ہلاک ہونے کے بعد باذان مسلمان ہو گیا۔ اس لئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باذان کو بدستور یمن کی ولایت اور حکومت پر قائم رکھا اور جب تک باذان زندہ رہا کسی کو انکا شریک اور سہیم نہیں قرار دیا باذان کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے شہر بن باذان کو صنعاء کا والی مقرر کیا۔ شہر کے مر جانے کے بعد خالد بن سعید ابن العاص اموی صنعاء کے والی مقرر ہوئے اور زیاد بن لبید انصاری موت کے اور ابو موسیٰ اشعری زبید اور عدن کے اور معاذ بن جبل۔ علاقہ یمن کے شہر جند کے اور ابو سفیان بن حرب نجران کے اور ان کے بیٹے یزید بن ابی سفیان تیماء کے اور عتاب

بن اسید مکہ کے والی اور حاکم مقرر ہوئے اور حضرت علیؓ یمن کے قاضی مقرر ہوئے [۵۱]

۹ سنہ ہجری

اب سنہ ۸ھ ختم ہوا اور محرم الحرام ۹ھ کا ہلال نظر آیا۔ اسماہ میں آپ نے عاملین اور مصدقین کو اطراف واکناف میں زکوٰۃ اور صدقات وصول کرنے کے لئے روانہ فرمایا۔

نام عامل	کس قبیلہ کی طرف بھیجا گیا
عیینۃ بن حصن فزاری رضہ	بنی تمیم
بریدۃ بن الحصیب رضہ	اسلم وغفار
عباد بن بشر اشہلی رضہ	سلیم ومزینہ
رافع بن مکیث رضہ	جہینہ
عمرو بن العاص رضہ	بنی فزارہ
ضحاک بن سفیان کلابی رضہ	بنی کلاب
بسر بن سفیان کعبی رضہ	بنی کعب
ابن اللتبیہ ازدی رضہ	بنی ذبیان [۵۲]
علاء بن الحضرمی رضہ	بحرین
حضرت علی رضہ	نجران
عدی بن حاتم رضہ	طیٔ وبنی اسد
مالک بن نویرہ رہ	بنی حنظلہ [۵۳]

۵۱۔ زاد المعاد - ج : ۱ ، ص : ۳۱

۵۲۔ طبقات ابن سعد - ج : ۲ ، ص : ۱۱۵

۵۳۔ زاد المعاد ، ج : ۲ ، ص : ۲۰۱

سریۂ عیینۃ بن حصن فزاری بسوئے بنی تمیم

محرم الحرام ۹ھ

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بشر بن سفیان عدوی کو تحصیل صدقات کے لئے روانہ کیا لوگ زکوٰۃ دینے کے لئے تیار ہو گئے، مگر بنو تمیم اس میں مزاحم ہوئے اور کہا خدا کی قسم یہاں سے ایک اونٹ بھی نہ جائے گا اور تلواریں سونت کر لڑنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ بشر یہ دیکھ کر واپس آگئے۔ اس پر آپ نے عیینۃ بن حصن فزاری کو پچاس سواروں پر سردار مقرر کرکے مقام سقیا کی طرف روانہ کیا جہاں بنو تمیم رہتے تھے۔ یہ مقام جحفہ سے سترہ میل کے فاصلہ پر ہے۔ رات کو پہنچکر ان پر چھاپہ مارا، گیارہ مرد اکیس عورتیں اور تیس بچے گرفتار کرکے مدینہ لے آئے۔ بنی تمیم نے مجبور ہوکر دس آدمیوں کا ایک وفد آپ کی خدمت میں روانہ کیا، جن میں عطارد بن حاجب اور زبرقان اور قیس بن عاصم اور اقرع بن حابس بھی تھے جب مدینہ پہنچے تو آپ کے حجرۂ شریفہ کے پیچھے کھڑے ہو کر آپ کو آواز دی، اے محمد باہر آؤ تاکہ ہم آپ سے مفاخرہ اور شاعری میں مقابلہ کریں، ہماری مدح زینت ہے اور ہماری مذمت عیب ہے آپ نے فرمایا یہ شان تو اللہ کی ہے باقی میں نہ شاعر ہوں اور نہ مجھکو فخر کا حکم دیا گیا ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ وَ لَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ [۱]	تحقیق جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے آواز دیتے ہیں اکثر بے عقل ہیں اور اگر یہ صبر کرتے یہاں تک آپ ان کی طرف برآمد ہوتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا اور اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے

فائدہ جلیلہ

عبد اللہ بن عباسؓ علوم قرآن کے حاصل کرنے کے لئے سید القراء ابی بن کعبؓ کے مکان پر

۱۔ الحجرات، آیۃ: ۴۔

حاضر ہوا کرتے تھے۔ادب وجہ سے کبھی دروازہ نہیں کھٹکھٹاتے تھے۔ابی بن کعب کے انتظار میں بیٹھے رہا کرتے۔یہاں تک وہ خود باہر تشریف لاتے ایک بار ابی بن کعب نے کہا تم دروازہ کھٹکھٹا دیا کرو۔اس پر عبداللہ بن عباسؓ نے یہ جواب دیا العالم فی قومہ کالنبیّ فی اُمّتہ وقد قال اللہ تعالیٰ فی حق نبیّہٖ علیہ الصلوٰۃ والسلام - وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ عالم اپنی قوم میں بمنزلہ نبی کے ہے اپنی امت میں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے حق میں یہ ارشاد فرمایا وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا الخ ابو عبید فرماتے ہیں. میں نے کسی عالم کا دروازہ نہیں کھٹکھٹایا۔یہاں تک وہ خود اپنے وقت پر تشریف لے آئے علامہ آلوسی فرماتے ہیں جب سے میں نے یہ واقعہ دیکھا ہے اسی وقت سے اساتذہ اور مشائخ کے ساتھ میرا یہی معمول ہے۔ والحمد للہ تعالیٰ علیٰ ذالک ۔ [۵]

بعدازاں آپ باہر تشریف لائے اور ظہر کی نماز ادا فرمائی ۔ جماعت سے فارغ ہو کر صحن مسجد میں بیٹھ گئے ۔وفد نے کہا کہ ہم مفاخرہ کے لئے آئے ہیں۔آپ ہمارے شاعر اور خطیب کو کچھ کہنے کی اجازت دیجئے۔آپ نے فرمایا اجازت ہے۔

خطبۂ عطارد بن حاجب تمیمی

خطیب بنی تمیم عطارد بن حاجب کھڑے ہوئے اور یہ خطبہ پڑھا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الذی لہ علینا الفضل	حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے ہم کو فضیلت دی
وَهُوَ اهلہٗ الَّذِیْ جَعَلَنَا ملوکا و	اور بادشاہ بنایا اور مال و دولت دی جسے ہم نیک
وھب لنا اموالا عظاما نفعل فیھا المعروف	کاموں میں صرف کرتے ہیں اور ہم کو اہل مشرق میں
وَجَعَلَنَا اعزّ اھل المشرق واکثرہ عددا	سے سب سے زیادہ عزت والا اور کثرت والا اور
وعدۃ فمن مثلنا فی الناس - السنا	قوت و شوکت والا بنایا۔پس لوگوں میں ہم جیسا

[۵] روح المعانی ، ج ۲۶ ، ص: ۱۳۱

برؤس الناس وافضلهم فمن فاخرنا
فليعدد مثل ماعددنا وانالوشئنا
لاكثرنا الكلام ولكنا نستحي من
الاكثار وانا نعرف بذالك اقول
هذا الان تاتوا بمثل قولنا
وامرافضل من امرنا ۔

کون ہے۔ کیا ہم لوگوں کے سرداراور ان سے بالاتر نہیں پس جو ہم سے فخر میں مقابلہ کرنا چاہے تو اسکو چاہئے کہ ہمارے جیسے مفاخر اور مناقب شمار کرے جیسے ہم نے اپنی مفاخر بیان کئے ہیں اور اگر ہم چاہیں تو اپنے مفاخر کے بارہ میں طویل تقریر کرسکتے ہیں لیکن ہمیں اپنے مفاخر بیان کرنے سے شرم آتی ہے میں نے یہ اس لئے کہا ہے کہ اگر کوئی اس کے مثل یا اس سے بہتر لاسکے تو لائے۔

عطارد خطبہ سے فارغ ہو کر بیٹھ گئے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس بن شماس انصاری کو جواب کے لئے ارشاد فرمایا۔ ثابت بن قیس فوراً کھڑے ہوئے اور یہ خطبہ پڑھا۔

خطبۂ ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

الحمد لله الذی السموات والارض
خلقه قضی فیهن امره ووسع
كرسيه علمه ولم يكن شيئ قط
الا من فضله ثم كان من قدرته
ان جعلنا ملوكا واصطفى خيرخلقه
رسولا اكرمه نسبا واصدقه
حديثا وافضله حسبا وانزل عليه
كتابا وائتمنه على خلقه فكان
خيرة الله فى العالمين ثم دعا الناس

حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور اپنا حکم اس میں جاری کیا اس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے جو کچھ بھی ہے وہ اس کے فضل سے ہے پھر اس کی قدرت نے ہم کو بادشاہ بنادیا اور بہترین خلائق کو رسول بناکر بھیجا جو تمام مخلوق میں حسب و نسب میں سب سے بڑھ کر ہے اور خدا نے ان پر ایک کتاب نازل کی اور ان کو تمام مخلوق پر امین بنایا پس وہ تمام جہانوں میں سب سے زیادہ اللہ کے پسندیدہ بندہ

الى الايمان به فآمن برسول الله
صلى الله عليه وسلم المهاجرون
من قومه وذوي رحمه اكرم الناس
احسابا واحسن الناس وجوها
وخير الناس فعالا ثم كنا
اول الخلق اجابة واستجابة
لله حين دعا رسول الله فنحن
انصار الله ووزراء رسول الله
صلى الله عليه وسلم نقاتل
الناس حتى يومنوا بالله فمن
آمن بالله ورسوله منع ماله
ودمه ومن كفر جاهدناه في
الله ابدًا وكان قتله علينا
يسيرا اقول قولي هذا واستغفر الله لي و
للمومنين والمومنات والسلام عليكم

میں اُس اللہ کے رسول نے تمام لوگوں کو ایمان کی
دعوت دی پس اس رسول پر سب سے پہلے مہاجرین
ایمان لاتے جو آپ کے قوم کے لوگ ہیں اور
آپ کے رشتہ دار ہیں اور حسب ونسب اور وجاہت
میں سب سے بڑھ کر ہیں اور باعتبار افعال و
اعمال کے بھی سب سے بہتر ہیں
پھر مہاجرین
کے بعد ہم انصار نبی کی دعوت قبول کرنے میں اور
لوگوں سے مقدم ہیں ہم انصار۔ اللہ کے دین کے
مددگار ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
وزیر ہیں ہم لوگوں سے اس وقت تک جہاد و
قتال کرتے ہیں کہ جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں
لیکن جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے
اس نے اپنی جان و مال کو محفوظ کر لیا اور جس نے کفر
کیا اس سے ہم خدا کی راہ میں جہاد و قتال کریں گے
اور اس کا قتل ہم پر آسان ہے، یہ ہے جو مجھے کہنا تھا اور میں خدا تعالیٰ سے اپنے لئے
اور تمام مومنین اور مومنات کے لئے مغفرت کے لئے دعا کرتا ہوں۔ والسّلام

بعد ازاں زبرقان بن بدر نے اپنے مفاخر و مناقب میں ایک قصیدہ پڑھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان سے فرمایا اس کا جواب دو حسانؓ نے فی البدیہ اُس کے جواب میں ایک قصیدہ پڑھا۔ اقرع بن حابس نے کہا خدا کی قسم آپ کا خطیب ہمارے خطیب سے اور آپ کا شاعر ہمارے شاعر سے بڑھ کر ہے اور سب مشرف باسلام ہو گئے۔ آپ نے ان کو انعام

دیا اور ان کے سب قیدی واپس کر دیئے۔ [1]

بعث ولید بن عقبہ بن ابی معیط بسوئے بنی المصطلق

ولید بن عقبہ کو آپ نے صدقات وصول کرنے کے لیئے بنی المصطلق کی طرف روانہ فرمایا۔ وہ لوگ ولید کی خبر سن کر نہایت شاداں و فرحاں ہتھیار لگا کر عسکری شان سے ولید کے استقبال کے لیئے نکلے۔ زمانۂ جاہلیت سے ولید کے خاندان اور بنی المصطلق میں عداوت چلی آتی تھی۔ ولید کو دور سے دیکھکر یہ خیال ہوا کہ غالباً دیرینہ عداوت کی وجہ سے یہ لوگ مقابلہ کیلیئے نکلے ہیں اس لیئے ولید راستہ ہی سے واپس ہو گئے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر یہ بیان کر دیا کہ وہ لوگ دین اسلام سے مرتد ہو گئے ہیں۔ انھوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے آپ کو سن کر تعجب ہوا۔ آپ اسی تردد میں تھے کہ یہ خبر بنی المصطلق کو پہنچی۔ ان لوگوں نے فوراً اپنا ایک وفد آپ کی خدمت میں روانہ کیا جس نے حاضر ہو کر بارگاہِ نبوی میں حقیقت حال کی اطلاع دی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ۔ [2]

اے ایمان والو اگر تمھارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو مبادا کہ بے خبری میں کسی قوم کو کوئی ضرر پہنچا دو اور پھر اپنے کیئے ہوئے پر پشیمان ہو۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ اس آیت میں فسق سے لغوی معنی مراد ہیں۔ یعنی اطاعت سے خروج کرنا خواہ وہ کتنا ہی معمولی درجہ کا خروج ہو اس جگہ اصطلاحی اور شرعی فسق مراد نہیں۔ گناہ کبیرہ کا قصد اور ارادۃً ارتکاب اصطلاح شریعت میں فسق کہلاتا ہے۔ ولید نے جو کچھ آپ سے آکر بیان کیا اس کا منشاء غلط فہمی تھا اس لئے آیت میں فسق سے لغوی فسق مراد ہے اور خبر

---

[1] زرقانی ج: ۲ ص: ۴۲-۴۵- [2] الحجرات، آیۃ: ۶

چونکہ خلاف واقع تھی اس لحاظ سے اُن کو فاسق کہا گیا۔ اور اس معنی کر صحابی کا فاسق ہونا اس کے شرعاً فاسق ہونے کو مستلزم نہیں فافہم ذلک واستقم۔ زرقانی ص۱۲ ج ۳)

حدیث میں آیا ہے کہ ایمان کے ستّر شعبے ہیں اعلیٰ درجہ کا شعبہ شہادۃ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے اور ادنیٰ درجہ کا شعبہ راستہ سے کانٹا وغیرہ ہٹا دینا ہے، باقی شعبے درمیان میں ہیں اور ہر شعبہ پر ایمان کا اطلاق آتا ہے۔ اسی طرح قرآن اور حدیث میں فسق اور معصیت اور ظلم کا اطلاق کفر سے لے کر گناہ صغیرہ تک پر آیا ہے جس طرح ایمان کے مراتب مختلف ہیں۔ اسی طرح کفر اور معصیت کے مراتب بھی مختلف ہیں۔ حضرت آدم کی لغزش پر بھی معصیت کا اطلاق آیا ہے وعصی آدم ربہ فغوی اور کفر پر معصیت کا اطلاق آیا ہے۔ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَاِنَّ لَہٗ نَارَ جَہَنَّمَ خَالِدًا فِیْہَا۔ مگر ظاہر ہے کہ دونوں معصیتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے، لفظ اگرچہ ایک ہے مگر معنی مختلف ہیں۔

اسی طرح اس آیت میں جو فاسق کا لفظ آیا ہے۔ اس کو معنی لغوی پر محمول کریں شرعی فسق پر محمول نہ کریں اس لئے کہ صحابہ کرام سب عادل اور ثقہ ہیں رضی اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ معاذ اللہ اگر وہ شرعی فاسق ہوتے تو اللہ ان سے راضی نہ ہوتا لقولہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَرْضٰی عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِیْنَ۔ اسی وجہ سے امام بخاری نے صحیح بخاری میں ایک باب رکھا ہے۔ باب کفران العشیر وکفر دون کفر۔ وباب ظلم دون ظلم

سریۂ عبداللہ بن عوسجہ رضؓ

ماہِ صفر ۹ھ میں آپ نے عبداللہ بن عوسجہ کو بنی عمرو بن حارثہ کی طرف دعوت اسلام کی غرض سے ایک والا نامہ دے کر روانہ فرمایا ان لوگوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا اور آپ کے والا نامہ کو دھو کر ڈول کی تلی میں باندھ دیا۔ عبداللہ بن عوسجہ نے آکر جب آپ سے واقعہ بیان کیا تو یہ ارشاد فرمایا۔ کیا ان لوگوں کی عقل جاتی رہی اس وقت سے لے کر اس وقت تک اس قبیلہ کے لوگ احمق اور نادان ہیں تقریباً فاتر العقل اور گونگے ہیں۔ اعاذنا اللہ سبحانہ

و تعالیٰ عن ذلک آمین ۔

سریۂ قطبتہ بن عامر

اسی مہینہ میں آپ نے بیس آدمی قطبتہ بن عامر کے زیر کمان خشعم کے مقابلہ کے لئے روانہ فرمائے قطبتہ بن عامر نے جاکر ان کا مقابلہ کیا۔ یہاں تک ان کو شکست دی اور کچھ اونٹ اور بکری اور کچھ قیدی غنیمت میں لے کر واپس ہوئے خمس نکلنے کے بعد چار چار اونٹ ہر شخص کے حصہ میں آئے اور ایک اونٹ دس بکریوں کے معادل قرار دیا گیا۔ [۱]

سریۂ ضحاک بن سفیان

ماہ ربیع الاول میں بنی کلاب کو دعوت اسلام دینے کی غرض سے آپ نے ضحاک بن سفیان کلابی کو روانہ فرمایا۔ ان لوگوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا اور اُن کو اور اسلام کو گالیاں دی اور مقابلہ پر آمادہ ہو گئے۔ بالآخر مقابلہ ہوا اُن لوگوں کو شکست ہوئی اور ضحاک بن سفیان شاداں و فرحاں مظفر و منصور غنیمت لے کر مدینہ واپس ہوئے۔ [۲]

سریۂ علقمہ بن مُجَزّز مُدلجی بسوئے حبشہ

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ کچھ حبشی لوگ جدہ میں آئے ہیں تو آپ نے علقمہ بن مجزز مدلجی کو تین سو[۳] سواروں کے ساتھ اُن کے تعاقب کے لئے روانہ کیا یہ لوگ خبر پاکر بھاگ گئے اور جزیرہ میں جاکر روپوش اور لاپتہ ہو گئے مسلمان جب وہاں سے لوٹے تو فوج کے کچھ لوگوں نے عجلت کی اور یہ ارادہ کیا کہ باقی لشکر سے پہلے ہم گھر پہنچ جائیں۔ علقمہ نے آگ جلوائی اور عجلت کرنے والوں کو حکم دیا کہ اس آگ میں کود جائیں۔ کچھ لوگ اس پر آمادہ ہو گئے علقمہ نے کہا ٹھہرو میں نے تم سے مذاق کیا تھا۔ جب یہ لوگ مدینہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ

---

[۱] ۔ طبقات ابن سعد۔ ج : ۲ ، ص : ۱۱۷ [۲] ۔ ایضاً

[۳] ۔ راجع فتح الباری ص ۴۶ ج ۸ سریۃ عبد اللہ بن حذافہ السہمی و راجع شرح المواہب ص ۴۹ ج ۳ و زاد المعاد و البدایۃ و النہایۃ

علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو تمھیں معصیت کا حکم دے اس کا حکم نہ مانو اور صحیح بخاری اور مسند احمد اور سنن ابن ماجہ کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سریہ کے امیر عبداللہ بن حذافہ سہمی تھے اور آگ میں کودنے کا حکم انھوں نے دیا تھا عجب نہیں کہ اسی اختلاف کی بنا پر امام بخاری نے اس سریہ کے بیان کے لئے ترجمہ رکھا ہے وہ یہ ہے باب سریۃ عبداللہ حذافۃ السہمی وعلقمۃ بن مجزز المدلجی ویقال انہا سریۃ الانصاری تفصیل کے لئے فتح الباری ص ۴۶ و زرقانی ص ۴۹ ج ۳ کی مراجعت کریں۔

سریہ علی بن ابی طالب برائے بت شکنی قبیلہ طی

و ذکر اسلام فرزندِ حاتم طائی و دختراو

ماہ ربیع الآخر ۹ھ میں حضرت علی کو ڈیڑھ سو یا دو سو آدمیوں کے ساتھ قبیلۂ طی کے بت فُلس[۵۱] منہدم کرنے کے لئے روانہ فرمایا وہاں پہنچ کر ان پر شب خون مارا کچھ آدمی اور کچھ مویشی گرفتار ہوئے بت خانہ کو منہدم کرکے نذر آتش کیا اور دو تلواریں اس بت خانے سے لوٹ لائے جو حارث بن شمر نے چڑھائی تھیں ان قیدیوں میں مشہور سخی حاتم طائی کی بیٹی سفانہ[۵۲] بھی تھی اور حاتم کے فرزند عدی بن حاتم لشکر اسلام کی خبر سنتے ہی شام بھاگ گئے تھے۔ اس لئے کہ شام میں اُس کے ہم مذہب و مشرب نصاریٰ بکثرت تھے۔ قیدی گرفتار کرکے مدینہ لائے گئے اور مسجد کے قریب خطیرہ میں اتار دئے گئے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ادھر سے گزرے تو حاتم کی بیٹی نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ باپ تو فوت ہو گیا اور جو ہمارا خبر گیران تھا وہ فرار ہو گیا۔ آپ ہم پر احسان کیجئے اللہ آپ پر احسان کرے گا۔ آپ نے دریافت فرمایا وہ تیرا خبر گیران اور سرپرست کون تھا۔ سفّانہ نے کہا میرا بھائی عدی بن حاتم آپ نے فرمایا وہی جو اللہ اور اس کے رسول سے بھاگا ہے۔ بہتر ہے میں تجھ پر احسان کرتا ہوں جانے میں عجلت مت کرو، میں

---

۵۱ فلس بضم الفاء وسکون اللام۔ ۵۲۔ سفانۃ بفتح المہملہ وتشدید الفاء۔ ۱۲

یہ چاہتا ہوں کہ تمھاری قوم میں کا کوئی شخص قابلِ اطمینان مل جائے تو اس کے ہمراہ تم کو بھیج دوں چنانچہ دو تین ہی روز کے بعد قبیلہ طے کے کچھ آدمی شام جانے والے مل گئے آپ نے از راہ لطف وکرم زادِ راہ اور سواری اور کچھ جوڑے دے کر ان کو رخصت کیا سفانہ مشرف باسلام ہوئیں اور ان الفاظ میں آپ کا شکریہ ادا کیا۔

شکرتك ید افتقرت بعد غنی	خدا کرے وہ ہاتھ تیرا ہمیشہ شکر گزار ہے جو خوشحالی
ولا ملكتك ید استغنت بعد	کے بعد فقیر اور خالی ہوا ہو اور وہ ہاتھ آپ پہ
فقر واصاب الله بمعروفك	کبھی قابو نہ پائے جو فقر کے بعد امیر ہوا ہو اور
مواضعه ولا جعل لك الی لئیم	خدا کرے آپ کا احسان ہمیشہ برمحل واقع ہو اور
حاجة ولا سلب نعمة عن کریم	خدا کرے آپ کو کبھی کسی کمینہ سے کوئی ضرورت نہ
الا وجعلك سببا لردها	پیش آئے اور خدا کسی شریف کی نعمت سلب کرے
علیه۔	مگر آپ کو اس کی واپسی کا وسیلہ اور ذریعہ بنائے۔

سفانہ آپ سے رخصت ہو کر شام پہنچی اور اپنے بھائی عدی سے ملی اور تمام حالات بیان کئے۔ عدی نے بہن سے پوچھا تمھاری کیا رائے ہے۔ سفانہ نے جواب دیا۔

اری والله ان تلحق به سریعا	خدا کی قسم میں یہ مناسب سمجھتی ہوں کہ تم جلد از
فان یك نبیا فلسابق الیه فضیلة	جلد جاکر اُن سے ملو اگر وہ نبی ہیں تو ان کی طرف
وان یك ملكا فلن تزال فی عزو	دوڑنا اور سبقت کرنا باعث فضیلت ہے اور
انت انت	اگر بادشاہ ہیں تو ہمیشہ کے لئے باعث عزت ہے
	اور تو تو۔ تو ہی ہے۔

عدی نے سن کر کہا۔

والله ان هذا هو الرأی	خدا کی قسم رائے تو یہ ہے

بعد ازاں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔ زرقانی ص ۵۳ ج ۴ واصابہ

ترجمہ عدی وسفانہ۔

ان کے اسلام کا مفصل واقعہ اصابہ میں مذکور ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

اسلام کعب بن زہیر

یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ کعب بن زہیر آپ کی ہجو میں شعر کہا کرتا تھا فتح مکہ کے دن کعب بن زہیر اور ان کا بھائی بجیر بن زہیر جان بچا کر مکہ سے فرار ہوئے اور مقام ابرق العزاف میں جاکر ٹھہرے بجیر نے کعب سے کہا تم یہاں ٹھہرو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کا کلام سنوں اور آپ کے دین کو معلوم کروں اگر آپ کی سچائی معلوم ہو جائے تو آپ کا اتباع کروں ورنہ چھوڑ دوں۔ کعب وہیں رہے اور یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کا کلام سنتے ہی مشرف باسلام ہو گئے۔

جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس ہو کر مدینہ پہنچے تو بجیر نے اپنے بھائی کعب بن زہیر کو اس مضمون کا ایک خط لکھا کہ جو لوگ آپ کی ہجو میں اشعار کہتے تھے وہ فتح مکہ کے دن قتل کر دیئے گئے اور جو جان بچا کر بھاگ سکتے تھے وہ بھاگ گئے اگر تجھکو اپنی جان عزیز ہے تو فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہو جا جو شخص مسلمان اور تائب ہو آپ کے پاس آتا ہے آپ اس کو قتل نہیں کرتے اور اگر یہ نہیں کر سکتا تو کہیں دور دراز جگہ چلا جا جہاں تیری جان بچ جائے۔

کعب کو یہ ناگوار گزرا کہ بغیر میرے مشورہ کے مسلمان ہو گیا اور یہ اشعار لکھکر بھیجے۔

اِلَا اَبْلِغَا عَنِّی بُجَیْرًا رِسَالَۃً ۔۔۔ فَھَلْ لَکَ فِیْمَا قُلْتُ وَیْحَکَ ھَلْ لَکَا

اے دوستو بجیر کو میرا یہ پیام پہنچا دو۔ میں جو کچھ کہتا ہوں اس بارے میں تیری کیا رائے ہے۔ افسوس تو کیا کر گذرا۔

فَبَیِّنْ لَنَا اِنْ کُنْتَ لَسْتَ بِفَاعِلٍ ۔۔۔ عَلٰی اَیِّ شَیْئٍ غَیْرِ ذَالِکَ دَلَّکَا

تو یہ بتلا کہ اگر تو اپنے باپ دادا کے دین پر قائم نہیں رہ سکتا تو پھر اس کے سوا تو نے اور کونسا راستہ اختیار کیا۔

۱؎۔ زرقانی۔ ج: ۳، ص: ۵۴

عَلٰی خُلُقٍ لَمْ تُلْفِ اُمًّا وَلَا اَبًا   عَلَیْہِ وَتُلْفِیْ عَلَیْہِ اَخًا لَکَا

تو نے ایسا طریقہ اختیار کیا کہ نہ ماں کو اس پر پایا اور نہ باپ کو اور نہ اپنے بھائی کو اس طریقے پر پائے گا۔

فَاِنْ اَنْتَ لَمْ تَفْعَلْ فَلَسْتُ بِاٰسِفٍ   وَلَا قَائِلٍ اِمَّا عَثَرْتَ لَعًا لَکَا

پس اگر تو نے میری بات پر عمل نہ کیا تو مجھکو کچھ غم نہیں اور نہ میں تیری لغزش کے وقت تجھکو (لعا لکا) کہوں گا یہ۔

کلمہ لغزش کے وقت کہا جاتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ سنبھل جا اور کھڑا ہو جا۔

سَقَاکَ بِہَا الْمَامُوْنُ کَاْسًا رَوِیَّۃً   فَاَنْہَلَکَ الْمَامُوْنُ مِنْہَا وَعَلَّکَا

مامون (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ قریش آپ کو امین و مامون سمجھتے تھے) نے تجھکو چھلکتا ہوا پیالہ کر سیر کر پلایا۔

بجیر نے اس واقعہ کو آپ سے چھپانا پسند نہ کیا اس لئے یہ قصیدہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا، آپ نے فرمایا اس نے سچ کہا بے شک میں منجانب اللہ مامون اور مامور ہوں[۱] اور علی خلق لم تلف اماً ولا ابا۔ کو سن کر فرمایا یہ بھی درست ہے اس نے کہاں ماں باپ کو اس دین پر دیکھا ہے۔

بجیر نے اس کے جواب میں یہ اشعار لکھ کر روانہ کئے۔

مَنْ مُبْلِغٌ کَعْبًا فَہَلْ لَکَ فِی الَّتِیْ   تَلُوْمُ عَلَیْہَا بَاطِلًا وَہِیَ اَحْزَمُ

ہے کوئی کہ جو کعب کو یہ پیام پہنچا دے کیا تجھکو اس ملت و مذہب میں داخل ہونے کی رغبت ہے تو جس کو ناحق ملامت کر رہا ہے حالانکہ وہ نہایت محکم اور صواب ہے۔

اِلَی اللّٰہِ لَا الْعُزّٰی وَلَا اللَّاتِ وَحْدَہٗ   فَتَنْجُوْ اِذَا کَانَ النَّجَاءُ وَتَسْلَمُ

لات اور عزیٰ کی طرف نہیں بلکہ ایک خدا کی طرف آجا کہ جس وقت اہل توحید اللہ کے عذاب سے نجات پائیں تو بھی نجات پالے اور اللہ کے عذاب سے سالم اور محفوظ رہے۔

لَدٰی یَوْمَ لَا یَنْجُوْ وَلَیْسَ بِمُفْلِتٍ   مِنَ النَّاسِ اِلَّا طَاہِرُ الْقَلْبِ مُسْلِمٌ

یعنی اس دن کہ کوئی شخص نجات نہ پائے گا اور عذاب سے رہائی نہ پائے گا سوائے اس شخص کے کہ قلب اس کا

---

[۱] بعض نسخوں میں سقاک بہا المامون کے بجائے سقاک بہا المامور آیا ہے۔ ۱۲

کفر اور شرک کی نجاستوں سے پاک ہوا اور مسلمان ہو۔

فَدِینُ زُھَیرٍ وَھُوَ لَا شَیْئَ دِیْنُہٗ وَدِینُ ابی سُلْمیٰ عَلَیَّ مُحَرَّمٗ

زہیر کا دین بلاشبہ ہیچ ہے اور میرے باپ زہیر اور دادا ابوسلمیٰ کا دین مجھ پر حرام ہے اس لئے کہ میں حق یعنی دین اسلام میں داخل ہو گیا ہوں۔

بجیر کے اس خط کا کعب بن زہیر پر خاص اثر ہوا اور اسی وقت ایک قصیدہ مدحیہ آپ کی شان اقدس میں لکھ کر مدینہ روانہ ہوا۔ مدینہ پہنچا اور صبح کی نماز کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اجنبی بن کر یہ سوال کیا یا رسول اللہ اگر کعب بن زہیر تائب اور مسلمان ہو کر حاضر خدمت ہو تو کیا آپ اس کو امان دے سکتے ہیں آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ کعب نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ نابکار اور گنہگار میں ہی ہوں، لائیے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھائیے، اس وقت ایک انصاری بول اٹھے یا رسول اللہ اجازت دیجئے کہ اس کی گردن اڑا دوں، آپ نے فرمایا چھوڑ دو تائب ہو کر آیا ہے۔ بعد ازاں کعب نے آپ کی شان میں وہ قصیدہ پڑھا جس کا مطلع یہ ہے۔

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول متیم اثرھا لم یفد مکبول

کعب بن زہیر جب اس شعر پر پہنچے۔

ان الرسول لسیف یستضاء بہ مھند من سیوف اللہ[1] مسلول

تو آپ نے اس وقت بردیمانی جو اوڑھے ہوئے تھے اتار کعب کو مرحمت فرمائی۔ بعد میں چل کر حضرت معاویہ نے اس چادر کو کعب بن زہیر کے وارثوں سے بیس ہزار درہم میں خریدی۔

یہ چادر ایک عرصہ تک خلفاء اسلام کے پاس رہی عیدین کے موقع پر تبرکاً اس کو اوڑھا کرتے تھے، فتنۂ تتار میں گم ہو گئی۔ (شرح مواہب قصہ کعب بن زہیر)

---

[1] حاکم کی روایت میں ہے کہ کعب نے من سیوف الہند پڑھا۔ آپ نے فرمایا اس طرح کہو من سیوف اللہ مسلول ۱۲۔

غزوۂ تبوک

یوم پنجشنبہ ماہ رجب ۹ھ

معجم طبرانی میں عمران بن حصین رضؓ سے مروی ہے کہ نصارائے عرب نے ہرقل شاہ روم کے پاس یہ لکھ کر بھیجا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انتقال ہو گیا اور لوگ قحط اور فاقوں سے بھوکے مر رہے ہیں۔ عرب پر حملہ کے لئے یہ موقع نہایت مناسب ہے، ہرقل نے فوراً تیاری کا حکم دے دیا۔ چالیس ہزار رومیوں کا لشکر جرار آپ کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا۔[۵۱]

شام کے نبطی سوداگر زیتون کا تیل فروخت کرنے مدینہ آیا کرتے تھے ان کے ذریعہ یہ خبر معلوم ہوئی کہ ہرقل نے ایک عظیم الشان لشکر آپ کے مقابلہ کے لئے تیار کیا ہے جس کا مقدمۃ الجیش بلقاء تک پہنچ گیا ہے اور ہرقل نے تمام فوج کو سال بھر کی تنخواہیں بھی تقسیم کر دی ہیں۔[۵۲]

اس پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ فوراً سفر کی تیاری کی جائی تاکہ دشمنوں کی سرحد (تبوک) پر پہنچ اُن کا مقابلہ کریں۔ بُعد مسافت اور موسم گرما نہ قحط اور گرانی فقر و فاقہ اور بے سوسامانی۔ ایسے نازک وقت میں جہاد کا حکم دینا تھا کہ منافقین جو اپنے کو مسلمان کہتے تھے گھبرا اٹھے کہ اب اُن کا پردہ فاش ہوا جاتا ہے خود بھی جان چرائی اور دوسروں کو بھی یہ کہہ کر بہکانے لگے۔

لا تنفروا فی الحر — ایسی گرمی میں مت نکلو۔

ایک مسخرے نے کہا لوگوں کو معلوم ہے کہ میں حسین جمیل عورتوں کو دیکھکر بے تاب ہو جاتا ہوں مجھکو اندیشہ ہے کہ رومیوں کی پری جمال نازنینوں کو دیکھکر کہیں فتنہ میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔[۵۳]

---

[۵۱] مجمع الزوائد۔ ج: ۶، ص: ۱۹۱ –

[۵۲] طبقات ابن سعد۔ ج: ۲، ۱۱۹

[۵۳] عیون الاثر ج ۲، ص: ۲۱۵ –

مؤمنین مخلصین سخاوطاعتہ کہ کر جان ومال سے تیاری میں مصروف ہو گئے، سب سے پہلے صدیق اکبر نے کل مال لاکر آپ کے سامنے پیش کر دیا جس کی مقدار چار ہزار درہم تھی آپ نے دریافت فرمایا کیا اہل وعیال کے لئے کچھ چھوڑا ہے، ابو بکر نے کہا صرف اللہ اور اس کے رسول کو فاروق اعظم نے نصف مال پیش کیا عبدالرحمن بن عوف نے دو سو اوقیہ چاندی لاکر حاضر کی۔ عاصم بن عدی نے ستر وسق کھجوریں پیش کیں۔ ؎۱

عثمان غنی رضؓ نے تین سو اونٹ مع سازو سامان کے اور ایک ہزار دینار لاکر بارگاہ نبوی میں پیش کئے۔ آپ نہایت مسرور ہوتے بار بار اُن کو پلٹتے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے کہ اس عمل صالح کے بعد عثمان کو کوئی عمل ضرر نہیں پہنچا سکے گا، اے اللہ میں عثمان سے راضی ہوا تو بھی اس سے راضی ہو۔ ؎۲

اکثر صحابہ نے اپنی اپنی حیثیت کے موافق اس مہم میں امداد کی مگر پھر بھی سواری اور زاد راہ کا پورا سامان نہ ہو سکا چند صحابہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم بالکل نادار ہیں اگر سواری کا کچھ تھوڑا بہت ہم کو سہارا ہو جائے تو ہم اس سعادت سے محروم نہ رہیں۔ آپ نے فرمایا میرے پاس کوئی سواری نہیں اس پر وہ حضرات روتے ہوئے واپس ہوئے۔ انھیں کی شان میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ ۔ ؎۳	اور نہ ان لوگوں پر کوئی گناہ ہے کہ جب وہ آپ کے پاس آئے کہ آپ ان کو جہاد میں جانے کے لئے کوئی سواری عطا فرمائیں تو آپ نے یہ فرمایا کہ اس وقت کوئی چیز نہیں پاتا کہ جس پر تم کو سوار کر دوں تو وہ لوگ اس حال میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے

؎۱۔ زرقانی۔ ج ۳، ص ۹۴ ؎۲۔ ایضاً

؎۳۔ التوبۃ : آیۃ ۹۲

بہ رہی تھیں۔ اس غم میں کہ ان کو کوئی چیز میسر نہیں کہ جسے خرچ کر سکیں۔

عبداللہ مغفل اور ابو لیلیٰ عبدالرحمٰن بن کعب جب آپ کے پاس سے روتے ہوئے واپس ہوئے تو راستہ میں یامین بن عمر و نضری مل گئے۔ رونے کا سبب دریافت کیا انھوں نے کہا نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سواری ہے اور نہ ہم میں استطاعت ہے کہ سفر کا سامان مہیا کر سکیں اب افسوس اور حسرت اس چیز کی ہے کہ ہم اس غزوہ کی شرکت سے محروم رہے جاتے ہیں۔ یہ سنکر یامین کا دل بھر آیا اسی وقت ایک اونٹ خریدا اور زاد وراہ کا انتظام کیا۔ [۱]

جب صحابہ چلنے کے لیے تیار ہو گئے تو آپ نے محمد بن مسلمہ انصاری کو اپنا قائم مقام اور مدینہ کا والی مقرر کیا اور حضرت علی کو اہل وعیال کی حفاظت اور خبر گیری کے لئے مدینہ میں چھوڑا۔ حضرت علی نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ مجھکو بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کیا تو اس پر راضی نہیں کہ تجھکو مجھ سے وہی نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰ کے ساتھ تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (بخاری شریف)

حدیث اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَہ ہَارُوْنَ مِنْ مُوْسیٰ کی شرح

اس حدیث سے شیعہ حضرات علی کی خلافت بلافصل پر استدلال کرتے ہیں کہ حضور پر نور کے بعد خلافت حضرت علی کا حق ہے، اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر میں جاتے وقت حضرت علی کو اپنے اہل وعیال کی نگرانی کے لئے چھوڑ جانا کہ میری واپسی تک ان کی نگرانی اور خبر گیری کرنا۔ اس سے حضرت علی کی امانت اور دیانت اور قرب اور اختصاص تو بے شک معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ اپنے اہل وعیال کی نگرانی اور خبر گیری اسی کے سپرد کرتے ہیں کہ جس کی امانت و دیانت اور محبت اور اخلاص پر اطمینان ہو فرزند اور داماد کو اس کام کے لئے مقرر کرتے ہیں لیکن یہ امر کہ میری وفات کے بعد تم ہی میرے خلیفہ ہو گے

[۱] زرقانی۔ ج ۳، ص ۶۶

حدیث کو اس مضمون سے کوئی تعلق نہیں۔

پھر یہ کہ حضرت علی کی یہ قائم مقامی فقط اہل وعیال کے حد تک محدود تھی اس لئے آں حضرت نے اسی غزوہ میں جاتے وقت محمد بن مسلمہ کو مدینہ کا صوبہ دار مقرر کیا۔ اور سباع بن عرفطہ کو مدینہ کا کوتوال اور عبداللہ بن ام مکتوم کو اپنی مسجد کا امام مقرر کیا۔ معلوم ہوا کہ حضرت علی کی خلافت و نیابت مطلق نہ تھی بلکہ اہل وعیال کے حد تک محدود تھی اور اگر بالفرض مطلق بھی ہوتی تو غزوہ سے واپسی تک محدود تھی جیسے کوئی بادشاہ سفر میں جاتے وقت کسی کو نائب السلطنت مقرر کر جائے تو وہ نیابت واپسی تک محدود رہے گی۔ واپسی کے بعد خود بخود یہ نیابت ختم ہو جائے گی اور یہ وقتی نیابت اور وقتی قائم مقامی اس امر کے دلیل نہیں کہ بادشاہ کی وفات کے بعد یہی شخص بادشاہ کا خلیفہ ہوگا البتہ اس وقتی نیابت سے قائم مقام کی اہلیت اور لیاقت ثابت ہوتی ہے سو ہمیں اس سے انکار نہیں کہ حضرت علی۔ میں خلافت کی اہلیت اور لیاقت نہ تھی تمام اہل سنت دل وجان سے حضرت علی کی اہلیت ولیاقت کے قائل ہیں لیکن اس میں دیگر خلفاء کی اہلیت اور لیاقت کا انکار نہیں اُن کی کمال اہلیت اور لیاقت دوسری احادیث سے روز روشن کی طرح ثابت ہے۔

پس جبکہ بادشاہ کا دار السلطنت سے نکلتے وقت تا واپسی کسی کو وقتی طور پر نائب السلطنت مقرر کر جانا اس امر کی دلیل نہیں کہ بادشاہ کی وفات کے بعد بھی شخص بادشاہ ہو گا تو خلافت اور نیابت محض خانگی امور اور اہل وعیال کی نگرانی سے متعلق ہو اس کو خلافت کبریٰ کی دلیل بنا لینا کمال ابلہی ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کسی غزوہ میں تشریف لیجاتے تو کسی نہ کسی کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنا کر جاتے اور جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو وہ قائم مقامی خود بخود ختم ہو جاتی۔ کسی فرو بشر کے حاشیۂ خیال میں یہ بات نہیں گزری کہ وہ ان صحابہ کی وقتی خلافت اور عارضی نیابت کو ان حضرات کی خلافت بالافصل امامت کبریٰ کی دلیل سمجھتا۔ رہا یہ

امر کی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں حضرت علی کو حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ دی ہے سو ہم یہ عرض کریں گے کہ اس تشبیہ سے بے شک ایک قسم کی فضیلت ثابت ہوگی لیکن تشبیہ سے تمام امور میں مساوات لازم نہیں۔ اس حدیث میں اگر حضرت علی کو حضرت ہارون کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے تو اسارائے بدر کے بارے میں جب آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا تو اسوقت آپ نے ابوبکر صدیق کو حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ کے ساتھ تشبیہ دی اور حضرت عمر کو حضرت نوح اور حضرت موسیٰ کے ساتھ تشبیہ دی جیسا کہ غزوہ بدر کے بیان میں مفصل گزرا ہے اور ظاہر ہے کہ کسی کو نوح علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ دینا انت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ کہنے سے کہیں زیادہ بالا اور برتر ہے۔

الغرض آپ تیس ہزار فوج کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے جس میں دس ہزار گھوڑے تھے۔ (زرقانی شرح مواہب) [1]

راستہ میں وہ عبرتناک مقام بھی پڑتا تھا جہاں قوم ثمود پر اللہ کا عذاب نازل ہوا تھا جب آپ وہاں سے گزرے تو اس درجہ متاثر ہوئے کہ چہرۂ انور پر کپڑا ڈال لیا اور ناقہ کو تیز کر دیا اور صحابہ کو تاکید فرمائی کہ کوئی شخص ان ظالموں کے مکانات میں داخل نہ ہو اور نہ یہاں کا پانی پیے اور نہ اس سے وضو کرے سرنگوں روتے ہوئے اس طرف سے گزر جائیں اور جن لوگوں نے غلطی اور لاعلمی سے پانی لے لیا تھا یا اس پانی سے آٹا گوندھ لیا تھا، ان کو حکم ہوا کہ وہ پانی گرا دیں اور وہ آٹا اونٹوں کو کھلا دیں (بخاری شریف [2] کتاب الانبیاء و فتح الباری ص ۲۶۸ ج ۶ و شرح مواہب ص ۷۳ ج ۳)

مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی جو کہ ہر وقت اللہ جل جلالہ کی طاعت اور بندگی سے معمور ہیں وہاں جانا وہاں ٹھہرنا وہاں رہنا عین قربت اور عبادت اور سراسر موجب خیر و برکت

---

[1] عیون الاثر - ج ۲، ص ۲۱۶
[2] کتاب الانبیاء و باب قول اللہ تعالیٰ والی ثمود اخاہم صالحا۔ وقولہ تعالیٰ کذب اصحاب الحجر المرسلین۔

اور باعث نزول رحمت ہے اس کے برعکس اُن مقامات میں قصداً داخل ہونا جو ایک عرصہ تک اللہ جل شانہ کی نافرمانی کا مرکز رہے ہوں اور وہاں اللہ کا قہر اور عذاب نازل ہوا ہو نہایت خطرناک ہے جس طرح حرم الٰہی میں داخل ہونے والے کے لیئے یہ حکم ہے (من دخلہ کان آمنا)

اسی طرح مواقع عذاب میں داخل ہونے سے نزول عذاب کا اندیشہ ہے بیت الحرام خواہ کوئی اس کا طواف کرے یا نہ کرے وہ فی حد ذاتہ خیرات و برکات انوار و تجلیات کا منبع اور سرچشمہ ہے۔ اُس کے دیکھنے ہی سے دل کی ظلمتیں اور کدورتیں دُور ہوتی ہیں۔ اس سرزمین کی آب و ہوا ہی امراض روحانی کے لیئے پیام شفا ہے پس عجب نہیں کہ اطباء روحانی کی نظر میں مواقع عذاب کی آب و ہوا مسموم ہو اور وہاں کے زہریلے جراثیم روح اور قلب کے لیئے مضر ہوں۔ اس لیئے آپ نے وہاں کے پانی استعمال کرنے کی قطعاً ممانعت کر دی اور جس کنوئیں سے صالح علیہ السّلام کی ناقہ پانی پیا کرتی تھی اس کنوئیں سے پانی لینے کا حکم دیا۔ اس لیئے کہ وہ کنواں معصیت اور غضب خداوندی کے اثر سے پاک تھا۔ آب زمزم چونکہ مبارک پانی ہے امراض ظاہری اور خصوصاً امراضِ باطنی کے لیئے اکسیر ہے اس لیئے اس کے پینے کی تاکید فرمائی کہ جس قدر پی سکو پیو جو بدنصیب اللہ اور اس کے رسول کی معصیت اور نافرمانی پر تل گئے یہاں تک کہ ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا وہ حقیقت میں جانور اور بہائم بلکہ ان سے بھی بدترین کما قال تعالےٰ۔

أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ

اس لیئے آپ نے اُس آٹے کے متعلق جو قوم ثمود کے پانی سے گوندھا گیا تھا یہ حکم دیا کہ اونٹوں کو کھلا دیا جائے ایسا پانی جانوروں کے مزاج کے مناسب ہے انسانوں کے مناسب نہیں۔ الغرض جس وقت آپ اس سرزمین عذاب سے گزرے تو آپ کو اندیشہ ہوا کہ مبادا اس مقام کی زہریلی آب و ہوا کا اثر صحابہ پر نہ ہو جائے اس لیئے اُس سے حفاظت کے لیئے ایک تریاق تجویز فرمایا وہ یہ کہ اس مقام سے سرنگوں اور روتے ہوئے گزر جائیں یعنی تخشع اور تضرع گریہ و زاری اور اپنے گناہوں پر ندامت اور شرمسار اس جیسے مقام کی زہریلی آب ہوا

سے بچنے کے لئے تریاق اور اکسیر کا حکم رکھتی ہے ۔انجکشن لینے کے بعد اگر طاعونی محلہ سے گزر جائے تو اندیشہ نہیں ۔اے دوستو بارگاہِ خداوندی میں گریہ وزاری توبہ اور شرمساری گناہوں کا ایسا قوی اور زبردست انجکشن ہے کہ سخت سے سخت زہریلا مادہ بھی اس کے بعد باقی نہیں رہ سکتا سُبْحٰنَکَ اَللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَشْھَدُ ان لا الٰہ الا اَنت استغفرکَ وَاتوب الیکَ قَال تعالیٰ وَلَا تَرْکَنُوْا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّکُمُ النَّارُ وَسَکَنْتُمْ فِیْ مَسَاکِنِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ ظالموں کی طرف میلان اور ظالموں کے مکانات میں سکونت بھی موجبِ عتاب ہے ۔

حجر پہنچ کر آپ نے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ کوئی شخص تنہا نہ نکلے ۔اتفاق سے دو شخص تنہا نکل پڑے ایک کا دم گھٹ گیا جو آپ کے دم کرنے سے اچھا ہوا اور دوسرے شخص کو ہوا لے کے پہاڑوں میں لے جاکر پھینک دیا ۔جو ایک مدت کے بعد مدینہ پہنچے

یہ بیہقی اور ابن اسحاق کی روایت ہے ۔صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ تبوک میں پیش آیا ۔ممکن ہے کہ دو واقعے ہوں یا ابن اسحق اور بیہقی کی روایت میں راوی کا وہم ہو واللہ اعلم ۔

آگے چل کر جب ایک منزل پر ٹھہرے تو پانی نہ تھا سخت پریشان تھے ،اللہ تعالےٰ نے آپ کی دعا سے مینہ برسا دیا جس سے سب سیراب ہو گئے وہاں سے چلے تو اثنا راہ میں آپکی ناقہ گم ہو گیا ایک منافق نے کہا کہ آپ آسمان کی تو خبریں بیان کرتے ہیں مگر اپنے ناقہ کی خبر نہیں کہ وہ کہاں ہے ۔

آپ نے فرمایا خدا کی قسم مجھکو کسی چیز کا علم نہیں مگر وہ کہ جو اللہ نے مجھکو بتلا دیا ہے اور اب بالہام الٰہی مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ وہ ناقہ فلاں وادی میں ہے اور اس کی مہار ایک درخت سے اٹک گئی ہے جس سے وہ رکی ہوئی ہے چنانچہ صحابہ جاکر اُس اونٹنی کو لے آئے ۔

(رواہ البیہقی و ابونعیم)

تبوک پہنچنے سے ایک روز پیشتر آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ کل چاشت کے وقت تم تبوک کے چشمہ پر پہنچوں گے کوئی شخص اس چشمہ سے پانی نہ لے جب اُس چشمہ پر پہنچے تو پانی کا ایک ایک قطرہ اس میں سے رِس رہا تھا، بدقت تمام کچھ پانی ایک برتن میں جمع کیا گیا۔ آپ نے اس پانی سے اپنا ہاتھ اور منہ دھوکر پھر اسی چشمہ میں ڈال دیا۔ اس پانی کا ڈالنا تھا کہ وہ چشمہ فَوّارَہ بن گیا جس سے تمام لشکر سیراب ہوا۔ اور معاذ بن جبل کو مخاطب کرکے فرمایا اے معاذ اگر تو زندہ رہا تو اس خطہ کو باغات سے سرسبز اور شاداب دیکھے گا (رواہ مسلم) ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ آج تک وہ فوارہ جاری ہے دور سے اُس کی آواز سنائی دیتی ہے۔ (خصائص کبریٰ ص۲۷۳ ج ۱)

تبوک پہنچ کر آپ نے بیس روز قیام فرمایا، مگر کوئی مقابلہ پر نہیں آیا۔ لیکن آپ کا آنا بیکار نہیں گیا دشمن مرعوب ہوگئے اور آس پاس کے قبائل نے حاضر ہوکر سر تسلیم خم کیا۔ اہل جَرْبَاؔ[1] اور اَذْرُحْ اور اَیْلَہ کے فرمانرواؤں نے حاضر خدمت ہوکر صلح کی اور جزیہ دینا منظور کیا آپ نے ان کو صلح نامہ لکھوا کر عطا فرمایا۔

اسی مقام سے آپ نے خالد بن ولید کو چار سو بیس سواروں کے ساتھ اکیدر کی طرف روانہ فرمایا جو ہرقل کی طرف سے دومۃ الجَنْدَل کا حاکم اور فرمانروا تھا۔ آپ نے روانگی کے وقت خالد بن ولید سے یہ فرمایا کہ وہ تم کو شکار کھیلتا ہوا ملے گا اس کو قتل نہ کرنا گرفتار کرکے میرے پاس لے آنا ہاں وہ اگر انکار کردے تو قتل کردینا، خالد چاندنی رات میں پہنچے، گرمی کا موسم تھا اکیدر اور اُس کی بیوی قلعہ کے فصیل پر بیٹھے ہوئے گانا سُن رہے تھے۔ اچانک ایک نیل گائے نے قلعہ کے پھاٹک سے آکر ٹکر ماری۔ اکیدر فوراً ہی مع اپنے بھائی اور چند عزیزوں کے شکار کے لئے اترا اور گھوڑوں پر سوار ہوکر اُس کے پیچھے دوڑے تھوڑی ہی دور نکلے تھے کہ خالد بن ولید آپہنچے اکیدر کے بھائی حسان نے مقابلہ کیا وہ مارا گیا اور اکیدر جو شکار کرنے کے لئے

---

[1] جرباء اور اَذْرُح اور اَیْلَہ یہ تینوں شہر علاقہ شام میں ہیں۔ ۱۲

نکلا تھا، وہ خود خالد بن ولید کا شکار ہوگیا۔

خالدؓ نے کہا میں تم کو قتل سے پناہ دے سکتا ہوں بشرطیکہ تم میرے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت حاضر ہونا منظور کرو۔ اکیدر نے اس کو منظور کیا۔ خالد بن ولیدؓ اکیدر کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اکیدر نے دو ہزار اونٹ اور آٹھ سو گھوڑے اور چار سو زرہیں اور چار سو نیزے دے کر صلح کی لے

مسجد ضرار

بیس روز قیام کے بعد آپ تبوک سے مدینہ منورہ واپس ہوئے، جب آپ مقام ذی آوان میں پہنچے جہاں سے مدینہ ایک گھنٹہ کے راستے پر رہ جاتا ہے تو آپ نے مالک بن دخشم اور معن بن عدی کو مسجد ضرار کے منہدم کرنے اور جلانے کے لئے آگے بھیجا۔ یہ مسجد منافقین نے اس لئے بنائی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اس میں بیٹھ کر مشورے کریں جس وقت آپ تبوک جا رہے تھے اس وقت منافقین نے آکر آپ سے درخواست کی کہ ہم نے بیماروں اور معذوروں کے لئے ایک مسجد بنائی ہے آپ چل کر اس میں ایک مرتبہ نماز پڑھا دیں تاکہ وہ مقبول اور متبرک ہو جائے آپ نے فرمایا اس وقت تو میں تبوک جا رہا ہوں واپسی کے بعد دیکھا جائے گا، واپسی کے بعد آپ نے ان دو حضرات کو حکم دیا کہ جا کر اس مسجد کو جلا دیں اور یہ آیتیں اسی کے بارہ میں اتری ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا	اور جن لوگوں نے ایک مسجد بنائی مسلمانوں کو ضرر
وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	پہنچانے کے لئے اور کفر کرنے کے لئے اور اہل ایمان میں
وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ	تفرقہ ڈالنے کے لئے اور تیاری گاہ بنانے کے لئے
مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا	اس شخص کے لئے کہ جو اللہ اور اس کے رسول سے

لے۔ عیون الاثر۔ ج ۲، ص ۲۲۱

الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۔ ؎۵

پہلے ہی سے برسرپیکار ہے اور قسمیں کھائیں گے کہ ہماری نیت سوائے بھلائی کے اور کچھ نہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ آپ اس مسجد میں جاکر کبھی کھڑے بھی نہ ہوں۔ البتہ جس مسجد کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی یعنی مسجد قبا وہ واقعی اس لائق ہے کہ آپ اس میں جاکر کھڑے ہوں اس میں ایسے مرد ہیں کہ جو پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ پسند کرتا ہے پاک رہنے والوں کو۔

ابن ہشام کی روایت میں ہے کہ آپ نے سوَیلم یہودی کے مکان کے بھی جلانے کا حکم دیا، جس میں منافقین جمع ہوکر آپ کے خلاف مشورے کیا کرتے تھے حضرت طلحہ نے چند آدمیوں کی ہمراہی میں جاکر اس مکان کو نذرِ آتش کیا۔

جب آپ مدینہ کے قریب پہنچے تو مشتاقانِ جمال نبوی ماہتاب نبوّت و رسالت کے استقبال کے لئے نکلے۔ یہاں تک کہ غلبۂ شوق میں پردہ نشینان حرم بھی نکل پڑیں لڑکیاں اور بچے یہ اشعار گاتے تھے۔

طلع البدر علینا	من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا	مادعا اللہ داع
ایُّها المبعوث فینا	جئت بالامر المطاع

جب مدینہ کے مکانات نظر آنے لگے تو یہ فرمایا ھٰذہٖ طابۃ یہ مدینہ طیبہ ہے اور جبل احد پر نظر پڑی تو فرمایا:

ھذا جبل یحبنا ونحبہ — یہ پہاڑ ہم کو محبوب رکھتا ہے اور ہم اسکو محبوب رکھتے ہیں۔

؎۵۔ التوبۃ، آیۃ: ۱۰۷، ۱۰۸۔

اخیر شعبان یا شروع رمضان میں مدینہ میں داخل ہوئے، اوّل مسجد نبوی میں جاکر ایک دوگانہ ادا فرمایا نماز سے فارغ ہوکر لوگوں کی ملاقات کے لئے کچھ دیر بیٹھے بعدازاں آرام کے لئے گھر تشریف لے گئے۔ (شرح مواہب)

یہ آخری غزوہ تھا جس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفسِ نفیس شریک ہوئے۔

متخلفین[۱]

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تبوک روانہ ہوئے تو مومنین مخلصین بھی آپ کے ہمرکاب روانہ ہوئے منافقین کا ایک گروہ شرکت سے رہ گیا لیکن چند مومنین مخلصین نفاق کی وجہ سے نہیں بلکہ بعض کسی عذر سے اور بعض بمقتضائے بشریت گرمی اور لُو کی تکلیف سے گھبرا کر پیچھے رہ گئے۔

ابو ذر غفاریؓ کا اونٹ لاغر اور دُبلا تھا اس لئے یہ خیال ہوا کہ دو چار روز میں یہ اونٹ کھا پی کر چلنے کے قابل ہو جائے گا اس وقت میں آپ سے جا ملوں گا۔ جب اس اونٹ سے نااُمید ہوئے تو اپنا سامان اپنی پشت پر لادا اور پا پیادہ روانہ ہوئے اسی طرح تن تنہا تبوک پہنچے آپ نے دیکھکر فرمایا رحم فرمائے اللہ ابوذر پر اکیلا چلا آرہا ہے اکیلا ہی مرے گا اور اکیلا ہی اٹھایا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، ربذہ میں تنہا وفات پائی کوئی تجہیز و تکفین کرنے والا نہ تھا۔ اتّفاق عبداللہ بن مسعود کوفہ سے واپس آرہے تھے، انھوں نے تجہیز و تکفین کی[۲]

معجم طبرانی میں ابو خیثمہ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک روانہ ہوئے اور میں مدینہ رہ گیا۔ شدّت کی گرمی تھی۔ ایک دن دوپہر میں میرے اہلِ خانہ نے چھپر میں چھڑکاؤ کیا اور ٹھنڈا پانی اور کھانا لاکر رکھا یہ منظر دیکھکر یکایک دل پر ایک چوٹ لگی کہ واللہ یہ سراسر بے انصافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو لُو اور گرمی میں ہیں اور میں سایہ میں بیٹھا ہوا۔ اس طرح عیش[۳]

۱۔ ابن ہشام شرح مواہب، ج ۳، ص ۱۰۸ ۲۔ غزوۂ تبوک میں پیچھے رہنے والے۔ ۳۔ شرح مواہب ج ۳: ص ۱۷

آرام کر رہا ہوں فوراً اُٹھ کھڑا ہوا اور کچھ کھجوریں ساتھ لیں اور اُونٹ پر سوار ہوا اور نہایت تیز رفتاری کے ساتھ روانہ ہوا جب لشکر سامنے آگیا تو آپ نے دُور سے دیکھ کر فرمایا ابوخیثمہ آرہا ہے میں نے حاضر خدمت ہو کر واقعہ بیان کیا۔ آپ نے میرے لئے دعائے خیر فرمائی۔ [سلہ]

انھیں مؤمنین صالحین میں سے کعب بن مالک اور مرارۃ بن ربیع اور ہلال بن امیہ بھی تھے۔

صحیح بخاری میں کعب بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہو گئے اور میں سفر کی تیاری میں تھا یہ خیال تھا کہ ایک دو روز میں جب سامان ہو جائے گا تو آپ سے جا ملوں گا۔ اسی میں دیر ہو گئی اور قافلہ دُور نکل گیا اور مدینہ میں سوائے معذورین اور منافقین کے کوئی باقی نہ رہا۔ جب یہ منظر دیکھتا تو نہایت رنج ہوتا جب آپ تبوک سے واپس تشریف لائے تو منافقین نے جھوٹے عذر بیان کئے آپ نے ظاہری طور پر ان کے عذر قبول کئے اور دلوں کا حال اللہ کے سپرد کیا۔

(مغازی ابن عائذ میں ہے کہ کعب بن مالک کہتے ہیں میں نے یہ عزم کر لیا کہ ایسا ہرگز نہ کروں گا کہ غزوہ سے پیچھے بھی رہوں اور پھر اللہ کے رسول سے جھوٹ بھی بولوں چنانچہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کیا، آپ نے اعراض فرمایا، میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی آپ مجھ سے کیوں اعراض فرماتے ہیں۔ خدا کی قسم میں نہ منافق ہوا اور نہ مجھکو شک لاحق ہوا ہے اور نہ میں دین اسلام سے پھرا ہوں آپ نے فرمایا پیچھے کیوں رہے) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اگر کسی دنیا دار کے سامنے بیٹھا ہوتا تو باتیں بنا کر اُس کے غصہ سے نکل جاتا، لیکن آپ اللہ کے رسول ہیں اگر آج جھوٹ بول کر آپ کو راضی بھی کر لیا تو ممکن ہے کہ کل خداوند ذوالجلال آپ کو مجھ سے ناراض کر دے اور اگر آپ سے سچ سچ کہہ دیا جس سے آپ ناراض ہو جائیں تو مجھکو اللہ کے فضل سے اُمید ہے کہ وہ معاف فرمائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ میرے پاس کوئی عذر نہیں میں قصوروا[ر]۔

سلہ۔ فتح الباری۔ ج: ۸، ص: ۸۸

ہوں آپ نے فرمایا اس شخص نے سچ سچ کہہ دیا ہے، اچھا اسوقت جاؤ یہاں تک اللہ تعالےٰ تمھارے بارے میں کوئی نازل فرمائے، اسی طرح مرارۃ بن ربیع اور ہلال بن امیہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر قصور کا اعتراف کیا۔ آپ نے یہ حکم دیا کہ پچاس دن تک کوئی شخص ان تینوں آدمیوں سے بات نہ کرے، چنانچہ سب نے ہم سے سلام و کلام قطع کر دیا۔ خویش و اقارب دوست احباب سب بیگانے نظر آنے لگے۔ کعب کہتے ہیں کہ میرے دونوں ساتھی تو ضعیفی کی وجہ سے خانہ نشین ہو گئے دن رات گریہ وزاری میں گزرتا، میں جوان تھا میں جماعت میں حاضر ہوتا۔ غرض یہ کہ پچاس اسی پریشانی میں گزرے یہاں تک کہ اللہ کی زمین ہم پر تنگ ہوگئی، سب سے زیادہ فکر اس کی تھی کہ اگر اس عرصہ میں موت آگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان میرے جنازہ کی نماز بھی نہ پڑھیں گے۔

پچاس دن کے بعد یکایک جبل سلع سے مژدۂ جانفزا سنائی دیا۔

یا کعب بن مالک البشر   اے کعب بن مالک تم کو بشارت ہو۔

یہ سنتے ہی میں سجدہ میں گر پڑا اور سمجھ گیا کہ مشکل دور ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ ان لوگوں کی توبہ مقبول ہوئی۔ ہر طرف سے لوگ مجھکو اور میرے دونوں ساتھیوں کو خوشخبری اور مبارک باد دینے کے لئے دوڑے، ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ یہ کہتے تھے لِتَهْنِكَ تَوْبَةُ اللهِ عَلَيْكَ مبارک ہو تجھکو اللہ کا تیری توبہ کا قبول کرنا۔ جو شخص میرے پاس خوشخبری لے کر آیا اس کو فوراً ہی میں نے اپنے دونوں کپڑے اتار کر پہنا دئے بعد ازاں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ مسجد میں تشریف فرما تھے میں نے مسجد میں قدم رکھا ہی تھا کہ طلحہ بن عبید اللہ دوڑے ہوئے آئے اور مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی، کعب کہتے ہیں حاضرین میں سے اور کوئی شخص نہیں اٹھا۔ خدا کی قسم طلحہ کا یہ احسان کبھی نہ بھولوں گا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور چاند کی طرح چمک رہا تھا آپ کو سلام کیا آپ نے فرمایا۔

البشر بخیر یوم مر علیک   مبارک ہو تجھکو وہ دن جو تمام دنوں سے بہتر ہے
منذ ولدتک امک   جب سے تیری ماں نے تجھکو جنا ہے۔

کعب بن مالک جس دن اسلام میں داخل ہوئے بے شک وہ دن تمام دنوں سے بہتر تھا لیکن حقیقت میں یہ دن اس دن سے بھی بہتر تھا اس لئے کہ اس دن میں بارگاہ خداوندی سے ان کی توبہ قبول ہوئی جس سے اُن کے ایمان، اخلاص پر ہمیشہ کے لئے مہر ہوگئی۔ اور یہ آیتیں ان کے بارے میں نازل ہوئیں۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ	تحقیق اللہ تعالےٰ اپنی خاص رحمت اور عنایت سے
وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ	متوجہ ہوئے پیغمبر پر اور مہاجرین اور انصار پر جنھوں نے
سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ	تنگی اور دشواری کے وقت میں نبی کا ساتھ دیا ہے
يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ	بوقت تنگدستی آشنا بیگانہ می گردد
ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ	صراحی چوں شود خالی جدا پیمانہ می گردد
رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۙ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ	بعد اس کے ایک گروہ کے دل قریب تزلزل کے
الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ	تھے پھر اللہ نے ان پر توجہ فرمائی اور اللہ بڑا شفیق
عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ	اور مہربان ہے اور توجہ فرمائی اللہ تعالےٰ نے ان
وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا	تین شخصوں پر بھی جن کا معاملہ ملتوی اور موقوف
اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ	تھا، یہاں تک کہ جب زمین باوجود کشادہ ہونے
عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ	کے ان پر تنگ ہوگئی اور ان کی جانیں بھی ان پر
التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۧ يٰۤاَيُّهَا	تنگ ہوگئیں اور انھوں نے یہ سمجھ لیا کہ اللہ کی گرفت
الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا	سے کہیں پناہ نہیں سوائے اس کے کہ پھر اللہ تعالےٰ
مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝	نے ان پر توجہ فرمائی اور ان کا قصور معاف کیا تاکہ

وہ اللہ کی طرف رجوع کریں بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے، اے ایمان والو خدا سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس توبہ کے شکریہ میں اپنا کل مال خیرات کرنا چاہتا ہوں

آپ نے فرمایا کچھ رہنے دو اس لئے خیبر میں میرا جو حصہ تھا میں نے وہ رکھ لیا اور باقی سب خیرات کر دیا۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ۔ اللہ نے مجھکو محض سچ کی وجہ سے نجات دی ہے میں اپنی توبہ کا تکملا اور تتمہ یہ سمجھتا ہوں کہ مرتے دم تک کبھی سوائے سچ کے کوئی بات نہ کروں۔ بخاری و فتح الباری ص۸۶ ج ۸ حدیث کعب بن مالک۔

صدیق اکبر کا امیر حج مقرر ہونا

ذی قعدۃ الحرام ۹ھ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر صدیق کو امیر حج مقرر کر کے مکہ مکرمہ روانہ کیا تین سو آدمی مدینہ منورہ سے ابو بکر صدیق کے ساتھ چلے اور بیس اونٹ قربانی کے آپ کے ہمراہ کیے تاکہ لوگوں کو ٹھیک شریعت کے مطابق حج کرائیں۔ اور سورۂ برأت کی چالیس آیتیں جو نقض عہد کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی تھیں ان کا اعلان کریں جن میں یہ تھا کہ اس سال کے بعد مشرکین مسجد حرام کے قریب نہ جائیں اور بیت اللہ کا برہنہ ہو کر طواف نہ کریں اور جس سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی عہد کیا ہے وہ اس کی مدت تک پورا کر دیا جائے اور جن لوگوں کے ساتھ کوئی عہد نہیں کیا گیا ان کو یوم النحر سے لے کر چار مہینہ کی مہلت ہے صدیق اکبر کی روانگی کے بعد آپ کو یہ خیال ہوا کہ عہد اور نقض عہد کے متعلق جو اعلان کیا جائے مناسب یہ ہے کہ اس کا اعلان و اظہار ایسے شخص کی زبانی ہونا چاہیئے کہ جو عہد کرنے والے کے خاندان اور اہل بیت سے ہو اس لئے کہ عرب ایسے امور میں خاندان اور اقارب ہی کی بات کو قبول کرتے ہیں اس لئے آپ نے حضرت علی کو بلایا اور اپنی ناقہ عضبا پر سوار کر کے ابو بکر صدیق کے پیچھے روانہ کیا کہ سورۂ برأت کی آیات موسم حج میں تم سناؤ اور بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیات برأت صدیق اکبر کے روانہ ہونے کے بعد نازل ہوئیں اس لئے بعد میں حضرت علی کو آیات برأت کا پیغام سنانے کے لئے روانہ فرمایا۔ صدیق اکبر نے جب ناقہ کی آواز سنی تو یہ گمان ہوا کہ آنحضرت

ملہ۔ التوبۃ۔ آیۃ: ۱۱۸ - ۱۱۹

صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لے آئے ٹھہر گئے دیکھا تو علی ہیں، پوچھا امیرؔ اَوْ مَامُوْرٌ یعنی امیر ہوکر آئے ہو یا تابع ہوکے، حضرت علی نے فرمایا۔ مامور ہوں یعنی تابع ہو کے آیا ہوں اور فقط سورۂ برأت کی آیات سنانے کے لئے آیا ہوں، چنانچہ لوگوں کو حج ابوبکر صدیق ہی نے کرایا اور موسم حج کے خطبے بھی انھوں ہی نے پڑھے اور حضرت علی نے صرف سورۂ برأت کی آیات اور ان کا مضمون جمرۂ عقبہ کے قریب یوم النحر میں کھڑے ہوکر لوگوں کو سنایا، حضرت ابوبکر نے کچھ لوگ حضرت علی کی امداد کے لئے مقرر کر دیئے کہ باری باری سے منادی کر دیں۔

چنانچہ یوم النحر منیٰ میں یہ منادی کر دی گئی اور لوگوں کو سنا دیا گیا کہ جنت میں کوئی کافر داخل نہیں ہو سکے گا اور نہ سال آئندہ کوئی مشرک حج کرنے پائے گا اور نہ کوئی برہنہ بیت اللہ کا طواف کر سکے گا۔ اور جس کا جو عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے وہ اس کی مدت تک پورا کر دیا جائے اور جس سے کوئی عہد نہیں یا عہد بلا میعاد کے ہے تو اس کو چار مہینہ کا امن ہے اگر اس مدت میں مسلمان نہ ہوا تو چار ماہ کے بعد جہاں پایا جائے گا قتل کیا جائے گا۔

ایک حدیث میں ہے کہ جب حضرت علی۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر ابوبکر صدیق سے ملے اور کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیات کے اعلان کے لئے بھیجا ہے تو ابوبکر صدیق کو یہ خیال ہوا کہ شاید میرے بارے میں کوئی حکم نازل ہو گیا ہے اس لئے فوراً ہی مدینہ واپس ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا میرے بارے میں کوئی حکم نازل ہوا ہے، آپ نے فرمایا نہیں تو تو میرا یارِ غار ہے، غارِ ثور کا ساتھی ہے اور حوضِ کوثر پر بھی میرے ساتھ ہو گا۔ لیکن برأت کا اعلان سوائے میرے یا میرے خاندان کے کسی شخص کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا اس لئے آیات برأت سنانے کیلئے میں نے علی کو بھیجا ہے۔[۱]

واقعات متفرقہ ۹ھ

(۱)۔ اسی سال ماہ ذی قعدۃ الحرام میں رأس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کا انتقال

---

[۱]۔ فتح الباری۔ ج: ۸، ص: ۶۵

ہوا جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۔ شرح مواہب ج ۳ ص ۹۵ لہ

اور آپ ان منافقین میں سے کسی کی بھی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پہ کھڑے ہوں اس لیے کہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور خدا کے نافرمان مرے ہیں۔

مسئلہ: کافر کے جنازہ میں شرکت اور اس کی قبر پہ جا کر کھڑا ہونا قطعاً ناجائز ہے خواہ جنازہ ہندو کا ہو یا انگریز کا کفر میں دونوں شریک ہیں اور شرعاً مشرک اور بت پرست کافر کتابی کے کفر سے اشد ہے۔

(۲)۔ اسی سال نجاشی شاہ حبشہ کا انتقال ہوا اور بذریعہ وحی آپ کو اسی روز اس کے وفات کی اطلاع دی گئی۔ آپ نے صحابہ کو جمع کر کے اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔

(۳)۔ اسی سال سود کی حرمت کا حکم نازل ہوا اور سال بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ... حجۃ الوداع میں اس کی حرمت کا عام اعلان فرمایا۔

(۴)۔ اسی سال عورتوں سے لعان کا حکم نازل ہوا جس کی مفصل کیفیت سورۂ نور میں مذکور ہے

(۵)۔ جو لوگ اسلام میں داخل نہیں ہوئے بلکہ محض اسلام کے زیر سایہ انھوں نے رہنا منظور کیا ان کے حق میں اسی سال جزیہ کی آیت نازل ہوئی۔ قال تعالیٰ وَقَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۔ لہ جزیہ جزاء سے مشتق ہے یعنی یہ جزاء کفر ہے بطور ذلت وحقارت سالانہ عاقل بالغ مرد سے لیا جاتا ہے۔ جزیہ سے مقصد یہ ہے کہ کفر کی شوکت اور اس کا

لہ۔ شرح مواہب۔ ج ۳، ص ۹۵ ۔ التوبۃ: آیۃ ۸۴

لہ۔ التوبۃ، آیۃ ۲۹

زور ٹوٹ جائے اور اسلام کی برتری اور حکمرانوں کے سامنے جھک جاتے ایسے لوگوں کو اصطلاح شریعت میں ذمی کہتے ہیں۔ ذمہ سے مشتق ہے یعنی جن کی اور مال اور آبرو اور اُن کے حقوق کا اللہ اور اس کا رسول مسلمانوں کی طرح ذمہ دار ہو مگر خوب یاد رکھو کہ قرآن وحدیث نے کافروں سے جزیہ لینے کا جو حکم دیا وہ دفاع اور حفاظت جان کا بدل نہیں یعنی جزیہ کا یہ سبب نہیں کہ ذمی خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتے اور ہم دشمنوں سے اُن کی حفاظت کرتے ہیں کیونکہ حفاظت تو اہل ذمہ کی عورتوں اور بچوں اور بوڑھوں اور اپاہجوں اور راہبوں کی بھی کی جاتی ہے مگر ان پر جزیہ نہیں جزیہ صرف اُن لوگوں سے لیا جاتا ہے جو جہاد میں مستحق قتل تھے۔ اسی وجہ سے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جزیہ قتل کا بدل ہے صرف حر اور عاقل اور بالغ مردوں سے لیا جاتا ہے جو مستحق قتل کے تھے اور جن لوگوں سے اس بنیاد پر معاہدہ ہو کہ طرفین کی خود مختاری محفوظ اور ملحوظ رہے تو شریعت کی اصطلاح میں ایسے لوگوں کو معاہد کہتے ہیں۔

۹ھ اور عام الوفود

عرب میں سب سے بڑا قبیلہ قریش کا تھا جس کی سرداری مسلم تھی۔ قریش کی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں ہونے سے کسی کو انکار نہ تھا، فہم و فراست سخاوت و شجاعت میں مشہور تھے بیت اللہ اور بلد حرام کے مجاور تھے۔ مگر اسلام کی مخالفت اور عداوت پر کمربستہ تھے۔ قبائل عرب کی نظریں قریش پر لگی ہوئی تھیں کہ دیکھئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کیسے نبتی ہے۔ قریش کے نوجوانوں نے تو ابتداہی میں اسلام قبول کر لیا تھا اور کرتے رہے مگر بڑے باقی تھے۔ جب مکہ فتح ہو گیا اور بوڑھوں نے بھی اسلام کی اطاعت قبول کر لی تو اُس وقت عرب کو معلوم ہو گیا کہ دین اسلام دین الٰہی ہے ضرور تمام عالم میں پھیل کر رہے گا اور کوئی قوت اس کی مخالفت میں کامیاب نہیں ہو سکتی اس سے مکہ فتح ہوتے ہی ہر طرف سے سفارتیں آنے لگیں اور ہر قبیلہ کے وکلاء اور وفود بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے لگے، اسلام کی حقیقت معلوم کرتے خود بھی مشرف باسلام ہوتے اور اپنی ساری قوم کے مسلمان

کرنے کا وعدہ کر کے واپس ہوتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اذا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ	جب اللہ کی نصرت اور فتح آجائے اور آپ لوگوں کو
النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِيْنِ اللهِ اَفْوَاجاً	اللہ کے دین میں داخل ہوتا ہوا جوق درجوق دیکھ لیں
فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ	تو تسبیح اور تحمید اور استغفار میں مشغول ہو جائے اللہ
اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا۔ ؎۱	تعالیٰ بڑا توجہ فرمانے والا ہے۔

وفود کی ابتدا تو ۸ھ کے اخیر ہی سے ہو گئی تھی لیکن زیادہ تسلسل ۹ھ اور ۱۰ھ میں رہا۔ اس لئے ان دونوں سنوں کو عام الوفود کہا جاتا ہے ابن سعد اور دمیاطی اور مغلطائی اور عراقی نے وفود کی تعداد ساٹھ سے کچھ زیادہ بیان کی ہے مگر علامہ قسطلانی نے مواہب میں پینتیس[۳۵] وفود کا ذکر کیا ہے۔ ؎۲

(۱) وفد ہوازن

فتح مکہ کے بعد یہ پہلا وفد ہے کہ جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جس وقت آپ جعرانہ میں ٹھہرے ہوئے تھے اس وقت ہوازن کے چودہ آدمیوں کا وفد اپنے مال اور قیدیوں کے چھڑانے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جس کا مفصل قصہ غزوہ حنین کے بیان میں گزر چکا ہے۔ اس وفد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی چچا بھی تھے۔ حضرت حلیمہ سعدیہ اسی قبیلہ کی تھیں زہیر بن صرد سعدی جشمی اس وفد کے رئیس تھے کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ان قیدیوں میں آپ کی خالائیں اور رضاعی پھوپیاں اور پالنے والیاں ہیں جو کبھی آپ کو چھاتی سے لگاتی تھیں، اگر ہم نے حارث غسانی اور نعمان بن منذر کو دودھ پلایا ہوتا تو ایسی مصیبت کے وقت میں ہم اس سے ضرور امید رکھتے اور آپ تو سب سے بہتر اور افضل مکفول ہیں اور یہ شعر پڑھے۔

؎۱۔ سورۃ : ۱۰۹ ، ؎۲۔ زرقانی ، ج : ۴ ، ص : ۲

اُمْنُنْ عَلَيْنَا رَسُولَ اللّٰهِ فِي كَرَمٍ ۔۔۔ فَإِنَّكَ الْمَرْءُ نَرْجُوهُ وَنَنْتَظِرُ

یارسول اللہ۔ آپنے کرم اور مہربانی سے ہم پر احسان فرمایئے۔ بلاشبہ آپ ایسے شخص ہیں جس سے ہم مہربانی اور کرم کے امیدوار اور منتظر ہیں۔

اُمْنُنْ عَلٰى بَيْضَةٍ قَدْ عَاقَهَا قَدَرٌ ۔۔۔ مُمَزَّقٌ شَمْلُهَا فِي دَهْرِهَا غِيَرُ

اُس قبیلہ پر احسان فرمایئے کہ جس کی حاجتوں کو قضاء و قدر نے روک دیا ہے۔ تغیرات زمانہ سے اُس کا شیرازہ پراگندہ ہوگیا ہے۔

يَا خَيْرَ طِفْلٍ وَمَوْلُودٍ وَمُنْتَخَبٍ ۔۔۔ فِي الْعَالَمِيْنَ إِذَا مَا حُصِّلَ الْبَشَرُ

اے بہترین مولود اور دنا تز عالم کے انتخاب

إِنْ لَمْ تُدَارِكْهُمْ نَعْمَاءُ تَنْشُرُهَا ۔۔۔ يَا أَرْجَحَ النَّاسِ حِلْمًا حِيْنَ تُخْتَبَرُ

اگر آپ کا انعام واحسان اُن کی خبر گیری نہ کرے گا۔ ہلاک[1] ہوجائیں گے اے وہ ذات کہ جس کا حلم اور بردباری میں سب سے پلہ بھاری ہے اور امتحان اور آزمائش کے وقت اس کا حلم نمایاں اور ظاہر ہوجاتا ہے ہم پر احسان فرما۔

اُمْنُنْ عَلٰى نِسْوَةٍ قَدْ كُنْتَ تَرْضَعُهَا ۔۔۔ إِذْ فُوكَ تَمْلَؤُهُ مِنْ مَحْضِهَا الدِّرَرُ

ان عورتوں پر احسان فرمائے جن کا آپ دودھ پیتے تھے اور اُن کے خالص اور بہتے ہوئے دودھ سے آپ اپنے مُنہ کو بھرتے تھے۔

لَا تَجْعَلَنَّا كَمَنْ شَالَتْ نَعَامَتُهُ ۔۔۔ وَاسْتَبْقِ مِنَّا فَإِنَّا مَعْشَرٌ زُهُرُ

ہم کو اُن لوگوں کے مانند مت کیجئے کہ جن کے قدم اکھڑ گئے ہوں اور اپنے جود و کرم کے شکر و امتنان کو ہمیشہ کیلئے ہم میں باقی چھوڑے ہم شریف گروہ کسی کے احسان کو فراموش نہیں کرتے۔

إِنَّا لَنَشْكُرُ لِلنَّعْمَاءِ إِذْ كُفِرَتْ ۔۔۔ وَعِنْدَنَا بَعْدَ هٰذَا الْيَوْمِ مُدَّخَرُ

تحقیق ہم انعام اور احسان کے بہت زیادہ مشکور ہوتے ہیں جبکہ لوگ اس کی ناشکری کریں۔

فَأَلْبِسِ الْعَفْوَ مَنْ قَدْ كُنْتَ تَرْضَعُهُ ۔۔۔ مِنْ أُمَّهَاتِكَ إِنَّ الْعَفْوَ مُشْتَهَرُ

---

[1] اشارۃ الی ان الجزاء محذوف وھو ھلکوا ۱۲

پس آپ اُن ماؤں کو جن کا آپ نے دودھ پیا ہے، اپنے من عفو میں چھپالیں تحقیق آپ کا عفو تو مشہور ہے۔

يَا خَيْرَ مَنْ مَرِحَتْ كُمْتُ الْجِيَادِ بِهِ ... عِنْدَ الْهِيَاجِ إِذَا مَا اسْتُوقِدَ الشَّرَرُ

اے وہ ذات کہ جس کی سواری سے کمیت گھوڑے نشاط اور طرب میں آجاتے ہیں جبکہ لڑائی کی آگ دھکائی جائے

إِنَّا نُؤَمِّلُ عَفْوًا مِنْكَ تُلْبِسُهُ ... هَذِي الْبَرِيَّةَ إِذْ تَعْفُو وَتَنْتَصِرُ

ہم آپ سے ایسے عفو کی اُمید لگائے ہوئے ہیں جو ان سب کو اپنے اندر چھپالے۔

فَاغْفِرْ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا أَنْتَ رَاهِبُهُ ... يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِذْ يُهْدَى لَكَ الظَّفَرُ

پس آپ ہم کو معاف کیجئے۔ اللہ تعالےٰ آپ کو قیامت کے اندیشوں محفوظ رکھے گا اور آپ کو کامیابی عطا فرمائے گا۔

بعض روایات میں کچھ اشعار اور زیادہ ہیں تفصیل کے لئے الروض الانف ص۳۰۶ ج ۲ -
اور عیون الاثر ص۱۹۶ ج ۲ - اور زرقانی ص۳ ج ۴ - کی مراجعت کیجئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب

آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہارا بہت انتظار کیا جب تم نہ آئے تب میں نے مال اور اسباب اور تمام قیدی غانمین پر تقسیم کر دئے، دو چیزوں میں سے ایک چیز کو اختیار کر لو۔ مال واسباب لے لو یا اپنے اہل وعیال کو چھڑالو، وفد نے کہا اہل وعیال ہم کو زیادہ عزیز ہیں۔ آپ نے فرمایا میرا اور میرے خاندان بنی عبد المطلب کا جو حصّہ ہے وہ تو میں نے تم کو دے دیا باقی جو حصّہ مسلمانوں کے قبضہ میں آچکا ہے سو اس بارے میں تمہاری سفارش کروں گا چنانچہ آپ نے سفارش کی سب نے طیب خاطر سے تمام قیدی آزاد کر دیئے دو چار شخصوں نے کچھ تامل کیا آپ نے اُن کا معاوضہ دے دیا اس طرح وفد۔ اپنے چھ ہزار بچوں اور عورتوں کو لے کر واپس ہوا۔

آپ کی سفارش کا مفصل واقعہ غزوہ حنین کے بیان میں گزر چکا ہے اس لئے یہاں اس کو مختصر کر دیا۔

---

(۲) وفدِ ثقیف

ماہ رمضان المبارک ۹ھ میں ثقیف کا وفد اسلام قبول کرنے اور آپ کے دست مبارک پر بیعت کرنے کے لئے حاضر خدمت ہوا۔

یہ وہی ثقیف ہیں کہ جن سے آپ نے اور آپ کے صحابہ نے محاصرۂ طائف میں شدید تکلیف اٹھائی اور طائف کے قلعہ کو غیر مفتوح چھوڑکر شکستہ دل مدینہ واپس ہوئے۔

جس وقت آپ طائف کا محاصرہ چھوڑ کر روانہ ہونے لگے تو کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ان کے لئے بددعا کیجئے ان کے تیروں نے ہم کو جلا ڈالا۔ آپ نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اهْدِ ثَقِيفًا وَأْتِ بِهِمْ مُسْلِمِيْنَ (رواہ الترمذی وحسنہ) اے اللہ قبیلہ ثقیف کو ہدایت دے اور مسلمان کرکے ان کو میرے پاس بھیج۔

آپ کی دعا قبول ہوئی اور عروہ بن مسعود ثقفی کی شہادت کے آٹھ مہینہ بعد جب آپ تبوک سے واپس ہوئے، آپ کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے، اسلام قبول کیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، چھ آدمیوں کا وفد عبد یا لیل کی سرکردگی میں مدینہ روانہ ہوا۔ یا تو وہ تمرد اور سرکشی تھی یا یہ جوش اور ولولہ ہے کہ خود بخود بہ ہزار رضا و رغبت اسلام کا حلقہ بگوش بننے کے لئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو رہے ہیں اس لئے مسلمانوں کو ان کی آمد سے بے حد مسرت ہوئی سب سے پہلے مغیرہ بن شعبہ نے ان لوگوں کو دیکھا دیکھتے ہی دوڑے کہ جاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت سناؤں راستہ میں ابوبکر صدیق مل گئے ابوبکر صدیق کو جب علم ہوا تو مغیرہ کو خدا کی قسم دی اور کہا کہ مجھکو اجازت دو کہ میں جاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بشارت سناؤں مغیرہ نے اجازت دے دی ابوبکر صدیق رضؓ نے جاکر آں حضرت کو اس وفد کی آمد کا مژدہ سنایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ٹھہرنے کے لئے خاص مسجد نبوی میں ایک خیمہ نصب کرا دیا۔ (تاکہ قرآن کو سنیں اور نماز اور نمازیوں کو دیکھیں) وفد کی مہمانی

اور اُن کی خبر گیری یہ سب خالد بن سعید بن العاص کے سپرد تھی، جب تک خالد بن سعید اس کھانہ میں سے نہ کھا لیتے تھے اس وقت تک وفد کے لوگ وہ کھانہ نہ کھاتے تھے اور وفد کو جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنا ہوتا تھا وہ انھیں کے واسطے سے کہتے تھے۔ چنانچہ وفد نے خالد کے واسطے سے عجیب شرطیں پیش کیں۔

(۱)۔ نماز معاف کر دی جائے۔

(۲)۔ لات (جو اُن کا بڑا بت تھا،) اس کو تین سال تک نہ توڑا جائے۔ بچے اور عورتیں اس پہ بہت مفتون ہیں۔

(۳)۔ ہمارے بت خود ہمارے ہاتھوں سے نہ تڑوائے جائیں آپ نے اوّل کی دو شرطوں سے قطعاً انکار کر دیا اور یہ فرمایا:

لاخیر فی دین لاصلاۃ فیہ — اس دین میں کوئی بہتری نہیں جس میں نماز نہ ہو۔

تیسری شرط کی بابت فرمایا یہ ہو سکتا ہے سب نے اسلام قبول کیا اور وطن واپس ہوئے عثمان بن ابی العاص جو اس وفد میں سب سے کمسن تھے ان کو امیر اور حاکم مقرر فرمایا ان کو علم اور قرآن اور اسلامی مسائل کے سیکھنے کا سب سے زیادہ شوق تھا۔ اس لئے صدیق اکبر کے اشارہ سے آپ نے ان کو امیر مقرر کیا۔ اور انہی کے ہمراہ ابو سفیان بن حرب اور مغیرۃ بن شعبہ کو لات کے منہدم کرنے کے لئے روانہ کیا ابو سفیان کسی وجہ سے پیچھے رہ گئے مغیرہ نے جاکر بت پر پھاؤڑا مارا ثقیف کی عورتیں برہنہ سر اور برہنہ پا یہ ماجرا دیکھنے کے لئے گھروں سے نکل پڑیں۔ مغیرہؓ نے بت کو توڑ ڈالا اور بت خانہ میں جو مال و اسباب اور زیورات تھے وہ سب لے لئے۔ اوّل اس میں سے عروۃ بن مسعود ثقفی کے بیٹے ابو فلیح اور عروہ کے بھتیجے قارب بن الاسود کا قرض ادا کیا اور جو بچا وہ آپ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے آپ نے اسی وقت اس کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا اور اللہ کا شکر کیا کہ اُس نے اپنے دین کی مدد فرمائی اور اپنے پیغمبر کو عزت دی۔ عروۃ بن مسعود کی شہادت کے بعد جب اہل طائف مسلمان ہو گئے تو وفد ثقیف کی حاضری سے پہلے ابو فلیح بن

عروہ اور قارب الاسود، آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ملات کے بت خانے سے ہمارے باپ یعنی عروہ اور اسود کا قرضہ ادا کر دیا جائے عروہ اور اسود دونوں حقیقی بھائی تھے، عروہ تو اسلام لائے اور شہید ہوئے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے ابو فلیح عروہ کے بیٹے ہیں اور اسود کافر مرا۔ قارب اسود کے بیٹے ہیں۔ دونوں نے اپنے اپنے باپ کے قرضہ کی ادائیگی کی درخواست کی آپ نے فرمایا اسود تو مشرک مرا ہے قارب نے عرض کیا یا رسول اللہ بے شک وہ مشرک مرا ہے مگر قرضہ تو مجھ پر ہے، آپ نے ابو سفیان رضؓ کو حکم دیا کہ لات کے بت خانہ سے جو مال برآمد ہو اوّل اس سے ابو فلیح اور قارب کا قرض ادا کرنا۔[۵]

(۴۳) وفد بنی عامر بن صعصعہ

تبوک کی واپسی کے بعد بنو عامر بن صعصعہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے جن میں عامر بن طفیل اور سار بد بن قیس بھی تھے، سلسلۂ کلام میں ان لوگوں نے آپ سے ان لفظوں میں خطاب کیا۔ انت سیدنا آپ ہمارے سردار ہیں، آپ نے فرمایا اپنی بات کہو شیطان تمہارے ساتھ مسخرہ پن نہ کرے۔ سردار صرف اللہ ہے ظاہر میں یہ تملق اختیار کیا اور در پردہ عامر نے اربد کو یہ سمجھا دیا کہ میں جب آپ کو باتوں میں لگالوں تو تم فوراً تلوار سے آپ کا کام تمام کر دینا عامر نے آپ سے گفتگو شروع کی، اے محمد مجھکو آپ اپنا مخلص دوست بنا لیجیے آپ نے فرمایا ہرگز نہیں جب تک تو ایک خدا پر ایمان نہ لائے، عامر نے کہا اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو آپ مجھکو کیا عطا فرمائیں گے۔ آپ نے فرمایا اسلام لانے کے بعد تیرے وہی حقوق اور احکام ہوں گے جو تمام مسلمانوں کے ہیں۔ عامر نے کہا آپ اپنے بعد حکومت اور خلافت مجھکو عطا کر دیں۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں عامر نے کہا اچھا اہل بادیہ پر آپ حکومت کریں شہر اور آبادی کی حکومت میرے لئے چھوڑ دیں۔ ورنہ میں غطفان کو لے کر آپ پر چڑھائی کروں گا۔ اور مدینہ کو سوار اور پیادوں سے بھر دوں گا

---

[۵] ۔ زرقانی، ج: ۴، ص: ۶ – ۹ ۔

آپ نے فرمایا اللہ تجھکو قدرت نہیں دے گا۔ گفتگو ختم ہوئی جب دونوں اُٹھ کھڑے ہوئے تو آپ نے دعا فرمائی اے اللہ عامر بن طفیل کے شر سے مجھکو بچا۔ اور اس کی قوم کو ہدایت دے جب باہر آئے تو عامر نے اربد سے کہا افسوس میں تیرا منتظر رہا مگر تو نے جنبش بھی نہ کی اربد نے کہا میں نے جب کبھی تلوار سونتنے کا ارادہ کیا تو کوئی نہ کوئی چیز درمیان میں حائل نظر آئی۔ ایک مرتبہ آہنی دیوار نظر آئی اور ایک مرتبہ ایک اونٹ نظر آیا جو میرے سر کو نگل جانا چاہتا ہے۔

جب یہ وفد آپ کے پاس سے واپس ہوا تو عامر بن طفیل تو راستہ میں بعارضۂ طاعون ہلاک ہوا عرب میں چونکہ بستر پہ مرنا عار سمجھا جاتا ہے، اس لیے عامر نے کہا مجھکو گھوڑے پر بٹھلاؤ گھوڑے پر سوار ہوا اور نیزہ ہاتھ میں لیا۔ اور یہ الفاظ کہے یا ملک الموت ابرز لی اے موت کے فرشتے میرے سامنے آ یہ کہتا کہتا گھوڑے سے گر پڑا، اسی مقام پر اس کو دفن کر دیا گیا۔ جب وفد سرزمین بنی عامر میں پہنچا تو لوگوں نے اربد سے حالات دریافت کئے۔ اربد نے کہا آپ کا دین ہیچ ہے۔ خدا کی قسم وہ شخص (اشارہ سوئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم) اگر اس وقت میرے سامنے ہو تو تیروں سے اس کو قتل کر کے چھوڑوں۔ دو دن نہ گزرے تھے کہ اونٹ پر سوار ہو کر نکلا۔ فوراً ہی آسمان سے اس پہ ایک بجلی گری جس سے وہ فی النار والسقر ہوا۔ عامر اور اربد یہ دونوں بدنصیب دولتِ اسلام سے محروم واپس ہوئے اور وفد کے باقی اکثر افراد دولت اسلام سے مالا مال ہو کر واپس ہوئے۔[۵]

(۴) وفد عبد القیس

یہ بہت بڑا قبیلہ تھا۔ بحرین کا باشندہ تھا اس قبیلہ کا وفد دو مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، پہلا وفد فتح مکہ سے بھی پہلے آیا پیشتر ۵ھ یا اس سے بھی پہلے حاضر ہوا اس مرتبہ وفد میں تیرہ یا چودہ آدمی تھے آپ نے فرمایا۔

۵۔ زاد المعاد۔ ج: ۳، ص: ۲۹

مرحبا بالقوم غیر خزایا و لا ندامی — مرحبا ہے اس قوم کو جو نہ رسوا ہوئے اور نہ شرمندہ۔ یعنی خوشی سے مسلمان ہو گئے لڑکر مسلمان نہیں ہوئے جس سے ان کو ذلت یا ندامت ہوتی۔

❖ ❖

وفد نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اور آپ کے مابین قبیلۂ مضر کے مشرکین حائل ہیں صرف اشہر حُرم میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو سکتے ہیں، جن مہینوں میں عرب لوٹ مار کو حرام جانتے ہیں اس لئے آپ ہم کو کوئی ایسا جامع اور مختصر عمل تبلا دیجئے کہ اس کے کرنے سے ہم جنت میں داخل ہو سکیں اور اہل شہر کو بھی اسی کی دعوت دیں۔ آپ نے فرمایا اللہ پر ایمان لاؤ اور گواہی دو کہ اللہ ایک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور مال غنیمت سے پانچواں حصہ اللہ کے لئے ادا کرو اور چار برتنوں میں نبیذ بھگونے سے منع فرمادیا۔[ل] اور نقیر اور ختم اور مزفت۔

یہ صحیح بخاری کی روایت ہے مسند احمد اور ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ جب یہ وفد مدینہ پہنچا تو دیدار نبوی کے شوق میں یہ لوگ سواریوں سے کود پڑے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دست مبارک کو بوسہ دیا، اسی وفد میں اشج عبد القیس بھی تھے جن کا نام منذر ہے یہ سب سے کم عمر تھے۔ انھوں نے اول تمام اونٹ بٹھلائے اور سب کا سامان ایک جگہ لگایا۔ پھر اپنے بُقچہ میں سے دو سفید دھلے ہوئے کپڑے نکالے وہ پہن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ سے مصافحہ کیا اور آپ کے دست مبارک کو بوسہ دیا آپ نے فرمایا تجھ میں دو خصلتیں ہیں جن کو اللہ اور اس کا رسول پسند کرتا ہے ایک حلم اور دوسرے وقار و تمکنت۔ اشج نے عرض کیا یارسول اللہ یہ دونوں خصلتیں مجھ میں بطور تصنع ہیں یا فطری اور جبلی ہیں آپ نے فرمایا بلکہ اللہ نے تجھکو پیدا ہی ان خصلتوں پر کیا ہے اشج نے کہا۔ الحمد للہ الذی جبلنی علی خلتین یحبہما اللہ و رسولہ۔ حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے ایسی دو خصلتوں پر پیدا کیا جن کو اللہ اور اس کا

ل۔ دبا۔ کدو کا تونبا۔ نقیر کھدی ہوئی لکڑی کا برتن اور حنتم سبز لاکھی گھڑیا۔ اور مزفت روغنی برتن۔

رسول پسند کرتا ہے۔

یہ پہلی مرتبہ کا بیان تھا دوسری مرتبہ وفد عبدالقیس ۸ھ یا ۹ھ میں حاضر خدمت ہوا اس وقت وفد میں چالیس آدمی تھے۔ صحیح ابن حبان کی روایت میں ہے کہ آپ نے اس وقت یہ فرمایا۔

مالی اری الوانکم تغیرت — کیا ہوا کہ تمھاری رنگتوں کو بدلا ہوا دیکھتا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ پہلے بھی آئے تھے [۱]

(۵) وفد بنی حنیفہ ۹ھ

بنی حنیفہ کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جس میں مشہور چالاک اور فتنہ پرداز مسیلمہ کذاب [۲] بھی تھا یہ وفد ۹ھ میں آیا مگر مسیلمہ مغرور تکبر کیوجہ حاضر بارگاہ نہ ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اس کے پاس تشریف لے گئے اور ثابت بن قیس بن شماس آپ کے ہمراہ تھے مسیلمہ نے کہا اگر آپ مجھکو اپنی خلافت عطا فرمائیں اور اپنے بعد مجھکو اپنا قائمقام مقرر کریں تو میں بیعت کرنے کے لئے تیار ہوں حضور پرنور کے دست مبارک میں اس وقت کھجور کی ایک چھڑی تھی۔ آپ نے فرمایا اگر تو یہ چھڑی بھی مانگے گا تو نہ دوں گا۔ اور اللہ تعالے نے تیرے لئے جو مقدر فرما دیا ہے تو اس سے سر مو تجاوز نہیں کر سکے گا اور غالبًا تو وہی ہے جو مجھکو خواب میں دکھلایا گیا ہے اور یہ ثابت بن قیس ہیں تجھکو جواب دیں گے یہ کہہ کر آپ واپس واپس تشریف لے آئے ابن عباس فرماتے ہیں میں نے ابوہریرہ سے دریافت کیا کہ آپ کو کیا خواب دکھلایا گیا۔ ابوہریرہ نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ

---

[۱] ۔ فتح الباری ۔ ج : ۸ ، ص : ۶۷ ، زرقانی ، ج ۴ : ص : ۱۳

[۲] ۔ یہاں سے واپس جانے کے بعد مسیلمہ نے نبوت کا دعویٰ کیا اور لوگوں سے یہ جھوٹ بولا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھکو اپنا شریک کر لیا ہے ۱۲ ۔ ابن ہشام ۔

میرے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن لاکر رکھے گئے جس سے گھبرایا خواب ہی میں مجھ سے یہ کہا گیا کہ ان میں پھونک مارو میں نے پھونک ماردی وہ فوراً اڑ گئے جس کی تعبیر یہ ہے کہ دو کذاب ظاہر ہوں گے۔ چنانچہ ان دو میں سے ایک کذاب مسیلمہ ہوا اور دوسرا اسود عنسی[۵] اسود عنسی آپ ہی کی زندگی میں قتل ہوا اور دوسرا کذاب یعنی مسیلمہ صدیق اکبر کے عہد خلافت میں قتل ہوا۔

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (فتح الباری باب وفد بنی حنیفہ ص ۷۰ ج ۸ و زرقانی ص ۱۹ ج ۴)

پھر ۱۰ھ میں مسیلمہ کذاب نے آپ کے پاس خط بھیجا جس کا یہ مضمون تھا۔

	ترجمہ
من مسیلمۃ رسول اللّٰہ الی محمد رسول اللّٰہ امابعد فانی قد اشرکت معك فی الامر وان لنا نصف الارض ولقریش نصفها ولکن قریشا لا	مسیلمہ خدا کے رسول کی طرف سے محمد رسول اللہ کی طرف پس میں تیرے ساتھ کام میں شریک کردیا گیا ہوں نصف زمین ہمارے لئے اور نصف قریش کیلئے مگر قریش انصاف نہیں کرتے۔ السلام۔

---

[۵] اسود عنسی سود اللہ وجہہ نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو آپ نے فیروز دیلمی کو مع چند سواروں کے اس کے قتل کے لئے روانہ فرمایا مرض الوفات میں اس کے قتل کی خبر پہنچی۔ عبدالرحمن شمالی نے اس بارہ میں یہ اشعار کہے۔

لَعَمْرِیْ وَمَا عَمْرِیْ عَلَیَّ بِهَلِّیْنَ ۔۔۔ لَقَدْ جَزِعَتْ عَنْسٌ لِقَتْلِ الْاَسْوَدِ

قسم ہے میری زندگی کی (اور میری قسم معمولی قسم نہیں) قبیلۂ عنس اسود عنسی کے قتل سے گھبرا اٹھا۔

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ سِيْرُوْا لِقَتْلِهٖ ۔۔۔ عَلٰى خَيْرِ موعود واَسْعَدِ اَسْعُدِ [۶]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کے قتل کے لئے جاؤ اور بہترین وعدہ اور خوش نصیبی کی بشارت دی۔

فسرنا الیہ فی فوارس بُهمَةٍ ۔۔۔ علی حین امر من وصاۃ محمد

پس ہم چند سوار اس کے قتل کے لئے روانہ ہو گئے تاکہ آپ کے حکم اور وصیت کی تعمیل ہو (حسن الصحابہ فی شرح اشعار الصحابہ ص ۳۱۳)

عروہ کہتے ہیں کہ اسود عنسی آں حضرت کی وفات سے ایک دن اور ایک رات قبل مارا گیا۔ اسی وقت آپ کو بذریعہ وحی کے اس کی خبر دی گئی آپ نے صحابہ کو اس سے مطلع کیا۔ اس کے بعد جب ابوبکر صدیق خلیفہ ہو گئے تب قاصد خبر لے کر آیا اور بعض کہتے ہیں کہ آپ کے دفن کے روز قاصد خبر لے کر آیا۔ (فتح الباری ص ۷۲ ج ۸ قصۃ الاسود العنسی)

[۶] اسعد الاول افعل التفضیل والثانی جمع سعد بمعنی الیمن ضد النحس ۱۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا یہ جواب لکھوایا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۵	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی طرف
من محمد رسول اللہ الی مسیلمۃ	سے مسیلمہ کذاب کی طرف سلام ہو جو ہدایت
الکذاب۔ امابعد فالسلام	کا اتباع کرے تحقیق زمین اللہ کی ہے
علی من اتبع الھدیٰ فان	جس کو چاہے اپنے بندوں میں سے
الارض للّٰہِ یورثھا مَنۡ یَّشَآءُ من	عطا فرمائے اور اچھا انجام خدا سے ڈرنے
عبادہٖ والعاقبۃ للمتَّقِیۡنَ	والوں کا ہے۔

یہ واقعہ حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد کا ہے[1]

(۶) وفدِ طے

قبیلہ طے کا وفد جس میں پندرہ آدمی تھے۔ حاضر خدمت ہوا ان کا سردار زید الخیل تھا آپ نے اسلام پیش کیا سب نے طیب خاطر سے اسلام قبول کیا اور زید الخیل کا نام زید الخیر رکھا اور یہ فرمایا کہ عرب میں سے جس شخص کی میں نے تعریف سنی اس کو اُس سے کم ہی پایا سوائے تیرے۔[2]

(۷) وفدِ کندہ

کندہ۔ یمن کے ایک قبیلہ کا نام ہے ۱۰ھ میں اسّی سواروں کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ان کا سردار اشعث[3] بن قیس تھا جب یہ لوگ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے تو

---

[1]۔ ابن اثیر۔ ج: ۲، ص: ۱۴۵۔ [2]۔ عیون الاثر۔ ج: ۲، ص: ۲۳۶

[3]۔ اشعث بن قیس آپ کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تھے مگر ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر تائب ہوئے اور جنگ قادسیہ اور مدائن اور جلولاء اور نہاوند میں شریک رہے ۴۰ھ یا ۴۲ھ میں کوفہ میں انتقال کیا۔ عیون الاثر ج ۲ ص ۲۴۲

جبّے پہنے ہوئے تھے جن کا سنجاف ریشم کا تھا، آپ نے فرمایا کیا تم مسلمان نہیں۔ انھوں نے عرض کیا کیوں نہیں بلاشبہ ہم مسلمان ہیں آپ نے فرمایا پھر تمھاری گردنوں میں یہ ریشم کیسا، انھوں نے اسی وقت ان کپڑوں کو پھاڑ کر پھینک دیا۔

مسئلہ: سنجاف اگر قلیل مقدار میں ہو مثلاً چار انگشت تو اس کا استعمال جائز ہے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر اور فاروق اعظم سے اس کا پہننا ثابت ہے۔ غالباً اس مقام پر سنجاف کے حد سے متجاوز ہوگا اس لئے ممانعت فرمائی[۱]

(۸) وفد اشعریین ۸ھ

اشعریین یمن کا ایک معزز اور بہت بڑا قبیلہ ہے جو اپنے جد امجد اشعر کی طرف منسوب ہے۔ اشعر کو اشعر اس لئے کہا جاتا ہے کہ جب وہ پیدا ہوئے تو ان کے بدن پر بال بکثرت تھے اور اُشعر صیغہ صفت ہے شعر بمعنی بال سے مشتق ہے جس کے معنی کثیر الشعر کے ہیں ابو موسیٰ اشعریؓ اسی قبیلہ کے ہیں یہ لوگ نہایت ذوق وشوق کے ساتھ یہ رجز پڑھتے ہوئے روانہ ہوئے۔

غدا نلقی الاحبہ محمدا و حزبہ

کل دوستوں سے جا ملیں گے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے گروہ سے

اِدھر آپ نے صحابہ کو خبر دی کہ ایک جماعت آرہی ہے جو نہایت رقیق القلب اور نرم دل ہے، چنانچہ اشعریین کا وفد آپ کی خدمت میں پہنچا آپ نے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اہلِ یمن آ گئے جن کے دل نہایت رقیق اور نرم ہیں۔ (یعنی قساوت سے بالکلیہ پاک ہیں، فوراً حق کو قبول کرتے ہیں سنگ وخشت نہیں کہ کسی موعظت وحکمت کا ان پر اثر نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ) ایمان یمنی ہے اور حکمت بھی یمنی ہے۔ (یعنی ان کی رقت قلب اور نرم دلی کا یہ ثمرہ ہے کہ ان کے قلوب ایمان وعرفان کے معدن اور علم وحکمت کے سرچشمہ ہیں نبی امی فداہ نفسی وابی امی صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] ۔ زاد المعاد ۔ ج ۳، ص: ۳۴

و شرف و کرم نے بیح فرمایا۔ رقت قلب ہی تمام بھلائیوں کا سرچشمہ ہے اور قساوت قلب ہی تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ (نعوذ باللہ من القسوۃ آمین)

چونکہ اہلِ یمن اکثر بکریاں رکھتے ہیں اس لئے آگے ارشاد فرمایا سکون اور اطمینان وقار اور تواضع بکریوں والوں میں ہے اور فخر اور خیلا آر یعنی اپنے کو بڑا اور دوسرے کو حقیر سمجھنا یہ اونٹ والوں میں ہیں اور مشرق کی جانب اشارہ فرمایا۔

وفد نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم اس لئے حاضر خدمت ہوئے ہیں کہ تفقہ فی الدین حاصل کریں اور تکوین عالم کی ابتدار اور آغاز کو دریافت کریں آپ نے فرمایا سب سے پہلے خدا تھا اور اس کے سوا کچھ نہ تھا اور اُس کا عرش پانی پر تھا (یعنی تکوین عالم کی ابتدار پانی اور عرش سے ہوئی اوّل پانی پیدا کیا اور پھر عرش) پھر آسمان و زمین کو پیدا کیا اور ہر چیز کو لوح محفوظ میں لکھدیا۔

نکتہ: ابن عساکر فرماتے ہیں۔ توحید اور اصول دین اور حدوث عالم میں کلام کرنا اور مسائل کلامیہ کی تحقیق و تدقیق خاندان اشعریین میں نسلاً بعد نسل جاری رہی حتیٰ کہ امام ابوالحسن اشعری (جو ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں) میں یہ چیز خوب ظاہر اور نمایاں ہوئی اور علم کلام میں اہلِ سنت والجماعت کے بلا کلام پیشوا اور امام مانے گئے [۲]

(۹) وفد ازد

قبیلۂ ازد کے پندرہ آدمیوں کا وفد جس میں صُرَد بن عبداللہ ازدی بھی تھے حاضر بارگاہ رسالت ہو کر مشرف باسلام ہوئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرد بن عبداللہ

---

[۱] اس مسئلہ کی اگر مزید تفصیل درکار ہے تو بخاری اور فتح الباری باب بدء الخلق اور البدایۃ والنہایۃ للحافظ ابن کثیر کی پہلی جلد کی مراجعت کریں ۱۲ منہ عفا عنہ۔

[۲] فتح الباری۔ ج: ۸، ص: ۷۵

کو ان پر امیر مقرر کیا اور گرد و نواح کے مشرکین سے جہاد کا حکم دیا۔ صرد نے مسلمانوں کی ایک جمعیت ساتھ لے کر شہر جرش کا محاصرہ کیا اسی حالت میں جب ایک مہینہ گزر گیا اور شہر فتح نہ ہوا تو صرد بن عبداللہ محاصرہ چھوڑ کر واپس ہوئے اہلِ جرش ان کی واپسی کو ہزیمت اور شکست خیال کر کے ان کے تعاقب میں نکلے۔ جب جبل شکر پر پہنچے تو مسلمانوں نے پلٹ کر ان پر حملہ کر دیا جس سے اہلِ جرش کو شکست ہوئی۔

اہلِ جرش اس سے پیشتر دو شخص تحقیق حال کے لئے مدینہ بھیج چکے تھے آپ نے ان لوگوں کو جبل شکر کے واقعہ کے اسی روز اطلاع دی جس روز یہ واقعہ پیش آرہا تھا جب یہ لوگ واپس ہوئے اور اپنی قوم سے تمام واقعہ بیان کیا تو قوم جرش کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مشرف باسلام ہوئے۔ [۵۱]

(۱۰) وفد بنی الحارث

بنی الحارث نجران کا ایک معزز خاندان تھا ماہ ربیع الآخر یا جمادی الاولیٰ ۱۰ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو ان لوگوں کے پاس بھیجا کہ تین روز تک دعوتِ اسلام دیں اس کے بعد بھی اگر نہ مانیں تو مقابلہ کریں ان لوگوں نے فوراً ہی اسلام قبول کر لیا۔ خالد بن ولید نے اطراف و جوانب میں بھی مبلغین اسلام بھیج دیئے ہر جگہ لوگوں نے بغیر کسی مزاحمت کے دعوتِ اسلام کو قبول کیا۔ خالد بن ولید نے یہ خوشخبری لکھ کر آپ کی خدمت میں روانہ کی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو لکھوا کر بھیجا کہ ان کا ایک وفد لے کر یہاں آؤ چنانچہ خالد بن ولید ان کا ایک وفد لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے جن میں قیس بن حصین اور یزید بن محجل اور شداد بن عبداللہ بھی تھے جب یہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے یہ فرمایا:

من ھؤلاء القوم الذین کانھم　　یہ کون لوگ ہیں گویا کہ ہندوستان کے

---

[۵۱] زرقانی۔ ج ۴، ص: ۴۲

عرض کیا ہم بنو الحرث ہیں گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں چونکہ یہ لوگ بڑے بہادر تھے مقابل پر ہمیشہ غالب رہتے تھے، اس لئے آپ نے ان سے دریافت فرمایا تم کس بنا پر لوگوں پر غالب رہتے ہو، بولے کہ ہم ہمیشہ متفق رہتے ہیں آپس میں اختلاف نہیں کرتے اور نہ آپس میں ایک دوسرے پر حسد کرتے ہیں اور کسی پر ابتداءً ظلم نہیں کرتے، سختی اور تنگی کے وقت صبر کرتے ہیں، آپ نے فرمایا سچ کہتے ہو اور قیس بن حصین کو ان پر امیر مقرر کیا۔ اور ان کے جانے کے بعد عمرو بن حزم کو تعلیم دین اور صدقات وصول کرنے کے لئے ان کی طرف روانہ کیا۔ اور کتاب الصدقات یعنی ایک تحریر جس میں صدقات و زکوٰۃ کے احکام تھے لکھوا کر ان کو مرحمت فرمائی۔

یہ وفد ماہ شوال یا ذی قعدہ میں اپنی قوم کی طرف واپس ہوا واپسی کے بعد چار مہینے نہ گزرے تھے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم سے رحلت فرماگئے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون [۵]

(۱۱) وفد ہمدان

ہمدان یمن کا ایک بہت بڑا قبیلہ ہے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اول خالد بن ولید کو بغرض دعوت اسلام ان کی طرف بھیجا چھ ماہ ٹھہرے رہے مگر کسی نے اسلام قبول نہ کیا بعد ازاں آپ نے حضرت علی کو والا نامہ دے کر روانہ کیا اور یہ فرمایا کہ خالد کو واپس بھیج دینا حضرت علی نے جاکر سب کو جمع کیا اور آپ کا والا نامہ سنایا اور دعوت اسلام دی ایک ہی دن میں تمام لوگ مسلمان ہو گئے حضرت علی نے بذریعہ تحریر کے اس واقعہ کی آپ کو اطلاع دی آپ نے سجدۂ شکر ادا کیا اور جوشِ مسرت میں کئی بار یہ فرمایا السلام علی ہمدان (رواہ البیہقی عن البراء بن عازب باسناد صحیح)

یہ سنہ ۹ھ کا واقعہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس ہوئے اس کے

---

[۵] ۔ زرقانی ص ۳۳ ج ۴ ۔ (ابن ہشام)

ایک سال بعد جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس آئے تو مین اسی زمانہ میں ہمدان کا ایک وفد مدینہ منورہ پہنچا یمن کی منقش چادریں اوڑھے ہوئے اور عدن کے عمامے باندھے ہوئے اور مہری اونٹوں پر سوار اس شان سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ آپ سے گفتگو کی آپ سے جو درخواست کی آپ نے اس کو منظور کیا اور ایک تحریر لکھوا کر دی اور مالک بن النمط کو جو اس وفد کے ارکان میں سے تھے ان کو وہاں کے مسلمانوں پر امیر مقرر کیا۔ یہ ابن ہشام کی روایت ہے اور سند اس کی ضعیف ہے۔ حسن بن یعقوب ہمدانی نے ذکر کیا ہے کہ اس وفد میں ایک سو بیس آدمی تھے واللہ اعلم [۱]

(۱۲) وفدِ مُزَینہ

۵ھ میں قبیلۂ مزینہ کے چار سو آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے، چلتے وقت آپ سے درخواست کی کہ ہمارے پاس کھانے کا سامان نہیں کچھ زاد راہ ہم کو عطا فرمائیے آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا ان کو زاد راہ دے دو، عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے پاس بہت تھوڑی کھجوریں ہیں۔ ان کے لئے کافی نہیں ہو سکتیں، آپ نے فرمایا جاؤ ان کو توشہ دے دو۔ حضرت عمرؓ ان کو اپنے گھر لے گئے سب نے اپنی اپنی ضرورت کے مطابق کھجوریں لے لیں اور اس میں سے ایک کھجور بھی کم نہ ہوئی (رواہ احمد والطبرانی والبیہقی)

کثیر بن عبد اللہ المزنی اپنے باپ سے اور وہ ان کے جد سے راوی ہیں کہ سب سے پہلا وفد جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا وہ مزینہ کا وفد ہے کہ جس میں چار سو آدمی قبیلہ کے آئے حافظ عراقی الفیۃ السیر میں فرماتے ہیں۔

أَوَّلُ وَفْدٍ وَفَدُوا الْمَدِيْنَةْ   سَنَةَ خَمْسٍ وَفَدُوا مُزَيْنَةْ

سب سے پہلا وفد جو مدینہ آیا وہ قبیلہ مزینہ کا وفد ہے جو ۵ھ میں آیا [۲]

---

[۱] زرقانی - ج: ۴، ص: ۳۴، ۴۰

(۱۳) وفد دوس

سنہ ۷ھ میں قبیلۂ دوس کے ستر اسی آدمی فتح خیبر کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے مفصل واقعہ طفیل بن عمرو دوسی کے اسلام کے بیان میں گزر چکا ہے اور زرقانی ص ۳۷ ج ۴ مراجعت کی جائے۔

(۱۴) وفد نصارائے نجران

نجران۔ یمن میں ایک بہت بڑا شہر ہے مکہ مکرمہ سے سات منزل کے فاصلہ پر ہے تہتر قصبے اور گاؤں اس کے تابع اور ملحق ہیں سب سے پہلے نجران بن زید بن یشجب بن یعرب بن قحطان یہاں آکر آباد ہوا اس لئے اس کے نام سے یہ شہر موسوم ہوا۔ وہ اُخدود جس کا ذکر بروج میں ہے۔ وہ علاقہ نجران ہی کے کسی قصبہ یا گاؤں میں تھی [۱]

سنہ ۹ھ میں نصارائے نجران کا ایک وفد آپ کی خدمت میں آیا جس میں ساٹھ [۲] آدمی تھے ان میں سے چودہ آدمی ان کے اشراف اور سربرآوردہ لوگوں میں سے تھے رئیس الوفد اور امیر قافلہ عبدالمسیح [۳] عاقب تھا اور سید ایہم [۴] بمنزلہ وزیر و مشیر اور منتظم قافلہ تھا اور ان کا پیر پادری جس کو حبر اور اسقف کہتے تھے وہ ابو حارثہ بن علقمہ تھا۔ ابو حارثہ اصل میں عرب کا تھا قبیلۂ بکر بن وائل سے تھا، عیسائی بن گیا تھا شاہان روم اس کے علم و فضل اور مذہبی صلابت اور دینی پختگی کی وجہ سے بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے اور بڑی بڑی جاگیریں دے رکھی تھیں اور

---

[۱] شرح مواہب۔ ج ۴، ص ۴۱۔ — [۲] کما ذکر ابن اسحاق انہم وفدوا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی سنۃ تسع وستین۔ فتح الباری باب مناقب ابی عبیدۃ بن الجراح ص ۷۴ ج ۷،

(تنبیہ)۔ وفد نجران کا مفصل واقعہ حافظ ابن تیمیہ نے الجواب الصحیح ص ۵۵ ج ۱ تا ص ۶۶ ج ۱ میں ذکر کیا ہے حضرات اہل علم اس کی مراجعت کریں ۱۲۔ [۳] عبدالمسیح نام ہے اور عاقب لقب ہے ۱۲۔ ایہم نام ہے اور سید لقب ہے ۱۲۔

[۴] شرح مواہب۔ ج ۴، ص ۴۱۔

گرجا کا امام مقرر کر رکھا تھا۔ یہ وفد بڑی آن بان کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسجد نبوی میں اتارا عصر کی نماز ہو چکی تھی کچھ دیر بعد جب ان لوگوں کی نماز کا وقت آیا تو ان لوگوں نے اپنی نماز پڑھنی چاہی۔ صحابہ نے روکا مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پڑھنے دو چنانچہ مشرق کی طرف منہ کر کے ان لوگوں نے نماز پڑھی۔ دوران قیام میں مختلف مسائل پر گفتگو ہوئی۔ (فتح الباری قصہ اہل نجران ص۷۷، وشرح المواہب ص۴۱ ج۴)

سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت اور ابنیت کے بارے میں مباحثہ اور مکالمہ شروع ہوا (نصارائے نجران) اگر حضرت مسیح علیہ السلام ابن اللہ یعنی خدا کے بیٹے نہیں تو ان کا باپ کون ہے۔

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو خوب معلوم ہے کہ بیٹا باپ کے مشابہ ہوتا ہے۔

(نصارائے نجران۔) کیوں نہیں بے شک ایسا ہی ہوتا ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ تو خدا کے مثل اور مشابہ ہونے چاہئیں حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ خداتعالیٰ بے مثل اور بے چون وچگون ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا اَحَدٌ ٥

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کیا تم کو معلوم نہیں کہ ہمارا پروردگار حیّ لا یموت ہے یعنی زندہ ہے کبھی اس پر موت نہیں آسکتی ہے۔ وان عیسیٰ یاتی علیہ الفناء اور عیسیٰ علیہ السلام پر موت اور فنا آنے والی ہے۔

(نصارائے نجران) بے شک صحیح ہے

تنبیہ: آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جواب سے کہ (ان عیسیٰ یاتی علیہ الفنا) صاف ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ابھی زندہ ہیں مرے نہیں، زمانہ آئندہ میں ان پر موت اور فنا آئے گی ورنہ نصاریٰ کے عقیدہ کے مطابق یہ الزامی جواب دیا جا سکتا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام تمہارے زعم اور عقیدہ کے مطابق مقتول ومصلوب ہو چکے ہیں لہٰذا وہ خدا کیسے ہوئے کیا خدا بھی مقتول ومصلوب ہو سکتا ہے مگر چونکہ حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی زبان مبارک سے کوئی کلمہ اور کوئی حرف خلاف حق اور خلاف واقع نہیں نکل سکتا اس لئے جواب میں وہی ارشاد فرمایا جو بالکل حق اور واقعہ کے مطابق تھا کہ ان عیسیٰ یاتی علیہ الفنا کہ عیسیٰ علیہ السلام پر زمانہ

آئندہ میں موت آئے گی اور ابھی تک ان پر موت نہیں آئی بلکہ زندہ ہیں۔

(آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو معلوم ہے کہ ہمارا پروردگار ہر چیز کا قائم رکھنے والا تمام عالم کا محافظ اور نگہبان اور سب کا رازق ہے کیا عیسیٰ علیہ السلام بھی ان میں سے کسی چیز کے مالک ہیں۔

(نصارائے نجران) نہیں۔

(آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو معلوم ہے کہ اللہ تعالےٰ پر آسمان اور زمین کی کوئی شئی پوشیدہ نہیں۔ کیا عیسیٰ علیہ السّلام کو اس سے کچھ زائد معلوم ہے جو ان کو خدا تعالیٰ نے بتلا دیا ہے۔

(نصارائے نجران) نہیں۔

(آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو خوب معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو رحم مادر میں جس طرح چاہا بنایا اور تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے اور نہ اس کو بول و براز کی حاجت لاحق ہوتی ہے۔

(نصارائے نجران) بے شک۔

(آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو خوب معلوم ہے کہ حضرت مریم اور عورتوں کی طرح عیسیٰ علیہ السلام سے حاملہ ہوئیں اور مریم صدیقہ نے ان کو اسی طرح جنا جس طرح عورتیں بچوں کو جنتی ہیں اور پھر بچوں ہی کی طرح ان کو غذا بھی دی گئی۔ وہ کھاتے اور پیتے بھی تھے اور بول و براز بھی کرتے تھے۔

(نصارائے نجران) بے شک ایسا ہی تھا۔

(آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم) پھر خدا کیسے ہوئے۔

یعنی جن کی تخلیق اور تصویر رحم مادر میں ہوئی ہو اور ولادت کے بعد وہ غذا کا محتاج ہو اور بول و براز کی حاجت اس کو لاحق ہوتی ہو وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے۔

نصارائے نجران پر حق واضح ہو گیا مگر دیدہ دانستہ اتباع حق سے انکار کیا۔ اللہ عزوجل نے اس بارہ میں یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

الٓمٓ ۝ اللّٰہُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ ۙ اَلْحَیُّ	اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہی زندہ ہے اور سارے
الْقَیُّوْمُ ۝ نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ	عالم کی حیات اور وجود کو قائم رکھنے والا اور تھامنے
مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ وَاَنْزَلَ	والا ہے اس نے آپ پر ایک کتاب حق کے ساتھ نازل
التَّوْرٰىۃَ وَالْاِنْجِیْلَ ۙ مِنْ قَبْلُ ھُدًی	کی جو تمام کتب سابقہ کی تصدیق کرنے والی ہے اور
لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ	قرآن سے پہلے اس نے توریت اور انجیل لوگوں کی
کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ لَھُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ	ہدایت کیلئے اتاری اور اس نے معجزات بھی اتارے
وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ ذُوانْتِقَامٍ ۝ اِنَّ اللّٰہَ لَا	تحقیق جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا ان
یَخْفٰی عَلَیْہِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا	کے لئے سخت عذاب ہے، اور اللہ تعالیٰ غالب ہے
فِی السَّمَآءِ ۝ ھُوَالَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ	اور بدلہ لینے والا ہے تحقیق اللہ پر آسمان اور زمین
فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ ۙ لَآ اِلٰـہَ	کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں وہی ہے کہ جو رحم مادر میں تمہاری
اِلَّا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝	صورتیں اور شکلیں بناتا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں
؎۱	وہی غالب اور حکمت والا ہے

یہ تمام مباحثہ تفسیر درمنثور ص ۲ ج ۲ بحوالہ ابن جریر و ابن ابی حاتم مفصل مذکور ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نصارائے نجران پر اسلام پیش کیا انھوں نے کہا ہم تو پہلے ہی سے مسلمان ہیں آپ نے فرمایا تمھارا اسلام کیسے صحیح ہو سکتا ہے جب کہ تم خدا کے لئے بیٹا تجویز کرتے ہو اور صلیب کی پرستش کرتے ہو۔ اور خنزیر کھاتے ہو نصارائے نجران نے کہا آپ حضرت مسیح کو اللہ کا بندہ بتلاتے ہیں کیا آپ نے حضرت مسیح جیسا کسی کو دیکھا یا سنا بھی ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ	تحقیق عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی مثال کی
خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ	طرح ہے کہ مٹی سے ان کو پیدا کیا پھر کہا کہ ہو جا سو ہو گیا
فَیَکُوْنُ ۝ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُنْ	یہ بات اللہ کی طرف سے حق ہے پس شک کرنے والوں

؎۱ - البقرہ، آیۃ: ۹۰ - ۹۹

مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝ [1]

میں سے مت ہونا پس اس علم اور حقیقت کے بعد بھی آپ سے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کوئی جھگڑا کرے تو یہ کہدیجئے کہ آؤ بلائیں اپنے بیٹوں کو اور تمھارے بیٹوں اور اپنی عورتوں اور تمھاری عورتوں کو اور اپنی جانوں کو اور تمھاری جانوں کو اور مباہلہ کریں یعنی اللہ سے عجز وزاری کے ساتھ دعا مانگیں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔

مباھلہ

ان آیات کے نازل ہونے کے بعد آپ مباہلہ کے لئے تیار ہو گئے اور اگلے روز امام حسن اور امام حسین اور حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء اور حضرت علی کو اپنے ہمراہ لے کر باہر تشریف لے آئے نصارائے نجران مبارک اور نورانی چہروں کو دیکھکر مرعوب ہو گئے اور آپ سے مہلت مانگی کہ ہم آپس میں مشورہ کر لیں اس کے بعد آپ کے پاس حاضر ہوں گے۔ علیحدہ جاکر آپس میں مشورہ کرنے لگے۔ سید ایہم نے عاقب عبدالمسیح سے کہا خدا کی قسم تم کو خوب معلوم ہے کہ یہ شخص نبی مرسل ہے تم نے اگر اس سے مباہلہ کیا تو بالکل ہلاک اور برباد ہو جاؤ گے۔ خدا کی قسم میں ایسے چہروں کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ پہاڑ کے ٹلنے کی بھی دعا مانگیں تو پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جائیں، خدا کی قسم تم نے ان کی نبوّت اور پیغمبری کو خوب پہچان لیا ہے عیسیٰ علیہ السّلام کے بارے میں آپ نے جو کچھ کہا ہے وہ بالکل قول فیصل ہے خدا کی قسم کسی قوم نے کبھی کسی نبی سے مباہلہ نہیں کیا مگر ہلاک ہوئے لہٰذا تم مباہلہ کر کے اپنے کو ہلاک مت کرو تم اپنے ہی دین پر قائم رہنا چاہتے ہو تو صلح کر کے واپس ہو جاؤ۔ بالآخر انھوں نے مباہلہ سے گریز کیا اور سالانہ

---

[1] آل عمران - آیتہ : ۶۰ ، ۶۱

جزیہ دینا منظور کیا۔ آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، عذاب اہل نجران کے سروں پر آگیا تھا، اگر یہ لوگ مباہلہ کرتے تو بندر اور سور بنا دیئے جاتے اور تمام وادی آگ بن کر ان پر برستی اور تمام اہلِ نجران ہلاک ہو جاتے۔ حتیٰ کہ درختوں پر کوئی پرندہ بھی باقی نہ رہتا۔ ؎۵

دوسرے روز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عہدنامہ تحریر کرایا۔ جس کا حاصل یہ تھا۔

(۱)۔ اہلِ نجران کو سالانہ دو ہزار حلہ ادا کرنے ہوں گے، ایک ہزار ماہ رجب میں اور ایک ہزار ماہ صفر میں، اور ہر حلہ کی قیمت ایک اوقیہ یعنی چالیس درہم ہوگی۔

(۲)۔ اہلِ نجران پر آپ کے قاصد کی ایک مہینہ تک مہمانی لازم ہوگی۔

(۳)۔ یمن میں اگر کوئی شورش یا فتنہ پیش آجائے تو اہلِ نجران پر تیس زرہیں اور تیس گھوڑے اور تیس اونٹ عاریۃً (مانگے) دینے ہوں گے جو بعد میں واپس کر دیئے جائیں گے اور اگر کوئی شئی گم یا ضائع ہوگی تو اس کا ضمان ہم پر ہوگا۔

(۴)۔ اللہ اور اس کا رسول ان کے جان و مال کی حفاظت کا ذمہ دار ہے، ان کے اموال و املاک ان کی زمین و جائداد اُن کے حقوق اُن کے مذہب اور ملت اور اُن کے قسیس اور راہب اور ان کے خاندان اور اُن کے متبعین کوئی تغیر اور تبدل نہ ہوگا جاہلیت کے کسی خون کا ان سے مطالبہ نہ ہوگا۔ ان کی سرزمین میں کوئی لشکر داخل نہ ہوگا۔

(۵)۔ جو شخص ان سے حق کا مطالبہ کرے گا تو ظالم و مظلوم کے درمیان انصاف کیا جائے گا۔

(۶)۔ جو شخص سود کھائے گا تو میرا ذمہ اس سے بری ہے۔

(۷)۔ اگر کوئی شخص ظلم اور زیادتی کرے گا تو اس کے بدلہ میں دوسرا شخص ماخوذ نہ ہوگا۔

یہ اللہ اور اُس کے رسول کا ذمہ ہے جب تک وہ اس پر قائم رہیں ابوسفیان بن حرب اور غیلان بن عمرو اور مالک بن عوف اور اقرع بن حابس اور مغیرۃ بن شعبہ نے اس عہدنامہ

؎۵۔ شرح مواہب، ج ۴، ص ۴۳

پر دستخط کیے [1]

نصارائے نجران یہ عہد نامہ لے کر واپس ہوئے اور چلتے وقت آپ سے یہ درخواست کی کہ کسی امانت دار شخص کو آپ ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تاکہ وہ ہم سے مال صلح لے کر واپس آجائے آپ نے فرمایا میں نہایت امانت دار شخص کو تمھارے ساتھ کروں گا یہ کہہ کر ابو عبیدۃ بن الجراح کو ساتھ جانے کا حکم دیا اور یہ اس امت کا امین ہے [2]

یہ لوگ آپ کا فرمان لے کر نجران واپس ہوئے جب نجران ایک منزل رہ گیا تو وہاں کے پادری اور معززین نے ان کا استقبال کیا۔ وفد نے آپ کی تحریر پادری کے حوالے کی، پادری اس کے پڑھنے میں مشغول ہو گیا، اسی اثناء میں ابو حارثہ کے خچر نے جس پر وہ سوار تھا ٹھوکر کھائی اس کے چچا زاد بھائی کرز بن علقمہ کی زبان سے نکلا تعس الابعد وہ کمبخت ہلاک ہو یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (عیاذاً باللہ) ابو حارثہ نے برہم ہو کر کہا تو ہی کمبخت ہے۔ خدا کی قسم وہ نبی مرسل ہے، یہ وہی نبی ہیں جن کی توریت اور انجیل میں بشارت دی گئی ہے، کرز نے کہا کہ پھر ایمان کیوں نہیں لے آتے۔ ابو حارثہ نے کہا ان بادشاہوں نے ہم کو جو کچھ مال و دولت دے رکھا ہے وہ سب واپس لے لیں گے۔ کرز نے کہا خدا کی قسم میں تو اپنی ناقہ کو مدینہ ہی جاکر کھولوں گا اور نہایت ذوق و شوق کے ساتھ یہ اشعار پڑھتا ہوا مدینہ روانہ ہوا۔

الیک تعدو قلقا وضینها　　معترضاً فی بطنها جنینها
مخالفاً دین النصاری دینها

یہاں تک کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے اور وہیں رہ پڑے اور کسی معرکہ میں شہید ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

---

[1] زاد المعاد ص۴۰ ج ۳ اور ہدایت الحیاریٰ فی رد الیہود والنصاریٰ ص۲۲ میں یہ واقعہ اسی طرح مذکور ہے اور محمد بن اسحٰق کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ نجران سے آتے وقت پیش آیا اور اصابہ ص۲۹۲ ج ۳ ترجمہ کرز بن علقمہ نجرانی میں بھی محمد اسحٰق کی روایت کے مطابق مذکور ہے۔ [2] شرح مواہب۔ ج ۵ ص ۴۲۔

چند روز بعد سید ایہم اور عبدالمسیح عاقب بھی مدینہ منورہ حاضر خدمت ہوئے اور اسلام قبول کیا رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔ آپ نے دونوں کو ابوایوب انصاری رضؓ کے مکان پر ٹھہرایا۔[1]

ایک ضروری تنبیہ

نجران میں دو فریق تھے ایک اُمیّین کا اور دوسرا انصاریٰ کا فریق اوّل نے اسلام قبول کر لیا تھا جیسا کہ وفد بنی الحارث کے بیان میں گزر چکا ہے اور فریق ثانی سے جزیہ پر صلح فرمائی! آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو نجران کی طرف فریق اوّل سے صدقات وصول کرنے کے لئے اور فریق ثانی سے جزیہ وصول کرنے کے لئے روانہ فرمایا یہ مطلب نہیں کہ ایک ہی فریق سے جزیہ اور صدقہ دونوں وصول کرنے کے لئے روانہ فرمایا تاکہ یہ اشکال ہو کہ ایک ہی فریق سے صدقہ اور جزیہ دونوں کیسے وصول کئے جا سکتے ہیں[2]

(۱۵) فروۃ بن عمرو جذامی کی سفارت کا ذکر

فروۃ بن عمرو جذامی۔ شاہ روم کی طرف سے معان اور ارض شام کا عامل اور والی تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس کو دعوت اسلام کا خط بھیجا تو مسلمان ہو گیا اور ایک قاصد کو کچھ ہدایات دے کر آپ کی خدمت میں روانہ کیا۔ رومیوں کو جب فروۃ بن عمرو کے اسلام کی خبر ہوئی تو اُس کو پھانسی دے دی فروۃ کو جب پھانسی پر لٹکانے لگے تو یہ شعر پڑھا۔

بَلِّغْ سَرَاةَ الْمُسْلِمِينَ بِاَنَّنِي   سلم لربي اعظمي ومقامي

مسلمانوں کے سرداروں کو یہ خبر پہنچا دو کہ میں مسلمان ہوں اور میری ہڈیاں اور جائے قیام سب اللہ کی مطیع ہیں۔[3]

---

[1] شرح مواہب۔ ج: ۴، ص: ۴۳
[2] زاد المعاد۔ ج: ۳، ص: ۴۴
[3] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍

(۱۶) قدوم ضمام بن ثعلبہ

بنو سعد کی طرف سے ۹ھ میں ضمام بن ثعلبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اونٹ کو مسجد کے دروازہ کے قریب باندھ دیا اور خود مسجد میں داخل ہوئے اور دریافت کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں آپ اس وقت مجلس میں تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے تھے صحابہ نے جواب دیا کہ یہ مرد مبارک جو تکیہ لگائے ہوئے ہے اُس شخص نے کہا اے عبدالمطلب کے بیٹے آپ نے فرمایا میں نے سن لیا ہے۔ اُس نے کہا میں آپ سے کچھ سوال کرنا چاہتا ہوں اور سختی سے سوال کروں گا آپ اپنے دل میں ناراض نہ ہوں، آپ نے فرمایا تمھیں جو کچھ پوچھنا ہے پوچھو۔ اُس نے کہا میں آپکو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا اللہ نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف پیغمبر بناکر بھیجا ہے، آپ نے فرمایا ہاں۔ اے اللہ تو گواہ ہے پھر اس نے علحدہ علحدہ دریافت کیا کہ کیا اللہ نے دن رات میں پانچ نمازوں کا اور سال بھر میں ایک مہینہ کے روزوں کا اور مالداروں سے زکوٰۃ اور صدقے کر فقراء پر تقسیم کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے آپ نے فرمایا ہاں اے اللہ تو گواہ ہے اس شخص نے کہا آپ جو کچھ اللہ کی طرف سے لاتے ہیں، میں اُس سب پر ایمان لایا اور میں اپنی قوم کا قاصد اور فرستادہ ہوں اور میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے یہ صحیح بخاری کی روایت ہے صحیح مسلم میں ہے کہ اس شخص نے یہ کہا قسم ہے اُس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے میں اس میں کوئی کمی اور زیادتی نہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر اس نے سچ کہا تو ضرور جنّت میں داخل ہوگا

مسئلہ: اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ کسی عالم یا کسی صاحب وجاہت کیلئے مجلس میں تکیہ لگاکر بیٹھنا جائز ہے [۱]

ضمام بن ثعلبہ جب آپ سے رخصت ہوکر اپنی قوم میں پہنچے تو سب کو جمع کرکے ایک تقریر کی سب سے پہلا جملہ یہ تھا لات اور عزیٰ بہت بُرے ہیں۔

---

[۱] - فتح الباری ج ۱ ص: ۱۳۹ -

لوگوں نے کہا اے ضمام یہ لفظ زبان سے مت نکالو کہیں تم مجنوں اور کوڑھی نہ ہو جاؤ۔ ضمام نے کہا افسوس صد افسوس خدا کی قسم لات وعزیٰ تم کو نہ کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ضرر۔ اللہ نے ایک رسول بھیجا اور اس پر ایک کتاب نازل کی جس نے تم کو ان خرافات سے چھڑایا۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور میں آپ کے پاس سے یہ احکام سیکھ کر آیا ہوں۔ شام نہ ہونے پائی کہ قبیلہ کا کوئی مرد اور عورت ایسا باقی نہ رہا کہ جو مسلمان نہ ہو گیا ہو حضرت عمر اور ابن عباس فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے کسی قوم کے وافد اور قاصد کو ضمام بن ثعلبہ سے افضل اور بہتر نہیں پایا (رواہ ابن اسحٰق) لہ

(۱۷) وفد طارق بن عبداللہ محاربی و بنی محارب

طارق بن عبداللہ کا بیان ہے کہ میں بازار ذی المجاز میں تھا کہ ایک سامنے سے یہ کہتا ہوا نظر آیا۔

ایھا الناس قولوا لا الٰہ الا اللہ تفلحوا — اے لوگو لا الٰہ الا اللہ کہو فلاح پاؤ گے۔

اور ایک شخص اس کے پیچھے پیچھے ہے پتھر مارتا جاتا ہے اور یہ کہتا جاتا ہے۔

یا ایھا الناس انہ کذاب فلا تصدقوہ — اے لوگو! یہ جھوٹا ہے اس کی تصدیق نہ کرنا۔

میں نے دریافت کیا یہ کون شخص ہے، لوگوں نے کہا یہ بنی ہاشم میں کا ایک شخص ہے جو یہ کہتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور یہ پتھر مارنے والا ان کا چچا ابولہب ہے۔

طارق بن عبداللہ کہتے ہیں کہ جب لوگ اسلام میں داخل ہو گئے اور آپ مدینہ ہجرت فرما گئے تو ہم مدینہ کی کھجوریں لینے کے لئے زبدہ سے چلے مدینہ کے قریب پہنچ کر ایک باغ میں اترنے کا ارادہ کر رہے تھے، ایک شخص دو پرانی چادریں اوڑھے ہوئے سامنے سے آیا اور ہم کو سلام کیا اور

لہ۔ شرح مواہب، ج ۴، ص: ۴۴

دریافت کیا کہ کہاں سے آرہے ہو۔ ہم نے کہا کہ زبدہ سے، اُس شخص نے کہا کہاں کا قصد ہے ہم نے کہا مدینہ کا، اُس نے کہا کس لئے، ہم نے کہا کھجوریں خریدنے کے لئے، ہم لوگوں کے پاس ایک سُرخ اونٹ تھا، اس شخص نے ہم سے دریافت کیا کہ کیا اس اونٹ کو اتنی کھجوروں کے معاوضہ میں فروخت کرتے ہو۔ ہم نے کہا ہاں اتنی کھجوریں اس کے معاوضہ میں لیں گے، اس شخص نے اسی قیمت میں منظور کر لیا اور قیمت گھٹانے کی بابت کچھ نہیں کہا۔ اور اونٹ لے کر چلا گیا۔ ہم آپس میں کہنے لگے کہ بغیر قیمت لئے اونٹ ایسے شخص کے حوالہ کر دیا کہ جسے ہم پہچانتے بھی نہیں۔ ان میں کی ایک ایک هودج نشین عورت نے کہا میں نے اس شخص کے چہرہ کو دیکھا ہے خدا کی قسم اس کا چہرہ چودھویں رات کا چاند کا ایک ٹکڑا تھا، یہ چہرہ کسی جھوٹے غدّار کا نہیں تم گھبراؤ نہیں میں قیمت کی ذمّہ دار ہوں۔

در دلِ ہر امتی کز حق مزہ است روو آواز پیمبر معجزہ است

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک شخص آیا اور کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہوں آپ نے یہ کھجوریں بھیجی ہیں ان کو کھاؤ اور ناپ لو ہم نے وہ کھجوریں خوب سیر ہو کر کھائیں اور پھر ناپا تو بالکل پوری پائیں۔

اگلے روز مدینہ میں داخل ہوئے آپ منبر پر خطبہ دے رہے تھے (غالباً جمعہ کا دن تھا) یہ کلمات ہم نے سُنے۔

تصدقوا فان الید العلیا خیر من الید السفلی امك واباك واختك واخاك وادناك ادناك	صدقہ اور خیرات کرو اونچا ہاتھ نیچے ہاتھ سے بہتر ہے، ماں اور باپ بہن اور بھائی اور قریبی رشتہ داروں کا زیادہ خیال رکھو۔

رواہ البیہقی والحاکم وغیرہما۔ [۱]

---

[۱]۔ زاد المعاد۔ ج ۳، ص: ۴۶

(۱۸) وَفدِ تجُیب

تجُیب یمن میں قبیلہ کندہ کی ایک شاخ ہے، قبیلہ تجیب کے تیرہ آدمی صدقات کا مال لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا اس مال کو واپس لے جاؤ اور وہیں کے فقرار پر تقسیم کر دو، انھوں نے کہا ہم وہی مال لائے ہیں جو وہاں کے فقرار پر تقسیم کرنے کے بعد بچ رہا ہے صدیق اکبر نے کہا یا رسول اللہ تجیب جیسا وفد اب تک کوئی نہیں آیا آپ نے فرمایا بے شک ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کے لئے اللہ تعالےٰ خیر کا ارادہ فرماتا ہے، اس کا سینہ ایمان کے لئے کھول دیتا ہے ان لوگوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد مسائل دریافت کئے آپ نے ان کو جوابات لکھوا دیئے اور حضرت بلال کو تاکید کی کہ اچھی طرح ان کی مہمانی کی جائے۔ چند روز ٹھہر کر واپسی کی اجازت چاہی، آپ نے فرمایا عجلت کیا ہے، انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ دل یہ چاہتا ہے کہ آپ کے دیدار پر انوار اور آپ کی صحبت سے جو فیوض اور برکات حاصل ہوئے ہیں اپنی قوم کو جاکر ان کی اطلاع دیں، آپ نے ان کو انعام واکرام دے کر رخصت فرمایا۔ چلتے وقت پوچھا کہ تم میں سے کوئی باقی تو نہیں رہ گیا۔ انھوں نے کہا ایک نوجوان لڑکا رہ گیا ہے۔ جس کو ہم نے سامان کی حفاظت کے لئے چھوڑ دیا تھا۔ آپ نے فرمایا اس کو بلاؤ۔ وہ حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے میرے قبیلہ کے لوگوں کی حاجتیں پوری فرمائیں ایک میری حاجت ہے۔ آپ نے فرمایا وہ کیا ہے۔ اس نوجوان نے کہا کہ میں فقط اس لئے گھر سے نکلا ہوں کہ آپ میرے لئے خدا تعالیٰ سے یہ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمائے اور مجھ پر رحم کرے اور میرے دل کو غنی بنادے۔ آپ نے دعا فرمائی۔

اللّٰھم اغفر لہٗ وارحمہ واجعل غناہٗ فی قلبہ اے اللہ اس کو بخش دے اور اس پر رحم فرما اور اسکے دل کو غنی بنا

اور اس کے بعد اس نوجوان کے لئے بھی انعام واکرام کا حکم دیا۔

سنہ ۱۰ھ میں جب اس قبیلہ کے لوگ حج کے لئے آئے اور منیٰ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

سے ملے تو آپ نے اُس نوجوان کا حال دریافت فرمایا لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اُس کے زہد اور قناعت کا عجب حال ہے ہم نے اس سے بڑھ کر زاہد اور قانع نہیں دیکھا۔ کتنا ہی مال و دولت اس کے سامنے اُس کے سامنے تقسیم ہوتا ہو مگر وہ کبھی نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا۔ وفات کے بعد جب اہل یمن اسلام سے پھرنے لگے تو اس نوجوان نے لوگوں میں وعظ کہا جس سے سب اسلام پر قائم رہے اور بحمد اللہ کوئی شخص اسلام سے نہیں پھرا۔ صدیق اکبرؓ نے جانے والوں سے ان کا حال دریافت کرتے رہتے تھے، یہاں تک جب اس واقعہ کی اطلاع پہنچی تو زیاد بن ولید کو لکھ کر بھیجا کہ اس نوجوان کا خاص طور سے خیال رکھیں ؎۱

(۱۹) وَفدِ ھُذَیم

قبیلۂ ہُذیم کا وفد جب مسجد نبوی میں پہنچا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ میں مشغول تھے، یہ لوگ علیحدہ بیٹھ گئے نماز سے فارغ ہو کر آپ نے ان کو بلایا اور پوچھا کیا تم مسلمان نہیں انھوں نے کہا ہم مسلمان ہیں آپ نے فرمایا پھر اپنے بھائی کے نماز جنازہ میں کیوں شریک نہیں ہوئے انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے یہ گمان کیا کہ جب تک آپ سے بیعت نہ کرلیں اس وقت تک ہمارے لئے جنازہ وغیرہ میں شرکت جائز نہیں، آپ نے فرمایا تم مسلمان ہو جہاں بھی ہو۔ بعد ازاں ان لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور رخصت ہوئے ایک نوجوان جو سب سے کم عمر تھا اُس کو سامان کی حفاظت کے لیے چھوڑ دیا تھا، آپ نے ہم کو واپس بلایا وہ نوجوان آگے بڑھا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ ہم میں سب سے چھوٹا اور ہمارا خادم ہے آپ نے فرمایا؛

اصغر القوم خادمھم بارك الله عليك۔ — قوم میں کا چھوٹا اپنے بزرگوں کا خادم ہوتا ہے اللہ تجھ پر اپنی برکتیں نازل فرمائے۔

؎۱۔ ایضاً ۔ نیز عیون الاثر ۔ ج ۲ ، ص ۲۴۶

چنانچہ آپ کی دعا کی برکت سے وہی سب سے بہتر اور سب سے زیادہ قرآن کا عالم ہوا اور پھر آپ نے اسی کو ان پر امیر اور امام مقرر کیا اور آپ کے حکم سے چلتے وقت حضرت بلال نے ہم کو انعام و اکرام دیا جب وطن واپس ہوئے تو تمام قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا۔ [1]

(۲۰) وفد بنی فزارہ

غزوۂ تبوک کی واپسی کے بعد بنی فزارہ کے تقریباً چودہ آدمی بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے آپ نے ان کے بلاد کا حال دریافت کیا لوگوں نے کہا یا رسول اللہ قحط کی وجہ سے تباہ ہیں آپ نے باران رحمت کی دعا فرمائی [2]

(۲۱) وفد بنی اسد ۹ھ

دس آدمی قبیلۂ بنی اسد کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے، اوّل آپ کو سلام کیا بعد ازاں ان میں سے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں بغیر آپ کے بلائے ہم خود بخود آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔ [3]

آپ پر اپنے اسلام لانے کا احسان جتلاتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ مجھ پر اپنے اسلام کا احسان مت جتلاؤ بلکہ اللہ تعالیٰ تم پر احسان رکھتا ہے کہ تم کو ایمان کی توفیق دی اگر تم سچے ہو۔

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی — منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

---

[1] زاد المعاد۔ ج: ۳، ص: ۴۷

[2] زرقانی۔ ج: ۴، ص: ۵۲

[3] الحجرات ۱۷، آیۃ: ۱۷

بعدازاں لوگوں نے کہانت اور رمل کے متعلق آپ سے دریافت کیا آپ نے منع فرمایا۔[۱]

(۲۲) وفدِ بہرآمہ

یمن سے قبیلۂ بہرام کے تیرہ آدمی خدمت میں حاضر ہوئے مقداد بن اسود رضؓ کے مکان پر ٹھہرے حضرت مقداد نے ان کے آنے سے پہلے ایک بڑے پیالہ میں حیس[۲] بنایا تھا جب یہ مہمان آئے تو ان کے سامنے رکھ دیا سب نے خوب سیر ہو کر کھایا اس کے بعد بھی بچ رہا حضرت مقداد نے اپنی باندی سدرہ کے ہاتھ یہ پیالہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا آپ نے خود بھی تناول فرمایا اور تمام اہلِ بیت کو کھلایا اور پیالہ واپس فرما دیا۔ جب تک مہمان مقیم رہے برابر اسی پیالہ سے دو وقت سیر ہو کر کھاتے رہے، ایک دن مہمانوں نے بطور تعجب کہا اے مقداد ہم نے سنا ہے کہ اہلِ مدینہ کی خوراک تو نہایت معمولی ہے اور تم ہم کو روزانہ اس قدر لذیذ اور عمدہ کھانا کھلاتے ہو جو ہم کو اپنے گھر روزانہ میسر نہیں آسکتا مقداد رضؓ نے کہا یہ سب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کی برکت ہے اور واقعہ کی اطلاع دی، ان لوگوں کے ایمان والیقان میں اور زیادتی ہوگئی اور کچھ روز مدینہ ٹھہر کر مسائل و احکام سیکھے اور پھر اپنے گھر واپس ہوئے چلتے وقت آپ نے ان کو زادِ راہ اور انعام دیا۔[۳]

(۲۳) وفدِ عُذرہ

عُذرہ یمن کا ایک قبیلہ ہے ماہ صفر ۹ھ میں قبیلۂ عذرہ کے بارہ آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے اھلاً و مرحبا کہا، ان لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ کس چیز کی طرف بلاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کرو اور اس امر کی شہادت دو کہ

---

[۱] عیون الاثر، ج: ۲، ص: ۲۵۰ ۔ [۲] حیس ایک قسم کا کھانا ہے جو کھجوریں اور پنیر کو ملا کر بنایا جاتا ہے۔

[۳] زاد المعاد، ج: ۳، ص: ۴۸، ۴۹

میں اللہ کا رسول ہوں تمام لوگوں کی طرف۔ بعد ازاں لوگوں نے فرائض اسلام دریافت کئے آپ نے فرائض اسلام سے ان کو خبر دی، ان لوگوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے ہم کو دعوت دی، اس کو ہم نے قبول کیا ہم دل و جان سے آپ کے اعوان و انصار اور یا رو مددگار ہیں، یا رسول اللہ ہم تجارت کے لئے شام جاتے ہیں جہاں ہرقل رہتا ہے کیا آپ پر اس بارے میں کوئی وحی نازل ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا شام عنقریب فتح ہو جائے گا اور ہرقل وہاں سے بھاگ جائے گا۔ اور کاہنوں سے سوال کرنے سے اور ان کا ذبیحہ کھانے سے منع فرمایا اور کہا تم پر فقط قربانی ہے، چند روز رہ کر واپس ہوئے چلتے وقت آپ نے ان کو ہدایا اور تحائف عطا فرمائے۔ [1]

(۲۴) وفد بلیؔ

ماہ ربیع الاول سنہ ۹ھ میں وفد بلی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوا آپ نے فرمایا، الحمد للہ الذی ھدا کم للاسلام فکل من مات علی غیر الاسلام فھو فی النار۔

رئیس الوفد ابو الضبیب نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھ کو مہمانی کا شوق ہے کیا اس میں میرے لئے کوئی اجر ہے، آپ نے فرمایا ہاں اس میں بھی اجر ہے غنی ہو یا فقیر جس پر بھی تو احسان کرے وہ صدقہ ہے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مہمانی کی مدت کتنی ہے، آپ نے فرمایا مہمانی تین دن ہے، اس کے بعد صدقہ ہے، مہمان کے لئے جائز نہیں کہ میزبان کو تنگی میں ڈالے، تین روز ٹھہر کر یہ لوگ واپس ہوئے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چلتے وقت ان کو زادِ راہ عطا فرمایا۔ [1]

(۲۵) وفد بنی مُرّہ

تبوک کے بعد سنہ ۹ھ میں بنی مُرّہ کے تیرہ آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے حارث بن

---

[1] زاد المعاد، ج ۳، ص ۴۸، ۴۹۔ سنہ ۹ھ۔ عیون الاثر۔ ج ۲، ص ۲۵۱ و ۲۵۲

عوف سردار وفد تھے، ان لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ ہی کے قوم کے ہیں لوی بن غالب کی اولاد سے ہیں، آپ مسکرائے اور بلاد کا حال دریافت کیا، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ قحط سالی کی وجہ سے حالت تباہ ہے، آپ نے اسی وقت بارش کے لئے دعا فرمائی۔ جب لوگ اپنے گھر واپس ہوئے تو معلوم ہوا کہ جس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اسی روز پانی برسا اور تمام بلاد سرسبز اور شاداب ہو گئے۔ چلتے وقت ہر ایک کو اپنے دس دس اوقیہ چاندی اور حارث بن عوف کو بارہ اوقیہ چاندی عطا فرمائی۔ [۱]

(۲۶) وَفدِ خَولان

ماہ شعبان سنہ ۱۰ھ میں یمن سے قبیلہ خولان کے دس آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ اور اُس کے رسول کا ہم پر بڑا احسان ہے، دور دراز سے سفر طے کر کے زیارت کے شوق میں حاضر ہوئے ہیں آپ نے فرمایا تمہارا یہ سفر ضائع نہیں ہوا ہر قدم پر تمہارے لئے نیکی ہے جو شخص میری زیارت کے لئے مدینہ حاضر ہوا قیامت کے دن وہ میری پناہ اور امان میں ہوگا۔ بعد ازاں خولان کے بت (جس کا نام عم انس تھا) کے متعلق دریافت کیا کہ وہ کیا ہوا، وفد نے عرض کیا الحمدللہ آپ کی ہدایت و تعلیم اُس بت پرستی کا نعم البدل ہو گئی۔ سوائے چند بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتوں کے کوئی پوچھنے والا نہیں رہا اور ان شاء اللہ تعالیٰ اب واپسی کے بعد اس کا نام و نشان ہی باقی نہ چھوڑیں گے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دین کے فرائض سکھائے اور یہ نصیحت فرمائی کہ عہد کو پورا کرنا۔ امانت کو ادا کرنا، پڑوسیوں کا خیال رکھنا، کسی پر ظلم نہ کرنا اور رخصت کے وقت بارہ اوقیہ چاندی ان کو عطا فرمائی، واپسی کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اُس بت کو منہدم کیا۔ [۲]

---

[۱] عیون الاثر۔ ج ۲، ص: ۲۵۱-۲۵۲ — [۲] زاد المعاد۔ ج ۳، ص ۵۰۱
عیون الاثر۔ ج ۲، ص: ۲۵۳

(۲۷) وفد محارب

اس قبیلہ کے لوگ نہایت تند خو اور درشت مزاج تھے، جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں ایام حج میں لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتے تھے تو یہ لوگ نہایت سختی سے آپ کے پیش آتے۔ اس قبیلہ کے دس آدمی اپنی قوم کے وکیل بن کر ۱۰ھ میں حاضر خدمت ہوئے اور مشرف باسلام ہوئے ان میں سے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ آپ کے مقابلہ میں میرے ساتھیوں میں مجھ سے زیادہ کوئی سخت اور اسلام سے دور نہ تھا میرے ساتھی مر گئے اور صرف میں زندہ ہوں اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھکو باقی رکھا تھا آنکہ میں آپ پر ایمان لایا اور آپ کی تصدیق کی آپ نے فرمایا دل اللہ کے قبضہ میں ہیں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ خدا سے میرے لئے دعا اور استغفار فرمایئے کہ میں نے جو کچھ آپ کی شان میں گستاخی کی اللہ اس کو معاف فرمائے۔ آپ نے فرمایا۔ اسلام، کفر کو اور جو کچھ کفر کی حالت میں ہوا ہے سب کو ڈھا دیتا ہے۔ بعد ازاں یہ لوگ اپنے گھر واپس ہوئے [۱]

(۲۸) وفد صُدآء ۸ھ

۸ھ میں جعرانہ سے واپسی کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجر بن ابی امیہ کو صنعاء کی طرف اور زیاد بن لبید کو حضرموت کی جانب اور قیس بن سعد بن عبادۃ خزرجی کو چار سو سواروں کے ہمراہ قناۃ کی جانب روانہ فرمایا اور قیس بن سعد کو یہ بھی حکم دیا کہ یمن کے علاقہ صُدآء پر بھی ضرور گزریں زیاد بن حارث صُدائی کو جب اس کا علم ہوا تو یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ لشکر کو واپس بلالیں میں اپنی قوم کے اسلام کا کفیل اور ذمہ دار ہوں آپ نے قیس بن سعد کو واپس بلالیا، زیاد بن حارث صدائی پندرہ آدمیوں کا وفد لے کر آپ کی

[۱] زاد المعاد۔ ج: ۳، ص: ۵۰ — عیون الاثر۔ ج: ۲، ص: ۲۵۳

خدمت میں حاضر ہوئے، سب نے اسلام قبول کیا اور آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی، آپنے زیاد سے مخاطب ہوکر ارشاد فرمایا، اے زیاد تیری قوم تیری بہت مطیع اور فرمانبردار ہے، زیاد نے عرض کیا یارسول اللہ۔ اللہ اور اس کے رسول کا احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کی ہدایت دی، بیعت کرکے یہ لوگ واپس ہوئے، تمام قبیلہ میں اسلام پھیل گیا۔ سنو آدمی حجۃ الوداع میں شریک ہوئے۔ ؎

(۲۹) وَفدِ غَسَّان

ماہ رمضان المبارک سنہ ۱۰ھ میں غَسَّان کے تین آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر مشرف باسلام ہوئے اور عرض کیا کہ ہم کو معلوم نہیں کہ ہماری قوم ہمارا اتباع کرے گی یا نہیں، آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چلتے وقت ان کو زاد راہ اور جائزہ عطا فرمایا چونکہ ان کی قوم نے اسلام قبول نہ کیا تھا اس لئے ان لوگوں نے اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا، یہاں تک کہ دو آدمی تو اسی حالت میں وفات پاگئے اور تیسرے شخص جنگ یرموک میں ابو عبیدہ سے جا ملے اور ان کو اپنے اسلام کی اطلاع دی، ابو عبیدہ ان کا بہت اکرام واحترام کرتے تھے ؎

(۳۰) وَفدِ سَلَامَان

ماہ شوال سنہ ۱۰ھ میں قبیلہ سلامان کے سات آدمیوں کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر مشرف باسلام ہوا قحط سالی کی شکایت کی، آپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی، بعد ازاں زادراہ اور جائزہ دے کر آپ نے ان کو رخصت فرمایا گھر پہنچ کر معلوم ہوا کہ جس روز اور جس وقت آپنے دعا فرمائی تھی اسی وقت یہاں پانی برسا ؎

؎ عیون الاثر۔ ج ۲، ص ۲۵۴ ؎ زرقانی۔ ج ۴، ص: ۶۱
؎ ایضاً ″ ″ ″

(۳۱) وفد بنی عبس

بنی عبس کے تین آدمی حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم کو یہ معلوم ہوا ہے کہ اسلام بغیر ہجرت کے مقبول اور معتبر نہیں۔ ہمارے پاس کچھ مال اور مویشی ہیں جن پر ہمارا گزارا ہے۔ اگر اسلام بغیر ہجرت کے مقبول نہیں تو پھر ایسے مال میں کیا خیر و برکت ہو سکتی ہے ہم سب کو فروخت کر دیں اور ہجرت کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں آپ نے ارشاد فرمایا:

اتقوا اللہ حیث کنتم فلن یلتکم	اللہ سے ڈرو جہاں کہیں بھی رہو اللہ تمہارے
اللہ من اعمالکم شیئا	اعمال کے اجر میں کمی نہ کرے گا۔ [۱]

(۳۲) وفد غامد

غامد یمن کا ایک قبیلہ ہے ۱۰ھ میں دس آدمیوں کا ایک وفد آیا اور بقیع میں اترا اور سامان پر ایک لڑکے کو چھوڑ کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ سامان پر کس کو چھوڑا۔ وفد نے عرض کیا یا رسول اللہ ایک کم عمر لڑکے کو چھوڑ آئے ہیں۔ فرمایا کہ ایک تھیلہ چوری ہو گیا ہے۔ ان میں سے ایک شخص بولا یا رسول اللہ تھیلہ تو میرا تھا، آپ نے فرمایا گھبراؤ نہیں وہ مل گیا ہے یہ لوگ اپنے سامان کے پاس پہنچے معلوم ہوا کہ لڑکا سو گیا تھا جب بیدار ہوا اور دیکھا کہ تھیلہ نہیں تو اس کی تلاش میں نکلا، دور سے ایک شخص بیٹھا ہوا نظر آیا جب یہ اس طرف بڑھا تو وہ شخص اس کو دیکھ کر بھاگا۔ اس مقام پر پہنچ کر دیکھا کہ زمین کھدی ہوئی ہے اس میں سے وہ تھیلہ برآمد ہوا ہم نے کہا بے شک آپ اللہ کے رسول برحق ہیں ابی بن کعب کو حکم دیا کہ ان کو قرآن سکھلائیں اور چلتے وقت شرائع اسلام لکھوا کر ان کو عطا فرمائے اور حسب معمول جائزہ دیا۔ [۲]

---

[۱]۔ زاد المعاد۔ ج ۳، ص: ۵۳۔ [۲]۔ ایضاً۔ وزرقانی۔ ج ۴، ص: ۶۳

(۴۴) وَفدِ اَزْد

قبیلۂ ازد کے سات آدمیوں کا وفد خدمت نبوی میں حاضر ہوا، آپ کو ان کی وضع اور ہیئت، اور ان کا سکون و وقار پسند آیا۔ دریافت فرمایا کہ تم کون ہو۔ وفد نے عرض کیا ہم مومن ہیں آپ مسکرائے اور فرمایا ہر قول کی ایک حقیقت ہوتی ہے، تمھارے ایمان کی کیا حقیقت ہے۔ وفد نے کہا وہ پندرہ خصلتیں ہیں جن میں سے پانچ وہ ہیں جن پر آپ کے قاصدوں نے ایمان لانے اور اعتقاد رکھنے کا حکم دیا ہے اور پانچ وہ ہیں جن پر آپ کے قاصدوں نے ہم کو عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور پانچ وہ ہیں جن پر ہم زمانۂ جاہلیت سے کاربند ہیں آپ نے ارشاد فرمایا وہ باتیں کونسی ہیں جن پر میرے مبلغین نے تم کو ایمان لانے کا حکم دیا ہے، وفد نے عرض کیا وہ یہ ہیں کہ (۱) ایمان لائیں اللہ پر۔ (۲) اور اس کے تمام فرشتوں پر۔ (۳) اور اس کی اُتاری ہوئی تمام کتابوں پر۔ (۴) اور اس کے تمام پیغمبروں پر۔ (۵) اور مرنے کے بعد زندہ ہونے پر یعنی قیامت اور یوم آخرت پر آپ نے فرمایا وہ پانچ باتیں کونسی ہیں جن پر میرے قاصدوں نے تم کو عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ وفد نے عرض کیا وہ یہ ہیں (۱) لا الٰہ الا اللہ کہتے رہیں۔ (۲)۔ نماز کو قائم رکھیں۔ (۳)۔ زکوٰۃ ادا کریں۔ (۴)۔ رمضان المبارک کے روزے رکھیں۔ (۵) اور اگر استطاعت ہو تو حج بیت اللہ کریں۔

آپ نے فرمایا وہ پانچ خصلتیں کونسی ہیں جن پر تم زمانۂ جاہلیت میں کاربند تھے۔ وفد نے عرض کیا وہ یہ ہیں۔

اَلشُّکر[1] عِندَ الرخاء والصَّبر[2] عند البلاءِ وَ الرِّضا[3] بمرّ القضاء والصِّدق[4] فی مواطن اللقاء و ترکُ[5] الشماتۃ بالاعداء	راحت اور فراخی کے وقت شکر[1] اور مصیبت کے وقت صبر[2] اور تلخ قضا[3] پر بھی راضی رہنا اور مقابلہ[4] کے وقت ثابت قدمی اور دشمنوں[5] کی مصیبت پر خوش نہ ہونا۔
فقال صلی اللہ علیہ وسلم حکمٰا علماً کادوا من فقھھم ان یکونوا انبیآء	آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بڑے حکیم اور عالم ہیں تفقہ اور سمجھ کی وجہ سے مقام نبوت سے بہت

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ثُمَّ قَالَ وَ اَنَا ازيدكم خمسا فتتم لكم عشرون خصلة ان كنتم كما تقولون فلا تجمعوا مالا تاكلون و لا تبنوا مالا تسكنون ولا تتنافسوا في شئ انتم عنه غدا زائلون واتقوا الله الذي اليه ترجعون وعليه تعرضون وارغبوا فيما عليه تقدمون و فيه تخلدون

قریب ہیں، پھر ارشاد فرمایا میں تم کو پانچ خصلتیں اور بتاتا ہوں تاکہ بیس خصلتیں پوری ہو جائیں (۱) جس چیز کو کھانا نہ ہو اس کو جمع نہ کرو (۲) جس میں رہنا ہو اس کو بناؤ نہیں (۳) اور جس چیز کو کل چھوڑ کر جانے والے ہو اس میں ایک دوسرے پر حسد نہ کرو (۴) اور اس خدا سے ڈرو کہ جس کی طرف تم کو لوٹنا اور اس کے سامنے پیش ہونا ہے (۵) اور اس چیز میں رغبت کرو جس میں تم کو ہمیشہ رہنا ہے یعنی آخرت۔

یہ لوگ آپ کی وصیت کرے کر واپس ہوئے اور اس کو خوب یاد رکھا اور اس پر عمل کیا[۱]

(۳۴) وفد بنی المنتفق

یہ وفد بارگاہ نبوی میں صبح کی نماز کے بعد حاضر ہوا اتفاق سے اس روز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جمع کر کے ایک طویل و عریض خطبہ دیا جس میں حشر و نشر و جنت و جہنم کے احوال بیان فرمائے خطبہ سے فارغ ہو کر ان لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور واپس ہوئے مفصل خطبہ تقریباً دو ورق میں ہے جس کو حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں ذکر کیا ہے۔

(۳۵) وفدِ نَخَعْ، محرم الحرام ۱۱ھ

نَخَعْ یمن کا ایک قبیلہ ہے ماہ محرم الحرام ۱۱ھ کے درمیانی عشرہ میں اس قبیلے کے دو سو آدمی

(یہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا ہے) نکتہ: اس آپ کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظِ حدیث مقام نبوت سے اتنا قریب نہیں جتنا کہ فقیہ مقام نبوت سے قریب اور نزدیک ہے، حافظِ حدیث کی مثال اس عاشق کی سی ہے کہ جس نے محبوب کے الفاظ بعینہٖ یاد کر لئے اور فقیہ کی مثال اس فہیم اور سمجھدار محب جان نثار کی ہے کہ جو اپنے محبوب کے اشارات اور کنایوں اور اس کے رموز و اسرار کو خوب سمجھتا ہے۔

[۱] زاد المعاد، ج ۳، ص: ۵۴۔

بارگاہ نبوی میں ایک شخص زرارۃ بن عمرو بھی تھے، انھوں نے اس سفر میں متعدد خواب دیکھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کئے اور آپ نے ان کی تعبیر دی منجملہ ان کے ایک یہ خواب دیکھا کہ زمین سے ایک آگ نمودار ہوئی ہے جو میرے اور میرے بیٹے کے درمیان حائل ہوگئی۔ اور وہ آگ یہ پکار رہی ہے

لظی لظی بصیر و اعمی اطعمونی — میں آگ ہوں میں آگ ہوں کوئی بینا اور کوئی نابینا

اکلکم اھلکم و مالکم — مجھکو کھانے کو دو میں تم کو کھاؤں گی تم کو کھاؤں گی تمھارے اہل کو اور مال کو۔

آپ نے فرمایا ایک فتنہ ہوگا جس میں لوگ اپنے امام اور خلیفہ کو قتل کریں گے بدکار اپنے کو نیکوکار سمجھے گا۔ مؤمن کا قتل پانی پینے سے زیادہ لذیذ ہوگا، اگر تیرا بیٹا پہلے مرگیا تو تو اس فتنہ کو پائے گا۔ اور اگر تو پہلے مرگیا تو تیرا بیٹا اس فتنہ کو پائے گا۔ زرارہ نے عرض کیا یا رسول اللہ خدا سے دعا کیجئے کہ میں اس فتنہ کو نہ پاؤں۔ آپ نے ان کے لئے دعا فرمائی، زرارہؓ کا تو انتقال ہوا اور ان کے بعد حضرت عثمان غنی رضؓ کی شہادت کا فتنہ پیش آیا، زرارہ کا بیٹا باغیوں کے ساتھ تھا واللہ اعلم (زاد المعاد ص۵۹ ج۳ زرقانی ص۹۷ ج۴)

سنہ ۱۰ھ

یمن میں تعلیم اسلام

سنہ ۹ھ یا ۱۰ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو موسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل کو یمن کے لوگوں کو دین اسلام کی تعلیم دینے کی غرض سے روانہ فرمایا مگر دونوں کو ایک جگہ نہیں بھیجا۔ ابو موسیٰ کو یمن کی مشرقی سمت میں اور معاذ کو مغربی سمت یعنی عدن اور جند کی اطراف واکناف میں تعلیم و تبلیغ کا حکم دیا۔

لہ۔ مدارج النبوۃ۔ ج: ۲، ص: ۱۰۵۔ فتح الباری، ج: ۸، ص: ۴۸

سریۂ خالد بن ولید بسوئے نجران

سنہ ۱۰ ہجری کے ماہ ربیع الثانی یا جمادی الاولیٰ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو ایک سریہ کا سردار مقرر کر کے نجران اور اس کے اطراف و جوانب کی طرف روانہ فرمایا اور خالد کو یہ حکم دیا کہ قتال سے پہلے تین بار دعوت اسلام دینا اگر وہ اس دعوت کو قبول کریں تو تم بھی ان کے اسلام کو قبول کرنا اور اگر وہ دعوت اسلام کے قبول کرنے سے انکار کر دیں تب ان سے قتال کرنا لیکن خالد بن ولید جب نجران پہنچے اور ان کو اسلام کی دعوت دی تو سب نے بے چون و چرا سمعا و طاعۃً اسلام قبول کیا، خالد بن ولید ٹھہر گئے اور ان کو اسلام کی تعلیم دینے لگے اور ایک خط کے ذریعہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع دی، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں یہ تحریر کرایا کہ نجران کے قبیلۂ بنی حارث بن کعب کا وفد ہمراہ لے کر مدینہ آئیں۔ آپ کی تحریر کے مطابق خالد بنی حارث کا وفد لے کر مدینہ حاضر ہوئے آپ نے ان کو نہایت عزت و تعظیم کے ساتھ ٹھہرایا شروع ماہ ذی قعدہ سنہ ۱۰ھ میں جس وقت یہ لوگ مدینہ سے نجران واپس ہونے لگے تو آپ نے ان پر قیس بن حصن کو سردار مقرر کیا اور وفد کی روانگی اور واپسی کے بعد عمرو بن حزم کو بغرض تعلیم فرائض و سنن و احکام اسلام و وصولی صدقات ان کا عامل بنا کر روانہ کیا اور ایک فرمان لکھ کر ان کو عنایت کیا، وہو ہٰذا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
ھٰذا ان من اللہِ وَ رسولہٖ یَا ایھا الَّذِیْنَ اٰمنوا اوفوا بالعقود عھد من محمّدٍ النّبیّ رسول اللہِ لعمرو بن حزم حین بعثہ الی الیمن امرہ بتقوی اللہ فی امرہٖ کلہٖ فان اللہ	یہ اللہ اور اس کے رسول کا فرمان ہے اے ایمان والو اپنے عہدوں کو پورا کرو یہ عہد نامہ ہے محمد رسول اللہ کا عمرو بن حزم کے لئے جب ان کو یمن کی طرف عامل مقرر کر کے بھیجا، ان کو حکم دیا کہ تمام امور میں تقویٰ اور پرہیزگاری کو ملحوظ رکھیں۔ بتحقیق اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں

مع الذین اتقوا والذین هم محسنون و
وَامره ان یاخذ بالحق کما امره الله وان
یُبشّر الناس بالخیر ویأمرهم به ویُعلم
الناس القرآن وَیفقّههم فیه وَ ینهی
الناس فلا یمس القرآن انسان الا
وهو طاهر ویخبر الناس بالذی لهم
والذی علیهم ویلین للناس فی الحق
ویشتد علیهم فی الظلم فان الله
کره الظلم ونهی عنه فقال
الا لعنة الله علی الظالمین ویُبشّر
الناس بالجنة وبعملها وَینذر الناس
النار وعملها وَیستألف الناس حتی
یفقهوا فی الدین - وَیعلم الناس
معالم الحج وسنته وفریضته وما
امر الله به وَالحج الاکبر الحج الاکبر
وَالحج الاصغر هو العمرة وینهی الناس
ان یصلی احد فی ثوب صغیر الا ان
یکون ثوبا یثنی طرفیه علی عاتقیه
وَینهی الناس ان یحتبی احد فی ثوب
واحد یفضی بفرجه الی السماء و
ینهی ان یعقص احد شعر راسه

کو اور نیکو کاروں کے ساتھ ہے اور ان کو حکم دیا کہ حق
کو مضبوط پکڑیں جیسا کہ اللہ کا حکم ہے اور لوگوں کو
خیر کا حکم دیں اور خیر کی بشارت سنائیں۔
اور لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیں اور اس کے معانی
سمجھنے کا طریقہ بتلائیں اور لوگوں کو منع کر دیں کہ کوئی
شخص قرآن کو بغیر طہارت کے ہاتھ نہ لگائے اور
لوگوں کو ان کے منافع اور مضار سے باخبر کریں۔
حق اور راہِ راست پر چلنے میں لوگوں پر نرمی کرنا
اور ظلم کرنے کی حالت میں ان پر سختی کرنا تحقیق اللہ
جل شانہ نے ظلم کو حرام کیا ہے اور اس سے منع کیا ہے
جیسا کہ اس کا ارشاد ہے کہ لعنت ہو اللہ کی ظالموں پر
اور لوگوں کو جنت کی بشارت دینا اور اعمال جنت سے خبر
دینا اور جہنم سے ڈرانا اور اعمال جہنم سے آگاہ کرنا اور لوگوں
کو اپنے سے مانوس بنانا تاکہ لوگ تم سے دین سمجھ سکیں۔
اور لوگوں کو فرائض اور سنن اور احکام حج اور احکام
عمرہ کی تعلیم دینا اور نماز کے متعلق لوگوں کو یہ بتلا دینا
کہ کوئی شخص چھوٹے کپڑے میں اس کو پشت پر ڈال کر
نماز نہ پڑھے مگر یہ کہ وہ اس قدر کشادہ ہو کہ اس
کے دونوں اس کے دونوں مونڈھوں کو ڈھانک
لیں اور لوگوں کو اس طرح کپڑا پہننے سے منع کر دیں
کہ آسمان کے نیچے اس کی شرم گاہ کھلی رہے، اور

فی قفاه وینهی إذا کان بَیْنَ الناس هیج
عن الدّعا الی القبائل وَالعشائر و
یکن دعواهم الی الله عز وجل وحده
لَاشَرِیكَ له فمن لم یدع الی الله
ودعا الی القبائل والعشائر فَلْیُقْطَفُوْا
بالسیف حتی تکون دعواهم إلی الله
وَحده لَاشریك له ویأمر الناس
باسباغ الوضوء وجوههم وَایدیهم
الی المرافق وارجلهم الی الکعبین
ویمسحون برؤسهم کما امرهم
الله وَامر بالصّلاة لوقتها واتمام
الرکوع والسجود والخشوع وَ
یغلّس بالصبح ویُهَجّر بابها جهرة
حِین تَمِیْل الشمس وصلاة العصر
وَالشمس فی الارض مدبرة وَللغرب
حین یقبل اللّیلَ لَا یُؤخر حتی تبدُ
النجوم فی السَّماءَ وَالعشاء اول اللیل
وامر بالسعی الی الجمعة اذا نودی
لَهَا وَالغسل عند الرواح اِلَیهَا
وامره ان یأخذ مِن الْمَغانم خمس
الله وما کتب علی المؤمنین فی

اس سے منع کر دیں کہ کوئی شخص گردن کی جانب میں
بالوں کا جوڑا نہ باندھے اور اس سے منع کر دیں کہ
جب آپس میں لڑائی ہو تو قبیلہ اور خاندان قوم اور
وطن کے نام پر نصرت اور حمایت کے لئے کوئی نعرہ
نہ لگائیں بلکہ ایک خدا کی طرف اور اس کے حکم کی طرف
آنے کی لوگوں کو دعوت دیں اور جو شخص اللہ کی طرف
نہ بلائے بلکہ قبیلہ اور خاندان یعنی قوم اور وطن کی طرف
بلائے تو ان کی گردنوں کو تلوار سے سہلایا جائے یہاں تک
کہ ان کا نعرہ اور آوازانا اللہ وحدہٗ لاشریک کے دین کی طرف
ہو جائے یعنی قبیلہ اور خاندان اور قوم اور وطن کے
نعرہ سے باز آجائیں اور لوگوں کو وضو کو پورا کرنے کا
اور نماز میں اپنے وقت میں ادا کرنے کا حکم دیں اور نماز میں
رکوع و سجود پوری طرح کریں اور خشوع و خضوع کے ساتھ
نماز ادا کریں اور صبح کی نماز غلس (تاریکی) میں پڑھیں اور ظہر
کی نماز زوال کے بعد پڑھیں یعنی زوال سے پہلے نہ پڑھیں
اور عصر کی نماز اس وقت پڑھیں کہ جب آفتاب زمین پر اپنی
دھوپ ڈال رہا ہو اور غروب کی طرف جا رہا ہو اور مغرب
کی نماز رات کے آتے ہی پڑھیں اور اس قدر تاخیر نہ کریں کہ
تارے نکل آئیں اور عشاء کی نماز رات کے اول ثلث
میں پڑھیں اور جب جمعہ کی اذان ہو جائے تو دوڑ کر
مسجد پہنچیں اور جمعہ میں جانے سے پہلے غسل کریں اور یہ حکم

الصدقة من العقار عشر ما سقت العين وسقت السماء وعلى ما سقى الغرب نصف العشر وفى كل عشر من الابل شاتان وفى كل عشرين اربع شياه وفى كل ثلاثين من البقر تبيع جذع او جذعة وفى كل اربعين من الغنم سائمة وحدها شاة فانها فريضة الله التى افترض على المومنين فى الصدقة فمن زاد خيرا فهو خيرًا له وانه من اسلم من يهودى او نصرانى اسلاما خالصا من نفسه ودان بدين الاسلام فانه من المؤمنين له مثل ما لهم وعليه مثل ما عليهم ومن كان على نصرانية او يهودية فانه لا يرد عنها وعلى كل حالم ذكر وانثى حرا وعبد دينار وافر او عوضه ثيابا فمن ادى ذالك فان له ذمة الله وذمة رسوله ومن منع ذالك فانه عدو لله ولرسوله وللمومنين جميعًا صلوات الله على

دیا کر مال غنیمت میں سے اللہ کا حق خمس نکالیں اور مسلمانوں کی زمین کی پیداوار میں سے صدقہ وصول کریں جس زمین کو چشمہ کے پانی یا بارش کے پانی سے سیراب کیا گیا ہو اس میں عشر (پیداوار کا دسواں حصہ) واجب ہے اور جس زمین کو کنوئیں کے پانی سے سیراب کیا گیا ہو اس میں نصف العشر ہے یعنی پیداوار کا بیسواں حصہ واجب ہے اور دس اونٹوں میں دو بکریاں واجب ہیں اور بیس اونٹوں میں چار بکریاں واجب ہیں اور تیس گائیوں میں ایک گائے اور چالیس بکریوں میں ایک بکری زکوٰۃ واجب ہے یہ اللہ کا فرض ہے جو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر فرض کیا ہے اور جو فریضہ سے زیادہ دیدے تو وہ اس کے لئے اور بہتر ہے اور جو یہودی یا نصرانی سچے دل سے دین اسلام کو قبول کرے تو وہ اہل ایمان میں سے ہے اور اس کے حقوق اور احکام وہی ہیں جو مسلمانوں کے ہیں اور جو اپنی یہودیت یا نصرانیت پر قائم رہے اور اسلامی حکومت کا رعایا بن کر رہنا منظور ہو۔ مرد ہو یا عورت آزاد ہو یا غلام ہو ہر بالغ پر جزیہ کا دینا یا اس کے عوض کپڑے دینا اس پر لازم ہوگا۔ پس جو شخص جزیہ ادا کرے وہ اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری میں رہے گا۔ یعنی اس کی جان اور مال اور آبرو سب محفوظ رہے گی۔ اور جو شخص جزیہ دینے سے انکار کرے وہ اللہ

على محمد والسلام عليه ورحمة الله وبركاته
اور اس کے رسول اور تمام مومنین کا دشمن ہے اللہ کی صلاۃ وسلام اور رحمتیں اور برکتیں ہوں محمد رسول اللہ پر صلی اللہ علیہ وسلم۔ لہ

سریۂ علی کرم اللہ وجہہ بسوئے یمن

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع سے پہلے ماہ رمضان ۱۰ھ میں حضرت علی کو تین سو آدمیوں پر سردار مقرر کر کے یمن کی جانب روانہ فرمایا اور خود اپنے دست مبارک سے حضرت علی کے سر پر عمامہ باندھا جس کے تین پیچ تھے عمامہ کا ایک کنارہ بقدر ایک ہاتھ کے سامنے لٹکایا۔ اور بقدر ایک بالشت پیچھے چھوڑا اور یہ فرمایا کہ سیدھے چلے جاؤ کسی اور جانب توجہ مت کرنا اور وہاں پہنچ ابتدا بالقتال نہ کرنا۔ اوّل ان کو اسلام کی دعوت دینا اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو پھر ان سے کوئی تعرض نہ کرنا۔ خدا کی قسم تیرے ہاتھ سے ایک شخص ہدایت پا جائے تو یہ دُنیا وما فیہا سے بہتر ہے حضرت علی، تین سو سواروں کے ساتھ روانہ ہوئے اور مقام قناۃ میں جا کر پڑاؤ ڈالا اور اسی جگہ سے صحابہ کی مختلف ٹولیاں، مختلف جوانب میں روانہ کیں لشکر اسلام کے سوار سب سے پہلے علاقہ مذحج میں داخل ہوئے اور بہت سے بچے اور عورتیں اور اونٹ اور بکریاں پکڑ کر لائے ان تمام غنائم کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا بعد ازاں ایک دوسری جماعت سے مقابلہ ہوا حضرت علی نے ان کو اسلام کی دعوت دی، انھوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا اور مسلمانوں پر تیر اور پتھر برسائے تب حضرت علی نے ان پر حملہ کیا جس میں ان کے بیس آدمی مارے گئے اور یہ لوگ منتشر ہو گئے حضرت علی نے کچھ وقفہ کے بعد پھر ان کا تعاقب کیا اور دوبارہ ان کو اسلام کی دعوت دی، ان لوگوں نے اسلام کی دعوت کو اپنی طرف سے اور اپنی قوم کی طرف سے بھی قبول کیا۔ اور وعدہ کیا کہ ہم صدقات جو اللہ کا حق ہے وہ ادا کریں گے۔

لہ۔ سیرۃ ابن ہشام، ج: ۴، ص: ۲۴۱

بعد ازاں حضرت علی نے مال غنیمت کو جمع کیا اور خمس نکال کر باقی چار خمس غانمین پر تقسیم فرما دیئے اور اپنے بجائے کسی کو لشکر کا امیر مقرر کر کے عجلت کے ساتھ اپنے رفقاء سے پہلے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے ، کیونکہ حضرت علی کو یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے حج کے لئے روانہ ہو گئے ہیں اس لئے حضرت علی یمن سے سیدھے مکہ مکرمہ پہنچے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک ہوئے[۵۱]

حجۃ الوداع

اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد آچکی مکہ فتح ہو گیا۔ لوگ فوج در فوج دین اسلام میں داخل ہو چکے کفر اور شرک کی بیخ کنی ہو چکی وفود اور قبائل دور دراز سے آ آ کر کفر و شرک سے تائب اور توحید و رسالت کا صدق دل سے اقرار کر چکے فرائض نبوت ادا ہو چکے احکام اسلام کی تعلیم قولاً اور عملاً مکمل ہو گئی ۔ ۹ھ میں ابو بکر صدیق کو بھیج کر خانہ کعبہ کو مراسم جاہلیت سے بالکلیہ پاک کرا دیا گیا۔

اب وقت آگیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حج کے فریضہ کو خود عملی طور پر انجام دیں تاکہ اُمت کو ہمیشہ کے لئے معلوم ہو جائے کہ حج کس شان سے ہونا چاہئے اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کا کیا طریقہ تھا۔ مناسک حج میں اوّل سے آخر تک توحید و تفرید تھا اور کلمات شرکیہ اور رسوم جاہلیت سے بالکلیہ پاک اور منزہ تھا اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تلبیہ لاشریک لک کا لفظ خاص طور پر کہتے تاکہ شرک کا ایہام بھی باقی نہ رہے۔ اس طرح تلبیہ کہتے لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لبيك - ان الحمد والنعمة لك لا شريك لك

ہجرت سے پیشتر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد حج فرمائے ہیں جامع ترمذی میں جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے قبل دو حج کئے ، ابن اثیر نہایہ میں فرماتے ہیں کہ ہجرت سے پہلے آپ ہر سال حج کیا کرتے تھے ابن جوزی کہتے ہیں کہ اس امر کا صحیح

۵۱۔ زرقانی ۔ ج ۳ ، ص ۱۰۳

علم نہیں ہو سکا کہ آپ نے کتنے حج کئے بہر حال یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ ہجرت کے بعد ایک ہی حج کیا۔
۹ھ میں حج کی فرضیت نازل ہوئی اُس سال آپ نے صدیق اکبر کو امیر الحاج بنا کر مکہ روانہ فرمایا اس سال مسلمانوں نے صدیق اکبر کی زیر امارت حج ادا کیا۔ ماہ ذی القعدۃ الحرام ۱۰ھ میں آپ نے خود بنفسِ نفیس حج کا ارادہ فرمایا اور اطراف و اکناف میں اعلان کرا دیا گیا کہ امسال آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لئے تشریف لے جانے والے ہیں چنانچہ ۲۵ ذی القعدۃ الحرام یوم شنبہ ۱۰ھ ظہر اور عصر کے درمیان میں آپ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے مہاجرین وانصار اور اصحاب جاں نثار بے شمار گروہ آپ کے ہمراہ تھا شمع نبوت کے اردگرد نوے ہزار یا ایک لاکھ چودہ ہزار یا اس سے بھی زائد پروانوں کا مجمع تھا ۴ ذی الحجۃ الحرام یکشنبہ کے دن آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔
(شرح المواہب ص ۱۰۵ ج ۲)

ازواج مطہرات نو بیبیاں اور حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء آپ کے ہمراہ تھیں اور دیگر خواص اور خدام خاص بھی ہمرکاب تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ جن کو جن کو آپ نے ماہ رمضان المبارک میں صدقات وصول کرنے کے لئے یمن بھیجا تھا وہ مکہ میں آپ سے آملے۔
بعد ازاں آپ نے مناسک اور ارکان حج ادا فرمائے اور میدانِ عرفات میں ایک طویل خطبہ پڑھا۔
اوّل خدا تعالیٰ کی حمد وثنا کی بعد ازاں یہ ارشاد فرمایا۔

اے لوگو جو میں کہتا ہوں وہ سنو غالباً سال آئندہ تم سے ملنا نہ ہوگا۔ اے لوگو تمہاری جانیں اور آبرو اور اموال آپس میں ایک دوسرے پر حرام ہیں جیسا کہ یہ دن اور یہ مہینہ اور یہ شہر حرام ہے۔
جاہلیت کے تمام امور میرے قدموں کے نیچے پامال ہیں اور جاہلیت کے تمام خون معاف اور ساقط ہیں۔ سب سے پہلے میں ربیعۃ بن حارث بن عبد المطلب کا خون جو بنی ہذیل پر ہے معاف کرتا ہوں جاہلیت کے تمام سود ساقط اور لغو ہیں تمہارے لئے صرف راس المال ہے۔
سب سے پہلے میں عباس بن عبد المطلب کا ربوا ساقط اور باطل کرتا ہوں، بعد ازاں زوجین کے باہمی حقوق بیان فرمائے پھر فرمایا تم میں ایسی محکم چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم اس کو مضبوطی کے

ساتھ پکڑے رہے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ، قیامت کے دن تم سے میرے بارے میں سوال ہوگا، تبلاؤ کیا جواب دوگے صحابہ نے عرض کیا ہم یہ گواہی دیں گے کہ آپ نے ہم تک اللہ کا پیام ہم کو پہنچا دیا اور خدا کی امانت ادا کی اور اُمت کی خیر خواہی کی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار انگشت شہادت سے آسمان کی طرف اشارہ کرکے یہ فرمایا،

اللّٰھم اشھد — اے اللہ تو گواہ رہو۔

آپ خطبہ سے فارغ ہوئے اور حضرت بلال نے ظہر کی اذان دی۔ ظہر اور عصر دونوں نمازیں ایک ہی وقت میں اَدا کی گئیں۔ بعد ازاں آپ خداوند ذوالجلال کی حمد و ثنا ذکر اور شکر استغفار اور دعا میں مشغول ہو گئے اُسی اثنا میں یہ آیت نازل ہوئی۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ۔[۱]
(فتح الباری و شرح المواہب)

آج میں نے تمھارے لئے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور ہمیشہ کے لئے دین اسلام کو تمھارے لئے پسند کیا۔

۱۰ ذی الحجۃ الحرام کو منیٰ میں پہنچ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (۶۳) بقدر عمر شریف کے خود اپنے دستِ مبارک سے نحر فرمائے اور (۳۷) اونٹ حضرت علی نے آپ کی طرف سے قربانی کئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں تقریباً اسی مضمون کا خطبہ دیا۔ جو عرفات میں دیا تھا اخیر میں طواف الوداع کرکے اخیر ذی الحجہ میں عازم مدینہ ہوئے اور منیٰ میں سر مبارک منڈانے کے بعد موئے مبارک کو صحابہ میں تقسیم فرمایا تاکہ حضرات صحابہ کرام بطور تبرک ان کو اپنے پاس رکھیں چونکہ آپ کو اس حج کے بعد حج کی نوبت نہیں آئی اور منیٰ اور عرفات کے خطبوں میں اس طرف اشارہ فرمایا کہ غالباً سال آئندہ تم سے ملنا نہ ہوگا۔ اس وجہ سے اس حج کو حجۃ الوداع کہتے ہیں کہ آپ اپنی امت سے رخصت ہوئے۔ اور اس حج کو حجۃ الاسلام بھی کہتے ہیں، اس لئے کہ حج فرض

---

[۱] المائدہ ۔ آیۃ ۳

ہونے کے بعد اسلام میں یہ پہلا حج تھا۔

حجۃ الوداع کے واقعات اگر تفصیل سے بیان کئے جائیں تو اس کے لئے ایک ضخیم جلد درکار ہے اس لئے اس مقام پر انتہائی اجمال سے کام لیا گیا۔ حضرات اہل علم زاد المعاد اور شرح المواہب کی طرف رجوع فرمائیں۔

خطبۂ غدیر خم

جب آپ حج سے واپس ہوئے تو راستہ میں حضرت بریدۂ اسلمی نے حضرت علی کی کچھ شکایت کی۔ آپ نے غدیر خم پر (جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام ہے ایک خطبہ دیا جس میں یہ ارشاد فرمایا کہ میں ایک بشر ہوں ممکن ہے کہ عنقریب میرے پروردگار کی طرف سے کوئی قاصد مجھے بلانے کیلئے آجائے اور میں اس دعوت کو قبول کروں، اشارہ اس طرف تھا کہ وفات کا زمانہ قریب آگیا ہے بعد ازاں اہلِ بیت کی محبت کی تاکید فرمائی اور حضرت علی کی نسبت فرمایا۔ من کنت مولاہ فعلی مولاہ جس کا میں دوست ہوں علی بھی اس کا دوست ہے۔ خطبہ کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت علی کو مبارکباد دی۔ اور حضرت بریدہ کا قلب بھی آپ سے صاف ہو گیا اور جو کدورت تھی وہ زائل ہوئی۔ اس خطبہ اور ارشاد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تبلانا تھا کہ حضرت علی اللہ کے محبوب اور مقرب بندہ ہیں اُن سے اور میرے اہل بیت سے محبت رکھنا مقتضائے ایمان ہے اور اُن سے بغض اور عداوت یا نفرت اور کدورت سراسر مقتضائے ایمان کے خلاف ہے حدیث کا مقصد فقط حضرت علی کی محبت کا وجوب اور اس کی فرضیت بیان کرنا ہے۔ امامت اور خلافت سے کوئی تعلق نہیں اور معمولی عقل والا سمجھ سکتا ہے کہ محبت اور خلافت میں زمین و آسمان کا فرق ہے، محبت اور خلافت میں تلازم نہیں کہ جس سے محبت ہو وہ خلیفہ بلا فصل بھی ہو۔ محبت تو والدین اور اولاد اور بیبیوں اور سب دوستوں سب ہی سے ہوتی ہے کیا سب خلیفہ ہو جائیں گے حضرت عباس اور حضرت فاطمہ اور امام حسن اور امام حسین سب ہی آپ کے محبوب نظر اور نور بصر ہونے کے علاوہ

لے۔ دیکھو شرح مواہب ص۱۳ ج ۲،

حضور پُر نور کے لختِ جگر بھی تھے اگر محبت، دلیل خلافت ہے تو امام حسن پہلے خلیفہ ہونے چاہئیں بلکہ اگر قُربِ قرابت پر نظر کی جائے اور یہ کہا جائے کہ خلافت کا دار و مدار قُربِ قرابت پر ہے تو اس لحاظ سے مقدم حضرت فاطمۃ الزہرا ہیں اور پھر امام حسن اور پھر امام حسین اور پھر درجہ چہارم میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ حضرات شیعہ کے مسلک پر بھی حضرت علی خلیفہ چہارم ہی بنتے ہیں اگر اہلِ سنّت ان کو خلیفہ چہارم بنایا تو شکوہ کیوں ہے۔ نیز جس وقت غدیرِ خم پر آپ نے یہ خطبہ دیا، اس وقت صحابہ کرام اور اہلِ بیت بھی موجود تھے کسی نے بھی اس کا یہ مطلب نہیں سمجھا کہ حضور کے بعد حضرت علی خلیفہ بلا فصل ہوں گے اور پھر دو ماہ کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور سقیفہ بنی ساعدہ میں مسئلہ خلافت زیرِ بحث آیا جس میں وہ صحابہ بھی شریک تھے کہ جو غدیرِ خم کے اس خطبہ میں حاضر تھے۔ کسی نے بھی اس حدیث کو امامت علی کے لئے استدلال میں پیش نہیں کیا اور نہ حضرت علی نے اور نہ حضرت عباس نے اور نہ بنی ہاشم میں سے کسی شخص نے کسی وقت بھی حضرت علی کے استحقاق خلافت کے لئے اس حدیث کو پیش کیا۔

غرض یہ کہ غدیرِ خم کے خطبہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور اہلِ بیت اور عترت کی محبت کا حکم دیا ہے اور ان کی دشمنی سے منع فرمایا۔ سو الحمد للہ تمام اہلِ سنّت والجماعت بہ ہزار دل و جان اہلِ بیت کی محبت اور تعظیم کو اپنا دین و ایمان سمجھتے ہیں مگر شیعوں کی طرح بے عقل نہیں کہ محبت کو دلیلِ امامت سمجھنے لگیں، محبت تو اہلِ بیت کی ہر فرد سے لازم ہے تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ حضور پُر نور کے تمام قریبی رشتہ داروں کو امام اور خلیفہ بنانے لگیں۔

حجۃ الوداع سے واپسی

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے فارغ ہو کر اخیر ذی الحجہ میں مدینہ منورہ پہنچے چند ہی روز گزرے تھے کہ ۱۰ھ ختم ہو کر ۱۱ھ شروع ہو گیا۔

جبریل امین کی آمد

حجۃ الوداع سے واپسی کے کچھ روز بعد جبریل امین ایک غیر معروف شکل میں سفید

کپڑے پہنے ہوئے بارگاہ نبوت میں تشریف لائے اور آپ کے قریب نہایت ادب کے ساتھ دوزانو ہو کر بیٹھ گئے اور ایمان اور اسلام اور احسان اور قیامت اور علامات قیامت کے متعلق سوالات کیئے اور آپ نے جوابات دیئے جب وہ اٹھ کر چلے گئے تو آپ نے جوابات دیئے جب وہ اٹھ کر چلے گئے تو آپ نے صحابہ سے فرمایا دیکھو کہ یہ کون شخص تھا صحابہ دیکھنے کے لیئے نکلے مگر کوئی نشان نہ پایا آپ نے فرمایا کہ یہ جبریل امین تھے جو تم کو دین کی تعلیم دینے کے لیئے آئے تھے اور میں ان کو ہمیشہ پہچان لیتا تھا لیکن آج نہیں پہچانا۔

نکتہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین کو سدرۃ المنتہیٰ اور اُفق مبین پر اصلی شکل میں بھی دیکھا ہے۔ کما قال تعالےٰ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ۔ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى اور اس کے علاوہ بے شمار مرتبہ آپ کی خدمت میں آئے۔ جبرا امین جس لباس اور جس صورت میں بھی آپ کے پاس آتے تو آپ پہچان لیتے کہ یہ حقیقت جبریلیہ ہے جو اس صورت میں جلوہ افروز ہے۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش — من انداز قدرت رامی شناسم
تو خواہی جامہ خواہی قبا پوش — بہر رنگے ترا من می شناسم

مگر اس مرتبہ ایک اعرابی اور بدوی کی صورت میں سائل بن کر مسائل پوچھنے آئے سفیر خداوندی ہونے کی حیثیت سے کوئی پیغام خداوندی لے کر نہیں آئے اس لیئے آپ نے ابتداءً جبریل امین کو نہ پہچانا جبریل امین کے مجلس سے اٹھنے کے بعد آپ نے ان کو پہچانا اس لیئے کہ سائل کی صورت میں نمودار ہوئے تھے۔ سفیر خداوندی ہونے کی حیثیت وحی اور پیغام الٰہی لے کر نہیں آئے تھے ورنہ ضرور پہچانتے۔

شیخ عطار فرماتے ہیں:

جبریل از دست او شد خرقہ دار
در لباس دحیہ شد زاں آشکار

سنہ ۱۱ھ

آخری فوج ظفر موج

سریۃ اسامۃ بن زید رضی اللہ عنہ

۲۶ صفر المظفر یوم دوشنبہ سنہ ۱۱ھ کو آپ نے رومیوں کے مقابلہ کے لئے مقام اُبنیٰ کی طرف لشکر کشی کا حکم دیا، یہ وہ مقام ہے جہاں غزوۂ موتہ واقع ہوا اور جس میں حضرت اسامہ کے والد، حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر طیار اور عبداللہ بن رواحہ وغیرہم شہید ہوئے۔

یہ آخری سریہ تھا اور آپ کی فرستادہ فوجوں کی آخری فوج تھی اسامۃ بن زید بن حارثہ کو آپ نے اس لشکر کا امیر اور سردار مقرر کیا اور اس لشکر میں مہاجرین اولین اور بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کو روانگی کا حکم دیا۔

چارشنبہ سے آپ کی علالت کا سلسلہ شروع ہو گیا، پنجشنبہ کے روز باوجود علالت کے آپ نے خود اپنے دستِ مبارک سے نشان بنا کر اسامہ کو دیا اور یہ فرمایا۔

اغز باسم اللہ و فی سبیل اللہ — اللہ کے نام پر اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور اللہ سے کفر
فقاتل من کفر باللہ ۔ — کرنے والوں سے مقابلہ اور مقاتلہ کرو۔

حضرت اسامہ نشان لے کر باہر تشریف لائے اور بریدۂ اسلمی کے سپرد کیا اور فوج کو مقام جُرف میں جمع کیا اور تمام جلیل القدر مہاجرین و انصار بسرعت وہاں آکر جمع ہو گئے۔ حضرت عباس اور حضرت علی تو آپ کی تیمارداری کی غرض سے مدینہ واپس آ گئے اور ابوبکر و عمر، اسامہ سے اجازت لیکر آپ کو دیکھنے کے لئے آتے تھے۔ جمعرات کے روز جب مرض میں شدت ہوئی اور آپ عشاء کی نماز کے لئے مسجد میں تشریف نہ لا سکے تو ابوبکر صدیق کو نماز پڑھانے کا حکم دیا اور اپنی جگہ ان کو امام مقرر کیا فوج مقام جُرف میں جمع تھی جو مدینہ سے ایک کوس کے فاصلہ پر ہے۔ دوشنبہ کی صبح کو جب آپ کو سکون ہوا اور صحابہ یہ سمجھے کہ حضور پُر نور اچھے ہو گئے تو حضرت اسامہ نے روانگی کا قصد کیا اسی تیاری

میں تھے کہ حضرت اسامہ کی والدہ ام ایمن نے آدمی بھیجا کہ آپ حالت نزع میں ہیں کچھ دیر نہ گزری تھی کہ یہ خبر قیامت اثر کانوں میں پہنچی کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تمام مدینہ میں تہلکہ پڑ گیا اور سب افتاں و خیزاں مدینہ واپس آئے بریدہؓ نے نشان لا کر حجرۂ مبارکہ کے دروازہ پر نصب کر دیا، آپ کی وفات کے بعد جب صدیق اکبر خلیفہ ہوئے تو پہلا کام یہ کیا کہ باوجود مخالفت کے جیش اسامہ کو روانہ کیا اور جُرف تک خود مشایعت کے لیے گئے۔

اس طرح جیش اسامہ روانہ ہوا اور چالیس دن کے بعد مظفر و منصور واپس آیا، معرکہ میں جو بھی مقابلہ پر آیا اس کو تہ تیغ کیا اور اپنے باپ (زید بن حارثہ) کے قاتل کو قتل کیا اور چلتے وقت ان کے مکانات اور باغات کو نذر آتش کیا۔ صدیق اکبر نے مدینہ سے باہر جا کر ان کا استقبال کیا، جب مدینہ میں داخل ہوئے تو مسجد نبوی میں شکر کا دوگانہ ادا کیا اور پھر اپنے گھر تشریف لے گئے۔[1]

سفر آخرت کی تیاری

حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر آخرت کی تیاری شروع فرمادی اور تسبیح و تحمید اور توبہ اور استغفار میں مشغول ہو گئے۔

سب سے پہلے جس سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفات کا قریب آجانا منکشف ہوا وہ حق جل شانہ کا یہ ارشاد ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا ۝	جب اللہ کی نصرت اور فتح آجائے اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہو رہے ہیں تو اب اللہ کی تسبیح و تحمید اور استغفار میں مشغول ہو جائیے تحقیق اللہ بڑا توجہ فرمانے والا ہے

---

[1] الطبقات الکبریٰ۔ ج: ۲، ص: ۱۳۶

یعنی جب فتح ونصرت آچکی جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا اور کفر اور شرک کا سر کچل دیا گیا اور توحید کا علم سربلند ہوا، اور حق کو باطل کے مقابلہ میں فتح مبین حاصل ہوئی اور لوگ فوج کی فوج دین میں داخل ہو گئے اور دنیا کو اللہ کا پیغام پہنچ گیا اور دین کی تکمیل ہو گئی تو آپ کے دنیا میں بھیجنے سے جو مقصد تھا وہ پورا ہو گیا اور آپ کا جو کام تھا وہ کر چکے اب ہمارے پاس آنے کی تیاری کیجیے۔ بیت اللہ کا حج (زیارت) کر چکے، اب رب البیت کے حج (زیارت) کی تیاری کیجیے۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو جس کام کے لیے دنیا میں بھیجا تھا وہ کام ختم ہو گیا جس نے آپ کو دنیا میں بھیجا تھا اب اس کے پاس واپس ہو جائیے اور اس کے پاس جانے کی تیاری کیجیے یہ عالم فانی آپ کے رہنے کی جگہ نہیں آپ جیسی ارواح مقدسہ کے لیے ملاءِ اعلیٰ اور رفیق اعلیٰ کا لحوق اور اتصال مناسب ہے۔

چنانچہ آپ اٹھتے اور بیٹھتے اور آتے جاتے یہ پڑھتے تھے۔ سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِکَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ اور کبھی سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ پڑھتے اور کبھی یہ پڑھتے سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ۔

یہ تمام روایتیں تفسیر درمنثور ص۴۰۷ ج ۶ میں مذکور ہیں۔ (سورۃ النصر)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ سے ایک بار فرمایا کہ جبریل امین ہر رمضان میں میرے ساتھ قرآن کریم کا صرف ایک مرتبہ دَور کیا کرتے تھے لیکن اس رمضان میں دو مرتبہ دَور فرمایا میں گمان کرتا ہوں کہ میری روانگی کا وقت قریب آگیا ہے، ہر سال آپ رمضان المبارک میں ایک عشرہ کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے مگر اس سال آپ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔

حجۃ الوداع میں جب یہ آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ الخ نازل ہوئی تو آپ اشارۂ خداوندی کو سمجھ گئے۔

منتہائے کمال نقصان است   گل بریزد بوقت سیرابی

اس لیے حجۃ الوداع کے خطبہ میں اعلان فرمایا کہ شاید اب اس کے بعد تم سے ملنا ہو اور شاید

پھر تمھارے ساتھ حج نہ کر سکوں اور پھر غدیر خم کے خطبہ میں فرمایا کہ میں بشر ہوں۔ اور بشر کے لئے خلود و دوام نہیں۔ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ، شاید عنقریب میرے رب کا قاصد مجھے بلانے اور لینے کے لئے آجائے اسی بنا پر حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد ایک دن آپ جنت البقیع میں تشریف لے گئے اور آٹھ سال کے بعد شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھی اور اُن کے لئے دعائے خیر فرمائی جیسا کوئی کسی سے رخصت ہوتا ہو بقیع سے واپس آکر مسجد میں منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور خطبہ دیا کہ میں تم سے پہلے جا رہا ہوں تاکہ تمھارے لئے حوض وغیرہ کا انتظام کروں اور میرا تم سے حوض کوثر پر ملنے کا وعدہ ہے اور میں اپنے اسی مقام پر حوضِ کوثر کو دیکھ رہا ہوں اور تحقیق مجھکو زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئی ہیں اور مجھکو اپنے بعد اس کا اندیشہ نہیں کہ تم مجموعی طور پر (سب کے سب شرک میں مبتلا ہو مبتلا ہو جاؤ گے۔ یعنی پہلے کی طرح پوری قوم مشرک بن جائے، یہ اندیشہ نہیں البتہ خوف یہ ہے کہ تم دنیا کی حرص اور طمع اور باہمی تنافس میں مبتلا ہو جاؤ گے اور آپس میں لڑو گے اور ہلاک ہو گے۔[1]

علالت کی ابتداء

ماہ صفر کے اخیر عشرہ میں آپ ایک بار شب کو اُٹھے اور اپنے غلام ابو مویہبہ کو جگایا اور فرمایا کہ مجھکو یہ حکم ہوا ہے کہ اہل بقیع کے لئے استغفار کروں، وہاں سے واپس تشریف لائے تو دفعتہً مزاج ناساز ہو گیا، سر میں درد اور بخار کی شکایت پیدا ہو گئی۔

یہ ام المومنین میمونہؓ کی باری کا دن تھا اور بدھ کا روز تھا اسی حالت میں آپ باری باری ازواج مطہرات کے یہاں تشریف لے جاتے رہے، جب مرض میں شدت ہوئی تو ازواج مطہرات سے اجازت لے کر حضرت عائشہ کے یہاں تشریف لے آئے۔ دو شنبہ کے روز حضرت عائشہ کے حجرہ میں منتقل ہوئے اور آئندہ دو شنبہ کو حضرت عائشہ ہی کے حجرہ میں رحلت فرمائے عالم آخرت ہوئے۔ تیرہ یا چودہ روز آپ علیل رہے جس میں سے آخری ہفتہ کی تیمار داری عائشہ صدیقہ کے حصہ

---

[1] زرقانی ج ۸ ص ۲۵۱، ۲۵۰، ۲۵۵

میں آئی ؎۱

ایک روایت میں ہے کہ جب جبریل امین سورۂ نصر یعنی اذا جاء نصر اللہ الخ لے کر نازل ہوئے تو نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے فرمایا کہ اے جبریل اس سورۃ میں مجھے اپنی موت کی اطلاع دی گئی ہے، جبریل امین نے کہا وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ ، رواہ الطبرانی من حدیث جابر رض ؎۲

اثنار علالت میں آپ کو اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب اور طلیحہ اسدی مدعیان نبوت اور لوگوں کے مرتد ہونے کی خبر معلوم ہوئی ما آپ نے مرتدین سے جہاد کی وصیت اور تاکید فرمائی اور اسود عنسی کی سرزنش کے لئے انصار کی ایک جماعت روانہ فرمائی۔ آپ کی وفات سے ایک روز پیشتر اسود عنسی قتل کیا گیا۔ ؎۳

صحیح بخاری میں عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ آپ مرض الوفات میں یہ فرماتے تھے کہ یہ اسی زہر کا اثر ہے جو میں نے خیبر میں کھایا تھا، بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ آپ عادت شریفہ یہ تھی کہ جب بیمار ہوتے تو معوذات یعنی سورۃ اخلاص اور سورۂ فلق اور سورۃ ناس پڑھ کر اپنے اوپر دم کرتے اور پھر اپنا ہاتھ تمام بدن پر پھیر لیتے۔ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میں آپ کی آخری علالت میں معوذات پڑھ کر آپ پر دم کرتی، مگر برکت کے لئے آپ ہی کا دست مبارک آپ کے بدن پر پھیر دیتی۔

حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ کا رونا اور ہنسنا

اسی بیماری میں آپ نے حضرت فاطمہ کو بلایا اور سرگوشی کی حضرت فاطمہ رو پڑیں اس کے بعد کچھ اور سرگوشی کی تو ہنس پڑیں، عائشہ صدیقہ کہتی ہیں، کہ ہم نے آپ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ سے اس کا سبب دریافت کیا تو یہ کہا کہ اول آپ نے مجھ سے یہ فرمایا کہ جبریل مجھ سے ہر سال رمضان

؎۱۔ زرقانی ج: ۸ ص: ۲۵۱، ۲۵۰، ۲۵۵ ؎۲ ایضاً

؎۳۔ ابن الاثیر ج ۲، ص ۱۵۳

میں قرآن کا ایک مرتبہ دَور کیا کرتے تھے اس سال دو مرتبہ دَور کیا میرا خیال ہے کہ اسی بیماری میں میری وفات ہوگی یہ سن کر میں رو پڑی بعد ازاں آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میرے گھر والوں میں تو سب سے پہلے مجھ سے آملے گی۔ یہ سن کر میں ہنس پڑی۔ چنانچہ چھ ماہ بعد ہی حضرت سیدہ اس عالم سے رحلت فرما گئیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے دوسری بار یہ فرمایا کہ تم بہشت کی تمام عورتوں کی سردار ہوگی[۱]

عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب بقیع سے تشریف لائے تو میرے سر میں درد تھا تو اس حالت میں میری زبان سے یہ لفظ نکلا۔ وار آساہ۔ ہائے میرے سر۔ کہ تو اب چلا یعنی شاید اس تکلیف میں موت آجائے۔ آپ نے فرمایا۔ بل انا اقول وا راساہ، بلکہ میں کہتا ہوں کہ ہائے میرا سر۔ مطلب یہ تھا کہ میرے سر میں شدید درد ہے شاید یہی درد میری موت کا پیش خیمہ ہو اور اس کے بعد فرمایا اے عائشہ اگر تو مجھ سے پہلے مرجائے تو میرا کیا نقصان ہے۔ میں تیرے کفن اور دفن کا انتظام کروں گا اور تیری نماز جنازہ پڑھوں گا اور تیرے لئے دعا مغفرت کروں گا۔ عائشہ صدیقہ نے (بطور ناز) فرمایا گویا کہ آپ میری موت چاہتے ہیں کہ اگر میں اس جہاں سے رخصت ہوگئی تو آپ اسی روز میرے ہی گھر میں کسی اور زوجہ کے ساتھ آرام کرنے والے ہوں گے مطلب یہ تھا کہ میرے مرنے کے بعد آپ مجھے بھول جائیں گے اور دوسری بیبیوں میں مشغول ہوجائیں گے، آپ یہ سن کر مسکرائے (کہ یہ غافلات المؤمنات میں سے ہے، اسے خبر نہیں کہ میں ہی دنیا سے جا رہا ہوں اور یہ میرے بعد زندہ رہے گی۔[۲]

واقعۂ قرطاس

وفات سے چار یوم پیشتر بروز پنجشنبہ جب مرض میں شدت ہوئی تو جو لوگ حجرۂ نبوی میں حاضر تھے، ان سے فرمایا کاغذ قلم دوات لے آؤ تاکہ تمہارے لئے ایک وصیت نامہ لکھوا دوں

۱۔ فتح الباری، ج: ۸، ص: ۱۰۳۔

۲۔ البدایۃ والنہایۃ۔ ج: ۵، ص: ۲۲۴

اس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے، یہ سن کر اہل مجلس اختلاف کرنے لگے، حضرت عمر نے کہا کہ آپ بیمار ہیں۔ درد کی شدت ہے ایسی حالت میں تکلیف دینا مناسب نہیں۔ کتاب اللہ ہمارے پاس ہے (جو ہم کو گمراہی سے بچانے کے لئے) کافی ہے، بعض نے حضرت عمر کی تائید کی اور بعض نے کہا کہ دوات قلم لاکر لکھوا لینا چاہیے۔ اور یہ کہا، اَهَجَرَ اِسْتَفْهِمُوْهُ۔ کیا آپ نے بیماری کی شدت اور غفلت اور بیہوشی کی حالت میں معاذ اللہ کوئی لغو اور ہذیان کی بات کہی ہے خود آپ سے دریافت کر لو یعنی آپ اللہ کے نبی و رسول ہیں، آپ کی زبان اور دل خطا اور غلط سے معصوم اور مامون ہے معاذ اللہ اوروں کی طرح نہیں کہ جو بیماری کی حالت میں واہی تباہی بولنے لگتے ہیں، حدیث میں ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ اپنی زبان مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اس زبان سے (کسی حالت میں) سوائے حق کے کچھ نہیں نکلتا۔

یہ جملہ (اہجر استفہموہ) حضرت عمر کا مقولہ نہیں بلکہ اُن لوگوں کا ہے جن کی رائے حضرت عمر کے خلاف تھی، حضرت عمر کی رائے یہ تھی کہ حضور پُر نور کو لکھنے کی تکلیف نہ دی جائے اور بعض لوگ جن کی رائے یہ تھی کہ دوات قلم لاکر لکھوا لیا جائے ان لوگوں نے حضرت عمر کے جواب میں یہ کہا اہجر استفہموہ۔ اور مطلب یہ تھا کہ جب حضور پُر نور حکم دے رہے ہیں تو کیوں نہ لکھوا لیا جائے معاذ اللہ حضور پُر نور کی زبان مبارک سے کسی ہذیان یا لغویات کا نکلنا ناممکن ہے اسی وجہ سے ان لوگوں نے اہجر بطور استفہام انکاری الزاماً کہا۔ خود اس کے قائل نہ تھے اور جن روایتوں میں یہ جملہ بدون حرف استفہام آیا ہے وہ بھی استفہام پر محمول ہیں اور حرف استفہام دال مقدر ہے۔

مجلس میں جب اختلاف زیادہ ہوا اور شور و شغب ہونے لگا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس سے اُٹھ جاؤ مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دو میں جس حالت میں ہوں وہ بہتر ہے اس سے کہ جس کی طرف تم مجھ کو بُلا رہے ہو، بعد ازاں باوجود اس تکلیف کے آپ نے لوگوں کو تین چیزوں کی زبانی وصیت فرمائی۔

(۱)۔ مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دو یعنی جزیرۂ عرب میں کوئی مشرک رہنے نہ پائے۔

(۲)۔ وفود کو رخصت کے وقت جائزہ یعنی ہدیہ و تحفہ دیا کرو جس طرح میں ان کو جائزہ دیا کرتا تھا۔

(۳)۔ تیسری بات سے آپ نے سکوت فرمایا یا راوی بھول گیا۔ (بخاری و مسلم)

بعض کہتے ہیں کہ تیسری بات یہ تھی کہ قرآن پر عمل کرنا یا جیش اسامہ کو روانہ کرنا۔ یا میرے بعد میری قبر کو بت اور سجدہ گاہ نہ بنانا۔ یا یہ کہ نماز کی پابندی کرنا اور غلاموں کا خیال رکھنا [1]

ف: معلوم نہیں کہ جن باتوں کی آپ نے زبانی وصیت فرمائی انہی کے لکھوانے کے لیے کاغذ قلم دوات منگرتے تھے یا ان کے علاوہ تھیں، واللہ اعلم۔

بخاری اور مسلم میں عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس بیماری کی حالت میں) یہ فرمایا کہ میرا ارادہ ہوا تھا ابو بکر اور اُن کے فرزند (عبدالرحمن) کو بلانے کے لیے کسی کو بھیج دوں اور اُن کو وصیت کر دوں اور اُن کو اپنا ولیعہد بنا دوں تاکہ کہنے والے کچھ کہہ نہ سکیں اور تمنا کرنے والے کچھ تمنا نہ کر سکیں لیکن پھر میں نے اپنا یہ ارادہ فسخ کر دیا اور یہ کہا کہ وصیت کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ انکار کرے گا کہ سوائے ابو بکر کے کوئی اور خلیفہ ہو اور اہل ایمان بھی سوائے ابو بکر کے اور کسی کے خلافت کو قبول نہیں کریں گے اور ایک روایت میں یہ الفاظ آئے۔

معاذ اللہ ان یختلف الناس علی ابی بکر	اللہ کی پناہ۔ کہ لوگ ابو بکر کی خلافت میں اختلاف کریں۔

ان احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دلی منشا یہ تھا کہ آپ کے بعد ابو بکر خلیفہ ہوں لیکن آپ نے قضاء و قدر اور اجماع پر چھوڑ دیا کہ قضاء و قدر سے یہی ہو گا کہ ابو بکر ہی خلیفہ ہوں گے اور مسلمانوں کے اہل حل و عقد کے اجماع اور اتفاق سے اُن کی خلافت منعقد ہوگی اور سب مسلمان انہی کی خلافت پر متفق ہوں گے۔ امام بخاریؒ کے کلام سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ اس حدیث سے صدیق اکبر کی خلافت لکھوانا مراد ہے، اس لئے کہ امام بخاری نے کتاب الاحکام میں اس حدیث پر جو ترجمہ رکھا وہ یہ ہے، باب الاستخلاف معلوم ہوا کہ اس حدیث سے

---

[1] ۔ فتح الباری، ج: ۸، ص: ۱۰۳

اشارہ خلافت کی طرف ہے، دیکھو زرقانی ص۲۵۰ و قسطلانی ص۲۶ ج۱۰ و فتح الباری ص۱۲۷ ج۱۳

جس مجلس میں قرطاس کا واقعہ پیش آیا اور لوگوں کے اختلاف اور شور کی وجہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمادیا کہ میرے پاس سے اٹھ جاؤ پیغمبر خدا کے سامنے اختلاف اور شور مناسب نہیں لوگ اٹھ کر چلے گئے۔

لوگوں کے چلے جانے کے بعد آپ نے آرام فرمایا ظہر کی نماز کے وقت جب طبیعت کو کچھ سکون ہوا اور مرض کی شدت میں کچھ افاقہ ہوا تو یہ ارشاد فرمایا کہ سات مشکیں پانی کی میرے سر پر ڈالو شاید کچھ سکون ہو۔ اور میں لوگوں کو وصیت کرسکوں، چنانچہ حسب الحکم آپ پر پانی کی سات مشکیں[۱] ڈالی گئیں اسی طرح غسل سے آپ کو ایک گونہ سکون ہوا اور آپ حضرت عباس اور حضرت علی کے سہارہ سے مسجد میں تشریف لائے اور نماز پڑھائی، یہ ظہر کی نماز تھی اور بعد ازاں آپ نے خطبہ دیا اور یہ آپ کا آخری خطبہ تھا[۲]۔ یہ صحیح بخاری کی روایت ہے اور صحیح مسلم میں ہے کہ یہ خطبہ وفات سے پانچ شب یعنی چار روز پہلے تھا[۳]۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں اس حساب سے یہ خطبہ جمعرات کے روز ارشاد فرمایا۔

۱۔ دارمی کی روایت میں ہے کہ یہ سات مشکیں مدینہ کے سات مختلف کنوؤں سے بھری گئی تھیں، کذا فی الاتحاف شرح الاحیار ص۲۸۸ ج۲

۲۔ قال الحافظ ابن کثیر۔ و قد خطب علیہ الصلوٰۃ والسلام فی یوم الخمیس قبل ان یقبض علیہ السلام بخمس ایام خطبۃ عظیمۃ بین فیھا فضل الصدیق من سائر الصحابۃ مع ما کان قد نص علیہ ان یؤم الصحابۃ اجمعین کما سیأتی بیانہ مع حضورھم کلھم ولعل خطبتہ ھذہ کانت عوضا عما اراد ان یکتب فی الکتاب وقد اغتسل علیہ الصلاۃ والسلام بین یدی ھذہ الخطبۃ الکریمۃ فصبوا علیہ من سبع قرب لم تحلل اوکیتھن وھذا من باب الاستشفاء بالسبع کما وردت بھا الاحادیث فی غیر ھذا الموضع

۳۔ زرقانی، ج: ۸، ص: ۲۵۸

آخری خطبہ

الغرض آپ نماز سے فارغ ہو کر منبر پر رونق افروز ہوئے حق جل شانہ کی حمد و ثنا کے بعد سب سے پہلے اصحاب احد کا ذکر فرمایا اور اُن کے لئے دعا مغفرت کی۔ پھر مہاجرین کو مخاطب کرکے فرمایا کہ تم زیادہ ہونگے اور انصار کم ہوں گے، دیکھو انصار نے مجھکو ٹھکانہ دیا، ان میں کا جو محسن اور نیکوکار ہو اس کے ساتھ احسان کرو اور ان میں سے جو غلطی کر گزرے تم اس سے درگزر کرنا۔

پھر فرمایا۔ اے لوگو اللہ نے اپنے ایک بندہ کو اختیار دیا ہے کہ خواہ دنیا کی نعمتوں کو اختیار کرے یا خدا کے پاس نعمتوں یعنی آخرت کو اختیار کرے لیکن اُس بندہ نے خدا کے پاس کی نعمتوں کو یعنی آخرت کو اختیار کر لیا۔ ابوبکر چونکہ سب سے زیادہ علم والے تھے اس لئے سمجھ گئے کہ اُس بندہ سے حضور پُر نور ہی مراد ہیں سُنتے ہی رو پڑے اور کہنے لگے یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، آپ نے فرمایا اے ابوبکر ٹھہرو اور قرار پکڑو۔ پھر مسجد کی طرف لوگوں کے جتنے دروازے کھلے ہوئے تھے، اُن کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ یہ سب دروازے بند کر دیئے جائیں صرف[1] ایک ابوبکر کا دروازہ کھلا رہنے دیا جائے جان و مال صحبت و رفاقت کے اعتبار سے سب سے زیادہ احسان کرنے والا مجھ پر ابوبکر ہیں۔ ابوبکر سے بڑھ کر میرا کوئی محسن نہیں جس جس نے میرے ساتھ کوئی احسان کیا میں نے اس کی مکافات کر دی سوائے ابوبکر کے کہ اس کے احسانات کا بدلہ اور صلہ اللہ ہی اس کو قیامت کے دن دے گا۔ اگر میں اپنے پروردگار کے سوا کسی کو اپنا جانی دوست بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن اُن سے اسلامی اخوت اور مودت ہے جس میں وہ سب سے افضل اور برتر ہیں اور اخوت اور

---

[1] ۔ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مسجد کی طرف جتنے دروازے ہیں بند کر دئے جائیں مگر علی کا دروازہ کھلا رہے رواہ احمد و نسائی۔ سو جاننا چاہیئے کہ یہ حکم اس وقت تھا کہ جب مسجد نبوی کی تعمیر ہورہی تھی یعنی ابتداء ہجرت کا واقعہ ہے اور صدیق اکبر کے دروازہ کے سوا سب دروازوں کے بند کرنے کا حکم مرض الوفات کا واقعہ ہے جو آخری حکم ہے اور آخری حکم پہلے حکم کے لئے ناسخ ہوتا ہے ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ

مودت ہے جس میں وہ سب سے افضل اور برتر ہیں اور اس اخوت اور مودت میں کوئی دوسرا ان کا ہمسر نہیں ۔ ؎۱

الغرض آپ نے اس خطبہ میں صدیق اکبر کے وہ فضائل و کمالات بیان کئے جس میں کوئی دوسرا ان کا شریک و سہیم نہ تھا تاکہ لوگوں کے سامنے ان کی فضیلت اور برتری عیاں ہو جائے اور آپ کے بعد ان کی خلافت میں کوئی اختلاف نہ کر سکے اور اسی کی تاکید کے لئے افضل العبادات یعنی نماز کی امامت اُن کے سپرد کی، چنانچہ صحابہ نے ابوبکر سے بیعت کرتے وقت یہی کہا کہ اللہ کے رسول نے جس شخص کو ہمارے دین (نماز) کے لئے پسند فرمایا ہم کو اپنی دنیا (خلافت و امارت) کے لئے کیوں نہ منتخب اور پسند کریں ۔ ؎۲

پھر اسی خطبہ میں یہ فرمایا کہ جیش اسامہ کو جلدی روانہ کرو اور فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ بعضے لوگ (ابن سعد کہتے ہیں کہ یہ منافقین تھے) اسامہ کی امارت اور سرداری پر معترض ہیں کہ بوڑھوں کے ہوتے ہوئے نوجوان کو یہ منصب کیوں عطا کیا گیا۔ آگاہ ہو جاؤ کہ انہی لوگوں نے اس سے پہلے اس کے باپ (زید) کی امارت اور اُس کی سرداری پر بھی اعتراض کیا تھا۔ خدا کی قسم اس کا باپ زید بھی امارت اور سرداری کا اہل تھا اور اس کے بعد اس کا بیٹا اسامہ بھی امارت کا اہل ہے اور میرے نزدیک محبوب ترین لوگوں میں سے ہے ۔

اور یہ فرمایا کہ لعنت ہو اللہ کی یہود اور نصاریٰ پر جنھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا، مقصود آپ کا (ﷺ) امت کو آگاہ اور خبردار کرنا تھا کہ تم یہود و نصاریٰ کی طرح میری قبر کو سجدہ گاہ نہ بنانا۔

اور فرمایا ، اے لوگو مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم اپنے نبی کی موت سے خوف زدہ ہو گئے کہ کوئی نبی مجھ سے

؎۱۔ البدایۃ والنہایۃ ۔ ج : ۵ ، ص : ۲۲۹ ، فتح الباری ، ج : ۷ ، ص : ۱۰ ، اتحاف شرح احیاء علوم الدین ، ج : ۱۰ ، ص : ۲۸۶

؎۲۔ ازالۃ الخفاء ، ج : ۸ ، ص : ۳۴ ، ۳۵

پہلے اپنی امت میں ہمیشہ رہا ہے جو میں تم میں ہمیشہ رہوں (کما قال تعالیٰ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ۔ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ)

آگاہ ہو جاؤ کہ میں خدا سے ملنے والا ہوں اور آگاہ ہو جاؤ کہ تم بھی خدا سے ملنے والے ہو، میں تمام مسلمانوں کو وصیت کرتا ہوں کہ مہاجرین اولین کے ساتھ خیر اور بھلائی کا معاملہ کریں۔ اور مہاجرین اولین کو وصیت کرتا ہوں کہ تقویٰ اور عمل صالح پر قائم رہیں کیونکہ حق کا ارشاد ہے۔ وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔

اور اے مسلمانو۔ میں تمہیں انصار کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ ان کے ساتھ خیر اور حسن سلوک کا معاملہ کرنا۔ انصار نے اسلام اور ایمان کو ٹھکانہ دیا۔ اور مکانوں اور زمینوں اور باغوں اور پھلوں میں تم کو اپنا شریک بنایا اور باوجود فقر و فاقہ کے تم کو اپنے نفسوں پر ترجیح دی۔ (کما قال تعالیٰ وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ)

اور فرمایا کہ آگاہ ہو جاؤ میں تم سے پہلے جا رہا ہوں اور تم بھی مجھ سے آکر ملو گے حوض کوثر پر ملنے کا وعدہ ہے۔

اس کے بعد منبر سے اتر آئے اور حجرۂ مبارکہ میں تشریف لے گئے [1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری نماز جماعت اور صدیق اکبر کو نماز پڑھانے کا حکم

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں جب تک طاقت رہی اس وقت تک آپ برابر مسجد میں تشریف لاتے رہے اور نماز پڑھاتے رہے، سب سے آخری نماز جو آپ نے پڑھائی وہ پنجشنبہ کی مغرب کی نماز تھی جس کے چار روز بعد، بروز دوشنبہ آپ کا وصال ہو گیا۔ صحیح بخاری میں ام فضلؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو مغرب کی نماز پڑھائی جس میں والمرسلات

---

[1] البدایۃ والنہایۃ۔ ج: ۵، ص: ۲۲۵

پڑھی اس کے بعد آپ نے ہم کو کوئی نماز نہیں پڑھائی یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوگئی، جب عشار کا وقت آیا تو دریافت فرمایا کہ کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ لوگ آپ کے منتظر ہیں مآپ نے کئی بار اٹھنے کا قصد فرمایا مگر شدت مرض کی وجہ سے بے ہوش ہو ہو جاتے تھے اخیر میں فرمایا کہ ابو بکر کو میری طرف سے حکم دو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ عائشہ صدیقہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ابو بکر بہت رقیق القلب ہیں یعنی نرم دل ہیں جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو ان پر ایسی رقت طاری ہوگی کہ) لوگوں کو نماز نہیں پڑھا سکیں گے اور گریہ وزاری کیوجہ سے لوگوں کو اپنی قرأت نہیں سنا سکیں گے لہٰذا آپ عمر کو نماز پڑھانے کے لئے کہہ دیں حضرت عائشہ نے ظاہر تو یہ کیا مگر دل میں یہ تھا کہ جو شخص آپ کی جگہ کھڑا ہوگا لوگ اس کو منحوس سمجھیں گے ماس سے آپ نے خفا ہو کر فرمایا کہ تم یوسف کے ساتھ والیاں ہو کہ زبان پر کچھ ہے اور دل میں کچھ ہے ابو بکر کو حکم دو کہ وہی نماز پڑھائیں، صحیح بخاری میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم دینے کے بعد عائشہ صدیقہ نے تین بار انکار کیا مگر آپ نے ہر بار تاکید اور اصرار کے ساتھ یہی فرمایا کہ ابو بکر کو حکم دو کہ وہی نماز پڑھائیں، چنانچہ ابو بکر نماز پڑھانے لگے۔

امام غزالی قدس اللہ سرہ نے احیار العلوم میں عائشہ صدیقہ کا کلام معرفت القیام سے نقل کیا ہے جس میں عائشہ صدیقہ نے اپنے دلی منشار کو ظاہر فرمایا ہے کہ وہ اپنے جلیل القدر باپ کی امامت کو کیوں ناپسند کرتی تھیں۔

قالت عائشۃ رضی اللہ عنھا ما قلت ذالک ولا صرفت عن ابی بکر الا رغبۃ عن المخاطرۃ والمھلکۃ الا ما سلم اللہ وخشیت ایضا ان لا یکون الناس رجلا صلی فی مقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو حی

عائشہ صدیقہ کہتی ہیں کہ میں اپنے باپ کی امامت سے اس لئے انکار کرتی تھی کہ میرا باپ دنیا سے بالکل علحدہ رہے اس لئے کہ عزت و وجاہت خطرہ سے خالی نہیں ہوتی، اس میں ہلاکت اندلیشہ ہے مگر جس کو اللہ صحیح و سالم رکھے وہی دنیا کے فتنہ سے بچ سکتا ہے اور نیز یہ بھی اندیشہ تھا کہ جو شخص آنحضرت

الا ان یشاء اللہ محسدونہ ویبغون علیہ ویتشاء مون بہ فاذا الامر امر اللہ والتمناء قضاء ہ وعصمہ اللہ من کل ما تخوفت علیہ من امر الدنیا والدین۔	صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں آپ کی جگہ پرکھڑا ہوگا۔ تو لوگ اس پرحسد کریں گے اور عجب نہیں کہ حسد میں اس پر کوئی زیادتی بھی کریں اور ان کو منحوس بھی سمجھیں پس جب اللہ کا حکم اور اس کی قضاء وقدر یہی ہے کہ میرا باپ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کا قائم مقام بنے اور ان کی جگہ پر امامت کرے تو پھر دعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے باپ کو دنیا اور دین کی ہر خوفناک امر سے محفوظ اور مامون رکھے۔

سبحان اللہ یہ ہے صدّیقہ بنت صدّیق کی فہم وفراست کہ وہ اس امامت ونیابت کو آئندہ خلافت اور امارت کا پیش خیمہ سمجھے ہوئے ہیں اور دل وجان سے اس کوشش میں ہیں کہ میرا باپ نہ امام بنے اور نہ امیر، یہ امامت صغریٰ اور امامت کبریٰ میرے باپ سے ہٹ کر کسی اور کے پاس چلی جائے تاکہ میرا باپ دین ودنیا کے فتنہ سے بالکلیہ محفوظ ہو جائے۔ یہ تو بیٹی کا حال تھا اور باپ یعنی ابوبکر صدیق کا حال بیعت کے وقت کے خطبہ سے معلوم کرو۔

فرمایا کہ خدا کی قسم میں نے اس امارت وخلافت کی نہ کبھی دل سے تمنّا کی اور نہ کبھی زبان سے دعا مانگی مسلمانوں پر فتنہ کے خوف سے اسے قبول کرلیا۔

صدیق اور صدیقہ کی یہی شان ہوتی ہے کہ ان کا دل مال وجاہ کی طمع سے بالکل پاک اور منزہ ہوتا ہے۔ مگر سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ کا نبی اور اس کا رسول جس کے امام بنانے پر مصر ہو وہ بالیقین امام المتقین ہوگا اور اس کا ظاہر وباطن امارت اور خلافت کی طمع سے بالکل منزہ ہوگا اور کسی فتنہ کی مجال نہ ہوگی کہ اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔

اللہ کے رسول نے جس شخص کو اپنی جگہ پر کھڑا کر دیا سمجھ لو کہ جو عنایات ربانی اور تائید آسمانی نبی کے ساتھ تھیں وہ اس کے قائم مقام کی بھی ضرور معین اور دستگیر ہوں گی، اس لئے کہ اللہ کا رسول بدون حکم خداوندی اپنا نائب اور قائم مقام نہیں مقرر کر سکتا۔

جس طرح کسی بادشاہ کا اپنی زندگی میں کسی کو اپنا تخت اور چتر سپرد کر دینا اس کو ولی عہد بنانے کے مرادف ہے۔

اسی طرح امام المتقین کا کسی کو اپنے مصلے پر امامت کے لئے کھڑا کر دینا یہ اس کے مرادف ہے کہ یہ شخص اللہ کے رسول کا ولی عہد اور اس کا جانشین ہے۔

شنبہ یا یکشنبہ کو مزاج مبارک کچھ ہلکا ہوا تو حضرت عباس اور حضرت علی کے سہارے آپ مسجد میں تشریف لائے ابوبکرؓ اس وقت ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے، آپ ابوبکر کی بائیں جانب جا کر بیٹھ گئے اور باقی نماز لوگوں کو آپ نے پڑھائی اب آپ امام تھے اور ابوبکر آپ کی اقتدا کرنے لگے اور باقی نمازی ابوبکر کی تکبیروں پر نماز ادا کرنے لگے۔ (بخاری شریف)

یہ ظہر کی نماز تھی اور حضور پر نور کی یہ امامت آخری امامت تھی اس کے بعد مسجد کی حاضری سے بالکلیہ انقطاع ہو گیا اور ام فضل کی روایت میں جو یہ گزرا ہے کہ حضور کی آخری نماز مغرب کی نماز تھی، اس سے مستقل امامت کی نفی مراد ہے کہ از اول تا آخر جس نماز میں امامت اور قرأت فرمائی ہو وہ مغرب کی نماز ہے۔ ہفتہ کے روز حضرت اسامہ اور دیگر صحابہ جن کو جہاد پر مامور فرمایا تھا آپ سے ملنے کے لئے آئے اور آپ سے رخصت ہو کر روانہ ہوئے مدینہ سے ایک کوس چل کر مقام جرف میں پڑاؤ ڈالا، تعمیل ارشاد کے لئے روانہ ہو گئے مگر آپ کی علالت کی وجہ سے کسی کا قدم نہیں اٹھتا تھا۔ یکشنبہ کو پھر مرض میں شدت ہو گئی حضرت اسامہ یہ خبر سنتے ہی اُفتاں و خیزاں آپ کو دیکھنے کے لئے مدینہ واپس آئے دیکھا تو مرض کی شدت ہے آپ بات نہیں کر سکتے حضرت اسامہ نے جھک کر پیشانی مبارک پر بوسہ دیا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے پھر اسامہ پر رکھ دیئے، اسامہ کہتے ہیں میں سمجھا کہ آپ میرے لئے دعا فرما رہے ہیں بعد ازاں اسامہ جرف میں واپس آ گئے جہاں پڑاؤ تھا۔[1]

ابن سعد طبقات میں اور زرقانی شرح مواہب میں لکھتے ہیں کہ اسی روز یعنی یکشنبہ کے دن

---

[1] - طبقات ابن سعد، ج: ۲، ص: ۱۳۶

لدود کا واقعہ پیش آیا۔

صحیح بخاری میں عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ مرض کی شدت میں ذات الجنب سمجھ کر آپ کے منہ میں دوا ڈالی، آپ اشارہ سے منع بھی فرماتے رہے، مگر ہم یہ سمجھے کہ غالباً یہ طبعی ناگواری ہے جیسا کہ مریض عموماً دوا کو ناپسند کرتا ہے، بعد میں جب آپ کو افاقہ ہوا تو فرمایا کیا میں تم کو منع نہیں کیا تھا تمہاری سزا یہ ہے کہ سب کے منہ میں دوا ڈال جائے سوائے عباس کے کہ وہ اس میں شریک نہ تھے[۵]

یوم الوصال

یہ دوشنبہ کا روز ہے جس میں آپ نے اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی اور رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ اسی دوشنبہ کی صبح کو آپ نے حجرہ کا پردہ اٹھایا دیکھا کہ لوگ صف باندھے ہوئے صبح کی نماز میں مشغول ہیں صحابہ کو دیکھ کر آپ مسکرائے چہرۂ انور کا یہ حال کہ گویا مصحف شریف کا ایک ورق ہے یعنی سپید ہو گیا ہے ادھر صحابہ کی فرط مسرت سے یہ حالت کہ کہیں نماز نہ توڑ ڈالیں۔

صدیق اکبر نے ارادہ کیا کہ پیچھے ہٹیں آپ نے اشارہ سے فرمایا کہ نماز پوری کرو ضعف اور ناتوانی کی وجہ سے آپ زیادہ کھڑے نہ ہو سکے حجرہ کا پردہ ڈال دیا اور اندر واپس تشریف لے گئے (رواہ البخاری)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پردہ اٹھا کر نمازیوں کی طرف دیکھنا یہ چہرۂ انور کی آخری جلوہ افروزی تھی اور صحابۂ کرام کے لئے جمالِ نبوت کی آخری زیارت کا آخری موقع تھا۔ عشاق کی زبانِ حال اس وقت یہ شعر پڑھ رہی تھی ؎

وکنت اریٰ کالموت من بَیْنِ سَاعۃٍ فَکَیْفَ بِبَیْنٍ کان مَوْعِدُہُ الْحَشْرُ

میں تو ایک گھڑی ہی کی جدائی کو موت سمجھتا تھا پس اس جدائی کا کیا پوچھنا کہ جہاں لقاء کا وعدہ حشر کے بعد ہو۔

صدیق اکبر جب صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو سیدھے حجرۂ مبارک میں گئے اور آپ کو دیکھ کر

---

[۵] فتح الباری، ج : ۸، ص : ۱۱۲

عائشہ صدیقہ سے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ علیہ وسلم کو اب سکون ہے جو کرب اور بے چینی پہلے تھی وہ اب جاتی رہی اور چونکہ یہ دن صدیق اکبر کی دو بیبیوں میں اس بیوی کی نوبت کا دن تھا جو مدینہ سے ایک کوس کے فاصلہ پر رہتی تھیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لیکر وہاں چلے گئے [1]

اور ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ صدیق اکبر نے عرض کیا۔

یا نبی اللہ إنی اراک قد اصبحت	یا نبی اللہ میں دیکھتا ہوں کہ آپ نے اللہ کی نعمت اور فضل سے
بنعمۃ من اللہ وفضل کما نحب والیوم	اچھی حالت میں صبح کی ہے اور آج میری ایک بیوی حبیبہ
یوم بنت خارجۃ آفآتیہا قال نعم	بنت خارجہ کی نوبت کا دن ہے اگر اجازت ہو تو وہاں
	ہو آؤں آپ نے فرمایا ہاں چلے جاؤ۔

اور دوسرے لوگوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سکون ہے تو وہ بھی اپنے گھروں کو واپس ہو گئے [2]

حضرت علی حجرۂ مبارکہ سے باہر آئے لوگوں نے آپ کے مزاج دریافت کئے حضرت علی نے کہا بحمد اللہ آپ اچھے ہیں لوگ مطمئن ہو کر منتشر ہو گئے۔ حضرت عباس نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کے کہا۔ اے علی خدا کی قسم تین دن کے بعد تو عبد العصا (لاٹھی کا غلام) ہو گا یعنی اور کوئی حاکم ہو گا۔ اور تم اس کے محکوم ہو گے، خدا کی قسم میں یہ سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بیماری میں وفات پائیں گے بہتر ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارہ میں دریافت کریں کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہو گا۔ اگر ہم میں سے ہو گا تو معلوم ہو جائے گا۔ ورنہ آپ اس کو ہمارے بارے میں وصیت فرما دیں گے۔ حضرت علی نے کہا ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے متعلق انکار فرما دیں تو پھر ہم ہمیشہ کے لئے اس سے محروم ہو جائیں گے، خدا کی قسم میں آپ سے اس بارہ میں ایک حرف بھی نہ کہوں گا۔ [3]

---

[1] البدایۃ والنہایۃ۔ ج: ۵، ص: ۲۴۴
[2] ابن ہشام۔ ج: ۴، ص: ۳۰۲
[3] البدایۃ والنہایۃ۔ ج: ۵، ص: ۲۲۷

عالم نزع

لوگ تو یہ سمجھکر کہ آپ کو افاقہ اور سکون ہے منتشر ہوگئے کچھ دیر نہ گزری تھی کہ عالم نزع شروع ہوگیا۔ عائشہ صدیقہ کے آغوش میں سر رکھکر لیٹ گئے اتنے میں حضرت عائشہ کے بھائی عبد الرحمٰن بن ابی بکر ہاتھ میں مسواک لیئے آگئے۔ آپ اُن کی طرف دیکھنے لگے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ کے لئے مسواک لے لوں، آپ نے اشارہ فرمایا ہاں۔ میں نے کہا اس کو نرم کردوں آپ نے اشارہ سے فرمایا ہاں، میں نے چبا کر وہ مسواک آپ کو دی، اسی وجہ سے عائشہ صدیقہ بطور فخر اور بطور تحدیث بالنعمۃ یہ کہا کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اخیر وقت میں میرا آبِ دہن آپ کے آبِ دہن کے ساتھ ملا دیا اور آپ کی وفات میرے حجرہ میں اور میری نوبت کے دن میں اور میرے سینہ اور ہنسلی کے درمیان ہوئی۔

فائدہ : ملا علی قاری نے مشائخ طریقت سے نقل کیا ہے کہ جو شخص مسواک پر مواظبت کرے تو مرتے وقت اس کی زبان پر کلمہ شہادت جاری ہوجاتا ہے اور افیون کھانے والے کی زبان پر جاری نہ ہوگا۔

آپ کے پاس پانی کا ایک پیالہ رکھا ہوا تھا درد سے بیتاب ہوکر بار بار ہاتھ اس پیالہ میں ڈالتے اور مُنہ پر پھیر لیتے اور یہ کہتے جاتے تھے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ ان للموت سکرات اللہ سوا کوئی معبود نہیں، بے شک موت کی بڑی سختیاں ہیں، پھر چھت کی طرف دیکھا اور ہاتھ اُٹھا کر یہ فرمایا فی الرفیق الاعلیٰ۔ اے اللہ میں رفیق اعلیٰ میں جانا چاہتا ہوں یعنی حظیرۃ القدس جو انبیاء و مرسلین کا مسکن ہے وہاں جانا چاہتا ہوں۔

عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میں بار بار آپ سے سن چکی تھی کہ کسی پیغمبر کی روح اُس وقت تک قبض نہیں کی جاتی کہ جب تک اس کا مقام جنت میں اس کو دکھلا نہ دیا جائے اور اس کو اختیار نہ دیا جائے کہ دنیا و آخرت میں سے جس کو چاہے اختیار کرے۔

جس وقت آپ کی زبان سے یہ کلمات نکلے میں اسی وقت سمجھ گئی کہ اب آپ ہم میں نہ رہیں گے

آپ نے ملا اعلیٰ اور قرب خداوندی کو اختیار کرلیا ہے، الغرض آپ کی زبان مبارک سے یہ کلمات نکلے (اَللّٰھُمَّ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی) اور رُوح مبارک عالم بالا کو پرواز کرگئی اور دست مبارک نیچے گر گیا۔ (بخاری شریف) اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

تاریخ وفات

یہ جان گداز اور رُوح فرسا واقعہ جس نے دنیا کو نبوت و رسالت کے فیوض و برکات اور روحی ربانی کے انوار و تجلیات سے محروم کردیا بروز دوشنبہ دوپہر کے وقت ۱۲ ربیع الاوّل کو پیش آیا۔

اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ آپ کی وفات ماہ ربیع الاوّل میں بروز دوشنبہ کو ہوئی اختلاف دو امر میں ہے ایک یہ کہ کس وقت وفات ہوئی دوسرے اس امر میں کہ ربیع الاوّل کی کونسی تاریخ تھی۔

مغازی ابن اسحٰق میں ہے کہ چاشت کے وقت آپ کا وصال ہوا اور مغازی موسیٰ بن عقبہ میں زہری اور عروۃ بن زبیر سے مروی ہے کہ زوال کے وقت وصال ہوا یہی روایت زیادہ صحیح اور یہ اختلاف معمولی اختلاف ہے چاشت اور زوال میں کچھ زیادہ فصل نہیں، البتہ تاریخ وفات میں اختلاف شدید ہے، مشہور قول کی بنا پر ۱۲ ربیع الاوّل کو وفات ہوئی۔ موسیٰ بن عقبہ اور لیث بن سعد اور خوارزمی نے یکم ربیع الاول کو تاریخ وفات بتلایا ہے اور کلبی اور ابو مخنف نے دوم ربیع الاوّل تاریخ وصال قرار دی ہے۔ علامہ سہیلی نے روض الانف میں اور حافظ عسقلانی نے شرح بخاری میں اسی قول کو مرجح قرار دیا ہے [۱]

---

[۱] فتح الباری۔ ج: ۸، ص: ۹۸ - زرقانی - ج: ۳، ص: ۱۱۰

عمر شریف

انتقال کے وقت آپ کی عمر شریف ترسیٹھ[۶۳] سال کی تھی۔ یہی جمہور کا قول ہے اور یہی صحیح ہے اور بعض پینسٹھ اور بعض ساٹھ تبلاتے ہیں[۱]

صحابہ کا اضطراب[۲]

اس خبر قیامت اثر کا کانوں میں پہنچنا تھا کہ قیامت آگئی سنتے ہی صحابہ کے ہوش اڑ گئے تمام مدینہ میں تہلکہ پڑ گیا جو اس جاں گداز واقعہ کو سنتا تھا ششدر و حیران رہ جاتا تھا۔ ذی النورین عثمان غنی ایک سکتہ کے عالم میں تھے، دیوار سے پشت لگائے بیٹھے تھے، شدتِ غم کی وجہ سے بات تک نہیں کر سکتے تھے، حضرت علی کا یہ حال تھا کہ زار و قطار روتے تھے، روتے روتے بے ہوش ہو گئے عائشہ صدیقہ اور ازواجِ مطہرات پر جو صدمہ اور الم کا پہاڑ گرا اس کا پوچھنا ہی کیا۔ حضرت عباس بھی پریشانی میں سخت بے حواس تھے، حضرت عمر کی پریشانی اور حیرانی سب ہی سے بڑھی ہوئی تھی۔ وہ تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے اور بآواز بلند یہ کہنے لگے کہ منافقین کا گمان ہے کہ حضور پرنور انتقال کر گئے، آپ ہرگز نہیں مرے بلکہ آپ تو اپنے پروردگار کے پاس گئے ہیں جس طرح موسیٰ علیہ السّلام کوہ طور پہ خدا تعالےٰ کے پاس گئے اور پھر واپس آگئے۔ خدا کی قسم آپ بھی اسی طرح ضرور واپس آئیں گے اور منافقوں کا قلع قمع کریں گے، حضرت عمر جوش میں تھے تلوار نیام سے نکالے ہوئے تھے کسی کی مجال نہ تھی کہ یہ کہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا انتقال ہو گیا ابوبکر صدیق وصال کے وقت موجود نہ تھے، دوشنبہ کی صبح کو جب دیکھا کہ آپ کو سکون ہے تو عرض کیا یا رسول اللہ بحمد اللہ اب آپ کو سکون ہے اگر اجازت ہو تو گھر ہو آؤں، آپ نے فرمایا اجازت ہے۔ صدیق اکبر آپ سے اجازت لے کر گھر

---

[۱] - فتح الباری - ج : ۸، ص : ۱۱۴

[۲] - اتحاف شرح احیاء العلوم - ج : ۱۰، ص : ۲۹۰

چلے گئے جو مدینہ سے ایک کوس کے فاصلہ پر تھا، صدیق اکبر تو گھر چلے گئے اور زوال کے وقت حضور پر نور کا وصال ہو گیا۔ حضرت ابوبکر کو جب اس جانگداز حادثہ کی خبر پہنچی تو فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ پہنچے۔ مسجد نبوی کے دروازہ پر گھوڑے سے اترے اور حزین و غمگین حجرۂ مبارکہ کی طرف بڑھے اور عائشہ صدیقہ سے اجازت لے کر اندر داخل ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بستر مبارک پر تھے اور تمام ازواج مطہرات آپ کے گرد بیٹھی ہوئی تھیں۔ ابوبکر صدیق کی آمد کی وجہ سے سوائے عائشہ صدیقہ کے سب نے منہ ڈھک لیا اور پردہ کر لیا۔ صدیق اکبر نے چہرۂ انور سے چادر کو ہٹایا اور پیشانی مبارک پر بوسہ دیا اور روئے اور یہ کہا وا نبیاہ وا خلیلاہ و اصفیاہ تین مرتبہ ایسا کیا کما رواہ احمد وغیرہ (کما فی الاتحاف شرح الاحیاء صفحہ ۱۰ جلد ۲)

اور کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو دو مرتبہ[1] موت کا مزہ نہیں چکھائے گا جو موت آپ کے لئے لکھی گئی تھی وہ آچکی یہ کہہ کر حجرۂ شریفہ سے باہر آئے دیکھا کہ عمر جوش میں بھرے ہوئے ہیں، صدیق اکبر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتقال کر گئے ہیں۔ اے عمر کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّھُمْ

---

[1] صدیق اکبر کا مقصود ان لوگوں کا رد کرنا تھا جو یہ کہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ پھر زندہ ہوں گے۔ اور منافقین کے ہاتھ پیر کاٹیں گے کیونکہ اگر ایسا ہو تو آپ کی وفات اور موت دو بار ہو جائے گی۔ اس لئے ابوبکر صدیق نے کہا کہ جو موت آپ کے لئے لکھی ہوئی تھی وہ آچکی اب دنیا میں دوبارہ موت نہیں آئے گی اور اللہ تعالیٰ آپ پر دو موت جمع نہ کرے گا جیسا کہ پہلی امت میں بنی اسرائیل کے لوگ موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکلے اور ایک منزل میں پہنچ کر غضب الٰہی سے مر گئے پھر اپنے نبی کی دعا سے زندہ ہوئے اور پھر اپنے وقت پر مرے تو ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں موت کا دو مرتبہ مزہ چکھایا جن کا قصہ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ میں مذکور ہے اور جیسا کہ اس شخص نے موت کا دو مرتبہ مزہ چکھا کہ جس کا ایک قریہ پر گزر ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو سو سال کے لئے مردہ بنا دیا اور پھر اس کو زندہ جس کا قصہ اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ۔ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ میں مذکور ہے خلاصہ کلام یہ کہ جس طرح ان لوگوں نے دنیا میں دو مرتبہ موت کا مزہ چکھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی پر دو موتوں کو جمع نہ کرے گا۔ اس حدیث کی شرح میں اور بھی اقوال ہیں تفصیل کیلئے فتح الباری صفحہ ۹۱ جلد ۳ کتاب الجنائز و زرقانی شرح مواہب صفحہ ۲۸۰ جلد ۸ اور مدارج النبوۃ صفحہ ۵۵۸ جلد ۲ تقطیع خورد دیکھیں و شرح قسطلانی صفحہ ۲۶۱ جلد ۲ دیکھیں

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدُ

اب تمام لوگ حضرت عمرؓ کو چھوڑ کر صدیق اکبرؓ کے پاس جمع ہو گئے۔

صدیق اکبرؓ کا خطبہ

صدیق اکبرؓ منبر نبوی کی جانب بڑھے اور بآواز بلند لوگوں سے کہا کہ خاموش ہو کر بیٹھ جائیں سب لوگ بیٹھ گئے صدیق اکبرؓ نے حمد و ثناء کے بعد یہ خطبہ پڑھا۔

أمّا بعد. من كان منكم يعبد الله فان الله حي لا يموت ومن كان منكم يعبد محمدا صلى الله عليه وسلم فان محمدا قد مات قال الله تعالى وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ۝ وقد قال الله تعالى لمحمد صلى الله عليه وسلم إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ وقال الله تعالى كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ وقال الله تعالى. كُلُّ مَنْ

امابعد۔ جو شخص تم میں سے اللہ کی عبادت کرتا تھا سو جان لے کہ تحقیق اللہ زندہ ہے اور اس پر موت نہیں آسکتی اور اگر بالفرض کوئی شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو جان لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور نہیں ہیں محمد مگر اللہ کے ایک رسول ہیں جن سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں سو اگر آپ کا انتقال ہو جائے یا آپ شہید ہو جائیں تو کیا تم دین اسلام سے واپس ہو جاؤ گے اور جو شخص دین اسلام سے واپس ہو گا تو وہ اللہ کو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچائے گا اور اللہ عنقریب شکر گزاروں کو انعام دے گا۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مخاطب بنا کر یہ کہا ہے کہ بے شک آپ مرنے والے ہیں اور یہ سب لوگ بھی مرنے والے ہیں، سب چیز فنا ہونے والی ہے، صرف خداوند ذوالجلال والاکرام کی ذات بابرکات باقی رہے گی، ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔

عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ
ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ . وَقَالَ تَعَالٰى
كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ط اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ
اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۔ وقال انّ
اللّٰهَ عَمَّرَ محمد صلی اللہ علیہ وَسلم
وَابقاہ حتّٰی اقام دین اللہ واظہر امر
اللہ وَبلغ رسالۃ اللہ وجاھد فی سبیل
اللہ ثمّ توفاہ اللہ علٰی ذٰلکَ وقد
ترککم علی الطریقۃ فلن یھلکَ ھالک
الا من بعد البینۃ والشفاء فمن کان
اللہ ربہ فانّ اللہ حی لا یموت ومن
کان یعبد محمدًا وینزلہ الٰھا فقد
ھلکَ الٰھہ فاتقوا اللہ ایھا النّاس
واعتصموا بدینکم وتوکلوا علٰی ربکم
فان دین اللہ قائم وان کلمۃ اللہ
تامّۃ وان اللہ ناصر من نصرہ
ومعزّ دینہ وان کتاب اللہ بین
اظہرنا وھو النور والشفاء وبہ ھدی
اللہ محمدًا صلی اللہ علیہ وسلم وفیہ
حلال اللہ وحرامہ واللہ لا نبالی
من اجلب علینا من خلق اللہ ان

قیامت کے دن سب کو اعمال کا پورا پورا اجر ملے گا۔
اور ابوبکر صدیق نے یہ کہا کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی
کی عمر دراز کی اور ان کو باقی رکھا۔ یہاں تک کہ اللہ
کے دین کو قائم کر دیا اور اللہ کے حکم کو ظاہر کر دیا اور
اللہ کے پیغام کو پہنچا دیا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا
پھر اللہ تعالےٰ نے آپ کو اپنے پاس بلا لیا، اور
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو ایک سیدھے اور
اور صاف راستہ پر چھوڑ کر دنیا سے گئے ہیں۔ اب
جو ہلاک اور گمراہ ہوگا وہ حق واضح ہونے کے بعد
گمراہ ہوگا، پس اللہ تعالےٰ جس کا رب ہو تو سمجھ
لیجئے کہ اللہ تعالےٰ تو زندہ ہے اس کو کبھی
نہیں آسکتی اور جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت
کرتا تھا اور اُن کو خدا جانتا تھا تو جان لے کہ اُس کا
اس کا معبود تو ہلاک ہو گیا۔ اے لوگو اللہ سے
ڈرو اور اللہ کے دین کو مضبوط پکڑو اور اپنے
پروردگار پر بھروسہ رکھو تحقیق اللہ کا دین قائم
اور دائم رہے گا اور اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا
اور اللہ اس شخص کا مددگار رہے جو اس کے دین کی مدد
کرے اور اللہ اپنے دین کو عزت اور غلبہ دینے والا ہے
اور اللہ کی کتاب ہمارے درمیان موجود ہے اور یہی
نور ہدایت اور شفاء دل ہے اسی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے

سیوف اللہ لمسلولۃ ما وضعنا ھا بعد و لنجاھدن من خالفنا کما جاھدنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا یبغین احد الا علی نفسہ [۱]

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو راستہ بتلایا اور اس میں اللہ کے حلال و حرام کردہ چیزوں کا ذکر ہے خدا کی قسم ہمیں اس شخص کی ذرہ برابر پروا نہیں جو ہم پر فوج کشی کرے یہ باغیوں اور مرتدین کی طرف اشارہ تھا تحقیق اللہ کی تلواریں جو ہمارے ہاتھوں میں ہیں وہ اس کے دشمنوں پر سُتی ہوئی ہیں وہ تلواریں ہم نے ابھی تک ہاتھ سے رکھی نہیں اور خدا کی قسم ہم اپنے مخالف سے اب بھی اسی طرح جہاد کریں گے جیسا کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی معیت میں کیا کرتے پس مخالف خوب سمجھ لے اور اپنی جان پر ظلم نہ کرے۔

صدیق اکبر کا ان آیات کی تلاوت کرنا تھا کہ یکلخت حیرت کا عالم دُور ہو گیا اور غفلت کا پردہ آنکھوں سے اٹھ گیا اور سب کو یقین ہو گیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصول ہو گیا اس وقت حالت یہ تھی کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لوگوں نے اس سے پہلے یہ آیت سنی ہی نہ تھی جسے دیکھو وہ انہی آیتوں کی تلاوت کر رہا تھا۔ (زرقانی و طبقات ابن سعد)

حضرت عمر فرماتے ہیں میری حالت بھی یہی ہوئی کہ گویا کہ میں نے آج ان آیتوں کو پڑھا ہے اور اپنے خیال سے رجوع کیا [۲]

شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ فاروق اعظم خوب جانتے تھے کہ آپ پر ایک دن ضرور موت آنے والی ہے لیکن ان کا گمان یہ تھا کہ جو صورت حال پیش آئی ہے وہ موت نہیں بلکہ کسی باطنی مشغولی کی بنا پر فقط حواس ظاہری کا تعطل ہے جیسا کہ حضور پر نور کو اثنار وحی میں واقع ہوتا تھا۔ صدیق اکبر کے خطبہ سے فاروق اعظم کا یہ خیال جاتا رہا اور حقیقت حال ان پر منکشف ہو گئی اور آپ نے خیال سے رجوع فرما لیا دیکھو قرۃ العینین ص۲۷ ایسے نازک وقت اور جانکاہ حادثہ میں ایسی ثابت قدمی اور ایسا استقلال

---

[۱] البدایۃ والنہایۃ۔ ج ۵، ص: ۲۴۴ ۔ زرقانی۔ ج: ۸، ص: ۲۸۰

[۲] تفسیر قرطبی۔ ج: ۴، ص: ۲۲۳

صدیق اکبرؓ کا کمال تھا ؎

ہم ان کے دور کے قائل ہیں ہیں جی شرزدہ　　　جو عشق میں دل مضطر کو تھام لیتے ہیں

اور ایک روایت ہے کہ صدیق اکبر کو جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر پہنچی تو فوراً اپنے مسکن سے جوش غم میں تھا روانہ ہو گئے اور کیفیت یہ تھی کہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں اور سینہ سانس سے پانی کے گھڑے کی طرح ابل رہا تھا اسی حالت میں صلاۃ و سلام پڑھتے ہوئے حجرہ مبارکہ میں داخل ہوئے مگر باوجود اس بے مثال حزن و ملال کے عقل اور گویائی میں ذرہ برابر اختلال نہ تھا۔

آپ کے چہرۂ انور کو کھولا اور پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور زار و قطار روتے جاتے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ حیات اور موت دونوں حالتوں میں پاکیزہ رہے آپ کی وفات سے نبوت اور وحی منقطع ہو گئی جو کسی اور نبی کی وفات سے منقطع نہیں ہوئی تھی آپ توصیف سے بالا اور برتر ہیں اور گریہ و زاری سے مستغنی ہیں آپ کی ذات بابرکات اس اعتبار سے خاص اور مخصوص ہے کہ آپ کی وفات سے لوگ تسلی حاصل کریں گے اور آپ عالم بھی ہیں کہ ہم سب آپ کے

وفی روایۃ ان ابا بکر رضی اللہ عنہ لما بلغہ الخبر وھو بالسخ جاء وعیناہ تھملان وزفراتہ تردد فی صدرہ وغصصہ ترتفع کقطع الجرۃ وھو فی ذالک رضوان اللہ علیہ جلد العقل والمقالۃ رای ثابت العقل والقول حتی دخل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکب علیہ وکشف وجھہ ومسحہ وقبل جبینہ وجعل یبکی و یقول بابی انت وامی طبت حیا ومیتا وانقطع لموتک مالم ینقطع لموت احد من الانبیاء من النبوۃ فعظمت عن الصفۃ وجللت عن البکاء وخصصت حتی صرت مسلاۃ وعممت حتی صرنا فیک سواء ولولا ان موتک کان اختیارا منک لجدنا لموتک بالنفوس و لولا انک نھیت عن البکاء لانفدنا علیک ماء الشؤن فاما مالا نستطیع نفیہ فکمد وادنان یتحالفان لا یبرحان اللھم ابلغہ عنا واذکرنا یا محمد عند ربک ولنکن من بالک کذا فی الروض الانف ص۳۷۷ ج۲ وکذا ذکرہ الغزالی فی الاحیاء وقال الزبیدی قال العراقی رواہ ابن ابی الدنیا فی کتاب العزاء من حدیث ابن عمر بسند ضعیف کذا فی الاتحاف ص۲۸۲ ج۱۰

رنج والم میں برابر ہیں اگر آپ کی موت خود آپ کی خود اختیار کردہ نہ ہوتی (اس لئے کہ اللہ تعالٰے نے تو آپ کو اختیار دیا تھا مگر آپ نے خود آخرت کو اختیار کیا) تو ہم آپ کی موت کے لئے اپنی جانیں قربان کر دیتے اور اگر آپ ہم کو زیادہ رونے سے منع نہ فرماتے تو ہم آپ اپنی آنکھوں کا پانی ختم کر ڈالتے البتہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا ہٹانا اور مٹانا ہمارے اختیار میں نہیں ایک غم فراق - اور دوسرے غم میں جسم کا لاغر و نحیف ہو جانا یہ دونوں چیز باہم ایک دوسرے کی حلیف میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتیں اے اللہ ہمارا یہ حال ہمارے نبی کو پہنچا دے اور اے محمد صلی اللہ علیک وسلم ہم عاشقوں کو بارگاہ خداوندی میں یاد رکھنا امید ہے کہ ہم ملحوظ خاطر رہیں گے۔

ما گر آپؐ اپنے فیض صحبت سے ہمارے دلوں میں سکینت و طمانینت نہ چھوڑ کر جاتے تو ہم اس وحشتِ فراق کا کہ جو آپ ہم میں چھوڑ کر چلے گئے ہرگز ہرگز تحمل نہ کر سکتے۔

پھر ابوبکر حجرہ سے باہر آئے اور لوگوں کی تسلّی کے لئے کھڑے ہو کر خطبہ دیا جس کا ایک کثیر حصّہ صلاۃ و سلام پر مشتمل تھا اور آپ نے خطبہ میں یہ فرمایا۔

بقیہ خطبہ صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ

اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ وَصَدَقَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَغَلَبَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَحْدَهٗ۔	میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ نے اپنے نبی سے جو وعدہ کیا تھا وہ سچ کر دکھایا اس نے اپنے برگزیدہ بندہ کی مدد کی اور کافروں کی جماعتوں کو شکست دی پس حمد و شکر ہے اس وحدہٗ لاشریک لہٗ کا۔

لہ یہ اسی گزشتہ روایت کا بقیہ ہے جو صرف روض الانف میں مذکور ہے اور ما قبل کا حصّہ روض الانف اور احیاء العلوم دونوں میں مذکور تھا اس لئے اس حصّہ کے ختم پر دونوں کتابوں کا حوالہ دیدیا، اب روایت کا وہ بقیہ حصّہ ذکر کرتے ہیں کہ جو صرف روض الانف میں مذکور ہے وہی ہذہ فلولا ما خلفت من السکینة لم نقم من الوحشة اللهم ابلغ نبيك عنا واحفظه فينا ثم خرج (باقی اگلے صفحہ پر دیکھیے)

واشهد ان محمد عبده ورسوله	اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ
وخاتم انبیاءہ واشهد ان	کے بندے اور رسول اور آخری نبی ہیں اور میں گواہی
الکتاب کما نزل وان الدین	دیتا ہوں کہ کتاب الٰہی یعنی قرآن کریم اسی طرح موجود
کما شرع وان الحدیث	ہے جس طرح وہ نازل ہوا تھا اور دین اسی طرح ہے
کما حدث وان القول کما قال	جس طرح مشروع ہوا تھا اور حدیث اسی طرح ہے
وَان اللہ ھوالحق اَلْمُبین ۔	جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے
	حادث اور ظاہر ہوئی تھی اور قول اسی طرح سے ہے

جس طرح آپ نے فرمایا تھا اور اللہ تعالیٰ حق ہے اور حق کو واضح کرنے والا ہے۔

اللھم فصل علی محمد عبدك	اے اللہ پس تو اپنی خاص رحمتیں اور عنایتیں نازل فرما
ورسولك ونبيكَ وحبيبك و	محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو تیرے خاص برگزیدہ بندہ
امينك وَخيرتك وصفوتك بافضل	اور رسول اور نبی اور حبیب اور امین اور بہترین خلائق
ما صليت به على احد من خلقك	اور خلاصۂ عالم ہیں ان پر ایسی بہترین صلاۃ وسلام
اَللّٰهُمَّ وَاجعل صلواتك ومعا	نازل فرما کہ جو تو نے اپنے کسی خاص بندہ پر نازل

(بقیہ پچھلے صفحہ سے) لما قضى الناس عن اتهم وقام خطيبا فيهم بخطبة جلها الصلاة على النبى محمد صلى الله عليه وسلم وقال فيها اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له الى الخطبة - الروض الانف ص۲۴۹ ج ۲

کے یہاں سے آخر تک جو خطبہ ہے وہ اتحاف شرح احیاء العلوم میں مذکور ہے، علامہ زبیدی اس خطبہ کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔ رواه بطوله سيف بن عمر التميمى فى كتاب الفتوح عن عمرو بن تمام من ابيه عن القعقاع قال ابن ابى حاتم سيف بن عمر التميمى متروك وَاخرجه ابن السكن من طريق ابراهيم بن سعد عن سيف بن عمر عن عمرو عن ابيه وقال سيف بن عمر ضعيف قلت هو من رجال الترمذى وهو وان كان ضعيفا فى الحديث فهو عمدة فى التاريخ مقبول النقل كذا فى الاتحاف ص۳۰۲ ج ۱۰

فانك وَرحمتك وبركاتك على سيد المرسلين وخاتم النّبيّين وامام المتقين محمّد قائد الخير وامام الخير ورسول الرحمة اللهم قرب زلفته وعظم برهانه وكرم مقامه وابعثه مقاما محمودا يغبطه به الاولون والاخرون وانفعنا بمقامه المحمود يوم القيامة وَاخلفه فينا فى الدّنيا والاخرة وبلغه الدرجة والوسيلة مِنَ الجنّةَ اَللّٰهُمَّ صلّ على محمد وعلىٰ اٰل محمد وبارك على محمد واٰل محمد كما صليت وباركت على ابراهيم انّك حميد مجيد [1] ثم قال ايها الناس من كان يَعبد محمّدا فان محمدا قد مات من كان يعبد الله فإن الله حى لم يمت و

فرمائی ہو اور اے اللہ اپنی صلوات اور عافیت اور رحمت اور برکت نازل فرما سید المرسلین اور خاتم النبیین اور امام المتقین اور قائد خیر اور امام خیر اور رسول رحمت پر اے اللہ ان کے قرب کو اور زیادہ فرما اور ان کی دلیل اور برہان کو عظیم فرما اور ان کے مقام کو مکرم فرما اور ان کو مقام محمود (مقام شفاعت) میں کھڑا کر کہ جس پر تمام اولین اور آخرین رشک کریں گے اور قیامت کے دن ہم کو ان کے مقام محمود سے نفع دے اور دنیا و آخرت میں آپ ہمارے لئے ان کے عوض اپنی رحمت فرمائے اور آپ کو جنت میں درجات عالیہ نصیب فرما اے اللہ محمد اور آل محمد پر اپنی خاص الخاص رحمتیں اور برکتیں نازل فرما جیسے خاص رحمتیں اور برکتیں تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر نازل کیں انک حمید مجید ؕ

پھر ابوبکر صدیق نے یہ کہا کہ اے لوگو جو تم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عبادت کرتا تھا سو جان لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رحلت فرما گئے اور جو اللہ کی عبادت

---

[1] یہاں تک جو خطبہ نقل کیا گیا وہ اتحاف شرح احیاء العلوم ص۳۰۲ سے نقل کیا گیا ہے لیکن سوائے درود شریف کے خطبہ کے کچھ اجزاء الروض الانف ص۳۷۶ ج ۲ میں بھی مذکور ہیں اس کے بعد یعنی ثم قال ایها الناس من كان يعبد محمد االخ سے لے کر ولا تستنظروه فيلحق بكم تک خطبہ اتحاف شرح احیاء اور روض الانف دونوں کتابوں میں مذکور ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

ان اللہ قد تقدم لکم فی امرہ فلا تدعوہ جزعاً و ان اللہ تبارک و تعالیٰ قد اختار لنبیہ علیہ السلام ما عندہ علی ما عندکم و قبضہ الیٰ ثوابہ وخلف فیکم کتابہ وسنۃ نبیہ فمن اخذ بہما عرف ومن فرق بینھما انکر۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا کُوْنُوْا قَوّٰامِیْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا یشغلنکم الشیطان بموت نبیکم ولا یفتننکم عن دینکم وعاجلوا الشیطان بالخیر وتعجزوہ ولا تستنظروہ فیلحق بکم ویفتنکم[1]

کرتا تھا سو اللہ تعالیٰ حی لا یموت اس پر موت نہیں آسکتی وہ زندہ ہے مرا نہیں اور حق تعالیٰ نے آپ کی وفات کے متعلق پہلے ہی اشارہ کر دیا تھا لہٰذا گھبرانے کی ضرورت نہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے لئے بجائے تمہارے اپنے قرب و جوار کو پسند کیا اور دار کرامت کی طرف ان کو بلا لیا اور ان کے بعد تمھاری ہدایت کے لئے اپنی کتاب اور اپنے نبی کی سنّت کو تم میں باقی چھوڑا پس جس نے کتاب اور سنّت دونوں کو مضبوط پکڑا اس نے حق کو پہچانا اور جس نے کتاب و سنّت میں تفریق کی (مثلاً قرآن کو تو مانا اور سنّت کو نہ مانا) تو اس نے حق کو نہیں پہچانا اے ایمان والو حق اور انصاف کے قائم کرنے والے ہو جاؤ اور شیطان لعین تم کو نبی کی موت کی وجہ سے دین سے نہ ہٹا دے شیطان کے فتنہ میں ڈالنے سے پہلے خیر کو جلد لے لو اور خیر میں سبقت کر کے شیطان کو عاجز اور لاچار بنا دو اور شیطان کو اتنی مہلت نہ دو کہ وہ تم سے آکر ملے اور تم کو کسی فتنہ میں مبتلا کرے۔

فلما فرغ من خطبتہ قال یا عمر انت الذی بلغنی عنک انک تقول علی باب نبی اللہ والذی نفس عمر بیدہ ما مات نبی اللہ اما علمت ان

صدیق اکبر جب خطبہ سے فارغ ہوئے تو عمر کو مخاطب بنا کر کہا اے عمر تو ہی وہ شخص ہے کہ جس کے متعلق مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تو پیغمبر کے دروازہ پر یہ کہتا ہے کہ پیغمبر خدا نہیں مرے کیا تجھے معلوم نہیں کہ پیغمبر خدا نے اپنی وفات

---

[1] ثم قال ایھا الناس من کان یعبد محمد افان محمد ا قد مات سے لے کر یہاں تک یعنی فیلحق بکم تک خطبہ کا یہ حصّہ اتحاف شرح احیاء اور روض الانف دونوں کتابوں میں مذکور ہے اور اس کے بعد کا حصّہ یعنی فلما فرغ من خطبتہ سے لے کر اخیر تک یہ حصّہ فقط الروض الانف میں مذکور ہے ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
قال یوم کذا کذا کذا وقال اللہ
عزوجل فی کتابہ انک میت و
انھم میتون فقال عمر واللہ لکانی
لم اسمع بھا فی کتاب اللہ
تعالیٰ قبل الان لما نزل بنا
اشھد ان الکتاب کما نزل
وان الحدیث کما حدث و
ان اللہ تبارک وتعالیٰ حی لایموت
انا للہِ وَ اِنا الیہ راجعون صلوات
اللہ علی رسولہ وعنداللہ نحتسب لہ
رسولہ ۔

کے متعلق فلاں فلاں دن یہ فرمایا اور خدا تعالیٰ اپنی کتاب
میں فرماتا ہے انک میت وانھم میتون حضرت
عمر فرماتے ہیں کہ میرا حال ایسا ہوا کہ گویا کہ میں نے کتاب اللہ
کی یہ آیت اس سے پہلے سنی ہی نہ تھی میں گواہی دیتا ہوں
کہ قرآن اسی طرح ہے جس طرح وہ نازل ہوا اور حدیث
اسی طرح ہے جس طرح وہ حادث اور
صادر ہوئی اور اللہ تبارک وتعالیٰ لایموت ہے۔
انا للہ وانا الیہ راجعون اللہ تعالےٰ کی
رحمتیں ہوں اس کے رسول پر اور ہم اللہ سے امید
رکھتے ہیں کہ ہم کو اس مصیبت پر اجر ملے گا۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کا اجتماع

ادھر تو یہ حادثہ جانگداز پیش آیا۔ اور کچھ دیر بعد یہ خبر ملی کہ انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہیں اور آپ کی جانشینی کا مسئلہ پیش ہے مہاجرین نے صدیق اکبر سے کہا کہ آپ بھی سقیفہ میں تشریف لے جائیں ہم بھی آپ کے ساتھ چلتے ہیں۔ ابوبکر اور عمر مع مہاجرین کے سقیفہ میں تشریف لے گئے (مفصل واقعہ انشاء اللہ عنقریب ذکر کریں گے)

ابوبکر و عمر کو یہ اندیشہ ہوا کہ مبادا عجلت میں کسی کے ہاتھ پر بیعت کر بیٹھیں اور بعد میں وہ فتنہ کا سبب ہے اور مسلمانوں کے لئے مصیبت بن جائے۔ جب اس مسئلہ کا تصفیہ ہو گیا اور بالاتفاق صدیق اکبر آپ کے خلیفہ اور جانشین مان لئے گئے تب اگلے روز آپ کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہوئے۔ سقیفہ میں اجتماع کا

لہ۔ الروض الانف۔ ج ۲، ص: ۳۷۶

واقعہ دوشنبہ کی شام کو پیش آیا اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات دوشنبہ کے روز زوال کے قریب ہوئی اس کے بعد صدیق اکبر سُنح سے تشریف لائے اور خطبہ دیا۔ وغیرہ وغیرہ اس کے بعد کہیں شام کو سقیفہ میں اجتماع کا واقعہ پیش آیا۔

حضرات اہلِ بیت حجرۂ نبوی جمع تھے اور صدیق اکبر اور فاروق اعظم انصار کے جمع ہونے کی خبر سن کر سقیفہ میں چلے گئے، ان حضرات کو یہ فکر تھی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تو وصال ہو گیا اور آسمان سے وحی کا اُترنا ختم ہوا اور حضور پُر نور رحم کو آنے والے فتنوں سے ڈراتے رہے میں مبادا اس وقت امت میں تشتت اور افتراق کا کوئی فتنہ نہ قائم ہو جائے جس سے اسلام کا تمام نظام درہم وبرہم نہ ہو جائے اور تیئیس سالہ نبوت میں جو اسلام کا نظام قائم ہوا ہے خدانخواستہ وہ باہمی افتراق کی نذر نہ ہو جائے اور امت کا شیرازہ منتشر ہو جائے جس کا جوڑ پھر مشکل ہو۔

اگر کسی بادشاہ کا انتقال ہو جائے تو جب تک اس کا کوئی جانشین نہ ہو جائے اس وقت تک اس کی تجہیز وتکفین کا انتظام نہیں کیا جاتا، ایسے وقت میں تجہیز وتکفین کا مسئلہ اتنا اہم نہیں ہوتا جتنا کہ جانشینی کا مسئلہ اہم ہوتا ہے، خیر خواہانِ حکومت کو یہ فکر ہوتی ہے کہ انتظامِ مملکت میں خلل نہ آنے پائے غنیم موقع پاکر بے خبری میں حملہ نہ کر بیٹھے جس میں تمام ملک کی تباہی اور بربادی کا اندیشہ ہے بلکہ بسا اوقات بنظر مصلحت بادشاہ کی وفات کو بھی چھپا لیتے ہیں اور جانشینی کے بعد اس کا اعلان کرتے اور شیعہ حکومتوں میں بھی یہی قاعدہ ہے۔

اور اگر بادشاہ کے انتقال کے بعد سلطنت میں دو امیر ہو جائیں تو وہ سلطنت ضرور برباد ہو جائیگی ایک سلطنت میں دو خلیفہ کا ہونا موجب خرابی اور باعث بربادی ہے اور آپ کی وفات کے بعد منافقین اور کفار کی طرف سے غدر اور شور وشر کا احتمال اور اندیشہ تھا ایسے وقت میں شیرازۂ اسلام کی حفاظت اولین کام تھا بایں نظر شیخین۔ (صدیق اکبر اور فاروق اعظم) نے یہ گمان کیا کہ تجہیز وتکفین کوئی مشکل کام نہیں اور اہل بیت (گھر والوں) سے متعلق ہے سب صحابہ کا اس میں شریک ہونا ضروری نہیں خادمانِ غلامانِ اہلِ بیت بھی یہ خدمت انجام دے سکتے ہیں۔

اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تئیس ۲۳ سالہ مدت میں جو مصیبتیں اسلام کے سربلند کرنے اور کفر کے سرنگوں کرنے میں اٹھائیں اب اُن کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور اس وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے ہیں اب اگر آپ کے ان مہمات کے لئے کوئی صحیح جانشین مقرر نہ ہوا تو اندیشہ ہے کہ طرفۃ العین میں ریاستِ اسلام کا کارخانہ درہم و برہم ہو جائے اور سالہا سال کی محنت و مشقت اور غزوات اور سرایا اور تبلیغ اور دعوت میں جو تکلیفیں اٹھائیں وہ یکلخت سب رائگاں ہو جائیں اور سرے سے پھر کفر کا جھنڈا کھڑا ہو جائے اور شیطان علیہ اللعنۃ حسب سابق لوگوں کو اپنی راہ پر لگالے اور نبوت آپ پر ختم ہو چکی ہے تو اگر پھر ویسی ہی تاریکی دنیا میں پھیل جائے تو پھر کہاں سے آفتاب ہدایت نکلے۔ ؎

چونکہ شد خورشید و ما را کرد داغ　　　چارہ نبود در مقامش از چراغ

اس لئے ابو بکر و عمر کو یہ فکر ہوئی کہ بمجرد وفاتِ آں حضرت کوئی آپ کا جانشین مقرر ہو جائے تاکہ اسلام کی ریاست اور سیاست کا کام بدستور جاری ہے اور اسلام کی بات جوں کی توں بنی رہے اور کوئی منافق اور دشمن اسلام (جو اسی تاک میں ہیں) سر نہ اٹھا سکے اسی میں تمام امت کی صلاح اور فلاح مضمر ہے ابو بکر و عمر کو تو یہ فکر تھی اور تجہیز و تکفین کی طرف سے بسبب اہلِ بیت کے بے فکر تھے نیز تمام صحابہ کرام کو یہ معلوم تھا کہ وفات سے انبیاء کرام کے اجسام مبارکہ میں کوئی تغیر نہیں آتا، اس لئے تاخیر دفن کا کوئی اندیشہ نہ کیا اور کمال دانشمندی سے فتنہ اور فساد کا دروازہ بند کر دیا اور مسلمانوں کو افتراق سے بچا لیا۔ تجہیز و تکفین میں اگر کچھ تاخیر ہو جائے تو مضائقہ نہیں اگر اسلام کی ریاست کا انتظام نہ ہوا تو نہ معلوم کہ دم کے دم میں کیا کیا خرابیاں برپا ہو جائیں اور پھر تجہیز و تکفین بھی حلاوت سے نہ ہو سکے ؎

سدا دور دوراں دکھاتا نہیں　　　گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

چنانچہ انصار اس بات پر آمادہ تھے کہ ایک سردار ان میں سے ہو اور ایک مہاجرین میں سے ہو یہ ایک عظیم فتنہ تھا، ایک سلطنت میں دو امیروں کا ہونا ہی سلطنت کی بربادی کا باعث ہے اس لئے

ابوبکر و عمر نے اس طرف خاص توجہ کی اور جب جانشینی کا مسئلہ طے ہوگیا تب اطمینان کے ساتھ تجہیز و تکفین میں مشغول ہوئے رضی اللہ عنہم وجزاہم من الاسلام والمسلمین خیراً خیراً آمین۔

چشم بداندیش کہ برکندہ باد   عیب نماید ہنرش در نظر

ابوبکر صدیق تو سقیفہ میں رفع فتنہ کے لئے گئے تھے مگر تقدیر کی کسی کو کیا خبر لوگوں نے ابوبکر ہی کو گھیر لیا۔ اور زبردستی خلیفہ بنالیا تبادٔ اس میں ابوبکر کا کیا قصور ہے وہ بیچارے تو بہت کچھ ٹالتے رہے مگر ان کے ہوتے ہوئے لوگوں کی نظر میں کوئی جچا ہی نہیں ابوبکر صدیق کو تو اپنی خلافت کا وہم و گمان بھی نہ تھا فقط رفع فتنہ مدنظر تھا ان کو کیا خبر تھی کہ خلافت میرے ہی سر پڑ جائے گی۔ وَ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

تجہیز و تکفین اور غسل

صدیق اکبر کی بیعت سے فارغ ہونے کے بعد لوگ تجہیز و تکفین میں مشغول ہوئے۔ جب غسل کا ارادہ کیا تو یہ سوال پیدا ہوا کہ کپڑے اتارے جائیں یا نہیں، ہنوز ابھی کوئی تصفیہ نہیں ہوا تھا کہ یکلخت سب پر ایک غنودگی طاری ہوگئی اور غیبی طور پر یہ آواز سنائی دی کہ اللہ کے رسول کو برہنہ نہ کرو کپڑوں ہی میں غسل دو چنانچہ پیراہن مبارک ہی میں آپ کو نہلایا گیا۔ اور بعد میں وہ نکال لیا گیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ غسل دے رہے تھے اور حضرت عباس اور ان کے دونوں صاحبزادے فضل اور قثم کروٹیں بدلتے تھے اور اسامہ اور شقران پانی ڈال رہے تھے[1]

غسل کے بعد سحول کے بنے ہوئے تین کپڑوں میں آپ کو کفن دیا گیا جن میں قمیص اور عمامہ نہ تھا۔ اور وہ پیراہن جس میں آپ کو غسل دیا گیا وہ اتار لیا گیا[2]

تجہیز و تکفین کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ آپ کہاں دفن ہوں، صدیق اکبر نے کہا میں نے آنحضرت

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ۔ ج: ۵، ص: ۲۶۰

[2] اتحاف ۔ ج: ۱۰، ص: ۳۰۴

صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ پیغمبر اسی جگہ دفن ہوتے ہیں جہاں ان کی رُوح قبض ہوتی ہے۔ (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

چنانچہ اسی جگہ آپ کا بستر اٹھا کر قبر کھودنا تجویز ہوا لیکن اس میں باہم اختلاف ہوا کہ کس قسم کی قبر کھودی جائے، مہاجرین نے کہا کہ کے دستور کے مطابق بغلی قبر کھودی جائے انصار نے کہا مدینہ کے طریقہ پر لحد تیار کی جائے ابو عبیدہ بغلی قبر اور ابو طلحہ لحد کھودنے میں ماہر تھے یہ طے پایا کہ دونوں کو بلانے کے لئے آدمی بھیج دیا جائے جو نسا شخص پہلے آجائے وہ اپنا کام کرے۔ چنانچہ ابو طلحہ پہلے آپہنچے اور آپ کے لئے لحد تیار کی۔ ؎

اور قبر کو کوہان کی شکل پر بنا دیا گیا جیسا کہ بخاری شریف میں ہے۔

(فائدہ)۔ ہر نبی کا مدفن۔ اُن کے محل وفات ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بہتر یہ ہے کہ محل وفات میں اُن کو دفن کیا جائے اور اگر کسی عارض کی وجہ سے دوسری جگہ دفن ہوں تو یاد رہا ت ہے۔

نمازِ جنازہ

سنن ابنِ ماجہ میں عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے کہ منگل کے روز جب آپ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوئے تو جنازہ شریف کو قبر کے کنارہ پر رکھ دیا گیا ایک ایک گروہ حجرۂ شریفہ میں آتا تھا اور تنہا نماز پڑھ کر باہر واپس آجاتا تھا کوئی کسی کی امامت نہیں کرتا تھا الگ الگ بغیر امام کے نماز پڑھ کے واپس آجاتے تھے۔

شمائل ترمذی میں روایت ہے کہ لوگوں نے صدیق اکبرؓ سے دریافت کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ کی نماز پڑھی جائے، آپ نے فرمایا ہاں جنازہ پڑھو لوگوں نے کہا کس طرح۔ ابو بکرؓ نے کہا۔ لوگوں کا ایک ایک گروہ حجرہ میں جائے اور تکبیر کہے پھر درود اور دُعا پڑھے اور باہر آجائے پھر دوسرا گروہ داخل ہو اور اسی طرح تکبیر کہیں اور پھر درود اور دعا کے بعد واپس آجائیں اسی طرح سب لوگ

؎۔ زرقانی۔ ج ۸، ص: ۲۸۹ ـ ۲۹۲ ـ طبقات ابن سعد۔ ج ۲، ص: ۵۹

نماز پڑھیں۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ آپ پر حقیقۃً نماز جنازہ پڑھی گئی اور یہی جمہور کا مسلک ہے انتہیٰ کلامہ اور اسی کو امام شافعیؒ نے کتاب الام میں جزم کے ساتھ بیان کیا ہے کہ آپ پر نماز جنازہ پڑھی گئی۔

بعض کہتے ہیں کہ آپ پر نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی بلکہ لوگ حجرۂ شریفہ میں فوج فوج داخل ہوتے تھے اور صلاۃ وسلام اور درود و دعا پڑھ کر واپس آجاتے تھے۔

چنانچہ ابن سعد کی ایک روایت میں ہے کہ ابوبکر اور عمر ایک گروہ کے ساتھ حجرۂ نبوی میں داخل ہوئے اور جنازہ نبوی کے سامنے کھڑے ہو کر یہ پڑھا۔

السّلام علیک ایّھا النّبیّ ورحمۃ اللّٰہ	سلام ہو آپ پر اے اللہ کے نبی اور اس کی رحمتیں اور
اللّٰھمّ انا نشھد انہ قد بلغ ما	برکتیں ہو آپ پر اے اللہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ رسول
انزل الیہ ونصح لامتہ وجاھد	اللہ نے وہ سب کچھ پہنچا دیا جو اس پر اتارا گیا
فی سبیل اللّٰہ حتی اعز اللہ دینہ	اور آپ نے امت کی خیر خواہی کی اور اللہ کی راہ
وتمت کلمتہ فاجعلنا یا الٰھنا ممن	میں جہاد کیا یہاں تک اللہ نے اپنے دین کو
یتبع القول الذی انزل معہ	غالب کیا اور اس کا بول بالا ہوا اے اللہ ہم کو ان
واجمع بیننا وبینہ حتی یعرفنا	لوگوں میں سے بنا جنھوں نے آپ کی وحی کا اتباع کیا
ونعرفہ فانہ کان بالمومنین	اور ہم کو آپ کے ساتھ جمع کر آپ ہم کو اور ہم آپ کو
رؤفا رحیما لا نبتغی بالایمان	پہنچانیں آپ مسلمانوں پر بڑے مہربان تھے ہم اپنے ایمان
بدلا ولا نشتری بہ ثمنا۔	کا کوئی معاوضہ اور قیمت نہیں چاہتے۔

لوگوں نے آمین کہی۔ جب مرد فارغ ہو گئے تو عورتوں نے اور عورتوں کے بعد بچوں نے اسی طرح کیا[۵]

۵۔ البدایۃ والنہایۃ، ج ۵، ص ۲۶۵

تنبیہ: اس روایت میں صراحۃً ابوبکر و عمر کا نماز جنازہ پڑھنا مذکور ہے اور یہ امر متواتر اور قطعی ہے لہٰذا حضرات شیعہ کا یہ کہنا کہ خلفاء ثلاثہ جنازہ رسول میں شریک نہیں ہوئے سپید جھوٹ ہے اور خلاف عقل ہے کہ خلفاء آپ کے جنازہ میں شریک نہوں۔

مسند بزار اور مستدرک حاکم میں ہے کہ آپ نے ایک روز مرض الوفات میں اہل بیت کو حضرت عائشہ کے گھر میں بلایا۔ اہل بیت نے دریافت کیا یا رسول اللہ آپ کے جنازہ کی نماز کون پڑھائے۔ آپ نے فرمایا کہ جب میری تجہیز و تکفین سے فارغ ہو جاؤ تو تھوڑی دیر کے لئے حجرہ سے باہر چلے جانا سب سے پہلے مجھ پر جبرئیل نماز پڑھیں گے پھر میکائیل پھر اسرافیل پھر ملک الموت پھر باقی فرشتے اس کے بعد تم ایک ایک گروہ کرکے اندر آنا اور مجھ پر صلاۃ و سلام پڑھنا۔

علامہ سہیلی فرماتے ہیں کہ حق جل شانہ نے آپ کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔

اس آیت میں ہر مسلمان کو صلاۃ و سلام کا فرداً فرداً حکم ہے۔ جس طرح آپ کی حیات میں صلاۃ و سلام بغیر امام اور بغیر جماعت کے فرض تھا۔ اسی طرح آپ کی وفات کے بعد بھی بغیر کسی جماعت اور امام کے صلاۃ و سلام کا فریضہ فرداً فرداً ادا کیا گیا[1]

فائدہ: ابن وحیہ فرماتے ہیں کہ تیس ہزار آدمیوں نے آپ کی نماز جنازہ پڑھی۔

تدفین

دوشنبہ کو دوپہر کے وقت آپ کا وصال ہوا یہ وہی دن اور وہی وقت تھا کہ جب آپ ہجرت کرکے مدینہ میں داخل ہوئے تھے۔ چہار شنبہ شب میں آپ دفن ہوئے، جمہور کا یہی قول ہے اور بعض روایات اس بارے میں صریح ہیں جن میں تاویل کی گنجائش نہیں بعض کہتے ہیں کہ سہ شنبہ کو مدفون ہوئے۔

حضرت علی اور حضرت عباس اور ان کے دونوں صاحب زادے فضل اور قثم نے آپ کو قبر میں اتارا۔

---

[1] زرقانی شرح مؤطا۔ ج: ۲، ص: ۱۴ — شرح مواہب۔ ج: ۸، ص: ۲۹۱

جب دفن سے فارغ ہوئے تو کوہان کی شکل آپ کی تربت تیار کی اور پانی چھڑکا۔[1]

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دفن سے فارغ ہو کر کفِ افسوس ملتے ہوئے اور خون کے آنسو بہاتے ہوئے اور اس مصیبت کبریٰ پر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے گھروں کو واپس ہوتے۔

نفسی الفداء لقبر انت ساکنہ	فیہ العفاف وفیہ الجود والکرم
الا یا ضریحاً ضم نفسا زکیۃ	علیک سلام اللہ فی القرب والبعد
علیک سلام اللہ ماھبت الصبا	وما ناح قمری علی البان والرند
وما سجعت ورق وغنت حمامۃ	وما اشتاق ذو وجد الی ساکنی نجد
ومالی سوی حبی لکم آل احمد	امرغ من شوق علی بابکم خدی[2]

لطائف ومعارف

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا بیان قارئین کرام نے پڑھ لیا اب ہم اس کے متعلق کچھ لطائف ومعارف ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں سُبْحَانَکَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ۔

(۱)

سفر آخرت کی تیاری حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی سنت ہے حضرات انبیاء کو اپنے زمانۂ وفات کے قریب ہونے کا علم، وحی خداوندی اور اشارات غیبیہ سے ہو جاتا ہے۔

میاں عاشق ومعشوق رمزیست — کراما کاتبین راہم خبر نیست

اور عباد صالحین کو بذریعہ الہام اور رؤیائے صالحہ کے بعض اوقات اپنی وفات کی آمد کی اطلاع ہو جاتی ہے نبوت ختم ہو گئی مگر رؤیا صالحہ اور رؤیائے صادقہ ہنوز امت میں باقی ہے کہ جس کے ذریعہ

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۲، ص ۷۰۔ [2] سیرۃ حلبیہ ص ۳۸۹ ج ۲ انشدہا الحافظ الدمیاطی عن غیرہ ۱۲

بعض اوقات آیندہ پیش آنے واقعات کبھی صراحتہً اور کبھی بطور رمز اور اشارات تبلا دئے جاتے ہیں مگر یہ امر ضرور ملحوظ خاطر رہے کہ خواب دیکھنا کسی کے اختیار میں نہیں خواب دکھلانا اللہ تعالےٰ کا فعل ہے جس کو چاہیں اور جس وقت چاہیں اور جتنا چاہیں اور جس طرح چاہیں دکھلائیں اور نہ چاہیں تو نہ دکھلائیں اور کوئی قاعدہ اور ضابطہ نہیں۔ ع

کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمارا

اور عامۂ مومنین کو کبھی بذریعہ خواب اور کبھی بتقاضائے عمر اور کبھی با تبلار بیماری تنبہ ہو جاتا ہے کہ وقت قریب آگیا ہے اور کبھی اپنے ہمعصروں اور ہمعمروں کے انتقال کو دیکھکر خیال آجاتا ہے کہ میرے ہم عمر اب دنیا سے جا رہے ہیں، مجھے بھی تیاری کر لینی چاہیئے اور موت کی آمد آمد کی خبر اور اطلاع کا سب سے واضح اور روشن ذریعہ ساٹھ برس کی عمر کو پہنچ جانا اور بڑھاپے کا آجانا ہے کہ جس کے بعد حجت ختم ہو جاتی ہے۔ کما قال تعالےٰ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ ۔

بہرحال تنبہ کا فقط ایک ذریعہ نہیں بہت سے ذرائع سے موت کی تیاری کر سکتا ہے۔

پھر یہ خیال کرنا چاہیئے کہ حضرات انبیاء کرام اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں معصوم ہیں ان کی مغفرت قطعی اور یقینی ہے اور ہم گنہگار و نابکار و نالائق و ناہنجار تو سراپا جرم و قصور ہیں ہمیں تو تیاری میں کوئی کسر ہی نہ چھوڑنی چاہیے جس قدر ممکن ہو توبہ اور استغفار کریں اور یہ دعا کیا کریں۔

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِيْنَ اٰمِيْنَ يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ ۔

(۲) واقعۂ قرطاس

واقعۂ قرطاس کے متعلق حضرات شیعہ فاروق اعظم پر یہ طعن کرتے ہیں کہ آخری وقت میں پیغمبر خدا کو وصیت کرنے سے منع کیا اور کاغذ نہ لکھنے دیا اس طرح آپ کی نافرمانی اور حکم عدولی کی

جواب

یہ ہے کہ اس حکم مخاطب خاص حضرت عمر نہ تھے بلکہ تمام حاضرین حجرہ سے کاغذ قلم
دوات لانے کو فرمایا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ حجرۂ نبوی کے حاضرین اکثر حضرات اہل بیت ہی تھے
جن میں حضرت علی اور حضرت عباس بھی تھے اگر حضرت عمر کاغذ اور قلم دوات نہیں لاتے تو حضرت
علی اور حضرت عباس کو کس نے منع کیا تھا، جب حضرت علی اور حضرت عباس بھی کاغذ قلم و دوات
نہ لائے تو معلوم ہوا کہ حضرت علی و حضرت عباس کی بھی یہی رائے تھی کہ جو حضرت عمر کی تھی کہ ایسی
تکلیف اور بیماری کی شدت میں حضور پُر نور کو تکلیف نہ دی جائے، پس اگر یہ حکم وجوب اور فرضیت
کے لئے تھا تو تمام حاضرین گنہگار اور فرمان نبوی کے مخالف ہوئے حضرت عمر کی کیا خصوصیت کہ جو
خاص انہی کو مورد طعن بنایا جائے۔

نیز اس گفتگو کے بعد۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پانچ روز اس عالم میں تشریف فرما رہے
نہ تو حضور نے دوبارہ کاغذ قلم دوات حاضر کرنے کا حکم دیا اور نہ حضرات اہل بیت اور نہ دیگر اصحاب
میں سے کسی نے اس بارہ میں کچھ عرض کیا، معلوم ہوا کہ یہ کوئی امر واجب نہ تھا ورنہ حضور پُر نور
خود ضرور لکھوا دیتے بقول تعالیٰ۔ یَاۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا
بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ۔ اور حضرت امیر بھی ان پانچ دن میں کسی نہ کسی وقت کاغذ قلم دوات لاکر اس
اس امر وجوبی کی تعمیل کر لیتے اور نافرمانوں کے زمرہ میں نہ رہتے۔ حضرت عمر۔ حجرۂ نبوی کے دربان
پاسبان تو نہ تھے کہ کوئی شخص بغیر حضرت عمر کی اجازت کے کاغذ و قلم لاکر لکھوا نہ سکے حضرت عمر کی یہ
گزارش ایسی تھی جیسے حضرت علی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ میں صلح نامہ میں سے
لفظ رسول اللہ مٹانے کو کہا مگر حضرت علی نے نہ مانا پس حضرت علی کا یہ حکم نہ ماننا صورۃً اگرچہ معصیت
ہو مگر در حقیقت کمال محبت اور کمال عظمت ہے جس پر ہزاروں طاعتیں قربان ہیں۔

اور حضرت عمر کا یہ فرمانا کہ حَسْبُنَا کتاب اللہ۔ ہمیں قرآن کافی ہے اس کا یہ مطلب یہ نہیں کہ ہمیں
حدیث کی حاجت نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دین مکمل ہو چکا ہے جس میں تمام ضروری امور

بتلا دیئے گئے ہیں، اب دین کا کوئی تازہ حکم باقی نہیں رہا غالباً آپ کو بمقتضائے شفقت یہ اندیشہ ہے کہ ہم آپ کے بعد گمراہی میں نہ مبتلا ہو جائیں یعنی ہمارے دین میں خلل نہ واقع ہو جائے حضرت عمر نے ازراہ محبت و شفقت عرض کیا۔ یا رسول اللہ۔ آپ اس بیماری میں تکلیف نہ برداشت فرمائیں کتاب اللہ ہم کو گمراہی سے بچانے کے لئے کافی ہے پس حضرت عمر کی یہ گزارش عین محبت اور عین خیر خواہی ہے معاذ اللہ نافرمانی اور حکم عدولی نہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خلافت کے متعلق کوئی تحریر لکھوانا چاہتے تھے تو ہم یہ عرض کریں گے کہ دو حال سے خالی نہیں یا تو ابو بکر کی خلافت لکھوانا چاہتے تھے یا حضرت امیر کی بصورت اوّل تو خود ہی آں حضرت نے اس کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا اور یہ فرمایا کہ یابی اللہ والمؤمنون الا ابا بکر۔ اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان سوائے ابو بکر کے کسی خلافت کو قبول ہی نہیں کریں گے، اس معاملہ کو آپ نے حق تعالیٰ پر اور پھر مسلمانوں کی اجماع اور اتفاق پر چھوڑ دیا اور اگر حضرت علی کی خلافت لکھوانا منظور تھی تو حضرات شیعہ کے نزدیک اس کی ضرورت نہ تھی اس لئے کہ اس واقعہ سے پہلے ہزاراں ہزار لوگوں کی موجودگی میں غدیر خسم کے میدان میں حضرت علی کی ولایت کا خطبہ فرما دیا تھا اور حضرت امیر کو ہر مؤمن اور مؤمنہ کا مولا بنا دیا تھا۔ اور یہ قصہ تمام دنیا میں مشہور ہو گیا تھا پس اس شہرت اور تواتر اور اعلان عام کے بعد ایک خانگی نوشتہ کی جو ایک مختصر سے حجرہ میں چند اہل بیت کے سامنے ہو کیا ضرورت ہے۔

(۴۲) امامت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

مرض الوفات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صدیق اکبر کو نماز کا امام مقرر کرنا احادیث صحیحہ ثابت ہے اور شیخ جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث متواتر ہے اس حدیث کو حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت علی اور عبد اللہ بن مسعود اور عبد اللہ بن عباس اور عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن زمعہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہم نے علیحدہ علیحدہ روایت کیا ہے۔ آھ

صحیح بخاری میں ہے کہ عائشہ صدیقہ نے تین بار انکار کیا مگر باوجود اس کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بار بار یہی فرماتے رہے کہ ابوبکر کو حکم دو کہ وہ نماز پڑھائیں اور بے شمار احادیث سے ثابت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اس امر کی تاکید اکید فرمائی کہ نماز کا امام ایسے شخص کو مقرر کریں کہ جو علم اور قرات اور ورع اور تقویٰ میں سب سے فائق ہو اور حضرات شیعہ کے نزدیک تو سوائے افضل اور اشرف کے کسی کو امام بنانا جائز ہی نہیں ۔

اب ان ارشادات کے بعد یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی جگہ ابوبکر کو امام مقرر کرنا اس امر کی صریح دلیل ہے کہ حضور کی نظر میں ابوبکر ہی سب سے زیادہ اَعْلَم اور اَتْقیٰ تھے، جیسا کہ تمام مفسرین کا اجماع ہے سورۂ لیل کی یہ آیتیں وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی الخ ابوبکر صدیق کے بارے میں نازل ہوئیں اور اس آیت میں اَتْقیٰ (سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار) سے ابوبکر مراد ہیں اور قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے ۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ۔ حضرات شیعہ بتلائیں کہ اگر حضرت ابوبکر کافر تھے یا فاسق تھے یا منافق تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کیوں امام بنایا اور بعض نمازوں میں کیوں ان کی اقتدار کی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت امیر شیخین اور حضرت عثمان کے پیچھے کیوں نمازیں پڑھتے رہے ، حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں :

وَالمقصود ان رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وسلم قدم ابابکر اماما للصحابۃ کلھم فی الصلاۃ التی ھی اکبر ارکان الاسلام العملیۃ قال الشیخ ابو الحسن الاشعری وتقدیمہ لہ امر معلوم بالضرورۃ من دین الاسلام قال وتقدیمہ لہ دلیل علی انہ اعلم

مقصود یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر کو تمام صحابہ کا امام مقرر کیا کہ ان کو نماز پڑھائیں اور ظاہر ہے کہ اسلام کے ارکان عملیہ میں سب سے بڑا رکن نماز ہے امام ابوالحسن اشعری فرماتے ہیں کہ تمام صحابہ میں ابوبکر کو امامت کیلئے مقدم کرنا اس امر کی صریح دلیل ہے کہ ابوبکر تمام صحابہ سے علم اور فضل میں بڑھے ہوئے ہیں یعنی

الصحابة واقرأهم لما ثبت فی الخبر المتفق علی صحة بین العلماء ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یؤم القوم اقرأهم لکتاب اللہ فان کانوا فی القراءة سواء فاعلمهم بالسنة سواء فاکبرهم سنا فان کانوا فی السن سواء فاقدمهم مسلما (اسلاما) قلت وهذا من کلام الاشعری رحمہ اللہ مما ینبغی ان یکتب بماء الذهب ثم قد اجتمعت هذه الصفات کلها فی الصدیق رضی اللہ عنه وارضاه [۵] ۔ ۔

سب سے افضل ہیں کیونکہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا کہ قوم کی امامت وہی شخص کرے جو کتاب اللہ کا سب سے زیادہ عالم ہو اور اگر کتاب اللہ کے علم میں سب برابر ہوں تو پھر وہ شخص امامت کرے کہ جو سنّت نبوی کا سب سے زیادہ عالم ہو اور اگر علم سنّت میں سب برابر ہوں تو پھر جو عمر میں سب سے بڑا ہو (حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمان بوڑھے سے شرماتا ہے) اور اگر عمر میں بھی برابر ہوں تو جو اسلام لانے میں مقدم ہو وہ امامت کرے اور اس حدیث کی صحت پر تمام علماء کا اتّفاق ہے حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ امام اشعری کا یہ کلام آب زر سے لکھے کے قابل ہے اور ابوبکر صدیق تو ان تمام صفات کے جامع تھے

حضرات شیعہ کو اس امر کا اقرار ہے کہ حضرت علی اور حضرت عباس نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم حجرۂ مبارکہ میں برابر آمد ورفت رکھتے تھے مگر آپ نے سوائے ابوبکر کے کسی اور شخص کو امامت کا حکم نہیں دیا۔

صحابہ کرام نے اس امامت سے صدیق اکبر کی خلافت پر استدلال کیا اور ابن عساکر نے علی کرم اللہ وجہہ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ حضور پُر نور نے ابوبکر کو امامت کا حکم دیا اور ہم موجود تھے۔ غائب نہ تھے اور تندرست تھے اور بیمار نہ تھے پس جس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے بارہ میں ہمارا امام بنانا پسند کیا ہم اس کو دنیا کے معاملہ میں اپنا امام بنانا کیوں نہ پسند کریں۔

نیز آں حضرت کا اپنے آخری خطبہ میں صدیق اکبر کے دریچہ کے سوا تمام دریچوں کے بند کرنے

---

[۵] - البدایة والنهایة - ج: ۵، ص: ۲۳۶

کا کام دینا وغیرہ وغیرہ یہ سب ابوبکر صدیق کی افضلیت اور اُن کی خلافت کے اشارات تھے جو اہلِ نظر کے نزدیک عبارات اور تصریحات کے قائم مقام ہیں۔

(۴) ایک شبہ اور اس کا ازالہ

شبہ یہ ہے کہ مسند احمد میں سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے۔

امر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بسد الابواب الشارعۃ فی المسجد وترك باب علی مسند ص ۱۷۵ ج ۱ — نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے حکم دیا کہ مسجد کی طرف جتنے دروازے کھلے ہوئے ہیں وہ سب بند کر دیئے جائیں اور صرف حضرت علی کا دروازہ چھوڑ دیا۔

سو مسند کی یہ روایت صحیحین کی روایت کے معارض ہے کہ جس میں یہ تصریح ہے کہ سوائے ابوبکر کے تمام دروازے اور دریچے بند کر دیئے جائیں۔

جواب یہ ہے

کہ مسند احمد کی روایت صحیحین کی روایت کے ہم پلہ نہیں اور اگر بالفرض مسند احمد کی روایت صحیح بھی ہو تو صحیحین کے حدیث سے منسوخ ہوگی اس لئے کہ وہ مرض الوفات کے زمانہ کا حکم ہے جو آخری حکم ہے اور حضرت علی کے متعلق جو حکم ہے وہ سابق حکم ہے یہ اس وقت کا حکم ہے کہ جب مسجد تعمیر ہو رہی تھی اور حضرت علی مسجد کی طرف کے دروازہ سے آتے اور جاتے اور نکلتے تھے اور یہ کلمہ کہ سوائے ابوبکر کے مسجد کی طرف کے تمام دریچے بند کر دیئے جائیں یہ حکم وفات سے تین روز پہلے کا ہے اور آخری حکم سابق حکم کے لئے ناسخ ہوتا ہے۔

(۵) مدت امامت ابی بکرؓ

امام زہری ابوبکر بن ابی سبرۃ سے راوی ہیں کہ صدیق اکبر نے لوگوں کو سترہ نمازیں پڑھائیں اور بعض کا قول یہ ہے کہ بیس نمازیں پڑھائیں واللہ اعلم ؎ (حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کیجئے)

علامہ سہیلی فرماتے ہیں کہ حسن بصری کی ایک مرسل روایت میں یہ آیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم دس دن بیمار رہے جن میں سے نو دن ابو بکر نے لوگوں کو نماز پڑھائی پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم دسویں دن اسامہ اور فضل بن عباس کے سہارہ سے مسجد میں تشریف لے گئے اور ابو بکر کے پیچھے نماز ادا کی اس حدیث کو دارقطنی نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث غریب ہے [۵۲]۔

(۶) تاریخ وفات

اس پر تو تمام علماء کا اتفاق ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی وفات دو شنبہ کے دن ربیع الاوّل کے مہینہ میں ہوئی لیکن اختلاف اس میں ہے کہ جس دن حضور پر نور روحی فداک کی وفات ہوئی اس دن کونسی تاریخ تھی مشہور یہ ہے کہ ربیع الاوّل کی بارہ تاریخ تھی لیکن اس میں اشکال یہ ہے کہ حجۃ الوداع میں آپ کا وقوف عرفات بالاتفاق جمعہ کے دن تھا جس سے معلوم ہوا کہ ذی الحجہ کی نویں تاریخ جمعہ کے دن تھی اور ذی الحجہ کی پہلی تاریخ پنجشنبہ کو تھی تو ایسی صورت میں سال آئندہ میں دوشنبہ کو بارھویں ربیع الاوّل نہیں ہو سکتی خواہ تینوں مہینے یعنی ذی الحجہ اور محرم اور صفر تیس تیس دن کے مانے جائیں یا انتیس انتیس کے یا بعض تیس کے اور بعض انتیس کے اسی اشکال کی بناء پر بعض علماء نے تاریخ وفات تیرھویں ربیع الاوّل مانی ہے اور بعض نے چودھویں اور بعض نے پندرھویں اور بعض نے سکوت کیا ہے جیسا کہ حافظ ابن رجب نے لطائف المعارف میں لکھا ہے اور بعض علماء نے یہ کہا ہے

---

[۱] یہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا ہے) اصل عبارت یہ ہے۔ قال الزہری عن ابی بکر بن ابی سبرۃ ان ابا بکر صلی بھم سبع عشرۃ صلاۃ وقال غیرہ عشرین صلاۃ واللہ. کذا فی البدایۃ والنہایۃ ج ۵ ص ۲۳۵

[۱] حاشیہ صفحہ ہذا روایت کی اصل عبارت یہ ہے۔ وفی مراسیل الحسن البصری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرض عشرۃ ایام صلی ابوبکر بالناس تسعۃ ایام منہا ثم خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الیوم العاشر منہا یہادی بین رجلین اسامۃ والفضل بن عباس حتی صلی خلف ابی بکر رواہ الدارقطنی ففی ہذا الحدیث انہ مرض عشرۃ ایام وہو غریب کذا فی الروض الانف ص ۳۷۰

[۵۲] الروض الانف۔ ج ۲: ۳۷۹

کہ ممکن ہے کہ مکہ اور مدینہ کی تاریخوں میں اختلاف مطلع کی وجہ سے اختلاف ہوا اور مدینہ منورہ میں ربیع الاول کی پہلی تاریخ پنجشنبہ کو ہوئی ہو تو دوشنبہ کو بارہویں ربیع الاول ہوگی واللہ اعلم مزید تفصیل اگر درکار ہو تو فتاویٰ مولانا عبدالحی لکھنوی قدس اللہ سرہ کی جلد سوم ملاحظہ کریں۔

فائدہ علمیہ (۱)

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ بخاری کی یہ روایت اس امر کی واضح دلیل ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوشنبہ کے دن صبح کی نماز میں شریک نہیں ہو سکے اور قدرت نہ ہونے کے باعث آپ واپس ہو گئے اس لئے کہ بخاری کے لفظ یہ ہیں وارخی البنی صلی اللہ علیہ وسلم الحجاب فلم یقدر علیہ حتی مات امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ایک روایت میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں شریک ہوئے۔ مگر یہ راوی کا وہم ہے، اس لئے کہ بخاری و مسلم کی روایتوں میں اس کی تصریح ہے کہ آپ صبح کی نماز میں شریک نہیں ہوئے، راوی کو گزشتہ نماز ظہر کی شرکت کا التباس ہو گیا۔ آخری نماز جو آپ نے مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کی وہ جمعرات کے دن ظہر کی نماز تھی جس کے بعد آپ نے خطبہ دیا تھا اور اس کے بعد جمعہ اور ہفتہ اور اتوار تین دن گزرے کہ آپ مسجد میں تشریف نہیں لاسکے، دوشنبہ کے روز صبح کے وقت حجرۂ شریفہ سے برآمد ہوئے مگر قدرت نہ ہوئی اور واپس ہو گئے [۱]

اور حسن بصری کی ایک مرسل روایت میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دس روز بیمار رہے اور ابوبکرؓ نے نو دن لوگوں کی امامت کی [۲]

فائدہ (۲)

دنیا سے رخصت ہوتے وقت پیغمبر خدا کا کسی کو اپنی جگہ امام مقرر کرنا اپنے مصلے پر اس کو کھڑا کر دینا ایسا ہے جیسا کہ کوئی بادشاہ کسی کو اپنے تخت پر بٹھلا کر کہیں چلا جائے۔ پیغمبر خدا کی نماز

---

[۱] - زرقانی ج: ۸، ص: ۱۰۴، ۱۰۲ — [۲]، روض الانف ج: ۲، ص: ۳۶۹

کا بوریا تخت شاہی سے کہیں بالا اور برتر ہے، اس لئے آپ کی وفات کے بعد صحابہ نے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی اور اپنی دین و دنیا کا ان کو امام اور ہادی اور ملجا بنایا۔ کیونکہ جس طرح نبی کا امت سے افضل ہونا ضروری ہے، اسی طرح نبی کا خلیفہ اور جانشین وہی ہو سکتا ہے جو سب سے افضل ہو افضلیت اور خلافت نبوت میں تلازم ہے خلافت راشدہ۔ نبی کی جانشینی ہے کوئی دنیاوی ولیعہدی نہیں اس لئے صحابہ نے جس کو سب سے افضل سمجھا اس کو آں حضرت کا خلیفہ بنایا۔

فائدہ (۳)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صدیق اکبر حضور پر نور کی اخیر حیات تک امام رہے اور شیعوں کا یہ کہنا کہ حضور نے ان کو امامت سے معزول کر دیا تھا بالکل غلط ہے۔[1]

(۷) سقیفہ بنی ساعدہ اور بیعت خلافت

دو شنبہ کے روز دوپہر کے وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی سنتے ہی تمام صحابہ کے ہوش اڑ گئے اور تہلکۂ عظیم برپا ہو گیا بعضوں کو تو یہ خیال ہو گیا کہ حضور پر نور نے ابھی انتقال ہی نہیں فرمایا، یہ خیال فرطِ محبت کے سبب سے تھا نہ کہ نافہمی کی وجہ سے صدیق اکبر یہ خبر قیامت اثر سنتے ہی افتاں و خیزاں و نالاں و گریاں پہنچے اور صحابہ کو تسلی دی۔

شام کے وقت ایک شخص نے ابوبکر کو آکر یہ خبر دی کہ انصار سقیفۂ بنی ساعدہ میں مجتمع ہیں۔ اور سعد بن عبادہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے ہیں اور بعض انصار یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر قریش میں سے، انصار کا گمان یہ تھا کہ استحقاقِ خلافت انصار کو ہے اس لئے کہ انصار نے دین کی مدد کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاں ٹھہرایا اور آپ کے ساتھ ہو کر اعداء اللہ سے جہاد و قتال کیا بعضوں نے اس کی مخالفت کی باہم بحث و تکرار

---

[1] زرقانی، ج: ۸، ص: ۲۷۴

ہونے لگی۔

رفتہ رفتہ اس امر کی اطلاع ابوبکر و عمر کو پہنچی یہ دونوں بزرگ مع ابو عبیدہ بن الجراح اس اختلاف کی روک تھام کے لئے سقیفہ کی طرف چلے مبادا کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو جائے عاصم بن عدی اور عویم بن ساعدہ سے ملاقات ہوگئی۔ عاصم اور عویم نے ان کو وہاں جانے سے روکنے کا قصد کیا۔ لیکن یہ نہ رکے اور جس قدر جلد ممکن ہو سکا سقیفہ میں جہاں انصار مجتمع تھے جا پہنچے اور باہم مباحثہ ہونے لگا۔

جب حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سقیفہ میں پہنچے تو حضرت سعد بن عبادہ وہاں موجود تھے کمبل اوڑھے ہوئے بیٹھے تھے۔ مریض تھے انصار اُن کو اُن کے مکان سے نکال کر لائے تھے تاکہ اُن کو امیر بنائیں۔

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی تقریر

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور حمد و ثنا کے بعد یہ فرمایا:

اما بعد۔ فنحن الانصار وکتیبۃ الاسلام وانتم یا معشر قریش رھط بیننا وقد دفت الینا دافۃ من قومکم فاذا ھم یریدون ان یغصبونا الامر

اما بعد۔ ہم انصار یعنی دین اسلام کے مددگار ہیں اور لشکر اسلام ہیں اور تم اے گروہ مہاجرین تم ہم میں ایک قلیل جماعت ہو (یعنی تم اقلیت ہو اور ہم اکثریت میں ہیں) اور بتحقیق تمہاری قوم کی ایک قلیل جماعت ہمارے یہاں پناہ گیر ہوئی اور اب وہ ہم سے ہمارا حق خلافت ہم سے غصب کرنا چاہتے ہیں۔

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ سعد بن عبادہ نے اپنی تقریر میں یہ فرمایا:

یا معشر الانصار لکم سابقۃ وفضیلۃ لیست لاحد من العرب ان محمداً

اے معشر انصار، تم کو دین اسلام کے بارے میں ایسی سبقت اور فضیلت حاصل ہے جو عرب میں سوائے

صلی اللہ علیہ وسلم لبث فی قومہ بضع عشرۃ سنۃ یدعوھم فما اٰمن بہ الا القلیل ما کانوا یقدرون علیٰ منعہ ولا علیٰ اعزاز دینہم ولا علیٰ دفع ضیم حتی اذا اراد اللہ بکم الفضیلۃ ساق الیکم الکرامۃ ورزقکم الایمان بہ وبرسولہ والمنع لہ ولاصحابہ والاعزار لہ ولدینہ والجھاد لاعدائہ فکنتم اشد الناس علیٰ عدوہ حتی استقامت العرب لامر اللہ طوعًا وکرھًا واعطی البعید المقادۃ صاغرا فدانت لرسولہ باسیافکم العرب وتوفاہ اللہ وھو عنکم راض قریر العین۔ استبدوا بھذا الامر دون الناس فانہ لکم دونھم ؎۵

تمھارے کسی کو حاصل نہیں ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم میں تیرہ برس اسلام کی دعوت دیتے رہے مگر اس مدت میں بہت تھوڑے لوگ آپ پر ایمان لائے جن میں یہ طاقت نہ تھی کہ وہ آپ کی حفاظت کر سکتے اور نہ ان میں آپ کے دین کو عزت دینے اور سربلند کرنے کی طاقت تھی ، یہاں تک ان میں یہ بھی طاقت نہ تھی کہ کسی دشمن کے ظلم کو اپنے سے ہٹا سکیں حق جل وعلا نے جب تم کو فضیلت دینا چاہی تو عزت وکرامت کا سامان تم تک پہنچایا اور تم کو ایمان لانے کی توفیق دی اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم اور آپ کے اصحاب کی حفاظت تم سے کرائی اور اپنے دین کی عزت تم سے کرائی اور خدا کے دشمنوں سے تم نے جہاد کیا اور خدا کے دشمنوں پر تم سب سے زیادہ سخت ثابت ہوتے یہاں تک کہ تمام عرب حکم خداوندی کے سامنے جھک گیا اور دور والوں نے بھی مجبور ومقہور ہو کر گردن ڈال دی اور تمھاری تلواروں سے تمام عرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانبردار بنا اور جب اللہ نے اپنے نبی کو وفات دی اور حضور پرنور نے جس وقت دنیا سے رحلت کی تو وہ تم سے راضی تھے اور آپ کی آنکھیں تم سے ٹھنڈی تھیں پس تم ہی اس منصب خلافت کو حاصل کرو یہ تمھارا ہی حق ہے ، اوروں کا نہیں۔

حاضرین نے اس تقریر کو بہت پسند کیا اور ہر طرف سے تحسین کی صدا بلند ہوئی ۔ تقریر ختم ہونے

؎۵ ۔ ابن اثیر ۔ ج : ۲ ، ص : ۱۲۵

کے بعد پھر اس مسئلہ پر بحث شروع ہوئی اور مہاجرین نے اس پر اعتراض کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوّلین اصحاب ہیں کہ آپ پر سب سے پہلے ایمان لائے اور آپ کا قبیلہ اور گروہ ہیں اور آپ کے ساتھ ہجرت کی یعنی خویش اور اقارب اور وطن سب کو خیر باد کہہ کے یہاں آئے اس پر بعض انصار نے یہ کہا کہ بہتر یہ ہے کہ دو امیر ہوں ایک مہاجرین میں سے اور ایک انصار میں سے اور دونوں امیر باہم صلاح و مشورہ سے خلافت کا کام انجام دیں سعد بن عبادہ نے سنتے ہی کہا کہ یہ پہلی کمزوری ہے

حضرت عمر نے چاہا کہ کچھ بولیں مگر صدیق اکبر نے اُن کو یہ کہہ کر (علی رسلک - اے عمر ٹھہرو) خاموش کر دیا حضرت عمر چونکہ صدیق اکبر کو ناراض کرنا نہیں چاہتے تھے اس لئے بیٹھ گئے اور صدیق اکبر نے تقریر شروع فرمائی۔

صدیق اکبر کی تقریر

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور حق تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد یہ فرمایا۔

ان اللہ قد بعث فینا رسولا شهیدا علی امته لیعبدوه و یوحدوه وهم یعبدون من دونه آلهة شتی من حجر و خشب فعظم علی العرب ان یترکوا دین آبائهم فخص الله المهاجرین الاولین من قومه بتصدیقه والمواساة له والصبر معه علی شدة اذی قومهم ویکذبیهم ایاه وکل الناس لهم مخالف زار علیهم فلم یستوحشو

تحقیق اللہ تعالےٰ نے ہم میں ایک رسول بھیجا کہ جو امت کی نگرانی کرے تاکہ لوگ ایک اللہ کی عبادت کریں اور یہ لوگ آپ کی بعثت سے پہلے پتھر اور لکڑی کے بنائے ہوئے بتوں کی پرستش کرتے تھے، عرب کو اپنے آبائی دین کا چھوڑنا بہت شاق اور گراں ہوا پس حق جل شانہ نے آپ کی قوم میں سے مہاجرین اوّلین کو توفیق خاص عطا فرمائی کہ سب سے پہلے آپ کی تصدیق کی اور سب سے پہلے آپ کی خدمت کی اور آپ کے غمگسار بنے اور قوم کی طرف سے جو سخت سے سخت ایذائیں اور تکلیفیں پہنچیں ان پر صبر کیا حالانکہ اس وقت تمام لوگ ان کے

لقلة عددهم وشنف الناس لهم فهم اول من عبد الله فی هذه الارض وآمن بالله وبالرسول وهم اولیاءه وعشیرته واحق الناس بهذا الامر من بعده لا ینازعهم الا ظالم وانتم یا معشر الانصار من لا ینکر فضلهم فی الدین ولا سابقتهم فی الاسلام رضیکم الله انصارا لدینه ورسوله وجعل الیکم هجرته فلیس بعد المهاجرین الاولین عندنا بمنزلتکم فنحن الامراء وانتم الوزراء لا تفاتون بمشورة ولا تقضی دونکم الامور [1]

مخالف تھے مگر باوجود قلت تعداد کے لوگوں کی دشمنی سے گھبراتے نہیں اور اس حالت میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑا پس مہاجرین اولین ۔ تمام لوگوں میں سب سے اول ہیں جنھوں نے روئے زمین پر اللہ کی عبادت کی وہ اللہ اور اس کے رسول پر سب سے پہلے ایمان لائے اور یہی لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اولیاء اور عشیرہ ہیں یعنی آپ کے قرابت دار اور کنبہ دار ہیں اور یہی لوگ آپ کے بعد امر خلافت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں اس معاملہ میں سوائے ظالم کے کوئی ان سے نہیں جھگڑ سکتا اور اے گروہ انصار ۔ تمھاری فضیلت اور دین اسلام میں سبقت کا کسی کو انکار نہیں اللہ تعالیٰ نے تم کو پسند کیا کہ اپنے رسول کا اور اپنے دین کا انصار یعنی معین و مددگار بنائے اور اپنے رسول کو تمھاری طرف ہجرت کرائی پس مہاجرین اولین کے بعد ہمارے نزدیک تمھارا ہی مرتبہ ہے کسی اور شخص کا نہیں پس ہم امیر ہیں اور تم ہمارے وزیر ہو بغیر تمھارے مشورہ کے امور انجام نہیں دیے جائیں گے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ صدیق اکبر نے انصار کے جواب میں یہ فرمایا:

ما ذکرتم من خیر فانتم اهله وما تعرف العرب هذا الامر الا لهذا الحی من قریش هم اوسط العرب

اے گروہ انصار تم نے جو اپنے محاسن اور فضائل بیان کئے بے شک تم اس کے اہل ہو لیکن اہل عرب اس امر خلافت کو سوائے قبیلہ قریش کے کسی اور کے لئے قبول

[1] ابن اثیر ۔ ج: ۲، ص: ۱۲۵ ۔

نسبا و دارا بخاری شریف ص۱۰۱ کتاب المحاربین۔ | نہیں کریں گے کیونکہ قبیلہ قریش۔ باعتبار حسب و نسب کے اور باعتبار مکان کے سب سے افضل اور برتر ہے۔

صدیق اکبر کا مطلب یہ تھا کہ خلیفہ ایسی قوم سے ہونا چاہیئے کہ جن کی سرداری اور شرافت حسبی و نسبی لوگوں میں مسلّم ہو تاکہ لوگ اس کی امارت پر متفق ہو سکیں اور اس کی اطاعت اور فرمانبرداری سے عار نہ محسوس کریں کیونکہ جب تک کسی قسم کی شرافت اور برتری اور بزرگی مسلّم نہ ہو۔ اس وقت تک لوگ اطاعت پر آمادہ نہیں ہوتے بلکہ اس کو حقیر و ذلیل سمجھتے ہیں صدیق اکبر کا منشا یہ تھا کہ قریش کی فضیلت اور برتری تمام عرب میں مسلّم ہے اور اوس اور خزرج کو خاص عزت و وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے اس لیے اگر انصار میں سے کسی کو امیر بنایا گیا تو قبائل عرب اس کی اطاعت پر آمادہ نہ ہوں گے اور ملک کے عام باشندے ان کی امارت متفق نہ ہوں گے اور خلافت اور امارت کے لئے سب سے اہم اور ضروری امر یہ ہے کہ لوگ امیر سے راضی ہوں اور اس کی امارت پر مجتمع اور متفق ہوں۔

چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ صدیق اکبر نے انصار کو مخاطب بنا کر یہ کہا:

یا معشر الانصار انا واللہ ما ننکر فضلکم ولا بلائکم فی الاسلام ولا حقکم الواجب علینا ولکن قد عرفتم ان ھذا الحی من قریش بمنزلۃ من العرب فلیس بھا غیرھم وان العرب لن تجتمع الا علی رجل منھم فنحن الامراء وانتم الوزراء فاتقوا اللہ ولا تصدعوا الاسلام ولا تکونوا اول من احدث فی الاسلام الا وقد رضیت لکما حد ھذین	اے گروہ انصار خدا کی قسم ہم تمھاری فضیلت اور اسلام کی خدمت اور اعانت اور تمھارے حق واجب کے منکر نہیں لیکن تم خوب جانتے اور پہچانتے ہو کہ قبیلہ قریش کو عزت و وجاہت کا جو مرتبہ ملک عرب میں حاصل ہے وہ کسی دوسرے قبیلہ کو حاصل نہیں اور عرب کے باشندے سوائے قبیلہ قریش کے کسی اور شخص کی امارت پر متفق نہیں ہو سکتے اور بغیر ملک کے اتفاق کے کارخانہ حکومت کا نہیں چل سکتا، اس لئے قریش امرا ہوں گے اور انصار وزراء ہوں گے پس اے انصار اللہ سے ڈرو اور اسلام میں سب سے پہلے بدعت جاری

الرجلین لی-ای لعمر ولابی عبیدة فلیهما بایعتم فهو لکم ثقة الحدیث [۵۱]

کرنے والے تم نہ بنو اور میری رائے یہ ہے کہ خلافت اور امارت کے لئے یہ دو آدمی پسندیدہ ہیں ایک عمر اور ایک ابو عبیدہ۔ ان میں سے جس کے ہاتھ پر بھی بیعت کروگے وہ تمہارا قابل وثوق اور قابلِ اطمینان امیر ہوگا۔

صدیق اکبر کی اس تقریر دل پذیر کے بعد حباب بن المنذر بن الجموح کھڑے ہوئے اور کہا کہ مناسب یہ ہے کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے صدیق اکبر نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ الائمة من قریش ہے۔ خلفاء اور امراء قریش میں ہوں گے۔

علامہ قاری فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور چالیس صحابہ سے مروی ہے، کذا فی شرح شمائل للعلامة القاری۔ [۵۲]

محمد بن اسحٰق راوی ہیں کہ صدیق اکبر نے اس وقت یہ فرمایا:

انہ لا یحل ان یکون للمسلمین میران فانہ مہما یکن ذلکم یختلف امرھم واحکامھم و تتفرق جماعتھم ویتنازعون فیما بینھم ھنالک تترک السنة و تظھر البدعة وتعظم الفتنة ولیس لاحد علی ذالک صلاح وان ھذا الامر فی قریش ما اطاعوا اللہ واستقاموا علی امرہ قد بلغکم ذالک وسمعتموہ عن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

تحقیق یہ امر بالکل روا نہیں کہ مسلمانوں کے دو امیر ہوں اس سے مسلمانوں کے امور اور احکام میں اختلاف پیدا ہوگا اور جماعت میں تفرقہ پڑ جائے گا اور آپس میں جھگڑے کھڑے ہو جائیں گے اور اس وقت سنت تو متروک ہو جائے گی اور بدعت ظاہر ہو جائے گی اور ایک عظیم فتنہ برپا ہوگا۔ اس میں مسلمانوں کی خیر نہیں اور یہ امر خلافت قریش میں رہے گا جب تک قریش اللہ کی اطاعت کریں اور اس کے حکم پر قائم رہیں اور یہ حدیث تم کو پہنچ چکی ہے یا تم خود نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم سے سن چکے ہو آپس میں نزاع نہ کرو بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری

---

[۵۱] کنز العمال۔ ج: ۳، ص: ۱۳۹۔ [۵۲] ایضاً، ج: ۲، ص: ۲۱۹

ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب	ہوا خیزی ہوگی۔ صبر کرو اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں
ریحکم واصبروا ان اللہ مع الصابرین	کے ساتھ ہے پس ہم امیر ہیں اور تم ہمارے وزیر ہو
فنحن الامراء وانتم الوزراء اخواننا	دینی بھائی ہو اور دین میں ہمارے معین اور
فی الدین وانصارنا علیہ۔ لے	مددگار ہو۔

فاروق اعظمؓ بولے افسوس۔ دو تلواریں ایک نیام میں نہیں سماتیں اور ایک عورت کے دو شوہر نہیں ہوتے یعنی ایک سلطنت کے دو امیر کیسے ہو سکتے ہیں۔ فاروق اعظم کا جواب عقلی تھا اور صدیق اکبر کا جواب نقلی تھا نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کا صریح ارشاد نقل کر دیا اور بشیر بن سعد انصاری نے کہا کہ میں نے بھی یہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے اور دیگر انصار اور مہاجرین نے بھی اس حدیث کی تصدیق کی۔ حباب بن منذر وغیرہ جو انصار کی خلافت پر مصر تھے۔ اس حدیث کے سنتے ہی ان کا بھی خیال بدل گیا اور مجمع میں جو امارت کی بابت شور وغل برپا تھا وہ یکلخت دفع ہو گیا سب کے سب ایک خاموشی کے حالت میں ہو گئے۔

زید بن ثابت کاتب الوحی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین میں سے تھے اس لئے آپ کا خلیفہ مہاجرین میں سے ہو گا جس طرح ہم نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے اعوان و انصار رہے اسی طرح ہم خلیفۂ رسول کے انصار اور مددگار بن کر رہیں گے اور پھر ابوبکر کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ یہ تمہارے خلیفہ ہیں ان سے بیعت کرو۔ ٢٥

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا اعتراف

قال الامام احمد حدثنا عفان ثنا	امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں راوی ہیں کہ جب آنحضرت
ابو عوانۃ عن داؤد بن عبداللہ	صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو ابوبکر صدیق اس وقت

لے کنز العمال۔ ج ۳، ص ۱۳۱۔ ٢ فاروق اعظم کا یہ کلام سیرت حلبیہ میں مذکور ہے اصل عبارت یہ ہے وفی روایۃ (ای عن عمر) قلت سیفان فی غمد واحد لا یکونان هیہات لا یجتمع فحلان فی مغرس کذا فی السیرۃ الحلبیہ ص ۳۵۸ ج ۳ ووقع فی حدیث سالم بن عبید عند البزار وغیرہ فی قصۃ الوفات فقالت الانصار منا امیر ومنکم امیر فقال عمر واخذ بید ابی بکر۔ اسیفان فی غمد واحد لا یصطلحان الخ کذا فی فتح الباری ص ۲۵ ج ۷ مناقب ابی بکرؓ

عن حمید بن عبد الرحمن قال توفی
رسول الله صلی الله علیه وسلم و
ابوبکر فی صائفة من المدینة
قال فجاء فکشف عن وجهه فقبله
وقال فداك ابی و امی ما اطیبك حیا
و میتا مات محمد ورب الکعبة
فذکر الحدیث قال فانطلق ابوبکر
و عمر یتعادان حتی اتوهم فتکلم ابوبکر
فلم یترك شیئا انزل فی الانصار
الا ذکره قال ولقد علمتم ان رسول
الله صلی الله علیه وسلم قال لو
سلك الناس وادیا وسلکت
الانصار وادیا لسلکت وادی
الانصار ولقد علمت[2] یا سعد ان رسول
الله صلی الله علیه وسلم
قال ـ وانت قاعد قریش ولاة هذا
الامر خیر الناس تبع لبرهم و فاجرهم
تبع لفاجرهم فقال له سعد صدقت
نحن الوزراء و انتم الامراء ـ

اپنے گھر تھے فوراً آئے اور آپ کے چہرۂ انور سے
چادر مبارک اٹھائی اور بوسہ دیا اور صحابہ کرام کو
تسلی دی، بعد میں جب یہ خبر ملی کہ انصار سقیفہ میں
جمع ہیں تو ابوبکر و عمر تیزی کے ساتھ انصار کے
مجمع میں پہنچے اور ابوبکر نے کلام کیا۔ انصار کے
فضائل و مناقب میں جو کچھ بھی نازل ہوا تھا ابوبکر
نے ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں چھوڑی کہ
جس کا اس مجلس میں ذکر اور بیان نہ کیا ہو اور یہ
کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے
فرمایا کہ اگر لوگ ایک وادی سے چلیں اور انصار
دوسری وادی سے چلیں تو میں انصار کی وادی سے
چلوں گا اور خدا کی قسم اے سعد تم کو خوب معلوم ہے
کہ ایک مرتبہ جبکہ تم نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے
مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے یہ فرمایا کہ
قریش ہی اس امر خلافت کے والی اور متولی ہوں
گے، ان میں کے اچھے اچھوں کے تابع ہیں اور
برے بروں کے تابع ہیں سعد بن عبادہ نے ابوبکر
سے کہا کہ تم نے سچ کہا۔ ہم وزراء ہیں اور تم ہی
امراء ہو۔ روایت ختم ہوگی۔

۱ـ سیرۃ حلبیہ۔ ج ۳، ص ۳۵۸ ۳ـ البدایۃ والنہایۃ۔ ج: ۵، ص: ۲۴۷
۲ـ لقد علمت میں لام موطئہ للقسم ہے، اس لئے اس کا ترجمہ خدا کی قسم سے کیا گیا۔ (منہ عفا اللہ عنہ)

اس روایت میں صراحتہً موجود ہے کہ ابوبکر صدیق نے، سعد بن عبادہ کو قسم دے کر کہا کہ تمھاری موجودگی میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے کہا کہ امر خلافت کے والی قریش ہوں گے۔ سعد تم نے لقد صدقت کہہ کر صدیق اکبر کی تصدیق کی اسی وجہ سے حافظ ابن کثیر نے اس روایت کے لئے ایک خاص عنوان قائم فرمایا وہو ہذا۔ ذکر اعتراف سعد بن عبادۃ بصحۃ ما قالہ الصدیق یوم السقیفۃ [1]

عبداللہ بن مسعود[2] سے مروی ہے کہ جب انصار نے یہ کہا کہ منا امیر ومنکم امیر ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے تو حضرت عمر نے یہ کہا اے معشر انصار تم کو معلوم ہے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے حکم دیا کہ ابوبکر لوگوں کی امامت کریں پس تم میں سے کون شخص ہے کہ جو ابوبکر پر پیش قدمی کرنا پسند کرے، انصار نے کہا اللہ کی پناہ کہ ہم ابوبکر پر پیش قدمی کریں رواہ النسائی والبو یعلی والحاکم وصححہ عن ابن مسعود ۔ وکذا فی شرح الشمائل للعلامۃ القاری ص۲۱۹ ج ۲)

مطلب یہ تھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص طور پر تاکید اور اصرار کے ساتھ ابوبکر کو امام بنانا اور اپنا قائم مقام مقرر کرنا یہ اس امر کی دلیل ہے کہ آپ کی نظر میں سب سے افضل اور مقدم ابوبکر ہیں۔

اور شمائل[3] ترمذی کی روایت میں ہے کہ جب انصار نے یہ کہا منا امیر ومنکم امیر تو فاروق اعظم نے حضرت ابوبکر کی تین خصوصیتیں بیان کی اور علی الاعلان فرمایا کہ تبلاؤ کہ یہ تین خصوصیتیں سوائے ابوبکر کے کسی اور شخص میں بھی پائی جاتی ہیں۔

اول: یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکر کو قرآن میں ثانی اثنین اذ ھما فی الغار فرمایا، ابوبکر کو نبی کریم

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ۔ ج: ۵ ۔ ص: ۲۴۷

[2] فی روایۃ النسائی وابی یعلی والحاکم وصححہ عن ابن مسعود انہ قال لما قالت الانصار منا امیر ومنکم امیر فاتاھم عمر بن الخطاب فقال یا معشر الانصار الستم تعلمون ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد امر ابابکر ان یوم الناس فایکم یطیب نفسا ان یتقدم علی ابی بکر فقالت الانصار نعوذ باللہ ان نتقدم علی ابی بکر (باقی اگلے صفحہ پر)

کا ثانی تبلایا اور آپ کا یارِ غار بتایا۔ (دوم) یہ کہ ابوبکر کو آپ کا صاحب خاص اور مصحب با اختصاص فرمایا اذ یقول لصاحبہ لاتحزن۔ تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے اپنی معیت خاصہ کو ذکر فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا فرمایا۔ ورنہ علم اور احاطہ کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی معیت عام ہے اور سب کو شامل اور متناول ہے وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ۔ یہ تین فضیلتیں ابوبکر کے لئے نص قرآن سے ثابت ہیں جس میں اشارہ اس طرف ہے کہ ابوبکر ہی سب سے افضل ہیں اور وہی سب سے زیادہ مستحق خلافت ہیں (کذا فی شرح الشمائل للعلامۃ القاری والشیخ المناوی ص۲۲۰ ج۲)

فاروق اعظم نے صدیق اکبر کی فضیلت کے دلائل میں فقط تین فضائل کے ذکر پر اکتفا فرمایا کہ جو روزِ روشن کی طرح بالکل واضح تھے ورنہ آیت کے سیاق و سباق میں صدیق اکبر کی افضلیت کے اور بھی دلائل موجود ہیں۔ فاروق اعظم نے صرف تین پر اکتفا فرمایا اور سنئے (۱)۔ الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ۔ اذ اخرجہ الذین کفروا اس آیت میں ابوبکر صدیق کے سوا

(بقیہ صفحہ گزشتہ) بکر۔ کذا فی شرح الشمائل۔

فقالت الانصار منا امیر و منکم امیر فقال عمر من لہ مثل هذه الثلاث (ای الفضائل الثلاث التی لابی بکر) (۱) ثانی اثنین اذ هما فی الغار (۲) اذ یقول لصاحبہ لا تحزن (۳) ان اللہ معنا۔ الحدیث فاثبت اللہ تعالیٰ فی هذہ الایۃ ثلاثۃ فضائل لابی بکر الاولی ثانی اثنین۔ والثانیۃ اثبات الصحبۃ لہ فی قولہ تعالیٰ اذ یقول لصاحبہ لا تحزن۔ الثالثۃ اثبات المعیۃ فی قولہ تعالیٰ ان اللہ معنا فاثباتہ تعالیٰ تلک الفضائل الثلاث بنص القرآن یؤذن باحقیۃ للخلافۃ کذا فی شرح الشمائل للشیخ عبد الرؤف المناوی والعلامۃ القاری ص۲۲۰ ج۲ وقال الحافظ العسقلانی فی الفتح ص۲۵ ج۷ وقع فی حدیث سالم بن عبید عند البزار وغیرہ فی قصۃ الوفاۃ فقالت الانصار منا امیر و منکم امیر فقال عمر اخذ بید ابی بکر اسیفان فی غمد واحد لا یصطلحان واخذ بید ابی بکر فقال من لہ هذه الثلاثۃ اذ هما فی الغار من هما۔ اذ یقول لصاحبہ من صاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا۔ مع من۔ ثم بسط یدہ فبایعہ ثم قال بایعوہ فبایعہ الناس۔ فتح الباری ص۲۵ ج۷ مناقب ابی بکرؓ

سب کو ترک نصرت پر عتاب اور تہدید ہے اس لئے کہ ابوبکر صدیق تو آپ کے ساتھ تھے اور آپ کے ناصر و مددگار تھے ابوبکر عتاب سے مستثنیٰ ہیں ۔

دوم یہ کہ من جانب اللہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی نصرت ابوبکر صدیق کی نصرت کو متضمن ہے کیونکہ ابوبکر صدیق آپ کے ساتھ تھے پس حضور پُرنور کی طرح ابوبکر منصور اور مؤید من اللہ تھے وہی احق بالخلافۃ ہوں گے ۔

سوم یہ کہ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِ میں صحیح قول کی بنا پر علیہ کی ضمیر ابوبکر صدیق کی طرف راجع ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی سکینت وطمانیت ابوبکر پر نازل کی اس لئے کہ ابوبکر صدیق ہی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں غایت درجہ حزین ومضطرب تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی خاص سکینت وطمانیت سے سرفراز فرمایا ۔

چہارم یہ کہ اس آیت میں ابوبکر کو ثانی اثنین تبلایا گیا ہے جس میں اشارہ اس طرف ہے کہ ابوبکر صدیق کمالات علمیہ اور کمالات عملیہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ثانی اور قائم مقام ہیں اور مقام قرب اور غار انوار وتجلیات میں آپ کے رفیق اور یار غار ہیں ۔

پنجم یہ کہ اذ یقول لصاحبہٖ میں صاحب سے باجماع مفسرین ابوبکر صدیق مراد ہیں ۔ حق جل شانہ نے قرآن کریم میں خاص طور پر ابوبکر صدیق کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صاحب یعنی رفیق خاص اور مصاحب بااختصاص اور محب صادق وسراپا اخلاص بتایا اشارہ اس طرف ہے کہ ابوبکر صدیق کی صحبت اور معیت اور رفاقت دائم اور مستمر ہے حیات دنیویہ میں آپ کے ساتھی اور رفیق ہیں اور عالم برزخ اور عالم آخرت اور میدان حشر اور حوض کوثر پر بھی آپ کے ساتھ ہوں گے اور جنت میں بھی آپ کے رفیق ہوں گے اسی وجہ سے بعض علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص ابوبکر کے صحابی ہونے کا انکار کرے وہ کافر ہے کیونکہ وہ حق تعالیٰ کے اس قول لصاحبہٖ کا منکر ہے ۔

ششم یہ کہ ابوبکر کے متعلق یہ فرمایا لا تحزن اے ابوبکر تم غمگین اور رنجیدہ نہ ہو، یہ اس امر کی دلیل ہے کہ ابوبکر صدیق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق جاں نثار اور غمگین وغمگسار تھے ۔

ہشتم یہ کہ لاتحزن کے بعد ان اللہ معنا فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص معیت کی بشارت دی جس کی تفصیل ہجرت کے بیان میں گزر چکی ہذا کلہ توضیح ما افادہ العلامۃ القاری فی شرح الشمائل[۱]۔

بعد ازاں صدیق اکبر نے کہا کہ یہ عمر اور ابو عبیدہ دونوں یہاں موجود ہیں تم لوگ ان دونوں میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کر لو عمر اور ابو عبیدہ نے کہا۔ خدا کی قسم یہ ناممکن ہے کہ آپ کے ہوتے ہوئے ہم امر خلافت کے والی بنیں آپ تمام مہاجرین میں افضل ہیں اور نماز جو دین کا ستون ہے اور دین اسلام کا سب سے اعلیٰ اور افضل رکن ہے اس میں آپ رسول اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اور قائم مقام ہوئے اے ابوبکر آپ اپنا دست مبارک بڑھایئے ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ابوبکر نے عمر سے کہا کہ ہاتھ بڑھاؤ تاکہ میں تمہارے ہاتھ پر بیعت کروں عمر نے ابوبکر سے کہا کہ تم افضل ہو۔ ابوبکر نے جواب دیا انت اقوی منی تم مجھ سے زیادہ قوی ہو اسی پر تکرار ہوتا رہا۔ آخر میں عمر نے کہا ان قوتی لک مع فضلک یعنی میری قوت آپ کی فضیلت کے ساتھ مل کر کام کرنے کی یعنی افضل تو امیر ہوگا اور اقوی اس کا وزیر با تدبیر ہوگا کذا فی شرح الشمائل للعلامہ القاری ص۲۳۱ ج ۲ ۔ اس کے بعد پھر حضرت عمر نے صدیق اکبر سے کہا کہ لاؤ ہاتھ اور بیعت کے لئے بڑھاؤ پس جب ان دونوں حضرات عمر اور ابو عبیدہ نے چاہا کہ آگے بڑھ کر ابوبکر سے بیعت کریں تو بشیر بن سعد انصاری نے سبقت کی اور اٹھ کر سب سے پہلے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی پھر حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ نے بیعت کی۔

جب حباب بن منذر نے دیکھا کہ بشیر بن سعد نے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو چلا کر یہ کہا کہ تو نے قرابت کا لحاظ نہ رکھا اور اپنے ابن عم (سعد بن عبادہ) کی امارت کو پسند نہ کیا اور اس پر رشک اور حسد کیا بشیر بن سعد نے جواب دیا کہ خدا کی قسم یہ بات نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ میں مہاجرین سے ان کا حق چھیننا پسند نہیں کرتا۔ پھر قبیلہ اوس کے لوگ قبیلہ خزرج کی امارت کو پسند نہیں کرتے تھے ان کو اندیشہ یہ تھا کہ اگر ایک مرتبہ سعد بن عبادہ کو امیر بنا لیا اور امارت خزرج میں چلی گئی تو پھر قبیلہ اوس

---

[۱] ج: ۲: ص: ۲۲۰

کو اس فضیلت میں سے کبھی حصہ نہیں ملے گا۔ اسید بن حضیر قبیلہ اوس کے نقیب اور سردار وہاں موجود تھے انھوں نے قبیلۂ اوس کے لوگوں کو مشورہ دیا کہ اٹھو اور ابو بکر کے ہاتھ پر بیعت کرو، یہ لوگ اٹھے اور ابو بکر کے ہاتھ پر بیعت کی ان کا بیعت کرنا تھا کہ حضرت سعد اور خزرج کا ارادہ درہم برہم ہوگیا۔

بعد ازاں چاروں طرف سے لوگ ابو بکر کی بیعت کے لئے امنڈ پڑے اور کہیں تل رکھنے کو جگہ نہ رہی۔ سعد بن عبادہ ایک گوشہ میں بیٹھے ہوئے تھے کسی نے کہا کہ دیکھو کہیں سعد دب کر نہ مر جائے۔ حضرت عمر نے کہا اللہ اس کو مارے سعد اٹھ کر گھر چلے گئے اور لوگ بیعت کر کے اپنے گھروں کو واپس ہوگئے۔

بیعت خاصّہ کے بعد بیعت عامّہ

غرض یہ کہ ابو بکر صدیق با جماع مہاجرین و انصار خلیفہ منتخب ہوگئے اور بیعت کے بعد جلسہ ختم ہوگیا یہ بیعت دوشنبہ کی شام کو ہوئی جس دن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا یعنی ۱۲ ربیع الاول سلہ ھ۔ بوقت شام دوشنبہ کے دن یہ بیعت خاصہ تھی اور بیعت عامہ وفات کے دوسرے دن بروز سہ شنبہ مسجد نبوی میں منبر پر ہوئی۔

بیعت سقیفہ[۱] کے دوسرے دن یعنی بروز منگل عامۃ الناس مسجد نبوی میں جمع ہوئے، تمام اصحاب کبار اور مہاجرین و انصار موجود تھے پہلے حضرت عمر نے منبر پر بیٹھ کر ایک مختصر اور جامع تقریر کی اور حضرت ابو بکر خاموش بیٹھے رہے۔

بیعت عامّہ سے پہلے مسجد نبوی میں حضرت عمر کا خطبہ

حضرت عمر نے کہا مجھے امید تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہم سب کے بعد ہوگی پس اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے (تو انشاء اللہ دین میں کوئی خلل نہیں آئے گا) اس لئے کہ اللہ تعالے نے تمھارے درمیان ایک نور ہدایت (قرآن) باقی رکھا ہے جو تمھاری ہدایت کا ذریعہ ہے اور حضور

---

[۱] قال الحافظ ابن کثیر قلت کان هذا (ای امر البیعة فی السقیفة) فی بقیة یوم الاثنین فلما کان الغد صبیحة یوم الثلاثاء اجتماع الناس فی المسجد فتمت البیعة من المهاجرین والانصار قاطبة وکان ذلک قبل تجهیز رسول الله صلی الله علیه وسلم تسلیماً (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

پُرنور کے بعد ابو بکر صدیق تم میں موجود ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یارِ غار اور ثانی اثنین دو میں کے دوسرے ہیں اور آپ کے صاحب خاص اور رفیق با اختصاص ہیں تمام مسلمانوں میں زیادہ وہی تمام مملکت کے ولی اور حقدار ہیں پس اے مسلمانوں اٹھو اور اُن کے ہاتھ پر بیعت کرو۔[۱]

ایک روایت میں ہے کہ فاروق اعظم نے فرمایا اے مسلمانو بتاؤ سوائے ابو بکر کے کون ہے کہ جس کو اللہ نے ثانی اثنین اذ ہما فی الغار فرمایا ہو۔ اور کون ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کا صاحب خاص فرمایا ہو۔ اذ یقول لصاحبہ اور کون ہے کہ اللہ تعالیٰ خاص طور پر اس کے ساتھ ہو۔ ان اللہ معنا۔ مطلب یہ تھا کہ یہ وہ صفات فاضلہ ہیں کہ آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر کوئی فرد بشر ایسا نہیں کہ جو ان صفاتِ فاضلہ میں ابو بکر کا شریک اور سہیم ہو پھر استحقاق خلافت میں کیسے کوئی ان کا شریک اور سہیم ہو سکتا ہے خوب سمجھ لو کہ جس کو حق جل شانہ ثانی اثنین فرمائیں، وہ بلاشبہ لاثانی ہے لہٰذا اے مسلمانو۔ تم اس لاثانی کی طرف بڑھو اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرو رسول اللہ کے ہاتھ کے بعد یہ دوسرا ہاتھ ہے۔

شیخ فرید الدین عطارؒ منطق الطیر میں فرماتے ہیں:

خواجۂ اول کہ اول یار اوست ۔۔۔ ثانی اثنین اذ ہما فی الغار اوست

صدر دین صدیق اکبر قطب حق ۔۔۔ در ہمہ چیز از ہمہ بردہ سبق

ہر چہ حق از بارگاہ کبریا ۔۔۔ ریخت در صدر شریف مصطفیٰ

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ) کذا فی البدایۃ والنہایۃ ص۲۴۸ ج ۵۔

[۱] قال البخاری انبأنا ابراہیم بن موسیٰ ثنا ہشام عن معمر عن الزہری اخبرنی انس بن مالک انہ سمع خطبۃ عمر الاخیرۃ ۔ حین جلس علی المنبر و ذالک الغد من یوم توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابو بکر صامت لا یتکلم قال کنت ارجو ان یعیش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی یدبرنا یرید بذالک ان یکون آخرھم

[۱] البدایۃ والنہایۃ ۔ ج: ۵، ص: ۲۴۸

فان یک محمد قدمات فان اللہ عزوجل قد جعل بین اظہرکم نورا تہتدون بہ ہدی اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وان ابا بکر صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وثانی اثنین وانہ اولی المسلمین بامورکم فقوموا فبایعوہ وکانت طائفۃ منہم قد بایعوہ قبل ذلک فی سقیفۃ بنی ساعدۃ وکانت بیعۃ العامۃ علی المنبر

اوہمہ در سینۂ صدیق ریخت | لاجرم تا بود دا زو تحقیق ریخت
چوں تو کردی ثانی اثنینش قبول | ثانی اثنین او بود بعد از رسول

صدیق اکبر سے بیعت لینے کی درخواست

حضرت عمر جب اپنے خطبہ سے فارغ ہوئے تو حضرت ابو بکر سے عرض کیا اِصْعَدِ الْمِنْبَر منبر پر چڑھیے صدیق اکبر نے تأمل کیا مگر حضرت عمر برابر اصرار کرتے رہے تب صدیق اکبر منبر پر جاکر بیٹھے اور عامۃ الناس نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی [1]

بیعت عامہ کے بعد صدیق اکبرؓ کا پہلا خطبہ

صدیق اکبر حضرت عمر کے اصرار سے منبر پر بیٹھے مگر جس درجہ پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھا کرتے تھے اُس کو چھوڑ کر ایک درجہ نیچے بیٹھے اور عامۂ مسلمین سے بیعت عامہ لی۔ بیعت سے فراغت کے بعد حاضرین سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا،

امابعد۔ ایھا الناس فانی قد ولیت علیکم ولست بخیرکم فان احسنت فاعینونی وان اسأت فقوموني الصدق امانۃ والکذب خیانۃ والضعیف فیکم قوی عندی حتی ازیح علتہ ان شاء اللہ تعالیٰ والقوی فیکم ضعیف حتی آخذ منہ الحق ان شاء اللہ تعالیٰ لا یدع قوم الجہاد فی سبیل اللہ	اے لوگو۔ میں تمہارا والی اور امیر بنادیا گیا ہوں اور میں تم سے بہتر نہیں ہوں اگر میں اچھا کام کروں تو تم میری مدد کرنا اور اگر کوئی بُرا کام کروں تو مجھکو ٹھیک کردینا صداقت۔ امانت ہے اور کذب خیانت ہے اور جو شخص تم میں ضعیف ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے تا آنکہ اس کی تکلیف کو دور نہ کردوں یعنی اس کا حق نہ دلادوں، انشاء اللہ تعالیٰ اور جو تم میں قوی ہے وہ میرے نزدیک ضعیف ہے یہاں تک میں اُس سے

---

[1] اصل عبارت اس طرح ہے۔ قال الزهری عن انس بن مالک سمعت عمر یقول یومئذ لابی بکر اصعد المنبر فلم یزل بہ حتی صعد المنبر فبایعہ الناس عامۃ کذا فی البدایۃ والنہایۃ ج ۵ ص ۲۴۸

الا ضربھم اللہ بالذل ولا تشیع	حق وصول نہ کرلوں جو قوم جہاد فی سبیل اللہ ترک
فی قوم قط الفاحشۃ الا عمّھم	کردیتی ہے اللہ اس قوم کو ذلیل کرتا ہے ، اور
اللہ بالبلاء اطیعونی ما اطعت	جس قوم میں بے حیائی اور بدکاری شائع ہوجاتی ہے
اللہ ورسولہ فاذا عصیت اللہ و	تو ساری قوم پر کوئی بلا اور مصیبت آتی ہے تم میری
رسولہ فلا طاعۃ علیکم قوموا	اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت
الی صلاتکم یرحمکم اللہ	کروں اور جب میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں
وھذا اسناد صحیح کذا	تو تم پر میری اطاعت نہیں اب نماز کیلئے اٹھو اللہ تم پر رحم
لہ	فرمائے آمین ۔

موسیٰ بن عقبہ نے مغازی میں اور حاکم نے مستدرک میں عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح بتایا ہے۔

خطب ابوبکر فقال واللہ ماکنت	صدیق اکبر نے خطبہ دیا اور یہ کہا خدا کی قسم میں امارت
حریصا علی الامارۃ یوما و لیلۃ	اور خلافت کا کبھی خواہشمند نہیں ہوا نہ دن میں نہ رات
قط ولاکنت راغبا ولا سألتھا	میں اور نہ کبھی اس کی طرف مائل ہوا اور نہ حق تعالیٰ
اللہ فی سر وعلانیۃ ولکننی اشفقت	سے علانیہ یا پوشیدہ طور پر میں نے کبھی امارت کی دعا
من الفتنۃ ومالی من الامارۃ	مانگی البتہ مجھے یہ ڈر ہوا کہ کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو جائے
من راحۃ لقد قلدت امرا عظیما	اس لئے بادل ناخواستہ میں نے امارت کو قبول کرلیا
مالی بہ من طاقۃ ولا ید الا	اور مجھے امارت میں کوئی راحت نہیں میری گردن پر ایک
بتقویۃ اللہ کذا فی شرح الشمائل	عظیم بوجھ ڈالا گیا جس کے اٹھانے کی اپنے اندر طاقت
للعلامۃ القاری ۲	نہیں پاتا مگر یہ کہ اللہ میری مدد فرمائے۔

لہ۔ البدایۃ والنہایۃ۔ ج ۵، صفحہ ۲۴۸ ۔شرح الشمائل، ج ۲، ص: ۲۲۱ ۔کنزالعمال۔ ج ۳، ص: ۱۲۹

۲۔ شرح الشمائل۔ ج ۲، ص: ۲۲۲ ۔۔

اور کنزالعمال کی کتاب الخلافت پر صدیق اکبر کا خطبہ بایں الفاظ منقول ہے۔

عن ابی بکر انہ قال یا ایھا الناس ان کنتم ظننتم انی اخذت خلافتکم رغبۃ فیھا او ارادۃ استیثار علیکم وعلی المسلمین فلا والذی نفسی بیدہ ما اخذتھا رغبۃ فیھا ولا استیثارا علیکم ولا علی احد من المسلمین ولا حرصت علیھا لیلۃ ولا علانیۃ ولقد امرا عظیما لا طاقۃ لی بہ الا ان یعین اللہ تعالٰے ولوددت انھا الی ای اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم علی ان یعدل فیھا فھی الیکم رد ولا بیعۃ لکم عندی فادفعوا لمن احببتم فانما انا رجل منکم - رواہ ابو نعیم فی فضائل الصحابۃ

صدیق اکبر نے خطبہ دیا اور یہ کہا اے لوگو اگر تمھارا یہ گمان ہے کہ میں نے یہ خلافت اس لئے قبول کی ہے کہ میں خلافت اور امارت میں راغب تھا یا میں مسلمانوں پر اپنی برتری اور فوقیت چاہتا تو قسم ہے اُس خداوند ذوالجلال کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں نے اس ارادہ سے خلافت کو قبول نہیں کیا۔ خدا کی قسم میں نے امارت اور خلافت کے دن اور رات کی کسی ساعت میں کبھی حرص نہیں کی اور نہ ظاہر و باطن میں خدا ہی سے اس کی دعا مانگی میری تمنّا تو یہ تھی کہ میرے سوا کسی اور صحابی کو یہ منصب سونپ دیا جاتا جو مسلمانوں میں عدل کرتا۔ اور اب میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ یہ تمھاری خلافت اور امارت تم کو واپس ہے اور جو بیعت تم میرے ہاتھ پر کر چکے ہو وہ سب ختم ہے، اب جس کو چاہو یہ امارت اور خلافت سپرد کرو تم میں کا ایک فرد میں بھی ہوں والسّلام۔[1]

(۸) حضرت علیؓ کی بیعت

جب سب لوگ بیعت کر چکے تو صدّیق اکبر نے مجمع پر ایک نظر ڈالی تو لوگوں میں حضرت علی اور حضرت زبیر کو نہ پایا فرمایا کہ میں اس مجمع میں علی اور زبیر کو نہیں دیکھتا ان کو بھی بلا لو انصار

[1] کنز العمال - ج ۳، ص ۱۳۱ -

میں سے کچھ لوگ آئے اور حضرت علی اور حضرت زبیر کو بلا کر لائے۔ (کنز العمال ص۱۳۱ ج۳ کتاب الخلافۃ)
صدیق اکبر نے کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی اور آپ کے داماد کیا تم مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا چاہتے ہو اور یہی حضرت زبیر سے کہا حضرت علی اور حضرت زبیر نے کہا کہ اے خلیفۂ رسول اللہ آپ ہمیں ملامت نہ کریں ہم مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا نہیں چاہتے اور عرض کیا۔

قال علی والزبیر ما غضبنا الا لانا اخرنا عن المشورة وانا نری ابا بکر احق الناس بها انه لصاحب الغار وانا لنعرف شرفه وخيره ولقد امره رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يصلي بالناس وهو حي۔ اسناده جيد ولله الحمد والمنة [1]

حضرت علی اور حضرت زبیر نے کہا کہ ہمیں کسی چیز کا رنج نہیں۔ خیال صرف اس بات کا ہے کہ خلافت کے مشورہ میں ہم کو شریک نہیں کیا گیا باقی ہم یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ خلافت کے سب سے زیادہ حقدار ابوبکر ہیں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یار غار ہیں اور ہمیں ان کا فضل اور شرف اور ان کی بھلائی بخوبی معلوم ہے اور تحقیق نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے ان کو اپنی زندگی میں امام مقرر کیا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں (یہ بھی ان کے افضل ہونے کی دلیل ہے) اس روایت کی سند نہایت کھری ہے۔ البدایۃ والنہایۃ وازالۃ الخفاء۔

وفی روایة انه رضيه لديننا افلا نرضاه لدنيانا [2]

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی نے یہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر کو ہمارے دین کے لئے پسند فرمایا پس کیا ہم ابوبکر کو اپنی دنیا کے لئے پسند نہ کریں۔

اور یہ کہہ کر ان دونوں حضرات نے ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کی (اخرجہ الحاکم ازالۃ الخفاء)
صدیق اکبر نے حضرت علی اور حضرت زبیر سے معذرت کی اور یہ کہا کہ خدا کی قسم مجھے امارت کی ذرہ برابر حرص نہ تھی نہ کبھی دل میں اس کی رغبت ہوئی اور نہ کبھی حق تعالیٰ سے ظاہراً اور پوشیدہ امارت

---

[1] البدایۃ والنہایۃ۔ ج: ۵، ص: ۲۵۰۔ ازالۃ الخفاء۔ ج: ۱، ص: ۳۱۲۔
[2] شرح الشمائل۔ ج: ۲، ص: ۲۲۲

کی دعا مانگی مگر مجھ کو فتنہ[۵۱] کا اندیشہ ہوا یعنی یہ اندیشہ ہوا کہ اگر معاملہ کو تمھاری آمد تک مؤخر رکھوں تو مبادا کوئی فتنہ کھڑا ہو جائے[۵۲]

حضرات شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علی کو نہ کسی نے پوچھا اور نہ بلایا تو حضرات شیعہ تبلائیں کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر کو کس نے پوچھا اور کس نے بلایا تھا خود ہی فتنہ کے خوف سے چلے گئے تھے، نیز خلافت کا کام ان کی نظر میں کوئی بڑا کام نہ تھا کہ جس کے واسطے یہ انتظار کرتے کہ فلاں کو آجانے دو اور فلانے کو تشریف لانے دو۔

بہرحال حضرت علی اور حضرت زبیر نے ابتداہی میں صدیق اکبر کے ہاتھ پر بیعت کی۔

وقد صحح ابن حبان وغیرہ من حدیث	ابن حبان وغیرہ نے ابوسعید خدری کی اس روایت کو
ابی سعید الخدری وغیرہ ان علیا	صحیح بتایا ہے جس میں یہ بیان کیا ہے کہ حضرت علی نے
بایع ابابکر فی اول الامر[۵۳]	شروع ہی میں ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ صحیح اور حق یہی ہے کہ حضرت علی نے شروع ہی میں ابوبکر کے ہاتھ

---

۵۱ قال الامام احمد حدثنا علی بن عباس ثنا الولید بن مسلم اخبرنی یزید بن سعید عن عبد الملک بن عمیر عن رافع الطائی رفیق ابی بکر الصدیق فی غزوۃ ذات السلاسل قالت وسألتہ عما قیل فی بیعتہم فقال وھو یحدثہ عما تقاولت بہ الانصار وما کلمہم بہ وما کلمہم بہ عمر بن الخطاب وما ذکرھم بہ من امامتی ایاھم بامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضہ فبایعونی لذلک وقبلتہا منہم وتخوفت ان تکون فتنۃ بعد ھاردۃ وھذا اسناد جید قوی ومعنی ھذا انہ رضی اللہ عنہ انما قبل الامامۃ تخوفات تقع فتنۃ اربی من ترکہ قبولہا رضی اللہ عنہ ماوارضاہ کذا فی البدایۃ والنہایۃ ص ۲۴۷ ج ۵

اور ایک روایت میں ہے۔ فقال رای ابوبکر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبض والناس حدیث عہد بکفر فخفت علیہم ان یرتدوا وان یختلفوا فدخلت فیہا وانا کارہ ولم یزل بی اصحابی فلم یزل تعذر حتی عذرتہ رواہ ابن راھویہ والعدنی والبغوی وابن خزیمۃ کذا فی کنز العمال ص ۱۳۵ ج ۳

۵۲ - ازالۃ الخفا۔ ج: ۲، ص: ۲۷، سیرت حلبیہ، ج: ۳، ص: ۳۶۰

۵۳ - فتح الباری۔ ج: ۷، ص: ۳۷۹

پر بیعت کرلی تھی، حضرت علی کسی وقت بھی صدیق اکبر سے جدا نہیں ہوئے تمام نمازیں ابوبکر ہی کے پیچھے پڑھتے تھے [۱]

نیز ابوسعید خدریؓ کے علاوہ دیگر صحابہ سے بھی منقول ہے کہ حضرت علی نے شروع ہی میں ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کی جس کو حاکم کے علاوہ ابوداؤد طیالسی اور ابن سعد اور ابن ابی شیبہ اور ابن جریر اور بیہقی اور ابن عساکر نے روایت کیا ہے [۲]

اور صحیح بخاری میں عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ حضرت علی نے چھ ماہ بعد جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوگیا تب ابوبکر صدیق اکبر کے ہاتھ پر بیعت کی بعض علماء نے بخاری کی روایت کو ترجیح دی ہے اور امام بیہقی نے ابن حبان کی روایت کو ترجیح دی ہے اور بعض علماء نے دونوں روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ حضرت علی نے ایک بیعت تو شروع ہی میں کرلی تھی لیکن جب بعد میں فدک کا واقعہ پیش آیا اور کشیدگی اور ملال کی نوبت آئی اور پھر حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی علالت کی وجہ سے حضرت علی کا حضرت ابوبکر کے پاس آنا جانا بھی کم ہوگیا تو لوگوں کو یہ وہم ہوگیا کہ حضرت علی صدیق اکبر کی خلافت سے راضی نہیں تو اس وہم کے دور کرنے کے لئے حضرت علی نے مجمع عام میں دوبارہ بیعت کی تو یہ دوسری بیعت درحقیقت پہلی بیعت کی تجدید تھی [۳]

صحیح بخاری میں عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہرا کی وفات کے بعد حضرت علی نے حضرت ابوبکر کے پاس پیغام بھیجا کہ میرے گھر تشریف لائیں لیکن کوئی دوسرا شخص آپ کے ہمراہ نہ ہو۔ (اشارہ حضرت عمر کی طرف تھا کہ وہ سخت ہیں اور ابوبکر نرم ہیں) حضرت عمر نے سنا تو کہا کہ خدا کی قسم آپ تنہا نہ جائیں۔ ابوبکر صدیق نے کہا خدا کی قسم میں ضرور جاؤں گا، مجھے یہ توقع نہیں کہ وہ میرے ساتھ کچھ کریں گے، چنانچہ حضرت ابوبکر تشریف لے گئے تو حضرت علی نے حمد و ثنا کے بعد کہا:

انا قد عرفنا فضلک وما اعطاک اللہ ونم تنفس — اے ابوبکر ہم آپ کے فضل اور شرف کو خوب جانتے اور پہچانتے

---

[۱] البدایۃ والنہایۃ، ج: ۵، ص: ۲۴۹ - [۲] کنز العمال، ج: ۳، ص: ۱۴۱

[۳] فتح الباری، ج: ۷، ص: ۳۷۹ -

عليك خيرا ساقه الله اليك ولكنك استبددت [٥٣]
علينا بالامر وكنا نرى لقرابتنا من
رسول الله صلى الله عليه وسلم نصيبا
حتى فاضت عينا ابي بكر فلما تكلم ابوبكر
قال والذي نفسي بيده لقرابة رسول
الله صلى الله عليه وسلم احب الي ان اصل
قرابتي واما الذي شجر بيني وبينكم من
هذه الاموال فلم آل فيها عن الخير
ولم اترك امرا رأيت رسول الله صلى الله
عليه وسلم يصنعه فيها الا صنعته فقال
علي لابي بكر موعدك العشية للبيعة فلما
صلى ابوبكر الظهر رقي المنبر فتشهد و
ذكر شأن علي وتخلفه عن البيعة وعذره
بالذي اعتذر اليه ثم استغفر وتشهد
علي فعظم حق ابي بكر وحدث انه لم
يحمله على الذي صنع نفاسة على ابي بكر ولا

ہیں اللہ جو خیر اور عزت یعنی خلافت اللہ تعالیٰ آپ کی
طرف کشاں کشاں لایا ہے ہمیں اس پر ذرہ برابر رشک
اور حسد نہیں لیکن ہمیں شکوہ اس کا ہے کہ خلافت کا
معاملہ ہم سے بغیر مشورہ کئے اکیلے ہی طے کر لیا اور
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کی وجہ سے
مشورہ میں ہمارا بھی حق ہے حضرت علی اسی قسم کے
گلے اور شکوے کی باتیں کرتے رہے یہاں تک ابوبکر
صدیق کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے ابوبکر صدیق
بولے قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری
جان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابتوں کی
پاس داری مجھے اپنی قرابتوں کی پاس داری سے کہیں
زیادہ محبوب ہے اور ان اموال فدک و بنی نضیر کے
بارہ میں باہم جو اختلاف پیش آیا سو ان میں میں نے
خیر اور بہتری میں کوئی کمی نہیں کی اور رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے طریقہ کو ترک نہیں کیا جس طرح آپ ان اموال
کا انتظام کرتے تھے اسی طرح میں نے بھی کیا حضرت علی

---

[٥٣] قوله ولكنك استبددت بالامر قال المازري ولعل عليا اشار الى ان ابابكر استبد عليه بامور عظام كان مثله عليه ان يحضره فيها ويشاوره او انه اشار الى انه لم يستشر في عقد الخلافة له اولا والعذر لابي بكر انه خشي من التاخر عن البيعة الاختلاف لما كان وقع من الانصار كما تقدم في حديث السقيفة فلم ينتظره - فتح الباري ص ٣٧٩ ج ٧

---

٥١ - البداية والنهاية، ج: ٥، ص: ٢٤٩ ٥٢ كنز العمال، ج: ٣، ص: ١٣١
٥٣ - فتح الباري، ج: ٧، ص: ٣٧٩

انكار للذى فضله الله به ولكنا كنا نرى لنا فى هذا الامر نصيبا فاستبد علينا فوجدنا فى انفسنا فسر بذلك المسلمون وقالوا اصبت۔ [۵]

نے صدیق اکبر سے کہا کہ میرا آپ سے یہ وعدہ ہے کہ زوال کے بعد بیعت کے لئے حاضر ہوں گا، ابوبکر صدیق ظہر کی نماز سے فارغ ہوکر منبر پر چڑھے اور خدا کی حمد و ثنا کی اور اس کے بعد حضرت علی کی شان کو اور ان کی بیعت نہ کرنے کو اور ان کی تاخیر کے عذر کو بیان فرمایا اور استغفار کے بعد منبر سے اُتر آئے ان کے بعد حضرت علی نے اللہ کی حمد و ثنا کی اور پھر حضرت ابوبکر کے فضائل اور حقوق بیان کیے اور ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کی اور یہ کہا کہ مجھ سے جو کچھ تاخیر ہوئی اس کی وجہ معاذ اللہ یہ نہ تھی کہ مجھے صدیق اکبر کی خلافت پر کچھ رشک تھا اور نہ یہ وجہ تھی کہ مجھے اُن کی فضیلت اور برتری سے کوئی انکار تھا بلکہ صرف اتنی بات تھی کہ اس معاملہ میں ہمارا بھی کچھ حق تھا کہ ہم سے کچھ رائے لیتے لیکن ابوبکر نے استبداد سے کام لیا اور ہمارے بلا مشورہ یہ معاملہ طے کر لیا۔ اس لئے ہم اپنے دل میں رنجیدہ ہوئے مسلمان حضرت علی کی یہ گفتگو سن کر خوش ہو گئے اور سب نے اصبت اور احسنت کہا۔

ان تمام روایات سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حضرت علی کو صدیق اکبر کی افضلیت اور اہلیت خلافت میں ذرہ برابر شک نہ تھا اور نہ ذرہ برابر خلافت صدیقی پر کوئی حسد یا رشک تھا اور بصد رضا و رغبت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی اور جو شکوہ و شکایت تھی وہ بنا بر محبت تھی۔ غیروں سے شکایت نہیں ہوتی، بلکہ اس روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کا دل حضرت ابوبکر کی محبت سے لبریز تھا اور اُن کی افضلیت میں کوئی شک و شبہ نہ تھا، بیعت سے علحدگی کا سبب معاذ اللہ کوئی رشک و حسد نہ تھا بلکہ ایک محبانہ و مخلصانہ شکوہ تھا اور بطور ناز تھا، حقیقت اس کی کچھ نہ تھی۔ ابوبکر صدیق سقیفہ میں اپنی بیعت لینے نہیں گئے تھے بلکہ مہاجرین و انصار کے باہمی نزاع کو رفع کرنے گئے اور وہاں جانے کے بعد خود اپنی بیعت کی درخواست نہیں کی۔ بلکہ حاضرین نے بالاتفاق خود ان کے

---

۵ - فتح الباری - ج ۷، ص: ۳۷۸

ہاتھ پر بیعت کی ایسی حالت میں اگر بیعت نہ لیتے تو فتنہ اور فساد کا اندیشہ تھا اور خطرہ تھا کہ بات اختیار سے باہر نہ ہو جائے، ایسے نازک اور ناگہانی حالت میں یہ کہنا کہ فلانے کو نہیں بلایا اور فلانے سے مشورہ نہیں کیا مناسب نہیں صدیق اکبر نے حضرت علی کو جب یہ باتیں بتلائیں سارا گلہ اور شکوہ دم کے دم میں دور ہو گیا اور دل و جان سے ابو بکر سے بیعت کی۔

علامہ حلبی سیرت حلبیہ میں فرماتے ہیں کہ جب مہاجرین اور انصار جمع ہو گئے تو صدیق اکبر نے حضرت علی کو بلانے کے لئے آدمی بھیجا جب حضرت علی آگئے تو یہ فرمایا:

ماخلفك يا علي من امر الناس قال	اے علی تم کو اس بیعت کے معاملہ سے کسی چیز نے مؤخر
خلفني عظيم المعتبة ورأيتكم استقليتم	رکھا حضرت علی نے کہا ایک بڑے شکوہ اور رنج نے
برأيكم فاعتذر اليه ابوبكر رضى الله عنه	ہم کو مؤخر رکھا کہ تم نے ہم سے بغیر مشورہ کئے یہ معاملہ
بخوف الفتنة لو اخر ثم اشرف على	طے کر لیا۔ ابو بکر صدیق نے معذرت کی کہ وہ وقت نہایت
الناس وقال ايها الناس هذا على بن	پریشانی اور اضطراب کا تھا اگر اس امر کو ملتوی رکھا
ابي طالب لا بيعة لى فى عنقه وهو بالخيار	جاتا تو اندیشہ فتنہ کا تھا اور پھر صدیق اکبر لوگوں کی
من امره الا وانتم بالخيار جميعا فى	طرف متوجہ ہوئے اور کہا اے لوگو یہ علی بن ابی
بيعتكم فان رأيتم لها غيرى فانا اول	طالب تمہارے سامنے ہیں ابھی تک میری بیعت کا
من يبايعه فلما سمع ذلك على كرم الله	قلادہ اُن کی گردن میں نہیں اُن کو پورا اختیار ہے
وجهه زال ما كان قد داخله فقال اجل	کہ چاہے میرے ہاتھ پر بیعت کریں یا نہ کریں اور اے
لا نرى لها غيرك امدد يدك فبايعه	مسلمانو تم اگرچہ میرے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہو لیکن تم
هو والنفر الذين كانوا معه الخ	کو بھی پورا اختیار ہے کہ اپنی بیعت کو واپس لے لو
لہ	اور اگر میرے سوا کسی اور کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے

ہو تو تم کو اختیار ہے جس کو چاہو دوبارہ اپنا امیر بنا لو۔ اس دوسرے امیر کے ہاتھ پر سب سے

لہ۔ سیرۃ حلبیہ۔ ج: ۳، ص: ۳۶۰

پہلے بیعت کرنے والا میں ہوں گا۔ صدیق اکبر کا یہ کلام سنتے ہی حضرت علی کے تمام شکوے اور شکایات یکلخت دل سے دُور ہو گئے اور یہ کہا کہ ابوبکر ہم تم سے زیادہ کسی خلافت کا اہل نہیں سمجھتے۔ اپنا ہاتھ بڑھاؤ حضرت علی نے اور اُن کے ساتھ جتنے لوگ تھے سب نے صدیق اکبر کے ہاتھ پر بیعت کی۔

سعد بن عبادہؓ کی بیعت

سقیفۂ بنی ساعدہ میں سب لوگوں نے ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کی مگر سعد بن عبادہ نے بیعت سے انکار کر دیا اور گھر چلے گئے کچھ روز تک صدیق اکبر نے اُن سے کوئی تعرض نہیں کیا حضرت عمر نے کہا کہ سعد سے ضرور بیعت لینی چاہیئے۔ بشیر بن سعد نے کہا تن تنہا آدمی ہے اس سے درگزر کرو اور ان کی حالت پر رہنے دو ایک دفعہ انکار کر چکے ہیں دوبارہ چھیڑنے سے اندیشہ ہے کہ اُن کا کنبہ اور قبیلہ اُن کی حمایت کے لئے کھڑا ہو جائے اور کشت و خون کی نوبت آ جائے۔ سب نے اس رائے کو پسند کیا۔ مگر سعد اس واقعہ کے بعد نہ تو ابوبکر کے ساتھ نمازوں میں شریک ہوتے تھے (کسی اور مسجد میں نماز پڑھتے ہوں گے) اور نہ اُن سے بات کرتے تھے یہاں تک کہ ابوبکر کا انتقال ہو گیا۔ ابوبکر کے انتقال کے بعد سعد شام چلے گئے اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ امام طبری فرماتے ہیں کہ سعد نے بھی تھوڑی دیر کے بعد اسی دن ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی واللہ اعلم۔

صدیق اکبر کا خلافت سے دستبرداری کا ارادہ

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فتنہ اور اختلاف کے اندیشہ سے اور پھر لوگوں کے اصرار سے خلافت کو قبول تو فرما لیا مگر دل پر صدمہ گزرا کہ تو نے اس بار امانت یعنی خلافت کو کیوں اپنے سر رکھا اور رنجیدہ اور غمگین اپنے گھر میں بیٹھ گئے فاروق اعظمؓ جب صدیق اکبر کے پاس گئے تو صدیق اکبر

عله روایت کے اصل الفاظ یہ ہیں عن موسی بن ابراھیم عن رجل من آل ربیعۃ انہ بلغہ ان ابابکر حین استخلف قعد فی بیتہ حزینا فدخل علیہ عمر فاقبل علیہ یلومہ و قال انت الذی کلفتنی ھذا الامر وشکا الیہ الحکم بین الناس فقال لہ عمر اوما علمت ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال ان الوالی اذا اجتھد (باقی اگلے صفحہ پر)

نے فاروق اعظم کو بہت ملامت کی اور شکوہ و شکایت کی کہ تو نے مجھکو اس بلا میں پھنسایا۔ لوگوں میں فیصلہ کرنا بہت دشوار ہے۔ فاروق اعظم نے تسلی دی اور کہا کہ کیا تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد معلوم نہیں۔ کہ والی اور حاکم اگر اجتہاد کرے اور صواب کو پہنچے تو اس کے لئے اس فیصلہ میں دو اجر ہیں اور اگر اجتہاد میں خطا واقع ہو جائے تو اس لئے ایک اجر ہے یہ سن کر صدیق اکبر کا بوجھ کچھ ہلکا ہوا۔ ابن راہویہ وخثیمۃ فی فضائل الصحابۃ ھب [1]

ایک روایت میں ہے کہ بیعت کے بعد صدیق اکبر تین دن تک دروازہ بند کیے گھر میں بیٹھے رہے، جب مسجد میں تشریف لاتے تو منبر نبوی پر کھڑے ہو کر فرماتے ہیں۔

ایہا الناس قد اقلتکم بیعتکم فبایعوا من احببتم کل ذلک یقوم الیہ علی بن ابی طالب فیقول لا واللہ لا نقیلک ولا نستقیلک من ذا الذی یؤخرک وقد قدمک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [2]

اے لوگو، میں تمھاری بیعت واپس کرتا ہوں جس سے چاہے بیعت کر لو۔ بار بار کہتے ہر بار حضرت علی کھڑے ہوتے اور یہ جواب دیتے خدا کی قسم یہ ہرگز نہیں ہو سکتا ہم نہ آپ کو واپس کریں گے اور نہ آپ سے واپس لیں گے، کون ہے جو آپ کو پیچھے ہٹائے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو آگے کیا۔

حکایت

عن یحیی بن سعید عن القاسم بن محمد قال توفی رسول اللہ صلی اللہ

یحیی بن سعید قاسم بن محمد سے رلاوی ہیں کہ جب نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی وفات ہوئی تو عمرو بن العاص

(بقیہ پچھلے صفحہ کا) فاصاب الحق فلہ اجران وان اجتہد فاخطأ الحق فلہ اجر واحد فکانہ سہل علی ابی بکر۔ ابن راھویہ وخیثمۃ فی فضائل الصحابہ ھب۔ کنز العمال ص۱۳۵ ج ۳ کتاب الخلافۃ

[1] کنز العمال۔ ج ۳۔ ص۔ ۱۳۵ [2] کنز العمال۔ ج ۳، ص: ۱۴۰

عليه وسلم وعمرو بن العاص بعمان او بالبحرين فبلغتهم وفاة رسول الله صلى الله عليه وسلم واجتماع الناس على ابى بكر فقال له اهلها ارضى من هذا الذى اجتمع الناس عليه ابن صاحبكم قال لا قالوا فاخوه قال لا قالوا فاقرب الناس اليه قال لا قالوا فما شأنه قال اختاروا خيرهم فامّروه فقالوا لن يزالوا بخير ما فعلوا هذا (ابن جرير) [1]

اس وقت عمان یا بحرین میں تھے، جب وہاں یہ خبر پہنچی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور لوگوں کے اتفاق سے ابوبکر خلیفہ ہو گئے تو وہاں کے باشندوں نے عمرو بن العاص سے پوچھا کہ جس شخص کی خلافت پر لوگ متفق ہوئے یہ کون شخص ہے کیا یہ شخص تمھارے نبی کا بیٹا ہے عمرو بن العاص نے کہا نہیں لوگوں نے کہا کہ کیا پھر ان کا بھائی ہے عمرو بن العاص نے کہا کہ یہ آپ کا بھائی بھی نہیں لوگوں نے کہا کہ کیا پھر یہ شخص تمھارے نبی کا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہے عمرو بن العاص نے کہا نہیں لوگوں نے کہا کہ پھر یہ کون شخص ہے کہ جس کو لوگوں نے متفقہ طور پر اپنا امیر بنایا عمرو بن العاص نے کہا کہ جو شخص سب میں افضل اور بہتر تھا لوگوں نے اس کو منتخب کیا اور اس کو اپنا امیر بنا لیا تو وہاں کے لوگوں نے کہا کہ یہ لوگ ہمیشہ خیر میں رہیں جب تک ایسا کرتے رہیں گے۔

خلفاء راشدین کے بارہ میں جو لوگ تعصب رکھتے ہیں اُن کے بارے میں شیخ فریدالدین عطار قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں۔

اے گرفتار تعصب ماندہ	دائما در بغض و در حب ماندہ
در خلافت نیست میل اے بیخبر	میل کے آید ز بوبکر و عمر
میل گر بودے دران دو مقتدا	ہر دو کردندے پسر را پیشوا
کے روا داری کہ اصحاب رسول	مرد نا حق را کنند از جان قبول

[1] کنز العمال، ج ۳، ص: ۱۳۶

بانشانندش بجائے مصطفےٰ | بر صحابہ نیست این باطل روا
اعتبار جملہ شان گر نیست راست | اعتبار جمع قرآن بس خطا است
بلکہ ہرچہ اصحاب پیغمبر کنند | حق کنند و لائق حق در کنند
گر خلافت از ہوائی راندمی | خویش را بر سلطنت بنشاندمی

حکایت

چوں عمر پیش اویس آمد بجوش | گفت افگندم خلافت را ز دوش
ایں خلافت گر خریدارے بود | می فروشم گر بدینارے بود
چوں اویس ایں حرف بشنود از عمر | گفت تو بگذار و فارغ در گذر
تو بیفگن ہر کہ می خواہد ز راہ | باز بر گیرد در دو تا بیش گاہ
چوں خلافت خواست افگندن امیر | آں زماں برخاست از یاران نفیر
جملہ گفتندش مکن اے پیشوا | خلق را سرگشتہ از بہر خدا
عہدۂ در گردنت صدیق کرد | آں نہ بر عمیا کہ بر تحقیق کرد
گر تو می پیچی سر از فرمان او | ایں زماں از تو برنجد جان او
چوں شنود ایں حجت محکم عمر | کار از یں حجت بروشد سخت تر
از زبان تو صحابہ خستہ اند | در زبان بت پرستان رستہ اند
در فضولی می کنی دیوان سیاہ | گوئے بردی گر زبان داری نگاہ [۵ل]

(۹) مسئلہ وصایت

تمام مہاجرین اور انصار کے اتفاق سے صدیق اکبر کا خلیفہ بنانا یہ اس امر کی دلیل ہے

۵ل۔ منطق الطیر۔ ص: ۲۸ ۔ ۳۱

کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے کسی شخص کے لئے خلافت کی وصیت نہیں فرمائی تھی کہ فلاں شخص میرے بعد خلیفہ ہوگا اور نہ صراحۃً کسی شخص کو خلافت کے لئے نامزد فرمایا تھا نہ ابوبکر کو اور نہ علی کو البتہ صدیق اکبر کی خلافت کے متعلق اشارات فرمائے اور تمام زندگی ابوبکر کے ساتھ وہ معاملہ رکھا جو بادشاہ کا ولیعہد کے ساتھ ہوتا ہے۔

حضرات شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے وصی اور خلیفہ تھے صحیحین میں ہے کہ حضرت عائشہ سامنے یہ ذکر کیا گیا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت علی کو اپنا وصی بنایا تھا، حضرت عائشہ نے کہا کون کہتا ہے۔ آخر وقت میں میں آپ کو اپنے سینہ سے لگائے بیٹھی تھی، اسی حالت میں آپ کا وصال ہوگیا مجھے معلوم نہیں کہ آپ نے حضرت علی کے متعلق کب وصیّت کی۔

(۱) صحیحین میں ہے کہ جب فاروق اعظم کے خنجر مارا گیا اور لوگ آپ کی زندگی سے ناامید ہوئے تو عرض کیا گیا۔

الا تستخلف یا امیر المؤمنین فقال ان استخلف فقد استخلف من ھو خیر منی یعنی ابابکر و ان اترك فقد ترك من ھو خیر منی یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم۔

اے امیر المؤمنین آپ کسی شخص کو اپنا خلیفہ کیوں نہیں بنا دیتے فرمایا کہ اگر میں کسی کو خلیفہ بنا دوں تو اس میں کوئی حرج نہیں صدیق اکبر جو مجھ سے بہتر تھے انھوں نے وفات کے وقت اپنا خلیفہ مقرر کر دیا تھا اور اگر میں کسی کو خلیفہ مقرر کر دیا تھا اور اگر میں کسی کو خلیفہ نہ بناؤں تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں اس لئے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے بھی کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا تھا۔

(۲) حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مرض الوفات میں عرض کیا گیا۔

الا تستخلف علینا فقال ما استخلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فاستخلف و لکن ان یرد اللہ بالناس

اے امیر المؤمنین آپ ہم پر کسی کو خلیفہ کیوں نہیں بنا دیتے۔ حضرت علی نے کہا کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا پس میں کیوں خلیفہ

خیر افسیجمعھم بعدی علی خیرھم	بناؤں لیکن اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ لوگوں کے ساتھ
کما جمعھم بعد نبیھم علی خیرھم	خیر کا ہو گا تو میرے بعد لوگوں کو کسی بہتر آدمی پر
اخرجہ البیھقی واسنادہ جید	متفق اور مجتمع کر دے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی

کریم کی وفات کے بعد لوگوں کو ایک بہترین خلق یعنی ابوبکر پر متفق اور جمع کر دیا۔ اس حدیث کو امام بیہقی نے روایت کیا اور اسناد اس کی نہایت جید ہے۔

(۳) صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عباس نے حضرت علی سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات میں کہا کہ تم خدا کی قسم تین روز کے بعد عبد العصا (لاٹھی کے غلام) ہو گئے یعنی آپ کی وفات قریب ہے لہٰذا تم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لو کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہو گا حضرت علی نے کہا:

انی لا اسألہ ذلک	تحقیق میں اس بارے میں آپ سے کچھ دریافت نہیں کروں گا

(۴) سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ راوی ہیں کہ حضرت علی نے ایک مرتبہ خطبہ دیا۔

یا ایھا الناس ان رسول اللہ صلی اللہ	اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں امارت
علیہ وسلم لم یعھد الینا فی ھذہ الا	اور خلافت کے بارے میں کوئی وصیت نہیں فرمائی
مارۃ شیئا حتی رأینا من الرأی ان نستخلف	آپ کی وفات کے بعد سب کی متفقہ رائے سے ابوبکر
ابابکر فاقام واستقام حتی مضی لسبیلہ	خلیفہ مقرر ہوئے اور خلافت کا کام نہایت عمدگی سے
ثم ان ابابکر رای من الرأی ان یستخلف	انجام دیا یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہوئے پھر ابوبکر
عمر فاقام واستقام حتی مضی لسبیلہ	نے اپنی رائے سے عمر کو خلیفہ مقرر کیا انہوں نے نہایت خوبی
ھذا کلہ من البدایۃ والنہایۃ	سے خلافت کا کام انجام دیا یہاں تک دنیا سے رخصت ہوئے

(۵) صحیحین میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خطبہ دیا اور یہ فرمایا کہ جو شخص یہ گمان کرے کہ ہمارے پاس سوائے کتاب اللہ کے اور اس صحیفہ کے جس میں دیات وغیرہ کے احکام ہیں۔ کوئی اور کتاب اور کوئی وصیت نامہ ہے تو وہ بالکل جھوٹ بولتا ہے۔

حضرات شیعہ کہتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کی خلافت کی وصیت کی تھی۔

اہل سنت کہتے ہیں کہ اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو خلافت کے لئے نامزد کیا ہوتا تو ناممکن اور محال تھا کہ اصحابہ کرام اس پر عمل نہ کرتے صحابہ کرام جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے لئے جان و مال خویش و اقارب سب قربان کر دیئے ان کی نسبت یہ بدگمانی کہ انھوں نے دیدۂ ودانستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کو رد کر دیا۔ یہ قرآن کریم کی صریح تکذیب ہے جو صحابہ کرام کی توصیف سے بھرا پڑا ہے۔ نیز اگر حضرت علی یا حضرت عباس وغیرہ کسی کی خلافت کے متعلق کوئی نص یا وصیت ہوتی تو وہ قطعاً متواتر ہوتی اس کا چھپا رہنا عادۃً محال تھا ضرور وہ نص مجلس میں پیش ہوتی، جیسے ابو بکر صدیق نے انصار کے سامنے جب حدیث پیش کی الائمۃ من قریش تو انصار نے فوراً اس کی اطاعت کی اور اپنی امارت کے خیال کو چھوڑ دیا۔ نیز اگر خلافت کے بارے میں کوئی نص ہوتی تو کوئی نہ کوئی تو اس مجلس میں یہ کہتا کہ تم لوگ کیوں اس قدر لڑ رہے ہو۔ حضور پُر نور نے تو فلاں شخص کو امامت اور خلافت کے لئے معین اور نامزد کر دیا ہے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم اگر سوائے ابو بکر کے کسی اور کو مثلاً حضرت علی یا حضرت عباس کو مقرر کر جاتے تو یہ ناممکن تھا کہ صحابہ میں سے کوئی بھی اس کو ظاہر نہ کرتا سقیفۂ بنی ساعدہ کا اجتماع۔ خلیفہ ہی کی تعیین کے لئے تو تھا وہاں اس لئے جمع ہوئے تھے۔ اگر خلافت کے بارے میں کوئی نص ہوتی تو انصار منا امیر ومنکم امیر نہ کہتے اور نہ سقیفہ میں کسی زبان سے یہ نکلا کہ حضور پُر نور غدیر خم کے خطبہ میں من کنت مولاہ علی مولاہ سے حضرت علی کی خلافت کی طرف اشارہ فرما چکے ہیں اب اس بحث کی ضرورت نہیں۔ نیز اگر حضرت علی کے پاس اپنی خلافت کی کوئی نص یا وصیت موجود ہوتی تو صحابۂ کرام کے سامنے اس کو ضرور پیش کرتے اور اگر نہ مانتے تو ابو بکر و عمر سے جہاد و قتال کرتے جیسے حضرت معاویہ سے قتال کیا خصوصاً جبکہ ابو سفیان نے حضرت علی سے یہ کہا کہ تم بیعت کے لئے ہاتھ بڑھاؤ میں تمھارے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں اور اگر تم چاہو تو ابو بکر کے مقابلہ میں تمام میدان سواروں اور پیادوں سے لاکر بھر دوں۔

حضرت علی نے نہایت سختی سے جواب دیا کہ جاؤ مجھے تمھاری نصیحت کی ضرورت نہیں تم مسلمانوں

میں فتنہ اور فساد کرنا چاہتے ہو

معلوم ہوا کہ حضرت علی کے پاس کوئی نص یا وصیت موجود نہ تھی اور وہ دل وجان سے صدیق اکبر کی خلافت کو خلافت حقہ اور راشدہ سمجھتے تھے اور اُن کی خلافت کے خلاف لب کشائی کو فتنہ اور فساد سمجھتے تھے۔

حضرت علی کے نزدیک اگر صدیق اکبر کی خلافت حق نہ ہوتی تو ضرور ابوبکر سے مقابلہ اور مقاتلہ کرتے جیسے حضرت معاویہ سے کیا اس لیے کہ اسد اللہ الغالب ہونے کے بعد اعداء اللہ سے مقابلہ نہ کرنا غایت درجہ بزدلی اور ایمان کی کمزوری ہے پس حضرت علی کا یہ سکوت اگر بوجہ لاچاری اور مجبوری تھا تو لاچار اور مجبور آدمی لائق امارت و خلافت نہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت علی نے باوجود قدرت کے اپنی خلافت کی نص یا وصیت کو بنا بر تقیہ ظاہر نہیں کیا تو یہ بزدلی بھی ہے اور نفاق بھی ہے اور بزدل اور منافق خلیفہ نہیں ہوسکتا ؎

حضرات شیعہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی کا خلفاء ثلاثہ کے ساتھ رہنا اور مسجد میں اُن کے پیچھے نمازیں پڑھنا اور انہی کے مطابق قرآن پڑھنا اور کسی بات میں سرمو اُن کے خلاف نہ کرنا یہ سب بنابر تقیہ تھا لیکن اشکال اور سوال یہ ہے کہ حضرت علی جب اپنے زمانہ خلافت میں خطبے دیتے تھے تو خلفاء ثلاثہ کے فضائل اور مناقب بیان کیا کرتے تھے سو اگر یہ بھی تقیہ سے تھا تو ہم یہ پوچھتے ہیں کہ امیر المومنین علی کیسے شیر خدا تھے کہ خلفاء ثلاثہ کے انتقال کے بعد بھی اُن سے ڈرتے تھے اور ڈر کر اُن کی تعریف کرتے تھے افسوس کہ شیر خدا ہو کر مُردوں سے ڈرے اور خلیفہ اور بادشاہ ہونے کے بعد بھی انہی کے موافق احکام جاری کرے معاذ اللہ حضرت علی ایسے بزدل اور نامرد نہ تھے جیسے حضرات شیعہ کہتے ہیں۔

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت علی حقیقۃً شیر خدا تھے اور ان کا ظاہر و باطن یکساں تھا حضرات شیعہ کہتے ہیں کہ ان کا ظاہر و باطن مختلف تھا، بندہ تو ظاہر کو دیکھتا ہے دل کی خبر اللہ کو ہے، حضرت علی جب ظاہر میں برسر منبر خلفاء ثلاثہ کی تعریف فرماتے تو مسلمانوں کے ذمہ یہ فرض

؎ البدایۃ والنہایۃ۔ ج: ۵، ص: ۲۵۲۔

ہے کہ حضرت علی کو صادق اور راستباز سمجھیں، شیعوں کے نزدیک حضرت علی معصوم تھے اور معصوم کی اطاعت فرض ہے اور اس کی نافرمانی فسق ہے نیز اس امر مسلمات فریقین سے ہے کہ حضرت علی رضؓ صدیق اکبر کے ابتدار خلافت سے لے کر انتہا تک اور اسی طرح عہد فاروقی اور عہد عثمانی میں از اول تا آخر تا امور مہمہ میں خلفار ثلاثہ کے مشیر خاص اور شریک حال رہے اور جس قدر لڑائیاں ہوئیں ان میں ان کا مشورہ شامل رہا اور مالِ غنیمت میں سے اپنا حصہ لیتے رہے اور نمازوں میں اُن کی اقتدار کرتے رہے اور مسائل دینیہ میں اُن کے ہم نوا اور ہم صفیر رہے یہ سب اس امر کی واضح دلیل ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلفار ثلاثہ کی خلافت کو دل سے حق سمجھتے تھے اور حیدر کرار صاحب ذوالفقار کے اس پچیس سالہ عمل کو تقیہ پر محمول کرنا، شیعہ ہی اس کی جرأت کر سکتے ہیں، ہم اہلِ سنّت والجماعت کا عقیدہ تو یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے غلامانِ غلامانِ غلامان کی شان بھی اس سے اعلیٰ اور ارفع ہے کہ ہم دل سے جن کو کافر و منافق و غاصب و خائن سمجھتے ہوں ظاہراً اُن سے یہ محبانہ اور دوستانہ معاملہ کریں اور ان کے پیچھے نمازیں ادا کریں اور انہی کا لکھا ہوا قرآن پڑھتے رہیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

رہا یہ امر کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے کسی کو امارت اور خلافت کے لیے کیوں نہ مقرر فرما دیا۔ سو اس کا۔

جواب

یہ ہے کہ حضور پر نور کے ذمہ امیر اور خلیفہ کی تعیین اور نامزدگی واجب نہ تھی یہ مسئلہ آپ نے مسلمانوں کے اجتہاد اور مشورہ پر چھوڑ دیا کہ اپنی صواب دید سے کسی کو اپنا امیر منتخب کر لیں اور اشارۃً اپنا منشار مبارک اس طرح ظاہر فرما دیا کہ ابو بکر کو اپنی جگہ نماز کا امام مقرر کیا، یہ خلافت کی جانب اشارہ تھا اور جب آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ میرا یہ اشارہ صحابہ کے لیے کافی ہو گا۔ اس لیے ابو بکر کے لیے جو وصیت نامہ تحریر کرانا چاہتے تھے اس کا ارادہ بھی ترک کر دیا کہ اب اس کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ قضار وقدر میں یہ طے پا چکا ہے کہ مسلمان سوائے ابو بکر کسی پر متفق نہ ہوں گے۔

علامہ سیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں کہ حضور پُرنور نے جو کسی کو خلیفہ مقرر نہیں فرمایا اس کی وجہ وہ ہے کہ جو سند بزار کی ایک حدیث میں مذکور ہے۔

عن حذیفۃ قال قالوا یا رسول اللہ الا استخلف علینا قال ان استخلف علیکم فتعصوا خلیفتی ینزل علیکم العذاب واخرجہ الحاکم فی المستدرک

حذیفہ راوی ہے کہ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ہم پر کوئی امیر اور خلیفہ کیوں نہ مقرر کر جائیں۔ آپ نے فرمایا اگر میں کسی کو خلیفہ مقرر کردوں اور پھر تم اس کی نافرمانی کرو تو تم پر اللہ عذاب نازل ہوگا اور اس حدیث کو حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے۔

(۱۰) مسئلہ خلافت میں اہل سنت اور اہل تشیع کے منشاء اختلاف کی مختصر تشریح

اہل سنت اور اہل تشیع میں سب سے بڑا اختلافی مسئلہ مسئلہ خلافت ہے اس لئے ہم نہایت اختصار کے ساتھ یہ تبلانا چاہتے کہ منشاء خلاف کیا ہے۔ وہ یہ کہ شیعوں کے نزدیک خلافت کا دارومدار قرابت اور علاقہ مصاہرت (دامادی) پر ہے اس لئے شیعوں کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت جناب امیر کو ملنی چاہیئے تھی کہ وہ آپ کے قریبی رشتہ دار تھے اور داماد بھی تھے اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ خلافت نبوی کا دارومدار تقرب پر ہے نہ کہ قرابت (رشتہ داری) پر جو شخص سب سے زیادہ خدا اور اس کے رسول کا مقرب ہوگا۔ وہ شخص خلیفہ رسول اور جانشین نبی ہوگا۔ خلافت نبوت کو قرابت اور مصاہرت یعنی رشتہ داری سے کیا علاقہ خلافت کا دارومدار اگر قرابت نسبی پر ہوتا تو آپ کے بعد خلیفہ یا تو آپ کے چچا حضرت عباس ہوتے یا آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراء ہوتیں بلکہ حضرت فاطمہ ہوتیں اور کوئی مردان کی طرف سے کار خلافت کو انجام دیتا جیسا کہ دنیا کا دستور ہے اور حضرت فاطمہ کے بعد امام حسن خلیفہ دوم ہوتے اور امام حسن کے بعد امام حسین خلیفہ سوم ہوتے اور امام حسین کے بعد اگر حضرت علی زندہ

رہتے تو پھر حضرت علی خلیفۂ چہارم ہوتے، غرضیکہ اگر خلافت کا مدار قرابت پر ہو تو شیعوں کے اس قاعدہ کی بناپر بھی حضرت علی خلیفۂ چہارم ہی ہوتے ہیں پھر اگر اہل سنت نے حضرت علی کو خلیفۂ چہارم بنایا تو کیا قصور کیا۔ حضرت علی کو جو خلافت ملی وہ مہاجرین اور انصار ہی کی بیعت سے ملی۔ حضرات شیعہ نے تو حضرت علی کو کچھ بھی نہیں دیا اور اگر علاقۂ مصاہرت (دامادی) پر نظر کی جائے تو اس لحاظ سے حضرت عثمان غنی سب سے زیادہ خلافت بلافصل کے مستحق تھے اس لئے کہ حضرت عثمان آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوہرے داماد تھے کہ جن کے عقد میں پیغمبر کی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے آئیں اور اسی وجہ سے وہ اہل اسلام میں ذی النورین کے لقب خاص سے مشہور ہوئے رہا یہ امر کہ حضرت عثمان ذی النورین کے عقد میں جو یکے بعد دیگرے دو صاحبزادیاں آئیں وہ حضور پرنور کے سامنے ہی انتقال کر گئیں سو یہ امر استحقاق خلافت کو زائل نہیں کرتا، اس لئے اس سبب سے ان کو جو شرف خاص حاصل ہوا تھا وہ صرف نکاح سے حاصل ہو چکا تھا۔ بی بی کے زندہ رہنے اور نہ رہنے کو اس میں کوئی دخل نہیں جیسے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد بھی حضرت علی کو شرف دامادی حاصل رہا۔ حضرت علی کا یہ شرف حضرت سیدہ کے وصال سے زائل نہیں ہو گیا۔

رہا یہ امر کہ شیعہ یہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں صاحبزادیاں رقیہ، اُم کلثوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ تھیں بلکہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے پہلے شوہر سے پیدا ہوئی تھیں تو یہ صریح دھوکا اور فریب ہے۔ ان کی کلینی شریف مطبوعۂ لکھنؤ میں صاف لکھا ہوا موجود ہے۔

وتزوج خدیجۃ وھو ابن بضع وعشرین سنۃ فولد لہ منھا قبل مبعثہ القاسم ورقیۃ وزینب وام کلثوم وولد لہ بعد المبعث الطیب والطاھر والفاطمۃ۔ اصول	آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس سال سے زیادہ عمر میں خدیجہ سے نکاح کیا اور قبل بعثت ان کے بطن سے قاسم اور رقیہ اور زینب اور ام کلثوم پیدا ہوئے اور بعد بعثت کے طیب اور طاہر اور فاطمہ پیدا ہوئے۔

کافی کلینی ص۲۷۸ باب ۔ مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم (اصول کافی کلینی ، باب مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم [1])

غرض یہ کہ حضرت فاطمہ کی طرح رقیہ اور ام کلثوم بھی آپ کی صاحبزادیاں تھیں جن میں سے حضرت فاطمہ کی پیدائش بعد بعثت ہوئی اور رقیہ اور ام کلثوم کی پیدائش قبل از بعثت ہوئی اور ولادت کے تقدم اور تاخر کو خلافت میں کوئی دخل نہیں حضرت علی رض کو جو دامادی کا شرف حاصل تھا وہ حضرت سیدہ کے وصال کے بعد بھی باقی رہا حضرت سیدہ کے وصال سے دامادی کا شرف ختم نہیں ہو گیا اسی طرح حضرت عثمان کے دوہرے شرف دامادی کو سمجھو۔

مسئلۂ خلافت میں حضرات شیعہ کی عجیب وغریب خرافات اور مضحکات اور مبکیات ہنسانے والی اور رولانے والی باتیں ہیں ان کو نقل کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے ۔ حضرات شیعہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ دو روز تک اپنے اہل وعیال کو ساتھ لئے ہوئے ایک ایک مہاجر اور انصار کے گھر مدد طلب کرتے ہوئے پھرے کہ دیکھو مجھے پیغمبر خدا نے اپنا خلیفہ بنا دیا تھا ، ان لوگوں نے میری خلافت چھین لی تم میرا حق ولا دو مگر چار شخصوں کے سوا کسی نے مدد کا اقرار نہ کیا آپ نے ناچار ہو کر یہ کہا کہ تم چار شخصوں سے کیا ہوگا ۔ اس قصہ کو اصلی آب وتاب کے ساتھ اگر دیکھنا ہو تو حق الیقین و تذکرۃ الائمہ میں دیکھیے۔

ہم اہل سنت والجماعت غلامان غلامان سیدنا علی رض کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ سارا قصہ فرضی اور بے اصل ہے اور سراسر خلاف عقل ہے ۔ اور حضرت علی جیسے سرخیل اولیاء عالم کی شان ولایت اور شان زہد کے سراسر منافی ہے ۔

متروکات نبوی

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام زندگی درویشانہ اور فقیرانہ تھی دو دو مہینہ تک گھر میں توا

---

[1] ۔ اصول کافی کلینی ، ص : ۲۰۸

نفیں چڑھتا تھا پانی اور کھجور پر گزر تھا، کچے حجروں میں زندگی بسر فرماتے تھے کمبل پوش تھے اور بوریے اور ٹاٹ پر بیٹھتے تھے آپ کے پاس کیا رکھا تھا کہ جو وفات کے بعد وارثوں کے لئے چھوڑ جاتے۔

حضرت عمرو بن حارث جو اُم المؤمنین جویریہ رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے فرماتے ہیں۔

ماترك رسول الله صلى الله عليه وسلم عند موته درهما ولا دينارا ولا عبدا ولا امة ولا شيئا الا بغلته البيضاء وسلاحه وارضا جعلها صدقة ـ صحيح بخاری کتاب الوصایا ۔	آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت نہ کوئی درہم چھوڑا اور نہ دینا ما اور نہ غلام اور نہ باندی نہ اور کوئی شئی مگر ایک سفید خچر اور ہتھیار اور کچھ زمین جس کو اپنی زندگی ہی میں مسلمانوں کے لئے صدقہ (وقف) کر گئے تھے۔ (بخاری شریف)

عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جس زمین کا ذکر ہے اس سے تین جائدادیں مراد ہیں۔

(۱)۔ جائداد مدنیہ۔ مدنیہ کی جائداد سے بنو نضیر کی زمین مراد ہے، جو حق جل شانہ نے آپ کو بطور فئ عطا فرمائی تھی جس کا ذکر قرآنِ کریم میں ہے اور یہ زمین برابر آپ کے قبضہ میں رہی اس زمین کی مدنی سے اپنے اہل وعیال کا سالانہ خرچہ دیدیتے اور جو بچتا اُس سے ہتھیا اور گھوڑے اور سامانِ جہاد خریدتے، صحیح بخاری ص۲۵، کتاب التفسیر سورۂ حشر۔

(۲)۔ خیبر کی زمین۔ جو آپ کو سہم میں ملی تھی۔

(۳)۔ فدک کی نصف زمین جو فتح خیبر کے بعد آپ کو اہلِ خیبر سے صلحاً حاصل ہوئی تھی خیبر اور فدک کی زمینوں سے جو آمدنی ہوتی اس کو وقتی اور ناگہانی ضروریات میں صرف فرماتے۔

یہ زمینیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سمجھی جاتی تھیں اور تا حین حیات آپ کے قبضہ میں رہیں حق جل شانہ کی طرف سے آپ کو اختیار تھا کہ جس طرح چاہیں تصرف کریں۔ مگر حضور پُر نور ان زمینوں کی آمدنی سے صرف بقدر نفقۂ اہل وعیال لیتے تھے اور باقی کل آمدنی اسلام اور مسلمانوں کی ضرورتوں اور مصلحتوں میں خرچ فرماتے تھے۔ اپنی عیش وعشرت کے لئے معاذ اللہ ایک پیسہ بھی خرچ نہ فرماتے

تھے۔ظاہراً ان جائدادوں میں آپ کا تصرف مالکانہ تھا مگر درحقیقت متولیانہ تھا۔ یہ زمینیں اللہ کی کی تھیں، یعنی وقف تھیں اور آپ بحکم خداوندی اس کے متولی تھے، اس کے حکم کے مطابق خرچ کرتے تھے چونکہ خداوند ذوالجلال کی طرف سے یہ حکم تھا کہ ان زمینوں کی آمدنی سے اپنے اہل وعیال کا سالانہ نفقہ بھی دے دیا کرو اس لئے آپ بنی نضیر کی جائداد سے ازواج مطہرات کا سالانہ نفقہ دیدیا کرتے تھے۔

حضرات اہل بیت کو آپ کی وفات کے بعد یہ خیال ہوا کہ یہ زمینیں رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی ملکیت اور ذاتی جائداد تھیں اس لئے بطور وراثت اہل بیت پر تقسیم ہونی چاہئیں چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے خیبر اور فدک اور بنی نضیر کی جائدادوں سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اپنا حصہ طلب کیا۔صدیق اکبر نے عرض کیا کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ ہم گروہ انبیار نہ کسی کے مال کے وارث ہوتے ہیں اور نہ ہمارا کوئی وارث بنتا ہے۔ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ سب فی سبیل اللہ صدقہ اور خیرات ہے، البتہ جو نفقہ اور خرچ ان میں مقرر ہے وہ بدستور اسی طرح رہے گا۔ اور جس جس کام میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم خرچ کرتے تھے ابوبکر بھی اس میں اسی طرح خرچ کرے گا۔ اور آلِ رسول اس مال میں سے اسی طرح کھائے گی جس طرح نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے زمانے میں کھاتی تھی۔ اور خدا کی قسم۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کے ساتھ سلوک اور احسان مجھے اپنی قرابت کے سلوک اور احسان سے کہیں زیادہ محبوب ہے۔

صدیق اکبر کا یہ جواب حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کو ناگوارِ خاطر گزرا اور رنجیدہ ہوئیں۔نہ معلوم کیوں رنجیدہ ہوئیں صدیق اکبر نے تو حضرت سیدہ کے والد محترم صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح ارشاد سراپا ارشاد پیش کر دیا۔ان کا عذر تو ظاہر ہے مگر حضرت سیدہ کے رنج و ملال کی کوئی یقینی وجہ سمجھ میں نہیں آئی صدیق اکبر کہہ تو گزرے مگر حضرت سیدہ کے رنج و ملال کی وجہ سے بے چین اور بے تاب رہے۔

دوگونہ رنج و عذاب است جان مجنون را ۔۔۔ بلائے صحبت لیلیٰ بلائے فرقت لیلیٰ

صدیق اکبر نے عمل تو اسی پر کیا کہ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ کسی کو اس جائداد

میں سے بطور وراثت کچھ نہیں دیا حتیٰ کہ اپنی بیٹی عائشہ کو بھی اس میں سے کچھ نہیں دیا اور نہ حفصہ بنت عمر کو کچھ دیا اور نہ ازواج مطہرات کو کچھ بطور وراثت دیا۔ البتہ حضرت سیدہ کو راضی کر لیا اور ان کے گھر تشریف لے گئے اور ان سے معذرت کی تا آنکہ حضرت سیدہ صدیق اکبر سے راضی ہو گئیں۔

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ صدیق اکبر نے اولاً تقسیم میراث سے انکار فرمایا۔ اور بعد ازاں غالباً حضرت سیدہ نے صدیق اکبر سے یہ درخواست کی ہوگی کہ خیبر اور فدک کی زمینوں کا انتظام حضرت علی کے سپرد کر دیا جائے اور حضرت علی ہی اس کے ناظر اور نگران رہیں صدیق اکبر نے اس سے بھی انکار کر دیا کہ ان زمینوں کا میں خود ہی انتظام کروں گا جس طرح نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کرتے تھے حضرت سیدہ کو بمقتضائے بشریت رنج اور ملال ہوا [2]

صدیق اکبر کی وفات کے بعد حضرت عمر نے دو سال تک ان زمینوں کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھا دو سال کے بعد جب حضرت علی اور حضرت عباس نے اس بارے میں گفتگو کی تو حضرت عمر نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر کے طرز عمل کا حوالہ دیتے ہوئے تقسیم میراث سے

---

[1] اصل عبارت اس طرح ہے۔ لما اخبرھا الصدیق رض انہ قال لا نورث ما ترکنا فھو صدقۃ فحجبھا وغیرھا من ازواجہ وعمہ عن المیراث بھذا النص الصریح فسألتہ ان ینظر علی فی صدقۃ الارض التی بخیبر وفدک فلم یجبھا الی ذلک لانہ رأی ان حقا علیہ ان یقوم فی جمیع ما کان یتولاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو الصادق البار الراشد التابع للحق رضی اللہ عنہ فحصل لھا (وھی امرأۃ من البشر لیست براجیۃ العصمۃ) عتب وتغضب ولم تکلم الصدیق حتی ماتت اھ البدایۃ والنہایۃ ص ۲۴۹ ج ۵ پھر حافظ ابن کثیر کتاب مذکور کے ص ۲۸۹ ج ۵ پر لکھتے ہیں۔ وکانہا سألتہ بعد ھذا ان یجعل زوجھا ناظرا علی ھذہ الصدقۃ فلم یجبھا الی ذلک لما قدمناہ فتعتبت علیہ بسبب ذلک وھی امرأۃ من بنات آدم تأسف کما یأسفون ولیست براجبۃ العصمۃ مع وجود نص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد روینا عن ابی بکر رضی اللہ عنہ انہ ترضی فاطمۃ وتلاینھا قبل موتھا فرضیت رضی اللہ عنہا۔ انتھی ثم ذکر حدیث الاسترضاء فراجعہ۔

[2] البدایۃ والنہایۃ۔ ج ۵، ص: ۲۴۹

توصاف عذر کردیا البتہ تالیف قلب کے لئے یہ صورت نکالی کہ مدینہ کی جائداد یعنی بنو نضیر کی زمین کا انتظام تو حضرت عباس اور حضرت علی کے ہاتھ میں دے دیا کہ مشترکہ طور پر تم دونوں مل کر اس جائداد کا انتظام کرو اور ان دونوں سے یہ عہد لے لیا کہ تم اس کی آمدنی کو ان ہی مصارف میں خرچ کرنا کہ جہاں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرچ کیا کرتے تھے اور دونوں سے اس کا اقرار لے لیا اور اس اقرار سے یہ بات ان پر واضح کردی کہ یہ میراث نہیں بلکہ وقف ہے ان دونوں حضرات نے اس صورت کو منظور کرلیا۔ اور مشترکہ طور پر بغیر تملک کے دونوں مدینہ کی جائداد کے متولی اور ناظم ہو گئے۔

اور خیبر اور فدک کی جو زمینیں تھیں ان کا انتظام حضرت عمر نے اپنے پاس رکھا، اس طرح حضرت عمر نے آں حضرت کی متروکہ زمینوں کو دو حصوں پر تقسیم کر دیا ایک اموال بنی نضیر یعنی جائداد مدینہ جس میں سے اہل بیت ازواج مطہرات کے سالانہ مصارف دیئے جاتے تھے اس کا انتظام تو حضرت علی اور حضرت عباس کے سپرد کر دیا اس لئے کہ دونوں حضرات اہل بیت کی ضروریات اور مصارف سے بخوبی واقف تھے اور اسی لئے یہ دونوں حضرات خواستگار تولیت ہوئے کہ وقف نبوی میں ذوی القربیٰ یعنی اقربائے نبوی کا بھی حق ہے بلکہ ان کا حق سب سے مقدم ہے اور یہ دونوں حضرات۔ ذوی القربیٰ کے احوال اور اُن کی ضروریات سے بخوبی واقف تھے اس لئے حضرت عمر نے سمجھا کہ یہ جائداد ان کی تولیت میں دے دینا مناسب ہے اور لا نورث ما ترکنا صدقہ کا گھر گھر چرچا ہو چکا ہے۔ اس لئے اب یہ اندیشہ نہیں کہ لوگ اس دینے کو میراث سمجھ جائیں گے اس لئے اموال بنی نضیر کو ان دونوں کی تولیت میں دے دیا اور دوسری جائداد یعنی فدک اور خیبر کی جائداد جس کی آمدنی مصالح عامہ میں صرف ہوتی تھی اس کا انتظام بحیثیت خلیفہ ہونے کے حضرت عمر نے اپنے ہاتھ میں رکھا، چند روز تک دونوں حضرات حضرت علی اور حضرت عباس متفق رہے اور مل کر جائداد مدینہ کا انتظام کرتے رہے مگر کچھ عرصہ بعد دونوں میں اختلاف پیش آیا جیسا کہ جب ایک جائداد کے دو منتظم ہوں تو اختلاف رائے کی وجہ سے نزاع کا پیش آنا مستبعد نہیں اسی طرح حضرت علی

اور حضرت عباس میں دربارہ انتظام جائداد اختلاف اور نزاع پیدا ہوا فیصلہ کے لئے دونوں حضرت عمر کے پاس گئے اور یہ درخواست کی کہ تولیت کو تقسیم کر دیں کہ جائداد مدینہ کے ایک نصف کا منتظم اور متولی حضرت علی کو بنا دیں اور جائداد کے دوسرے نصف کا متولی اور منتظم حضرت عباس کو بنا دیں تاکہ اختلاف اور باہمی مخاصمت سے محفوظ ہو جائیں مگر حضرت عمر نے اس سے صاف انکار کر دیا اور یہ خیال فرمایا کہ اگر ہر ایک کی تولیت کا حصہ الگ الگ کر دیا گیا تو یہ صورت تقسیم میراث کی صورت کے مشابہ ہو گی اس لئے حضرت عمر نے تقسیم تولیت سے صاف انکار فرما دیا اور یہ کہہ دیا کہ یہ تو قیامت تک بھی نہیں ہو سکے گا۔ راجع اشعۃ اللمعات ص۴۵۲ ج ۳ باب الفیئ۔

اور یہ فرمایا کہ اگر تم سے تولیت کا کام سرانجام نہ پا سکے تو یہ زمین مجھے واپس کر دو میں حسب سابق خود اس کا انتظام کر لوں گا۔

حضرت عباس اور حضرت علی کا منشا یہ تھا کہ ہر ایک کو بقدر اپنے اپنے حصہ کے جداگانہ متولی کر دیا جائے تاکہ نزاع اور اختلاف کی نوبت نہ آئے۔ تولیت کی تقسیم چاہتے تھے میراث اور ملک کی تقسیم نہیں چاہتے تھے مگر حضرت عمر نے اس کو منظور نہ فرمایا کہ مبادا آئندہ چل کر اس تقسیم تولیت سے لوگ تقسیم میراث نہ سمجھ جائیں۔

چند روز تک یہ مشترکہ تولیت اسی طرح چلتی رہی بعد میں چل کر حضرت علی نے حضرت عباس کا قبضہ اٹھا دیا اور تمام جائداد پر حضرت علی قابض ہو گئے اور اپنی صواب دید سے اس کا انتظام فرمایا حضرت کا تنہا اس جائداد پر قابض ہو جانا یہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ یہ مال حضرت علی کے نزدیک بھی وقف تھا اور کسی کی ملک اور میراث نہ تھا، اس لئے کہ ایک متولی کا دوسرے متولی کے قبضہ کو اٹھا دینا ظلم نہیں بلکہ بسا اوقات ایسا ہی قرین مصلحت ہوتا ہے، البتہ کسی کی ملک اور میراث پر قبضہ کر لینا یہ ظلم ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ شیعوں کے نزدیک معصوم اور اہل سنت کے نزدیک محفوظ ہیں ان سے کسی کی ملک اور میراث کا غصب اور تغلب ناممکن ہے، نیز اگر یہ میراث ہوتی تو اس میں حضرت عباس کے علاوہ ازواج مطہرات کا بھی حصہ تھا اس کا دینا بھی لازم اور ضروری تھا۔

حضرت علی اور حضرت عباس کا حضرت عمر سے اس بات کا خواستگار ہونا کہ آدھوں آدھ بانٹ کر دونوں کو جدی جدی زمین کا متولی کردیں یہ اس بات پر شاہد ہے کہ یہ جھگڑا فقط تولیت کا تھا میراث کا نہ تھا۔ میراث کے تقسیم کر دینے میں کوئی حرج نہیں بلکہ ایک شئی مشترک کو دو مالکوں میں تقسیم کر دینا عقلاً و نقلاً مستحسن ہے نیز حضرت عمر کا یہ عہد لینا کہ تم اس زمین میں وہی کرنا جو نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کیا کرتے تھے خود اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عمر نے اُن کو متولی کر کے دیا تھا ورنہ اس شرط کے کیا معنی۔ اگر میراث میں دیا ہوتا تو میراث تو وارثوں کی ملک ہوتی ہے اور مالک کو اپنی چیز کا اختیار ہوتا ہے کہ اپنے حصہ میں جو چاہے تصرف کرے اس سے اس قسم کے عہد لینے کے کیا معنی ورنہ ہر شخص سے بہ نسبت اراضی مملوکہ یہی عہد لیا جایا کرتا۔ پھر حضرت عمر کا یہ فرمانا کہ قیامت تک اس کے خلاف حکم نہ دوں گا خود اس کی دلیل ہے کہ یہ ترکۂ نبوی حضرت علی اور حضرت عباس کو بطور تولیت دیا تھا نہ بطور میراث اس لئے کہ تقسیم میراث میں کوئی حرج نہیں ہر وارث کو اس کا حصہ علحدہ کر کے دے دینے میں کوئی قباحت نہیں۔

بلکہ

اوّل بار بھی حضرت علی اور حضرت عباس کا حضرت عمر کے پاس آنا محض طلب تولیت کے لئے تھا جیسا کہ لفظ اور فعہا الینا سے یہ بات خود ظاہر ہے اس لئے کہ دفع کے معنی کسی چیز کے حوالہ اور سپرد کر دینے کے ہیں بطور میراث اور بطور تملیک کسی چیز دینے پر دفع کا لفظ نہیں بولا جاتا مگر صدیق اکبر نے بطور تولیت بھی دینا کسی کو گوارا نہ کیا کیونکہ حضرت فاطمہ کی طلب میراث کا قصہ تازہ تھا اور اس قصہ سے سب کے کان پُر تھے اس وقت اگر بطور تولیت ہی دے دیتے تو ہر کوئی اس دینے کو میراث ہی کا دینا سمجھتا اور یہی وجہ فی الجملہ موجب گرانی خاطر حضرت علی اور حضرت عباس معلوم ہوتی ہے اس لئے ان دونوں کو حضرت صدیق سے ایک درجہ میں کشیدگی تھی کہ وہ ان کی تولیت تک کے بھی روادار نہ ہوئے اور عجب نہیں کہ بمقتضائے بشریت ان دونوں کے دل میں یہ خیال آیا ہو کہ اگرچہ یہ حدیث لا نورث ما ترکنا صدقۃ بلاشبہ صحیح ہے لیکن ہمارے استحقاق تولیت اور اہلیت

وصلاحیت میں بھی کوئی تردد نہیں مگر بایں ہمہ اس زمین کو صدیق اکبر نے اپنے ہی قبضہ میں رکھا ہے کوئی بات ضرور ہے۔

ان دونوں حضرات کا یہ خیال پیرایۂ حال سے یا کسی قال سے حضرت عمر کو مترشح ہوا اس لئے انھوں نے بطور تنبیہ وشکایت یہ فرمایا کہ کیا تم ابوبکر کو کاذب اور آثم اور خائن سمجھتے ہو جیسے اقارب اور احباب سے جب کوئی بے اعتنائی ظہور میں آتی ہے تو مبالغۃً یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ کیا تم مجھ کو اپنا بھائی یا دوست نہیں سمجھتے حالانکہ سویدائے قلب میں ان کی محبت مرکوز ہوتی ہے مگر محض ظاہری طور پر اگر کوئی بات پیش آتی ہے تو ایسا کہدیا کرتے ہیں موقع تعریض وعتاب میں اس قسم کا محاورہ کلام اللہ میں استعمال ہوا ہے۔ کما قال تعالیٰ حتی اذا استیأس الرسل وظنوا انهم قد کذبوا جاءهم نصرنا۔ یعنی یہاں تک جب رسولوں کو ناامیدی ہونے لگی اور وہ یوں خیال کرنے لگے کہ نصرت وامداد کے جو وعدے ان سے کیے تھے وہ غلط تھے حضرات انبیاء کو تو دل سے یقین تھا کہ وعدہائے الٰہی قطعاً ویقیناً صادق ہیں ایک روز بلاشبہ امداد الٰہی ضرور بالضرور آنے والی ہے لیکن بمقتضائے بشریت جب انبیاء کرام کے دلوں میں بے اختیار بے چینی اور پریشانی پیدا ہوئی تو حق تعالیٰ نے اپنے محبین ومخلصین کو بطور شکایت وعتاب مبالغۃً یہ فرمایا کہ کیا امداد خداوندی میں ذرا تاخیر کی بنا پر یہ گمان کرنے لگے کہ معاذ اللہ۔ خدا نے اپنے پیغمبروں سے غلط وعدے کئے تھے موقع تعریض وعتاب میں مبالغۃً ایسا کہہ دیا کرتے ہیں اسی طرح حضرت عمر نے جب یہ دیکھا کہ حضرت علی اور حضرت عباس کے کلام سے صدیق اکبر سے رنج اور آزردگی کی بو آتی ہے تو حضرت عمر نے بطور شکوہ محبانہ ومخلصانہ عتاب آمیز لہجہ میں مبالغۃً یہ فرمایا کہ کیا تم دونوں۔ ابوبکر کو کاذب وخائن وغیرہ سمجھتے ہو واللہ ابوبکر تو بار اور راشد اور تابع للحق تھے حالانکہ حضرت عمر کو یقین تھا کہ حضرت علی اور حضرت عباس کے دل میں صدیق اکبر کی محبت ایسی پختہ اور راسخ ہے کہ کسی طرح بھی نکالے نہیں نکل سکتی اس لئے زبان سے ایسے کلمات کا نکالنا جن سے رنج اور آزردگی مترشح ہوتی ہے محب صادق کی شان کے مناسب نہیں۔

باغ فدک کی حقیقت

باغ فدک ایک نہایت مختصر کھجوروں کا باغ تھا جس میں سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل وعیال کو بقدر قوت لایموت سال بھر کا نفقہ دے دیا کرتے تھے اور باقی جو کچھ بچتا تھا وہ فقرا ومساکین پر تقسیم کر دیتے تھے آپ کی وفات کے بعد جب حضرت صدیق اکبر آپ کے خلیفہ اور جانشین اوّل مقرر ہوئے تو اس وقت حضرت فاطمہ نے اس امر کی درخواست کی کہ یہ باغ مجھکو وراثت میں دیدیا جائے، صدیق اکبر نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ سے سُنا ہے کہ ہم انبیاء کا نہ کوئی وارث ہوتا ہے اور نہ ہم کسی کے وارث ہوتے ہیں ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ اور وقف ہوتا ہے حضرت سیدہ یہ سُن کر نادم یا غمگین ہوئیں اور پھر اس معاملہ میں کوئی کلام نہیں فرمایا۔

باغ فدک ایک معمولی سا باغ تھا کوئی لاکھوں یا کروڑوں کی جاگیر نہ تھی کہ جس کی نسبت یہ کہا جائے کہ خلیفۂ وقت نے اس عظیم الشان باغ کو اس لئے غصب کیا ہے کہ خلیفہ اور اس کی اولاد اس باغ کی آمدنی سے شاہانہ اور امیرانہ ٹھاٹ جمائے اور اس کی بے شمار آمدنی سے عیش وعشرت کا سامان مہیا کرے کسی خلیفہ نے اس باغ کا اپنی اولاد کے نام بیعنامہ یا ہبہ نامہ نہیں لکھ دیا بلکہ مصارف شرعیہ میں اس کی آمدنی کو خرچ کرتے رہے یہاں تک کہ جناب امیر خلیفہ ہوئے تو وہ باغ حسب دستور آپ کی نگرانی میں آگیا اور آپ نے بھی اس باغ کو حسب قاعدۂ مستمرۂ خلفاء سابقین بدستور قدیم جاری رکھا اور کسی قسم کے ذاتی تصرف کو اس میں دخل نہیں دیا اور جناب امیر نے اپنی دَور خلافت میں اس باغ کا انتظام رکھا کہ جو سابق خلفاء کے زمانہ میں رہا اگر حضرات شیعہ کے قول کے مطابق کہ باغ فدک اہل بیت کا حق تھا اور خلفاء سابقین نے اُس کو غصب کر رکھا تھا تو حضرت علی نے اپنے دَور خلافت میں اس غصب شدہ چیز کو اہلِ حق اور اہل استحقاق کو کیوں نہ واپس کر دی۔

حضرات شیعہ اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ باغ فدک چونکہ غصب ہو چکا تھا اور ائمہ معصومین کا طریقہ یہ ہے کہ غصب شدہ چیز کو واپس نہیں لیتے تو حضرات اہلِ سنت جواب میں یہ عرض کریں گے

کہ آپ کے نزدیک جیسے باغ فدک غصب ہو چکا تھا اسی طرح خلافت بھی تو غصب ہو چکی تھی تو کیا وجہ ہے کہ جناب امیر نے ایک معمولی چیز کو تو چھوڑ دیا اور بڑھیا چیز یعنی خلافت کو واپس لے لیا اور اس کے غصب شدہ ہونے کا ان کو خیال نہ آیا اور پھر ان مدعیان غصب کو یہ خیال نہیں آتا کہ خلفاء کرام نے زمانۂ خلافت میں فقیرانہ اور درویشانہ زندگی گزاری اور اہل بیت عظام کو بیک وقت پچاس پچاس اور ساٹھ ساٹھ ہزار درہم و دینار دیا کرتے تھے۔ ہر مرتبہ کا عطیہ کیا باغ فدک کی قیمت سے کم ہوتا تھا کسی محاسب سے حساب تو کرائیں۔ خیر اور عطایا کو جانے دو صرف ایک مرتبہ کے عطیہ کی شمار کو لو کہ جس وقت شہر بانو شہزادی ایران خلیفۂ برحق کے زمانۂ خلافت سراپا شوکت و عظمت میں مقید ہو کر آئیں تو خلیفۂ وقت نے حضرت علی اور حسنین کو حصۂ غنیمت دینے کے بعد تینوں کو تیس ہزار درہم دئے اور اس کے علاوہ خاص امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہر بانو مع زیور جواہرات کے ان کو عطا کی جس کا ہر جوہر اور موتی اتنا قیمتی تھا کہ ایک موتی کی قیمت سے کم از کم سو باغ فدک خریدے جا سکیں۔ پس اگر بالفرض باغ فدک چھین ہی لیا تھا مگر جب اس کے بعد اس قدر بیش بہا عطایا اور ہدایا دیدئے کہ جن سے ہزاروں باغ فدک خریدے جا سکیں تو حضرات شیعہ ہی انصاف کریں کہ کیا یہ شکوہ بیجا نہیں اگر کوئی شخص کسی کا ایک پیسہ چھین کر اس کو ایک ہزار دیدے تو کیا وہ مستحق شکر گزاری نہیں۔

حضرات شیعہ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ ایران جس سے کروڑوں شیعہ صدہا سال سے پرورش پا رہے ہیں وہ فاروق اعظم ہی کا تو فتح کیا ہوا ہے کیا اب تک غصب شدہ باغ فدک کا ضمان اور تاوان پورا نہیں ہوا۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء نے جب صدیق اکبر سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متروکہ اراضی سے اپنا حصۂ میراث طلب کیا تو صدیق اکبر نے فرمایا کہ انبیاء کرام کے متروکہ میں وراثت نہیں ہوتی وہ جو کچھ چھوڑیں وہ سب فی سبیل اللہ صدقہ ہے۔

فغضبت فاطمة بنت رسول الله صلی الله علیه وسلم فهجرت ابابکر فلم تزل مهاجرته حتی توفیت۔	اس پر حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا ناراض ہوگئیں اور ابوبکر کو چھوڑ دیا اور اسی ترک تعلق پر قائم رہیں یہاں تک کہ حضرت سیدہ کی وفات ہوگئی
(بخاری شریف باب فرض الخمس)	

اب اشکال یہ ہے کہ حضرت سیدہ اس ارشاد فیض بنیاد لا نورث ما ترکنا صدقۃ سننے کے بعد کیوں ناراض اور غصہ ہوئیں بجائے رضا و تسلیم کے یہ برعکس معاملہ کیا گیا۔ صدیق اکبر تو ارشاد نبوی کی بنا پر مجبور اور معذور تھے۔

اور حضرات شیعہ کے نزدیک چونکہ حضرت سیدہ معصوم تھیں اس لئے اشکال ان کے مسلک پر شدید ہے کہ ایسے وقت میں جبکہ رسول اکرم و سرور عالم جیسے پدر بزرگوار کا جانکاہ پیش آیا ہو دنیا کی ایک حقیر چیز کا قصہ چھیڑنا اور اس کو اس قدر طول دینا کہ آپنے باپ کے خسر اور ان کے جانشین سے سلام و کلام ترک کر دینا کس قدر شان عصمت کے خلاف ہے۔

اس شبہہ کا جواب جس طرح اہل سنت کے ذمہ ہے اسی طرح حضرات اہل تشیع کے ذمہ بھی ہے کہ وہ تبلائیں کہ حضرت سیدہ کیوں ناحق غصہ ہوئیں۔ اہل سنت کو تو روافض کی طرح مدافعت خوارج کی بھی فکر ہے کہ مبادا کوئی خارجی حضرت سیدہ کی شان مطہر میں یہ لب کشائی کرے کہ وفات نبوی عام کے لئے ایک حادثہ جانکاہ تھا۔ ایسے مصیبت کے وقت میں اول تو میراث کا مطالبہ ہی زیبا نہ تھا اور حضرت سیدہ کی شان زہد سے بعید تھا اور اہل تشیع کے نزدیک تو حضرت سیدہ معصوم تھیں اور پھر جب ابوبکر صدیق نے حضور پرنور کا ارشاد سراپا ارشاد سنا دیا تو اس کو دل و جان سے تسلیم کرنا تھا۔ غم و غصہ کے کیا معنی۔ اس واقعہ میں صدیق اکبر پر کوئی اعتراض نہیں اشکال اور شبہہ جو کچھ بھی ہے وہ حضرت سیدہ کے متعلق ہے جس کا جواب فریقین (اہل سنت اور اہل تشیع دونوں) کے ذمہ ہے اہل تشیع اپنی فکر کریں ہم اہل سنت والجماعت غلامان غلامان خاندان اہل نبوت و سگان کوچہ اہل بیت حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی برات و نزاہت کے لئے جو کچھ عرض کرتے ہیں وہ سنئے۔

اہل سُنّت کا جواب

حضرت سیدہ کی ناراضی کے متعلق روایات میں جو الفاظ آئے ہیں وہ مختلف ہیں بعض میں تو لفظ فغضبت فاطمہ آیا ہے جیسا کہ گزرا اور بعض روایات بخاری و مسلم میں لفظ فوجدت فاطمہ آیا ہے جیسا کہ صحیح بخاری ص۶۰۹ ج ۲ - باب غزوہ خیبر میں لفظ فاطمة علی ابی بکر آیا ہے۔

اور لفظ وجادت جس طرح بمعنی غضبت آتا ہے جو غصّہ پر دلالت کرتا ہے، اسی طرح بمعنی حزنت بھی آتا ہے جو حزن و غم اور رنج و ملال پر دلالت کرتا ہے۔

حضرت سیدہ نے جب صدیق اکبر سے اپنا حصّہ میراث طلب کیا اور صدیق اکبر نے اُن کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنادی تو عجب نہیں کہ ان کو اس طلبگاری پر ایک گونہ ندامت اور رنج ہوا ہو۔ اس لئے کہ انبیاء و المرسلین اور اولیاء کاملین کا طریقہ یہ ہے کہ اگر اُن سے کوئی ذرہ برابر بے اعتدالی یا کوئی سہو و غفلت ظہور میں آجائے تو نادم اور شرمندہ ہوتے ہیں جیسے حضرت آدم علیہ السلام کا بھول کر گیہوں کھانے پر نادم ہونا اور حضرت نوح علیہ السلام کا بے خبری میں اپنے فرزند کے لئے دعا نجات پر نادم ہونا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قتل پر شرمندہ ہونا خود قرآن کریم میں موجود ہے۔

پس عجب نہیں کہ حضرت سیدہ کو اس پر ندامت ہوئی ہو کہ میں نے لاعلمی میں کیوں میراث کا سوال کیا۔ اگر مجھ کو پہلے سے لانورث ما ترکنا صدقۃ کی خبر ہوتی تو ہرگز ہرگز میراث کا سوال نہ کرتی۔ اور پھر اسی خجالت و ندامت میں حضرت سیدہ کی علالت کا سلسلہ شروع ہو گیا جس کے باعث صدیق اکبر کے ربط و ضبط میں فرق آگیا ہو اور ملنا جلنا بدستور سابق نہ رہا ہو اور حضور پر نور کی وفات کا صدمہ وہ کسی وقت دل سے جدا نہ ہوتا تھا معاذ اللہ یہ نہ تھا کہ سلام و کلام کی بھی نوبت نہ آتی ہو۔ ایسی متارکت تو تین دن سے زیادہ حرام ہے چہ جائیکہ تمام عمر کے لئے ہو نیز سب کو معلوم ہے کہ صدیق اکبر حضرت سیدہ کے محرم نہ تھے جن کے ساتھ ہمیشہ آپ کو کلام اور سلام کا اتفاق ہوتا

ہو اور پھر اس معاملہ کی وجہ سے اس کو ترک کر دیا گیا ہو کیونکہ غیر محرم سے بلا ضرورت سلام و کلام درست نہیں۔

پس حضرت سیدہ کی یکسوئی اور علحدگی کی علت در اصل یہ ندامت اور اپنی علالت اور صدمۂ فارقت پدری و نبوی تھی ظاہر بینوں نے یہ سمجھا کہ شاید یہ علحدگی اور یہ یکسوئی بوجہ غصہ اور ناراضگی ہے، اس لئے ان روایت کرنے والوں نے اپنی سمجھ کے موافق لفظ غضبت سے روایت کیا یا نیچے کے راویوں نے وجدت کی اصل روایت کو بمعنی غضبت سمجھ کر لفظ غضبت کے ساتھ روایت بالمعنی کیا اصل اور صحیح روایت وجدت فاطمۃ بمعنی حزنت ہے اور غضبت فاطمۃ روایت بالمعنی ہے جس کو راوی نے غصہ اور ناراضگی سمجھ کر اپنی سمجھ کے موافق روایت کیا ہے در اصل غصہ اور ناراضگی نہ تھا بلکہ بمقتضائے بشری ایک طبعی اور جبلی رنج اور آزردگی تھی جو ان کے کمال بزرگی کی دلیل ہے اور وقتی اور عارضی طور پر کچھ شکر رنجی ہو جانا یہ شان نبوت کے بھی خلاف نہیں جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے درمیان پیش آئی اس کو جھگڑا نہیں کہہ سکتے ایسے امور پیش آ ہی جاتے ہیں اور پھر بہت ہی جلد زائل ہو جاتے ہیں بلکہ بسا اوقات ازدیاد محبت کا سبب بن جاتے ہیں اور پہلے سے زیادہ شیر و شکر ہو جاتے ہیں۔

(۲)۔۔۔ اور اگر ہم مان بھی لیں کہ حضرت فاطمۃ زہرا اس بارے میں صدیق اکبر سے رنجیدہ اور آزادہ خاطر یا غصہ اور ناراض بھی ہوئیں تب بھی اس سے حضرت صدیق اکبر کا قصوروار ہونا ثابت نہیں ہوتا ممکن ہے کہ حضرت سیدہ کسی غلط فہمی کی بنا پر ابوبکر کو قصوروار سمجھ کر ناراض اور غصہ ہو گئی ہوں کسی خیال کی بنا پر انبیاء و مرسلین کو باہم غصہ پیش آ جاتا ہے حالانکہ وہ بالیقین معصوم ہوتے ہیں جیسے حضرت موسیٰ کا حضرت ہارون پر غصہ ہونا قرآن کریم میں مذکور ہے پس جس طرح حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون دونوں کے دونوں ماجور اور معذور اور بے قصور تھے اس طرح اس میراث کے مقدمہ میں حضرت فاطمہ اور حضرت صدیق دونوں کو بے قصور اور دونوں کو ماجور جانو۔

(۱۳) ۔اور اگر اس پر بھی حضراتِ شیعہ صدیق اکبر کو قصور وار ٹھہرائیں تو یہ خیال کریں کہ جب حضرت صدیق تائب ہو گئے اور حضرت سیدہ کے گھر جاکر اُن کو راضی کر لیا تو حضرات شیعہ کو بھی چاہیئے کہ وہ بھی راضی ہو جائیں، حضرت سیدہ اُن کے زعم میں معصوم ہیں اور معصوم کی اقتدا ضروری ہے اور معصوم کی مخالفت ناجائز ہے، پس جب کہ حضرت سیدہ صدیق اکبر سے راضی ہو گئیں تو اب صدیق اکبر سے ناراضی اہل تشیع مذہب پر ناجائز ہو گی، حضرت سیدہ کے راضی ہو جانے کے بعد اگر کوئی ناراض ہوتا ہے تو ہوا کرے ہمیں اس کی فکر ہے اور نہ پروا۔

اَب رہا یہ سوال کہ حضرت سیدہ نے ایسے صدمے اور رنج کے وقت میراث کیوں طلب کی سو جواب یہ ہے کہ معاذ اللہ مقصود مال و منال نہ تھا بلکہ تبرک نبوی اور یادگار پدری پیشِ نظر تھا نیز رزق حلال کی طلب اولیار اور اتقیار کا شعار ہے اور ظاہر ہے کہ متروکہ نبوی سے بڑھ کر دنیا میں کوئی مال حلال نہیں ہو سکتا کہ جس میں کسی قسم کی بھی حرمت یا کراہت کا بھی احتمال نہیں پس حضرت سیدہ کو یہ خیال ہوا کہ اگر آپ کا متروکہ مجھکو مل جائے تو بلاشبہ رزق حلال سے بے فکری ہو جائے اور آپ کا تبرک اور آپ کی نشانی دل کی تسلی کا سامان ہو۔

ایک ضروری تنبیہ

حضرات شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت سیدہ صدیق اکبر پر غصہ ہوئیں اور حدیث میں ہے کہ فاطمۃ بضعۃ منی من اغضبھا فقد اغضبنی یعنی فاطمہ میرا لخت جگر ہے جس نے فاطمہ کو ناراض کیا اس نے مجھکو ناراض کیا۔

سو جاننا چاہیئے کہ صدیق اکبر اس میں داخل نہیں اس لئے کہ غضب اور اغضاب میں فرق ہے۔ غضب کے معنی غصہ ہونے کے ہیں اور اغضاب کے معنی دوسرے کو جان بوجھ کر ناراض کرنے اور غصہ دلانے کے ہیں سو صدیق اکبر نے معاذ اللہ حضرت سیدہ کو ناراض نہیں کیا بلکہ ارشادِ نبوی کی تعمیل کی حضرت سیدہ نہ معلوم کس وجہ سے ابوبکر سے ناراض ہوئیں۔ حضرات شیعہ ہی تبلائیں کہ بے وجہ کیوں غصہ ہوئیں اہلِ سنت تو اُن کے غصہ ہونے کے قائل ہی نہیں ہمارے

نزدیک تو حضرت سیدہ نے لاعلمی کی بنا پر میراث کا سوال کیا صدیق اکبر نے جب ارشاد نبوی سنایا تو اپنی اس غیر مناسب استدعا اور ناحق طلب پر شرمندہ اور نادم ہوئیں اور بوجہ خجالت و ندامت صدیق اکبر سے خلط ملط اور آمد و رفت بھی سابق کے لحاظ سے کم ہو گئی لوگوں نے اس کو غصہ اور ناراضگی خیال کر لیا ورنہ صدیق اکبر حضرت سیدہ کے کوئی محرم نہ تھے جن سے سلام و کلام کی رسم جاری ہوتی اور پھر منقطع ہو جاتی تو ناراضگی کا شبہ ہوتا، حضرت سیدہ کا کلام محض ایک ضرورت کی بنا پر تھا، جب ضرورت نہ رہی تو کلام کی بھی ضرورت نہ رہی باقی حضرت علیؓ برابر صدیق اکبر کے شریک حال رہے اور برابر اُن کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے اور ادھر صدیق اکبر بوجہ کمال نیازمندی در دولت پر حاضر ہوئے اور اس احتمال پر کہ شاید حضرت سیدہ ناراض ہو گئیں عذر و معذرت کی یہاں تک حضرت سیدہ کو راضی کر کے اپنے گھر واپس آ گئے معاذ اللہ ابوبکر خلافت اور امارت کے نشہ میں نہیں پڑے رہے کہ حضرت سیدہ کی خبر ہی نہ لیتے جگر گوشہ رسول کے رنج اور آزردگی سے بیچین اور بے تاب ہو گئے اور در دولت پر حاضر ہو کر اُن کو راضی کیا اور اگر حضرات شیعہ اس گزارش پر بھی اکتفا نہ کریں اور پھر بھی ابوبکر کو قصوروار ٹھہرائیں تو پھر عرض یہ ہے کہ صدیق اکبر نے تو حضرت سیدہ کو کیا ناراض کیا بلکہ حضرت علی نے جب ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کا ارادہ کیا اس وقت حضرت سیدہ کو ناراض کیا جس پر حضور پُر نور نے خطبہ دیا اور یہ ارشاد فرمایا فاطمۃ بضعۃ منی من اغضبہا فقد اغضبنی اب آپ فرمائیے کہ حضرت علی نے کس بنا پر یہ ارادہ فرمایا تھا۔ صدیق اکبر کے پاس تو ارشاد نبوی لا نورث ما ترکنا صدقۃ کا سہارا تھا حضرت علی کے پاس کیا سہارا تھا علاوہ بریں بارہا خانگی اُمور میں حضرت سیدہ اور حضرت علی میں باہم رنجش پیش آتی تھی، چنانچہ ایک روز اسی باہمی رنجش کے باعث حضرت امیر خفا ہو کر مسجد میں آ لیٹے تھے جس پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوتراب کے لقب سے مشرف فرمایا۔

میراث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

صدیق اکبر اور فاروق اعظم اور عثمان غنی اور علی مرتضےٰ اور حضرت عائشہ صدیقہ وغیرہم

سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم یعنی گروہ انبیاء کے مال میں میراث نہیں ہم جو کچھ چھوڑیں وہ سب خدا کی راہ میں صدقہ اور خیرات ہے۔

(۱)۔ حکمت اس میں یہ ہے کہ خلق خدا کو یہ معلوم ہو جائے کہ حضرت انبیاء نے دعوت حق اور تبلیغ دین میں جو کچھ بھی محنت اور مشقت اٹھائی وہ محض خدا تعالیٰ کے لئے تھی اس سے دنیا مطلوب نہ تھی یہاں تک اولاد کو بھی اس میں کوئی حصہ نہیں ملتا۔

(۲)۔ نیز انبیاء کرام۔ امت کے حق میں روحانی باپ ہیں لہٰذا ان کا مال امت کے تمام افراد کے لئے وقف ہوگا کسی خاص فرد کے لئے مخصوص نہ ہوگا۔

(۳)۔ نیز حضرات انبیاء کرام۔ ہر وقت بارگاہ خداوندی میں حاضر اور مقیم رہتے ہیں اور مالک حقیقی کی مالکیت ہر وقت اُن کی نظروں کے سامنے رہتی ہے اس لئے حضرات انبیاء کرام اپنے آپ کو کسی چیز کا بھی مالک نہیں سمجھتے جیسا کہ بزرگوں کا قول ہے۔

الانبیاء لا یشہدون ملکا مع اللہ — یعنی انبیاء خدا کے سامنے کسی کی ملکیت کو نہیں دیکھتے۔

عوام کی نظروں سے مالک حقیقی کی ملکیت چونکہ پوشیدہ ہے اس لئے وہ اپنے آپ کو مالک مجازی سمجھتے ہیں مگر انبیاء کرام اپنے کو مالک مجازی بھی نہیں سمجھتے جو چیز ان کی ہاتھ میں ہوتی ہے اس کو خدا ہی کی تصور کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم خداوند ذوالجلال کے دستر خوان پر بیٹھے ہوئے ہیں ہم کو اس سے منتفع اور مستفید ہونے کی اجازت ہے۔ اسی وجہ سے ان اموال میں انبیاء کرام پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اور نہ وفات کے بعد ان میں میراث اور وصیت جاری ہوتی ہے۔

حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

تمام اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز و عبادت میں مشغول ہیں اور حضرات انبیاء کرام کی یہ برزخی حیات اگرچہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی لیکن بلاشبہ یہ حیات حسی اور جسمانی ہے اس لئے کہ

روحانی اور معنوی حیات تو عامۂ مؤمنین بلکہ ارواح کفار کو بھی حاصل ہے۔

احادیث صحیحہ اور صریحہ سے ثابت ہے کہ مُردے سُنتے ہیں مگر جواب نہیں دے سکتے مقتولین بدر سے آپ کا خطاب فرمانا صحیحین اور تمام کتب حدیث میں مذکور اور مشہور ہے نیز حدیث میں ہے۔

مامن احد یمر بقبر اخیہ المؤمن کان یعرفہ فی الدنیا فیسلم علیہ الا عرفہ ورد علیہ السلام رواہ ابن عبد البر وصححہ ابو محمد عبد الحق وقال صلی اللہ علیہ وسلم ان المیت لیعرف من یغسلہ ویحملہ ویدلیہ فی قبرہ رواہ احمد وغیرہ ۔ [۵۸]

جو شخص اپنے مؤمن بھائی کی قبر پر گزرے جس کو مرنے سے پہلے وہ دنیا میں پہچانتا تھا اور اس پہ سلام کرے تو وہ مردہ بھی اس کو پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اس حدیث کو حافظ ابن عبد البر نے روایت کیا اور شیخ عبد الحق نے اسکو صحیح بتایا نیز نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کا ارشاد ہے کہ تحقیق میت اس شخص کو پہچانتا ہے جو اسکو غسل دے اور اس کو اٹھائے اور اس کو قبر میں اتارے اس حدیث کو امام احمد وغیرہ نے روایت کیا۔

مسند ابی یعلی میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون ۔

انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز و نیاز میں مشغول ہیں۔

شیخ الاسلام دہلوی در شرح بخاری بعد نقل احادیث حیات انبیاء می فرماید۔ از ایں احادیث معلوم شود کہ انبیاء زندہ اند در قبر بعد از وفات بحیات حسی و اجساد ایشان نیز ثابت باشند و بوسیدہ نگردند و آنحیات ہمچو حیات دنیا باشد باوجود استغنا از غذا و با حصول قوت نفوذ در عالم چہ غذا از اسباب عادی است کہ در دنیا حیات بداں مشروط است و خدا تعالی قادر است کہ بے آں نیز زندہ دارد و احداث و ایجاد بعضے احوال و اعراض در بدن کند کہ التفات و احتیاج بغذا مرتفع گردد۔ شرح شیخ الاسلام ص۱۴۷ ج۲ و کذا فی مدارج النبوۃ ص۵۰۶ ج۲ کتاب الانبیاء و راجعہ فقد فصل الکلام۔

۵۸۔ زرقانی۔ ج: ۵، ص: ۳۳۴

شیخ جلال الدین سیوطی نے اس حدیث کو حسن فرمایا اور علامہ مناوی فیض القدیر شرح جامع صغیر[۵۱] میں فرماتے ہیں ہذا حدیث صحیح اور علامہ سیوطی مرقاۃ الصعود حاشیہ سنن ابی داؤد میں فرماتے ہیں کہ حیاۃ انبیاء کے بارے میں احادیث درجۂ تواتر کو پہنچی ہیں اور انباہ الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء میں فرماتے ہیں۔

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اپنی قبر مطہر
ہو وسائر الانبیاء معلومۃ عندنا علما	میں اور تمام انبیاء کرام کی حیات اپنی اپنی قبر
قطعیا لما قام عندنا من الادلۃ فی	میں علم قطعی اور یقینی سے معلوم ہے اس لئے
ذلک وتواترت بہ الاخبار الدالۃ	کہ حیات انبیاء دلائل سے ثابت ہے اور احادیث
علی ذلک۔	متواترہ اس پر شاہد ہیں۔

اور اس حدیث سے فقط انبیاء کرام کی حیات بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ یہ بتلانا ہے کہ جس طرح انبیاء کرام اس حیات دنیویہ میں مشغول عبادت تھے اسی طرح اس حیات برزخیہ میں بھی مشغول عبادت ہیں بلاغت کا قاعدہ ہے کہ کلام میں آخری قید محط کلام ہوتی ہے لہٰذا الانبیاء احیاء فی قبورہم یصلون میں مقصودِ کلام۔ صلاۃ اور عبادت فی القبر کا بیان کرنا ہے اصل حیات امر مفروغ ہے یصلون سے پہلے حیات کا ذکر محض تمہید کے لئے ہے اور مقصود یہ ہے کہ انبیاء کرام کے اجسام مطہرہ اگرچہ اس عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہو گئے لیکن وہی اجسام حسب سابق مشغول عبادت ہیں اور اعمال حیات اور اشغال زندگی بدستور جاری ہیں اور اعمال و اشغال میں نماز کی تخصیص اسلئے فرمائی کہ ایمان کے بعد درجہ نماز کا ہے اور نماز انبیاء کرام کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ غرض[۵۲] یہ کہ حضرات

---

۵۱ ج ۳، ص ۱۸۴

۵۲۔ پوشیدہ نماند کہ دیدن آں حضرت انبیاء را صلوات اللہ وسلامہ علیہم وتکلم آنہا چنانکہ در حدیث مذکور بوضوح پیوستہ ناظر رساں ست کہ آنہا باشخاص ما اجساد دیدہ وقول مختار وہ تقریر جمہور ہم انیست کہ انبیاء بعد اذاقت موت زندہ اند بحیات دنیوی۔ تیسیر القاری ج ۳ ص ۲۶۲ ب ذکر ادریس علیہ السلام لیکن مانند حیات دنیوی بلکہ حیات برزخی اوشان اعلیٰ واقوی است از حیات دنیویہ بمراتب کہ عقل از تصور آں قاصر است ۱۲

انبیار کرام کی حیات جسمانی ہے محض روحانی نہیں اس لئے مرنے کے بعد روحانی حیات اور سمع اور ادراک حضرات انبیار کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ احادیث صحیحہ سے تمام افراد اور آحاد بشر کے لئے ثابت ہے اور حدیث سے مقصود انبیار کرام کی خصوصیت اور ان کا امتیاز بیان کرنا ہے، حدیث میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے دن تم مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ تمھارا درود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا۔

كيف تعرض صلاتنا عليك وقد ارمت يقولون بليت فقال ان الله حرم على الارض ان تأكل اجساد الانبياء اخرجه ابو داؤد وقال البيهقي له شواهد وقال العلامة القاري رواه ابن حبان في صحيحه والحاكم وصححه وقال النووي اسناده صحيح اھ [1]

ہمارا صلاۃ وسلام آپ پر کیسے پیش ہوگا حالانکہ وفات کے بعد آپ کا جسم بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو چکا ہوگا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تحقیق اللہ تعالٰے نے زمین پر حرام کر دیا کہ وہ انبیار کے اجسام کو کھائے اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے اور بھی شواہد ہیں۔ اھ یہ حدیث صحیح ہے۔

صحابہ کا یہ سوال اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب اس امر کی صریح دلیل ہے کہ حیات سے جسمانی حیات مراد ہے محض روحانی حیات مراد نہیں ورنہ اگر فقط روح مبارک پر درود کا معروض ہونا مراد ہوتا تو صحابہ کرام کا یہ سوال وقد ارمت کہ آپ کا جسم تو وفات کے بعد بوسیدہ ہو جائے گا اور پھر حضور پر نور کا یہ جواب کہ اللہ تعالٰے نے زمین پر اجساد انبیار کو حرام کر دیا ہے سب بے معنی ہو جائے محض روح پر اعمال پیش ہونے کے لئے جسم کا محفوظ رہنا ضروری نہیں آپ جواب میں یہ فرما دیتے کہ تمھیں جسم سے کیا بحث، تمھارا صلاۃ وسلام تو میری روح پر پیش ہوگا محض روح پر اعمال کا پیش ہونا انبیار کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ احادیث صحیحہ سے یہ امر ثابت ہے کہ مردے کلام وسلام کو سنتے ہیں اور بعض ایام میں ان پر اُن کے اقارب کے اعمال پیش ہوتے ہیں جیسا کہ شرح الصدور

---

[1] مرقاۃ ج : ۲ ، ص : ۲۱۰

فی احوال المرتی والقبور للعلامۃ السیوطی میں اس پر مفصل کلام کیا ہے، روح متصل بالجسد پر قبر میں امت کے اعمال کا پیش ہونا یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ ہذا توضیح ما قال العلامۃ انقاری فی شرح المشکوٰۃ ۵۱

اور سنن ابن ماجہ میں ابو الدرداء سے روایت ہے کہ جمعہ کے روز خاص طور پر مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو، جمعہ کا دن یوم مشہود ہے جس میں ملائکۃ اللہ بکثرت حاضر ہوتے ہیں جو شخص بھی مجھ پر درود پڑھے گا ابو الدرداء کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔

وبعد الموت قال ان اللہ حرم علی	کیا بعد موت کے بھی آپ پر ہمارا درود پیش ہوگا
الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی	آپ نے فرمایا تحقیق اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام
اللہ حی یرزق ۔ رواہ ابن ماجہ	کردیا ہے کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے پس اللہ
قال الدمیری رجالہ ثقات کذا فی	کا ہر نبی قبر میں زندہ ہے اور اللہ کی طرف سے اس کو
فیض القدیر ۵۲	رزق دیا جاتا ہے۔

وقال الزرقانی رواہ ابن ماجہ برجال ثقات ثقات عن ابی الدرداء مرفوعا الخ زرقانی ص ۲۳۶ ج ۵

شیخ تقی الدین سبکی فرماتے ہیں کہ صدیق اکبر اور فاروق اعظم مسجد نبوی میں آواز بلند کرنے کے کو ناپسند فرماتے تھے اور جو شخص مسجد نبوی میں آواز بلند کرتا تو اس کو یہ فرماتے۔

لقد أذیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ	تحقیق تو نے آواز بلند کرکے رسول اللہ صلی اللہ
وسلم فی قبرہ ۔	کو قبر میں ایذاء پہنچائی۔

معلوم ہوا کہ صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے نزدیک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر مبارک میں اسی جسم اطہر کے ساتھ زندہ ہیں اور جس طرح بحکم خداوندی لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ الایہ۔ اس حیات دنیاویہ میں آپ کے سامنے بلند آواز سے بولنا ممنوع تھا اسی طرح اب اس حیات برزخیہ میں آپ کے سامنے بلند آواز سے بولنا ممنوع ہے۔

۵۱۔ ج ۲، ص: ۲۰۹   ۵۲۔ فیض القدیر۔ ج ۲، ص: ۸۷

اور ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی کا یہ حال تھا کہ اگر مسجد نبوی کے متصل مکانات میں دیوار میں کسی کیل اور میخ ٹھوکنے کی آواز حجرہ نبوی تک پہنچی تو عائشہ صدیقہ فوراً اس کے پاس یہ کہلا کر بھیجتیں۔

لا تؤذ وا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیل اور میخ ٹھوکنے کی آواز سے تکلیف مت پہنچاؤ۔

شیخ سبکی فرماتے ہیں کہ تمام صحابہ کرام اور سلف صالحین کا یہی عمل تھا کہ آپ کے ادب اور تعظیم میں مسجد نبوی میں آواز بلند نہیں کرتے تھے (کما قال تعالیٰ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى)

سید الملائکۃ المقربین سیدنا جبریل امین ایک مرتبہ حضور پُر نور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اور بعد ادب آپ کے سامنے دو زانو بیٹھ کر عرض کیا۔ اَ ذ نو منك یا رسول اللہ اجازت ہو تو آپ سے قریب ہو جاؤں۔ آپ نے اجازت دی جبریل امین نے حضور پُر نور کے دونوں گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر آہستہ آواز سے عرض معروض کی۔

اور علیٰ ہذا مرض الوفات میں جب ملک الموت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بعد ادب و نیاز۔ پست آواز سے قبض روح کی اجازت چاہی شفاء السقام ص۱۵۲ و یؤید ذالک۔

ما قال تعالیٰ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۔

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من صلی علی عند قبری سمعتہ — جو شخص میری قبر کے قریب سے مجھ پر درود پڑھتا ہے

و من صلی علیّ نائیا بلغتہ ۔ — اسے میں خود سنتا ہوں اور جو دور دراز سے مجھ پر درود پڑھتا ہے وہ مجھکو بذریعہ فرشتوں کے پہنچا دیا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ قرب اور بعد کا یہ فرق حیات جسمانی کے اعتبار سے ہے نہ کہ حیات روحانی کے اعتبار سے۔

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

و ذلك لان لہ روحہ تعلقا بمقر بدنہ — اور وجہ اس کی یہ ہے کہ آپ کی روح مبارک کو آپکے

الشریف وحرام علی الارض ان تاکل
اجساد الانبیاء فحاله کحال النائم
الذی ترقی روحه بحسب قواها
مفشاء الله له بحسب قدره عند
الله فی الملکوت الاعلی ربها بالبدن تعلق
وهذا الخبر بسماعه صلاة المصلی علیه
عند قبره وهذا لا ینافیه ما مر فی خبره
حیثما کنتم فصلوا علی من ان معناه
لا تتکلفوا المعاودة الی قبری فان
صلاتکم تبلغنی حیث کنتم ما
ذالک الا لان الصلاة فی الحضور
مشافهة افضل من الغیبة لکن المنهی
عنه هو الاعتیاد الرافع للحشمة
المخالف لکمال الهیبة والاجلال
اهـ [1]

جسد اطہر کے مستقر یعنی قبر شریف کے ساتھ تعلق ہے
اور زمین پر انبیاء کرام کے اجسام کو کھانا قدرۃً
ممنوع ہے، پس قبر شریف میں آپ کا حال ایسا ہے
جیسے سونے والے کا حال ہوتا ہے کہ اس کی روح کو
عروج ہوتا ہے جس قدر جس درجہ اللہ کے یہاں
اس کا مرتبہ ہوتا ہے اسی قدر اس کو عالم ملکوت میں
عروج ہوتا ہے اور باوجود اس کے اس کی روح کو
اس کے بدن سے تعلق رہتا ہے اسی وجہ سے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ جو میری قبر کے
قریب سے مجھ پر صلاۃ وسلام پڑھے گا اس کو میں
خود سنوں گا اور یہ حدیث مذکور اس حدیث کے
منافی نہیں کہ جس میں یہ آیا ہے کہ تم جہاں بھی ہو مجھ پر
درود بھیجا کرو اس لئے کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں
کہ بار بار میری قبر پر حاضری کی مشقت اور کلفت مت
اٹھاؤ تمہارا درود وسلام مجھکو ہر جگہ سے پہنچے گا۔

جس سے معلوم ہوا کہ حاضر ہو کر بالمشافہ صلاۃ وسلام۔ غائبانہ صلاۃ وسلام سے افضل ہے
البتہ ایسی بار بار حاضری جس سے بارگاہ نبوت کی عظمت وہیبت میں کمی آجائے اس کو منع فرمایا۔
اور مسند بزار میں بسند جید عبداللہ بن مسعود سے مرفوعاً مروی ہے کہ امت کے اعمال آپ پر
پیش ہوتے ہیں اور آپ کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں [2]
ان تمام روایات سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کرام

---

[1] فیض القدیر ج: ۶، ص: ۱۷۰ [2] زرقانی۔ ج: ۵، ص: ۳۳۰

قبروں میں زندہ ہیں اور اُن کے اجسام مبارکہ بوسیدہ اور بالیدہ ہونے سے محفوظ ہیں اور وفات کے بعد عبادات سے معطل نہیں بلکہ نمازیں پڑھتے ہیں اور حج کرتے ہیں اور اللہ کی طرف سے اُن کو رزق ملتا ہے اور مزار مبارک پر جو شخص حاضر ہو کر صلاۃ وسلام پڑھتا ہے اس کو خود سنتے ہیں اور امت کے اعمال آپ پر قبر ہی میں پیش کئے جاتے ہیں یہ تمام امور اس امر کی قطعی دلیل ہیں کہ حضرات انبیاء کی حیات جسمانی ہے اور ارواحِ طیبہ کا اجسام مبارکہ سے تعلق قائم ہے غرض یہ کہ انبیاء کرام کی حیات دلائل قطعیہ سے ثابت ہے اور یہ امر بدیہی ہے کہ اُمت نے جسد اطہر کو وفات کے بعد قبر شریف میں ودیعت رکھا ہے اور شریعت نے مزار مبارک کی زیارت کی تاکید اکید کی ہے تو قبر مبارک ہی میں امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں اور قبر مبارک ہی میں آپ نماز ادا فرماتے ہیں اور قبر مبارک ہی میں آپ کو اللہ کی طرف سے رزق پہنچتا ہے اور اجسام مبارکہ کا قبروں میں دفن کیا جانا مشاہدہ اور معائنہ سے ثابت ہے جس میں کسی شک اور شبہ کی گنجائش نہیں اور اجساد مطہرہ کا قبور سے دوسری جگہ منتقل ہونا کہیں ثابت نہیں اور احادیث متواترہ سے انبیاء کرام کی جو حیات ثابت ہے وہ حیات فی القبور ہے نہ کہ حیات فی السموات۔ [1]

اور قبور میں اجسام ودیعت رکھے گئے ہیں تو ثابت ہو گیا کہ انبیاء کرام کی حیات جسمانی ہے۔ اور روح کا اصل تعلق اجسام سے قبروں میں ہے۔ غرض یہ کہ ان روایات سے یہ امر خوب واضح ہو گیا کہ وفات کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل مستقر [2] قبر مبارک ہے کہ جہاں آپ کا جسد اطہر محفوظ ہے نہ کہ آسمان اور اسی مقام پر آپ کی روح مبارک کا جسد اطہر سے تعلق ہے اور اسی جگہ آپ پر امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں اور با ایں ہمہ آپ کی رُوح مبارک کو عالم علوی سے بھی تعلق ہے لہٰذا اگر آپ کی روح مبارک سیر و تفریح کے لئے اعلیٰ علیین اور ملکوت السموات والارض میں باذن خداوندی جہاں چاہے جائے تو وہ اس کے منافی نہیں حق تعالیٰ شانہ کو اختیار ہے کہ اپنے برگزیدہ بندہ کو جہاں

---

[1] ۔ جذب القلوب ۔ ص: ۲۰۴

[2] ۔ قال الحافظ فی الفتح ج۶ ص۳۲۵ واما اجسادہم فی فی القبور فتح الباری باب التلبیہ اذا انحدر فی الوادی

چاہے سیر کرائے اور امور آخرت اور احوال برزخ کو احوال دنیا پر قیاس کرنا نادانی ہے

علامہ قاری شرح شفار میں لکھتے ہیں [۱]

المعتقد المعتمد انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ کسائر الانبیاء فی قبورھم وھم احیاء عند ربھم وان لارواحھم تعلقا بالعالم العلوی والسفلی کما کانوا فی الحال الدنیوی فھم بحسب القلب عرشیون وباعتبار القالب فرشیون واللہ سبحانہ اعلم باحوال ارباب الکمال ھذا شرح شفاء

وہ عقیدہ جس پر سلف وخلف کا اعتماد ہے وہ یہ کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم اپنی قبر میں زندہ ہیں جیسے دوسرے انبیاء کرام خدا تعالیٰ کے نزدیک زندہ ہیں اور اُن کی ارواح طیبہ کو بیک وقت عالم علوی اور عالم سفلی دونوں سے تعلق ہے جیسا کہ دنیوی زندگی میں دونوں عالم سے تعلق تھا یعنی وفات کے بعد بھی اسی طرح دونوں عالم سے تعلق قائم ہے قلب کے اعتبار سے عرشی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی ارباب کمال کے احوال کو خوب جانتے ہیں۔

[۲]

در نیابد حال پختہ ہیچ خام | پس سخن کوتاہ باید والسلام

حضرات انبیاء کرام بلاشبہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز و نیاز میں مشغول ہیں لیکن شب معراج میں۔ انبیاء کرام کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے لئے مسجد اقصیٰ میں جمع کر دیا گیا اور پھر جس کو چاہا آسمانوں پر بھی بلایا اور ظاہر یہی ہے کہ انبیاء کرام کی یہ ملاقات روح اور جسم دونوں کے ساتھ تھی جیسا کہ شیخ نور الحق دہلویؒ نے تیسیر القاری[۳] شرح بخاری میں لکھا ہے اور یہ بھی ممکن ہے۔[۴]

---

[۱] ج ۲، ص: ۱۴۲ ۔ [۲] پوشیدہ نماند کہ دیدن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء را صلوات اللہ وسلامہ علیہم وتکلم آنہا چنانکہ در حدیث مذکور است بر وضوح پیوستہ ناظر وملاقات است کہ آنہا بااشخاص خاصہ مادیدہ وقول مختار ومقرر جمہور اینست کہ انبیاء بعد از ذائقت موت زندہ اند بحیات دنیوی کما فی تیسیر القاری ص ۳۱۲ ج ۳ باب ذکر ادریس علیہ السلام یعنی حیات انبیاء در برزخ مانند حیات دنیوی است بلکہ حیات برزخی آن بزرگان اعلیٰ واقوی است از حیات دنیویہ بمراتب کہ عقل از تصور آن قاصر است ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ [۳] ج : ۲ ۔ ص ۱۴۲ [۴] ج ۳، ص: ۲۶۲ [۵] حافظ عسقلانی فتح الباری ص ۱۶۶ ج ۷ باب المعراج میں لکھتے ہیں واستشکل رویۃ الانبیاء فی السموات مع ان اجسادھم مستقرۃ فی قبورھم بالارض واجیب بان

(باقی اگلے صفحہ پر)

کہ شب معراج میں انبیاء کرام کے اصل اجسام مبارکہ تو قبر میں مقیم ہوں اور مسجد اقصیٰ میں آپ کی ملاقات کے لئے ان کی ارواح مبارکہ کو اُن کے اجسام عنصریہ کے ہم شکل بنا کر جمع کیا گیا ہو مگر ظاہر اور متبادر یہی ہے کہ حضرات انبیاء۔ ان ہی ابدان دنیویہ کے ساتھ جو اُن کی قبروں میں محفوظ اور صحیح سالم ہیں آپ کی ملاقات کے لئے جمع ہوئے ہوں اور قدرت قدیمہ کے لحاظ سے لقاء روحانی و جسمانی اور زمینی اور آسمانی اور ہر قسم کا نقل مکانی سب برابر ہیں محض استبعاد طبعی سے احادیث نبویہ کو رد کرنا بے عقلی اور بے دینی کی دلیل ہے باقی اصل حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ کس کیفیت اور کس شان سے ملاقات ہوئی۔ کس نکشا ذنکشاید بحکمت ایں معما را۔

حدیث میں ہے کہ مؤمن کی قبر کشادہ کر دی جاتی ہے اور جنت کا باغ بنا دی جاتی ہے۔ پس اگر روضۂ اقدس کو منورۂ فردوس بریں اور رشکِ علیین بنا دیا جائے تو کیا استبعاد ہے حضرت عثمان رضؓ سے ایام محاصرہ میں عرض کیا گیا کہ شام چلے جائیں تاکہ وہاں اس فتنہ اور بلاء سے محفوظ ہو جائیں تو یہ فرمایا کہ میں دار ہجرت (مدینہ منورہ) اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب اور مجاورت کو نہیں چھوڑ سکتا۔

ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے مکان کے کواڑ بنوائے تو یہ حکم دیا کہ یہ کواڑ مدینہ سے باہر جاکر بنائے جائیں تاکہ اُن کے بنانے کی آواز مسجد نبوی میں نہ آئے اور اس آواز کی وجہ سے حضور پُر نور کو تکلیف نہ ہو زرقانی شرح مواہب ج۸ ص۳۰۲ وشفاء السقام ص۱۴۳

ابو نعیم وغیرہ سعید بن مسیب سے روایت کرتے ہیں کہ جن ایام میں واقعۂ حرہ پیش آیا مسجد نبوی میں میرے سوا کوئی متنفس نہ تھا ان ایام میں جب نماز کا وقت آجاتا تو میں قبر مبارک سے اذان کو سنتا اس کے مطابق نماز ادا کرتا۔ تین دن تک مسجد نبوی میں نماز نہیں ہوئی۔ میں قبر مبارک

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ سے) ارواحهم تشكلت بصور اجسادهم او احضرت اجسادهم لملاقاة النبي صلى الله عليه وسلم تلك الليلة تشريفا وتكريما ويؤيده حديث عبد الرحمن بن هاشم عن انس نفسه وبعث له آدم ومن دونه من الانبياء ۱ھ

سے اذان کی آواز سن کر نماز پڑھتا تھا، زرقانی شرح مواہب ص۳۳۲ ج۵

یہ واقعہ بھی اس کی دلیل ہے کہ روح مبارک کا اسی جسد اطہر سے تعلق تام ہے کہ جو روضۂ قدس میں ودیعت رکھا گیا ہے سید سمہودی وفار الوفار باب ثامن کی فصل ثانی ص۴۰۵ ج۲ میں لکھتے ہیں۔

واما ادلة حياة الانبياء فمقتضاها	حیاۃ انبیار کے تمام دلائل کا مقتضی یہ ہے کہ حضرات
حياة الابدان كحالة الدنيا مع الا	انبیار۔ اپنے ابدان اور اجساد مطہرہ کے ساتھ
ستغناء عن الغذاء ومع قوة	زندہ ہیں جس طرح دنیا میں ابدان کے ساتھ زندہ
النفوذ في العالم وقد اوضحنا	تھے یعنی یہ آپ کی حیاتِ برزخیہ حیاتِ جسمانی
المسئلة في كتابنا المسمى بالوفاما	ہونے میں حیات دنیویہ کے مماثل اور مشابہ ہے فرق
لحضرة المصطفى صلى الله عليه	کہ عالم برزخ میں باوجود حیات جسمانی ہونے کے غذار
وسلم - اھ	سے مستغنی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے نفوذ کی قوت عطا فرمائی

ہے اور ہم نے اس مسئلہ کی پوری توضیح اپنی کتاب الوفا میں کی ہے۔ اھ

اور عہد صحابہ و تابعین سے لے کر اس وقت تک اُمت کے تمام علمار و صلحار کا یہ عمل رہا ہے کہ جو شخص زیارت نبوی کے لئے جاتا ہے اس کے واسطہ سے حضور پُر نور کی خدمت میں ہدیۂ سلام بھیجتے ہیں اور بہت سے اولیار اُمت نے جب حضور پُر نور پر سلام پڑھا ہے تو حجرۂ مبارکہ میں سے وعلیک السلام کی آواز اپنے کانوں سے سنی ہے فیض القدیر ص۴۷۹ ج ۲

جان می دہم در آرزوائے قاصد آخر باز گو
در مجلس آن نازنین حرفے کہ از ما می رود

یہ اس امر کی صریح دلیل ہے کہ روح مبارک کو جسم اطہر کے ساتھ اسی قبر منور میں تعلق ہے اسی جگہ سلام پڑھا جاتا ہے اور اسی جگہ سے جواب سُنا جاتا ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

شبہ یہ ہے کہ قرآن کریم صراحۃً آپ کی موت کے متعلق ناطق ہے اِنَّكَ مَيِّتٌ

وَّ اِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ اور حضور پُر نور کا ارشاد ہے انی رجل مقبوض اور صدیق اکبر نے وفات کے دن یہ خطبہ دیا فان محمدا قد مات جس کو تمام صحابہ نے تسلیم کیا۔ پھر حیات نبوی کے کیا معنی۔

جواب

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ تھوڑی دیر کے لئے موت کا مزہ چکھا اور پھر اللہ تعالےٰ نے آپ کو زندہ کر دیا اور زمین پر آپ کے جسم کو کھانا حرام کیا پس آپ اب حیات جسمانی کے ساتھ زندہ ہیں اور آپ کی یہ حیات حیات شہدا سے کہیں اکمل اور افضل ہے۔ (کذا فی شرح المواہب ومدارج النبوۃ [۱]۔ باب پنجم۔) ذکر فضائل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

قال الامام البیہقی فی کتاب الاعتقاد	امام بیہقی کتاب الاعتقاد میں فرماتے ہیں کہ حضرات
الانبیاء علیہم الصلاۃ والسلام	انبیاء کی ایک مرتبہ قبض روح کے بعد پھر اُن کی
بعد ما قبضوا ردت الیھم ارواحھم	ارواح ان کے ابدان میں واپس کر دی گئیں پس
نھم احیاء عند ربھم کالشھداء	انبیاء کرام حق تعالیٰ کے پاس شہداء کی طرح (بلکہ ان سے
[۲]	بڑھ کر) زندہ ہیں۔

اور حیات شہداء کے متعلق علامہ آلوسی روح المعانی ص ۲/۱۶ میں فرماتے ہیں۔

واختلف فی ھذہ الحیاۃ فذھب کثیر	حیات شہدا کی حقیقت میں علماء کا اختلاف ہے جمہور
من السلف الی انھا حقیقۃ بالروح	سلف کا مسلک یہ ہے کہ یہ حیات جسم اور روح
والجسد ولکنا لا ندرکھا فی ھذہ	کے ساتھ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد
النشأۃ ا د لوا بسیاق قولہ	ہے کہ شہداء کو خدا کے پاس رزق دیا جاتا ہے اور
تعالےٰ عند ربھم یرزقون و	ظاہر ہے کہ رزق جسم کے لئے ہوتا ہے نیز حیات روحانیہ
بات الحیاۃ روحانیۃ التی لیست	شہداء کے ساتھ مخصوص نہیں روحانی حیات تو تمام

ج: ۵، ص ۳۲، [۲] ج: ۱، ص: ۱۹۹ ۔ [۳] وفاء الوفاء ۔ ج: ۲، ص: ۴۰۶

بالجسد ليست من خواصهم فلا يكون لهم امتياز بذلك على من عداهم وذهب البعض الى انها روحانية [1]

مردوں کو حاصل ہے خواہ مؤمن ہوں یا کافر پس آیت بل احیاء سے جسمانی حیات مراد نہ ہو بلکہ روحانی حیات مراد ہو تو پھر شہداء کا امتیاز اور خصوصیت کیا ہوئی حالانکہ مقصود آیت سے شہداء کا امتیاز اور ان کی خصوصیت کو بیان کرنا ہے کہ جو ان کے ساتھ مخصوص ہو اور دوسروں میں وہ خصوصیت نہ پائی جائے اور ظاہر ہے کہ وہ خصوصیت اور امتیاز حیات جسمانی ہے اور بعض علماء ادھر گئے ہیں کہ شہداء کی حیات روحانی ہے۔

پس جبکہ شہداء کی حیات جسمانی ہے تو حضرات انبیاء کرام جو شہداء سے کہیں اعلیٰ و افضل ہیں ان کی حیات بدرجہ اولیٰ جسمانی ہوگی۔

علامہ سبکی فرماتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے کہ شہید کو نبی سے بڑھ کر کوئی اعلیٰ اور ارفع مرتبہ حاصل ہو سکے نیز شہداء کو یہ مرتبہ عالیہ (یعنی حیات جسمانی) کا مرتبہ نبی کی شریعت اور ملت کی حفاظت میں جانبازی اور سرفروشی کے صلہ میں ملا ہے۔ پس قیامت تک جو خدا کی راہ میں جہاد کرے گا اور شہید ہوگا تو ان تمام شہداء کا اجر نبی کریم کے نامہ اعمال میں ثبت ہوگا اور آپ کا مقام ان تمام شہداء سے باعتبار حیات کے سب سے اعلیٰ اور ارفع ہوگا۔ اس لئے کہ دین کا سنگ بنیاد رکھنے والے حضور پُرنور ہیں لہٰذا آپ کی تنہا حیات تمام شہداء عالم کی حیات سے زیادہ قوی اور بلند ہوگی۔ دیکھو شفاء السقام ص۱۴۸ نیز یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہید بھی ہیں چنانچہ

شیخ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ شاذ و نادر ہی کوئی نبی ایسا ہوگا کہ جہاں نبوت کے ساتھ شہادت جمع نہ کی گئی ہو پس انبیاء کرام نبی ہونے کے اعتبار سے بھی زندہ ہیں اور شہید ہونے کے اعتبار سے بھی زندہ ہیں کیونکہ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ

---

[1] روح المعانی۔ ج: ۲۔ ص: ۲۰ [2] قال السیوطی وقل الا وقد جمع مع النبوة وصف الشهادة فيدخلون فى عموم قوله تعالى وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا الاية زرقانی ص۳۳۲ ج ۵

کے عموم میں داخل ہیں۔

اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت شہادت وفات پائی اس لئے کہ آپ کی وفات اس زہر کے اثر سے ہوئی ہے کہ جو یہود نے خیبر میں آپ کو دیا تھا۔ (رواہ البخاری)

اخرج احمد وابو یعلی والطبرانی والحاکم والبیہقی عن ابن مسعود قال لان احلف تسعا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتل قتلا احب الی من ان احلف واحدۃ انہ لم یقتل وذلک ان اللہ اتخذہ نبیا واتخذہ شہیدا۔ [۱]

امام احمد ابو یعلی اور طبرانی اور حاکم اور بیہقی روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود یہ کہتے تھے کہ میں نو مرتبہ یہ قسم کھاؤں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقتول ہوئے یہ بہتر ہے اس سے کہ میں ایک مرتبہ یہ قسم کھاؤں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقتول نہیں ہوئے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی بھی بنایا اور شہید بھی بنایا۔

بلکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو سید الشہداء[۲] ہیں تمام شہداء ہیں تمام شہداء کے اعمال آپ کے نامۂ اعمال اور میزان میں ہیں پس آپ کی حیات تمام شہداء کی حیات سے اکمل اور اقوی ہوگی۔

علامہ شہاب خفاجی فرماتے ہیں۔

الانبیاء والشہداء احیاء وحیاۃ الانبیاء اقوی اذ لم یسلط علیہم الارض فہم کالنائمین والنائم لا یسمع ولا ینطق حتی یتنبہ
حاشیۂ حیاۃ الانبیاء للبیہقی۔

انبیاء اور شہداء یہ دونوں گروہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں لیکن انبیاء کی حیات۔ شہداء کی حیات سے بہت زیادہ قوی ہے اور جب زمین کو انبیاء کرام کے اجسام مبارکہ پر مسلط نہیں کیا اور انبیاء کے اجساد مطہرہ بعینہٖ محفوظ ہیں تو سمجھ لو کہ انبیاء کرام بمنزلہ

---

[۱] زرقانی۔ ج: ۵، ص: ۳۳۲

[۲] سید سمہودی وفاء الوفاء ص ج میں لکھتے ہیں: لا شک فی حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفاتہ وکذا سائر الانبیاء علیہم الصلاۃ والسلام احیاء فی قبورہم حیاۃ اکمل من حیاۃ الشہداء التی اخبر اللہ تعالیٰ بہا فی کتابہ العزیز ونبینا صلی اللہ علیہ وسلم سید الشہداء واعمال الشہداء فی میزانہ۔ اھ

سونے والوں کے ہیں اور سونے والا حالت نوم میں سننے اور جواب دینے سے معطل رہتا ہے جب تک وہ کسی کی طرف متوجہ نہ ہو۔

حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہ کا

کلام معرفت التیام

اہل سنت والجماعت کے تمام سلف اور خلف کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرات انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور اُن کے اجسام مطہرہ تغیرات ارضی سے محفوظ ہیں اور مشغول عبادت ہیں۔ عرب اور عجم کے حضرات متکلمین اور محدثین اور مفسرین اور اولیاء و عارفین اس موضوع پر مستقل رسالے اور مقالے لکھتے چلے آئے۔

تیرھویں صدی کے اخیر میں سرخیل اولیاء و عارفین و سرتاج حضرات متکلمین حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہ نے اس موضوع پر آب حیات کے نام سے ایک مستقل کتاب تحریر فرمائی جو حقائق و معارف لدنیہ کا ایک عجیب و غریب خزینہ اور گنجینہ ہے۔

حسب ارشاد باری تعالیٰ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ اور اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ تمام سلف اور خلف اس پر متفق ہیں کہ سوا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تمام حضرات انبیاء کرام پر موت طاری ہوئی اور اُن کی تجہیز و تکفین کی گئی اور مقابر میں دفن کئے گئے اس کے بعد حضرات متکلمین و محدثین یہ فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام ایک مرتبہ موت طاری ہونے کے بعد دوبارہ زندہ کئے گئے اور قیامت تک زندہ رہیں گے انبیاء کرام پر اگرچہ تھوڑی دیر کے لئے موت طاری ہوئی مگر وہ موت دائم اور مستمر نہیں بلکہ عارض اور غیر مستمر تھی۔

اور مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام کی وفات اور ممات تو کتاب اور سنت اور اجماع اُمت اور مشاہدہ عالم سے ثابت ہے جس کا اعتقاد ضروری ہے۔

اور انکار نا جائز ہے لیکن انبیاء کرام کی موت اور وفات کی حقیقت اور نوعیت اور کیفیت عامۂ مؤمنین کی موت کی نوعیت اور کیفیت سے مختلف ہے عامۂ مومنین کی موت۔ مزیل حیات ہے اور انبیاء کرام کی وفات ساتر حیات ہے انبیاء کرام کی وفات اور ممات ظاہری ہے جس کے باطن میں اُن کی حیات مستور ہے جس طرح زیر پردۂ سحاب نور آفتاب مستور ہو جاتا ہے اسی طرح زیر پردۂ ممات انبیاء کرام کی حیات مستور ہو جاتی ہے معاذاللہ۔ مولانا کا یہ مطلب ہرگز ہرگز نہیں کہ انبیاء کرام پر موت طاری ہی نہیں ہوئی بلکہ مولانا موت اور وفات کے اعتقاد کو لازم اور ضروری سمجھتے ہیں۔ مولانا کا تمام کلام۔ حضرات انبیاء کرام وفات اور موت کی نوعیت اور کیفیت کے تعیین میں ہے انبیاء کرام کی وفات سے ذرہ برابر انکار نہیں جیسے حضرات متکلمین کا یہ اختلاف کہ صفات باری تعالیٰ عین ذات ہیں یا لاعین اور لاغیر۔ یہ اتصاف کی نوعیت کی تعیین میں کلام ہے نفس اوصاف میں کلام نہیں اسی طرح حضرت نانوتوی کا تمام کلام انبیاء کرام کی وفات اور ممات کی تعیین میں ہے اور نفس موت کے اعتقاد کو لازم اور ضروری سمجھتے ہیں چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ میں انبیاء کرام کو انھیں اجسام دنیاوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں بہ حسب ہدایت كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ اور اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ تمام انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی نسبت موت کا اعتقاد بھی ضرور ہے [۵]

لیکن انبیاء کرام کی زندگی زیر پردۂ موت۔ ظاہر بینوں کی نظر سے مستور ہے مثل امت کے ان کی موت میں زوال حیات نہیں۔ حضرات انبیاء زندہ ہیں اُن کی موت اُن کی حیات کے لئے ساتر ہے۔ رافع حیات اور دافع حیات نہیں [۶]

بلکہ موت کے وقت انبیاء کرام کی حیات اور بھی شدید ہو جاتی ہے، موت انبیاء کرام اور موت عوام میں ایسا فرق ہے جیسا کہ شمع یا چراغ کو کسی ہنڈیا میں رکھ کر اوپر پوش رکھدینے میں اور

۵۔ لطائف قاسمی۔ ص ۱۳، ۴۰۔

۶۔ آب حیات از مولانا محمد قاسم۔ ص ۴۲، ۴۲۔ ۴۳۔

شمع اور چراغ کے گل ہو جانے میں فرق ہے۔ گل ہو جانے میں نور زائل ہو جاتا ہے اور ہنڈیا میں رکھ کر سرپوش رکھ دینے سے نور مستور ہو جاتا ہے زائل نہیں ہوتا بلکہ سرپوش رکھ دینے سے تمام شعاعیں باہر سے سمٹ کر اس ظرف میں آجاتی ہیں بلکہ خود شعلۂ چراغ میں سما جاتی ہیں جس سے وہ نور اور شدید ہو جاتا ہے، پس عام مؤمنین کی موت سے ان کی حیات کا نور بالکل زائل ہو جاتا ہے اور انبیاء کرام کی موت سے ان کی حیات کا نور مستور ہو جاتا ہے زائل نہیں ہوتا اگرچہ ظاہر نظر میں فرق نہ معلوم ہو شمع اور چراغ گل ہو جائے یا کسی ظرف میں رکھ دینے کی وجہ سے اس کا نور مستور ہو جائے باعتبار مکان کے اندھیرا دونوں صورتوں میں برابر ہے [۱]

اور اس ظاہری موت کی وجہ سے حضرات انبیاء کرام کا قبروں میں مستور ہو جانا بمنزلہ پردہ کشی یا پردہ نشینی یا گوشہ نشینی سمجھا جائے گا۔ [۲]

(۱)۔ اور دلیل اس کی یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام کے اجسام مبارکہ کا حسب سابق صحیح و سالم رہنا اور تغیرِ ارضی سے بالکلیہ محفوظ رہنا۔

(۲)، اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اُن کی ازواج مطہرات کے نکاح کا حرام ہونا۔

(۳)۔ اور اُن کے اموال میں میراث کا جاری نہ ہونا امور ثلاثہ میں سے ہر امر حیات انبیاء پر شاہد عدل ہے اور اس امر کی صریح دلیل ہے کہ ارواح طیبہ کا اجسام مبارکہ سے تعلق منقطع نہیں ہوا بلکہ موت کے بعد بھی انبیاء کرام کو اپنے ابدان سے اسی قسم کا تعلق ہے جس قسم کا پہلے تھا بخلاف شہداء کے کہ موت سے اُنکی ارواح کا ان دنیاوی ابدان سے تعلق منقطع ہو جاتا ہے اور ان ابدان کو چھوڑ کر ابدان جنت سے تعلق ہو جاتا ہے یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ شہداء کے مال میں میراث ہوئی اور انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے مال میں میراث جاری نہ ہوئی حالانکہ يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ سب کو عام ہے، عوام ہوں یا رسول اللہ علیہ وسلم نیز شہداء کی ازواج کو بعد عدت معروفہ نکاح کی اجازت ہوئی جو انقطاع حیات پر دال ہے اور رسول اللہ صلی اللہ

---

[۱]۔ آب حیات از مولانا محمد قاسم۔ ص ۲۲۴، ۲۲۳ [۲]۔ ایضاً۔ ص ۲۳۴

علیہ وسلم کی ازواج کی شان میں یہ حکم آیا کہ وَلَاۤ اَنۡ تَنۡکِحُوۡۤا اَزۡوَاجَہٗ مِنۡۢ بَعۡدِہٖۤ اَبَدًا جو ابدی طور پر حرمت نکاح ازواج مطہرات پر دال ہے۔ معلوم ہوا کہ نکاح منقطع نہیں ہوا جیسا کہ اَزۡوَاجُہٗۤ اُمَّہٰتُہُمۡ بھی اسی پر دال ہے کہ علاقہ زوجیت حسب سابق قائم ہے کیونکہ ازواجہ جمع زوجہ کی ہے جو صفت مشبہہ ہے دوام اور ثبوت پر دال ہے اور زوال جسمانی کی منکوحہ سے نکاح کی حرمت کو اسی طرح بیان فرمایا۔ وَلَا تَنۡکِحُوۡا مَا نَکَحَ اٰبَآؤُکُمۡ نکح فعل ماضی جو حدوث اور تجدد پہ دلالت کرتا ہے جس سے منکوحیت کا زوال ہویدا ہے اور جب ازواج مطہرات کا نکاح ہی منقطع نہیں ہوا تو ازواج مطہرات مجملہ وَالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ ہو جائیں گی [۵۱]

اور بقاء نکاح بے علاقہ روح و جسد متصور نہیں شہدا میں باوجود حیات کے بوقت موت جسم خاکی سے کچھ تعلق باقی نہیں رہتا شہدا اور عامہ مومنین کی موت میں فرق اتنا ہے کہ ارواح شہدا کو جسد اوّل سے تعلق منقطع ہو جانے کے بعد اور ابدان سے تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور اس حساب سے ان کو حیات روحانی جسمانی دونوں حاصل ہو جاتی ہیں اور باقی مومنین امت کے لئے اس نقصان کی کچھ مکافات نہیں کی جاتی بہرحال ابدان دنیا سے دونوں کو کچھ تعلق نہیں رہتا۔ تو پھر اشیاء متعلقہ ابدان دنیوی سے کہاں تعلق رہ سکے کہ اُن کے اموال و ازواج جوں کے توں انھیں کے ازواج و اموال سمجھے جائیں اور کسی اور کو نکاح کی اجازت نہ ہو اور وارثوں کو تقسیم و تصرف کرنے کی اجازت نہ دیں کیونکہ مال اور ازواج ارواح کو بتقاضائے تعلق جسمانی مطلوب ہوتے ہیں بذات خود مطلوب روحانی نہیں اس لئے بعد انقطاع علاقہ جسمانی ازواج و اموال کے ساتھ جو علاقہ تھا وہ بدرجہ اولیٰ منقطع ہو جائے گا اور باوجود حیات شہدا ان کی ازواج کو مثل ازواج دیگر مومنین امت بعد انقضاء عدت اختیار نکاح ہوگا اور اُن کے اموال متروکہ میں میراث بدستور معمول جاری رہے گی موت شہدا کے حق میں موجب زوال حیات اوّل ہے اور وہ حیات جس کے تحقق پہ کلام اللہ اور احادیث صحیحہ ناطق ہیں وہ حیات ثانی ہے اور لفظ عند ربہم اسی طرف

---

[۵۱] ایضاً۔ ص : ۱۸۵

مشیر معلوم ہوتا ہے ہاں علاقہ حیات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام منقطع نہیں ہوتا اس لئے ازواج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور نیز اموال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بدستور آپ کے نکاح اور آپ ہی کی ملک باقی رہیں گے اور اغیار کو اختیار نکاح ازواج اور ورثہ کو اختیار تقسیم اموال نہ ہوگا۔ بالجملہ موت انبیاء کرام اور موت عوام میں زمین و آسمان کا فرق ہے وہاں استتار زیر پردۂ موت ہے اور یہاں انقطاع حیات بوجہ عروض موت ہے اور شاید یہی وجہ ہو کہ جناب باری نے حضرت سرور عالم کو انک میت سے جدا خطاب فرمایا اور آپ کے سوا دوسروں کو وانہم میتون سے جدا خطاب فرمایا اور مثل جملہ لاحقہ ثُمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ عِنْدَ رَبِّکُمْ تَخْتَصِمُوْنَ سب کو شامل کرکے اِنَّکُمْ مَیِّتُوْنَ نہ فرمایا سو وہ موت اسی فرق مراتب کی طرف اشارہ ہے۔

پس جس طرح حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور حیات مومنین امت میں فرق ہے اور جس طرح نوم نبوی اور نوم مومنین میں فرق ہے جیسا کہ حدیث میں ہے تنام عینای ولا ینام قلبی وکذلک الانبیاء تنام اعینہم ولا تنام قلوبہم (بخاری شریف)

اسی طرح موت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور موت مومنین میں بھی فرق ہے۔ حدیث میں ہے کہ النوم اخو الموت۔ اور قرآن کریم میں ہے اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا وَالَّتِیْ لَمْ یَمُتْ فِیْ مَنَامِہَا۔ حق جل شانہ نے اپنے کلام پاک میں موت اور نوم دونوں کو ایک سلک میں کھینچا ہے اور دونوں کی حقیقت توفی اور امساک بیان فرمائی ہے۔

عامۂ مومنین کو بحالت خواب توفی و امساک روح کی وجہ سے ادراک و شعور میں جو تعطل ہوتا ہے وہ حضرات انبیاء کو بوقت خواب نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام کے خواب میں اور وحی بیداری میں کچھ فرق نہیں ہوتا، انبیاء آنکھیں سوتی ہیں اور دل ان کے بیدار رہتے ہیں اور ان کا خواب بمنزلہ وحی بیداری کے ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کا واقعہ اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی اس پر شاہد عادل ہے عامۂ مومنین کی قوت علمیہ اور ادراکیہ بوقت خواب معطل ہو جاتی ہے مگر حضرات انبیاء کرام کی قوت علمیہ بوقت خواب بدستور باقی رہتی ہے[۵]

۵ ایضاً ص ۲۱۸ - ۲۲۰

(یہاں تک حضرت مولانا نانوتویؒ کے کلام کا خلاصہ ختم ہوا) حضرات اہل علم۔ اصل آب حیات کی مراجعت فرمائیں۔

اب یہ مؤلف حقیر سراپا تقصیر۔ اہل اسلام کی خدمت میں عرض گزار ہے کہ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ حضرات[1] انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام روحانی اور جسمانی حیثیت سے عامۃ البشر سے جدا اور ممتاز ہیں اور قرب خداوندی میں جبریل و میکائیل اور ملائکہ مقربین سے افضل اور برتر ہیں حضرت آدم کو حق جل شانہ نے خاص اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور تاج خلافت کا ان کے سر پر رکھا اور اس جسم خاکی کو اجسام نورانیہ (ملائکہ) کا مسجود بنایا اور حضرات انبیاء کو جسمانی حیثیت سے عامۃ البشر پر امتیاز عطا کیا کہ اُن کے اجسام مبارکہ کو ایسا نظیف اور لطیف اور مطہر اور معطر پیدا کیا کہ ان حضرات کے اجسام سے جو پسینہ نکلتا تھا وہ اس درجہ خوشبودار ہوتا تھا کہ مشک اور عنبر بھی اس سے کمتر اور فروتر تھا۔

اخرج البیہقی وغیرہ عن عائشۃ	امام بیہقی وغیرہ نے عائشہ صدیقہ سے روایت کیا
قالت قلت یا رسول اللہ انک تدخل	ہے کہ عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ
الخلاء فاذا خرجت دخلت فی اثرک	آپ بیت الخلا جاتے ہیں اور آپ کے بعد میں
فما اری شیئا الا انی اجد رائحۃ	بیت الخلاء جاتی ہوں تو وہاں کوئی چیز مجھ کو نظر نہیں
المسک قال انا معشر الانبیاء تنبت	آتی اِلّا یہ کہ مشک کی خوشبو پاتی ہوں۔ آپ نے
اجساد نا علی ارواح اھل الجنۃ	فرمایا۔ ہم گروہ انبیاء کی خاص شان ہے ہمارے
فما خرج منھا من شئی ابتلعتہ	اجسام کی پیدائش اور نشو ونما اہل جنت کی ارواح
الارض۔ (خصائص کبری ج[2] ص ۱۷)	کے طور و طریق پر ہوتی ہے جو چیز بھی انبیاء کے بدن

---

[1] امام رازی نے تفسیر کبیر ص ۴۵۵ ج ۲ میں اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ کی تفسیر میں حلیمی کا کلام نقل کیا ہے کہ انبیاء کرام قوائے جسمانیہ و روحانیہ میں تمام عالم سے ممتاز اور جدا ہوتے ہیں حضرات اہل علم تفسیر کبیر کی مراجعت کریں۔ [2] شیخ جلال الدین سیوطی نے خصائص کبری ص ج ۱ میں اس حدیث (بقیہ اگلے صفحہ پر)

سے نکلتی ہے زمین اُس کو فوراً نگل لیتی ہے۔

یعنی انبیاء کرام کے اجسام اہلِ جنت کی ارواح کی طرح نظیف اور لطیف اور پاکیزہ ہوتے ہیں جس طرح اہلِ جنت کے جسم سے جو چیز نکلتی ہے وہ مشک وعنبر سے زیادہ پاکیزہ اور معطر ہوتی ہے اسی طرح انبیاء کرام کے اجسام سے جو چیز نکلتی ہے وہ بھی مشک وعنبر کی طرح معطر ہوتی ہے یعنی انبیاء کرام کے اجسام کی فطرت اور حقیقت اور مزاجی کیفیت اور ساخت و پرداخت اہلِ جنت کے طور و طریق پر ہوتی ہے اور اسی وجہ سے انبیاء کے اجسام مبارکہ وفات کے بعد اہلِ جنت کے ارواح اور اجسام کی طرح بوسیدہ اور بالیدہ ہونے سے محفوظ رہتے ہیں اور اسی وجہ سے علماء کی ایک جماعت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات اور بول وبراز کی طہارت کی قائل ہے، دیکھو شرح شفاء قاضی عیاض للعلامۃ القاری[1]

حدیث میں ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگوائے تو عبداللہ بن زبیر کو حکم دیا کہ یہ خون کسی ایسی جگہ ڈال آؤ کہ جہاں کسی کی نظر نہ پڑے عبداللہ بن زبیر اس خون کو پی گئے، جب واپس آئے تو آں حضرت نے دریافت فرمایا کہ اے عبداللہ کیا کیا۔ عرض کیا یا رسول اللہ میں اس کو نہایت پوشیدہ جگہ میں رکھ آیا ہوں کہ جہاں کسی کی نظر نہیں پہنچ سکتی، آپ نے فرمایا شاید تو نے اس کو پی لیا ہے افسوس۔ اخرجہ البزار وابو یعلی والطبرانی والحاکم والبیہقی[2]

اور ام ایمن۔ اور ام یوسف کا بول نبوی پی جانا اور پھر ان کا کبھی بیمار نہ ہونا یہ بھی احادیث میں آیا ہے۔[3]

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا) کہ طرق اور اسانید پر کلام کیا اور یہ بتلایا ہے کہ یہ حدیث مستند اور معتبر ہے اور سات سندوں سے مروی ہے۔ لہٰذا جن لوگوں نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے وہ قطعاً صحیح نہیں، خصائص کبریٰ صفحہ ۱/ج اور علامہ قاری نے شرح شفا قاضی عیاض صفحہ ۲۰/ج۱ میں اس حدیث کو مستند اور ثابت قرار دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ قال ابن دحیۃ بعد ان اورد لاھذا السند ثابت قیل وھو اقوی ما فی الباب آھ

[1] ج: ۱، ص: ۱۶۰

[2] الخصائص الکبریٰ۔ ج ۱، ص ۶۸ [3] ایضاً۔ ص ۶۹

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء کرام کے اجسام اپنے باپ آدم علیہ السّلام کے جسم مبارک کا نمونہ ہیں کہ جو جنّت میں حق تعالیٰ کے دست قدرت سے پیدا ہوا اس لئے وفات کے بعد صحیح وسالم رہتے ہیں اور تغیرات ارضی سے محفوظ ہوتے ہیں جس طرح اہل جنّت کے اجسام تغیر و تبدل سے محفوظ ہوں گے اسی طرح انبیاء کرام کے اجسام بھی وفات کے بعد تغیّر و تبدل سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ حضرت آدم کی اصلی اور محبوب ترین اولاد انبیاء کرام ہیں اور حدیث میں ہے کہ الولد سر لابیہ پس عجب نہیں کہ ما خلقت بیدی کے انوار و برکات اور بلا واسطہ دست قدرت سے تخلیق و تکوین کے آثار انبیاء کرام کو اپنے والد محترم حضرت آدم سے وراثت میں ملے ہوں اور جو چیز اصطفاء اور اجتباء کے لوازم میں سے ہو اس کی توریث فقط مصطفین الاخیار کی حد تک محدود رہے اور سلامت اجساد انبیاء بعد الوفات اسی اصطفاء آدم کے لوازم میں سے ہو جس کی توریث خاص برگزیدہ بندوں کے لئے مخصوص کر دی گئی ہو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمانی خصائص کی تفصیل اگر درکار ہو تو شرح شفاء قاضی عیاض اور خصائص کبریٰ کو ملاحظہ فرمائیں۔

جو شخص حضرات انبیاء کرام کی جسمانی و روحانی خصوصیتوں کو پیش نظر رکھے گا، اس کو اس امر میں ذرہ برابر شک نہ رہے گا کہ حضرات انبیاء اگرچہ ظاہراً جنس حیات میں عامۃ البشر کے ساتھ شریک ہیں لیکن درحقیقت اور درپردہ حیات انبیاء کی حقیقت اور نوعیت اور کیفیت عامۃ الناس کی حیات سے بالکل مختلف اور جدا ہے اور تمام عالم کی بیداری کو ان حضرات کی بیداری کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں جو قطرہ کو دریا کے ساتھ ہوتی ہے، یہ تو انبیاء کرام کی حیات اور بیداری کا کچھ حال عرض کیا۔ اور انبیاء کرام کے خواب کا یہ حال ہے کہ بحالت خواب انبیاء کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل ان کے بیدار ہوتے ہیں جیسا کہ بخاری شریف میں متعدد جگہ مذکور ہے اور بخاری شریف کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نوم انبیاء کا ناقض وضو نہیں ۔

نوم النبی عند الامام الاعظم   لا ینقض الوضوء حتماً فاعلم

اور حدیث میں ہے کہ :

ماتثاءب نبی قط وما احتلم قط — کسی نبی کو کبھی جمائی نہیں آئی اور نہ کسی نبی کو کبھی احتلام ہوا کیونکہ تثاؤب اور احتلام شیطان کے تلاعب سے ہوتا ہے اور انبیاء کرام اس سے پاک اور منزّہ ہوتے ہیں [سلہ]

اور انبیاء کرام کا خواب وحی ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا قصہ ہے اِنِّی اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّی اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی اس کی صریح دلیل ہے یہ ناممکن ہے کہ انبیاء کرام کا خواب اضغاث احلام کے قبیل سے ہو اور اس ناچیز کا ایک شعر بھی ہے۔

خوابِ پیغمبر چو صبحِ صادق است [ٹہ] — وحیِ بیداری چو روزِ روشن است

حدیث میں ہے۔

وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا نام لم نوقظہ حتی یکون ھو یستیقظ لانا لا ندری ما یحدث لہ فی نومہ۔ بخاری شریف باب الصعید الطیب وضوء المسلم من (کتاب التیمم ص۴۹ ج۱ وقسطلانی ص۳ ج۱ وفتح الباری ص۳۸۰ ج۱)

صحابہ کرام کہتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم جب سویا کرتے تھے تو ہم آپ کو جگاتے نہیں تھے یہاں تک کہ آپ خود ہی بیدار ہوں، اس لئے کہ ہم کو معلوم نہیں کہ خواب کی حالت میں آپ کو من جانب اللہ کیا چیز پیش آ رہی ہے اور اس حالت میں آپ پر کیا وحی نازل ہو رہی ہے تو آپ کو جگا کر اس وحی کے انقطاع کا سبب کیوں بنیں۔

موسیٰ علیہ السلام جب سو گئے تو حضرت یوشع نے فرمایا لا اوقظہ میں موسیٰ علیہ السلام کو جگاؤں گا نہیں۔ (بخاری شریف)

پس جس طرح حضرات انبیاء کی حیات اور ان کی بیداری اور ان کا خواب عامۂ مؤمنین کے حیات اور بیداری اور خواب سب سے جدا اور ممتاز ہے اسی طرح سمجھو کہ انبیاء کرام کی وفات وممات بھی عامۂ مؤمنین کی وفات اور ممات سے جدا اور ممتاز ہے۔

سلہ۔ زرقانی شرح مواہب ج: ۵۔ ص: ۲۴۸

ٹہ۔ کما فی بدء الوحی من صحیح البخاری وکان لا یری رؤیا الا جاءت مثل فلق الصبح ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ

حق جل شانہ نے اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِہَا میں۔ عامۃ الناس کی توفی کو دو قسموں پر منقسم فرمایا ہے ایک توفی نوم۔ اور ایک توفی موت۔ اور ظاہر ہے کہ انبیار کرام کی توفی منام عامۃ الناس کی توفی منام سے بالکل جدا اور ممتاز ہے۔ بوقت خواب عامۃ الناس کے قوائے حسیہ اور قوائے علمیہ معطل ہو جاتے ہیں مگر حضرات انبیار کرام کے قوائے ادراکیہ بوقت خواب معطل نہیں ہوتے۔ ان حضرات کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار ہوتے ہیں۔ یعنی ان حضرات کی غفلت بحالت خواب محض ظاہری ہوتی ہے اور باطنی طور پر اس میں بیداری اور ہوشیاری مستور ہوتی ہے۔

اسی طرح حضرات انبیار کی توفی موت۔ عامۃ الناس کی توفی موت سے جدا اور ممتاز ہوتی ہے اور منام کی طرح ان کی وفات اور ممات ظاہری ہوتی ہے جس کے پردہ میں حیات مستور ہوتی ہے۔

حضرات انبیار کرام کے متعلق یہ اعتقاد ضروری ہے اور لازمی ہے کہ وہ بمقتضائے بشریت سوتے ہیں لیکن یہ اعتقاد ضروری نہیں کہ ان کا سونا ہمارے سونے کی طرح ہے بلکہ ان کے خواب میں بیداری مستور ہوتی ہے اسی طرح حضرات انبیار کرام کے متعلق یہ اعتقاد ضروری اور لازمی ہے کہ حسب ارشاد باری کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ اور اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ۔ حضرات انبیار کو بھی موت عارض ہوتی ہے لیکن یہ اعتقاد ضروری نہیں کہ ان حضرات کی موت ہماری موت کی طرح ہے اور جس طرح ہم موت کا مزہ چکھتے ہیں اسی طرح انبیار نے موت کا مزہ چکھا ہے بلکہ ایسا اعتقاد سراسر خلاف ادب ہے جو بلاشبہ اپنے اندر گستاخی کو چھپائے ہوئے ہے، ہر شخص اپنے اپنے مرتبہ کے مطابق موت کا مزہ چکھتا ہے ؎

مرگِ ہر ایک اے پسر ہم رنگ اوست | پیش دشمن دشمن و بر دوست دوست
خلق در بازار یکساں مے روند | آں یکے در ذوق و دیگر دردمند
ہم چنیں در مرگ یکساں مے رویم | نیم در خسران و نیمے خسرویم

اور ابرار و احرار کی موت کا یہ حال ہوتا ہے، جس کو عارف رومی نے بیان کیا ہے

ظاہرش مرگ و بباطن زندگی ظاہرش ابتر نہاں پائندگی

حضرات عارفین کے اس قسم کے کلمات نقل کرنے سے صرف اتنا مقصود ہے کہ مولنا نانوتوی کی یہ تعبیر کہ انبیاء کرام کی وفات ساتر حیات تھی بالکلیہ مزیل حیات نہ تھی۔ یہ ایسی تعبیر نہیں کہ جو محل انکار بن سکے۔

مولانا نانوتوی۔ آب حیات اور اپنے مکتوبات میں اس امر کا صراحت کے ساتھ ذکر فرماتے کہ حسب ہدایت کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ اور اِنَّكَ مَيِّتٌ وَ اِنَّهُمْ مَيِّتُوْنَ انبیاء کرام کے حق میں نسبت موت کا اعتقاد ضروری اور لازم ہے کلام صرف اس کی نوعیت کی تعیین میں فرماتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جنس عام میں اشتراک کی وجہ سے یہ لازم نہیں کہ درجات اور مراتب اور صفات اور کیفیات میں بھی اتحاد ہو جائے۔ فرق مراتب بہرحال لازم ہے۔ ؎

گر فرق مراتب نکنی زندیقی

پس جس طرح انبیاء کرام کی نوم اور خواب میں اُن کی بیداری اور ہوشیاری مستور ہوتی ہے، اسی طرح اگر انبیاء کرام کی وفات میں اُن کی حیات مستور ہو تو کیا استبعاد ہے۔

حضرات اولیاء عارفین فرماتے ہیں کہ ممکنات موجود ہیں مگر ان کے وجود عارضی میں ان کا عدم ذاتی مستور ہے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں ؎

بشناس کہ کائنات رو در عدم اند بل در عدم ایستادہ ثابت قدم اند

ممکنات کا وجود کوئی حقیقی وجود نہیں محض ایک نمود بے بود ہے۔

کل مافی الکون وھم او خیال او عکوس فی المرایا او ظلال

اور برائے نام ہماری یہ ہستی ہماری نیستی کا آئینہ ہے جس میں سے قدم قدم پر عدم جھکتا ہوا اور جھلکتا ہوا نظر آتا ہے بعنوان باب العلل۔ انسان جب بیمار ہوتا ہے تو اس وقت اس کو اپنی حیات میں موت نظر آنے لگتی ہے اور یہ بیماری بمنزلہ آئینہ کے ہے جس میں سے انسان کو اپنی موت نظر آتی ہے جہاں کوئی مجبوری اور لاچاری پیش آئی تو اسی وقت اپنی قدرت حادثہ کے پردہ میں سے

اپنا ذاتی عجز نظر آنے لگتا ہے اور جب کوئی دقیق اور غامض مسئلہ سامنے آتا ہے اور عقل اُس کے حل سے جواب دے بیٹھتی ہے تو اس وقت آپنے علم حصولی حادث کے پردہ میں سے اپنا جہل ذاتی نظر آنے لگتا ہے۔

پس اگر اسی طرح کسی عالم ربانی اور عارف یزدانی اور چودھویں صدی کے ایک مولوی معنوی یعنی مولانا نانوتوی کو اپنے نور بصیرت سے حضرات انبیاء کی وفات اور ممات کے پردہ میں سے اُن کی حیات ذاتی نظر آتی ہو تو کیا استبعاد ہے۔

اذا لم تر الہلال فسلّم   لاناس رأوہ بالابصار

موت اور حیات بیشک ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن ایک ضد کا دوسری ضد کے تحت میں مستور اور مغمور ہونا بارگاہ انبیاء اور اولیاء میں مسلم ہے، عارف رومی فرماتے ہیں۔

در عدم ہستی برادر چوں بود   ضد اندر ضد کے مکنون شود

اور مولانائے روم نے مثنوی میں شرح و بسط سے اس مسئلہ پر کلام فرمایا ہے یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ بدان الی آخرہ

بات لمبی ہوگئی۔ اس نابکار و ناہنجار کا تو یہ حال ہے کہ جب سلف صالحین اور علماء ربانیین کی حیات طیبہ اور ان کی پاکیزہ زندگی کا خیال آتا ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہماری زندگانی بمنزلہ موت کے ہے اور ہماری بیداری بمنزلہ خواب کے ہے یعنی ہماری یہ ناقص اور مکدر حیات ہماری ممات کی ساتر ہے اور ہماری اس برائے نام بیداری میں ہمارا خواب غفلت مستور ہے ہمارا حال تو یہ ہے

وَخبّرنی البوّابُ انک نائم   فقلتُ اذا استیقظت ایضاً نائم

اور عارف رومی کا یہ شعر زبان پر آجاتا ہے۔

آزمودم مرگ من در زندگی است   چوں رہم زین زندگی پایندگی است

اقتلونی اقتلونی یا ثقات   ان فی قتلی حیاتاً فی حیات

یا منیر الخد یا روح البقا   اجتذب روحی وجُدلی باللقا

امام قرطبیؒ حیات انبیاء کرام کے دلائل بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

یحصل من جملته القطع بان موت الانبیاء انما ھو راجع الی ان غیبوا عنا بحیث لا ندرکھم وان کانوا موجودین احیاء ولا یراھم احد من نوعنا الا من خصه الله تعالیٰ بکرامة من اولیاءہ انتھیٰ ۔کذا فی شرح المواھب للزرقانی ص۳۳۲ ج۵ وکذا فی انباء الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء للسیوطی ص۱۳۹ ج ۲ ۔از مجموعۃ رسائل سیوطی ۔	ان تمام دلائل سے امر کا علم یقینی اور قطعی حاصل ہوجاتا ہے کہ انبیاء کرام کی موت کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ وہ ہماری نظروں سے پوشیدہ کردیئے گئے کہ ہم ان کا ادراک اور احساس نہیں کرسکتے اگرچہ وہ موجود اور زندہ ہیں اور ہماری نوع کا کوئی فرد ان کو دیکھ نہیں سکتا الا یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی ولی کو بطور کرامت اور خرق عادت بحالت بیداری اپنے کسی نبی کی زیارت سے مشرف فرمائے ۔

اور علامہ سبکی اور علامہ سیوطی اور علامہ زرقانی اور حافظ ابن قیم کے نزدیک بھی یہی مختار ہے کہ انبیاء کرام کی موت کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ وہ ہماری نظروں سے پوشیدہ کردیئے گئے وہ بلاشبہ زندہ ہیں اگرچہ ہم اپنی آنکھوں سے اُن کی حیات کا مشاہدہ نہیں کرسکتے جیسے سونے والا زندہ ہوتا ہے مگر ہم کو اس کی حیات کا ادراک اور شعور نہیں ہوتا تمام حضرات محدثین کا یہی مسلک ہے۔

اور امام بیہقی[1] نے جزء حیات الانبیاء کے اخیر میں لکھا ہے کہ انبیاء کرام کی موت من کل الوجوہ موت نہیں بلکہ اُن کی موت کی حقیقت صرف بیہوشی اور عدم احساس کا درجہ ہے۔

علامہ مناوی فیض القدیر ص۹۱ ج ۵ میں فرماتے ہیں کہ موت کا اطلاق کبھی تعطل عن الحواس والادراک پر آتا ہے جیسا کہ حدیث میں بیدار ہونے کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بعد

---

[1] امام بیہقی رح کی اصل عبارت یہ ہے ۔فہم احیاء عند ربہم کالشھداء فاذا نفخ فی النفخة الاولی صعقوا ثم لا یکون ذلک موتا فی جمیع معانیه الا فی ذھاب الاستشعار ۱ھ ص۱۴

ما اماتنا و الیہ النشور کا پڑھنا آیا ہے اس حدیث میں احیانا سے جگانا مراد ہے اور اماتنا سے سُلانا مراد ہے، موت کا اطلاق نوم پر کیا گیا ہے اور اسی طرح شیخ ابنِ علان مکی نے شرح کتاب الاذکار میں لکھا ہے۔ دیکھو شرح کتاب الاذکار[1]

اور علامہ زبیدی نے شرح قاموس[2] (مادۂ موت) میں موت کے معانی اور اطلاقات پر مفصل کلام کیا ہے حضرات اہل علم شرح قاموس کی مراجعت فرمائیں ۔

ایں سخن را نیست ہرگز اختتام ۔۔۔ ختم کن واللہ اعلم بالسلام

---

[1] شرح کتاب الاذکار۔ ج ۱؛ ص ۲۸۷

[2] ج ۱؛ ص: ۵۸۶

ازواجِ مطہّرات

قَالَ اللّٰہ عزّ وجلّ النّبی اولیٰ بِالمؤمِنِین مِن انفسھم وازواجہ امھاتھم

اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ نبی کو اہلِ ایمان کے ساتھ ان کی جانوں سے زیادہ تعلق اور لگاؤ ہے اور پیغمبر کی بیبیاں مومنین کی محترم مائیں ہیں ۔

مومن کا وجودِ ایمانی اور اس کی حیات روحانی پیغمبر کے تعلق اور رابطہ اِلٰہ سے ہے اس لئے پیغمبر مومنین کے حق میں بمنزلہ روحانی باپ کے ہیں ۔ جیسا کہ ایک قرأت میں ہے کہ وھواب لھم کہ وہ نبی بمنزلہ باپ کے ہے: اور اس کی عورتیں عزت و احترام میں بمنزلہ ماؤں کے ہیں ۔

قَالَ تعالیٰ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِہٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاہِلِیَّۃِ الْاُوْلٰی وَاَقِمْنَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتِیْنَ الزَّکٰوۃَ وَاَطِعْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ ط اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْہِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَہْلَ الْبَیْتِ وَیُطَہِّرَکُمْ تَطْہِیْرًا

اے پیغمبر کی عورتو! تم مثل اور عورتوں کے نہیں۔ اگر تم تقویٰ پر قائم رہو پس تمہارے تقویٰ کا مقتضی یہ ہے کہ تم بات کرتے وقت نرمی سے کام نہ لینا مبادا کوئی دل کا روگی تمہاری نرمی سے طمع اور لالچ میں پڑ جائے اور کہو بات بات کے طریقے کے مطابق جس میں نہ نرمی ہو اور نہ سختی ہو اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور پہلی جاہلیت کی طرح اپنی زینت کا اظہار نہ کرو اور قائم رکھو نماز کو اور زکوٰۃ دیتی رہو۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں لگی رہو

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِىْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ○ ؎

اے پیغمبر کے گھر والو۔ اللہ تعالیٰ صرف یہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی کو دور کر دے اور تم کو خوب اچھی طرح سے پاک صاف کر دے اور جو اللہ کی آیتیں اور حکمت کی باتیں تمہارے گھروں میں تلاوت کی جاتی ہیں ان کو خوب یاد رکھو بیشک اللہ تعالیٰ بھیدوں کا جاننے والا اور خبر دار ہے۔

فوائد و لطائف

(۱) امہات المومنین کا عظیم الشان لقب انہیں ازواج کے ساتھ مخصوص ہے کہ جو آپ کی زوجیت میں رہیں باقی جن عورتوں سے آپ نے نکاح تو فرمایا لیکن عروسی اور مقاربت سے پیشتر ہی ان کو طلاق دیدی ان کے لئے یہ لقب استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) اور اسی وجہ سے کہ ازواج مطہرات۔ مومنین کی محترم مائیں قرار دیگئی ہیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کسی شخص کا ان سے نکاح کرنا ناجائز اور حرام قرار دیا گیا كما قال الله تعالىٰ

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا اِنْ تُبْدُوْا شَيْئًا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ؎

تمہارے لئے یہ ہرگز روا نہیں کہ تم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کی ایذا اور تکلیف پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ کبھی بھی آپ کے بعد آپ کی بیبیوں سے نکاح کرو البتہ تحقیق اللہ کے نزدیک یہ بات بہت ہی بڑا گناہ ہے اگر تم کسی قسم کی کوئی شے ظاہر یا دل میں پوشیدہ رکھو تو جان لو کہ تحقیق اللہ تعالیٰ ہر شے کو خوب جاننے والا ہے۔

؎ سورۃ الاحزاب، آیۃ ۳۲، ۳۳، ۳۴۔ ؎ سورۃ الاحزاب، آیۃ ۵۳

ایک باغیرت اور باحمیت انسان کے لئے یہ تصور ہی باعث ایذا اور موجب تکلیف ہے کہ اس کی بیوی اس کے بعد کسی اور کے نکاح اور زوجیت میں جائے اور ظاہر ہے کہ کائنات میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھکر کون غیور ہو سکتا ہے

دوم یہ کہ جب وہ امہات المؤمنین قرار دیدی گئیں تو پھر کسی کی زوجیت میں جانا ان کی شان اور مرتبہ کے خلاف ہے۔

سوم یہ کہ اپنے باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا عقلاً اور عرفاً ہر اعتبار سے قبیح اور مذموم ہے۔ کما قال اللہ تعالےٰ :

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ	تم ان عورتوں کو نکاح میں مت لاؤ جن
مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ	کو تمہارے آباداجداد نکاح میں لاچکے ہیں
اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا وَ	مگر جو اس سے پیشتر ہو چکا سو ہو چکا۔ اسمیں
سَآءَ سَبِيْلًا ۵	شک نہیں کہ یہ نہایت بیحیائی ہے اور خدا کے سخت

غضب کا موجب ہے اور بہت بُرا طریقہ ہے۔

اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً" سے عقلی قبح کیطرف اشارہ ہے یعنی عقلاً" کھلی ہوئی بے حیائی ہے کہ باپ کی منکوحہ کو اپنے نکاح میں لایا جائے۔

اور مقتا سے شرعی قبح کی طرف اشارہ ہے یعنی شرعاً یہ فعل نہایت مذموم ہے اور خدا کی سخت ناراضی کا سبب ہے۔

اور وَسَآءَ سَبِيْلًا" سے عرفی قبح کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ طریقہ نہایت بُرا طریقہ ہے۔ براء بن عازب سے روایت ہے کہ میں نے اپنے ماموں کو دیکھا کہ جھنڈا لئے جارہے ہیں میں نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے جواب دیا کہ ایک شخص نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کرلیا ہے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے

۱؎ النساء ، آیۃ : ۲۲

مجھ کو اس لئے بھیجا ہے کہ اس کی گردن اُڑا دوں اور اس کا تمام مال ضبط کر لوں (رواہ عبدالرزاق وابن ابی شیبۃ واحمد والحاکم والبیہقی)

پس جبکہ جسمانی باپ کی منکوحہ کو نکاح میں لانا عقلاً شرعاً اور عرفاً ہر طرح قبیح اور مذموم ہے تو روحانی باپ یعنی پیغمبر روحی فداہ کی منکوحہ کو نکاح میں لانے کا تصوّر کس درجہ قبیح اور مذموم ہوگا۔

چہارم یہ کہ اگر عورت دوسرے شوہر کے سامنے پہلے شوہر کے کچھ محاسن اور مناقب ذکر کرے تو دوسرے شوہر کو طبعاً ناگوار ہوتا ہے۔ اس لئے شریعتِ اسلامیہ نے جسمانی اور رُوحانی باپ کی منکوحہ کو نکاح میں لانے کو سخت ممنوع قرار دیا تاکہ اپنے جسمانی اور روحانی باپ سے قلب میں کوئی کدورت نہ آنے پائے خصوصاً روحانی باپ یعنی پیغمبر سے کدورت تو کفر اور شقاوت کے مترادف ہے۔

پنجم یہ کہ ازواج مطہرات نے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں رہ کر خصوصاً عورتوں کے متعلق خصوصی احکام اور مسائل معلوم کئے ہیں وہ لوگوں تک بلاشبہ اور تردد کے پہنچ جائیں بالفرض اگر آپ کی وفات کے بعد دوسرے کی زوجیت میں جائیں تو ازواج مطہرات کی روایت کے استناد اور وثاقت میں طاعنین کو لب کشائی کا موقع مل جائے گا۔

(۳) آیت تطہیر اصل ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی جیسا کہ آیت کا سیاق و سباق اس کے لئے شاہد عدل ہے جس کے لئے نہ کسی تاویل کی حاجت اور نہ کسی توجیہ کی ضرورت اوّل سے آخر تک خطاب ازواج مطہرات کو ہے۔ لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور امام حسن اور حسین اور حضرۃ سیّدۃ النساء فاطمۃ الزہرۃ کو بھی اس حکم میں داخل فرمایا اور ان کو جمع کر کے یہ دُعا فرمائی اَللّٰھُمَّ ھؤلاءِ اھل بیتی اذھب عنھم الرجس و طھرھم تطھیرا ۔ اے اللہ یہ بھی میرے

اہل بیت ہیں ان سے بھی تو گندگی کو دور فرمایا اور ان کو پاک کر جس طرح آیۂ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ در اصل مسجد قبا کے بارے میں نازل ہوئی لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجدِ نبوی کو بھی اس حکم میں داخل فرمایا کیونکہ وہ بدرجۂ اولی اس کی مستحق ہے ۔ اسی طرح آیۂ تطہیر در اصل ازواج مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی مگر چونکہ آپ کی آل و اولاد بدرجۂ اتم اس کی مستحق تھی۔ اس لئے آپ نے ان کو بھی اس میں شامل فرمایا باقی ازواج تو پہلے ہی سے اہلبیت میں داخل ہیں۔ ان کو عبا میں داخل کرنے کی ضرورت نہیں ان آیات کا نزول ہی ازواج مطہرات کے بارے میں ہوا آیات میں اول سے آخر تک تمام خطابات ازواج مطہرات ہی کو ہیں ۔ بلکہ اصل مقتضائے لُغت یہ ہے کہ ازواج اصالتاً داخل ہوں اور ذریت تبعاً کیونکہ اہل بیت کے معنی لُغت میں گھر والوں کے ہیں ۔ اور گھر والوں کے مفہوم میں بیوی سب سے پہلے داخل ہے اور لفظ آل اصل میں اہل تھا اس لئے اس کا اصل مصداق بھی بیوی ہے ۔

ازواج مطہرات کی تعداد اور ترتیب نکاح

آپ کی ازواج مطہرات گیارہ تھیں جن میں سے دو نے آپ کی حیات ہی میں انتقال کیا۔ ایک حضرت خدیجہؓ دوسری حضرت زینب بنت خزیمہ اور نو بیبیاں حضور کی وفات کے وقت تھیں ۔

عَن ابی سعید الخدریؓ قال قال رسُول الله صَلی الله علیه وسلم ما تزوّجت شیئًا مِن نسائی وَلَا زوّجت شیئًا من بَناتی	ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے نہ اپنا نہ اپنی کسی بیٹی کا اسوقت تک نکاح نہیں کیا جب تک جبریل امین اللہ عزوجل کے پاس

الا یوحی جاءنی بہ جبرئیل عن ربی عز وجل اخرجہ عبدالملک بن محمد النیسابوری بسندہ[1] سے وحی لے کر میرے پاس نہیں آگئے۔ اس روایت کو نیشاپوری نے اپنی مسند سے ذکر کیا ہے۔

اُم المؤمنین خدیجہ بنت خُوَیلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ام المؤمنین خدیجہؓ بالاجماع آپؐ کی پہلی بیوی ہیں اور بالاجماع پہلی مسلمان ہیں کوئی مرد اور کوئی عورت اسلام لانے میں آپ سے مقدم نہیں حضرت خدیجہ قبیلۂ قریش سے تھیں والد کا نام خویلد اور ماں کا نام فاطمہ بنت زائدہ تھا۔ سلسلۂ نسب قریش تک اس طرح پہنچتا ہے۔ خدیجہ بنتِ خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی۔ قصی پر پہنچکر آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سلسلۂ نسب مل جاتا ہے۔[2]

چونکہ حضرت خدیجہ جاہلیت کے رسم و رواج سے پاک تھیں اس لئے بعثتِ نبوی سے پیشتر وہ طاہرہ کے نام سے مشہور تھیں۔

آپ کا پہلا نکاح ابو ہالۃ بن زرارہ تمیمی سے ہوا جن سے ہند اور ہالہ دو بیٹے پیدا ہوئے۔ ہند اور ہالہ دونوں مشرف باسلام ہوئے دونوں صحابی ہیں۔ ہند بن ابی ہالہ نہایت فصیح و بلیغ تھے حلیۂ نبوی کے متعلق مفصل روایت انہی سے مروی ہے۔

ابو ہالہ کے انتقال کے بعد عتیق بن عائذ مخزومی کے نکاح میں آئیں جن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام ہند تھا۔ ہند بھی اسلام لائیں اور صحابیت کے شرف سے مشرف ہوئیں۔ مگر ان سے کوئی روایت منقول نہیں۔ کچھ عرصہ

---

[1] عیون الاثر ج: ۲، ص: ۳۰۰ [2] الاصابہ ج: ۴، ص: ۲۸۱

کے بعد عتیق کا بھی انتقال ہوگیا اور حضرت خدیجہ پھر بیوہ کی بیوہ رہگئیں ۔ [1]

نفیسہ بنت منیہ سے روایت ہے کہ حضرت خدیجہ بڑی شریف اور مالدار عورت تھیں جب بیوہ ہوگئیں تو قریش کا ہر شریف آدمی ان سے نکاح کا متمنی تھا لیکن جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجہ کا مالِ تجارت لے کر سفر میں گئے اور عظیم نفع کے ساتھ واپس ہوئے تو حضرت خدیجہ آپ کی طرف راغب ہوئیں اور مجھے آپ کا عندیہ معلوم کرنے کے لئے بھیجا ۔ چنانچہ میں آپ سے آکر ملی اور کہا کہ آپ کو نکاح سے کیا چیز مانع ہے آپ نے فرمایا میرے ہاتھ میں کچھ نہیں ۔ میں نے کہا کہ اگر آپ اس فکر سے کفایت کئے جائیں اور مال اور جمال اور کفارت کی طرف آپ کو دعوت دی جائے یعنی پھر تو کوئی عذر نہ ہوگا ۔ آپ نے فرمایا وہ کون ہے ۔ میں نے کہا ۔ خدیجہ آپ نے قبول کیا ۔ [2]

اصل وجہ یہ ہے کہ جوں جوں زمانہ نبوت اور بعثت کا قریب ہوتا جاتا تھا اسی قدر آپ کی کرامتیں اور آپ کے ظہور کی بشارتیں ظاہر ہوتی جاتی تھیں کبھی علماء توریت اور انجیل کی زبان سے اور کبھی کاہنوں سے اور کبھی ہواتف اور غیبی آوازوں سے توریت اور انجیل کا جو عالم آپ کو دیکھتا تھا یہی کہتا کہ یہی نونہال اور یہی نوجوان وہ پیغمبر آخر الزماں ہونے والا ہے جس کی حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ نے پیشین گوئی کی ہے ۔

حضرت خدیجہ کو ان واقعات کا خوب علم تھا ۔ ابھی اپنے غلام میسرہ سے سفر شام کے واقعات اور راہب کا قصہ سن چکی تھیں بحیرا راہب کا قصہ اس سے پیشتر پیش آچکا تھا ۔ ادھر ان کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل توریت و

---

[1] زرقانی ج ۱ : ۳ ، ص ۲۲۰ [2] الاصابہ ج : ۴ ، ص ۲۸۲

انجیل کے زبردست عالم تھے۔ نبی آخرالزماں کے ظہور کے منتظر تھے۔ جن کا مفصل واقعہ بعثتِ نبوی کے بیان میں گزر چکا ہے۔ ان واقعات کی وجہ سے حضرت خدیجہ کے دل میں آپ سے نکاح کا شوق پیدا ہوا اور اسی اثنار میں یہ واقعہ پیش آیا کہ جاہلیت کی ایک عید میں مکہ کی عورتیں جمع ہوئیں ان میں حضرت خدیجہ بھی تھیں دیکھتی کیا ہیں کہ یکایک ایک شخص نمودار ہوا اور بآواز بلند یہ ندا دی۔

انه سیکون فی بلدکن نبی	اے عورتو! تمہارے شہر میں عنقریب
یقال له احمد فمن استطاع	ایک نبی ظاہر ہوگا جس کا نام احمد ہوگا۔
منکن ان تکون زوجة له فلتفعل	جو عورت تم میں سے اس کی بیوی بن سکے
فحصبنه الا خدیجة فاغضت	تو وہ اس کو ضرور کر گزرے۔ سب عورتوں
علی قوله رواہ المدائنی عن	نے اس ندا دینے والے کے سنگریزے مارے
ابن عباس [1]	مگر حضرت خدیجہ نے کوئی سنگریزہ نہیں مارا بلکہ سُنکر خاموش ہوگئیں۔

حضرت خدیجہ کا قلب پہلے ہی سے اس سعادت کے حصول میں تمناؤں اور آرزوؤں کا جولانگاہ بنا ہوا تھا۔ مگر اس ہاتف غیبی کی آواز نے اور آتشِ شوق کو بھڑکا دیا۔

ابن اسحٰق کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت خدیجہ کے غلام میسرہ جب سفرِ شام سے واپس آئے اور تمام حالات اور واقعات اور نسطورا راہب کی گفتگو بیان کی تو حضرت خدیجہ نے سُنکر یہ فرمایا: ان کان ما قال الیھودی حقا ماذاك الا ھٰذا۔ اگر اس یہودی کاہن کی بات سچی ہے تو پھر اس کا مصداق

---

[1] زرقانی - ج ۱، ص: ۲۲۰

آپ ہی ہیں [1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عید میں عورتوں کے جمع ہونے کا واقعہ میسرہ کی واپسی سے پیشتر کا ہے حضرت خدیجہ کا نام طاہرہ رکھا نہیں گیا بلکہ من جانب اللہ لوگوں سے ان کو طاہرہ کہلوایا گیا تھا تاکہ ان کی طہارت ونزاہت مشہور ہو جائے جس طرح کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو امین کہلوایا گیا۔ تاکہ آپ کی امانت اور دیانت مسلم ہو جائے اور کسی کو اس میں کلام کی گنجائش نہ رہے۔ ایسے ہی موقعہ کے لئے کہا گیا ہے کہ زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو۔ چونکہ حضرت خدیجہ اپنے زمانہ کی مریم تھیں اس لئے حضرت مریم کی طرح ان کو بھی وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ عَلَىٰ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ سے خاص حصّہ ملا اور طاہرہ کے نام سے مشہور ہوئیں۔ اب ظاہر ہے کہ ایسی طاہرہ اور مطہرہ خاتون کا میلان کسی طاہر اور مطہر ہی کی طرف ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالے نے سچ فرمایا اور اس سے بڑھ کر کون سچا ہو سکتا ہے۔ اَلطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ الطَّيِّبَاتِ

سب کو معلوم ہے کہ نبوت و رسالت کوئی بادشاہت نہیں۔ دنیا کی عیش و عشرت سے اسے ذرہ برابر تعلق نہیں۔ درہم و دینار کی یہ مجال نہیں کہ پیغمبر کے گھر میں کوئی شب گزار سکے۔ اِلّا یہ کہ کسی قرض خواہ کے انتظار میں ایک آدھی شب ٹھہر جائے اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند" ہفتے اور مہینے گزر جائیں کہ دن میں چولھا نہ سلگے۔ اور راتیں گزر جائیں کہ گھر میں چراغ روشن نہ ہو اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ مال و دولت عیش و عشرت زر اور زیور کی محبت عورتوں کی فطرت میں داخل ہے۔

مگر با ایں ہمہ حضرت خدیجہ کا تمام اشراف اور روسار مکہ کو باوجود ان کی تمنا

---

[1] زرقانی ج : ۱، ص : ۲۰۰

اور آرزو کے چھوڑ کر آنحضرت کی طرف مائل ہونا آپ کی طہارت اور نزاہت کی روشن دلیل ہے اور اسی سے حضرت خدیجہ کے فہم اور فراست کا اندازہ ہو سکتا ہے پیغمبر کی زوجیت کی خواہش اور تمنا کرنا معمولی عقل کا کام نہیں۔ انتہائی دوربین اور دوراندیش عقل اس تمنا پر آمادہ کر سکتی ہے۔ کیونکہ عقل بتلاتی ہے کہ پیغمبر کی زوجیت میں جانے کے لئے یہ شرط ہے کہ دنیا سے ہاتھ دھوئے اور فقر اور فاقہ کے لحاف اور بچھونے کو کمخواب اور زربفت کے لحاف بچھونے سے زیادہ بہتر سمجھے۔ پیغمبر کی زوجیت کی تمنا۔ فقر و فاقہ کی تمنا ہے اور مصائب و آلام کو دعوت دینا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ وصیت کرے کہ مرنے کے بعد میرا مال اعقل الناس (سب سے زیادہ عاقل اور سمجھدار کو دیا جائے) تو مرنے کے بعد اس شخص کو دیا جائے کہ جو دنیا میں سب سے زائد زاہد ہو کذا فی تنبیہ المغترین للشعرانی ص۵۰

اس لئے کہ سب سے زیادہ عاقل وہی ہے کہ جو فانی کو چھوڑ کر باقی کو اختیار کرے اس سے زیادہ کون احمق ہوگا کہ جس نے آخرت کی لازوال نعمتوں کو دیکر ایک جیفہ اور مردار کو خرید لیا ہو

فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ۔

حضرت خدیجہ نے یہ سب جان بوجھ کر اور خوب سوچ سمجھ کر اپنی طرف سے پیام کی ابتداء کی۔ اور رؤسا مکہ کی آرزؤں کو خاک میں ملا دیا۔ بھلا جس مبارک خاتون نے دنیا ہی کے ٹھکرانے کا عزم بالجزم کر لیا ہو تو وہ ابناء دنیا کو کہاں نظر میں لا سکتی ہے جب مال ہی سے کوئی علاقہ نہیں رہا تو پھر اس کے فرزندوں سے کیا علاقہ کسی شریف اور رئیس کی ثروت اس خاتون کو اپنی طرف کب مائل کر سکتی ہے۔ کہ جو اپنی ہی دولت کو خدا کی راہ میں لٹانے کے لئے تیار بیٹھی ہو۔

آپ نے اپنے شفیق چچا ابو طالب کے مشورہ سے اس پیام کو قبول کیا حضرت خدیجہ کے والد خویلد کا پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا لیکن ان کے چچا عمر بن اسد نکاح کے وقت زندہ

تھے وہ اس تقریب میں شریک ہوئے ۔

تاریخ معین پر ابو طالب مع اعیان خاندان کے جن میں حمزہ بھی تھے حضرت خدیجہؓ کے مکان پر آئے اور شادی کی رسم ادا ہوئی ابو طالب نے خطبۂ نکاح پڑھا (جو ابتدا ر کتاب میں گزر چکا ہے) اور پانسو درہم مہر مقرر ہوا ۔ ۵۱

نکاح کے وقت حضرت خدیجہ کی عمر چالیس سال کی اور آں حضرت کی عمر ۲۵ سال تھی ۔

مجلسِ عقد میں ورقہ بن نوفل بھی تھے ۔ ابو طالب جب خطبۂ نکاح سے فارغ ہوئے تو ورقہ بن نوفل نے مختصر سی تقریر کی جو زرقانی میں مذکور ہے ۔ ۵۲

ولیمہ

بعض روایات میں مذکور ہے کہ ایجاب و قبول کے بعد حضرت خدیجہ نے ایک گائے ذبح کرائی اور کھانا پکوا کر مہمانوں کو کھلایا ۔ ۵۳

الحاصل

حضرت خدیجہ کی تمنا اور آرزو کا ابتدائی مرحلہ طے ہوا لیکن منزل مقصود (یعنی بعثتِ نبوی) ابھی دور ہے اور امید و بیم کی کشمکش اور انتظار کی بے چینی ہنوز بدستور ہے، چنانچہ ایک روز کا واقعہ ہے کہ آپ حضرت خدیجہ کے پاس گئے ۔ حضرت خدیجہ دیکھتے ہی آپ کو لپٹ گئیں اور سینہ سے لگا لیا ۔ اور کہا

بابی و امی واللہ ما افعل ھذا لشیٔ	میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں ۔ اس
ولکنی ارجوان تکون انت النبی	فعل سے میری کوئی غرض نہیں ۔ مگر یہ

---

۵۱ زرقانی ج: ۳، ص ۲۲۰ ۔ ۵۲ زرقانی ج: ۳، ص ۲۲۱

۵۳ زرقانی ج: ۳، ص ۲۲۱ ۔

الذی ستبعث فان تکن ھو فاعرف حقی ومنزلتی وادع الالہ الّذی یبعثكَ لی قالت فقال لها وَاللہ لئن کنت انا ھو قد اصطنعت عندی مالا اضیعہ ابدا وَان یکن غیری فان الالہ الذی تصنعین ھٰذ الاَجل لا یضیعَكَ اَبدًا [1] (باب تزویج النبی صلی اللہ علیہ وسلم خدیجۃ وَفضلها)

مجھ کو یہ امید ہے کہ شاید آپ ہی وہ نبی ہوں جو عنقریب مبعوث ہونے والے ہیں۔ پس اگر آپ ہی وہ نبی ہوتے تو بعثت کے بعد میرے حق کو یاد رکھیں اور جو خدا آپ کو نبوت سے سرفراز فرمائے اس سے میرے لئے دعا فرمائیں آپ نے جواب دیا اگر وہ نبی میں ہی ہوا تو جان لے کہ تو نے میرے ساتھ وہ احسان کیا ہے کہ جس کو میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ اور اگر میرے سوا کوئی اور ہوا تو سمجھ لے کہ جس خدا کے لئے تو یہ عمل کر رہی ہے وہ کبھی تیرے عمل کو ضائع نہ کریگا۔

زبیر بن بکار راوی ہیں کہ حضرت خدیجہ بار بار ورقہ بن نوفل کے پاس جائیں اور آپ کے متعلق دریافت کرتیں ورقہ یہ جواب دیتے۔

مَا اراہ الا نبی ھٰذِہ الامۃ الّذی بشر بہ موسیٰ وعیسیٰ

میرا گمان یہ ہے کہ یہ وہی نبی ہیں کہ جن کی حضرت موسیٰ اور حضرت عیسےٰ نے بشارت دی ہے

ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت خدیجہ نے ورقہ سے جا کر آپ کا حال بیان کیا تو ورقہ نے ایک قصیدہ کہا جس کے بعض اشعار یہ ہیں۔

هٰذِی[2] خُدیجَۃُ تَاتِینِی لِاُخبرها ۔۔۔ وَمالنا بخفی الغیب من خبر

بِاَنّ اَحمَدُ یَاتِیہِ فیخبرہ ۔۔۔ جبریل انك مبعوث اِلی الْبَشر

---

[1] فتح الباری۔ ج: ۷، ص ۱۰۰

[2] ہذی کا اشارہ دراصل خدیجہ کی طرف نہیں بلکہ اس شوق اور انتظار کی طرف ہے کہ جس نے ان کو بے چین کر رکھا ہے گویا کہ ان کا شوق اور اضطراب ایک محسوس شئی ہے جس کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے عفا عنہ

یہ خدیجہ بار بار میرے پاس آتی ہے کہ میں اس کو خبر دوں اور مجھ کو غیب کی خبر نہیں کہ جبریل آپ کے پاس اللہ کا پیام لیکر آئیں گے کہ آپ لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں

فقلت علیّ الذی ترجین ینجزہ　　لکِ الالٰہ فرجی الخیر و انتظری

ورقہ کہتے ہیں میں نے خدیجہ کو جواب دیا کہ عجب نہیں کہ جس کی تو امید کرتی ہے اللہ اس کو پورا کرے تو اللہ سے خیر کی امید لگائے رکھ اور اس کی منتظر رہ اصابہ ترجمہ ورقہ بن نوفل ورقہ کے یہ اشعار مستدرک میں بھی مذکور ہیں حافظ ذہبی نے اس پر سکوت کیا ہے۔

ورقہ کے اور بھی قصائد ہیں جن سے ورقہ کے اشتیاق اور انتظار کا پتہ چلتا ہے[1]

اولاد

انھیں کے بطن سے آپ کے چار صاحبزادیاں زینب۔ و رقیہ و امّ کلثوم و فاطمہ اور دو لڑکے پیدا ہوئے (جن کا مفصل بیان اولاد کے بیان میں آیندہ آئے گا)

اولاد ذکور صغر سنی ہی میں انتقال کر گئی البتہ صاحبزادیاں بڑی ہوئیں اور بیاہی گئیں۔

وفات

جب تک حضرت خدیجہ زندہ رہیں اس وقت تک آپ نے دوسرا عقد نہیں کیا سنہ ۱۰ نبوی میں ہجرت سے تین سال پیشتر مکہ میں انتقال کیا۔ اور حجون میں دفن ہوئیں آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود قبر میں اتارا نماز جنازہ اس وقت تک مشروع نہیں ہوئی تھی پچیس سال آپ کی زوجیت میں رہیں پینسٹھ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔[2]

---

[1] روض الانف۔ ج: ۱، ص: ۱۲۵ - ۱۲۰

[2] زرقانی۔ ج: ۳، ص ۲۲۶

فضائل و مناقب

۱۔ بخاری اور مسلم میں ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ جبریلِ امین آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ خدیجہ آپ کے لئے کھانا لئے آرہی ہیں جب آپ کے پاس آئیں تو ان کے پروردگار کی طرف سے اور پھر میری طرف سے ان کو سلام کہہ دیجئے اور ان کو جنت کے ایک محل کی بشارت دید یجئے جو ایک ہی موتی کا بنا ہوا ہوگا۔ اور اس محل میں نہ کوئی شور و غل ہوگا اور نہ کسی قسم کی مشقت اور تکلیف ہوگی۔ یہ بخاری اور مسلم کی روایت تھی۔ نسائی کی روایت میں ہے کہ حضرت خدیجہ نے سُن کر یہ جواب دیا۔

ان اللہ ھو السلام وعلی جبریل السلام علیک یا رسول اللہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ وزاد ابن السنی من وجہ آخر وعلےٰ من سمع السلام الا الشیطان۔	تحقیق اللہ تعالےٰ تو خود ہی قدوس اور سلام ہیں یعنی اللہ پر کیا سلام بھیجا جائے البتہ اے جبریل آپ پر سلام ہو اور یا رسول اللہ آپ پر بھی اللہ کا سلام ہو اور اس کی رحمتیں اور برکتیں آپ پر نازل ہوں (کہ جن کے طفیل میں مجھ پر یہ رحمتیں اور برکتیں نازل ہورہی ہیں۔ ابن سنی کی روایت میں اسقدر اور اضافہ ہے کہ اس پر بھی سلام ہو جو اسکو سُن رہا ہو سوائے شیطان کے۔

[۱] طلبہ حدیث اگر اس حدیث کے لطائف و معارف معلوم کرنا چاہیں تو فتح الباری (باب تزویج النبی صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خدیجۃ وفضلھا) اور زرقانی شرح مواہب[۲] کی

---

[۱] فتح الباری۔ ج ۷، ص: ۱۰۵ [۲] زرقانی۔ ج ۱ ۳، ص ۲۲۲

مراجعت کریں۔ چونکہ ان لطائف و معارف کا تعلق عربیت اور بلاغت سے ہے اس لئے ان کو چھوڑ دیا گیا۔

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ حق تعالے جل شانہٗ کا کسی کو سلام کہلا کر بھیجنا یہ وہ فضیلت اور منقبت ہے کہ جس میں حضرت خدیجہ کا کوئی شریک اور سہیم نہیں

۲۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ عورتوں میں سب سے افضل یہ تین عورتیں ہیں حضرت خدیجہ اور حضرت فاطمہ اور حضرت عائشہ لیکن اس میں اختلاف ہے کہ ان تین میں کون افضل ہے۔ حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ ابن عباس کی ایک مرفوع روایت سے یہ اشکال حل ہو جاتا ہے۔

وہ روایت یہ ہے:

سیدۃ نساء العلمین مریم	تمام عالم کی عورتوں کی سردار مریم ہیں
ثم فاطمۃ ثم خدیجۃ	پھر فاطمہ اور پھر خدیجہ اور پھر آسیہ۔
ثم آسیۃ قال وھذا حدیث	امرأۃ فرعون ابن عبد البر کہتے ہیں۔ یہ حدیث
حسن یرفع الاشکال	حسن ہے جس سے اشکال اُٹھ جاتا ہے۔

تفصیل اگر درکار ہو تو زرقانی شرح مواہب[۱] اور فتح الباری اور تفسیر روح المعانی[۲] کی مراجعت کریں۔

ام المومنین سَودہ بنتِ زَمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت خدیجہ کے انتقال کے کچھ ہی روز بعد حضرت سودہ آپ کے نکاح میں آئیں

---

[۱] زرقانی۔ ج: ۳۔ ص: ۲۲۳

[۲] سورۂ آل عمران کی اس آیت یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰکِ وَطَھَّرَکِ وَاصْطَفٰکِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ کے تحت میں تفسیر روح المعانی کی مراجعت کریں۔

یہ بھی اشراف قریش میں سے تھیں انکا سلسلہ نسب یہ ہے۔ سلسلۂ نسب سودہ بنت زمعۃ بن قیس بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی ۔

سیرۃ بن ہشام وعیون الاثر)

لوئی بن غالب پر پہنچکر آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سلسلۂ نسب ملجاتا ہے والدہ کا نام شموس بنت قیس بن عمرو بن زید انصاریہ ہے انصار میں سے قبیلۂ بنی النجار کی تھیں ۔ ابتدائے نبوت میں مشرف باسلام ہوئیں پہلا نکاح ان کے چچا زاد بھائی سکران بن عمرو سے ہوا صحابہ نے جب دوسری بار حبشہ کی طرف ہجرت کی تو سودہ اور سکران بھی ان مہاجرین میں تھے ۔جب مکہ واپس ہوتے تو راستہ میں سکران کا انتقال ہوگیا۔ ایک بیٹا عبدالرحمن نامی یادگار چھوڑا عبدالرحمن مشرف باسلام ہوئے اور جنگ جلولا میں شہید ہوئے ۔

آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجہ کے انتقال سے نہایت غمگین اور پریشان تھے ۔ ایک دن خولہ بنت حکیم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو خدیجہ کے نہ ہونے سے پریشان دیکھتی ہوں ۔ آپ نے فرمایا ہاں بال بچوں کی پرورش اور گھر کا انتظام سب اسی سے تھا ۔ خولہ نے کہا کیا میں آپ کے لئے کہیں پیام نہ دوں آپ نے فرمایا مناسب ہے اور عورتیں ہی اس کام کے لئے زیادہ موزوں ہیں آپ نے فرمایا کس جگہ پیام دینے کا خیال ہے خولہ نے کہا اگر کنواری سے نکاح کرنا چاہیں تو آپ کے نزدیک تمام مخلوق میں جو سب سے زیادہ محبوب ہے ۔ اس کی بیٹی عائشہ سے نکاح فرمائیں اور اگر بیوہ سے چاہیں تو سودہ بنت زمعہ موجود ہے جو آپ پر ایمان لائی اور آپ کا اتباع کیا ۔ آپ نے فرمایا دونوں جگہ پیام دیدو ۔ خولہ اوّل سودہ کے پاس گئیں ۔ اور کہا مجھکو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہارا پیام دیکر بھیجا ہے ۔ سودہ نے کہا مجھ کو کوئی عذر

نہیں مگر میرے باپ سے اس کا تذکرہ کر لو ۔ اور جاہلیت کے طریقہ پران کو سلام کرنا خولہ کہتی ہیں کہ میں ان کے باپ کے پاس پہنچی اور جاہلیت کے طریقہ پر اَنعِمْ صَبَاحًا کہا پوچھا کون ہے ۔ میں نے کہا خولہ ہوں ۔ آپ نے مرحبا کہکر دریافت کیا کہ کیسے آنا ہوا میں نے کہا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب کا آپ کی بیٹی سے پیام لیکر آئی ہوں ۔ آپ نے سنکر کہا ہاں بیشک وہ شریف کفو ہیں ۔ لیکن معلوم نہیں کہ سودہ کی کیا رائے ہے میں نے کہا وہ بھی آمادہ ہے ۔ چنانچہ اس کے بعد آن حضرت تشریف لے گئے اور نکاح پڑھا گیا ۔

حضرت سودہ کے بھائی عبداللہ بن زمعہ کو جو اس وقت تک مشرف باسلام نہ ہوئے تھے جب ان کو اس کا علم ہوا تو سر پر خاک ڈال لی جب مشرف باسلام ہوئے تو اپنی اس حرکت پر بہت نادم ہوئے اور جب کبھی اس کا خیال آجاتا تو یہ کہتے کہ میں اس روز بڑا ہی نادان تھا کہ جس روز میں نے اپنے سر پر اس وجہ سے خاک ڈالی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری بہن سے نکاح فرمایا ۔ اس حدیث کو امام احمد نے سند جید کے ساتھ روایت کیا ہے ۔ سند اس کی حسن ہے ۔ [۱]

چونکہ حضرت سودہ اور حضرت عائشہ کا نکاح قریب قریب ہی ہوا ہے اس لئے علماء سیر میں اختلاف ہے کہ کونسا نکاح پہلے ہوا صحیح اور راجح قول یہی ہے کہ حضرت سودہ کا نکاح پہلے ہوا اور چار سو درہم مہر قرار پایا [۲]

ایک مرتبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سودہ کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا ۔ حضرت سودہ نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھ کو اپنی زوجیت میں رہنے دیجئے ۔ میری تمنا یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالے مجھ کو آپ کی ازواج میں اُٹھائے اور چونکہ میں بوڑھی ہوگئی ہوں اس لئے اپنی باری حضرت عائشہ کو ہبہ کئے دیتی ہوں آپ

---

[۱] زرقانی ۔ ج ۳ ، ص ۲۲۷ ، [۲] زرقانی ۔ ج ۳ ، ص ۲۲۷

نے اس کو منظور فرمایا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے طلاق دیدی تھی۔ بعد میں رجوع فرمایا۔ واللہ اعلم [۱]

شکل و صورت

حضرت سودہ کا قد لانبا اور بدن بھاری تھا۔ مزاج میں ظرافت تھی کبھی کبھی آن حضرت کو ہنساتیں۔ ماہ ذی الحجہ ۲۳ھ میں مدینہ منورہ میں حضرت عمر کے اخیر زمانہ خلافت میں وفات پائی۔ رواہ البخاری فی تاریخہ بسند صحیح۔ بعض کہتے ہیں کہ ۵۴ھ میں وفات پائی۔ واقدی نے اسی کو راجح قرار دیا ہے واللہ اعلم [۲]

ام المومنین عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا و عن ابیہا

حضرت عائشہ صدیقہ رض حضرت ابوبکر صدیق کی صاحبزادی ہیں والدہ ماجدہ کا نام زینب اور ام رومان کنیت تھی[۳]۔ حضرت عائشہ کے خود کوئی اولاد نہیں ہوئی لیکن اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیر کے نام سے ام عبداللہ اپنی کنیت رکھی حضرت سودہ کے بعد یا متصل ماہ شوال سنہ ۱ھ نبوی میں آن حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح فرمایا خولہ بنت حکیم نے آپ کی طرف سے جاکر پیام دیا (جیسا کہ پہلے گذرا) ابوبکر صدیق نے کہا کہ مطعم بن عدی نے اپنے بیٹے جبیر سے عائشہ کا پیام دیا تھا جسکو میں منظور کر چکا ہوں

واللہ ما اخلف ابوبکر وعدا قط

اور خدا کی قسم ابوبکر نے کبھی کوئی وعدہ خلافی نہیں کی۔

---

[۱] الاصابہ ج: ۴ ص: ۴۳۸ [۲] الاصابہ ج: ۲ ص ۳۳۹ [۳] ام رومان قدیم الاسلام ہیں اسلام لائیں اور آن حضرت کے دست مبارک پر بیعت کی اور جب صدیق اکبر ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہنچ گئے تب ام رومان عبداللہ بن ابی بکر کے ہمراہ ہجرت کرکے مدینہ گئیں مشہور قول یہ ہے کہ سنہ ۶ھ میں وفات پائی اور آنحضرت انکی نعش کو اتارنے کیلئے قبر میں اترے اور ام رومان کیلئے دعا مغفرت کی تفصیل کیلئے اصابہ ج ۴ ص ۴۵۰

[illegible]

ابو بکر صدیق یہ کہکر سیدھے مطعم کے گھر پہنچے اور مطعم سے مخاطب ہوکر کہا کہ نکاح کے متعلق کیا خیال ہے مطعم کی بیوی بھی سامنے تھی مطعم نے بیوی سے مخاطب ہوکر کہا تمہاری کیا رائے ہے مطعم کی بیوی نے ابو بکر سے مخاطب ہوکر کہا کہ تمہارے یہاں نکاح کرنے سے مجھ کو قوی اندیشہ ہے کہ کہیں میرا بچہ صابی یعنی بے دین نہ ہو جائے اور اپنا آبائی دین چھوڑکر تمہارے دین میں نہ داخل ہو جائے۔ ابوبکر صدیق مطعم کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا اے مطعم تم کیا کہتے ہو مطعم نے کہا میری بیوی نے جو کہا وہ آپ نے سن لیا۔ جس عنوان سے مطعم اور اس کی بیوی نے متفقہ طور پر انکار کیا ابو بکر اس کو سمجھ گئے اور یہ محسوس کر لیا کہ وعدہ کی ذمہ داری اب مجھ پر باقی نہیں رہی۔ ابو بکر وہاں سے اٹھ کر گھر آئے اور خولہ سے کہہ دیا کہ مجھ کو منظور ہے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم جس وقت چاہیں تشریف لے آئیں۔ چنانچہ آپ تشریف لائے اور نکاح پڑھا گیا۔ چارسو درہم مہر مقرر ہوا۔

ہجرت سے تین سال قبل ماہ شوال سلہ نبوی میں نکاح ہوا آپ کی عمر اس وقت چھ سال کی تھی ہجرت کے سات آٹھ مہینہ بعد شوال ہی کے مہینہ میں رخصتی اور عروسی کی رسم ادا ہوئی اس وقت آپ کی عمر نو سال اور کچھ ماہ کی تھی۔ ۹ سال آں حضرت کی زوجیت میں رہیں۔ جس وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت عائشہ کی عمر ۱۸ سال کی تھی اڑتالیس سال آپ کے بعد زندہ رہیں۔ اور ۵۷ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی اور وصیت کے مطابق دیگر ازواج مطہرات کے پہلو میں رات کے وقت بقیع میں دفن ہوئیں۔

وفات کے وقت ۶۶ سال کی عمر تھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ قاسم بن محمد۔ اور عبداللہ بن عبدالرحمن اور عبداللہ بن ابی عتیق اور حضرت زبیر کے دونوں صاحبزادے عروہ اور عبداللہ ان لوگوں نے آپ کو

قبر میں اتارا۔ ؎۱

ابوسعید خدریؓ کی روایت قریب میں گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے کسی عورت سے اس وقت تک نکاح نہیں کیا جب تک جبرئیل امین اللہ عزوجل کی طرف سے وحی لیکر نہ آگئے ہوں چنانچہ عائشہ صدیقہ کے نکاح میں بھی یہی صورت ہوئی۔ جامع ترمذی میں عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جبرئیل میرے پاس آئے اور یہ کہا کہ اللہ عزوجل نے آپ کا نکاح ابوبکر کی بیٹی سے کر دیا اور جبرئیل کے ساتھ عائشہ کی ایک تصویر بھی تھی جو مجھ کو دکھائی اور کہا کہ یہ آپ کی بیوی ہیں یہ مضمون صحیحین کی روایتوں میں بھی آیا ہے۔ ؎۲

حضرت عائشہ اپنے باپ ابُوبکر کی بیٹی تھیں۔ باپ کے فہم و فراست اور مقام صدیقیت سے خاص حصّہ پایا تھا۔ ام رومان آپ کی والدہ تھیں جن کی نسبت آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ جو شخص حور عین کو دیکھنا چاہے وہ ام رومان کو دیکھ لے کما رواہ البخاری فی تاریخہ ؎۳

؎۱ زرقانی۔ ج، ۳، ص: ۲۲۹ - ۲۳۶

؎۲ زرقانی۔ ج: ۳، ص: ۲۳۴

یہ عالم الغیب کا واقعہ ہے اس سے عالم شہادت میں جواز تصویر پہ استدلال کرنا سخت غلطی ہے۔ احادیث متواترہ سے تصویر کی ممانعت اور اس کے بنانے والے پرلعنت روز روشن کی طرح ثابت ہے جو شخص حرام سمجھ کر اس معصیت کا ارتکاب کرے وہ گنہگار ہے اور جو شخص تصویر کو حلال جانے اس پر کفر کا اندیشہ ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وقاتلوا الذین لا یومنون باللہ و لا بالیوم الآخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ۔ الآیۃ

؎۳۔ زرقانی۔ ج، ۳، ص: ۲۲۹۔

اس لئے خداوندِ ذوالجلال کی مشیت اور عنایت اس کی داعی ہوئی کہ اپنے پیغمبر کے یارِ غار اور محب جاں نثار کی دختر نیک اختر کو لڑکپن ہی سے پیغمبر کی زوجیت اور تربیت میں دیدیا جائے کیونکہ لوحِ قلب ہنوز بالکل پاک اور صاف ہے کوئی باطل نقش ابھی تک اس پر نہیں کھینچا گیا خود کا زمانہ تو معصومیت کا زمانہ ہے ماں باپ کی طرف سے بھی کسی نقشِ باطل کا امکان نظر نہیں آتا۔ باپ تو صدیق ہے۔ رشکِ ملائک ہے۔ اللہ جل جلالہٗ کی دائمی معیت اس کو حاصل ہے۔ ماں ہے کہ وہ حور عین کا نمونہ ہے ایسی ایسی صاف و شفاف لوح پر۔ علم نبوت کا جو بھی نقش ہوگا وہ ایسا محکم اور پائیدار ہوگا کہ کبھی نہ مٹ سکے گا۔ چنانچہ ۹ سال کی مدت میں ایسا وسیع اور عمیق علم حاصل ہوا کہ آپ کی وفات کے بعد اکابر صحابہ کو جب کوئی اشکال پیش آتا تو حضرت عائشہ کی طرف رجوع کرتے۔ عہد صحابہ میں حضرت عائشہ کا علم اور تفقہ اور تاریخ دانی مسلم تھی۔ یہاں تک کہ کہا گیا ہے کہ احکام شرعیہ کا چوتھائی حصہ حضرت عائشہ سے منقول ہے۔

ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کو جب کسی مسئلہ میں کوئی اشکال پیش آتا تو حضرت عائشہ سے دریافت کرتے آپ کے یہاں ضرور اس کے متعلق کوئی علم دستیاب ہوتا۔ (رواہ الترمذی وصححہ)

علم

زہری فرماتے ہیں کہ اگر حضرت عائشہ کے علم کا تمام امہات المومنین اور تمام عورتوں کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو حضرت عائشہ کا علم سب سے بڑھا رہے گا۔ اصابہ ترجمہ عائشہ صدیقہ رضؓ

فصاحت و بلاغت کا یہ عالم تھا کہ حضرت معاویہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی خطیب کو حضرت عائشہ سے زیادہ فصیح و بلیغ نہیں دیکھا (رواہ الطبرانی)

عرب کی تاریخ اور واقعات ازبر تھے۔ اشعار بکثرت زبانی یاد تھے۔ جب کوئی بات پیش آتی تو کوئی شعر ضرور سنا دیتیں۔ کمارواہ ابوالزناد وغیرہ [1]

زُہد

یہ تو علم کا نمونہ تھا اب ایک واقعہ زہد کا بھی سُن لیجئے کیونکہ تمام فضائل و کمالات کا سرچشمہ دو ہی چیزیں ہیں ایک علم اور دوسرا زہد یعنی دنیا سے بے تعلقی جس طرح دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے اسی طرح زہد تمام نیکیوں اور بھلائیوں کی جڑ ہے اَللّٰھُمَّ زَھِّدْنَا فِی الدُّنْیَا وَرَغِّبْنَا فِی الْاٰخِرَۃِ آمین یارب العالمین وہ واقعہ یہ ہے۔

ام درہ حضرت عائشہ کے پاس آتی جاتی تھیں۔ ام درہ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن زبیر نے دو بوریوں میں روپے بھر کر حضرت عائشہ کے پاس بھیجا جو تقریباً ایک لاکھ اسی ہزار درہم تھے حضرت عائشہ اسی وقت ان کو تقسیم کرنے کے لئے بیٹھ گئیں۔ جب شام ہوئی تو ایک درہم بھی باقی نہ تھا روزے سے تھیں جب شام ہوئی تو خادمہ سے افطاری منگائی خادمہ نے روٹی اور زیتون کا تیل لاکر رکھ دیا ام درہ نے کہا اگر آپ ایک درہم کا گوشت منگا لیتیں تو اچھا ہوتا۔ عائشہ صدیقہ نے فرمایا اگر یاد دلاتی تو منگا لیتی۔

عروہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ عائشہ صدیقہ ستر ستر ہزار درہم تقسیم کر دیتی تھیں اور کرتی میں پیوند لگا ہوا تھا۔ [2]

انہی فضائل و کمالات کی بناء پر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ حضرت عائشہ سے محبت رکھتے تھے۔ اگر محض باکرہ ہونے کی وجہ سے محبت

---

[1] زرقانی ص : ۲۳۴

[2] صفوۃ الصفوۃ ج : ۲ ، ص : ۱۴

ہوتی تو حضرت خدیجہ کو بھول جاتے۔ مگر آپ کا حال یہ تھا کہ ہمیشہ حضرت خدیجہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔ اور جب کبھی کوئی جانور ذبح فرماتے تو حضرت خدیجہ کی ہمنشین عورتوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر اُن کے پاس ہدیۃً گوشت بھیجتے۔ جب تک وہ زندہ رہیں کسی اور عورت سے نکاح نہیں کیا۔ اور حضرت کے ہوتے ہوئے آپ نے آٹھ نکاح فرمائے۔ اور سب بیواؤں سے معاذاللہ اگر کوئی نفسانی خواہش ہوتی تو ایک بیوہ سے بھی نکاح نہ فرماتے۔ نیز حضرت ام سلمہ اور حضرت صفیہ حسن و جمال میں حضرت عائشہ سے کہیں بڑھ کر تھیں۔ متعدد نکاح کرنے سے آپ کا مقصد صرف دین کی تعلیم تھا۔ کہ جو مسائل اور احکام عورتوں سے متعلق ہیں وہ ازواج مطہرات کے توسط سے امت کی عورتوں تک پہنچ جائیں۔ ازواج مطہرات کیا تھیں حقیقت میں مدرسۃ النّسواں کی طالبات تھیں مسجد نبوی میں مردوں کو تعلیم دی جاتی تھی۔ اور گھر میں ازواجِ مطہرات کو کیونکہ یہی ازواج مطہرات آئندہ چل کر امت کی عورتوں کی معلمات بننے والی ہیں، ہر بیوی نے اپنی اپنی استعداد کے موافق علم حاصل کیا مگر عائشہ صدیقہ علم و فضل میں سب عورتوں سے سبقت لے گئیں۔ وَذَالِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء اور ام المومنین خدیجہؓ کے بعد تمام عورتوں میں عائشہ صدیقہ سب سے افضل اور برتر مانی گئیں۔

خلاصۂ کلام

یہ کہ حق جل و علیٰ نے اول یہ محاسن اور کمالات عائشہ صدیقہ کی فطرت ودیعت رکھے اور پھر اپنے پیغمبر کو حکم دیا کہ اس کو اپنی زوجیت میں لیں تاکہ آپ کی صحبت اور تربیت سے وہ فطری کمالات ظہور میں آئیں اور ان کے علم و فضل سے دنیا استفادہ کرے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اکابر صحابہ آپ سے مُستفید ہوئے۔

فاروق اعظم اور عبداللہ بن عمر اور ابوہریرہ اور ابوموسیٰ اشعری اور عبداللہ بن

عباس وغیرہم نے آپ سے روایت کی ہے اکابر تابعین سعید بن مسیب ۔ عمرو بن میمون علقمہ بن قیس مسروق ۔ عبداللہ بن حکیم اسود بن یزید ابو سلمۃ بن عبدالرحمٰن وغیرہم نے آپ کی شاگردی کی ۔

کیا ان حالات اور واقعات کے بعد بھی کسی طاعن اور معترض کے لئے یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ معاذاللہ یہ نکاح کسی نفسانی خواہش سے کیا گیا ۔ خواہش نفسانی سے نہیں بلکہ حکم ربانی اور وحی آسمانی سے کیا گیا ۔

فضائل ومناقب

۱ ۔ حضرت عائشہ راوی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عائش یہ جبریل ہیں تم کو سلام کہتے ہیں میں نے کہا وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ دیکھتے ہیں اور میں نہیں دیکھتی ۔

۲ ۔ ابو موسیٰ اشعری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مردوں میں سے بہت لوگ کمال کو پہنچے مگر عورتوں میں سے سوائے مریم بنت عمران ۔ اور آسیہ زوجۂ فرعون کے کوئی عورت کمال کو نہیں پہنچی اور عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے ۔ جیسا کہ ترید کی فضیلت تمام کھانوں پر ان دونوں حدیثوں کو امام بخاری نے کتاب المناقب باب فضل عائشہ میں ذکر کیا ہے ۔

۳ ۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ چند خصلتیں مجھ کو من جانب اللہ عطا کی گئیں ۔ سوائے حضرت مریم کے اور کسی عورت کو نہیں عطا کی گئیں اور خدا کی قسم میں بطور فخر نہیں کہتی یعنی اللہ کی نعمت کو بیان اور ظاہر کرنا مقصود ہے وہ خصلتیں یہ ہیں ۔

(۱) میرے سوا کسی باکرہ سے نکاح نہیں فرمانا ۔

(۲) نکاح سے پیشتر فرشتہ میری تصویر لیکر نازل ہوا اور آپ کو دکھا کر کہا کہ یہ آپ کی بیوی ہیں اللہ کا حکم ہے کہ آپ ان سے نکاح کریں۔

(۳) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ مجھ سے محبت فرماتے تھے۔

(۴) اور جو شخص آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب تھا میں اس کی بیٹی ہوں۔

(۵) آسمان سے میری برأت میں متعدد آیتیں نازل ہوئیں اور میں طیبہ اور پاکیزہ پیدا کی گئی اور طیب اور پاکیزہ کے پاس ہوں اور اللہ نے مجھ سے مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ فرمایا۔

(۶) میں نے جبریل کو دیکھا میرے سوا آپ کی ازواج میں سے کسی نے جبریل کو نہیں دیکھا۔

(۷) جبریل آپ پر وحی لے کر آتے تھے اور میں آپ کے پاس ایک لحاف میں ہوتی تھی۔ میرے سوا اور کہیں اس طرح وحی نازل نہیں ہوئی۔

(۸) میری باری کے دو دن اور دو رات تھے اور باقی ازواج کی باری ایک دن اور ایک رات تھی۔ ایک دن اور ایک رات تو خود حضرت عائشہ کی باری کا تھا ہی اور دوسرا دن حضرت سودہ کی باری کا تھا جو انھوں نے سن رسیدہ ہوجانے کی وجہ سے حضرت عائشہ کو ہبہ کر دیا تھا۔

(۹) انتقال کے وقت آپ کا سر مبارک میری گود میں تھا۔

(۱۰) وفات کے بعد میرے حجرے میں مدفون ہوئے۔

رواہ ابویعلی والبزاز باختصار وفیہ مجالد وھو حسن الحدیث وبقیۃ رجالہ رجال الصحیح۔ [۱]

---

[۱] مجمع الزوائد۔ ج: ۹، ص ۲۴۱۔

اُمّ المؤمنین حفصہ بنت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہا و عن ابیہا

حضرت حفصہ۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔ والدہ کا نام زینب بنت مظعون رضی اللہ عنہا ہے۔ حضرت حفصہ بعثت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں۔ جس وقت قریش خانہ کعبہ کی تعمیر میں مصروف تھے۔ پہلا نکاح خنیس بن حذافہ سہمیؓ کے ساتھ ہوا اپنے شوہر خنیس کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آئیں۔ غزوہ بدر کے بعد خنیسؓ کا انتقال ہوگیا۔ [۱]

جب حضرت حفصہ بیوہ ہوگئیں تو حضرت عمرؓ نے حضرت عثمان غنی سے ملکر کہا کہ اگر آپ چاہیں تو حفصہ کا نکاح آپؐ سے کر دوں۔ حضرت عثمان نے کہا سوچ کر جواب دوں گا۔ اس کے بعد پھر ملاقات ہوئی حضرت عثمان نے عذر کر دیا۔ کہ میرا ارادہ نہیں ہے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ پھر میں حضرت ابوبکر سے ملا اور کہا کہ اگر آپ چاہیں تو حفصہ کا نکاح آپؐ سے کر دوں ابوبکر صدیق سُن کر خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہیں دیا۔ جس سے مجھ کو ملال ہوا۔ تین چار ہی دن گزرے ہوں گے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لئے پیام دیا۔ میں نے حفصہ کا نکاح آپؐ سے کر دیا۔ اس کے بعد ابوبکر صدیق سے ملنا ہوا حضرت ابوبکر نے کہا اے عمر شاید تم مجھ سے رنجیدہ ہو میں نے اس لئے جواب نہیں دیا تھا کہ مجھ کو یہ معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خود پیام دینے کا خیال ہے اس لئے سکوت کیا۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راز کو ظاہر کرنا مناسب نہ ہوگا۔ اگر آں حضرت حفصہ

---

[۱] زرقانی۔ ج: ۳، ص: ۲۳۶

سے نکاح نہ کرتے تو میں ضرور قبول کرلیتا مشہور اور راجح قول یہ ہے کہ ۳ھ میں آپ نے حفصہؓ سے نکاح فرمایا۔ ؎۱

ایک مرتبہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حفصہ کو طلاق دیدی جبریل علیہ السلام وحی لیکر نازل ہوئے۔

ارجع حفصۃ فانھا صوامۃ	حفصہ سے رجوع کر لیجئے وہ بڑی
قوامۃ وَ انھا زوجتک فی الجنۃ	روزہ رکھنے والی اور عبادت گذار عورت ہے اور جنت میں آپ کی بیوی ہے۔

آپ نے رجوع فرمالیا۔ (اخرجہ ابن سعد والطبرانی برجال الصحیح من مرسل قیس بن سعد) ؎۱

شعبان ۴۵ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ حضرت معاویہ کا زمانۂ خلافت تھا مروان بن حکم نے نمازِ جنازہ پڑھائی وفات کے وقت ساٹھ سال کی عمر تھی۔ تاریخ وفات میں اختلاف ہے مشہور قول کو لے لیا ہے تفصیل کیلئے ترجمۂ حفصہؓ کی مراجعت کریں ؎۲

ام المومنین زینب بنت خزیمہ ملقب بہ ام المساکین رضی اللہ عنہا

زینب آپ کا نام تھا چونکہ آپ بہت سخی اور فیاض تھیں اس لئے ایام جاہلیت ہی سے ام المساکین کہہ کر پکاری جاتی تھیں باپ کا نام خزیمۃ بن الحارث ہلالی تھا۔ پہلا نکاح عبداللہ بن جحشؓ سے ہوا ۳ھ میں عبداللہ بن

؎۱ الاصابہ۔ ج: ۴، ص: ۲۵۳

؎۲ زرقانی۔ ج: ۳ ص ۲۳۸

جحش رضؓ غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ عدت گزرنے کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح فرمایا پانسو درہم مہر مقرر ہوا نکاح کے دو تین ہی مہینے گزرے تھے کہ انتقال ہوگیا۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں انتقال کے وقت ۳۰ سال کی عمر تھی۔ ۱؎

ام المومنین ام سلمہ بنت ابی امیہ رضی اللہ عنہا

ام سلمہ آپ کی کنیت تھی۔ ہند آپ کا نام تھا ابوامیہ قرشی مخزومی کی بیٹی تھیں ماں کا نام عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ تھا۔ پہلا نکاح اپنے چچازاد بھائی ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی سے ہوا انہی کے ساتھ مشرف باسلام ہوئیں اور انہی کے ساتھ پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور پھر وہاں سے مکہ واپس آکر مدینہ کی طرف ہجرت کی (جس کا مفصل قصہ ہجرت کے بیان میں گزر چکا)

ابوسلمہ۔ غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں شریک ہوئے غزوۂ احد میں بازو پر ایک زخم آیا ایک مہینہ تک اس کا علاج کرتے رہے زخم اچھا ہوگیا۔ غرۂ محرم الحرام ۴ھ ان حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسلمہ کو ایک سریہ کا امیر بناکر روانہ فرمایا۔ ۲۹ روز کے بعد واپس ہوئے واپسی کے بعد وہ زخم پھر جاری ہوگیا۔ اسی زخم سے ۸ جمادی الآخری ۴ھ میں انتقال کیا۔ ۲؎

ام سلمہ فرماتے ہیں کہ ایک بار میرے شوہر ابوسلمہ گھر میں آئے اور کہا کہ آج میں رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث سنکر آیا ہوں جو میرے نزدیک دنیا اور مافیہا سے زیادہ محبوب ہے وہ یہ کہ جس شخص کو کوئی مصیبت پہنچے اور

۱؎ زرقانی۔ ج: ۳۔ ص ۲۴۹ عیون الاثر ج: ۲، ص، ۳۰۳

۲؎ عیون الاثر۔ ج: ۲، ص۔ ۳۰۴۔

وہ انا للہ پڑھے اور اس کے بعد یہ دُعا مانگے ۔

اَللّٰھُمَّ عندکَ احتسب مصیبتی ھٰذہٖ اَللّٰھُمَّ اخلفنی فیھا بخیر منھا

اے اللہ میں تجھ سے اپنی اس مصیبت میں اَجر کی امید رکھتا ہوں اے اللہ تو مجھ کو اس کا نعم البدل عطا فرما ۔

تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کو اس سے بہتر عطا فرمائیگا (رواہ مسلم والترمذی وابوداؤد والنسائی)

ام سلمہ فرماتی ہیں کہ ابوسلمہ کے انتقال کے بعد یہ حدیث مجھ کو یاد آئی جب دعا پڑھنے کا ارادہ کیا تو یہ خیال آیا کہ مجھ کو ابوسلمہ سے بہتر کون ملے گا ۔ مگر چونکہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد تھا اس لئے پڑھ لیا چنانچہ اس کا یہ ثمرہ ظاہر ہوا کہ عدت گذرنے پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح کا پیام دیا جن سے دنیا میں کوئی بھی بہتر نہیں [۱]

آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب نکاح کا پیام دیا تو ام سلمہؓ نے چند عذر پیش کئے :

(۱) میرا سن زیادہ ہے

(۲) میں عیالدار ہوں یتیم بچے میرے ساتھ ہیں ۔

(۳) میں بہت غیور ہوں (مبادا آپ کو میری وجہ سے کوئی ناگواری پیش آئے) آپؐ نے یہ جواب دیا ۔ میرا سن تم سے زیادہ ہے اور تمہاری عیال اللہ اور اس کے رسول کی عیال ہیں ۔ اور میں اللہ سے دعا کروں گا کہ وہ غیرت (یعنی [۲]

---

[۱] الاصابہ ۔ ج : ۲ ، ص : ۳۳۵ [۲] عیون الاثر ۔ ج : ۲ ، ص ۳۰۴

[۳] یہ بین القوسین عبارت زرقانی کی ایک روایت سے اضافہ کی گئی ہے زرقانی صـ۲۴۱ ج ۳

وہ نازک مزاجی اور رشک کا مادہ جس کا تم کو اندیشہ ہے) تم سے جاتی رہی چنانچہ آپ نے دُعا فرمائی اور ویسا ہی ہوا۔ عیون الاثر ص ۴۳۰ ج ۲ ترجمہ ہند بنت ابی امیۃ
ماہ شوال ۴ھ میں آپ سے نکاح ہوا تو شوال کا آخر تھا کچھ راتیں باقی تھیں مسند بزاز میں حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مہر میں کچھ سامان بھی دیا جس کی قیمت دس درہم تھی۔
ابن اسحٰق راوی ہیں کہ ایک بستر بھی دیا جس میں بجائے روئی کے کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور ایک رکابی اور ایک پیالہ اور ایک چکی دی [1]

وفات

سن وفات میں بہت اختلاف ہے امام بخاری تاریخ کبیر میں فرماتے ہیں کہ ۵۸ھ میں انتقال کیا۔ واقدی کہتے ہیں کہ ۵۹ھ میں انتقال کیا۔ [2]
ابن حبان کہتے ہیں کہ ۶۱ھ میں انتقال کیا جب امام حسنؓ کی شہادت کی خبر پہونچی۔ ابونعیم کہتے ہیں ۶۲ھ میں انتقال کیا۔ حافظ عسقلانی نے اصابہ اور تقریب اسی قول کو راجح قرار دیا ہے۔ ازواج مطہرات میں سب سے بعد میں حضرت ام سلمہ نے انتقال فرمایا۔ اصابہ ترجمہ ام سلمہؓ [3]
ابوہریرہ نے نماز جنازہ پڑھائی انتقال کے وقت ۸۴ سال کی عمر تھی۔ اصابہ [4]
ترجمہ ہند بنت ابی امیہ [5]

پہلے شوہر کے دونوں بیٹوں عمر اور سلمہ نے اور عبداللہ بن عبداللہ ابن ابی امیہ اور عبداللہ بن وہب بن زمعہ نے قبر میں اتارا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں،
رضی اللہ تعالےٰ عنہا ورحمۃ اللہ علیہا (استیعاب ترجمہ ہند بر حاشیۂ اصابہ)

---

[1] زرقانی۔ ج ۳، ص: ۲۴۱ [2] زرقانی ج: ۳، ص: ۲۴۱
[3] اصابہ ج ۴، ص: ۴۵۹ [4] زرقانی ج: ۴۔ ص: ۴۵۹ [5] زرقانی ج ۳، ص: ۲۴۲

فضل وکمال

ام المومنین ام سلمہ رضؓ کا فضل اور کمال حسن اور جمال فہم اور فراست عقل اور دانائی مسلّم تھی۔ حدیبیہ میں ان حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو ہدی ذبح کرنے اور حلق کرانیکا تین بار حکم دیا۔ مگر کسی نے نہ ہدی ذبح کی اور نہ سر منڈایا ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو جب خبر ہوئی تو فرمایا رسول اللہ صحابہ اس صلح سے بہت افسردہ دل ہیں آپ کسی سے کچھ نفرمائیں۔ آپ اپنی ہدی ذبح کرلیں۔ اور حلق کرالیں چنانچہ آپ کا ہدی ذبح کرنا تھا۔ کہ صحابہ نے فوراً اپنے اپنے جانوروں کو ذبح کرلیا اور حلق بھی کرالیا۔ یہ عقدہ ام المومنین ام سلمہؓ کے رائے اور مشورہ سے حل ہوا فجزاہا اللہ خیرا۔

حسن وجمال کا یہ حال تھا۔ کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ کہ جب آن حضرت نے ام سلمہؓ نے نکاح کیا تو مجھ کو اُن کے حسن وجمال کی وجہ سے بہت رشک ہوا۔ [۵]

ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

حضرت زینب بنت جحش۔ آن حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی اُمیمہ[۶] بنت عبد المطلب کی بیٹی تھیں۔ یعنی آپ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ آپ کی زوجیت میں آنے سے پہلے آپ کے متبنّی اور آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کے عقد میں تھیں باہمی موافقت نہ ہونے کی وجہ سے زید نے ان کو طلاق دے دی حضرت چونکہ موالی میں سے تھے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا ایک نہایت شریف اور معزز خاندان سے تھیں اور آن حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ اور عرب کا یہ دستور

---

[۶] اُمیمہ بنت عبد المطلب کے اسلام میں اختلاف ہے سوائے ابن سعد کے اور کسی نے ان کے لئے اسلام ثابت نہیں کیا۔ محمد بن اسحٰق امیمہ کے اسلام کے منکر ہیں۔ دیکھو اصابہ ج: ۴ ص ۲۴۲ ترجمہ اُمیمہ و زرقانی ص ۲۴۵ ج ۳

[۵] الاصابہ ج ۴، ص: ۴۵۹

تھا کہ موالی (آزاد کردہ غلاموں) سے مناکحت کو اپنے لئے باعث ننگ و عار سمجھتے تھے۔ اس لئے آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حضرت زینب سے اپنے آزادکردہ غلام زید بن حارثہ کا پیغام دیا تو حضرت زینب اور اُن کے بھائی نے صاف انکار کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی :

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۔

اس آیت میں مُومن سے عبداللہ بن جحش یعنی حضرت زینب کے حقیقی بھائی مراد ہیں اور مُومنہ سے خود حضرت زینب مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ کسی مومن اور مومنہ کے لئے یہ زیبا نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ کر دے تو اس پر راضی نہ ہوں۔ اس آیت کے نزول کے بعد یہ دونوں راضی ہو گئے اور خدا کے حکم کے موافق زینب کا نکاح زید کے ساتھ ہو گیا۔ نکاح تو ہو گیا مگر زید حضرت زینب کی نظر میں ذلیل اور حقیر رہے۔ اس لئے گھر میں باہم لڑائی ہوتی اور موافقت مزاجی نہ ہوئی اور زید ہمیشہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے زینب کی بے اعتنائی کا شکوہ کیا کرتے اور عرض کرتے کہ میں زینب کو چھوڑ دیتا ہوں مگر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم زید کو طلاق دینے سے منع فرماتے اور کہتے کہ تم نے میری خاطر سے اس تعلق کو قبول کیا ہے۔ اس لئے اب چھوڑنے سے اور ذلت ہوگی اور مجھے اپنے خاندان میں ندامت اور شرمندگی ہوگی۔ جب بار بار یہ جھگڑے اور قضیئے پیش آتے رہے تو آپ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ اگر زید نے زینب کو طلاق دیدی تو زینب کی دلجوئی بغیر اس کے ممکن نہیں کہ میں خود اس سے نکاح کروں۔ لیکن جاہلوں اور منافقوں کی بدگوئی سے اندیشہ کیا کہ یہ لوگ یہ طعنہ دینگے

کہ اپنے بیٹے کی جورو کو گھر میں رکھ لیا۔ یعنی اس سے نکاح کر لیا۔ حالانکہ لے پالک یعنی متبنّیٰ کسی طرح بیٹے کے حکم میں نہیں اور عرب میں مدت سے یہ ایک بُرا دستور چلا آرہا تھا کہ جس کو متبنّیٰ۔ منہ بولا بیٹا بنالیں اس کی مطلقہ جورو سے نکاح کرنے کو غایت درجہ معیوب سمجھتے تھے۔ خداتعالیٰ نے چاہا کہ اس رسم بد کو آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فعل اور عمل سے توڑدیں اور آپ کو بذریعے وحی آسمانی مطلع کردیا گیا کہ زید کے طلاق دینے کے بعد۔ زینب آپ کی زوجیت میں آئے گی تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہوجائے کہ منہ بولے بیٹے کی بیوی کا وہ حکم نہیں کہ جو صلبی بیٹے کی بیوی کا حکم ہے غرض یہ کہ آپ کو بذریعہ وحی کے مطلع کردیا گیا کہ زینب تمہارے نکاح میں آئے گی۔ مگر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بدباطنوں کے طعن وتشنیع کے خیال سے یہ طعنہ دیں گے کہ اپنے متبنّیٰ کی جورو سے نکاح کرلیا بشرم کے بارے اس پیش گوئی کو کسی پر ظاہر نہیں فرمایا بلکہ اس کو دل ہی میں پوشیدہ رکھا اور خیال کیا کہ خدا کی خبر بالکل حق اور صدق ہے۔ اپنے وقت آنے پر خود ظاہر ہوجائیگی۔ نیز خداتعالیٰ کی طرف سے فی الحال اس پیشن گوئی کے اظہار اور اعلان کا بھی کوئی حکم اور اشارہ نہ تھا۔ اس لئے آپ نے اس امر تکوینی کو تو دل میں مخفی رکھا اور تشریعی طور پر زید کو یہ مشورہ دیتے رہے کہ زینب کو طلاق نہ دینا اس لئے کہ شریعت کا حکم یہی ہے کہ شوہر کو یہی مشورہ دیا جائے کہ اپنی بیوی کو طلاق نہ دو اور بیوی کی بے اعتنائی اور چیرہ دستی پر صبر کرو اگر کسی کو بذریعے وحی اور الہام یہ معلوم ہوجائے کہ تکوینی اور پر آئندہ چلکر یہ ماجرا پیش آنے والا ہے اور قضاء وقدر میں یہ مقدر ہوچکا ہے فی الحال تشریعی حکم کا اتباع کرنا ہوگا۔ قضاء وقدر اپنے وقت پر خود ظاہر ہوجائے گی۔

آخر کار ایک دن زید نے آکر عرض کیا کہ یارسول اللہ میں تنگ آکر زینب کو طلاق

دیدی ہے آں حضرت خاموش ہو گئے۔

حضرت انس سے مروی ہے کہ جب زینب رضی اللہ عنہا کی عدت پوری ہوگئی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید ہی کو حکم دیا کہ تم خود جا کر زینب سے میرے نکاح کا پیغام دو (تاکہ یہ امر خوب واضح ہو جائے کہ یہ جو کچھ ہوا وہ زید کی رضامندی سے ہوا ہے) حضرت زید آپ کے نکاح کا پیغام لے کر زینب کے گھر گئے۔ اور دروازہ کی طرف پشت کر کے کھڑے ہوئے (حالانکہ حجاب اور پردہ کا حکم ابھی نازل نہ ہوا تھا۔ مگر یہ ان کا کمال ورع اور کمال تقویٰ تھا) اور کہا اے زینب مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے اپنے نکاح کا پیغام دیکر بھیجا ہے۔ حضرت زینب نے فی البدیہہ جواب دیا کہ میں اس وقت تک کچھ نہیں کر سکتی جب تک میں اپنے پروردگار عزوجل سے مشورہ یعنی استخارہ نہ کرلوں۔ اسی وقت اٹھیں اور گھر میں جو ایک جگہ مسجد کے نام سے عبادت کے لئے مخصوص کر رکھی تھی وہاں جا کر مشغولِ استخارہ ہوگئیں۔

چونکہ حضرت نے اس بارہ میں کسی مخلوق سے مشورہ نہیں کیا بلکہ خدائے عزوجل سے مشورہ چاہا اور اسی سے خیر طلب کی کیونکہ وہی اہل ایمان کا ولی ہے اس لئے خدائے عزوجل نے اپنی خاص ولایت سے آسمان پر فرشتوں کی موجودگی میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح حضرت زینب سے کر دیا۔ آسمانوں میں تو اعلان ہو ہی گیا۔ اب ضرورت ہوئی کہ زمین میں بھی اس کا اعلان ہو

علہ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے زید سے فرمایا کہ میں اپنے دل میں تم سے زیادہ کسی کو قابل وثوق نہیں پاتا لہذا تم ہی زینب سے میرا پیام لیکر جاؤ۔ زرقانی صفحہ ۲۴۵ ج ۳

چنانچہ جبریل امین یہ آیت لیکر نازل ہوئے ۔

فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا [1] — پس جب زید زینب سے اپنی حاجت پوری کر چکے اور ان کو طلاق دیدی تو اے نبی کریم ہم نے زینب کا نکاح تم سے کر دیا ۔

اس کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت زینب کے گھر تشریف لے گئے اور بلا اذن داخل ہوئے (رواہ مسلم واحمد والنسائی) فتح الباری صفحہ ۴۰۴ ج ۸ کتاب التفسیر باب قولہ تعالےٰ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ الاٰیۃ ۔ [2]

ایک روایت میں ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہؓ کے گھر میں تشریف فرما تھے کہ یہ آیتیں نازل ہوئیں جب وحی کا نزول ہو چکا تو آپؐ مسکراتے ہوئے ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کون ہے کہ جو جاکر زینب کو بشارت سنائے اور اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ اِلیٰ آخرہ اخیر تک یہ آیتیں آپؐ نے ہم پر تلاوت فرمائیں حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب یہ آیتیں تلاوت فرما چکے تو مجھ کو یہ خیال آیا کہ حضرت زینب میں جمال تو تھا ہی اب وہ اس بات پر بھی فخر کریں گی کہ ان کا نکاح اللہ تعالےٰ نے آسمان پر کیا ۔ [3]

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب کے یہاں جانے سے پیشتر قاصد کے ذریعے سے حضرت زینب کو اطلاع کرا دی تھی کہ اللہ تعالےٰ نے تمہارے نکاح کے بارے میں یہ آیتیں نازل فرمائی ہیں چنانچہ جس وقت حضرت زینب کو یہ خبر پہنچی تو سجدہ شکر کیا ۔ کما رواہ ابن سعد عن ابن عباس بسند ضعیف [4]

---

[1] الاحزاب ۔ آیہ ۳۷ [2] زرقانی ۔ ج ۳ ص ۲۴۵ [3] الاصابہ ج ۴ ص ۳۱۴
[4] الاصابہ ۔ ج ۴ ۔ ص ۳۱۴

چونکہ حضرت زینب کو اس حکم ربانی اور وحی آسمانی کی خبر پہنچ چکی تھی اس لئے اس اطلاع کے بعد آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے مکان میں بغیر اذن کے داخل ہوئے کیونکہ زوجا کہا۔ نکاح آسمانی کا یہ اعلان اور حضرت کا اطلاع کے بعد قولاً اور عملاً اس کو قبول کر لینا اور سجدۂ شکر بجا لانا اور پیغام نکاح حضرت زید کے ذریعہ پہلے ہی جا چکا تھا یہ رسمی نکاح سے بڑھکر نکاح ہے گھر میں داخل ہونے کے بعد آپ نے دریافت کیا کہ تمہارا کیا نام ہے۔ چونکہ حضرت زینب کا اصلی نام 'بَرّہ' تھا' تو یہی کہا کہ میرا نام بَرّہ ہے آپ نے بجائے بَرّہ کے زینب نام تجویز کیا۔ استیعاب لابن عبدالبر ترجمہ زینب بنت جحش رضؓ

اس واقعہ کے بعد منافقین نے زبان طعن درازکی اور کہنے لگے کہ پیغمبر ایک طرف تو یہ کہتے ہیں کہ بیٹوں کی عورتوں سے نکاح حرام ہے اور دوسری طرف خود ہی اپنے بیٹے کی عورت سے نکاح کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان بدباطنوں کے جواب میں ارشاد فرمایا مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا (یعنی محمد (صلے اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے بھی باپ نہیں کسی کو انکا بیٹا نہ جانو ہاں وہ اللہ کے رسول ہیں اور اس لحاظ سے وہ سب کے روحانی باپ ہیں اور سب اُن کے روحانی بیٹے ہیں۔ اور وہ آخری نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کا قصہ محققین کے نزدیک اسی طرح ہے جس طرح ہم نے نقل کیا اور منافقین اسلام اور بے دینوں نے جو یہ مشہور کیا ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نظر زینب پر پڑگئی اور آپ کا دل ان کی طرف مائل ہو گیا اور یہ فرمایا سبحان اللہ مقلب القلوب اور تخفی فی نفسک سے دل میں زینب کی محبت کا چھپانا مراد ہے۔ سو یہ قصہ منافقین کا کذب اور افترا ہے۔ اہل ایمان کو ہرگز ہرگز

اس پر یقین نہ کرنا چاہیئے۔ یہ قصہ ملاحدہ اور زنادقہ کے مفتریات اور مخترعات میں
سے ہے جس کی کوئی سند نہیں جمہور مفسرین نے اس قصہ کا موضوع اور کذب اور افترا
ہونا بیان کیا ہے۔ علاوہ ازیں کہ یہ قصہ بالکل بے اصل اور بے سند ہے خلاف عقل
بھی ہے۔ اس لئے کہ زینب آپ کی پھوپھی زاد بہن تھیں لڑکپن سے آپ کے سامنے
ہوتی تھیں اور بارہا آپ نے ان کو دیکھا تھا۔ آپ سے کوئی پردہ نہ تھا اور نہ پردہ کا
حکم اب تک نازل ہوا تھا۔ اور حضرت زینب شادی کے بعد بھی آپ سے پردہ نہیں
کرتی تھیں اور آپ کے سامنے آتی تھیں تو کیا آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت
زینب کو زید سے نکاح کے بعد ہی پہلی بار دیکھا تھا اور اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا
تھا۔ اگر آپ کو ان کا حسن وجمال پسند تھا تو پہلے ہی زید سے کیوں نکاح کر دیا
جس پر خود زینب اور ان کے ورثہ اور اولیا بمشکل راضی ہوئے آپ نے خود ہی
کیوں نہ ان سے نکاح کر لیا ان کے اعزاء اور اقارب آپ سے نکاح کو بڑی خوشی
کے ساتھ منظور کرتے۔

آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نزاہت نظر وطہارت بصر

نیز عقل اور نقل سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ اللہ کا نبی معصوم ہوتا
ہے اس کی بصر اور اس کی نظر طاہر اور مطہر اور پاک اور منزہ ہوتی ہے۔

فتح مکہ کے دن آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے چند آدمیوں کا خون بہانا
مباح فرمایا اور کہا کہ اگر یہ لوگ غلاف کعبہ کو بھی پکڑیں تو ان کو نہ چھوڑنا اور قتل
کر ڈالنا۔ انہی لوگوں میں سے ایک عبداللہ بن سعد بن ابی سرح بھی تھے حضرت
عثمان رضی اللہ عنہ ان کا ہاتھ پکڑ کر حضور پُر نور کی خدمت میں لیکر آئے اور بار بار
عرض کیا کہ آپ ان سے بیعت لے لیں یعنی ان کا قصور معاف کر دیں۔ آنحضرت

صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے آخر بڑے اصرار الحاح کے بعد ان کی بیعت قبول کرلی پھر مجمع کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا۔ میں اس لئے خاموش رہا کہ تم میں سے کوئی شخص اُٹھ کر عبداللہ کی گردن مارے کسی انصاری نے عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ نے آنکھ سے اشارہ کیوں نہ کردیا۔ آپ نے فرمایا مَاكَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ خَائِنَةُ الْاَعْيُنِ۔ یعنی کسی پیغمبر کے لئے یہ زیبا نہیں کہ اس کی آنکھ سے کوئی خیانت سرزد ہو۔ کما قال تعالٰی يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ سے معلوم ہوا کہ نبی کی آنکھ خیانت سے پاک اور منزّہ ہوتی ہے۔ جس طرح اللہ کا نبی معصوم ہوتا ہے اسی طرح اس کی آنکھ بھی معصوم ہوتی ہے نیز قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ سے معلوم ہوتا ہے کہ غضِ بصر یعنی نامشروع چیز کے دیکھنے سے نگاہ کو نیچی رکھنا ایمان کے مقتضیات میں سے ہے اور نبی اکرم تو اوّل المؤمنین ہیں جس طرح تمام عالم کا ایمان آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایمان کا ایک ادنیٰ سا عکس اور پرتو ہے اسی طرح تمام عالم کی نگاہوں کی عفت اور حیا اسی ذاتِ قدسی صفات کی عصمت مآب اور نزہت جناب کی نزاہتِ نظر اور طہارتِ بصر کا ایک ادنیٰ سا عکس اور پرتو ہے نیز آپ کا نفس قدسی صفات اور ملکی سمات تھا ہوائے نفسانی سے پاک اور منزّہ تھا۔ اور آپ کا ہمزاد یعنی شیطان جو ہر شخص کے ہمراہ رہتا ہے۔ وہ آپ کا مسخر اور منقاد اور جبراً و قہراً مسلمان یعنی آپ کا مطیع اور فرمانبردار بن چکا تھا۔ سوائے خیر کے کسی جانب اس کو میلان کی قدرت ہی نہ رہی تھی۔

آیت وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَاهُ کی تفسیر

ہمارے اس بیان سے یہ امر بخوبی واضح ہوگیا کہ بدباطنوں کا یہ کہنا کہ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ

مَا اللّٰہُ مُبْدِیْہِ سے زینب کی محبت کا دل میں چھپانا مراد ہے۔ بالکل غلط ہے اور سرتاپا دروغ بے فروغ ہے۔ بلکہ صحیح معنی یہ ہیں کہ حق تعالے نے آپ کو بذریعہ وحی کے یہ بتلایا تھا کہ زید کے طلاق دینے کے بعد زینب آپ کے نکاح میں آئے گی پس جو چیز آپ دل میں چھپائے ہوئے تھے وہ یہی نکاح کی پیشین گوئی تھی جس کو بعد میں اللہ تعالے نے "زوجنا کہا" سے ظاہر فرمادیا اور "تخشی الناس" کے معنی یہ ہیں کہ آپ اس کے اظہار سے شرماتے تھے۔ کہ کسی کو یہ حکم دیں کہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے۔ خشیت سے مراد شرمانا ہے یا ڈرنا ہے اور ڈر اس بات کا تھا کہ منافقین زبانِ طعن دراز کریں گے یا لوگ بدگمانی کرکے اپنی عاقبت خراب کرینگے، اور اس آیت کے یہ معنی امام زین العابدین اور سدی سے مروی ہیں اور حکیم ترمذی نے اس روایت کی تحسین میں اطناب (تطویل فرمایا ہے۔ اور اسی کو حافظ عسقلانی نے[1] فتح الباری تفسیر سورۃ الاحزاب میں اختیار فرمایا۔

---

[1] اصل عبارت یہ ہے جو اہل علم کے لئے ہدیہ کرتے ہیں۔

وقد اخرج ابن ابی حاتم ھٰذہِ القصۃ من طریق السدی فساقھا سیاقاً واضحا ولفظہ بَلَغَنَا اِنَّ ھٰذِہٖ الآیۃ نزلت فی زینب بنت جحش وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اراد ان یزوجھا زید بن حارثہ مولاہ فکرھت ذالک ثُمَّ اِنَّھَا رضیت بما صنع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فزوجھا ایاہ۔ ثم اَعْلَمَ اللہ عزوجل نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد انھا من ازواجہ فکان یستحی ان یَّامر بطلاقھا وکان لایزال یکون بَیْنَ زید و زینب مایکون من الناس فامرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و

(باقی صفحہ ۳۲۰ پر)

امام قرطبی اپنی تفسیر میں امام زین العابدین کے قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں:۔

بقیہ ص ۳۹۔ وسلم ان یمسک علیہ زوجہ وان یتقی اللہ وکان یخشی الناس ان یعیبوا علیہ ویقولوا تزوج امرأۃ ابنہ وکان قد تبنی زیداً وعندہ من طریق علی بن زید عن علی بن الحسین ابن علی قال اعلم اللہ تعالیٰ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم ان زینب ستکون من ازواجہ قبل ان تزوجہا فلما اتاہ زید یشکوھا الیہ وقال لہ اتق اللہ وامسک علیہ زوجک قال اللہ تعالیٰ قد اخبرتک انی مزوجکھا وتخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ وقد اطنب الترمذی الحکیم فی تحسین ھذہ الروایۃ وقال انہا من جواھر العلم المکنون وکان لم یقف علی تفسیر السدی الذی اوردتہ وھو اوضح سیاقاً واصح اسناداً الیہ لضعف علی بن زید بن جدعان (ثم قال الحافظ) ووردت آثار اُخری ونقلھا کثیر من المفسرین لاینبغی التشاغل بھا والذی اوردتہ منہا ھو المعتمد والحاصل ان الذی یخفیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھو اخبار اللہ ایاہ انہا ستصیر زوجتہ والذی کان یحملہ علی اخفاء ذالک خشیۃ قول الناس تزوج امراۃ ابنہ واراد اللہ ابطال ما کان اھل الجاھلیۃ علیہ من احکام التبنی بامر لا ابلغ فی الابطال منہ وھو تزوج امراءۃ الذی یدعی ابنا ووقوع ذالک من امام المسلمین لیکون ادعی لقبولہم وانما وقع الخبط فی تاویل متعلق الخشیۃ واللہ اعلم۔ فتح الباری صفحہ ۴۰۳ ج ۸ تفسیر سورۃ الاحزاب۔

قال علماءنا رحمۃ اللہ علیھم وھذا القول احسن ماقیل فی ھذہ الآیۃ وھو الذی علیہ اھل التحقیق من المفسرین والعلماء الراسخین کالزہری والقاضی بکر بن العلاء القشیری والقاضی ابی بکر بن العربی وغیرھم الخ تفسیر قرطبی تفسیر سورۂ احزاب

ہمارے علماء یہ کہتے ہیں کہ آیت کی تفسیر میں سب سے بہتر قول یہی ہے جو کہا گیا. اور محققین مفسرین اور علمائے راسخین جیسے امام زہری اور قاضی بکر بن علاء قشیری اور قاضی ابوبکر بن عربی وغیرہم سب کا یہی قول ہے جو ہم نے بیان کیا۔ [1]

تاریخ نکاح

حافظ ابن سید الناس فرماتے ہیں کہ حضرت زینبؓ ۳ھ میں آپ کی زوجیت میں آئیں اور بعض کہتے ہیں ۵ھ میں آپ سے نکاح ہوا. نکاح کے وقت حضرت زینبؓ کی عمر ۳۵ سال کی تھی۔ [2]

مہر

مہر چار سو درہم مقرر ہوا (سیرۃ ابن ہشام)

ابن اسحٰق لکھتے ہیں کہ یہ نکاح حضرت زینب کے بھائی ابو احمد بن جحش نے کیا تھا. بظاہر یہ گزشتہ حدیث کے معارض معلوم ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ بعد میں نکاح بھی پڑھا گیا ہو واللہ اعلم

---

[1] تفسیر قرطبی - ج : ۱۴ ص ۱۹۰

[2] عیون الاثر - ج : ۲ ، ص ۳۰۴

ولیمہ

چونکہ یہ نکاح اللہ عزوجل نے اپنی خاص ولایت سے فرمایا اور پھر اس کے بارے میں قرآن کی آیتیں نازل فرمائیں اس لئے آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نکاح کے ولیمہ میں خاص اہتمام فرمایا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی بیوی کے ولیمہ میں اس قدر اہتمام نہیں فرمایا۔ جس قدر کہ حضرت زینب بنت جحش کے ولیمہ میں فرمایا ایک بکری ذبح فرمائی اور لوگوں کو مدعو کیا اور پیٹ بھر کر لوگوں کو گوشت اور روٹی کھلائی۔ لوگ کھانا کھا کر چلے گئے مگر تین آدمی بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ آپ نے شدۃ حیا کی وجہ سے زبان سے تو کچھ نہیں فرمایا۔ لیکن مجلس سے اُٹھ کھڑے ہوئے تاکہ سمجھ جائیں اور حضرت عائشہ کے حجرے میں تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ نے آپ کو مبارک باد دی یکے بعد دیگرے تمام ازواج مطہرات کے حجروں میں تشریف لے گئے اور یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ وَإِذَا

اے ایمان والو نبی کے گھروں میں مت داخل ہو مگر جبکہ تم کو اذان دیا جائے کھانا کھانے کے لئے درآنحالیکہ اس کے پکنے کا انتظار نہ کرو لیکن تم کو بلایا جائے کہ اب کھانا تیار ہوگیا تو آجاؤ اور جب کھانے سے فارغ ہوجاؤ تو اُٹھ کر چلے جاؤ اور باتوں میں مت لگ جاؤ اس سے خدا کے نبی کو تکلیف پہنچتی ہے اور وہ کہنے سے شرماتے ہیں اور اللہ کو حق بات کے کرنے سے کوئی حجاب نہیں

مَتَاعًا فَاسْئَلُوهُنَّ اور اگر تم بی بیوں سے کوئی چیز مانگو تو
مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ پردہ کے پیچھے سے مانگو۔ اس میں تمہارے
اَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ[1] دلوں اور ان کے دلوں کی طہارت اور صفائی ہے
یہ بخاری اور مسلم کی متعدد روایتوں کا مضمون ہے جس کو ہم نے ایک جگہ جمع کر دیا ہے

فضائل ومناقب

حضرت زینبؓ ازواج مطہرات سے بطور فخر کہا کرتی تھیں کہ تمہارا نکاح تمہارے اولیاء نے کیا۔ اور میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں پر کیا (رواہ الترمذی و صححہ من حدیث انس)

یہ حقیقت میں فخر نہ تھا بلکہ تحدیث بالنعمۃ تھی۔ فرط مسرت اور منعم کی محبت اس عظیم الشان نعمت کے اظہار پر آمادہ کرتی تھی یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کو سنتے تھے۔ اور سکوت فرماتے تھے۔

شعبی کی ایک مرسل روایت میں ہے کہ حضرت زینبؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا کرتی تھیں کہ یا رسول اللہ میں تین وجہ سے آپ پر ناز کرتی ہوں۔

(۱) میرے اور آپ کے جد امجد ایک ہی ہیں یعنی عبد المطلب' ایک روایت میں ہے کہ میں آپ کی پھوپھی کی بیٹی ہوں۔ اس کا بھی مطلب یہی ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے آپ کا نکاح مجھ سے آسمان پر فرمایا۔

(۳) جبریل امین اس بارہ میں مساعی رہے۔[2]

---

[1]

[2] زرقانی۔ ج: ۳، ص ۲۴۶

عن عائشۃ انّھا قالت کانت زَیْنَب بنت جحش تسامینی فی المنزلۃ عند رَسُوْل اللہ صلّی اللہ عَلَیہ وَسلّم وما رأیت امرأۃ قط خیراً فی الدین من زینب واتقی اللہ واصدق حدیثا واوصل للرحم واعظم صدقۃ۔	حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ زینب بنت جحش مرتبہ میں میرا مقابلہ کرتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نزدیک وہ میری ہم پلہ تھیں میں نے اُن سے زیادہ کسی عورت کو دیندار اور خدا سے زیادہ ڈرنے والی اور سب سے زیادہ سچ بولنے والی اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنیوالی اور سب سے زیادہ صدقہ اور خیرات کرنے والی نہیں دیکھی۔

اور زہری کی روایت میں اس قدر اور زیادہ ہے۔

واسد تبدلا لنفسھا فی العمل الذی تتصدق بہ و تتقرب بہ الی اللہ عزّوجل	اور نہ ان سے زیادہ محنت کرکے صدقہ کرنے والی اور اللہ عزوجل کا تقرب حاصل کرنے والی عورت کو دیکھا۔

استیعاب لابن عبدالبر

ترجمہ زینب بنت جحش رض

ورع

منافقین نے جب عائشہ صدیقہ پر تہمت لگائی (جس کا مفصل واقعہ پہلے گزر چکا ہے) تو حضرت زینب کی بہن حمنہ بنت جحش بھی اپنی سادہ لوحی سے اسمیں شریک ہوگئیں لیکن جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عائشہ صدیقہ کے متعلق حضرت زینب سے دریافت کیا تو حضرت زینب نے یہ جواب دیا۔

یارسول اللہ احمی سمعی وبصری	یارسول اللہ میں اپنے کان اور آنکھ کو محفوظ

وَاللہ ماعلمت علیہا الاخیرا — رکھتی ہوں خدا کی قسم عائشہ کے متعلق

رواہ البخاری ج ۱ ص ۳۶۵ کتاب الشہادۃ — سوائے خیر اور بھلائی کے کچھ نہیں

باب تعدیل النساء بعضھن بعضا — جانتی۔

یعنی جو چیز میری آنکھ نے نہیں دیکھی اور کان نے نہیں سُنی وہ میں اپنی زبان سے کیسے کہہ سکتی ہوں۔ اب تک میرا علم اور یقین ان کی بابت سوائے خیر کے کچھ نہیں۔

یہ معلوم ہے کہ حضرت زینب۔ عائشہ صدیقہ کی سوکن تھیں اور یہ بھی جانتی تھیں کہ عائشہ صدیقہ آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ اگر آپ چاہتیں تو اس وقت کوئی کلمہ ایسا کہہ گزرتیں جو عائشہ صدیقہ کو رسول اللہ صلے اللہ کی نظروں سے گرانے کا سبب بن سکتا لیکن ان کے کمال ورع اور کمال تقوی نے اس کی بھی اجازت نہ دی کہ سکوت ہی کر جائیں۔ بلکہ قسم اور حصر کے ساتھ فرمایا وَاللہ ماعَلمتُ علیہا الاخیرا۔ یعنی خدا کی قسم میں نے تو عائشہ میں سوائے خیر اور نیکی کے کچھ جانا ہی نہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں عائشہ صدیقہ سے ان کے ورع اور تقوی کا اعتراف ان الفاظ میں مذکور ہے۔ فعصمہا اللہ بالورع — یعنی اللہ تعالے نے ورع اور پرہیزگاری کی بدولت زینب بنت جحش کو اس فتنہ سے محفوظ رکھا۔

اور ایک روایت میں عائشہ صدیقہ کے یہ الفاظ منقول ہیں[1]۔

وان اللہ عصمہا بالورع — تحقیق اللہ تعالے نے ورع کی برکت سے ان کو اس فتنہ سے محفوظ رکھا

---

[1] کما فی الاصابۃ ص ۳۱۳ ج ۴۔ ترجمہ زینب بنت جحش رض

عبادت

عبادت کا خاص ذوق تھا نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ عبادت کیا کرتی تھیں۔ چنانچہ جس وقت زیدؓ آن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیام لیکر گئے۔ فوراً نماز استخارہ میں مشغول ہوگئیں۔

حضرت میمونہ رضؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ مال فیئ مہاجرین پر تقسیم فرما رہے تھے کہ درمیان میں حضرت زینبؓ بول پڑیں۔ حضرت عمرؓ نے جھڑک دیا۔ آں حضرت نے فرمایا اے عمرؓ تم ان کو رہنے دو۔ یعنی زینب سے کچھ تعرض مت کرو۔

اِنَّهَا اَوَّاهَةٌ — تحقیق یہ بڑی اَوّاہ ہیں۔

ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ اوّاہ کے کیا معنی آپ نے فرمایا کہ اوّاہ کے خاشع اور متضرع کے ہیں اور یہ آیت تلاوت فرمائی

وَاِنَّ اِبْرَاهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُنِيْبٌ۔ رواہ ابن عبد البر وغیرہ[1] — تحقیق ابراہیم بڑے بردبار اور نرم دل اور خدا کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلے علیہ وسلم اپنے گھر میں تشریف لیگئے اور حضرت عمرؓ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ حضرت زینب نماز اور دعا میں مشغول ہیں آپ نے فرمایا۔

اِنَّهَا لَاَوَّاهَةٌ[2] — البتہ تحقیق یہ بڑی اوّاہ ہے یعنی بڑی نرم دل ہے

رواہ الطبرانی و اسنادہ منقطع وفیہ یحیی بن عبداللہ البابلی وہو ضعیف[3]

---

[1] زرقانی۔ ج: ۳، ص: ۲۴۸ [2] البتہ اور تحقیق۔ لام تاکید اور حرف تحقیق یعنی لفظ اِنّ کا ترجمہ ہے۔ اور لفظ بڑی اَوَّاهَةٌ کی تنوین تعظیم کا ترجمہ ہے [3] مجمع الزوائد۔ ج: ۹، ص: ۲۴۸

ام المومنین ام سلمہؓ حضرت زینب کے متعلق فرماتی ہیں :۔

کانت صالحۃ صوّامۃ قوّامۃ	بڑی نیک اور بڑی روزہ رکھنے والی اور
صناعًا تصدق بذالک	بڑی تہجد گذار تھیں بڑی کمانے والی تھیں
کلہ علی المساکین ۔اصابہ	جو کماتی تھیں کل کا کل مساکین پر صدقہ
جمہ زینب بنت جحش	کردیتی تھیں ۔

زہد

حضرت عمرؓ نے جب پہلی مرتبہ حضرت زینب کا سالانہ نفقہ بھیجا تو یہ سمجھیں کہ یہ سب ازواج مطہرات کا ہے اور یہ فرمایا اللہ عمر کی مغفرت فرمائے ۔ بہ نسبت میرے وہ زیادہ تقسیم کرنے پر قادر تھا ۔

قالوا ھذا کلہ لک قالت	لوگوں نے کہا یہ سب آپ کا ہے حضرت زینب
سُبحَانَ اللہِ وَاستترت	نے فرمایا۔ سبحان اللہ اور اپنے اور اس مال
دونہ بثوب	کے درمیان میں کپڑے کا ایک پردہ ڈال دیا ہے

تاکہ وہ مال نظر نہ آئے کیونکہ وہ اجنبی اور نامحرم ہے)

اور برزہ بنت رافع کو حکم دیا کہ اس کو ایک طرف ڈال دو اور ایک کپڑا اس پر ڈھانک دو اور فرمایا کہ اس کپڑے کے نیچے سے مٹھی بھر کر فلاں یتیم کو دے آؤ ۔ اور پھر مٹھی بھر فلاں کو دے آؤ ۔ جب اس طرح وہ مال تقسیم ہوتا رہا ۔ اور برائے نام کچھ باقی رہ گیا تو برزہ نے کہا اللہ تعالےٰ آپ کی مغفرت فرمائے ۔ آخر ہمارا بھی اس مال میں کچھ حق ہے ۔ آپ نے فرمایا اچھا جو اس کپڑے کے نیچے ہو وہ تم لے لو' برزہ کہتی ہیں جب میں نے کپڑا اٹھا کر دیکھا تو پچاسی درہم تھے جب مال سب تقسیم ہوچکا تو ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی ۔

اَللّٰھُمَّ لَا یُدْرِکْنِی عَطَاءُ عُمَرَ بَعْدَ عَامِیْ ھٰذَا — اے اللہ اس سال کے بعد عمر کا وظیفہ مجھ کو نہ پائے۔

چنانچہ سال گزرنے نہ پائے انتقال ہوگیا۔ رواہ ابن سعد[۱] وابن الجوزی عن برزہ بنت رافع، [۲]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت زینب کا سالانہ وظیفہ بارہ ہزار درہم تھے۔ جو صرف ایک سال کے لئے۔ جب وہ بارہ ہزار درہم بیت المال سے آپ کے پاس آئے تو بار بار کہتی تھیں۔

اَللّٰھُمَّ لَا یُدْرِکْنِی ھٰذَا الْمَالُ مِنْ قَابِلٍ فَاِنَّہٗ فِتْنَۃٌ [۳] — اے اللہ یہ مال سال آئندہ میرے پاس نہ آئے تحقیق یہ بڑا فتنہ ہے۔

اور یہ کہہ کر اسی وقت تمام مال اپنے اقارب اور حاجتمندوں میں تقسیم کر دیا حضرت عمر کو جب اطلاع ہوئی تو یہ فرمایا کہ کچھ ایسا نظر آتا ہے کہ اللہ کی طرف سے ان کے لئے خیر اور بھلائی کا ارادہ کیا گیا ہے۔ فوراً ایک ہزار درہم اور روانہ کئے اور سلام کہلا کر بھیجا کہ وہ (بارہ ہزار تو) اپنے خیرات کر دے۔ یہ ایک ہزار آپ اپنی ضرورتوں کیلئے رکھ لیں حضرت زینب نے وہ ایک ہزار بھی اسی وقت تقسیم کر دے۔ اصابہ ترجمہ ام المؤمنین زینب بنت جحش رض

---

[۱] حافظ عسقلانی نے برزہ بنت رافع کے ترجمہ میں اس روایت کو مفصل مسند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اصابہ صـ۲۵۲ ج ۴ قسم ثالث ترجمۃ بنت رافع۔

[۲] زرقانی۔ ج: ۳، ص: ۲۴۸

[۳] فتح الباری صـ۲۲۵ ج ۳ کتاب الزکوٰۃ باب فضل صدقۃ الشیخ الصحیح کے ایک باب بعد اس کی تفصیل مطالعہ کریں۔

وفات

صحیحین میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک روز اپنی ازواج مطہرات سے یہ فرمایا کہ تم میں سب سے جلد مجھے ملے گی جس کا ہاتھ تم میں سب سے زیادہ لانبا ہوگا۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد سخاوت اور فیاضی کی طرف تھا لیکن ازواج مطہرات نے اس کو ظاہر پر محمول کیا چنانچہ آپ کی وفات کے بعد ازواج مطہرات جب جمع ہوتیں تو باہم اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتیں کہ کس کا ہاتھ لانبا ہے۔ حضرت زینب جو قد میں چھوٹی تھیں جب سب سے پہلے ان کا انتقال ہوا تب معلوم ہوا کہ حضرت زینب کا ہاتھ صدقہ اور خیرات میں سب سے لانبا تھا کیونکہ وہ اپنے دست و بازو سے کماتی تھیں دباغت کا کام جانتی تھیں اس سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ سب خدا کی راہ میں خیرات کر دیتی تھیں۔ (۱) کفن بھی زندگی ہی میں تیار کر لیا تھا۔ قاسم بن محمد سے مروی ہے کہ جب حضرت زینب کی وفات کا وقت آیا تو فرمایا میں اپنا کفن تیار کر رکھا ہے۔ غالباً عمرؓ بھی میرے لئے کفن بھیجیں گے۔ ایک کفن کام میں لے آنا اور دوسرا صدقہ کر دینا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے وفات کے بعد پانچ کپڑے خوشبو لگا کر کفن کے لئے بھیجے۔ حضرت عمر ہی کے بھیجے ہوئے کفن میں ان کو کفنایا گیا اور وہ کفن جو خود حضرت زینب نے تیار کر رکھا تھا ان کی بہن حمنہ نے صدقہ کر دیا۔

(اخرجہ ابن سعد۔)

عمرہ کہتی ہیں کہ جب حضرت زینب کا انتقال ہو گیا تو میں نے عائشہ صدیقہ کو یہ کہتے سُنا

لقد ذهبت حميدة متعبدة مفزع اليتامى والارامل

افسوس آج ایسی عورت گزر گئی جو بڑی پسندیدہ اوصاف والی اور عبادت گزار اور یتیموں اور بیواؤں کا ٹھکانہ تھی۔

سن بیس ہجری میں مدینہ منورہ میں انتقال کیا حضرت عمرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی انتقال کے وقت پچاس یا ترپن سال کی عمر تھی اور جس وقت آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے نکاح ہوا تھا اس وقت آپ کی عمر ۳۵ سال کی تھی۔

اصابہ ص ۳۱۴ ج ۴ ترجمہ زینب بنت جحش رضؓ

مسئلہ حجاب پر ایک اجمالی نظر

تمام حضرات انبیاء و مرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین اور پھر تمام حکماء عالم اور دنیا کے تمام اہل عقل و اہل غیرت کا اس پر اتفاق ہے کہ زنا ایک بدترین جرم ہے کہ جو غیرت اور ناموس کے لئے ایک عظیم عار ہے اور اخلاقِ ذمیمہ اور افعال شنیعہ کا سرچشمہ ہے اور ایک طرف یہ مشاہدہ ہے کہ عورتوں کے دیکھنے سے مردوں کے دلوں میں اُن کی شیفتگی اور فریفتگی پیدا ہوتی ہے اور اس طرح عورتوں کو مردوں کے دیکھنے سے عورتوں کے دل میں مردوں کا عشق پیدا ہوتا ہے۔ جو بسا اوقات بغیر جائز طریقہ (یعنی بغیر نکاح کے) قضاء شہوت کا ذریعہ بن جاتا ہے اور طرفین کی عزت و ناموس اور حسب و نسب کی تباہی اور بربادی کا سبب ہوتا ہے۔ اور اس بارے میں جو کچھ پیش آرہا ہے وہ بیان سے مستغنی ہے۔ می باید دید و دم نمی باید زد لہٰذا حکمت اور غیرت کا مقتضی یہ ہوا کہ یہ دروازہ بند کیا جائے اس لئے شریعت مطہرہ نے زنا سے حفاظت کے لئے احکام صادر کئے۔

(۱)

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْأُوْلٰی

اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور زمانۂ جاہلیت کی طرح زینت کرکے باہر نہ نکلو۔

(۲) اور اگر گھر میں بیٹھے بیٹھے غیر مرد سے بات چیت کرنے کی ضرورت پیش آئے تو اس کا حکم یہ ہے

لَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا

یعنی اگر تم کو نامحرم مرد سے بات کرنے کی ضرورت ہو تو نزاکت اور نرمی کے ساتھ بات مت کرو مبادا جس کے دل میں شہوت کی بیماری ہو وہ تمہارے اندر طمع لگا بیٹھے اور بات کرو سیدھی۔

(۳) یہ حکم تو عورتوں کو ہوا مردوں کو یہ حکم ہوا۔

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِکُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِکُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ

اور اے مردو جب تم عورتوں سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے پیچھے سے مانگو یہ خصلت اور سوال کا یہ طریقہ تمہارے اور ان کے دلوں کی طہارت کا بہترین ذریعہ ہے

(۴) اور مردوں کو یہ حکم دیا کہ کسی غیر عورت کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھو۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ

(۵) شریعت نے عورت کی اذان اور اقامت اور اس کی امامت کو ممنوع قرار دیا۔

(۶) عورت کا جہری نماز میں جہراً پڑھنا ممنوع قرار دیا۔

(۷) عورت کا حج میں آواز کے ساتھ لبیک کہنا ممنوع قرار دیا۔

(۸) جوان عورت کا نامحرم مرد کو محض سلام کرنا ناجائز قرار دیا۔
(۹) اجنبیہ عورت سے بدن دلوانے کو ممنوع قرار دیا۔
(۱۰) آئینہ یا پانی میں جو اجنبیہ کا عکس پڑتا ہو اس کا دیکھنا ممنوع قرار دیا۔ اسی بنا پر عورت کے فوٹو کا دیکھنا اور بھی ناجائز ہوگا۔ کیونکہ پانی کے عکس سے فوٹو کا دیکھنا زیادہ باعث فتنہ ہے۔
(۱۱) اجنبی عورت کے تذکرہ کو بطور لذت ممنوع قرار دیا
(۱۲) اجنبیہ عورت کے تصور سے لذات لینے کو حرام قرار دیا۔
(۱۳) حتیٰ کہ اگر کوئی شخص اپنی ہی بیوی سے متمتع ہو۔ اور تصور کسی اجنبیہ کا کرے تو وہ بھی حرام ہے۔
(۱۴) اجنبی مرد کے سامنے کا بچا ہوا طعام عورت کے لئے استعمال کرنا اگر بطور لذت ہو تو مکروہ ہے۔ اور علیٰ ہٰذا اس کا عکس یعنی عورت کے سامنے کا بچا ہوا کھانا مرد کے لئے مکروہ ہے۔
(۱۵) اجنبیہ سے مصافحہ کرنا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینا ممنوع قرار دیا۔ جیسا کہ بعضے جاہل پیر عورتوں سے دست بدست بیعت لیتے ہیں یہ ناجائز ہے۔ عورتوں کو بیعت کیا جائے تو ان کی بیعت مِنْ وَّرَاءِ الْحِجَابُ (بس پردہ سے ہوگی اور زبانی ہوگی دست بدست نہ ہوگی اہلِ عقل اور اہلِ غیرت۔ غور فرمائیں کہ زنا سے تحفظ اور عزت و ناموس کی حفاظت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ذریعہ ہو سکتا ہے جو شریعت نے بتلایا۔ ہندوستان کی شرم و حیا، عفت و غیرت ضرب المثل تھی۔ ان دلدادگانِ تہذیبِ جدیدہ نے اپنے لیکچروں سے اس پر پانی پھیر دیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن

حدیثِ نبوی

حدیث میں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک طویل خطبہ مذکور ہے جس کا ایک جواہر پارہ یہ ہے النساءُ حبالۃ الشیطان۔ دیکھو فیض القدیر صفحہ ج ۲
یعنی عورت شیطان کا ایک جال ہے جس کے ذریعے وہ لوگوں کا شکار کرتا ہے جال میں پھنسا کر اس کی شہوت پرستی کا تماشا لوگوں کو دکھلاتا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول ہے

امش وراء الاسد ولا تمش وراء المرأۃ	شیر کے پیچھے چل لینا مگر کسی عورت کے پیچھے نہ چلنا۔

یعنی شیر کے پیچھے چلنے میں اتنا خطرہ نہیں جتنا کہ عورت کے پیچھے چلنے میں خطرہ ہے اور بعض حکماء کا قول ہے۔

ایاک ومخالطۃ النساء فان لحظات المرأۃ سھمٌ ولفظھا سمٌّ	عورتوں کے اختلاط سے اپنے آپ بچانا عورت کی نظر ایک تیر ہے اور اس کی بات سم قاتل یعنی سنکھیا ہے۔

فیض القدیر صفحہ ج ۲

حجاب کے فوائد اور بے حجابی کے مفاسد

شریعت اسلامیہ نے حجاب کا حکم دیا۔

(۱) تاکہ زنا سے حفاظت ہوجائے (۲) اور تاکہ عفت مآب خواتین کا چہرہ اوباش کی ناپاک نظروں سے محفوظ ہوجائے (۳) اور تاکہ اُنکے حسب ونسب پر کسی قسم کا داغ نہ آنے پائے کہ کوئی بد باطن ان کی اولاد میں شک اور شبہ نہ ڈال سکے کہ یہ ان کی اولاد نہیں اور باپ یقین کے ساتھ یہ کہہ سکے

کہ یہ میرا بیٹا ہے یا میری بیٹی ہے بے پردہ عورت کی اولاد کے متعلّق یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ اولاد اسی کے شوہر کی ہے۔

مغربی ممالک کو دیکھ لیجیئے کہ وہاں بے پردگی اور اختلاط مرد و زن سے زنا اور اولاد زنا کی جو کثرت ہے وہ بیان سے باہر ہے عیاں راچہ بیان اسی بے پردگی کی وجہ سے یورپ میں زنا کی اس قدر کثرت ہوگئی ہے کہ کسی کو صحیح النسب کہنا بہت مشکل ہے (۴) اور تاکہ مرد و عورت کا دل۔ شیطان کے وسوسوں سے پاک اور ستھرا رہے۔ جب مرد و عورت ایک دوسرے کی طرف نظر کرتے ہیں۔ تب شیطان کو دل میں بُرے خیالات ڈالنے کا موقعہ ملتا ہے (۵) اور تاکہ عورت کی عفت شوہر اور خاندانی نظروں میں شبہ اور تہمت کے واہمہ سے بھی پاک رہے مرد جب یہ دیکھے گا کہ اس کی بیوی یا بہن یا بیٹی۔ کسی سے ہمکلام ہورہی ہے تو اگر عقل اور غیرت والا ہوگا تو تلملا اٹھے گا۔ اور بے عقل اور بے غیرت سے ہمارا کوئی خطاب نہیں اللہ تعالےٰ ہم کو ایسے بے غیرتوں کا چہرہ نہ دکھلائے۔ آمین ثم آمین ایسے بے غیرت لوگوں سے پردہ تو عقلاً واجب معلوم ہوتا ہے اور ایسوں کی صحبت اور مجالست عقلاً و شرعاً دونوں ناجائز ہے۔

حکایت

ابلیس لعین کا لوگوں کے پھنسانے کے لئے حق تعالےٰ سے دامِ محکم (مضبوط جال) دیئے جانے کی درخواست کرنا اور حق تعالیٰ کی طرف سے مختلف جالوں کا اس کے سامنے پیش ہونا۔ اور آخر

میں عورتوں کے دام اور جال کے پیش ہونے سے ابلیس کا خوش ہوجانا اور جوشِ مسرت میں اس کا اچھل جانا اور ناچنا اور رقص کرنا ۔

عارف رومی قدس اللہ سرہ السامی مثنوی کے دفتر پنجم میں فرماتے ہیں

گفت ابلیسِ لعین دادار را
دام زفتے خواہم این اشکار را

ابلیسِ لعین جب بارگاہ خداوندی سے راندۂ درگاہ ہوا تو قسم کھائی فبعزتك لاغوينهم اجمعين الاعبادك منهم المخلصين یعنی قسم ہے تیری عزت اور جلال کی میں البتہ ضرور گمراہ کروں گا اولادِ آدم کو اور ان کے بہکانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھوں گا ۔ مگر تیرے خالص اور چیدہ اور برگزیدہ بندوں کو میں گمراہ نہ کرسکوں گا۔ بعد ازاں ابلیسِ لعین نے خدائے عادل سے یہ درخواست کی کہ مجھے انسان کا شکار کرنے کے لئے ایسا مضبوط جال درکار ہے کہ جس میں پھنسنے کے بعد وہ نکل نہ سکے حق تعالیٰ شانہٗ شیطان کے سامنے مختلف جال پیش کئے

زر وسیم و گلۂ اسپش نمود
کہ بدیں تانی خلائق را ربود

حق تعالیٰ نے سب سے پہلے شیطان کے سامنے سونے اور چاندی اور گھوڑوں کے گلہ کا جال پیش کیا اور یہ چیزیں دکھلا کر فرمایا کہ تو ان چیزوں کے ذریعے سے لوگوں کو پھانس سکتا ہے ۔

کیونکہ لوگ بالطبع ان چیزوں کی طرف مائل ہیں ان چیزوں کے ذریعہ انسان کا شکار کرنا اور جال میں پھنسانا آسان ہے ۔ کما قال تعالیٰ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ

الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ

گفت شاباش و ترش آویخت لنج　　شد ترنجیدہ و ترش ہمچوں ترنج

شیطان نے حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ ہاں یہ سیم و زر کا جال اچھا ہے مگر ترنج کی طرح تلخ اور ترش رد ہوگیا اور ترشی سے ہونٹ لٹکا لیا۔

پس جواہر ہا ز معدنہائے خوش
کرد ان پیش ماندہ را حق پیش کش

جب شیطان نے سیم و زر کے جال کو پسند نہ کیا تو حق تعالیٰ نے اس راندۂ درگاہ کے سامنے کانوں کے بیش بہا جواہرات کا جال پیش کیا۔

گیر ایں دام دگر را اے لعین
گفت زیں افزوں دہ نعم المعین

اور جواہرات سامنے کرکے یہ فرمایا کہ اے لعین یہ دوسرا دام ہے جا اسے لیجا شیطان نے کہا اے نعم المعین بہترین مددگار اس سے بڑھ کر اور بہتر جال عطا فرمائے سیم و زر کی طرح جواہرات کا جال بھی پورا مضبوط نہیں۔

چرب و شیریں و شرابات ثمن　　دادش و بس جامۂ ابریشمیں

بعد ازاں حق تعالیٰ نے اس کو چرب اور شیریں کھانے اور آتشی شراب اور قیمتی ریشمیں کپڑے دکھلائے کہ اچھا اس جال کو لیلے

گفت یارب بیش ازیں خواہم مدد　　تا ببندم شان بحبل من مسد

شیطان بولا۔ اے مولا اس سے بڑھ کر جال چاہتا ہوں تاکہ بنی آدم کو ایسی مضبوط رسی میں باندھوں کہ وہ اس کو توڑ نہ سکیں اور توڑ کر تیرے دروازہ کی طرف نہ رکھ دوڑ سکیں

تا کہ مستانت کہ نر و پُر دلند　　مرد وار آں بند ہا را بگسلند
تا بدیں دام و رسنہائے ہوا　　مرد تو گردد ز نامرداں جدا

البتہ جو لوگ تیری شراب محبت سے مست ہیں۔ اور وہ واقع میں مردمیدان ہیں انکے دل تیری محبت سے لبریز ہیں وہ مردانہ وار میری ان رسیوں اور پھندوں کو توڑ کر پھینک دیں گے۔ اور سونے اور چاندی اور دنیا کی زیب و زینت کی طرف التفات نہ کریں۔ کما قال تعالیٰ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ اور اہل دنیا ان ہوا و ہوس کے پھندوں میں پھنسیں گے۔ اور اس طرح تیری راہ کے جوانمرد نامردوں سے جدا اور الگ ہو جائیں گے۔ اس لئے میں مضبوط جال چاہتا ہوں کہ مرد نامردوں سے جدا اور ممتاز ہو جائیں گے۔

دام دیگر خواہم اے سلطان بخت

دام مرد انداز وحیلت ساز سخت

اے خداوند عالم۔ میں اس سے بڑھ کر جال چاہتا ہوں کہ جو مردوں کو بھی ایسا عاجز کرنے والا ہو کہ انکا کوئی حیلہ اور تدبیر کارگر نہ ہو سکے۔

خمر و چنگ آورد پیش او نہاد　　نیم خندہ زد بداں شد نیم شاد

حق تعالیٰ نے اس کے بعد شیطان کے سامنے ایک اور جال پیش کیا وہ یہ کہ شراب اور چنگ و رباب کا سامان اس کے سامنے رکھدیا۔ اس سامان کو دیکھ شیطان آدھا ہنسا اور آدھا خوش ہوا اور کچھ مسکرایا اور سمجھا کہ ہاں یہ جال پہلے جالوں سے بہتر ہے۔ اس سے کچھ کام چلے گا۔ مگر اس جال سے شیطان آدھا خوش ہوا پورا خوش نہیں ہوا۔ اس لئے آدھا مسکرایا اور سمجھا کہ یہ جال بھی اہلاک اور فساد دائمی کے لئے کافی نہیں۔ اس لئے اس سے بڑھ کر جال کی درخواست کی۔ ۵

سوئے اضلال ازل پیغام کرد　　کہ برآر از قعر بحر فتنہ کرد

نے یکے از بندگانت موسیٰ است　　پردہا در بحر او از گرد بست

آب از ہر سو عناں را واکشید　　از تگ دریا غبارے شد پدید

اور حق تعالٰے سے اضلال ازلی کی استدعا کی اور کہا کہ دریاء فتنہ کی گہرائی سے گرد و غبار اڑا دیجئے تاکہ اہل ہوا وہوس دریائے فتنہ کو خشک سمجھکر اس میں قدم رکھیں، اور قبطیوں کی طرح اسمیں غرق ہوں جس طرح آپ نے موسیٰ علیہ السلام کے لئے دریاء کو خشک کر دیا اور سمندر میں گرد سے دیواریں قائم کر دیں۔ اور پانی ہر طرف سے سمٹ کر آگیا۔ اور دریائے کی گہرائی سے غبار بلند ہونے لگا۔ اسی طرح میرے لئے بھی دریائے فتنہ کو خشک کر دے۔ اور اس کو میرے زیر فرمان بنا دیجئے کہ جو فتنہ چاہوں اس کی گرد اڑا سکوں اور اولاد آدم کو ہلاک کر سکوں۔ موسیٰ علیہ السلام آپ کے اسم ہادی کے مظہر تھے۔ اور میں اسم مُضِل کا مظہر ہوں جس طرح آپ نے ان کی تمام ہدایت کے لئے دریائے نیل کو خشک کر کے گمراہوں کو غرق کیا۔ اسی طرح میرے لئے اتمام اضلال کے لئے دریار فتنہ کو خشک کر دیجے۔ اور دریائے فتنہ کو میرے لئے مسخر کر دیجئے تاکہ کار اضلال مکمل ہو سکے۔ اور جس طرح موسیٰ علیہ السلام سے ہدایت کا کام پورا ہوا۔ مجھ سے ضلالت (گمراہی) کا کام پورا ہو سکے۔

(ف) شاید ابلیس۔ کو موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کا قبل از وقوع جو علم ہوا وہ غالبًا لوح محفوظ سے دیکھ کر ہوا ہو گا۔ واللہ اعلم۔

دام محکم دہ کر تا گردد تمام وافگنم در کام ایشاں چوں لجام

درکمند آرم کشم شاں کش کشاں تاکہ نتوانند سر پیچید ازاں

ابلیس نے کہا اے پروردگار کوئی ایسا محکم جال دیجئے کہ جس سے معاملہ ہی ختم ہو جائے اور کار ہی تمام ہو جائے اور میں ان کے منہ میں اس کو لگام کی طرح لگا دوں۔ اور اپنے جال میں پھنسا کر ان کو جدھر چاہوں کھینچتا پھروں اور وہ اس سے سر نہ پھیر سکیں۔ اور بازاروں اور گلیوں میں انکو لئے لئے پھروں تاکہ دنیا اُن کی شہوت رانی کا خوب تماشا دیکھ سکے۔

چونکہ خوبی زنان باو نمود کہ زِ عقل و صبر مرداں می ربود

شیطان جب کسی جال سے بھی پورا خوش نہ ہوا تو حق جل شانہٗ نے اخیر میں عورتوں کا حسن و جمال اس کو دکھلایا کہ جو مردوں کی عقل اور صبر کو لے بھاگنے والا تھا اور فرمایا کہ اچھا یہ جال لیجا۔ اور اس کے ذریعے لوگوں کو گمراہ کر اور دریائے فتنہ کی گہرائی سے گرد و غبار اڑا۔

پس زد انگشتک برقص اندر فتاد

کہ بدہ زد تر رسیدم بر مُراد

پس جس وقت عورتوں کے حسن و جمال کا جال شیطان کو دکھلایا گیا تو رقص کرنے لگا۔ اور ناچنے لگا اور چٹکیاں بجانے لگا اور عورتوں کے حسن و جمال کو دیکھ کر سمجھ گیا کہ یہی وہ دریائے فتنہ ہے کہ جس سے کوئی صحیح سالم بچ کر نہیں گذر سکتا اور بولا کہ اے پروردگار یہ جال مجھ کو جلد دے دیجئے پس میں اپنی مراد کو پہنچ گیا لوگوں کے پھانسنے کیلئے یہ بہترین جال ہے اور آگے اسی جال کے حال کا بیان ہے۔

چوں بدید آں چشمہائے پُر خمار کہ کند عقل و خرد را در خُمار

جب اس لعین نے دیکھا کہ عورتوں کے آنکھیں ایسی پرخُمار ہیں۔ کہ عقل و خرد پر خمار (پردہ) ڈال دیتی ہیں۔

واں صفائے عارض آں دلبران کہ بسوزد چوں سپند ایں دل بران

اور اس نے دیکھا کہ ان حسین و جمیل دلبروں کے رخساروں کی صفائی اور خوبی دل کو حرمل کے مانند جلا کر رکھ دیتی ہے سپند حرمل کو کہتے ہیں جس کو بطور بخور آگ میں ڈال کر جلاتے ہیں۔

روئے و خال و ابرو و لب چوں عقیق

گوئیا خور تافت از پردہ رقیق

اور دیکھا کہ ان کا چہرہ اور خال اور ابرو اور عقیق کے مانند سرخ لب ایسے چمک رہے ہیں جیسے آفتاب باریک پردہ سے چمک رہا ہو

قد چوں سرو خراماں در چمن
خد (رخسار) ہمچوں یاسمین و نسترن

اور دیکھا کہ قد و قامت ایسا ہے جیسا کہ سرو چمن میں جھومتا ہو اور رخسار گل یاسمین اور نسترن کی طرح ہے۔

چوں کہ دید آں غنچ بر جست او سبک   چوں تجلی حق از پردہ تنک

جب ان سے یہ ناز و ادا دیکھے تو اچھل پڑا اور سمجھا کہ گمراہ کرنے اور وسوسہ کا بہترین جال ہے اور در اصل یہ باریک پردہ میں سے جمال کبریائی کا ایک پرتو تھا۔ اہل معرفت اور ارباب حقیقت نے اس فانی اور مجازی حسن و جمال کبریائی کی طرف کوئی التفات نہ کیا۔ عالم میں جہاں کہیں بھی حسن و جمال ہے وہ اسی نور السمٰوات والارض کے حسن و جمال کا ایک ادنیٰ سا عکس اور پرتو ہے اور عالم کا ہر ہر ذرہ اسی کے حسن و جمال کا آئینہ ہے۔ لیکن یہ امر کہ کسی آئینہ کی طرف نظر کرنا جائز ہے اور کس آئینہ کی طرف دیکھنا ناجائز ہے یہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام نے بتایا۔ شریعت کہتی ہے کہ اپنی زوجہ کے حسن و جمال کی طرف تو نظر کرنا جائز ہے مگر دوسرے کی زوجہ کے حسن و جمال کی طرف تو نظر اٹھا کر دیکھنا قطعاً حرام ہے حق تعالیٰ نے جو آئینہ تمکو دیا ہے اسکو دیکھو۔ دوسرے آئینہ کی استعمال کی اجازت نہیں حق تعالیٰ نے جو آئینہ تمکو دیا ہے صرف تم کو اس کے استعمال کی اجازت دی ہے اور اس کی اجازت نہیں کہ تم اپنا آئینہ دوسرے کو دکھلا سکو۔ چہ جائیکہ دے سکو۔ شریعت کہتی ہے کہ اپنی بیٹی اور بہن کی طرف چشم شفقت سے دیکھنا تو جائز ہے۔ اور چشم شہوت سے دیکھنا ناجائز ہے اور اپنے بیٹے کی حسن و جمال کو بنظر محبت دیکھنا جائز ہے اور

غیر کے لڑکے کے حسن وجمال کو دیکھنا زیر غور اور زیر نظر ہے جو شخص دوسروں کی بیوی بیٹی اور بہن کی طرف دیکھنے کو جائز قرار دیتا ہے وہ درپردہ دوسروں کو اپنی بیوی اور بہن کی طرف دیکھنے کی اجازت اور دعوت دیتا ہے جس پر کسی غیور کی غیرت ایک لمحہ کے لئے بھی راضی نہیں ۔

عالمے شد والہ وحیران ودنگ   زاں کرشمہ وزاں دلال نیک تنگ

عورتوں کے ان کرشموں اور ناز و ادا اور شوخیوں کو دیکھ کر ایک دنیا مست وحیران اور دنگ رہ گئی ۔ اس لئے شیطان کو سب سے زیادہ یہی جال پسند آیا ۔ کہ گمراہ کرنے اور پھانسنے کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں ۔ (حکایت ختم ہوئی)

(مثنوی دفتر پنجم صفحہ ۱۳۴ مطبوعہ نول کشور لکھنؤ) مثنوی دفتر پنجم ۸۴ مطبوعہ کانپور)

حکایت مذکورہ کی اردو نظم

منقول از پیراہن یوسفی اردو ترجمہ منظوم مثنوی مولانا روم مصنفہ مولانا محمد یوسف علی شاہ صاحب گلشن آبادی رحمۃ اللہ علیہ مطبوعہ مطبع نول کشور

عرض کی ابلیس نے اللہ سے   دام دے اس صید کا بھاری مجھے
سیم وزر اور اسپ دکھلاکے اسے   کہ تو اس سے خلق کو کھینچا سکے
منہ پھلایا اور کہا کہ واہ واہ   ترش رو مثل ترنج از بس ہوا
پس جواہر کان کے از بسکہ خود   کر دیئے ملعون پہ حق نے پیش کش
دوسرا یہ دام لے تو اے لعین   بولا اس سے بڑھ کے دے تو اے معین
چرب وشیریں اور شراب آتشی   پس اُسے دی اور جامۂ ریشمی
بولا یارب اس سے بڑھ کر دے مدد   تا انہیں باندھوں بحبلٍ مِن مَسَد
تاکہ تیرے مست نر پر دل جو ہیں   مرد کی مانند بندیں کاٹ دیں

تاکہ ساتھ اس جال و دام حرص کے — مرد تیرا ہو جدا نامرد سے
دوسرا چاہتا ہوں دام اے شاہ بخت — دام مرد انداز و حیلہ ساز سخت
چنگ و بادہ آگے لا اسکے رکھا — خوش ہوا آدھا وہ اور آدھا ہنسا
گمرہی ازلی کا وہ سائل ہوا — گرد قعر بحر فتنہ سے تو لا
نے کہ اک موسیٰ تیرے بندوں سے ہے — باندھے پردے بحر میں بس گرد سے
آب دریا ہر طرف سے ہٹ گیا — اور غبار اک تہہ سے دریا کے اُٹھا
دام دی مضبوط تا ہوئے تمام — منہ میں ان کے ڈالوں میں شل لگام
کھینچوں ان کو پھانس کر دام میں — تا نہیں سر کو پھرا اس سے سکیں
جو بتائیں خوبیاں زن کی اُسے — کہ قرار و صبر مرد ابتر کرے
بس لگا چٹکی بجانے ناچنے — کہ ملا مقصد مرا تو جلد دے
جو کہ دیکھیں آنکھیں اس کی پُرخمار — کہ کرے عقل و خرد کو بےقرار
اور صفائی چہرہ دلدار کو — کہ جلائے چوں سپند عاشق کو دو
خال و ابرو و لب گویا کہ ہے — جلوۂ حق پردۂ باریک سے
قد ہے جو سرو چمن اندر چمن — اور رخ چوں یاسمین و نسترن
آن جو دیکھی تو تڑپا کود کے — چوں تجلی پردۂ باریک سے
عالم ایک حیران ہوا اور اسکو دنگ — ان کرشموں سے کہ تھے وہ شوخ و شنگ

حکایت ختم ہوئی پیراہن یوسفی ترجمہ منظوم مثنوی مولوی معنوی صہ ۴۸ دفتر پنجم

ام المومنین جویریہ بنت حارث بن ضرار رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت جویریہ حارث بن ضرار سردار بنی المصطلق کی بیٹی تھیں۔ پہلا نکاح مسافع بن صفوان مصطلقی سے ہوا تھا۔ جو غزوہ مریسیع میں مارا گیا۔ اس غزوہ میں جہاں

اور بہت سے بچے اور عورتیں گرفتار ہوئے۔ ان میں جویریہ بھی تھیں آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو آزاد کرکے اپنی زوجیت میں لے لیا۔ اور چار سو درہم مہر مقرر کیا۔ آپ کی زوجیت میں آنے کا مفصل قصہ غزوہ بنی المصطلق کے بیان میں گزر چکا ہے۔ ۵ھ میں آپ کی زوجیت میں آئیں اس وقت آپ بیس سال کی تھیں اور ربیع الاول ۵۰ھ میں انتقال کیا۔ اس وقت آپ کا سن ۶۵ سال تھا مروان بن حکم نے جو اس وقت امیر مدینہ تھے نماز جنازہ پڑھائی اور مدینہ منورہ کے مشہور قبرستان جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔ اصابہ ترجمہ ام المومنین جویریہؓ [۱]

عبادت کا خاص ذوق تھا۔ عبادت کے لئے مسجد کے نام سے گھر میں ایک جگہ مخصوص کر رکھی تھی۔ چنانچہ جامع ترمذی میں باسناد صحیح عبداللہ بن عباس۔ حضرت جویریہ سے راوی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم علی الصبح تشریف لائے اور میں اپنی مسجد میں مشغول عبادت تھی۔ آپ واپس چلے گئے قریب نصف النہار کے پھر تشریف لائے اور مجھ کو اسی طرح مشغول عبادت دیکھا۔ فرمایا کیا تم اس وقت سے اس وقت تک اسی حالت میں ہو۔ میں نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا میں تم کو کچھ کلمات بتلائے دیتا ہوں وہ پڑھ لیا کرو۔ وہ کلمات یہ ہیں۔

سُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ خَلْقِهٖ ۳ بار سُبْحَانَ اللهِ رِضَا نَفْسِهٖ ۳ بار، سُبْحَانَ اللهِ زِنَةَ عَرْشِهٖ ۳ بار سُبْحَانَ اللهِ مِدَادَ كَلِمَاتِهٖ ۳ بار

مسلم اور ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ میں نے تیرے بعد چار کلمے تین بار کہے ہیں۔ اگر ان کو تیری تمام تسبیحوں کے ساتھ تولا جائے جو تو نے صبح سے اس وقت تک پڑھی ہیں تو وہ چار کلمات وزن میں بڑھ جائیں گے

---

[۱] الاصابہ۔ ج: ۴، ص: ۲۶۵

وہ کلمات یہ ہیں۔ سُبْحَانَ اللہِ وَبِحَمْدِہٖ عَدَدَ خَلْقِہٖ وَرِضَا نَفْسِہٖ ،
وَزِنَۃَ عَرْشِہٖ وَمِدَادَ کَلِمَاتِہٖ (زرقانی صفحہ ۲۵۵ ج ۳)

ام المومنین ام حبیبہ بنتِ ابوسُفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہا

رملہؓ آپکا نام اور ام حبیبہ آپ کی کنیت تھی ابوسفیان بن حرب اموی قریش کے مشہور سردار کی بیٹی تھیں والدہ کا نام صفیہ بنت ابی العاص تھا جو حضرت عثمان کی پھوپھی تھیں۔ بعثت سے ۱۷ سال پہلے پیدا ہوئیں۔ پہلا نکاح عُبیداللہ بن جحش سے ہوا

ام حبیبہؓ ابتدا ہی میں مسلمان ہوئیں اور ان کے شوہر بھی اسلام لے آئے اور دونوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی وہاں جاکر ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام حبیبہ رکھا اور اسی کے نام پر ام حبیبہ کنیت رکھی گئی۔ اور پھر اسی کنیت سے مشہور ہوئیں چند روز کے بعد عبیداللہ بن جحش تو اسلام سے مرتد ہو کر عیسائی بن گیا۔ مگر ام حبیبہؓ برابر اسلام پر قائم رہیں۔

ام حبیبہ کہتی ہیں کہ عبیداللہ کے نصرانی ہونے سے پہلے اس کو نہایت بری اور بھیانک شکل میں خواب میں دیکھا بہت گھبرائی جب صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ عیسائی ہو چکا ہے۔ میں نے یہ خواب بیان کیا (کہ شاید متنبہ ہو جائے) مگر کچھ توجہ نہیں کی اور شراب وکباب میں برابر منہمک رہا۔ حتیٰ کہ اسی حالت میں انتقال ہو گیا۔

عہ ان کا نام عبیداللہ تصغیر کے ساتھ ہے۔ اور عبداللہ بن جحشؓ جو ان کے بھائی تھے وہ غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے رضی اللہ عنہ۔ ام حبیبہ کے پہلے شوہر کا نام عبیداللہ تصغیر کے ساتھ ہے۔ ان کا نام عبداللہ نہیں جیسا کہ بعض کتابوں میں غلطی سے لکھا گیا۔ ۱۲۔

چند روز کے بعد خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص یا ام المومنینؓ کہہ کر آواز دے رہا ہے جس سے میں گھبرا گئی عدت کا ختم ہونا تھا کہ یکایک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام پہنچا۔ رواہ ابن سعد ۲ؔ

ادھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی شاہ حبشہ کے پاس یہ کہلا کر بھیجا کہ اگر ام حبیبہ مجھ سے نکاح کرنا چاہیں تو تم بطور وکیل نکاح پڑھوا کر میرے پاس بھیجدو نجاشی نے اپنی باندی ابرہ کو ام حبیبہ کے پاس یہ کہلا کر بھیجا کہ میرے پاس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک والا نامہ اس مضمون کا یعنی پیام کا آیا ہے اگر تم کو منظور ہو تو اپنی طرف سے کسی کو وکیل بنالو ام حبیبہؓ نے اس پیام کو منظور کیا۔ اور خالد بن سعید بن العاص اموی کو اپنا وکیل مقرر کیا۔ اور اس بشارت اور خوشخبری کے انعام میں ہاتھوں کے دونوں کنگن اور پیروں کی پازیب اور انگلیوں کے چھلے جو سب نقرئی تھے۔ ابرہ کو دیدے جب شام ہوئی تو نجاشی نے حضرت جعفر اور تمام مسلمانوں کو جمع کر کے خود خطبۂ

۱ؔ حبیبہ بھی صحابیہ ہیں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ربیبہ ہیں۔ اپنی والدہ ماجدہ حضرت ام حبیبہ کے ساتھ حبشہ سے مدینہ ہجرت کر کے آئیں۔ اس میں اختلاف ہے کہ حبیبہ حبشہ میں پیدا ہوئیں یا مکہ میں واللہ اعلم اصابہ صفحہ ۳۰۵ ج ۴، ترجمہ ام المومنین رملہ بنت ابی سفیان۔

۲ؔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ خواب دیکھ کر میں گھبرائی لیکن معاً ہی یہ تعبیر ذہن میں آئی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے نکاح فرمائیں گے۔
صفۃ الصفوۃ لابن الجوزی صفحہ ۲۲ ج ۲

۳ؔ۔ الاصابہ۔ ج: ۴۔ ص: ۳۰۵۔

نکاح پڑھا۔ وہ خطبہ یہ ہے۔

عربی	ترجمہ
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ السَّلَامِ	حمد ہے خداوند قدوس اور خدائے غالب اور
الْمُؤْمِنِ الْمُھَیْمِنِ الْعَزِیْزِ الْجَبَّارِ	عزیز اور جبار کی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے
اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ	سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ
مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ	محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے برگزیدہ بندہ
وَاَنَّہُ الَّذِیْ بَشَّرَ بِہٖ عِیْسٰی	اور رسول برحق ہیں۔ اور آپ وہی نبی ہیں جن
بْنُ مَرْیَمَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْھِمَا وَسَلَّمَ	کی عیسےٰ بن مریم صلے اللہ علیہما وسلم نے بشارت دی ہے۔
اَمَّا بعد۔ فان رسول اللّٰہ صلی	اما بعد۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
اللّٰہ عَلَیہ وسَلم کتب الی	نے مجھ کو یہ تحریر فرمایا ہے کہ میں آپ کا
ان ازوجہ ام حبیبة بنت	نکاح ام حبیبہ بنت ابی سفیان سے
ابی سفیان فاجبت الی ما دعا	کر دوں۔ میں نے آپ کے ارشاد کے
اِلَیہِ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ	مطابق آپ کا نکاح ام حبیبہ سے
عَلَیہ وسَلَّمَ وقد اصدقتھا اربعمأتہ دینار	کر دیا اور چار سو دینار مہر مقرر کیا۔

اور اسی وقت وہ چار سو دینار خالد بن سعید اموی کے حوالے کر دیئے

اس کے بعد خالد بن سعید کھڑے ہوئے اور یہ تقریر فرمائی۔

عربی	ترجمہ
الحمد للّٰہ احمدہ وَاستعینُہٗ	الحمد للہ۔ میں اللہ کی حمد و ثنا کرتا ہوں
وَاستغفرہ وَاشھد ان لا الٰہَ	اور اس سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور گواہی دیتا
الا اللّٰہ وَحدہ لاَ شریکَ لَہٗ	ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے
وَاشھد ان محمّدا عبدہ ورسولہ	کوئی اس کا شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں محمد

ارسلہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہ ولوکرہ المشرکون	صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں اور رسول برحق ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور دین برحق دے کر بھیجا ہے تاکہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرکین کو ناگوار ہو۔
امابعد۔ فقد اجبت الی مادعا الیہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وزوجتہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان فبارک اللہ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	امابعد میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیام کو قبول کیا اور آپ سے ام حبیبہ کا نکاح کر دیا۔ اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے۔

لوگوں نے اٹھنے کا ارادہ کیا نجاشی نے کہا کہ ابھی بیٹھیے۔ حضرات انبیاء کی سنت یہ ہے کہ نکاح کے بعد ولیمہ بھی ہونا چاہیے۔ چنانچہ کھانا آیا اور دعوت سے فارغ ہو کر سب رخصت ہوئے مہر کی رقم جب حضرت ام حبیبہ کے پاس پہنچی تو ابرھہ کو بلا کر پچاس دینار اور دیئے ابرھہ نے یہ پچاس دینار اور وہ زیور جو پہلے دیا گیا تھا یہ کہکر سب واپس کر دیا کہ بادشاہ نے مجھ کو تاکید کر دی ہے کہ آپ سے کچھ نہ لوں۔ اور آپ یقین کیجیے کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیرو ہو چکی ہوں اور اللہ عزوجل کے لئے دین اسلام کو قبول کر چکی ہوں۔ اور آج بادشاہ نے اپنی تمام بیگمات کو حکم دیا کہ ان کے پاس جو خوشبو اور عطر ہو اس میں سے ضرور آپ کے پاس ہدیہ بھیجیں۔ چنانچہ دوسرے روز ابرھہ بہت سا عود اور عنبر وغیرہ لیکر آپ کے پاس آئی ام حبیبہ فرماتی ہیں کہ میں نے وہ عود اور عنبر سب رکھ لیا اور اپنی ساتھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی خدمت میں لائی۔ اس کے بعد ابرہ نے کہا کہ میری ایک درخواست ہے وہ یہ کہ آن حضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے میرا سلام کہدینا اور یہ عرض کردینا کہ میں آپ کے دین کی پیرو ہوگئی ہوں۔ میری روانگی تک ابرہ کا یہ حال رہا کہ جب آتی تو یہی کہتی کہ دیکھو میری درخواست کو بھول نہ جانا چنانچہ جب مدینہ پہنچی تو یہ تمام حالات اور واقعات آپ سے بیان کئے آپ مُسکراتے رہے اخیر میں ابرہ کا سلام پہنچایا آپ نے فرمایا وعلیہا السلام ورحمۃ اللہ برکاتہ۔ ؎۱

۴۴ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال کیا اور بعض کہتے ہیں کہ دمشق میں انتقال ہوا اگر صحیح یہی ہے کہ مدینہ منورہ میں انتقال ہوا۔ ؎۲

چونکہ بعثت سے سترہ سال پہلے پیدا ہوئیں لہٰذا اس حساب سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نکاح کے وقت آپ کی عمر ۳۶ سال تھی اور وفات کے وقت ۷۴ سال کی تھی۔

عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ام حبیبہ نے انتقال کے وقت مجھکو بلایا اور کہا کہ باہم سوکنوں میں جو کچھ پیش آتا ہے وہ تم کو معلوم ہے۔ جو کچھ ہوا ہو وہ معاف کرنا۔ اللہ تعالےٰ میری اور تمہاری مغفرت فرمائے میں نے کہا سب معاف ہے۔ اللہ تعالےٰ میری اور تمہاری مغفرت فرمائے ام حبیبہؓ نے فرمایا اے عائشہ تم نے مجھ کو خوش کیا اللہ تعالےٰ تم کو خوش رکھے اور پھر ام سلمہ کو بلایا اور اُن سے بھی یہی گفتگو ہوئی (اخرجہ ابن سعد) اصابہ ؎۳ ترجمہ ام المؤمنین رملہ بنت ابی سفیان۔

؎۱ صفوۃ الصفوۃ۔ ج ۲، ص: ۲۲۔ زرقانی ج ۳، ص ۲۴۳

؎۲ زرقانی۔ ج ۳، ص: ۲۴۵۔

؎۳ الاصابہ۔ ج: ۴۔ ص، ۲۳۶۔ صفوۃ الصفوہ ج ۲، ص: ۲۴

ام المومنین صفیہؓ بنت حیی ابن اخطب رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت صفیہ۔ حیی بن اخطب سردار بنی نضیر کی بیٹی تھیں حیی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون بن عمران علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا۔ ماں کا نام ضرہ تھا پہلا نکاح سلام بن مشکم قرظی سے ہوا سلام کے طلاق دیدینے کے بعد کنانہ بن ابی الحقیق سے نکاح ہوا۔ کنانہ غزوۂ خیبر میں مقتول ہوا۔ اور یہ گرفتار ہوئیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو آزاد کرکے اپنی زوجیت میں لے لیا اور یہی ان کا مہر قرار پایا۔ خیبر سے چل کر آپ مقام صہبا میں اترے جو خیبر سے ایک منزل ہے وہاں پہنچکر عروسی فرمائی اور یہیں ولیمہ فرمایا۔ ؎۲

ولیمہ عجب شان سے ہوا چمڑے کا ایک دسترخوان بچھا دیا گیا۔ اور حضرت انس سے فرمایا کہ اعلان کردو کہ جس کے پاس جو کچھ سامان جمع ہو وہ لے آئے۔ کوئی کھجور لایا اور کوئی پنیر اور کوئی ستو لایا اور کوئی گھی لایا۔ جب اس طرح کچھ سامان جمع ہو گیا توسب نے ایک جگہ بیٹھ کر کھالیا اس ولیمہ میں گوشت اور روٹی کچھ نہ تھا (بخاری و مسلم)

مقام صہبا میں تین روز آپ نے قیام کیا اور حضرت صفیہ پردہ میں رہیں جب آپ وہاں سے روانہ ہوئے تو خود حضرت صفیہ کو اونٹ پر سوار کرایا۔ اور اپنی عبا سے انپر پردہ کیا کہ کوئی دیکھ نہ سکے گویا کہ یہ اعلان تھا کہ حضرت صفیہ ام المومنین ہیں۔ ام ولد نہیں۔ (بخاری و مسلم) ؎۳

؎۱ کسی شوہر سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ عیون الاثر صفحہ ۳۰۷ ج ۲

؎۲ عیون الاثر ج: ۲، ص: ۳۰۷ ؎۳ زرقانی ج: ۳۔ صفحہ ۲۵۷

حضرت صفیہ جب آپ کی زوجیت میں آئیں تو آپ نے حضرت صفیہ کی آنکھ پر ایک سبز نشان دیکھا۔ فرمایا یہ کیسی سبزی ہے۔ حضرت صفیہ نے کہا ایک روز میں اپنے شوہر کی گود میں سر رکھے ہوئے سو رہی تھی کہ یہ خواب دیکھا کہ چاند میری گود میں آکر گرا ہے۔ یہ خواب میں نے اپنے شوہر سے بیان کیا۔ اس نے زور سے میرے ایک طمانچہ مارا اور کہا تو یثرب کے بادشاہ کی تمنا کرتی ہے۔ اشارہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی طرف تھا۔ اخرجہ ابو حاتم والطبرانی برجال الصحیح کلاہما من ابن عمرؓ [1]

حضرت صفیہ جب خیبر سے مدینہ آئیں تو حارثہ بن النعمان کے مکان میں اتاری گئیں اُن کے حسن و جمال کو سُنکر انصار کی عورتیں دیکھنے آئیں اور حضرت عائشہ بھی نقاب اوڑھ کر آئیں مگر آنحضرت نے پہچان لیا اور جب واپس ہوئیں تو پوچھا کہ اے عائشہ کیا دیکھا کہا ہاں ایک یہودیہ کو دیکھ آئی ہوں آپ نے فرمایا ایسا مت کہو وہ اسلام لے آئی ہے اور اس کا اسلام نہایت اچھا اسلام ہے۔ رواہ ابن سعد اصابہ۔ ترجمہ صفیہ بنت حیؓ [2]

ایک دفعہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حضرت صفیہ کے پاس تشریف لے گئے تو دیکھا کہ حضرت صفیہ رو رہی ہیں۔ فرمایا کیوں رونی ہو کہا کہ عائشہ اور حفصہ مجھ کو چھیڑتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں زیادہ مکرم اور محترم ہیں۔ ہم آپ کی زوجہ ہونے کے ساتھ آپ کے چچا کی بیٹیاں بھی ہیں۔ آپ نے فرمایا تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ تم مجھ سے کیسے بہتر ہو سکتی ہو باپ میرے ہارون ہیں اور چچا میرے موسیٰ ہیں اور شوہر میرے محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (اخرجہ الترمذی عن صفیہ) [3]

---

[1] زرقانی۔ ج: ۳۔ ص: ۲۵۷۔ [2] الاصابہ۔ ج: ۴، ص: ۳۴۷

[3] ایضا الاصابہ ج: ۴۔ ص: ۳۴۷

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک روز آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ آپ کو صفیہ سے اس قدر کافی ہے کہ وہ اتنی اور اتنی ہے یعنی اتنا چھوٹا قد ہے آپ نے فرمایا تو نے ایسا کلمہ کہا کہ اگر اس کو سمندر کے پانی میں ڈال دیا جائے تو سارے سمندر کو مکدر کر دے (رواہ ابوداؤد والترمذی)

ایک بار آپ سفر میں تھے کہ حضرت صفیہ کا اونٹ بیمار ہو گیا حضرت زینب بنت جحش کے پاس اونٹ کچھ ضرورت سے زیادہ تھے آپ نے فرمایا اگر ایک اونٹ صفیہ کو دیدو تو بہتر ہے۔ انہوں نے کہا میں دونگی اس یہودیہ کو۔! آپ کو ناگوار گزرا اور دو یا تین مہینہ تک آپ اُن کے پاس نہیں گئے (رواہ ابن سعد)[۵]

ایک بار تمام ازواج مطہرات مرض الوفات میں آپ کے پاس جمع ہوئیں حضرت صفیہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی میری یہ تمنا اور آرزو ہے کہ آپ کے بدلہ میں یہ تکلیف مجھ کو ہو جائے ازواج مطہرات نے آپسمیں ایک دوسرے کی طرف اشارہ کیا۔ آپ نے دیکھ لیا اور فرمایا۔

وَاللہ انہا لصادقۃ — خدا کی قسم البتہ تحقیق یہ سچی ہے۔

اخرجہ ابن سعد بسند حسن

ابو عمر بن عبد البر فرماتے ہیں کہ حضرت صفیہ بڑی عقلمند اور بردبار اور صاحب فضل و کمال عورت تھیں ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت صفیہ کی ایک باندی نے حضرت عمر سے جاکر یہ کہہ دیا کہ حضرت صفیہ۔ ہفتہ کے دن کو بہت محبوب رکھتی ہیں۔ اور یہود کے ساتھ بہت سلوک کرتی ہیں۔ آپ نے حضرت صفیہ سے دریافت کر کے بھیجا۔ حضرت صفیہ نے کہا جب سے اللہ نے مجھ کو ہفتہ کے بدلہ میں

۵۔ اصابہ صفحہ ۳۴۷، ج ۴۔ ۲۔ الاصابہ ج: ۴، ص: ۳۴۷

جمعہ عطا فرمایا ہے۔ اس روز سے کبھی ہفتہ کو پسند نہیں کیا۔ رہے یہود سو اُن سے میری قرابتیں ہیں ان کی ساتھ صلہ رحمی کرتی ہوں حضرت عمر کو تو یہ جواب کہلا بھیجا اور اس کے بعد اس باندی سے دریافت کیا کہ تجھے اس کہنے پر کس نے آمادہ کیا۔ باندی نے اس وقت سچ سچ کہدیا کہ شیطان نے آمادہ کیا۔ حضرت صفیہ نے باندی سے فرمایا اچھا جاؤ تم آزاد ہو۔ [۱]

سعید بن مسیب سے مرسلا مروی ہے کہ جب حضرت صفیہ مدینہ آئیں تو آپ کے کانوں میں سونے کا کچھ زیور تھا۔ اس میں سے کچھ تو حضرت فاطمہ کو دیا۔ اور کچھ اور عورتوں کو۔ (اخرجہ ابن سعد بہ سند صحیح) [۲]

سُبحان اللہ۔ پیغمبر کی زوجیت میں آئیں اور دنیا کا قصّہ ختم کیا ماہ رمضان المبارک سنہ ۵۰ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ [۳]

ام المومنین میمونہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا

میمونہ [۴] آپ کا نام ہے باپ کا نام حارث اور ماں کا نام ہند تھا۔ ماہ ذی قعدہ سنہ ۷ھ میں جب آپ عمرۂ حدیبیہ کی قضا کرنے کے لئے مکہ تشریف لائے اسوقت آپ کی زوجیت میں آئیں۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ یہ آپ کی آخری بیوی تھیں جن کے بعد آپ نے پھر کسی اور سے نکاح نہیں فرمایا آپ سے پہلے ابورہم بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں تھیں۔ ابورہم کے انتقال کے بعد آپ کی زوجیت میں آئیں۔ پانسو درہم مہر مقرر ہوا۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت

---

[۱] اصابہ صفحہ ۳۴۷ ج ۴ [۲] اصابہ صفحہ ۳۴۷ ج ۴۔ [۳] زرقانی ج ۳، صفحہ ۲۵۹

[۴] حضرت میمونہ عبداللہ بن عباسؓ کی خالہ ہوتی تھیں حضرت میمونہ کی بہن ام فضل عبداللہ بن عباسؓ اور فضل بن عباس کی والدہ اور حضرت عباس کی بیوی تھیں۔

میمونہ سے پیام دیا تو حضرت میمونہ نے حضرت عباس کو اپنا وکیل مقرر کیا۔ چنانچہ حضرت عباسؓ نے حضرت میمونہ سے آپ کا نکاح کر دیا۔ (رواہ احمد والنسائی)

روایات اس بارہ میں بہت مختلف ہیں کہ نکاح کے وقت آپ محرم تھے یا حلال تھے امام بخاری کے نزدیک بھی راجح ہے کہ نکاح کے وقت آپ محرم تھے۔

مکہ سے چل کر آپ مقام سرف میں ٹھہرے اور وہاں پہنچکر عروسی فرمائی

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح اور عروسی دونوں مقام سرف ہی میں ہوئے اور ۵۱ھ میں مقام سرف میں اسی جگہ انتقال کیا جہاں عروسی ہوئی تھی۔ اور وہیں دفن ہوئیں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی [۱]

قبر میں عبداللہ بن عباس اور یزید بن اصم اور عبداللہ بن شداد اور عبیداللہ خولانی نے اتارا۔ تین اول الذکر آپ کے بھانجے تھے اور چوتھے آپ کے پروردہ یتیم تھے [۲]

یہ گیارہ ازواج مطہرات ہیں جو آن حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت میں رہیں۔ اور امہات المومنین کے لقب سے مشہور ہوئیں اور چند عورتیں ایسی بھی ہیں کہ جن سے آپ نے نکاح تو فرمایا لیکن مقاربت سے پہلے ہی ان کو اپنی زوجیت سے جدا کر دیا۔ جیسے اسمار بنت نعمان جَوْنِیَّۃ اور عَمَرہ بنت یزید کلابیہ [۳] ان کا تذکرہ غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دیا ہے۔

سراری یعنی کنیزیں

آن حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار کنیزیں تھیں جن میں سے دو مشہور ہیں:-

---

[۱] اصابہ۔ ج: ۴، ص ۴۱۱ [۲] الاستیعاب۔ ج ۴، ص ۴۰۸

[۳] ان کے نکاح اور طلاق کا مفصل واقعہ اگر دیکھنا چاہیں تو فتح الباری ج ۹ صفحہ ۳۱۰ تا ج ۹

۱ - ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا

یہ آپ کی ام ولد ہیں آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم انہی کے بطن سے ہیں ماریہ قبطیہ کو مقوقس شاہ اسکندریہ نے بطور نذرانہ آپ کی خدمت میں بھیجا تھا۔

ماریہ قبطیہ نے حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت سنہ ۱۶ھ میں انتقال کیا اور بقیع میں دفن ہوئیں۔

۲ - ریحانہ بنت شمعون رضی اللہ عنہا

ریحانہ۔ خاندان بنو قریظہ یا بنی نضیر سے تھیں اسیر ہو کر آئیں اور بطور کنیز آپ کے حضور میں رہیں۔ حجۃ الوداع کے بعد سنہ ۱۰ھ میں انتقال کیا۔ اور بقیع میں دفن ہوئیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ آپ نے ان کو آزاد کر کے نکاح فرمایا تھا۔ واللہ اعلم

۳ - نفیسہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا

نفیسہ اصل میں ام المؤمنین زینب بنت جحش کی جاریہ تھیں حضرت صفیہ کے تذکرہ میں گزر چکا ہے کہ ایک مرتبہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت صفیہ کے بارے میں حضرت زینب سے ناراض ہو گئے تھے۔ دو تین مہینہ تک آپ ناراض رہے۔ جب آپ راضی ہوئے تو حضرت زینب نے اس خوشی میں اپنی باندی نفیسہ آپ کو ہبہ کر دی تھی۔

ان کے علاوہ ایک اور کنیز تھیں جن کا نام معلوم نہیں ہو سکا (زرقانی ص ۲۷۱ ج ۳ تا صفحہ ۲۷۴ ج ۳)

تعدّد ازدواج [۱]

تاریخ عالم کے مسلمات میں سے ہے کہ اسلام سے پہلے تمام دنیا میں یہ رواج تھا

---

[۱] - ایک عورت کے لئے متعدد خاوند ہونے کی ممانعت کی وجہ (۱) اگر ایک عورت چند (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کہ ایک شخص کئی کئی عورتوں کو اپنی زوجیت میں رکھتا تھا اور یہ دستور تمام دنیا میں رائج تھا حتیٰ کہ حضرات انبیاء کرام بھی اس دستور سے مستثنیٰ نہ تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام

(بقیہ حاشیہ سابقہ صفحہ) مردوں میں مشترک ہو تو بوجہ استحقاق نکاح ہر ایک کو قضاء حاجت کا استحقاق ہوگا اور اس میں غالب اندیشہ فساد اور عناد کا ہے۔ شاید ایک ہی وقت میں سب کو ضرورت ہو اور عجب نہیں کہ قتل تک نوبت پہنچے۔

۲۔ نیز مرد فطرۃً حاکم ہوتا ہے اور عورت محکوم اس لئے کہ طلاق کا اختیار مرد کو ہے۔ جب تک وہ آزاد نہ کرے تو عورت دوسرے مرد سے نکاح نہیں کرسکتی۔ جیسے باندی اور غلام خود آزاد نہیں ہوسکتے۔ جب تک کہ مالک کی طرف سے اِعتاق (آزاد کرنا) نہ ہو۔ اسی طرح عورت بھی بغیر مرد کے آزاد کے خود بخود نکاح سے آزاد نہیں ہوسکتی جب تک طلاق نہو۔ غلاموں میں اگر اعتاق ہے تو یہاں طلاق ہے۔ پس اگر ایک عورت کے متعدد خاوند ہوں گے تو یوں کہو کہ ایک عورت کے حاکم متعدد ہوں گے اور جتنے حاکم زیادہ ہوں گے اتنی ہی محکوم میں ذلت بھی زیادہ ہوگی۔ اس لئے کہ ایک حاکم کے تحت متعدد محکوم ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ایک ایک حاکم کے تحت میں سَو سَو اور ہزار ہزار محکوم ہوتے ہیں۔ ایک بادشاہ کے تحت ملک کی رعایا ہوتی ہے۔ اس میں نہ کوئی ذلت ہے نہ کوئی مشقت لیکن اگر محکوم ایک ہو اور حاکم متعدد ہوں تو جتنے حاکم زیادہ ہوں گے اتنی ہی محکوم میں ذلت بھی زیادہ ہوگی۔ معلوم ہوا کہ ایک عورت کا متعدد شوہروں کے تحت میں رہنا عورت کے لئے انتہائی تحقیر اور تذلیل کا سبب ہے۔ نیز متعدد شوہروں کی خدمت بجالانا اور سب کو خوش رکھنا ناقابل برداشت مشقت ہے۔ اس لئے شریعت اسلامیہ نے ایک عورت کو دو یا چار مردوں سے نکاح کی اجازت نہیں دی تاکہ عورت تحقیر اور تذلیل اور ناقابل برداشت مشقت سے محفوظ رہے پھر یہ معلوم کہ ایک عورت کے یہ چار شوہر ایک ہی مکان میں سکونت پذیر ہوں گے یا ایک محلہ میں یا ایک (باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

کے دو بیویاں تھیں حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بھی متعدد بیویاں تھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھی کئی بیویاں تھیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے بیسیوں

بقیہ حاشیہ شہر میں یا دوسرے شہر میں اور یہ ایک عورت ان چاروں شوہروں کی کس طرح خدمت بجا لائے گی۔ جو عورتیں تعدد شوہر کی جواز کی قائل ہیں وہ ان سوالات کا جواب دیں۔

۴۔ نیز اگر ایک عورت کے متعدد شوہر ہوں تو متعدد شوہروں کے تعلق سے جو اولاد پیدا ہوگی تو وہ کس کی اولاد ہوگی مشترکہ ہوگی یا منقسمہ اور تقسیم کس طرح ہوگی۔ اگر ایک ہی فرزند ہوا تو چار باپوں میں کس طرح تقسیم ہوگا۔ اور اگر متعدد اولاد ہوئیں اور نوبت تقسیم کی آئی تو بوجہ اختلاف ذکورت و انوثت و بوجہ تفاوت شکل و صورت اور بوجہ تباین خلق و سیرت اور بوجہ تفاوت قوت و ہمت اور بوجہ تفاوت فہم و فراست موازنہ ممکن نہیں۔ جو ایک ایک کو لے کر اپنے دل کو سمجھائے اس تفاوت کی وجہ سے تقسیم اولاد کا مسئلہ غایت درجہ پیچیدہ ہو جائیگا اور نہ معلوم کہ باہمی نزاع سے کیا کیا صورتیں رونما ہوں۔

پھر بوجہ تساوی محبت جملہ اولاد ایک دوسری دقت پیش آئے گی کہ ایک کے وصال سے اتنا سرور نہ ہوگا جتنا کہ اوروں کے فراق سے رنج اٹھانا پڑے گا۔ پھر اس وجہ سے کہ خدا جانے کیا کیا فتنے برپا ہوں بہر طور اس نظام میں خرابیوں اور بربادیوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اس لئے شریعت حقہ نے ایک عورت کے لئے متعدد شوہروں کو ممنوع قرار دیا۔ ہندوؤں کی بعض قوموں میں ایک عورت کا پانچ پانڈوں کے نکاح میں ہونا جائز اور روا ہے۔ ان بے غیرتوں کو اس کا احساس نہیں کہ ایک عورت کا کبھی کسی سے اور کبھی کسی سے ہم آغوش اور ہم کنار ہونا سراسر بے غیرتی اور بے حیائی ہے۔ اسلام عزت اور عفت اور عصمت

(باقی اگلے صفحہ پر)

بیویاں تھیں اور حضرت داؤد علیہ السلام کے سو بیویاں تھیں اور توریت وانجیل اور دیگر صحفِ انبیاء میں حضرات انبیاء کی تعدد ازواج کا ذکر ہے اور کہیں بھی تعدد ازدواج کی ممانعت کا ادنیٰ اشارہ بھی نہیں پایا جاتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام صرف یہ دو نبی ایسے گزرے ہیں کہ جنھوں نے بالکل شادی نہیں فرمائی۔ سوا گر ان کے فعل کو استدلال میں پیش کیا جائے تو ایک شادی بھی ممنوع ہو جائے گی۔ عیسے علیہ السلام نے رفع الی السماء سے پہلے اگرچہ شادی نہیں کی مگر نزول کے بعد شادی فرمائیں گے۔ اور اولاد بھی ہوگی جیسا کہ احادیث میں آیا ہے، غرض یہ کہ علماء یہود اور علماء نصاریٰ کو مذہبی لحاظ سے تعدد ازدواج پر اعتراض کا کوئی حق نہیں۔ اسلام آیا اور اس نے تعدد ازدواج کو جائز قرار دیا۔ مگر اس کی حد مقرر کر دی کہ چار سے تجاوز نہ کیا جائے۔ اس لئے کہ نکاح سے مقصود عفت اور تحصین فرج ہے۔ یعنی پاک دامنی اور شرمگاہ کی زنا سے حفاظت مقصود ہے، چار عورتوں میں جب ہر تین شب کے بعد عورت کی طرف رجوع کرے گا تو اُسکے حقوقِ زوجیت پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔

شریعت اسلامیہ نے غایت درجہ اعتدال اور توسّط کو ملحوظ رکھا نہ تو جاہلیت

بقیہ پچھلے صفحے سے۔ کا مذہب ہے اس میں اس بے غیرتی کی کوئی گنجائش نہیں ہاں اگر کوئی عورت بے غیرت بن جائے تو اس کو اپنے نفس کا اختیار ہے۔ ہندوؤں کی طرح اگر اسکو پانچ پانڈے میسر آجائیں اور وہ اس کو قبول بھی کرلیں تو کرلے۔ تمام انبیاء کرام کے مسلمہ حکمتوں میں ایک حکمت یہ ہے کہ اِذا فاتک الحیاء فاصنع ماشئت جب تجھ سے حیا رجاتی رہی تو پھر جو چاہے کر۔

والسلام خیر الختام

کی طرح غیر محدود کثرت کی اجازت دی کہ جس سے شہوت رانی کا دروازہ کھل جائے اور نہ اتنی تنگی کی کہ ایک سے زائد کی اجازت ہی نہ دی جائے بلکہ بَین بَین حالت کو برقرار رکھا کہ چار تک اجازت دی تاکہ :

۱۔ نکاح کی غرض وغایت یعنی عفت اور حفاظت نظر اور تحصین فرج اور تناسل اور اولاد بسہولت حاصل ہو سکے۔ اور زنا سے بالکلیہ محفوظ ہو جائے اس لئے کہ قدرت نے بعض لوگوں کو ایسا قوی اور تندرست اور فارغ البال اور خوشحال بنایا ہے۔ کہ ان کے لئے ایک عورت کافی نہیں ہو سکتی اور بوجہ قوت اور توانائی۔ اور پھر خوشحالی اور تونگری کی وجہ سے چار بیویوں کے بلا تکلف حقوق زوجیت ادا کرنے پر قادر رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو دوسرے نکاح سے روکنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان سے تقویٰ اور پرہیزگاری اور پاکدامنی تو رخصت ہو جائے گی اور بدکاری میں مبتلا ہو جائیں گے۔

بلکہ

اگر ایسے قوی اور توانا جن کے پاس لاکھوں اور کروڑوں کی دولت موجود ہے اگر وہ اپنے خاندان کے چار غریب عورتوں سے اس لئے نکاح کریں کہ ان کی تنگدستی مبدّل بفراخی ہو جائے اور وہ غربت کے گھرانہ سے نکل کر ایک راحت اور دولت کے گھرانے میں داخل ہوں اور حق تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر کریں تو امید ہے کہ ایسا نکاح اسلامی نقطۂ نظر سے بلاشبہ عبادت اور علین عبادت ہوگا اور قومی نقطۂ نظر سے اعلیٰ ترین قومی ہمدردی کا ثبوت ہوگا۔ جس دولت مند اور زمیندار اور سرمایہ دار کے خزانے سے ہر مہینہ دس ہزار مزدور اور دس ہزار خاندان پرورش پاتے ہوں تو اگر دولتمند کے خاندان کی چار عورتیں بھی اس کی حرم سرائے میں داخل ہو جائیں اور عیش و عشرت اور عزت و راحت کے ساتھ ان کی عزت اور ناموس

بھی محفوظ ہو جائے تو عقلاً و شرعاً اس میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی۔ !

بلکہ

اگر کوئی بادشاہ یا صدرِ مملکت یا وزیرِ سلطنت یا کوئی صاحب ثروت و دولت بیمار پڑ جائے اور پھر بذریعہ اخبار کے یہ اعلان کرائے کہ میں چار عورتوں سے نکاح کرنا چاہتا ہوں اور ہر عورت کو ایک لاکھ روپیہ مہر دوں گا اور ایک ایک بنگلہ کا ہر ایک کو مالک بنا دوں گا جو عورت مجھ سے نکاح کرنا چاہے وہ میرے پاس درخواست بھیجدے۔

تو سب سے پہلے

انہی بیگمات کی درخواستیں پہنچیں گی جو تعدد ازدواج کے مسئلہ پر شور برپا کر رہی ہیں۔ یہی مغرب زدہ بیگمات اور ہم رنگ میمات سب سے پہلے اپنے آپ کو اور اپنی بیٹیوں اور بھتیجیوں اور بھانجیوں کو لے کر امراء اور وزراء کے بنگلوں پر خود حاضر ہو جائیں گی اور عجب نہیں کہ ان بیگمات کا اتنا ہجوم ہو جائے کہ امیر یا وزیر کو انتظام کے لئے پولیس بلانا پڑ جائے۔ اور اگر کوئی امیر اور وزیر ان بیگمات کے قبول کرنے میں تامل کرے تو یہی بیگمات دلآویز طریقہ سے ان امیروں اور وزیروں کو تعدد ازدواج کے فوائد اور منافع سمجھائیں گی۔

۲ - نیز عورت ہر وقت اس قابل نہیں رہتی کہ خاوند سے ہم بستر ہو سکے کیونکہ اول تو لازمی طور پر ہر مہینہ میں عورت پر پانچ چھ دن ایسے آتے ہیں یعنی ایام ماہواری۔ جس میں مرد کو پرہیز کرنا لازمی ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ایام حمل میں عورت کو مرد کی صحبت سے اس لئے پرہیز ضروری ہوتا ہے کہ جنین کی صحت پہ کوئی بُرا اثر نہ پڑے تیسرے یہ کہ بسا اوقات ایک عورت امراض کی وجہ سے یا حمل اور توالد اور تناسل کی تکلیف میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اس قابل نہیں رہتی کہ مرد

اس سے منتفع ہو سکے ۔ تو ایسی صورت میں مرد کے زنا سے محفوظ رہنے کی عقلاً
اس سے بہتر کوئی صورت نہیں کہ اس کو دوسرے نکاح کی اجازت دی جائے ورنہ
مرد اپنی خواہش کے پورا کرنے کے لئے ناجائز ذرائع استعمال کرینگے ۔

حکایت

ایک بزرگ کی بیوی نابینا ہوگئی تو انھوں نے دوسرا نکاح کیا تاکہ یہ دوسری
بیوی پہلی نابینا بیوی کی خدمت کرسکے ۔

اہلِ عقل فتویٰ دیں کہ اگر کسی کی پہلی بیوی معذور ہوجائے اور وہ
دوسرا نکاح اس لئے کرے تاکہ دوسری بیوی آکر پہلی بیوی کی خدمت کرسکے اور
اس کے بچوں کی تربیت کرسکے تو کیا یہ دوسرا نکاح عین مروت اور عین انسانیت
نہ ہوگا ۔ ؟

۳- نیز بسا اوقات عورت امراض کی وجہ سے یا عقیم (بانجھ) ہونے کی
وجہ سے توالد اور تناسل کے قابل نہیں رہتی اور مرد کو بقاء نسل کی طرف فطری
رغبت ہے ۔ ایسی صورت میں عورت کو بے وجہ طلاق دے کر علیحدہ کردینا یا اسپر
کوئی الزام لگا کر اس کو طلاق دیدینا (جیسا کہ دن رات یورپ میں ہوتا رہتا ہے)
بہتر ہے یا یہ صورت بہتر ہے کہ اس کی زوجیت اور حقوق زوجیت کو باقی
اور محفوظ رکھ کر شوہر کو دوسرے نکاح کی اجازت دیدی جائے ۔ بتلاؤ کونسی
صورت بہتر ہے ۔ اگر کسی قوم کو اپنی تعداد بڑھانی منظور ہو تو اس کی سب سے
بہتر تدبیر یہی ہوسکتی ہے کہ ایک ایک مرد کئی شادیاں کرے تاکہ بہت سی اولاد
ہوسکے زمانۂ جاہلیت میں فقراء اور افلاس کے ڈر سے صرف لڑکیوں کو زندہ درگور
کردیا کرتے تھے ۔ اور موجودہ تہذیب و تمدن کے دور میں ضبط تولید کے دوائیں

ایجاد ہوگئیں جس سے موجودہ تہذیب قدیم جاہلیت پر سبقت لے گئی اپنی ذہانت سے نسل کشی اور زنا اور بدکاری کے پردہ پوشی کے عجیب وغریب طریقے جاری کردے جو اب تک کسی کے حاشیہ خیال میں بھی نہ گزرے تھے۔

۴۔ نیز تجربہ اور مشاہدہ سے اور مردم شماری کے نقشوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کی تعداد قدرتاً اور عادۃً ہمیشہ مردوں سے زیادہ رہتی ہے۔ جو کہ قدرتی طور پر تعدد ازدواج کی ایک بیّن دلیل ہے۔ مرد بہ نسبت عورتوں کے پیدا کم ہوتے ہیں۔ اور مرتے زیادہ ہیں۔ لاکھوں مرد لڑائیوں میں مارے جاتے ہیں۔ اور ہزاروں مرد جہازوں میں ڈوب کر مرجاتے ہیں۔ اور ہزاروں مرد کانوں میں دب کر اور تعمیرات میں بلندیوں سے گر کر مرجاتے ہیں۔ اور عورتیں پیدا زیادہ ہوتی ہیں اور مرتی کم ہیں پس اگر ایک مرد کو کئی شادیوں کی اجازت نہ دی جائے تو یہ فاضل عورتیں بالکل معطل اور بے کار رہیں کون ان کی معاش کا کفیل اور ذمہ دار بنے اور کس طرح یہ عورتیں اپنی فطری خواہش کو دبائیں اور اپنے کو زنا سے محفوظ رکھیں۔ بس تعدد ازدواج کا حکم بے کس عورتوں کا سہارا ہے اور ان کی عصمت اور ناموس کی حفاظت کا واحد ذریعہ ہے اور ان کی جان اور آبرو کا نگہبان اور پاسبان ہے۔ عورتوں پر اسلام کے اس احسان کا شکر واجب ہے کہ تم کو تکلیف سے بچایا اور راحت پہنچائی اور ٹھکانہ دیا۔ اور لوگوں کی تہمت اور بدگمانی سے تم کو محفوظ کر دیا دنیا میں جب کبھی عظیم الشان لڑائیاں پیش آتی ہیں تو مرد ہی زیادہ مارے جاتے ہیں اور قوم میں بے کس عورتوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے تو اس وقت ہمدردان قوم کی نگاہیں اس اسلامی اصول کی طرف اٹھ جاتی ہیں ابھی پچیس سال قبل کی بات ہے کہ جنگ عظیم کے بعد جرمنی اور دوسرے یورپی ممالک جن کے مذہب میں تعدد ازدواج جائز نہیں۔ عورتوں کی اس بیکسی کو

دیکھ کر اندر ہی اندر تعدد ازدواج کا فتویٰ تیار کر رہے تھے مگر زبان سے دم بخود تھے جو لوگ تعدد ازدواج کو برا سمجھتے ہیں ہم ان سے یہ سوال کرتے ہیں کہ جب ملک میں عورتیں لاکھوں کی تعداد میں مردوں سے زیادہ ہوں تو ان کی فطری اور طبعی جذبات اور ان کی معاشی ضروریات کی تکمیل کے لئے آپ کے پاس کیا حل ہے اور آپ نے ان بیکس اور بے سہارا عورتوں کی مصیبت دور کرنی کے لئے کیا قانون بنایا ہے۔ حضرت حکیم الامۃ مولانا اشرف علی صاحب قدس اللہ سرہ المصالح العقلیہ ص ۱۷۳ ج ۱ میں تحریر فرماتے ہیں :۔

" گزشتہ مردم شماری میں بعض محاسبین نے صرف بنگال کے مردوں اور عورتوں کی تعداد پر نظر کی تھی تو معلوم ہوا تھا کہ عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے۔ جو کہ قدرتی طور پر تعدد ازدواج پر ایک بیّن دلیل ہے جس کو شک ہو وہ علیحدہ علیحدہ مردوں اور عورتوں کی تعداد کو سرکاری کاغذات مردم شماری ہند میں ملاحظہ کرلے کہ عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ثابت ہوگی۔ اس کے ساتھ ہی ہم اس امر کی طرف بھی توجہ دلاتے ہیں کہ یورپ جس کو سب ممالک سے بڑھ کر تعدد ازدواج کی ضرورت سے منزہ اور مبرّا سمجھا جاتا ہے عورتوں کی تعداد مردوں سے کس قدر زیادہ ہے چنانچہ برطانیہ کلاں میں بوئروں کی جنگ سے پہلے بارہ لاکھ اُنہتّر ہزار تین سو پچاس ۱۲۶۹۳۵۰ عورتیں ایسی تھیں کہ جن کے لئے ایک بیوی والے قاعدہ سے کوئی مرد مہیا نہیں ہو سکتا۔ فرانس میں ۱۹۰۶ء کی مردم شماری میں عورتوں کی تعداد مردوں سے چار لاکھ تینتیس ہزار سات سو نو زیادہ تھی۔ جرمن میں ۱۹۰۰ء کی مردم شماری میں ہر ہزار مرد کے لئے ایک ہزار بتیس عورتیں موجود تھیں گویا کل آبادی میں آٹھ لاکھ ستاسی ہزار چھ سو اڑتالیس

عورتیں ایسی تھیں جنسے شادی کرنے والا کوئی مرد نہ تھا۔

سویڈن میں ۱۹۰۱ء کی مردم شماری میں ایک لاکھ بائیس ہزار آٹھ سو ستتر ۱۲۲۸۷۷ عورتیں اور ہسپانیہ میں ۱۸۹۰ء کی مردم شماری چار لاکھ ستاون ہزار دو سو باسٹھ عورتیں تھیں۔

اور اسٹریا میں ۱۸۹۰ء میں چھ لاکھ چالیس ہزار سات سو چھیانوے عورتیں مردوں سے زائد تھیں۔

اب ہم سوال کرتے ہیں کہ اس بات پر فخر کرلینا تو آسان ہے کہ ہم تعددِ ازدواج کو برا سمجھتے ہیں مگر یہ بتایا جائے کہ ان کم از کم چالیس لاکھ عورتوں کے لئے کونسا قانون تجویز کیا جائے کیونکہ ایک بیوی کے قاعدہ کی رُو سے یورپ میں تو ان کے لئے خاوند نہیں مِل سکتے۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ جو قوانین انسانی ضروریات کے لئے بنائے جاتے ہیں وہ انسانی ضروریات کے مُطابق بھی ہونے چاہئیں یا نہیں وہ قانون جو تعدد ازدواج کی ممانعت کرتا ہے وہ ان چالیس لاکھ عورتوں کو یہ کہتا ہے کہ وہ اپنی فطرت کے خلاف چلیں اور ان کے دلوں میں مردوں کی کبھی خواہش پیدا نہ ہو لیکن یہ امر تو ناممکن ہے جیسا کہ خود تجربہ اس کی شہادت دے رہا ہے پس نتیجہ یہ ہوگا کہ جائز طریق سے رد کے جانے کے باعث وہ ناجائز طریق اختیار کریں گی۔ اور اس طرح انھیں زنا کی کثرت ہوگی اور یہ تعدد ازدواج کی مخالفت کا نتیجہ ہے اور یہ امر کہ اس سے زنا زیادہ پھیلے گا۔ خیال ہی نہیں بلکہ امر واقع ہے جیسا کہ ہزارہا ولد الحرام بچوں کی تعداد سے ثابت ہو رہا ہے جو ہر سال پیدا ہوتے ہیں"

حضرت تھانوی کا کلام ختم ہوا۔

افسوس اور صد ہزار افسوس

کہ اہل مغرب اسلام کے اس جائز اور سراپا مصلحت آمیز تعدد ازدواج پر تو عیش پسندی کا الزام لگائیں اور غیر محدود ناجائز تعلقات اور بلا نکاح کی لا تعداد آشنائی کو تہذیب اور تمدن سمجھیں زنا جو کہ تمام انبیاء و مرسلین کی شریعتوں میں حرام اور تمام حکماء کی حکمتوں میں قبیح اور شرمناک فعل رہا مغرب کے مدعیان تہذیب کو اس کا قبیح نظر نہیں آتا۔ اور تعدد ازدواج کہ جو تمام انبیاء و مرسلین اور تمام حکماء اور عقلاء کے نزدیک جائز اور مستحسن رہا وہ ان کو قبیح نظر آتا ہے۔ ان مہذب قوموں کے نزدیک تعدد ازدواج تو جرم ہے اور زنا اور بدکاری اور غیر عورتوں سے آشنائی جرم نہیں۔ ان مہذب قوموں میں تعدد ازدواج کی ممانعت کا تو قانون موجود ہے مگر زنا کی ممانعت کا کوئی قانون نہیں۔

۵ ۔ تعدد ازدواج کے جواز اور استحسان کا اصل سبب یہ ہے کہ تعدد ازدواج عفت اور پاکدامنی اور تقویٰ اور پرہیزگاری جیسی عظیم نعمت اور صفت کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ جو لوگ تعدد ازدواج کے مخالف ہیں وہ اندرونی خواہشوں اور بیرونی افعال کا مطالعہ کریں۔ جو قومیں زبان سے پاک تعدد ازدواج کے منکر ہیں وہ درعملی طور پر ناپاک تعدد ازدواج یعنی زنا اور بدکاری میں مبتلا اور گرفتار ہیں ان کی خواہشوں کی وسعت اور دست درازی نے یہ ثابت کر دیا کہ فطرت میں تعدد اور تنوع کی آرزو موجود ہے ورنہ ایک عورت پر قناعت کرتے۔ پس خداوند علیم و حکیم نے اپنے قانون میں انسانوں کی وسیع خواہشوں اور اندرونی میلانوں کی رعایت فرما کر ایسا قانون تجویز فرمایا کہ جو مختلف جذبات اُلی طبائع کو بھی عفت اور تقویٰ اور طہارت کے دائرہ میں محدود رکھ سکے۔

آن حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے متعدّد نکاح کیوں فرمائے ؟

آن حضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو ورطۂ ہلاکت اور گرداب مصیبت سے نکالیں ۔ اس کے لیے حق جل شانہٗ نے ایک مکمل قانون اور دستور العمل یعنی قرآن نازل فرمایا کہ جس کے بعد قیامت تک کسی قانون کی ضرورت نہ رہے ۔ اور دوسرے آپ کی زندگی کو لوگوں کے لئے اسوۂ اور نمونہ بنایا کہ اس کو دیکھ کر عمل کریں ۔ اس لئے کہ محض قانون لوگوں کی اصلاح کے لئے کافی نہیں جب تک کوئی عملی نمونہ سامنے نہ ہو کہ جو لوگوں کو اپنی طرف مائل کرسکے ۔ اور دنیا یہ دیکھ لے کہ اللہ کا نبی جس چیز کی دعوت دے رہا ہے اس کے قول اور فعل میں ذرہ برابر اختلاف نہیں کما قال تعالیٰ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِی رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ ؕ

انسانی زندگی کے دو پہلو ،

ہر انسانی زندگی کے دو پہلو ہوتے ہیں ایک بیرونی اور ایک اندرونی کسی کی عملی حالت کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ دونوں رخوں کے حالات بے نقاب کئے جائیں ۔

بیرونی زندگی اس حالت کا نام ہے جو انسان عام لوگوں کے سامنے بسر کرتا ہے اس حصہ کے متعلق انسان کے تفصیلی حالات معلوم کرنے کے لئے کثرت شواہد دستیاب ہو سکتے ہیں ۔

اور اندرونی زندگی سے خانگی زندگی مراد ہے جس سے انسان کی اخلاقی حالت کا صحیح پتہ چل سکتا ہے ہر فرد اپنے گھر کے چہار دیواری میں آزاد ہوتا ہے اور اپنی بیوی اور اہل خانہ سے بے تکلف ہوتا ہے انسان کی اخلاقی اور عملی کمزوریاں اہل خانہ سے پوشیدہ نہیں ہوتیں پس ایسی صورت میں انسان کی صحیح زندگی کا اندازہ کرنے کے لئے سب سے بہتر کسوٹی یہی ہے کہ اس کے خانگی حالات دنیا کے سامنے آجائیں ۔

اسی طرح آن حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے دو پہلو تھے ایک بیرونی زندگی اور ایک خانگی زندگی بیرونی زندگی کے حالات کو بتمام وکمال صحابہ کرام کی جماعت نے دنیا کو پہنچائے جس کی نظیر کسی ملت اور مذہب میں نہیں کسی امت نے اپنے نبی کی زندگی کے حالات اس تفصیل وتحقیق اور تدقیق کے ساتھ تو کیا اس کا عشر عشیر بھی دنیا کے سامنے نہیں پیش کیا ۔

اور خانگی اور اندرونی زندگی کے حالات کو اُمہات المؤمنین یعنی ازواج مطہرات کی جماعت نے دنیا کے سامنے پیش کیا جس سے اندرون خانہ آپ کی عبادت اور تہجد اور شب بیداری اور فقیری اور درویشی اور اخلاقی اور عملی زندگی کے تمام اندرونی اور خانگی حالات دنیا کے سامنے آگئے جس سے حضور پُرنور کی خدا ترسی اور راست بازی اور پاکدامنی روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ رات کی تاریکیوں میں جبکہ سوائے عالم الغیب کے کوئی دیکھنے والا نہ تھا کس طرح آپ اللہ کی عبادت میں ذوق وشوق کے ساتھ مشغول رہتے تھے ۔ جس کے لئے سورۂ مزمل شاہد عدل ہے ۔

اس لئے

حضور پُرنور نے سوائے خدیجۃ الکبریٰ کے دس عورتوں سے نکاح فرمایا تاکہ

عورتوں کی ایک کثیر جماعت آپ کی خانگی زندگی دنیا کے سامنے پیش کر سکے۔ اس لئے کہ بیوی جس قدر شوہر کے رازوں سے واقف ہو سکتی ہے کوئی دوسرا شخص ہرگز ہرگز واقف نہیں ہو سکتا۔ اس لئے حضور نے متعدد نکاح فرمائے۔ تاکہ آپ کی خانگی زندگی کے تمام حالات نہایت وثوق کے ساتھ دنیا کے سامنے آجائیں اور ایک کثیر جماعت کی روایت کے بعد کسی قسم کا شک اور شبہ باقی نہ رہے اور شریعت کے وہ احکام و مسائل جو خاص عورتوں سے متعلق ہیں اور مردوں سے بیان کرنے میں حیا اور حجاب مانع ہوتا ہے ایسے احکام شرعیہ کی تبلیغ ازواج مطہراتؓ کے ذریعہ سے ہو جائے اور حضور پُر نور کا متعدد عورتوں سے نکاح کرنا معاذ اللہ حظ نفس کے لئے نہ تھا اس لئے کہ حضور نے سوائے ایک شادی کے تمام شادیاں بیواؤں سے کی ہیں۔ جو نہ اپنے حسن و جمال کی خاطر مشہور تھیں اور نہ مال و دولت کے اعتبار سے بلکہ معاملہ اس کے برعکس تھا۔ اور نہ آپ کے یہاں کوئی عیش و عشرت کا سامان تھا۔ بلکہ فقط مقصود یہ تھا کہ عورتوں کے متعلق جو شریعت کے احکام ہیں ان کی تبلیغ عورتوں ہی کے ذریعے ہو سکتی ہے۔ اور ازواج مطہراتؓ کے حجرے درحقیقت امت کے امہات اور معلمات کے حجرے تھے۔

جس ذات بابرکات کے گھر میں دو دو مہینہ توا نہ چڑھتا ہو اور پانی اور کھجور پر اس کا اور اس کی بیویوں کا گزارہ ہو اور جس کا دن مسجد میں اور رات مصلے پر کھڑے ہوئے اس طرح گزرتی ہو کہ اللہ کے سامنے کھڑے کھڑے پاؤں پر ورم آجائے وہاں عیش و عشرت کا تصور بھی محال ہے

اولادِ کرام

آن حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کے بارے میں اقوال مختلف

ہیں سب سے زیادہ معتبر اور مستند قول یہ ہے کہ تین صاحبزادے اور چار صاحب زادیاں تھیں۔

قاسمؒ۔ عبداللہؒ جن کو طیب اور طاہر کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ ابراہیمؒ۔ زینبؓ۔ رقیہؓ ام کلثومؓ فاطمۃ الزہرہ صاحبزادیوں کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں بالاتفاق چار تھیں چاروں بڑی ہوئیں۔ بیاہی گئیں۔ اسلام لائیں۔ ہجرت کی۔ حضرت ابراہیم کے بارے میں بھی کوئی اختلاف نہیں یہ بالاتفاق آپکی ام ولد ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے اور بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔ حضرت ابراہیم کے سوا تمام اولاد حضرت خدیجہ ہی کے بطن سے ہے اور کسی بیوی سے آپ کو کوئی اولاد نہیں ہوئی

حضرت خدیجہ کے بطن سے جس قدر لڑکے پیدا ہوئے وہ سب بچپن ہی میں داغ مفارقت دے گئے اس لئے ان کی تعداد میں اختلاف ہے جمہور علماء سیر کا قول یہ ہے کہ حضرت خدیجہ کے بطن سے دو صاحبزادے پیدا ہوئے ایک قاسم اور دوسرے عبداللہ اور حضرت عبداللہ ہی کا دوسرا نام طیب وطاہر بھی تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ طیب اور طاہر آپ کے دو صاحبزادے تھے۔ جو حضرت قاسم اور حضرت عبداللہ کے علاوہ تھے۔ اس قول کی بنا پر حضرت خدیجہ کے بطن سے لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد برابر ہو جاتی ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ حضرت خدیجہ کے بطن سے چھ صاحب زادے ہوئے پانچویں اور چھٹے صاحب زادے کا نام مطیب اور مطہر تھا۔ واللہ اعلم [1]

---

[1] زرقانی ج: ۳۔ ص: ۱۹۳۔

حضرت قاسم

آپ کی اولاد میں سب سے پہلے حضرت قاسم پیدا ہوئے اور بعثت نبوی سے پیشتر ہی انتقال کر گئے۔ صرف دو سال زندہ رہے اور بعض کا قول ہے کہ سن تمیز کو پہنچکر وفات پائی۔ اور آن حضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کنیت ابوالقاسم انہی کے انتساب سے تھی۔ زرقانی صفحہ ۱۹۴ ج ۳

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت زینب آپ کی صاحب زادیوں میں بالاتفاق سب سے بڑی ہیں بعثت سے دس سال پہلے پیدا ہوئیں۔ اور اسلام لائیں۔ اور بدر کے بعد ہجرت کی اپنے خالہ زاد بھائی۔ ابوالعاص بن ربیع سے بیاہی گئیں حضرت زینب کی ہجرت کا مفصل واقعہ اسیران بدر کے بیان میں گزر چکا ہے۔ شروع ۸ھ میں انتقال کیا ایک لڑکا اور ایک لڑکی اپنی یادگار چھوڑی۔ لڑکے کا نام علی تھا۔ اور لڑکی کا نام امامہ تھا۔

علی کے متعلق روایتیں مختلف ہیں مشہور قول یہ ہے کہ سن تمیز کو پہنچکر اپنے والد ابوالعاص کی حیات ہی میں انتقال کر گئے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ معرکہ یرموک میں شہید ہوئے۔

امامہ سے آن حضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بہت محبت فرماتے تھے امامہ آپ سے بہت مانوس تھیں۔ بعض اوقات نماز میں آپ کے دوش مبارک پر چڑھ جاتی تھیں آپ آہستہ سے ان کو اتار دیتے تھے۔
(کما اخرجہ البخاری ومسلم)

ایک بار آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہدیہ میں ایک زرین ہار آیا۔ تمام ازواج مطہرات اس وقت جمع تھیں۔ اور امامہ گھر کے ایک گوشہ میں مٹی سے کھیل رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا یہ ہار میں اپنے محبوب ترین اہل کو دوں گا۔ سب کا گمان یہ تھا کہ حضرت عائشہ کو عطا فرمائیں گے۔ لیکن آپ نے امامہ کو بلایا اور اول اُن کی آنکھوں کو اپنے دست مبارک سے پونچھا اور پھر وہ ہار ان کے گلے میں ڈالا (اخرجہ ابن سعد واحمد وابو یعلی بسند حسن عن عائشہ رض)

حضرت فاطمہ کے انتقال کے بعد حضرت علی نے امامہ سے نکاح کیا اور جب حضرت علی نے شہادت پائی تو مغیرہ بن نوفل کو وصیت کی کہ تم امامہ سے نکاح کر لینا۔ بعض کہتے ہیں کہ مغیرہ کے حضرت امامہ سے ایک لڑکا ہوا جس کا نام یحیٰی تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ امامہ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اور حضرت امامہ نے مغیرہ کے یہاں وفات پائی۔ [1]

حضرت رقیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا

حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم۔ آپ کی یہ دونوں صاحبزادیاں ابولہب کے بیٹوں سے منسوب تھیں۔ رقیہ۔ عتبہ بن ابی لہب سے اور ام کلثوم عتیبہ بن ابی لہب سے فقط نکاح ہوا تھا عروسی نہیں ہوئی تھی۔ جب تبت یدا ابی لھب و تب نازل ہوئی ابی لہب نے بیٹوں کو بلا کر کہا کہ اگر تم محمد کی بیٹیوں کو طلاق نہ دو گے تو سمجھ لو کہ تمہارے ساتھ میرا سونا اور بیٹھنا حرام ہے۔ دونوں

---

[1] زرقانی۔ ج: ۳، ص ۱۹۵۔

[2] عتبہ فتح مکہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور عتیبہ کافر مرا۔

بیٹوں نے باپ کے حکم کی تعمیل کی اور عروسی سے پہلے ہی آپ کی دونوں صاحبزادیوں کو طلاق دیدی۔ آپ نے حضرت رقیہ کا نکاح حضرت عثمان سے کر دیا۔ حضرت عثمان نے جب حبشہ کی طرف ہجرت کی تو حضرت رقیہ بھی آپ کے ہمراہ تھیں۔ کچھ عرصہ تک آپ کو ان دونوں کی کچھ خبر معلوم نہ ہوئی ایک عورت آئی اور اس نے یہ خبر دی کہ میں نے دونوں کو دیکھا ہے آپ نے فرمایا۔

صحبھما اللہ ان عثمان اول — اللہ ان دونوں کے ساتھ ہو تحقیق عثمان

من هاجر باھلہ بعد لوط — لوط علیہ السلام کے بعد پہلا شخص ہے

رواہ ابن المبارک وغیرہ — جس نے مع اہل وعیال کے ہجرت کی ہے۔

وہاں جاکر ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ چھ سال زندہ رہکر انتقال کر گیا۔

جس وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ بدر کے لئے روانہ ہوئے تو حضرت رقیہ بیمار تھیں اسی وجہ سے حضرت عثمان غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے ان کی تیمارداری میں رہے عین اسی روز کہ جس روز حضرت زید بن حارثہؓ اسلام کی فتح اور مشرکین کی ہزیمت کی بشارت اور خوشخبری لیکر مدینہ آئے حضرت رقیہؓ نے انتقال فرمایا حضرت رقیہ کی علالت کی وجہ سے اسامہ بن زید بھی بدر میں شریک نہیں ہوئے صاحبزادی کے دفن میں مشغول تھے کہ یکایک تکبیر کی آواز سنائی دی۔ حضرت عثمان نے پوچھا اے اسامہ یہ کیا ہے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ زید بن حارثہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناقہ پر سوار ہیں اور مشرکین کے قتل کی بشارت لے کر آئے ہیں انتقال کے وقت بیس سال کی عمر تھی۔ [۱]

حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالےٰ عنہا

ام کلثومؓ اسی کنیت کے ساتھ مشہور تھیں بظاہر یہ کنیت ہی آپ کا نام تھا۔ اسکے

[۱] الاصابہ۔ ج: ۴، ص: ۳۰۴

علاوہ آپ کا کوئی نام ثابت نہیں۔ حضرت رقیہ کی وفات کے بعد۔ ماہ ربیع الاول ۳ھ حضرت عثمان کے نکاح میں آئیں چھ سال حضرت عثمان کے ساتھ رہیں اور کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ماہ شعبان ۹ھ میں انتقال کیا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی حضرت علی اور فضل بن عباس اور اسامہ بن زید نے قبر میں اتارا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم قبر کے کنارہ پر بیٹھے ہوئے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ [1]

حضرت ام کلثوم۔ پہلے ابولہب کے بیٹے عُتَیْبَہ سے منسوب تھیں باپ کے کہنے پر سے طلاق دیدی۔ طلاق تو دوسرے بیٹے عُتْبَہ نے بھی حضرت رقیہ کو دیدی تھی۔ مگر عُتَیْبَہ نے فقط طلاق پر اکتفا نہ کی بلکہ طلاق دیکر آپ کے پاس آیا اور یہ کہا۔

کہ میں آپ کے دین کا منکر ہوں اور آپ کی بیٹی کو طلاق دیدی ہے وہ مجھ کو پسند نہیں کرتی اور میں اس کو پسند نہیں کرتا اس کے بعد آپ پر حملہ کیا اور آپ کا پیراہن چاک کر دیا۔ آپ نے بد دعا فرمائی کہ اے اللہ اس پر کوئی درندہ اپنے درندوں میں سے مسلط فرما۔ چنانچہ ایک مرتبہ قریش کا تجارتی قافلہ شام کی طرف گیا جاکر مقام زرقا میں اترا ابولہب اور عُتیبہ بھی اس قافلہ میں تھے۔ رات کے وقت ایک شیر آگیا وہ شیر قافلہ والوں کے چہروں کو دیکھتا جاتا تھا۔ اور سونگھتا جاتا تھا۔ جب عتیبہ پر پہنچا تو فوراً اس کا سر چبا لیا۔ عُتیبہ کا اسی وقت دم نکل گیا اور شیر ایسا غائب ہوا کہ کہیں اس کا پتہ نہ چلا مفصل قصہ انشاء اللہ تعالےٰ معجزات کے بیان میں آئے گا [2]

---

[1] زرقانی ج: ۳، ص: ۱۹۹

[2] " " "

حضرت ام کلثوم کا انتقال ہو گیا۔ تو رسول اللہ صلے علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر میرے دس لڑکیاں بھی ہوتیں تو یکے بعد دیگرے عثمان کی زوجیت میں دیتا رہتا۔ رواہ الطبرانی منقطع الاسناد [1]

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا

فاطمہ آپ کا نام اور زہرا اور بتول یہ دو آپ کے لقب تھے جضرت سیدہ کو بتول اس لئے کہا جاتا ہے کہ بتول تبل بمعنی قطع سے مشتق ہے کہ اپنے فضل و کمال کی وجہ سے دنیا کی عورتوں سے منقطع تھیں یا یہ کہ ماسوائی اللہ منقطع اور علیحدہ تھیں اور بوجہ باطنی زہرت وبہجت وصفار ونورانیت زہرا کہلاتی تھیں۔

ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ بعثت کے پہلے سال میں پیدا ہوئیں۔ ابن جوزی کہتے ہیں کہ بعثت سے پانچ سال پیشتر پیدا ہوئیں جبکہ قریش خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے۔ [2]

آپ کی تمام صاحبزادیوں میں حضرت فاطمۃ الزہرا سب سے چھوٹی ہیں سب سے بڑی حضرت زینب ہیں۔ پھر حضرت رقیہ پھر حضرت ام کلثوم پھر حضرت فاطمہؓ اس ترتیب سے پیدا ہوئیں۔ (استیعاب لابن عبدالبر) صہ ۳۷۳ ج ۴ ترجمہ فاطمۃ الزہرا حاشیہ اصابہ

سنہ ۲ھ میں حضرت علی کے ساتھ نکاح ہوا پہلے قول کی بنا پر حضرت

---

[1] مجمع الزوائد، ج: ۹، ص: ۲۱۷

[2] زرقانی، ج: ۳، ص: ۲۰۲

فاطمہ اس وقت پندرہ سال اور ساڑھے پانچ مہینہ کی تھیں۔ اور دوسرے قول کی بنا پر اُنتیس سال اور ڈیڑھ مہینہ کی تھیں۔ حضرت علیؓ کے متعلق اختلاف ہے کہ وہ کس سن میں اسلام لائے ایک قول یہ ہے کہ آٹھ سال کی عمر میں اور دوسرا قول یہ ہے کہ دس سال کی عمر میں اسلام لائے پہلے قول کی بنا پر نکاح کے وقت حضرت علی کی عمر اکیس سال اور پانچ مہینہ ہوگی اور دوسرے قول کے بنا پر چوبیس[۲۴] سال اور ڈیڑھ مہینہ ہوگی زرقانی صہ ۲۰۴ ج ۳

حضرت فاطمہ کے نکاح کی تفصیل ۲ھ کے واقعات میں گزر چکی ہے۔

حضرت فاطمہ کے پانچ اولاد ہوئیں تین لڑکے اور دو لڑکیاں۔ حسنؓ حسینؓ محسنؓ۔ ام کلثومؓ۔ زینبؓ۔

سوائے حضرت فاطمہ کے اور کسی صاحب زادی سے آن حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل کا سلسلہ نہیں چلا۔

محسن تو بچپن ہی میں انتقال کر گئے حضرت ام کلثوم سے حضرت عمر نے نکاح فرمایا۔ اور کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

اور حضرت زینب کا نکاح عبداللہ بن جعفر سے ہوا اور اُن سے اولاد ہوئی۔[۱]

آن حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے چھ مہینہ بعد ماہ رمضان ۱۱ھ میں حضرت فاطمۃ الزہراؓ نے انتقال فرمایا۔ حضرت عباس نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت علی اور حضرت عباس اور فضل بن عباس نے قبر میں اتارا۔

اصابہ۔ ترجمہ حضرت فاطمۃ الزہراء[۲]

فضائل ومناقب

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب تھیں بار بار آپ نے یہ فرمایا ہے کہ اے فاطمہ کیا تو اس پر راضی نہیں کہ تو جنت کی تمام عورتوں

---

[۱] زرقانی۔ ج: ۳، ص: ۲۰۷۔ [۲] الاصابہ ج: ۴، ص: ۳۷۹

کی سردار ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ تو تمام عالم کی عورتوں کی سردار ہے سوائے مریم کے آپ کا معمول تھا کہ جب آپ سفر میں جاتے تو سب سے اخیر میں حضرت فاطمہ سے ملتے اور جب سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہ کے پاس جاتے۔ [۵۱]

حضرت سیدہ رض کے فضائل و مناقب کے لیۓ ایک مستقل تصنیف درکار ہے اس لئے ہم نے با دلِ ناخواستہ اختصار سے کام لیا۔

حضرت ابراھیمؓ

حضرت ابراہیم۔ آن حضرت کی آخری اولاد ہیں جو ماریہ قبطیہ کے بطن سے ماہ ذی الحجہ ۸ھ میں پیدا ہوئے ساتویں روز آپ نے عقیقہ کیا۔ عقیقہ میں دو مینڈھے ذبح کرائے سر منڈوایا گیا بالوں کی برابر چاندی تولکر صدقہ کی گئی۔ اور بال زمین میں دفن کۓ گئے اور ابراہیم نام رکھا۔ اور عوالی میں ایک دودھ پلانے والی کے حوالے کیا۔ کبھی کبھی آپ تشریف لیجاتے اور گود میں لیکر پیار کرتے تقریبا پندرہ سولہ مہینہ زندہ رہکر ۱۰ھ میں انتقال کیا۔ جس روز انتقال ہوا اتفاق سے اس روز سورج گہن ہوا۔ عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ جب کوئی بڑا شخص مرتا ہے تو سورج گہن ہوتا ہے۔ اس لئے آپ نے اس عقیدۂ فاسدہ کے رد کرنے کے لئے خطبہ دیا کہ چاند اور سورج اللہ کی نشانیاں ہیں کسی کے مرنے یا جینے سے ان کو گہن نہیں لگتا۔ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ جب ایسا دیکھو تو نماز پڑھو اور دعا کرو۔ اور صدقہ دو۔ [۵۲]

۵۱۔ زرقانی۔ ج: ۳، ص: ۲۰۴

۵۲ ،، ،،

حلیۂ مبارک

آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ زیادہ لمبے تھے اور نہ پست قد۔ میانہ قد تھے۔ سر بڑا تھا۔ ریش مبارک گھنی تھی آپ کے سرِ مبارک اور ریش مبارک میں گنتی کے تقریباً بیس پچیس بال سفید تھے۔ چہرۂ انور نہایت خوبصورت اور نورانی تھا۔ جس نے بھی آپ کا چہرۂ انور دیکھا ہے اس نے حضور کے چہرۂ انور کو چودھویں رات کے چاند کی طرح منور بیان کیا ہے۔

آپ کے پسینہ میں ایک خاص قسم کی خوشبو تھی چہرۂ انور سے جب پسینہ ٹپکتا تو موتیوں کی طرح معلوم ہوتا۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ ہم نے کہ دیباج اور حریر کو آپ کے جلد سے زیادہ نرم نہیں دیکھا۔ اور مشک وعنبر میں آپ کے بدن معطر سے زیادہ خوشبو نہ سونگھی۔

مُہرِ نبوّت

دونوں شانوں کے درمیان میں دائیں شانہ کے قریب مُہرِ نبوت تھی صحیح مسلم میں ہے کہ حضورِ پُر نور کی دو شانوں کے درمیان میں ایک سُرخ گوشت کا ٹکڑا کبوتر کے انڈے کے مانند تھا۔

یہ مہرِ نبوت آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی خاص نشانی تھی جس کا ذکر کُتبِ سابقہ اور انبیاءِ سابقین کی بشارتوں میں تھا علمار بنی اسرائیل اسی علامت کو دیکھ کر پہچان لیتے تھے۔ کہ حضور یہ نُور وُہی نبی آخرالزماں ہیں کہ جن کی انبیاء سابقین نے بشارت دی ہے اور جو علامت (مہرِ نبوت) بتلائی تھی وہ آپ میں موجود ہے گویا یہ مہرِ نبوت آپ کی نبوت

کے لئے من جانب اللہ خدا تعالیٰ کی مہر اور سند تھی ۔ دیکھو مدارج النبوۃ ۲۱ ج ۱

علامہ سہیلی فرماتے ہیں کہ مہر نبوت حضور کے بائیں شانہ کی ہڈی کے قریب تھی وجہ اس کی یہ ہے کہ جسم انسانی میں شیطان کے داخل ہونے کی یہی جگہ ہے پیچھے ہی سے آکر شیطان دل میں وسوسے ڈالتا ہے اس لئے آپ کے جسم مبارک میں اس جگہ مہر نبوت لگا دی گئی ۔ تاکہ شیطان کی آمد کا دروازہ بند ہو جائے اور آپ کے قلب منور میں کسی راہ سے شیطان کا کوئی وسوسہ نہ داخل ہو سکے ۔ خصائص کبریٰ صفحہ ۶۰ جلد ۱ ۔

اور بعض روایات میں ہے کہ حضور پر نور کی پشت پر جو مہر نبوت تھی اس میں قدرتی طور پر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا ہوا معلوم ہوتا تھا ۔

اَخْرَجَ ابن عساکر وَالحاکم فی تاریخ نیسابور عن ابن عمر قال کان خاتم النبوّۃ علی ظھر النبیّ صلّی اللّٰہُ علیہ وسلّم مثل البندقۃ من لحم مکتوب فیھا باللحم محمد رسول اللہ خصائص کبری للسیوطی ص ۶۰ وزرقانی شرح مواھب ص ۱۵۶ ج ۱	حافظ ابن عساکر اور حاکم نے تاریخ نیساپور میں ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ مہر نبوت ان حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت پر گوشت کی گولی کی طرح تھی اور گوشت ہی سے (قدرتی طور پر) اس میں محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا ۔

علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے ۔ بعض طرق ان میں سے باطل ہیں اور بعضے ضعیف اور شیخ عبد الرؤف مناویؒ شرح شمائل کے صفحہ ۶۰ جلد اول میں لکھتے ہیں کہ حافظ قطب الدین حلبی نے اور پھر ان کی تبعیت میں حافظ مغلطائی نے اس حدیث کے طرق اور اسانید کا استیعاب کیا ہے مگر

مگر کوئی روایت ان میں سے درجہ صحت اور ثبوت کو نہیں پہنچی انتہی کلامہ اور علامہ قاری نے بھی شرح شمائل صہ ۵۹ جلد ۱ میں یہی لکھا ہے کہ یہ روایت پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی۔ اھ

سر کے بال اکثر مونڈھے تک اور کبھی نرمہ گوش تک لٹکے رہتے تھے بالوں میں کنگھی بھی کرتے تھے اور آنکھوں میں سرمہ بھی ڈالتے تھے۔ باوجودیکہ آنکھیں قدرتی طور پر سرمگین تھیں۔

آپ کی آنکھیں نہایت خوشنما اور کشادہ تھیں۔ خوب سیاہ اور سرخی مائل تھیں سینہ سے لیکر ناف تک ایک نہایت خوب صورت باریک خط تھا۔ دونوں بازو اور قدمین پر گوشت تھی۔ حضور پر نور جب چلتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ گویا کہ پاؤں جما کر اٹھاتے ہیں اور اوپر سے نیچے کی طرف جار ہے ہیں۔

الغرض

آپ کا جسم اطہر اور چہرۂ انور تمام ظاہری اور باطنی محاسن سے مزین تھا سوائے (مسکرانے) کے کبھی آپ کبھی بھی کھل کھلا کر نہیں ہنسے۔ حدیث میں ہے کہ صورت اور سیرت میں آپ سب سے زیادہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مشابہ تھے۔

ریش مبارک

ریش مبارک یعنی ڈاڑھی آپ کی گھنی تھی۔ آپ اسے بالکل کترواتے نہ تھے البتہ مونچھیں کترواتے تھے۔ مگر گاہ بگاہ جو بال زائد ہو جاتے تھے ان کو کتروا دیتے تھے تاکہ صورت بدنما نہ معلوم ہوں۔ چونکہ ڈاڑھی تمام انبیاء و مرسلین کی سنت تھی۔ معاذاللہ معاذاللہ ملکی اور قومی رواج کی بنا پر نہ تھی جیسا کہ بعض گمراہوں اور نادانوں کا خیال ہے۔

ڈاڑھی صرف سنت محمدیہ اور طریقۂ اسلام ہی نہیں بلکہ تمام پیغمبروں (جن کی تعداد تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے) کی سنت ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے من سُنن المرسلین یعنی ڈاڑھی تمام انبیاء و مرسلین کی سنت ہے۔

گرجاؤں میں آج بھی جو حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی تصویر رکھی ہوئی ہے اس میں بھی ڈاڑھی موجود ہے اور علماء یہود اور نصاریٰ جن کو پادری کہتے ہیں وہ اکثر و بیشتر نیچی ڈاڑھی رکھتے ہیں۔ غرض یہ کہ مذہبی گروہ میں ڈاڑھی کا ہونا یہ اس امر کی صریح دلیل ہے کہ ڈاڑھی انبیاء کرام کی سنت ہے اور سیدنا ہارون علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی ڈاڑھی کا ذکر قرآن کریم میں صراحۃً موجود ہے۔ یا ابن ام لاتأخذ بلحیتی ولا برأسی عرب میں جو لوگ ملت ابراہیمی کے متبع تھے وہ ڈاڑھی رکھتے تھے ورنہ اکثر مشرکین ڈاڑھی منڈاتے تھے۔ اس لئے آپ نے ارشاد فرمایا خالفوا المشرکین۔ احفوا الشوارب واعفوا اللحی۔ مشرکین کی مخالفت کرو۔ اور ان کی طرح ڈاڑھی مت منڈاؤ۔ انبیاء کرام کی سنت کے مطابق مونچھیں کترواؤ اور ڈاڑھی بڑھاؤ اور مشرکین کے تشبہ سے اپنے آپ کو محفوظ رکھو۔ اور انبیاء و مرسلین کی ہیئت اور شکل اختیار کرو برگزیدہ بندوں کی ہیئت اور شکل بھی پسندیدہ ہوتی ہے اور مغضوب علیہم اور ضالین یعنی یہود و نصاریٰ کی مشابہت میں غضب اور ضلال کا اندیشہ ہے۔

غرض یہ کہ ڈاڑھی کل انبیاء و مرسلین اور تمام صحابہ و تابعین اور تمام علماء ربانیین کی سنت مستمرہ ہے اور شعائر اسلام میں سے ہے۔ ڈاڑھی نہ رکھنا گناہ کبیرہ ہے، اور شعائر اسلام کی علی الاعلان بے حرمتی ہے اور ڈاڑھی کا مذاق اڑانا کفر ہے اس لئے کہ ڈاڑھی کی مذاق اڑانا تمام انبیاء و مرسلین کا استہزا اور تمسخر ہے اور تمام شریعتوں کے ایک مسلمہ حکم کی توہین ہے۔ اور تمام صحابہ و تابعین اور چودہ صدی کے تمام

علماء اور صلحاء اور اولیاء اور سلاطین اسلام کی تحمیق اور تجہیل ہے۔ ڈاڑھی کا مذاق اڑانے والے یہ نہیں سمجھتے کہ پچاس سال قبل اُن کے سلسلۂ نسب کے تمام آبا و اجداد ڈاڑھی رکھتے تھے کیا اس مسخرہ کے نزدیک اس کے تمام آباؤ اجداد حماقت کا سائن بورڈ لگائے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ ان نادانوں کو عقل دے۔ آمین۔

مردوں کی ڈاڑھی اور عورتوں کی چوٹی

جس طرح سر کے بال اور چوٹی عورت کے لئے زینت ہیں۔ اسی طرح ڈاڑھی مرد کے لئے زینت ہے۔

اس لئے عورت کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ بالوں کو اپنی حالت پر چھوڑ دے اور منڈانے کی ممانعت کردی گئی۔ نسائی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے۔

نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان تحلق المرأۃ راسہا	ان حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ عورت اپنے سر کے بال منڈائے۔

مردوں کو بال رکھنے اور منڈانے کا اختیار دیا گیا۔ مگر یہ ہدایت کردی گئی کہ مرد اپنے بال اتنے لمبے نہ چھوڑیں جس سے عورتوں سے مشابہت پیدا ہوجائے۔ بلکہ اس کی ایک حد مقرر کردی کہ اس سے متجاوز نہ ہوں یعنی کان کی لَو تک یا کاندھے تک سنن ابوداؤد میں ابن حنظلیہ سے روایت ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نعم الرجل خریم لولا طول جمتہ واسبال ازارہ فبلغ ذلک خریما فاخذ مشفرۃ فقطع بہا جمتہ الی اذنیہ و رفع ازارہ الی انصاف ساقیہ	آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خریم اسدی اچھا شخص ہے۔ اگر اسکے سر کے بال کاندھوں سے متجاوز نہ ہوتے اور اس کی ازار ٹخنوں سے لمبی نہ ہوتی۔ جب یہ بات خریم کو پہنچی تو اس نے قلینچی لیکر کانوں تک کردیا اور ازار کو نصف پنڈلی تک کردیا۔

اور منڈانے والوں کو یہ حکم دیا گیا سر کے بال منڈانے چاہو تو سب بالوں کو منڈا دو یہ جائز نہیں کہ کچھ رکھو اور کچھ منڈا دو۔ صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمر سے روایت ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم رأی صبیا قد حلق بعض راسہ و ترک بعضہ فنھاھم عن ذالک وقال احلقوا کلہ او اترکوا کلہ۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک بچہ کو دیکھا کہ اُس کا سر منڈا ہوا تھا اور کچھ بال چھوڑے گئے تھے۔ سو آپ نے ان کو اس سے منع فرمایا اور یہ حکم دیا کہ یا تو سارے سر کو منڈوا دو یا سارے سر کو چھوڑ دو۔

اور صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمر سے روایت ہے۔

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وینھی عن القزع قال عبید اللہ والقزع ان یترک بناصیتہ شعر و لیس فی رأسہ غیرہ وکذلک شق رأسہ وھذا وھذا

میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو قزع سے منع کرتے ہوئے سُنا۔ عبید اللہ کہتے ہیں کہ قزع یہ ہے کہ صرف پیشانی کے بال چھوڑ دیئے جائیں ان کے سوا سر میں اور بال نہ ہوں یا سر کے دونوں بازوؤں میں بال رکھے جائیں اور باقی سر منڈایا جائے۔

اس ممانعت کی وجہ یہ تھی کہ اس میں یہود کی مشابہت پائی جاتی تھی چنانچہ سُنن ابی داؤد کی حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے۔ فان ذلک زی الیھود یعنی یہ یہود کی ہیئت اور اُن کا طرز ہے اور جب یہ فعل معصوم بچوں کے لئے ناجائز ہوا تو بالغ کے لئے یہ فعل بدرجہ اولی ناجائز ہوگا اور اسی طرح سر کے بالوں

میں نصاریٰ کی مشابہت بھی ناجائز ہوگی۔

حق جل شانہٗ نے مرد اور عورت کی خلقت کو ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز رکھا ہے۔ ہر ایک کی طبیعت اور مزاج کو الگ بنایا ہے۔

عورتوں کو پیکر نزاکت اور منبع ولادت بنایا ہے۔ لہذا ان کو حسن و جمال اور سر کے بال عطا کئے اور مردوں کو حاکم بنایا اور ویسے ہی اُن کو قویٰ عطا کئے اور ان کی صورت اور اُن کی وضع وقطع ایسی بنائی کہ جس سے شوکت اور وجاہت ظاہر ہو اس لئے حق تعالےٰ نے مردوں کے چہرے پر ڈاڑھی اور مونچھ کا سبزہ لگایا اور ان کے اعضا میں صلابت اور سختی رکھدی اور ان کے لہجے میں خشونت پیدا کردی اور ان کی رفتار میں شجاعت اور بہادری رکھدی اور ان کے دل میں ایسے خیالات پیدا فرمائے کہ جوان کی شان وشوکت کے مناسب ہوں اور عورتوں کی فطرت میں نزاکت رکھدی اور ولادت اور رضاعت اور تربیت کے خیالات ان کے دلوں میں پیدا کردیئے یہی وجہ ہے کہ آج تک کسی حکومت نے عورتوں کی فوج نہیں بنائی۔ اس لئے کہ فوج کے لئے شجاعت چاہیئے نہ کہ نزاکت چونکہ قدرت نے مرد اور عورت کی خلقت اور فطرت کو ایک دوسرے سے ممتاز بنایا اس لئے شریعت اسلام نے حکم دیا کہ مرد عورتوں کے مشابہ نہ بنیں اور عورتیں مردوں کے مشابہ نہ بنیں تاکہ قانون فطرت کی مخالفت نہ ہو اور ایک نوع دوسری نوع کی مخصوص چیزوں کو اختیار نہ کرے مثلاً اسلام نے مردوں کو یہ حکم دیا کہ ریشمین اور زرین کپڑے جو عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ان کو ہرگز استعمال نکریں نہ زیور پہنیں مرد جھومر اور ٹیکہ نہ لگائیں۔ اور نہ ہاتھوں میں چوڑیاں اور کنگن پہنیں اور نہ خالص سُرخ رنگ کا لباس پہنیں اور نہ رفتار میں زنانہ انداز پیدا کریں اور نہ ڈاڑھی منڈائیں۔ بلکہ ڈاڑھی کو اپنی حالت پر چھوڑیں اور مونچھوں کو

کٹائیں اور ڈاڑھی کو بڑھانا اور مونچھوں کو کترانا یہ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسّلام کی سنّت ہے اور مقتضائے فطرت ہے۔

آن حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مجوسی اس خلاف فطرت فعل کے مرتکب تھے۔ کہ مونچھیں بڑھاتے تھے اور ڈاڑھی کٹاتے یا منڈاتے تھے۔ اس لئے آن حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ تم مجوس کی جو خلاف فطرت کر رہے ہیں۔ مخالفت کرو اور ڈاڑھی کو چھوڑ دو اور مونچھوں کو کٹاؤ۔

صحیح مسلم میں ابو ہریرہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مونچھوں کو کٹاؤ اور ڈاڑھیوں کو بڑھاؤ۔ اور مجوس کی مخالفت کرو۔

قال رسول اللہِ صَلَّی اللّٰہ عَلَیہ وسلم جزّوا الشوارب وارخوا اللحی وخالفوا المجوس۔

احادیث میں بکثرت آیا ہے کہ ڈاڑھی کا بڑھانا اور مونچھوں کا کتروانا انبیاء و مرسلین کی سنّت ہے اور امور فطرت میں سے ہے فطرت اس کو مقتضی ہے کہ چھوٹے اور بڑے اور مرد اور عورت کے درمیان میں امتیاز ہونا چاہیئے سو یہ امتیاز ڈاڑھی سے حاصل ہوتا ہے

نیز ڈاڑھی مردوں کے لئے حسن وجمال بھی ہے اور ہیبت اور جلال بھی ہے چاہو تو امتحان کر لو۔

طریقۂ امتحان

یہ ہے کہ ایک عمر کے جوانوں اور ادھیڑوں اور بوڑھوں کو لے لیجئے اور ان میں سے ڈاڑھی والوں کو تو ایک صف میں اور ڈاڑھی منڈوں کو دوسری صف میں کھڑا کیجئے اور بیک وقت دونوں طرف نظر ڈالئے اور دیکھئے کہ کون سی صف خوب صورت ہے اور کونسی صف بدصورت ہے اسی ایک نظر میں ڈاڑھی کا حسن

وجمال معلوم ہوجائیگا جیسے چوٹی والی عورتیں بےچوٹی والی عورتوں سے حسن وجمال میں کہیں زائد ہیں ایسا ہی ڈاڑھی والا مرد اپنے ہم عمر بے ڈاڑھی والے سے بدرجہا حسن وجمال میں زائد ہے جس کا جی چاہے مشاہدہ کرلے۔

کالج میں کچھ لڑکے دیندار بھی ہوتے ہیں جو ڈاڑھی رکھتے ہیں اس ڈاڑھی والے جوان کے ہم عمر کسی ڈاڑھی منڈے نوجوان کو کھڑا کرکے دیکھ لو کہ حسن وجمال میں کون بڑھا ہوا ہے۔

یا

لندن اور جرمن کے ایسے دو ہم عمر نوجوانوں کو لے لیجئے۔ کہ جن کے ڈاڑھی نکلنا ابھی شروع ہوئی ہے اور چھ ماہ تک دونوں کو ڈاڑھی نہ منڈانے دیا جائے پھر چھ ماہ کے بعد ان میں سے اگر ایک نوجوان تو ڈاڑھی منڈائے اور دوسرا اس کے ہم عمر ڈاڑھی نہ منڈائے تو اس وقت ان دونوں نوجوانوں کو برابر کھڑا کرکے دیکھا جائے کہ ان میں سے کونسا حسین وجمیل معلوم ہوتا ہے۔ آپ کی ایک ہی نظر فیصلہ کردے گی کہ بلاشبہ ڈاڑھی میں جو حسن وجمال ہے وہ ڈاڑھی کے منڈوانے میں نہیں۔

پس جس طرح عورتوں کے لئے سر کے بال اور چوٹی باعث زینت ہیں، اسی طرح مردوں کے لئے ڈاڑھی باعثِ زینت ہے اور اگر زینت کے رکھنے کی ضرورت نہیں تو عورتوں کو بھی سر منڈانا چاہیئے۔

حکایت

سُنا گیا ہے کہ یورپ کے کسی خطہ میں بعض عورتوں کو یہ خبط سوار ہوا کہ سر منڈا دینا چاہیئے تاکہ دماغ کے بخارات نکل جانے کی وجہ سے مردوں کی طرح دماغ صحیح اور تندرست

اور قوی ہو جائے ان عورتوں نے جب چند بار سر منڈایا تو ان عورتوں کے ڈاڑھی نکلنے لگی۔ تب سر منڈانا چھوڑا۔

مسئلہ

بعض فقہاء کرام نے بطور معمی لکھا ہے کہ بتلاؤ کونسی ڈاڑھی کا منڈانا واجب ہے اور پھر اس کا جواب دیا ہے کہ عورت کے اگر ڈاڑھی نکل آئے تو اس کا منڈانا واجب ہے۔

لباسِ نبوی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لباس نہایت سادہ اور معمولی ہوتا تھا۔ فقیرانہ اور درویشانہ زندگی تھی عام لباس آپ کا تہمد۔ اور چادر اور کرتہ اور جبّہ اور کمبل تھا جس میں پیوند لگا ہوتا تھا۔

آپ کو سبز لباس پسند تھا۔ آپ کی پوشاک عموماً سفید ہوتی تھی۔

چادر یمنی چادر جس پر سبز اور سرخ خطوط ہوں۔ آپ کو بہت مرغوب تھی جو بردیمانی کے نام سے مشہور تھی خالص سُرخ سے منع فرماتے۔

ٹوپی۔ سر سے چپٹی ہوئی ہوتی تھی اونچی ٹوپی کبھی استعمال نہیں فرمائی ابوکبشہ اغاری سے مروی ہے کہ صحابۂ کرام کی ٹوپیاں چپٹی سر سے لگی ہوئی ہوتی تھیں اونچی نہیں ہوتی تھیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

عمامہ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم عمامہ کے نیچے ٹوپی کا التزام رکھتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ہم میں اور مشرکین میں یہی فرق ہے کہ ہم ٹوپیوں پر عمامہ باندھتے ہیں۔ (ابوداؤد)

حضور پُر نور جب عمامہ باندھتے تو اس کا شملہ دو شانوں کے درمیان لٹکا لیتے اور کبھی دائیں جانب اور کبھی بائیں جانب ڈال لیتے اور کبھی تحت الحنک تھوڑی کے نیچے لپیٹ لیتے حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالے نے جنگِ بدر اور جنگ حنین میں میری امداد کے لئے ایسے فرشتے اتارے جو عمامے باندھے ہوئے تھے جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔ بِخَمْسَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۔

پاجامہ ۔ حدیث میں ہے کہ آپ نے منیٰ کے بازار میں پاجامہ بکتا ہوا دیکھا ۔ دیکھکر اسے پسند فرمایا اور فرمایا کہ اس میں بہ نسبت ازار کے تستر زیادہ ہے اور اس کو خرید فرمایا لیکن استعمال کرنا ثابت نہیں ۔

قمیص پیراہن آپ کو بہت محبوب تھا ۔ سینہ پر اس کا گریبان تھا کبھی کبھی اس کی گھنڈیاں کھلی ہوئی ہوتی تھیں ۔

لنگی آپ کے تمام کپڑے ٹخنوں سے اوپر رہتے تھے بالخصوص آپ کا تہمد آدھی پنڈلی تک ہوتا تھا ۔

موزے بھی استعمال فرماتے تھے اور ان پر مسح فرماتے ۔

گدا ۔ آپ کا گدا ایک چمڑے کا ہوتا تھا ۔ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوتی تھی ۔ اور بسا اوقات حضور پُرنور ایک بوریئے پر سویا کرتے تھے حصیر (بوریا) آپ کا بستر تھا ۔

انگوٹھی ۔ دست مبارک میں چاندی کی انگوٹھی بھی استعمال فرماتے تھے ۔ آن حضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے جب قیصر روم اور نجاشی شاہ حبشہ وغیرہ کو دعوتِ اسلام کے خطوط لکھنے کا ارادہ فرمایا کہ سلاطین بدوں مُہر کے کوئی تحریر قبول نہیں کرتے اس لئے آپ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی جس میں تین سطروں میں اوپر نیچے محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا ۔

نعلین مبارکین

نعلین مبارکین ۔ چپل کے طرز کے ہوتے تھے کہ جس میں نیچے صرف ایک تلا ہوتا تھا اور اوپر دو تسمے لگے ہوتے تھے ۔ جن میں انگلیاں ڈال لیتے تھے

زرقانی صہ ۴ ج ۵

هٰذَا امثال نعالہٖ صَلُّوا عَلَیْہِ وَ آلِہٖ

نقشۂ نعل شریف

یہ نقشہ زاد السعید مصنفہ حضرت حکیم الامۃ مولانا اشرف علی صاحب قُدِّس سرہٗ سے نقل کیا ہے ۔

بمقامے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

خرقہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قال اللہ تعالیٰ

یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ وَقَالَ تَعَالیٰ یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ

اے برادر در لباسِ صوف باش
باصفتہائے خدا موصوف باش

آپؐ کے پاس صوف کا ایک کالا کمبل بھی تھا۔ جس میں پیوند لگے ہوئے تھے جس کو خرقہ (گدڑی) کہتے ہیں۔ صوف کا کالا کمبل جس میں پیوند لگے ہوئے ہوں یہ انبیاء کرام کی سُنّت ہے جو اولیاء اللہ اور درویشوں کو وراثت میں ملا ہے افسوس اور ہزار افسوس کہ یہ سنت اب دُنیا سے رخصت ہوئی صوفی کو صوفی اس لئے کہا جاتا ہے کہ جو صوف کا کمبل انبیاء کرام کی سُنّت پر عمل کرنے کیلئے پہنتا ہو اور دنیا کو تین طلاق مغلظہ بائنہ دیکر بے فکر ہو گیا ہو اور حلۂ شاہی و امیری کو اس خرقۂ درویشی کے مقابلہ میں ہیچ سمجھتا ہو۔

گرچہ درویشی بود سخت اے پسر
ہم ز درویشی نہ باشد خوب تر

قال ابن مسعود کانت الانبیاء یرکبون الحمر ویلبسون الصّوف ویحتلبون الشاۃ رواہ الطیالسی۔

عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاءؑ گدھوں پر سواری کرتے تھے اور صوف کا لباس پہنتے تھے اور بکریوں کا دودھ دوہتے تھے۔ اس روایت کو ابوداؤد طیالسی نے روایت کیا ہے۔

وعنہ صلّی اللہ علیہ وسلم قال کان علی موسی یوم کلمہ ربہ کساء

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

صوف و جبۃ صوف و سراویل صوف و کانت نعلاہ من حمار میت رواہ الترمذی وقال غریب والحاکم وصححہ علی شرط البخاری

زرقانی ص۱۶ ج ۵

نے ارشاد فرمایا کہ جس روز موسیٰ علیہ السلام حق تعالےٰ جل شانہٗ سے ہم کلام ہوئے اس روز ان کا کمبل صوف کا تھا۔ اور ٹوپی بھی صوف کی تھی۔ اور جبہ بھی صوف کا تھا اور پاجامہ بھی صوف کا تھا۔ اور نعلین مُردہ گدھے کی کھال کے تھے۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا اور کہا غریب الاسناد ہے اور حاکم نے بھی روایت کیا اور یہ کہا کہ یہ حدیث شرط بخاری پر صحیح ہے۔ [۱]

ابو بردۃ بن ابی موسیٰ اشعری راوی ہیں کہ ایک دن عائشہ صدیقہ نے صوف کا ایک موٹا کمبل جس میں پیوند لگے ہوئے تھے اور ایک موٹا تہمد نکال کر ہم کو دکھلایا اور یہ کہا کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات ان دو کپڑوں میں ہوئی عائشہ صدیقہ کا مقصد آپ کی سادگی اور تواضع اور شان درویشی و فقیری کو بتلانا تھا کہ حضور پُر نور کی زندگی ایسی تھی رواہ البخاری فی فرض الخمس و اللباس ومسلم وابوداؤد والترمذی وابن ماجہ۔ [۲]

اور حق تعالےٰ جل شانہ کے اس سراپا لطف خطاب یعنی یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ اور یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ میں اشارہ اس طرف ہے کہ بارگاہ خداوندی میں کمبل اور گدڑی غایت درجہ محبوب تھا کہ اس لباس کے عنوان سے حضور پُر نور کو خطاب فرمایا۔ اس لئے حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ نے لکھا ہے کہ اولیاء کرام کے نزدیک سورۂ مزمل کو سورۃ الخرقہ کہتے ہیں جس میں خرقہ (گدڑی) کے آداب اور شرائط کا ذکر ہے۔ دیکھو تفسیر عزیزی۔

---

[۱] زرقانی۔ ج، ۵، ص: ۱۶ [۲] زرقانی۔ ج ۵، ص ۲۵

لباس نبوی صلے اللہ علیہ وسلم لباس ابراہیمی واسماعیلی تھا

مَعَاذَاللہ - مَعَاذَاللہ

قومی اور وطنی لباس نہ تھا

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لباس اور یہ معاشرہ معاذ اللہ معاذ اللہ قومیت یا وطنیت کے اتباع کے ارادے سے نہ تھا بلکہ وحی ربانی اور الہام یزدانی کے اتباع سے تھا عرب میں قدیم سے حلہ یعنی چادر اور تہ بند کا دستور چلا آرہا تھا، حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہی لباس تھا جیسا کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے آذر بائیجان کے عربوں کو حلہ پہننے کی یہ کہہ کر ترغیب دی کہ وہ تمہارے باپ اسمٰعیل علیہ السلام کا لباس ہے ۔

اَمّا بعد فاتزروا وارتدوا	ازار اور چادر کو پہنو اور اپنے باپ
علیکم بلباس ابیکم اسمعیل و	اسمٰعیل کے لباس کو لازم پکڑو ۔
ایاکم وَالتنعم وزی العجم	

معاذ اللہ اللہ کا نبی لباس یا معاشرہ میں قوم کا مقلد اور تابع بنکر نہیں آتا ۔ اللہ کی وحی اور اس کے حکم سے قوم کے عقائد اور اخلاق واعمال اور عبادات اور معاملات سب کے متعلق ہدایتیں اور احکام جاری کرتا ہے ۔ یہاں تک کہ بول و براز کے آداب بھی ان کو سکھاتا ہے ۔

معاش اور معاد کا کوئی شعبہ ایسا نہیں کہ جس کے متعلق اللہ کے رسول کے پاس کوئی غیبی اشارہ اور الہام باطنی نہو یہ ناممکن ہے کہ نبی عام لوگوں کے رسم ورواج کی پیروی کرے ۔ آنحضرت نے لباس کے متعلق بھی احکام جاری فرمائے کہ فلاں جائز ہے اور فلاں حرام یہاں تک کہ مسلمان اور کافر کے

لباس میں امتیاز ہو گیا اور بیشمار احادیث نبویہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے کافروں کی تشبہ کی ممانعت کی ہے اور اُن کی مخالفت کا حکم دیا۔ اور جس لباس سے تکبر اور تفاخر اور اسراف اور تنعم مترشح ہوتا ہو اس کو ممنوع قرار دیا۔ اور اُس کو لباس کو بھی ممنوع قرار دیا جو دشمنانِ خدا سے مشابہت کا سبب بنے۔ مشرکین حریر اور دیبا کو استعمال کرتے تھے۔ آپ نے اس کے استعمال سے منع فرمایا۔ مشرکین ازار کو بطورِ تکبر ٹخنوں سے نیچا گھسٹتا ہوا پہنتے تھے۔ آپ نے اس کو ناجائز قرار دیا۔ زرین مغرق لباس کے استعمال کو ممنوع قرار دیا کہ تکبر اور تنعم اور اسراف کا شائبہ بھی نہ رہے۔ مشرکین ٹوپیوں پر عمامہ نہیں باندھتے تھے آپ نے حکم دیا؛

فرق ما بیننا وبینَ المشرکین العمائم علی القلانس	ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق یہ ہے کہ ہم عمامہ کو ٹوپیوں پر باندھتے ہیں

اس طرح آپ نے مسلمانوں اور کافروں کے لباس میں تفرقہ قائم فرمایا۔

اور صحیحین میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔

خالفوا المشرکین اوفروا اللحی وَاحفوا الشوارب	کافروں کی مخالفت کرو۔ ڈاڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو کم کراؤ۔

یعنی اپنی صورت اور ہیئت کافروں کی سی نہ بناؤ تمہاری وضع قطع کافروں سے جُدا رہنی چاہیئے۔

مسندِ احمد اور سنن ابی داؤد میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تشبہ بقومٍ فھو منھم	آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو وہ شخص اسی قوم میں شمار ہوگا۔

علامہ قاری اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ حدیث من تشبہ سے لباس اور ظاہری امور میں مشابہت اختیار کرنا مراد ہے معنوی اخلاق کی مشابہت کو تشبہ نہیں کہتے بلکہ اسے تخلق کہتے ہیں۔

اور صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا

ان ھذہ من ثیاب الکفار فلا تلبسھا یہ کافروں جیسے کپڑے ہیں پس انکو نہ پہننا

پس ثابت ہو گیا کہ حضور پرنور کا لباس اور آپ کی وضع تمام تر وحی الہٰی کے تابع تھی۔ قوم اور وطن کے اتباع میں نہ تھی حضور پرنور اگر بالفرض والتقدیر۔ لندن یا جرمن میں بھی مبعوث ہوتے تو وہاں بھی لندن کی وحشیوں کی وہی اصلاح فرماتے جو کہ مکہ کے وحشیوں کی فرمائی۔ اور اُن کی شہوت پرستی کو خدا پرستی سے اور اُن کی بے پردگی کو پردہ سے اور ان کی بے حیائی کو عفت اور عصمت اور حیا اور شرم سے بدل ڈالتے لہذا کسی نادان کا یہ گمان اور یہ خیال کرنا کہ معاذاللہ اگر نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم لندن یا جرمن میں مبعوث ہوتے تو مغربی رسم ورواج کے تابع ہوتے تو یہ ایک مرعوبانہ اور محکومانہ اور غلامانہ اور احمقانہ ذہنیت کا کرشمہ ہے جس کی حقیقت ایک مجنونانہ بڑ سے زیادہ کچھ نہیں۔ اللہ کی وحی کے تابع ہوتا ہے ان اتبع الا ما یوحیٰ الی۔ معاذاللہ۔ نبی۔ قوم اور وطن کے تابع نہیں ہوتا بلکہ قوم کو اپنی اتباع کی دعوت دیتا ہے اور صبغۃ اللہ (اللہ کے رنگ) میں ان کو رنگتا ہے۔

صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ ونحن لہٗ عابدون

صبغۃ اللہ اور اللہ کے رنگ میں مسلمان کا زندگی کا رنگ جانا بنیادی طور سے اس پر موقوف ہے کہ اللہ کے دشمنوں کے طور وطریق ان کی وضع قطع اور لباس ہی پرہیز کیا جائے تاکہ زندگی کے ہر شعبہ میں کفر سے براءت اور کافروں سے اجتناب ظاہر ہو اور ایمانی رنگ مومن کی زندگی میں ہر طرح اور ہر جانب سے جھلکتا نظر آئے اس مفہوم کی توضیح کیلئے یہ چند الفاظ حضرات قارئین کی خدمت میں پیش ہیں۔ جن کا عنوان التنبہ علی ما فی التشبیہ یعنی مسئلہ تشبہ بالکفار پر ایک اجمالی نظر ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلتَّنَبُّہُ عَلٰی مَافِی التَّشَبُّہِ

یعنی

مسئلۂ تشبہ بالکفّار پر ایک اجمالی نظر

بحمدہٖ تعالےٰ جب یہ امر بخوبی ثابت ہوگیا کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا لباس ازار اور ردار جبّہ اور عمامہ اور ظاہری وضع قطع یہ سب اپنے جد امجد حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے اقتدار میں تھا۔ معاذاللہ مشرکین مکہ اور قوم اور وطن کی اتباع اور مشابہت میں نہ تھا تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ طالبانِ حق کی تنبیہ کے لئے مسئلہ تشبہ کی حقیقت پر کچھ مختصر سا کلام کر دیا جائے کیونکہ مسئلہ تشبہ اسلام کے ان اہم ترین مسائل میں سے ہے کہ جن پر اسلام کے بہت سے احکام قابل تسلیم نہ رہیں گے یہی وجہ ہے کہ جو لوگ مغربی تہذیب کے دلدادہ اور شیدائی ہیں اور اسلامی احکام کی حدود و قیود سے آزاد ہونا چاہتے ہیں۔ ان کا سب سے پہلا حملہ اسلام کے اسی مسئلہ تشبہ پر ہوتا ہے اور اپنی تمام تر سعی اس کے مٹانے میں صرف

۱؎ یعنی تشبہ بالکفار کی خرابیوں پر تنبیہ

کرتے ہیں تاکہ آیندہ کے لیئے راستہ صاف ہوجائے اور دعوئ اسلام کے ساتھ مغربی تمدن میں کوئی رکاوٹ نہ رہے زبان کے اعتبار سے مسلمان کہلائیں اور معاشرہ اور تمدن اور وضع قطع اور ہیئت اور لباس میں انگریز بنے رہیں۔ ع

"این خیال ست ومحال ست وجنوں"

شریعتِ اسلامیہ میں چونکہ تشبہ بالکفار کا مسئلہ خاص اہمیت رکھتا ہے جو بے شمار آیات اور احادیث سے ثابت ہے اس لئے تفسیر اور حدیث اور فقہ اور علم العقائد کی کوئی کتاب مسئلہ تشبہ کے بیان سے خالی نہیں حضرات فقہاء و متکلمین نے مسئلہ تشبہ کو باب الارتداد میں بیان کیا ہے کہ مسلمان کن چیزوں کے ارتکاب سے مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے۔ ان میں سے ایک تشبہ بالکفار بھی ہے اور اس کے درجات اور مراتب ہیں۔ اور ہر ایک کا حکم جداگانہ ہے۔

ساتویں صدی کے عالم جلیل شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ حرانیؒ متوفی ۷۲۸ھ نے اسی مسئلہ تشبہ کی حقیقت واضح کرنے کی لئے اقتضاء الصراط المستقیم مخالفۃ اصحاب الجحیم کے نام سے ایک مبسوط کتاب تحریر فرمائی جس میں مسئلہ تشبہ کے مختلف پہلوؤں پر کتاب وسنت اور عقل اور نقل کی روشنی میں کلام فرمایا اور کتاب وسنت کے نصوص سے یہ واضح کردیا کہ دینی ودنیوی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں کہ جہاں شریعت غرا اور ملتِ بیضا نے کفر اور شرک کی نجاست اور ظلمت کی مشابہت سے حفاظت کا اپنے دوستوں کو کوئی حکم نہ دیا ہو اور یہ ثابت کردیا کہ صراط مستقیم کا اقتضاء یہی ہے کہ مغضوب علیہم اور ضالین کے مشابہت سے احتراز کیا جائے

اب اس انگریزی اور مغربی دور میں پھر یہ فتنہ رونما ہوا اور علماء دین نے اپنی پوری توجہ اس پر صرف کی مگر اس دورِ پرفتن میں مسئلہ تشبہ پر کوئی ایسی جامع کتاب نہیں لکھی گئی کہ جس میں اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر منظم اور مرتب اور مدلل اور مسلسل کلام کیا گیا

ہوا اور ساتھ ہی ساتھ مشککین کے شکوک اور موسوسین کے وساوس اور اوہام کا ایسا ازالہ اور قلع اور قمع کر دیا گیا ہو کہ جس کے بعد کسی کو لب کشائی کی گنجائش باقی نہ رہے۔ سو الحمد للہ یہ فریضۂ دینی ہمارے محب محترم عالم ربانی فاضل لاثانی مولانا قاری حافظ محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند حفظہ اللہ تعالیٰ واطال اللہ حیاتہ ذخرا للمسلمین آمین یا رب العلمین کے قلم حکمت رقم سے ادا ہوا جزاہ اللہ تعالیٰ عن الاسلام والمسلمین خیرا۔

موصوف نے التشبہ فی الاسلام کے نام سے دو حصوں میں ایک کتاب تحریر فرمائی یہ مسئلہ تشبہ کی تحقیق و تدقیق میں بے نظیر اور بے مثال کتاب ہے اور بلاشبہ وہ اپنا شبیہ اور مثیل نہیں رکھتی حضرت حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب قدس اللہ سرہ کتاب مذکور کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ اس احقر نے رسالۂ ہذا کو حرفاً حرفاً دیکھا ایک ایک حرف کے ساتھ قلب میں سرور اور آنکھوں میں نور بڑھتا جاتا تھا۔ تشبہ کا مسئلہ ایسا مکمل و مفصل و مدلل لکھا ہوا میں نے نہیں دیکھا۔ جن لطائف تک ذہن جانیکا احتمال نہ تھا وہ منصۂ ظہور پر آگئے۔ بعید سے بعید شبہات تک کا قلع قمع کر دیا گیا اللہ تعالیٰ رسالہ کو نافع اور مقبول فرما کر ان کلم طیب کے عموم میں داخل فرمائے جن کی شان میں الیہ یصعد الکلم الطیب وارد ہے اور صاحب رسالہ کو اس جماعت میں داخل فرمائے۔ جس کی شان میں ہدوا الی الطیب من القول وہدوا الی صراط الحمید وارد ہے۔ انتہی

اس لئے ناظرین کرام کی خدمت میں گذارش ہے کہ اگر مسئلہ تشبہ کی پوری تحقیق اور تفصیل درکار ہو تو التشبہ فی الاسلام کی مراجعت فرمائیں اس وقت یہ ناچیز نہایت اختصار کیساتھ اس مسئلہ کو پیش کر رہا ہے جس کا بہت سا حصہ اقتضاء الصراط المستقیم اور التشبہ فی الاسلام سے ماخوذ ہے اور بہت سے مواضع میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ کے مختلف مواعظ اور ملفوظات میں مسئلہ تشبہ پر جو امور نظر سے گذرے وہ بھی اس مختصر تحریر میں درج کر دیئے تاکہ ناظرین کرام کیلئے موجب ہدایت اور باعث بصیرت ہوں۔ فاقول وباللہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم ؕ

حدیث میں ہے بدأ الاسلام غریبا و سیعود غریبا فطوبیٰ للغرباء ۔ اسلام شروع میں غریب الوطن تھا یعنی بیکس اور بے یار و مددگار تھا اور بے سہارا تھا خلافت راشدہ کے دور سعادت سراپا یمن و برکت میں آفتاب اور ماہتاب بن کر چمکا اور قیصر و کسریٰ کی حکومت اور سلطنت کا تختہ الٹ کر رکھ دیا ۔ اور اپنے سادہ معاشرہ اور خدا پرستانہ تمدن سے قیصر او کسریٰ کی نظر فریب اور پرشان و شکوہ معاشرہ اور تمدن کو کھلے بندوں زمین پر پچھاڑا جس کا تماشہ ساری دنیا نے دیکھا ۔

اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ آلہ وسلم کے دس سالہ غزوات اور پھر صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے دس سالہ سلسلۂ جہادات و فتوحات کا یہ غیبی اثر ہوا کہ دس صدی تک پوری روئے زمین پر اسلام ہی کو اقتدار اعلیٰ حاصل رہا اور اسلام ہی کا تمدن اور معاشرہ دنیا کے ہر تمدن اور معاشرہ پر غالب رہا ۔ دنیا کی قومیں اسلامی معاشرہ اور تمدن کو اپنے لئے باعث عزت سمجھتی رہیں خلفاء عباسیہ کے دور میں علم و حکمت کا بازار گرم ہوا اور صنعت و حرفت بام عروج پر پہنچی اور یورپ کے باشندے اس وقت ایک جاہل اور وحشی قوم تھے انہوں نے مسلمانوں سے علم و حکمت سیکھا اور صنعت و حرفت اور تہذیب و تمدن کا سبق لیا ۔

اور دنیاوی شاہراہ ترقی پر گامزن ہوئے بعد ازاں جب اسلامی حکومتوں کے فرمانروا حکومت کے نشہ میں عیش پرستی کا شکار بن گئے ۔ اور میر جعفر اور میر

صادق جیسے منافق اُن کے وزیر بن گئے۔

گُربہ میر و سگ وزیر و موش را دیواں کنند
اینچنیں ارکانِ دولت ملک را ویراں کنند

تو نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ اسلامی حکومتیں معرض زوال اور اختلال میں پڑگئیں اور اسلام کی ہاتھ کی پچھاڑی ہوئی قومیں برسرِ اقتدار آگئیں اور اپنی بداعمالی اور شومی قسمت سے حاکم محکوم بن گئے۔ اور محکوم حاکم ہوگئے۔

چند روز تک مسلمانوں کو اپنی اس ذلت اور انقلاب کی حالت کا احساس رہا۔ مگر رفتہ رفتہ مسلمانوں نے ان کے معاشرہ اور تمدن اور وضع قطع کو قبول کرنا شروع کر دیا۔ نوبت بایں جارسید کہ اسلامی ممالک کے باشندے غیروں کے معاشرے میں ایسے رنگے گئے کہ اپنی اور پرائے مُسلم اور غیر مسلم کا ظاہر نظر میں کوئی فرق نہ رہا۔

اور حسبِ ارشادِ نبوی وسیعود غریبًا اسلام ابتدا کی طرح اس دور میں پھر غریب اور گدائے بے نوا اور بیکس و بے یار و مددگار بن گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ راجعون۔

اس کی وجہ یہ نہیں کہ اسلامی معاشرہ میں کسی قسم کی کوئی خرابی یا کوتاہی ہے اور نئے معاشرہ میں کوئی خوبی یا کمال یا کوئی حسن وجمال ہے۔

بلکہ

اس کی وجہ یہ ہے کہ نئے معاشرہ کی بساط تمامتر نفسانی شہوات ولذات اور نام ونمود اور فخر ومباہات پر بچھی ہوئی ہے اور قوت وشوکت کے زیرسایہ وہ پرورش پارہا ہے جو بالطبع نفس کو غایت درجہ محبوب ہے۔

اور اسلامی معاشرہ کی بساط سادگی اور تواضع اور زہد اور قناعت اور خدا پرستی

اور نفس کشی پر بچھی ہوئی ہے جس کو نفس پسند نہیں کرتا۔

ابو بکر و عمر ایک طرف ایسے امیر مملکت تھے کہ دنیا کی سب سے بڑی دو طاقتیں قیصر و کسریٰ بھی اُن سے تھراتی تھیں۔ اور دوسری طرف شیخ طریقت بھی تھے کمبل پوشش اور مسجد کے امام بھی تھے جن کو دیکھ کر لوگ اپنے دین کو درست کرتے تھے۔

خداوند علیم و حکیم کی قضاء و قدر نے قوم عاد اور قوم ثمود اور فرعون اور نمرود کی طرح مغربی اقوام کو چند روزہ اقتدار عطا کیا۔ جن کے آتے ہی نفسانی اور شہوانی معاشرہ کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ اور چھپے ہوئے شہوت پرست نمایاں ہو گئے اور ظاہر ہے کہ جس چیز کو قوت و شوکت اور حکومت و سلطنت کی سرپرستی حاصل ہو تو سادہ لوح اور عام طبیعتیں اسی میں جذب ہو جاتی ہیں خصوصاً جس معاشرہ میں نفسانی خواہشوں کو آزادی ملتی ہو اور حکومت اور سلطنت کے سرپرستی کی وجہ سے اس کے حصول میں کوئی مانع بھی نہ رہے تو بلاشبہ ایسا معاشرہ مخلوقِ خدا کے لئے فتنۂ عظمیٰ ہو گا۔

افسوس اور صد افسوس کہ مسلمان بھی اب اسی رَو میں بہے جا رہے ہیں اور جو قومیں اُن کے اسلاف اور بزرگوں کی پچھاڑی ہوئی اور باج گزار تھیں ان کے پیچھے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔ اور اپنے اسلاف کے خصائل و عادات اور ان کے ملبوسات کو ترک کر کے دن بدن مغضوب علیہم اور ضالین یعنی یہود و نصاریٰ کے مماثلت اور مشابہت اختیار کرتے جاتے رہے ہیں۔ حیرت کا مقام ہے کہ مشرق کا نور مغرب کی ظلمت پہ کیوں فریفتہ ہو گیا۔

اے میرے مسلمان بھائیو! یہ دُنیا سرائے فانی ہے تلك الايام نداولها بين الناس کا مظہر ہے۔ جن متمدن قوموں نے انبیاء کرام کے مقابلہ میں

من اَشدُّ مِنّا قوۃ کا نعرہ لگایا اور تمدّن اور معاشرہ میں دنیا سے آگے نکلے
کما قال تعالٰے عمروھا اکثر مما عمروھا لم یخلق مثلھا فی
البلاد اور انبیاء اللہ کی گدڑی اور کمبل اور عمامہ اور دستار اور تہبند اور
ازار کا تمسخر کیا انجام کار وہ سب کے سب تباہ اور برباد ہوئے فھل ترٰے
لَھُم مِّن باقیۃٍ ۔ وھل تحس منھُم مِن احدٍ او تسمع لھم رکزا
کسی کا نام ونشان نہ رہا۔ کسی کو حق تعالٰے نے غرق کیا اور کسی کو زمین میں دھنسایا
اور کسی پر آسمان سے پتھر برسائے اور کسی کو چیخ سے ہلاک کیا۔ ان کل اِلّا
کذب الرسل فحق وعید۔

آمدم برسر مطلب

اب میں مختصر طور پر اہل اسلام کی خدمت میں مسئلہ تشبہ کی حقیقت عرض کرتا ہوں اور اس کے حسن کو واضح کرتا ہوں امید کہ اہلِ اسلام اس کو غور سے پڑھیں گے۔ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی اِلّا باللہِ عَلیہ توکلت وَالیہ انیب۔

تشبّہ کی حقیقت

حق جل شانہٗ نے زمین سے لیکر آسمان تک خواہ حیوانات ہوں یا نباتات یا جمادات سب کو ایک ہی مادہ سے پیدا کیا اور سب کو ایک ہی خوان وجود سے حصّہ ملا مگر باوجود اس کے ہر چیز کی صورت اور شکل علیحدہ بنائی تاکہ ان میں امتیاز قائم رہے اور ایک دوسرے سے پہچانا جائے کیونکہ امتیاز کا ذریعہ صرف یہی ظاہری شکل وصورت اور ظاہری رنگ و روپ ہے انسان اور حیوان میں شیر اور گدھے میں۔ گھاس اور زعفران میں۔ باورچی خانہ اور پاخانہ میں جیل خانہ اور شفاخانہ میں جو امتیاز ہے۔ وہ صرف اسی ظاہری شکل وہیئت کی بنا پر ہے اگر کسی نوع کا کوئی

کوئی فرد اپنی خصوصیات اور امتیازات کو چھوڑ کر دوسری نوع کی امتیازات و خصوصیات اختیار کرے تو اس کو پہلی نوع کا فرد نہ کہیں گے ۔ بلکہ وہ دوسری نوع کا فرد کہلائیگا
اگر کوئی مرد مردانہ خصوصیات اور امتیازات کو چھوڑ کر زنانہ خصوصیات کو اختیار کرے، عورتوں ہی کا لباس پہننے لگے اور انہی کی طرح بولنے لگے حتّٰی کہ اُس مرد کی تمام حرکات و سکنات عورتوں ہی جیسی ہو جائیں تو وہ شخص مرد نہ کہلائے گا بلکہ ہیجڑا کہلائے گا، حالانکہ اس کی حقیقت رجولیت میں کوئی فرق نہیں آیا صرف لباس اور ہیئت کی تبدیلی ہوئی ہے۔
پس معلوم ہوا کہ اگر اس مادی عالم میں۔ ہر نوع کی خصوصیات اور امتیازات کی حفاظت نہ کی جائے اور التباس اور اختلاط کا دروازہ کھول دیا جائے تو پھر اُس نوع کا وجود باقی نہ رہے گا۔

اِختلافِ اَقوام واُمم :

اسی طرح اقوام اور اُمم کے اختلاف کو سمجھو کہ مادی کائنات کی طرح ۔ دنیا کی قومیں اپنے معنوی خصائص اور باطنی امتیازات کے ذریعے ایک دوسرے سے ممتاز اور جدا ہیں۔ مسلم قوم، ہندو قوم۔ عیسائی قوم۔ یہودی قوم ۔ باوجود ایک باپ کی اولاد ہونے کے مختلف قومیں بن گئیں، مذہب اور ملت کے اختلاف کے علاوہ ۔ اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ ہر قوم کا تمدن اور اس کی تہذیب اور اس کا معاشرہ اور اس کا طرز لباس اور طریق خورد و نوش دوسرے سے جدا ہے اور باوجود ایک خدا کے ماننے کی ہر ایک کی عبادت کی صورت اور شکل علحدٰہ ہوگی۔
عبادات کی انھیں خاص خاص شکلوں اور صورتوں کی وجہ سے ایک مسلم اور موحد مشرک اور بت پرست سے علحدہ ہے اور ایک عیسائی ایک پارسی سے جدا ہے۔
غرض یہ کہ قوموں میں امتیاز کا ذریعہ سوائے ان قومی خصوصیات کے اور کیا ہے جبتک ان مخصوص شکلوں اور ہیئتوں کی حفاظت نہ کی جائے تو قوموں کا امتیاز باقی نہیں رہ سکتا پس جب کسی قوم کی مذہبی اور معاشرتی خصوصیات باقی ہیں اس وقت تک وہ قوم بھی باقی ہے اور جب

کسی قوم نے اپنی خصوصیات اور اشکال کو چھوڑ کر دوسری قوم کی خصوصیات کو اختیار کر لیا اور یہ قوم دوسری قوم کے ساتھ مختلط اور مشتبہ ہو گئی تو سمجھو کہ یہ قوم اب فنا ہو گی اور اب صفحۂ ہستی پر اس کا کوئی ذاتی وجود باقی نہیں رہا۔

تشبہ کی تعریف؛

اب اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد تشبہ کی تعریف سنئے تاکہ آپ تشبہ کی قباحتوں اور مضرتوں کا اندازہ لگا سکیں۔

(۱)

اپنی حقیقت اور اپنی صورت اور وجود کو چھوڑ کر دوسری قوم کی حقیقت اور اس کی صورت اور اس کے وجود میں مدغم ہو جانے کا نام تشبہ ہے۔

بالفاظ دیگر (۲)

یا اپنی ہستی کو دوسرے کی ہستی میں فنا کر دینے کا نام تشبہ ہے۔

یا (۳)

اپنی ہیئت اور وضع کو تبدیل کر کے دوسری قوم کی وضع اور ہیئت اختیار کر لینے کا نام تشبہ ہے۔

یا (۴)

اپنی شان امتیازی کو چھوڑ کر دوسری قوم کی شان امتیازی کو اختیار کر لینے کا نام تشبہ ہے۔

یا (۵)

اپنی اور اپنوں کی صورت اور سیرت کو چھوڑ کر غیروں اور پرائیوں کی صورت اور سیرت کو اپنا لینے کا نام تشبہ ہے۔

اس لئے شریعت حکم دیتی ہے کہ مسلمان قوم دوسری قوموں سے ظاہری طور پر ممتاز اور جدا ہونی چاہئے لباس میں بھی ممتاز ہونی چاہئے اور وضع و قطع میں بھی اس لئے کہ ظاہری علامت کے علاوہ خاص جسم کے اندر بھی کسی علامت کا ہونا ضروری ہے سو وہ ختنہ اور ڈاڑھی ہے اور

وہ ظاہری علامت لباس ہے بغیر ان دو علامتوں کے شناخت نہیں ہوسکتی نہ تو صرف داڑھی کافی ہے اس لئے کہ لڑکوں کے داڑھی نہیں ہوتی اُن کی شناخت کس طرح ہوگی نیز بعض قومیں داڑھی رکھتی ہیں۔ اُن سے شناخت سوائے لباس کے کسی چیز سے نہیں ہوسکتی معلوم ہوا کہ اسلامی امتیاز کے لئے لباس اور داڑھی دونوں کی ضرورت ہے منع تشبہ کے حکم کا منشاء معاذ اللہ تعصب اور تنگ نظری نہیں بلکہ غیرت اور حمیت ہے جس سے مقصد ملت اسلامیہ اور امت مسلمہ کو غیروں کے التباس اور اشتباہ کی تباہی سے بچانا ہے اس لئے کہ جو قوم اپنی خصوصیات اور امتیازات کی محافظ نہ ہو وہ کوئی آزاد اور مستقل قوم کہلانے کی مستحق نہیں۔

تشبہ بالکفار کا حکم

تشبہ بالکفار اعتقادات اور عبادات میں کفر ہے اور مذہبی رسومات میں حرام ہے جیسا کہ نصاریٰ کی طرح سینہ پر صلیب لٹکانا اور ہنود کی طرح زنار باندھ لینا یا پیشانی پر قشقہ لگا لینا ایسا تشبہ بلاشبہ حرام ہے جس میں اندیشہ کفر کا ہے اس لئے کہ علی الاعلان شعائر کفر کا اختیار کرنا اس کے رضاءِ قلبی کی علامت ہے۔

اور تشبہ کی یہ قسم ثانی اگرچہ قسم اول سے درجہ میں ذرا کم ہے مگر پیشاب اور پاخانہ میں فرق ہونے سے کیا کوئی پیشاب کا پینا گوارا کرے گا ہرگز نہیں اور عبادات اور مذہبی رسومات اور عیدین میں کفار کی مشابہت کی ممانعت اشارات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ وکثیرہ سے ثابت ہے جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ نے اقتضاء الصراط المستقیم نے بالتفصیل اور ان تمام آیات اور روایات کو بیان کیا ہے۔

(۳)

اور معاشرہ اور عادات اور قومی شعائر میں تشبہ کردہ تحریمی ہے مثلاً کسی قوم کا وہ مخصوص لباس استعمال کرنا جو خاص اُن ہی کی طرف منسوب ہو اور اس کا استعمال کرنے والا اسی قوم کا ایک فرد سمجھا جانے لگے جیسے نصرانی ٹوپی یعنی ہیٹ اور ہندوانہ دھوتی اور جوگیانہ جوتی یہ سب ناجائز اور ممنوع ہے اور تشبہ میں داخل ہے بالخصوص جبکہ بطور تفاخر یا انگریزوں کی وضع بنانے کی نیت سے

پہنی جائے تو اور بھی زیادہ گناہ ہے۔ جوگیوں اور پنڈتوں کی وضع وقطع اختیار کرنے کا جو حکم ہے وہی انگریزی وضع قطع اختیار کرنے کا حکم ہے۔

اور علیٰ ہذا کافروں کی زبان اور اُن کے لب ولہجہ اور طرزِ کلام کو اس لئے اختیار کرنا کہ ہم بھی انگریزوں کے مشابہ بن جائیں اور ان کے زمرہ میں داخل ہو جائیں تو بلاشبہ یہ ممنوع ہوگا، ہاں اگر انگریزی زبان سیکھنے سے انگریزوں کی مشابہت مقصود نہ ہو بلکہ محض زبان سیکھنا مقصود ہو کہ کافروں کی غرض سے آگاہ ہو جائیں اور سان سے تجارتی اور دنیاوی امور میں خط وکتابت کر سکیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

جیسے کوئی ہندی اور سنسکرت اس لئے سیکھے کہ ہندوؤں اور پنڈتوں کی مشابہت ہو جائے اور ہندو مجھے اپنا وطنی بھائی سمجھیں اور اپنے زمرہ میں مجھے شمار کریں۔ (جیسا کہ آجکل بھارت میں یہ فتنہ برپا ہے) تو بلاشبہ اس نیت سے ہندی زبان سیکھنا ممنوع ہوگا اور اگر فقط یہ غرض ہو کہ ہندوؤں کی غرض سے آگاہی ہو جائے اور اُن کی خطوط پڑھ لیا کریں۔ تو ایسی صورت میں ہندی زبان سیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(۴)

اور ایجادات اور انتظامات اور اسلحہ اور سامان جنگ میں غیر قوموں کے طریقے لینا جائز ہے جیسے توپ اور بندوق اور ہوائی جہاز اور موٹر اور مشین گن وغیرہ وغیرہ یہ درحقیقت تشبہ بھی نہیں شریعت اسلامیہ نے ایجادات کے طریقے نہیں تبلائے ایجادات اور صنعت اور حرفت کو لوگوں کی عقل اور تجربہ اور ضرورت پر چھوڑ دیا البتہ اس کے احکام تبلادے کہ کونسی صنعت اور حرفت جائز ہے اور کس حد تک جائز ہے اور کس طریق سے اس کا استعمال جائز ہے اسلام میں مقاصد کی تعلیم ہے غیر مقاصد کی تعلیم نہیں طبیب جوتہ بنانے کی ترکیب نہیں بتاتا اور نہیں سکھاتا ہاں یہ تبلاتا ہے کہ جوتہ اس طرح مت سلوانا کہ اس کی میخیں اُبھری ہوئی ہوں جس سے پیر زخمی ہو جائے، اسی طرح اسلام ایجادات نہیں سکھاتا ہاں یہ تبلاتا ہے کہ ایجاد ایسی نہ ہو کہ جس سے تمہارے دین میں خلل آجائے

یا جان کا خطرہ ہو۔

یہاں ایجادات کا حکم ہے کہ جن کا بدل مسلمانوں کے پاس نہیں اور جو ایجاد ایسی ہو کہ جس کا بدل مسلمانوں کے یہاں بھی موجود ہو تو اس میں تشبہ مکروہ ہے جیسے حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فارسی کمان کے استعمال سے منع فرمایا اس لئے کہ اس کا بدل مسلمانوں کے پاس عربی کمان موجود تھی اور دونوں کی منفعت برابر تھی صرف ساخت کا فرق تھا، اسلام میں تعصب نہیں غیرت ہے پس جو چیز مسلمان کے پاس بھی ہے اور کفار کے پاس بھی ہے صرف وضع قطع کا فرق ہے تو ایسی صورت میں اسلام نے تشبہ بالکفار سے منع کیا ہے کہ اس میں علاوہ گناہ کے ایک بے غیرتی تو یہ ہے کہ بلا وجہ اور بلا ضرورت اپنے کو دوسری قوموں کا محتاج اور تابع بنائیں مگر آج کل مسلمانوں میں غیرت نہیں رہی کہ یہ اپنے گھر سے بے خبر ہو کر بلکہ یوں کہیے کہ اپنے گھر کو آگ لگا کر دوسروں کی عادات اور معاشرت کا اتباع کرنے لگے ان کی مثال ایسی ہے جیسے مولانا روم فرماتے ہیں:۔

یک سبد پر نان ترا بر فرق سر   تو ہمی جوئی لب نان در بدر

تا بزانوئے میانِ قعرِ آب   وز عطش وز جوع گشتستی خراب

ہاں جن نئی ایجادات اور جدید اسلحہ کا بدل مسلمانوں کے پاس موجود نہیں مسلمانوں کے لئے ان نئی ایجادات اور جدید اسلحہ کا استعمال اپنی ضرورت اور راحت اور دفع حاجت کے لئے جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ اس کے استعمال سے نیت اور ارادہ کافروں کی مشابہت کا نہ ہو۔ محض اپنے فائدہ کے لئے جدید اسلحہ اور نئی ایجادات کا استعمال شرعاً جائز ہے مگر تشبہ بالکفار کے ارادہ اور نیت سے اُن کے استعمال کو شریعت پسند نہیں کرتی۔

شراب کے طریقہ پر اگر دودھ کا بھی دور و تسلسل اختیار کیا جائے تو شریعت اسلامیہ اس کو ممنوع قرار دیتی ہے دودھ کے استعمال میں شراب کی مشابہت اختیار کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ اس شخص کے تہ دل میں شراب کی رغبت اور محبت کا خاص داعیہ مضمر اور مستور ہے۔

اسی طرح کسی جائز چیز کا استعمال ۔ کافروں کی مشابہت کی نیت اور ارادہ سے اور دشمنان دین کی تشبہ کے قصد سے اس امر کی دلیل ہے کہ اس کے دل میں کافروں کی طرف میلان اور رغبت خاص طور پر مرکوز خاطر ہے

پس جس طرح تم کو اپنے دشمنوں کی مشابہت اور ان کا تشبہ گوارا نہیں تو اسی طرح خداوند قدوس کو یہ گوارا نہیں کہ اس کے دوست اور نام لیوا یعنی مسلمان اس کے دشمنوں (یعنی کافروں) کی مشابہت اختیار کریں یا اُن کے تشبہ کی نیت اور ارادہ سے کوئی کام کریں حق جل شانہ کا ارشاد ہے۔

ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار۔

تشبہ بالکفار کی ممانعت کی وجہ

دین اسلام ایک کامل اور مکمل مذہب ہے اور تمام ملتوں اور شریعتوں کا ناسخ بن کر آیا ہے وہ اپنے پیروؤں کو اس کی اجازت نہیں دیتا کہ ناقص اور منسوخ ملتوں کے پیروؤں کی مشابہت اختیار کی جائے ، غیروں کی مشابہت اختیار کرنا غیرت کے بھی خلاف ہے۔

جس طرح ہر ملت اور ہر امت کی حقیقت جدا ہے اسی طرح ہر ایک کی صورت اور ہیئت بھی جدا ہے ، دنیا میں ظاہری صورت اور شکل ہی امتیاز کا ذریعہ ہے۔

ایک قوم دوسری قوم سے اسی ظاہری معاشرہ کی بنا پر ممتاز اور جدا سمجھی جاتی ہے ۔

جب ایک قوم دوسری قوم کی خصوصیات اور امتیازات اور اس کی صورت اور ہیئت کو اختیار کر لیتی ہے تو اس کی اپنی ذاتی قومیت فنا ہو جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ اپنی قومیت اور اپنی شخصیت کو دوسرے کی قومیت اور شخصیت میں فنا کر دینا سراسر غیرت کے خلاف ہے ۔

اسلام ایک کامل مذہب ہے جس طرح وہ اعتقادات اور عبادات میں مستقل ہے کسی کا تابع اور مقلد نہیں اسی طرح اسلام اپنے معاشرہ اور عادات میں بھی مستقل ہے کسی دوسرے کا تابع اور مقلد نہیں۔

کسی حکومت میں یہ جائز نہیں کہ اس سلطنت کی فوج دشمنوں کی فوج کی وردی استعمال کر سکے یا اپنے فوجی دستہ کے ساتھ دشمن حکومت کا جھنڈا استعمال کر سکے جو سپاہی ایسا رویہ اختیار کرے گا وہ قابل ۔

گردن زدنی سمجھا جائے گا۔

اسی طرح حزب اللہ مسلمانوں کو یہ اجازت نہ ہوگی کہ حزب الشیطان کی ہیئت اختیار کریں جس سے دیکھنے والوں کو اشتباہ ہوتا ہو۔ یا فرض کرو کہ کوئی جماعت حکومت سے برسر بغاوت ہو اور وہ جماعت اپنا کوئی امتیازی لباس یا نشان بنائے تو حکومت اپنے وفاداروں کو ہرگز ہرگز اس باغی جماعت کی تشبہ کی اجازت نہیں دے گی۔

حیرت کا مقام ہے کہ ایک برطانوی جرنیل کو تو یہ حق حاصل ہو کہ وہ جرمنی یا روسی وردی کے استعمال کو جرم قرار دیدے کیونکہ وہ برطانیہ کا دشمن ہے مگر اللہ کے رسول کو یہ حق نہ ہو کہ وہ دشمنان خدا کی وضع قطع کو جرم قرار دے کیوں نہیں۔ من تشبہ بقوم فہو منہم۔ جو خدا کے دشمنوں کے مشابہ بنے گا اور انہی جیسا لباس اور اُن کی وردی پہنے گا تو وہ بلاشبہ، دشمنان خدا کی فوج سے سمجھا جائے گا۔

اسلام نور مطلق ہے۔	اور کفر ظلمت ہے۔
اسلام حق ہے۔	اور کفر باطل ہے۔
اسلام حسن مطلق اور جمال مطلق ہے۔	اور کفر قبح مطلق ہے۔
اسلام روز روشن ہے	اور کفر شب تاریک ہے۔
اسلام عزت ہے۔	اور کفر ذلت ہے۔

لہذا اسلام اپنے پیروؤں کو ظلمت اور ذلت اور باطل کا لباس پہننے کی اور ان کے ہم شکل بننے کی اجازت نہیں دیتا تاکہ التباس نہ ہو۔

پس جس طرح اسلام کی حقیقت کفر کی حقیقت سے جدا ہے اسی طرح اسلام یہ چاہتا ہے کہ اُس کے پیروؤں کی صورت و شکل و لباس بھی اس کے دشمنوں سے جدا اور علحدہ ہو۔

خلاصہ کلام

یہ کہ شریعت میں تشبہ بالغیر کی ممانعت کسی تعصب پر مبنی نہیں بلکہ غیرت اور حمیت اور تحفظ خود اختیاری پر مبنی ہے کہ کوئی قوم اس وقت تک قوم نہیں کہلا سکتی جب تک اس کی خصوصیات

اور امتیازات پائدار اور مستقل نہ ہوں۔

اسی طرح ملت اسلام اور امت اسلامیہ کو کفر اور الحاد اور زندقہ سے محفوظ رکھنے کا ذریعہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اسلامی خصوصیات اور امتیازات کو محفوظ رکھا جائے اور تشبہ بالکفار سے اس کو بچایا جائے کیونکہ تشبہ کے معنی اپنی ہستی کو دوسرے میں فنا کر دینے کے ہیں۔

قَالَ تعالیٰ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا لَا تَکُوْنُوا کَالَّذِیْنَ کَفَرُوا ۱ — اے ایمان والو۔ کفر کرنے والوں کے مشابہ اور مانند نہ ہو۔

مومن (خدا کے دوست) کو خدا کے دشمن۔ (کافر) سے جدا اور ممتاز رہنا چاہیئے حکومت کے وفادار کے لئے یہ روا نہیں کہ وہ حکومت کے دشمنوں اور باغیوں کے مشابہ اور ان کا ہم رنگ اور ہم لباس بنے۔

وَقَالَ تعالیٰ۔ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا لَا تَکُوْنُوا کَالَّذِیْنَ آذَوْا مُوْسیٰ — اے مسلمانو۔ ان لوگوں کے مشابہ اور مانند نہ ہو کہ جنھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ایذا دی

وَقَالَ تعالیٰ ۔ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ آمَنُوا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِکْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا یَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَکَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُوْنَ ۔ ۳ — کیا مسلمانوں کے لئے وقت نہیں آیا کہ اللہ کے ذکر اور اس کے نازل کئے ہوئے حق کے سامنے ان کے دل پست ہو جائیں اور ان لوگوں کے مشابہ اور مانند نہ بنیں کہ جن کو پہلے کتاب دی گئی یعنی یہود اور نصاریٰ کے مشابہ نہ بنیں جن پر زمانہ دراز گذرا پس ان کے دل سخت ہو گئے اور بہت سے ان میں سے بدکار ہیں۔

یعنی اندیشہ یہ ہے کہ اگر تم نے یہود اور نصاریٰ کی مشابہت اور مماثلت اختیار کی تو تمہارے دل بھی ان کی طرح سخت ہو جائیں گے اور قبول کی صلاحیت ان سے جاتی رہے گی۔

علامہ ابن حجر مکی ہیثمی نے اپنی کتاب الزواجر عن اقتراف الکبائر ص ۱۱ ج ۱ میں مالک بن دینار

۱۔ آل عمران، آیۃ ۱۵۶ ۔ ۲۔ الاحزاب، آیۃ: ۶۹

محدث کی روایت سے ایک نبی کی وحی نقل کی ہے ۔ وہ یہ ہے ۔

قَالَ مَالِکُ بنُ دینار اوحی اللہ الی النَّبیّ من الانبیاءِ اَنْ قُلْ لِقَوْمِکَ لَاتَدْخُلُوْا مداخلَ اعدائی وَلَایلبسوا ملابس اعدائی وَلَایَرکبوا مراکب اعدائی وَلَا یَطعموا مطاعم اَعدائی فَیَکُوْنُوْا اعدائی کماھم اعدائی ۔

کتاب الزواجر صفحہ ۱۱ / ج ۱

مالک بن دینار کہتے ہیں کہ انبیاء سابقین میں سے ایک نبی کی طرف اللہ کی طرف سے یہ وحی آئی کہ آپ اپنی قوم سے یہ کہدیں کہ میرے دشمنوں کے گھسنے کی جگہ میں نہ گھسیں اور نہ میرے دشمنوں جیسا لباس پہنیں اور نہ میرے دشمنوں جیسے کھانے کھائیں اور نہ میرے دشمنوں جیسی سواریوں پر سوار ہوں یعنی ہر چیز میں ان سے متمایز اور جدا رہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بھی میرے دشمنوں کی طرح میرے دشمن بن جائیں ۔

اس وحی کا آخری جملہ فیکونوا اعدائی کماھم اعدائی ۔ ایسا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں مسلمانوں کو کافروں کے ساتھ اٹھنے اور بیٹھنے کی ممانعت کے بعد یہ فرمایا انکم اذا مثلھم اس وقت تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے اور ارشاد فرمایا ومن یتولھم منکم فانہ منھم جو کافروں سے دوستی کرے گا وہ انہی میں سے شمار ہوگا اور حدیث میں ہے من تشبہ بقوم فھو منھم ۔ جو کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کرے گا وہ اسی قوم میں سے شمار ہوگا ۔

تشبہ بالاغیار کے مفاسد اور نتائج ۔

غیروں کی سی وضع قطع اور ان جیسا لباس اختیار کرنے میں بہت سے مفاسد ہیں ۔

(۱)

پہلا وجہ تو یہ ہوگا کہ کفر اور اسلام میں ظاہراً کوئی امتیاز نہ رہے گا ۔ اور ملت حقہ ۔ ملت باطلہ کے ساتھ ملتبس ہو جائے گی سچ پوچھتے ہو تو حقیقت یہ ہے کہ تشبہ بالنصاریٰ ۔ معاذ اللہ نصرانیت کا دروازہ اور اس کی دہلیز ہے ۔

(۲)

دوم یہ کہ غیروں کی مشابہت اختیار کرنا غیرت کے بھی خلاف ہے آخر قومی نشان اور قومی

پہچان بھی کوئی چیز ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ شخص فلاں قوم کا ہے پس اگر یہ ضروری ہے تو اس کا طریقہ سوائے اس کے کیا ہے کہ کسی دوسری قوموں کا لباس نہ پہنیں جیسے اور قومیں اپنی اپنی وضع کی پابند ہیں اسی طرح اسلامی غیرت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہم بھی اپنی وضع کے پابند رہیں اور دوسری قوموں کے مقابلہ میں ہماری خاص پہچان ہو۔

(۳)

کافروں کا معاشرہ اور تمدن اور لباس اختیار کرنا در پردہ ان کی سیادت اور برتری کو تسلیم کرنا ہے۔

بلکہ

اپنی کمتری اور کہتری اور تابع ہونے کا اقرار اور اعلان ہے جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا اس لئے کہ کمتر ہی برتر کی وضع اختیار کرتا ہے نہ کہ برعکس محکوم۔ حاکم کی تقلید پر مجبور رہتا ہے اور اس کی خوشنودی کے لئے اس جیسا لباس پہنتا ہے، اسلام جب ایک کامل اور مستقل دین ہے تو وہ اوروں کی کیوں تقلید کرے۔

(۴)

نیز اس تشبہ بالکفار کا ایک نتیجہ یہ ہوگا کہ رفتہ رفتہ کافروں سے مشابہت کا دل میں میلان اور داعیہ پیدا ہوگا جو صراحۃً ممنوع ہے۔ کما قال تعالیٰ

وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ۔	اور ان لوگوں کی طرف مت جھکو جو ظالم ہیں مبادا ان کی طرف مائل ہونے کی وجہ سے تم کو آگ نہ لگے اور اللہ کے سوا کوئی تمہارا دوست اور مددگار نہیں پھر تم کہیں مدد نہ پاؤ گے۔

بلکہ غیر مسلموں کا لباس اور شعار اختیار کرنا ان کی محبت کی علامت ہے جو شرعاً ممنوع ہے کما قال تعالےٰ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ	اے ایمان والو تم یہود اور نصاریٰ کو دوست مت بناؤ وہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے دوست اور رفیق ہیں۔ وہ تمہارے دوست نہیں اور تم میں سے جو ان کو دوست

لے۔ کتاب الزواجر۔ ج: ۱، ص: ۱۱   ۵۲۔ سورۂ ہود، آیۃ: ۱۱۳،

فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۔ ؎ بنائے گا وہ انہی میں سے ہو جائے گا تحقیق اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت کرتا ظالم لوگوں کو۔

کیا یہ صریح ظلم نہیں کہ دعویٰ تو ہو ایمان اور اسلام کا یعنی اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا اور صورت اور ہیئت اور وضع قطع اور لباس اس کے دشمنوں کا ہو۔ کوئی بادشاہ اور کوئی حکومت کبھی اس امر کو برداشت نہیں کر سکتی کہ دعویٰ تو ہو اس کی وفاداری کا اور دوستانہ تعلقات ہوں حکومت کے دشمنوں سے دوستی اور تجارتی تعلقات اور اُن کے ساتھ نشست و برخاست یہ سب باتیں قانوناً جرم ہیں۔ بس اگر خداوند احکم الحاکمین اپنے دشمنوں اور اپنے وزراء اور سفراء یعنی انبیاء و مرسلین کے منکروں اور مخالفوں سے دوستانہ تعلقات اور ان کے ساتھ نشست و برخاست اور وضع قطع اور ہیئت اور لباس میں ان کی مشابہت سے منع کرتا ہے تو اس پر کیوں ناک مُنہ چڑھاتے ہو۔

(۵)

اس کے بعد رفتہ رفتہ اسلامی لباس اور اسلامی تمدن کے استہزا اور تمسخر کی نوبت آئے گی اسلامی لباس کو حقیر سمجھے گا اور تبعاً اس کے پہننے والوں کو بھی حقیر سمجھے گا۔ اگر اسلامی لباس کو حقیر نہ سمجھتا تو انگریزی لباس کو کیوں اختیار کرتا۔

(۶)

اسلامی احکام کے اجراء میں دشواری پیش آئے گی مسلمان اس کی کافرانہ صورت دیکھ کر گمان کریں گے کہ یہ کوئی یہودی یا نصرانی ہے یا ہندو ہے اور اگر کوئی ایسی لاش مل جائے تو تردد ہو گا کہ اس کافر نما انسان کی نماز جنازہ پڑھیں یا نہ پڑھیں اور کس قبرستان میں اس کو دفن کریں۔

(۷)

جب اسلامی وضع کو چھوڑ کر دوسری قوم کی وضع قطع اختیار کرے گا تو قوم میں اس کی کوئی عزت باقی نہیں رہے گی اور جب قوم ہی نے اُس کی عزت نہ کی تو غیروں کو کیا پڑی ہے کہ وہ اس کی عزت

؎ المائدہ، آیۃ: ۵۱۔

کریں۔ غیر بھی اسی کی عزت کرتے ہیں جس کی قوم میں عزت ہو۔

(۸)

دوسری قوم کا لباس اختیار کرنا اپنی قوم سے بے تعلقی کی دلیل ہے۔

(۹)

افسوس کہ دعویٰ تو اسلام کا۔ مگر لباس اور طعام اور معاشرہ اور تمدن اور زبان اور طرز زندگی سب کا سب اسلام کے دشمنوں جیسا۔ جب حال یہ ہے تو اسلام کے دعوے ہی کی کیا ضرورت ہے۔ اسلام کو ایسے مسلمانوں کی نہ کوئی حاجت ہے اور نہ کوئی پروا ہے کہ جو اس کے دشمنوں کی مشابہت کو اپنے لئے موجب عزت اور باعث فخر سمجھتے ہوں۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر کافروں کی وضع وقطع اختیار کرنے کی کیا ضرورت اور کیا مصلحت داعی ہوئی بلا ضرورت کافر قوم کے لباس اختیار کرنے کا مطلب تو یہ ہوا کہ معاذ اللہ۔ لاؤ ہم بھی کافر نہیں اگر اگرچہ صورت ہی کے اعتبار سے بن جائیں۔

یا بالفاظ دیگر

یوں کہو کہ لاؤ کہ اپنے دشمنوں کا لباس ہے ہم بھی رواداری ظاہر کرنے کے لئے دشمن کے ہم شکل اور ہم لباس بن جائیں اور نصاریٰ کا دشمن اسلام اور دشمن مسلمان ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے۔ قرآن وحدیث نے خبر دی ہے ان الکافرین کانوا لکم عدوا مبینا اور تقسیم ہند کے وقت اسلام کے ساتھ نصاریٰ کی دشمنی کا مشاہدہ ہو گیا کہ جس قدر زائد سے زائد علاقہ برطانیہ ہندوؤں کو دے سکتی تھی وہ ہندوؤں کو دے گئی اور مسلمانوں کو محروم کر گئی۔ برطانیہ نے باہر سے چار لاکھ یہودی لا کر فلسطین میں بسائے اور اس طرح فلسطین کو تقسیم کیا۔ اس قاعدہ سے ہندوستان میں جہاں کہیں بھی چار لاکھ اور آٹھ لاکھ مسلمان آباد تھے۔ برطانیہ کو چاہیئے تھا کہ فلسطین کی طرح ہندوستان کے ان علاقوں کو بھی تقسیم کرتی۔ موجودہ حالات میں یہودیوں اور مسلمانوں کی کل آبادی فلسطین میں آٹھ لاکھ ہے اور ہندوستان کے صوبہ یوپی میں تنہا مسلمانوں کی تعداد اسی لاکھ ہے۔

تقسیم فلسطین کے اصول سے صوبہ یوپی میں بھی اسی لاکھ مسلمانوں کی الگ ریاست قائم کر لی تھی غرض یہ کہ نصاریٰ کی مسلمانوں سے دشمنی آفتاب کی طرح روشن ہے پھر نہ معلوم کیوں مسلمان اُپنے دشمنوں کے معاشرہ کو اختیار کرتے جارہے ہیں۔ اصل وجہ یہ ہے کہ لوگ انگریزی وضع قطع کو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ وضع قطع اہلِ حکومت اور اہلِ شوکت کی ہے جس کا حاصل یہ ہوا کہ انگریزوں کی ہم شکل بنیں گے تو عزت اور شوکت حاصل ہوگی۔

مگر افسوس کہ عزت اور شوکت تو اس لئے حاصل کی جاتی ہے کہ غیروں کے مقابلہ میں اس سے کام لیا جائے۔ اپنی قوم پر اور اپنوں پر رعب جمانے کے لئے عزت و شوکت حاصل نہیں کی جاتی دعویٰ تو قومی ہمدردی کا مگر اپنی قوم کے معاشرہ سے وحشت اور نفرت اور غیر قوم کے معاشرہ سے اُنس اور محبت۔

گرگٹ کی طرح وقتاً فوقتاً رنگ بدلنے میں کیا خاک عزت رکھی ہے کہ ٹکٹکی باندھے ہوئے یورپ کو دیکھ رہے ہیں جو فیشن اور لباس انھوں نے اختیار کیا وہی لباس اور فیشن ان عاشقانِ مغرب نے بھی اختیار کر لیا۔ جو کسی کا عاشق بنے گا اس کو معشوق کے سامنے ذلیل و خوار بن کر رہنا پڑے گا۔ اب اختیار ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے اور خلفاء راشدین کے اور ان کے معاشرہ کے عاشق بن جاؤ یا یورپ کے اوباشوں اور عیاشوں کے معاشرہ کے عاشق ہو جاؤ۔ خوب سمجھ لو کہ عشق کی بنیاد تذلل پر ہے۔

ترقی کا راز و مدار

یہ امر تمام روز روشن کی طرح واضح ہے کہ اسلام کی روشنی مکہ مکرمہ کے اُفق سے روئے زمین پر پھیلی جس سے تھوڑے ہی عرصہ میں مسلمانوں کی کایا پلٹ ہوگئی اور دینی اور دنیوی ترقی ان کو حاصل ہوگئی اور آسمانِ شریعت کے پھیلانے کے ضمن میں اُن کو جو سلطنت قاہرہ اور سطوت جہانداری اور فرماں روائی اُن کو حاصل ہوئی اس کا سبب یہ نہ تھا کہ انھوں نے سلاطین وقت کے مروجہ علوم نہایت سرگرمی سے حاصل کئے تھے یا تجارت و صنعت میں انھوں نے بڑی دستگاہ پیدا کی تھی یا سودی

کاروبار کو انھوں نے وسیع پیمانہ پر پھیلایا تھا اور بڑی تجارتوں کے لئے سودی بنک قائم کئے تھے

بلکہ اس کا اصل سبب یہ تھا کہ آسمانی شریعت کی مشعل ہدایت اُن کی ہادی اور رہنما تھی اور اتباع نبوی یہی اُن کی قوت تھی اور یہی ان کا لشکر تھا اور یہی ان کا ہتھیار تھا اور ان کی فتح و نصرت کا جھنڈا تھا جس سے چند روز میں انھوں نے عظیم الشان سلطنت قائم کرلی کہ جس نے قیصر و کسریٰ کی عظمت و جلال کو خاک میں ملا دیا۔

یہ ایک ایسا بدیہی مسئلہ ہے کہ جس پر کسی دلیل اور برہان قائم کرنے کی حاجت نہیں اور یہود اور نصاریٰ کے مؤرخین اس پر گواہ ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں مبعوث ہوئے، اور تن تنہا عرب کے وحشیوں اور جاہلوں اور اونٹ چرانے والوں کو توحید و تفرید کا سبق پڑھایا اور آسمانی کتاب کی تعلیم دی ایک طرف تو ان کو عبودیت اور معرفت سے آگاہ کیا اور دوسری طرف ان کو جہانبانی اور عدل و عمرانی کے وہ طریقے تبلائے کہ جس سے چند ہی روز میں ایک زبردست سلطنت کے مالک بن گئے حالانکہ ان کے پاس نہ کوئی مال و دولت تھا نہ کوئی فوج اور طاقت تھی اور نہ انھوں کے غیر قوموں کے علوم و فنون حاصل کئے اور نہ انھوں نے سود کو حلال قرار دیا تھا۔ یہ سب اتباع شریعت کی برکت تھی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صدیق اکبرؓ آپ کے جانشین ہوئے تو آپ نے بھی اپنے زمانۂ خلافت میں شریعت کی پابندی کو پورا پورا ملحوظ رکھا اور آپ کے عہدِ خلافت میں جن قبیلوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا ان پر فوج کشی کی اور قسم کھا کے یہ فرمایا کہ جو رسی آں حضرت کے زمانے میں دیتے تھے اگر اس کے دینے میں بھی تامل کریں گے تو میں ان سے جہاد و قتال کروں گا۔ اور مرتدین اور مدعیانِ نبوت سے جہاد و قتال کیا اور ان کا قلع قمع کیا۔

اسی طرح خلیفۂ ثانی کے زمانے میں جو ہیبت اور شوکت تھی وہ بھی اتباع شریعت ہی کی برکت تھی دنیا کے بڑے بڑے سلاطین ان سے ڈرتے تھے۔

خوب سمجھ لو: کہ جس نبی امی فداہ نفسی والی وامی کے اتباع کی برکت سے صحابہ کو ذوالقرنین

اور سلیمان جیسی حکومت ملی اور جس سے قیصر و کسریٰ کا تختہ الٹا گیا اور ان کی فوجوں کو اور ان کے تمدن اور معاشرہ کو صحابہ نے کھلے بندوں پچھاڑا۔ اسی طریق کو اختیار کرو گے تو ترقی ہو گی امام مالک کا ارشاد ہے۔

لا یصلح آخر ھذہ الامۃ الا بما صلح بہ اولھا

اس امت کے آخر کو اسی چیز سے صلاح اور فلاح حاصل ہو گی جس چیز سے امت اول کو صلاح اور فلاح حاصل ہوئی۔

شریعت اسلام نے حکمرانی کے وہ اصول بتائے کہ جو دنیا نے نہ کبھی دیکھے تھے نہ سنے تھے۔ اسی کے اتباع سے ترقی ہو گی۔ غیروں کی پیروی اور نقالی سے ترقی نہیں ہو سکتی ترقی کا دارومدار۔ یہود و نصاریٰ کی مشابہت پر نہیں محض لباس ذلت اور حقارت کو دفع نہیں کر سکتا اسوۂ نبوی کی پیروی پر ہے جیسا کہ خلفائے راشدین اور خلفاء بنی امیہ و خلفائے عباسیہ کے دور میں جو ترقی ہوئی وہ مشابہت کفار کی بناء پر نہ تھی بلکہ اتباع نبوی کی بناء پر تھی۔

بلکہ

ہمارے تنزل کا اصل سبب تشبہ بالاغیار ہے اور تشبہ بالانبیاء سے انحراف ہے اور علیٰ ہذا یہ گمان کرنا کہ اسلامی لباس انگریزوں کی نگاہوں میں بے وقعتی کا موجب ہے، سو یہ خیال خام ہے عزت و وقعت کا دارومدار قابلیت پر ہے نہ کہ لباس پر۔ بلکہ نقل اتارنے والے کو خوشامدی سمجھتے ہیں، اسلامی لباس میں بے وقعتی نہیں بے وقعتی تو غیروں کے لباس میں ہے۔ لندن میں گول میز کانفرنس ہوئی بہت سے ہندو لیڈر انگریزی لباس میں گئے مگر گاندھی اپنے لنگوٹے میں گیا۔ سو حکومت برطانیہ نے جو اعزاز ننگے فقیر گاندھی کا کیا وہ انگریزی لباس والوں کا نہیں کیا۔

دہلی میں بہت سے دربار ہوئے جو والیان ریاست لائق اور قابل تھے اور اسلامی لباس میں آتے تھے ان کا اعزاز و اکرام کوٹ پتلون والوں سے زیادہ ہوتا تھا۔

خوب سمجھ لو کہ مسلمان خواہ کتنے ہی کافروں کے معاشرہ اور تمدن کے رنگ میں رنگے

جائیں یہود و نصاریٰ مسلمان سے اس وقت تک کبھی راضی نہیں ہو سکتے جب تک کہ مسلمان۔
اپنے کو ملت اسلام کا پیرو بتاتے رہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے ولن ترضی عنك الیہ۔۔
ولا النصاریٰ حتی تتبع ملتہم

اے مسلمانو!

اگر ترقی چاہتے ہو تو اس طریقے کو اختیار کرو کہ جس طریق سے صدر اوّل میں اسلام کو ترقی ہوئی اور چار دانگ عالم میں اسلام کا ڈنکا بجا۔ جیسا کہ تاریخ عالم اس کی شاہد ہے کہ جو شوکت و اقتدار اور فتوحات کی ترقی اور علمی اور فنی اور اخلاقی عروج خلفائے راشدین اور خلفائے بنی امیہ و خلفائے بنی عباس کے زمانے میں مسلمانوں کو حاصل ہوا امریکہ و برطانیہ کو مل کر بھی وہ عروج حاصل نہیں ہوا۔ مغربی قومیں۔ عرب کے جاہلوں سے زیادہ وحشی تھیں خلفاء عباسیہ کے دور میں جو علم و حکمت کا چرچا ہوا تو مغربی اقوام نے مسلمانوں سے علوم و فنون حاصل کئے اور اپنی زبانوں میں ترجمے کئے اور ترقی کی جس منزل کو پہنچے وہ دنیا کے سامنے ہے۔ اب اسلامی فرمانرواؤں کو چاہیئے کہ علوم جدیدہ کو اپنی زبان میں منتقل کریں تاکہ عام مسلمان اس سے استفادہ کر سکیں اور کالج میں جا کر عمر عزیز کے چودہ سال اور اپنی گاڑھی کمائی کے بیس بیس ہزار روپیہ غیر قوموں کی زبان سیکھنے کے لئے نذر نہ کریں۔

انگریزی لباس کے اقتصادی نتائج:

پہلے اکثر و بیشتر کپڑے گھر میں سلا کرتے تھے خصوصاً عورتوں کے زنانے کپڑے درزی کے یہاں بھیجنا بہت معیوب تھا، جب سے فیشن کا دروازہ کھلا سارے گھر کے کپڑے درزیوں کے جانے لگے، آمدنی میں تو اضافہ نہ ہوا خرچ میں اضافہ ہو گیا اب یا تو قرض کرو یا حصول زر کے ناجائز طریقے اختیار کرو۔ انگریزی ساز و سامان کے لئے انگریز جیسی دولت بھی تو چاہیئے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ ہر وقت دماغ میں یہ لبا ہوا ہے کہ جس طرح بھی ہو انگریز کی طرح زندگی بسر کریں۔

ان بدنام کنندگان اسلام سے پوچھتا ہوں کہ تم نے کس وجہ سے انگریزی لباس کو اسلامی لباس پر ترجیح دی اگر وجہ یہ ہے کہ اسلامی لباس میں کوئی جسمانی مضرت یا نقصان محسوس کیا ہے تو اس کو

بیان کریں تاکہ اس پر غور کیا جائے کہ اسلامی لباس میں جسمانی مضرتیں ہیں یا انگریزی لباس میں۔ اور اگر وجہ یہ ہے کہ اسلامی لباس میں حقارت پائی جاتی ہے تو پھر اگر یہی بات ہے تو پھر اسلام کے دعوے کی بھی ضرورت نہیں۔ مغربی قومیں تو سرے سے اسلام اور مسلمان ہی کو حقیر اور ذلیل سمجھتی ہیں۔ ولن ترضی عنک الیهود ولا النصاریٰ حتیٰ تتبع ملتہم۔ اسلام کو ایسے مسلمانوں کی کوئی ضرورت نہیں کہ جو گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے رہتے ہوں اور ہر نئے فیشن کے دلدادہ اور عاشق ہوں اور استقلال اور خودداری سے کورے ہوں جیسا دیس ویسا بھیس ان کا مذہب ہو جس کے مزاج میں استقلال اور خودداری نہ ہو وہ کیا حکومت کرسکے گا۔

الحاصل

جب تک خلفائے اسلام۔ اتباع شریعت میں سرگرم رہے اُن کی سلطنت روبترقی رہی اور مخالفوں کی نظروں میں ان کی عزت اور ہیبت رہی اور دشمنوں کے دل ان سے جلتے رہتے اور تائید الٰہی ان کے شامل حال رہی۔

قال تعالیٰ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ

اے مومنو۔ اگر تم اللہ کے دین کی مدد کروگے تو اللہ تمھاری مدد کرے گا اور تمھارے قدموں کو ثابت رکھے گا۔ اور تم ہی غالب رہوگے اگر تم پکے مسلمان بنے رہے۔

پھر جس قدر وقتاً فوقتاً سلاطین اسلام میں پابندئ شریعت کا خیال کم ہوتا گیا اور عیش و عشرت اور نفسانی خواہشوں میں توغل بڑھتا گیا اسی قدر اسلامی سلطنت کی بنیاد کمزور ہوتی گئی اور اسلامی حکومت کا دائرہ مختصر ہوتا گیا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ اللہ تعالےٰ کسی قوم کی حالت میں تغیر پیدا نہیں کرتے جب تک وہ خود اپنی حالتوں میں تغیر نہ پیدا کرلیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی نگہبانی اور مہربانی سے محروم نہیں کرتا جب تک وہ اپنی چال اور طور طریق کو اللہ کے ساتھ نہ بدلیں۔

تشبہ کے مفاسد اور مضرتوں پر فاروقِ اعظم کا تنبہ

حضرت عمر کے عہد خلافت میں جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور قیصر و کسریٰ کی حکومت کا تختہ الٹ گیا۔ تو فاروق اعظم کو فکر دامنگیر ہوئی کہ عجمیوں کے اختلاط سے اسلامی امتیازات اور خصوصیات میں کوئی فرق نہ آ جائے اس لئے ایک طرف تو مسلمانوں کو تاکید اکید کی غیر مسلموں کی تشبہ سے پرہیز کریں اور ان جیسی ہیئت اور لباس اور وضع قطع اختیار نہ کریں۔ اور دوسروں کی طرف کافروں کے لئے ایک فرمان جاری کیا کہ کفار اپنی خصوصیات اور امتیازات میں نمایاں رہیں اور مسلمانوں کی وضع قطع اور اُن کی ازار و عمامہ نہ استعمال کریں تاکہ اپنے اور پرائے میں التباس نہ ہو سکے اور اشتباہ اور التباس کا دروازہ بند ہو جائے۔

مسلمانوں کے نام فاروق اعظمؓ کا فرمان

روی البخاری فی صحیحہ عن عمر رضی اللہ عنہ انہ کتب الی المسلمین المقیمین ببلاد فارس ایاکم و زی اھل الشرک اقتضاء الصراط المستقیم صفحہ ۶۰

امام بخاری حضرت سے راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اُن مسلمانوں کے نام جو بلاد فارس میں مقیم تھے یہ فرمان جاری کیا کہ اے مسلمانو! اپنے آپ کو اہل شرک اور اہل کفر کے لباس اور ہیئت سے دُور رکھنا۔ اقتضاء الصراط المستقیم صفحہ ۶۰

اور ایک روایت میں ہے کہ اس طرح فرمان جاری فرمایا:

اما بعد فاتزروا وارتدوا وانتعلوا وعلیکم بلباس ابیکم اسماعیل وایاکم والتنعم وزی العجم و تمعددوا واخشوشنوا واخلولقوا الحدیث

فتح الباری صفحہ ۲۴۰ ج ۱۰

اما بعد اے مسلمانو۔ ازار اور چادر کا استعمال رکھو اور جوتے پہنو اور اپنے جد امجد اسمٰعیل علیہ السلام کے لباس لنگی اور چادر کو لازم پکڑو اور اپنے آپ کو عیش پرستی اور عجمیوں کے لباس اور اُن کی وضع قطع اور ہیئت سے دُور رکھو مبادا کہ تم لباس اور وضع قطع میں عجمیوں کے مشابہ بن جاؤ اور حضرت اسمٰعیل کے نبیرہ معد بن عدنان

باب لیس الحریر للرجال وقدّعا بجوز منہ من کتاب اللباس کی وضع قطع اختیار کرو اور موٹے اور کھردرے اور پرانے کپڑے پہنو جو اہلِ تواضع کا لباس ہے ؎

اور مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ ابو عثمان نہدی کہتے ہیں کہ ہم آذربیجان میں تھے کہ ہمارے امیر لشکر عتبہ بن فرقد کے نام فاروق اعظم کا یہ فرمان پہنچا

یا عتبۃ بن فرقد ایاکم والتنعم	اے عتبہ بن فرقد۔ تم سب کا یہ فرض ہے کہ اپنے
وزی اھل الشرک ولبوس الحریر	آپ کو عیش پرستی اور کافروں اور مشرکوں کے لباس
اقتضاء الصراط المستقیم ص۶۰	اور ہیئت اور وضع قطع سے اپنے کو دور اور محفوظ

رکھیں اور ریشمین لباس کے استعمال سے پرہیز رکھیں۔ اقتضاء الصراط المستقیم

کافروں کے متعلق فاروق اعظمؓ کا فرمان

فاروق اعظم کا وہ فرمان کہ جو نصارائے شام کے عہد اور اقرار کے بعد بطور شرائط تمام قلمرو خلافت میں جاری کیا گیا اور جن شرائط پر نصارائے شام کو جان و مال اور اہل و عیال کا امن دیا گیا وہ یہ تھا۔

نحن [۱] نوقر المسلمین ونقوم [۲] لھم	ہم نصارائے شام اپنی جانوں اور مالوں اور اہل و عیال
من مجالسنا ان ارادوا الجلوس	اور اپنے اہل مذہب کے لئے امیر المومنین فاروق اعظم سے
ولا [۳] نتشبہ بھم فی شیئ من ملا	امان طلب کرتے ہیں اور اپنے نفسوں پر بطور شرط اور
بسھم فی قلنسوۃ ولا عمامۃ ولا نعلین	عہد امور ذیل کو لازم گردانتے ہیں (۱) کہ ہم مسلمانوں کی
ولا فرق شعر ولا نتکلم [۴] بکلامھم	تعظیم و توقیر کریں گے (۲) اور اگر مسلمان ہماری مجلسوں
ولا نکتنی بکناھم ولا [۵] ترکب السروج ولا	میں بیٹھنا چاہیں گے تو ہم ان کے لئے مجلس چھوڑ دیں گے۔
نتقلد السیوف ولا نتخذ [۶] شیئا من	(۳) اور ہم کسی امر میں مسلمانوں کے ساتھ تشبہ اور مشابہت
السلاح ولا نحملہ ولا ننقش [۹]	نہ کریں گے، نہ لباس میں نہ ٹوپی میں نہ عمامے میں نہ جوتے
خواتیمنا بالعربیۃ ولا نبیع [۱۰]	میں نہ سر کی مانگ میں (۴) ہم ان جیسا کلام نہ کریں گے

الخمور وان[11] نجز مقادم رؤسنا
وان[12] نلزم زينا حيث كنا س
ان[13] نشد الزنانير على اوساطنا
وان[14] لا نظهر الصليب على كنائسنا
وان[15] لا نظهر صلبنا ولا كتبنا فى شيئ
من طرق المسلمين ولا اسواقهم
ولا نضرب[16] بنواقيسنا فى كنائسنا
الا ضربا خفيفا ولا نرفع[17] اصواتنا
مع موتانا ولا نظهر[18] النيران معهم
فى شيئ من طرق المسلمين رواه
حرب باسناد جيد اقتضاء الصراط المستقيم
ص ۵۸

(۵) اور نہ مسلمانوں جیسا نام اور کنیت رکھیں گے
(۶) اور نہ زین پر گھوڑے کی سواری کریں گے (۷)
اور نہ تلوار لٹکائیں گے (۸) اور نہ کسی قسم کا ہتھیار
بنائیں گے اور نہ اٹھائیں گے (۹) اور نہ اپنی مہروں
پر عربی نقش کندہ کرائیں گے (۱۰) اور نہ شراب کا
کاروبار کریں گے (۱۱) اور سر کے اگلے حصّہ کے بال
کٹائیں گے (۱۲) اور ہم جہاں بھی رہیں گے اپنی ہی
وضع پر رہیں گے (۱۳) اور اپنے گلوں میں زنار
لٹکائیں گے (۱۴) اور نہ اپنے گرجاؤں پر صلیب کو
بلند نہ کریں گے (۱۵) اور مسلمانوں کے کسی راستہ
اور بازار میں اپنی مذہبی کتاب شائع نہ کریں گے
(۱۶) اور ہم اپنے گرجاؤں میں ناقوس نہایت آہستہ
بجائیں گے (۱۷) اور ہم اپنے مُردوں کے ساتھ آوازیں بلند نہ کریں گے (۱۸) اور ہم اپنے
مُردوں کے ساتھ آگ نہیں لے جائیں گے، یہ مجوس کے متعلق ہے جو آگ کی پرستش کرتے تھے۔

اس روایت کی سند نہایت عمدہ اور کھری ہے۔

عبدالرحمن بن غنم اشعری فرماتے ہیں کہ فاروق اعظم اور نصاریٰ شام کے مابین جو شرائط امن
طے پائے وہ تحریر میں نے لکھی (جس میں علاوہ شرائط مذکورہ کے یہ شرائط بھی تھے)

ان[19] لا نحدث فى مدينتنا ولا فى
ما حولها ديرا ولا كنيسة ولا صومعة
راهب ولا[20] نجدد ما خرب منها
ولا[21] نحيي ما كان خططا للمسلمين

(۱۹) اور ہم اپنی آبادی میں کوئی نیا گرجا نہیں
بنائیں گے (۲۰) اور جو گرجا خراب ہو جائے گا اسکی
تجدید نہیں کریں گے (۲۱) اور جو خطہ زمین مسلمانوں
کے لئے ہوگا ہم اس کو آباد نہیں کریں گے (۲۲) اور

وانّا لا نمنع كنائسنا ان ينزلها احد من المسلمين فى ليل او نهار وان[23] نوسع ابوابها للمارة وابن السبيل وان[24] ننزل من رأينا من المسلمين ثلاثة ايام نطعمهم ولا[25] نووى فى كنائسنا ولا منازلنا جاسوسا ولا نكتم[26] غشا للمسلمين ولا نعلم[27] اولادنا القرآن ولا نظهر[28] شركا ولا ندعوا[29] اليه احدا ولا[30] نمنع احدا من ذوى قرابتنا الدخول فى الاسلام ان ارادوا.

کسی مسلمان کو دن ہو یا رات کسی وقت بھی اپنے گرجا میں اترنے سے نہ روکیں گے (۲۳) اور اپنے گرجاؤں کے دروازے مسافروں اور گزرنے والوں کے لئے کشادہ رکھیں گے (۲۴) اور تین دن تک مسلمان مہمان کی مہمانی کریں گے (۲۵) اور اپنے کسی اور کسی مکان میں مسلمانوں کے جاسوس کو ٹھکانہ نہیں دیں گے (۲۶) اور مسلمانوں کے کسی غل وغش کو پوشیدہ نہ رکھیں گے (۲۷) اور اپنی اولاد کو قرآن کی تعلیم نہیں دیں گے (۲۸) اور کسی شرک کی رسم کو ظاہر اور علانیہ طور پر نہ کریں گے (۲۹) اور نہ کسی کو شرک دعوت دیں گے (۳۰) اور نہ اپنے کسی رشتہ دار کو اسلام میں داخل ہونے سے روکیں گے۔

عبدالرحمٰن بن غنم اشعری فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ شرائط نامہ لکھ کر فاروق اعظم کے ملاحظہ کیلئے لاکر سامنے رکھا تو فرمایا کہ اس تحریر میں اتنا اضافہ اور کر دو۔

ولا[31] نضرب احدا من المسلمين شرطنا لكم ذالك على انفسنا واهل ملتنا وقبلنا عليه الامان فان نحن خالفنا فى شيئ مما شرطناه لكم ووظفنا على انفسنا فلا ذمة لنا وقد حل لكم ما يحل من اهل المعاندة والشقاق تفسير ابن كثير ص ۳۴۲ ج ۲

(۳۱) اور ہم کسی مسلمان کو ماریں گے نہیں یعنی تکلیف نہیں پہنچائیں گے ہم نے انہی شرائط پر اپنے لئے اور اپنے اہل مذہب کے لئے امان حاصل کیا ہے پس اگر ہم نے شرائط مذکورہ بالا میں سے کسی شرط کی خلاف ورزی کی تو ہمارا عہد اور امان ختم ہو جائے گا۔ اور جو معاملہ اہل اسلام کے دشمنوں اور مخالفوں کے ساتھ ہے وہی ان کے لئے روا ہو جائے گا۔

ایک شبہہ اور اس کا جواب :

شبہہ یہ کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص سر سے پیر تک انگریزی یا ہندوانہ لباس میں غرق ہو جائے تو کیا اس کے اعتقاد توحید و رسالت میں کوئی فرق آجائے گا یا اس لباس سے وہ کافر ہو جائے گا۔

جواب :

اگر آپ تھوڑی دیر کے لئے اپنا مردانہ لباس تو اتار دیں اور دولت خانہ میں جاکر بیگم صاحبہ کا کمخواب کا پاجامہ اور سُرخ ریشمین اور زرین کرتا اور بنارسی دوپٹہ اور ہاتھوں میں چوڑیاں پاؤں میں پازیب اور گلے میں ہار ڈال کر۔ باہر تشریف لاکر دفتر میں کرسی پر اجلاس فرمائیں تو کیا آپ بیگم صاحبہ بن جائیں گے اور کیا آپ کی باطنی رجولیت میں کوئی فرق یا خلل آجائے گا اور دفتر میں کرسی پر اجلاس فرمانا کیا گوارا کریں گے، امید ہے کہ آپ کو اپنے اصول و قاعدہ کی بنا پر اس کو گوارا کرنا چاہیئے کیونکہ آپ کے نزدیک ظاہری مشابہت میں کوئی حرج نہیں محض لباس میں کیا رکھا ہے اور جب انگریزی لباس سے مسلمان کافر نہیں بن جاتا تو کیا ایک مرد، بیگم صاحبہ کا لباس پہن لینے سے عورت یا بیگم صاحبہ بن جائے گا، محض زنانہ لباس سے اس کی رجولیت اور مردانگی میں کیا فرق آجائے گا۔

اور علیٰ ہذا اگر کوئی شخص کسی مخنث (ہیجڑے) کا لباس پہن لے تو کیا حقیقۃً وہ مخنث ہو جائیگا بے شک زنانہ لباس سے فی الحال تو مرد عورت نہیں بن جائے گا لیکن اگر خدانخواستہ چند روز اسی زنانہ اور مخنثانہ لباس میں گزر گئے تو آپ دیکھ لیں گے کہ چند روز کے بعد آپ کے اخلاق و اعمال زنانہ اور مخنثانہ ہو جائیں گے اور آپ کا لب و لہجہ اور طرز کلام اور نشست و برخاست زنانہ اور مخنثانہ ہو جائیگی کیونکہ ظاہر کا اثر باطن پر پڑتا ہے، تمام عقلاء کا اتفاق ہے کہ جس طرح باطن کا اثر ظاہر پر پڑتا ہے اسی طرح ظاہر کا اثر باطن پر پڑتا ہے۔ اچھے اعمال سے قلب منور ہوتا ہے اور بُرے اعمال سے قلب تاریک ہوتا ہے۔

پس اسی طرح سمجھیے کہ انگریزی یا ہندوانہ لباس سے فی الحال اگرچہ اسلامی عقائد میں خلل نہیں آیا لیکن یہ کیسے معلوم ہوا کہ آئندہ چل کر بھی اس کے باطنی اعتقاد میں خلل نہ آئے گا۔ خوب یاد رکھو کہ جب تک تمھارا اسلامی عقیدہ اندر سے محفوظ ہے اس وقت تک تو تم انگریزی اور ہندوانہ لباس کے استعمال سے عیسائیوں اور مشرکوں کے فقط مشابہ ہو اور حسب ارشاد نبوی من تشبہ بقوم فہو منہم۔ جرم تشبہ کے مجرم ہو۔ اور خدانخواستہ اور خدانخواستہ اور خدانخواستہ جس دن تمھارے ظاہر کا اثر تمھارے باطن میں پہنچ جائے اور اسلامی عقائد میں بھی خلل آجائے تو سمجھ لینا کہ تم اس وقت مشرکین اور نصاریٰ کے مشابہ نہیں رہے بلکہ خود نصرانی اور مشرک ہو گئے جو حکم اُن کا ہے وہی اِن کا ہے۔ اگرچہ زبان سے اسلام کا دعویٰ کریں۔ ایسا اسلام قومی اسلام کہلائے گا شرعی اسلام نہ کہلائے گا شرعی اسلام وہ ہے کہ جو قواعد شرعیہ کے مطابق ہو۔

قانوناً پاکستانی وہ ہے کہ جو پاکستان حکومت کے قوانین کو مانتا ہو۔ اور دشمنان حکومت کی وردی کے استعمال سے اپنے کو محفوظ رکھتا ہو اور جو شخص پاکستان کے قوانین اور احکام پر نکتہ چینی کرتا ہو اور بھارت کی وردی پہن کر بازاروں میں پھرتا ہو اگرچہ ایسا شخص قومی حیثیت سے پاکستانی ہو مگر حکومت کے قانون اور ضابطہ سے وہ دشمنان حکومت میں سے ہے۔

ہمارے اس بیان سے ایک اور شبہہ کا بھی جواب نکل آیا وہ یہ کہ کوئی یہ کہے کہ زنانہ لباس پہننے میں قباحت یہ ہے کہ عورت دوسری جنس ہے اور مرد دوسری جنس ہے۔ جواب یہ ہوا کہ شریعت کی نظر میں مؤمن اور کافر دو الگ الگ جنسیں ہیں ایک جنس کو دوسری جنس کی مشابہت کی اجازت نہیں جیسے حکومت کی نظر میں وفادار اور باغی دو الگ الگ قسمیں ہیں اور دونوں کے احکام الگ الگ ہیں اگرچہ وہ دونوں ایک ہی باپ کی اولاد ایک خاندان کے دو فرد ہوں، اسی طرح اسلام کی نظر میں مؤمن اور کافر دو الگ الگ قسمیں ہیں اور ہر ایک کے احکام الگ الگ ہیں ھو الذی خلقکم فمنکم کافر ومنکم مؤمن اور جس طرح تمام متمدن حکومتوں میں یہ قانون ہے کہ حکومت کے دشمن اور باغی کو صدارت اور وزارت کا منصب نہیں دیا جاسکتا اسی طرح اسلام کہتا ہے کہ دشمن اسلام (کافر) کو اسلامی حکومت

کا امیر اور وزیر نہیں بنایا جا سکتا۔

اللہ کے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

اسلامی لباس کی تعریف

قال اللہ تعالیٰ - ولباس التقوىٰ ذٰلك خير ذٰلك من ايات اللّٰه لعلهم يذكرون

کسی فعل اور عمل کو اسلامی کہنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کام کو کیا ہو اور دوسری صورت یہ ہے کہ آپ نے اس کی اجازت دی ہو اور اس سے منع نہ فرمایا۔ پس جس امر سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہو وہ امر غیر اسلامی ہوگا اور جس کو خود کیا ہو یا اس کی اجازت دی ہو وہ امر اسلامی کہلائے گا، مثلاً جو کی روٹی کھانا آپ کی سنت فعلی ہے اور اس پر عمل کرنا اعلیٰ اور افضل ہے اور خمیری روٹی اور بریانی اور مرغ مسمّن کا استعمال جائز ہے کیونکہ ان لذائذ اور طیبات کی شریعت سے اجازت ثابت ہے اور کتے اور خنزیر اور شراب کا استعمال غیر اسلامی ہوگا کیونکہ شریعت میں ان چیزوں کی ممانعت آئی ہے، اسی طرح لباس کو سمجھو کہ جو لباس آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود استعمال کیا مثلاً کرتا اور لنگی اور چادر اور جبّہ اور عمامہ وہ لباس اسلامی ہے ہی۔ اور جو لباس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود استعمال نہیں کیا مثلاً پاجامہ اور سلیم شاہی جوتہ اور اچکن اور صدری لیکن آپ کی شریعت سے ان کی اجازت ثابت ہے ممانعت نہیں فرمائی جیسے ریشمین کپڑوں اور زعفرانی رنگ اور ٹخنوں سے نیچے لنگی اور پاجامہ پہننے کی ممانعت فرمائی تو یہ ریشمی اور زعفرانی لباس غیر اسلامی لباس کہلائے گا۔

اسی طرح قرآن وحدیث سے اعداء اللہ۔ دشمنان خدا یعنی کافروں کے تشبہ سے ممانعت ثابت ہے اس لئے کافروں جیسا لباس پہننا جس سے دیکھنے والوں کو یہ معلوم ہو کر یہ شخص یہودی ہے یا نصرانی ہے یا مجوسی ہے یا ہندو ہے بلاشبہ ایسا لباس غیر اسلامی ہوگا، گاندھی کی دھوتی اور انگریزی ٹوپ اور پتلون اور کرزن فیشن سب کا ایک ہی حکم ہے، یہاں سے اہل فیشن کے اس شبہ کا بھی حل ہو گیا

کہ جو علماء پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر کوٹ وپتلون غیر اسلامی لباس ہے تو علماء کے لمبے لمبے کرتے اور اچکنیں اور سلیم شاہی جوتے بھی غیر اسلامی لباس ہوں گے کیونکہ حضور پرنور اور آپ کے صحابۂ کرام سے اس قسم کا لباس اور اس قسم کا معاشرہ تاریخ اور سیرت سے کہیں ثابت نہیں۔

جواب:

یہ ہے کہ جس چیز کی حضور پرنور نے قولاً یا فعلاً اجازت دی ہو وہ سب شرعی اور اسلامی کہلائے گی اور جس چیز کی ممانعت فرمائی ہو وہ سب غیر اسلامی اور غیر شرعی کہلائے گی۔ حضور پرنور نے اس قسم کے کرتے اور اچکنیں اور جوتے اگرچہ نہیں پہنے اور اس قسم کے کھانے پلاؤ اور زردے اور کوفتے اور شامی کباب نوش نہیں فرمائے لیکن اس قسم کے توسعات اور تنعمات حاصل کرنے کی آں حضرت نے اجازت دی ہے بشرطیکہ وہ حدود شرعیہ میں داخل ہیں اور اس قسم کے توسعات اور تنعمات اور عیش وعشرت کے سامان خلافت راشدہ کے زمانے میں ظاہر ہوئے اور جو اسباب راحت۔ حدود شرعیہ میں تھے ان پر صحابۂ کرام نے انکار نہیں فرمایا۔ الّا یہ کہ جن خاص حضرات پر زہد کا خاص رنگ تھا تو وہ باریک کپڑے پہننے اور درہم ودینار کے جمع کرنے سے بھی منع فرماتے تھے۔

موسیا آداب دانا دیگرند
سوختہ جانان روانان دیگرند

خلاصۂ کلام

یہ کہ جو لباس اور جو کھانا اور پینا اور جو وضع وقطع اور جو معاشرہ حدود شرعیہ کے اندر رہے گا وہ اسلامی کہلائے گا اور جو لباس اور جو کھانا اور جو وضع وقطع حدود شرعیہ سے خارج ہوگی وہ غیر اسلامی کہلائے گی۔ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ۔

زاھد اتسبیح میں زنار کا ڈورا نہ ڈال
یا برہمن کی طرف ہو یا مسلمان کی طرف

اب یہ حقیر وفقیر سراپا تقصیر سیرۃ المصطفیٰ کے حصہ سوم کو اسی دعا پر ختم کرتا ہے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ

—— ختم شد ——

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

دلائلِ نبوّت وبراھینِ رسالت

یعنے

معجزاتِ نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم

حق جل شانہٗ نے بندوں کی ہدایت کے لئے انسانوں اور آدمیوں میں سے نبی اور رسُول بھیجے تاکہ ان برگزیدہ ہستیوں کے واسطہ سے بندوں تک اپنے احکام پہونچائے اور اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کا بھولا ہوا وعدہ ان کو یاد دلائے اور اپنی حجت ان پر تمام کرے لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل اور حضرات انبیاء کرام کی تبلیغ کے بعد مخلوق کو اطاعتِ خداوندی میں کوئی عذر باقی نہ رہے۔

رسُول اور نبی چونکہ انسان ہی ہوتے تھے اور اُن کی ظاہری صورت اور دوسرے انسان کی صورت میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا، اس لئے حق تعالےٰ نے اُن کو معجزات عطا فرمائے جو اُن کی صداقت کی دلیل اور برہان ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السّلام کے قصّہ میں بیان فرماتا ہے۔

فذانك برھانان من ربك [۱] — یہ عصا اور ید بیضا کا معجزہ تیرے پروردگار کی طرف سے تیری رسالت کی دو روشن دلیلیں ہیں۔

---

[۱] القصص، آیۃ ۔ ۳۲

ہر دعوے کے لئے دلیل ضروری ہے اور جیسا دعوئے اسی کے مناسب دلیل چاہیئے
پس جو نبوّت کا دعوئے کرتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ میں فرستادۂ خداوندذوالجلال ہوں اور
اس کا سفیر ہوں اور اس کے احکام اور ہدایات لے کر آیا ہوں لہٰذا اس کی صداقت ثابت
کرنے کے لئے غیبی طور پر ایسے اُمور کا ظہور ضروری ہے کہ جس کے مثل لانے سے مخلوق بالکل
مجبور اور معذور ہو تا کہ مخلوق ان خارق عادت امور کو مدّعی نبوّت کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہوا
دیکھ کر یہ یقین کرلے کہ یہ تائید ربانی اور کرشمۂ یزدانی ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے بلا کسی سبب
ظاہری کے اس مدّعی نبوّت کے ہاتھ پر ظاہر ہو رہا ہے اور دیکھنے والا یہ سمجھ لے کہ یہ معجزہ جو ظاہر
ہو رہا ہے محض اللہ کا فعل ہے۔ معاذ اللہ۔ رسول کا فعل نہیں اور نہ رسول کے ارادہ اور
اختیار کو اس میں کوئی دخل ہے اور نہ کسی صناعی اور حیلی تدبیر سے وقوع میں آیا ہے بلکہ محض قدرت
خداوندی سے ظاہر ہوا ہے کیونکہ ایسا کرشمہ دکھلانا انسان کی قدرت اور صنعت اور تدبیر سے باہر
ہے معلوم ہوا کہ یہ شخص مؤید من اللہ ہے اور اسی کے اتباع سے بندہ خدا تک پہنچ سکتا ہے اور
دنیا اور آخرت کی کامیابی اسی کے دامن پکڑنے میں ہے معجزہ کو دیکھتے ہی (بشرطیکہ دل عناد اور حسد اور
کجی سے پاک ہو) نبی کے سچے ہونے کا بے اختیار دل کو یقین آجاتا ہے اور نفس اس کی تصدیق پر
مجبور ہو جاتا ہے اندرونی طور پر نفس میں انکار اور تکذیب کی مجال نہیں رہتی نبوّت و رسالت کا دعویٰ
ایک امر عظیم ہے، اس لئے اس کے اثبات کے لئے برہان بھی عظیم چاہیئے پس معجزہ جو اللہ تعالےٰ کی
قدرت اور قہر کا نمونہ ہوتا ہے، جب نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے تو اس کے غلبے اور رعب کے سامنے
کسی کا پاؤں نہیں جمتا اور اختیار کی باگ ہاتھ سے چھوٹ جاتی ہے، دلائل عقلیہ میں دشمن کے نزاع
اور جدال کا راستہ بالکلیہ بند نہیں ہوتا مگر معجزات اور آیات بیّنات کے مشاہدہ کے بعد سوائے
عناد اور ازلی بدنصیبی کے کفر اور انکار کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ معجزہ ظاہر و باطن کو عاجز کر کے
چھوڑتا ہے۔

سب سے پہلے پیغمبر حضرت آدم علیہ السّلام ہیں اور سب کے آخر میں یعنی آخری نبی خاتم النبیین

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن پر نبوت اور پیغمبری ختم ہوئی، جن کی پیغمبری سے دین کامل ہوگیا اور مکارم اخلاق پورے ہوگئے، جب یہ مقصود حاصل ہوگیا اور دین اور اخلاق دونوں پورے اور کامل ہوچکے تو حضور پُر نور کے بعد کسی پیغمبر کی ضرورت نہ رہی، حضور کے خلفاء اور دین کے علماء جو اسلام کے مددگار اور محافظ ہیں قیامت تک اسلام کی نگہبانی اور اس کی اشاعت کے واسطے کافی ہوتے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ الیوم اکملت لکم دینکم۔ دین تو کامل ہوگیا۔

پس خاتم الانبیاء کے بعد جو نبوت کا دعویٰ کرے اس کا وجود نالستو اور بے کار ہے حق تو یہ ہے کہ نبی امی۔ فداہ نفسی وابی وامی صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے کسی معجزہ اور نشان کی ضرورت نہیں، آپ کی صورت اور آپ کی سیرت آپ کی رفتار، آپ کی گفتار، آپ کی کردار، ہر چیز آپ کی معجزہ اور آپ کی صداقت کا نشان تھی لوگ صورت دیکھتے ہی کہہ دیتے تھے کہ یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں۔

در دل ہر امتی کز حق مزہ است — روے و آواز پیمبر معجزہ است

مرد حقانی کی پیشانی کا نور — کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

امام غزالی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حمیدہ اور افعال پسندیدہ اور احوال واعمال اور عادات وخصال اور آپ کے انتظام اور تدبیر خلائق اور سیاست ملکیہ پر نظر کی جائے کہ آپ نے کس طرح مختلف طبیعتوں اور متضاد مزاجوں کو ایک قانون الٰہی کا شیدائی اور فدائی بنا دیا۔

نیز حضور پُر نور نے مخلوق خدا کو جو قوانین شریعت عطا کئے اُن کے حقائق اور دقائق اور نکات اور اشارات اور باریکیوں اور گہرائیوں کی تحقیق اور تدقیق میں اُمت کے علماء محققین اور فقہاء مجتہدین عمر بھر حیران اور عاجز رہے، ان امور میں اگر غور وفکر کیا جائے تو عقل سلیم کو ذرہ برابر شک اور شبہ نہیں رہتا کہ ان تمام امور کی سرانجام دہی بلا تائید غیبی محض طاقت بشری اور کسی تدبیر اور حیلہ سے ناممکن اور محال ہے۔ ایسے اخلاق فاضلہ اور ایسی شریعت کاملہ کا ظہور کسی جھوٹے اور فریبی

شخص سے تصور میں نہیں آسکتا۔ سب کو معلوم ہے کہ حضور پر نور محض اُمّی (اَن پڑھ) تھے۔ نہ آپ نے کسی سے علم پڑھا اور نہ کسی کتاب کا مطالعہ کیا اور نہ ہی طلب علم کے لئے کوئی سفر کیا، ہمیشہ جاہل عربوں میں رہے، یتیم اور بیکس تھے۔ ان حالات میں بغیر سیکھے اور پڑھے علم و حکمت کا چشمہ آپ کی زبانِ مبارک سے جاری ہو جانا اور ایسے علوم و معارف کا آپ کی زبان فیض ترجمان سے ظاہر ہونا کہ اوّلین اور آخرین میں اس کی کہیں نظیر نہ ہو، بغیر وحی الٰہی کے اس چیز کا حاصل ہونا ناممکن ہے، محض انسانی طاقت اور فراست ان اُمور کے ادراک سے عاجز اور قاصر ہے۔

اور علیٰ ہذا آپ کے بے مثال اخلاق و عادات اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ یہ ذات والا صفات خداوند ذوالجلال کی برگزیدہ اور پسندیدہ ہستی ہے جس پر خدا کا غضب ہوتا ہے اُسے بداخلاق اور بداعمال بنا دیتا ہے نیز باوجود بے سروسامانی کے عرب و عجم پر آپ کے خادموں کی فتحیابی اور کامرانی یہ بھی اس امر کی صریح دلیل ہے کہ تائید ربّانی اور فضل یزدانی آپ کی ساتھ ہے۔

امام غزالی فرماتے ہیں کہ یہ ظاہری امور آپ کی صداقت کے اثبات کے لئے کافی اور وافی تھے لیکن ہم ان ظاہری امور کے علاوہ آپ کی صداقت کے کچھ باطنی نشانات یعنی کچھ معجزات بھی ذکر کرتے ہیں تاکہ کسی ادنیٰ عقل والے کو بھی آپ کی صداقت میں ذرہ برابر شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے۔ اس کے بعد امام غزالی نے مختصر طور پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چند معجزات کو بلا تفصیل کے ذکر فرمایا [۱]

تعداد معجزات:

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ایک ہزار تک پہنچے

---

[۱] احیاء علوم الدین۔ للغزالی۔ ج: ۲، ص: ۳۴۲ و اتحاف شرح احیاء العلوم۔ للعلامۃ الزبیدیؒ ج: ۷، ص: ۱۶۴ ۔ ۱۹۸ ۔

ہیں۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ ایک ہزار دو سو تک پہنچے ہیں اور بعض علماء نے آپ کے معجزات کی تین ہزار ذکر فرمائی ہے اور ائمہ حدیث نے معجزات نبوی پر مستقل کتابیں لکھی ہیں جیسے دلائل النبوۃ امام بیہقی اور امام ابونعیم کی۔ [1]

اور شیخ جلال الدین سیوطی نے خصائص کبریٰ کے نام سے ایک مستقل کتاب آپ کے معجزات میں لکھی ہے جس میں ایک ہزار معجزات ہیں۔

اور حق یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات شمار سے متجاوز ہیں اس لئے کہ آپ کا ہر قول اور ہر فعل اور ہر حال عجیب و غریب مصالح اور اسرار و حکم پر مشتمل ہونے کی وجہ سے خارق للعادت ہے اور معجزہ ہے، علماء نصاریٰ نے عہد قدیم کی معجزات کی تعداد ۶۰ لکھی ہے۔ اور حضرت مسیح کے معجزات حمل کے وقت سے لے کر آسمان پر جانے تک ۲۷ گنائے ہیں اور پھر آپ کے حواریین کے بیس معجزات شمار کئے ہیں لیکن ان واقعات کے لکھنے والوں کے پاس ان معجزات کی نہ کوئی سلسلہ سند موجود ہے اور نہ ان کے راویوں کے اور نہ ناقلوں کی عدالت اور ثقاہت کی کوئی دلیل موجود ہے، بخلاف معجزات محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلاۃ والف الف تحیہ کے وہ ہزاروں کی تعداد میں ہیں اور متصل اسانید کے ساتھ مروی ہیں اور صدہا ان میں سے متواتر اور مشہور ہیں اور جلالت شان اور غرابت اور ندرت میں تمام انبیاء کرام کے معجزات سے بڑھ کر ہیں۔

اقسام معجزات :

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت چونکہ تمام عالم کے لئے ہے اور

---

[1] قال الحافظ العسقلانی ذکر النووی فی مقدمۃ شرح مسلم ان معجزات النبی صلی اللہ علیہ وسلم تزید علی الف ومائتین وقال البیہقی فی المدخل بلغت الفا وقال الزاہدی من الحنفیۃ ظہر علی یدیہ الف معجزۃ وقیل ثلاثۃ آلاف تعنی بجمعہا جماعۃ من الائمۃ کابی نعیم والبیہقی وغیرہما فتح الباری ص ۴۲۵ ج ۶ باب علامات النبوۃ فی الاسلام۔

قیامت تک کے لئے ہے، اس لئے حق جل شانہٗ نے آپ کو جملہ اقسام عالم سے معجزات اور نشانات عطا فرمائے تاکہ عالم کی ہر چیز آپ کی نبوت کی دلیل اور برہان ہو اور عالم کی کوئی نوع ایسی باقی نہ رہے کہ جو آپ کی نبوت کی شہادت نہ دے اس لئے کہ معجزہ۔ نبوت کی دلیل اور برہان ہوتا ہے، پس جبکہ عالم کی تمام انواع و اقسام میں سے آپ کے معجزات ہوں گے تو عالم کی تمام انواع و اقسام آپ کی نبوت و رسالت کی شاہد اور گواہ ہوں گی۔

اور تاکہ تمام انبیاء و مرسلین پر آپ کی برتری روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے کہ آپ کے تنہا معجزات تمام انبیاء کے کل معجزات سے زیادہ ہیں اور کسی کو آپ کی نبوت میں شک اور شبہ کی گنجائش باقی نہ رہے حق جل شانہٗ نے آپ کو جو معجزات اور نشانات عطا فرمائے وہ دو قسم کے ہیں ایک عقلی اور ایک حسی۔ عقلی وہ ہیں جن کے سمجھنے میں عقل درکار ہوتی ہے اور اس قسم کے معجزات کو وہی لوگ سمجھتے ہیں کہ جو دانشمند اور فہیم ہوتے ہیں اور معجزات حسیہ وہ خارقِ عادت امور ہیں کہ جن کا ادراک حواس سے ہوتا ہے ایسے معجزات کے طلب گار اکثر وہی لوگ ہوتے ہیں کہ جن کو عقلی اصول سمجھنے کا سلیقہ نہیں ہوتا یا ضدی اور عنادی ہوتے ہیں۔

معجزاتِ عقلیہ

پہلا عقلی معجزہ:

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت اور سیرت اور شمائل اخلاقِ فاضلہ اور اعمال حسنہ و جمیلہ اور آپ کے کمالاتِ علمیہ و عملیہ ہیں۔ اہلِ عقل کے لئے یہ آپ کی نبوت و رسالت کی دلیل عقلی تھی جو شخص آپ کی صورت اور آپ کی سیرت کا مشاہدہ کرتا وہ بالبداہت اس بات کا یقین کر لیتا کہ جس ذات بابرکات میں ایسے اخلاق اور اعمال اور ایسے کمالاتِ علمیہ و عملیہ جمع ہوں جو نہ کسی نے دیکھے ہوں اور نہ سنے ہوں وہ ذات بلاشبہ برگزیدۂ خداوندی ہے جس کو حق تعالیٰ

نے تمام عالم سے ایک ممتاز اور جدا صورت اور سیرت پر پیدا کیا ہے ایسے کمالات کا کسب و اکتساب اور مجاہدہ اور ریاضت سے حاصل کرنا ناممکن ہے۔

انتخاب دفتر تکوین عالم ذات او — برتر از آیات جملہ انبیاء آیات او

مشرق صبح وجود ماسوا مشکوٰۃ او — مستنیر از طلعت او ہر قریب و ہر بعید

از حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری قدس سرہ

دوسرا عقلی معجزہ:

حق جل شانہٗ نے آپ کو ایک کامل اور معجز کتاب یعنی قرآن کریم عطا فرمائی جو آپ کی نبوت کا معجزۂ دائمہ ہے جو حکمت علمیہ اور حکمت عملیہ اور حکمت اخلاق اور تدبیر منزلی اور سیاست ملکیہ اور طہارت ظاہری اور طہارت باطنی کے علوم و معارف کا ایک بے مثال خزینہ اور گنجینہ ہے اور ظاہر ہے کہ ایسی معجز اور لاجواب کتاب کا ایک اُمّی شخص کی زبان سے ظاہر ہونا کہ جس نے نہ کسی استاد سے تعلیم پائی ہو اور نہ کسی مکتب کا دروازہ جھانکا ہو اور نہ کسی عالم اور حکیم کی صحبت اٹھائی ہو سوائے وحی ربانی اور تعلیم یزدانی اور الہام رحمانی اور القاء غیبی و آسمانی اور کیا ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم حضور پرنور کا سب سے بڑا معجزہ ہے جس کی جانب زوال اور انقطاع کو راہ نہیں اور ایسے تواتر سے منقول ہے کہ ایسا تواتر دنیا کی کسی کتاب کو حاصل نہیں اور ایسے لاجواب علوم و معارف کا خزینہ ہے کہ بڑے سے بڑے حکماء اور مدعیان عقل اس کا جواب نہیں لا سکے کیا باعتبار فصاحت و بلاغت کے اور کیا باعتبار علوم و معارف کے اور کیا باعتبار تحریف و تبدیل سے محفوظ رہنے کے کسی چیز میں بھی دنیا کی کوئی کتاب قرآن کریم کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور نہ انشاء اللہ کر سکے گی۔ اب ہم اس سے زیادہ کیا کہیں کہ جو خود قرآن تیرہ سو برس سے پکار پکار کہہ رہا ہے کہ جس میں ہمت ہو وہ میرا جواب لکھ دے مگر آج تک کسی کا حوصلہ نہیں ہوا کہ اس کی ایک چھوٹی سی سورت کا مثل پیش کرے آپ کے عہد نبوت سے لے کر اب تک ہر قرن میں عربی

زبان کے بڑے بڑے فصحاء و بلغاء جو دین اسلام کے مخالف تھے اور ہیں کسی سے اس کا جواب نہ ہوسکا۔

حضرت الاستاذ مولانا سید انور شاہ کشمیری قدس اللہ سرہٗ اپنے ایک قصیدہ نعتیہ میں فرماتے ہیں۔

حجت و فرقان و معجز محکم و فصل خطاب ٭ خاص کردش حق با عجاز کتاب مستطاب

حرف حرف او شفا ہست و ہدی بہر رشید ٭ نجم نجمش در براعت ہست برتر ز آفتاب

قرآن کریم میں دعوت اور حجت دونوں موجود ہیں

حافظ فضل اللہ تورپشتیؒ اپنے رسالۂ عقائد۔ المعتمد فی المعتقد میں فرماتے ہیں حضرات انبیاءؑ جب من جانب اللہ دعوتِ حق پر مامور ہوتے ہیں تو ان کو اثبات دعویٰ کے لئے بطور حجت معجزہ عطا ہوتا ہے گویا کہ دعوت اور حجت دو علیحدہ علیحدہ اور جدا جدا چیزیں ہیں مگر ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف قرآن مجید کا ایسا معجزہ عطا کیا گیا جس میں دعوت اور حجت دونوں چیزیں جمع کردی گئیں۔ قرآن کریم معنی کے لحاظ سے دعوت اور وجوہ بلاغت اور وجوہ اعجاز کے لحاظ سے حجت دعوت ہے پس قرآن کی حجت خود اس کی نفس ذات میں ہے اور اسی میں اس کی دعوت بھی مضمر ہے پس کیا قرآن کریم کے شرف اور فضل کے لئے یہ کافی نہیں کہ ایک ہی چیز میں دعوت اور حجت دونوں جمع ہیں اور دونوں قیامت تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ انتہی کلامہ ملخصاً۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب ٭ گر دلیلے بایدا زوے رو متاب

٭

لہ یہ رسالہ فارسی زبان میں ہے۔ اس جگہ ہم نے بطور حاصل اور خلاصہ لکھ دیا ہے۔ ۱۲

تیسرا عقلی معجزہ:

بعد ازاں حافظ تورپشتی رحمہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ آپ کے حالاتِ زندگی بھی آپ کی نبوت کی دلیل ہیں جن میں غور کرنے سے فوراً آپ کی نبوت کی صداقت کا یقین حاصل ہو جاتا ہے، ظاہر ہے کہ آپ ابتداء حال میں ایک یتیم تھے نہ آپ کے پاس کوئی قوت تھی جس کے ذریعے لوگوں کو اپنی بات منواتے، نہ صاحبِ مال وجاہ تھے کہ اس کی لالچ اور طمع دے کر قریش کو فریفتہ کرتے اور نہ آپ کسی سلطنت اور ریاست کے مالک اور وارث تھے کہ لوگ بطمع روزی وحصولِ جاہ آپ کی پیروی کرتے بلکہ آپ تنِ تنہا اور بے یار ومددگار تھے، کسی شخص کو آپ کی دعوت سے اتفاق نہ تھا، حتیٰ کہ اس معاملہ میں آپ کے قریبی رشتہ دار بھی آپ کے مخالف اور دشمنِ جان تھے۔ آپ توحید کی منادی بن کر آئے اور تمام جزیرۃ العرب شرک اور بت پرستی میں مبتلا تھا اور غارت گری، اور زناکاری اور مردار خوری وغیرہ اس قوم کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ جب آنحضرت کی دعوت ظاہر ہوئی تو یکبارگی اُن کا حال بدل گیا اور سب یک دل اور یک زبان اور یک جان ہو کر دینِ حق پر متفق ہو گئے اور اُن کی حرص اور طمع اور شہوت رانی اور تمام برائیاں یکلخت مبدل بمکارمِ اخلاق اور محاسنِ اعمال ہو گئیں اور دینِ حق کے اتباع میں ایسے سرشار ہوئے کہ اس کے لئے مشقت اور درویشی اور اہل وعیال کی مفارقت کو اختیار کیا اور اپنی جانوں اور مالوں کو خدا کی راہ میں پانی کی طرح بہا دیا جس میں کسی دنیاوی غرض کے شائبہ کا بھی احتمال نہیں اور اس ناہنجار قوم کو اس قابل بنا دیا کہ دنیا کی سب سے بڑی دو سلطنتوں کو بیک وقت زیر و زبر کر دیا اور قیصر و کسریٰ کے خزانوں کو مسجد نبوی کے صحن میں ڈال دیا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

درفشانی نے تیری قطروں کو دریا کر دیا	دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی ہو گئے	کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

انسان جب ان حالات اور انقلابات میں غور و تامل کرے تو وہ بہ یقین جان لے کہ ایسے کارہائے نمایاں کسی عقلی اور فکری تدبیر سے حاصل نہیں ہو سکتے آدمی کی قوت اور سعی اس مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتی، یہ کرشمہ یزدانی اور تائید آسمانی ہے کہ خداوند علیم و قدیر کے حکم و تقدیر کے سوا ممکن نہیں اور بندہ کے کسب اور اختیار کو اس میں کوئی دخل نہیں قرآن کریم میں بھی اسی جانب اشارہ ہے۔ لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبھم ولکن اللہ الف بینھم[۵]۔ اے نبی کریم اگر آپ اس ناہنجار قوم میں موانست اور موافقت پیدا کرنے کے لئے روئے زمین کے خزانے بھی خرچ کر ڈالتے تو اب ان میں اُلفت نہیں پیدا کر سکتے تھے لیکن اللہ تعالےٰ نے ان کے درمیان میں محبت اور اُلفت پیدا کر دی۔

چوتھا عقلی معجزہ:

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علمار توریت اور انجیل کے سامنے علی الاعلان یہ بیان فرمانا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ظہور اور بعثت کی خبر توریت اور انجیل میں دی ہے اور انبیاء سابقین نے یہ اطلاع دی ہے کہ اخیر زمانہ میں ایک پیغمبر آخر الزماں مبعوث ہوگا جس کی نبوت تمام انس و جن کے لئے یکساں ہوگی اور اہلِ کتاب تم کو اس کا علم ہے لہٰذا تم مجھ پر ایمان لاؤ۔ آپ کے اس دعوے اور اس حجت کے بعد بہت سے اہلِ کتاب ایمان لائے اور اس بات کی شہادت دی کہ آپ بے شک وہی نبی برحق ہیں جن کی توریت اور انجیل میں پہلے خبر دی گئی ہے۔

اور بہت سے اہلِ کتاب باوجود اس علم کے حسد کی بناء پر ایمان نہیں لائے حالانکہ آپ کے ظہور سے پہلے علماء اہلِ کتاب ان بشارات کو نقل کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اہلِ مکہ نبی آخر الزماں کا ظہور کا زمانہ قریب آن پہنچا ہے، ان کو یہ خوف ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے بعد ہماری

---

[۵] الانفال، آیۃ ۱۳

سرداری ختم ہو جائے گی اس لئے ایمان نہیں لائے، مگر یہ کسی کی مجال نہ ہوئی کہ قرآن کریم کی اُن آیات کی تکذیب کر سکے جن میں حضور پُر نور کے متعلق یہ مذکور ہے کہ آپ کا ذکر توریت اور انجیل میں ہے بلکہ قرآن کریم نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ آپ کے صحابہ کا تذکرہ بھی توریت اور انجیل میں ہے۔ کما قال تعالیٰ ذٰلکَ مثلھم فی التوراۃ ومثلھم فی الانجیل اور علماء اہل کتاب یہ نہیں کہہ سکے کہ معاذ اللہ۔ قرآن کریم کی یہ خبر غلط ہے اور توریت اور انجیل میں نہ حضور پُر نور کی کوئی بشارت مذکور ہے اور نہ آپ کے صحابہ کا ذکر ہے۔ جس وقت قرآن کریم کی یہ آیتیں نازل ہو رہی تھیں کہ اس نبی اُمّی کا ذکر توریت اور انجیل میں موجود ہے تو اس وقت ملک میں ہزارہا علماء یہود اور نصاریٰ موجود تھے۔ اگر قرآن کریم کا یہ دعویٰ غلط ہوتا تو علماء یہود و نصاریٰ اس غلطی کو فاش کرتے تاکہ جو یہود و نصاریٰ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں وہ اسلام سے برگشتہ ہو جائیں اور آئندہ کو کوئی یہودی اور عیسائی اپنا دین چھوڑ کر مسلمان نہ ہو جائے۔

پانچواں عقلی معجزہ:

جس وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں مبعوث ہوئے اس وقت تمام دنیا گمراہی میں ڈوبی ہوئی تھی اور قسم قسم کی گمراہیوں میں مبتلا تھی اس وقت زیادہ تر دنیا میں چھ مذہب رائج تھے۔

اوّل مذہب مجوس: جو ایران اور فارس سے لے کر خراساں اور ترکستان تک پھیلا ہوا تھا کسریٰ کی حکومت اس مذہب کی سرپرست تھی۔ مجوس دو خدا کے قائل تھے یزدان اور اہرمن اور آگ کی پرستش کرتے تھے اور مردار کھاتے تھے اور بیٹی اور بہن سے نکاح کرتے تھے اور پھوپی اور خالہ کا تو ذکر ہی کیا۔

دوم مذہب عیسوی:۔ یہ مذہب شام اور عراق وغیرہ میں پھیلا ہوا تھا۔ قیصر روم چونکہ مذہباً عیسائی تھا اس لئے یہ مذہب شاہان روم سرپرستی میں نشوونما پا رہا تھا۔

یہ لوگ تثلیث اور ابنیت اور الوہیت مسیح اور کفارہ کے قائل تھے۔

سوئم مذہب یہود :۔ جو توریت کو مانتے تھے مگر ضد اور تکبر کا یہ عالم تھا کہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام اور علماء کو نصیحتوں پر قتل کر ڈالنا ان کا دستور ہو گیا تھا کما قال تعالےٰ ویقتلون النبیین بغیر حق ویقتلون الذین یا مرون بالقسط[1]، یہود اکثر یمن میں اور خیبر اور مدینہ کے اطراف وجوانب میں رہتے تھے حب جاہ ومال اور دین فروشی اور مسائل پر رشوت ستانی اور صحف انبیاء میں تحریف ان کا خاص شعار تھا۔

چہارم مذہب مشرکین :۔ یعنی بت پرستوں کا مذہب جو بتوں کو پوجتے تھے، یہ مذہب جزیرۃ العرب اور ہندوستان میں شائع تھا۔

پنجم مذہب صابئین :۔ جو روحانیات کے قائل تھے اور کواکب اور نجوم کی پرستش کرتے تھے، یہ مذہب حران اور عراق میں زیادہ رائج تھا نمرود کے زمانہ میں لوگ زیادہ تر اسی مذہب کے تھے جن کی ہدایت کے لئے حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم حنیف علیہ الصلاۃ والتسلیم کو مبعوث فرمایا حق جل شانہٗ کے اس ارشاد ان الذین آمنوا والذین ھادوا والصابئین والنصارٰے والمجوس والذین اشرکوا ان اللہ یفصل بینھم یوم القیامۃ ان اللہ علی کل شئ شہید[2] ۔ اس آیت میں ان ہی پانچ مذاہب کا ذکر فرمایا ہے جو آپ کی بعثت کے وقت دنیا میں رائج تھے۔

ششم مذہب دھریہ :۔ گزشتہ آیت قرآنیہ میں جن پانچ مذاہب کا ذکر ہے، وہ تو مشہور تھے، ان کے علاوہ ایک فرقہ دہریہ تھا جس کا قول حق تعالیٰ نے یہ نقل فرمایا وقالوا ما ھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما یھلکنا الا الدھر وما لھم بذالک من علم ان ھم الا یظنون[3] ۔ اور جا بجا قرآن کریم میں فرقہ دھریہ کا رد مذکور ہے۔

---

[1] سورۃ آل عمران، آیۃ : ۲۱   [2] الحج : آیۃ ۱۷

[3] الجاثیہ، آیۃ : ۲۴

اس فرقہ کے رد میں اس ناچیز نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام اثبات صانع عالم وابطال دہریت ومادیت ہے طالبین حق اس کی مراجعت کریں

دنیا میں مذہب اسلام کی آمد

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دینِ حق لے کر دنیا میں تشریف لائے دنیا میں اس وقت یہ مختلف مذاہب موجود تھے اور سلاطین اور امرا اور والیان ریاست کی سرپرستی میں پرورش پارہے تھے اور دین اسلام ان سب ادیان اور مذاہب کے خلاف تھا اور جو اس مذہب اسلام کو لے کر آیا وہ ایک یتیم اور بے کس اور اُمّی تھا، اس نے مبعوث ہونے کے بعد دین اسلام کو دنیا کے سامنے پیش کیا اور ہر ملت اور ہر مذہب کا دلائل اور براہین سے ایسا رد کیا کہ دنیا حیران رہ گئی اور بڑے بڑے زیرک اور عقلاء اور فضلاء یہود و نصاریٰ سے آپ کے مناظرے ہوئے مگر تمام فضلاء مل کر بھی آپ کی کسی دلیل اور برہان پر نقض نہ وارد کر سکے حالانکہ آپ اُمّی تھے لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے، قرآن کریم اور حدیث نبوی مذاہب باطلہ کی تردید اور ابطال سے بھرا پڑا ہے یہ اس امر کی واضح اور روشن دلیل ہے کہ آپ بلاشبہ مُلْہَمْ من اللہ اور مؤیَّد من اللہ تھے اس لئے کہ باوجود اُمّی ہونے کے دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ سے حق کو ثابت کر دینا اور دنیا کے تمام مذاہب کو دلائل سے باطل کر دکھلانا بدون الہام ربانی اور تائید رحمانی ناممکن اور محال ہے، تیرہ سال کی مسلسل دعوت و تبلیغ کے بعد جب دنیا پر حق واضح ہو گیا اور کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ رہی تو آپ نے بحکم خداوندی مکہ مکرمہ سے ہجرت کی اور پھر ہجرت کے ایک سال بعد بحکم خداوندی معاندین حق سے جہاد و قتال کا آغاز فرمایا اور حسب وعدۂ خداوندی مظفر و منصور ہوئے اور ان غزوات و سرایا میں تائید غیبی کے وہ عجیب و غریب کرشمے ظاہر ہوئے کہ دشمنانِ حق ان کو دیکھ کر یہ سمجھ گئے کہ اس بے سرو سامانی میں یہ حیرت انگیز کامرانی اور ساز و سامان والوں کی ان فقیروں اور درویشوں کے مقابلہ میں ناکامی اور یہ ذلت و رسوائی بدون تائید آسمانی ناممکن اور محال

ہے، بالآخر جب مجبور ہو گئے تو حق کے سامنے گردن ڈال دی اور اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے لگے۔

چھٹا عقلی معجزہ :-

آپ کا غیب کی خبریں دینا اور پھر ذرّہ برابر اس کے خلاف نہ ہونا اور نہ ان کا غلط ہونا اور انبیائے سابقین اور امم سابقہ کے واقعات کو اس طرح بیان کرنا کہ گویا کہ آپ اس موقع پر موجود تھے اور آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور کانوں سے سن رہے تھے اور منافقین اور مخالفین اور دشمنوں کے دلی خطرات اور خیالات کو برملا بیان کرنا جن کا حال حدیث اور تفسیر کی کتابوں میں مشرح طور پر موجود ہے، یہ سب اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ یہ شخص صاحب وحی ہے اس لئے کہ اسی طرح کی پیشین گوئیاں محض عقل سے ناممکن اور محال ہیں ایسی خبروں کا علم کہ جو عقل اور وہم اور قرائن اور دلائل سے کہیں بالا اور برتر ہوں سوائے وحی ربانی اور القاء یزدانی کے نہیں ہو سکتا۔

ساتواں عقلی معجزہ :

آپ کا مستجاب الدعوات ہونا بھی آپ کے نبی برحق ہونے کی صریح دلیل ہے آپ نے جو دعا فرمائی وہ بارگاہ الٰہی میں قبول ہوئی۔

معجزاتِ حسیّہ

حق جل شانہ نے آپ کو ان عقلی اور باطنی نشانات کے علاوہ جن کو ہم بیان کر چکے ہیں بے شمار ظاہری اور حسی نشانات بھی عطا فرمائے جن کا ادراک حواس سے ہوتا ہے جیسے کفار مکہ کی درخواست پر آپ کی انگلی کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا اور آپ کی انگلیوں سے پانی کا پھوٹ پڑنا جس سے تقریباً ڈیڑھ ہزار اصحاب سیراب ہو گئے اور سب نے وضو کیا اور بہائم کو پانی پلایا۔

اور پھر بقدر حاجت برتنوں اور مشکیزوں میں بھر کر رکھ لیا۔ اور تھوڑے طعام کا ایک لشکر عظیم کی سیری کے لئے کافی ہو جانا اور آپ کے بلانے سے درختوں کا حاضر ہو جانا اور شجر اور حجر کا آپ کو سلام کرنا اور زہر آلود بھنی ہوئی بکری کے دست کا دستر خوان پر بولنا اور آپ سے یہ کہنا کہ مجھے تناول نہ فرمائیے دشمنوں نے مجھ میں زہر ملا دیا ہے۔ اور آپ کے ہاتھ میں سنگریزوں کا تسبیح پڑھنا وغیرہ وغیرہ تاکہ دیکھنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ شخص اللہ کا برگزیدہ بندہ اور اس کا رازدار اور اس کا نائب اور اس کا سفیر ہے جو اس کے احکام اور ہدایات کو لے کر آیا ہے اس لئے کہ قدرت خداوندی کے جو عجیب وغریب کرشمے اس کے ہاتھ پر ظاہر ہو رہے ہیں۔ وہ بشارت خداوندی کی شان اور امتیازی کے نشانات ہیں۔ قدرت بشریہ ان کرشموں کے ظاہر کرنے سے عاجز اور درماندہ ہے ایسے عجیب وغریب خوارق کا ظہور بدوں تائید ایزدی ناممکن اور محال ہے معلوم ہوا کہ یہ شخص موید من اللہ ہے اور اس شخص کو ایسی ذات بابرکات کی غیبی تائید حاصل ہے کہ جس کے دست قدرت میں طبعیات اور عنصریات فلکیات کی باگ ہے کہ جب چاہتا ہے تو اپنے اس برگزیدہ بندہ کی انگلی کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے کر دیتا ہے اور جب چاہتا ہے تو اس کی انگلیوں سے بلا سبب ظاہری کے چشمے جاری کر دیتا ہے تاکہ ماہرین طبعیات اور شیفتگان اسباب وعلل کو معلوم ہو جائے کہ کوئی ذات ایسی بھی ہے جو کسی سبب اور کسی علت کی پابند نہیں۔

ع۔ او ست سلطاں آنچہ خواہد می کند

اور یہ مدعی نبوت جس کے ہاتھ پر غیبی کرشمے ظاہر ہو رہے ہیں وہ اسی قادر مطلق اور خدائے برحق کا فرستادہ ہے کہ جو اسباب فلکی اور عنصری کا خالق اور مالک ہے اور ان غیبی کرشموں کے ظاہر کرنے سے خالق مطلق کا مقصود یہ ہے کہ مخلوق پر یہ امر خوب واضح ہو جائے کہ جس طرح حضور پُر نور کی زبان فیض ترجمان۔ خداوند علیم وحکیم کے علم وحکمت کا آئینہ ہے، اسی طرح حضور پُر نور کا دست مبارک خداوند قدیر کے دست قدرت کا آئینہ ہے کہ جس کے ذریعہ، قدرت غیبیہ کے عجیب غریب کرشمے ظاہر ہو رہے ہیں۔ کما قال تعالیٰ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ یداللہ

فوق ایدیھم[۵۱]۔ وقال تعالیٰ ومارمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی[۵۲]۔ ایک بشر کے ہاتھ پر ایسے خوارق کا ظہور کہ جو بلاشبہ قدرت بشری سے خارج ہوں یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اس شخص کے ہاتھ کے پیچھے دست قدرت پوشیدہ طور پر کارفرما ہے اور اس نبی کے ہاتھ سے جو کچھ ظاہر ہو رہا ہے وہ حقیقتاً اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اس نبی کا فعل نہیں۔

مارمیت اذ رمیت گفت حق　　کار حق بر کارہا دارد سبق

گر بپرانیم تیر آن نے زما است　　مان کمان و تیر اندازش خدا است

اور جب ان امتیازی نشانات سے لوگوں پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ حضور پرنور اللہ کے برگزیدہ بندہ اور اس کے نائب اور اس کے سفیر ہیں تو لوگ آپ کو مستحق اطاعت جانیں گے۔ اور آپ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت سمجھیں گے۔

خلاصہ کلام :

یہ کہ معجزات کے عنایت کرنے میں حکمت یہ ہے کہ عوام کو آپ کی نبوت کا یقین آجائے اور نبی کے حق میں یہ معجزات منصب سفارت کے لئے بمنزلہ سند اور دستاویز کے ہو جائیں معجزات تو آپ کے بے شمار ہیں مگر ہم اس وقت صرف ان معجزات کو ذکر کرتے ہیں جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں اور ان میں سے ہر ایک اگرچہ حد تواتر کو نہ پہنچا ہو مگر ان کی مجموعی تعداد اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ جس سے ان میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے حضرت علیؓ کی شجاعت اور حاتم طائی کی سخاوت کے افراد اگرچہ فرویت اور احادیث کی شکل میں ہیں اور تواتر کی حد کو نہیں پہنچے، مگر ان کی مجموعی تعداد اس حد کو پہنچ چکی ہے کہ جس کے بعد شک اور شبہ کی گنجائش نہیں رہی، یہی وجہ ہے کہ حضرت علی کی شجاعت اور حاتم طائی

---

۵۱ سورۃ الفتح، آیۃ : ۱۰ -
۵۲ الانفال، آیۃ : ۱۷ -

کی سخاوت دنیا میں ضرب المثل ہو گئی۔ یہود کے نزدیک حضرت موسیٰ کا معجزہ عصا اور معجزہ ید بیضا حضرت موسیٰ کی نبوت کی دلیل ہے۔

اور نصاریٰ کے نزدیک حضرت عیسیٰ کا معجزہ احیاء موتی اور ابراء اکمہ وابرص حضرت عیسیٰ کی نبوت کی دلیل ہے اسی طرح معجزات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کے دلائل اور براہین ہیں۔

اور عیسائیوں کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات سے انکار کرنا ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ یہود حضرت مسیح کے معجزات کا انکار کرتے ہیں۔

معجزاتِ نبوی کی تفصیل :

اب ہم اس تحقیق اور اجمالی بیان کے بعد معجزات نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کو کچھ تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

معجزہ کی تعریف :

معجزہ اُس امر خارق للعادۃ کو کہتے ہیں کہ جو مدعی نبوت کے ہاتھ پر ظاہر ہو اور کل عالم اس کے معارضہ اور مقابلہ یعنی اس کے مثل لانے سے عاجز اور درماندہ ہو تاکہ منکرین اور مخالفین پر یہ بات واضح ہو جائے کہ یہ شخص برگزیدہ خدا ہے کہ جس کے دشمنوں کے عاجز کرنے کے لئے خدا نے غیب سے یہ کرشمہ قدرت ظاہر فرمایا ہے اور لوگوں پر یہ امر منکشف ہو جائے کہ تائید غیبی اس کی پشت پر ہے، یہ شخص کوئی ساحر اور کاہن نہیں کہ کوئی اس کا معارضہ اور مقابلہ کر سکے لہٰذا اگر کسی کو صلاح اور فلاح درکار ہے تو وہ صرف اس برگزیدہ ہستی پر ایمان لانے اور اس کی اتباع اور پیروی سے حاصل ہو سکتی ہے جس برگزیدہ ذات کو حق تعالیٰ نے اپنا خلیفہ اور نائب اور سفیر اور معتمد بنا کر بھیجا ہو اس کی تکذیب اور مخالفت کا انجام سوائے شقاوت اور ہلاکت کے کیا

ہو سکتا ہے۔ فانظر کیف کان عاقبۃ المکذبین۔ ؎۱

معجزاتِ علمیہ اور معجزاتِ عملیہ:

معجزات کی دو قسمیں ہیں ایک معجزات عملیہ اور ایک معجزاتِ علمیہ معجزۂ عملی اس کو کہتے ہیں کہ مدعی نبوت کے ہاتھ سے ایسا عمل یعنی ایسا کام ظاہر ہو کہ اس جیسا کام کرنے سے سب عاجز آجائیں۔ اور معجزۂ علمی اس کا نام ہے کہ مدعی نبوت سے ایسے علوم اور معارف ظاہر ہوں کہ ساری دنیا اس کے معارضہ اور مقابلہ یعنی اس کے مثل لانے سے عاجز ہو۔

حق جل شانہٗ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں قسم کے اس قدر کثیر معجزات عطا فرمائے جو حدِّ احصار اور شمار سے باہر ہیں۔

قرآنِ حکیم سب سے بڑا معجزہ ہے:

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے جو علمی معجزہ ہے اور تمام انبیاء کے معجزات سے بڑھا ہوا ہے سب جانتے ہیں کہ علم کو عمل پر شرف ہے یہی وجہ ہے کہ ہر فن میں استادوں کی تعظیم کی جاتی ہے اور ہر سررشتہ میں افسروں کی تنخواہ اہلکاروں سے زیادہ ہوتی ہے، یہ شرف علم ہی کا تو ہے۔ محنت تو اہل کار زیادہ کرتے ہیں۔ قرآن کریم۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علمی معجزہ ہے اور آپ کے معجزات میں عمدہ ترین معجزہ ہے، ایسا معجزہ اور کسی پیغمبر کو عنایت نہیں ہوا۔ سب انبیاء اور مرسلین کے معجزے ایک خاص وقت میں ظاہر ہو کے اور ختم ہو گئے اور معجزۂ قرآن ایسا معجزہ ہے کہ جس کی جانب زوال انقطاع کو راہ نہیں، ابتداء نزول سے لے کر اب ۱۳۰۳ھ ہو گیا اسی طرح بلا تغیر و تبدل اور بلا کم و کاست باقی اور محفوظ ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ یہ معجزہ تا قیام قیامت اسی طرح باقی رہے گا جس طرح آپ پر نازل ہوا تھا۔

؎۱ سورۃ النحل، آیۃ : ۳۶ -

وجوہِ اعجاز:

علماء نے اپنی کتابوں میں مختلف طریقوں سے قرآنِ کریم کا معجزہ ہونا ثابت کیا ہے جو بہت ہیں ہم ان میں سے اُن چند وجوہ کو بیان کرتے ہیں جو بالکل صاف اور صریح ہیں۔

اعجازِ قرآن کی پہلی وجہ:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سحر (جادو) کا چرچا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو عصا اور ید بیضا کا معجزہ عطا فرمایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے زمانہ میں طب کا زور تھا، حق تعالیٰ نے اُن کو شفاء مرضیٰ اور احیاء موتیٰ کا معجزہ عطا فرمایا اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ کرامت مہد میں فصاحت و بلاغت کا چرچا تھا، عرب لوگ اپنے سوا تمام ممالک کو عجم یعنی گونگا کہتے تھے اور اب بھی کہتے ہیں۔ پس سب سے بڑا معجزہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآنِ کریم کا عطا کیا جس کی فصاحت اور بلاغت اور سلاست اور دل آویزی اور لطافت کے مقابلہ سے بڑے بڑے فصیح و بلیغ عاجز رہے اور یہی معجزہ کی تعریف ہے کہ جس کے مقابلہ سے دنیا عاجز اور درماندہ ہو، معجزہ خود نبی کی قدرت سے بھی باہر ہوتا ہے، قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام تھا حضور پُر نور کا کلام نہ تھا جس طرح تمام عالم اس قرآن کے مثل لانے سے عاجز تھا اسی طرح یہ قرآن خود حضور پُر نور کی قدرت سے بھی نہ تھا حضور پُر نور کا کلام حدیث ہے، اس میں اور قرآن میں زمین و آسمان کا فرق ہے، فصحاءِ عرب کے مجمع میں آپ نے فأتوا بسورة من مثله کا ڈنکا بجایا کہ اگر تمھیں اس قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں کوئی شبہ ہے تو تم سب مل کر انا اعطینا جیسی سورت بنالاؤ قرآن نے للکار للکار کر کفار کو مقابلہ اور تحدی کی دعوت دی مگر تمام فصحاءِ عرب اس کے مثل لانے سے عاجز ہو گئے حالانکہ کلام الٰہی ان الفاظ اور حروف سے مرکب ہے جن سے اُن کا کلام مرکب تھا اور وہی عربی زبان ہے جو اُن کی زبان تھی۔ اور پھر مزید برآں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

محض امی تھے نہ کسی سے پڑھا نہ لکھا اور نہ کسی عالم کی صحبت نصیب ہوئی پھر ایسا کلام معجز نظام اور حقائق و معارف التیام آپ کی زبان فیض ترجمان سے صادر ہونا یہ اس امر کی صریح دلیل ہے کہ یہ کلام اللہ کا کلام ہے کسی بشر کا کلام نہیں، آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اس کلام سے صرف یہ تعلق ہے کہ جبریل امین۔ حق تعالٰے کا جو کلام بطور وحی و پیغام کے آپ پہ نازل ہوئے آپ نے وہ بلا کم و کاست بندوں تک پہنچا دیا تاکہ لوگ اس سے ہدایت حاصل کریں۔ قاضی عیاض شفاء میں لکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں باعتبار بلاغت کے سات ہزار سے زیادہ معجزے ہیں، اس لئے کہ انا اعطینك الكوثر جیسی چھوٹی سورت میں دس کلمے ہیں اور تمام کلام اللہ میں تقریباً ستر ہزار کلمے ہیں سو جب ستر ہزار کو دس پر تقسیم کیا جائے تو خارج قسمت سات ہزار سات سو ہوگا، پس قرآن کریم میں سات ہزار سات سو معجزے ہوئے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب:

بعض بے وقوف یہ کہتے ہیں کہ دنیا میں اور کتابیں بھی ایسی ہیں کہ جو اپنی نظیر نہیں رکھتیں، جیسے شاہنامہ فردوسی اور گلستانِ سعدی۔

جواب:

یہ قول اس امر کی دلیل ہے کہ اس شخص کو معجزہ کی حقیقت اور اعجاز کی کیفیت معلوم نہیں قرآن کریم کا اعجاز اس وجہ سے ہے کہ ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ڈنکے کی چوٹ کفار عرب کے سامنے قرآن کریم کو پیش کیا اور بہ بانگِ دہل بڑے زور سے کہا کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور میرا معجزہ ہے اور اگر کسی کو اس میں شک ہو تو اس کے مقابلے میں ایسا فصیح و بلیغ کلام بنا کر پیش کرے تیئیس سال تک مسلسل یہ منادی اور چیلنج ہوتا رہا مگر کوئی شخص اس کے مثل ایک سطر بھی بنا کر نہ لا سکا اور سارا عالم اس کے مقابلے اور معارضہ سے عاجز اور درماندہ رہا تبلانے والے بتلائیں کہ کیا یہ تحدی اور مقابلہ

کی دعوت اور کس کتاب میں کہاں واقع ہوئی اور کس نے تحدی اور مقابلہ کی دعوت دی اور کس مقام پر مخاطبین کا عجز ظاہر ہوا محض اِنعدام نظیر کا نام اعجاز نہیں۔ بسا اوقات حسن و جمال اور خوبی و کمال کی بنا پر کسی عالم کو یا کسی تصنیف کو بے نظیر اور بے مثال کہدیا جاتا ہے، لیکن یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ تصنیف یا یہ مصنف معجزہ ہے۔

نیز بسا اوقات انسان اپنے زعم میں کسی چیز کو بے نظیر سمجھتا ہے اور واقع میں اس کی نظیر موجود ہوتی ہے، شاہنامۂ فردوسی کے مقابلے میں مرزا محمد تورانی متخلص بہ آشوب نے صولت فاروقی ایک کتاب لکھی جو شاہنامۂ فردوسی سے بہتر ہے جس میں فردوسی پر اکثر جرح کرتا ہے۔

نیز یہ کہ معجزہ کے لئے لازم ہے کہ وہ امر خارق للعادۃ ہو اس میں اسباب ظاہری کا کوئی دخل نہ ہو۔ سحر اور معجزہ میں فرق یہی ہے کہ سحر تعلیم اور تعلم اور کسب و اکتساب سے حاصل ہو سکتا ہے اور معجزہ کوئی فن نہیں کہ جو تعلیم اور تعلم سے حاصل ہو سکے۔

اور ظاہر ہے کہ سعدی اور فردوسی نے سالہا سال تعلیم اور تعلّم کی محنتیں اور مشقتیں اٹھائی اور برسوں مدرسوں میں پڑھے اور استادوں کی جوتیاں سیدھی کرتے رہے اور ان سے پڑھتے رہے اور اصلاح لیتے رہے، پس اگر سالہا سال کی محنتوں اور مدتوں کی مشّاقی اور جد و جہد کے بعد ان کا کلام دوسروں کے کلام سے فائق ہو گیا تو وہ نہ محل تعجب ہے اور نہ اس کو معجزہ کہا جا سکتا ہے۔

ہر زمانے میں اور ہر زبان میں بڑے بڑے فاضل اور ادیب اور انشا پرداز گزرے ہیں جیسے عربی میں بدیع الزمان ہمدانی اور حریری مگر وہ معجزہ نہیں۔

اور فارسی میں سعدی اور فردوسی اور انگریزی میں ملٹن اور سنسکرت میں کالیداس اور اُردو میں محمد حسین آزاد اور حالی وغیرہ وغیرہ۔

جن کا کلام اپنے ہمعصروں کے کلام سے فائق اور ممتاز ہو گیا تو یہ سالہا سال کی محنتوں اور مشقتوں کا ثمرہ ہے کوئی معجزہ نہیں۔

اس سلسلے میں بعض خوش فہم فیضی کی بے نقط تفسیر کا نام لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بے نظیر ہے۔ آج تک اس کا جواب نہیں ہو سکا، اس کا جواب خود فیضی کی زبان سے سُنئے کہ وہ اپنی تفسیر کے دیباچہ میں قرآن کریم کو خدا کی اُتاری ہوئی کتاب مانتے ہیں اور اس کے سوا تمام علوم اور کتب کو درد سر قرار دیتے ہیں، چنانچہ فیضی کہتے ہیں۔

العلوم کلها صداع الا علم کلام الله وکلام الله لا عدّ لمحامده ولا حد مکارمه ولا حصر لرسومه ولا احصاء لعلومه وما علم علوم کلام الله کلها احد الا الله ورسوله والو العلم ما علموا الا عدادا

تمام علوم، سوائے علم قرآنی کے سب دردسر ہیں اور کلام اللہ کے مناقب کی کوئی شمار نہیں اور اس کے محاسن کی کوئی انتہا نہیں اور اس کی صداقت کے شان غیر محصور ہیں اور علوم قرآن اس درجہ بے شمار ہیں کہ ان کا احاطہ ممکن نہیں، جو علوم قرآن کریم میں ہیں اُن کو یہ تمام وکمال سوائے خدا اور اس کے رسول کے کوئی نہیں جانتا اور تمام اہل علم کو مل کر جو قرآن کا علم ہاتھ آیا ہے وہ اس کے غیر محدود علم کا ایک محدود حصہ ہے۔

کلام اللہ کے متعلق یہ خود فیضی کا اقرار اور اعتراف ہے۔ اب اس اقرار کے بعد فیضی کو شہادت میں پیش کرنا سخت بے حیائی اور ڈھٹائی ہے اور مدعی سُست اور گواہ چست کا مضمون ہے۔

اور اگر بالفرض والتقدیر فیضی اور سعدی اور فردوسی قرآن کی طرح دنیا کو مقابلہ کا پُرزور چیلنج کرتے تو معلوم کتنے شاہنامے اور کتنی گلستانیں غلامانِ غلامانِ نبی امّی فداہ نفسی وابی وامّی۔ لکھ کر دنیا کے سامنے ڈال دیتے۔

اعجاز کی دوسری وجہ:

اعجاز قرآن کی دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ علوم ہدایت کا جامع ہے، جو شخص قرآن کریم کے

علوم اور معارف کی تحقیق و تفتیش کرے گا تو اس کو اس کتاب میں عقائد اور اعمال اور تہذیب اخلاق اور تمدن اور معاشرت اور اصول حکومت و سیاست اور ترقی روحانیت اور تحصیل معرفت ربانی اور تزکیۂ روحانی اور حکمرانی اور عدل عمرانی اور وصول الی اللہ اور قرب یزدانی کے وہ تمام قواعد اور سامان اس کو اس کتاب میں نظر آئیں گے جس کو دیکھ کر بے اختیار اس کا دل اور اس کی زبان گواہی دیں گے کہ بلاشبہ یہ اللہ کا کلام ہے اور یقیناً یہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب ہے ایسے علوم اور معارف کا خزینہ اور گنجینہ تو عالم کے تمام حکماء مل کر بھی نہیں پیش کر سکتے چہ جائیکہ ایک امی قوم کے ایک امی فرد سے اس کی توقع کہ وہ ایک جامع کتاب دنیا کے سامنے پیش کرے کہ جو دنیا اور آخرت دونوں کی صلاح اور فلاح کی کفیل اور ذمہ دار ہو اور حقوق خداوندی اور حقوق العباد اور حقوق نفس کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتی ہو اور عالم کے تمام مذاہب باطلہ یہود اور نصاریٰ اور مشرکین اور مجوس اور صابئین کا دلیل اور برہان کے ساتھ رد کرتی ہو اور کسی مذہب کے عالم میں یہ قدرت نہ ہو کہ وہ دلائل قرآنی کا جواب دے سکے — کیا یہ اس امر کی دلیل اور برہان نہیں کہ یہ قرآن بلاشبہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب ہے۔

اعجاز کی تیسری وجہ:

اعجاز قرآن کی تیسری وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم حالات آئندہ کی خبروں پر مشتمل ہے کہ جن چیزوں کا نام و نشان اور وہم و گمان نہ تھا اور انسانی ادراک ان کے تصور سے بھی قاصر تھا قرآن کریم نے پیشتر سے ان کے وقوع اور ظہور کی خبر دی اور پھر بلاکم و کاست قرآن کریم کی خبر کے مطابق وہ چیز واقع ہوئی، جیسے آپ نے ہجرت سے پہلے بمقابلہ فارس رومیوں کی غلبہ کی خبر دی کما قال تعالٰے الٓمٓ غلبت الروم فی ادنی الارض۔ الآیۃ اور غزوۂ بدر میں کفار کی شکست کی خبر دی سیھزم الجمع ویولون الدبر اور دین اسلام کے ظہور اور غلبہ کی خبر دی کما قال تعالیٰ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہ

وغیرہ وغیرہ جن کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ پیشین گوئیوں کی بیان میں آئے گی۔

غرض یہ کہ قرآن کریم نے آیندہ کے متعلق جو خبریں دی ہیں وہ اسی طرح واقع ہوئیں جس طرح قرآن کریم نے ان کی خبر دی تھی۔

اور علیٰ ہذا قرآن کریم کا انبیاء سابقین کے قصص اور امم سابقہ کے واقعات اور حالات پر مشتمل ہونا مثل قصہ سیدنا ابراہیم و حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ و حضرت یوسف وغیرہم اور قصہ ذوالقرنین اور قصہ اصحاب کہف وغیرہ جن کا پورا علم علماء اہلِ کتاب کو بھی نہ تھا نبی امی فداہ وامی نے جب ان آیات کو علماء اہلِ کتاب کے سامنے تلاوت کیا تو کوئی انکار نہ کر سکا۔

حضرات اہلِ علم اگر وجوہ اعجاز کی تحقیق اور تفصیل چاہیں تو قاضی ابوبکر باقلانی کی اعجاز القرآن اور شفاء قاضی عیاض میں بحث اعجاز القرآن کی مراجعت کریں۔

اور اردو میں اس ناچیز نے بھی ایک مختصر رسالہ "اِعْجَازُ الْقُرْآن" کے نام سے لکھا ہے، اس کو دیکھ لیں۔

حدیثِ نبوی، دوسرا معجزہ:

قرآن کریم کے بعد آپ کا علمی معجزہ حدیث نبوی ہے جس کو شریعت اور ملت کے نام سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے جس کی کاملیت اور جامعیت کو دیکھ کر ادنیٰ عقل والا اس یقین پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ایسے مافوق العقل اور مافوق الفطرت دستور اور آئین کا منبع اور سرچشمہ سوائے خداوند علیم و حکیم کے ذات بابرکات کے کوئی ذات انسانی نہیں ہو سکتی۔ خاص کر کہ جو ذات انسانی محض امی ہو جس نے نہ لکھا ہو نہ پڑھا ہو اس کی زبان سے ایسی محیر العقول علوم و معارف کا چشمہ کیسے جاری ہوا معلوم ہوا کہ اس امی نبی کی زبان فیضِ ترجمان سے جو کچھ نکل رہا ہے وہ درحقیقت پس پردہ لسان غیب بول رہی ہے موسیٰ علیہ السلام نے درخت میں سے جو آواز سنی تھی وہ درحقیقت درخت کی آواز نہ تھی بلکہ وہ آواز خداوند قدوس کی تھی اور یہ درخت بمنزلہ ٹیلیفون کے تھا کہ جو عالمِ غیب کی آواز کو موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا رہا تھا۔

اسی طرح اُس نبی امی فداہ نفسی وابی واُمی کو سمجھو کہ اس کی زبان فیض ترجمان سے جو نکل رہا تھا وہ وحی ربانی اور آواز یزدانی تھی معاذاللہ نطق نفسانی نہ تھا۔ وما ینطق عن الھوی ان ھوالاوحی یوحیٰ ۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اس لئے کہ شریعت اسلامیہ جن عقائد اور اعتقادات کی تعلیم دیتی ہے، وہ خرافات اور بے اصل باتوں سے پاک اور منزہ ہیں اور عقلی اور نقلی اور فطری دلائل سے ثابت ہیں جن کی نسبت یقین کیا جاسکتا ہے کہ یہ عقائد قطعاً صحیح اور واقعی ہیں۔

اور شریعت اسلامیہ نے جن مکارم اخلاق کا حکم دیا ہے اوّلین اور آخرین کے صحیفوں میں اس کی نظیر نہیں اور علیٰ ہذا شریعت اسلامیہ نے جن عبادات اور معاملات اور افعال و اعمال کا حکم دیا وہ بیشمار حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی جو تفصیل اور مبدا اور معاد کی جو لاینحل عقدے شریعت اسلامیہ نے حل کئے ہیں وہ عقل انسانی سے کہیں بالا اور برتر ہیں۔

اور علمار فرنگ کا اقرار ہے کہ توریت اور انجیل اور عہد قدیم اور عہد جدید کے تمام صحیفے تعلیمات اسلامیہ کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔

نیز دنیا میں انبیار اور حکمار اور سلاطین اور علمار لاکھوں کی تعداد میں گزرے مگر جس حیرت انگیز احتیاط کے ساتھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرکات اور سکنات اور آپ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ اور کلمات کو محفوظ کیا گیا۔ اولین اور آخرین میں اس کی نظیر نہیں۔ ایک آپ کی زندگی کی محفوظ رکھنے کے لئے آپ کے افعال و اقوال کے روایت کرنے والے ہزارہا راویوں کی زندگیاں اس لئے زیر تحقیق لائی گئیں کہ آپ کی زندگی کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے شک و شبہ کا کوئی شائبہ باقی نہ رہے۔ علم اسمار الرجال اور علم الاسناد اور علم اصول الحدیث اسی کی خاطر ایجاد ہوئے جن کا منشار صرف یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور اعمال ایسے محفوظ ہوجائیں کہ سلسلہ سند اور طرق اور اسانید کو دیکھ کر پڑھنے والے کو ایسا علم یقینی حاصل ہوجائے، کہ جو عینی مشاہدہ کے

مساوی اور ہم مرتبہ ہو صحاح ستہ اور دوسری کتب احادیث کو دیکھنے سے انسان حیران اور ششدر رہ جاتا ہے کہ کس حیرت انگیز انتظام اور اہتمام سے حدیث نبوی کا ذخیرہ جمع کیا گیا ہے اور حضرات محدثین نور اللہ مراقدہم نے احادیث نبوی کی صحت اور جانچ پڑتال کے لئے کس قدر سخت ضوابط اور قواعد مرتب کئے ہیں۔

مؤطا امام مالک اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور ابو داؤد اور ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ وغیرہ دنیا کے سامنے موجود ہیں، مگر کسی ملحد اور زندیق کی یہ مجال نہیں ہوئی کہ ایک لفظ کی بھی کمی اور بیشی کر سکے۔

پھر ان کتابوں کی مندرجہ احادیث میں سے ایک ایک حدیث کو تحقیق اور تدقیق کی کسوٹی پر کس کر ہر ایک حدیث کے تمام راویوں کا حال بتلا دیا اور ہر حدیث کا درجہ قائم کر دیا کہ یہ صحیح ہے یا حسن یا غریب ہے یا ضعیف ہے یا منکر ہے۔

پھر لطف یہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کی روایت کرنے والا پہلا طبقہ صحابۂ کرام کا ہے جس میں سے بحمدہ تعالیٰ ایک شخص بھی قسم کھانے کو دروغ گو ثابت نہیں ہوا صحابۂ کرام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی۔ اتنی بڑی جماعت میں سے کسی فرد واحد کی نسبت آج تک یہ ثابت نہیں ہو سکا کہ اُس نے کبھی جھوٹ بولا ہو یہ اُس نبی اُمی فداہ نفسی و ابی و امی کا اعجاز ہے کہ اس کے تربیت یافتہ افراد میں سے ایک فرد واحد بھی جھوٹا نہیں نکلا۔ ان پہلے راویوں کے بعد دوسرے اور تیسرے درجہ کے راویوں کی زندگیاں بھی عام طور پر کذب اور دروغ سے محفوظ پائی جاتی ہیں۔
ان سب کا عقیدہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔ اپنی طرف سے کوئی بات نسبت کرنا گناہ کبیرہ اور جرم عظیم ہے۔

آج دنیا میں کوئی حضرت مسیح کا پیرو یہ نہیں بتا سکتا کہ ان کا سلسلۂ اسناد کیا ہے اور کس ذریعہ اور کس سند سے اُن کو یہ انجیلیں اور حواریین کے رسائل اور خطوط ملے اور اس سلسلہ سند کے راوی کون کون لوگ ہیں اور کون ان میں سے ثقہ اور معتبر ہے اور کون غیر معتبر علماء نصاریٰ حضرت مسیح کا

ایک کلمہ بھی سند متصل کے ساتھ نہیں پیش کر سکتے۔ اور حضرات محدثین کا یہ حال ہے کہ بغیر سند کے کوئی لفظ ان کی بارگاہ میں قابلِ التفات بھی نہیں اور حدیث کی مشہور کتابیں اسی محفوظانہ ملنے اور محتاط لوگوں کے عہد میں مرتب اور مدون ہوئیں اور مدون و مرتب ہو جانے کے بعد ان کے مصنفین ہی کے زمانے سے لوگوں نے ان کا پڑھنا اور حفظ یاد کرنا شروع کر دیا اور آج تک ان کتابوں کی سندیں متواتر سلسلوں سے دنیا میں موجود ہیں اور مشرق و مغرب کے علماء کے زیرِ درس ہیں۔ غور تو کیجئے کہ ایک ذات بابرکات قدسی صفات کے اقوال و افعال کے محفوظ رکھنے کے لیے یہ انتظام اور یہ اہتمام کیا۔ انسانی تدبیر اور جدوجہد کا نتیجہ ہے حاشا و کلا۔ یہ صرف تائید ربانی اور فضل یزدانی کا کرشمہ ہے کہ جو پردۂ غیب سے نبی اُمی صلے اللہ علیہ وسلم کے حدیث کی حفاظت کے لئے نمودار ہوا ہے، علم حدیث اور اس کے متعلقہ علوم و فنون پر غور کرنے کے بعد دنیا کی تمام تاریخوں کا مرتبہ نگاہ سے گر جاتا ہے اور بلاشبہ جو ذات تمام اقوام اور تمام ممالک کے لئے قیامت تک کے لئے ہادی اور رہبر بن کر آئی اس کی زندگی اور اس کے اقوال و افعال ایسے ہی معجزانہ طریقہ پر محفوظ ہونے چاہئیں کہ قیامت تک آنے والوں کے لئے کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے اور جو شخص اس نبی اُمی کی زندگی کو آنکھ سے دیکھنا چاہے تو حدیث نبوی کے پردہ سے اُس کو دیکھ سکے۔

یہ جو کچھ کہا گیا ہے یہ حدیث نبوی کے اس اعجاز کا بیان تھا کہ جس کا تعلق روایت حدیث سے ہے یعنی الفاظ حدیث کے بے مثال حفاظت سے متعلق ہے۔

اور اگر حدیث نبوی کے اعجاز کو درایت اور تفقہ کے اعتبار سے دیکھنا چاہتے ہو تو ائمہ مجتہدین اور فقہاء امت کی کتابیں دیکھو جس سے تم کو یہ معلوم ہوگا کہ قوانین شریعت کس درجہ دقیق اور عمیق ہیں کہ جن کے استنباط اور استخراج میں علماء امت اور فقہاء ملت کس درجہ حیران اور پریشان رہے باوجود غایت فہم و ذکا نصوص شریعت کی تحقیق اور تدقیق میں عمریں گزار دیں اور یہ کہتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ؎

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچنیں باقی

جس طرح حضرات محدثین کا وجود نبی اُمّی صلے اللہ علیہ وسلّم کا ایک معجزہ ہے اسی طرح حضرات فقہاء کا وجود بھی نبی اُمّی صلے اللہ علیہ وسلّم کا ایک معجزہ ہے فرق اتنا ہے کہ پہلا معجزہ روایت کا ہے اور دوسرا معجزہ درایت کا ہے۔

علمائے اُمّتِ محمدیہ تیسرا معجزہ:

منجملہ معجزات کے اس اُمّت کے علماء و صلحاء آپ کی نبوّت و رسالت کا معجزہ ہیں کہ حق جل شانہٗ نے آپ کی اُمّت کو خیر الامم بنایا اور انبیاء کرام کا وارث بنایا[۵] اور ایسا بے مثال اور بے نظیر علم و فہم عطا کیا کہ اوّلین و آخرین میں اُس کی نظیر نہیں حضرات محدثین کو قوّت حافظہ میں کمالاتِ تابعین کا نمونہ بنایا اور حضرات فقہاء کو قوّت اجتہاد و استنباط عطاء کی اور فہم و ادراک و نکتہ سنجی و دقیقہ رسی میں ملائکہ مقربین کا نمونہ بنایا اور اولیاء عارفین کو اپنے عشق اور محبت کی دولت سے نوازا اور عرش عظیم اور بیت معمُور کا لیل و نہار طواف کرنے والے فرشتوں کا نمونہ بنایا کسی اُمّت میں علماء اسلام جیسا علم اور فہم اور تحقیق و تدقیق کا نام و نشان نہ ملے گا اور نہ ان کی بے مثال اور بلند پایہ تصانیف کی کوئی نظیر نظر آئے گی۔

مغربی اقوام نے صنعت اور کاریگری میں حیرت انگیز کرشمے دکھائے، مگر ان قوموں میں توریت اور انجیل کا نہ کوئی بخاری اور مسلم نظر آتا ہے کہ جس کو توریت و انجیل از بر یاد ہو اور نہ یحییٰ بن سعید القطان اور یحییٰ بن معین جیسا اسماء الرجال کا حافظ و عالم پیدا ہوا جن قوموں نے اپنے پیغمبروں کی کتابوں اور صحیفوں میں دیدہ دانستہ تحریف کر ڈالی ہو، ایسی قوموں میں احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین جیسا حافظ حدیث ہونا ناممکن اور محال ہے اور نہ یہود و نصاریٰ کی اوّلین و آخرین میں ابو حنیفہ اور شافعی جیسا فقیہ اور مجتہد نظر آتا ہے کہ جو دین و دنیا اور اعتقادات اور عبادات اور معاملات اور معاشرات اور سیاست

---

[۵] تفصیل کے لئے دیکھئے زرقانی شرح مواہب لدنیہ باب خصائص اُمّت محمدیہ"

ملکیہ و مدنیہ کے تمام مسائل کو توریت وانجیل کی نصوص کی روشنی میں حل کر سکے اور نہ ابوالحسن اشعری اور ابومنصور ماتریدی اور غزالی اور رازی جیسا کوئی متکلم کسی امت میں نظر آتا ہے کہ جب میدانِ مباحثہ ومناظرہ میں نکلے تو عقائد اسلامیہ کی تحقیق کے لئے عقلی ونقلی دلائل کا لشکر اُس کے ساتھ ہو اور باطل کی گردن پر اس کی تیغ بے دریغ چل رہی ہو اور دنیائے اسلام کی سرفرازی اور سربلندی اور کفر و باطل کی ذلت و خواری اور سرنگونی کا تماشا دنیا دیکھ رہی ہو اور نہ جنید و شبلی اور بایزید اور معروف کرخی جیسا عابد و زاہد اور خدا وند ذوالجلال کا عاشق اور مجنوں کسی امت میں پیدا ہوا۔

اور نہ خلیل بن احمد اور سیبویہ جیسا علم اعراب کا موجد و امام کسی ملت میں ہوا اور نہ عبدالقاہر جرجانی اور سعدالدین تفتازانی جیسا اسرار بلاغت اور دلائل اعجاز کا امام کسی امت میں پیدا ہوا۔

علماء یہود اور علماء نصاریٰ۔ عبرانی یا سریانی یا انگریزی زبان کی لغت میں کوئی لسان العرب اور قاموس اور تاج العروس جیسی کتاب تو دکھلائیں، جمال الدین ابن حاجب اور جامی کا تو ذکر کیا کریں میزان و منشعب اور صرف میر و نحو میر جو علم صرف و نحو کی بالکل ابتدائی کتابیں ہیں۔ روئے زمین کے علماء یہود و نصاریٰ عبرانی و سریانی یا انگریزی زبان کے متعلق کوئی میزان منشعب تو دکھلائیں، بطور نمونہ ان چند علوم کا ذکر کر دیا آگے قیاس کر لو

۔ یہود اور نصاریٰ سے ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ علماء اسلام کا شریعت موسویہ اور شریعت عیسویہ کے علماء اور فضلاء سے موازنہ کر کے دیکھو صنعتی اور حرفتی ترقی پر نظر نہ کرو یہ علمی اور اخلاقی ترقی نہیں بلکہ یہ کاری گری ہے، اس میں دن بدن اور ترقی ہوگی اور ظاہر ہے کہ اسلام میں یہ علمی اور عملی اور اخلاقی ترقی سب آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی اتباع کی برکت سے ہوئی کیا یہ اسلام کا معجزہ نہیں کہ شریعت اسلامیہ کی اتباع کی برکت سے علم و حکمت کے دروازے کھل گئے اور امت محمدیہ میں ایسے بے مثال علماء و فضلاء اور اولیاء اور اتقیاء پیدا ہوئے کہ کسی

امت میں ان کی نظیر نہیں۔

چوتھا معجزہ:

وہ غیبی آوازیں ہیں کہ جو بہت سے کاہنوں وغیرہ کو جنگلوں اور بیابانوں میں سنائی دیں کہ یہ نبی برحق ہیں جو من جانب اللہ مخلوق کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے ہیں اور ان ہی کی متابعت میں نجات ہے۔ اس قسم کے معجزات کا بیان خصائص کبریٰ للسیوطی میں از صہ۱۰۲ تا صہ۱۱۱ دیکھو۔

پانچواں معجزہ:

یہ ہے کہ شجر اور حجر میں سے ایسی آوازیں سنائی دیں کہ جن میں آپ کی نبوت کی گواہی اور آپ پر سلام تھا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اور ایکبار حضور پُرنور نے درخت کو بلایا، تو حسب الحکم حاضر ہوگیا اور جب واپسی کا حکم دیا تو واپس ہوگیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق انبیاء سابقین کی پیشین گوئیاں

منجملہ دلائل نبوت آپ کی نبوت کی ایک دلیل یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق گزشتہ انبیاء نے اپنی اپنی امتوں کو بشارتیں دی ہیں کہ آخر زمانے میں ایک کامل نبی ملک عرب میں مبعوث ہونے والا ہے

اور اسی بناء پر اہل کتاب اس آنے والے نبی کے منتظر تھے، اسی لئے بہت سے ذی علم مخلص اہل کتاب جیسے عبداللہ بن سلام رض آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے نبوت کو سنتے ہی ایمان لے آئے اور بہت سے علماء اہل کتاب آپ کے ظہور سے پہلے ان بشارات کو نقل کرتے تھے۔ اور ان بشارات کی صحت کی گواہی دیتے تھے۔ اور لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ نبی آخرالزماں کے ظہور کا زمانہ قریب آگیا مگر باوجود اس علم اور یقین کے از راہ حسد و عناد آپ کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے اور آپ کے دشمن ہو گئے۔ کما قال تعالیٰ

الذین اٰتینٰھم الکتاب یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم وان فریقا منھم لیکتمون الحق وھم یعلمون[۵۱]

جن لوگوں کو ہم نے کتاب یعنی توریت و انجیل دی وہ آپ کو خوب پہچانتے ہیں کہ یہ وہی نبی ہیں، جن کی توریت اور انجیل میں بشارت دی گئی اور اہل کتاب آپ کی صورت و شکل کو دیکھ کر آپ کو اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح یہ اپنے بیٹوں کی صورت و شکل دیکھ کر پہچانتے ہیں اور تحقیق ان میں کا ایک فریق حق کو چھپاتا ہے، حالانکہ وہ خوب جانتے ہیں۔

۵۱۔ البقرہ، آیۃ: ۱۴۶۔

بالفرض والتقدیر اگر آپ کی نبوت کی بشارتیں توریت وانجیل میں مذکور نہ ہوتیں تو علماء یہود ونصاریٰ برملا آپ کی تردید کرتے اور جن مجلسوں میں جہاں اس قسم کی آیتیں النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل تلاوت کی جاتی تھیں وہاں جاکر کھلم کھلا یہ کہتے کہ یہ سب غلط ہے اور تمام یہود ونصاریٰ کو اس سے آگاہ کرتے بلکہ مشرکین مکہ کو جو آپ کے خاص دشمن تھے ان کو آگاہ کرتے اور جو یہود ونصاریٰ اسلام میں داخل ہو چکے تھے ان کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتے۔ نیز آپ کا علماء یہود کے مدارس میں جاکر تحدی کے ساتھ یہ بیان کرنا کہ میں وہی نبی ہوں کہ جس کی توریت وانجیل میں خبر دی گئی ہے، یہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ آپ کو ان بشارتوں کا یقین صادق اور جزم واثق تھا۔

کتب تاریخ اور سیر میں بالتفصیل یہ حالات مذکور ہیں کہ اکثر علماء یہود ونصاریٰ کو صحف سابقہ کی پیشین گوئیوں کی بناء پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اور بعثت کا زمانہ معلوم تھا

۱۔ چنانچہ سیف ذی یزن حاکم یمن نے عبدالمطلب کو آپ کی پیدائش کے قریب زمانہ میں خبر دی تھی کہ آپ کے خاندان میں نبی آخر الزمان پیدا ہونے والا ہے۔

۲۔ آپ کی عمر بارہ سال کی تھی کہ آپ کو اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ شام کا سفر پیش آیا جہاں ایک نصرانی عالم بحیرا راہب نے آپ کو دیکھ کر ابوطالب سے کہا کہ اپنے بھتیجے کی خبرداری رکھنا یہ نبی آخر الزماں ہوگا، میں نے کتب سماویہ میں نبی آخر الزماں کی جو علامات دیکھی ہیں وہ سب کی سب اس میں موجود ہیں۔ یہودی اس کی جان کے دشمن ہو جائیں گے۔ جس کا مفصل قصہ گزر چکا ہے۔

۳۔ دوسری مرتبہ آپ پچیس سال کی عمر میں دوبارہ تشریف لے گئے، وہاں نسطورا راہب نے آپ کو بغور دیکھا اور قافلہ والوں سے کہا کہ یہ شخص نبی آخر الزماں ہوگا۔ ہمارے نوشتوں میں جو علامات خاتم الانبیاء کی لکھی ہیں وہ سب اس میں موجود ہیں۔ یہ قصہ بھی ابتدا کتاب میں

۱؎ دیکھو ہدایۃ الحیاریٰ، ص: ۴۴

مفصل گزر چکا ہے۔

۴- پھر ابتداءِ بعثت میں جب حضرت خدیجہ آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں تو یہی کہا کہ یہ وہی نبی آخر الزمان ہیں کہ جن کی حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ نے بشارت دی ہے، یہ قصہ بھی ابتداءِ کتاب میں گزر چکا ہے۔

۵- حضرت سلمان فارسی ابتداءً مجوسی تھے، اُس مذہب سے بیزار ہو کر یہودی مذہب اختیار کیا، لیکن یہودیت سے بھی قلب کو تسکین میسر نہ آئی تو یہودی مذہب چھوڑ کر عیسائی بن گئے علماء نصاریٰ جو نبی آخر الزمان کی جو پیشین گوئیاں سنی تھیں وہ خوب یاد تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت سلمان آپ کی خبر سن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ کے چہرۂ انور کو دیکھتے ہی پہچان گئے کہ یہ وہی نبی آخر الزمان ہیں کہ جن کی پیشین گوئیاں میں سُن چکا ہوں۔ یہ قصہ بھی مفصّل گزر چکا ہے۔

۶- نجاشی شاہ حبشہ نے بھی انبیاء سابقین کی پیشین گوئیوں کے موافق پا کر آپ کو نبی آخر الزمان تسلیم کیا اور مشرف باسلام ہوا، یہ قصہ بھی مفصّل گزر چکا ہے۔

۷- پھر ۶ھ میں جب آپ نے قیصرِ روم یعنی ہرقل کو دعوتِ اسلام کا خط لکھا تو اس نے بھی آپ کے حالات دریافت کرنے کے بعد یہ اقرار کیا کہ یہ وہی نبی آخر الزمان ہیں جن کی کتب سابقہ میں خبر دی گئی ہے اور جن کا ہم کو انتظار تھا۔ یہ قصّہ بھی مفصّل گزر چکا ہے۔

تمہیدی اُمور

قبل اس کے کہ ہم کتبِ سابقہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی بشارتوں اور خبروں کو ذکر کریں بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ طالبانِ حق کی تنبیہ کے لئے چند امور ذکر کر دیں تاکہ اہلِ کتاب کے دھوکہ میں نہ آئیں۔

امرِ اوّل[۱]:

یہود و نصاریٰ کا یہ خیال خام ہے کہ کسی نبی کی نبوّت ثابت کرنے کے لئے یہ شرط ہے کہ انبیاءؑ

---

[۱] ازالۃ الاوہام۔ مؤلفہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی، ص ۴۵۰

سابقین نے اس نبی کی آمد کی پیشین گوئی کی ہو اور اس آنے والے نبی کی نشانیاں لوگوں کو تبلائی ہوں کہ جس مدعی نبوّت میں یہ نشانیاں پائی جائیں وہ نبی صادق ہے ورنہ کاذب اور پھر علماء یہود و نصاریٰ اپنے اس خود تراشیدہ معیار کی بناء پر یہ کہدیتے ہیں کہ کتب سابقہ میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی کوئی پیشین گوئی نہیں اور جو پیشین گوئیاں علماء اسلام پیش کرتے ہیں وہ حضور پُر نور پر منطبق نہیں۔

۱۔ اہل اسلام یہ کہتے ہیں کہ اوّل تو یہ خود تراشیدہ قاعدہ ہی غلط ہے۔ اثبات نبوت کیلئے نبی سابق کا نبی لاحق کی خبر دینا ضروری نہیں اس لئے کہ اگر نبی لاحق کی نبوّت کا ثبوت نبی سابق کی خبر موقوف ہو تو تسلسل لازم آئے گا۔

۲۔ حضرت حزقیل اور حضرت دانیال اور حضرت اشعیاء وغیرہم جن کا نبی ہونا اہل کتاب کے نزدیک مسلّم ہے، ان کا ذکر اور ان کی خبر کتب سابقہ میں موجود نہیں معلوم ہوا کہ اصل نبوت کا دار و مدار معجزات اور علامات نبوت پر ہے۔ البتہ نبی سابق کا نبی لاحق کے ظہور اور بعثت کی خبر دینا یہ اُس آنے والے نبی کی جلالت قدر اور عظمت شان پر دلالت کرتا ہے رہا انبیاء سابقین کی پیشین گوئیوں کا حضور پر نور پر انطباق سو انشاء اللہ تعالےٰ ہر بشارت کے ذیل میں خوب واضح ہو جائے گا۔

۳۔ علماء نصاریٰ اس بات پر متفق ہیں کہ انبیاء سابقین نے حضرت مسیح کی آمد کی پیشین گوئی کی ہے۔ مگر یہود کے سلف اور خلف حضرت عیسیٰ کے پیشین گوئیوں کے قطعاً منکر ہیں۔ اور علماء نصاریٰ جن خبروں کو حضرت مسیح کے حق میں بتاتے ہیں یہود ان میں ایسی تاویلیں کرتے ہیں کہ جن سے وہ خبریں حضرت مسیح پر صادق نہیں آتیں۔

پس جس طرح یہود حضرت مسیح کی بشارتوں کے منکر ہیں اسی طرح نصاریٰ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بشارتوں اور پیشین گوئیوں کے منکر ہیں۔

۴۔ نیز یہ بھی ضروری نہیں کہ اگر نبی سابق نبی لاحق کی خبر دے تو اُس کی صفات اور علامات اور

خصوصیات شخصیہ کی ایسی تشریح کر دے کہ اس نبی کو دیکھتے ہی خواص اور عوام کو اس کی نبوت کا بالبداہت یقین آجائے کہ کوئی شبہ کی گنجائش اس میں باقی نہ رہے نبی کی شناخت اگر ایسی بدیہی ہو جائے تو پھر معجزات اور دلائل نبوت اور براہین رسالت کی ضرورت نہ رہے گی۔

امر دوم:[۱]

انبیاء بنی اسرائیل میں سے بہت سے نبیوں نے جیسے اشعیاء اور ارمیاء اور دانیال اور حزقیل اور عیسیٰ علیہم السلام نے بہت سے آئندہ واقعات اور پیش آنے والے حالات کی خبریں دی ہیں جیسے بخت نصر اور خورش اور اسکندر وغیرہ کا ظاہر ہونا اور زمین اور روم اور مصر اور نینوی اور بابل میں حوادث کا پیش آنا پس عقل سلیم اس امر کو قریب قریب ناممکن کے سمجھتی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام ایسے ایسے چھوٹے چھوٹے حوادث کی تو خبریں اور نبی اکرم سرور عالم سیدنا محمد رسول اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر نہ دیں کہ جس سے بڑھ کر آج تک دنیا میں کوئی واقعہ ہی پیش نہیں آیا۔ معلوم ہوا کہ انبیاء سابقین نے آپ کے ظہور پر نور کے متعلق بالضرور بشارتیں دی تھیں مگر اہل کتاب نے ان بشارتوں کو اپنی کتابوں سے نکال دیا یا بدل دیا اور جو بشارتیں ان کی باقی رہ گئی ہیں ان میں تاویلیں کرتے ہیں۔

امر سوم:[۲]

نصاریٰ کا دعویٰ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خاتم النبیین تھے کہ ان کے بعد کسی نبی کا آنا ناممکن ہے اور اہل اسلام یہ کہتے ہیں کہ نصاریٰ کا یہ دعویٰ بالکل غلط ہے۔

۱۔ اس لئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد

---

[۱] اظہار الحق۔ ج: ۲ ص: ۱۱۹

[۲] دیکھو اظہار الحق ج: ۲ ص: ۱۲۰

کوئی نبی نہیں کسی انجیل میں کسی جگہ بھی یہ مذکور نہیں کہ حضرت عیسیٰ خاتم النبیین ہیں

۲۔ نیز حضرت عیسیٰ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ میرے آسمان پر چلے جانے کے بعد کوئی سچا نبی نہیں آئے گا بلکہ اپنے بعد ایک آنے والے عظیم الشان رسول یعنی فارقلیط کی بشارت دی اور اس پر ایمان لانے کی تاکید اکید کی اور اسی بنا پر علماء اہل کتاب کی فارقلیط کی آمد کے منتظر رہے جس کا انجیل میں وعدہ کیا گیا ہے اور اسی وجہ سے مونٹانس نے اپنے حق میں فارقلیط ہونے کا دعویٰ کیا اور بہت سے لوگ اس کے پیرو ہو گئے۔

۳۔ نیز نصاریٰ حواریین اور پولوس کی نبوت کے قائل ہیں حالانکہ یہ سب عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ہیں۔

۴۔ کتاب الاعمال کے گیارھویں باب میں لکھا ہے۔

۲۷۔ انہی دنوں چند نبی یروشلم سے انطاکیہ میں آئے۔

۲۸۔ ان میں ایک نے جس کا نام اگبس تھا کھڑے ہو کر روح کے ہدایت سے ظاہر کیا کہ تمام دنیا میں بڑا کال پڑے گا اور یہ کلودیس (قیصر روم) کے عہد میں واقع ہوا۔ انتہی

یہاں سے صاف ظاہر ہے کہ یروشلم سے انطاکیہ میں چند نبی آئے جن میں سے ایک کا نام اگبس اور عربی نسخہ میں آغابوس تھا اور یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کا ہے پس جب ان کے بعد نبی ثابت ہوئے تو حضرت عیسیٰ کا خاتم النبیین ہونا قطعی غلط ہوا۔

۵۔ نیز انجیل متی کے ساتویں باب درس ۱۵ میں حضرت مسیح کی تعلیم اور تنبیہ اس طرح مذکور ہے جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو۔ الی آخرہ۔

دُور تک سلسلۂ کلام چلا گیا جس میں حضرت مسیح نے خبردار کیا کہ میرے بعد بہت سے جھوٹے مدعیانِ نبوت ظاہر ہوں گے اور میرے نام سے نبوت کا دعویٰ کریں گے یعنی یہ کہیں گے کہ میں مسیح موعود ہوں (جیسا کہ قادیان کا ایک دہقان کہتا ہے کہ میں مسیح موعود ہوں)

تم اُن سے خبردار رہنا وہ باطن میں پھاڑنے والے بھیڑیے ہیں حضرت مسیح نے اس تعلیم میں یہ قید لگائی کہ میرے بعد جھوٹے مدعیانِ نبوت کے دھوکہ میں نہ آنا اور یہ نہیں فرمایا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں

آئے گا۔ بلکہ یہ فرمایا کہ مدعیان نبوت کا امتحان کرو، سچے کی تصدیق کرو اور جھوٹے کی تکذیب کرو چنانچہ یوحنا کے پہلے خط کے باب چہارم میں ہے۔ اے عزیزو ہر ایک روح کا یقین نہ کرو بلکہ روحوں کو آزماؤ کہ وہ خدا کی طرف سے ہے یا نہیں کیونکہ بہت سے جھوٹے نبی دنیا میں نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ الخ

خلاصہ یہ کہ خود نصاریٰ کے ان نصوص سے یہ امر واضح ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خاتم النبیین تھے۔

امر چہارم:

نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ حضرت اسمٰعیل کی والدہ ہاجرہ، کنیز اور باندی تھیں اس لئے شرف اور رتبہ میں بنی اسمٰعیل، بنی اسرائیل کے ہم پلہ نہیں۔

جواب:

اوّل:۔ یہود کی معتبر روایات سے یہ ثابت ہے کہ حضرت ہاجرہ شاہ مصر فرعون کی بیٹی تھیں لونڈی اور باندی نہ تھیں توریت کا ایک معتبر مفسر شلوملو اسحٰق کتاب پیدائش باب ۱۶ آیت اوّل کی تفسیر میں لکھتا ہے

اَبَتْ بَرْعُہا یِتاکَبْرانِسِمْ شِنُعِتْوُ سارا امرمر تاب شتہا بِتِی شِفْحَہْ رَبِیْتْ زِہُ وَ نَوکِبِیْرَہ بِیت اِخیرا ٥

جب اس نے (فرعون شاہ مصر نے) سارہ کی وجہ سے کرامات کو دیکھا تو کہا میری بیٹی کا اس کے گھر میں لونڈی ہو کر رہنا دوسرے گھر میں ملکہ ہو کر رہنے سے بہتر ہے[۵۱]

معلوم ہوا کہ ہاجرہ در اصل کنیز اور لونڈی نہ تھیں بلکہ فرعون مصر کی بیٹی تھیں جس کو بادشاہ نے حضرت سارہ کی خدمت کے لئے دیا تھا، بادشاہ نے جب حضرت سارہ کی کرامتیں دیکھیں تو اس کو یقین ہو گیا کہ سارہ اور اس کا شوہر ابراہیم خدا کا مقبول اور برگزیدہ بندہ ہے اس لئے اس نے حضرت سارہ کا بہت اعزاز و اکرام کیا حتیٰ کہ اپنی بیٹی ہاجرہ کو حضرت ابراہیم کی زوجیت کے لئے دیدیا تاکہ اس زمانہ کے رسم و رواج کے مطابق دوسری بی بی، پہلی بڑی بی بی کی خدمت گزار بن کر رہے۔

۵۱۔ ارض القرآن۔ مؤلف: السید سلیمان ندوی۔ ج: ۲، ص: ۴۱

وقصص القرآن۔ مؤلف: حفظ الرحمٰن سیوہاروی، ج: ۱، ص: ۱۹۰

دوم :

یہ کہ محض کنیز ہونا عیب نہیں حضرت یوسف علیہ السلام کو غلام بنا کر فروخت کر دیا گیا خاص کر جب کہ توریت میں دو عہد لکھے گئے ہیں ایک عہد اسماعیلی اور ایک عہد اسحاقی اور حق تعالیٰ نے دونوں کے حق میں حضرت ابراہیم سے برکت دینے کا وعدہ فرمایا اور حضرت ابراہیم سے حضرت اسمٰعیل کے حق میں برکت اولاد اور امت عظیم کا وعدہ کتاب تکوین اور باب سوم کتاب الاعمال سے بالکل واضح ہے کہ نبی اسماعیل میں سے ایک عظیم الشان نبی ظاہر ہوگا۔ پس خدا تعالیٰ کے وعدۂ برکت کو ذکر نہ کرنا اور وہمی اور خیالی عیوب کا زبان سے نکالنا عقلاً و نقلاً معیوب ہے۔

نصاریٰ کو چاہیئے کہ روبیولوکس ورومس داغسطس کے بیٹے وغیرہ کا خیال کر کے شرمائیں اور پھر یہودا اور زن اوریاء کا حال جو اجداد مسیح کے بیان میں کرتے ہیں اس کا ذرا بھی خیال کریں تو ندامت سے سر نہ اٹھا سکیں۔

خلاصۂ کلام :

یہ کہ حضرت ہاجرہ شاہ مصر کی بیٹی تھیں۔ بادشاہ نے حضرت سارہ کی بزرگی دیکھ کر ان کی خدمت کے لئے پیش کیا اور اس زمانے کا رسم و رواج بھی یہی تھا کہ امیروں کو جو بیٹی دیتے تھے تو وہ بمنزلہ خادمہ کے ہوتی تھی، اسی وجہ سے صحیح بخاری میں یہ لفظ آیا ہے، فاخدمہا ہاجر

نصاریٰ نے بجائے خادمہ کے کنیز اور باندی سے اس کا ترجمہ کر ڈالا جو سراسر بے انصافی ہے۔

حیرت کا مقام ہے کہ علماء یہود و نصاریٰ نے ان حضرات انبیاء کو جو حضرت مسیح کے سلسلۂ اجداد میں ہیں معاذاللہ، معاذاللہ۔ شرک اور بت پرستی اور زناکاری اور شراب خواری میں ملوث سمجھتے ہیں اور ان امور کو قابل طعن نہیں سمجھتے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ پر خادمہ کا لفظ موجب طعن سمجھتے ہیں۔

آمدم بر سرِ مطلب

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء سابقین کے ہزار ہا پیشین گوئیوں میں سے صرف چند پیشین گوئیاں بطورِ نمونہ توریت و انجیل سے ہدیۂ ناظرین کردی جائیں۔ باقی اگر تفصیل درکار ہو تو ازالۃ الاوہام بزبان فارسی اور اظہار الحق بزبان عربی ہر دو تصنیف مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی بانی مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ قدس اللہ سرہٗ کی مراجعت کریں۔

بشارت اوّل۔ از توریت سفر استثناء باب (۱۸) آیت (۱۸)

۱۸۔ اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ انھوں نے جو کچھ کہا سو اچھا کہا۔ میں اُن کے لئے اُن کے بھائیوں میں تجھ سا نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اُس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ اُسے فرماؤں گا وہ سب اُن سے کہے گا۔ ۱۹۔ اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنھیں وہ میرا نام لیکے کہیگا نہ سنیگا تو میں اُس کا حساب اُس سے لوں گا۔ ۲۰۔ لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اُسے حکم نہیں دیا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے۔ ۲۱۔ اور اگر تو اپنے دل میں کہے کہ میں کیونکر جانوں کہ یہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں تو جان رکھ کہ جب نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے اور وہ جو اس نے کہا ہے واقع نہ ہو تو وہ بات خداوند نے نہیں کہی" انتہی

اہلِ اسلام یہ کہتے ہیں کہ یہ بشارت خاص سرورِ عالم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے اور یہود کا یہ خیال ہے کہ یہ بشارت یوشع علیہ السلام کے لئے ہے اور نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے ہے، لیکن حق یہ ہے کہ اس بشارت کا مصداق بجز خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ یہ بشارت اُس نبی کے ظہور کی ہے کہ جو موسیٰ علیہ السلام

کے مماثل یعنی مانند ہو اور بنی اسرائیل میں سے نہ ہو بلکہ بنی اسرائیل کے بھائیوں یعنی بنی اسمٰعیل میں سے ہو اور پھر اس بشارت میں اس آنے والے نبی کی صفات کا ذکر ہے، اس لئے اہلِ اسلام کہتے ہیں کہ یہ خاص آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ہے، بچند وجوہ۔

اوّل:

یہ کہ اس بشارت میں یہ مذکور ہے کہ میں، ان کے یعنی بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ نبی، بنی اسرائیل میں سے نہ ہوگا اس لئے کہ یہ خطابات ایک دو شخص کے ساتھ مخصوص نہ تھے بلکہ بنی اسرائیل کے تمام اسباط اور گروہوں کو تھے، لہٰذا اس خطاب کی مخاطب مجموع قوم بنی اسرائیل ہوگی اور مطلب یہ ہوگا کہ اس پوری قوم (بنی اسرائیل) کے بھائیوں میں سے تیرے مانند ایک نبی برپا کروں گا جو اس امر کی صاف دلیل ہے کہ یہ نبی بنی اسرائیل میں نہ ہوگا اس لئے کہ اگر یہ نبی بنی اسرائیل میں سے ہوتا تو یہ فرماتے کہ خود تم میں سے ایک نبی پیدا ہوگا۔ کما قال تعالیٰ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ [۱] اور یہ نہ فرماتے کہ تمہارے بھائیوں میں سے وہ نبی ظاہر ہوگا کما قال تعالیٰ خطاباً لبنی اسرآئیل وَجَعَلَ فِيْكُمْ أَنْبِيَآءَ۔

غرض یہ کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا تمام بنی اسرائیل کو بلا کسی تخصیص کے یہ خطاب فرمانا کہ وہ نبی موعود تمہارے بھائیوں میں سے ہوگا۔ اس امر کی صاف دلیل ہے کہ وہ نبی موعود بنی اسرائیل کے بھائیوں یعنی بنی اسمٰعیل میں سے ہوگا ـــــــــــ کیونکہ بنی اسمٰعیل، بنی اسرائیل کے بھائی ہیں، نصاریٰ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے بھائیوں سے خود بنی اسرائیل ہی مراد ہیں مگر یہ بالکل غلط ہے اور سراسر خلافِ عقل ہے اور ساری دنیا کے لغت کے خلاف ہے جب یہ کہا جائے کہ زید کے بھائی تو زید ان بھائیوں میں داخل نہ ہوگا بلکہ بھائیوں کے علاوہ ہوگا کیونکہ مضاف الیہ

---

[۱] آل عمران، آیۃ : ۱۶۴۔

باتفاق عقلا مضاف سے خارج ہوتا ہے، نیز کسی شخص اور اس کی اولاد کو دنیا کے کسی محاورہ میں بطریق حقیقت یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ یہ اس کے بھائی ہیں پس بنی اسرائیل کے بھائیوں سے بنی اسرائیل کی اولاد مراد لینا ہے سراسر نادانی اور جہالت ہے محاورہ میں یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ زید بنی تمیم کا بھائی ہے اور ہود قوم عاد کے بھائی ہیں اور صالح قوم ثمود کے بھائی ہیں یعنی اس قوم کے ایک فرد ہیں لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ قوم عاد قوم عاد کے بھائی ہیں اور ثمود ثمود کے بھائی ہیں اور بنو تمیم بنو تمیم کے بھائی اور بنو ہاشم بنو ہاشم کے بھائی ہیں۔

اسی طرح یہ کہنا کہ بنی اسرائیل، بنی اسرائیل کے بھائی ہیں صریح نادانی اور جہالت ہے اور یہ کہنا بنی اسرائیل کے بھائیوں سے اُن کی نسل اور اولاد مراد ہے کھلی ہوئی حماقت ہے۔

نیز کتاب پیدائش کے سولہویں باب، درس تیرہ[۱۲] میں بنی اسرائیل کے مقابلہ میں حضرت اسمٰعیل اور اُن کی اولاد کا اس طرح ذکر ہے۔

۱۲۔ وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بود و باش اختیار کرے گا۔ اھ

اور توریت سفر پیدائش کے پچیسویں باب درس ۱۸ میں ہے۔

کہ اسمٰعیل اپنے سب بھائیوں کے سامنے مرگیا۔ الخ

پس ان دونوں جگہ بنی اسمٰعیل کے بھائیوں سے بالاتفاق بنی عیص اور بنی اسرائیل مراد ہیں اور یہ امر باتفاق یہود و نصاریٰ ثابت ہے کہ خالص بنی عیص میں سے کوئی صاحب نبوت نہیں ہوا اور یہ امر بھی فریقین میں مسلم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جو اولاد قطورہ سے ہوئی اُن سے بھی اللہ تعالیٰ نے نبوت اور برکت کا کوئی وعدہ نہیں فرمایا۔ البتہ حضرت اسمٰعیل کے حق میں برکت کا وعدہ فرمایا۔

اہلِ کتاب کی ایک تحریف کا ذکر:

علماء اہلِ کتاب نے اس بشارت میں ایک لفظ یہ اضافہ کر دیا ہے خدا تیرے ہی درمیان

تیرے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک پیغمبر قائم کرے گا (دیکھو اسی باب کا درس ۱۵) تاکہ یہ بشارت نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم پر صادق نہ آئے سو جاننا چاہیے کہ یہ لفظ تیرے ہی درمیان سے بعد میں بڑھایا گیا ہے دلیل اس تحریف کی یہ ہے کہ توریت سفر استثنا ر باب ۱۸ اور درس اٹھارہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کو خطاب میں الفاظ یہ ہیں، میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا۔ اھ

اس میں تیرے ہی درمیان سے۔ کا لفظ مذکور نہیں اور عجیب بات ہے کہ کتاب الاعمال باب ۳ آیت ۲۲ میں اس خبر کا ذکر آیا ہے مگر تیرے درمیان کا لفظ مذکور نہیں۔

نیز حضرت مسیح کے حواریین نے جہاں کہیں بھی اس کلام کو نقل کیا ہے، اس میں یہ جملہ یعنی کہ تیرے ہی درمیان سے کبھی ذکر نہیں کیا معلوم ہوا کہ یہ جملہ الحاقی ہے۔

اور اگر بالفرض والتقدیر تھوڑی دیر کے لئے یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ جملہ الحاقی نہیں تو ہو سکتا ہے کہ اس کی مراد یہ ہو کہ تیرے درمیان سے یعنی خدا پرستوں کی نسل سے مطلب یہ کہ وہ حضرت ابراہیم حنیف کی نسل سے ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ کہ :

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کے بارہ اسباط کو مخاطب بناکر یہ فرمانا کہ ان کے بھائیوں میں سے حق تعالیٰ ایک نبی برپا کرے گا۔ اس امر کی صریح دلیل ہے کہ وہ نبی اسرائیلی نہ ہوگا ورنہ بنی اسرائیلی نبی کی خبر دینا منظور ہوتا تو یہ فرماتے کہ ان میں سے یا ان کی اولاد میں سے وہ نبی برپا ہوگا ایسی صورت میں بھائیوں کا لفظ بڑھانا محض لغو اور فضول ہوگا بھائیوں کا لفظ بآواز بلند پکار رہا ہے کہ اس نبی موعود کو ان لوگوں کے ساتھ، علاقہ صلبی یا بطنی نہ ہوگا۔ یعنی وہ نبی بنی اسرائیل کی نسل سے نہ ہوگا۔

اور ظاہر ہے کہ حضرت یوشع علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں بنی اسرائیل میں سے

ہیں۔ بنی اسرائیل کے بھائیوں یعنی بنی اسمٰعیل میں سے نہیں لہٰذا یہ دونوں نبی اس بشارت کا مصداق نہیں بن سکتے، اس بشارت کا مصداق صرف وہی نبی ہو سکتا ہے کہ جو بنی اسمٰعیل میں سے ہو انبیاء بنی اسرائیل میں سے کوئی پیغمبر اس بشارت کا مصداق نہیں ہو سکتا۔

دوم:

یہ کہ اس بشارت میں یہ مذکور ہے کہ تیرے مانند ایک نبی برپا کروں گا اور ظاہر ہے کہ موسےٰ علیہ السّلام کے مانند نہ یوشع علیہ السّلام ہیں اور نہ عیسیٰ علیہ السّلام اس لئے کہ یہ دونوں حضرات بنی اسرائیل میں سے ہیں اور توریت سفر استثناء باب ۳۴ چونتیسواں درس دہم میں ہے کہ بنی اسرائیل میں موسیٰ کے مانند کوئی نبی نہیں اٹھا جس سے خداوند آمنے سامنے آشنائی کرتا۔ انتہیٰ۔

علاوہ ازیں حضرت یوشع علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے تلمیذ (شاگرد) تھے اور تابع اور متبوع مماثل نہیں ہوتے نیز حضرت یوشع اس وقت موجود تھے اور اس بشارت میں یہ مذکور ہے کہ ایک نبی برپا کروں گا جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس نبی کا وجود زمانہ مستقبل میں ہوگا۔

اور یوشع علیہ الصلوٰۃ والسّلام حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام ہی کے زمانے میں نبی ہو چکے تھے پس وہ اس بشارت کا جس میں آئندہ نبی کی خبر دی گئی ہے کیسے مصداق ہو سکتے ہیں۔

علیٰ ہذا حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے مماثل نہیں اس لئے کہ نصاریٰ حیاریٰ کے نزدیک تو وہ ابن اللہ یا خود خدا ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام نہ اللہ نہ ابن اللہ بلکہ خدا کے ایک بندے ہیں پس بندے اور خدا میں کیا مماثلت۔

نیز حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بہ اعتقاد نصاریٰ مقتول و مصلوب ہو کر اپنی امت کے لئے کفارہ ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام نہ مقتول و مصلوب ہوئے اور نہ کفارہ ہوئے۔

نیز حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی شریعت حدود و قصاص زواجر و تعزیرات غسل و طہارت کے احکام سے ساکت ہے بخلاف شریعت موسویہ کے وہ ان تمام امور پر مشتمل ہے۔ ہاں نبی

کریم علیہ الصلوٰۃ والسّلام اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام میں مماثلت ہے۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام صاحب شریعت مستقلہ تھے۔ اسی طرح ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت غرّہ بھی مستقل اور کامل اور اعلیٰ وجہ الاتم حدود و تعزیرات، جہاد و قصاص، حلال و حرام کے احکام کو جامع ہے اور ظاہری احکام کی طرح باطنی احکام یعنی اخلاق بھی جامع ہے۔

جس طرح موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے بنی اسرائیل کو فرعون کے پنجہ سے نکال کر عزّت دی، اس سے بدرجہا زائد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کو روم اور فارس کی قید سے چھڑا کر اللہ کا کلمہ پڑھایا اور قیصر و کسریٰ کے خزانن کی کنجیاں اُن کے سپرد کیں۔ نیز جس طرح حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے نکاح کیا اسی طرح ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے بھی انبیاء سابقین کی سنت نکاح پر عمل فرمایا۔

اور اسی مماثلت کی طرف قرآن کریم کی اس آیت میں اشارہ ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاھِدًا عَلَیْکُمْ کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا۔[1]	ہم نے تمھاری طرف ایک رسول بھیجا تم پر گواہی دینے والا جیسے ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا۔

نیز حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام اور حضرت یوشع علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے کبھی اس مماثلت کا دعویٰ بھی نہیں فرمایا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ مماثلت سے یہ مراد ہے کہ وہ نبی موعود موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی طرح بنی اسرائیل میں سے ہوگا۔ تو اس صورت میں حضرت عیسیٰ اور حضرت یوشع علیہما الصلوٰۃ والسلام کی کیا تخصیص ہے، حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے بعد بنی اسرائیل میں ہزاروں نبی پیدا ہوئے۔ اس لحاظ سے ہر نبی انبیاء بنی اسرائیل میں سے اس بشارت کا مصداق بن سکتا ہے اور اگر حضرت عیسیٰ اور حضرت یوشع علیہما الصلوٰۃ والسلام کے لئے کسی درجہ میں مماثلت تسلیم کرلی جائے تو اس مماثلت کو اس مماثلت سے کہ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے حاصل ہے کوئی نسبت نہیں۔

(۳)۔ سوم یہ کہ اس بشارت میں یہ بھی مذکور ہے کہ میں اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ اھ یعنی اُس پر یہ الواح تورات و زبور کی طرح لکھی ہوئی کتاب نازل نہ ہوگی بلکہ فرشتہ اللہ کی وحی لے کر نازل

---

[1] المزمل، آیت: ۱۵۔

ہوگا۔ اور وہ نبی اُمّی ہوگا۔ فرشتہ سے سن کر اللہ کا کلام یاد کرے گا اور اپنے منھ سے پڑھ کر اُمّت کو سنائے گا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بات بجز نبی اُمّی فداہ نفسی وابی وامی کسی پر صادق نہیں آتی کما قال تعالیٰ وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰى [۵۱] آپ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے مگر وہ وحی ہوتی ہے جو اللہ کی طرف سے بھیجی جاتی ہے۔

(۴)۔ چہارم یہ کہ اس بشارت میں اس امر کی بھی تصریح ہے کہ جو اُس نبی موعود کے حکم کو نہ مانے گا میں اس کو سزا دوں گا اور ظاہر ہے کہ اس سزا سے اُخروی عذاب مراد نہیں اس لئے کہ اس میں اُس موعود کے نہ ماننے والے کی کیا خصوصیت۔ اُخروی عذاب ہر نبی کے نہ ماننے والے کے لئے ہے بلکہ اس سے دنیوی سزا یعنی جہاد و قتال اور حدود و قصاص کا جاری کرنا مراد ہے اور یہ بات نہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاصل ہوئی اور نہ یوشع علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو۔ البتہ خاتم الانبیاء سرور عالم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو علی وجہ الاتم حاصل ہوئی لہٰذا وہی اس بشارت کا مصداق ہو سکتے ہیں۔

(۵)۔ پنجم یہ کہ اس بشارت میں یہ بھی تصریح ہے کہ اگر وہ نبی عیاذاً باللہ افتراء کرے گا اور خدا کی طرف غلط بات منسوب کرے گا تو وہ نبی قتل کیا جائے گا اور ظاہر ہے کہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعد دعوائے نبوت قتل نہیں کئے گئے۔ دشمنوں نے ہر طرح کی کوشش اور تدبیر کی مگر سب برباد گئی۔

كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ تَعَالٰى۔ وَاِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ وَیَمْكُرُوْنَ وَیَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ۔ [۵۲]

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی اُس نعمت کو یاد کیجئے کہ کافر جب آپ کے ساتھ مکر کرتے تھے کہ آپ کو قید کر لیں یا مار ڈالیں یا نکال دیں وہ اپنی تدبیریں کرتے تھے اور اللہ اپنی تدبیر فرماتا تھا اور اللہ ہی بہترین تدبیر فرمانے والا ہے۔

اور حسب وعدۂ الٰہی وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ آپ بالکل محفوظ اور مامون رہے اور

---

[۵۱] النجم، آیۃ: ۳، ۴ — [۵۲] الانفال، آیۃ: ۳۰۔

بجائے اس کے کہ کسی قسم کا حادثہ فاجعہ پیش آتا آپ کی شان و شوکت بلند ہوتی گئی۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر وہ نبی موعود نہ ہوتے تو ضرور قتل کئے جاتے۔ ہاں حسب زعم نصاری حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مقتول و مصلوب ہوئے۔ پس اگر حضرت مسیح بن مریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بشارت کا مصداق قرار دیا جائے تو علیٰ زعم النصاریٰ عیاذاً باللہ ان کا کاذب ہونا لازم آتا اور قرآن عزیز میں بھی اس طرح اشارہ ہے، کما قال اللہ تعالیٰ شانہ :

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ۵ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۶

اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو آپ قریب تھے کہ ان کی جانب اقل قلیل مائل ہو جاتے اس وقت ہم آپ کو زندگی اور موت کا دو چند عذاب چکھاتے پھر آپ ہمارے مقابلے میں کسی کو مددگار نہ پاتے اگر محمد ہم پر کچھ افترا کرتے تو ہم اُن کا داہنا پکڑ لیتے اور ان کی شہ رگ کو کاٹ دیتے۔

(ایک ضروری تنبیہ) بیسویں درس میں جو یہ مذکور ہے کہ وہ نبی اگر مجھ پر جھوٹ باندھے تو مار ڈالا جائے گا۔ سو جاننا چاہیے کہ نہ قتل ہونا علی الاطلاق صادق ہونے کی دلیل نہیں ورنہ اُن انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کہ جو دشمنوں کے ہاتھ سے قتل کئے گئے زیر تامل ہوگی کما قال اللہ تعالیٰ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ خصوصاً نصاریٰ کو اپنے عقیدۂ فاسدہ کی بنا پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صداقت ثابت کرنا بہت دشوار ہو جائے گی۔

بلکہ خاص اس نبی موعود کا نہ قتل ہونا اُس کے صادق ہونے کی علامت ہے، جیسا کہ تورات کی اس عبارت سے ظاہر ہے: "وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے گا الخ" وہ قتل کیا جائے گا۔ اھ، دونوں جملوں میں وہ کی ضمیر خاص اُس نبی موعود کی طرف راجع ہے اگر یہ حکم مطلق نبی کے حق میں ہو تو معاذ اللہ حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ جھوٹے نبی ٹھہرتے ہیں۔ اور نصاریٰ کے عقیدہ کی بنا پر چونکہ حضرت عیسیٰ مقتول اور

---

۵ بنی اسرائیل، آیتہ: ۷۴، ۶ الحاقۃ، آیتہ: ۴۴-

مقلوب ہوئے تو وہ بھی معاذ اللہ جھوٹے ٹھہرتے ہیں پس معلوم ہوا کہ یہ خبر خاص اس نبی موعود کے حق میں ہے کہ جس کی یہ بشارت دی گئی ہے ۔ اگر اس خبر کو مطلق نبی کے حق میں مانا جائے تو یہود بے بہبود جو حضرت عیسیٰ کو نبی نہیں مانتے ان کو اپنے کفر کے لئے ایک دلیل ہاتھ آجائے گی۔

ششم یہ کہ اس بشارت میں یہ بھی مصرح ہے کہ اس نبی موعود کے صادق ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس کا کہا پورا ہوگا یعنی اس کی تمام پیشین گوئیاں صادق ہوں گی۔ سو الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ اس صادق مصدوق کی کوئی پیشین گوئی آج تک ذرہ برابر بھی غلط ثابت نہیں ہوئی، اور ہم پورے دعوے کے ساتھ بہ بانگ دہل اعلان کرتے ہیں کہ قیامت تک بھی کوئی حاسد اس صادق مصدوق کی کسی پیشین کو غلط ثابت نہیں کر سکتا۔

اور یہ وصف تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسا نمایاں اور اجلیٰ تھا کہ آپ کے دشمنوں اور حاسدوں کو بھی بجز صادق امین کہنے کے کوئی چارہ نظر نہ آتا تھا۔

کوئی مانے یا نہ مانے

یہ گنہگار امت تو اس نبی امی فداہ نفسی وابی وامی کے صادق مصدوق ہونے پر طلوع شمس اور وجود نہار سے بدرجہا زائد یقین رکھتا ہے اور اس خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی قسم کھا کر اور اس کو اور اس کے تمام ملائکہ کو گواہ بنا کر صمیم قلب اور خلوص اعتقاد سے یہ تصدیق اور اقرار کرتا ہے کہ بے شک و شبہ آپ صادق مصدوق اصدق الاولین والآخرین ہیں۔ اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْنَا عَلٰی ذٰلِکَ اٰمِیْن

ہفتم یہ کہ کتاب الاعمال باب سوم آیت مقدمہ کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی منتظر حضرت عیسیٰ اور ایلیا علیہما الصلوٰۃ والسلام بلکہ تمام انبیاء کرام کے علاوہ ہے۔

وہ عبارت یہ ہے:

اب اے بھائیو میں جانتا ہوں کہ تم نے یہ نادانی سے کیا جیسے تمہارے سرداروں نے بھی پر جن باتوں کی خدا نے اپنے سب نبیوں کی زبان سے آگے سے خبر دی تھی کہ مسیح دکھ اٹھائے گا سو پوری کیں۔ ۱۹۔ پس توبہ کرو اور متوجہ ہو کہ تمہارے گناہ مٹائے جائیں

تاکہ خداوند حضور تازگی بخش ایام آویں۔ ۲۰۔ اور یسوع مسیح کو پھر بھیجے جس کی منادی تم لوگوں کے درمیان آگے سے ہوئی۔ ۲۱۔ ضرور ہے کہ آسمان اُسی لئے رہے اس وقت تک کہ سب چیزیں جن کا ذکر خدا نے ان سب پاک نبیوں کی زبانی شروع سے کیا اپنی حالت پر آویں۔ ۲۲۔ کیونکہ موسیٰ نے باپ دادوں سے کہا کہ خداوند جو تمھارا خدا ہے تمھارے بھائیوں میں سے تمھارے لئے ایک نبی تیری مانند اٹھاوے گا جو کچھ وہ کہے اس کی سب سنو۔ ۲۳۔ اور ایسا ہوگا کہ ہر نفس کہ جو اس نبی کی نہ سنے وہ قوم سے نیست کیا جاوے گا۔ ۲۴۔ بلکہ سب نبیوں نے سموایل سے لیکے پچھلوں تک جنھوں نے کلام کیا ان دونوں کی خبر دی ہے۔ ۲۵۔ تم نبیوں کی اولاد اور اس عہد کے جو خدا نے باپ دادوں سے باندھا ہے جب ابرہام سے کہا کہ تیری اولاد سے دنیا کے سارے گھرانے برکت پاویں آہ

اس عبارت میں اول حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی بشارت اور ان کی اس تکلیف کا جو ان کو علی زعمہم یہود لعنہم اللہ سے پیش آئی ذکر ہے۔ اور ان کے نزول من السمار کا تذکرہ ہے۔ اس کے بعد اس نبی کی بشارت کا ذکر ہے کہ جس کے متعلق حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنی اسرائیل سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا۔

خداوند عالم تمھارے بھائیوں یعنی بنی اسماعیل میں ایک نبی بھیجنے والا ہے، اور علاوہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے تمام نبیوں نے اس نبی موعود کے آنے کی خبر دی ہے اور جب تک یہ وعدہ ظہور میں نہ آئے گا اس وقت تک یہ زمین و آسمان ضرور قائم رہیں گے اور اُسی زمانے میں خدا کا وہ عہد بھی پورا ہوگا کہ جو اس نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کیا تھا کہ تجھ سے دنیا کے سارے گھرانے برکت پاویں گے۔

الحاصل حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی بشارت کا ذکر کر کے یہ کہنا (سو پوری کیں) اور

جس نبی کی موسیٰ اور ابراہیم علیہما الصلوٰۃ والسّلام اور تمام انبیاء کرام علیہم الف الف صلوٰۃ والف الف سلام نے بشارت دی ہے، اس کے انتظار کو ان الفاظ سے ظاہر کرنا کہ "ضرور ہے کہ آسمان اس کے لئے رہے کہ اس وقت کو سب چیزیں کہ جن کا ذکر خدا نے اپنے سب پاک نبیوں کی زبانی شروع سے کیا اپنی حالت پر آویں" اھ

اس امر کی صاف دلیل ہے کہ یہ نبی مبشَّر اور رسول منتظر ان تمام انبیاء و رسل کے علاوہ ہے جو حضرت موسیٰ سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسّلام تک گزرے۔ لہٰذا اس بشارت کا مصداق حضرت موسیٰؑ سے حضرت عیسیٰؑ کے زمانے تک کوئی نبی نہیں ہو سکتا" پس حضرت یوشع یا حضرت مسیح بن مریم علیہما السلام کو اس بشارت کا مصداق قرار دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

ہشتم یہ کہ انجیل یوحنا باب اوّل آیت انیسویں میں ہے۔

جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہنوں اور لاویوں کو بھیجا کہ اس کو پوچھیں کہ تو کون ہے اور اس نے اقرار کیا کہ اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں مسیح نہیں تب انھوں نے اس سے پوچھا تو اور کون ہے کیا تو الیاس ہے اس نے کہا میں نہیں ہوں۔ پس آیا تو وہ نبی ہے اس نے جواب دیا نہیں" اھ

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کو حضرت مسیح اور ایلیا علیہما الصلوٰۃ والسّلام کے سوا بھی ایک نبی کا انتظار تھا۔ اور وہ نبی ان کے نزدیک ایسا معروف و معہود تھا کہ اس کے نام کے ذکر کرنے کی بھی حضرت مسیح اور حضرت ایلیاء کے نام کی طرح حاجت نہ تھی۔ بلکہ فقط "وہ نبی" کا اشارہ ہی اس کے لئے کافی تھا۔

پس اگر حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسّلام ہی اس بشارت کا مصداق تھے تو پھر ان کو انتظار کس کا تھا وہ نبی جس کا کہ ان کو انتظار تھا وہ ہمارے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں۔ اور اسی وجہ سے کہ اہلِ کتاب نبی اکرم سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے لئے "وہ نبی" کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ اس لئے ہمیشہ سے اہلِ اسلام نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو آں حضرت (جو بعینہٖ وہ نبی کا ترجمہ ہے) بولتے ہیں۔

نہم یہ کہ انجیل یوحنا باب ہفتم کی آیت چہلم سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی موعود حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ ہے چنانچہ انجیل میں ہے۔

۴۰۔ تب اُن لوگوں میں سے بہتیروں نے یہ سن کر کہا فی الحقیقت یہی وہ نبی ہے۔ اوروں نے کہا یہ مسیح ہے۔ اھ

نبی معہود کو حضرت مسیح کے مقابلے میں ذکر کرنا اس کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ وہ نبی معہود حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ ہے۔ پس اگر "وہ نبی" سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مراد نہوں تو پھر وہ کون نبی ہے کہ جس کا انتظار تھا۔

دہم آپ کے عہد نبوت میں بہت سے علماء یہود و نصاریٰ نے اس امر کا اعتراف کیا کہ آپ وہی نبی برحق ہیں جن کی موسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی ہے اور آپ ہی اس بشارت کے مصداق ہیں بعد ازاں ان میں سے بہت سے اسلام لائے جیسے مخیرق یہودی اور ضغاطر رومی عیسائی اور بہت سوں نے اقرار کیا گر اسلام نہیں لائے جیسے ہرقل شاہ روم اور عبد اللہ بن صوریا یہودی وغیرہما نے اقرار کیا کہ آپ وہ نبی برحق ہیں جن کی حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ نے بشارت دی ہے مگر اسلام نہیں لائے۔

بشارت دوم، از تورات کتاب پیدائش باب ۱۷ آیات بستم

اسمٰعیل کے حق میں میں نے تیری سُنی دیکھ میں اُسے برکت دوں گا اور اُسے برومند کروں گا اور اُسے بہت بڑھاؤں گا اور اُس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اُس سے بڑی قوم بناؤں گا

اور اسی باب کی آٹھویں آیت میں ہے۔

اور میں تجھ کو اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا تمام ملک جس میں تو پردیسی ہے، دیتا ہوں اھ

اور کتاب پیدائش کے باب ۱۶ آیت ۱۱ میں ہے۔

خداوند کے فرشتہ نے اُسے (ہاجرہ) کہا کہ تو حاملہ ہے اور ایک بیٹا جنے گی اس کا نام

اسمٰعیل رکھنا خدا نے تیرا دکھ سن لیا وہ وحشی آدمی ہوگا اس کا ہاتھ سب سے داو پر ہوگا) اور سب کے ہاتھ اس کے برخلاف ہوں گے اور وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بود و باش کرے گا۔ انتہی

اور باب ۲۵ آیت ۱۱ میں ہے۔

آپ کے فرزند اسحاق کو اللہ نے برکت دی۔ آھ

الحاصل حق تعالیٰ شانہ نے حضرت ابراہیمؑ سے حضرت اسحاق اور حضرت اسمٰعیل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بابت وعدہ فرمایا کہ ان کو برکت دوں گا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اوّل حضرت اسحٰق کی اولاد نے برکت حاصل کی اور تقریباً دو ہزار سال تک سلسلہ نبوّت و رسالت آپ کی اولاد میں جاری رہا اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تک برابر حضرت اسحٰق کی اولاد میں انبیاء و رسل ہوتے رہے۔

بعد ازاں جب دوسرے وعدہ کا وقت آگیا تو شرف نبوّت و رسالت یکسر بنی اسرائیل سے بنی اسمٰعیل کی جانب منتقل ہو گیا اور دعائے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ظہور فاران کی چوٹیوں سے اور سینا اور سعید کا نور فاران پر جگمگانے لگا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

توراتِ سفر پیدائش باب (۲۱) سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو حجاز میں لے کر آئے اور وادیٔ فاران میں مکہ مکرمہ کے قریب چھوڑ کر واپس ہو گئے۔

حضرت سارہ کے وصال کے بعد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پھر اسی وادیٔ فاران میں واپس تشریف لائے۔ اس عرصہ میں حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام جوان ہو چکے تھے۔ دونوں نے مل کر کعبۃ اللہ کی تعمیر شروع کی کما قال تعالیٰ تبارک و تعالیٰ۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ۭ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ اِنَّكَ

اس وقت کو یاد کر جب حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے

اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ؕ ۱	تھے اور یہ دعا مانگتے تھے کہ اے پروردگار یہ خدمت تو ہم سے قبول فرما۔ تو بے شک سُننے والا اور جاننے والا ہے۔ اور اے پروردگار ہم کو اور ہماری ذریت سے ایک جماعت کو اپنا فرمانبردار بنا۔

ناظرین غور فرمائیں کہ اس مقام پر کس کی ذرّیّۃ مُراد ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذرّیت مراد ہے جو کہ وادیٔ فاران اور حرم الٰہی اور کعبۃ اللہ کے آس پاس مقیم ہے، اسی ذرّیت کے لئے حضرت ابراہیم نے اوّل یہ دعا فرمائی، رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا الخ اور دوسری دعا یہ فرمائی۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ (ای فی هذه الذریة ذریة هاجرة واسمٰعیل علیهما الصلوٰة والسلام) رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَیُزَكِّیْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ؕ ۲	اے پروردگار ہاجرہ اور اسمٰعیل کی ذریت میں ایک ایسا رسول بھیج جو تیری کتاب کی تلاوت کرے اور لوگوں کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کو کفر اور شرک سے پاک کرے بیشک تو ہی غالب اور حکیم ہے۔

حق تعالیٰ نے جس طرح قرآن کریم اس دعائے ابراہیمی کا ذکر فرمایا ہے اسی طرح اس کی اجابت کا بھی تذکرہ فرمایا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ؕ ۳	اللہ ہی نے بے پڑھوں میں اُن ہی میں کا ایک رسول بھیجا جو ان پر خدا کی آیتوں کی تلاوت کرتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔

خلاصہ یہ کہ قارئین کرام اس پر غور کریں کہ اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی اولاد میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زائد کون بابرکت اور بہرہ مند ہوا اور کنعان کی زمین کس کی وراثت میں آئی

---

۱ البقرہ، آیۃ - ۱۲۷ - ۱۲۸ - ۲ البقرہ، آیۃ - ۱۲۹

۳ سورۃ الجمعۃ، آیۃ - ۲ -

اور حضور پُر نور کے سوا کون ہے کہ جس کا ہاتھ سب کے اُوپر رہا ہو اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں دی گئی ہوں۔

اور بارہ سواروں سے بارہ خلفاء مراد ہیں کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدور رحی الاسلام الی اثنی عشر اسلام کا رحیٰ (چکی) بارہ ۱۲ خلفاء پر گھومے گا خلیفۃ کلھم من قریش جو سب کے سب قریش سے ہوں گے۔

فائدہ جلیلہ اس علیم و حکیم نے اپنی حکمت بالغہ سے اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی اولاد کو اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی اَولاد پر برکت دینے میں اس وجہ سے مقدم رکھا کہ حضرت اسمٰعیل کی اَولاد میں خاتم النبیین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہونے والے تھے پس اگر حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وعدہ کو مقدم کر دیا جاتا تو پھر اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اَولاد سے سلسلۂ نبوّت و رسالت منقطع ہو جاتا۔ اس لئے کہ خاتم الانبیاء والمرسلین کے بعد کوئی نبی و رسول نہیں بنایا جا سکتا۔

اور اسی وجہ سے کہ اسحاق علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی اولاد میں بکثرت نبی ہوں گے تو بنی اسرائیل کو اس انعام کی تذکیر ان الفاظ سے کی گئی۔

اِذْ جَعَلَ فِیْکُمْ اَنْبِیَآءَ "تم میں حق تعالیٰ نے بہت نبی پیدا کئے"

اور حضرت ابراہیم نے جو حضرت اسمٰعیل علیہما الصلوٰۃ والسّلام کے لئے دعا فرمائی تو یہ فرمایا

"رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا۔ یعنی اے پروردگار ان میں ایک عظیم الشان رسول بھیج"

اور یہ نہیں فرمایا "رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رُسُلًا یعنی اے اللہ ان میں بہت سے رسول اور نبی بھیج"

جس سے صاف یہ معلوم کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسّلام بنی اسمٰعیل میں سے صرف ایک ایسے رسول کے مبعوث ہونے کی دعا فرماتے تھے کہ جس کے آنے کے بعد کسی نبی اور رسول کی حاجت نہ رہے۔ صیغۂ مفرد کے ساتھ ذکر فرمایا رُسُلًا صیغۂ جمع کے ساتھ نہیں ذکر فرمایا۔

وَعَنْ اَبِی الْعَالِیَۃِ فِیْ قَوْلِہٖ تَعَالٰی رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَعْنِیْ اُمّۃ مُحَمَّد صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقیل لہ قد استجیب لک وھو کائن فی اٰخر الزمان وکذا قال السدی وقتادۃ۔ تفسیر ابن کثیر[۱]

ابو العالیہ سے مروی ہے کہ جب حضرت ابراہیم نے یہ دُعا فرمائی رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ تو اللہ کی جانب سے یہ کہا گیا کہ تمھاری دُعا قبول ہوئی، یہ پیغمبر اخیر زمانے میں ہوگا۔ ایسا ہی سُدی اور قتادہ سے مروی ہے۔

ھُوَ کَائِنٌ فِی اٰخِرِ الزَّمَانِ سے خاتم النبیین ہونا مراد ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اَنَا دَعْوَۃُ اَبِیْ اِبْرَاھِیْمَ۔ یعنی میں اپنے باپ ابراہیم کی دُعا ہوں" اسی طرف مشیر ہے۔

اور اسی وجہ سے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ دعا امت محمدیہ پر عظیم الشان احسان ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کے بعد کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ کا پڑھنا اس احسان کے شکر میں اُمت پر لازم ہوگیا۔

یا یہ کہا جائے کہ تمام انبیاء و رسل میں سے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صلوٰۃ والسلام کے لئے مخصوص کرنا اُن کی اس دعا کی اجابت ہے۔ رَبِّ هَبْ لِیْ حُکْمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ[۲] چنانچہ حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو علم و حکمت بھی عطا فرمائی اور صالحین میں بھی داخل فرمایا، اور آخر میں یعنی اس آخری امت میں کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ الخ کے ذریعے سے ان کا ذکر خیر جاری فرمایا اور ان شاء اللہ العزیز الی یوم القیامۃ اسی طرح جاری رہے گا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ "

اور چونکہ حضرت ابراہیم سے برکت دینے کا وعدہ تھا اس لئے کَمَا بَارَکْتَ کا اور اضافہ کردیا گیا۔

اور عجب نہیں کہ اُن بارہ سرداروں سے کہ جن سے خلفاء مراد لئے گئے ختم نبوت کی طرف اشارہ ہو یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری نہ رہے گا بلکہ خلافت و نیابت

---

[۱] تفسیر ابن کثیر

[۲] الشعراء، آیۃ: ۸۴ -

کا سلسلہ جاری ہوگا اور اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے اُمت سے صرف خلافت کے جاری رکھنے کا وعدہ فرمایا۔ نبوت و رسالت کا کسی درجہ میں بھی وعدہ نہیں فرمایا کما قال تعالیٰ

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ[1]	جو لوگ ایمان لا چکے اور جنھوں نے عمل صالح کئے اُن سے اللہ تعالیٰ نے خلافت دینے کا وعدہ فرمایا ہے،
وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم خلافة النبوة بعدی ثلاثون عاما	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نبوت کی خلافت میرے بعد تیس سال رہے گی،
وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانت بنو اسرائیل تسوسهم الانبیاء کلما هلك نبی خلفه نبی وانه لا نبی بعدی وسیكون خلفاء۔ رواہ البخاری	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کا انتظام ان کے نبی کیا کرتے تھے جب کوئی نبی گزر جاتا تو دوسرا نبی اس کے قائم مقام ہو جاتا تھا لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں البتہ خلفاء ہوں گے۔ (بخاری)

بشارت سوم، از تورات سفر استثناء باب ۳۳ آیت ۲

جَاءَ الرَّبُّ مِنْ سِيْنَاءَ وَاَشْرَقَ لَهُمْ مِنْ سَاعِيْرَ وَتَلَأْلَأَ مِنْ جِبَالِ فَارَانَ وَاَتٰى مِنْ رَبَوَاتِ الْقُدْسِ وعن یمینه نَارُ شَرِيْعَةٍ۔ اھ

اور الجواب الفسیح میں بعض نسخ تورات سے اس طرح نقل کیا ہے۔

جَاءَ الرَّبُّ مِنْ سِيْنَاءَ وَاَشْرَقَ لَنَا مِنْ سَاعِيْرَ وَاسْتَعْلَنَ مِنْ جِبَالِ فَارَانَ اھ

اور اُردو نسخہ میں اس طرح ہے ۲ اور اُس نے (یعنی موسیٰ علیہ السلام) نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا اور سعیر سے اُن پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا۔ اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت اُن کے لئے تھی۔ آھ

اس آیت میں تین بشارتیں مذکور ہیں (۱) طور سینا پر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تورات کا عطا ہونا مراد ہے (۲) اور ساعیر ایک پہاڑی کا نام ہے کہ جو شہر

[1] النور، آیۃ: ۵۵۔

ناصرہ مولدِ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام میں واقع ہے۔ اس سے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی نبوّت اور نزولِ انجیل کی طرف اشارہ ہے (۳) اور فاران سے مکّہ کے پہاڑ مراد ہے۔ اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور نزول قرآن کی جانب اشارہ ہے۔

غار حرا، اسی فاران پہاڑ میں واقع ہے جس میں سب سے پہلے اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ کی ابتدائی پانچ آیتیں آپ پر نازل ہوئیں توریت کتاب پیدائش کے اکیسویں باب درس ۲۰ میں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کے ذکر میں ہے۔

۲۰ ۔ اور خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑھا اور بیابان میں رہا کیا اور تیر انداز ہوگیا۔

۲۱ ۔ اور وہ فاران کے بیابان میں رہا۔ انتہیٰ

اور حضرت اسمٰعیل کی سکونت کا مکہ مکرمہ میں ہونا سب کو مسلّم ہے معلوم ہوا کہ توریت کی اس آیت میں اُس نبوّت کی بشارت ہے جو فاران کے پہاڑ سے جلوہ گر ہوگی اور کوہ و دشت کو اپنے نور سے بھر دے گی، اب ناظرین خود دیکھ لیں کہ سوائے نبوّت محمدیہ کے وہ کونسی نبوّت ہے کہ جو فاران سے ظاہر ہوئی اور اس نے تمام عالم کو انوارِ ہدایت سے منوّر کر دیا۔ فاران کی نبوّت بلا شبہ سینا اور ساعیر کی نبوّت سے کہیں زیادہ روشن تھی اور آتشی شریعت سے بھی قرآن کریم مراد ہے اس لئے کہ وہ احکامِ جہاد اور احکام حدود و قصاص پر مشتمل ہے اور دس ہزار قدوسیوں سے لشکر ملائک مراد ہے۔ یا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا فتح مکہ کے وقت دس ہزار صحابہؓ کے ساتھ مکّہ پر حملہ کرنا مراد ہے۔ اور حضرت مسیح کے ساتھ بقول نصاریٰ صرف بارہ حواری تھے اور وہ بھی سب جان بچا کر بھاگ گئے اور ایک خاص حواری یہودا نے تیس درم رشوت لے کر اپنے خداوند کو گرفتار کرا دیا تھا۔

اور اس بشارت کی حسن ترتیب اور حسن بیان قابلِ غور ہے۔ اوّل یہ فرمایا جَاءَ الرَّبُّ مِنْ سیناء خداوند سیناء سے آیا۔ اور اس کے بعد یہ فرمایا۔ وَاَشْرَقَ مِنْ ساعیر سعیر سے طلوع ہوا اور آخیر میں یہ فرمایا وَاسْتَعْلَنَ مِنْ جِبَالِ فَارَانَ کے پہاڑ سے جلوہ گر ہوا جس سے مقصد یہ ہے کہ نزول توراۃ بمنزلۂ طلوعِ فجر کے ہے۔ اور نزول انجیل بمنزلہ طلوع شمس کے ہے اور نزول

قرآن بمنزلۂ استواء شمس فی نصف النہار ہے ۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ کفر کی تاریک شب کا خاتمہ اور پَو پھٹ کر ایمان و ہدایت کی صبح صادق کا ظہور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں ہوا۔ اور فرعون اور قارون اور ہامان جیسے ائمۃ الکفر عذاب الٰہی سے ہلاک ہوئے۔

اور جب حضرت مسیح بن مریم علیہما الصلوٰۃ والسلام کا ظہور ہوا تو آفتابِ ہدایت بھی افق مشرق پر ظاہر ہوا اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا تو آفتابِ ہدایت ٹھیک نصف النہار پر آگیا اور کوئی چپہ زمین کا ایسا باقی نہ رہا کہ جہاں اس آفتاب کی روشنی نہ پہنچی ہو اور قرآنِ عزیز میں بھی اس بشارت کی طرف اشارہ ہے۔

(وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ) [1]

تین اور زیتون چونکہ ارض مقدس میں پیدا ہوتے ہیں جس جگہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا ہوئے اس لئے اس سے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کی جانب اشارہ ہے اور بلد امین سے مراد مکہ مکرمہ مراد ہے کہ جس سے آفتاب نبوت و رسالت کا طلوع ہوا۔

حق تعالیٰ شانہ نے مکہ کی صفت الامین ذکر فرمائی ہے جس سے اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ سردار عالم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم خزانہ الٰہی کے دریتیم ہیں کہ بطور امانت اس بلد امین کے سپرد کر دئے گئے ہیں۔ بلد امین نے ترپن سال تک اس دُرِ یتیم اور امانت الٰہی کی حفاظت کی مگر جب وقت بہت ہی نازک ہوگیا تو اس وقت بلد امین نے بادلِ ناخواستہ یہ امانت مدینہ طیبہ کے سپرد کردی۔ کذا فی ہدایۃ الحیاری

الحاصل اس کلام میں تین پیغمبروں کی بشارتیں دی گئیں؛ اور بشارت کا اختتام خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک پر ہوا تاکہ ختم نبوت کی طرف اشارہ ہو جائے۔

مخالفین کہتے ہیں کہ فاران سینار کے ایک علاقہ کا نام ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] سورۃ التین، آیۃ: ۱-۳۔

چونکہ اس علاقہ میں ظاہر نہیں ہوئے اس لئے یہ بشارت اُن کے حق میں نہیں ہو سکتی۔ جواب یہ ہے کہ،

توراۃ کتاب پیدائش باب اکیسواں اندرس ۱۳ تا درس ۲۱ میں لکھا ہے کہ بی بی ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل بی بی سارہ کے ناراض ہو جانے سے ارضِ مقدس کو چھوڑ کر دشت فاران میں سکونت پذیر ہوئے جس کی بنا پر فاران وہی مقام ہوگا جو حضرت اسمٰعیل اور ان کی اولاد کا سکونت گاہ ثابت ہوا۔

اور یہ امر روایت متواترہ سے ثابت ہے کہ بی بی ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل وادیٔ حجاز کے اُس میدان میں مقیم ہوئے جہاں اس وقت مکہ آباد ہے اور یہیں آپ کی اولاد بھی قیام پذیر ہوئی معلوم ہوا کہ فاران علاقہ سینا کے کسی پہاڑ کا نام نہیں بلکہ مکہ مکرمہ کے پہاڑ کا نام ہے جہاں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کی سکونت تھی۔

سامری توراۃ کے عربی ترجمہ میں جس کو علماے جرمن نے ۱۸۵۱ء میں بمقام گاٹنگن چھپوایا ہے، حضرت اسمٰعیل کی سکونت گاہ کے متعلق تحریر ہے وسکن فی بریۃ فاران (ای الحجاز) واخذت لہ امرأۃ من ارض مصر (کون الدنیا ۲-۲۱)

حضرت داؤد علیہ الصلوۃ والسلام سموئیل نبی کے وفات کے بعد دشت فاران میں تشریف لے گئے اور وہاں آپ نے ایک زبور تصنیف کی جس میں نہایت افسوس کے فرماتے ہیں کہ میں قیدار کے قیام گاہ میں سکونت پذیر ہوں دیکھو سموئیل نبی کی پہلی کتاب باب ۲۵ درس یکم اور دیکھو زبور ۱۲۰ ورس پنجم۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ قیدار فاران میں رہتا تھا۔ قیدار حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوۃ والسلام کے دوسرے فرزند ہیں۔ اشعیا پیغمبر کے صحیفہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اور اس کی اولاد مغربی ملک میں رہتی تھی بطلیموس نے حجاز کا وسطی علاقہ اُس کی جائے سکونت بتایا ہے اس بنا پر یہ امر ثابت ہے کہ وادیٔ حجاز اور فاران دونوں ایک ہی مقام ہیں، جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور مکہ میں ہوا جو حجاز کا مشہور شہر ہے کذا فی البشارات لاحمد[1] اور آتشی شریعت سے مراد یہ ہے کہ وہ

---

[1] یہ رسالہ جناب حکیم سید محمد شمس اللہ صاحب قادری حیدرآبادی کی تصنیف ہے، رسالہ کل (۳۲) صفحات کا ہے اور مفید اور مختصر ہے حشو اور اطناب سے پاک ہے۔ ۱۲ منہ

شریعت احکام جہاد و قصاص و حدود و تعزیرات پر مشتمل ہو گی اور اس کی نبوت دنیاوی بادشاہت ساتھ لئے ہو گی۔ اور حضرت عیسیٰ کی نبوت دنیاوی بادشاہت کو ساتھ لئے ہوئے نہ تھی اور نہ وہ مجرمین سے انتقام پر قادر تھے۔

بشارت چہارم۔ از تورات سفر استثنا باب (۳۲)، آیت (۲۱)

انھوں نے اس کے سبب سے جو خدا نہیں مجھے غیرت دلائی اور اپنی واہیات باتوں سے مجھے غصہ دلایا۔ سو میں بھی انھیں اس سے جو گروہ نہیں غیرت میں ڈالوں گا اور بے عقل قوم سے انھیں خفا کروں گا، اھ

اس بشارت میں بے عقل قوم سے جہلائے عرب مراد ہیں کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل جہالت اور گمراہی میں مبتلا تھے۔

علوم عقلیہ و شرعیہ سے ناواقفیت تو در کنار ان کو تو سوائے بت پرستی کے اور کسی شئے کا علم نہ تھا۔ یہود اور نصاریٰ ان کو بہت حقیر جانتے تھے۔ ان کو جاہل اور اپنے کو عالم کہتے تھے۔

لیکن جب یہود و نصاریٰ نے تورات و انجیل کی اصلی تعلیم کو بھلا دیا اور بجائے توحید کے شرک میں مبتلا ہو گئے۔ کَمَا قَالَ تَعَالٰی شَانُہٗ۔ وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ۔ [1] یہود نے عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا اور خدا کا بیٹا بنا لیا۔ اس وقت غیور مطلق حق جل جلالہ کی غیرت جوش میں آئی اور حسب وعدہ انھیں جہلاء اور امیین میں سے ایک نبی امی۔ فداہ نفسی ابی وامی کو مبعوث فرمایا، جس کے ہاتھوں اپنے دین کو عزت دی اور یہود بے بہبود کو ان کے ہاتھوں قتل کرایا۔ اور مصر و شام پر ان کا قبضہ کرایا۔ کما قال تعالیٰ۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ هُوَ الَّذِي	تمام آسمان اور زمین کی چیزیں خدائے بادشاہ پاک زبردست حکمت والے ہی کی تسبیح و تقدیس

[1] التوبۃ، آیۃ: ۳۰۔

بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ [۱]

پڑھتی ہیں۔ اسی خداوند قدوس نے ناخواندوں میں سے ایک رسول کو مبعوث فرمایا جو اُن پر اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرتا ہے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بے شک وہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔"

امیین سے عربوں کی جاہل قوم مراد ہے اور عیسیٰ علیہ السلام اور یوشع علیہ السلام کی قوم جاہل اور حقیر نہ تھی اور نہ بنی اسرائیل کو ان سے غیرت دلائی گئی ہے پس یہ بشارت سوائے عرب قوم کے کسی قوم پر صادق نہیں آتی۔

باقی بے عقل قوم اور شعب جاہل سے یونانیں مراد لینا جیسا کہ پولوس کے رسالہ رومیہ سے مترشح ہوتا ہے صحیح نہیں اس لیے یونانیین تو اس زمانے میں علوم وفنون کے اعتبار سے تمام عالم پر فائق تھے، وہ شعب جاہل اور بے عقل قوم کا کیسے مصداق ہو سکتے ہیں۔ سقراط، بقراط، فیثاغورث افلاطون، جالینوس، ارسطاطالیس، ارشمیدس، بلیناس، اقلیدس، یہ سب کے سب حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری اور بعثت سے کئی صدی قبل تمام علوم وفنون کے ماہر اور احکام کے پورے عالم تھے۔"

بشارت ہجم از تورات سفر پیدائش باب (۴۹)

(۱) اور یعقوب نے اپنے بیٹوں کو بلایا اور کہا کہ اپنے کو جمع کرو تاکہ میں اس کی جو پچھلے دنوں تم پہ بیتے گا تمھیں خبر کر دوں۔ (۲) اے یعقوب کے بیٹو! اپنے کو اکٹھے کرو اور سنو اور اپنے باپ اسرائیل کی سنو اور پھر آیت دہم میں ہے۔

یہوداہ سے ریاست کا عصا جدا نہ ہوگا۔ اور نہ حاکم اس کے پاؤں کے درمیان سے جاتا رہے گا۔ جب تک کہ شیلا نہ آوے، اور قومیں اس کے پاس اکٹھی ہوں گی۔ آھ

---

[۱] الجمعۃ، آیۃ : ۲-۱

[۲] یہ لفظ عربی نسخوں میں ہے ۱۲ منہ

آیات مسطورہ میں اس امر کی خبر دی گئی ہے کہ جب تک کہ اخیر زمانے میں شیلا کا ظہور نہ ہو اس وقت تک یہوداہ کی نسل سے حکومت وریاست منقطع نہ ہوگی۔

اہلِ اسلام کے نزدیک شیلا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب ہے۔ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا لقب قرار دیتے ہیں۔ مگر نصاریٰ کا یہ خیال صحیح نہیں۔ اس لیے کہ اس عبارت کا سیاق اس کو مقتضی ہے کہ شیلا کو نسل یہوداہ سے خارج مانا جائے اس لیے کہ شیلا کے ظہور سے نسل یہوداہ کی حکومت وریاست کا انقطاع جب ہی متصور ہو سکتا ہے کہ جب شیلا نسل یہوداہ سے نہ ہو۔ ورنہ اگر شیلا نسل یہوداہ سے ہو تو اس کا ظہور تو بقائے حکومتِ یہوداہ کا باعث ہوگا نہ کہ انقطاعِ حکومت یہوداہ کا۔

اور بائبل کے ابواب بلکہ انجیل متی کے پہلے ہی صفحہ پر ذرا غور کرنے سے یہ بات بخوبی منکشف ہو سکتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام نسل یہوداہ سے خارج نہیں اس لئے کہ آپ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی نسل سے ہیں اور حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسّلام بالاجماع یہوداہ کی نسل سے ہیں۔

لہٰذا شیلا کا مصداق وہی نبی ہو سکتا ہے جو نسل یہوداہ سے خارج ہو۔ اور اس کا ظہور اخیر زمانے میں ہو جیسا کہ آیت اوّل کے اس جملے سے ظاہر ہے۔

"تاکہ میں اُس کی جو پچھلے دنوں میں تم پہ بیتے گا تمہیں خبر دوں"

اور یہ دونوں امر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر صادق آسکتے ہیں کہ آپ یہوداہ کی نسل سے کبھی نہ تھے بلکہ حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسل سے تھے اور آپ کا ظہور بھی خاتم النبیین ہونے کی وجہ سے اخیر زمانے میں ہوا۔

اور آپ کی بعثت کے بعد سے یہودا کی نسل میں جو کچھ حکومت وریاست تھی وہ سب جاتی رہی، قرابۂ بنی نضیر اور خیبر سب آپ ہی کے زمانے میں فتح ہو گئے، اور اس جملہ میں کہ

"قومیں اس کے پاس اکٹھی ہوں گی"

عموم بعثت کی طرف اشارہ ہے۔ کما قال تعالیٰ شانہٗ

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا[۱] ۔ اے نبی کہدیجئے کہ اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں"

بخلاف حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کہ ان کی بعثت صرف بنی اسرائیل کے لئے تھی۔ کما قال تعالیٰ شانہٗ وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ ، نیز مختلف قومیں اور مختلف لوگ حضور پُر نور ہی کے پاس اکٹھے ہوئے اور آپ کے دین میں فوج فوج اور جوق جوق داخل ہوئے یہ بات حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو حاصل نہیں ہوئی اور گیارھویں آیت میں ہے۔

"وہ اپنا گدھا انگور کے درخت سے باندھے گا"

سوہارح النبوۃ میں ہے کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر فتح فرمایا تو وہاں ایک سیاہ حمار دیکھا۔ آپ نے اُس سے کلام فرمایا اور اس کا نام دریافت فرمایا، اس نے جواب دیا کہ میرا نام یزید بن شہاب ہے۔ حق تعالیٰ نے میری دادی کی نسل سے ساٹھ حمار پیدا کئے جس پر سوائے نبی کے کسی نے سواری نہیں کی اور مجھ کو اُمید ہے کہ آپ مجھ پر سواری فرمائیں گے۔ میری دادی کی نسل سے میرے سوا کوئی باقی نہیں رہا۔ اور انبیاء علیہم الصلاۃ والسّلام میں سے آپ کے سوا کوئی باقی نہیں رہا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سواری فرمائی اور وہ حمار آپ کی وفات کے بعد صدمۂ وصال سے ایک کنوئیں میں گر کر مر گیا۔

(اور اسی گیارھویں آیت میں ہے)

"وہ اپنا لباس مئے میں اور اپنی پوشاک آبِ انگور میں دھووے گا"

اس آیت میں اصل عبرانی سے ترجمہ کرنے میں کچھ تصرف کیا گیا ہے اور درحقیقت اس طرح تھا۔

"وہ اپنا لباس مئے سے اور اپنی پوشاک آبِ انگور سے دھووے گا"

یعنی اس نبی آخر الزماں کی شریعت میں شراب حرام کی جائے گی، اور جس طرح دیگر نجاسات سے

---

[۱] الاعراف ، آیۃ : ۱۵۸ ۔

کپڑوں کے دھونے کا حکم دیا جاتا ہے، اسی طرح شراب سے بھی کپڑوں کے پاک رکھنے اور دھونے کا حکم دیا جائے گا۔

اور عجب نہیں کہ اس سے محبت الٰہی کی شراب میں استغراق مراد ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو بہت ارفع ہے۔ آپ تو سید الاوّلین والآخرین بلا فخر ہیں۔ آپ کی اُمت میں ہزارہا بلکہ لاکھوں ایسے گزرے گئے کہ عشق الٰہی اور محبت ربانی میں کوئی اُمت اُن کی ہمسری نہیں کر سکتی "

(اور پھر بارھویں آیت میں ہے)

" اس کی آنکھیں مئے سے لال ہوں گی اور اس کے دانت دودھ سے سفید ہوں گے "

اس آیت میں اسی نبی مُبشّر کے حلیۂ مبارک کی طرف اشارہ ہے کہ اس کی آنکھیں سُرخ اور دانت سفید ہوں گے۔ چنانچہ زرقانی شرح مواہب میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تجارت کے لئے بُصریٰ تشریف لے گئے تو ایک سایہ دار درخت کے قریب قیام فرمایا جہاں نسطورا راہب کا تکیہ تھا نسطورا راہب نے میسرہ غلام سے جو آپ کے ہمراہ تھا یہ دریافت کیا کہ آپ کی آنکھوں میں سُرخی ہے میسرہ نے یہ جواب دیا کہ آپ کی آنکھوں میں ہمیشہ سُرخی رہتی ہے کبھی جدا نہیں ہوتی، اس وقت نسطورا راہب نے یہ کہا کہ یہ آخری پیغمبر ہیں۔ کاش میں اُن کی بعثت کا زمانہ پاؤں۔

شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تاریخ مصر میں لکھا ہے کہ جب حضرت حاطبؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا والانامہ سلطان مقوقس شاہِ مصر کے نام لے کر گئے تو شاہِ مصر نے نبی آخر الزماں کی علامات بیان کرتے ہوئے یہ کہا، کہ سُرخی اُن کی آنکھوں سے جُدا نہیں ہوتی حضرت حاطبؓ نے فرمایا کہ بے شک آپ کی چشمانِ مبارک سے سُرخی کبھی جدا نہیں ہوتی چنانچہ آپ کے شمائل میں اشکل العینین کا لفظ آیا ہے، اَشکَلُ العین آنکھ والے کو کہتے ہیں کہ جس کی سفیدی میں سُرخ ڈورے ہوں اور بعض روایات میں أَدْعَجْ کا لفظ آیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ جس کی آنکھ میں سیاہی ہو۔

سو دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں حسن جمال کے لئے سُرخی اور سیاہی دونوں درکار ہیں۔

محض سُرخی اور محض سیاہی سے اتنا حُسن پیدا نہیں ہوتا جتنا کہ سُرخی اور سیاہی سے مل کر پیدا ہوتا ہے۔

ولِلّٰہِ دَرُّ القائل ؎

کیا بیاں ہو خوبیٔ چشمِ سیاہ — آیتِ ما زاغ جس کی گواہ
تھی سفیدی اور سیاہی درمیاں — سُرخ ڈورے اُس میں رشکِ گلستاں
تھا سفیدی اور سیاہی کا یہ حال — تھیں بہم دونوں بحدِّ اعتدال
اَشْکَلُ الْعَیْنَیْنِ بھی وارد ہوا — وصف چشمِ حضرتِ خیرالورےٰ
الغرض القصّہ جو وصف کمال — چشمِ خوبانِ جہاں کا ہے جمال
وہ سبھی اوصاف بحدّ و بیاں — عین محبوبِ خدا میں تھے عیاں
اور ان سب سے زیادہ وصفِ خاص — چشمِ حضرت سے رکھے تھا اختصاص
یعنی وہ چشمِ مبارک دل پذیر — نور و تاریکی میں تھی یکساں بصیر
دیکھتے ہیں لوگ جو وقتِ سحر — تیرہ شب میں آپ کو آتا نظر
دوسرا ایک اور یہ اعجاز تھا — چشمِ پاکِ صاحبِ اعجاز کا
پیشِ منظر آپ جیسا دیکھتے — پیٹھ کے پیچھے بھی ویسا دیکھتے

بشارت ششم از زبور سیدنا داؤد علیہ الصلوٰۃ والسّلام باب ۴۵

میرے دل میں اچھا مضمون جوش مارتا ہے۔ میں اُن چیزوں کو جو میں نے بادشاہ کے حق میں بنائی ہیں بیان کرتا ہوں۔ میری زبان ماہر لکھنے والے کا قلم ہے (۲) تو حُسن میں بنی آدم سے کہیں زیادہ ہے۔ تیرے ہونٹوں میں لطف بٹایا گیا ہے۔ اس لئے خدا نے تجھکو اَبد تک مبارک کیا۔ (۳) اے پہلوان اپنی تلوار کو جو تیری حشمت اور بزرگواری ہے حمایل کر کے اپنی ران پر لٹکا۔ (۴) اور اپنی بزرگواری سے سوار ہو اور سچائی اور ملائمت اور صداقت کے واسطے اقبال مندی کے لئے آگے بڑھ۔ اور تیرا دا ہنا ہاتھ تجھکو مہیب کام سکھائے گا (۵) تیرے تیر تیز ہیں۔ لوگ تیرے

نیچے گرے پڑتے ہیں۔ وہ بادشاہ کے دشمنوں کے دل میں لگ جاتے ہیں۔(۶) تیرا تخت اے خدا ابدالاباد ہے۔ تیری سلطنت کا عصا راستی کا عصا ہے(۷) تو صداقت کا دوست اور شرارت کا دشمن ہے۔ اس سبب سے تیرے خدا نے تجھکو خوشی کے تیل سے تیرے مصاحبوں سے زیادہ مسح کیا (۸) ترے سارے لباس سے مُر اور عود اور تج کی خوشبو آتی ہے کہ جن سے ہاتھی دانت کے محلوں کے درمیان تجھکو خوش کیا ہے۔(۹) بادشاہوں کی بیٹیاں تیری عزت والیوں میں ہیں۔ ملکہ اوفیر کے سونے سے آراستہ ہوکے تیرے داہنے ہاتھ کھڑی ہے ؎

(اور بارھویں آیت میں ہے)

"اور صور کی بیٹی ہدیے لاوے گی۔ قوم کے دولت مند تیری خوشامد کریں گے"

(اور سولھویں آیت میں ہے)

(۱۶) تیرے بیٹے باپ دادوں کے قائم مقام ہوں گے۔ تو انھیں تمام زمین کا سردار مقرر کرے گا۔(۱۷) میں ساری پشتوں کو تیرا نام یاد دلاؤں گا اور سارے لوگ ابدالآباد تک تیری ستائش کریں گے انتہیٰ تمام اہل کتاب کے نزدیک یہ امر مسلم ہے" کہ اس زبور میں حضرت سیدنا داؤد علیہ الصلوٰۃ والسّلام ایک عظیم الشان والشوکت رسول کی بشارت دے رہے ہیں اور فرطِ محبت میں اُس کو مخاطب بنا کر اس کے اوصاف بیان فرما رہے ہیں اور یہ تبلا رہے ہیں کہ وہ نبی جب ظاہر ہوگا تو ان صفات کے ساتھ موصوف ہوگا وہ اوصاف حسب ذیل ہیں :

(۱) بادشاہ یعنی سب سے اعلیٰ اور افضل ہونا۔(۲) حسین ہونا (۳) ہونٹوں میں لطف کا ہونا یعنی شیریں زبان اور فصیح اللسان ہونا۔(۴) مبارک الی الدہر ہونا (۵) پہلوان یعنی قوی ہونا۔(۶) شمشیر بند ہونا۔(۷) صاحب حق و صداقت ہونا (۸) اقبال مند ہونا۔(۹) اُس کے داہنے ہاتھ سے کسی عجیب و غریب کرشمہ کا ظاہر

ہونا (۱۰) تیر انداز ہونا (۱۱) لوگوں کا اس کے نیچے گر پڑنا یعنی خلق اللہ کا اس کے تابع ہونا (۱۲) تخت کا ابدالآباد تک رہنا یعنی اس کی شریعت اور حکومت اسلام کا تاقیام قیامت باقی رہنا (۱۳) عصائے سلطنت کا عصائے راستی ہونا (۱۴) صداقت کا دوست اور شرارت کا دشمن ہونا (۱۵) اس کے کپڑوں سے خوشبو کا آنا (۱۶) اُس کے گھرانہ میں بادشاہوں کی بیٹیوں کا آنا (۱۷) ہدایا اور تحائف کا آنا (۱۸) اولاد کا بجائے باپ کے سردار اور حاکم ہونا (۱۹) تمام پشتوں میں قرناً بعد قرن اور نسلاً اور بعد نسلٍ اس کا ذکر باقی رہنا (۲۰) ابدالآباد تک لوگوں کا اُس کی ستائش کرنا۔

اہلِ اسلام کے نزدیک اس بشارت کا مصداقِ صادق مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ ہیں، یہود کے نزدیک داؤد علیہ السّلام کے بعد سے اب تک کوئی نبی ان صفات کے ساتھ موصوف ہو کر ظاہر نہیں ہوا اور نصاریٰ یہ کہتے ہیں اس بشارت سے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام مراد ہیں مگر اہلِ اسلام کا دعویٰ ہے کہ اس بشارت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی مراد ہیں، یہی حق ہے اس لئے کہ جو اوصاف اس بشارت میں مذکور ہیں وہ صرف نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہی پر صادق ہیں۔

(۱) ۔بادشاہت کا ثبوت آں حضرت کے لئے شمس فی نصف النہار سے زائد اَجلیٰ اور روشن ہے، حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو دین اور دنیا دونوں کی بادشاہی عطا فرمائی ۔احکام خداوندی کو بادشاہوں کی طرح جاری فرمایا جس طرح نصاریٰ کے زعم میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام یہودُ علیہم اللہ تعالیٰ سے مقہور ومجبور تھے ۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجبور نہ تھے، آپ نے تو یہود کو ان کے قلعوں سے نکال باہر کیا۔

الحاصل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دین ودنیا کے بادشاہ تھے ۔تمام انبیاء ورسل سے افضل اور برتر تھے ۔نہ کسی رسول کو قرآن کریم جیسی معجز کتاب عطا کی گئی اور نہ کسی کو آپ جیسی کامل ومکمل شریعت

عطا کی گئی کہ فلاح دارین اور نجات اور بہبودی کی پوری پوری کفیل ہو۔ جس نے عقاید و اعمال کی سنگین غلطیوں پر متنبہ کیا ہو۔ خدا تک پہنچنے کے لئے راستہ ایسا صاف کر دیا ہو کہ چلنے والوں کے لئے کوئی روڑا اٹکا نہ رکھا ہو۔ تہذیب اخلاق اور تدبیر منزل سیاست ملکیہ و مدنیہ کے لحاظ سے بھی نہایت کامل و مکمل ہو۔ غرض یہ کہ اس میں جامعیت کبریٰ کا وصف نمایاں ہو۔ ان تمام محاسن اور خوبیوں کا جامع صرف دین اسلام ہے جس کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے پاس سے لائے۔

إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ[۵] بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔

یہی وہ کامل و مکمل دین ہے کہ اس کے طلوع ہوتے ہی سب ادیان و مذاہب کے چراغ گل ہو گئے ؎

رات محفل میں ہر اک مہ پارہ گرم لاف تھا صبح کو خورشید جو نکلا تو مطلع صاف تھا

پس جس نبی کی کتاب تمام کتب الٰہیہ اور صحف سماویہ سے افضل ہو اور اس کی شریعت تمام شرائع اور ادیان سے بدرجہا برتر اور کامل اور اکمل ہو اور اس کے معجزات بھی تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معجزات سے بڑھے ہوئے ہوں اور اس کی امت بھی تمام امتوں سے علم اور عمل اعتقادات و اخلاق مکارم و شمائل تہذیب و تمدن سیاست ملکیہ اور مدنیہ کے لحاظ سے فائق اور برتر ہو تو اس نبی کے سید الاولین والآخرین اور بادشاہ دو جہاں ہونے میں کیا کلام اور شبہ ہو سکتا ہے۔

(۲) حسن و جمال میں آپ کا یہ حال تھا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زائد کسی کو حسین اور خوبصورت نہیں دیکھا۔ گویا کہ آفتاب آپ کے چہرۂ مبارک میں گھومتا ہے اور جب تبسم فرماتے تو دندان مبارک کی چمک دیواروں پر پڑتی تھی۔

حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ؎

وَاَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِيْ وَاَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ

میری آنکھ نے آپ سے زائد حسین نہیں دیکھا اور آپ سے زائد جمیل اور خوبصورت عورتوں نے نہیں جنا

---

[۵] آل عمران : آیتہ ۱۹۔

خُلِقْتَ مُبَرَّءً مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ ۔ كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

آپ ہر عیب سے پاک پیدا کیے گئے ہیں ۔ گویا کہ آپ حسب منشا پیدا کیے گئے

وللّٰہ درُّ القائل جزاہُ اللّٰہُ خیراً ۔ آمین ؎

روایت کی امامِ باصفا نے ۔ حسن سبطِ رسولِ مجتبےٰ نے

کہ ہند بن ابی ہالہ مراخال ۔ رسول اللہ کا تھا واصفِ حال

کیا میں نے سوال اُس باخبر سے ۔ خبر دے حلیۂ خیر البشر سے

کہ ہوں مشتاق ان باتوں کا بیحد ۔ بیاں کر کچھ تو حالِ جدِّ امجد

غرض میری ہے یہ سن کر وہ احوال ۔ کروں جو ہو سکے استادِ اعمال

کہا بس ہند نے یوں مجھ سے اُس دم ۔ رسُول اللہ تھے فَخْمٌ مُّفَخَّمٌ

نگاہوں میں وہ یعنی خوش سیر تھے ۔ دلوں میں بھی بزرگ و نامور تھے

تجلّی روئے انور کی نہ پوچھو ۔ قمر ہو جس طرح سے چودھویں کو

میانہ کب قدِ خیر الورےٰ تھا ۔ میانہ پن سے بھی وہ قد جدا تھا

اگر کوتاہ کہیے تھا نہ کوتاہ ۔ غرض گم کیفیت نے کی یہاں راہ

قدِ بالا کا تھا اُن کے یہ عالم ۔ میانہ سے دراز اُطْوَل سے کچھ کم

بزرگی تھی سرِ عالی میں پیدا ۔ نہایت حسن و موزونی ہویدا

خم پیچی عیاں بالوں میں کم تھی ۔ کچھ اک ژولیدگی لیکن بہم تھی

بکھرتے تھے جو فرقِ پاک پر بال ۔ دو فرقہ اُن کو کر دیتے تھے فی الحال

اگر از خود نہ بال اُن کے بکھرتے ۔ تکلّف سے نہ ہرگز فرق کرتے

بحال وفرہ سر کے بال اُن کے ۔ گزرتے نرمہائے گوش سے تھے

درخشانی کا عالم رنگ میں تھا ۔ کشادہ تھی جبینِ عالم آرا ہو

مقوّس دونوں ابروئے مقوّس ۔ مقدّس دونوں ابروئے مقدّس

بانداز مناسب طاقِ ابرو — نہ تھی پیوستگی آپس میں اُن کو
عجب خمدار و باریک و مطوّل — بخوبی طاق تھا ثانی و اوّل
میانِ ابرواں اک رگ ہویدا — بہت ہوتی غضب کے وقت پیدا
کہوں کیا حبّذا بینی کا عالم — کہ تھے نوروں کے شعلے جس سے توأم
معلّے بینی خیر البشر تھی — باندازِ بلندی جلوہ گر تھی
جو کوئی بے تامل دیکھتا تھا — بلندی کا گماں ہوتا تھا پیدا
ملایم آپؐ کے رخسار نیکو — بھلا تشبیہ دوں میں کس سے اس کو
بزیبائی کشادہ وہ دہن تھا — کشادہ وہ دہن تھا اور زیبا
کہوں دانتوں کا کیا وہ حسن سادہ — سپید و صاف آپس میں کشادہ
دقیق المسربتہ یعنی خطِ مو — کھنچا سینے سے تھا تا ناف گلبو
بوصفِ گردنِ شایانِ معراج — کہا راوی نے شکلِ صورتِ عاج
مُصفّا یعنی وہ گردن تھی ایسی — بشکل نقرہ با نور و ضیا تھی
کہوں کیا عضو عضو اُن کے بدن کا — بوضعِ خود مناسب اور زیبا
بخوبی تھے تنا ور فخرِ عالم — تمامی عضوِ تن مربوط باہم
شکم سینہ صفائی میں برابر — مگر سینہ عریض و پہن خوشتر
فراخی دونوں شانوں میں عیاں تھی — سر ہر استخواں میں تھی بزرگی
بدن جو کچھ کھلا پوشاک سے تھا — درخشندہ وہ نورِ پاک سے تھا
گلوئے پاک سے تا ناف والا — خطِ مو تھا کھنچا باریک و زیبا
سوا اس کے شکم سینہ سراسر — مُعرّی مو سے تھا صافی برابر
کلائی دونوں شانے اور بازو — مزیّن تھے بزیب کثرۃ مو
وہ اُن کے صدرِ عالی کی بلندی — خطِ مو سے رکھے تھی ارجمندی

طویل الزند دونوں دست والا | کشادہ تھی کفِ دستِ مُصفّا
بزرگی اس کفِ پا میں عیاں تھی | نمایاں دونوں قدموں میں بزرگی
کشیدہ تھیں وہ انگشتانِ والا | لقب ہے سائل الاطراف جن کا
کفِ پا میں سمائی تھی یہ خوبی | کہ رہتی تھی زمیں پر سے وہ اونچی
ہُوا وارد بوصفِ پائے اقدس | کہ تھے پائے مبارک نرم واملس
جُدا رہتی زمیں سے یوں کفِ پا | کہ پانی اُس کے نیچے سے گذرتا
زمیں پر جب خراماں آپ جاتے | قدم کو اپنے برکندہ اٹھاتے
انھیں ہوتا خیالِ مشی پیشیں | بہ نرمی راہ جاتے سرورِ دیں
ہوا یہ حال بھی وارد بہ اخبار | کہ جس دم آپ جاتے تند رفتار
تو اُس دم تھے عیاں یہ صاف معنی | بلندی سے ہے گویا میل پستی
انھیں جب دیکھنا منظور ہوتا | نظر کرتے تھے حضرت بے محابا
بہت رہتے تھے آنکھوں کو جھکائے | نظر یعنی سوئے باطن لگائے
زمیں اکثر مشرف تھی نظر سے | فلک کم بہرہ ور ہوتا بصر سے
تامل سوچ تھا کیا ہی نظر میں | سمایا تھا لحاظ اُن کی بصر میں
بیاں کرتا ہے راوی بعد اس کے | کہ جب ساتھ آپؐ کے اصحابؓ ہوتے
تو یہ ارشاد فرماتے تھے حضرتؐ | چلو تم مجھ سے آگے کرکے سبقت
محبِ اخلاق تھے خیر الوریٰ کے | کہ ہوں مخدوم پیچھے خادم آگے
سنو یہ اور عادت مصطفےٰؐ کی | کہ ہوتا جو کوئی اُن سے ملاقی
جنابِ پاک کرتے اُس کو خوش کام | بتقدیم سلامِ دینِ اسلام

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ زنانِ مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھکر اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے اگر وہ ہمارے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتیں

تو دلوں کے ٹکڑے کر ڈالتیں سہ

اے زلیخا اس کو نسبت اپنے یوسف سے نہ دے   اس پہ سر کٹتے ہیں دائم اور اس پر انگلیاں

غرض یہ کہ آپ کا حسن و جمال دنیا میں مشہور تھا اور حسن و جمال کیساتھ شاہانہ جاہ و جلال بھی آپ کے شامل تھا کسی کی یہ ہمت نہیں ہوتی تھی کہ آپکی طرف نظر اٹھاکر دیکھ سکے۔

(۳) اور آپ کا خوش بیان اور شیریں زبان اور فصیح اللسان ہونا سب کو تسلیم ہے آپکے انفاس قدسیہ اور کلمات طیبات اس وقت باسانید صحیحہ و جیدہ محفوظ ہیں جن سے آپ کی فصاحت و بلاغت اور شیریں زبانی کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

(۴) اور آپ مبارک الی الدہر بھی ہیں جیسا کہ بشارت دوم میں گزرا مشرق و مغرب، شمال و جنوب میں کروڑہا مسلمان نماز میں اور نماز کے بعد اور مختلف اوقات میں

اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ   اے اللہ برکت نازل فرما محمدؐ کی آل پر جیسے
کَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ   آپنے ابراہیمؑ اور ان کی آل پر برکت نازل فرمائی
اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ○   بلاشبہ آپ ستائش اور بڑی بزرگی والے ہیں۔

پڑھتے ہیں۔ اس سے زائد اور کیا مبارک الی الدہر ہونے کی دلیل ہو سکتی ہے جس کے لئے دنیا کے ہر گوشے میں برکت کی دعا مانگی جاتی ہو۔

(۵) قوت میں آپ کا یہ حال تھا کہ رکانہ پہلوان کو کہ جو قوت میں اپنی نظیر نہ رکھتا تھا ایک روز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگل میں مل گیا اور یہ کہا کہ آپ مجھ کو پچھاڑ دیں تو میں آپ کے نبی برحق جانوں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پچھاڑ دیا اس نے دوبارہ لڑنے کے لئے کہا آپ نے اس کو دوبارہ بھی پچھاڑ دیا۔ اس کو بہت تعجب ہوا۔ آپؐ نے یہ ارشاد فرمایا اگر تو اللہ سے ڈرے اور میرا اتباع کرے تو اس سے زائد عجیب چیز دکھلاؤں۔ اس نے پوچھا کہ اس سے زائد کیا عجیب ہے، آپ نے ایک درخت کو بلایا آپ کے بلاتے ہی آپکے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ بعد ازاں یہ فرمایا کہ لوٹ جا سو وہ درخت یہ سن کر اپنی جگہ لوٹ گیا۔

(۶) اور آپ کا شمشیر بند اور صاحبِ جہاد ہونا بھی مسلم ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نہ شمشیر بند تھے اور نہ صاحبِ جہاد۔ اور بقولِ نصاریٰ اُن میں اتنی قوت بھی نہ تھی کہ وہ اپنے آپ کو یہود سے بچا سکے۔

(۷) اور آپ صاحبِ حق و صداقت بھی تھے۔ کما قال تعالےٰ شانہ:

هُوَ الَّذِىْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۔ [۱]	خدا ہی نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین کو ناگوار گزرے۔
بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ [۲]	(آپ شاعر و مجنون نہیں) بلکہ حق کو لے کر آئے ہیں اور پیغمبروں کی تصدیق کی ہے۔
وَالَّذِىْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۔ [۳]	اور جو سچی بات لے کر آیا، اور جس نے اس کی تصدیق کی، یہی لوگ پرہیز گار ہیں۔

ایک مرتبہ نضر بن الحارث نے قریش کو مخاطب بنا کر یہ کہا:

قد كان محمد فيكم غلاما حدثا ارضاكم فيكم واصدقكم حديثا واعظمكم امانة حتى اذا رأيتم فى صدغيه الشيب وجاءكم بما جاءكم قلتم انه ساحر لا والله ما هو بساحر	محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم میں نوجوان تھے سب سے زاید پسندیدہ سب سے زاید سچے سب سے زاید امین، لیکن جب تم نے اُن کے جانبین راس میں بڑھاپا دیکھا، اور وہ تمھارے پاس یہ دینِ حق لے کر آئے تو تم اُن کو ساحر اور جادوگر کہنے لگے۔ ہرگز نہیں، خدا کی قسم وہ ساحر نہیں۔

اور ہرقل شاہ روم نے جب ابو سفیان سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے متعلق یہ دریافت کیا کہ

---

[۱] التوبۃ، آیۃ: ۳۳
[۲] الصافات، آیۃ: ۳۷
[۳] الزمر، آیۃ: ۳۳

تم نے کبھی اُس کو متہم بالکذب کیا ہے تو اس پر ابوسفیان نے یہ جواب دیا کہ ہم نے ان سے کبھی کوئی کذب نہیں دیکھا۔

(۸) اور اقبال مند ہونا بھی ظاہر ہے اس لئے کہ حق تعالیٰ شانہ نے جیسا آپ کو اقبال عطا فرمایا۔ ایسا اقبال آج تک کسی کو نصیب نہیں ہوا اور نہ ہوگا

(۹) اور دائیں ہاتھ سے مہیب کام اور عجیب وغریب کرشمہ ظاہر ہونے سے معجزۂ شق قمر کی طرف اشارہ ہے ؎

چو دستش بر آ ایخت شمشیر بیم ۔۔۔ بہ معجز میانِ قمر زد دو نیم

اور علیٰ ہذا جنگِ بدر اور جنگِ حنین میں ایک مٹھی خاک سے تمام مشرکین کو خیرہ کر دینا یہ بھی آپ کے دائیں ہاتھ کا مہیب کام تھا۔

(۱۰) تیر انداز ہونا بنی اسمٰعیل کا مشہور شعار ہے چنانچہ حدیث میں ہے۔

ارموا بنی اسمٰعیل فان اباکم کان رامیا۔ ۔۔۔ اے بنی اسمٰعیل تیر اندازی کیا کرو اس لئے کہ تمھارا باپ تیر انداز تھا۔

(اور دوسری حدیث میں ہے)

من تعلم الرمی ثم ترکہ فلیس منا ۔۔۔ جو تیر اندازی سیکھ کر چھوڑ دے وہ ہم میں سے نہیں۔

(۱۱) اور لوگوں کا آپ کے نیچے گرنا یعنی خلق اللہ کا آپ کے تابع ہونا۔ یہ بھی اظہر من الشمس ہے۔ چند ہی روز میں ہزاران ہزار اسلام کے حلقہ بگوش بن گئے۔ کما قال اللہ تعالیٰ شانہ

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝ [۵]

جب اللہ کی نصرت اور فتح آچکی اور آپ نے لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا تو اپنے رب کی تسبیح وتحمید کیجئے اور استغفار پڑھیے بیشک خدا بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے۔

---

[۵] النصر، آیۃ : ۱-۳

(۱۲ و ۱۳) اور آپ کی شریعت ابدالآباد تک رہے گی، چنانچہ قرآن کریم حسب وعدۂ الٰہی۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ ۝	بیشک ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

تیرہ صدی سے بالکل محفوظ چلا آتا ہے۔ بحمد اللہ اب تک اُس کے ایک نقطہ اور ایک شوشہ میں بھی سرِ مو تفاوت نہیں آیا۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ تا قیامِ قیامت اسی طرح رہے گا اور یہود و نصاریٰ کو اپنی توراۃ و انجیل کا حال خوب معلوم ہے لکھنے کی حاجت نہیں۔ اور آپ کی سلطنت کا عصا راستی اور صداقت کا عصا ہے، ہمیشہ اُس سے احقاقِ حق اور ابطالِ باطل ہوتا رہتا ہے۔

(۱۴) اور آپ صداقت کے دوست اور شرارت کے دشمن تھے۔ کما قال اللہ جل جلالہٗ

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ [1]	بے شک تمھارے پاس تم میں سے ایسے رسول آگئے ہیں کہ جن پر تمھاری تکلیف شاق ہے تمھاری بھلائی کے لیے حریص ہیں۔ مومنین پر نہایت شفیق اور مہربان ہیں۔
يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ [2]	اے نبی کریم کفار و منافقین سے جنگ کیجیے۔ اور ان پر سختی کیجیے۔

اور آپ کی اُمت کے یہ اوصاف ہیں۔

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ [3] اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ [4]	کافروں پر بہت سخت اور آپس میں بہت مہربان مومنوں پر نرم اور کافروں پر سخت۔ اللہ کے راستہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی بالکل پروا نہ کریں گے۔

اور عجب نہیں کہ شرارت سے ابوجہل مراد ہو کہ جو سرتاپا شرارت تھا اور صداقت سے ابوبکر صدیق

---

[1] التوبۃ: آیۃ ۱۲۸، [2] التوبۃ، آیۃ ۷۳، [3] الفتح، آیۃ: ۲۹
[4] المائدۃ، آیۃ: ۵۴

رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہوں جو کہ سرتاپا صدق و صداقت تھے اور بے شک ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے اہل تھے کہ ان کو خلیل و صدیق یعنی دوست بنایا جائے۔

(۱۵) اور آپ کے کپڑوں سے خوشبو بھی آیا کرتی تھی۔ حتیٰ کہ ایک عورت نے آپ کا پسینہ مبارک اس لئے جمع کیا تاکہ دلہن کے کپڑوں کو اس سے معطر کرے۔

(۱۶) اور قرنِ اوّل میں بہت سی شہزادیاں مسلمانوں کی خادم بنی ہیں چنانچہ شہر بانو یزدجرد شاہ کسریٰ کی بیٹی امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں تھی۔

(۱۷) نجاشی شاہ حبشہ اور منذر بن ساوی شاہِ بحرین اور شاہِ عمان اور بہت سے امیر و کبیر آپ پر ایمان لائے اور آپ کے حلقہ بگوش بنے اور آپ کی خدمت میں سلاطین و امراء نے ہدایا بھیج کر فخر و سرفرازی حاصل کی۔ چنانچہ مقوقس شاہ قبط نے آپ کی خدمت میں تین باندیاں اور ایک حبشی غلام اور ایک سفید خچر اور ایک سفید حمار اور ایک گھوڑا اور کچھ کپڑے بطور ہدیہ ارسال کئے۔

(۱۸) اور آپ کے بعد قریش میں خلافت رہی۔ آپ کی اولاد میں امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے اور امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں صدہا خلیفہ اور حکمران ہوئے۔ حجاز و یمن، مصر و شام وغیرہ وغیرہ میں حکومت و سلطنت پر فائز رہے اور قیامت کے قریب امام مہدیؑ کا ظہور ہوگا جو امام حسنؓ کی اولاد سے ہوں گے اور تمام روئے زمین کے خلیفہ ہوں گے۔

(۱۹ و ۲۰) اور آپ کی ستائش و ذکر خیر بھی ابدالآباد تک رہے گا۔ ہر اذان میں اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے ساتھ بلند آواز سے اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ روزانہ پانچ مرتبہ کروڑ ہا مسلمان پکارتے ہیں۔ کوئی وعظ اور خطبہ ایسا نہیں کہ جس میں آپ کا نام پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ لیا جاتا ہو۔ محمدؐ اور احمد کے معنے ستودہ کے ہیں۔ اس بشارت کے شروع میں اَحْمَدُ کا لفظ صراحتاً مذکور تھا مگر حسد کی وجہ سے نکال دیا گیا مگر تاہم یہ اوصاف تو سوائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی پر صادق نہیں آتے۔

نصاریٰ کے زعم و اعتقاد پر تو حضرت مسیح بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کسی طرح اس بشارت

کا مصداق نہیں ہو سکتے اس لئے کہ نصاریٰ صحیفۂ یسعیاہ علیہ السّلام کے ترپنویں ۵۳ ... باب کو حضرت مسیح علیہ السّلام کی بشارت قرار دیتے ہیں اور وہ یہ ہے۔

"ہمارے پیغام پر کون اعتقاد لایا۔ اور خداوند کا ہاتھ کس پر ظاہر ہوا۔ اس کے ڈیل وڈول کی کچھ خوبی نہ تھی اور نہ کچھ رونق کہ ہم اس پر نگاہ کریں اور کوئی نمائش بھی نہیں کہ ہم اس کے مشتاق ہوں وہ آدمیوں میں نہایت ذلیل وحقیر تھا۔" اھ

(اور پھر آیت پنجم میں ہے)

"وہ ہمارے گناہوں کے سبب گھائل کیا گیا۔ اور ہماری بدکاریوں کے باعث کچلا گیا" اھ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ جب نصاریٰ کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام ایسے تھے تو وہ اوصاف زبور کا جو بالکل اس کی ضد ہیں کیسے مصداق ہو سکتے ہیں۔

ہمارے اعتقاد میں منجملہ دیگر تحریفات کے صحیفۂ یسعیاہ علیہ السّلام کا ترپنواں باب ۵۳ قطعاً ویقیناً الحاقی اور اختراعی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام حاشا ثم حاشا ہرگز ایسے نہ تھے۔ وہ تو دنیا اور آخرت میں وجیہ (آبرو اور عزت والے) اور خدا کے مقربین میں سے تھے۔ لیکن بایں ہمہ اس بشارت کا مصداق حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام نہیں اس لئے کہ نہ آپ شمشیر بند اور تیر انداز تھے اور نہ مجاہد تھے اور نہ آپ کی شریعت دائمی ہے۔ اور نہ آپ کی بعثت عام تھی، اور نہ آپ کے گھرانے میں کوئی شہزادی آئی کہ جو آپ کی بیوی یا لونڈی ہوتی اس لئے کہ آپ نے کوئی نکاح ہی نہیں فرمایا۔ نیز آپ کے کوئی باپ دادا نہ تھا آپ تو بغیر باپ کے پیدا ہوئے سو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بشارت ہفتم از زبور سیدنا داؤد علیہ الصلوٰۃ والسّلام باب ۱۴۹

(۱) خداوند کی ستائش کرو۔ خداوند کا ایک نیا گیت گاؤ۔ اور اس کی مدح پاک لوگوں کی جماعت میں (۲) اسرائیل اپنے بنانے والے سے شادمان ہوئے۔ بنی صیہون اپنے بادشاہ کے سبب خوشی کریں (۳) وہ اس کے نام کی ستائش کرتے ہوئے

ناچیں۔ وہ طبلہ اور بربط بجاتے ہوئے اس کی ثنا خوانی کریں (۴) کیونکہ خداوند
اپنے لوگوں سے خوش ہوتا ہے۔ وہ حلیموں کو نجات کی زینت بخشتا ہے (۵)
پاک لوگ اپنی بزرگواری پر فخر کریں، اور اپنے بستروں پر پڑے ہوئے بلند آواز
سے گایا کریں۔ (۶) خدا کی ستائش اُن کی زبانوں پر ہو وین اور ایک دو دھاری
تلوار اُن کے ہاتھوں میں ہو۔ (۷) تاکہ غیر امتوں سے انتقام لیویں۔ اور لوگوں
کو سزا دیویں (۸) اُن کے بادشاہوں کو زنجیروں سے اور اُن کے امیروں کو لوہے
کی بیڑیوں سے جکڑیں (۹) تاکہ اُن پر وہ فتویٰ جو لکھا ہوا ہے جاری کریں کہ اُس کے
پاک لوگوں کی یہی شوکت ہے کہ خداوند کی ستائش کرو۔ آھ

اس بشارت میں نبی مُبشَّر کو بادشاہ کے لفظ سے اور اُس کے مطیعین کو صالحین اور پاک
لوگوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی وہ نبی موعود بادشاہ ہوگا۔ اور اُس کی شمشیر زنی موافق خوشنودی حق
اور بمقتضائے غضب الٰہی کافروں کے حق میں ہوگی اور اس کے اصحاب اور احباب اس کے ساتھ
ہوکر کافروں سے جہاد و قتال کریں گے۔

بعد ازاں مطیعین کے کچھ اوصاف ذکر کئے گئے ہیں جو مِنْ اوّلھا اِلیٰ اٰخرِھا امت محمدیہ
پر پورے منطبق ہیں، یہی وہ اُمت ہے کہ جو اپنے بستروں پر بھی اللہ کو یاد کرتی ہے۔ کما قال تعالیٰ۔

يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِهِمْ۔ [1] — وہ اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے ہوئے یاد کرتے ہیں۔

اور یہی وہ اُمت ہے کہ نماز میں اور جہاد میں اور ہر اذان میں اور عید الفطر اور عید النحر اور ایام
تشریق اور ایام حج اور منیٰ اور مزدلفہ اور عرفات میں اللہ کو بلند آواز سے پکارتی ہے، بخلاف یہود
و نصاریٰ کے کہ یہود تو بوق اور نصاریٰ ناقوس بجاتے ہیں اور بلند آواز سے اللہ اکبر کہنا اور اللہ کو
یاد کرنا صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کی امت کا شعار ہے۔

---

[1] آل عمران، آیۃ: ۱۹۱۔

اور مہاجرین و انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی کی دو دھاری تلواروں نے روم و شام و دیگر ممالک کو فتح کیا اور بڑے بڑے بادشاہوں اور امیروں کو قید کیا ہے اور اہلِ کتاب کے نزدیک اس بشارت کا مصداق نہ سلیمان علیہ السّلام ہو سکتے ہیں کیونکہ اہلِ کتاب کا زعم باطل اور اعتقاد فاحش یہ ہے کہ معاذ اللہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ السّلام اخیر عمر میں مُرتد اور بُت پرست ہو گئے تھے۔

اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام ان کے اعتقاد کے مطابق اس بشارت کا مصداق ہو سکتے ہیں اس لئے کہ اُن کے نزدیک تو حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسّلام خود ہی مقتول و مصلوب ہوئے اور علیٰ ہذا آپ کے اکثر حواریین گرفتار کئے گئے وہ دوسرے بادشاہوں اور امیروں کو کہاں قید کرتے۔ اور بشارت میں یہ مذکور ہے کہ وہ شخص موعود بادشاہ ہوگا اور ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السّلام بادشاہ نہ تھے اور معنوی بادشاہت ہر نبی کو حاصل رہی اس میں حضرت عیسیٰ کی کیا خصوصیت۔

رہا کافروں سے قتال و جہاد کرنا اور ان کو گرفتار کرنا سو یہ عین عبادت ہے نہ کہ قابلِ اعتراض جیسا کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام اور موسیٰ علیہ السّلام کے بعد یوشع بن نون علیہ السّلام کا جہاد کرنا، اور علیٰ ہذا سلیمان علیہ السّلام اور اُن کے صحابہ کا جہاد فرمانا تمام یہود و نصاریٰ کے نزدیک مسلّم ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ اس جزو کا مصداق حضرت مسیح نہیں ہو سکتے اس لئے کہ زبور مذکور کا مضمون باآواز بلند یہ کہہ رہا ہے کہ آنے والا نبی بادشاہ ہوگا اور اپنے اصحاب کے ساتھ سلاطین کفار سے جہاد و قتال کرے گا اور بڑے بڑے جبارین اور متکبرین مقتول اور اسیر اور گرفتار ہوں گے اور آپ کے اصحاب تکبیر کہتے ہوئے آپ کے ساتھ ہوں گے ؎

بتکبیر مردان شمشیر زن　　که مرد دغا را شمارند زن

اور یہ تمام امور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے دست مبارک پر ظاہر ہوئے۔

بشارت ہشتم از زبور باب ۷۲۔ درس اوّل

(۱) اے خدا بادشاہ کو اپنی عدالتیں عطا کر اور بادشاہ کے بیٹے کو اپنی صداقت دے۔ (۲) وہ تیرے لوگوں میں صداقت سے حکم کرے گا اور تیرے مسکینوں میں عدالت سے (۳) پہاڑ لوگوں کیلئے

سلامتی ظاہر کریں گے اور ٹیلے بھی صداقت سے (۴) وہ قوم کے مسکینوں کا انصاف کرے گا، اور محتاجوں کے فرزندوں کو بچائے گا۔ اور ظالم کے ٹکڑے ٹکڑے کرے گا۔ (۵) جب تک کہ سورج اور چاند باقی رہیں گے ساری پشتوں کے لوگ تجھ سے ڈرا کریں گے (۶) وہ بارش کی مانند جو کاٹے ہوئے گھاس پر پڑے نازل ہوگا اور پھوہی کے مینہ کی طرح جو زمین کو سیراب کرتا ہے۔ (۷) اس کے عصر میں جب تک کہ چاند باقی رہے گا صادق چلیں گے اور سلامتی فراوان ہوگی۔ (۸) سمندر سے سمندر تک اور دریا سے انتہا زمین تک اس کا حکم جاری ہوگا۔ (۹) وہ جو بیابان کے باشندے ہیں اس کے سامنے جھکیں گے اور اس کے دشمن مائی چاٹیں گے۔ (۱۰) ترسیس اور جزیروں کے سلاطین نذریں لائیں گے اور سبا اور سیبا کے بادشاہ ہدیے گزاریں گے (۱۱) سارے بادشاہ اس کے حضور سجدہ کریں گے ساری گروہیں اس کی بندگی کریں گی۔ (۱۲) کیونکہ وہ دہائی دینے والے محتاج کو اور مسکین کو اور اُن کو جن کا کوئی مددگار نہ ہو گا چھڑائے گا (۱۳) وہ مسکین اور محتاج پر ترس کھائے گا اور محتاجوں کی جان بچائے گا۔ (۱۴) وہ ان کی جانوں کو ظلم اور غضب سے بچائے گا، ان کا خون اس کی نظر میں بیش قیمت ہوگا۔ (۱۵) وہ جیتا رہے گا اور سبا کا سونا اس کو دیا جائے گا، اُس کے حق میں سدا دعا ہوگی، ہر روز اُس کو مبارک باد کہی جائے گی۔ (۱۶) اناج کی کثرت سرزمین میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر ہوگی، اُس کا پھل لبنان کے درخت کی طرح جھڑ جھڑائے گا اور شہر کے لوگ میدان کے گھاس کے مانند سرسبز ہونگے (۱۷) اس کا نام ابد تک باقی رہے گا جب تک آفتاب رہے گا اُس کے نام کا رواج ہوگا لوگ اس کے باعث اپنے تئیں مبارک کہیں گے ساری قومیں اُسے مبارکباد دیں گی (۱۸) خداوند خدا اسرائیل کا جو اکیلا ہی عجائب کام کرتا ہے مبارک ہے (۱۹) اس کا جلیل نام ابد تک مبارک ہے سارا جہان اس کے جلال سے معمور ہو آمین آمین (۲۰) داؤد بن یسی کی دعائیں تمام ہوئیں۔

(بہتّرواں زبور ختم ہوا۔

جاننا چاہیئے کہ اس زبور میں ایسے پیغمبر کی ظہور کی خبر دی گئی ہے کہ جس کو نبوت و رسالت

کے ساتھ من جانب اللہ بادشاہت اور حکومت بھی حاصل ہوگی اور اس کا دائرہ سلطنت اتنا وسیع ہوگا کہ بحروبر کو شامل ہوگا اور عدالت اور صداقت کے ساتھ اس کی عدالتیں جاری ہوں گی، یہ اور محتاجوں کو ان کا حق دلائے گا اور ظالموں کے ٹکڑے ٹکڑے کرے گا اور اس کے دشمن لرزاں و ترساں ہوں گے اور سلاطین عالم اس کے لئے ہدیے اور تحفے لائیں گے اور تمام قبائل اس کے مطیع اور فرمانبردار ہوں گے۔ ہر طرف سے ہر روز ساری قومیں اس کے حق میں دعا اور مبارک باد کہیں گی۔ اور ابد تک اس کا نام باقی رہے گا، جب تک آفتاب رہے گا اس کے نام کا رواج رہے گا۔

اہلِ عقل ایک سرسری نظر سے سمجھ سکتے ہیں کہ یہ اوصاف مذکورہ حضرت مسیح علیہ السّلام میں نہ تھے بلکہ رسالتمآب خاتمیت جناب سرورِ عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کے ساتھ سلیمان اور ذوالقرنین جیسی حکومت عطا فرمائی کہ جس میں قوموں کے درمیان ایسی عدالت اور صداقت جاری ہوئی کہ دنیا نے نہ ایسی صداقت اور عدالت دیکھی اور نہ سنی۔ ظالموں سے مظلوموں کا بدلہ لیا گیا اور زمین کو ظلم اور غصب سے پاک کر دیا بر اور بحر اور صحرا اور بیابان میں آپ کی حکومت پھیلی اور دشمن آپ سے تھرا گئے اور بڑے بڑے سلاطین آپ کے حضور سجدہ میں گرے اور ہدیے اور تحفے آپ کی بارگاہ میں بھیجے اور آپ نے صداقت اور عدالت کے جاری کرنے کے لئے جہادات اور غزوات کئے اور آپ کی جاری کردہ صداقت اور عدالت کو صدیق اکبر اور فاروقِ اعظم جیسے صداقت اور عدالت کے علمبرداروں نے حدِ کمال کو پہنچایا۔

اور ابد تک جب تک کہ چاند اور سورج قائم ہیں آپ کا نام مبارک ہر اذان اور نماز اور ہر دعا اور ہر منبر و محراب میں لیا جائے گا۔ بلکہ خطبوں میں آپ کے نام مبارک کے ساتھ آپ کے خلفاء راشدین کا نام بھی لیا جائے گا جنہوں نے دنیا میں صداقت و عدالت کا علم بلند کیا۔

اے علماء یہود و نصاریٰ یہ ناچیز تم کو صداقت اور عدالت کا واسطہ دے کر پوچھتا ہے کہ جس صداقت اور عدالت کے جاری کرنے کا ذکر اس زبور میں ہے خدا را یہ بتلاؤ کہ سوائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کہاں ظہور ہوا اوصاف مذکورہ کا حضرت عیسیٰ علیہ السّلام اور ان کے حوارین

پر انطباق کسی صورت سے ممکن نظر نہیں آتا۔

گذارش

حضرات اہلِ علم کی خدمت میں گذارش ہے کہ زبور کا باب ۷۲ اور باب ۱۱۳ اسی بہتّرویں باب کا تتمہ ہے جس میں صحابۂ کرام کے اوصاف کی طرف اشارہ ہے اس کو بھی ملاحظہ فرمائیں اور تشریح اور تطبیق کے لئے ازالۃ الاوہام بزبانِ فارسی ص ۲۴۸ تا ص ۲۵۸ مصنفہ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی قدس اللہ سرہ ملاحظہ فرمائیں۔

بشارت نہم از صحیفہ ملاکی علیہ الصلوٰۃ والسلام باب سوم آیت اوّل

دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجوں گا اور میرے آگے میری راہ کو درست کرے گا اور وہ خداوند جس کی تلاش میں تم ہو۔ ہاں ختنہ کا رسول جس سے تم خوش ہو وہ اپنی ہیکل میں ناگہاں آوے گا۔ دیکھو وہ یقیناً آوے گا۔ رب الافواج فرماتا ہے۔ پر اس کے آنیکے دن کون ٹھیر سکے گا۔ اور جب وہ نمود ہوگا کون ہے جو کھڑا رہے گا۔ آھ

اس بشارت میں ایسے رسول کی آمد وظہور کا ذکر ہے کہ جو صاحب ختان ہوگا اور اسی وجہ سے آپ کی بعثت سے قبل یہود و نصاریٰ کو رسولُ الختان کا انتظار تھا۔ اور قیصر روم بھی اسی پیشین گوئی کے مطابق رسولِ ختان کے ظہور کا منتظر تھا جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث ہرقل میں مذکور ہے مگر آجکل نسخوں میں بجائے ختنہ کے رسول کے عہد کا رسول مذکور ہے

لیکن اس صورت میں بھی عہد سے ختنہ ہی کا عہد مراد ہے جیسا کہ سفر پیدائش کے باب ہفتدہم کی آیت دہم سے معلوم ہوتا ہے۔

اور میرا عہد جو میرے اور تمھارے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ہے جسے تم یاد رکھو سو یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک فرزند نرینہ کا ختنہ کیا جائے، اور تم اپنے بدن کی کھلڑی کا ختنہ کرو۔ اور یہ اس عہد کا نشان ہوگا جو میرے اور تمھارے درمیان ہے۔

بشارت دہم از صحیفۂ حبقوق علیہ الصلوٰۃ والسلام باب سوم آیت ۳

خدا تیمان سے۔ اور وہ جو قدوس ہے کوہ فاران سے آیا۔ اس کی شوکت سے
آسمان چھپ گیا۔ اور زمین اس کی حمد سے معمور ہوئی۔ اس کی جگمگاہٹ نور کی مانند
تھی، اس کے ہاتھ سے کرنیں نکلیں۔ انتہٰی

یہ بشارت سرورِ عالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں نہایت ہی ظاہر ہے سوائے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کون پیغمبر فاران سے مبعوث ہوا۔ اور زمین اس کی حمد سے معمور ہوئی ہو چنانچہ
ہر دوست اور دشمن کی زبان پر آپ کا نام محمدؐ اور احمدؐ ہے۔ اور ایک قدیم عربی نسخہ میں یہ لفظ ہیں۔

وامتلأت الارض من تحميد احمد — یعنی تمام زمین احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد سے بھر گئی۔

مگر حاسدین نے اس جملہ کا رہنا گوارا نہ کیا۔ اور بعد کی اشاعت میں اس جملہ کو صحیفہ مذکورہ
سے علیحدہ کر دیا اور علیٰ ہذا سارا عالم میں آپ کے نورِ ہدایت سے جگمگا اٹھا۔

بشارت یازدہم از صحیفہ یسعیاہ علیہ الصلوٰۃ والسلام باب ۲۱ آیت ۶، ۷

خداوند نے مجھے یوں فرمایا جا نگہبان بٹھلا جو کچھ دیکھے سو بتلائے۔ اس نے سوار
دیکھے گھڑ چڑھوں کے جوڑ دو دو آتے تھے اور گدھوں بھی سوار اور اونٹوں پر بھی سوار۔ انتہٰی

اس بشارت میں حضرت شعیاہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو نبیوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔
اوّل حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف گدھے کی سواری سے ان ہی کی طرف اشارہ ہے
چنانچہ جناب مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام گدھے پر سوار ہو کر یروشلم (بیت المقدس) داخل ہوتے تھے۔
دوم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اونٹ کی سواری سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف
اشارہ ہے جو عرب کی خاص اور مشہور سواری ہے۔

چنانچہ آپ جب مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو اس وقت اونٹ پر سوار تھے اور پھر آیت نہم
میں بابل کے سقوط یعنی اس کے گرنے کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ بابل کا سقوط خلفاء راشدین کے زمانے

میں ہوا۔ حضرت مسیح اور حواریین کے زمانے میں بابل کا سقوط نہیں ہوا۔

بشارت دوازدہم از صحیفۂ یسعیاہ علیہ الصلوٰۃ والسلام باب ۲۱ آیت ۱۶ و ۱۷

اس باب میں عرب کی بابت الہامی کلام کا ذکر ہے، چنانچہ آیت ۱۶ میں ہے۔ (۱۶) خداوند نے مجھ کو یوں فرمایا۔ ہنوز ایک برس ہاں مزدور کی سی ایک ٹھیک برس میں قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی۔ ۱۷، اور تیر اندازوں کے جو باقی رہے، قیدار کے بہادر لوگ گھٹ جائیں گے، کہ خداوند اسرائیل کے خدا نے یوں فرمایا۔ اھ

چنانچہ ٹھیک ہجرت کے ایک سال بعد جنگ بدر میں بنی قیدار یعنی قریش کی ساری حشمت جاتی رہی۔ ستر سردار مارے گئے اور ستر قید ہوئے اور بہت سے زخمی ہوئے اور بنی قیدار کا بنی اسمٰعیل سے ہونا توریت وغیرہ اور تواریخ سے ثابت ہے اور علمائے نصاریٰ کے نزدیک مسلّم ہے۔

بشارت سیزدہم از صحیفۂ یسعیاہ علیہ الصلوٰۃ والسلام باب ۲۴، آیت ۲۳

اور چاند مضطرب ہوگا اور سورج شرمندہ کہ جس وقت رب الافواج کوہ صیہون پر اور یروشلم میں اپنے بزرگوں کے گروہ کے آگے حشمت کے ساتھ سلطنت کرے گا۔ اھ

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت حشمت کے ساتھ سلطنت فرمائی اور چاند مضطرب یعنی اپنی اصلی حالت سے متغیر ہوا اور اُس کے دو ٹکڑے ہوگئے۔ کما قال تعالیٰ شانہ

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ[1] قیامت قریب آگئی اور چاند دو ٹکڑے ہوگیا۔

اور سورج بھی شرمندہ ہوا۔ چنانچہ غزوۂ خیبر میں اس کو حرکت معکوس کرنا پڑی۔

بشارت چہاردہم از صحیفۂ یسعیاہ علیہ الصلوٰۃ والسلام باب ۲۸ آیت ۱۳

سو خداوند کا کلام ان سے یہ ہوگا حکم پر حکم، حکم پر حکم۔ قانون پر قانون، تھوڑا یہاں تھوڑا وہاں۔

چنانچہ قرآن عزیز اسی طرح نجماً نجماً نازل ہوا۔ رہی انجیل سو وہ علمائے مسیحیین کے نزدیک منزل

---

[1] القمر، آیۃ : ۱۔

من اللہ ہی نہیں بلکہ وہ حواریین کی تصنیف ہے اور صحیفہ مذکور کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کتاب موصوف کا منزل من اللہ ہونا ضروری ہے۔

اور ہمارے نزدیک جو انجیل حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دی گئی وہ تمام کتاب ایک ہی مرتبہ نازل ہوئی۔ قرآن کریم کی طرح نجماً نجماً نازل نہیں ہوئی۔ قال تعالیٰ شانہٗ:

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا [۱]	قرآن کو ہم نے متفرق کر کے نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں۔
وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا [۲]	اور ہم نے قرآن کو تھوڑا تھوڑا نازل کیا کافر کہتے ہیں کہ قرآن ایک ہی بار کیوں نہ نازل کیا گیا۔ کہدو کہ ہم نے اسی طرح نازل کیا تاکہ آپ کے دل کو مضبوط رکھیں اس لئے ہم نے ٹھہر ٹھہر پڑھ سنایا۔

بشارت پانزدہم از صحیفہ یسعیاہ علیہ الصلوٰۃ والسلام باب ۴۲ آیت اوّل

دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالتا میرا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے۔ میں نے اپنی روح اس پر رکھی، وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرائے گا۔

یہ بشارت بھی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے لئے صریح ہے اس لئے کہ میرا بندہ یہ ترجمہ عبداللہ کا ہے اور عبداللہ بھی آپ کے ناموں میں سے ایک نام ہے جیسا کہ قرآن عزیز میں ہے۔

لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ	جب عبداللہ کھڑا ہوا۔

اور قرآن عزیز میں بکثرت عبداللہ کے لقب سے آپ کا ذکر کیا گیا ہے۔ کما قال تعالیٰ

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ [۳]	پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ کو لے گیا۔
مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا [۴]	اس چیز سے جو ہم نے اپنے بندے پر اتارا۔

نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہ بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں ہے۔

---

۱ بنی اسرائیل، آیۃ: ۱۰۶، ۲ الفرقان، آیۃ: ۳۲
۳ ” ” : ۱، ۴ بقرہ، آیۃ: ۲۳

لیکن حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نصاریٰ کے اعتقاد میں خدا کے بندے نہیں بلکہ خدا اور معبود ہیں۔ لہٰذا وہ اس کے مصداق نہیں ہو سکتے اور برگزیدہ لعینہ ترجمہ مصطفیٰ کا ہے کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور و معروف نام ہے۔ اور جس سے میرا جی راضی ہے یہ ترجمہ مرتضیٰ کا ہے کہ جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نام پاک ہے۔

اور بزعم نصاریٰ اس جملہ کلمصداق یعنی جس سے میرا جی راضی ہے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نہیں ہو سکتے، اس لئے کہ وہ ان کے زعم میں مصلوب و مقتول ہوئے اور جو مقتول و مصلوب ہو جائے وہ نصاریٰ کے نزدیک ملعون ہے جیسا کہ گلیتوں کے تیسرے خط کے تیرھویں درس سے معلوم ہوتا ہے۔

یسح جو ہمارے لئے لعنتی بنا اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کیونکہ لکھا ہے کہ جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے۔ اھ

اس عبارت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نصاریٰ کے اس زعم باطل کی بنا پر معاذ اللہ خدا ان سے راضی نہیں۔

الحاصل محمد مصطفیٰ احمد مرتضیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بے شبہ خدا کے برگزیدہ بندہ اور رسول ہیں جن سے خدا راضی ہے۔

اور کتب سیر میں آپ کے اسماء مبارکہ میں آپ کا نام نامی مرتضیٰ اور رضی بھی لکھا ہے۔ اور اسی وجہ سے رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو آپ کے صحابۂ کرام کا خاص شعار ہے، کما قال تعالیٰ شانہ

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ [1]	البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ مومنین سے راضی ہوا جبکہ وہ اس درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔
مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ	محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور جو آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں مہربان ہیں۔ آپ ان کو رکوع و سجود کرتے اللہ کا فضل اور

[1] الفتح، آیۃ: ۱۸،

وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِي وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ ؕ ؎۱
اللہ کی رضا طلب کرتے دیکھیں گے صلاح اور تقویٰ کی نشانی اُن کے چہروں پر سجدہ کے اثر سے نمایاں ہے، یہ ہے اُن کی شان کہ جو توراۃ میں مذکور ہے۔

۴ - اور روح سے مراد وحی الٰہی ہے کہ جس پر ارواح و قلوب کی حیات کا دار و مدار ہے۔ کما قال تعالیٰ شانہ۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا
اسی طرح ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی اپنے حکم سے

سو الحمد للہ کہ حق تعالیٰ شانہ نے آپ پر مُردہ قلوب کی حیات اور زندگی کے لئے ایک روح یعنی قرآن عظیم کو اُتارا جس نے نازل ہو کر مُردہ قلوب کو حیات اور بے شمار مریض دلوں کو شفا بخشی کما قال تعالیٰ شانہ۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۔ ؎۲
اور اتارتے ہیں ہم ایسا قرآن کہ جو مومنین کیلئے سراسر شفا اور رحمت ہے۔

۵ - اور مبعوث ہو کر آپ نے باذن الٰہی عدالت کو بھی جاری فرمایا۔ کما قال اللہ جل جلالہ وعم نوالہ

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۔ ؎۳
پس اسی طرف بلایئے اور اسی پر قائم رہیے جیسا کہ آپ کو حکم کیا گیا ہے اور انکی خواہشوں کی پیروی نہ فرمایئے اور یہ کہیے کہ میں ایمان لایا اللہ کی اُتاری ہوئی کتاب پر اور حکم کیا گیا ہوں کہ تمہارے درمیان عدل و انصاف کروں۔

اور چونکہ عدالت کا جاری کرنا شوکت کو مقتضی ہے اس لئے یہ وصف بھی علیٰ زعم النصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صادق نہیں اس لئے کہ نصاریٰ کے نزدیک تو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ

؎۱ الفتح ، آیۃ ، ۲۹ - ؎۲ بنی اسرائیل ، آیۃ ، ۸۲
؎۳ الشوریٰ ، آیۃ ، ۱۵ -

دالسلام میں تو اتنی قوت بھی نہ تھی کہ جو اپنے کو قتل و صلب سے بچا سکتے شوکت تو درکنار

۶ - پھر باب مذکور کی دوسری آیت میں ہے ۔

کروہ نہ چلائے گا، اور اپنی صدا بلند نہ کرے گا اور اپنی آواز بازاروں میں نہ سنائے گا ۔

یہ جملہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پوری طرح صادق آتا ہے، چنانچہ صحیح بخاری کے باب کراہتہ السخب فی الاسواق میں عطار بن لیسار سے روایت ہے کہ میں نے عبد اللہ ابن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مل کر یہ دریافت کیا کہ رسول اللہ علیہ وسلم کے وہ اوصاف جو توریت میں مذکور ہیں بیان فرمایئے جواب میں عبد اللہ بن عمرو بن العاص ؓ نے بہت سے اوصاف ذکر فرمائے ۔ منجملہ اُن کے یہ فرمایا :

لیس بفظ ولا غلیظ ولا سخاب بالاسواق — وہ نبی نہ بدخو اور نہ سنگدل ہو گا اور نہ بازاروں میں شور کرنے والا ۔

۷ - اور باب مذکور کی تیسری آیت میں ہے ۔

وہ عدالت کو جاری کرائے گا کہ دائم رہے یعنی وہ نبی صاحب حکومت اور صاحب عدالت ہو گا اور حضرت عیسیٰ کے یہاں حکومت کا نام بھی نہ تھا نہ کافروں سے جہاد کیا اور نہ مجرموں پر کوئی عدالت ہماری کی اس کا مصداق تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہو سکتے ہیں اور دائم رہنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت غراء کا الی یوم القیامۃ باقی رہنا مراد ہے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت بے تک برابر محفوظ ہے اور انشاء اللہ ثم انشاء اللہ ہمیشہ رہے گی کوئی اُمت اس بارہ میں امت محمدیہ کی ہمسری نہیں کر سکتی کسی اُمت نے بھی اپنے نبی کی شریعت اور اس نبی کے اقوال و افعال کی حفاظت امت محمدیہ کے مقابلہ میں عشر عشیر بھی نہیں کی ۔ اور شریعت کے دائم ہونے سے خاتم الانبیاء ہونے کی طرف اشارہ ہے ۔ اسلئے کہ شریعت کا دوام اور بقاء الی یوم القیامہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ اس نبی کے بعد اور کوئی نبی نہ بنایا جائے ۔ ورنہ اگر اس کے بعد کوئی اور نبی بنایا جائے تو شریعت سابقہ شریعت لاحقہ سے منسوخ ہو جانے کی وجہ سے دائمی نہ رہے گی ۔

۸ - اور باب مذکور کی چوتھی آیت میں ہے ۔

اس کا زوال نہ ہو گا اور نہ مسلا جائے گا جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے۔
چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال جب ہوا کہ جب راستی زمین پر قائم ہو گئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا [۱]
آج کے دن تمھارے لئے تمھارے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمھارے دین بننے کیلئے پسند کر لیا۔

کی بشارت نازل ہو گئی۔ اور

اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا [۲] بے شک میں نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی۔

اور اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ [۳] جب خدا کی مدد اور فتح آپہنچی۔

کا وعدہ پورا ہو گیا اور عجب نہیں کہ راستی قائم کرنے سے خلافت صدیقیہ کی جانب اشارہ ہو جیسا کہ بعض علماء کی رائے ہے اس لئے کہ راستی ترجمہ صدق کا ہے اور صدق کا اطلاق صدیق پر ایسا ہی ہے جیسا کہ عدل کا اطلاق زید پر چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفات میں صدیق اکبر کو امام بنا کر اس طرف اشارہ فرما دیا کہ میرے بعد صدیق اکبر خلیفہ ہونے چاہئیں تاکہ صدق اور راستی قائم ہو۔

۹۔ اور چھٹی آیت میں ہے۔

تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا۔

یہ جملہ بھی سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور پر صادق نہیں آتا اس لئے کہ اللہ نے آپ سے وعدہ فرمایا تھا۔

وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ [۴] اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔

چنانچہ یہ وعدہ اللہ کا پورا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دستگیری کی اور حفاظت فرمائی ہاں

---

[۱] المائدہ، آیۃ ۳ ۔ [۲] الفتح، آیۃ ۱ ۔ [۳] النصر، آیۃ ۱

[۴] المائدہ، آیۃ ۶۷

برعم نصاریٰ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حفاظت نہیں ہوئی۔

۱۰۔ اور پھر چھٹی آیت میں جو نور کا ذکر ہے کہ لوگوں کے عہد اور قوموں کے نور کے لئے تجھے دوں گا اس سے نورِ ہدایت اور نورِ شریعت کا دینا مراد ہے جیسا کہ قرآن عزیز میں متعدد جگہ اس کا ذکر ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا [۱]	اے لوگو بیشک تمھارے پاس اللہ کی طرف سے ایک برہان آچکی ہے اور ہم نے تمھاری طرف ایک نور (قرآن کریم) نازل کیا۔
فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ [۲]	پس جو لوگ آپ پر ایمان لائے اور آپ کی مدد کی اسی نور کا اتباع کیا کہ جو آپ کے ساتھ نازل کیا گیا یہی لوگ فلاح والے ہیں۔
یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا [۳]	اے نبی ہم نے تمھیں بشارت دینے والا اور ڈرانے والا اور خدا کی طرف خدا کے حکم سے بلانے والا اور ہدایت کا روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔
یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ [۴]	کافر اپنی مونہوں کی پھونک سے اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں حالانکہ اللہ اپنے نور کو ضرور پورا فرمائیں گے۔ اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو۔

۱۱۔ اور آیت ہشتم میں ہے۔

اور اپنی شوکت دوسرے کو نہ دوں گا۔

یہ جملہ بھی حرف بحرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ہے۔

اعطیت ما لم یعط احد من الانبیاء قبلی	مجھ کو منجانب اللہ وہ چیزیں عطا کی گئیں کہ جو انبیاً سابقین میں سے کسی کو نہیں دی گئیں۔

---

[۱] النساء، آیۃ: ۱۷۴
[۲] الاعراف، آیۃ: ۱۵۷
[۳] الاحزاب، آیۃ: ۴۵
[۴] الصف، آیۃ: ۸

مثلاً ختم نبوت و رسالت، عموم بعثت و دعوت، مقام محمود، شفاعت کبریٰ، معراج سبع سموات ان فضائل و مزایا سے سوائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی نبی کو سرفراز نہیں کیا گیا۔ یہ حشمت و شوکت آپ کے سوا کسی کو نہیں دی گئی۔

اور اسی طرح حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو وہ آیات بینات محاسنِ اخلاق فضائل و شمائل علوم و معارف عطا فرمائے کہ جو کسی نبی اور رسول کو نہیں عطا فرمائے۔ خصوصاً قرآن حکیم کا معجزہ تو ایسا روشن معجزہ ہے کہ جس کے سامنے موافق و مخالف سب ہی کی گردنیں خم ہیں۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ [1]   یہ خدا کا فضل ہے۔ وہ فضل جس کو چاہتا ہے دیدیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

۱۲۔ اور گیارھویں آیت میں ہے۔

بیابان عرب اور اس کی بستیاں قیدار کے آباد دیہات میں اپنی آواز بلند کریں گے۔ سلع کے بسنے والے ایک گیت گائیں گے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں گے، وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں گے۔ آھ

قیدار حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ایک صاحبزادہ کا نام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں اور اس بیابان سے فاران کا بیابان مراد ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسّلام حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو چھوڑ آئے تھے، جیسا کہ کتاب پیدائش کے اکیسویں باب کی اکیسویں آیت سے ظاہر ہے اور یہ وہی جگہ ہے کہ جہاں اس وقت مکہ معظمہ آباد ہے اور قیدار کے آباد دیہات سے یہی مکہ مراد ہے۔ اسی جگہ حضرت اسمٰعیل کی اولاد آباد ہوئی الحاصل اس جملہ میں آپ کے مولد یعنی جائے ولادت کی طرف اشارہ ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں پیدا ہوں گے اور آپ کی اُمت اس بیابان میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اَللّٰهُ اَكْبَرُ اور لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ کے نعروں سے اللہ کے جلال کو ظاہر کرے گی۔ سفر اور حضر میں

---

[1] الحدید، آیۃ ۲۱۔

اللہ کی تکبیر کہنا یہ خاص امت محمدیہ کا شعار ہے اذان اور تکبیر کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں اور نصاریٰ میں گھنٹہ اور ناقوس بجا کر نماز پڑھی جاتی ہے اور بجائے تکبیر و توحید کے تثلیث اور تجسیم کا نعرہ لگاتے ہیں کہ خدا نے مریم کے پیٹ میں جسم پکڑا اور بندوں کی نجات کے لئے صلیب پر لٹکا

اور اس بشارت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ نبی مبشر قیدار بن اسمٰعیل کی اولاد سے ہوگا، لہٰذا اس بشارت کا مصداق انبیاء بنی اسرائیل میں سے کوئی نبی نہیں ہوسکتا اس لئے کہ وہ سب حضرت اسرائیل کی اولاد سے ہیں، نہ کہ قیدار بن اسمٰعیل کی اولاد سے اور سلع مدینہ طیبہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے، اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام ہجرت کی طرف اشارہ ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خلاصۂ کلام

یہ کہ یہ کلام معرفت التیام از اول تا آخر بآواز بلند یہ کہہ رہا ہے کہ وہ شخص موعود خدا تعالیٰ کا خاص برگزیدہ اور پسندیدہ بندہ ہوگا اور عامۂ اخلاق کی پیشوائی اور سارے جہان کی بادشاہی اور رہنمائی کا منصب اس کو عنایت ہوگا اور شخص موعود بنی قیدار یعنی بنی اسمٰعیل میں سے ہوگا۔ نہ کہ بنی اسرائیل میں سے کیونکہ قیدار بالاتفاق حضرت اسمٰعیل کے بیٹے کا نام ہے۔

پس اس خبر کا مصداق، حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نہیں ہوسکتے کیونکہ وہ بنی اسرائیل میں ہیں۔ بنی قیدار یعنی بنی اسمٰعیل میں سے نہیں۔

اور سارے جہان کی پیشوائی اور رہنمائی کا منصب بھی اُن کو حاصل نہیں ہوا، اس لئے کہ انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰ صرف بنی اسرائیل کے گمراہ بھیڑوں کی طرف بھیجے گئے یعنی ان کی بعثت عام نہ تھی اور نہ حضرت عیسیٰ نے کوئی حکومت کی اور نہ قوموں میں کوئی عدالت جاری کی، پس اس خبر سے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کیسے مراد ہوسکتے ہیں۔ اس خبر میں جس قدر اوصاف مذکور ہیں وہ سب سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق اور منطبق ہیں لہٰذا وہی مراد ہوسکتے ہیں۔

بشارت شانزدہم از صحیفۂ یسعیاہ علیہ السّلام باب ۵۲ ورس ۱۳

۱۳۔ دیکھو میرا بندہ اقبال مند ہوگا وہ بالا اور ستودہ ہوگا اور نہایت بلند ہوگا۔ ۱۴ جس طرح بہتیرے تجھے دیکھ کے دنگ ہوگئے کہ اس کا چہرہ ہر ایک بشر سے زیادہ اور اس کی ہیکل بنی آدم سے زیادہ بگڑ گئی۔ ۱۵۔ اسی طرح وہ بہت سی قوموں پر چھڑکے گا۔ اور بادشاہ اس کے آگے اپنا منہ بند کریں گے۔ کیونکہ وہ کچھ دیکھیں گے جو ان سے کہا نہ گیا تھا اور جو کچھ انھوں نے نہ سنا تھا وہ دریافت کریں گے۔ (ختم ہوا)

اس بشارت میں میرے بندہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات مراد ہے جس کے اقبال مند اور بالا اور ستودہ ہونے میں ذرہ برابر شک نہیں اور لفظ ستودہ ٹھیک لفظ محمد کا ترجمہ ہے۔ ع محمد ستودہ متیں استوار

اور حق تعالیٰ نے حضور پر نور کو وہ بلندی اور رفعت عطا کی کہ جو نہ کسی نے کبھی سنی اور نہ دیکھی حضرات نصاریٰ غور کریں کہ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو یہ بلندی اور اقبال مندی کبھی حاصل ہوئی نصاریٰ کے زعم فاسد کی بنا پر تو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو اقبال مندی اور نہایت بلندی تو کہاں سے حاصل ہوتی نصاریٰ کے عقیدہ صلیب کی بنا پر تو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو وہ ذلت اور اہانت حاصل ہوئی کہ جو دنیا میں کبھی بھی کسی برگزیدۂ حق کو نہیں ہوئی اہل اسلام تو اس توہین و تذلیل سے بری اور بیزار ہیں جو نصاریٰ اپنے مزعوم خدا کے لئے تجویز کرتے ہیں اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ حق تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ آسمان پر اٹھایا اور ان کے دشمنوں کو ناکام کیا۔

بشارت ہفدہم از صحیفۂ یسعیاہ علیہ السّلام باب ۶۰ ورس ۱ دربارۂ مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ

(۱) اٹھ روشن ہو دا سے سرزمین مکہ) کہ تیری روشنی آئی اور خداوند کے جلال نے تجھ پر طلوع کیا ہے ۲۔ کہ دیکھ تاریکی زمین پر چھا جائے گی اور تیرگی قوموں پر لیکن خداوند تجھ پر طالع ہوگا اور اس کا جلال تجھ پر نمودار ہوگا۔ ۳۔ اور قومیں تیری روشنی میں اور بادشاہان تیرے طلوع کی تجلی میں چلیں گے اب یہاں سے زمین مدینہ کو خطاب ہے۔ ۴۔ اپنی آنکھیں اٹھا کر چاروں طرف نگاہ کر وہ سب (لوگ) اکٹھے ہوتے ہیں

وہ تجھ پاس آتے ہیں تیرے بیٹے دُور سے آئیں گے اور تیری بیٹیاں گود میں اٹھائی جائیں گی۔ ۵۔ تب تو دیکھے گی اور روشن ہو گی ہاں تیرا دل اُچھلے گا اور کشادہ ہو گا کیونکہ سمندر کی فراوانی تیری طرف پھرے گی اور قوموں کی دولت تیرے پاس فراہم ہو گی۔ ۶۔ اونٹوں کی قطاریں اور مدیان اور عیفہ کی سانڈنیاں آ کے تیرے گرد بے شمار ہوں گی وہ سب جو سبا کے ہیں آئیں گے وہ سونا اور لبان لائیں گے اور خدا کی تعریفوں کی بشارتیں سنائیں گے۔ ۷۔ قیدار کی ساری بھیڑیں تیرے پاس جمع ہوں گی نبیط کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے وہ میری منظوری کے واسطے میرے مذبح پر چڑھائے جائیں گے اور میں اپنی شوکت کے گھر کو بزرگی دوں گا۔ ۸۔ یہ کون ہیں جو بدلی کی طرح اُڑتے آتے ہیں اور کبوتروں کی مانند اپنی کابک کی طرف؟ ۹۔ یقیناً بحری ممالک میری راہ تکیں گے اور ترسیس کے جہاز پہلے آئیں گے تیرے بیٹوں کو اُن کے روپے اور سونے سمیت دُور سے خداوند تیرا خدا اور اسرائیل کے قدوس کے نام کے لئے لائیں گے کیونکہ اس نے تجھے بزرگی دی ہے۔ ۱۰۔ اور اجنبیوں کے بیٹے تیری دیواریں اٹھائیں گے اور ان کے بادشاہ تیری خدمت گزاری کریں گے، اگرچہ میں نے اپنے قہر سے تجھے مارا پر اپنی مہربانی سے تجھ پر رحم کروں گا۔ ۱۱۔ اور تیری پھاٹکیں نت کھلی رہیں گی وہ دن رات کبھی بند نہ ہوویں گی تاکہ قوموں کی دولت کو تیرے پاس لائیں اور ان کے بادشاہوں کو دھوم دھام کے ساتھ۔ ۱۲۔ کہ وہ قوم اور وہ مملکت جو تیری خدمت گزاری نہ کرے گی برباد ہو جائے گی ہاں وہ قومیں یک لخت ہلاک ہو جائیں گی۔ ۱۳۔ لبنان کا جلال تجھ پاس آئے گا سرو اور صنوبر اور دیودار ایک ساتھ تاکہ میں اپنی مقدس مکان کو آراستہ کروں اور اپنے پاؤں کی کرسی کو رونق بخشوں۔ ۱۴۔ اور تیرے غارتگروں کے بیٹے بھی تیرے آگے جھکتے ہوئے آئیں گے یا وہ سب جنہوں نے تیری تحقیر کی تیرے پاؤں پر پڑیں گے اور خداوند کا شہر اسرائیل کے قدوس کا صیہون تیرا نام رکھیں گے۔ ۱۵۔ اس کے بدلے کہ تو ترک کی گئی اور تجھ سے نفرت ہوئی ایسا کہ کسی آدمی نے تیری طرف گزر بھی نہ کیا میں تجھے شرافت دائمی اور پشت در پشت لوگوں کا سرور بناؤں گا۔ ۱۶۔ تو قوموں کا دودھ بھی چوس لے گی ہاں بادشاہوں کی چھاتی چوسے گی

اور تو جانے گی کہ میں خداوند تیرا بچانے والا اور میں یعقوب کا قادر تیرا چھڑانے والا ہوں۔ ۱۷۔ میں پیتل کے بدلے سونا لاؤں گا اور لوہے کے بدلے روپا اور لکڑی کے بدلے پیتل اور پتھروں کے بدلے لوہا اور میں تیرے حاکموں کو سلامتی اور تیرے عاملوں کو صداقت بناؤں گا۔ ۱۸۔ آگے کو کبھی تیری سرزمین میں ظلم کی آواز نہیں سنی جائے گی اور نہ کہ تیری سرحدوں میں خرابی یا بربادی کی تو اپنی دیواروں کا نام نجات اور اپنے دروازوں کا نام ستودگی رکھے گی۔ ۱۹۔ آگے تیری روشنی دن کو سورج سے اور رات کو تیری چاندنی چاند سے نہ ہو گی بلکہ خداوند تیرا ابدی نور اور تیرا خدا تیرا جلال ہوگا۔ ۲۰۔ تیرا سورج پھر کبھی نہیں ڈھلے گا اور تیرے چاند کا زوال نہ ہوگا کیونکہ خداوند تیرا ابدی نور ہوگا اور تیرے ماتم کے دن آخر ہو جائیں گے۔ ۲۱۔ اور تیرے لوگ سب راستباز ہوں گے وہ ابد تک سرزمین کے وارث اور میری لگائی ہوئی ٹہنی اور میرے ہاتھ کی کاری گری ٹھہریں گے تاکہ میری بزرگی ظاہر ہو۔ ۲۲۔ ایک چھوٹے سے ایک ہزار ہوں گے اور ایک حقیر سے ایک قوی گروہ ہوگی میں خداوند اس کے وقت میں یہ سب کچھ جلد کروں گا۔ باب ۶۰ ختم ہوا۔

اس باب کی پہلی آیت میں مکہ معظمہ کو خطاب ہے اور اس کو روشن اور منور ہونے کی بشارت ہے اور نور اور روشنی سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا نور یا قرآن کا نور مراد ہے قرآن کریم میں آپ کو اور قرآن کریم کو نور مبین کہا گیا ہے۔

۲۔ صدہا سال سے جو زمین پر کفر اور شرک اور گمراہی کی ظلمت اور تاریکی چھائی ہوئی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور نور قرآن سے زائل ہو گئی۔

۳۔ اور امیر و فقیر اور بادشاہ اس نور کے طلوع کی تجلی میں چلنے لگے۔

۴۔ اور رفتہ رفتہ وہ نور زمین کے چاروں طرف پھیلنے لگا اور مختلف قبائل اس نور کے گرد اکٹھے ہونے لگے اور تیس برس کے اندر وہ نور دیار روم اور دیار مغرب اور دیار مشرق فارس اور کاشغر اور ختن اور ہند سندھ وغیرہ میں پہنچ گیا۔

۵۔ اور لاکھوں مسلمان پیادہ اور سوار امیر اور غریب حج بیت اللہ کے لئے مکہ معظمہ میں

جمع ہونے لگے اور بے شمار اونٹوں اور سانڈنیوں کی قطاریں مکہ معظمہ پہنچنے لگیں اور اونٹوں کی افراط جس قدر عرب اور مکہ مکرمہ کے اطراف اور نواحی میں ہے وہ زمین کے کسی خطہ میں نہیں۔

۶۔ اور خداوند ذوالجلال کی حمد و ثناء اور تعریف کرنے والوں کے غول خانہ کعبہ کے گرد جمع ہونے لگے۔

۷۔ اور روئے زمین کے سلاطین اہل اسلام خانہ کعبہ اور اہل مکہ کے لیے لاکھوں درہم و دینار کے ہدایا بھیجنے لگے۔

۸۔ اور مدیان حضرت ابراہیم کے بیٹے کا نام ہے جو بطن قطورا سے ہے اور شہر مداین انہی کا آباد کیا ہوا ہے۔ اور قیدار حضرت اسمٰعیل کے دوسرے بیٹے کا نام ہے جیسا کہ تورات کے کتاب پیدائش کے پچیسویں باب میں صراحۃً مذکور ہے اور اہل مداین اور نواحی سبا سب حضرت اسمٰعیل کی اولاد میں سے ہیں جو مشرف باسلام ہوئے اور ہر سال اونٹوں اور سانڈنیوں پر سوار ہو کر حج بیت اللہ کے لیے حاضر ہوتے ہیں اور جن کی حمد و ثناء اور لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ کی آوازوں سے دشت و بیابان گونجنے لگتے ہیں اور قیدار کی ساری بھیڑیں وہاں جمع ہو جاتی ہیں اور نبیط سے عرب شرقی و شمالی کے قبائل مراد ہیں[1]۔ اور مطلب یہ ہے کہ سبا یعنی یمن کے قبائل اور قیدار کی بھیڑیں یعنی قریش کے وحشی لوگ اور نبیط کے مینڈھے یعنی موٹے اور فربہ آدمی۔ ہر طرف سے خدا کی تسبیح و تہلیل اور تحمید و تکبیر کے نعرے لگاتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔

۹۔ اور کبوتروں کی مانند لوگ خانہ کعبہ کی طرف اُڑ کر پہنچیں گے اور اس کا طواف کریں گے۔

۱۰۔ اور اس وقت جو فخر اور جلال لبنان کو حاصل ہے وہ اُس وقت مکہ معظمہ کو حاصل ہو گا اور اس وقت مکہ مکرمہ کی طرف منتقل ہو جائے گا جو خاتم الانبیاء اور سید الاصفیاء کا مولد اور مسکن ہو گا اور اس کے اصحاب انبیاء بنی اسرائیل کا نمونہ ہوں گے۔

۱۱۔ اور جو غارت گر خانہ کعبہ کا رخ کرے گا وہ یک لخت ہلاک ہو گا جیسا کہ اصحاب فیل کا

---

[1] نبیط حضرت اسمٰعیل کے ایک فرزند کا نام ہے۔

قصہ مشہور ہے۔

۱۲۔ اور خدا کا مقدس مکان یعنی خانہ کعبہ آراستہ اور پیراستہ ہوگا۔ ہر سال اس پر زرّین غلاف چڑھائے جائیں گے۔

۱۳۔ اور اس بلدیہ مقدس کا نام صیہون ہوگا۔ اس لئے کہ صیہون جس طرح یروشلم کے ایک پہاڑ کا نام ہے اسی طرح صیہون مکہ مکرمہ کا بھی نام ہے جیسے شیخ عبدالحق دہلوی نے مدارج النبوۃ باب چہارم قسم اوّل میں لکھا ہے۔

۱۴۔ اور آپ کے بعد جو خلیفہ اور حاکم ہوئے وہ عین سلامتی ہوئے اور آپ کی شریعت کے عالم عین صداقت بنے۔

۱۵۔ اور سرزمین عالم صداقت اور عدالت اور سلامتی سے ایسی معمور ہوئی کہ کسی جگہ ظلم کی آواز سنی گئی۔

۱۶۔ اور امت کو ایسی شریعت کا وارث بنا کر دنیا سے رخصت ہوئے کہ جس کا نور اور روشنی ابد تک چمکتا رہے گا۔

۱۷۔ اور اس کا نور اور جلال ابدی ہوگا۔

۱۸۔ جو نہ کبھی ڈھلے گا اور نہ زوال پذیر ہوگا۔

۱۹۔ اور اس نبی کے تمام صحابہ راستباز ہوں گے۔

۲۰۔ اور ایک چھوٹے سے ہزار اور ایک حقیر سے قوی گروہ ہو جائیں گے۔ وللہ الحمد والمنۃ

گذارش

حضرات اہل علم سے گزارش ہے کہ وہ کتاب یسعیاہ کا باب ۵۴ اور باب ۶۵ بھی ضرور ملاحظہ فرمالیں اس میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کے اوصاف کا تذکرہ ہے [1]

---

[1] اظہار الحق (عربی) مؤلفہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی، ج: ۲، ص: ۱۴۵، ۱۴۷،
و ازالۃ الاوہام (فارسی) مولانا رحمت اللہ کیرانوی ص ۴۹۴، ۵۰۵

بشارت ہشت دہم از کتاب دانیال علیہ السّلام باب دوم

کتاب دانیال کے باب دوم میں ایک طویل قصہ مذکور ہے جس کا خلاصہ ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

بخت نصر شاہ بابل نے ایک پریشان کن خواب دیکھا اور خواب دیکھ کر بھول گیا۔ اس سے اور بھی زیادہ پریشان ہوا۔ بادشاہ نے یہ ماجرا دانیال علیہ السّلام سے ذکر کیا، دانیال علیہ السّلام نے وحی کے ذریعہ وہ خواب بھی تبلایا اور پھر اس کی تعبیر بھی تبلائی۔

۳۱ ۔ بادشاہ نے خواب میں دیکھا کہ ایک مورت ہے جو نہایت خوبصورت بھی ہے اور ہیبت ناک بھی ہے اور بادشاہ کے سامنے کھڑی ہے۔

۳۲ ۔ جس کا سر خالص سونے کا ہے اور اس کا سینہ اور بازو چاندی کے ہیں اور اس کا شکم اور رانیں تانبے کی ہیں اور اس کی ٹانگیں پنڈلیاں لوہے کی ہیں اور اس کے پاؤں کچھ لوہے اور مٹی کے ہیں۔ بادشاہ اس عجیب وغریب مورت کو دیکھ رہا ہے۔

۳۳ ۔ کہ یکایک ایک پتھر نکلا بغیر اس کے کہ کوئی ہاتھ سے کاٹ کر نکالے خود بخود نکلا اور اس مورت کے پاؤں پر لگا کر جو لوہے اور مٹی کے تھے اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

۳۴ ۔ اور لوہا اور مٹی اور تانبا چاندی اور سونا جن سے وہ مورت بنی ہوئی تھی ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے اور تابستانی کھلیان کے بھوسے کے مانند ہو گئے اور ہوا انھیں اُڑا کر لے گئی یہاں تک کہ ان کا پتہ نہ ملا اور وہ پتھر جس نے اس مورت کو مارا ایک بڑا پہاڑ بن گیا اور تمام زمین کو بھر دیا۔ (خواب ختم ہوا)

بادشاہ نے یہ خواب دیکھا تھا مگر بھول گیا تھا۔ دانیال علیہ السّلام کو بذریعہ وحی بتلایا گیا کہ بادشاہ نے یہ خواب دیکھا ہے۔ دانیال علیہ السّلام نے حسب وحی خداوندی خواب بیان کرکے بادشاہ کو اس کی تعبیر بتلائی کہ اس خواب میں یکے بعد دیگرے پانچ سلطنتوں کی طرف اشارہ ہے۔ سونے کے سر سے بابل کا بادشاہ مراد ہے اور تیری سلطنت سونے کی مانند ہے اور تیرے بعد

ایک اور سلطنت آئے گی جو چاندی کے مانند ہوگی اور تیری سلطنت سے کمتر ہوگی، اس کے بعد ایک تیسری سلطنت آئے گی جو تانبے کی مانند ہوگی پھر ایک چوتھی سلطنت آئے گی جو لوہے کی مانند مضبوط ہوگی، پھر ایک پانچویں سلطنت آئے گی جس کے پاؤں کچھ لوہے اور کچھ مٹی کے ہوں گے یعنی اس سلطنت میں کچھ ضعف اور اضطراب ہوگا، لوہا اور مٹی ملا جلا ہوگا یعنی وہ سلطنت قوت اور ضعف کا مجموعہ ہوگی، کبھی اس میں قوت ہوگی اور کبھی ضعف، اس پانچویں سلطنت کے زمانے میں یکایک عالم غیب سے ایک پتھر نمودار ہوگا جو کسی کے ہاتھ سے کاٹ کر نکالا ہوا نہ ہوگا بلکہ منجانب اللہ خود بخود بلا سبب ظاہری کے آسمان سے اُترے گا۔ اور اس آخری سلطنت کے پاؤں پر گرے گا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا تا آنکہ اس کو بستانی کھلیان کے بھوسے کے مانند بنا دے گا اور ہوا اس کو اُڑا کر لے جائے گی، یہاں تک کہ اس کا نام و نشان نہ رہے گا اور رفتہ رفتہ وہ پتھر پہاڑ بن کر تمام زمین کو بھر دے گا، جاننا چاہیے کہ اس تعبیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور آپ کی نبوت و رسالت اور آپ کی آسمانی بادشاہت کو ایک پتھر سے تشبیہ دی گئی ہے اور یہ بتلایا گیا ہے کہ وہ پتھر بہت جلد پہاڑ کی شکل میں تبدیل ہو جائے گا یعنی اوّل اوّل وہ چھوٹی سی سلطنت ہوگی اور بعد میں تمام دنیا پر چھا جائے گی، چنانچہ عہد فاروقی میں قیصر و کسریٰ کی شوکت کا خاتمہ ہوگیا اور اس طرح ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ کا وعدہ پورا اور ہلک کسریٰ فلا کسریٰ بعدہ وہلک قیصر فلا قیصر بعدہ کی تصدیق ہوگئی آسمانی بادشاہت کا پتھر زمین پر ایسا گرا کہ دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں کو پیس کر رکھ دیا اور جو شریعت آپ پر آسمان سے نازل ہوئی وہ قیامت تک باقی رہے گی [1]

عاتکہ بنت عبدالمطلب کا خواب:

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عاتکہ بنت عبدالمطلب کا ایک خواب ذکر کریں جو سیرت کے تمام صحیح اور معتبر کتابوں میں مذکور ہے تاکہ ناظرین کو اس بشارت دانیالیہ کے سمجھنے میں مدد

---

[1] اظہار الحق، ص: ۱۴۰، ازالۃ الاوہام، ص: ۵۰۰۔ نیز ہدایۃ الحیاری لحافظ ابن قیمؒ ص: ۴۹۔

دے وہ خواب حسب ذیل ہے۔

ابوجہل کی سرکردگی میں قریش کا ایک ہزار کا قافلہ سات سو اونٹ اور سو سواروں اور دیگر سامان حرب کے ساتھ جنگ بدر کے لیئے روانہ ہونے لگا تو قبل از روانگی عاتکہ بنت عبدالمطلب نے یہ خواب دیکھا کہ ایک شتر سوار مکہ میں آیا اور مقام ابطح میں اونٹ بٹھلا کر بآواز بلند یہ کہہ رہا ہے۔

الا انفروا یا آل غدر — اے اہل غدر یعنی خدا کے غدارو تم بہت جلد اپنے لمصارعکم فی ثلاث — مقتل اور بچھڑنے کی جگہ کی طرف تین دن میں نکل جاؤ

اور پھر وہ شتر سوار مسجد الحرام میں گیا اور خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر بھی اسی طرح اعلان کیا۔ اس کے بعد وہ سوار جبل ابو قبیس پر چڑھا اور وہی آواز دی اور پھر اوپر سے ایک پتھر اٹھا کر نیچے پھینکا، وہ پتھر نیچے پہنچ کر چورہ چورہ ہو گیا اور مکہ کا کوئی گھر ایسا نہ رہا کہ جس میں اس کا کوئی ٹکڑا جا کر نہ گیا ہو۔ عاتکہ نے یہ خواب حضرت عباس سے بیان کیا جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے انھوں نے یہ خواب اپنے مخصوص دوستوں سے بیان کر دیا اور سمجھ گئے کہ قوم پر کوئی مصیبت آنے والی ہے۔ شدہ شدہ اس خواب کی اطلاع ابوجہل کو بھی ہو گئی۔ ابوجہل نے جب حضرت عباس کو مسجد حرام میں آتے دیکھا تو کہنے لگا اے ابوالفضل (حضرت عباس کی کنیت ہے) تمھارے مرد تو مدعی نبوت تھے ہی اب تمھاری عورتیں بھی نبوت کا دعویٰ کرنے لگیں۔ حضرت عباس نے کہا کیا بات ہے۔ ابوجہل نے عاتکہ کے خواب کا ذکر کیا۔ خواب بیان ہی کیا جا رہا تھا کہ یکایک ضمضم غفاری ابوسفیان کا پیام لے کر اس شان سے مکہ میں پہنچا کہ پیراہن چاک ہے اور اونٹ کی ناک کٹی ہوئی ہے اور یہ آواز لگا رہا ہے! اے گروہ قریش اپنے کاروان تجارت کی خبر لو اور جلد از جلد ابوسفیان کے قافلہ کی مدد کو پہنچو۔ یہ خبر سنتے ہی قریش پورے ساز و سامان کے ساتھ مکہ سے نکل کھڑے ہوئے اور بدر کے میدان میں پہنچ کر اس خواب کی تعبیر بحالت بیداری اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔

اور اس واقعہ پر بھی غور کرو کہ جو احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ غزوۂ خندق میں خندق کھودتے وقت جب ایک سخت پتھر نکل آیا تو اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ کدال ماری جس سے

وہ پتھر ٹوٹ گیا اور اس سے روشنی نمودار ہوئی اور اس میں شام اور فارس اور یمن کے شہر نظر آئے۔
اشارہ اس طرف تھا کہ یہ تمام ممالک اسلام کے مفتوح ہوں گے۔

بشارت نوزدہم از انجیل متی باب سوم آیت اول

اُن دنوں میں یوحنا یہودیہ کے بیابان میں ظاہر ہو کے منادی کرنے اور یہ کہنے لگا کہ توبہ کرو آسمان کی بادشاہت نزدیک آگئی ہے۔ انتہیٰ

اور اسی انجیل کے باب چہارم کے سترھویں آیت میں ہے: "اسی وقت سے یسوع نے منادی کرنی اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آگئی ہے۔ انتہیٰ

آسمانی بادشاہت سے یہ مراد ہے کہ کوئی کتاب آسمان سے نازل ہو اور اس میں ہر طرح کے احکام مذکور ہوں گے اور نہایت شوکت اور حاکمانہ طور سے اس کی نشر و اشاعت کی جائے گی، خدا کے سرکشوں اور نافرمانوں پر یہ تہدیدی احکام نافذ ہوں گے۔ غرض یہ کہ نہ تو فقط دنیوی بادشاہت ہو جیسا کہ سلاطین دنیا کو حاصل ہوتی ہے اور نہ یہ ہو کہ فقط احکام خداوندی اشاعت نہایت مسکنت سے مقہور اور مغلوب ہو کر بلا کسی شوکت اور حکومت کے کی جائے، بلکہ احکام آسمانی بھی ہوں اور اس کے ساتھ شوکت اور حکومت زمینی بھی ہو۔ احکام خداوندی سے سرتابی کرنے والوں کو سزا بھی دی جاتی ہو۔ حکومت الٰہی کے باغیوں سے جہاد بھی کیا جاتا ہو اور یہ دونوں باتیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء کے عہد میں کما حقہٗ ظہور میں آئیں۔

احکام خداوندی اور شریعت آسمانی بھی نازل ہوئی اور نہایت شوکت اور قوت سے اس کو نافذ کیا گیا۔ قیصر و کسریٰ کے تخت کو الٹ کر رکھ دیا، خدا کے دشمنوں سے جہاد بھی کیا۔ چور اور رہ زن پر حد بھی قائم کی۔ زناکاروں کو رجم اور سنگسار کیا۔ شراب خواروں کے کوڑے لگوائے۔ آنکھ کھول کر دیکھئے کہ آسمانی بادشاہت اس کو کہتے ہیں اور خدارا یہ بھی آسمانی بادشاہت نہیں تو وہ بادشاہت تم تبلاؤ کہ جس کو آسمانی کہا جا سکے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ؀

بشارت ہفتم از انجیل متی باب ۲۱، آیت ۴۲

یسوع نے انھیں کہا کیا تم نے نوشتوں میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو راج گیروں نے ناپسند کیا وہی کونے کا سرا ہوا۔

یہ خدا کی طرف سے ہوا اور ہماری نظروں میں عجیب ہے۔ اس لیے میں تمھیں کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائے گی اور ایک قوم کو جو اس کے میوہ لانے دی جائے گی جو اس پتھر پر گرے گا چور ہو جائیگا۔ جس پر وہ گرے اُسے پیس ڈالے گا۔ انتہی۔ راج گیر اور معماروں سے بنی اسرائیل مراد ہیں اور کونے کے پتھر سے ہمارے نبی اکرم خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کیونکہ آپ بنی اسرائیل کی نظر میں ایک ناپسند پتھر کے مشابہ تھے۔ بنی اسرائیل نے ہر چند آپ کو رد کرنا چاہا مگر آپ تائید الٰہی سے کونے کا سرا یعنی خاتم النبیین ہو کر رہے۔ اور پتھر کے سر زاویہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ جو کونا عمارت کی بلندی کی طرف خالی تھا وہ اس سے بھر جائے گا اسی طرح قصر نبوت میں جو زاویہ خالی تھا وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پُر ہو گیا اس طرح قصر نبوت کی عمارت پوری ہو گئی۔

کما روی ابو ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان مثلی ومثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بیتا فاحسنہ واجملہ الا موضع لبنۃ من زاویۃ فجعل الناس یطوفون بہ ویعجبون لہ ویقولون ھلا وضعت اللبنۃ وانا خاتم النبیین رواہ البخاری فی کتاب الانبیاء وفی روایۃ انا سددت موضع اللبنۃ وختم بی البنیان وختم بی الرسل۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اور انبیاء سابقین کی ایسی مثال ہے کہ کسی نے ایک محل نہایت عمدہ تیار کیا مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ لوگ اس محل کا چکر لگاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ ایک اینٹ کیوں چھوڑ دی گئی میں ہی خاتم النبیین ہوں۔ یعنی میں نے ہی اس اینٹ کی جگہ کو پُر کیا ہے اور میرے ہی سے یہ تعمیر ختم ہوئی اور مجھ ہی پر انبیاء و رُسل کا سلسلہ ختم ہوا۔

پھر آپ پر جو گرا وہ بھی چور چور ہوا اور جس پر آپ گرے وہ چورا چورا ہوا۔ چنانچہ جنگ

بدر میں قریش آپ پر گرے اور وہ خدا کے فضل سے چور چور ہوئے اور فتح مکّہ کے وقت آپ اُن پر گرے تب بھی وہی چور چور ہوئے اور آپ کے بعد صحابہ کرام ایران، شام و روم وغیرہ وغیرہ پر گرے اور سب کو چور کیا اور پھل اور میوہ لانے والی قوم بنی اسمٰعیل ہی کہ جو اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت سے پھل لائی اور حکومت اور سلطنت کے مالک ہوئے اور یہ آسمانی بادشاہت اُن کے حصّہ میں آئی۔

لہٰذا اس بشارت کا مصداق بجز خاتم النبیین سیدالاولین والآخرین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ رہے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سو وہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسل سے تھے، بنی اسرائیل میں بہت محترم تھے وہ ناپسند پتھر کے کیسے مشابہ ہوسکتے ہیں۔ دوم یہ کہ وہ خاتم النبیین نہیں جیسا کہ سابق میں معلوم ہو چکا ہے کہ اہل کتاب علاوہ عیسیٰ علیہ السلام کے ایک اور نبی کے منتظر تھے۔ نیز سابق میں یہ بھی گزر چکا ہے کہ جب یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے تو یہودیوں نے ان سے دریافت کیا۔ الخ

سوم یہ کہ حضرت مسیح خود تو کبھی کسی پر نہ گرے اور یہود جب اُن پر گرے تو بقول نصاریٰ حضرت مسیح چور چور ہوئے۔ واللہ اعلم

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی بھی یہ نہیں فرمایا کہ میں خاتم النبیین ہوں میرے آسمان پر چلے جانے کے بعد کوئی سچا نبی نہیں آئے گا۔

بشارت بست وہفتم از انجیل یوحنا باب چہاردہم آیت ۱۵

۱۵۔ اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے۔ ۱۶۔ اور میں باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمھیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمھارے ساتھ رہے۔ ۲۶۔ وہ تسلی دینے والا جو روح القدس ہے جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمھیں سب چیزیں سکھائے گا۔ اور سب باتیں جو کچھ کہ میں نے تمھیں کہی ہیں تمھیں یاد دلائے گا۔ ۲۹۔ اور اب میں نے تمھیں اس کے واقع ہونے سے پیشتر کہا تاکہ جب وہ وقوع میں آئے تو تم ایمان لاؤ۔ ۳۰۔ بعد اس کے میں تم سے

بہت کلام نہ کروں گا اس لئے کہ اس جہان کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں۔

اور باب ۱۵ - آیت ۲۶ میں ہے۔

جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمھارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کی روح تو وہ میری گواہی دے گا۔ انتہیٰ

اور باب ۱۶ - آیت ۷ میں ہے۔

(۷) میں تم سے سچ کہتا ہوں تمھارے لئے میرا جانا ہی فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمھارے پاس نہ آئے لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمھارے پاس بھیج دوں گا۔ (۸) اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت سے قصور وار ٹھہرائے گا۔ (۹) گناہ کے بارہ میں اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے۔ (۱۰) راستبازی کے بارہ میں اس لئے کہ میں اپنے باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے (۱۱) عدالت کے بارہ میں اس لئے کہ اس جہان کے سردار پر حکم کیا گیا ہے (۱۲) میری اور بھی بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمھیں اب کہوں پر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ (۱۳) لیکن جب وہ روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمھیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ (۱۴) وہ میری بزرگی اور جلال کو ظاہر کرے گا۔ انتہیٰ

اور انجیل متی باب ۳ آیت ۱۱ میں ہے۔ میں توبہ کے لئے پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں لیکن جو میرے بعد آتا ہے مجھ سے زور آور ہے کہ میں اس کے جوتے اٹھانے کے لائق نہیں۔ انتہیٰ

یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام ہے کہ جو آپ نے رفع الی السماء سے پہلے حواریین کی تسلی کے لئے فرمایا کہ تم یہود بے بہبود کی سازشوں اور قتل کے تدبیروں سے ہرگز نہ گھبراؤ اور میری تکلیف سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہو میں عنقریب اس دنیا سے نکل کر ایسی جگہ چلا جاؤں گا کہ جہاں کسی کی رسائی نہیں ہوگی یعنی آسمان پر چلا جاؤں گا۔ خدا کے یہاں بہت مکان ہیں اور قیامت کے قریب پھر آسمان سے نازل ہوں گا۔ اور بعد ازاں ایک آنے والے فارقلیط کی بشارت دی کہ ایک زمانہ آئے گا کہ میرے علاوہ

ایک دوسرا فارقلیط (رسول) ظاہر ہوگا اور وہ آکر میری بزرگی بیان کرے گا اور میرے نہ ماننے والوں یعنی یہود بے بہبود کو خوب سزا دے گا اور وہ دین و دنیا کا سردار ہوگا اور وہ اس قدر بلند مرتبہ ہوگا کہ مجھ میں اس کی کوئی بات نہیں حق جل شانہ نے قرآن کریم میں اس بشارت کا ذکر فرمایا ہے کما قال تعالیٰ۔

وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ	اس وقت کو یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا کہ
یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ	اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول
اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ	ہوں اور توریت کی تصدیق کرنے والا ہوں اور
مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ	بشارت دینے والا ہوں ایک عظیم الشان رسول
یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ[۱]	کی جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہوگا۔

اصل بشارت میں لفظ احمد موجود تھا اور جیسا کہ انجیل برنا باس میں اب بھی موجود ہے لیکن جب انجیل کا عبرانی زبان سے یونانی زبان میں ترجمہ ہوا تو یونانیوں نے اپنی عادت کی بنا پر کہ وہ ترجمہ کرتے وقت ناموں کا بھی ترجمہ کر دیا کرتے تھے، آں حضرت کے نام مبارک (احمد) کا ترجمہ بھی پیر کلوطوس سے کر دیا۔ اور پھر جب یونانی نسخہ کا ترجمہ عربی زبان میں ہوا تو پیر کلوس کا معرب فارقلیط کر لیا گیا، ایک عرصہ تک اردو اور فارسی اور عربی نسخوں میں فارقلیط کا لفظ رہا اس کے بعد اس کا ترجمہ روح القدس سے کیا گیا اور مسیحین روح القدس کے لفظ کو بطور تفسیر خطوط وحدانی میں لکھتے رہے۔ رفتہ رفتہ فارقلیط کے لفظ کو بالکل حذف کر دیا پھر کسی نے فارقلیط کی جگہ روح القدس کا لفظ اور کسی نے روح حق کا لفظ اور کسی نے مددگار اور تسلی دینے والے کا لفظ رکھ دیا اور فارقلیط کے لفظ کو انجیل کے نسخوں سے بالکل حذف کر دیا۔

لفظ فارقلیط کی تحقیق

لفظ فارقلیط اصل میں یونانی زبان سے معرب کیا گیا ہے اور یہ لفظ یونانی زبان میں کئی

---

[۱] الصف، آیۃ: ۶۔

کئی معنی میں مشترک ہے اور وہ سب معنی احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتے ہیں۔
علماء نصاریٰ نے فارقلیط کے مختلف معنی بیان کئے ہیں۔

(۱) کسی نے کہا کہ فارقلیط کے معنی تسلی دینے والے کے ہیں جس کا عربی ترجمہ معزّی ہے (۲) کسی نے کہا اس کے معنی معین اور مددگار کے ہیں (۳) کسی نے کہا اس کے معنی شافع یعنی شفاعت کرنے والے کے ہیں (۴) کسی نے کہا اس کے معنی وکیل یعنی وکالت کرنے والے کے ہیں۔ (۵) کسی نے کہا کہ اس کے معنی بڑا سراہنے والا جس کا فارسی ترجمہ ستائندہ اور عربی ترجمہ حماد اور احمد بصیغۂ اسم تفضیل بمعنی فاعل ہے (۶) اور کسی نے کہا کہ اس کے معنی بڑا سراہا گیا یعنی بڑا ستودہ کے ہیں جس عربی ترجمہ محمد ہے اور احمد اسم تفضیل بمعنی مفعول ہے۔ کیونکہ لفظ احمد صیغۂ اسم تفضیل کا ہے جو کبھی بمعنی فاعل آتا ہے اور کبھی بمعنی مفعول پس اگر احمد اسم تفضیل بمعنی فاعل ہو تو اس کا ترجمہ یہ ہوگا بڑی حمد وثنا کرنا یعنی خدا تعالیٰ کا بڑا سراہنے والا اور اگر احمد اسم تفضیل بمعنی مفعول ہو تو اس کا ترجمہ یہ ہوگا بڑا ستودہ یعنی جو خدا اور بندوں میں بڑا ہی ستودہ ہے کہ ہر جگہ اس کی تعریف کی جاتی ہے (۷) اور بعضوں نے فارقلیط کا ترجمہ امید گاہ عوام سے کیا ہے (۸) اور بعض نسخوں میں رسول کا لفظ ہے (۹) اور بعض نے کہا کہ اس کے معنی روح حق کے ہیں (۱۰) اور کسی نے کہا کہ اس کے معنی ثقہ اور معتبر کے ہیں۔

پس اگر فارقلیط کی اصل یونانی زبان میں پارکلی طوس قرار دی جائے تو اس کے معنی معین اور مددگار اور وکیل کے ہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ اس کی اصل پیرکلوطوس ہے تو اس کے معنی محمد یا احمد یا حماد کے قریب قریب ہیں۔

انجیل کے تمام قدیم نسخوں میں عربی اور فارسی اور اُردو تمام نسخوں میں فارقلیط کا لفظ موجود تھا۔ مگر اب موجودہ نسخوں میں لفظ فارقلیط کے بجائے زیادہ تر مددگار اور روح حق کا لفظ پایا جاتا ہے مگر باوجود ان تحریفات اور تغیرات وتبدلات کے پھر بھی مدعا حاصل ہے اس لئے کہ اس بشارت میں فارقلیط کے جو اوصاف ذکر کئے گئے ہیں وہ تمام کے تمام محمد مصطفےٰ اور احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر علی وجہ الکمال

واتمام صادق اور منطبق ہیں اور فارقلیط کے جو معنی بھی لیئے جائیں وہ سب آپ پر صادق ہیں، آپ خدا تعالیٰ کے وکیل اور سفیر بھی ہیں اور روح حق اور روح صدق اور روح راستی بھی ہیں یعنی روح خبیثت نہیں جو جھوٹ بولے اور اُمت کے شافع بھی ہیں اور بشیر و نذیر بھی ہیں اور خدا کے ستودہ اور پسندیدہ بندے بھی ہیں اور سب سے زیادہ خدا کی حمد و ثنا کرنے والے بھی ہیں بلکہ یہ تمام آپ کے اسمار ہیں یعنی آپ کے نام ہیں کوئی ان میں سے اسم صفت ہے جیسے وکیل اور شافع اور معین و مددگار اور روح الحق اور کوئی اسم علم ہے جیسے احمد اور محمد اور محمود اور حماد اور آپ کے ناموں میں ایک نام آپ کا حمد بھی ہے، حمد اگرچہ مصدر ہے بمعنی ستودن۔ مگر مبالغۃً آپ پر اطلاق کر دیا گیا گویا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ کی مجسم حمد و ثنا ہیں۔

فارقلیط کا سب سے زیادہ صحیح ترجمہ لفظ احمد ہے اور اسی وجہ سے قرآن کریم میں اس بشارت کا ذکر بلفظ احمد آیا ہے کما قال تعالےٰ مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ

یہ آیت قرآن مجید کی ہے اور قرآن مجید جس ملک میں نازل ہوا اس وقت اُس ملک میں بیشمار علماء یہود اور علماء نصاریٰ موجود تھے، اگر یہ بشارت اور یہ خبر غلط ہوتی تو ہزارہا علماء یہود و نصاریٰ اس غلطی کو فاش کرتے اور برملا اس خبر کی تردید کرتے اور جو علماء یہود اور نصاریٰ اسلام میں داخل ہو گئے تھے وہ اس غلط بیانی کو دیکھ کر فوراً اسلام سے برگشتہ ہو جاتے اور بغیر شور و غل مچائے خاموش نہ بیٹھتے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پیشین گوئی کو علی الاعلان ظاہر فرمانا اور بیان کرنا۔ اور علماء نصاریٰ کا خاموش رہنا یہ ان کے اعتراف اور تسلیم کی روشن دلیل ہے اور اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اگر یہ بات سچی تھی تو اُس وقت کے تمام علماء یہود و نصاریٰ کیوں مسلمان نہ ہو گئے۔

جواب

یہ ہے کہ علماء نصاریٰ کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور کی پیشین گوئیاں توریت میں موجود ہیں مگر باوجود ان پیشین گوئیوں کے اور باوجود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کے مشاہدہ کر لینے کے بعد پھر بھی علماء یہود حضرت مسیح پر ایمان نہیں لائے بلکہ اُن کے دشمن ہو گئے اور بوجہ سنگدلی اور

بوجہ دنیاوی اغراض یا بوجہ حسد کے حضرت مسیح کی دعوت کو قبول نہیں کیا بلکہ صاف طور پر علمار یہود یہ کہتے ہیں کہ توریت میں حضرت مسیح کی کوئی بشارت نہیں اور نہ ان کا کوئی ذکر ہے، اسی طرح بہت سے علمار نصاریٰ نے بوجہ سنگدلی اور بوجہ دنیاوی اغراض آپ کا پیرو ہونا قبول نہ کیا۔ حالانکہ ان کو یقین تھا کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی مسیح بن مریم نے بشارت دی ہے جیسے ہرقل اور مقوقس نے صاف طور پر اس کا اقرار کیا کہ آپ وہی نبی ہیں جن کی انجیل میں بشارت دی گئی مگر اپنی سلطنت کی خاطر اسلام میں داخل نہیں ہوئے اور علمار نصاریٰ میں جو منصف اور حق پرست تھے۔ جیسے نجاشی شاہ حبشہ اور ضغاطر رومی اور ابن الناطور وغیرہم یہ لوگ ایمان لائے اور بہت سے علمار نصاریٰ نے دیدہ و دانستہ علمار یہود کی طرح صاف طور پر یہ کہدیا کہ محمد رسول اللہ علیہ وسلم کی توریت وانجیل میں کوئی بشارت نہیں۔ علمار نصاریٰ کی یہ تکذیب ایسی ہے جیسا کہ علمار یہود اور دیگر یہود حضرت مسیح کی بشارتوں کے منکر اور مکذب ہیں۔ علمار نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ اس بشارت میں فارقلیط کی آمد سے روح القدس کا حوارین پر نازل ہونا مراد ہے، چنانچہ حضرت عیسیٰ کے رفع الی السمار کے بعد جب حوارین ایک مکان میں جمع تھے تو وہ روح ان پر نازل ہوئی اور اس کے روح کے نزول سے حوارین تھوڑی دیر کے لئے مختلف زبانیں بولنے لگے۔

نصاریٰ کا یہ خیال سراسر خیالِ خام ہے یہ بشارت کسی مقدس اور برگزیدہ انسان کے حق میں ہے۔ جو خدا کی طرف سے الہام پائے گا اور خدا کی طرف سے اس کو جو القار ہوگا وہی کہے گا۔ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا۔ اس بشارت کو روح القدس یعنی جبرئیل امین کے نزول سے کوئی واسطہ نہیں اور کسی فرشتہ سے اس بشارت کا کوئی تعلق نہیں۔ فارقلیط کی آمد سے ایک رسول عظیم کی بعثت مراد ہے جو حق اور باطل کے درمیان فرق کرے گا۔

حضرت مولانا عبدالحق صاحب حقانی صاحب تفسیر حقانی لکھتے ہیں:

"ایک پادری صاحب اپنے ایک رسالہ میں جو لفظ فارقلیط کی تحقیق میں انھوں نے لکھا ہے

سلہ عقائد الاسلام، ص:

اور ۱۲۶۸ھ ہجری میں کلکتہ میں چھپا تھا، لکھتے ہیں کہ یہ لفظ فارقلیط یونانی زبان سے معرب کیا گیا ہے پس اگر اس کی یونانی میں پاراکلی طوس اصل قرار دی جائے تو اس کے معنی معین اور وکیل کے ہیں اور اگر کہیں اصل پیرکلوطوس ہے تو اس کے معنی محمد یا احمد کے قریب ہیں پس جس عالم میں اہل اسلام نے اس بشارت استدلال کیا تو وہ اصل پیرکلوطوس سمجھا کیونکہ اس کے معنی محمد یا احمد کے قریب ہیں، پس اس نے دعویٰ کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے محمد یا احمد کی خبر دی لیکن اصل پاراکلی طوس ہے فقط ہم کہتے ہیں۔ کہ اصل پیرکلوطوس ہے، یونانی خط میں بہت تشابہ ہے اس کو پاراکلی طوس غلطی سے پڑھ لیا۔"

(نیز دیکھو اظہار الحق صفحہ ۱۵۵ ج ۲)

اور یونانی زبان میں پیرکلوطوس ہونے کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ سینٹ جرجوم نے جب انجیل کا ترجمہ لاطینی زبان میں لکھنا شروع کیا تو پیرکلوطوس کی جگہ پاراکلوطوس لکھ دیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس کتاب سے نقل کیا تھا پیرکلوطوس تھا[1]

اور اگر ہم اس تحقیق سے قطع نظر بھی کر لیں تو تب بھی ہمارا مدعا ثابت ہے کیونکہ اس بشارت میں اس آنے والے فارقلیط کے بہت سے اوصاف بیان کئے ہیں جو تمام و کمال سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ و احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق اور منطبق ہیں۔

اول یہ کہ جب تک میں نہ جاؤں گا وہ نہ آئے گا **دوم** یہ کہ وہ میری گواہی دے گا۔ **سوم** یہ کہ وہ گناہ اور راستی اور عدالت سے تقصیروار ٹھیرائے گا۔ **چہارم** یہ کہ مجھ پر نہ ایمان لانے والوں کو سزا دے گا۔ **پنجم** وہ سچائی کی راہ بتلا دے گا۔ **ششم** یہ کہ وہ آئندہ کی خبریں دے گا۔ **ہفتم** یہ کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا بلکہ جو اللہ سے سُنے گا وہی کہے گا **ہشتم** یہ کہ وہ جہان کا سردار ہوگا۔ **نہم۔** یہ کہ وہ میری تمام باتیں تم کو یاد دلائے گا۔ **دہم** یہ کہ جو امور تم اس وقت برداشت نہیں کر سکتے وہ بھی اس وقت آکر تم کو بتلائے گا اور جو باتیں غیر مکمل ہیں ان کی تکمیل کرے گا اور یہ تمام باتیں آنحضرت پر صادق آتی ہیں۔ (۱) آپ کا تشریف لانا حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانے پر اس لئے موقوف تھا کہ آپ خاتم الانبیاء

---

[1] تفسیر حقانی

ہیں اس لئے کہ کسی نبی کا آنا پہلے نبی کے جانے پر جب ہی موقوف ہو سکتا ہے جب دوسرا نبی خاتم الانبیاء ہو ورنہ اگر وہ نبی خاتم الانبیاء نہیں تو اس کے آنے سے پہلے نبی کا جانا شرط ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا اس لئے کہ جب وہ نبی خاتم الانبیاء نہیں تو پہلے نبی کی موجودگی میں بھی وہ مبعوث ہو سکتا ہے۔

پہلے نبی کا جانا دوسرے کے آنے کے لئے جب ہی شرط ہو سکتا ہے کہ جب دوسرا نبی خاتم الانبیاء ہو۔ الحاصل حضرت مسیحؑ نے اس جملہ سے یہ ظاہر فرمادیا کہ وہ فارقلیط اور رُوح حق خاتم الانبیاء ہوگا۔ کما قال تعالٰی :۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ	محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی
وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ [۱]	باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول اور آخر النبیین ہیں۔

اور حضرت مسیحؑ خاتم النبیین نہ تھے ورنہ علماء نصاریٰ و یہود حضرت مسیحؑ کے بعد ایک نبی کے کس لئے منتظر تھے اور روح کا آنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جانے پر موقوف نہ تھا۔ رُوح کا نزول تو حضرت عیسیٰؑ کی موجودگی میں بھی ہوتا تھا۔

(۲)۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گواہی بھی دی۔

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ	اور انھوں نے نہ ان کو (عیسیٰ علیہ السلام کو) قتل کیا
لَهُمْ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ	اور نہ سُولی دی لیکن اشتباہ میں ڈال دیے گئے
شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا	اور جن لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں
اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ	اختلاف کیا وہ یقیناً شک میں ہیں خود ان کو اس کا
اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا [۲]	یقین نہیں محض گمان کی پیروی ہے بلقیناً حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا۔ وہی غالب اور حکیم ہے۔

(۳) اور راستی اور عدالت سے ملزم بھی کیا (۴)۔ اور حضرت مسیحؑ کے نہ ماننے والوں کو پوری پوری سزا بھی دی کسی سے قتال اور جہاد کیا۔ اور کسی کو جلا وطن کیا۔ جیسا کہ یہود خیبر اور یہود بنو نضیر

---

[۱] الاحزاب، آیۃ : ۴۰ — [۲] النساء، آیۃ : ۱۵۰ —

اور یہود بنو قینقاع کے واقعات سے ظاہر ہے اور روح نے نہ کسی کو ملزم ٹھہرایا اور نہ کسی کی سرزنش کی اور سرزنش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ فارقلیط ظاہر ہونے کے بعد حکومت کے ساتھ لوگوں کو توبیخ اور سرزنش کرے گا اور ظاہر ہے کہ روح القدس کا ظاہر ہو کر عام لوگوں پر حکومت کرنا کہیں ثابت نہیں اور نہ حواریین کا یہ منصب تھا۔ حواریین نے حکومت کے طور پر کسی کی توبیخ نہیں کی بلکہ واعظانہ طور پر لوگوں کو سمجھاتے تھے جس میں حکومت کا زور نہ تھا۔ غرض یہ کہ کسی طرح بھی روح القدس کو فارقلیط کا مصداق نہیں قرار دیا جا سکتا۔

اور آیت دہم میں سرزنش کی یہ وجہ بیان فرمانا اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس فارقلیط اور مددگار اور وکیل و شفیع کا ظہور منکرین عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے ہوگا۔ بخلاف روح کے کہ اس کا ظہور تو آپ کے نزدیک حواریین پر ہوا کہ جو منکرین عیسیٰ علیہ السلام نہ تھے اور نہ حواریین نے کسی کو سزا دی وہ خود ہی مسکین اور عاجز تھے کسی منکر کو کیسے سزا دے سکتے تھے۔ (۵) اور آنحضرت نے صدق اور راستی کی وہ راہیں بتائیں کہ جو نہ کسی نے دیکھی اور نہ سنی آپ کی شریعت غراء اور ملت بیضا اس کی شاہد ہے۔ (۶) اور آئندہ واقعات کے متعلق آپ نے اتنی خبریں دیں کہ جن کا کوئی شمار نہیں اور ایسی صحیح خبریں دیں جو ہو بہو ظاہر ہوئیں اور ان کا ایک حرف بھی خلاف واقعہ نہ نکلا اور تا قیامت اسی طرح ظاہر ہوتی رہیں گی (۷)۔ اس لئے کہ آپ نے اپنی طرف سے کچھ نہیں فرمایا۔ کما قال تعالیٰ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔ (۸) اور باایں ہمہ جہان کے سردار اور بادشاہ بھی ہوئے اور جہان اور دنیا کی سرداری سے اس طرف اشارہ ہے کہ آپ کی نبوت تمام عالم کے لئے ہوگی کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہ ہوگی (۹)۔ اور نصاریٰ نے حضرت مسیح کی صحیح تعلیمات کو محو کر دیا تھا ان کو بھی یاد دلایا جن میں توحید و تثلیث کا مسئلہ بھی ہے اس کو خوب یاد دلایا۔ اور حضرت مسیح کے قتل و صلب کی نفی اور رفع الی السماء کا اثبات فرمایا۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ	آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب ایک ایسے امر کی طرف
سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ	آؤ کہ ہم میں اور تم میں مسلّم ہے وہ یہ کہ خدا کے سوا کسی کی
وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا	عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں

بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ [1] — اور ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب نہ بنائیں

وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۔ [2]

اور فرمایا حضرت مسیح بن مریم نے اے بنی اسرائیل بندگی کرو صرف ایک اللہ کی جو رب میرا اور تمھارا پروردگار ہے بتحقیق جو اللہ کے ساتھ شرک کرے گا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت کو حرام کیا ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

۱۰۔ آپؐ نے مبعوث ہونے کے بعد وہ باتیں بھی بتلائیں کہ جو حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں بنی اسرائیل کے تحمل سے باہر تھیں یعنی ذات و صفات، شریعت و طریقت حشر و نشر جنت و جہنم کے متعلق وہ علوم و معارف کے دریا بہائے کہ جن سے تمام عالم دنگ ہے اور کسی کتاب میں ان علوم کا نام و نشان نہیں اور جو امور غیر تکمیل شدہ تھے آپؐ کی شریعتِ کاملہ نے ان سب کی تکمیل بھی کر دی کما قال تعالیٰ :۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ [3]

آج میں نے تمھارے لئے تمھارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور تمھارے لئے اسلام کو پسند کیا دین بنا کر۔

اور قیامت تک کے لئے دنیا کو ایک ایسا کامل اور مکمل دستور (یعنی شریعت) دے گئے جو اُن کے دین اور دنیا کی صلاح اور فلاح کا کفیل ہے اور اس کے حقائق و دقائق اور اسرار و حکم کو دیکھ کر دنیا حیران ہے۔ قیامت تک پیش آنے والے واقعات کا حکم شریعت محمدیہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔ علماء یہود و نصاریٰ کے پاس کوئی شریعت ہی نہیں جس کو سامنے رکھ کر علمائے امت اور فقہاء ملت کی طرح فتویٰ دے سکیں اس وقت کے نصاریٰ کے پاس شریعت کا کوئی علم نہیں کہ جس کی مدد سے وہ فتویٰ

---

[1] آل عمران، آیۃ : ۶۴ ، [2] المائدہ، آیۃ : ۷۲ ،
[3] المائدہ، آیۃ : ۳ ۔

دے سکیں، ہاں نصاریٰ کے پاس صنعت و حرفت اور کاریگری کے علوم و فنون ہیں حکمرانی اور جہانبانی اور عدل عمرانی کے متعلق اُن کے پاس کوئی آسمانی قانون نہیں کہ جس کی رو سے وہ دنیا میں عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کر سکیں۔ مغربی اقوام کے پاس جو دستور ہے وہ چند اہل فکر کے افکار اور خیالات کا نتیجہ ہے شریعت اسلامیہ کی طرح آسمان سے نازل شدہ کوئی قانون اُن کے پاس نہیں۔

علماء مسیحین اس بشارت کو روح القدس کے حق میں قرار دیتے ہیں جس کا نزول حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رفع السماء کے ۵۰ یوم بعد حواریین پر ہوا۔ لیکن یہ قول چند وجوہ سے باطل ہے

(۱) اس لئے کہ روح کا نازل ہونا حضرت مسیحؑ کے جانے پر موقوف نہ تھا بلکہ وہ تو ہر وقت حضرت مسیح کے ساتھ رہتی تھی۔

(۲) اور نہ روح نے کسی کو راستی اور عدالت سے ملزم ٹھہرایا اور نہ کسی یہودی کو حضرت مسیحؑ پر نہ ایمان لانے کی وجہ سے کبھی سزا دی البتہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین اور کافرین سے جہاد بھی کیا اور یہودیوں کو کافی سزا بھی دی۔ اور ان کو ملزم ٹھہرایا اس لئے کہ اہل دنیا کو الزام دینا اور ان کی سرزنش کرنا بغیر حکومت کے ممکن نہیں معلوم ہوا کہ آنے والا فارقلیط اور دوسرا مددگار دنیا کا حاکم اور بادشاہ ہوگا جو مجرموں کی سرزنش کرے گا۔ اور چودھویں باب کے درس ۳۰ میں جو دنیا کے سردار آنے کا ذکر ہے اس سے یہی دنیا کا حاکم مراد ہے کہ جس کی حکومت اور توبیخ اور سرزنش کا ذکر ہو چکا ہے۔

(۳) نیز حضرت مسیحؑ کا اس پر ایمان لانے کی تاکید فرمانا بالکل بے محل ہے، اس لئے کہ حواریین پیشتر ہی سے رُوح القدس پر ایمان رکھتے تھے اس کے فرمانے کی کیا حاجت تھی کہ "جب وہ آئے تب تم ایمان لاؤ" حضرت مسیحؑ کا اس قدر اہتمام فرمانا اور اس پر ایمان لانے کی وصیت کرنا خود اس کو بتلا رہا ہے کہ وہ آنے والی شے کچھ ایسی ہوگی جس کا انکار تم سے بعید نہ ہوگا۔

پس اگر فارقلیط سے روح مراد ہوتی تو اس کے لئے چنداں اہتمام اور تاکید کی ضرورت نہ تھی اس لئے کہ جس کے قلب پر روح کا نزول ہوگا اس سے روح کا انکار ہونا بالکل ناممکن ہے۔

روح القدس کا نزول بالبداہت مفید یقین ہے جس طرح روح القدس کے نزول سے بالبداہت

پیغمبر کو اپنی نبوت کا یقین آجاتا ہے۔ پیش آنے والی چیز سے انسان کو ایسا یقین کامل ہو جاتا ہے کہ قوت خیالیہ بھی اس کو دفع نہیں کر سکتی انسان پر جب کوئی حالت طاری ہوتی تو اس کا انکار ممکن نہیں ہوتا۔

(۴)۔ نیز اس بشارت کا سیاق اس بات کو تبلارہا ہے کہ وہ آنے والا فارقلیط حضرت عیسیٰ سے مغایر ہے۔ جیسا کہ سولھویں آیت کا یہ لفظ دوسرا مددگار بخشے گا۔ صاف مغایرت پر دلالت کرتا ہے کہ وہ علیحدہ صورت میں ظاہر اور نمودار ہوگا۔

پس اگر فارقلیط سے روح القدس مراد لی جائے تو وہ حضرت عیسیٰؑ کے کسی طرح مغائر نہیں کیونکہ نصاریٰ کے نزدیک ابن اور روح القدس میں حقیقی اتحاد ہے اور روح القدس جو حوارین پر ظاہر ہوگی وہ کسی علیحدہ صورت میں ظاہر نہیں ہوئی جس طرح کسی شخص پر جن مسلط ہو جاتا ہے سو جن کی باتیں وہی ہوتی ہیں جو اس شخص کے منہ سے نکلتی ہیں علیحدہ صورت میں اس کا ظہور نہیں ہوتا۔

(۵)۔ نیز اس بشارت میں یہ بھی مذکور ہے کہ "جو کچھ میں نے تمھیں کہا، یاد دلائے گا" حالانکہ کسی کتاب سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حواری حضرت عیسیٰؑ کے ارشادات فراموش کر چکے تھے روح القدس نے ان کو علیحدہ صورت میں ظاہر ہو کر یاد دلاتے ہوں۔

(۶)۔ نیز اس بشارت میں یہ بھی مذکور ہے کہ "وہ میرے لئے گواہی دے گا" سو یہ وصف صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی صادق آسکتا ہے کہ آپ ہی نے آکر مشرکین اور یہود کے سامنے حضرت مسیحؑ کی گواہی دی اور ان لوگوں کے سامنے کہ جو حضرت مسیحؑ سے منکر یا بے خبر تھے، آپ ہی نے حضرت مسیحؑ کی رسالت کا اعلان کیا۔

بخلاف روح القدس کے وہ حضرت عیسیٰؑ کے حوارین پر نازل ہوئی اور حوارین پہلے ہی سے حضرت مسیحؑ کو رسول جانتے تھے۔ اُن کے سامنے گواہی دینے کی کوئی حاجت نہ تھی۔

گواہی کی ضرورت تو منکرین کے سامنے تھی نہ کہ مؤمنین کے سامنے بخلاف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ آپ نے یہود کے سامنے جو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے منکر اور دشمن تھے علی الاعلان حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوّت و رسالت کی گواہی دی اور ان کے دعوائے قتل و صلب کی

تردید کی اور رفع الی السماء کو ثابت کیا۔

(۷)۔ نیز حضرت مسیحؑ اس فارقلیط کی نسبت یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھ میں اُس کی کوئی چیز نہیں" سو یہ جملہ آنحضرت ہی پر صادق آسکتا ہے کہ مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں روح القدس اور مسیح تو ایک ہی چیز ہیں۔

(۸)۔ نیز یہ بھی قابلِ غور ہے کہ اس روح نے کونسی آئندہ کی خبریں تبلائیں کہ جس سے اس رُوح کو اس بشارت کا مصداق کہا جائے۔

(۹)۔ نیز اس بشارت کا تمام سیاق وسباق دلالت کرتا ہے کہ آنے والا دوسرا فارقلیط اور دوسرا مددگار لباس بشری اور پیکر انسانی میں ظہور کرے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی طرح لباس بشری میں دعوت حق اور لوگوں کی تسلّی کے لئے آوے گا پس فارقلیط کا مصداق اُس روح کو سمجھنا کہ جو آدمیوں پر جن کی طرح نازل ہو اور حلول کرے بالکل غلط ہے۔

(۱۰)۔ نیز حضرت عیسیٰ کے رفع الی السماء کے بعد سے عامّۂ نصاریٰ فارقلیط کے منتظر رہے اور یہ سمجھتے تھے کہ کوئی عظیم الشان نبی مبعوث ہوگا۔ چنانچہ منتس عیسائی نے دوسری صدی عیسوی میں یہ دعویٰ کیا کہ میں وہی فارقلیط ہوں کہ جس کی حضرت مسیح نے خبر دی ہے۔ بہت سے لوگ اس پر ایمان لے آئے جس کا مفصّل تذکرہ ولیم میور مسیحی نے اپنی تاریخ کے تیسرے باب میں لکھا ہے اور یہ کتاب ۱۸۴۸ء میں طبع ہوئی۔ معلوم ہوا کہ علماء یہود اور نصاریٰ یہی سمجھتے تھے کہ فارقلیط سے کوئی انسان مراد ہے نہ کہ روح القدس۔

اور لب التواریخ کا مصنّف جو کہ ایک مسیحی عالم ہے لکھتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قبل یہود ونصاریٰ ایک نبی کے منتظر تھے اور اسی وجہ سے نجاشی حبشہ جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ کا حال سن کر ایمان لایا اور کہا کہ بلاشک یہی وہ نبی ہیں کہ جن کی حضرت مسیحؑ نے انجیل میں خبر دی ہے حالانکہ نجاشی انجیل کا عالم ہونے کے علاوہ بادشاہ بھی تھا کسی قسم کا اُس کو خوف و خطر بھی نہ تھا۔

اور مقوقس شاہ قبط نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والا نامہ کے جواب میں یہ لکھا۔

سلام علیک اما بعد فقد قرأت کتابک وفهمت ما ذکرت فیه وما تدعو الیہ وقد علمت ان نبیا قد بقی وقد کُنتُ اَظُنّ انہ یخرج بالشام وقد اکرمت رسولک ۔

سلام ہو آپ پر۔ اما بعد میں نے آپ کے والا نامہ کو پڑھا اور جو کچھ آپ نے اس میں ذکر فرمایا ہے اور جس کی طرف دعوت دی ہے اس کو سمجھا مجھکو خوب اچھی طرح معلوم ہے کہ اب صرف ایک نبی باقی رہ گیا ہے میرا گمان یہ تھا کہ وہ نبی شام میں ظاہر ہوگا اور میں نے آپ کے قاصد کا اکرام کیا۔

مقوقس اگرچہ اسلام نہ لایا مگر اتنا اقرار ضرور کیا کہ ایک نبی کا آنا باقی رہ گیا ہے۔

اور جارود بن علاء جو اپنی قوم میں بہت بڑے عالم تھے جب اپنی قوم کے ساتھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر مشرف باسلام ہوئے تو یہ کہا:۔

واللہ لقد جئت بالحق ونطقت بالصدق لقد وجدتُ وصفک فی الانجیل ولبشر بک ابن البتول فطول التحیۃ لک والشکر لمن اکرمک لا اثر بعد عین ولا شک بعد یقین یدک اشهد ان لا الہ الا اللہ وانک مُحَمّد رسول اللہ

خدا کی قسم آپ حق لے کر آئے ہیں اور آپ نے سچ فرمایا البتہ تحقیق میں نے آپ کی صفت انجیل میں پائی ہے اور مسیح بن مریم نے آپ کی بشارت دی ہے۔ آپ کے لئے طویل وعریض تحیۂ تکریم پیش کرتا ہوں اور شکر ہے اس کے لئے جو آپ کا اکرام کرے ذات کے بعد نشان کی اور یقین کے بعد شک کی ضرورت نہیں اپنا دست مبارک بڑھایئے میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یقیناً آپ محمد رسول اللہ ہیں۔

اور علی ہذا ہرقل شاہ روم اور دوسرے ذی شوکت علماء توراۃ وانجیل نے آپ کی نبوت ورسالت کا اقرار کیا پس ثابت ہوا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت اور آپ کا نام انجیل میں لکھا ہوا تھا۔ جس کو دیکھکر لوگ آپ پر ایمان لائے اور آپ کی آمد سے پہلے وہ آپ کے منتظر تھے جن کو خدا تعالیٰ نے

توفیق دی اور کسی دنیوی طمع نے ان کو نہ گھیرا وہ اس دولت سے متمتع ہوئے ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ ۝

(۱۱)۔ اور سولھویں آیت کا یہ جملہ کہ ابد تک تمھارے ساتھ رہے گا" اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ فارقلیط خود بذاتہٖ ہمیشہ تمھارے ساتھ رہے گا اس لئے کہ فارقلیط یعنی روح جس کے نصاریٰ قائل ہیں وہ بھی ہمیشہ اُن کے ساتھ نہ رہا۔

بلکہ مراد یہ ہے کہ اُس کی شریعت اور دین ابد تک رہے گا اور اس کے بعد کوئی دین نہ آئے گا جو اس کے لئے ناسخ ہو۔

(۱۲)۔ اور باب چہارم دہم کی سترھویں آیت کا یہ جملہ یعنی سچائی کی روح جسے دنیا حاصل نہیں کر سکتی کیونکہ نہ اسے دیکھتی ہے اور نہ جانتی ہے۔ آھ

اس کا یہ مطلب ہے کہ دنیا اس کے مرتبہ کو نہیں جانتی۔ وہ تمام کائنات میں سب سے بہتر اور برتر ہوگا۔

نصاریٰ کے چند شبہات و اوہام اور اُن کا ازالہ

شبہ اوّل رُوح الحق اور رُوح القدس سے اقنوم ثالث مراد ہے۔ لہٰذا روح القدس اور رُوح الحق سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مراد لینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

جواب:۔ عہدِ قدیم اور عہدِ جدید میں رُوح کا لفظ اقنوم ثالث کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ صالح اور طالح، ہادی اور مضل کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔

چنانچہ یوحنا کے پہلے خط کے باب چہارم میں ہے:۔

(۱)۔ اے عزیزو! ہر ایک رُوح کا یقین نہ کرو بلکہ رُوح کو آزماؤ کہ وہ خدا کی طرف سے ہیں یا نہیں۔

(۲)۔ خدا کی رُوح کو تم اس طرح پہچان سکتے ہو کہ جو کوئی رُوح اقرار کرے کہ یسوع مسیح مجسّم ہو کر آیا ہے

وہ خدا کی طرف سے ہے (۳) ۔اور جو کوئی رُوح یسوع کا اقرار نہ کرے وہ خدا کی طرف سے نہیں۔
اور آیت ششم میں ہے" اسی سے ہم حق کی رُوح اور گمراہی کی روح کو پہچان لیتے ہیں" اھ
اس مقام پر رُوح سے واعظِ صادق اور واعظِ مضل مراد ہے۔ اقنوم ثالث کسی کے نزدیک مراد نہیں۔

شبہۂ ثانیہ اس بشارت میں خطاب حواریین کو ہے لہٰذا رُوح کا نزول وظہور حواریین کی موجودگی اور حیات میں ہونا چاہیے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور حواریین کے صدہا سال کے بعد ہوا ہے۔

جواب :۔ حواریین کو خطاب اس لئے کیا گیا کہ اس وقت وہی حاضر تھے باقی وہ مقصود بالخطاب نہیں، چنانچہ انجیل متی کے چھبیسویں باب آیت ۶۴ میں ہے :۔ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ اس کے بعد تم ابن آدم کو آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھو گے۔ اھ
اب ان مخاطبین کو مرے ہوئے ۱۹ سو سال ہو گئے اور مخاطبین میں سے کسی نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آسمان سے آتے نہیں دیکھا۔
پس جس طرح اس مقام پر مقصود بالخطاب وہ لوگ ہیں کہ جو نزول من السمار کے وقت موجود ہوں گے۔
اسی طرح اس بشارت میں وہ لوگ مقصود بالخطاب ہیں کہ جو روح حق اور فارقلیط کے ظہور کے وقت موجود ہوں گے

شبہۂ ثالثہ انجیل یوحنا کے باب چہاردہم آیت تیسویں میں جو سردار کا لفظ آیا ہے اس پر بعض شدید التعصب نصاریٰ مضحکہ کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ سردار سے اس جگہ شیطان مراد ہے۔

جواب :۔ سردار سے شیطان مراد لینا سراسر جہالت ہے اور محض تعصب اور حسد پر مبنی ہے اس لئے کہ سردار عالم بول کر شیطان مراد لینا نہ کسی لغت سے ثابت ہے اور نہ کسی عرف سے اور

سراسر سیاق و سباق کے بالکل خلاف ہے۔ اس لئے کہ از اوّل تا آخر روح حق یعنی فارقلیط کا اور اس کے اوصاف کا تذکرہ ہے۔ جس وقت اس فارقلیط کا ظہور ہو اس وقت اس پر ایمان لانے کی تاکید اکید ہے، اور پھر اس کی علت بایں الفاظ ذکر فرمانا :۔

" کیوں کے دنیا کا سردار آتا ہے "

یہ جب ہی صحیح ہو سکتا ہے کہ سردارِ جہاں سے سید العالمین اور فخر الانبیاء و المرسلین مراد ہوں۔ ورنہ معاذ اللہ اگر اس مقام پر سردار سے شیطان . . مراد ہو تو شیطان کا آنا امورِ متذکرۂ بالا کی علت کیسے ہو سکتا ہے ؟ معلوم ہوا کہ دنیا کے سردار سے وہی فارقلیط اور روحِ حق مراد ہے کہ جس کے ہاتھوں سے گناہ اور جرم پر دنیا میں شاہانہ اور حاکمانہ سزائیں دی جائے گی۔ اور انجیل یوحنا کے سولھویں باب درس ۱۱ میں جو یہ آیا ہے کہ دنیا کا سردار مجرم ٹھہرایا گیا یہ قطعاً غلط ہے اور بلاشبہ تحریف ہے جو سیاق و سباق کے بالکل خلاف ہے ایک طرف تو فارقلیط کی صفات فاضلہ کا بیان ہو اور ایک طرف اس سے شیطان مراد ہو، یہ کیسے ممکن ہے اور پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ علماء نصاریٰ کے نزدیک کبھی اس سے روح القدس مراد ہو، کیا یہ صریح نادانی اور وسوسہ شیطانی نہیں دوم یہ کہ حضرت مسیح کا یہ فرمانا کہ وہ سردار جہان آنے والا ہے اس امر کی صریح دلیل ہے کہ وہ شخص ابھی تک دنیا میں نہیں آیا اور شیطان باتفاق یہود و نصاریٰ و اہلِ اسلام ابتداء آفرینش اور افرادِ بشری سے دنیا میں موجود ہے اور لوگوں میں مختلط ہے شیطان مردود لوگوں کے ساتھ ہے۔

وہ شیطان کہاں چلا گیا تھا کہ جس کی نسبت یہ کہا جا رہا ہے کہ وہ اب آتا ہے۔ کیا وہ پہلے سے موجود نہ تھا ؟

سوم یہ کہ سردار کا اطلاق انجیل متی کے باب دوم کی آیت ششم میں حضرت مسیح بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کیا گیا۔

عبارت انجیل حسب ذیل ہے :۔

" اے بیتِ لحم یہوداہ کے علاقے تو یہوداہ کے حاکموں میں ہرگز سب سے چھوٹا نہیں۔

کیونکہ تجھ میں سے ایک سردار نکلے گا جو میری اُمّت اسرائیل کی گلہ بانی کرے گا " آھ

اس عبارت میں سردار سے حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسّلام مراد ہیں جیسا کہ آیت ہشتم سے آیت دوازدہم تک پڑھنے سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے بلکہ کُتب سماویہ میں سردار اور حاکم کا اطلاق حق تعالےٰ پر بھی آیا ہے معلوم ہوا کہ سردار سے شیطان مراد لینا بالکل غلط ہے۔

بشارت بست و دوم از انجیل متی باب ۱۳- آیت ۳۱

اُس نے ایک اور تمثیل اُن کے سامنے پیش کر کے کہا کہ آسمان کی بادشاہت اس رائی کے دانہ کے مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بو دیا۔ ۳۲۔ وہ سب بیجوں سے چھوٹا تو ہے مگر جب بڑھ جاتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا ہوتا ہے اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آکر اس کی ڈالیوں پر بسیرا کرتے ہیں " انتہیٰ

آسمانی بادشاہت شریعتِ اسلامیہ مراد ہے کہ جو ابتدا میں رائی کے دانے کے برابر تھی لیکن چند ہی روز میں اس قدر بڑھی کہ شرق سے غرب تک اور شمال سے جنوب تک پہنچ گئی۔

اور قرآن کریم کی اس آیتِ شریفہ میں اسی بشارت کی طرف اشارہ ہے:-

وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ط [1]

اور ان کی صفت انجیل میں ہے کہ جیسے کھیتی کہ اس نے اپنا پٹھا زمین سے نکالا پس اس کو قوی کیا تو وہ موٹا ہو گیا اور اپنی نال پر سیدھا کھڑا ہو گیا اور اپنی روز افزوں ترقی سے کسانوں کو خوش کرنے لگا۔ اللہ نے مسلمانوں کو ایسی ترقی اس لئے دی کہ کافروں کو اس وجہ سے غصہ میں لائے۔

اور عجب نہیں کہ اس مناسبت سے کلمۂ طیبہ کو شجرۂ طیبہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہو۔ کما قال

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ

اے نبی کریم آپ نے کیا دیکھا نہیں کہ اللہ نے ایک مثال

[1] الفتح، آیۃ : ۲۹

مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ تُؤْتِيْ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ [۱]

بیان فرمائی ہے کہ کلمۂ طیبہ مثل ایک پاکیزہ درخت کے ہے کہ جس کی جڑ مضبوط اور شاخیں آسمان میں ہیں ہر وقت اپنے میوے اللہ کے حکم سے دیتا رہتا ہے حق تعالیٰ شانہٗ لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرماتے رہتے ہیں کیا عجب ہے کہ نصیحت قبول کریں۔

بشارت بست وسوم از انجیل متی، باب بستم، آیت اوّل

آسمان کی بادشاہت اس گھر کے مالک کے مانند ہے جو سویرے نکلا تاکہ اپنے انگوری باغ میں مزدور لگائے۔ ۲۔ اور اس نے مزدوروں سے ایک دینار روز ٹھہرا کر انھیں باغ میں بھیج دیا۔ پھر وہ دن چڑھنے کے قریب نکل کر اس نے اوروں کو بازار میں بیکار کھڑے دیکھا اور ان سے کہا تم بھی باغ میں چلے جاؤ جو واجب ہے تمھیں دوں گا۔ پس وہ چلے گئے۔ پھر اس نے دوپہر اور تیسرے پہر کے قریب نکل کر ویسا ہی کیا اور کوئی ایک گھنٹہ دن رہے پھر نکل کر اوروں کو کھڑے پایا اور ان سے کہا تم کیوں یہاں تمام دن بیکار کھڑے رہے۔ انھوں نے اس سے کہا اس لئے کہ کسی نے ہم کو مزدوری پر نہیں لگایا۔ اس نے ان سے کہا تم بھی باغ میں چلے جاؤ۔ جب شام ہوئی تو باغ کے مالک نے اپنے کارندے سے کہا کہ مزدوروں کو بلا اور پچھلوں سے لے کر پہلوں تک انھیں مزدوری دے دے اور جب وہ آئے جو گھنٹہ بھر دن رہے لگائے گئے تھے تو انھیں ایک دینار ملا تو گھر کے مالک سے یہ کہہ کر شکایت کرنے لگے کہ ان پچھلوں نے ایک ہی گھنٹہ کام کیا ہے اور تو نے انھیں ہمارے برابر کر دیا جنھوں نے دن بھر کا بوجھ اٹھایا اور سخت دھوپ سہی اس نے جواب دے کر ان میں سے ایک سے کہا میاں میں تیرے ساتھ بے انصافی نہیں کرتا۔ کیا تیرا مجھ سے ایک دینار نہیں ٹھہرا تھا جو تیرا ہے اٹھائے چلا جا۔ میری مرضی یہ ہے کہ جتنا تجھے دیتا ہوں اس پچھلے کو بھی اتنا ہی دوں۔ کیا مجھے روا نہیں کہ اپنے مال کو جو چاہوں سو کروں یا تو اس لئے کہ میں نیک ہوں بری نظر سے دیکھتا ہے۔ اسی طرح آخر اوّل ہو جائیں گے اور اوّل آخر۔ انتہیٰ۔

---

[۱] ابراہیم، آیۃ: ۲۴

گھر کے مالک سے ربّ العزت مراد ہیں اور انگور کے باغ سے دینِ الٰہی مراد ہے اور مزدوروں سے اُمتیں مراد ہیں۔ اور مزدوروں کی وہ جماعت کہ جس نے سب سے آخر میں ایک گھنٹہ کام کیا ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہے جو سب سے اخیر میں تھی اور سب سے اوّل ہو گئی۔

چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:۔

عن ابن شهاب عن سالم بن عبد الله عن ابيه انه اخبره انه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول انما بقاؤكم فيما سلف قبلكم من الامم كما بين صلوة العصر الى غروب الشمس اوتى اهل التوراة التوراة فعملوا حتى اذا انتصف النهار عجزوا فاعطوا قيراطاً قيراطاً ثم اوتي اهل الانجيل الانجيل فعملوا الى صلوة العصر ثم عجزوا فاعطوا قيراطاً قيراطاً ثم اوتينا القرآن فعملنا الى غروب الشمس فاعطينا قيراطين قيراطين فقال اهل الكتابين اى ربنا اعطيت هؤلاء قيراطين قيراطين واعطيتنا قيراطاً قيراطاً ونحن اكثر عملاً قال الله عزوجل هل ظلمتكم من اجركم من شيء قالوا لا قال فهو فضلى اوتيه من اشاء (صحيح بخاری باب المواقیت ص۷۹ ج۱)

ابن شہاب نے سالم سے اور سالم نے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سُنا کہ تمہارا دنیا میں رہنا بمقابلہ اُمم گزشتہ ایسا ہے جیسا نمازِ عصر سے غروبِ شمس تک۔ تورات والوں کو تورات دی گئی کام کرنا شروع کیا۔ جب دوپہر ہوئی تو تھک گئے کام پورا نہ کر سکے۔ ایک ایک قیراط اُن کو دیا گیا۔ پھر انجیل والوں کو انجیل دی گئی۔ نمازِ عصر تک کام کیا پھر تھک گئے۔ ان کو بھی ایک ایک قیراط دے دیا گیا۔ پھر ہم کو قرآن کریم دیا گیا۔ ہم نے غروبِ آفتاب تک کام کیا۔ ہم کو دو دو قیراط دیئے گئے تو۔ توریت اور انجیل والوں نے یہ کہا کہ اے پروردگار آپ نے اُن کو دو دو قیراط دیئے اور ہم کو ایک ایک حالانکہ ہمارا عمل زیادہ ہے۔ اللہ عزوجل نے یہ ارشاد فرمایا کہ کیا میں نے تمہاری اُجرت میں کچھ کمی کی ہے؟ کہا نہیں۔ پس فرمایا ربّ العزت نے یہ میرا فضل ہے جس کو چاہوں دوں۔

اور انجیل متی کی سولھویں آیت کا یہ جملہ کہ " اسی طرح آخر اوّل ہو جائیں اور اوّل آخر" بعینہٖ صحیح بخاری کی اس حدیث کے مطابق ہے:۔

حدثنا ابوھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال نحن الاٰخرون السابقون	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلّم نے یہ ارشاد فرمایا کہ نحن الاٰخرون السابقون

(بخاری شریف ص۱۲۴۲ ج ۲)

یعنی زمانہ کے لحاظ سے ہم سب سے اخیر میں ہیں۔ مگر دخول جنت میں حق تعالےٰ شانہٗ کے فضل سے سب سے مقدم ہیں۔

بشارت بست (۲۴) وچہارم وبست (۲۵) وپنجم از انجیل برناباس

نقل القسیس سیل فی مقدمۃ ترجمۃ للقرآن العظیم من انجیل برناباس وطبعت ۱۸۵۵ء وانتشرت ثم طبعوا الکتاب مرۃ ثانیۃ فاخرجوھا وحذفوھا وھی ما نصھا اعلم یا برنابا ان الذنب وان کان صغیرا یجزی اللہ علیہ لان اللہ تعالیٰ غیر راضی عن الذنب ولما اجتنی اُمتی وتلامیذی لاجل الدنیا سخط اللہ لاجل ھذا الامر واراد باقتضاء عدلہ ان یجزیھم فی ھذا العالم علی ھذہ العقیدۃ الغیر اللائقۃ لیحصل لھم النجاۃ من عذاب جھنم ولا یکون لھم اذیۃ ھناک	پادری سیل نے اپنے ترجمہ قرآن عظیم کے مقدمہ میں انجیل برناباس سے نقل کیا اور یہ انجیل ۱۸۵۵ء میں طبع ہو کر شائع ہوئی۔ لیکن دوسری طباعت میں اس بشارت کو حذف کر دیا اور وہ بشارت جس کو پادری سیل نے نقل کیا ہے یہ ہے اے برنابا گناہ اگرچہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ اس کی جزا دیتے ہیں اس لئے کہ حق تعالےٰ گناہ سے راضی نہیں میری اُمّت اور میرے شاگردوں نے جب دنیا کے لئے گناہ کیا تو اللہ تعالےٰ ناراض ہوئے اور باقتضاء عدل وانصاف یہ ارادہ فرمایا کہ ان کو اسی دنیا میں اسی غیر مناسب عقیدے کی بناء پر سزا دے تاکہ عذاب جہنم سے نجات

وانی وان کنت بریئاً لکن بعض الناس
لما قالوا فی حقی انه الله وابن الله کره
الله هذا القول واقتضت مشیته
بان لاتضحک الشیاطین یوم القیمة علی
ولا تستهزؤن بی فاستحسن بمقتضی لطفه
ورحمة ان یکون الضحک والاستهزاء
فی الدنیا بسبب یهوداه ویظن کل
شخص انی صلبت لکن هذه الاهانة
والاستهزاء یبقیان الی ان یجیئ محمد
رسول الله فاذا جاء فی الدنیا ینبه
کل مؤمن علی هذا الغلط وترتفع
هذه الشبهة من قلوب الناس
انتهت ترجمة بحروفها قال
فی اظهار الحق فان اعترضوا ان هذا
الانجیل رده مجالس علماء هم
فنقول لا اعتبار لردهم وهذا من
الاناجیل القدیمة ویوجد ذکره فی
کتب القرن الثانی والثالث فعلی هذا
قبل ظهور نبینا صلی الله علیه سلم بمائتی
سنة ولایقدر احد ان یخبر بمثل هذا
الامر من غیر الهام کما لایخفی علی

پائیں اور وہاں ان کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ اور میں
اگرچہ اس عقیدۂ فاسدہ سے بالکل بری ہوں لیکن
چونکہ بعض لوگوں نے مجھ کو اللہ اور ابن اللہ کہا
تو اللہ تعالےٰ کو یہ کہنا ناگوار ہوا۔ اور اس کی مشیت
اس کی مقتضی ہوئی کہ قیامت کے دن شیاطین
مجھ پر نہ ہنسیں اور نہ میرا مذاق اڑائیں۔ پس اللہ
نے اپنی مہربانی اور رحمت سے یہ پسند کیا کہ یہودا کی
وجہ سے یہ ہنسی دنیا ہی میں ہو اور ہر شخص یہ گمان کرتا رہا۔
ہے کہ میں سولی دیا گیا۔ لیکن یہ اہانت و استہزاء
فقط محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے آنے
تک رہے گا۔ پس جب آپ دنیا میں تشریف
لائیں گے تو ہر مومن کو اس غلطی پر متنبہ فرمائیں گے
اور یہ شبہ لوگوں کے دلوں سے مرتفع ہو جائے گا
ترجمہ بلفظہا ختم ہوا۔

اظہار الحق میں ہے کہ اگر یہ لوگ اعتراض کریں کہ
اس انجیل کو علماء نصاریٰ نے رد کیا ہے تو ہم کہیں
گے کہ اس رد کا کوئی اعتبار نہیں اس لئے کہ یہ انجیل
قدیم انجیلوں میں سے ہے۔ اس کا تذکرہ دوسری
اور تیسری صدی عیسوی کی کتابوں میں ہے پس
اس بنا پر کہ یہ انجیل نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے
ظہور سے دو سو سال قبل لکھی گئی ہے۔

ذوالافہام قال والبشارۃ الثانیۃ قال الفاضل الحیدر علی القرشی فی کتابہ المسمّٰی خلاصۃ سیف المسلمین الذی ھو فی لسان الاردو الہندی فی صحیفۃ الثالثۃ والستین ان القسیس اسکان الارمنی ترجم کتاب اشعیا علیہ السلام باللسان الارمنی فی سنۃ ۱۶۶۶ الف وستمائۃ وست وستین وطبعت سنۃ ۱۷۳۳ وفیہ فی الباب الثانی والاربعین ھذہ الفقرۃ ونصّہا۔ وسبحوا اللہ تسبیحاً جدیداً واثر سلطنتہ علی ظہرہٖ واسمہ احمد انتہت وھذہ الترجمۃ موجودۃ عند الارامن فانظروا فیہا۔ انتہی کلامہ کذا فی الجواب الفسیح لمالفقہ عبد المسیح صـ۹۷ ج ۱

اور اس جیسے عظیم الشان امر کی بدون الہام کے خبر دینا اہل فہم کے نزدیک ناممکن ہے (دوسری بشارت) فاضل حیدر علی قرشی اپنی کتاب خلاصۃ سیف المسلمین جو اردو زبان میں ہے کہ پادری اوسکان ارمنی نے صحیفۂ یسعیاہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارمنی زبان میں ۱۶۶۶ء میں ترجمہ کیا جو ۱۷۳۳ء میں طبع ہوا۔ اس میں صحیفۂ یسعیاہ علیہ السلام کے بیالیسویں باب میں یہ فقرہ موجود ہے "اللہ کی تسبیح پڑھو" اور اس آنے والے پیغمبر کی سلطنت کا نشان اُس کی پشت پر ہوگا (یعنی مہر نبوت) اور اس کا نام احمد ہوگا۔ انتہیٰ۔

اور یہ ترجمہ ارمنیوں کے پاس موجود ہے۔ اس میں دیکھ لیا جائے۔ انتہیٰ کلامہ از جواب فسیح صـ۹۷

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ‎ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ‎ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ○

انباء الغیب[1]

یعنی آئندہ واقعات کے متعلق قرآن اور حدیث کی پیشین گوئیاں

قال تعالیٰ تِلْكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ ۖ مَا كُنتَ تَعْلَمُهَا أَنتَ وَلَا قَوْمُكَ مِن قَبْلِ هَٰذَا ۖ فَاصْبِرْ ۖ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ ○ (سورہ ہود)

---

[1] دیکھو زرقانی صـ۳۳ ج ۶

(ترجمہ) یہ نوح علیہ السّلام کا قصّہ آپ کے حق میں منجملہ اخبارِ غیب کے ہے بذریعہ وحی کے ہم نے آپ کو اُس سے آگاہ کیا۔ اور نزولِ وحی سے پہلے نہ آپ کو اس قصّہ کا علم تھا اور نہ آپ کی قوم کو اس کا علم تھا صرف وحی کے ذریعہ آپ کو اس کا علم ہوا سو آپ نوح علیہ السّلام کی طرح کافروں کے مقابلہ میں صبر کیجیے۔ یقیناً اچھا انجام خدا سے ڈرنے والوں کا ہے۔

جیسا کہ نوح علیہ السّلام کے کافروں نے کچھ عرصہ تک شور و غوغا برپا رکھا بالآخر غرق ہوئے اور نوح علیہ السلام اور ان کے اصحاب کامیاب ہوئے۔ منجملہ دلائل نبوت و براہین رسالت کے قرآن اور حدیث کا بہت سی پیشین گوئیوں پر مشتمل ہونا ہے کہ قبل از وقوع بہت سے آئندہ امور کی خبریں دی گئیں کہ جن میں عقل اور قیاس اور تخمینہ اور وہم و گمان کا ذرّہ برابر بھی امکان نہیں اور پھر وہ اُمور اُسی خبر کے مطابق واقع اور ظاہر ہوئے مثلاً آپ نے جنگِ بدر میں لڑائی شروع ہونے سے پہلے ہی یہ خبر دی کہ کل آیندہ کو فلاں شخص فلاں مقام پر اور فلاں شخص فلاں جگہ پر مارا جائے گا اور متعدد اشخاص کے متعلق ایسا ہی ارشاد فرمایا اور ہر ایک کی جائے قتل پر چھڑی سے نشان بھی لگا دیا اور پھر اگلے دن ایسا ہی ہوا اور سب نے آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا کہ ہر شخص اپنی نشان زدہ جگہ پر مقتول پڑا ہوا ہے۔

اور آپ نے یمن اور شام اور عراق کی فتح کی خبر دی جس ترتیب سے آپ نے خبر دی تھی اسی ترتیب سے مقاماتِ مذکورہ فتح ہوئے۔ اس سے لوگوں کو آپ کی راستبازی کا یقین ہوا اور راست بازی کی علامت اور نشانی ہی راست بازی ہے اور جب بار بار کے تجربہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ آپ نے جو غیب کی خبریں دی تھیں وہ آپ کے بیان کے مطابق نکلیں تو آپ کے صادق اور راستباز ماننے پر مجبور ہو گئے اور سمجھ گئے کہ دوسری خبریں بھی اسی طرح صحیح اور درست ہوں گی اس لئے کہ کسی برگزیدہ بندہ کی زبان سے ایسی خبروں اور پیشین گوئیوں کا صدور اور ظہور جس سے علم بشری اور ادراک انسانی عاجز اور قاصر ہو یہ اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ اس شخص کا خداوند علّام الغیوب سے کوئی خاص تعلق

ہے اس لئے کہ بدوں خداوند علام الغیوب، کے اطلاع دے کوئی بشر ایسی پیشین گوئی نہیں کر سکتا کسی شخص کا بلا کسی قرینہ اور بلا کسی تخمینہ کے یہ خبر دینا کہ فلاں وقت میں ایسا ہو گا اور پھر ویسا ہی ہوا بدوں وحی ربانی اور اطلاع غیبی ناممکن اور محال ہے۔ لہٰذا ایسے صادق اور راستباز پر ایمان لانا ضروری ہے۔ جس طرح بادشاہ کبھی کبھی اپنے وزیر اور سفیر کو اپنے خاص خاص رازوں پر مطلع کرتا ہے اور جب وہ وزیر اور سفیر کسی وقت عند الضرورت اور حسب مصلحت لوگوں کو ان رازوں پر بطور تنبیہ اور تہدید آگاہ کرتا ہے تو اہل فہم سمجھ جاتے ہیں کہ یہ شخص بادشاہ کا مخصوص اور مقرب ہے۔

اسی طرح خداوند علام الغیوب کبھی کبھی اپنے رسولوں کو بذریعہ وحی کے بعض غیبی امور کی اطلاع دیتے ہیں تاکہ لوگ سمجھ جائیں کہ اس شخص کا عالم غیب سے کچھ تعلق ہے اور یہ شخص خداوند علام الغیوب کا مقبول خاص اور برگزیدۂ باختصاص ہے جس کو حق تعالیٰ نے رموز سے آگاہ فرمایا ہے اسلئے کہ حضرات انبیاء و مرسلین جن باتوں کی خبر دیتے وہ عقل اور تجربہ اور قیاس اور تخمینہ سے کہیں بالاتر ہوتی ہیں ان کو سن کر لوگ یقین کر لیتے ہیں کہ یہ باتیں صرف علام الغیوب ہی کے بتلانے سے معلوم ہو سکتی ہیں یہی وجہ ہے کہ منافقین ڈرتے رہتے تھے کہ ہمارے دلی عزائم ظاہر کر دیئے جائیں اور ہم برملا رسوا ہوں۔ کما قال تعالیٰ۔ یحذر المنافقون ان تنزل علیہم سورۃ تنبئہم بما فی قلوبہم[1]

عوام الناس کی فطرت اس بات کی مقتضی ہے کہ کوئی ان کا ہادی اور رہنما ہو اور ہدایت اور حقانیت کی باتیں ان کو بتلائے اور عام لوگ ہدایت اور حقانیت کی باتوں کو اسی وقت مان سکتے ہیں کہ جب ہادی اور داعی الحق کی راستبازی ان پر منکشف ہو جائے اس لئے اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء کی صداقت اور راستبازی ظاہر کرنے کے لئے بذریعہ وحی و الہام ان کو غیب کی خبروں سے مطلع کرتا ہے تاکہ اس خبر کی تصدیق سے ان پر انبیاء کی صداقت ظاہر ہو اس لئے کہ ایسے سوانح اور واقعات کہ جو وہم و گمان اور تجربہ سے کہیں بالا اور برتر ہوں۔ وقوع اور ظہور سے پہلے ان کی خبر اور اطلاع دے دینا یہ بغیر تائید صمدی اور مدد غیبی ناممکن ہے۔

---

[1] التوبہ، آیۃ: ۶۴

محمدی پیشین گوئیوں کا امتیاز

انبیاء سابقین نے بھی پیشین گوئیاں کی ہیں لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیوں کو جو امتیاز حاصل ہے وہ یہ ہے کہ انبیاء بنی اسرائیل کی پیشین گوئیاں بہت مجمل اور مبہم تھیں جو محض اشارات اور کنایات کے درجہ میں تھیں اور محتاج تاویل تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں واضح اور ظاہر ہیں اور تاویل اور شک سے بہت دور ہیں مثلاً غلبۂ روم اور خلافتِ راشدہ اور فتح یمن اور فتح شام اور فتح عراق اور قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں پر قبضہ کی تمام پیشین گوئیاں صریح اور واضح ہیں جن میں تاویل کی حاجت نہیں۔ علاوہ ازیں وہ ایسی عظیم الشان ہیں جن کو دیکھکر اور سن کر عالم دنگ اور حیران ہے اور زبانِ زد خلائق ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آنے والے واقعات یا پیش آنے والے فتنوں کے متعلق خبریں دیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا آپ ان کو دیکھ رہے ہیں۔ اول ہم قرآن کریم کی پیشین گوئیوں کا اس کے بعد ان پیشین گوئیوں کا ذکر کریں گے جو احادیث صحیحہ میں مذکور ہیں۔

(۱) حفاظتِ قرآن کی پیشین گوئی[1]

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ۔ (الحجر، ۹) — تحقیق ہم نے اس نصیحت (یعنی قرآن) کو اتارا ہے اور البتہ تحقیق ہم ہی اس کے محافظ اور نگہبان ہیں۔

کسی کی کیا مجال ہے کہ قرآن کریم میں کسی قسم کی کمی یا زیادتی یا تحریف اور تبدیل کر سکے۔ اللہ کا یہ وعدہ پورا ہوا چودھویں صدی آگئی مگر بحمدہ وتعالیٰ قرآن بلا کمی بیشی ایک حرف کے اس طرح چلا آرہا ہے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا اور سر ولیم میور ہی نہیں بلکہ ساری دنیا اس معجزہ کی قائل ہے۔ بہت سے دشمنانِ اسلام نے اس کی کوشش کی کہ قرآن کو مشکوک بنادیں مگر بحمدہ تعالیٰ ایک کلمہ

---

[1] ازالۃ الشکوک۔ مؤلفہ: مولانا رحمت اللہ کیرانوی، ج: ۱، ص: ۱۰۱

کی تغیر اور تبدیل پر بھی قدرت نہ ہوئی۔ خدا تعالیٰ نے جو حفاظت کا وعدہ فرمایا تھا وہ بلا شبہ سچا ہے۔ بخلاف توریت اور انجیل کے کہ خود یہود و نصاریٰ اس میں ہر قسم کی تحریف کے مقر اور معترف ہیں۔

(۲) اعجاز قرآن کی پیشین گوئی

قُل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یأتوا بمثل ھذا القرآن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا (بنی اسرائیل - ۸۸)

اے نبی کریم آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر انسان اور جن سب جمع ہو کر قرآن کا مثل لانا چاہیں تو قرآن کا مثل نہیں لاسکیں گے اگرچہ ایک دوسرے کے معین اور مددگار ہو جائیں[1]

(۳) حفاظت نبوی کی پیشین گوئی

وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ — اور اللہ آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

ابتداء بعثت میں آپ تن تنہا بے یار و مددگار تھے اور سارا عرب بلکہ سارا عالم آپ کا دشمن تھا اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا کہ آپ گھبرائیے نہیں اللہ تعالیٰ آپ کا محافظ ہے۔ دشمن آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ سو الحمد للہ۔ اللہ کا یہ وعدہ پورا ہوا اور مختلف اوقات میں اللہ نے آپ کو دشمنوں سے بچایا۔ چنانچہ ہجرت کے وقت جب کفار آپ کے قتل کا پورا قصد کر چکے تھے تو آپ نے حضرت علی کو اپنے بستر پر لٹایا اور سورۂ یٰسین کی ابتدائی آیتیں پڑھ کر کافروں پر ایک مشت خاک ڈالا، اور ان کے سامنے سے نکل کر ابوبکر کے گھر گئے۔ اور ان کو ساتھ لے کر غار ثور تشریف لے گئے جس کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ واذ یمکر بک الذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک

(۴) غلبہ اسلام کی پیشین گوئی

ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ

---

[1] ازالۃ الشکوک : ج ۱، ص : ۱۰۸

عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ (الفتح ۲۸)
وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول ہدایت اور دینِ حق دے کر تاکہ غالب کرے اس
دینِ حق کو یعنی دینِ اسلام کو تمام دینوں پر اگرچہ کافروں کو ناگوار گزرے۔

بحمدہ تعالیٰ حق تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہوا اور اسلام، یہودیت اور نصرانیت اور مجوسیت اور بت پرستی اور دہریت سب مذاہب باطلہ پر غالب آگیا اور کسی مذہب میں یہ طاقت نہ ہوئی کہ دلائل اور براہین سے اسلام کا مقابلہ کر سکے۔[1]

(۵) غلبۂ روم کی پیشین گوئی

الم غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون فی بضع سنین للّٰہ الامر من قبل ومن بعد ویومئذ یفرح المومنون بنصر اللّٰہ ینصر من یشآء وھو العزیز الرحیم وعد اللّٰہ لایخلف اللّٰہ وعدہ ولکن اکثر الناس لایعلمون ۝ (الروم، ۱-۶)

مغلوب ہو گئے روم کے لوگ یعنی نصاریٰ روم عرب کے قریبی زمین میں اور وہ اس مغلوبی کے بعد عنقریب چند سال میں غالب ہوں گے اللہ ہی کو اختیار ہے پہلے بھی اور بعد بھی یعنی جس طرح یہ مغلوبیت اس کے ارادہ سے ظہور میں آئی ہے اسی طرح اس کے ارادہ سے غلبہ بھی ظہور میں آجائے گا اور اس دن (یعنی جس دن رومی پارسیوں پر غالب ہوں گے تو اس وقت مسلمان خوش ہوں گے کہ اللہ کی مدد سے اہلِ کتاب اہلِ شرک پر غالب آئے اللہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور وہی ہے زبردست رحم والا یہ اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ مسلمانوں کو خوش کرنے کیلئے چند روز بعد روم کو فارس پر غلبہ عطا کرے گا اللہ اپنے وعدہ میں خلاف نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ان آیتوں میں ایک زبردست پیشین گوئی کا ذکر ہے۔ یہ آیتیں ہجرت مدینہ سے

---

[1] ازالۃ الشکوک - ج ۱: ص: ۸۸-۹

پہلے کہ مکرمہ میں نازل ہوئیں، واقعہ یہ ہوا کہ رومیوں اور ایرانیوں میں لڑائی ہوئی۔ ایرانی رومیوں پر غالب آگئے۔ مشرکین مکہ بہت خوش ہوئے اور ازراہِ طعن مسلمانوں سے یہ کہا کہ ایرانی جو ہماری طرح مشرک ہیں وہ اہلِ کتاب پر غالب آگئے یہ ہمارے لئے شگون نیک ہے ایک دن ہم بھی مسلمانوں پر جو اہلِ کتاب ہیں اسی طرح غالب ہوں گے۔ مسلمان رنجیدہ ہوئے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں اتاریں جن میں یہ پیشین گوئی کردی گئی کہ رومی اگرچہ اس وقت مغلوب ہو گئے ہیں مگر دس برس کے اندر اندر پھر رومی فارس پر غلبہ پائیں گے، یہ اللہ کا وعدہ ہے جو یقیناً پورا ہو کر رہیگا۔[۵۱]

چنانچہ سات برس پورے نہیں گزرے کہ قرآنِ کریم کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی اور رومی ایرانیوں پر غالب آگئے اور صلح حدیبیہ کے زمانے میں اللہ کا یہ وعدہ پورا ہوا۔

(۶) خلافت راشدہ کی پیشین گوئی

وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنهم فی الارض کما استخلف الذین من قبلهم ولیمکنن لهم دینهم الذی ارتضی لهم ولیبدلنهم من بعد خوفهم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا[۵۲]

اس آیت میں حق تعالیٰ نے اس زمانے کے مؤمنین صالحین یعنی صحابہ سے تین وعدے فرمائے اوّل یہ کہ تم کو ایسی خلافت اور سلطنتِ عظمیٰ عطا کرے گا جیسے تم سے پہلے بنی اسرائیل میں داؤد و سلیمان کو بے مثال خلافت اور بادشاہت عطا کی۔

دوم یہ کہ ان کے دورِ حکومت میں دینِ اسلام کو ایسی تمکین اور استحکام عطا کرے گا کہ دینِ اسلام، تمام مذاہب عالم پر غالب آجائے گا۔ سوم یہ کہ ان کے دل سے کفار کا خوف بالکل جاتا رہے گا اور بے خوف و خطر اور نہایت امن و امان کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں گے اور اسی قسم کا مضمون بے شمار احادیث میں وارد ہوا ہے۔

---

[۵۱] ازالۃ الشکوک، ج: ۱، ص: ۹۰-۱۰۱ [۵۲] النور، آیۃ: ۵۵

سو الحمد للہ یہ وعدہ خلفائے راشدین کے ہاتھ پر پورا ہوا کہ صحابہ قیصر و کسریٰ کے خزائن پر قابض ہوئے اور جس وقت یہ پیشین گوئی کی گئی اس وقت صحابہ بے سرو سامان تھے تنگ دستی اور بے سرو سامانی کی وجہ سے کافروں سے خوف زدہ تھے رات کو سوتے تھے اور یہ ڈر رہتا تھا کہ معلوم کون ہم پر چڑھ آئے اور نہ قواعد جنگ سے کماینبغی آگاہ تھے اور نہ قواعد جہانگیری اور ضوابط ملکی سے آشنا تھے۔ تمام قبائل اہل اسلام کے دشمن تھے اور مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے ایران میں مجوسیوں کی سلطنت زور شور سے قائم تھی اور روم میں عیسائیوں کی سلطنت محکم تھی اور دونوں سلطنتیں فوجی طاقت اور مال و دولت اور اسلحہ اور خزانہ کے لحاظ سے حد کمال کو پہنچی ہوئی تھیں جیسے مسلمان بے سرو سامانی میں حد کمال کو پہونچے ہوئے تھے اور روئے زمین پر قیصر و کسریٰ کے مقابلہ کا کوئی حکمران نہ تھا۔

مگر باوجود اس کے تیس برس کی مدت میں خلافت اور سلطنت کے متعلق جس قدر پیشین کی گئی تھیں وہ بلا سبب ظاہری محض تائید غیبی سے عجب طرح ظہور میں آئیں وہ اس طرح کہ حضور پُرنور کی زندگی ہی میں حجاز اور نجد اور یمن اور خیبر اور بحرین اور اکثر ملک عرب اہلِ اسلام کے قبضہ میں آگیا۔ اور نجاشی شاہ حبشہ مسلمان ہو گیا اور سارا ملک حبش دارالحرب سے دارالاسلام بن گیا اور ہجر کے مجوسی اور نواح شام کے بعض عیسائی جزیہ گزار ہو گئے۔

اور صدیق اکبر کے زمانہ خلافت میں فارس کے بعض علاقے اور بُصریٰ اور ملک شام کے بعض علاقے مسلمانوں کے تصرف میں آئے۔

اور فاروق اعظم کے عہد خلافت میں پورے ملک شام اور پورے ملک مصر اور فارس کے اکثر ملک پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا اور کسریٰ نے ہر چند کوشش کی لیکن سوائے کسر شوکت کے کچھ حاصل نہ کیا اور قیصر نے بہتیرے ہاتھ پیر مارے لیکن سوائے قصور طالع کے کچھ نہ دیکھا اور ولایات فرنگستان جو اکثر قیصر کے ماتحت تھیں۔ وہ قیصر کے مغلوب کے بعد فاروق اعظم کے زیر انتداب آگئیں اور خزانے اور اسباب بحساب مسلمانوں میں تقسیم ہوا۔ اور ان تمام اقالیم میں توحید اور اسلام کا ڈنکا

بچ گیا اور بعض علاقوں سے تو کفر و شرک کا نام و نشان مٹ گیا اور بعض جگہوں میں کفر مغلوب اور سرنگوں ہوگیا اور بے خوف و خطر نہایت امن کے ساتھ مسلمان اللہ کی عبادت کرنے لگے۔

اور عثمان ذی النورین کے زمانۂ خلافت میں مغرب کی جانب منتہائے اندلس اور قیروان اور بحر محیط کے متصل تک اور مشرق کی جانب میں بلاد چین تک سب ملک مفتوح ہوئے اور عثمانِ غنی کے عہدِ خلافت میں کسریٰ کی حکومت کا بالکل خاتمہ ہوگیا اور اس کا نام و نشان بھی نہ رہا اور ۳۰ھ میں کسریٰ مارا گیا اور مشارق و مغارب کا خراج مدینہ کے خزانے میں آنے لگا، تمام دنیا اس وقت مسلمانوں کے تابع تھی اور خدا کے فضل و رحمت سے روئے زمین پر اقتدار اعلیٰ مسلمانوں کو حاصل تھا جیسے جب نادر شاہ نے شہنشاہ ہندوستان محمد شاہ پر غلبہ پالیا تو گویا کہ سارے ہندوستان پر اس کا تسلط ہوگیا اگرچہ اس وقت صوبہ دکن نے اُسکی اطاعت نہ کی تھی، اسی طرح سمجھو کہ جب سلطنت روم مغلوب ہوگئی تو سب ولایات فرنگ جو سلطنت روم کے ماتحت تھیں وہ سب مغلوب ہوگئیں اور گویا کہ اسلام ہی کا سب پر تسلط اور اقتدار قائم ہوگیا اور اسلام کی ایسی محکم اور مضبوط اور عظیم و وسیع سلطنت قائم ہوئی گویا کہ تمام دنیا کی سلطنتیں اسلامی حکومت کے ماتحت اور زیر اقتدار تھیں۔

حاصل کلام یہ کہ خدا اور اس کے رسول کے وعدہ کے مطابق اتنے قلیل عرصہ میں صدہا سال کی پائدار سلطنتیں مٹ گئیں اور نصاریٰ اور مجوس اور مشرکین نے اسلام کے مقابلہ کی سر توڑ کوششیں کیں لیکن بمصداق چراغے را کہ ایزد برفروزد ہر آنکہ تف زند ریشش بسوزد ان کی کوشش سے اُن کو کوئی فائدہ نہ ہوا بلکہ اس کے برعکس اسلام کو عروج ہوتا رہا اسلام کی عملداری عرض میں کہیں پینتالیس اور چوالیس درجہ تک پہنچی جیسے باب المندب سے بلاد یونان تک اور کہیں پچاس درجہ تک جیسے ترکستان کی شمالی حدود تک اور کسی جگہ ستر درجہ تک اور کسی جگہ بیاسی درجہ تک پہنچی اور ان تمام اقالیم میں اسلام کے قدم جم گئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانۂ خلافت میں اگرچہ کوئی ملک فتح نہیں ہوا مگر اسلام کی ترقی میں شک نہیں اس لئے کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ کا اختلاف برادرانہ اختلاف تھا کفر کے مقابلہ میں دونوں بھائی ایک تھے۔

خلفاء راشدین کی فتوحات کے متعلق بڑی بڑی مبسوط کتابیں لکھی گئیں جن سے روز روشن طرح واضح ہے کہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں اسلام کو جو ترقی نصیب ہوئی دنیا میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں الٹ ڈالیں اور آدھا کرۂ زمین فتح کر ڈالا اور توحید اور دین حق کو سربلند کیا اور کفر اور شرک کو سرنگوں کیا اور دنیا کو عدل اور انصاف سے بھر دیا رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔

(۷) فتح خیبر[۱] کی پیشین گوئی

(۸) فتح فارس و روم کی پیشین گوئی

لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم واثابھم فتحا قریبا ومغانم کثیرۃ یاخذونھا وکان اللہ عزیزا حکیما وعدکم اللہ مغانم کثیرۃ تاخذونھا فعجل لکم ھذہ وکف ایدی الناس عنکم ولتکون ایۃ للمومنین ویھدیکم صراطا مستقیما واخری لم تقدروا علیھا قد احاط اللہ بھا وکان اللہ علی کل شیئ قدیرا ۝
(الفتح ، ۱۸ - ۲۱)

اس آیت میں حق تعالیٰ نے ان مسلمانوں سے جو بیعت رضوان میں شریک تھے اُن سے دو وعدے فرمائے قریب میں فتح خیبر کا وعدہ فرمایا کما قال تعالیٰ واثابھم فتحا قریبا اور دوسرا وعدہ فتح روم اور فارس کا فرمایا اس لئے کہ واخریٰ لم تقدروا علیھا میں فتح فارس اور فتح روم کی طرف اشارہ ہے۔

بحمدہ تعالےٰ اللہ کے سب وعدے پورے ہوئے خیبر آپ کی زندگی میں فتح ہوا اور فارس و روم عمر فاروق کے زمانے میں فتح ہوئے۔

---

[۱] ازالۃ الشکوک ، ج : ۱ ، ص : ۹۱ ، ۹۲۰ ، ۹۳۰

(۹) قبائلِ عرب کی مغلوبی اور شکست کی پیشین گوئی[1]

قل للذین کفروا ستغلبون - ام یقولون نحن جمیع منتصر سیھزم الجمع
ویولون الدبر- (القمر-۴۵)

حق تعالیٰ کے اس وعدہ کے مطابق ہجرت کے آٹھویں سال مکہ فتح ہوا اور قبائل عرب اتنے مغلوب ہوئے کہ اسلام کے مقابلے میں سر اٹھانے کی طاقت نہ رہی - اور ہجرت کے چوتھے سال یہود بنو نضیر مغلوب ہوئے اور جلائے وطن ہوئے اور ہجرت کے پانچویں سال بنی قریظہ مقتول ہوئے اور ہجرت کے ساتویں سال خیبر فتح ہوا اور یہود مسلمانوں کے کاشتکار اور جزیہ گذار بنے۔

(۱۰) فتح مکہ کی پیشین گوئی[1]

اذا جآء نصر اللہ والفتح ورأیت النّاس یدخلون فی دین اللہ افواجا فسبح بحمد ربك واستغفرہ انہٗ کان توابا (النصر ۱-۴)

ہجرت کے آٹھویں سال مکہ فتح ہوا اور نویں اور دسویں سال ہر طرف سے قبائل عرب اور اہلِ شام اور اہلِ عراق آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لائے اور فوج فوج دین اسلام میں داخل ہوئے۔

(۱۱) غزوۂ احزاب میں کامیابی کی پیشین گوئی

قال تعالیٰ ولما رأی المؤمنون الاحزاب قالوا ھٰذا وعدنا اللہ ورسولہ وصدق اللہ ورسولہ وما زادھم الا ایمانا وتسلیما ط (الاحزاب ۲۲)

---

[1] ازالۃ الشکوک ج: ۱، ص: ۹۶ -

اور حدیث میں ہے سیشتد الامر اجتماع الاحزاب علیکم والعاقبۃ لکم علیھم
قریب ہے کہ عرب کے مختلف قبائل اور فوجیں جمع ہو کر تم پر چڑھائی کریں لیکن آخر تم ہی کو ان پر غلبہ ہوگا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ غزوۂ احزاب میں قبائل عرب چڑھ کر مسلمانوں پر آئے اور بحمدہ تعالیٰ خدا اور رسول کا وعدہ سچا نکلا اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے غلبہ اور فتح عطا کی اور کافر ناکام واپس ہو گئے۔

(۱۲) یہود کے متعلق پیشین گوئی کہ وہ ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے[51]

قل ان کانت لکم الدار الآخرۃ عند اللہ خالصۃ من دون الناس فتمنوا الموت ان کنتم صادقین ولن یتمنوہ ابدا بما قدمت ایدیھم واللہ علیم بالظلمین (البقرہ ۹۴-۹۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے فرمایا کہ اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ تم اللہ کے محبوب ہو تو موت کی تمنا کرو اور ساتھ ہی ساتھ پیشین گوئی کر دی کہ تم ہرگز موت کی تمنا نہیں کر سکو گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ موت کی تمنا نہ کر سکے۔

اور یہی مضمون سورۂ جمعہ کی آیت میں ہے۔ ولا یتمنونہ ابدا بما قدمت ایدیھم واللہ علیم بالظالمین۔

(۱۳) القاء رعب کی پیشین گوئی[52]

سنلقی فی قلوب الذین کفروا الرعب بما اشرکوا باللہ ما لم ینزل بہ سلطانا وماواھم النار۔ (آل عمران ۱۵۱)

جیسا کہ غزوۂ حمراء الاسد میں پیش آیا کہ اللہ نے کافروں کے دل میں ایسا رعب ڈالا

---

[51] ازالۃ الشکوک، ج ۱، ص: ۱۰۲، [52] ایضاً۔ ص: ۱۰۶

کہ باوجودیکہ اُحد میں فتح پاچکے تھے۔ مگر پھر بھی ہمت نہ ہوئی۔

اور ایسا ہی غزوۂ احزاب میں ہوا جس کی اللہ تعالیٰ نے یوں خبردی ہے یاایھا الذین
امنوا اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ جآءتکم جنود فارسلنا علیھم ریحا وجنودا
لم تروھا وکان اللہ بما تعملون بصیرا اور حدیث میں ہے۔ نصرت بالصبا و
اھلکت عاد بالدبور میں جانب سیری بادصبا سے مدد کی گئی اور قوم عاد پچھوا ہوا سے ہلاک ہوئے

(۱۴) فتنۂ ارتداد اور اس کے انسداد کی پیشین گوئی

یاایھا الذین امنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یأتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ
اذلۃ علی المومنین اعزۃ علی الکافرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ
لائم ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ واسع علیم ٥ (المائدہ ۶، ۵)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ حیات میں پیشین گوئی فرمائی
کہ آگے چل کر مسلمانوں میں سے بعض لوگ مرتد ہوجائیں گے یعنی اسلام سے پھر جائیں گے تو اسی وقت
اللہ تعالیٰ ان کے مقابلے کے لئے ایسے لوگ کھڑے کرے گا جو ان مرتدوں سے مقابلہ اور مقاتلہ
کریں گے اور وہ مرتدین سے قتال کرنے والے خدا تعالیٰ کے محب اور محبوب ہوں گے، چنانچہ صدیق
اکبر کے زمانے میں فتنۂ ارتداد پیش آیا اور بحکم صدیق اکبر صحابۂ کرام نے مرتدین سے جہاد وقتال کیا اور
مرتدین کو شکست دی۔

(۱۵) وفات نبوی کی پیشین گوئی

اذا جآء نصر اللہ والفتح ورأیت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا
فسبح بحمد ربك واستغفرہ انہ کان توابا ٥ (النصر)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اس سورت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

سفر آخرت کی طرف اشارہ ہے کہ جب اللہ کی نصرت اور فتح آجائے اور لوگ فوج فوج اسلام میں داخل ہونے لگیں تو سمجھ لیجئے کہ بعثت کا مقصود پورا ہوگیا۔ اب تسبیح و تحمید اور استغفار میں مشغول ہوجائیے اور سفر آخرت کی تیاری کیجئے۔

یہاں تک ان پیشین گوئیوں کا ذکر تھا جو قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ اب ہم ان پیشین گوئیوں کا ذکر کرتے ہیں جو احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مذکور ہیں۔

اُن پیشین گوئیوں کا بیان جن کا ذکر حدیث میں آیا ہے

صحیحین میں حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وعظ میں قیامت تک پیش آنے والے امور کا ذکر فرمایا یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور بھول گیا جو بھول گیا اور میرے اصحاب کو بھی اس کی خبر ہے ان میں سے بعض چیزیں ایسی ہیں جو میں بھول گیا مگر جب ان کو دیکھتا ہوں تو یاد آجاتی ہیں یعنی بعد وقوع کے پہچان لیتا ہوں کہ یہ وہی بات ہے کہ جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمائی تھی جس طرح کسی شخص کی صورت یاد ہو اور وہ غائب ہوجائے۔ پھر جب اسے دیکھتا ہے تو پہچان لیتا ہے کہ یہ وہی وہ فلاں شخص ہے۔ دیکھو زرقانی شرح مواہب ص۲۰۲ ج۷ و دیکھو فتح الباری ص۲۱۵ ج ۶ باب بدء الخلق اور کتاب القدر

اب ہم نہایت اختصار کے ساتھ اُن چیزوں کو بیان کرتے ہیں جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل از وقوع بیان فرمائیں اور بجائے تخریج حدیث کے حوالۂ کتاب پر اکتفا کرتے ہیں تاکہ جس کو تفصیل اور تحقیق درکار ہو وہ اصل کتاب کی مراجعت کرے[۱]

(۱)۔ خلافت راشدہ کی خبر دی بے شمار احادیث سے ثابت ہے۔

(۲)۔ خلافت راشدہ کی مدت کی خبر دی کہ وہ تیس سال ہوگی زرقانی ج: ۷، ص: ۲۲۲

(۳)۔ شیخین کی خلافت کی خبر دی کہ میرے بعد ابوبکر و عمر کا اقتدا کرنا۔

---

[۱] ۲، ۳ - زرقانی

(۴)۔ خلافتِ راشدہ کی بابت بار بار ایسے ارشادات ظاہر ہوئے جس سے خلافت راشدہ کی ترتیب کا پتہ چل جاتا ہے۔

(۵)۔ اسلامی سلطنت کی وسعت اور فتوحات عظیمہ کی خبر دی اور فرمایا کہ میری امت کی سلطنت اتنی وسیع ہوگی جتنی زمین مجھکو سمیٹ کر دکھلائی گئی (زرقانی ص۲۰۱ ج ۷)

(۶)۔ قیصر و کسریٰ کی ہلاکت و بربادی کی خبر دی۔ (زرقانی ج ۷، ص: ۲۰۷)

(۷)۔ خلافت راشدہ اور اس کے بعد ملک عضوض کی خبر دی (زرقانی ص۲۲۱ ج ۷)

(۸)۔ فتح یمن اور فتح شام اور فتح عراق اور فتح مصر اور فتح بیت المقدس اور فتح قسطنطنیہ کی پیشین گوئی فرمائی۔

(۹)۔ جنگِ بدر کے موقع پر جنگ شروع ہونے سے ایک روز پیشتر نام بنام مقتولین بدر کی خبر دی اور یہ فرمایا کہ فلاں شخص فلاں جگہ قتل ہو کر گرے گا، چنانچہ جو جگہ جس کیلئے فرمائی تھی وہیں گرا۔

(۱۰)۔ ابی بن خلف کے قتل کی خبر دی کہ میں ہی اس کو قتل کروں گا۔

(۱۱)۔ غزوۂ خندق کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ آج کے بعد قریش ہم پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہ کریں گے بلکہ ہم ہی ان پر چڑھائی کریں گے۔

(۱۲) نجاشی کی وفات کی خبر دی۔ (زرقانی ص۱۰۶ ج ۷)

(۱۳)۔ غزوۂ موتہ میں جو امیر لشکر شہید ہوئے حضور پر نور نے عین وقت پر شہادت بہ تفصیل و ترتیب کے ساتھ ان کی شہادت کی خبر دی۔ (زرقانی ص۲۰۹ ج ۷)۔

(۱۴)۔ مکہ مکرمہ میں قریش کو یہ خبر دی کہ صحیفۂ ظالمہ کو جو خانہ کعبہ میں آویزاں ہے سوائے خدا کے نام کے کیڑوں نے کھالیا ہے۔ (زرقانی ص۲۱۰ ج ۷)

(۱۵)۔ مرض الوفات میں آپ نے حضرت فاطمہ کو یہ خبر دی کہ میری وفات کے بعد میرے اہل و عیال میں سے سب پہلے تو آکر مجھ سے ملے گی۔ (زرقانی ص۲۱۲ ج ۷)

(۱۶)۔ حضور پُرنور نے اپنے مرض الوفات میں اپنی ازواج مطہرات سے بیارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو سب سے زیادہ خیرات کرنے والی ہوگی وہ جلد تر مجھ سے آکر ملے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ازواج مطہرات میں حضرت زینب بنت جحش جو سب سے زیادہ خیرات کیا کرتی تھیں سب بیویوں سے پہلے ان کی وفات ہوئی۔

(۱۷)۔ حضرت عمر کے حق میں فرمایا کہ یہ شخص فتنہ کا قفل ہے یعنی جب تک عمر زندہ رہے گا فتنہ بھی مقفل اور مقید رہے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت عمر کے وقت تک مسلمانوں میں کوئی فتنہ اور فساد رونما نہیں ہوا جب وہ گزر گئے تو فتنہ و فساد شروع ہوا۔

(۱۸-۱۹)۔ حضرت عثمان اور حضرت علی کی شہادت کی خبر زرقانی ص ۲۰۳ ج ۷۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی کے متعلق خبر دی کہ تم دشمنوں کے ہاتھ سے شہید ہوگے اور تمھارے لئے جنت ہوگی چنانچہ ہو بہو ایسا ہی ظہور پذیر ہوا۔ (بخاری و مسلم بروایت ابی موسیٰ) اور حضرت علی کے متعلق فرمایا کہ ایک بدترین امت تمہارے سر پر ایسی تلوار مارے گا جس سے تمھاری داڑھی رنگین ہو جائے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (زرقانی ص ۲۰۳ ج ۷)

(۲۰)۔ جنگ جمل کی خبر۔ (زرقانی ص ۲۱۵ ج ۷)

(۲۱)۔ جنگ صفین کی خبر۔ (زرقانی ص ۲۱۵ ج ۷)

(۲۲)۔ خروج عائشہ صدیقہ کی خبر (زرقانی ص ۲۱۶ ج ۷)

(۲۳)۔ حضرت عمار کے متعلق آپ نے پیش گوئی فرمائی کہ تم کو باغی جماعت قتل کرے گی۔ چنانچہ عمار باغی جماعت کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ زرقانی ص ۲۲۰ ج ۷۔

(۲۴)۔ امام حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھ پر مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں میں صلح کرائے گا۔ زرقانی ص ۲۱۶ ج ۷، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(۲۵) امام حسین کی شہادت کی خبر دی۔ زرقانی ص ۲۱۸ ج ۷۔ اور امام حسین شہید ہوئے میری

امت کے لوگ تم کو قتل کریں گے (قصہ قتلہ۔ مذکورۃ فی ص۲۱۹ ج زرقانی۔

(۲۶)۔ ثابت بن قیس بن شماس کی شہادت کی خبر۔ زرقانی ص۲۲۱ ج ۷

(۲۷)۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ابتلاء کی خبر۔ زرقانی ص۲۲۱ ج ۷

(۲۸)۔ عبداللہ بن عباس کے ابوالخلفاء ہونے کی خبر۔ زرقانی ص۲۲۲ ج ۷ و ص۲۲۳ ج ۷ و ازالۃ الشکوک ص۲۲۲ ج ۱

(۲۹)۔ عالم مدینہ کی خبر۔ زرقانی ص۲۲۳ ج ۷ و ص۲۲۵ ج ۷ یعنی امام مالک کے ظہور کی خبر۔

(۳۰)۔ عالم قریش کی خبر۔ زرقانی ص۲۲۵ ج ۱ یعنی امام شافعی کے ظہور کی خبر۔

(۳۱)۔ عالم فارس یعنی ابوحنیفہ کے ظہور کی خبر۔ دیکھو تبییض الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ للسیوطی

(۳۲)۔ ہر صدی پر ظہور مجدد کی خبر۔ زرقانی ص۲۲۷ ج ۷۔

(۳۳)۔ خروج خوارج کی خبر۔ زرقانی ص۲۲۷ ج ۷۔

(۳۴)۔ ظہور روافض کی خبر۔ زرقانی ص۲۳۰ ج ۷۔

(۳۵)۔ قدریہ اور مرجئہ کے ظہور کی خبر۔ زرقانی ص۲۳۰ ج ۷۔

(۳۶)۔ خروج دجالین یعنی مدعیان نبوت کے خروج کی خبر۔ زرقانی ص۲۳۱ ج ۷

(۳۷)۔ منکرین حدیث کے خروج کی خبر۔

(۳۸)۔ اسود عنسی کے متعلق خبر اسود عنسی یمن صنعاء میں نبوت کا دعویٰ کیا آپ نے اس کے قتل کی پیشین گوئی فرمائی اور جس شب میں مارا گیا اسی وقت آپ نے مدینہ میں صحابہ کو خبر دی۔

(۳۹)۔ مختار اور حجاج کے خروج کی خبر۔

(۴۰)۔ شیرویہ کے ہاتھ سے پرویز کے مارے جانے کی خبر۔

(۴۱)۔ حضرت عباس جو مال ام فضل کے پاس چھوڑ آئے تھے اس کی خبر۔

حضرت عباس اسلام لانے سے پہلے جب جنگ بدر میں اسیر ہو کے آئے اور ان سے فدیہ طلب کیا گیا تو یہ کہا کہ مجھ میں فدیہ دینے کی طاقت نہیں تو آپ نے فرمایا کہ وہ مال اور سونا کہاں ہے جو تم مکے سے چلتے وقت رات میں ام فضل کے پاس رکھ آئے ہو اسے دے کر آزاد ہو جاؤ حالانکہ اس کی کسی کو خبر نہ تھی۔ زرقانی صٰ۲۰ ج ۳۔

(۴۲-۴۳)۔ فتن اور زلازل اور اشراط ساعت اور خروج دجال اور طلوع شمس از مغرب اور خروج دابۃ الارض اور خروج نار کی خبر۔ زرقانی صٰ۲۲۲ ج ۷، تا صٰ۲۳۶ ج ۷۔

غرض یہ کہ بہت سے ایسے امور میں کہ جن کی نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے قبل از وقوع خبر دی جن کا بغیر وحی خداوندی معلوم ہونا ناممکن ہے یہاں چند امور بطور نمونہ مختصراً لکھ دیئے گئے۔

اللھم صل علی سیدنا ومولانا محمد وعلی اٰلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

معجزات یُمن وبرکت

ہر نبی ورسول کی ذات والا صفات یُمن اور برکت کا سرچشمہ ہوتی ہے مگر نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم جس طرح اور کمالات میں انبیاء کرام افضل ہیں اسی طرح آپ سے جس قدر یمن وبرکات کے معجزات صادر ہوئے وہ کسی اور سے صادر نہیں ہوئے۔ مختصر یہ کہ آپ کی برکت سے تھوڑے سے کھانے کا اور ایک تھوڑے سے پانی کا ایک لشکر عظیم کے سیری اور سیرابی کے لئے کافی ہو جانا جس کا متعدد مواضع میں مشاہدہ کیا گیا۔

چنانچہ (۱)۔ جنگ خندق کے روز حضرت جابر کے مکان میں صرف ایک سیر جَو کے آٹے سے بہت سے آدمیوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔ (بخاری ومسلم بروایت جابرؓ)

(۲)۔ حضرت ابوطلحہ کے مکان پر کہ جنھوں نے صرف آپ کی دعوت کی تھی اور دو تین آدمیوں کا کھانا پکایا تھا اس تھوڑے سے کھانے سے اپنے تمام ساتھیوں کو بخوبی پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔ (بخاری ومسلم بروایت انسؓ)

(۳)۔ ایک دفعہ ایک صاع جو (یعنی ساڑھے تین سیر) اور ایک بکری کے بچہ کے گوشت سے آپ نے اسیؐ آدمیوں کو شکم سیر کر دیا (بیہقی در دلائل النبوۃ)

(۴)۔ حدیبیہ کے کنوئیں میں پانی نہیں رہا تھا، آپ نے اپنے وضو کا بچا ہوا پانی اس میں ڈالا تو اس میں پانی چشمہ کی طرح جوش مارنے لگا، پندرہ سو آدمیوں نے پانی پیا اور اپنے جانوروں کو پلایا۔ (بخاری بروایت براء بن عازبؓ و مسلم بروایت سلمۃ بن اکوعؓ)

(۵)۔ تبوک کے چشمہ میں پانی سوکھ گیا تھا، حضورؐ پُر نور نے اپنی وضو کا پانی اس میں ڈال دیا تو اس چشمہ کا پانی اتنا چڑھ آیا کہ ہزارہا کی تعداد میں اہلِ لشکر نے خوب سیراب ہو کر پیا۔ (مسلم بروایت معاذؓ)

(۶)۔ ایک دفعہ تمام لشکر محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پیاس سے بے تاب ہو گیا تو حضور پُر نور نے ایک چھوٹے سے پیالے (جس میں آپؐ کا ہاتھ اچھی طرح پھیل نہیں سکتا تھا) میں اپنا دستِ مبارک رکھ دیا تو آپ کی انگلیوں سے پانی پھوٹنے لگا جس سے تمام لشکر نے پانی بھی پیا اور وضو بھی کی (بخاری و مسلم بروایت انسؓ)

(۷)۔ ایک دفعہ آپ کے پاس ایک دودھ کا پیالہ لایا گیا آپ نے ابوہریرہ کو حکم دیا کہ سب اہلِ صفہ کو بلا لاؤ۔ جو تقریباً اسیؐ آدمی تھے سب کے سب ایک پیالہ دودھ سے سیراب ہو گئے اور دودھ کا پیالہ اسی طرح باقی رہا۔ (بخاری شریف)

(۸)۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت زینب سے نکاح کیا تو حضرت انس کی والدہ ام سلیم نے تھوڑا سا کھانا پکا کر آپ کی خدمت میں بھیجا۔ آپؐ نے بہت سے صحابہ کو مدعو کر لیا۔ اور حکم دیا کہ دس دس آدمی بیٹھ جائیں اور کھانا شروع کریں، تقریباً تین سو آدمی سیر ہو گئے اور کھانا پہلے سے زیادہ تھا۔ (صحیح مسلم)

استجابت دُعا

من جملہ معجزات کے ایک قسم معجزہ کی یہ ہے کہ آپؐ نے جس کے حق میں جو دعا فرمائی وہ قبول

ہوئی ۔ اس قسم کے معجزات کو معجزات سیف اللسانی بھی کہتے ہیں ۔ سیف زبان اصطلاحی طور پر اس کو کہا جاتا ہے کہ جس کی زبان سے جو کچھ نکل جائے ویسا ہی ہو جائے اور کسی طرح بھی ٹالے نہ ٹلے یہ خدا کے برگزیدہ اور مؤید من اللہ ہونے کی علامت ہے کہ خدا تعالیٰ ان کی زبان سے جو کہلوا دیتا ہے وہ جوں کا توں ہو کر رہتا ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان درفشاں کا کیا کہنا جو فرمایا وہ پتھر کی لکیر ہو گیا اور جس شخص کی نسبت جو کلمہ آپ کی زبان مبارک سے نکل گیا وہ بالکل ویسے کا ویسا ہو کر رہا ۔

(۱) ۔ حضرت انس کے لئے دُعا فرمائی جو بہت مفلس تھے آپ کی دُعا سے بڑے دولتمند ہو گئے ۔

(۲) ۔ عبدالرحمٰن بن عوف آپ کی دعا سے اس قدر مالدار ہو گئے کہ لاکھوں کے مالک ہو گئے ۔

(۳) ۔ حضرت سعد کے لئے حضور پُر نور نے دُعا کی کہ اے اللہ سعد کو مستجاب الدعوات بنا دے چنانچہ سعد جو دعا کرتے وہ قبول ہوتی ۔

(۴) ۔ سراقہ نے بوقت ہجرت آپ کا تعاقب کیا اور آپ کے نزدیک پہنچ گیا آپ نے دُعا کی کہ اے اللہ اس کا گھوڑا زمین میں دھنس جائے اسی وقت فی الفور گھٹنوں تک دھنس گیا پھر جب اُس نے ایمان قبول کیا تو آپ نے دُعا کی اسی وقت گھوڑا زمین سے نکل آیا ۔

(۵) ۔ عبداللہ بن عباس کے لئے بچپن میں آپ نے علم و حکمت کی دُعا کی جس کا اثر یہ ہوا کہ علم و حکمت کے چشمے آپ کی زبان سے جاری ہو گئے ۔

(۶) ۔ ابو ہریرہؓ کے لئے حافظہ کی دعا کی جس کا اثر یہ ہوا کہ اس کے بعد ابو ہریرہ نے جو سُنا اس میں سے کوئی چیز نہیں بھولے ۔

(۷) ۔ ابو ہریرہ کی والدہ کے لئے ہدایت کی دعا فرمائی اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت نصیب کی (بخاری)

(۸) ۔ ایک مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے گھر تشریف لے گئے اور سب پر ایک چادر

ڈال کر دعا کی اس دُعا پر دروازہ کی دہلیز نے اور گھر کی دیواروں نے آمین کہی اور تین مرتبہ کہی۔

(۹)۔ قریش نے جب آپ کی سخت مخالفت کی تو آپ نے ان کے حق میں بد دعا کی کہ اے اللہ ان پر قحط نازل فرما چنانچہ آپ کی دُعا سے قریش پر قحط نازل ہوا (بخاری شریف)

(۱۰)۔ مدینہ منورہ میں قحط پڑا جمعہ کے خطبہ میں ایک شخص نے کھڑے ہوکر درخواست کی یا رسول اللہ بارش کے لئے دُعا فرمایئے، آپ نے ہاتھ اٹھا کر دُعا کی اسی وقت پانی برسنا شروع ہوگیا۔

معجزاتؐ شفاء امراض

(۱)۔ خیبر میں حضرت علی مرتضیٰ کی آنکھیں دُکھنے آگئیں آپ نے اپنا لب مبارک ان پر لگایا فوراً اسی وقت صحیح سلامت ہوگئیں اور پھر کبھی دُکھنے نہیں آئیں۔ بخاری شریف بروایت ابن مسعود اس قسم کے معجزات کی تفصیل شرح شفاء قاضی عیاض اور شرح مواہب میں دیکھیں۔

(۲)۔ قتادہ بن النعمان کی آنکھ نکل کر گر پڑی، آپؐ نے اپنے دست مبارک سے اس آنکھ کے ڈھیلہ کو اپنی جگہ پر رکھ دیا تو وہ آنکھ ایسی صحیح وسلامت اور خوشنما ہوگئی کہ ویسی دوسری آنکھ بھی نہ تھی۔

(۳)۔ عبداللہ بن عتیکؓ جب ابورافع کو قتل کرکے واپس آنے لگے تو زینہ سے اترتے ہوئے گر پڑے اور ٹانگ ٹوٹ گئی، آپ نے اس پر اپنا دست مبارک پھیرا فوراً ایسی اچھی ہوگئی گویا کبھی ٹوٹی ہی نہ تھی۔ بخاری شریف باب قتل ابی رافع۔

(۴)۔ غار ثور میں حضرت صدیقؓ کو سانپ نے ڈس لیا تھا تو آپؐ نے لعاب دہن لگا دیا اسی وقت شفاء ہوگئی۔

(۵)۔ ایک نابینا آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا آپؐ نے اس کو ایک خاص دُعا تبلائی اور فرمایا کہ وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھو اور میرے وسیلہ سے یہ دعا مانگو اللہ تعالیٰ تمھاری حاجت

لہ دیکھو شرح شفاء ملاعلی قاری صفحہ ۶۵۰ ج ۱۔ زرقانی صفحہ ۱۱۲ ج ۵

پوری کرے گا، اس نابینا نے اسی طرح دعا مانگی۔ عثمان بن حنیف کہتے ہیں کہ ہم ابھی اس مجلس سے اُٹھے نہ تھے کہ وہ نابینا بینا ہو گیا۔ ترمذی کتاب الدعوات و مستدرک حاکم صـ۵۱۹ ج ۱

(۶) حبیب بن ابی فدیک کے باپ کی آنکھوں میں پھلی پڑ گئی اور نابینا ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں پر پڑھ کر دم کیا اسی وقت آنکھیں اچھی ہو گئیں (طبرانی و بیہقی وابن ابی شیبہ)

(۷) حجۃ الوداع میں ایک عورت اپنے ایک بچہ کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی جو گونگا تھا اور عرض کیا کہ یہ بچہ بولتا نہیں آپ نے پانی منگایا اور ہاتھ دھویا اور کلی کی اور یہ فرمایا کہ یہ پانی اس بچہ کو پلاؤ اور کچھ اس پر چھڑک دو، دوسرے سال وہ عورت آئی تو وہ بچہ بالکل اچھا ہو گیا تھا اور بولنے لگا تھا۔ سنن ابن ماجہ باب النشرہ و دلائل ابی نعیم صـ۱۶۷

(۸) محمد بن حاطب صحابی بچپن میں ماں کی گود سے آگ میں گر پڑے اور کچھ جل گئے، آپ نے اس پر اپنا لعاب دہن لگا دیا فوراً اچھے ہو گئے۔ رواہ ابو داؤد الطیالسی و احمد بن حنبل والبخاری فی تاریخہ۔

(۹) ابوہریرہ نے اپنے حافظہ کی شکایت کی کہ آپ سے جو سنتا ہوں وہ بھول جاتا ہوں آپ نے فرمایا اپنی چادر پھیلاؤ پھر آپ نے اس میں اپنی دو لپوں سے کچھ ڈالا اور فرمایا کہ اس کو اپنے سینے سے لگاؤ ابوہریرہ کہتے ہیں میں نے ایسا ہی کیا اس کے بعد میں کوئی بات نہیں بھولا (بخاری شریف)

(۱۰) ایک شخص نے آکر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ میرا بھائی بیمار ہے اور اس پر جنون کا اثر ہے۔ آپ نے فرمایا اس کو لے کر آؤ جب وہ لایا گیا تو آپ نے قرآن کریم کی متعدد سورتیں پڑھ کر اس پر دم کیں اسی وقت وہ اچھا ہو گیا اور جنون کا کوئی اثر اس پر نہ رہا۔ (سنن ابن ماجہ باب الفزع والارق)

فَتِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ

غرض کہ شفاء امراض کے متعلق اور بھی حضور پر نور کے بہت سے معجزات ہیں جن پر

آپ نے پڑھ کر دم کیا یا لعاب دہن لگایا یا ہاتھ پھیر یا وہ فوراً اچھا ہوگیا۔

اِحیاءِ مَوْتیٰ

حضرات انبیاء کرام دراصل روحانی طبیب ہیں دل اور روح کی بیماریوں کے علاج کے لئے مبعوث ہوئے لیکن بطور خرق عادت کبھی کبھی حق تعالےٰ شانہٗ انبیاء کرام کے ہاتھ سے ایسے امراض جسمانی کو شفاء بخشتا ہے جس سے اطباء عاجز ہوتے ہیں اور گاہ بگاہ اپنی قدرت کاملہ سے انبیاء کے ہاتھ پر مُردے بھی زندہ کر دیتا ہے کہ لوگوں پر اس نبی برحق کا برگزیدۂ خداوندی ہونا واضح ہو جائے۔

اس قسم کے معجزات زیادہ تر عیسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئے۔

حق جل شانہٗ نے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجودیکہ گوناگوں اور قسم قسم کے معجزات عطا فرمائے مگر شفاء امراض اور احیاء موتیٰ کے قسم سے بھی آپ کو حظ وافر عطا فرمایا اور مُردوں کی ایک جماعت آپ کے ہاتھ پر زندہ فرمائی۔ زرقانی ص۱۸۷ ج ۱۔

حسن یوسف دم عیسےٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

امام قرطبی اپنی کتاب تذکرہ میں فرماتے ہیں کہ حق تعالےٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر مُردوں کی ایک جماعت کو زندہ فرمایا جس کا قاضی عیاض نے اپنی شفاء میں ذکر کیا ہے۔ دیکھو شرح شفاء للعلامۃ القاری ص۶۴۳ ج ۱

(۱)۔ حضرت انس راوی ہیں کہ ایک اندھی بڑھیا کا ایک جوان بیٹا مر گیا سب نے اس پر ایک کپڑا ڈال دیا اور سر کو ڈھانک دیا بوڑھی ماں کو بیحد صدمہ ہوا اور چلّانے لگی اور یہ کہا کہ اے پروردگار تجھے خوب خوب معلوم ہے کہ میں خالص تیرے لئے اسلام لائی اور بتوں کو چھوڑا اور

ؔ دیکھو شرح شفاء ملا علی قاری ص۶۴۴ ج ۱۔ و زرقانی ص۱۸۱ ج ۵

بصد شوق و رغبت تیرے رسول کی طرف ہجرت کی اے اللہ مجھ پر بت پرستوں کو شماتت کا موقع نہ دے اور مجھ پر یہ ناقابلِ برداشت صدمہ نہ ڈال، حضرت انس فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ہم اصحاب صفہ اس وقت وہاں موجود تھے، خدا کی قسم ہم ابھی وہیں موجود تھے کہ یکایک وہ نوجوان زندہ ہوگیا اور اپنے منہ سے اپنی چادر اتاری اور ہمارے ساتھ کھانا کھایا اور وہ نوجوان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تک زندہ رہا اور اس کی بڑھیا ماں اس نوجوان کی زندگی میں وفات پاگئی، رواہ ابن عدی وابن ابی الدنیا والبیہقی وابو نعیم تفصیل کے لئے زرقانی ص۱۸۳ جلد ۵ دیکھئے۔

ف - اس استغاثہ اور آپ کی برکت سے اس کا بیٹا زندہ ہوگیا۔

(۲) دلائل بیہقی میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اسلام کی دعوت دی اس نے یہ کہا کہ میں جب اسلام قبول کروں گا جب آپ میری لڑکی کو زندہ کر دیں جو قریب میں مر چکی ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے اس کی قبر دکھلاؤ، وہ شخص آپ کو اس کی قبر پر لے گیا۔ آپ نے اس کی قبر پر کھڑے ہو کر اس لڑکی کا نام لے کر اس کو پکارا وہ لڑکی زندہ ہوگئی اور لبیک وسعدیک جی حاضر ہوں کہتی ہوئی قبر سے باہر نکل آئی۔ آپ نے اسے ارشاد فرمایا کہ کیا تو اپنے ماں باپ کے پاس رہنا چاہتی ہے۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ خدا تعالیٰ کا قرب ماں باپ سے بہتر ہے اور میں نے آخرت کو دنیا سے بہتر پایا۔ زرقانی ص۱۸۲ ج ۵۔ شفاء قاضی عیاض ص۲۱۰

(۳) - عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم حجۃ الوداع میں مقام حجون میں اترے اور ایک روز میرے پاس رنجیدہ اور غمگین اور روتے ہوئے باہر گئے پھر جب واپس آئے تو مسرور تھے اور مسکرا رہے تھے، میں نے اس کا سبب دریافت کیا تو آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میں نے حق تعالیٰ سے درخواست کی کہ میرے والدین کو زندہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے میرے والدین کو زندہ کر دیا اور وہ مجھ پر ایمان لائے اور پھر وفات پا گئے۔

اس روایت کو سہیلی نے روض الانف میں ذکر اور یہ کہا کہ اس روایت کی سند کے راوی مجہول ہیں اور حافظ ابن کثیر یہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اگرچہ بہت ضعیف ہے مگر موضوع نہیں اور فضائل

ومناقب میں ضعیف حدیث کی روایت جائز ہے۔ (زرقانی ص۱۹۳ جلد پنجم)

شیخ جلال الدین سیوطی اور علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ احیاء ابوین کے حدیث کے بارے میں حضرات محدثین کے تین قول ہیں ابن جوزی اور ابن دحیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے اور امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور سہیلی اور ابن کثیر وغیرہ وغیرہ یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے مگر موضوع نہیں حضرات اہل علم تفصیل کے لئے زرقانی از ص۱۶۶ تا ص۱۸۷ جلد اول کی مراجعت کریں جس میں احیاء ابوین کی حدیث پر مفصل کلام کیا ہے اور اس زمانے کے کسی علامہ کے درایت حضرات محدثین کی روایت اور درایت کے سامنے قابل التفات نہیں حافظ شمس الدین محمد بن ناصر دمشقی نے کیا خوب کہا ہے۔

حبا الله النبی مزید فضل ✤ علی فضل وکان به رؤفا
فاحیا امه وکذا اباه ✤ لایمان به فضلا لطیفا
فسلم فالقدیم بذا قدیر ✤ وان کان الحدیث به ضعیفا

زرقانی ص۱۸۵ ج ۱۔

اور اسی کو شیخ جلال الدین سیوطی نے اختیار کیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے موضوع نہیں چنانچہ ایک طویل قصیدہ میں فرماتے ہیں۔

وجماعة ذهبوا الی احیاءه ✤ ابویه حتی اٰمنوا لا تخرفوا
وروی ابن شاهین حدیثا مسندا ✤ فی ذاك لكن الحدیث مضعف

زرقانی ص۱۸۱ ج ۱

(۴)۔ کتب حدیث میں متعدد طرق سے مروی ہے کہ خیبر میں ایک یہودی عورت نے ایک بھنی ہوئی بکری آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کی جس میں اس نے زہر بھی ملا دیا تھا، آپ نے اس میں سے کچھ تناول فرمایا اور صحابۂ کرام جو حاضر مجلس تھے انھوں نے بھی اس میں کچھ کھایا مگر فوراً ہی صحابہ سے فرمایا کہ اپنا ہاتھ کھینچ لو اور فرمایا کہ اس بکری نے مجھے خبر دی ہے کہ میں زہر آلود ہوں

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ حدیث شاۃ مسمومہ مشہور ہے جس کو ائمہ حدیث نے اپنی صحاح اور سنن میں روایت کیا ہے ماہرین متکلمین کا اس میں اختلاف ہے، امام ابوالحسن اشعری اور قاضی ابو بکر باقلانی تو یہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسی مردہ بکری میں اپنی قدرت کاملہ سے کلام اور حروف اور اصوات کو پیدا کر دیا جیسے خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے بارہا شجر اور حجر میں کلام اور حروف اور اصوات کو پیدا فرمایا پس اسی طرح بکری کا گوشت اپنی ہی حالت اور شکل پر رہا اور اللہ تعالیٰ نے اس میں قدرت گویائی کی پیدا کر دی۔

اور بعض متکلمین یہ فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس گوشت میں حیات اور زندگی پیدا فرمائی اور حیات کے بعد اُس گوشت نے کلام کیا اور یہی امام ابوالحسن اشعری سے منقول ہے، دیکھو شفاء قاضی عیاض ص۱۵۹ و مناہل الصفا ص۱۲۴

(۵)۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں کھجور کے ایک ستون سے سہارا لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے، اس کے بعد جب منبر تیار ہو گیا تو آپ نے منبر پر خطبہ دینا شروع کر دیا تو یکبارگی صدمۂ مفارقت میں وہ ستون چلا کر رونے لگا آپ منبر سے اترے اور اس کو اپنے بدن سے چمٹایا سو وہ ہچکیاں لینے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ستون ہمیشہ ذکر (خطبہ) سنا کرتا تھا اب جو نہ سنا تو رونے لگا (بخاری شریف)

قاضی عیاض اور دیگر حضرات محدثین فرماتے ہیں کہ گریہ ستون کی حدیث متواتر ہے صحابۂ کرام کے ایک کثیر جماعت سے مروی ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حنین جذع (یعنی گریۂ ستون) کا معجزہ حضرت عیسیٰ کے احیاء موتیٰ کے معجزہ سے زیادہ بلند ہے اس لئے کہ میت اگر زندہ ہو جائے تو اپنی حالت سابقہ یعنی گزشتہ حیات کی طرف لوٹ آیا بخلاف لکڑی کے کہ وہ جماد محض ہے، اس میں پہلے سے حیات کا کہیں نام و نشان نہ تھا اس کا مفارقت نبوی کے صدمہ و الم سے رونا غایت درجہ عجیب ہے، امام بیہقی نے امام شافعی سے اسی طرح نقل فرمایا اور علیٰ ہذا درختوں اور پہاڑوں میں سے السلام علیک یا رسول اللہ کی آواز آنا اور آپ کے اشارہ سے بتوں کا گر جانا اور آپ کی مجلس میں کھانوں سے تسبیح

کی آواز سنائی دینا یہ معجزات بھی احیاء موتی کے معجزات سے کم نہیں اور اعلیٰ ہذا درختوں کا آپ کے بلانے سے آجانا اور آپ کے اشارہ سے اپنی جگہ واپس آجانا یہ بھی احیاء موتیٰ کے معجزہ سے کم نہیں۔

غرض یہ کہ احیاء موتیٰ کے متعلق متعدد احادیث سے متعدد واقعات مختلف سندوں کے ساتھ ملتے ہیں فرداً فرداً اگرچہ وہ روایتیں پایۂ صحت کو نہیں پہنچیں لیکن قدر مشترک کے طور پر اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ احیاء موتیٰ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ضرور ثابت ہے لہٰذا اس کو بالکل بے اصل اور موضوع قرار دینا صحیح نہیں۔

معجزاتِ عیسوی

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے معجزات میں سب سے بڑا معجزہ وہ ہے جسے قرآن کریم نے بیان کیا ہے وانفخ فیہ فیکون طیرا باذن اللہ۔

یعنی آپ گیلی مٹی لیتے اور اس سے چڑیا کا پتلا بناتے پھر اس میں پھونک مارتے تو وہ بحکم خدا چڑیا بن جاتا تھا روایت کیا جاتا ہے کہ یہ مٹی کی چڑیا کچھ دور تک اُڑتی، پھر مر کر گر پڑتی تاکہ اصلی چڑیا اور اس اعجازی چڑیا میں فرق ہو جائے۔ مگر یہ معجزہ چاروں انجیلوں میں مذکور نہیں۔

اس کے بعد احیاء موتیٰ کا معجزہ ہے جو چڑیا کے معجزہ سے ذرا کم ہے کیونکہ جو مردہ حال ہی میں مرا ہے اس میں حسب سابق زندگی کا لوٹ آنا اتنا عجیب نہیں جتنا کہ مٹی کے پتلے کا چڑیا بن جانا عجیب ہے

اور احیاء موتیٰ کے بعد شفاء مرضیٰ یعنی بیماروں کے اچھا کر دینے کا معجزہ ہے۔

اور شفاء مرضیٰ سے اُتر کر مکاشفات ہیں جن کو حق تعالیٰ نے وانبئکم بما تأکلون وما تدخرون سے بیان کیا ہے یعنی تم کو خبر دے دوں گا کہ تم کیا کھاتے ہو اور اپنے گھروں میں کیا ذخیرہ جمع کرتے ہو۔

یہ معجزہ حضرت مسیح کے ساتھ مخصوص نہیں دیگر انبیاء بنی اسرائیل نے بھی بہت سے اہم آئندہ امور کے قبل از وقوع خبر دی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں رومیوں کے غلبہ کی خبر سات آٹھ سال پہلے دی

گئی اور فتح خیبر اور فتح شام و عراق کی خبر دی گئی نصاریٰ نے حضرت مسیح کے کل ۴۰ معجزے بیان کئے ہیں جن میں سب سے بڑا معجزہ مُردوں کو زندہ کرنے کا ہے اور یہ معجزہ بھی انجیلی روایات کی بنا پر صرف تین بار پیش آیا ہے۔ پہلا مُردہ شہر نائین کا رہنے والا تھا اس کا جنازہ اُٹھ چکا تھا اور اس کی ماں رو رہی تھی حضرت مسیح نے اس کے جنازہ کو روک کر کہا اے جوان اُٹھ جا وہ مردہ اُٹھ بیٹھا اور بولنے لگا اور اس نے اس کو اس کی ماں کو سونپ دیا۔ سب پر دہشت طاری ہوگئی اور کہنے لگے کہ یہ بڑا نبی ہے جو ہم میں اٹھا ہے دیکھو۔ انجیل لوقا باب ۷ درس ۱۱ تا ۱۷

دوسرا واقعہ۔ ایک مُردہ لڑکی کے زندہ کرنے کا ہے جو انجیل متی باب ۹ درس ۱۸ تا ۲۴ میں مذکور ہے۔

تیسرا واقعہ آپ کے محبوب لعزر کو زندہ کرنے کا ہے جو آپ کی چہیتی مریم کا بھائی تھا جسے مرے ہوئے اور دفن ہوئے چار دن ہو چکے تھے حضرت مسیح تشریف لائے اور با آواز بلند پکارا اے لعزر نکل آ۔ جو مر گیا تھا وہ کفن سے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے باہر نکل آیا اور اس کا چہرہ رومال سے لپٹا ہوا تھا یسوع نے ان سے کہا اسے کھول کر جانے دو۔

یہ واقعہ انجیل یوحنا کے باب ۱۱ میں مذکور ہے۔

یہودان معجزات کی بابت یہ کہتے ہیں کہ یہ تین شخص حقیقت میں مرے نہیں تھے بلکہ سکتہ کی حالت میں تھے، بسا اوقات ایسی حالت میں شدید بیہوشی کو مردہ سمجھ لیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ متمدن حکومتوں میں اس وقت تک دفن کی اجازت نہیں ہوتی جب تک مستند ڈاکٹر موت کی شہادت نہ لکھ دے۔

اہل اسلام یہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت مسیح کے احیاء موتیٰ کے معجزہ کو قرآن و حدیث کی شہادت کی بنا پر مانتے ہیں ورنہ علماء نصاریٰ کے پاس کوئی سلسلۂ اسناد نہیں کہ جس کے ذریعہ کوئی متصل اسناد پیش کر سکیں۔ بخلاف معجزات محمدیہ کے کہ وہ تمام اسانید صحیحہ اور متصلہ اور مسلسلہ کے ساتھ منقول اور مروی ہیں اور جو روایتیں مرسل طریقہ پر یا ضعیف طریقے سے مروی ہیں وہ

متعدد سندوں کے ساتھ مروی ہیں اور ظاہر ہے کہ ایک شئی کا متعدد طریقوں اور مختلف راویوں سے منقول ہونا یہ اس امر کی دلیل ہے کہ یہ روایت بے اصل نہیں تعدد طریق سے روایت میں ایک گونہ قوت آجاتی ہے جو بسا اوقات اس کو صحیح اور حسن کے درجہ تک پہنچا دیتی ہے اور یہود اور نصاریٰ کے یہاں نہ سلسلۂ اسناد ہے اور نہ علم رجال ہے اس لئے بائبل میں جن واقعات کی روایت کی گئی ہے وہ کوئی وزن نہیں رکھتی۔

مقصدِ نبوّت

تمام علما اہلِ کتاب کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کو دنیا میں نبی اور پیغمبر بنا کر بھیجا اور ان پر وحی نازل کی تاکہ وہ انسانوں کو حق کی طرف رہنمائی کریں اور ان کو دائمی نجات حاصل کرنے کا طریقہ بتلائیں۔

پس جس بنا پر علمار اہلِ کتاب۔ انبیاء بنی اسرائیل کی نبوّت کے قائل ہیں وہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی موجود ہے بلکہ آپ میں خصائصِ نبوّت اور دلائل رسالت، تمام انبیائے زیادہ صاف اور روشن ہیں اور روایت کے لحاظ سے سب سے زیادہ صحیح اور شبہات سے غایت درجہ بعید بلکہ پاک اور منزہ ہیں۔

نبوّت و رسالت کا سب سے اہم اور اعظم پہلو وہ دینی عقائد اور عبادات اور آداب و اخلاق اور احکام و معاملات کا معاملہ ہے۔

دوسرا پہلو دلائل نبوّت اور براہین رسالت یعنی معجزات کا ہے۔

تیسرا پہلو پیشین گوئیوں کا ہے۔

چوتھا پہلو اصلاح عالم کا ہے۔

پانچواں پہلو اثر ہدایت کا ہے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان پانچوں باتوں میں تمام انبیار و مرسلین سے بڑھ کر ہیں۔

نصاریٰ کی گمراہی کا سبب

حق جل شانہ نے جس طرح دیگر انبیاء کرام کو آیات بینات اور معجزات عطا کئے تاکہ اُن کی نبوت و رسالت کی سند اور دلیل بنیں اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی بہت سے خوارق عادات سے سرفراز فرمایا۔

نصاریٰ حضرت عیسیٰ کی ان نشانیوں کو دیکھکر یہ سمجھے کہ یہ نشانیاں خود حضرت عیسیٰ کی قدرت سے پیش آئی ہیں اور ان کی یہ قدرت عین قدرت الٰہی ہے، اس لئے ان نادانوں نے یہ سمجھ لیا کہ معاذ اللہ حق تعالیٰ حضرت مسیح میں حلول کر آیا ہے اور اُن کے ساتھ متحد ہو گیا ہے اور وہ اور خدا ایک ہیں۔

جیسے مسلمانوں میں جو لوگ اولیاء اللہ کے بارے میں غلو کرتے ہیں، وہ اپنی ضرورتوں اور مصیبتوں میں اولیاء اللہ کو پکارتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان عباد صالحین کو اس قسم کے تصرف کا اختیار ہے کہ جس کو چاہیں نفع یا ضرر پہنچائیں، اس قسم کے لوگ اگرچہ ان عباد صالحین کو معبود اور خدا نہیں سمجھتے بلکہ ان حضرات کو خدا کا بندہ ہی سمجھتے ہیں اور اسی وجہ سے یہ لوگ دائرۂ اسلام سے خارج نہیں۔

مگر بایں ہمہ نصرانیت اور شرک سے مشابہت ضرور ہے اور ان لوگوں کا یہ فعل اگرچہ شرک اعتقادی اور مخرج عن الملۃ نہ ہو مگر شرک عملی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

حضرات انبیاء حق تعالیٰ شانہٗ کے برگزیدہ بندے ہوتے ہیں اُن کی بعثت کی غرض فقط یہ ہوتی ہے کہ لوگوں کو معرفت اور عبادتِ الٰہی کی راہیں دکھائیں اور اُن کے اخلاق و اعمال کی اصلاح و تزکیہ کریں اور ان کی آیات بینات اور خوارق عادات جو اُن کے ہاتھوں پر ظاہر ہوتے ہیں وہ ان کی نبوت و رسالت کے دلائل و براہین ہوتے ہیں۔ نصاریٰ بیچاروں نے ان معجزات کو دلائل الوہیت سمجھ لیا اور یہ نہ سمجھا کہ یہ معجزات حضرات انبیاء کے اختیاری افعال نہیں بلکہ قدرت خداوندی کے کرشمے ہیں جو من جانب اللہ انبیاء کرام کی فضیلت اور برتری ظاہر کرنے کے لئے محض نمائندگی کے

کی قدرت اور ارادہ سے انبیاء کرام کے ہاتھوں پر ظاہر ہورہے ہیں۔ انبیاء کی قدرت اور ارادہ کو ان کے صدور و ظہور میں کوئی دخل نہیں۔

حق تعالیٰ نے پیغمبروں کو کائنات میں تصرف کرنے کی کوئی ذاتی قوت اور قدرت نہیں بخشی کہ جو چاہیں کر ڈالیں، حتیٰ کہ اپنے قریبی رشتہ داروں اور باپ اور بیٹے کو بھی ہدایت بخشنے کی قدرت بھی ان کو نہیں کہ جس کو چاہیں ہدایت کی راہ پر لے آئیں۔ نوح علیہ السلام اپنے بیٹے کی ہدایت پر اور ابراہیم علیہ السلام آذر کی ہدایت پر قادر نہ ہوتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ قدرت نہ ہوئی کہ اپنے چچا ابو طالب اور ابولہب کو ہدایت پر لے آئیں یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشآء [۱]	تحقیق ہدایت آپ کے اختیار میں نہیں کہ جس کو چاہیں ہدایت دے دیں لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اس کو ہدایت بخشتا ہے۔

حتیٰ کہ انبیاء کرام اپنے نفع و ضرر کے بھی مالک نہیں، بسا اوقات انبیاء کرام کو اپنے دشمنوں سے طرح طرح کی تکلیفیں اور مصیبتیں پہنچیں مگر وہ اپنی ذات سے ان مصیبتوں اور تکلیفوں کو دور نہ کر سکے۔ حتیٰ کہ قتل بھی ہو گئے اسی وجہ سے ارشاد ہے

قل انی لا املک لکم ضرا ولا رشدا [۲]	آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے لئے نہ کسی نقصان کا مالک ہوں اور نہ کسی ہدایت کا مالک ہوں۔

اور اسی قسم کی بے شمار آیتیں قرآن کریم میں موجود ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی نفع اور ضرر کا مالک نہیں لہٰذا جو ذات نفع و ضرر کی مالک نہ ہو وہ قابلِ عبادت اور لائق پرستش نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء راشدین کا دورِ حکومت آیا جنھوں نے قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں اُلٹ ڈالیں اور آدھا کرۂ زمین فتح کر ڈالا فتح کے بعد شرک اور ظلم کا قلع قمع کر دیا اور بداخلاقیوں اور بے حیائیوں سے زمین کو پاک کر ڈالا اور توحیدِ حق اور دینِ الٰہی اور عدل و انصاف

---

[۱] القصص، آیۃ ۵۶، [۲] الجن، آیۃ: ۲۱

کو پھیلا دیا یہاں تک یہ حضرات رحم اور عدل میں اور تدبیر اور عقل میں ضرب المثل ہو گئے ۔
اور اس کے برعکس نصاریٰ کی حکومتوں کو دیکھئے جنھوں نے بجائے توحید کے تثلیث کا علم بلند کیا اور شراب نوشی اور شہوت پرستی اور قسم قسم کے بداخلاقیوں اور بیحیائیوں کا دروازہ کھول دیا جیسا کہ دنیا کے سامنے ہے عیاں راچہ بیان ۔

دین کے تین بنیادی اصول

دین کے بنیادی اصول تین ہیں ۔ جن کو لے کر تمام پیغمبر آئے اور جن پر انسان کی سعادت کا دار و مدار ہے توحید و رسالت و قیامت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے تمام عالم گمراہی میں مبتلا تھا قرآن کریم آپ پر نازل ہوا اور من جانب اللہ ہدایات اور اصلاحات کو لے کر اترا ۔ اصول اور فروع کی تمام گمراہیوں کی اصلاح کی اور سب سے پہلے دین کی ان تین بنیادی اصول میں جو گمراہیاں پھیل گئی تھیں ان کی اصلاح کی۔

پہلی اصل توحید

دین کی سب سے پہلی اور سب سے بڑی اصل توحید ہے جس کے بارہ میں تمام قومیں گمراہ ہوئیں ۔ مجوس تو دو خدا کے قائل ہوئے اور مشرکین بت پرستی میں مبتلا ہوئے ۔

یہود:

یہود باوجودیکہ انبیاء کرام کی تعلیمات اور ہدایات سے واقف تھے مگر وہ بھی توحید کے بارے میں گمراہ ہوئے ۔ اپنی گمراہی سے خدا تعالیٰ کو انسان جیسا بنا دیا کہ جو تھک بھی جاتا ہے اور انسان کے پیدا کرنے پر نادم اور پشیمان بھی ہوتا ہے اور خدا کی اسرائیل سے کشتی بھی ہوئی خدا اسرائیل کی گرفت سے اس وقت تک باہر نہ نکل سکا جب تک اُسے برکت نہ دے دی۔

نصاریٰ:

نصاریٰ کھلم کھلا شرک کا شکار ہوئے اور تثلیث کا مشرکانہ عقیدہ ایجاد کیا، قرآن کریم توحید کی تعلیم اور شرک اور تثلیث کے ابطال سے بھرا پڑا ہے۔

دوسری اصل اعتقادِ نبوّت ہے

مشرکین تو نبوت کے سرے سے منکر تھے اور بشریت کو نبوت کے منافی سمجھتے تھے اور یہود اگرچہ نبوت کے قائل تھے مگر باوجود اس کے انبیاء کرام کو خدا کے مقابلہ میں جھوٹ اور دھوکہ اور فریب سے بھی آلودہ بتلاتے تھے اور پیغمبروں سے کبیرہ گناہ کے صدور کے بھی قائل تھے نیز یہود۔ نبوت کو بنی اسرائیل کی حد تک محدود رکھتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ منصب نبوت بنی اسرائیل کے لئے خاص کر دیا گیا ہے معاذ اللہ خدا تعالیٰ اپنی پیغمبری کے لئے سوائے بنی اسرائیل کے کسی اور کو منتخب نہیں کر سکتا، یہودیوں کی طرح عیسائیوں کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ نبوت صرف بنی اسرائیل میں محدود ہے، اور حضرت مسیح اور ان کے حواریوں کے سوا کسی اور نبی کو معصوم نہیں سمجھتے تھے اور عیسائی لوگ یہودیوں کے برعکس حضرت مسیح کی الوہیت اور ابنیت کے قائل تھے قرآن کریم نے جا بجا مشرکین اور یہود اور نصاریٰ کے عقیدۂ نبوت کے بارہ میں کامل اصلاح کی۔

تیسری اصل عقیدۂ قیامت ہے

یعنی اعتقادِ جزاء و سزاء

دین کی تیسری اصل یوم آخرت پر ایمان لانا اور اعمال پر جزاء و سزاء و حساب ہونے کا یقین کرنا۔

مشرکین اور بت پرست قیامت کی سختی سے منکر تھے اور جزاء و سزاء کے قائل نہ تھے جزاء و سزاء کے مسئلہ میں عیسائیوں کو یہ غلطی پیش آئی کہ انھوں نے فدیہ ہو جانے

والے نجات دہندہ کا عقیدہ قائم کر لیا وہ یہ کہتے ہیں کہ نجات دینے والا خود فدیہ بن کر انسانوں کو ان کے گناہوں کی سزا سے بچائے گا۔

یہودیوں کا زعم یہ ہے کہ خدا تعالیٰ دنیا و آخرت میں صرف بنی اسرائیل کا طرف دار ہے اور جنت بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص ہے۔

اسلام کی تعلیم

جزاء و سزا کے بارہ میں اسلام یہ کہتا ہے کہ نجات ایمان اور عمل صالح پر موقوف ہے، ایمان اور کفر پر جو جزاء اور سزا ملے گی اس میں کسی قوم کو کسی قوم پر ترجیح نہ دی جائے گی بلکہ غایت درجہ عدل و انصاف کے ساتھ ایمان اور نیکیوں پر ثواب اور کفر اور برائیوں پر عتاب ہوگا۔ سزا میں عدل پورا ہوگا کہ ایک بدی اور ایک گناہ بدلہ ایک ہی ملے گا اور جزاء و انعام میں عدل کے ساتھ احسان اور لطف و کرم غالب ہوگا کہ ایک نیکی کا ثواب دس گنا ملے گا اور خدا چاہے گا تو اور بھی اضافہ کر دے گا۔

قرآن کریم نے اس مسئلہ کو عجیب انداز سے بیان کیا ہے اور بار بار دہرایا ہے اور ہر جگہ دل کش اور دل آویز دلائل اور براہین سے اس کو خوب ہی دل نشین کر دیا ہے کہ اور بے شمار دلائل سے اس کو ثابت کیا ہے

افحسبتم انما خلقناکم عبثا وانکم الینا لاترجعون [1]	کیا تم یہ خیال رکھتے ہو کہ ہم نے تم کو بے کار اور بے فائدہ بنایا ہے۔
ایحسب الانسان ان یترك سدی الم یك نطفة من منی یمنی ثم کان علقة	اور کیا یہ خیال کرتے ہو کہ تم ہماری طرف واپس نہیں کیے جاؤ گے۔ کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ وہ مہمل اور بے قید چھوڑ دیا جائے گا، کیا انسان

[1] المؤمنون، آیۃ: ۱۱۵

فخلق فسوٰے فجعل منه الزوجین الذکر و الانثیٰ الیس ذٰلک بقادر علیٰ ان یحی الموتٰی [1]

منی کی ایک بوند نہ تھا پھر خون بستہ ہوا، پھر اس کو اللہ نے صحیح سالم بنایا، پھر انسان کی دو قسمیں بنائیں ایک نر اور ایک مادہ بس کیا وہ خدا جس نے اپنی قدرت سے یہ سب کچھ بنایا اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو دوبارہ زندہ کرے اور زندہ کرکے ان سے حساب و کتاب لے۔

فلاسفہ قیامت کے تو قائل ہیں مگر صرف روحانی قیامت کے قائل ہیں جسمانی قیامت کے قائل نہیں اور اسلام روح و جسم کے ساتھ دوسری زندگی کی تعلیم دیتا ہے فلسفی نظریہ رکھنے والے صرف روحانی قیامت اور روحانی حشر پر اس لئے زور دیتے ہیں کہ جسمانی لذتوں کو حقیر بتاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ محض حیوانیت ہے حالانکہ خود جسمانی لذتوں پر فریفتہ ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ انسان جسم اور روح دونوں سے مرکب ہے اور یہ مجموعہ مرکب احکام خداوندی کا مکلف ہے، لہٰذا جزا و سزا روح و جسم دونوں ہی پر جاری ہونی چاہیئے۔

پس جو دین ہر پہلو سے کامل اور مکمل ہو اور اصول و فروع کے اعتبار سے معقول اور مدلل ہو وہی دین کامل ہے جس کے اتباع سے خدا تعالیٰ تک رسائی ہو سکتی ہے کما قال تعالیٰ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔ وقال تعالیٰ ان الدین عند اللہ الاسلام ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه وھو فی الاخرة من الخاسرین۔

خصائص نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

خصائص نبوی سے وہ فضائل و کمالات مراد ہیں جو حق جل شانہٗ نے خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائے اور انبیاء کرام میں سے کسی اور نبی کو اس میں شریک نہیں فرمایا حدیث

---

[1] القیامۃ آیتہ ۳۶ - ۴۰

میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے چند چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں دی گئیں۔

(۱)۔ میری بعثت تمام دنیا کی طرف ہوئی، مجھ سے پہلے انبیاء صرف اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے اور تمام دنیا کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔ کما قال تعالیٰ قل یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا۔ وما ارسلنٰک الا کافۃ للناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا ۔ وما ارسلنٰک الا کافۃ للناس۔ تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا

(۲)۔ میں خاتم النبیین ہوں میری ذات پر سلسلۂ انبیاء ختم ہوا میرے بعد کوئی نبی نہیں۔
کما قال تعالےٰ ما کان مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّن رِّجَالِکُمْ وَلٰکِن رَّسُوْلَ اللہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖن ۔ وقال تعالےٰ۔
اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا

(۳)۔ مجھکو جوامع الکلم عطا کئے گئے یعنی ایسے مختصر اور جامع کلمات کہ الفاظ تو تھوڑے ہوں اور معانی بے شمار ہوں جیسا کہ احادیث نبویہ کا مجموعہ اس کا شاہد ہے کہ وہ تمام عقائد حقہ اور اعمال صحیحہ اور مکارم اخلاق اور دین و دنیا کے تمام احکام اور دستور اور آئین اور قواعد اور قوانین کا مجموعہ ہے۔

(۴)۔ مجھے رُعب اور ہیبت کے ذریعے فتح و نصرت عطا کی گئی بلا اسباب ظاہری کے ایک مہینہ کی مسافت تک میرے دشمن مجھ سے مرعوب اور خوف زدہ رہتے ہیں، یہ تائید غیبی تھی کہ ایک مہینہ کی مسافت تک دشمنوں کے دلوں میں آپ کا رُعب ڈال دیا گیا۔
کما قال تعالےٰ ۔ سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرعب
وقال تعالیٰ وقذف فی قلوبھم الرعب

(۵)۔ تمام روئے زمین میرے لئے سجدہ گاہ اور مُطَہِّر بنا دی گئی یعنی میری اُمت کو ہر جگہ نماز

پڑھنے کی اجازت ہے خواہ مسجد ہو یا غیر مسجد اور میرے لئے پاک مٹی سے تیمم کا حکم نازل ہوا کہ مجھے ہر جگہ تیمم کی اجازت ہے اور میرے لئے مٹی کو پانی کی طرح مُطہّر پاک کرنے والی چیز بنا دیا گیا۔

(۶)۔ اور مال غنیمت میرے لئے حلال کر دیا گیا اور مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کے لئے حلال نہ تھا

(۷)۔ میرے پیرو تمام انبیاء و مرسلین کے پیرووں سے زیادہ ہوں گے حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن تمام امتوں کی صفیں ایک سو بیس ہوں گی جن میں سے اسی صفیں میری اُمت کی ہوں گی۔

(۸)۔ مجھے شفاعت کبریٰ کا مرتبہ عطا کیا گیا کہ قیامت کے دن اوّلین اور آخرین میری طرف رجوع کریں گے اور میں ان کے لئے بارگاہ خداوندی میں شفاعت کروں گا۔

(۹)۔ سب انبیاء و مرسلین سے پہلے میں اپنی امت کو پلصراط سے لے کر گزروں گا۔

(۱۰)۔ اور سب سے پہلے جنّت میں داخل ہوں گا اور ابوبکر و عمر میرے دائیں اور بائیں ہوں گے اور جنّت میں ہر نبی کے لئے حوض ہوگی اور میری حوض سب سے زیادہ وسیع اور پُر رونق ہوگی۔

فَتِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ

اس ناچیز نے اپنی ضعف اور ناتوانی کی بنا پر معجزات اور ان خصائص کے بیان میں نہایت اجمال اور اختصار سے کام لیا اس لئے کہ ان خصائص کے بارہ میں احادیث معروف و مشہور ہیں اور زبان زد خلائق ہیں اب میں اپنی تالیف سِیْرَۃُ الْمُصْطَفٰیؐ حصہ چہارم کو ختم کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ اللہ اس ناچیز کا اور اس کی اولاد کا خاتمہ بالخیر فرمائے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور آپ کی حوض کوثر پر حاضری اور اس کا پانی پینا نصیب فرمائے

آمین وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین و

الصلاۃ والسلام علیٰ حبیبہٖ سیّد الاوّلین والآخرین

وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وعلمآء امّتہٖ واولیآء زمرتہٖ

اجمعین وعلینا معھم یاارحم الرّاحمین و

یااکرم الاکرمین واجواد الاجودین و

خیر المسئولین ویاخیر المعطّین ۔ آمین

یارب العٰلمین ۔

بفضلہٖ تعالیٰ

۲۸ محرم الحرام ۱۳۸۵ھ کو اس آخری حصّہ کی نظر ثانی سے فراغت

ہوئی ۔ فللہ الحمد اولاً وآخرا

محمّد ادریس

کان اللہ لہٗ وکان ھو للہ

(آمین)

دیگر مطبوعات